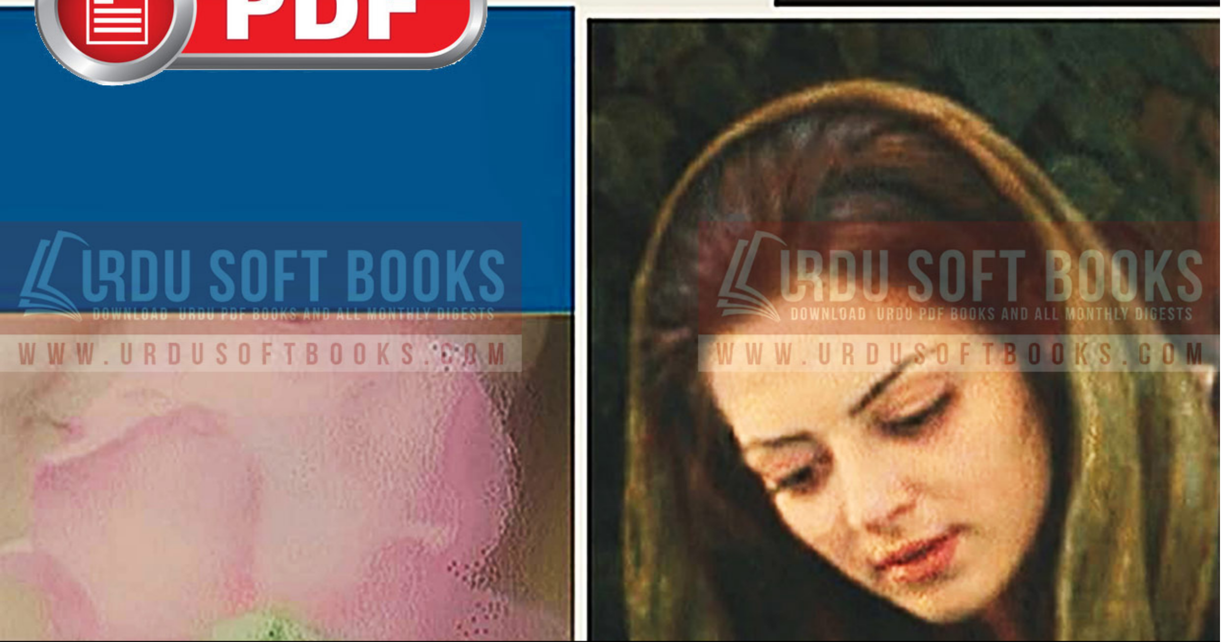
مکمل ناول

افسون جان

حصہ اول + دوئم



Afsoon e Jaan Novel by Ushna Kausar Sardar

افسوں جاں

(حصہ اوّل و دوئم یکجا)

عشناء کوثر سردار

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور
فون : 37352332,37232336

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	افسوں جان
مصنفہ	....	عُشنا کوثر سردار
ناشر	....	گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	....	ساجد، انیس احمد
سن اشاعت	....	دسمبر 2012ء
قیمت	....	=/500 روپے
مکمل سیٹ (دو حصے)	....	-/1000 روپے

......ملنے کے پتے......

ویلکم بک پورٹ
اُردو بازار، کراچی
اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
کلاسیک بکس بوھڑ گیٹ، ملتان
رائل بک کمپنی
فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک راولپنڈی

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال
مکتبہ رشیدیہ، جنرل مارکیٹ
چکوال فون: 0301-5785262

اپنی بات

''افسوں جان'' عشنا کوثر سردار کی زندگی کا سفر اور اس کا دوسرا پڑاؤ......اس ناول کے بارے میں اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ یہ ناول پہلے ناول ''اے شمع کوئے جاناں'' کے بعد ایک نیا ''معرکہ'' تھا۔ مجھے اس پہلے ناول کی مقبولیت کا اندازہ تھا سو اسے ہر طور اس سے بہت مختلف اور کچھ خاص جدت سے ہمکنار کرنا تھا۔

''اے شمع کوئے جاناں'' کی مقبولیت اپنی جگہ......میرے پڑھنے والوں کی پسندیدگی اپنی جگہ مگر اِس ناول کے کردار اور کہانی اُس ناول سے کہیں زیادہ گہرائی لیے ہوئے ہے۔

کرداروں کا بیان، طرزِ زندگی، ان کی فطری طبیعت اور مزاج کا عکاسی ہے۔

ہمارے اردگرد ہر طرح کے کردار ملتے ہیں اور آنکھیں کئی طرح کے کرداروں کو دیکھتی ہیں، ان سے ملتی ہیں۔ اس ناول کے کردار جیتے جاگتے تھے۔ انہیں میں نے اپنی سوچ میں......اپنے آس پاس......اپنے ساتھ ساتھ......اندر کہیں چلتے ہوئے دیکھا۔

یہ کردار اس معاشرے میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں......اپنے فطری رنگوں کے ساتھ۔ میں نے حقیقت سے الگ ہو کر کچھ نہیں لکھا۔ آج بھی جہاں خواتین رائٹرز کا نام لیا جاتا ہے وہیں حقیقت سے بہت دور......خیالی ہواؤں سے باتیں کرتی ہوئی کہانیاں یاد آتی ہیں۔ پڑھنے والوں کے ذہن سے خواتین رائٹرز کی رومانوی کہانیوں کا اثر کبھی ٹوٹ نہیں پایا......نہ ہی وہ تاثر بدل پایا کہ ایک لڑکی کا قلم حقیقت سے منسلک باتوں کو بھی زیرِ قلم لا سکتا ہے۔

محبت میری ہر کہانی کا ''جز'' بھی ہوتی ہے اور ''کل'' بھی۔ میں محبت کے بنا سانس نہیں لے سکتی۔ سو میرے قلم کا ناطہ محبت سے نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ ٹوٹے گا......اس ناول کے کردار محبت سے گُندھے ہیں۔ محبت کہتے ہیں......محبت سنتے ہیں......محبت لکھتے ہیں......محبت پڑھتے ہیں۔

پہلے ناول کی طرح اس ناول کا ''کل'' اور ''جز'' بھی محبت ہی ہے۔

''افسوں جان'' ایسا افسوں جو جان سے لپٹا رہے۔ اور ایسا جادو صرف محبت ہے۔

شاید کہیں کہیں پڑھنے والوں کو اس ناول کے کردار کچھ اُلجھے دکھائی دیں تو محبت ایسی ہی ہے......کچھ اُلجھی......کچھ سلجھی۔

اس ناول کے کیریکٹرز اس دائرے سے باہر بھی آتے ہیں، جہاں محبت ایک پل میں سلجھتی دکھائی دیتی ہے۔

کبھی جلتی......کبھی بجھتی......

محبت ہے......!

میں نے محبت کو دیکھا ہے

میلوں دُور تک چلتے ہوئے

ننگے پاؤں جلتے ہوئے

میں نے محبت کو دیکھا ہے......!

خود اپنی راہ پر چلتے ہوئے

کچھ نہ کہتے ہوئے......

نہ سنتے ہوئے......

خود اپنی ہی آگ میں جلتے ہوئے......

محبت کو میں نے دیکھا ہے

چپ چاپ ہاتھ ملتے ہوئے

کچھ کہتے ہوئے

نہ سنتے ہوئے......!!

محبت کو میں نے دیکھا ہے......!!

"Love is a most beautiful thing of this world, that I do believe!"

اور ایسا غلط بھی نہیں ہے......بہت سے اور بھی ہوں گے جو محبت کو میرے زاویے سے سوچتے ہوں گے......میری آنکھوں میں دیکھتے ہوں گے......بہت سے رنگ ہیں اس کے......بہت سے شیڈز......اور ''افسوں جان'' انہی رنگوں کے بیاں ہے۔ محبت ہر کیریکٹر میں بولتی ہے۔ ہر کردار کے اسرار و بھید اسی محبت سے کھلتے ہیں۔

وہ ''ساہیہ'' ہو یا میرب سیال......سردار سبکتگین حیدر لغاری ہو یا اذہان حسن بخاری۔ محبت ہر کیریکٹر کا جز بھی ہے اور کل بھی۔
کئی بار سوچا کیا محبت کوئی گرداب ہے......یا پھر کوئی ''غلام گردش'' مگر سمجھ نہیں آیا۔ مگر اس ناول کے کردار صاف یہ بھید کھولتے ہیں کہ ''محبت'' کیا ہے؟

میرے لکھنے کا ڈھنگ یہ ہے کہ میں اپنے قلم کو آزاد چھوڑ دیتی ہوں۔ میں اپنے کرداروں کو نہیں لکھتی...... میرا قلم میرا ''کیریکٹرز'' خود اپنی مرضی سے لکھتا ہے اور میں نے اپنے قلم کے ساتھ کبھی کوئی زور زبردستی نہیں کی۔ میں نے ان کرداروں کو اپنے اپنے رُخ پر...... اپنی سوچوں کے ساتھ موڑنا نہیں چاہا۔

پتہ نہیں اور لکھنے والے ایسا کرتے ہیں کہ نہیں...... مگر میں کبھی اپنے کرداروں کو اپنے ''حکم نامے'' کا پابند نہیں بنا پائی۔ میرے کیریکٹرز اپنا آپ کچھ تراشتے ہیں...... شاید وہ میرے لاشعور میں اسی طور بستے ہیں۔ مگر بہت بار میں خود نہیں جان پائی وہ میرے اندر تھے یا میں نے انہیں کہیں باہر سے اپنے اندر منتقل کیا۔ یہ گہرائی میرے اندر کی ہے یا نگاہ میں وسعت ہی اتنی ہے کہ ستاروں سے آگے بھی نگاہ دیکھ پاتی ہے۔ بہر حال سب کچھ بھی رہا ہو مگر میں اپنے کرداروں کو اپنے رنگ ڈھنگ سے موڑ نہیں پاتی۔ وہ جیسے ہیں، اپنے آپ کو لے کر آگے خود بڑھتے ہیں۔

When routine bites hard

And ambitions are high,

And resentment ride high,

But emotions won't grow

And we're changing our ways,

Talking different roads

Then love, Love will tear us apart again!

Joy Division نے کسی ایسے ہی موقع کے لیے لفظوں کو زبان دی ہوگی۔

محبت اتنا پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے......

محبت ''حل'' ہے۔

اس ناول کے ہر کردار میں یہ پیچیدگی بھی دکھائی دے گی اور پھر اسی پیچیدگی کا ''حل'' بھی۔

سن رکھا ہوگا آپ نے......

کسی کا حل، کسی کا مسئلہ ہے

محبت اپنا اپنا تجربہ ہے

سو ہے...... آپ سطر سطر میں خود کو پائیں گے...... کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی تجربہ آپ کو اپنا لگے گا...... کوئی کیریکٹر جب بولے گا تو

آپ کو اپنی زبان لگے گی...... یہ کوئی جادو نہیں ہے...... یہ محبت ہے۔ محبت میں، محبت کی کہانیوں میں نیا پن کہیں نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی ہر کہانی پہلے سے زیادہ دلچسپ لگتی ہے۔

محبت کتنی بھی پرانی ہو، اپنے اندر نیا پن رکھتی ہے......

اور اس نئے پن کا، جنت کا حصہ ہر کردار بھی ہے۔

اور ان کرداروں کا حصہ آپ بھی یقیناً بننا چاہیں گے۔ پہلے کی بات اور تھی، میں کچھ بھی ایک حد سے آگے دیکھ نہیں پاتی تھی۔ مگر ایک وقت آتا ہے جب نگاہ مظاہرہ دیکھنے اور دکھائی دینے والے مناظر سے بہت آگے دیکھنے لگتی ہے۔

میں نے اس اندر کی آنکھ سے ان کرداروں کو بہت دور سے دیکھا مگر مجھے سب کچھ بہت واضح دکھائی دیا۔

گمان نہیں یقین ہے...... جب آپ ان کرداروں کو پڑھیں گے تو آپ کی دلچسپی آخر تک برقرار رہے گی۔ آج اس ناول کی بات تھی شاید کل کسی اور ناول کی بات میں آپ سے کر رہی ہوں۔ کڑی سے کڑی ملتی ہے۔ مگر محبت کی یہ کہانیاں نہ ختم ہونے والی ہیں۔ سو میرے اندر کی نگاہ ان کرداروں کو دیکھتی رہے گی اور آپ تک پہنچاتی رہے گی۔ اب تک کا سفر...... یہیں تک...... کل تک کی کسی نئی بات کے لیے۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتابوں کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

عُشنا کوثر سردار

filmmakin05@gmail.com

ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں بالیاں بڑے مدھر سُر بکھیر رہی تھیں۔ گاہے بگاہے ہنسی کے جلترنگ فضا کو مزید پُر کیف کر رہے تھے۔ گھر کی آرائش کے لیے استعمال کیے گئے تازہ موگرے اور گیندے کے پھولوں کی مہک سے چار سمت ایک جادو سا پھیلا ہوا تھا۔ فارحہ مختلف امور کی ادائیگی کے سبب بڑی عجلت میں یہاں سے وہاں آ جا رہی تھیں۔ ابھی کچھ ہی دیر میں اکلوتی بیٹی کی رسم مایوں تھی۔ مگر ان کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کی بجائے آنکھوں میں ایک گہرا سکوت ٹھہرا ہوا تھا۔

بڑے نپے تلے قدم اُٹھاتی، وہ تمام امور انجام دیتی ہوئی ایک رسمی سی مسکراہٹ سجائے سب سے مل رہی تھیں۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتیں، رشتے کی ایک بزرگ نے ان کے قریب آ کر اپنا چہرہ کان کے قریب لا کر کوئی مدھم سی سرگوشی کی تھی۔ فارحہ کے چہرے کی کیفیت پل کے پل میں متغیر ہوئی تھی۔ اس سے قبل کہ سید اذہان حسن بخاری ماں کی جانب متوجہ ہوتا یا اس کی کیفیت کو سمجھتا، کوئی لیونگ روم میں داخل ہوا تھا۔ فارحہ کی پتھرائی نظریں اس جانب تک رہی تھیں۔ آنے والے کے قدموں کی آہٹیں چار سمت پھیلے شور میں کہیں مدغم ہو گئی تھیں مگر اس کے باوجود دیکھنے والی کتنی نظریں اس سمت اُٹھی تھیں۔ کتنے چہرے حیرت سے تکتے چلے گئے تھے۔ ہر نگاہ کیسی ساکت تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے ساکت نظروں سے اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر رکے لمبے چوڑے تنومند جسامت کے مالک سید سعد حسن بخاری کی جانب دیکھا تھا۔ پُر تحیر نگاہ یقین سے خالی تھی۔ کس قدر حیرت سے وہ اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ سامنے کھڑا وجود اجنبی نہ تھا۔ نہ ہی وہ اس حقیقت سے آنکھیں پھیر کر چہرے کا رخ بدل سکتا تھا۔ حقیقت کڑوے سچ کی مانند اس کے سامنے تھی۔ کتنا قریبی تعلق تھا۔ کس قدر مضبوط رشتہ۔ مگر وہ غرور سے تنی گردن، وہ تفاخر سے بھری آنکھیں کس قدر اجنبی تھیں اس گھڑی۔ کسی رتی بھر ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔ پہلو میں کھڑا پیکر کس قدر دلربا تھا۔ سنگ مرمر سا تراشیدہ جسم، شیفون کی سرخ ساڑھی میں ملبوس، قیامت سی قیامت تھی کوئی۔ شگفتہ چہرہ، خوشبو سا پیکر، چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں، قاتل ادائیں۔ عمر میں سید سعد حسن سے آدھی تو ضرور تھی مگر سعد حسن بخاری کا سر کیسے فخر سے تنا ہوا تھا۔ جیسے وہ ایک عالم کو فتح کر چکے ہوں۔ ایک جہان ان کی مٹھی میں ہو۔ کیسی چمک تھی آنکھوں میں۔

فارحہ ایک ٹک تکتی جا رہی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری کی سرخ رنگ آنکھیں کس قدر حیرت سے اس گھڑی اپنے باپ کو دیکھ رہی تھیں جیسے یہ سب اس کی توقع کے برخلاف ہوا تھا۔ پیشانی کی رگیں کس درجہ تن گئی تھیں۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی اقدام کرتا یا پیش قدمی کرتا ہوا باپ کے مقابل جا ٹھہرتا، اس کے پہلو میں کھڑی فارحہ یکدم لڑکھڑائی تھیں۔ اس نے فوراً ماں کو سنبھالا تھا۔ شادی والے گھر میں یکدم ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔

ڈھولک کی آواز دم توڑ گئی تھی۔ قہقہے سناٹوں کی زد میں آ گئے تھے۔ سہاگ کے گیت کہیں حلق میں ہی گھٹ گئے تھے۔ تازہ موگرے اور گیندے کے پھولوں کی خوشبو پل میں ماند پڑ گئی تھی۔ رسمِ اُبٹن کی منتظر ماہا کی نظریں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ اذاہان حسن بخاری ماں کے وجود کو اُٹھا کر ایک پل میں کمرے میں آیا تھا اور پھر دوجے ہی پل پلٹ کر انتہائی سرعت سے فیملی ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگا تھا۔ خاندان بھر کی

خواتین فارحہ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی تھیں۔ساتھ ساتھ چہ میگوئیاں بھی جاری تھیں۔

''ہائے، ہائے......ایسی کہانی تو سنی نہ دیکھی۔توبہ استغفار۔'' کسی خاتون نے کہا تھا۔

''بے شرمی کی حد ہے......سعد بھائی کو کم از کم اپنی عمر کا ہی لحاظ کرنا چاہیے تھا۔'' کسی دوسری خاتون نے بھی حصہ لیا تھا۔

''اتنا انتہائی اقدام اور وہ بھی عین بیٹی کی شادی والے دن......توبہ، توبہ۔غیرت مرگئی باپ کی تو۔'' ایک مزید اظہارِ افسوس ہوا تھا۔

''اللہ میری توبہ......اتنی جواں سال دُلہن......اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی سے بیاہ کرنے سے پہلے سعد حسن بخاری کو چلو بھر پانی نہ ملا۔'' ایک مزید ہمدردی۔

''ارے جانے کیا سلسلہ چلتا رہا......کسی کو خبر نہ ہوئی۔یہ جو آج ہوا یکدم تو نہ ہوا ہوگا۔پیچھے کتنی طویل کہانی ہوگی۔مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔'' ایک بزرگ عورت نے دور کی کوڑی ڈھونڈی۔

''اے ہاں......یہ جو فارحہ بیگم گھنی بنی بیٹھی تھیں، کچھ کہتی سنتی تو آج یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا......جانے کیا کھیر پکائی ماں بیٹے نے اندر ہی اندر۔اب بھگت رہے ہیں نا چپ چاپ۔'' ایک مزید انکشاف۔

''اے خالہ! بھلا اس میں فارحہ کا کیا قصور......بے چاری کتنی اُلجھی اُلجھی سی دکھائی دے رہی تھی اتنے دنوں سے۔دریافت کیا بھی تو مسکرا کر ٹال گئیں۔اب اپنے گھر کی بدنامی کون چاہتا ہے؟......وہ بے چاری تو مجبوراً چپ سادھے ہوئے تھی شاید۔'' کسی ایک خاتون نے ہمدردی کی۔

''اے ہاں......قبر کا حال تو مُردہ ہی جانتا ہے......کیسی ہنستی بستی گھر گرہستی تھی۔کون جانتا تھا ایسا بھی دیکھنا ہوگا۔''

''فار گاڈ سیک......چپ کریں گی آپ؟'' ماہا نے ماں کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرتے ہوئے ان سب خواتین کو دیکھا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز اور برہم نظروں میں گہرا اضطراب تیر رہا تھا۔بولنے والی خواتین چپ ہوگئی تھیں۔

''آپ لوگ پلیز باہر جایئے۔'' اذہان حسن بخاری نے آگے بڑھ کر قدرے مدھم لہجے میں کہا تھا۔خواتین نے اس پُرسکوت چہرے والے لڑکے کو دیکھا پھر باری باری اُٹھ کر باہر نکلنے لگی تھیں۔کمرہ خالی ہوگیا تھا۔ماہا نے سر اُٹھا کر بھائی کو دیکھا تھا۔آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں......اذہان حسن بخاری نے بہن کو دیکھا تھا پھر دو قدم آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اپنا بھاری مضبوط ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا اور خاموشی سے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔مگر پانی ایک تواتر سے پلکوں کے بند توڑتا ہوا بہہ نکلا تھا۔اذہان حسن بخاری نے پُرتناؤ چہرے اور بھنچے ہوئے ہونٹوں سے ماں کو دیکھا تھا جن کی پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔یقیناً وہ ہوش میں آرہی تھیں۔

دونوں بہن بھائی دوجے ہی لمحے ماں پر جھک تھے۔

''ممی!......آپ ٹھیک ہیں نا؟'' اذہان حسن بخاری کی بھاری آواز اُبھری تھی۔فارحہ نے خاموش نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔بہت چپکے سے ان کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہوگئے تھے۔اذہان حسن بخاری کی آنکھوں کا اضطراب دو

چند ہو گیا تھا۔ بہت ہولے سے وہ عجب بے بسی کے ساتھ ماں پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔ تبھی فیض بخاری، ڈاکٹر عزیز کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ اذہان حسن بخاری، چاچا کی آمد پر پلٹا تھا۔ فیض بخاری نے لمبے چوڑے بھتیجے کے کندھے پر فقط ہاتھ رکھ کر حوصلہ بندھایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے فقط خاموشی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ فیض بخاری کی آمد سے اسے کسی قدر ڈھارس بندھی تھی۔ ڈاکٹر عزیز فارحہ کا چیک اَپ کرنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک خاموش نظر ماں پر ڈالی تھی۔ ایک لمحے میں ہی وہ نڈھال سی لگ رہی تھیں۔ ماں کی حالت پر اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

''پریشانی کی تو کوئی بات نہیں عزیز؟''

''نہیں......مگر میں کچھ دوائیں لکھ رہا ہوں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

عزیز اس کا دوست تھا۔ اپنے سے قریب لوگوں کو اس لمحے اپنے سامنے پا کر اسے قدرے ڈھارس ہوئی تھی۔ تبھی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ اس کا انداز کسی قدر جارحانہ تھا۔ فیض بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔

''اذہان! تم کوئی ایسا اقدام نہیں کرو گے جس سے مزید کوئی تماشا بنے۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان سے خاصے فاصلے پر تھا، جب وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تھے۔ مگر اذہان حسن بخاری نے سنی اَن سنی کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے جیسے وہ ساری دنیا کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر حد درجہ تناؤ تھا۔ فیض بخاری نے اسے اس سے قبل اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یقیناً اس کی خاموشی میں بہت سے طوفان پل رہے تھے۔ ایک الاؤ میں اس کا سارا اندر جل رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے بیٹا باپ کے مقابل کھڑا ہو اور صورت حال مزید بگڑ جائے۔ تبھی اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتے تھے۔

''اذہان! تم جوش سے کام لے رہے ہو...... بھابی کی حالت تم دیکھ رہے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ صورت حال مزید بگڑ جائے؟''

اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بولے تھے مگر اذہان حسن بخاری نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

''اذہان! تمہیں بھابی کی قسم ہے......تم ایسا کچھ نہیں کرو گے جس سے بھابی کو مزید دکھ پہنچے۔''

اذہان حسن بخاری کے قدم تھمے تھے اور وہ عجب ایک بے بسی کے ساتھ خون رنگ آنکھوں سے چاچا کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فیض بخاری نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا اور پھر اسے بغور تکتے ہوئے بولے تھے۔

''اذہان! میرے بچے! غصہ یا پھر کوئی شدید ردعمل اس لمحے کا تقاضا نہیں ہے۔ بھائی جی نے جو بھی کیا اچھا نہیں کیا۔ مگر اب تمہارے ان کے سامنے ڈٹ جانے یا پھر غم و غصہ دکھانے سے کیا اس کا ازالہ ہو سکے گا؟ جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ تمہارے مد مقابل آنے کا ہی ایک شدید ردِعمل ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم نے غلط کیا۔ یقیناً تم بھی حق پر تھے۔ کوئی بھی جوان، خردمند بیٹا ایسا ہی ردعمل ظاہر کرتا۔ لیکن بھائی جی نے بھی حد کر دی۔ یہ تناؤ مزید بڑھے گا اذہان! کیونکہ یہ اَنا پرستی اور ہٹ دھرمی کی جنگ ہے۔ جس پر بھائی جی حق پر نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو حق پر محسوس کر رہے ہیں......اور المیہ یہ ہے کہ ہم ان کی اس سوچ یا نظریے کو قطعاً نہیں بدل سکتے۔ اس لیے نہیں کہ وہ غلط

ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ اس لمحے وہ سمجھتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پا رہے اور دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہے ہیں۔ عقل اندھی ہو چکی ہے ان کی اور ایسا سب اس لڑکی کے باعث ہے۔ عشق کا بھوت سوار ہے ان کے سر پر۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی باپ ایسا کوئی اقدام کرنے کے متعلق سوچتا جیسا انہوں نے کیا۔"

اذہان حسن بخاری، چاچا کے مدھم لہجے پر بہت ہولے سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب طرح کی بے بسی تھی اور آنکھوں کی ویرانیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ وحشتیں دوچند ہو گئی تھیں۔

فیض بخاری نے بھتیجے کے ہتھیار ڈالنے والے انداز کو دیکھا تھا، پھر قدرے ملائمت سے بولے تھے۔

"بہت قوی اعصاب کا مالک ہے میرا بچہ...... مجھے امید ہے تم اس تمام صورت حال پر قابو پا لو گے اور تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں کر لو گے۔ میں نے بھائی جی سے بات کر لی ہے۔ وہ یہاں نہیں رہیں گے۔ فی الحال یہی ان کے اور تمہارے حق میں بہتر ہے۔ آگے کی صورت حال پر ماہا کی شادی کے بعد سوچیں گے۔ پہلے یہ فریضہ بخیر و عافیت سرانجام پا جانے دو۔ باپ نے ناسمجھی کا ثبوت دیا مگر تم بھائی ہو کر صورت حال کو سنبھال سکتے ہو...... سوچو تو اس وقت بھائی بھی تم ہو اور باپ بھی۔ اپنے حقوق کی منصبی سے بھائی جی ہاتھ کھینچ چکے ہیں تو یہ فرض تم پر عائد ہوتا ہے کہ تم مکمل عقل مندی سے ان معاملات کو نمٹاؤ۔"

اذہان حسن بخاری ایک لمبا چوڑا شخص، عجب بے بسی سے سر جھکائے اس گھڑی چاچا کے سامنے کھڑا تھا۔ عزیز فرسٹ ایڈ باکس لیے چلتا ہوا راہداری میں کھڑے فیض بخاری اور اذہان حسن بخاری کے قریب رکا تھا۔

"اینی پرابلم عزیز......؟" فیض بخاری نے اس کی سمت دیکھا۔

"نو بھائی جان!...... میں نے نیند کا انجکشن دے دیا ہے۔ بھابی سو رہی ہیں...... کچھ اسٹریس تھی۔ انہیں سکون کی ضرورت ہے۔"

عزیز نے کہتے ہوئے دوست کی جانب دیکھا تھا۔ وہ باہر کا بندہ نہیں تھا کہ اس سے کچھ چھپایا جاتا۔ اُن کا قریبی عزیز تھا۔ وہ تمام صورت حال سے واقف تھا۔ بچپن سے اس گھر میں آ جا رہا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری کی زندگی کا کوئی صفحہ اس سے پوشیدہ نہ تھا۔ اس گھڑی بھی بنا کچھ کہے اس نے اذہان کے کندھے پر ہاتھ دھرا تھا، آنکھوں سے ہمت بندھائی تھی مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی عزیز نے اجازت چاہی تھی۔

"چلتا ہوں...... بھابی کو دوا باقاعدگی سے دینا اور ضرورت پڑے تو فون کر لینا۔ ورنہ فیض بھائی تو ہیں یہاں پر۔" عزیز اجازت طلب کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ اذہان اس گھڑی وہیں رکا ہوا تھا جب رشتے کی ایک خالہ وہاں آئی تھیں۔

"فارحہ ٹھیک ہیں اب؟"

"جی بس دواؤں کے زیر اثر سو رہی ہیں۔ آپ......" فیض بخاری ابھی کچھ بولنے والے تھے جب صغریٰ خالہ انہیں ایک طرف لے گئی تھیں۔ پھر قدرے مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"فیض بھائی! صورت حال تو مزید بگڑ گئی ہے...... جو کچھ بھی ہوا اچھا نہیں ہوا۔ جس گھڑی سعد بھائی اپنی نئی نویلی دُلہن کے ساتھ

یہاں موجود تھے تبھی ماہا کی سسرال رسم کے لیے آگئی اور خاندان کی خواتین سے خدا کی پناہ۔ انہوں نے ساری صورتِ حال ان لوگوں کے گوش گزار کر دی ہے۔ ماہا کی ساس اور دیگر سسرالی شدید ترین غصے میں ہیں۔ خاندان کے تمام بزرگ حضرات اور مرد انہیں سمجھانے اور قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں مگر وہ ہیں کہ غصے کا اظہار کیے جا رہے ہیں...... ہم اپنے طور پر صورت حال سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ آپ لوگوں کو بھی اس لیے مطلع نہیں کیا کہ فارحہ کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ پھر ہمیں صورت حال کے اس درجہ بگڑنے کی اُمید بھی نہ تھی۔ ماہا ہماری بھی بچی ہے۔ ہم ان لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوا اس میں بچی کا کوئی قصور نہیں۔ وہ معصوم ہے۔ مگر وہ لوگ سمجھنے کو قطعاً تیار نہیں...... کہتے ہیں جب باپ کے اس عمر میں ایسے تیور ہیں تو ان موصوف کی بیٹی میں کیسے ممکن ہے کہ ان کے وصف نہ شامل ہوئے ہوں۔ بہت کوشش کی سب نے مگر بات سنبھل نہیں رہی ہے۔'' صغریٰ خالہ کا لہجہ اگرچہ بہت مدھم تھا مگر اذہان حسن بخاری تمام صورت حال سمجھ چکا تھا اور جواباً دوسرے ہی لمحے اس کے قدم لیونگ روم کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں سے دو خاندانوں میں ہونے والے مذاکرات کی آوازیں بہ خوبی آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس گھڑی مزید بڑھ گیا تھا۔ فیض بخاری نے بھی اس جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔

''سعد بھائی نے اچھا نہیں کیا...... مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے...... ذرا سی غلطی سے بچی کی زندگی نہ بگڑ جائے کہیں۔'' صغریٰ خالہ حد درجہ متفکر تھیں۔

''بھائی جی کہاں ہیں؟ رخصت ہو گئے یا......'' فیض بخاری نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''ارے کہاں...... جب آپ سمجھا بجھا کر اندر گئے وہ بدستور وہیں ٹکے رہے اور اِرد گرد بیٹھی خواتین کی چہ میگوئیاں بڑھتی چلی گئیں...... اب یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ بات ماہا کی سسرال سے پوشیدہ رہ پاتی؟'' صغریٰ خالہ پریشان تھیں۔ مگر فیض بخاری مزید کچھ نہیں بولے تھے۔ ان کے قدم تیزی سے آگے کی سمت بڑھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

خزاؤں نے جیسے منظروں کے ساتھ ساتھ اس کے دل کے اندر بھی اپنا ڈیرا ڈال دیا تھا۔ سارے زمانے زرد رنگ موسموں جیسے ہو گئے تھے۔ سارے جذبے ان ویرانیوں سے بھر گئے تھے۔ دل کی دھڑکنیں ان خشک زرد رنگ پتوں کی صورت اِدھر اُدھر بکھرتی چلی گئی تھیں۔

اسے ان ویران موسموں سے جیسے عشق تھا۔

اپنے کئی ضروری کام چھوڑ کر وہ ان موسموں کے سنگ سفر کرنے لگتی تھی۔

گھنٹوں ان خشک رنگ پتوں کو ٹوٹتے، بکھرتے اور ہواؤں کی زد پر اُڑتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی اور اس کے اندر ان خاموش لمحوں میں گھنٹوں اک شور ہوتا رہتا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اپنے اندر ہونے والے اس شور کو سنتی رہتی تھی۔ پہروں اس کے اندر کوئی بولتا رہتا تھا اور پہروں وہ ٹورنٹو کی سڑکوں پر انجانی پرچھائیوں کے پیچھے سرگرداں دوڑتی، بھاگتی رہتی تھی۔ اور جب تھک جاتی تو سنی بروک پارک میں آن

بیٹھتی تھی اور پھر پہروں اس کے سامنے خزاں رنگ موسم، اپنے سوگوار جذبوں کے راگ مدھم سُروں میں الاپتے رہتے تھے اور وہ ان سروں کے تال اپنے دل سے ملتے محسوس کرتی تھی۔

رُت بدلتے انہی منظروں میں......ان بھاگتے دوڑتے لمحوں میں، ایک دن اچانک ہی وہ اس سے آن ملا تھا۔

ہاں بس یونہی اچانک۔

سرِ راہ چلتے ہوئے جب خزائیں اپنے رنگ تمام سمتوں میں بکھیر رہی تھیں اور جب ہر منظر ایک سوگوار چادر اوڑھے کوئی مدھم، انجانا راگ الاپ رہا تھا اور ان پُر وحشت موسموں میں خشک زرد رنگ پتے کی مانند سرگرداں ''گی'' کتنی دیر تک ان ویران رنگ آنکھوں سے اسے تکتی رہی تھی۔

پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

سرِ راہ کبھی ایک دوجے سے ٹکرائے بھی نہیں تھے۔

لیکن اس کے باوجود ''گی'' کو لگا تھا جیسے وہ اس چہرے سے صدیوں سے آشنا ہو......ان خدوخال سے برسوں سے شناسا ہو...... جیسے یہ آنکھیں اس کے لیے اجنبی نہ ہوں یا وہ لہجہ اس کے لیے نیا نہ ہو۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کتنے لمحوں تک وہ ساکت نظروں سے چپ چاپ تکتی رہتی تھی اور اس لمحے اس کے اندر کیسی مدھم سرگوشیاں گونجتی رہی تھیں۔مگر ان کے معنی و مفہوم کیسے انجان رہے تھے اس سے۔مگر اس کے باوجود وہ خود کو اس تک بڑھنے سے روک نہ سکی تھی۔

''سنی بروک پارک'' ان خزاں رنگ موسموں میں گھرا ہی سوگوار گیت الاپ رہا تھا جن کی صدائیں گی اپنے اندر ہوتی سنتی تھی۔

''خزاں اپنی تمام تر اُداسی اور سوگواری سمیت کتنی پُر کیف ہے نا......دل کو چھوتی ہوئی، گھر کرتی ہوئی۔'' اس لمبے چوڑے شخص کے قریب آ کر رکتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولی تھی اور جہاں پہلے وہ چونکا تھا وہیں دوجے ہی پل بہت مدھم انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں خزاں کا یہ موسم پسند ہے؟'' بھاری لہجہ اس سے دریافت کر رہا تھا اور وہ بلاتردّد سر اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

''ہاں...... یہ سوگوار موسم اور اس کے سارے اُداس سُر میرے اندر اُترتے ہوئے گھر کر لیتے ہیں اور پھر تا دیر میں اپنی دھڑکنوں کو ان سُروں کے سنگ گونجتے ہوئے سنتی رہتی ہوں۔'' اس کا لہجہ دھیما مگر پُر تاثیر تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس جاپانی خدوخال والی لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔نگاہوں میں یکدم ہی دلچسپی کا تاثر اُبھر آیا تھا۔اس گھڑی سامنے کھڑی وہ لڑکی یقیناً دلچسپی سے خالی نہ تھی۔

''تم انڈین ہو؟'' وہ دھان پان سی لڑکی شستہ انگریزی بول رہی تھی۔

''نہیں، پاکستانی۔سردار حیدر لغاری۔'' مختصر تعارف دیا تھا۔وہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''گی۔GEE!''

''گی......؟'' مختصر نام کو دلچسپی سے دہرایا۔وہ مسکرا دی۔

’’ گی کا مطلب سورج مکھی کا پھول ہے۔‘‘ بہت ہولے سے آگاہ کیا۔

’’اوہ......ویری انٹرسٹنگ۔ٹورسٹ ہونا یہاں؟‘‘ دریافت کیا۔

وہ مسکرائی، پھرنفی میں سر ہلانے لگی۔

’’نہیں......میں یہیں رہتی ہوں......یہی میرا وطن ہے۔‘‘

’’لیکن تمہارے خدوخال؟‘‘ سبکتگین چونکا اور وہ مسکرادی۔

’’دراصل میں دو تہذیبوں کا ملاپ ہوں......میرا باپ کینیڈین ایئرفورس میں تھا اور میری ماں یہاں سیاحت کے لیے آئی تھی پھر ان دونوں کے دلوں پر محبت نے دستک دی تو تمام فرق ایک طرف دھرارہ گیا اور ان دونوں نے شادی کر کے گھر بسا لیا......مگر جب میری پیدائش عمل میں آنے والی تھی تبھی میرے ڈیڈ کو ایک حادثے میں لقمہ اجل بن جانا پڑا۔میری ماں بہت وفادار بیوی ثابت ہوئی۔اس نے اپنے محبوب کی سرزمین کو اپنا اوڑھنا بچھونا کر لیا اور میری پرورش کرتے ہوئے اپنی باقی ماندہ زندگی اسی محبوب کے نام پر بسر کردی......تم جانتے ہو یہ محبت تھی۔بڑی قوی اور مضبوط شے ہوتی ہے یہ محبت بھی۔دلوں میں گھر کرتی ہے تو وجود کے گرد ایک اسم پھونک کر آہنی دیوار اُٹھا دیتی ہے۔‘‘

وہ بولتے بولتے یکدم چونکی۔سبکتگین اس کی سمت تکتا ہوا بغور مسکرا رہا تھا۔وہ چپ ہوئی، پھر مسکرادی۔

’’تم اس طرح مسکرا کیوں رہے ہو؟‘‘ وہ جیسے لمحہ بھر کو خفا ہوئی۔

’’بس ایسے ہی۔‘‘ سبکتگین نے سر نفی میں ہلایا۔پھر قدرے سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔’’تم باتیں بہت دلچسپی سے کرتی ہو۔بطورِ خاص تمہاری آنکھیں......جب تم بولتی ہو تو تمہاری آنکھیں بھی اس گفتگو میں شامل ہو کر باتیں کرتی ہیں۔کیسے کر لیتی ہو تم اس قدر دقیق، بھاری بھرکم باتیں؟‘‘

گی نے اُسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔پھر کوئی جواب دیئے بغیر خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔پھر کچھ ثانیوں بعد بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

’’سبکتگین!تم کوئی پہلے شخص نہیں ہو جس نے یہ بات کہی ہے۔‘‘

’’اچھا......کیا تم اس بے وقوفی کا مظاہرہ پہلے بھی کر چکی ہو؟‘‘ وہ قدرے پُر مزاح انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔مگر گی کے لبوں پر ایک جامد خاموشی اپنا ڈیرا جما چکی تھی۔چند ثانیوں تک وہ پُر وحشت خشک زرد رنگ پتوں کو اِدھر اُدھر اُڑتا ہوا دیکھتی رہی تھی، پھر بہت مدھم لہجے میں ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

’’سنو تو......یہ موسم شاعری کرتا ہے۔دیکھو کتنی صدائیں میرے اندر گونج رہی ہیں۔کتنی سرگوشیوں کی بازگشت میرے اندر ہے اس سے اور......‘‘ وہ جیسے اس لمحے خود کلامی کا شکار تھی۔پھر دھیان آیا تو یکدم ہی لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

’’تم کتابیں پڑھتی ہو؟‘‘

"نہیں......وقت نہیں ملتا۔تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یونہی۔"سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اچکائے تھے۔

"میری گفتگو سے لگا؟" وہ یکدم مسکرائی تھی۔سبکتگین نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔اس کے سیاہ رنگ بالوں سے ہوا ہولے ہولے سرگوشیاں کر رہی تھی۔کتنی شریر لٹیں بار بار چہرے پر جھول جاتی تھیں جنہیں پکڑ کر وہ دوسرے ہی لمحے کان کے پیچھے اڑس لیتی تھی۔دو مختلف تہذیبوں کی جھلک اس کے خدوخال میں واضح طور پر نظر آتی تھی۔وہ عام جاپانی لڑکیوں سے قطعاً مختلف تھی۔خواہ باضابطہ وہ کسی بھی جاپانی لڑکی سے نہیں ملا تھا مگر اس نے بارہا جاپانی لڑکیوں کو دیکھا تھا اور گی ان جیسی بالکل بھی نہ تھی۔وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا جب وہ اپنے مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"جاپانی لڑکیاں اپنی وفاؤں میں بڑی کھری ہوتی ہیں......بہت وفادار محبوبہ اور بہت وفادار بیوی ثابت ہوتی ہیں۔"

"لیکن تم تو کینیڈین ہونا غالباً؟" وہ قدرے شرارت سے مسکرایا تھا اور وہ بھی مسکرا دی تھی۔اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی جیسے ان خزاں رنگ لمحوں میں تمام منظروں پر لمحہ بھر کو بہار نے اپنے ڈیرے ڈال دیئے ہوں۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا جب وہ گویا ہوئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تمہاری مسکراہٹ بہت تروتازہ سی ہے۔جیسے بہار کا کوئی دلربا رنگ۔"

"ہاں شاید اس لیے کہ میں عام جاپانی لڑکیوں اور خواتین کی طرح اپنی مسکراہٹ کو دبانے یا چھپانے کے لیے مسکراتے سمے چہرے پر اپنا ہاتھ نہیں دھرتی اور کھل کر مسکراتی ہوں۔کینیڈین لوگوں کی طرح۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"باقی جاپانی لڑکیاں کیا کھل کر نہیں مسکراتیں؟" اُسے حیرت ہوئی۔

"نہیں......وہ اپنی مسکراہٹ کا گلا چہرے پر مسکراتے وقت ہاتھ رکھ کر گھونٹ دیتی ہیں جیسے میری ماں۔پہلے میں بھی ایسے ہی کرتی تھی۔مگر پھر کسی کے کہنے پر یہ عادت ترک کرنا پڑی۔"

"کسی کے کہنے پر......؟"سبکتگین چونکا۔"کون تھا وہ؟"

بات پکڑے جانے پر گی نے لمحہ بھر کو چپ ہو کر اس کی جانب دیکھا پھر چہرے کا رخ پھیر کر جیسے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"تھا کوئی......بہرحال تم نے مجھے اپنے بارے میں تو بتایا ہی نہیں......تمہارا نام بہت لمبا چوڑا ہے مگر بہت بارعب بھی۔"

اس کے اظہار خیال پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"پاکستان میں کچھ اراضی ہے۔وہیں پر حکمرانی کا وصف ورثے میں ملا ہے۔میرے بابا میرے بچپن میں ہی گزر گئے تھے،جب کسی شے کا شعور تک نہ تھا۔تبھی بابا کی جگہ دستار بندی ہوئی تھی میری۔اور ان کا تمام اختیار مجھے ورثے میں منتقل ہو گیا تھا......مائی اماں یعنی

میری والدہ کو مجھے جدید زمانوں کا باسی بنانے کا شوق تھا۔سو انہوں نے کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی مجھ پر اور مجھے پڑھنے کو سات سمندر پار بھیج دیا۔مگر میں کچھ نہیں بھول سکا۔نہ اپنی دستار بندی، نہ ذمے داریاں، نہ وہ تہذیب وتمدن۔سب کچھ از بر ہے مجھے۔میں جانتا ہوں بہت سی ذمہ داریاں ہیں میرے کاندھوں پر جنہیں نبھانے مجھے اس دیس جانا ہے......اس تمام منصب کی ادائیگی کرنی ہے جو مجھ پر فرض ہے۔"

"اوہ......تبھی تم شکل سے اتنے مغرور لگتے ہو۔بردبار، سنجیدہ اور بارعب۔"

وہ مسکرائی تھی اور ایک دھیمی سی مسکراہٹ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کو بھی چھو گئی تھی۔تبھی گی نے چونکتے ہوئے گھڑی دیکھی تھی۔پھر اس کے لبوں پر وہ بہار رنگ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کیا ہم دوبارہ کبھی مل سکتے ہیں؟" بہت مدھم لہجے میں وہ دریافت کر رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند لمحوں کو سوچتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔

"کیوں نہیں۔"

گی کی آنکھوں میں ٹھہرے تمام خزاں رت منظر روشنیوں سے بھر گئے تھے۔

اس کے لبوں پر وہی بہار رنگ مسکراہٹ تھی۔دلربائی عروج پر تھی اور ان خزاں رنگ موسموں کی ڈھلتی شام میں وہ بہت ہولے سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کل پھر یہیں ملیں گے......میں تمہارا انتظار کروں گی۔آنا ضرور۔" مدھم لہجے میں کوئی درخواست سی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔تبھی اس کے گداز لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

"سیونارا گڈ بائے۔" آواز سرگوشی جیسی تھی۔اور پھر وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی ہواؤں کی صورت دور جاتے منظروں کے سنگ ہولی تھی۔سردار سبکتگین چند لمحوں تک اس سمت تکتا رہا تھا۔پھر اُٹھا تھا اور واپسی کے راستوں پر قدم بڑھانے لگا تھا۔

گی یقیناً ایک دلچسپ لڑکی تھی۔

☆......☆......☆

ری ممبر می، وین آئم گون اوے۔

گون فار اوے۔ٹو دی سائلنٹ لینڈ۔

ری ممبر می۔

بہت تھکن زدہ سے انداز میں ایک سادہ کاغذ پر اس نے انتہائی بے دھیانی کے ساتھ دو جملے گھسیٹے تھے اور پھر اسی انداز میں سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر کھلی آنکھوں سے چھت کو گھورنے لگی تھی۔کرسٹینا روزٹی کی ان دو لائنوں کی بازگشت کتنی بار اس نے اپنے اندر سنی تھی۔کتنی بار طویل سناٹوں میں اس کے اندر ایک گونج سنائی دیتی رہی تھی۔

فیصلوں کی صلیب پر لٹکتے رہنا بہت تکلیف وہ امر ہے......اور اس صورت میں تو اور بھی جب کسی فیصلے کا کوئی اختیار بھی آپ کے پاس نہ ہو۔ وجود کے کسی علاقے میں چپ چاپ سناٹوں میں کیا کچھ دفن ہوتا چلا جاتا ہے مگر اس کے باوجود جانے کیوں اس کی سوچوں کے تسلسل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ تب بھی نہیں جب سیف کمرے میں داخل ہوا اور پھر چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ وہ اس وقت بھی نہیں چونکی تھی۔ سیف نے اس کے آگے سے پیپر اُٹھا لیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے مسکراتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کہیں جا رہی ہو تم؟''

اُس کے دریافت کرنے پر وہ چونکی تھی پھر خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''شادی کوئی ایسا امر تو نہیں کہ تم اتنی خوفناک ترین وصیتوں کے انبار لگا دو......تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو خوشی سے پاگل ہو گئی ہوتی۔'' وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود ایک ساکت چپ اس کے لبوں پر رہی تھی۔

''اس طرح خوامخواہ ٹینشن لینے سے بھلا کیا ہوگا......اگر دل نہیں مان رہا تو انکار کر دو نا۔ وہ کسی شاعر نے کس درجہ خوبصورتی سے کہا ہے نا۔''

اگر تم میں ہے ہمت تو بغاوت کر دو

ورنہ جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لو

میرب سیال نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا......سیف الرحمٰن مسکرا رہا تھا۔ وہ شانوں پر بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی تھی۔

''سیف الرحمٰن! تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں سوائے فضول بولنے کے اور کوئی کام نہیں آتا۔'' وہ جیسے اُکتا کر گویا ہوئی تھی مگر پھر دوجے ہی پل چپ سادھ لی تھی۔ سیف نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''تصویر تو دکھا دو، موصوف ہیں کیسے؟ نام تو خاصا بارعب ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہاری ماں کے ری لیٹو ہیں غالباً۔ سنا ہے اپنی سلطنت کے آپ بادشاہ ہیں موصوف۔ چلو اچھا ہے......اسی بہانے کچھ اختیارات تمہارے ہاتھ بھی آ جائیں گے۔ ظاہری سی بات ہے بھئی، ملکہ جو ہو جاؤ گی۔'' وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا۔

''سیف! پلیز۔'' میرب سیال نے اُکتائے ہوئے انداز میں اُس کی طرف دیکھا تھا۔ ''میں کوئی فضول بات سننا نہیں چاہتی......پلیز لیو می الون۔''

''تاکہ تم اپنے ان ریاستی شہزادے کے متعلق سوچ سوچ کر محفوظ ہو سکو۔'' سیف الرحمٰن کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی اور میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تمہیں پسند نہ آنے کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟''

''سیف! پلیز......میں بہت پریشان ہوں۔'' اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا یا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کی وجہ سے؟'' وہ بدستور چھیڑ رہا تھا۔

''پاپا کی وجہ سے۔'' اُس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ''سیف! میرا دل بہت ڈرتا رہتا ہے۔ ایک خوف لمحہ لمحہ میرا تعاقب کرتا رہتا ہے...... مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ میں سو نہیں پاتی۔ مجھے اس بات کا قطعاً کوئی ملال نہیں کہ انہوں نے میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میری مرضی کے بغیر طے کر دیا۔ مجھے ملال اس بات کا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت عجیب صورت حال میں ہو رہا ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا، میں پاپا کو اس طرح دیکھوں گی۔ یا پھر......''

اُس کی آنکھوں میں نمی آن ٹھہری تھی اور وہ یکدم ہی اپنے گداز لب بھینچ کر اس نمی کو اپنے اندر کہیں ضم کرنے لگی تھی۔ سیف نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ انداز حوصلہ بندھانے والا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی میں لمحہ بھر میں تنفر واقع ہو گیا تھا اور ایک طوفان جیسے بند توڑ کر بہہ نکلا تھا۔

''سیف! پاپا نے اس صورت حال میں میری جان بھی مانگی ہوتی تو میں ان کے حوالے کر دیتی۔ مگر سیف! یہ فیصلہ بہت بڑا ہے۔ وہ ایک انجانا شخص ہے۔ ان دیکھا۔ کیسے سوچوں میں اس کے متعلق؟ پھر جب کہ میں یہ جانتی ہوں کہ زوبار یہ انہیں مس گائیڈ کر رہی ہیں۔ وہ ان کی بیماری کو ایک قیمتی لمحہ جان کر کیش کروا رہی ہیں۔ وہ کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھیں اور یہ موقع انہیں پاپا کی بیماری کی صورت دستیاب ہو گیا۔ سارے راز منکشف ہیں مجھ پر۔ جانتی ہوں، زوباریہ کبھی میری خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ وہ پاپا کے سامنے اچھی ماں ہونے کا ڈھونگ کرتی ہیں اور پاپا......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

''سیف! میں اپنی ساری زندگی کو زوباریہ کے ایک فیصلے کی نذر کرتے ہوئے بے ثمر نہیں ٹھہرا سکتی۔ لیکن...... لیکن میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔''

سیف اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

''تمہیں یہ خدشہ کیوں ستاتا رہتا ہے کہ زوباریہ تمہارے ساتھ سنسیئر نہیں یا وہ تمہیں مس یوز کرنا چاہتی ہے؟''

''کیونکہ یہ سچ ہے سیف! اور یہ بات تم بھی جانتے ہو، وہ میری ماں نہیں ہیں۔ سوتیلی کبھی ماں نہیں ہو سکتی۔ وہ بس ایک موقع چاہتی تھی اور وہ موقع اسے پاپا کے باعث مل گیا۔ وہ مجھے ٹھکانے لگا کر اپنی راہ ہمیشہ کے لیے ہموار کرنا چاہتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو...... زوباریہ آنٹی ایسی لگتی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ ایک سرد مہری کی دیوار جو درمیان میں تنی ہے وہ فقط تمہارے باعث ہی ہو۔ تم نے ہی کبھی کوشش نہ کی ہو انہیں سمجھنے کی، جاننے کی۔''

''سیف! تم میرے کزن ہو کر ان کی طرف داری کر رہے ہو؟'' وہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی۔

''میں طرف داری نہیں کر رہا میرب سیال! میں تمہیں فقط سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''مت سمجھاؤ مجھے۔''

''پھر کیا کروں؟''

''دفع ہو جاؤ۔'' میرب سیال نے سر پھر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

''اس طرح رونے دھونے کیا تمہارے مسائل حل ہو جائیں گے؟''

مگر دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

''میرب سیال! تمہیں کیوں عادت ہے معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی؟''

''یہ کوئی معمولی بات ہے؟'' اس نے بھیگی پلکوں سمیت سر اُٹھایا تھا۔

''چلو مانا معمولی بات نہیں بھی ہے مگر اسے اس طرح رو دھو کر حل تو نہیں کیا جا سکتا۔'' سیف الرحمٰن نے جیسے اُکتا کر کہا تھا اور میرب سیال ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔ تبھی سیف الرحمٰن اس کی سمت تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''تم کیا چاہتی ہو میرب سیال؟''

''معلوم نہیں...... مگر ایسا تو ہرگز بھی نہیں جیسا ہونے جا رہا ہے۔'' اس نے سر اُٹھا کر سیف کی جانب دیکھا تھا۔

''جانتے ہو سیف! میری پہلی ترجیح میرے پاپا ہیں...... میں انہیں کھونا نہیں چاہتی۔'' کہتے ہوئے اس کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی تھی۔ آنکھیں پھر سمندر ہو گئی تھیں۔ سیف الرحمٰن خاموشی سے اسے تکتا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

''سیف! مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' لہجہ کسی قدر خوفزدہ تھا۔ آواز سہمی ہوئی سی تھی۔ سیف نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''ڈونٹ وری...... کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟''

''کچھ کومپلی کیشنز ہیں...... امریکہ جانا پڑے گا۔ زوباریہ کے بھائی ہیں وہاں۔ انہوں نے پاپا کی رپورٹس بھیج کر ہارٹ اسپیشلسٹ سے کنسلٹ کیا ہے۔ ان کے نزدیک دل کے دو والو بند ہونا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں۔ علاج ممکن ہے۔ مگر اس میں بھی رسک ہے۔ میں جانتی ہوں، نا سمجھ نہیں ہوں۔ زوباریہ مکمل بات مجھے نہیں بتا رہیں۔ بٹ ایوری تھنگ اِز ناٹ آل رائٹ۔'' میرب سیال کی آنکھوں میں کئی اُلجھنیں تیر رہی تھیں۔

''میرب! سب ٹھیک ہو جائے گا...... ہو سکتا ہے وہ تمہیں پریشان کرنا نہ چاہتی ہوں۔''

''ہاں...... وہ سچی خیر خواہ ہیں میری۔ مجھے پریشان کرنا نہیں چاہتیں۔ اور دوسری طرف پاپا کی بیماری کو بہانہ بنا کر میرا پتہ صاف کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں میں...... پاپا کا کہنا ہے وہ اپنی زندگی میں مجھے ایک نئی زندگی میں داخل ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور ایسا کرنے کے لیے وہ میرا ہاتھ کسی بھی اجنبی کے ہاتھ میں تھمانے کو تیار ہیں۔'' اس کے ضبط کے بندھن پھر ٹوٹ چکے تھے۔

سیف اسے سوائے سمجھانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سو اپنی کوشش ضائع جاتے دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''تم نے دیکھا ہے اُسے؟'' دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کسے؟'' وہ یکدم چونکی تھی۔

''اسی محترم سردار صاحب کو۔''

اس کا سارا جوش ماند پڑ چکا تھا۔

''اور کیا، دیکھے بغیر بیاہ کر لوں گی؟''

یقیناً وہ ایک بار پھر غیر سنجیدہ تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مزید گویا ہوا تھا۔

''اور یقیناً تمہیں اسی بات کا شدید ترین افسوس ہو گا۔''

میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''تو طے ہے کہ تم قربانی دے دو گی؟'' وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرب نے سر اُٹھا کر اسے جارحانہ انداز میں دکھا تھا مگر اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گئی تھی۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

''سیف الرحمٰن......!'' اُس نے لب بھینچ کر غصے سے دیکھنا چاہا تھا۔

''تو خوش ہو...... ہاں بھئی، ہونا بھی چاہیے۔ ایک ریاست کی شہزادی ہونے جا رہی ہو۔ ایک حکمراں کے دل پر حکمرانی کرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔'' سیف مسکرا رہا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''سیف! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''پھر؟...... پھر کیا کرو گی؟...... کیا خودکشی؟'' وہ قطعاً سنجیدہ نہ تھا۔

''تمہیں قتل کروں گی۔'' وہ سر اُٹھا کر جارحانہ انداز میں گویا ہوئی تھی اور سیف الرحمٰن ہنس پڑا تھا۔

''اور مجھے قتل کر کے تمہارا مسئلہ کیا حل ہو جائے گا؟''

''نہیں...... مگر کسی قدر سکون ضرور ہو جائے گا۔'' وہ کہہ کر سر جھکا گئی تھی۔ سیف اس کی جانب چپ چاپ تکنے لگا تھا۔

''اور میرا ایم بی اے...... کتنے چاؤ سے بینکنگ اینڈ فنانس میں ایڈمشن لیا تھا۔ ابھی تو ایک سمسٹر بھی مکمل نہیں ہوا اور......'' آنکھیں پھر چھم چھم برسنے لگی تھیں۔

سیف الرحمٰن نے اسے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''چلتا ہوں۔ تمہیں پھر کبھی غبار نکالنا ہو تو مجھے فون کر دینا...... آ جاؤں گا۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ دروازے کی سمت بڑھا تھا۔

میرب سیال اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے چیخی تھی۔

''سیف الرحمٰن! تم اس طرح نہیں جا سکتے...... مجھے کوئی مشورہ تو دیتے جاؤ۔''

وہ دروازے کے قریب جا کر رکا تھا۔مڑ کر اسے دیکھا تھا پھر ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

''تم ایسا کرو، شادی کرلو۔اس طرح کم از کم مجھے بھی کچھ ریلیف ملے گا۔''

مگر اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی میرب سیال نے ایک کشن زوردار طریقے سے اسے کھینچ مارا تھا۔جس سے بچنے کے لیے اس نے فوراً دروازہ بند کر دیا تھا اور میرب سیال دروازے کی سمت تکتی ہوئی ایک بار پھر دونوں ہاتھوں پر سر گرا گئی تھی۔

☆......☆......☆

وقت کرتا ہے پرورش برسوں

حادثہ ایک دم نہیں ہوتا!

چار سُو ایک پُر وحشت سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

تازہ موگرے اور گیندے کے پھول جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ایک ہُو کا عالم تھا۔ابھی تھوڑی دیر قبل جس گھر میں ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت گونج رہے تھے،اسی گھر میں اس لمحے سوگ کا سا عالم تھا۔

مہمانوں سے بھرا گھر اب خالی ہو چکا تھا۔

گندھے ہوئے اُبٹن کی خوشبو سے پورا گھر مہک رہا تھا......مگر فضاؤں میں وہ تازگی و شادابی اب باقی نہ تھی۔

ابھی تھوڑی دیر قبل کی رسم اُبٹن کی منتظر دلہن کی آنکھوں میں حد درجہ ویرانی تھی۔

ابھی کچھ دیر قبل شادی کے لیے سجایا جانے والا گھر جیسے ماتم کدہ بن چکا تھا۔

سسرال سے اُبٹن آیا تھا مگر اس کی خوشبو سے دُلہن کے پور پور نہیں مہکے تھے۔

شادی کی ابتدائی رسم وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گئی تھی۔

کوئی فیصلہ کن موڑ آیا تھا اور اپنا فیصلہ رقم کر گیا تھا۔

کوئی پل آیا تھا اور لمحوں کا سارا حسن اپنے سنگ سمیٹ لے گیا تھا۔

کئی وکیل تھے۔مقدمہ کتنی دیر چلا تھا۔کتنی تاویلیں دی گئی تھیں۔کتنی وضاحتیں۔مگر سب بے سود رہا تھا۔

اقدام بہت بڑا تھا شاید۔

کتنے سمجھانے بجھانے والے تھے مگر حاصل صفر رہا تھا۔شادی آغاز سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گئی تھی۔ایک بیٹی کو باپ کے کیے کی بڑی بھیانک سزا دی گئی تھی۔اس کی آنکھوں کے سارے خواب بے دردی سے نوچ لیے گئے تھے۔

اس کی اُمنگیں،اُس کی اَنا،اُس کے سارے جذبات روند دیئے گئے تھے۔

وہ جو شام تک شہنائیوں کی آوازوں سے اپنی سماعتوں کو سجتا دیکھ رہی تھی اب ایک پُر وحشت سکوت کو چپ چاپ کمرے میں بند

جھیل رہی تھی۔خواب قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری چپ چاپ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔دوسری طرف سعد حسن بخاری سر ہاتھوں پر گرائے بیٹھے تھے اور ان دونوں کے درمیان فیض بخاری دیوار بنے کھڑے تھے۔

ابھی تھوڑی دیر قبل کی جو صورت حال تھی اس میں نئی نویلی دلہن کا دم گھٹنے لگا تھا۔اس کی طبیعت کے سبب اور کچھ قصداً سعد حسن بخاری نے بیگم کو ڈرائیور کے ساتھ گھر واپس بھجوا دیا تھا۔جب کہ خود وہاں ماہا کی سسرال کے سامنے مقدمے کی پیروی کو موجود رہے تھے۔ اپنی شادی کو وجہ بنانے پر کس قدر غم وغصے کا اظہار کیا تھا انہوں نے اور اس سے صورت حال بجائے سنوارنے کے مزید بگڑ گئی تھی۔وہ اپنے طور پر وضاحتیں دے رہے تھے،سمجھا بجھا رہے تھے مگر سب کچھ فضول تھا جیسے۔

سبب معمولی نہ تھا۔قصہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا۔بات چھوٹی نہ تھی۔سو ساری وضاحتیں رد ہو گئی تھیں اور پہلی بار ایک باپ کے باعث بیٹی کی شادی انجام پذیر ہونے سے رہ گئی تھی۔

ایک باپ کی شادی کے باعث،بیٹی کی شادی ادھوری رہ گئی تھی۔

خواب دیکھنے والی آنکھیں ویرانیوں سے بھر گئی تھیں۔

مگر اس تمام صورتِ حال کے باوجود باپ کو اپنی غلطی ماننے کی بجائے اپنی بات رد کیے جانے کا ملال زیادہ تھا۔

''بے وقوف لوگ ہیں......سمجھ نہیں رہے ہیں۔میرا معاملہ سراسر الگ ہے اور میری بیٹی کا الگ۔میں کیا کرتا ہوں،کیا نہیں یہ میرا پرسنل افیئر ہے۔جس میں کم از کم کسی اور کی مداخلت میں برداشت نہیں کر سکتا۔خواہ مخواہ کا ایشو بنا رہے ہیں لوگ۔بھلا میری شادی سے کسی کا کیا نقصان ہوا ہے؟......اور شادی کرنا کون سا گناہ ہے۔کتنے لوگ شادیاں کرتے ہیں۔میں نے دوسری شادی کر کے کون سا گناہ کر لیا۔ گناہ تو جب ہوتا جب میں شادی کے بغیر کوئی تعلق قائم رکھتا۔یہ ایک شرعی شادی ہے......پھر دنیا اسے قبول کرنے سے کیوں کترا رہی ہے؟ لالچی لوگ ہیں کمبخت،اپنا اُلوّ سیدھا رکھنا چاہتے ہیں۔میں نے تو یہاں تک پوچھ لیا کیا چاہیے،گاڑی،بنگلہ،کیا کیا چاہیے......مگر وہ بھی ڈھاک کے تین پات بنائے بیٹھے تھے۔ایک ہی جواز لیے لکیر پیٹتے رہے۔اچھے ہوا جلد اصلیت کھل گئی۔گھٹیا لوگ کل جانے کون سے تیور دکھاتے۔''وہ جیسے اس گھڑی خود کلامی کر رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری نے بے تاثر چہرے سمیت باپ کی سمت نگاہ کی تھی۔پھر چاچا کی طرف دیکھا تھا اور رسانیت سے پُر لہجے میں بولا تھا۔

''چاچو!ان سے کہیے ہمارا ان سے اب کوئی رشتہ نہیں ہے۔براہِ مہربانی چلے جائیں یہ یہاں سے۔''

فیض بخاری نے جوان بھتیجے کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''تم جاؤ اندر......میں بات کرتا ہوں۔''نرمی سے سمجھانے والا انداز اختیار کیا تھا۔جانتے تھے ایک آنچ دکھانے والی بات تھی اور سارا منظر خاکستر ہو جانا تھا۔وہ جوان خون کے اندر ایک لاوا پکتے ہوئے محسوس کر رہے تھے تبھی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اسے وہاں

سے ہٹانا چاہتے تھے۔مگر سعد حسن بخاری پھٹ پڑے تھے۔

''سارا معاملہ اس کا بگاڑا ہوا ہے......اسے مطلع کر دو فیض! یہ گھر قانونی طور پر میرا ہے۔اس کی ایک ایک شے میری بنائی ہوئی ہے۔اس گھر پر حکم بھی میرا چلے گا۔اسے میرے یا اس گھر کے معاملات میں بولنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔یہی بات فارحہ سے بھی کہی تھی میں نے۔مگر اس نے اسے میرے مدمقابل لا کھڑا کیا۔اس سے پوچھو کیا شناخت ہے اس کی؟......کیا پہچان و مقام ہے سوسائٹی میں؟ کتنے لوگ اسے جانتے ہیں اور جانتے بھی ہیں تو کس حوالے سے؟......کیا ہے جو اس کا اپنا ہے؟ سب کچھ میرا دان کیا ہوا ہے۔آج اگر یہ اپنے قدموں پر جم کر کھڑا ہے تو میری بدولت۔دو چار لوگ جانتے ہیں، جھک کر سلام کرتے ہیں تو فقط میرے حوالے سے۔دنیا میں اگر کوئی عزت و مرتبہ ہے تو فقط میرے باعث۔یہ نام، یہ مقام میرا دیا ہوا ہے۔اور آج یہ میرے مقابل کھڑا ہو کر مجھے ہی للکار رہا ہے۔یہ سب کچھ فارحہ کا کیا دھرا ہے۔اپنا وکیل بنایا ہے اس نے اسے۔میں نے باور کرایا تھا اسے، بات خود تک محدود رکھو گی تو سب کچھ ٹھیک رہے گا۔مگر اس نے اسے پٹی پڑھا کر اپنی ڈھال بنا لیا۔بیٹی کی شادی کا مجھے بھلا کوئی خیال نہ تھا؟ مگر یہ سب کیا دھرا ان دونوں ماں بیٹے کا ہے۔''

سید اذہان حسن بخاری عجب اک ضبط سے سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔کمرے میں فقط سعد حسن بخاری کی آواز گونج رہی تھی۔

''مجھے اس انتہائی اقدام پر ان دونوں نے مجبور کیا۔کہہ دیا تھا میں نے، ایسا کر گزروں گا اگر ان دونوں ماں بیٹے نے مجھ سے مخالفت کی ٹھانی۔بے وقوف عورت سمجھی نہیں۔اس سے قبل بھی جب اس نے یہ معاملہ اٹھایا تھا۔میں نے فارحہ سے کہا تھا ان موصوف اور مجھ میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو......بیٹا چاہیے یا شوہر؟......مگر تب اس نے آئندہ کسی ایسی مداخلت کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرائی تھی۔مگر ایسا ہوا نہیں۔ہمت دیکھو ان موصوف کی، مجھ سے باز پرس فرمائی اور ان اقدام میں ماں صاحبہ پیش پیش رہیں۔خوش کیوں نہ ہوتیں۔ایک وکیل جو ہاتھ آ گیا تھا۔''

بیٹے کے لیے ان کا لہجہ حد درجہ زہر خند تھا۔فیض بخاری بہت پُر افسوس انداز میں بھائی صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری بدستور سر جھکائے کھڑا تھا۔پُر تناؤ چہرہ کسی بھی طرح کے تاثر سے عاری تھا۔خاموشیوں میں کیا کیا طوفان نہ پل رہے تھے۔فیض بخاری نے بھتیجے کو دیکھا تھا پھر بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''تم اندر چلو......میں ہوں یہاں۔''

''اسے اندر کیوں بھیج رہے ہو؟......اسی کا تو سارا مقدمہ ہے۔وکالت نہیں کرنے دو گے اسے؟'' سعد بخاری دہاڑے تھے۔

جس سرد جنگ کا آغاز چند دن پہلے باپ بیٹے کے مابین ہوا تھا وہ سرد جنگ اب انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی......فیض بخاری نے اذہان کا شانہ تھام کر ضبط قائم رکھنے کی جیسے درخواست کی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے قدم اندر کی جانب بڑھائے تھے۔تبھی عالم مدہوشی میں چلتی فارحہ دہلیز پر آن رکی تھیں۔خالی خالی نظروں سے منظروں کو تکتی جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔بوجھل آنکھیں ویرانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔سید سعد حسن بخاری اُٹھ کر ان کے

سامنے جار کے تھے۔ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے تکتے رہے تھے پھر بہت سخت لہجے میں بولے تھے۔

''منع کیا تھا نا میں نے تمہیں...... انجام کی ذمے دار تم خود ہو۔'' الزام بہت کڑا تھا مگر وہ خالی خالی نظروں سے ان کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔

''تم فارحہ بیگم! تم...... تم نے بیٹے کو فوقیت دی شوہر پر۔ جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمے دار تم خود ہو۔'' اُسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔'' آج جو کچھ بھی ہوا تمہارے اس بیٹے کی وجہ سے ہوا۔ یہ ہنستا بستا گھر، یہ خوشیاں، جو کچھ بھی تم سے روٹھ گیا سب اس بیٹے کی بدولت۔ تمہاری بیٹی کا گھر بستے بستے جو رہ گیا فقط اس سپوت کے باعث۔ تم نے اسے چھوٹ دی، باپ سے باز پرس کرنے کی، اس کے نجی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی اور میرے اور اپنے درمیان آنے کی۔ اور آج نتیجہ تم دیکھ چکی ہو...... تمہاری بیٹی کی شادی جو آج ٹوٹ گئی ہے تو میرے باعث نہیں۔ میری شادی یا میں اس کی وجہ قطعاً نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جو کچھ بھی ہوا وہ عمل نہیں، ردعمل تھا۔''

سعد بخاری کا زہر خند لہجہ چہار سمت گونج رہا تھا۔ اس کے ہاتھ فارحہ کے شانوں پر تھے اور وہ جو ساکت بت بنی کھڑی تھی، یکدم ہی لڑکھڑائی تھی اور زمین پر آ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اور فیض نے فوراً ہی فارحہ کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

''ممی...... ممی......'' عجب ہذیانی انداز میں اذہان حسن بخاری نے پکارا تھا مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری نے سر اُٹھا کر لہو رنگ آنکھوں سے باپ کی طرح دیکھا تھا۔

''اگر میری ماں کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔'' سخت لہجے میں کہہ کر اس نے فوراً ہی ماں کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں میں بھرا تھا اور باہر کی سمت نکلنے لگا تھا۔ فیض بخاری نے بھی ساتھ ہی پیش قدمی کی تھی۔

سعد حسن بخاری وہیں کھڑے تکتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

اچانک ہونے والے واقعات کو نہ ذہن قبول کرتا ہے نہ دل۔

اور وہ اگرچہ دل کے احکامات پر کان دھرنے والوں میں سے نہ تھی مگر اس کے باوجود کئی دنوں سے ایک بے چینی مسلسل اس کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی۔ وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے ہر طرف سے غافل ہونے کے جتن سوچ رہی تھی۔ اپنے طور پر اس تمام صورت حال سے بھاگ رہی تھی یا بچنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر اس صبح جب وہ کیمپس جانے کی تیاری کر رہی تھی، فانی نے کمرے میں آ کر اطلاع دی تھی کہ پاپا اسے بلا رہے تھے اور اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔

کتنی دیر تک وہ ہیئر برش ہاتھ میں لیے ساکت بیٹھی خود کو اس صورتِ حال کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کے جتن کرتی رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود جیسے صورتِ حال اختیار سے باہر تھی۔ مگر یہ فعل بھی ناگزیر تھا۔ تبھی وہ ہونٹ بھینچے ہولے سے اُٹھی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔ پاپا ناشتے کی ٹیبل پر اس کے منتظر تھے۔ زوبار یہ شاید فانی کو سکول جانے کے لیے تیاری میں مدد دے رہی تھیں۔ وہ مُردہ قدموں سے چلتی ٹیبل پر آن بیٹھی تھی...... پاپا نے ڈان کے صفحات پر سے دھیان ہٹا کر اس کی سمت نگاہ کی تھی پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''بریک فاسٹ لو۔''اور میرب سیال مرے دل سے اپنے لیے چائے انڈیلنے لگی تھی۔ پاپا کچھ دیر تک خاموشی سے اپنا ناشتہ لیتے رہے تھے پھر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''میرب! آپ بہت انڈراسٹینڈنگ بچے ہو میرے۔ صورتِ حال کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو۔ گو معاملہ اتنا سنگین نہیں مگر میں اپنی زندگی میں اپنے بچوں کو سیکیور دیکھنا چاہتا ہوں...... ہر باپ کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ میرے بچے خوش اور پُر تحفظ رہیں۔ ہر باپ اپنے بچوں کے لیے ان کے مستقبل کو سامنے رکھ کر خواب وضع کرتا ہے۔ میرے بھی بہت سے خواب تھے مگر زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' پاپا تمہید باندھتے ہوئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے تھے اور کتنی چپ چاپ اس کی آنکھوں سے پانی نکل کر قطروں کی صورت ٹیبل کی سطح پر بکھرنے لگا تھا۔ پاپا نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرا تھا۔

''ڈونٹ بی فولش میرب! زندگی کو بہت بہادری سے فیس کرنا ہے تمہیں...... میں اپنے بچوں کو کمزور ہرگز نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے افسوس ہے ہم نے تمہاری رائے جانے بغیر تمہاری بات پکی کر دی۔ مگر یہ اقدام غیر مناسب قطعاً نہیں۔ یہ تمہاری بہتری کے لیے ہے۔ والدین کبھی اپنے بچوں کے لیے برا نہیں چاہتے۔ حمیدہ بیگم، زوربار یہ کی کزن ہیں۔ قابل بھروسہ لوگ ہیں۔ برسوں پرانی جان پہچان ہے۔ اس کے باوجود میرے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ میں جانتا ہوں آپ کی اسٹڈی پر بھی اثر پڑے گا۔ مگر میرے پاس اس سے بہتر فیصلہ نہ تھا۔ حمیدہ بیگم نے ہمیں اپنے فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی ہے۔ سبکتگین لغاری بھی چند ہی دنوں میں واپس لوٹ آئیں گے۔ آپ مل لیجیے گا ان سے...... فی الحال فقط نسبت طے ہوگی۔ گو حمیدہ آپا فوراً شادی کرنا چاہتی ہیں مگر میں یہ فریضہ اتنی جلد سرانجام دینے کے حق میں اس لیے نہیں کہ میں کوئی ناانصافی نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں آپ کی مرضی بھی اس میں شامل رہے۔ منگنی سے شادی تک کا عرصہ انڈراسٹینڈنگ کے لیے ہوگا۔ اگر آپ کو ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض ہو تو آپ انکار کر سکتے ہیں۔ جانے سے قبل میں یہ فریضہ اپنے ہاتھوں سرانجام دے جانا چاہتا ہوں...... مجھے یقین ہے آپ مجھے اس حق سے محروم نہیں کرو گے اور میری خواہش کا احترام کرو گے۔''

مظہر سیال کے لہجے میں ایک مان تھا اور میرب سیال سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے پانی کے قطرے ایک تواتر کے ساتھ ٹیبل کی سطح پر گرتے رہے تھے۔ مظہر سیال بات جاری رکھتے ہوئے بولے تھے۔

''حمیدہ بیگم کے ساتھ طے پایا ہے کہ جب تک ہم علاج کی غرض سے بیرون ملک مقیم رہیں گے، آپ ان کے ہاں قیام کریں گی۔''

پاپا کا حکم عجیب تھا۔ تبھی شاید اس تمام عرصے میں پہلی بار سر اُٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔''

''بچوں جیسی باتیں نہیں کرتے بیٹا! زوربار یہ ہوگی نا میرے ساتھ۔'' مظہر سیال نے کسی قدر تیزی سے کہا تھا پھر شاید اندازہ ہونے پر بہت مدھم انداز میں سرہلاتے ہوئے بولے تھے۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر تمہاری پڑھائی کا بھی حرج ہوگا۔ تم بہت سا پڑھو، بہت قابل انسان بنو۔ یہ میرا خواب

ہے۔''مظہر سیال اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے اپنی خواہشات کا انبار لگا رہے تھے اور وہ سر جھکائے میز کی گیلی سطح کو تکتی رہی تھی۔ پھر ان کے چپ ہونے پر یکدم سر اُٹھایا تھا۔

''میں کسی کے گھر نہیں رہوں گی۔'' کہنے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تو کیا مجھے پریشان کروگی؟'' پاپا نے اسے وضاحتی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہ بولی تھی۔ تبھی وہ بولے تھے۔

''دیکھو بیٹا! بات چند روزہ ہے۔ اور حمیدہ آپا کوئی اجنبی نہیں۔''

''نہیں......نہیں......نہیں۔'' دل بولے جا رہا تھا۔ مگر اس کے لبوں پر کئی قفل پڑے تھے۔ مظہر سیال نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''پرسنل......کہیں اور وابستگی ہے آپ کی؟'' وہ اعتراض کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''پھر؟''

مگر وہ چپ رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ دوسرے ہی پل اُٹھی تھی اور شولڈر بیگ کاندھے پر ڈال کر باہر نکل آئی تھی۔ ایک روشن صبح اس کے سامنے روشنی کا سفر کر رہی تھی۔ بہت سی چمکیلی روشنی اس کے اِردگرد بکھری تھی مگر اندر کہیں بہت زیادہ گھپ اندھیرا تھا اور وہ اس اندھیرے میں خود کو تلاشتی پھر رہی تھی مگر سرا کہیں بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''محبت اپنی شباہتیں ڈھونڈتی ہے۔ آتے جاتے موسموں میں، گزرتے لمحوں میں، مختلف رنگوں میں مختلف چہروں میں، مختلف آنکھوں میں، محبت کا یہ وتیرہ ہے۔ اضطرابیوں سنگ، زرد پتوں کی طرح بے سمت اُڑنا اور منزلوں کا تعاقب کرنا۔ تغیراتِ زمانہ کے باوجود یہ بے خودی تھمتی نہیں ہے۔ یہ شوق سفر رُکتا نہیں ہے۔ محبت اپنی کھوج جاری رکھتی ہے۔ ناکامیوں سے بے پرواہ اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔'' گی کا مدھم لہجہ فضاؤں میں خوشبو کی صورت بکھرتا جا رہا تھا۔ ٹورنٹو اب بھی انہی فضاؤں کی زد پر تھا۔ سنی بروک پارک میں خشک زرد پتے اسی انہماک سے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا پھر جانے کیوں ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ گی اس کے مسکرانے پر اسے دیکھنے لگی تھی۔ شاید اسی لیے وہ وضاحتی انداز میں گویا ہوا تھا۔

''لڑکیاں شاید ساری ایک جیسی ہوتی ہیں۔'' اس کے تجزیئے پر وہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی پھر ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

''کیا مشرقی لڑکیوں کی سوچ ایسی ہی فطری ہوتی ہے؟'' اور وہ ہنس دیا تھا۔ پھر قدرے لاپرواہی سے شانے اُچکا دیئے تھے۔

''پتہ نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' گی کی جانب سے استفسار ہوا تھا۔

''میں پاکستان میں زیادہ رہا نہیں۔ دس برس کا تھا جب مائی اماں نے پڑھنے کی غرض سے برٹین بھیج دیا۔ عرصہ دراز تک وہیں رہائش پذیر رہا۔ کبھی کبھار پاکستان جانا ہوتا رہا۔ مگر وہ ڈیوریشن بہت کم رہا۔ پڑھائی سے فراغت ہوئی تو خاندانی امور کی ذمہ داریاں کندھوں پر آن پڑیں۔ کاروبار کا آغاز ہوا۔ ملکوں ملکوں سفر کرنے لگا اور کسی اور طرف کا دھیان ہی نہیں رہا۔''

''اس کا مطلب ہے تم لڑکیوں سے کبھی وابستہ نہیں رہے؟'' گی کو کسی قدر حیرت ہوئی اور وہ مسکرا دیا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اس لمحے تمہارے سامنے نہ ہوتا۔ میں ایک عام سا بندہ ہوں۔ فطری تقاضوں سے خود کو بچا نہیں سکتا۔ یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ مشرقی لڑکیوں سے میرا سابقہ اس طور نہیں پڑا۔ بہت سی کزنز ہیں۔ مگر انہیں میں نے کبھی ایسی نظر سے نہیں دیکھا۔'' اس نے کسی بھی مبالغہ آرائی کے بغیر صاف گوئی سے کہتے ہوئے شانے اچکائے تھے اور جواباً گی بہت سی بے یقینی آنکھوں میں بھرے اسے تکنے لگی تھی۔

''یعنی مغرب میں تمہاری وابستگی لڑکیوں سے رہی؟''

جانے اُس نے کیا جاننا چاہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی ازلی تمکنت سے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور دھان پان سی نظر آنے والی گی اس لمحے اپنے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

اس چہرے کے رنگوں میں ایک تغیر کی سی کیفیت تھی۔ ان فضاؤں کو مات دیتے لبوں پر خاموشیوں کا پہرہ تھا۔ سبکتگین لغاری اس کی سمت سے دھیان ہٹا کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا مگر اس لمحے اس کے لبوں پر بڑھی دھیمی سی مسکراہٹ اُتری تھی۔

''تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

''کیا؟'' گی چہرے کا رُخ پھیرے پھیرے بولی تھی۔

''یہی، میری لڑکیوں سے وابستگی۔'' انداز سرسری تھا مگر لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ گی کچھ نہیں بولی تھی مگر سرسراتی پاگل ہوائیں بہت چپکے چپکے کچھ دھیمی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

''کیا کسی سرد خانے سے کوئی بے خودی ہولے ہولے سر اُٹھا رہی ہے؟'' بہت ہولے سے جھک کر سبکتگین لغاری نے ایک مدھم سی سرگوشی کی تھی۔ شرارت سے بھرپور لہجے میں گویا ہوا تھا۔ گی یکدم چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ جس سرعت سے گویا ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ سرعت سے اس کے انداز میں تغیر واقع ہوا تھا۔ چہرہ کسی قدر بے تاثر اور انداز لاپرواہیانہ تھا۔ شرارت کرنے والا۔ اس کی جانب قطعاً اس گھڑی متوجہ نہ تھا۔ گی اسے دیکھتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''تم بہت بے تاثر ہو۔ سرد، جامد، خود کو فقط پوز کرتے ہو یا پھر ہو بھی؟'' وہ اس کے متعلق شاید کوئی تاثر قائم نہ کر پائی تھی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی اور سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر اس لمحے جانے کیوں مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''میرے بارے میں جاننے کی متلاشی ہو؟'' عجب سوال تھا۔

گی نے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔شاید اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرنا چاہا تھا مگر پھر ناکام ہو کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''تم کوئی عام آدمی ہرگز نہیں ہو۔'' بہت تھکے ہوئے لہجے میں جیسے وہ اعتراف کرتی ہوئی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی اور اس لمحے سردار سبکتگین کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''تم یہ اعتراف کرنے والی پہلی لڑکی نہیں ہو۔'' ایک ازلی تمکنت اس گھڑی نہ صرف لہجے میں تھی بلکہ آنکھوں سے بھی یہ احساس ہویدا تھا۔مگر گی کچھ نہیں بولی تھی۔کچھ دیر تک ان کے درمیان طویل خاموشی رہی تھی۔سرسراتی خنک ہوائیں ہولے ہولے بہت سی مدھم سرگوشیاں کرتی پاس سے گزرتی رہی تھیں مگر ان مدھم سرگوشیوں پر نہ گی نے کان دھرے تھے نہ ہی سردار سبکتگین نے۔بہت سے لمحے خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے تھے۔پھر انہی خاموش لمحوں میں سردار سبکتگین لغاری نے اس دھان پان سی لڑکی کی جانب دیکھا تھا اور قدرے دھیمے انداز میں مسکراتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''کیا تمہیں مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی ؟''

''نہیں۔'' گی اس کی جانب دیکھے بغیر بولی تھی۔سبکتگین بغور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔لبوں کی مسکراہٹ اس گھڑی گہری ہو گئی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو؟'' دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا

گی چند ثانیوں تک خاموش رہی تھی، پھر ہولے سے گردن پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا اور اسی قدر آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ہاں۔''

بہت برجستہ اعتراف تھا۔سردار سبکتگین اسے دیکھنے لگا تھا۔مگر وہ مزید کچھ نہیں بولی تھی۔شاید جو بولی تھی وہی بہت کافی تھا۔سردار سبکتگین کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ اُبھری تھی۔

''تم پہلی لڑکی نہیں ہو جو ایسا اعتراف بلا تامل کر رہی ہو۔''

گی نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔یقیناً وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور اس لمحے گی کے گداز لبوں پر بھی مسکراہٹ بہار کے سارے رنگ اپنے ہمراہ لیے دبے پاؤں اُتر آئی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے روایتی جاپانی لڑکیوں کی طرح نہ تو چہرے پر ہاتھ دھرنے کی کوشش کی تھی نہ ہی اس تروتازہ مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کی تھی بلکہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

''تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی ؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' سبکتگین نے اُلٹا سوال داغ کر اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔لبوں پر پھیلی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ گی کے اس سوال سے حد درجہ محظوظ ہوا ہے۔گی نے سرسری انداز میں شانے اچکائے تھے۔انداز لاپرواہ سا تھا۔سبکتگین نے یکدم ہاتھ بڑھا کر اس صبیح چہرے سے پہرہ دیتی ان شرارتی لٹوں کو چھوا تھا۔گی ایک پل میں جیسے بیدار ہوئی تھی۔بے ارادہ ہی ذرا پیچھے کھسکی تھی۔لمس کوئی انگارہ ہو جیسے۔مگر سبکتگین کی محویت قطعاً نہیں ٹوٹی تھی۔وہ اسی طور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔

''تم بہت خوب صورت ہوگی!'' لہجہ مدھم تھا۔ مگر گی کچھ نہیں بولی تھی۔ چند لمحوں تک خاموشی ان کے درمیان سفر کرتی رہی تھی۔ پھر اچانک گی نے سر اُٹھا کر اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا۔

''تم اب تک یہ بات کتنی لڑکیوں سے کہہ چکے ہو؟''

''اتنی ہی جو تمہارے جتنی خوبصورت تھیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

گی جانے کیوں اسے بغور تکنے لگی تھی۔ پھر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''اور ان خوبصورت لڑکیوں میں اتنی خوبصورت کتنی تھیں جو تمہارے دل کو چھو سکیں؟'' سبکتگین کچھ نہیں بولا تھا۔ بس فقط اسے دیکھتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ گی کچھ دیر تک اسے تکتی رہی تھی، پھر بول اُٹھی تھی۔

''جو بہت کم کم مسکرانے والے ہوتے ہیں وہ جب مسکراتے ہیں تو مسکراہٹ ان کے چہرے پر بہت بھلی لگتی ہے۔ ایسے ہی جیسے تمہارے چہرے پر۔'' اس کا تجزیہ بہت برجستہ تھا۔ سبکتگین اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''تمہیں کیسے لگا کہ میں کم کم مسکراتا ہوں؟''

''تمہارے چہرے سے۔ بہت تناؤ کی سی کیفیت ہے۔ بہت حد تک سرد و جامد اور بے تاثر۔ شاید تم بہت اچھے ہو اندر سے...... مگر تمہارا چہرہ اس بات کی ترجمانی نہیں کرتا۔''

اور وہ ہنس دیا تھا۔

''اپنی رائے تبدیل کر رہی ہو؟''

''نہیں...... بہتر انداز میں واضح کر رہی ہوں۔'' وہ سر جھکا گئی تھی۔ وہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ گی فقط خوبصورت ہی نہیں بہت زیادہ ذہین لڑکی تھی۔ وہ لحہ لحہ اس پر پہیلیوں کی صورت میں کھل رہی تھی۔ شاید اسی لیے اس کے ساتھ بات کر کے سبکتگین کو لطف آ رہا تھا۔

''تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟'' وہ بہت چونکتے ہوئے سر اُٹھا کر اس کو تکنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا اور اس لمحے ان خواب خواب آنکھوں کے رنگ یکدم بدلنے لگے تھے۔ کتنی ویرانیاں گھر کرنے لگی تھیں اور گی اس کی سمت سے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ بالکل غیر ارادی طور پر۔ وہ اس لمحے اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھمانے لگی تھی۔ انداز بے حد اضطراری تھا۔ سبکتگین اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''اس نے تم سے بے وفائی کی؟'' وہ کسی نتیجے پر پہنچتا ہوا گویا ہوا تھا۔

وہ یکدم سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''کیا بہت چاہتی تھیں تم اُسے؟'' اُسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

گی کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی جیسے وہ اس کی عقل پر ماتم کرتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''محبت اس زمانے کی شے نہیں۔ کرتے ہوں گے کوئی بے وقوف جن کے پاس عقل کا فقدان ہوتا ہوگا یا پھر وقت کی فراوانی۔ مگر آج کے دور میں قطعاً نہیں۔ وقت کس کے پاس ہے۔ کتنی گہما گہمی ہے، افراتفری ہے اور ایسے میں محبت۔ نان سنس۔''

''ایسا مت کہو۔ محبت کوئی فضول شے نہیں ہے۔''

''تو تم واقعی محبت پر اس درجہ ایمان رکھتی ہو۔ بے وقوف لڑکی! تبھی تمہاری آنکھیں اس قدر ویرانیوں سے بھری پڑی ہیں۔'' وہ اُسے ڈانٹتے ہوئے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُسے باور کرانے والے انداز میں بولا تھا۔ ''سنو! یہ فقط بے وقوفی ہے۔ یہ بس دماغ کا خلل ہے۔ حقیقت کچھ نہیں ہے اس کی۔'' وہ کہہ کر رُکا تھا۔ گی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ۔ کتنی بے وقوف ہوتی ہیں یہ ساری لڑکیاں۔ سنو! وہ جو کوئی بھی تھا تمہاری زندگی سے جا چکا۔ تم پر زندگی کے دروازے بند نہیں ہونے چاہئیں۔ تمہیں بھی اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ اسے۔ بھول جاؤ اسے۔ تم بھی خوش رہو۔ اپنے حصے کی خوشیاں تلاشو۔ جس طرح کہ وہ کہیں اور کر رہا ہوگا۔'' وہ بہت جذباتی انداز میں بول کر چپ ہو گیا تھا۔ مگر گی تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ بہت خاموشی کے ساتھ اُٹھی تھی اور تھکے ماندے قدموں سے واپسی کا سفر طے کرنے لگی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری کتنی ہی دیر تک بیٹھا اس سمت تکتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

تقریب تو فقط منگنی کی تھی مگر کلاس اور اسٹیٹس کے تحت اقدامات انتہائی پُر وقار تھے۔

ہر شے معمول پر تھی۔ عفنان علی خان دوستوں میں گھرا کھڑا تھا۔ ابھی کچھ دیر میں اس لڑکی کے ساتھ اس کی نسبت طے ہونے جا رہی تھی جس کے لیے اس نے اپنی عقل کے ساتھ عندیہ دیا تھا۔ ماں اور بہنیں کس قدر پُر جوش تھیں اس کے لیے، لڑکی ڈھونڈنے کے لیے۔ مہینوں اس مہم پر صرف ہوئے تھے۔ اس کی مرضی جاننے کے کتنے قصد ہوئے تھے۔

''گھنے ہو بڑے۔ پھر مت کہنا پھنسا دیا۔ کوئی ہے تو بتا دو۔ ابھی تیر کمان میں ہے۔'' بڑی بہن شادی شدہ عرشیہ اپنے دو سالہ غازی کو سنبھالتے ہوئے بولی تھیں۔ مگر وہ فقط مسکرا دیا تھا۔

''یقین نہیں آتا بھائی! اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی آپ نے کہیں دھواں دھار قسم کا عشق نہ فرمایا ہو۔'' چھوٹی انوشہ بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد گویا ہوئی تھی۔

''دیکھیں، کوئی ہے تو فوراً بتا دیں۔ یاد نہیں پڑ رہا تو خوب سوچ لیں۔ یادداشت کو کھنگالیں۔ کہیں تو کوئی ہوگی۔ کہیں تو کوئی نظر آئی ہوگی۔'' آنکھوں میں شرارت بھرے وہ دریافت کر رہی تھی اور اس نے اس کے سر پر چپت لگا دی تھی۔

کتنے دنوں کا وقت دیا گیا تھا مگر وہ کیا فیصلہ کرتا۔ کوئی کہیں تھا ہی نہیں۔

''اتنی جلدی کیا ہے تم لوگوں کو؟'' کچھ نہ بن سکا تو اعتراض کر ڈالا۔

''اکلوتے ہو دو بہنوں کے۔ کتنے چاؤ ہیں دل کے، سمجھتے ہی نہیں ہو۔'' عریشہ نے ڈپٹا تھا۔

''اور کیا...... آئے دن کتنی شادیاں ہوتی ہیں خاندان میں۔ جاننے، ملنے والوں میں۔ اور کتنی میری سہیلیاں چٹ پٹے انداز میں روداد سناتی ہیں۔ یہ نئے کپڑے بنتے ہیں، لمبی شاپنگز ہوتی ہیں، کتنے مزے آتے ہیں نا۔'' انوشہ کی رائے بھی اہم ترین تھی۔

''تم لوگوں کو قربانی کا بکرا میں ہی ملا ہوں۔'' وہ انتہائی معصومیت سے احتجاج کرتا۔

فیضان علی اور فاطمہ علی خان بچوں کی نوک جھونک پر مسکراتے رہتے۔ کتنے عرصے تک وہ بہنوں کی فرمائش کو ٹالتا رہا۔ کبھی کاروباری مصروفیت کے بہانے، کبھی کوئی اور بہانے۔ مگر آخر کب تک۔ بالآخر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے جب انہوں نے لامعہ حق کی تصویر اس کے سامنے ڈال دی۔

''یہ کٹ کھنی بلی۔'' وہ بری طرح چونکا۔ نہ چہرہ نیا تھا نہ نام۔ کتنے پرانے فیملی ٹرم تھے۔ بابا کے بزنس پارٹنر رہ چکے تھے تو قیر حق صاحب۔ برسوں پرانی جان پہچان تھی۔ برسوں پرانے تعلقات تھے۔ کوئی اجنبی تو نہ تھی وہ اس کے لیے۔

''عفنان علی خان صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ بھائی تو آپ ہمارے اکلوتے ہیں مگر ہم حتمی طور پر کہتے ہیں کہ اس لڑکی کے سوا تمہیں کوئی لڑکی نہ سمجھ سکتی ہے نہ برداشت کر سکتی ہے۔'' عریشہ باور کراتے ہوئے بولی تھی۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر رہ گیا تھا۔

''سر پیٹو، چاہے جو مرضی کرو۔ اب اور بہانے نہیں چلنے والے۔ اٹس انف لامعہ حق آخری چوائس ہے۔''

''پہلی کون سی تھی؟'' وہ بے چارگی سے بولا تھا۔ عریشہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

''اچھا، اچھا...... اب زیادہ بے بی بچے مت بنو۔ بس ہم نے لامعہ حق کو سلیکٹ کر لیا ہے۔''

اسے سوچنے کے لیے وقت دیا گیا تھا اور اس کے پاس کوئی اور فیصلہ نہ تھا۔

''تمہیں کبھی تو کسی سے محبت ہوئی ہوگی۔'' عریشہ بڑی تھی مگر سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ مگر وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''کبھی کوئی ہلکا سا کرش بھی نہیں؟'' عریشہ نے مزید کریدا تھا اور عفنان علی خان کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

تنہائی کے کتنے لمحوں میں اس نے لامعہ حق کے متعلق سوچا تھا مگر دل کیسا چپ چاپ سا تھا اور تب اس نے فرد کو وکیل کرتے ہوئے فیصلہ دے دیا تھا۔ لامعہ حق کوئی اجنبی تو نہ تھی اس کے لیے۔ عادات، اطوار سبھی کچھ منکشف تھا۔ سب خوش تھے اور اس نے ان خوشیوں پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کر دی تھی۔

لامعہ حق کتنی حیران رہ گئی تھی۔

''عفنان علی خان! کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟'' جیسے ہی فیصلے کے متعلق اسے علم ہوا تھا اس نے جھٹ فون کر ڈالا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"قطعاً نہیں۔ بلکہ یہ تمہارے خوابوں کی تعبیر ہونے جا رہی ہے۔"

"عفنان علی خان! میں نے کبھی تمہیں اس زاویے سے نہیں دیکھا۔"

"اُس زاویے سے تو یقیناً سوچا ہوگا۔" وہ برجستگی سے بولا تھا مگر وہ قطعاً برا منائے بغیر مسکرا دی تھی۔

"اب تو ایسے ویسے ہر زاویئے سے دیکھوں گی۔ اب ہمیشہ کے لیے میرے ہونے جا رہے ہو۔" وہ مسرور تھی اور عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ منگنی کی تاریخ طے ہوئی تھی اور بالآخر یہ دن بھی آن پہنچا تھا۔

لامعہ حق تیاری کے لیے پارلر گئی ہوئی تھی اور اس کے انتظار میں تقریب تاخیر سے دوچار تھی۔ خدا خدا کر کے لامعہ حق تیار ہو کر پہنچی تھی۔

"ان فضول قسم کی رسموں میں وقت کے زیاں کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔" رسم کے لیے جب وہ اس کے قریب تھی، عفنان علی نے خالصتاً کاروباری انداز میں کہا تھا اور وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"فارگاڈ سیک عفنان علی خان! اسے بھی کوئی بزنس اسائنمنٹ جان کر صبر کر لو۔" وہ اس کے جلے بھنے انداز پر مسکرا دیا تھا۔ بغور اس پر نگاہ کی تھی۔

"منہ میں سے ہوا خارج کر دو۔ پھولا ہوا چہرہ قطعاً اچھا نہیں لگ رہا۔" اور وہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ تمہیں پرواہ ہے کوئی؟"

"اچھی لگ رہی ہو۔" عفنان علی خان نے کان کے قریب بڑی مدھم سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی سرعت سے سیدھا بھی ہو گیا تھا۔ لامعہ حق اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اطراف پر نگاہ دوڑا رہا تھا مگر مخاطب وہی تھی۔

"نظریں جھکاؤ......لڑکیاں اتنی بے باکی سے دیکھتی اچھی نہیں لگتیں۔" وہ چڑانے والے انداز میں گویا ہوا تھا۔ لامعہ گھورتی ہوئی سر جھکا گئی تھی۔ تبھی فاطمہ نے بیٹے کو منگنی کی رِنگ تھمائی تھی۔

"رسم شروع کرو بیٹا!"

عفنان علی خان نے مخملی ڈبیہ کو ہاتھ میں لے کر بیش قیمت رِنگ برآمد کی تھی۔ پھر ذرا دیر کو یونہی انگوٹھی کو دیکھا تھا۔

"اُس زاویئے سے تو یقیناً سوچا ہوگا۔" وہ برجستگی سے بولا تھا مگر وہ قطعاً برا منائے بغیر مسکرا دی تھی۔

"اب تو ایسے ویسے ہر زاویئے سے دیکھوں گی۔ اب ہمیشہ کے لیے میرے ہونے جا رہے ہو۔" وہ مسرور تھی اور عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ منگنی کی تاریخ طے ہوئی تھی اور بالآخر یہ دن بھی آن پہنچا تھا۔

لامعہ حق تیاری کے لیے پارلر گئی ہوئی تھی اور اس کے انتظار میں تقریب تاخیر سے دوچار تھی۔ خدا خدا کر کے لامعہ حق تیار ہو کر پہنچی تھی۔

"ان فضول قسم کی رسموں میں وقت کے زیاں کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔" رسم کے لیے جب وہ اس کے قریب تھی، عفنان علی خان نے خالصتاً کاروباری انداز میں کہا تھا اور وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''فارگاڈ سیک عفنان علی خان! اسے بھی کوئی بزنس اسائنمنٹ جان کر صبر کر لو۔'' وہ اس کے جلے بھنے انداز پر مسکرا دیا تھا۔ بغور اس پر نگاہ کی تھی۔

''منہ میں سے ہوا خارج کر دو۔ پھولا ہوا چہرہ قطعاً اچھا نہیں لگ رہا۔'' اور وہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ 'تمہیں پرواہ ہے کوئی؟'

''اچھی لگ رہی ہو۔'' عفنان علی خان نے کان کے قریب بڑی مدھم سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی سرعت سے سیدھا بھی ہو گیا تھا۔ لامعہ حق اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اطراف پر نگاہ دوڑا رہا تھا مگر مخاطب وہی تھی۔

''نظریں جھکاؤ......لڑکیاں اتنی بے باکی سے دیکھتی اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ چڑانے والے انداز میں گویا ہوا تھا۔ لامعہ گھورتی ہوئی سر جھکا گئی تھی۔ تبھی فاطمہ نے بیٹے کو منگنی کی رِنگ تھمائی تھی۔

''رسم شروع کرو بیٹا!''

عفنان علی خان نے مخملی ڈبیہ کو ہاتھ میں لے کر بیش قیمت رِنگ برآمد کی تھی۔ پھر ذرا دیر کو یونہی انگوٹھی کو دیکھا تھا۔

''سوچ کیا رہے ہو؟...... پہناؤ بھی۔'' لامعہ حق شرارت سے مسکراتی ہوئی گویا تھی۔ مگر اس نے کسی قدر سنجیدگی سے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس کا مخروطی ہاتھ تھام لیا تھا۔ خرد کا فیصلہ تھا۔ عقل نے مہر ثبت کی تھی۔ دماغ ساتھ تھا اور دل خاموش تھا۔ عفنان علی خان نے بہت ہولے سے رِنگ لامعہ حق کی مخروطی انگلی میں پہنانی شروع کی تھی۔ نگاہ اسی سمت سامنے اُٹھی تھی اور نظر ساکت رہ گئی تھی۔ چار سمت سے اُٹھنے والے شور نے اعلان کر دیا تھا کہ بندھن بندھ چکا تھا۔ کئی وشز دینے والے قریب آ رہے تھے اور اس لمحے عفنان علی خان کو چونکنا پڑا تھا۔ مگر نظر تھی کہ بار بار اسی سمت اُٹھ رہی تھی۔

وہ اب بھی مسکراتی ہوئی تالیاں بجا رہی تھی۔ سفید لباس میں شانوں پر سیاہ بال بکھرائے، تر و تازہ چہرے پر دو جگنو سی آنکھیں لیے بہت عام سی ہونے کے باوجود کوئی بات تھی جو اسے خاص کر رہی تھی۔ عفنان علی خان کیسا بے خود سا اسے دیکھے گیا تھا۔ اب وہ باقاعدہ ہاتھ ہلا کر وِش کر رہی تھی۔ شاید لامعہ کی کوئی جاننے والی تھی۔ اِرد گرد ہجوم تھا۔ شاید اس لیے اب تک آگے بڑھ کر مبارکباد نہ دے سکی تھی۔

اِرد گرد کئی لوگ تھے۔ کئی چہرے تھے۔ مگر جیسے بے اختیاری غالب آتی جا رہی تھی۔

پہلی بار ایک اضطرابیت نے دبے پاؤں وجود کے علاقے میں قدم دھرے تھے۔

شاید پہلی بار وہ اتنا بے خود ہوا تھا۔

شاید پہلی ہی بار دل دھڑکنے کی صدا آئی تھی۔

کتنے حسین چہرے دیکھے تھے۔

کتنے دلربا پیکر نظروں سے گزرے تھے۔ پھر ایسا خاص کیا تھا اس میں؟

عفنان علی خان نے کتنی بار سرسری جان کر نگاہ چرانی چاہی تھی۔ تمام تاثر کو جھٹکنا چاہا تھا مگر جیسے سارے اقدامات ریت کی دیوار پر ثابت ہوئے تھے۔

نظریں بار بار اسی سمت اُٹھ رہی تھیں۔ اسی زاویئے پر ٹھہر رہی تھیں اور وہ جیسے تمام تر کوششوں کے باوجود بے بس تھا۔ انوشہ بول رہی تھی۔ وہ اس کی سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب وہ ان کی سمت بڑھی تھی۔

''تھینکس گاڈ! مجھے بھی قطار میں جگہ ملی۔'' وہ لامعہ حق کو وش کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔ لامعہ نے اس کے ہاتھ سے بکے لے کر ایک طرف دھرا تھا اور اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''تمہیں کہا بھی تھا میرے قریب رہنا۔ مگر تم ان سے تو ملو۔ یہی ہیں موصوف عفنان علی خان۔ کہو، ہیں نا ہینڈسم؟'' لامعہ حق کی کوئی قریبی شناسا تھی۔ شاید تبھی وہ تعارف بھی انتہائی غیر رسمی انداز میں دے رہی تھی۔

جواباً جانے اس نے ہولے سے کیا کہا تھا کہ لامعہ حق کا خوشگوار قہقہہ فضا میں پھیلتا ہوا چلا گیا تھا۔ عفنان علی خان اس گھڑی دانستہ بے تاثر بننے کی کوشش کرتے ہوئے کسی اور سے مخاطب تھا۔ چونکا تب جب لامعہ نے متوجہ کیا۔

''یہ انابیہ شاہ ہے...... میری بیسٹ فرینڈ۔ میرے لیے یہ بے حد اہم ہے۔ سو تمہارے لیے بھی اس کی حیثیت اسی طور ہونی چاہیے۔'' لامعہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ تر و تازہ چہرے والی لڑکی اس گھڑی عفنان علی خان کی جانب متوجہ تھی اور بڑی شگفتہ سی مسکراہٹ اس کے گداز لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی اور اس کی جگنو سی آنکھیں کتنی آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

اس چہرے پر ایسا خاص کیا تھا؟
کیا کشش تھی جو نظروں کو اپنے سنگ باندھ رہی تھی۔
کچھ اس درجہ خوبصورت بھی نہ تھی وہ۔
پھر؟...... دل سے سوال ایک بار پھر اُٹھا تھا۔
نظریں ایک بار پھر از سر نو اس کا جائزہ لینے لگی تھیں اور نگاہ لمحہ بھر میں اس کی چمکتی آنکھوں پر ٹِک کر رہ گئی تھی۔
اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں
کہیں اندر سے یکدم آواز اُٹھی تھی اور لفظ بازگشت ہو گئے تھے۔

لامعہ حق کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ وہ جادوسی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ وقت خواب خواب گزر رہا تھا اور وہ خاموش تھا۔ نگاہ لمحہ بھر کو چرائی تھی۔

اندر کہیں پھر متواتر شور ہونے لگا تھا۔ مگر وہ جیسے خود پر بند باندھتے ہوئے دانستہ اس وجود سے نظریں چرا رہا تھا۔

وہ مکمل بے تاثر تھا۔ دوستوں کے ساتھ مصروف تھا۔ مگر ہر کوشش جیسے رائیگاں تھی۔

کتنی مدھم مدھم سرگوشیاں اس کے اندر ہوتی رہی تھیں۔

اور وہ ان کیفیات کو نہ سمجھتے ہوئے کتنی دیر تک حیران سا رہا تھا۔لیکن سمجھ جیسے ان آنکھوں نے رہن رکھ لی تھی۔ کچھ اختیار ہی نہ رہا تھا۔ اور بے اختیاری نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔

☆......☆......☆

درد کے لمحے کتنے کٹھن تھے۔ گزرتا ایک ایک پل جیسے صدیوں پر محیط تھا۔

کیسی قیامتیں گزر رہی تھیں دل پر۔ مگر ضبط کس قدر لازم تھا۔ دل جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ کاڈیو ویسکیولر ڈیزیز وارڈ میں وہ کتنی بار ماں کے پاس دبے قدموں آیا تھا۔ فارحہ کے لیے اسے تھکن سے چور دیکھنا محال تھا۔ دل کا درد کس قدر بڑھنے لگا تھا۔ ماہا کی حالت الگ غیر تھی۔ اس کے لیے خالہ کو اس نے گھر چھوڑا تھا مگر خود ایک لمحہ بھی ماں کے پاس سے نہ ہٹا تھا۔

دو روز گزرنے کے بعد فارحہ کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ مگر ہارٹ اٹیک کے باعث ساری توانائی جیسے نچڑ کر رہ گئی تھی۔ ترو تازہ نظر آنے والا چہرہ اس گھڑی حد درجہ بے رونق سا تھا۔ ایک ہی دن نے جیسے چہرے کی ساری شادابی چھین لی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری کتنی دیر تک ماں کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے خالی خالی نظروں سے اسے تکتی رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری بہت آہستگی کے ساتھ سر جھکا گیا تھا اور تب بہت آہستگی کے ساتھ اندر پل پل بہتا ہوا لاوا پانی کی صورت آنکھوں کے کنارے توڑتا ہوا باہر نکلنے لگا تھا۔ اگرچہ وہ کسی بھی صورت کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر کچھ لمحے ایسے بھی ہوتے ہیں جب خود اپنے آپ پر ضبط کے بند باندھنا آسان نہیں ہوا کرتا۔ ایسے ہی لمحے کا سامنا اذہان حسن بخاری کو بھی تھا۔ فارحہ خالی خالی نظروں سے بیٹے کو دیکھتی رہی تھیں اور گرم سیال پلکوں کے کناروں سے چپ چاپ باہر کی سمت گامزن رہا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے سر اُٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا، پھر بہت پُرعزم انداز میں گویا ہوا تھا۔

”میں ہوں نا......آپ تنہا نہیں ہیں ممی!“

شاید وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر آنسوؤں کا کوئی گولہ جیسے حلق میں اٹک گیا تھا اور وہ چپ ہو کر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ چند ثانیوں تک اسی طرح چپ چاپ اندر کے درد کو باہر منتقل کرتا رہا پھر ایک عزم سے ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”میری ہمت آپ ہیں ممی! میں اور ماہا آپ کے بغیر بالکل ادھورے ہیں۔ کمزور، بے ہمت ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی جتنی آپ کو ہماری ضرورت ہے۔“ جوان اولاد کس قدر انتشار کا شکار تھی۔ فارحہ بے بسی سے بیٹے کو ٹوٹنے پھوٹنے کے اس عمل سے گزرتا دیکھ رہی تھیں۔

”ممی! پلیز۔“ اذہان نے ہاتھ بڑھا کر ماں کے بالوں میں جذب ہوتے قطروں کو اپنے مضبوط ہاتھ سے پونچھا تھا پھر اسی قدر آہستگی سے بولا تھا۔

''ممی! آپ نے ہی کہا تھا نا کہ زندگی میں کوئی بھی نقطہ،نقطہ اختتام نہیں ہوتا ہوسکتا ہے جس اسٹاپ کو آپ فل اسٹاپ تصور کر رہے ہیں وہیں اس سے آگے ایک نیا پیراگراف شروع ہوتا ہو۔ممی! آپ کی بتائی ہوئی وہی چھوٹی سی بات آج میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں...... دوسروں کے لیے رشتوں کے مفہوم بدل سکتے ہیں۔ ہمارا ہر تعلق آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتا ہے۔آپ نے جو درس دیا وہ مجھے اب بھی ازبر ہے۔اتنا کچھ ہونے کے باوجود میں نے کہیں بھی رشتے کے کسی تقدس کو پامال نہیں ہونے دیا۔شاید غلطی میری ہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے ہی باعث ہوا۔ مجھے بابا کے اور آپ کے درمیان نہیں آنا چاہیے تھا۔اگر میں مداخلت نہیں کرتا تو شاید صورت حال ایسی نہ ہوتی۔''اس کا دھیما لہجہ احساسِ جرم سے چور تھا۔سر جھکائے وہ بول رہا تھا۔

''میں خود کو آپ کا،ماہا کا مجرم خیال کرتا ہوں......شاید میں خود کو کبھی معاف بھی نہ کرسکوں۔مگر یقین کیجیے، مجھے آپ سے بے حد محبت ہے۔ مجھے آپ کی خیر خواہی مقصود تھی ممی! میں اس آشیانے کو ٹوٹتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس کا حصہ میں بھی ہوں۔ مجھے بھی وہ گھر اسی قدر عزیز ہے۔یہ اقدام خیر خواہی کے لیے تھا۔مگر آئی ایم سوری امی! آپ کا گھر نہیں بچا سکا،اپنی بہن کو تحفظ نہیں دے سکا۔اس کی خوشیوں کو قائم نہیں رکھ سکا۔میں آپ کا بہت نالائق بیٹا ہوں ممی! بہت بُرا بھائی ہوں۔''

ٹوٹتے لہجے میں حد درجہ شکستگی تھی۔فارحہ چپ چاپ بیٹے کو تکتی رہی تھیں۔آنکھوں سے متواتر بہتا پانی اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔

''ممی! مجھے نہیں معلوم تھا،صورتِ حال اس درجہ شدت اختیار کر جائے گی۔اگرچہ یہ معاملہ اسی قدر سنگین تھا۔ جب مجھے اپنے دوستوں کے ذریعے بابا کے متعلق پتہ چلا تو مجھے اچھا نہیں لگا۔ہم نے اپنے والدین کے لیے عزت و مرتبے کے بہت بلند درجات مقرر کر رکھے ہوتے ہیں اور اگر ان درجات سے ایک انچ بھی وہ رشتہ گرنے لگے تو ہمیں بے حد برا لگتا ہے۔اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اچھا نہیں لگا جب میرے بابا کے بارے میں مجھے کسی اور سے پتہ چلا۔وہ شکایتیں جو والدین کو جوان اولاد سے متعلق ملتی ہیں وہ مجھے اپنے باپ سے متعلق موصول ہوئیں۔یہ میرے لیے کم نہیں تھا ممی! جب میں نے آپ کو مطلع کیا تو مجھے کسی قدر یقین تھا کہ صورتِ حال کنٹرول میں آجائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور ہوا تو اس کے برعکس۔میں جتنا صورتِ حال سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا،حالات اتنے اختیار سے باہر ہوتے چلے گئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں مجھے آپ دونوں کے درمیان سے ہٹ جانا چاہیے تھا اور جس طرح بابا چاہتے تھے گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔آپ نے مجھے روک کر اچھا نہیں کیا ممی! آپ کو مجھے نہیں روکنا چاہیے تھا۔میرے گھر سے نکل جانے سے آپ سے یا ماہا سے رشتہ ختم قطعاً نہیں ہو جاتا۔مگر میرے ایسا کرنے سے آپ کا گھر ضرور بچ جاتا۔بابا ایسی انتہائی راہ اختیار نہ کرتے جو انہیں نے اب اختیار کی۔''

وہ بہت آرام سے سارے الزام اپنے سر لے رہا تھا۔وہ سارے جرم بھی جو اس سے سرزد نہیں ہوئے تھے۔وہ بھی جن میں سرے سے اس کا کوئی قصور ہی نہیں نکلتا تھا۔

فارحہ خاموش تھیں۔مگر خاموشی متواتر اس بات کی نفی کر رہی تھی۔وہ اگر ایسا سب نہ کرتا تو بھی شاید صورتِ حال بہتر نہ ہوتی۔ سعد بخاری نے جس طرح اس کے استفسار پر واضح انداز میں اس تعلق کی تصدیق کرتے ہوئے اسے قبول کیا تھا اور اپنی دیوانگی کا گراف

بتایا تھا وہ اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ اسے اپنے گھر کی بنیادیں اسی دن کھوکھلی ہوتی نظر آ گئی تھیں۔ اس کے بعد تو جو بھی ہوا تھا وہ فقط اس گھر کو بچانے کی سعی تھی۔ مگر جو مکان ریت پر بنا ہو اس کی بنیاد چند روزہ ہوتی ہے۔ اسے دکھ اس بات کا تھا جو ایک طویل رفاقت کے تحت انہیں رہا تھا۔ اس مان کا تھا جو اس رشتے کے باعث قائم تھا۔ سارا دکھ اس بات کا تھا کہ وہ اس رفاقت کو مضبوط ترین خیال کرتی تھیں اور ایسا تھا بھی تو ایک زمانہ گواہ تھا۔ لوگ مثالیں دیتے تھے۔ پھر اچانک یہ کیسی آندھی اُٹھی تھی؟ کیسا طوفان آیا تھا اچانک؟

کیسے ایک مضبوط ترین گھر کی بنیادیں پل میں کھوکھلی ہو گئی تھیں۔ کیسے ایک پل میں سب کچھ ڈھیر ہو گیا تھا۔ سب کچھ خاک میں مل گیا تھا۔ شاید اس وقت زیادہ دکھ ہوتا ہے جب توقعات حد سے زیادہ ہوں۔ لیکن اس معاملے میں بھی دل متواتر جھٹلا رہا تھا۔ توقعات غلط تو نہ تھی۔ معاملہ دوطرفہ تھا۔ بس ایک لمحہ آیا تھا اور اپنے سنگ سب کچھ بہا لے گیا تھا۔

بہت زیادہ یقین بھی ڈبوتا ہے۔ ایسا ہی یقین اسے اس رفاقت پر تھا۔ اپنے گھر پر تھا۔ اس کی بنیادوں پر تھا۔ مگر سب کچھ پل کے پل میں ڈھیر ہو گیا تھا۔

”ممی! آپ ٹھیک ہو جائیں گی...... سب ٹھیک ہو جائے گا...... میں بابا سے معافی مانگ لوں گا۔ ہمارا گھر پھر سے آباد ہو جائے گا۔ بابا اگر چاہیں گے تو میں اس گھر کو بھی خیر باد کہہ دوں گا۔ مگر پلیز، ممی! پلیز آپ ٹھیک ہو جائیں۔“ سید اذہان حسن بخاری کا انداز جس قدر شکستہ تھا اس قدر اس کا اندر شکستہ تھا۔ ان ٹوٹتے پھوٹتے لمحوں میں وہ بالکل بچوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ حالانکہ یہ بات دونوں پر منکشف تھی کہ ایسا کچھ بھی ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں پلٹ سکتا اسی طرح اس اقدام کا بھی کوئی ریٹرن نہ تھا۔ یقیناً گزرنے والے کسی لمحے کا کوئی ریٹرن نہیں ہوتا۔

سید اذہان حسن بخاری مداوا چاہتا تھا، ازالہ کرنا چاہتا تھا مگر ایسا کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔

یہ بات فارحہ بھی جانتی تھیں اور خود اذہان حسن بخاری بھی۔ مگر دونوں اِک دوجے کو آسرا دے رہے تھے۔

☆......☆......☆

مائی اماں نے بہت ہنگامی حالت میں فون کر کے اسے بلایا تھا۔ وہ آتے ہوئے گی سے بھی نہ مل سکا تھا۔ مگر اس کے فلیکس پر اس نے اچانک چلے آنے کی وجہ لکھ بھیجی تھی۔ اُسے امید تھی، اس کی چند روزہ دوست اس معاملے کو انڈراسٹینڈ کرے گی۔

مائی اماں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر اسے بلوایا تھا اور یہاں آ کر وہ ان کا مدعا سن کر ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

”مائی اماں! آپ جانتی ہیں ابھی ان سب باتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ نے ہی کہا تھا نا کہ میری دستار بندی جب دس برس کی عمر میں ہو گئی تھی تو اس سے وابستہ بہت سی ذمے داریاں بھی آپ ہی آپ میرے ذمے لگ گئی تھیں۔ اور اب جب ان ذمے داریوں کی منصبی کا وقت آیا ہے تو آپ مجھے ان فضول معاملات میں اُلجھا رہی ہیں۔“ اس کا انداز کسی حد تک بےزار تھا۔

حمیدہ بیگم بیٹے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یقیناً ماں کے جذبات واحساسات کی پرواہ تھی۔تبھی بہت ہولے سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے تھے۔

"مائی اماں! یہ کام کرنے کے لیے ساری عمر پڑی ہے۔آپ پلیز ان بیڑیوں سے فی الحال مجھے آزاد رہنے دیجیے۔" مدھم لہجے میں ایک بار پھر انکار کیا تھا۔حمیدہ بیگم خفگی سے دیکھنے لگی تھیں۔

"تجھے ماں کے جذبات کا بھی کوئی پاس نہیں...... کیسا سل سا وزنی پتھر سینے پر دھرا تجھے بھیج بھیج کر۔کتنا طویل درد سہا۔خود سے تجھے جدا دیکھنا کتنا محال تھا میرے لیے۔مگر میں نے یہ سب کیا۔تیری خوشی کے لیے، تیری آنے والی زندگی کی بہتری کے لیے۔میں چاہتی تھی تم دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھو۔جینے کا ڈھنگ سیکھو۔مگر میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ تم ایک ماں کے جذبات کو کچل دو۔" حمیدہ بیگم کسی قدر جذباتی انداز میں گویا تھیں۔سبکتگین حیدر ماں کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"قول دے چکی ہوں میں...... آزاد فضاؤں میں پل بڑھ کر قول کا پاس تم بھول چکے ہو گے مگر تمہاری ماں نہیں۔میں ان لوگوں کو بلوا چکی ہوں۔اپنی زوبار یہ ہے نا، اس کے شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹی ہے۔خوبصورت اور خوب سیرت ہے۔میں نے بلوایا ہے فارم ہاؤس پر۔کچھ اچھے دن ساتھ گزار لیں، یہی مقصد تھا میرا۔اس سے کسی قدر سمجھنے میں آسانی رہے گی اور تم لڑکی کو دیکھ بھی لوگے۔باپ بیمار ہے بیچارا۔باہر علاج کی غرض سے جا رہا ہے۔بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔"

"آپ نے سوشل ورک کے کام گھر میں بھی شروع کر دیئے...... ان فلاحی کاموں کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی قربانی دیں۔پیسے کی ضرورت ہے تو دے ڈالئے۔دس، بیس، تیس کتنے لاکھ درکار ہیں انہیں؟"

"سبکتگین حیدر!" حمیدہ بیگم نے بلند آواز سے ڈانٹا تھا۔وہ خاموش ہو کر سر جھکا گیا تھا۔پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں مائی اماں! لیکن آپ کو مجھ سے پوچھے بغیر حامی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔"

حمیدہ بیگم چند ثانیوں تک پُر افسوس انداز سے بیٹے کو تکتی رہی تھیں پھر دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

"وہ کوئی غریب، بے سہارا، کم اوقات لڑکی نہیں ہے جسے تمہاری امداد کی ضرورت ہو۔مظہر سیال ملک کا بڑا انڈسٹریلسٹ ہے۔نام ومقام ہے اس کا۔اکلوتی بیٹی ہے اس کی۔ایم بی اے کر رہی ہے۔کسی طرح تم سے کم نہیں ہے۔لغاری خاندان کے نام ومرتبے کا پوری طرح احساس ہے ہمیں۔جانتے ہیں ہم مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کبھی لگانے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ہمیں اس گھر کے لیے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی جو گھر کو باندھ کے رکھ سکے۔اسے سنبھال سکے، سنوار سکے۔سب سے بڑھ کر تمہیں سنبھال سکے۔" حمیدہ بیگم کا لہجہ مضبوط ارادوں کی ترجمانی کر رہا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"تم نے جو چاہا وہ کیا سبکتگین حیدر! ہم نے کبھی کسی مقام پر کوئی بند باندھنے کی کوشش نہیں کی۔کہیں تمہیں نہیں ٹوکا۔کہیں تمہیں محدود یا پابند کرنے کی کوشش نہیں کی۔اس لیے نہیں کہ تم اختیار رکھتے تھے۔صرف اس لیے کہ ہم تمہیں تمہاری زندگی خود آپ جینے کی آزادی دینا چاہتے تھے۔مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ اس بے جا آزادی سے خاندانی رسم ورواج یا نام ومرتبے کی حیثیت کالعدم قرار پا گئی۔

ہم اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ قطعاً نہیں اُٹھا رہے۔ جو کچھ بھی ہونے جا رہا ہے وہ تمہاری بہتری کے لیے ہے۔ ماں سے بڑھ کر کوئی خیر خواہ دنیا میں دوسرا نہیں ہوتا۔ تم جان جاؤ گے کہ ہمارا انتخاب بھی غلط نہیں ہے۔''

''لیکن مائی اماں! میں کوئی بھاگ تو نہیں رہا کہیں ...... یہیں ہوں۔ خدا آپ کو زندگی دے۔ یہ سب بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن اتنی جلدی۔'' سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ دبا دبا احتجاج کیا تھا۔'' مائی اماں! مجھے آپ کے انتخاب پر مکمل اعتماد ہے، بھروسہ ہے۔ لیکن ابھی فی الحال آپ اس تمام معاملے کو ملتوی نہیں کر سکتیں؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے سر اُٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

''سبکتگین حیدر! جب تمہارے بابا کی شادی ہوئی تھی تو ان کی عمر سترہ برس تھی اور آج جب ہم یہ اقدام کرنے جا رہے ہیں، تم پورے بتیس کے ہو چکے ہو۔ کہو یہ رعایت کافی نہیں ہے تمہارے لیے؟''

''مائی اماں! وہ وقت اور تھے۔ زمانے اور تھے۔'' بڑا کمزور سا لہجہ تھا۔

''مگر قدریں تو یہی تھیں۔ کہو تم ان تمام سے انحراف برتنا چاہتے ہو؟'' مائی اماں نے اسے چاروں سمت سے گھیر لیا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری فقط خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ مائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

''کوئی ڈھور ڈنگر نہیں ہو، بیٹے ہو میرے۔ وہ بھی اکلوتے۔ تمہارے حق میں کوئی غلط فیصلہ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔ کیسے سوچ رہے ہو تم کو جو ہونے جا رہا ہے وہ کچھ غلط ہے؟ ...... اپنی ماں پر اعتبار نہیں ہے تمہیں؟''

سبکتگین حیدر لغاری سر جھکا گیا تھا اور دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''مائی اماں! میں آپ سے اختلاف کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ انحراف کرنے کی بات کر رہی ہیں۔'' کسی قدر شرمندہ سا انداز تھا۔ مائی اماں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ ہتھیار ڈال دیئے گئے تھے اور یہ کم نہ تھا۔ بہت بڑی جیت تھی۔ اسی لیے مائی اماں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

''میں نے اسی لیے ان لوگوں کو فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی ہے ...... مل بیٹھنے سے محبت بڑھتی ہے۔ جان پہچان میں مضبوطی آتی ہے، تعلقات پائیدار ہوتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم بھی ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ۔ لڑکی کو دیکھ لو، مل لو، بات کر لو۔ وہ بھی تمہیں سمجھ لے۔ گو پرانے زمانوں کے لوگ ہیں مگر جدید زمانوں سے قدم ملا کر چلنے کے قائل ہیں۔ مگر اپنی قدروں کی ہم آہنگی کے ساتھ۔ مظہر میاں دل کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ علاج کی غرض سے بیرونِ ملک جا رہے ہیں۔ اپنی اولاد کے فرض سے اپنی زندگی میں سبکدوش ہونا چاہتے ہیں ...... ہم بیٹی والے نہیں مگر ان والدین کے جذبات سمجھ سکتے ہیں جو بیٹیوں والے ہیں۔ جب تک مظہر میاں اور زوبار یہ ملک سے باہر رہیں گے، وہ بچی یہیں رہے گی اور تم بھی اس عرصے میں کسی بزنس اسائنمنٹ کو لے کر ملک سے باہر نہیں جاؤ گے۔ میں چاہتی ہوں تم دونوں اچھی طرح ایک دوسرے کو جان لو، سمجھ لو۔ گو سمجھنے کے لیے پوری زندگی پڑی ہے مگر شادی سے پہلے کا یہ عرصہ اس لیے اہم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نئی زندگی جو شروع ہونے جا رہی ہے، اس تعلق کو سمجھنے میں، نبھانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ پیچیدگیاں جو انجانے ہوتے ہوئے فیس کرنا پڑتی ہیں، وہ باہمی

انڈراسٹینڈنگ کے باعث بہت حد تک حل ہو جاتی ہیں۔"

کتنے حکم نامے تھے مائی اماں کے......اور وہ بس سر جھکائے سن رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟

جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

اضطراب نے اس طور دل پر پہرہ ڈال دیا کہ اب تک کی ساری حقیقتیں پل بھر میں منکشف ہوگئی تھیں۔

اک بے قراری کس طور وجود کے سارے علاقے میں ہلچل مچائے رکھتی ہے، یہ سب اس پر فقط ایک شب میں کھلا تھا۔

کیسے رازوں سے شناسائی پا گیا تھا دل۔

بس ایک شب میں کیسی کایا پلٹ ہوئی تھی۔ کیسے سارے منظر بدل گئے تھے۔

دل کتنے مختلف انداز میں دھڑک رہا تھا۔ کیسے ساز تھے۔ کیسے سُر۔

اِک جادو سا اندر باہر پھیل رہا تھا۔

آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ پھر آج کیوں؟

عقل وخرد اِک کونے میں کیسے حیرانی سے یک ٹک تکتی جا رہی تھی۔

دل کیسا مسرور تھا

اور وہ خود کس قدر حیران سا تمام منظر نامے کو تکتا چلا جا رہا تھا۔

ساری سوچیں جیسے اس ایک نقطے پر ٹِک گئی تھیں۔ وہی ایک نقطہ پھیل کر سارے وجود پر محیط ہو گیا تھا۔ ساری عقل مات ہوگئی تھی۔

سوچ کے ہر جز پر وہ تھی۔ وہی آنکھیں تھی۔

ہر سمت اسی خیال کا پہرہ تھا۔ ہر جز اس کی روشنی سے پُر تھا۔ وہی محور تھی۔ وہی کل۔ جیسے ہر شے پر اس کا اختیار تھا۔ جیسے وہ ہر شے پر قدرت رکھتی تھی۔ جیسے وہی مختارِ کل تھی۔ اور عفنان علی خان کس قدر حیران تھا۔

عقل نے کس قدر مزاحمت کی تھی۔ خرد نے کس قدر ہاتھ پیر مارے تھے۔ کس قدر جھٹلایا تھا اس نے ہر خیال کو، سوچ کو، اس تصور کو، ان آنکھوں کو، ان آنکھوں سے پھوٹتی روشنی کو، ان آنکھوں سے بہتے ان رنگوں کو، روشنی کی ان حصار میں لیتی لہروں کو۔

عفنان علی خان ڈھیروں سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے مکمل خردمند ہوتے مکمل طور پر بے بس تھا جیسے۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ کبھی کوئی آئے گا اور سب کچھ اپنے بس میں کر لے گا۔ فقط ایک پل میں ساری دنیا بدل دے گا۔ کیسے...... کیسے ہوا تھا یہ سب؟ اور وہ بھی اس لمحے جب وہ ایک نئے تعلق کی ابتداء کرنے جا رہا تھا۔ ایک نئے بندھن کو رقم کرنے جا رہا تھا۔ جب وہ عقل کے طے

کیے فیصلوں پر مہر ثبت کررہا تھا تو کیوں دھڑکا تھا دل اس لمحے؟...... کیوں، کس لیے؟

کہاں تھی وہ اب تک۔ کیوں اب ہی سامنے آئی تھی۔

عفنان علی خان دن چڑھے بیدار ہونے پر آنکھیں کھولے یک ٹک چھت کو تکتا جارہا تھا جب فون کی بیل نے اسے بیدار کردیا تھا۔ اس نے بے حد کسلمندی سے کروٹ لی تھی اور ہاتھ بڑھا کر فون اُٹھایا تھا۔

''کہاں تھے تم؟ لائن پک کیوں نہیں کررہے تھے؟'' دوسری طرف لامعہ حق حقیقت کے طور پر منکشف تھی اور وہ جو ابھی تک ایک سحر کے حصار میں تھا بہ مشکل خود کو اس جادو کے قلعے سے باہر لایا تھا۔

''رات بھر مارے خوشی کے ساتویں آسمان پر رہا ہوں۔ اب کیا نیند بھی پوری نہ کروں؟'' وہ بائیں ہاتھ سے سر دباتا ہوا جیسے بہ مشکل مسکرایا تھا۔

''ہیں...... تمہیں کیا واقعی اس قدر خوشی تھی اس انگیج منٹ کی؟'' لامعہ حق جیسے بے ہوش ہونے کو تھی۔

''اُس سے بھی کہیں زیادہ۔'' لہجہ ہی نہیں، انداز بھی مسرور تھا اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔

''تو موصوف سوئے نہیں شب بھر۔ رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ حیرت ہے، مجھے کیوں نہ اندازہ ہوا؟ اور کتنے گھنے ہو تم محترم عفنان علی خان! پہلے تو کبھی بتایا نہیں۔ اور اب ایک لمحے میں اتنی دیوانگی دکھارہے ہو؟''

''تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہورہی ہے کہ یہ دیوانگی تمہارے لیے ہے؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''عفنان علی خان!'' لامعہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''تم بہت برے ہو عفنان علی خان! تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔'' لامعہ حق انتہائی خفگی سے بولی تھی۔

''جانتی تو ہو تم، تمہارا انتخاب کیوں عمل میں آیا کہ تم مجھ جیسے کائیاں شخص کو جھیل سکو۔ عریشہ اور انوشے کی رائے میں تمہارا اسٹیمنا خاصا اسٹرونگ ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

''ہاں...... مگر اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرے دل کو بری طرح کچل دو اور مجھے درد بھی نہ ہو۔ عفنان علی خان! میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔ بہت ہی عام سے خواب ہیں میرے۔ جدید زمانے کی پروردہ ضرور ہوں مگر اندر سے وہی فطری پن جھلکتا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر تم مجھے جان لو۔'' وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی اور وہ مسکرادیا تھا۔ پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔

''جان پہچان تو اب ہو ہی جائے گی۔ آغازِ سفر جو ہوگیا۔''

''تمہارا پرابلم یہ ہے عفنان علی خان! کہ تم چاروں سمت سے آنکھیں بند کرکے چلتے ہو۔ بالکل ناک کی سیدھ میں۔'' وہ جواباً بولی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''چلو، اب تم ساتھ ہونا۔ راستوں کا اور منزلوں کا تعین کرتی جانا۔ میں آنکھیں بند کرکے قدم دھرتا جاؤں گا۔''

''ہاں......اتنے ہی تو اچھے ہو نا تم۔''

''سنو، یہ تم سب کی رائے میرے متعلق اتنی متضاد کیوں ہے؟'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''غلط تو نہیں ہے۔'' وہ کسی قدر خفگی سے بولی۔

''اچھا چلو، باقی کی ناراضگی پھر کسی وقت کے لیے اُٹھا رکھو۔ یہ بتاؤ اتنی صبح ہی صبح فون کیوں کیا تھا؟'' اور لامعہ کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ واقعی کتنا عجیب بندہ تھا نا یہ۔

''محترم عفنان! پہلی بات تو یہ کہ مروت بھی کسی شے کو کہتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ دو پہر کے بارہ بجے کو صبح ہرگز نہیں کہتے۔'' لامعہ حق نے کہا تھا اور وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''اب بولو، کیا کروں؟ ......سنو لامعہ حق! مجھے عام مردوں والے رنگ ڈھنگ نہیں آتے۔ اب ایسا ہی ہوں میں اور یہ بات جانتی ہو تم۔'' گویا وہ صاف لفظوں میں واضح کر رہا تھا کہ مجھ سے توقعات لگانا فضول ہوگا اور وہ جو اسے بہت اچھی طرح سے جانتی تھی، جانتے ہوئے کیسے پل میں ایسی بے وقوفی کر بیٹھی تھی۔ ایک لمحے میں ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

''میں تم سے کوئی توقعات وابستہ نہیں کر رہی عفنان علی خان! لیکن اس تعلق سے متعلق جو بھی ذمہ داریاں ہیں تمہیں انہیں سمجھنا ہوگا۔ شام کے لیے انوشے اور میں نے پی سی میں ڈنر کا پروگرام بنایا ہے۔ برائے مہربانی تم وقت نکال کر آجانا۔ رات آٹھ بجے۔'' یہ کہہ کر اس نے فوراً ہی فون دھر دیا تھا اور عفنان علی خان ہونٹ بھینچ کر فون کو دیکھنے لگا تھا۔

خواب کیا تھے......اور حقیقت کیا تھی۔

ایک لمحے میں جھیل سیف الملوک جیسی آنکھیں اس کے دل کے پار تھیں۔ عفنان علی خان سر جھٹکتا ہوا ہر سوچ کو باطل قرار دیتا ہوا اُٹھا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆......☆......☆

کتنے دلربا منظر آنکھوں کے سامنے تھے۔ کتنے بارونق چہرے تھے اس کے اِردگرد۔ پاپا خوش تھے۔ زوبار یہ مسکرا رہی تھی۔ فانی ہنس رہا تھا۔ کچھ نئے چہرے تھے۔ خوشیوں کا سفر ہر جانب محوِ سفر تھا اور جانے کیوں اتنا کچھ ہونے کے باوجود اسے اپنا اندر بنجر ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

جانے یہ کیسی بے سکونی تھی۔ کیسی گھٹن تھی کہ دم تک گھٹ رہا تھا۔ آزاد فضائیں تھیں۔ ہر سمت سبزہ تھا۔ موسم اپنے عروج پر تھا۔ منظروں میں رنگ تھے۔ ایسے میں تو روح تک مہک جانی چاہئے تھی۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کا اندر جیسے گر رہا تھا۔ ویرانیاں بڑھ رہی تھیں۔ جانے کیسے انجانے خدشے تھے۔ کیسے انجانے واہمے تھے جو اسے اندر ہی اندر مار رہے تھے۔

اسے کسی بہت انجان شخص سے ملوایا گیا تھا جس کے ساتھ اس کی زندگی کا تانا بانا جڑنا تھا۔ جس کے ہاتھ اس کی ڈور آنا تھی۔ جس کے ساتھ اسے اپنی آئندہ کی ساری زندگی گزارنا تھی اور کیسا سرسری تھا اس کا انداز۔ کتنا سرد تھا اس کا انداز جیسے سرے سے کوئی سروکار نہ ہو۔

جیسے وہ کوئی غیر اہم وجود ہو۔ بہ مشکل پانچ منٹ وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

کیا نام ہے؟ کیا مشاغل ہیں؟............اور بس۔

بات چند رسمی قسم کے سوالوں سے آگے نہ بڑھی تھی اور پوچھتے سمے انداز ایسا تھا جیسے یہ سب کسی بزنس اسائنمنٹ کا حصہ ہو اور اس کے اندر بھی کہاں کوئی اُمنگ تھی۔ کب کوئی شوق تمنا تھا۔ اس کی آنکھیں تو بس اپنے اندر سے اچانک اُگ آنے والی ویرانیوں پر ٹکی تھیں۔ سماعتیں فقط ان سناٹوں پر لگی تھیں جو روح تک کو ہراساں کر رہے تھے۔ کتنی عجیب تھی کیفیت۔ کتنی عجیب تھی صورتِ حال۔ جانے کیوں وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔ یا پھر سب کچھ واقعی نہ سمجھ میں آنے والے اسرار تھے۔ مگر یہ کیسے بھید تھے جو روح کو گھائل کر رہے تھے؟ اندر کے اطمینان کو نگل رہے تھے۔ اسے کیوں ان دیکھے واہموں نے آن گھیرا تھا؟ انجانے خدشات نے سارے وجود کو محصور کر دیا تھا اور ایسا کیونکر تھا؟ کچھ بھی تو سمجھ نہ پا رہی تھی وہ۔

اس کی خالی خالی نظریں عجیب پُر وحشت انداز میں منظروں کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ اس ماحول کا حصہ نہ تھی۔ جیسے اس کی دنیا کوئی اور تھی...... جیسے باہر کے مناظر سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ کیسا عجب تھا سب کچھ۔

کیسی نہ سمجھ میں آنے والی کیفیات تھیں۔

پاپا آنے والے وقت کے لیے کتنے لمحوں تک کچھ بولتے رہے تھے۔ اس کے شانے کے گرد اپنا بازو پھیلا کر بہت محبت سے کچھ کہہ رہے تھے۔ جانے کون سے لفظ ان کے لبوں پر تھے۔ جانے کیا کہہ رہے تھے وہ۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ سماعتیں سنتے ہوئے بھی نہ سن رہی تھیں۔ سارے احساسات کیسے مُردہ ہو رہے تھے۔ ساری حسیں کیسے نیم جاں ہو رہی تھیں۔

ہاں...... اسے پاپا کے چہرے کی مطمئن مسکراہٹ کسی قدر اطمینان دے رہی تھی۔ وہ انہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ انہیں خوشیاں دینا چاہتی تھی۔ مطمئن دیکھنا چاہتی تھی۔ یہی رضا تھی اس کی۔ تبھی تو وہ ان کے ساتھ اس فارم ہاؤس پر چلی آئی تھی۔ حمیدہ بیگم متواتر اس کے لیے التفات کے مظاہرے کر رہی تھیں۔ کتنی محبت سے اسے اپنے ساتھ بھینچ رہی تھیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھ رہی تھیں۔ نوازشوں کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر وہ خوش نہیں تھی۔

اندر کہیں اطمینان نہیں تھا۔ بے چینی حد سے بہت سوا تھی اور وہ یکسر انجان تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری یا حمیدہ بیگم سے اسے کوئی انٹرسٹ نہ تھا۔ رتی بھر دلچسپی نہ تھی۔ وہ اگر یہاں تھی تو فقط پاپا کی وجہ سے۔

''میرب بیٹا! خود کو یہاں اجنبی خیال مت کرو۔ ہم سب کو اپنا سمجھو۔'' حمیدہ بیگم اسے کھوئی کھوئی دیکھ کر بولی تھیں۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ جانے کیوں اس سارے ماحول میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ان تمام منظروں سے پیچھا چھڑا لینا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا کچھ ممکن نہ تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے تختہ دار پر لٹکانے کی تیاری کی جا رہی ہو...... اس کی موت کے سامان ہو رہے ہوں...... جیسے زندگی ختم ہو رہی ہو...... جیسے سب کچھ فنا کی جانب گامزن ہو۔

زوباریہ، پاپا اور حمیدہ بیگم اسے سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ وقت گزارنے کے مواقع فراہم کر رہے تھے اور اس کے لیے جیسے یہ سب کچھ سوہانِ روح تھا۔

وہ سنگت، وہ قربت جیسے اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ سرپٹ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایسا کچھ بھی ممکن نہیں۔ سو بے حس بت بنی اس تمام صورت حال سے گزر رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے بھی جیسے یہ سب کچھ بہت مشکل تھا۔ یہ ساری رسمیں نبھانا، رواداریاں قائم رکھنا شاید اسے بھی بہت گراں گزر رہا تھا۔ ناگواری کی لکیریں اس کے چہرے پر بھی کسی قدر واضح انداز میں رقم تھیں۔ مگر میرب سیال کب یہ سب جاننا چاہتی تھی؟...... کب اسے کسی منظر سے، کسی چہرے سے دلچسپی تھی؟...... اس کی نظریں تو اپنے اندر کی ویرانیوں سے اُلجھی ہوئی تھیں۔ کتنے خاموش پہر ان دونوں کے بیچ بات کیے بنا بسر ہوئے تھے۔ چپ چاپ گزرے تھے۔ دونوں کے لیے یہ لمحے بوجھ تھے۔ دونوں کے لیے جیسے بوجھ کو ڈھونا کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ دونوں جیسے اس صورت حال کے لیے تیار نہ تھے۔

وہ سات دن جو وہاں بسر ہوئے تھے کتنے ہولناک تھے۔

پاپا کے جانے کی تیاری مکمل تھی۔ زوباریہ امریکہ میں اپنے بھائی سے مسلسل رابطے میں تھیں۔

وہ کمرے میں بے سدھ سی پڑی تھی جب زوباریہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"میرب! تم تیار ہو جاؤ۔ تمہاری رسم ہونے والی ہے۔" اس کے سامنے ایک پیکٹ ڈالا تھا۔ اس نے اسے اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ زوباریہ چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھیں پھر دو قدم آگے بڑھ آئی تھیں اور وہ بے حد نرمی سے بولی تھیں۔

"دیکھو میرب! مظہر کی خواہش ہے یہ۔ ایک اچھی بیٹی ہونے کے ناتے تم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تم ان کی خواہش کا احترام کرو۔ کل کیا ہونا ہے یہ کسی کو پتہ نہیں...... ہم فقط اچھے کی اُمید رکھ کر دعائیں کر سکتے ہیں۔ مگر آنے والے کل کو نہ تو جان سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے بدل سکتے ہیں۔"

زوباریہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں۔ کس لیے اتنی لمبی تمہید باندھ رہی تھیں۔ وہ کسی قدر خالی خالی نظروں سے اسے تکتی جا رہی تھی۔ مگر زوباریہ سے کچھ نہ بولی تھی۔ پیکٹ کھول کر ایک زرتار فان کلر کا سوٹ اس کے سامنے دھرا تھا اور پھر بہت مدھم انداز میں بولی تھیں۔

"چلو شاباش، تیار ہو جاؤ۔ ابھی چند لمحوں میں قاضی صاحب بھی آ جائیں گے اور......"

مگر وہ اس سے آگے سن کہاں سکتی تھی؟ کسی قدر حیرت سے چونکتے ہوئے زوباریہ کی سمت دیکھا تھا۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے بغیر اپنا مدعا بیان کرتی رہی تھیں۔ جیسے یہ کوئی معمول کا غیر اہم واقعہ ہو۔

جیسے کوئی سرسری ساذکر ہو۔

اور میرب سیال کی نظریں کیسی ساکت سی تھیں۔ کتنی بے یقینی تھی ان میں۔ کس قدر حیرت تھی۔ آنکھیں کیسی کھلی تھیں۔ تو یہ

خدشے، یہی قیامتیں تھیں جو جسم و جاں پر ٹوٹنا تھیں۔ یہی وہ وسوسے تھے جو اندر ہی اندر روح کو گھائل کر رہے تھے۔ یہی ویرانی تھی اندر کی۔ یہی وحشت تھی یا پھر ابھی کچھ اور بھی ہونا باقی تھا۔ کوئی قیامتیں اور بھی تھیں جو جسم و جاں پر ٹوٹنا باقی تھیں۔ کچھ عذاب اور بھی تھے۔

زوبار یہ جانے کیا کچھ مزید کہہ گئی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جان میں ایک سکوت سا در آیا تھا۔ نظروں میں پاپا کا چہرہ پھر آ گیا تھا۔ اِک اُمید، اِک آس لیے آنکھیں کس بات کی متقاضی تھیں اس سے۔ کیا سوال تھا ان میں؟ اسے کچھ یاد نہ رہا تھا۔ کوئی دوسری بات یاد نہ رہی تھی۔ نہ اپنا آپ نہ اور کچھ یاد رہا تھا تو فقط پاپا کا چہرہ۔ وہ پُر امید آنکھیں۔ وہ بہت آہستگی سے اُٹھی تھی اور خود کو دیئے گئے حکم نامے کے تحت ڈھالنے لگی تھی۔

اپنا اندر چیخ رہا تھا۔ کچھ بے چینی سوا ہو گئی تھی مگر اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ چپ چاپ اس کاغذ پر اپنا آپ کسی کے نام لکھ دیا تھا اِرد گرد کئی لوگ تھے۔ کچھ اپنے ہی تھے۔ مگر اسے سبھی چہرے ایک جیسے لگ رہے تھے۔ ایک ہی رنگ تھے سب کے، ایک ہی ڈھنگ تھے۔

اسے اپنا آپ کسی پاتال میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔ دل جیسے بیٹھ رہا تھا۔ کیسے رہ سکتی تھی وہ یہاں؟ دل تو ابھی سے بند ہونے کو تھا۔ پھر ساری عمر کیسے گزرتی؟

پاپا اس کے سامنے آن بیٹھے تھے۔ کچھ بول بھی رہے تھے مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے بس ان کو تکتی چلی گئی تھی۔

آنکھیں خالی تھیں......خشک تھیں۔ شاید سارا پانی کہیں قطرہ قطرہ اندر ہی گر رہا تھا۔

یا شاید سارا اندر سمندر ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

سید اذہان حسن بخاری ماں کو ہسپتال سے گھر لے آیا تھا۔

ہر جانب ایک طویل جامد سناٹا تھا۔ گھر کے تینوں نفوس ایک دوسرے سے نگاہیں ملانے سے کترا رہے تھے۔ تینوں اپنے اندر کے بھید اپنے اندر لیے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ شاید کوئی دھوکا دینا مقصود تھا۔ خود کو بھی اور اپنے سے منسوب لوگوں کو بھی۔ یا پھر چپ رہ کر ایک دوسرے کی ڈھارس بندھانا چاہتے تھے۔ خود کو مضبوط ظاہر کر کے کسی کو اس احساس جرم سے بچانا چاہتے تھے یا پھر خود کو بے حوصلہ کر کے کسی اور کا حوصلہ بندھانا چاہتے تھے۔

اذہان حسن بخاری جب تک ہسپتال میں مصروف رہا تھا اسے کسی اور طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملی تھی۔ ماں کے ساتھ اس کی توجہ اس قدر جڑی ہوئی تھی کہ وہ کسی اور سمت دیکھ ہی نہ سکا تھا۔ اور اب جب گھر لوٹا تھا تو ماہا پر نگاہ گئی تھی۔ چپ چاپ اپنے معمول کے کاموں میں مصروف، بے تاثر چہرہ، پُر سکوت نظریں، متحرک ہاتھ اور جامد آنکھیں۔

وہ بری طرح احساس جرم میں گھر گیا تھا۔ نگاہ جھک گئی تھی۔ اندر دور تک ایک خاموشی پھیلتی چلی گئی تھی۔ وہ تو اب تک فقط ایک محاذ

پر لڑ رہا تھا۔فقط ایک جانب دیکھ رہا تھا۔ساری توجہ ایک طرف مبذول تھی۔وہ تو جان ہی نہ پایا تھا کہ کسی اور کو بھی اس کی ضرورت ہے...... کسی اور کو بھی اس کا شانہ درکار ہے اور وہ بھی وہ، جس کا سب سے عظیم نقصان ہوا تھا۔وہ ہستی جو اسے بے حد عزیز تھی۔جس کا مان تھا وہ۔اس دل پر کیا قیامت نہ گزری ہو گی۔

کسی سے کچھ نہ کہا تھا۔کتنا درد ٹھہرا ہو گا اندر...... کتنی گھٹن ہو گی اندر۔

ماہا اس کے سامنے چائے رکھ رہی تھی۔جب وہ ہولے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔وہ پلٹنے لگی تھی جب اس نے آواز دی تھی۔

''ماہا......!''

ماہا رکی تھی مگر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔شاید آنکھوں میں یکدم ہی بہت سی نمی آن ٹھہری تھی اور وہ ان کمزور لمحوں میں اپنی کمزوری کو بھائی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔مگر مضبوط نظر آنے کا یہ انداز بہت بودا تھا۔فقط ایک مخلص آواز آنے پر ہی وہ خود پر باندھے گئے ضوابط کی فصیلوں کو قائم نہ رکھ پائی تھی۔آنکھوں میں ٹھہرا ہوا بہت سا پانی یکدم ہی باڑ پھلانگ کر باہر آیا تھا اور چہرہ چپ چاپ بھیگتا چلا گیا تھا۔اس نے خود کو روکا نہیں تھا۔اس لاوے کو چپ چاپ آنکھوں کے راستے بہنے کی اجازت دے دی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے بہن کی پشت کو دیکھا تھا۔پھر بہت آہستگی سے آگے بڑھ کر بہن کے شانے پر بہت دھیرے سے ہاتھ دھرا تھا۔وہ یکدم ہی پلٹی تھی اور پھر بھائی کے مضبوط شانے پر سر رکھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔اذہان حسن بخاری کتنی ہی دیر اسے ہولے ہولے تھپکتا رہا تھا۔چپ چاپ اسے تسلی دیتا رہا تھا۔شاید اس لمحے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی یا پھر لفظ کسی بھی بات کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے یا پھر جو کچھ ہوا تھا اس کے لیے لفظ ناکافی تھے۔کتنی دیر وہ دونوں بہن بھائی خاموش کھڑے رہے تھے۔ماہا کے دل کا غبار کسی قدر چھٹ گیا تھا اور اب وہ خاموشی سے کھڑی سر جھکائے کسی قدر شرمندہ سی تھی۔اذہان حسن بخاری نے بہن کی طرف دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔

''مجھے معاف کر دو ماہا! میں تمہارا مجرم ہوں۔'' بہت آہستگی کے ساتھ اس نے اپنا گناہ قبول کیا تھا۔مگر ماہا سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں...... میں ایسا نہیں سمجھتی۔آپ خوامخواہ خود کو قصوروار مت ٹھہرائیں۔جو کچھ ہوا وہ میری قسمت میں درج تھا۔مجھے اس کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔اچھا ہوا رشتے کی ناپائیداری وقت سے بہت پہلے ہی کھل گئی۔اگر بعد میں کچھ ہوتا تو یقیناً اچھا نہیں ہوتا۔میں قسمت کے اس فیصلے پر قطعاً افسردہ نہیں ہوں۔افسردہ ہوں تو فقط آپ کے اور ممی کے باعث۔'' اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔

اذہان حسن بخاری اس گھڑی جیسے مزید پستیوں میں گھر گیا تھا۔دل پر اور بھی بوجھ آن پڑا تھا شاید تبھی وہ کچھ بولا نہیں تھا۔پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ماہا کتنی ہی دیر بھیگی آنکھوں سے اس سمت تکتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

یہ تعلقات بھی عجیب شے ہیں۔وابستگی ہوئی نہیں اور توقعات کا سلسلہ دور تک جا پھیلتا ہے۔چاہے کوئی اُمید دلائے یا نہ دلائے۔

کوئی کچھ کہے نہ کہے مگر یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ یہ خود بخود اندر سے اُٹھنے والا جذبہ ہے، جس پر کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی بندش نہیں۔

لامعہ حق کو بھی کوئی یقین نہیں دلایا گیا تھا۔ کوئی وعدہ بھی پیہم نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے ایک خاص دن پر کسی بہت اپنے کی، کسی بہت دل کے قریب فرد کی توقع کر رہی تھی۔ اس کی آمد کی، اس کی توجہ کی، اس کی کسی نوازش کی منتظر تھی۔ دل افسونِ انتظار سے بندھتا چلا گیا تھا۔ حالانکہ عفنان علی خان نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ ایسا کوئی یقین نہیں دلایا تھا مگر وہ پھر بھی اس کی منتظر تھی اور ایک لاحاصل انتظار کیے جا رہی تھی۔

صبح آنکھ کھلی تھی تو پہلا احساس یہ جاگا تھا کہ ابھی اس کا فون آئے گا۔ ابھی وہ کوئی پیام بھیجے گا۔ کوئی مانوس آہٹ ہوگی، کوئی در پر ہوگا، وہ دروازہ کھولے گی۔ وہ نہ سہی، کوئی اس سے وابستہ فرد ہی سہی، کوئی اس کا پیامبر ہی سہی، کوئی خبر تو لائے گا۔ کوئی پیام تو بھیجے گا وہ۔ کچھ نہ کہے گا تو فقط پھولوں میں اپنی تمام حدتیں، اپنی تمام شدتیں سمو کر بھیج دے گا...... ایک چھوٹا سا کارڈ ہی سہی، اس کی خوشبو تو سنگ لائے گا۔ تحریر ہی میں سہی، اس کے ہاتھ کا لمس تو ہوگا نا، جسے وہ چھو سکے گی، محسوس کر سکے گی۔

مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

صبح سے دوپہر اور پھر دوپہر سے شام اور شام سے رات ہوگئی تھی مگر جس سمت سے ایک آس تھی اس سمت سے کوئی ردِعمل نہیں آیا تھا۔

ماما پاپا کو اس کی خوشی عزیز تھی۔ سو انہوں نے ایک چھوٹی سی تقریب کا انعقاد گھر کے لان میں کر ڈالا تھا۔ کئی عزیز و اقارب آئے تھے، کئی دوست مدعو تھے۔ مگر وہی نہیں تھا جسے ہونا چاہیے تھا۔

انابیہ شاہ آئی تھی اور اس کا اُترا چہرہ دیکھ کر کتنی دیر تک چھیڑتی رہی تھی۔

"تبھی تو کہتے ہیں بندہ امیر کی بجائے غریب زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ امیر کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ نہ آپ کو سراہنے کے لیے، نہ اقرار کے لیے، نہ تکرار کے لیے۔ جب کہ مڈل کلاس کے بہت مزے ہیں۔ عیش ہی عیش ہوتا ہے۔ بندے کے پاس وقت بھی ہوتا ہے اور ایک دردمند دل بھی۔ خیال بھی رکھتا ہے اور محبت بھی کرتا ہے۔" انابیہ شاہ مسکراتے ہوئے یقیناً اُسے چھیڑ رہی تھی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مسلسل منتظر نظروں سے آمد والے راستوں پر تکتی رہی تھی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے...... موصوف نہیں آنے والے۔ نظریں ہٹا لو راستوں سے اب۔" انابیہ شاہ مسکرا رہی تھی اور لامعہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

انابیہ شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ پھر بغور اس کی سمت دیکھتے ہوئے قدرے ملائمت سے مسکرائی تھی۔

"کم آن یار! ڈونٹ ٹیک اِٹ سیریس۔ مذاق کر رہی تھی میں تو۔"

"میں تمہارے مذاق کی وجہ سے پریشان نہیں۔" لامعہ نے نمی کو اپنے اندر اُتارتے ہوئے کسی قدر منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔

تقریب اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔

"ٹھیک کہا ہے کسی نے۔" انابیہ کے اناری لبوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ تھی۔

"کیا؟" لامعہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر پوچھا تھا۔

"بے قدروں سے کر کے پیار، قدر گنوائی دل کی یار۔" انابیہ شاہ سچ مچ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ لامعہ نے اُسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

مہمان بالآخر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تھے۔

"اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" کتنے کرب سے بولی تھی لامعہ۔ انابیہ شاہ نے اب کے بغور اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اور تمہیں بھی تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"کیا......کیا، کیا میں نے؟" لامعہ حق کسی قدر حیران ہوئی تھی۔

"تم نے حد کر دی ہے لامعہ حق!" انابیہ شاہ کسی قدر افسوس سے بولی تھی۔ "تمہیں کم از کم ان موصوف کو ایک فون کر دینا چاہئے تھا۔ ڈمب کال ہی سہی۔ چاہے کچھ نہ کہتیں۔ مگر ان حضرت کو خبر تو ہو جاتی کہ تم کچھ باور کرانا چاہتی ہو۔"

مگر لامعہ پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"اس کے پاس ایسی کوئی حس نہیں ہے۔"

"اور تم......؟"

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پھر جانے کیا سوچ کر لب بھینچ لیے تھے اور خاموشی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی لامعہ کو دیکھنے لگی تھی۔ لان میں قمقمی روشنیوں کا بسیرا اب بھی تھا مگر مہمانوں کی رخصت کے بعد ایک عجیب طرح کا سکوت اب چار سُو پھیلا ہوا تھا اور اس طویل سناٹے کو محسوس کرتے ہوئے انابیہ شاہ یقیناً ایسے لفظوں کی متلاشی تھی جو اس کی دوست کے دل کو راحت دے سکیں۔ کسی قدر دلاسہ دے سکیں۔ مگر وہ اس کوشش میں سراسر ناکام تھی۔ اسی تگ و دو میں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب لامعہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"اس شخص نے مجھے حد درجہ ڈس اپوائنٹ کیا ہے انابیہ! میں اس کی غافل طبیعت سے سدا کی واقف ہوں مگر میں سمجھی تھی......لیکن اُسے تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔ زندگی کے پہلے ہی اسٹیپ پر کس درجہ بے دردی سے پانی پھیرا ہے اس نے میری امیدوں پر۔ بے حد ظالم ہے وہ۔"

حد درجہ پُر افسوس انداز میں وہ کہنے کے ساتھ ہی اُٹھی تھی اور بہت تھکے ماندے قدموں سے اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ تا دیر اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کر کے سر اُٹھا کر آسمان کی طرف تکنے لگی تھی۔ تقریب کا آغاز ایک اُمید پر ہوا تھا اور اختتام میں وہی امید دل کے کسی نہاں خانے میں دفن ہو گئی تھی۔ یقیناً لامعہ بہت زیادہ ڈس اپوائنٹڈ تھی اور اس کی یہ کیفیت یقیناً اس کے دل پر بھی ویسا ہی اثر کر رہی تھی۔ بہترین دوست تھی وہ اس کی۔ اس کی کیفیت پر اس کا دل بھی اسی قدر ملول ہو گیا تھا۔

رات خاصی بیت چکی تھی۔ لان میں چار سمت خاموشی و ویرانی کا ڈیرہ تھا۔ رات ہولے ہولے بھیگ رہی تھی۔ ہر سمت اوس کے قطروں کا پہرہ تھا۔ فضا میں ایک نمی سی تھی۔ وہ ابھی اُٹھنے کا قصد کر ہی رہی تھی جب نگاہ آسمان کی سمت سے ہٹانے پر اس نے اپنے سامنے اک عجیب ہی منظر دیکھا تھا۔ کوئی بہت اپنے آپ میں مگن، پُر وقار انداز میں مضبوط قدم اُٹھاتا اس کی سمت چلا آ رہا تھا۔ قدموں میں پُر اعتمادی حد درجہ تھی جیسے وہ دنیا فتح کرنے کا عزم رکھتا ہو۔ اپنے فاتح ہونے کا یقین اس کے قدموں کی مضبوطی سے بہ خوبی لگایا جا سکتا تھا۔ انابیہ شاہ چونکے بغیر اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ شاید بہت محو تھی وہ لامعہ کی کیفیت پر۔ تبھی نہ تو چوکیدار کے گیٹ وا کرنے کی سمت توجہ مبذول کر سکی نہ ہی گاڑی پورچ میں رکنے کی آواز پر کان دھر سکی۔ اور دیکھنے پر بھی وہ سمجھتی تھی کہ آنے والے کے قدموں کا رخ اندر کی سمت ہوگا۔ مگر ان مضبوط قدموں کو مسلسل اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

آنے والا اسی پُر اعتمادی اور وقار سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ نگاہ بغور اس پر تھی۔ آنکھوں میں عجب ایک انجانی کیفیت تھی۔ جیسے اس کی آنکھیں اس گھڑی کوئی جادوئی قلعہ تھیں اور کسی کا عکس لحہ لحہ ان میں محصور ہو رہا تھا۔ انابیہ شاہ ان آنکھوں کے متواتر دیکھنے پر کسی قدر چونکی تھی۔ مگر تکنے والے کی محویت ٹوٹی نہیں تھی۔ وہ اس لمحے سر اُٹھا کر جیسے سیاہ گھور آسمان کی وسعتوں میں کچھ تلاشنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر دلفریب تھا۔ وہ دلچسپی سے اسے تکنے لگی تھی۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟“ وہ کسی قدر حیرانی سے اس کی سمت تکتی ہوئی بولی تھی۔ مقابل کھڑا شخص لحہ بھر کو چونکا تھا پھر بغور اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

”چاند..... مگر وہ آج آسمان پر کہاں۔“ انداز پُر افسوس تھا۔

”کیوں؟“ وہ چونکی تھی۔

مقابل نے اسے بہت دلفریبی سے دیکھا تھا۔ پھر ایک جادوئی مسکراہٹ اس کے لبوں کا حصار کر گئی تھی۔

”وہ آج زمین پر جو آ گیا ہے۔“ اس کے جادوئی قلعے جیسی آنکھیں اس گھڑی شاید مسکرا رہی تھیں۔ نو وارد کی حس مزاح یقیناً بہت عمدہ تھی۔ وہ ایک دم ہی مسکرائی تھی۔

”باتیں بنانا یقیناً آپ کو بہت اچھی آتی ہیں۔ مگر دل رکھنا۔“ لامعہ کے متعلق سوچ کر وہ بولنے جا رہی تھی مگر پھر یکدم ہی رک گئی۔

”دل......؟“ وہ کسی قدر حیران ہوا تھا پھر نگاہ اس پر سے ہٹا کر اپنے سینے پر بائیں جانب مرکوز کی تھی۔ دبیز سیاہ کوٹ کا کالر ہٹا کر اندر جھانکا تھا۔ پھر کسی قدر مایوسی سے دائیں ہاتھ سے سینے کے بائیں مقام کو ٹٹولا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ یقیناً یہ سامنے کھڑا شخص دلچسپی سے خالی نہیں تھا۔ شاید کچھ اہم تھا اس میں، اس کی آنکھوں میں، اس کی باتوں میں۔ تبھی تو وہ ان لمحوں کے حصار میں مقید ہو کر یہ تک بھول گئی تھی کہ رات خاصی بیت چکی ہے اور اسے واپس بھی پلٹنا ہے۔ اس لمحے اس کی نگاہ اس شخص پر تھی اور وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''یہاں تو ایک ہی دل تھا، سو وہ بھی نہیں رہا۔ آپ غالباً مغالطہ آرائی سے کام لے رہی ہیں۔ آپ نے اپنا دل تا حال مجھے نہیں سونپا۔'' تمام تر تسلی کر لینے کے بعد وہ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لیے گویا ہوا تھا اور پہلے جہاں وہ چند ثانیوں تک ساکت سی اسے تکتی چلی گئی تھی پھر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''رات بارہ بجے کے بعد سے عقل و خرد سر پر پاؤں دھر کے بھاگ جاتی ہے۔ ٹھیک کہا ہے کسی نے۔'' وہ یقیناً محظوظ ہوئی تھی۔

جواباً موصوف دھیمے سے مسکراتے اسے تکتے چلے گئے تھے۔

''یہاں تو دل نہیں رہا اور آپ فقط عقل و خرد کی بات کرتی ہیں۔'' وہ یقیناً اس گھڑی سنجیدہ نہ تھا۔ انابیہ شاہ اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔

''پروف ہو گیا، آپ ہی محترم عفنان علی خان ہیں۔ لامعہ آپ کے متعلق ٹھیک ہی کہتی ہے۔''

''زمانے کی جانے دیجیے، آپ اپنی کہیے۔ کس دیس سے آئی ہیں...... کس درجہ نور پھیلا ہوا ہے ہر سمت۔ کتنا بہت سا جادو ہے ہر طرف۔ سچ...... سدھ بدھ کھو بیٹھا میں تو۔'' وہ شخص واقعی مقابل کو چت کرنا جانتا تھا۔

انابیہ شاہ کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ رات یکدم ہی جادوئی سی ہو گئی تھی۔ اک طلسم ساہر سمت پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں واقعی کوئی جادوئی قلعہ تھیں جن کے اندر اس کا عکس مقید ہوتا چلا گیا تھا۔ شاید وہ کوئی جادوگر تھا۔ کوئی شعبدہ گر تھا۔ کتنے نرالے انداز تھے اس کے۔ وہ یکدم چونکی تھی اور نگاہ پھیر گئی تھی۔ وہ اُٹھنا چاہ رہی تھی مگر اسے ایسا کرنا ناممکن لگا تھا۔ سارا وجود پتھر ہو رہا تھا۔ اپنا تاثر برقرار رکھنے کو وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ اخلاق نبھایا تھا۔ اس کے سوا جیسے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ پہلی ملاقات تھی اور وہ کمزور پڑنا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔ شاید تبھی بات بنانے کو بولی تھی۔

''لامعہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ قصور اس کا بھی نہیں۔ شاید رشتوں میں توقعات اپنے آپ عود کر آتی ہیں۔ بہت خاص دن تھا اس کا اور آپ نے یاد نہ رکھ کر یقیناً اچھا نہیں کیا۔ بہت ملول تھی وہ...... رو رہی تھی۔ آپ کو نہیں آنا تھا تو مطلع کر دیا ہوتا۔ فقط فون پر ہی دو لفظ کہہ دیئے ہوتے۔ لامعہ کا دل تو رہ جاتا۔'' اپنی دانست میں اس نے بڑی بات کی تھی مگر اس شخص کا کوئی رد عمل اس کے سامنے نہ آیا تھا۔ عجب بے تاثر انداز تھا جیسے اس نے سن کر بھی نہ سنا ہو۔ مگر اس کے بغور دیکھنے کی محویت قطعاً نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اب بھی دھیمے سے مسکراتا ہوا اس کی سمت تک رہا تھا۔

''آپ کی آواز بھی بہت میٹھی ہے۔ ایسے جیسے منوں کے حساب سے شہد گھلا ہو۔ بتایا نہیں آپ نے، کس دیس سے آئی ہیں آپ؟'' وہ بدستور شرارت پر آمادہ تھا۔ وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے دھیان پھیر گئی تھی۔ عجب طلسمی رات تھی۔ کیسی گرفت میں لینے والی باتیں تھیں اس کی۔

''عجب شخص ہیں آپ۔ مگر ایک بات ہے، لامعہ کا انتخاب غلط نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی قطعی نہیں کہ آپ ہماری پیاری سی

لامعہ کی جان عذاب میں مبتلا کر دیں۔ نخرے دکھائیں بھئی، لیکن ذرا پیار سے۔ ہماری لامعہ کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچنی چاہیئے۔'' کہتے ہوئے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی تھی، پھر مسکراتی ہوئی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''چلوں گی اب...... اچھا ہوا آپ سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع مل گیا۔ لامعہ کو بتاؤں گی تو بڑی تسلی ہوگی اسے۔ ناراض ہے کسی قدر۔ اب آئے بھی تو کیا آئے ہیں۔ خیر منتظر تو وہ اب بھی ہوگی۔ ازالہ ممکن تو ہے۔ بہرحال کوشش کر دیکھئے، تھوڑی کڑوی ضرور ہے مگر دل کی بری نہیں۔ اور ان حالات میں تو یوں بھی اس کا ہر اقدام جائز ہوگا۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔''

وہ ہولے سے اُٹھی تھی۔ مقابل اسے اب تک بغور تک رہا تھا۔ کس درجہ محویت تھی۔ وہ اب کے نہ تو چونکی تھی نہ ہی حیران ہوئی تھی۔ دو قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچی تھی۔ اس کی خوشبوؤں کا پہرہ اس گھڑی فضاؤں میں تھا۔ ماحول میں چار سمت جیسے ایک مقناطیسی حصار بندھا ہوا تھا اور سارا کچھ اسی جادو کے زیر اثر تھا۔ وہ متاثر نہ تھی مگر کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔ وہ جس طرح بغور اسے دیکھ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا، وہ کیا تاثر دے۔ تبھی شاید وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ قصداً الوداعی تاثر دینے کا اور پل میں قدم اُٹھا کر آگے بڑھ جانے کا تھا۔ مگر مقابل کھڑے شخص نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک ہاتھ کو گرفت میں لے کر جیسے سارے لمحوں کو روک دیا تھا۔ وہ ٹھٹکی تھی۔ اس اقدام پر قدرے حیرت سے مقابل کی سمت تکنا چاہا تھا مگر دوسری جانب محویت عجب دیوانگی لیے ہوئے تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ مگر مقابل کھڑا شخص اسے متواتر تکتا چلا گیا تھا۔ کتنی قربت تھی۔ اس کی خوشبو کتنی قریب تھی۔ سانسوں کی تپش سے جیسے سارا وجود سلگنے کو تھا۔

''اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں''

کتنے ہولے سے اس کے لب ہلے تھے اور پوری فضا جیسے کسی جادو سے بھرتی چلی گئی تھی۔ انابیہ شاہ جیسے پل میں بیدار ہوئی تھی۔ لمحہ بھر میں اس نے اپنا مرمریں ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا۔ مقابل مسکرایا تھا اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی بہت آہستگی سے مسکراتے ہوئے اس ہاتھ کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔ مگر زیر لب مسکراتے ہوئے اس کے لبوں پر پھر وہی خوشبو سی بات تھی۔

''اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں''

اس کی آنکھوں میں کتنا یقین بول رہا تھا۔ انابیہ شاہ ساکت سی تکتی ہوئی لمحہ بھر میں اُلٹے قدموں پیچھے کو چلی تھی۔ وہ اسی طور تکتا ہوا، اسی قدر دلفریبی سے مسکرا رہا تھا۔ قدم جیسے من من بھر کے ہونے کو تھے مگر وہ یکدم ہی رُخ پھیرتے ہوئے پلٹی تھی اور وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

عجب تبدیلی آئی تھی۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود عقل اور دل بہت چپ چاپ سے ایک کونے میں دبکے بیٹھے تھے۔ سارے وجود میں اِک سکوت سا تھا۔ اتنی چپ تھی کہ اگر ایک سُوئی بھی گرتی تو ارتعاش سارے بدن میں پھیل جاتا۔

ذہن تھا کہ قبول ہی نہ کر پا رہا تھا۔

اس کی زندگی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ حقیقت بدل گئی تھی۔ وہ پل میں کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ سارے حوالے بدل دیئے تھے وقت نے۔ نئے بندھنوں میں لا باندھا تھا۔ مگر وہ خود کو اور بھی تنہا محسوس کر رہی تھی۔ جیسے کوئی اپنا اپنا نہ تھا۔ جیسے سب اجنبی تھے، پرائے تھے۔ اور ان پرائے لوگوں کے درمیان کتنی ششدر سی رُکی کھڑی تھی وہ۔ پتہ نہیں اپنے ہونے کا یقین چاہ رہی تھی یا کوئی نئی پہچان مانگ رہی تھی۔ ان لوگوں سے یا پھر شاید وقت سے، مگر ہر جانب اِک سکوت تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہ آ رہی تھی۔ وقت شاید بے رحم تھا۔ تبھی تو وہ اپنوں سے دور ہو گئی تھی۔

انجانے منظروں میں قید ہو گئی تھی۔

بیگانے لوگوں میں آن گری تھی۔

کتنی سرد مہری تھی نگاہوں میں کسی کی۔ کتنے سرد لہجے تھے اور اس یخ بستگی سے اس کا سارا وجود سن ہو رہا تھا۔ وہ اندر تک سے سرد پڑ رہی تھی۔

"پاپا، زوباریہ، فانی سب چلے گئے تھے اسے تنہا چھوڑ کر۔ اس برف کے زمانے میں، اسے برف ہونے کو۔ اور وہ تھی کہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر پا رہی تھی۔"

مائی اماں اس کا کتنا خیال رکھ رہی تھیں۔ محل سے بھی بڑا گھر تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری کا۔ کتنی اونچی فصیلیں تھیں اس کی۔ کتنے اہتمام سے سجایا گیا تھا اسے۔ کتنی پُر تعیش آرائش و زیبائش تھی اس محل سے بھی بڑے گھر کی۔ نوکروں کی اِک فوج تھی، ہر لمحہ، ہر آن مستعد۔ مگر نفوس بہت تھوڑے تھے۔ وہ تو ابھی اس مخصوص کمرے سے ہی باہر نہ نکلی تھی جسے رہائش کے لیے اسے سونپا گیا تھا۔ وہی کمرہ اس قدر بڑا اور پُر آسائش تھا کہ اسے خود پر کسی ریاست کی شہزادی ہونے کا گمان گزر رہا تھا۔ پورا گھر جانے کتنا بڑا ہوگا۔ وہ کھوجنے کی مہم پر نکلتی تو خود کھو جاتی۔ ریاستی محل تھا کوئی اور وہ تو تمام زمانوں کی مکین تھی۔ ایک عام سی لڑکی تھی۔ کب عادت تھی اسے راج کماریوں کی طرح زندگی گزارنے کی۔ اس کے پاپا جانے مانے انڈسٹریلسٹ تھے۔ آنکھ کھولتے ہی اس نے گھر میں ہر آسائش پائی تھی۔ ہزار گز پر بنا گھر تھا۔ گھر میں اپنا پن تھا۔ مگر اس محل سے بھی بڑے گھر کے سامنے سے اپنا گھر بہت چھوٹا لگا تھا۔ وہ اکلوتی تھی۔ آسائش سے پُر زندگی گزار چکی تھی۔ اس کی خواہش سے بھی پہلے ہر شے اس کی دسترس میں تھی۔ اسے کبھی کسی شے کے لیے کہنا نہیں پڑا تھا۔ مگر اس موجودہ حیثیت کے سامنے اسے اپنا آپ بھی بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ اندر سے کہیں کھو رہی تھی۔ ان بھول بھلیوں میں کہیں گم ہو رہی تھی۔

ایسے کسی ریاستی شہزادے کا تو تصور بھی موجود نہ تھا اس کے ذہن کے کسی خانے میں۔ اب تک تو اس نے کبھی کسی جیون ساتھی کا خاکہ ہی نہ تراشا تھا۔ اب تک کی زندگی تو فقط کتابوں اور تعلیمی اداروں کے اِرد گرد سرگرداں تھی۔ ابھی تک تو اس نے کسی ایسے تصور کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔

شاید عام سے ہی خواب بھی تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری تو کسی اور ہی دنیا کا شخص تھا۔

ایسا جیون ساتھی تو اس نے کبھی بھی نہ سوچا تھا۔

وہ تو عام زمانوں میں رہتی تھی۔ عام لوگوں میں بستی تھی۔ کسی خاص وجود کے خیال کا بھی وہاں گزر نہ تھا۔ پھر کیا ہوا تھا اس کے ساتھ۔

اس کا ذہن قطعاً قبول نہ کر پا رہا تھا۔

دل مان نہیں رہا تھا۔

نہ اس سارے ماحول کو، نہ اس نئے بندھن کو، نہ اس صورت حال کو۔ اُسے تا حال اس گھر میں اپنی پوزیشن کا تعین کرنا بھی مشکل لگ رہا تھا۔ وہ کوئی مہمان نہ تھی۔ کچھ دنوں تک قیام پذیر ہونے والی کوئی شخصیت بھی نہ تھی۔ مگر سب کچھ اپنا بھی نہ تھا۔ دو ہفتے سے زائد کا عرصہ یہاں گزر چکا تھا اور اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی قید خانے میں ڈال دی گئی ہو۔ کسی سنہری پنجرے میں بند کر دی گئی ہو۔ جہاں سے اس کی رہائی ناممکن ہو۔ وہ کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کی گھٹن کو قدرے کم کرنا چاہتی تھی۔ مگر کسی دروازے میں جیسے کوئی درز نہ تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ اس کا اندر کبھی اتنی وحشتوں سے بھر جائے گا۔

اس شام اس نے مائی اماں سے یونیورسٹی جانے کی بات کی تو وہ مسکرا دیں۔

"اس کے لیے تمہیں اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟...... تم بلاشبہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہو۔ مجھے اندازہ تھا۔ لیکن میں تمہاری ذہنی پریشانی کی وجہ سے تمہیں ریلیکس دیکھنا چاہتی تھی کہ چلو اچھا ہے کچھ وقت سکون سے بسر کر لے۔ دراصل بیٹا! تم جس کیفیت سے گزر رہی ہو اس کا ہمیں پوری طرح سے اندازہ ہے۔ یقیناً باپ زندگی میں تمام رشتوں میں بہت معتبر حیثیت رکھتا ہے اور......" وہ کچھ بولنے جا رہی تھیں مگر اس کی جھکی آنکھوں کے کنارے بھیگتے دیکھ کر انہوں نے اپنی بات درمیان میں ہی چھوڑ دی تھی۔ پھر بہت پیار سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا اور اس کی روشن پیشانی پر اپنے پیار کی مہر ثبت کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"یہ رشتہ، یہ تعلق تمہاری زندگی میں یقیناً ایک دم تبدیلی لایا ہے۔ میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔ مگر جانتی ہو، تم میرے لیے کتنی اور کس قدر خوشیاں لائی ہو؟...... گو ابھی فقط نکاح کی رسم ہوئی ہے اور تم یہاں پر عارضی طور پر رہائش پذیر ہو۔ مگر تم نے ابھی سے میرا گھر روشنیوں سے بھر دیا۔ میں تو اس وقت کے لیے بے صبری سے انتظار کر رہی ہوں جب تمہارے ممی، پاپا آئیں گے اور میں تمہیں ان سے مانگ کر ہمیشہ کے لیے اس گھر میں لے آؤں گی۔" ان کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔ مگر وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ نہ تو نگاہ اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا نہ ہی کچھ بولی تھی۔

"تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے اس گھر میں۔ تم جب تک یہاں ہو، جو چاہو کر سکتی ہو۔ اس گھر میں تمہاری حیثیت ایک مالکن کی ہے۔ بہو ہو تم اس گھر کی۔ سب کچھ تمہارا ہے۔ تمہارا اپنا۔ سبکتگین حیدر بھی۔"

اس کا چہرہ بہت ہولے سے اُٹھا کہ وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ ان کی اس شگفتہ سی بات پر بھی اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں آیا تھا۔ کوئی رسمی تیور بھی نہ اُبھرا تھا۔ وہ فقط خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مائی اماں اس کے چہرے،

اس کی آنکھوں کو بغور تکتے ہوئے جیسے اس کے اندر کی کیفیت پا گئی تھیں۔

''میرب بیٹا! جانتی ہو، میں نے تمہیں ہی اس گھر کے لیے چنا؟ کیونکہ مجھے تمہاری آنکھوں کی روشنی بڑی صاف وشفاف لگی تھی۔ مجھے لگا تھا تم وہ ہو جو اس گھر کے لیے، سبکتگین حیدر کے لیے موزوں ترین ہو۔ مظہر سیال اور زوباریہ سے یہ بات فقط منگنی کے لیے ہوئی تھی۔ مگر جب تم ہمارے فارم ہاؤس پر آئیں تو میں تمہیں دیکھ کر اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکی۔ دراصل بیٹا! میں کسی بھی صورت تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میرے کہنے پر ہی مظہر سیال اور زوباریہ کو اپنے فیصلے میں ترمیم کرنا پڑی۔''

میرب تمام باتیں فقط خاموشی سے سن رہی تھی۔ مائی اماں مسکرا رہی تھیں۔

''ہمارے وقت تو بڑے مختلف تھے۔ والدین ڈھور ڈنگروں کی طرح بنا پوچھے رشتے طے کر دیا کرتے تھے۔ پندرہ سولہ برس لگے نہیں اور لڑکی پرائی ہوئی نہیں۔ یکدم اماں باوا کا گھر چھوڑ کر ایک نئے دیس، ایک نئے گھر سدھار جانا پڑتا۔ ایسے میں کسے فکر تھی کہ باہمی ہم آہنگی بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔ مگر ہم اس زمانے کے ہوتے ہوئے اور تمام ادوار کو برتنے کے باوجود نئے زمانے کے تقاضوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں جب تک تم یہاں ہو اس گھر کو، اس کے طور طریقوں کو اور سب سے بڑھ کر سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھ لو۔ مانا جو بھی ہوا بہت جلدی میں ہوا مگر اب وقت ہے کہ تم ایک دوسرے کو جانو، سمجھو اور اپنا مانو۔ ایک دوسرے کی عادات واطوار، پسند ناپسند۔ اسی کا نام ذہنی ہم آہنگی ہے نا۔ میں چاہتی ہوں تم اس گھر کو اپنا جانو اور قبول کرو، دل سے۔ مع سبکتگین حیدر لغاری کے۔ کیونکہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔''

وہ بول رہی تھیں جب کہ اس کی نگاہ عین سامنے اُٹھی تھی۔ کوئی بڑی تمکنت سے قدم اُٹھاتے ہوئے زینہ اُتر رہا تھا۔ چال میں بہت اعتماد اور وقار تھا۔ بلیک سوٹ میں مردانہ وجاہت قابل دید تھی۔ یہ وجود اس کے وجود سے منسوب تھا، اس کے وجود کا حصہ تھا۔ مگر میرب سیال بڑے بے تاثر انداز میں نظریں جھکا گئی تھی۔ کوئی اسی تفاخر سے چلتا ہوا قریب آیا تھا۔ ایک لمحے کو نظر اس پر پڑی تھی مگر بڑی سرسری سی۔ دوسرے ہی پل وہ معمول کے انداز میں مائی اماں سے مخاطب تھا۔

''مائی اماں! میں باہر جا رہا ہوں۔ رات تک لوٹ آؤں گا۔'' بھاری لہجہ اس کے اِردگرد جیسے ایک حصار سا باندھ گیا تھا۔ مگر اس نے سر اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ چونکی تب تھی جب مائی اماں بولی تھیں۔

''بیٹا! ٹھیک ہے...... مگر میرب کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ بہت دنوں سے گھر میں بند ہے۔ ذرا موڈ بدل جائے گا اس کا بھی۔'' مائی اماں کے کہنے پر سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

''لیکن اماں! میں ایک ضروری کام سے جا رہا تھا اور ممکن ہے واپسی پر دیر بھی ہو جائے۔'' اس نے مکمل طور پر تعرض برتا تھا۔ میرب سیال کو حد درجہ سبکی محسوس ہوئی تھی۔

''سبکتگین! کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جو میں کہہ رہی ہوں وہ زیادہ اہم ہے۔ میرب سیال اس گھر کا حصہ ہے اب۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟'' مائی اماں نے بارعب انداز میں جیسے سب کچھ باور کرایا تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص ہولے سے سر اثبات میں ہلا گیا تھا۔

''جی...... جو حکم مائی اماں!'' ماں کے حکم سے اس نے انحراف نہیں کیا تھا۔ ''میں زبیر کے ساتھ کچھ اہم فائلز دیکھ لیتا ہوں۔ جب تک آپ انہیں تیار کرا کر بھیج دیجیے۔'' اس پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے وہ کسی قدر سپاٹ لہجے میں گویا ہوا تھا اور پھر دوسرے ہی پل چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ مائی اماں اس کے جانے کے بعد اس کی جانب تکنے لگی تھیں۔

''جاؤ بیٹا! تم تیار ہو جاؤ۔''

وہ اگرچہ ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیوں اس لمحے وہ اس حکم سے منحرف نہیں ہو سکی تھی بہت خاموشی سے اُٹھی تھی اور ضروری اقدامات کرنے کو چل پڑی تھی اور دل جانے کیوں اس گھڑی اور بھی ساکت ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ بڑے سے بڑے گھاؤ بھر دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اندر کہیں ایک بے نام سا درد باقی رہ جاتا ہے۔ دن گزر رہے تھے اپنی مخصوص رفتار سے اور ان دنوں میں کہیں کوئی مداوا نہیں تھا۔ گھاؤ پر وقت کا اک کھرنڈ تو آ رہا تھا مگر اندر کہیں درد کی ٹیسیں اب بھی اسی طرح اندر کو ہلا کر رکھ رہی تھیں۔ گھر کے نفوس زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر اک دوسرے سے کترائے، نظریں چرائے۔ جیسے وہی اک دوسرے کے سب سے بڑے مجرم ہوں۔ اور سید اذہان حسن بخاری کی کیفیت ان سب سے سوا تھی۔ وہ تو اس جرم کا واقعی مرتکب تھا۔

فارحہ کو اس بات کا احساس تھا مگر جانے وہ کیوں کچھ نہیں بول رہی تھیں۔ چپ چاپ ساکت سی، اس صورتحال کو خاموش نظروں سے تکتی جا رہی تھیں۔ سعد حسن شاہ بخاری کا تعلق اس گھر سے، اس گھر کے مکینوں سے چاہے کتنا ہی واجبی سہی مگر وہ اس گھر میں آنے جانے سے باز نہیں آئے تھے۔ مہینے میں ایک آدھ چکر لگا ہی لیا کرتے تھے اور اس اقدام میں بھی انہیں قصور انہی کا نظر آ رہا تھا۔

''دیکھو فارحہ! میں ایسا نہیں چاہتا۔ سارا قصور تمہارا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے میرے لیے اس گھر میں آنے کے دروازے ڈھا دیئے ہیں۔ میں اس گھر سے یا اس گھر کی ذمے داریوں سے سبکدوش ہونا نہیں چاہتا۔ مگر تم بہت اجنبی ہو رہی ہو اور ایسا کر کے تم اپنے حق میں برا کر رہی ہو۔ یہ گھر میرا ہے۔ میں یہاں چاہوں تو روز آ جا سکتا ہوں۔ مگر تمہاری آنکھوں کی سرد مہری عجب الزام دیتی ہوئی سی ہے۔ فارحہ! ایسا کب تک چلے گا؟...... بچی نہیں ہو تم۔ صورتِ حال کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور انہونی کیا ہوئی ہے؟ میں نے کیا عجب کیا ہے؟ شادی ہی تو کی ہے۔ اور تم سے یا بچوں سے کب دستبردار ہو رہا ہوں؟...... مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔ تم سب کا احساس ہے۔ تم سب کی فکر ہے۔ کسی نئے تعلق کے باندھ لینے سے پرانے رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے فارحہ! ان کی حیثیت مٹ تو نہیں جاتی۔ سمجھتا ہوں میں سب، بچہ تو نہیں ہوں۔ مجھے اپنے فرائض کا علم ہے اور اس میں کوتاہی قطعاً نہیں برت رہا۔ تم سمجھاؤ اپنے بیٹے کو بھی۔ یکدم ہی باپ بننے کی کوشش کر رہا ہے وہ۔ جانتی ہو کتنے دن سے آفس نہیں آیا۔ میں نے پتہ کرایا تو پتہ چلا موصوف میرے مخالف گروپ آف کمپنیز کے ڈائریکٹر سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ اب وہ میری جڑیں کاٹنا چاہتا ہے مجھے کھوکھلا کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ کس

کے لیے کررہا ہوں میں یہ سب دوڑ دھوپ......انہی کے لیے نا۔ پھر کیوں نہیں سمجھ رہا ہے وہ یہ بات۔ سمجھاؤ اسے۔اپنے باپ کا باپ بننے کی کوشش نہ کرے۔شاہ گروپ آف کمپنیز میں ایم ڈی کی پوسٹ کے لیے آج اخبار میں اشتہار دوں تو امیدواروں کی لائن لگ جائے۔مگر میں اپنے بیٹے کے حق کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔یہ سب کچھ اسی کا ہے۔پرسوں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہے اور میں چیئر مین ہونے کے ناتے اس کی غیر موجودگی کے لیے جواب دہ ہوں گا۔فکر مجھے اس جواب دہی کی نہیں ہے فارحہ! فکر مجھے اس کے مستقبل کی ہے۔اسے کہو، اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں تباہ نہ کرے۔لندن سے بزنس کی ڈگری لے کر آ گیا تو بڑا تیس مار خان بن گیا۔یہ باپ اس کی پشت پر تھا ورنہ اپنے ملک میں رہ کر کتنے نوجوانوں کے لیے عام تعلیم حاصل کرنا دوبھر ہو جایا کرتا ہے۔کجا اتنے پائے کی بزنس ڈگری لینا، وہ بھی لندن جیسے بڑے شہر سے۔یہ ممکن ہوا تو فقط میرے باعث۔اس کے باپ کے باعث۔ورنہ آج وہ بھی اپنے ہاتھ میں اپنا سی وی لیے فٹ پاتھوں کی خاک چھان رہا ہوتا......اسے اپنی کامیابی پلیٹ میں دھری دھرائی ملی ہے۔اس لیے دماغ چڑھ گیا ہے۔باور کراؤ اسے، اپنے باپ کے بغیر وہ کچھ نہیں ہے۔شاہ گروپ آف کمپنیز کے چیئر مین کی حیثیت سے میں تو با آسانی کسی کو بھی بٹھا کر ایم ڈی کی سیٹ فل اَپ کر دوں گا پھر اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ سڑکیں ناپے گا وہ۔خاک چھانے گا۔اسے باور کراؤ فارحہ! اسے بنا کسی تجربے کے فقط شاہ گروپ آف کمپنیز میں ہی ایم ڈی کی سیٹ مل سکتی ہے۔کیونکہ شاہ گروپ آف کمپنیز اس کے باپ کی ہے۔یہ رعایت ہر کوئی نہیں دے سکتا۔بچہ نہیں ہے وہ۔مگر انتہائی جذباتیت سے کام لے رہا ہے۔گھر کی بات کو، گھر کے معمولی جھگڑے کو لے کر وہ دنیا بھر کے سامنے تماشا بنا رہا ہے۔اس کی آفس سے غیر موجودگی پر کیسی کیسی تاویلیں پیش کرنا پڑ رہی ہیں مجھے، اس کا اسے یا تمہیں قطعاً کوئی اندازہ نہیں فارحہ! ایک چھوٹی سی بات کو لے کر وہ اس قدر ہائپر ہو رہا ہے۔یہ انتہا پسندی اسے بہت نقصان پہنچائے گی۔سمجھاؤ اُسے، اس کا دماغ ٹھکانے لگاؤ۔ماں ہو تم اس کی اور وہ فقط تمہاری بات سمجھتا ہے۔''

''نہیں......وہ آپ کی بات بھی سمجھتا تھا۔'' فارحہ نے بہت آہستگی سے لب کھولتے ہوئے سید سعد شاہ بخاری کی سمت دیکھا تھا اور وہ تنے ہوئے چہرے سے اسے دیکھتے ہوئے یکدم بپھر گئے تھے۔

''یہی بات......فارحہ! یہی بات تو تم نے اس کے دماغ میں ڈال دی ہے۔یہی جتا کر تم نے اسے اپنے ساتھ کیا ہے، میں تم سب کا دشمن ہوں۔یہی کہہ کر تم نے اسے اپنے ساتھ کیا ہے اور ایسا کر کے تم قطعاً اچھا نہیں کر رہی ہو۔میں اس کا باپ ہوں۔اس کے ساتھ مخلص ہوں یا نہیں یہ الگ بات ہے۔مگر تم......فارحہ! تم ماں ہو کر اس کے ساتھ قطعاً مخلص نہیں ہو۔تمہارا یہ اقدام سراہے جانے کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ایسا کر کے تم اس کے پاؤں پر خود کلہاڑا مار رہی ہو۔اکلوتا بیٹا ہے وہ ہمارا اور تم فارحہ! دوسری شادی ہی کی ہے نا میں نے فقط۔اور کیا جرم ہے یہ؟ مذہب، قانون سب اس کی اجازت دیتا ہے۔کوئی قبیح فعل سر انجام نہیں دیا ہے میں نے۔مجھے خود اپنی اور میری نظروں میں مجرم ثابت مت کرو۔اور ایسے میں جب کہ میں اس خاندان کے اور تمہارے حقوق اسی طور پر پورے کر رہا ہوں۔جرم یہ تب ہوتا نا جب میں تم سے یا بچوں سے دستبردار ہوتا۔'' ہمیشہ کی طرح وہ بنا فارحہ کی سنے بولتے چلے گئے تھے اور فارحہ خاموشی سر جھکا گئی تھی۔آنکھوں میں

کتنی بہت سی نمی یکدم ہی آن ٹھہری تھی۔ سید سعد حسن بخاری نے اسے رک کر لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

''اوہ فارحہ! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیکھو، میری طرف نگاہ اُٹھاؤ۔ دیکھو میں اب بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ تم، بچے اب بھی میری پہلی ذمے داری ہو......اب بھی میری پہلی ترجیح تم اور بچے ہو۔ کہاں بھاگ رہا ہوں میں۔ کہاں بھاگ سکتا ہوں؟ میں تو یہاں بھی فقط اس لیے کم آتا ہوں کہ مجھے تمہاری سرد مہری اچھی نہیں لگتی۔ اپنے بچوں کی بیگانگی اچھی نہیں لگتی۔ کیا مجھے تم سب کا احساس نہیں؟......یا مجھے تم سب سے پیار نہیں؟ یا پھر مجھے ماہا کے ساتھ اس طرح پیش آنے والے واقعے کا ادراک نہیں؟......آئی فیل گلٹی۔ رئیلی میں بھی اسی قدر درد سے گزرا ہوں......جو میری بچی کے ساتھ ہوا اس کا مجھے بھی اسی طور احساس ہے۔'' سعد حسن بخاری کا لہجہ دھیما اور جذباتی تھا۔

فارحہ نے بہت ہولے سے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں تھیں۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہاں سے لوٹنے کے بعد کتنی دیر تک اک گرفت میں لینے والی آواز اس کے اِرد گرد گونجتی رہی تھی۔ کتنی مدھر باز گشت اس کے گرد اپنا حصار باندھے رہی تھی۔ بلا ارادہ وہ سوچتی رہی جو وہ چاہتی نہیں تھی۔ مگر وہ فسوں ساز لہجہ، وہ جادو بھری آواز اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

پتہ نہیں کہنے والے کے دل میں کیا سمائی تھی، عجب شخص تھا اور کیسی عجیب باتیں کر رہا تھا۔ لامعہ کا فیانسی اسے واقعی بہت عجیب لگا تھا۔ وہ دوسری بار ملی تھی اس سے۔ پہلی ملاقات تو بڑی سرسری سی تھی لامعہ کی منگنی کی تقریب میں۔ جب کہ دوسری ملاقات......اور کتنی لایعنی باتیں کرتا تھا وہ۔

کیسے لہجوں میں بولتا تھا وہ۔

جیسے وہ سب موسم، سب رنگ، سبھی ساز اپنے سنگ باندھ سکتا ہو۔

کتنا عجب تھا وہ۔ اس کی تو باتیں ہی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

کیسی مخفی گفتگو کرتا تھا وہ۔ کیسا عجب دیوانہ لہجہ تھا اس کا۔

شاید یہی فطرت تھی اس کی۔ یہی مزاج تھا اس کا۔

مگر وہ کس قدر حیراں تھی۔

اس کے تیور، اس کے انداز اسے بھلائے نہ بھول رہے تھے۔ عجب گمبھیر تھا سب کچھ۔ اس کے سبھی انداز، سبھی تیور۔ شاید یہی مزاج تھا اس کا۔

کتنا مختصر سا تجربہ تھا اس کا۔ ایسے بھی یقیناً لوگ ہوتے ہوں گے۔ پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف ہو جانے والے۔ چھیڑ چھاڑ کرنے والے۔ اور یوں بھی اس کا تعلق تو اس شخص کے لیے کچھ دلچسپی کا باعث بھی تھا۔ لامعہ کی بیسٹ فرینڈ تھی وہ۔ شاید وہ اسی باعث اسے چھیڑ رہا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے خود کو کسی قدر مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر ایک لمحے میں وہ جادوئی قلعوں سی نگاہیں اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

کیمپس سے آنے کے بعد، ایک لمبی نیند لینے کے بعد وہ جاگی تھی تو اُٹھ کر فریش ہو کر دادا ابا کے پاس آن بیٹھی تھی۔ یہاں آنے سے قبل اس نے کچن میں سر ڈال کر اندر جھانکا تھا۔ کباب اور پکوڑے تلے جانے کی بڑی زبردست خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ ماہ وش ملازم کے ساتھ مصروف تھیں۔ وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

"ماما! میری ضرورت تو نہیں؟"

وہ پلٹ کر جواباً مسکرائی تھیں۔

"ہاں ہے نا...... کھانے کے لیے۔"

وہ ہنس دی تھی۔

"اوکے...... اس میں، میں آپ کی ہیلپ ضرور کر سکتی ہوں۔ مگر پلیز! اگر ساتھ میں گرم گرم چائے بھی ہو تو۔"

ماہ وش مسکرائی تھیں اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تم ابا کے پاس جا کر بیٹھو...... میں آ رہی ہوں۔"

"اوکے...... مگر ذرا جلدی۔" وہ ایک پکوڑا اُٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی دادا ابا کی طرف آ گئی تھی۔ بریگیڈیئر اعظم رحمان شاہ ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی اپنی پوتی اور بہو کے ساتھ گزار رہے تھے۔ ایسے میں ان کے پاس بہترین مصروفیت چیس کھیلنا تھا اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھا چیس کھیلتی تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی جب بابا ایک حادثے میں گزر گئے تھے۔ اس نے اپنے اِردگرد ہمیشہ دو مخلص ہستیوں کو پایا تھا جنہیں خود سے بڑھ کر اس کا خیال تھا۔

ماما انٹیریئر ڈیزائنر تھیں۔ کسی قدر مصروف رہتی تھیں مگر ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے معاملے میں انہوں نے کوئی کوتاہی برتی ہو۔ ایک چھوٹا سا گھرانہ تھا جو محبتوں سے بندھا تھا اور وہ اس میں خوش تھی۔ وہ خوشیوں کی قدر کرنا جانتی تھی۔ کیونکہ سمجھتی تھی کہ یہ بہت مشکل سے ملنے والے خزانے ہیں۔ ابھی بھی وہ ماما اور دادا جی کے ساتھ چائے کے ساتھ ممی کے مختلف قسم کے لوازمات سے مکمل طور پر انصاف کرتے ہوئے مختلف چٹکلے سنا رہی تھی۔ اسی وقت ہی لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

"تم کیمپس نہیں گئیں آج؟"

”گئی تھی......اور میں تبھی جانتی ہوں کہ تم آج کیمپس نہیں آئی تھیں۔“انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔”اینی ویز،اب کیسے مزاج ہیں جناب کے؟“

”ارے امیزنگ۔تم نے تو کچھ زیادہ ہی ٹھکانے لگا دیا موصوف کو۔خاصے سدھرے لگ رہے تھے رات کو۔“لامعہ جواباً بولی تھی۔

”موصوف......کس کی بات کر رہی ہو تم؟“انابیہ شاہ قدرے چونکی تھی۔

”عفنان علی خان کی۔“لامعہ مگن سی مسکرائی تھی۔

”میں تمہاری بابت دریافت کر رہی تھی۔“انابیہ نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

”اوکے......“لامعہ یکدم ہنس دی تھی۔”ہاں، میں بھی ٹھیک ہوں۔مگر وہ عفنان علی خان کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہو گیا ہے۔ایک دم بی بابچہ بن گیا ہے۔کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا تمہارا نام لے کر۔لیکن ایسا کیا کہہ دیا تم نے اسے؟“

انابیہ شاہ قدرے حیران رہ گئی تھی۔سماعتوں میں یکدم ہی کسی کی مدھم سرگوشیاں گونجنے لگی تھیں۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں

جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہی یقین سے پُر مدلل لہجہ۔

وہی خوشبو سی بات۔

انابیہ شاہ نے ایک لمحے میں ہر تاثر کو جھٹکا تھا۔

”کچھ نہیں۔بس اسے ذرا سمجھایا تھا۔“

”اور وہ اتنا زیادہ سمجھ گیا......رئیلی انابیہ شاہ!تم میں واقعی کوئی خاص جادو ہے۔میں ہمیشہ حیران رہ جاتی ہوں۔تم صورت حال کو یکدم اپنے بس میں کیسے کرتی ہو؟شاید یہ ذہین لوگوں کی خاص پہچان ہے۔“لامعہ اعتراف کر رہی تھی۔

”ہاں شاید تم سناؤ،اب تو خوش ہونا۔ویسے تمہارے موصوف عفنان علی خان خاصے کائیاں ہیں۔اتنا اندھا اعتماد بھی مت کرنا۔“ اس نے چھیڑا تھا۔وہ ہنس دی تھی۔

”اب یہ بات تو سمجھتی ہوں میں۔لیکن کل واقعی میرا بہت برا حال تھا۔میں نے طے کر لیا تھا،آر یا پار،کیا فائدہ اس شخص کے ساتھ سر پھوڑنے کا جسے آپ کی رتی برابر بھی فکر نہیں......مگر خدا کا شکر ہے،ایسا کچھ نہیں ہوا۔میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہی فون کیا ہے۔“

”چلو شکر ہے تمہارے عفنان علی خان کی عقل میں میری سمجھائی گئی بات آ گئی۔“

”آج شام میں کیا پروگرام ہے؟“لامعہ نے دریافت کیا تھا۔

”کوئی خاص نہیں۔“اس نے شانے اچکائے تھے۔

”تو پھر تم فرائیڈیز آ رہی ہونا؟“

''فرائیڈیز......؟'' وہ چونکی تھی۔

''ہاں......عفنان ہم دونوں کو ڈنر دے رہا ہے۔''

''کیا......؟'' وہ بری طرح چونکی تھی۔

یکدم ہی اس کے اندر وہی سرگوشیاں اُبھرنے لگی تھیں۔

وہی نظریں سر اُٹھانے لگی تھیں

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں

جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہ لہجے کی تپش!

''انابیہ!'' دوسری طرف سے لامعہ نے پکارا تھا۔ وہ ایک دم جیسے کسی گہرے خواب سے بیدار ہوئی تھی۔

''ہاں۔''

''تو تم آ رہی ہو نا؟''

''نہیں لامعہ! آج نہیں۔ پھر کبھی سہی ابھی کچھ کام ہے مجھے۔ ایک اہم اسائنمنٹ بنانا ہے۔ تم یہ پروگرام پھر کسی موقع کے لیے اُٹھا رکھو......انشاء اللہ ایسے وقت آتے رہیں گے۔ یوں بھی میں کباب میں ہڈی والا کوئی رول پلے نہیں کرنا چاہتی۔ فی الحال تم جاؤ۔ اپنے نام کے لمحوں کو انجوائے کرو۔ بیسٹ آف لک۔ مگر اسے کچھ کھینچ کر رکھنا، ہاں۔'' مسکراتے ہوئے مشورہ دیا تھا اور لامعہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''تھینکس۔ لیکن سنو وہ میری اسائنمنٹ کے لیے بھی کچھ بندوبست کر دینا......یونو، میں تو یہاں عفنان علی خان کے ساتھ بزی ہوں گی اور......''

''اوکے۔'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے فون دھر دیا تھا اور اندر پھر وہی آواز سر اُٹھانے لگی تھی۔

تصور میں پھر وہی جادوئی قلعوں سی نگاہیں تھیں۔

خود میں مقید کرنے کا سودا دل میں رکھتی۔

بہت سا جنوں مٹھی میں تھامے۔

کیا تھا یہ سب؟ شاید اس کا کوئی وہم جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

اس کی نگاہ اپنی کلائی پر گئی تھی، جہاں اک انگارہ سا لمس اب بھی زندہ تھا۔

تو کیا واقعی وہ جو سمجھ رہی تھی، وہی کچھ درحقیقت تھا یا پھر فقط گمان تھا؟ رد کیے جانے کے لائق۔

وہ کوئی دوست صفت تھا، شوخی اس کی فطرت تھی، مذاق اس کا وتیرہ تھا، چھیڑ چھاڑ اس کے مزاج کا حصہ تھی یا پھر......

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جب وہ فقط اک شوخی تھی، کوئی شرارت تھی تو پھر وہ اک بات، اک چھوٹی سی سرگوشی اس کے ذہن سے کیسے چپک گئی تھی؟ جب وہ لہجہ سرسری تھا،

وہ بات بے معنی تھی،

کیوں اسے ان پُر تپش آنکھوں کی حرارت اب بھی جلا رہی تھی ...... کیوں اُسے لگ رہا تھا کہ وہ آنکھیں اب بھی اسے کہیں سے چھپ کر دیکھ رہی ہوں جیسے۔

اور وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ انابیہ شاہ! ڈونٹ تھنک اینی مور۔ جسٹ اسٹاپ اِٹ ناؤ۔'' با آواز بلند اس نے خود کو کہہ کر باقاعدہ ڈپٹا تھا اور پھر ہر یال کو جھٹکتے ہوئے کمپیوٹر کے سامنے آن بیٹھی۔

☆......☆......☆

کتنی دیر تک وہ بلاوجہ گاڑی سڑکوں پر بھگاتا رہا تھا۔ نہ منزل کا کوئی تعین تھا نہ ہی راستے واضح تھے۔ اک ہم سفر ساتھ تھا، مگر سب کچھ جیسے بے معنی تھا۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ایک خالی پن بدستور کہیں اندر موجود تھا۔

اور نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے راستے تھے مگر ان راستوں پر شاید منزل کہیں نہیں تھی۔ شاید یہ ساتھ بیٹھا ہم سفر...... ہم سفر بھی نہ تھا، کوئی اجنبی تھا۔ مگر پھر وہ اس کے ساتھ کیوں تھی؟ اس نے خالی خالی نظروں کو اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ جواباً وہ مکمل طور پر اس کے وجود سے غافل ہی رہا تھا۔ توجہ کا ایک سکہ بھی اس کی نظروں کے کاسے میں نہ ڈالا تھا۔ اس صورت حال پر میرب سیال کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی مرضی کو اس تمام عرصے میں قطعاً کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ اگر اسے اختیار دیا جاتا تو یقیناً وہ ایسے کسی مرحلے سے گزرنے کو تیار نہ ہوتی مگر سارا افسوس اسی بات کا تھا کہ اسے کوئی حق استعمال کرنے کو نہ دیا گیا تھا۔ فقط مسلط کیا گیا تھا اس پر، اپنا حکم نامہ، اپنی مرضی۔ اور ایسے میں اس کی ذات کہیں دب کر رہ گئی تھی۔ اور اب آئندہ کی صورتِ حال میں جیسے مزید دبتی جا رہی تھی۔ اس شخص کی سنگت میں اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے اسے ماننا پڑا تھا کہ اس نے پاپا زوبار یہ کا حکم مان کر اچھا نہیں کیا۔ خود اپنے ساتھ بہت برا کیا ہے اور اس پر مزید چپ سادھ کر وہ مزید برا کرے گی۔ اپنی ذات کی نفی اسے خود سے منکر کر دے گی۔ جس طرح اسے اور دیگر لوگ کر رہے تھے۔ وہ خود بھی ایک دن خود کو جھٹلائے گی۔ کیونکہ بے معنی اور فضول شے کی ہر کوئی نفی کرتا ہے اور وہ خود کو ایک بے معنی اور فضول شے بنا رہی تھی۔

گاڑی میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پرسنل سیل کی بیپ سے اس ساکت ماحول میں یکدم ہی ایک ارتعاش ہوا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی مگر سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں کال پک کرنے میں تعرض برت رہا تھا۔ بیپ ہوتی چلی گئی تھی اور تب جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے اس کال کو ریسیو کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ بنا اس کی جانب دیکھے اس نے اپنا سیل فون کان سے لگایا تھا۔ کوئی دوسری جانب بولا تھا۔ خاموشی اتنی تھی کہ مدھم آواز اس سکوت کو توڑتی چلی گئی تھی۔

''تم ہو کہاں سبکتگین حیدر! پچھلے ایک گھنٹے سے میں تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم ہو کہ......اچھا بتاؤ۔ اب آ رہے ہو کہ نہیں؟ دیکھو، بہت رنگ ہے یہاں۔ اب انکار مت کرنا۔ ورنہ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔'' عجب تخاطب تھا۔ بولنے والی کی آواز میں کتنی مٹھاس تھی۔ میرب سیال نہ سننے کا قصد کرتے ہوئے بھی اس گناہ کی مرتکب ہو گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے لمحہ بھر کو ایک ترچھی نگاہ اس پر کی تھی۔ وہ چہرے کا رُخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔ تبھی اس کی بھاری آواز نے اس کے گرد حصار باندھا تھا۔

''اوکے......میں پہنچ رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے فون بند کیا تھا اور ڈیش بورڈ پر اچھال دیا تھا۔ انداز کس قدر جارحانہ تھا۔ کسی بات کا کوئی شدید ردعمل تھا یہ۔ مگر کیا، وہ جان نہ پائی تھی۔ مگر اس گھڑی کسی کے اندر کوئی انتشار تھا اور وہ اس بات کو ضرور سمجھ رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی کا رخ یکدم ہی بدلا تھا اور گاڑی کو کسی مخصوص سمت پر ڈال دیا تھا۔ انداز کسی قدر جارحانہ تھا۔ جیسے وہ سب کچھ تہس نہس کر دینا چاہتا ہو پل بھر میں۔ ڈرائیونگ بھی کسی قدر ریش تھی۔ اس کا یہ ردعمل میرب سیال کی سمجھ سے باہر تھا۔ مگر وہ اسے دیکھ بغور رہی تھی۔ اس کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ اسے قطعاً نہیں دیکھ رہا۔ اس کا ہونا، نہ ہونا اس کے لیے بے معنی ہے۔

کسی قدر اُلجھن کا شکار، اپنے دائیں بازو کو کھڑکی پر ٹکائے دوسرے ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتا ہوا وہ اس کے لیے مکمل طور پر ایک گمبھیرتا تھا۔ انتہائی تیز رفتاری جیسے کوئی احتجاج تھا۔ مگر وہ کیا سمجھتی۔ ذہن تو بالکل مفلوج ہو رہا تھا اس گھڑی۔ چونکی تو وہ تب تھی جب گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے رکی تھی اور وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اُترتے ہوئے یکدم ہی چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا جیسے اسے ابھی ابھی اس کا دھیان آیا تھا۔ یا پھر وہ کوئی شے تھی اور وہ اسے سیٹ پر رکھ کر بھول گیا تھا۔

''تم......تم نہیں اُترو گی؟'' کسی قدر سراسمیگی سے وہ بولا تھا اور تب میرب سیال نے بہت ہولے سے حرکت کی تھی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ ماربل کے چکنے فرش پر اپنے بھاری مضبوط قدم اُٹھاتا ہوا وہ آگے بڑھنے لگا تھا۔ وہ بہ مشکل اس کے ساتھ چل پا رہی تھی۔ اس کے قدم مخصوص مقام کی جانب اُٹھ رہے تھے۔ کتنے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا خود میں مگن وہ چلتا جا رہا تھا۔ میرب سیال کچھ نہ سمجھتی ہوئی فقط اس کے حکم پر سر تسلیم خم کرتی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس کے کہے پر عمل کر رہی تھی۔

مگر یہ کیا؟......یہ کہاں لے آیا تھا سبکتگین حیدر لغاری اُسے؟ کتنا ہجوم تھا وہاں۔ کتنے جسم تھرک رہے تھے بلند و بانگ میوزک پر۔ کتنی الگ دنیا تھی یہ۔ وہ ساکت نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کتنے دلربا پیکر تھے جو سبکتگین حیدر لغاری کی سمت بڑھ رہے تھے اور وہ کسی درجہ بولڈنیس کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ وہیں کونے میں رُک گئی تھی۔ وہ گھر سے ساتھ چلے تھے۔ گاڑی میں تادیر ہمسفر رہے تھے مگر اس مقام پر آ کر ان کی راہیں جدا جدا تھیں۔

کیسے ہم سفر تھے یہ؟......کیسا سفر تھا یہ؟

کہاں راہیں مڑتی تھیں؟......کہاں قدم پڑنے تھے؟ کچھ خبر نہ تھی۔ وہ بس ساکت سی اسی کونے میں کھڑی تھی۔

تو حقیقت یہ تھی، سبکتگین حیدر لغاری کی حقیقت کچھ اور تھی۔

اس کا روپ بہروپ کچھ اور تھا۔

وہ اس گھڑی کسی پری رُخ کے کس قدر قریب تھا۔ کتنی سرشاری تھی لڑکی کے چہرے پر۔ جیسے وہ اس شخص کی بانہوں میں خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی محسوس کر رہی تھی۔ اور سبکتگین حیدر لغاری......

وہ یکدم آنکھیں میچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ جانے کیسے ایک لمحے میں ہی اس کے اندر ایک طوفان اُٹھا تھا۔ آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگی تھیں۔

تو یہ تھا اس کے لیے کیا گیا انتخاب!

وہ جو اس لمحے انتہائی بے باکی سے کسی اور کی بانہوں میں تھا۔ کسی اور کے قریب تھا۔ وہ جو زندگی میں اس کی شراکت کے باوجود اس کے سامنے اس کے حصے کے لمحے کسی اور کو سونپ رہا تھا، کس قدر دیدہ دلیری سے اس کے سامنے۔

آنکھوں میں کتنے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے تھے۔ مگر وہ تمام نمی پلکیں جھپک جھپک کر کہیں اندر ہی مدغم کرنے لگی تھی۔ قریب سے ویٹر گزرا تھا، اسے ڈرنک کی پیشکش کی تھی مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ کتنے جدید زمانے کے پروردہ لوگ تھے سب۔ کتنے ماڈرن ملبوسات۔ اور وہ ایسے میں اپنے شانے کے گرد پھیلا شیفون کا سفید دوپٹہ بلا ارادہ ہی ہاتھ بڑھا کر ٹھیک کرنے لگی تھی۔ اتنے لوگوں میں اس کی نگاہ فقط اس ایک شخص پر اُٹھی تھی۔ جو اسے اپنے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی لے آیا تھا۔ سارا غصہ اسی بات پر آ رہا تھا۔ وہ اس پر اس کی مرضی کے خلاف مسلط کر دی گئی تھی۔ اس کے سر تھوپ دی گئی تھی۔

وہ ایک ان چاہا وجود، ایک ان چاہا ہم سفر۔

زبردستی کا سودا۔ سراسر زبردستی۔

داہنے ہاتھ میں ڈرنک تھامے بایاں ہاتھ اس مرمریں کمر کے گرد حمائل کیے وہ اس گھڑی مکمل طور پر مسرور تھا۔ نہ تو اسے یہاں لا کر وہ اسے اب یاد رہی تھی اور نہ ہی وہ اسے یاد رکھنا چاہتا تھا۔ ایک مسلط کی گئی ہستی تھی وہ اس پر۔ ایسا رویہ روا رکھنا تو واجب تھا اس پر۔

وہ آنکھوں کی ساری نمی اپنے اندر اُتارتی ہوئی جیسے اس گھڑی وہاں ٹھہرے رہنے پر پابند تھی۔ اس متحرک ماحول میں تھرکتے وجودوں کے بیچ، ایک جدید ماڈرن دور کی پارٹی میں وہ مکمل طور پر مشرق کی تصویر بنی کھڑی ایک بھونڈا مذاق لگ رہی تھی۔

اپنی نفی کا یہ لمحہ اس کے لیے ایک عظیم تجربہ تھا۔

انتہائی مختصر لباس میں جدید تہذیب کی نمائندہ اس لڑکی کی نگاہ یکدم اس پر پڑی تھی اور وہ اک ادا کے ساتھ سبکتگین حیدر لغاری کے کان کے قریب اپنے اناڑی ہونٹ لے جا کر کوئی سرگوشی کرنے لگی تھی۔ جواباً سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ایک نظر دیکھا تھا مگر وہ نگاہ بڑی سرسری اور کسی قدر اکتائی ہوئی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ اس کی جانب سے رخ پھیر کر اس نازک وجود کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے دھیمے

دھیمے رقص کرنے لگا تھا۔ وہ نگاہ جھکائے بغیر ساکت سی اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ کتنے وجود اس کے دلربا پیکر کو دیکھتے ہوئے اسے تنہا کھڑا دیکھ کر اس کی سمت بڑھے تھے مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ سر جھکا کر اپنے اس ہم سفر کا انتظار کرنے لگی تھی۔

یہ تھا اس کا ہم سفر!

اس کا جیون ساتھی۔

جس کے ہاتھ اس کی ڈور تھی۔

جس کے سنگ اسے قدم قدم چلنا تھا۔

یہ تھا وہ شخص، جس کے نام اس نے اپنی تمام عمر لکھ دی تھی، اپنے سارے خواب لکھ دیئے تھے، اپنے سارے دن، اپنی ساری راتیں لکھ دی تھیں۔ یہ تھا وہ شریک سفر جس کی منزلوں کا جنوں کچھ اور تھا۔

وہ جس کا شوق سفر کسی اور رنگ میں رنگا تھا۔

وہ جسے نئی نئی منزلوں کا شوق تھا۔

وہ جسے ایک جگہ ٹھہرے رہنے سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔

کتنے لمحے گزر گئے تھے۔ وہ سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ بالکل ایک اچھی بچی کی طرح اس نقطے پر جمی کھڑی تھی جہاں سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کھڑا کر گیا تھا۔ وہ سر اُٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ آج سے اسے سر جھکا لینے کی عادت اپنانا تھی۔ کیونکہ ایسا اس کے لیے اس کے بڑوں نے سوچا تھا۔ یہ حکم اس حکم نامے میں شامل تھا۔ جو فیصلہ اس پر صادر کیا گیا، اس میں درج تھا اور وہ انحراف کیسے کرتی؟

کتنی دیر گزر گئی تھی۔ سارا وجود شل ہونے کو تھا جب قدموں کی آہٹ اس کے قریب آ کر تھمی تھی۔ کوئی اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا تھا مگر وہ دوسرے ہی لمحے نگاہ پھیر گیا تھا۔ تبھی ڈانسنگ فلور سے وہی لڑکی تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی سمت لپکی تھی۔

''سبکتگین!'' قدرے قریب آنے پر اس نے پکارنے کے ساتھ ہی اپنی بانہیں بھی اس کے گرد حمائل کر دی تھی۔ وہ اب کے درمیان میں سے خود کو ہٹا نہ سکی تھی۔

''سبکتگین! اپنا وعدہ یاد نہیں ہے شاید تم کو جو تنہا واپس پلٹ رہے ہو۔'' ایک ادا سے مسکراتے ہوئے وہ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''آج نہیں......پھر کبھی۔'' قدرے مدہم لہجے میں کہہ کر اسے ٹالا تھا۔

''اور تم جو پھر بھول گئے تو؟'' عجیب انداز سے وہ اٹھلائی تھی۔ میرب سیال کی پرسنالٹی اس گھڑی جیسے اپنے وجود کا احساس کھو بیٹھی تھی۔ اس کا ہونا نہ ہونا بے معنی تھا جیسے۔

"تم یاد دلا دینا۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا اور وہ اک ادا سے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"آج کوئی اور...... ہاں......" اک اندازِ دلربائی سے نگاہ کرزاویہ پھیر کر اسے دیکھا گیا تھا...... جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی میرب سیال پر اک نگاہ کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ نگاہ پھیر کر گویا ہوا تھا۔

"پارٹی ادھوری چھوڑ کر جا رہا ہوں...... مگر جانا ضروری ہے۔"

"اوکے۔" دونوں میں اختتامی کلمات کے ساتھ بچھڑے سمے کچھ ضروری امور بھی انجام پائے تھے۔ میرب سیال نگاہ پھیر گئی تھی۔ ساتھ ہی رخ بھی پھیر لیا تھا۔ چند ثانیوں بعد سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی پلٹ کر اس کے ساتھ ہولیا تھا۔

"چلو......" عجب سپاٹ لہجے میں کہا گیا تھا اور وہ تو حکم کی منتظر تھی جیسے۔ ایک لمحے میں قدم اُٹھانے لگی تھی۔ مگر قدموں کی رفتار بہت سست اور تھکی ماندی سی تھی۔ جیسے وہ برسوں کی تھکن اپنے ساتھ لے کر چل رہی ہو۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے اپنے تھکے ماندے وجود کو کسی حد تک ریلیکس کرنے کی غرض سے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔

☆......☆......☆

دھاگے کی ڈور ایک بار اُلجھ جائے تو پھر وہ اُلجھتی چلی جاتی ہے۔ رشتوں کی حقیقت بھی بالکل ویسی ہے۔ ایک بار ڈور اُلجھ جائے تو پھر لاکھ ڈھونڈتے رہو، سرا نہیں ملتا۔ فارحہ بھی اپنے گھر، اپنے رشتوں کی ڈور اسی مانند، اسی نہج پر دیکھ چکی تھی۔ جہاں کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ تھا اور پیچیدگیاں تھیں کہ بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

اپنے طور پر اس نے بہت احتیاط سے اذہان حسن بخاری کو سمجھانا چاہا تھا۔ مگر رشتوں کے درمیان خلیج بہت وسیع ہوگئی تھی۔ اتنی کہ وقت نے سارے نقش اتنی تفاوت پر لا کھڑے کیے تھے کہ چہروں کے عکس اپنا تاثر کھو بیٹھے تھے۔

"ممی! آپ اب بھی ان کی بات مانتی ہیں۔ ان کی طرف داری کر رہی ہیں۔" وہ کسی قدر خفگی سے سر اُٹھا کر انہیں دیکھنے لگا تھا اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"ممی! جانتی ہیں جو انہوں نے کیا، اس کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔"

"اور جو تم کر رہے ہو اس کا بھی تو کوئی سبب نہیں ہے۔ مانا جو کچھ ہوا، غلط ہوا مگر......" وہ قطعی انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے قدرے تحمل سے گویا ہوئی تھیں۔

"دیکھو اذہان! یہ میرا اور تمہارے پاپا کا نجی معاملہ ہے۔ میں نہیں چاہتی تم اس میں کوئی مداخلت کر کے ان کی مزید مخالفت مول لو۔"

"ممی!" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ نظروں میں بہت رنج تھا۔ "آپ خود کو مجھ سے الگ کر رہی ہیں؟"

"نہیں، میں تمہیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھا رہی ہوں۔" وہ کسی قدر متانت سے گویا ہوئی تھیں۔ وہ سر جھکائے کسی قدر مضمحل نظر آ

رہا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو اس کیفیت میں دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے اس کے مضبوط ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

''دیکھو بیٹا! تمہاری عمر بڑی جذباتیت والی ہے۔ اور صورت حال کو ہمیشہ عقل سے جانچا جاتا ہے۔ جو تمہارا ردعمل ہے وہ اپنی جگہ، میں جانتی ہوں تم اپنی ماں سے، مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔ لیکن بیٹا! تمہاری ماں بھی بہت محبت کرتی ہے تم سے۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس لمحے آنکھوں میں کتنے سمندر آن ٹھہرے تھے۔ اذہان سر اُٹھا کر ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں اذہان! مجھے تمہاری فکر ہے...... تمہارے اچھے مستقبل کی فکر ہے۔ مانا تمہاری ماں کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے، تمہاری بہن کو زک پہنچی ہے۔ مگر اذہان بیٹا! مسئلے کا یہ حل نہیں ہے کہ تم اپنے حق سے دستبردار ہو جاؤ۔ میں اپنے کسی بھی قول و فعل سے تمہیں تمہارے باپ کے خلاف اُکسانا نہیں چاہتی۔ ہر باپ اپنے بچے کے لیے اچھا سوچتا ہے، اچھا چاہتا ہے۔ سعد بخاری کو بھی بہت فکر ہے تمہاری۔ بہت پیار کرتا ہے تم سے۔ تمہارے مستقبل کو تاریک دیکھنا نہیں چاہتا۔'' کتنے بہت سے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ اذہان حسن بخاری ماں کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔

''اپنی ماں پر بھروسہ ہے نا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ لے سکتی ہے؟'' اس کے چہرے کو ہاتھوں سے تھام کر دریافت کیا تھا مگر وہ بہت ہولے ہولے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''آپ بے جا طرف داری کر رہی ہیں ان کی۔ بے جا حمایت کر رہی ہیں۔ انہیں میرے مستقبل سے زیادہ اپنی شاہ گروپ آف کمپنیز کی فکر ہو رہی ہے۔ زمانے کی فکر ستا رہی ہے۔ وہ لوگوں کی انگلیوں سے خوفزدہ ہو رہے ہیں جو ان کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اس شکست سے ڈر لگ رہا ہے جو انہیں مستقبل میں ملنے والی ہے۔'' دھیمے لہجے میں وہ بولا تھا اور فارحہ ساکت نظروں سے اسے تکنے لگی تھیں۔

''تو کیا تنہا کر دینا چاہتے ہو تم انہیں؟...... بدلہ لینا چاہتے ہو اُن سے؟ ساری ناانصافیوں کا حساب لینا چاہتے ہو؟'' ان کے مدہم لہجے میں کتنے خوف بول رہے تھے۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔

''نہیں اذہان! میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ کبھی بھی نہیں۔ تمہیں کل ہی سے شاہ گروپ آف کمپنیز میں بطور ایم ڈی اپنی ذمے داریاں سنبھالنا ہیں۔'' ان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

''لیکن ممی......'' اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے مگر انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر کچھ بولنے سے باز رکھا تھا۔

''یہ تمہاری ماں کا حکم ہے۔'' قطعی لہجے میں وہ بولی تھیں اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری، ماں کی سمت تکتا رہ گیا تھا۔

کتنی دیر اسی طرح ساکت بیٹھے گزر گئی تھی۔ پھر وہ ہونٹ بھینچے اُٹھا تھا اور گاڑی کی چابی اُٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔

تو پاپا اس طرح اپنا کام نکلوا رہے تھے...... ممی کو بھی اب ان کی فکر تھی۔ اب بھی ان کا حکم ان کے لیے معتبر تھا۔ اس کا ذہن سلگ اُٹھا تھا۔

کتنی بھولی تھیں ممی جو ان کے پرپز کے لیے اپنے بیٹے کو امپوز کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں ایسا کر کے وہ فقط سید سعد حسن شاہ بخاری کی ذات کو تقویت دے رہی تھیں۔

کتنی دیر وہ اپنے اندر انتشار لیے، بے سمت راستوں پر سفر کرتا رہا تھا۔ پھر بالآخر تھک کر عزیز کی طرف چلا آیا تھا۔ وہاں کوئی گیٹ ٹوگیدر چل رہی تھی۔

''آئی ایم سوری، مجھے علم نہیں تھا۔'' وہ کسی قدر شرمندہ ہوا تھا۔

''کم آن یار! کوئی بڑی پارٹی نہیں ہے۔ زبیر بھیا کے چھوٹے بیٹے نومی کی برتھ ڈے تھی۔ پھر اگینے بھی آ گئی تھیں۔ سو، سوچا کہ ایک گیٹ ٹوگیدر ارینج کر لی جائے۔ اسی بہانے مل بیٹھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ تو سنا، بڑا مضمحل سا لگ رہا ہے، خیریت تو ہے؟ کہیں عشق وشق تو نہیں کر بیٹھا کسی سے؟'' عزیز چھیڑ رہا تھا۔

وہ بمشکل مسکرایا تھا۔ ارادہ واپس پلٹنے کا تھا مگر فوری طور پر ایسا ناممکن ہی تھا۔ سو وہ چپ چاپ عزیز کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

''اگینے کب آئیں؟''

''کل رات ہی، پورے پانچ برس بعد۔'' عزیز مسکرایا تھا۔ ''تمہیں یاد ہے ان کی شادی پر ہم نے کس قدر غل غپاڑا کیا تھا، کس قدر انجوائے کیا تھا۔ کل رات ہم اگینے کی شادی کی مووی دیکھ رہے تھے۔ تمہارا بھنگڑا بڑا زبردست لگا۔ دیر تک ہنستے رہے، محفوظ ہوتے رہے۔ سات برس پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔

وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ اس وقت کتنے بدھو تھے ہم۔ ہم انتہائی اسٹوپڈ۔ نہ کسی بات کا ہوش تھا نہ کسی کام کی فکر۔'' عزیز مسکرا رہا تھا۔

''ہاں...... چھوٹے ہونے کے سارے زمانے اچھے ہوتے ہیں۔ بے شعوری، بڑی بھلی ہوتی ہے۔'' اذہان حسن بخاری بھی مسکرا دیا تھا۔

''اور اگینے کو کس قدر تنگ کیا تھا ہم نے۔ حالانکہ ہم دونوں اس وقت بھی ان سے بہت چھوٹے تھے۔'' عزیز ان گئے دنوں کی میٹھی یادوں کو دہرا رہا تھا اور اذہان حسن بخاری کا موڈ بھی کسی قدر بہلنے لگا تھا۔

''ان کے شوہر نامدار کیسے ہیں؟...... ساتھ آئے ہیں کیا وہ بھی؟''

''نہیں۔ وہ تو ساتھ نہیں آئے۔ مگر اگینے بتا رہی تھیں کچھ دنوں میں شاید وہ بھی آ جائیں۔ بائے دی وے اگینے تمہیں بہت مس کر رہی تھیں۔ ان کے خیال میں تو تم اب بھی وہی دبلے پتلے، کمزور نحیف سے نوعمر لڑکے ہو۔ تمہیں دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔''

''جیسے تمہیں دیکھ کر ہوئی تھیں۔'' وہ یکدم مسکراتے ہوئے بولا تھا اور عزیر ہنس دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری کا موڈ کچھ بدل گیا تھا۔

وہ اور عزیر بچپن کے دوست تھے۔ کالج تک ساتھ رہے تھے۔ اگینے عزیر کی بڑی بہن تھیں۔ جب وہ کالج میں تھے تب ہی اگینے کی شادی طے ہو گئی تھی اور ان کے لیے وہ موقع بہت ایکسائٹنگ تھا۔ اسپیشلی اذہان حسن بخاری کے لیے تو یہ پہلا موقع تھا اور عزیر کے ساتھ مل کر اس نے بہت سی اوٹ پٹانگ حرکتیں کی تھیں جو اسے اب یاد بھی نہ تھیں۔ عزیر انہی باتوں کو سوچتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ عزیر کے ساتھ کھڑا تھا تبھی اگینے وہاں آ گئی تھیں۔

"پہچانیئے تو بھلا کون ہے یہ؟" عزیر، اذہان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ اگینے مرتضٰی آنکھوں میں کسی قدر حیرت بھر کراسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ مگر وہ باوجود کوشش کے ناکام رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری دلچسپی سے ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"اذہان۔" عزیر نے اگینے کی مشکل حل کی تھی۔ مگران کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"اذہان؟...... یومین وہی اذہان؟" وہ چونکی تھیں اوراس کے ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھیں۔

"ویری اسٹرینج...... تم تو بہت بدل گئے ہو بھئی۔ اور شاید کچھ بڑے بھی ہو گئے ہو۔" مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر بڑے پن سے ہاتھ دھرا تھا۔ اذہان حسن بخاری بغور تکنے لگا تھا۔ کھلکھلا کر ہنسنے کے باعث اگینے کی آنکھوں میں اس سے سمے کئی جگنو جھلملا رہے تھے۔

"کیسے ہو تم؟ اور کیا کر رہے ہو آج کل؟...... سنا ہے بڑی پوسٹ سنبھالے بیٹھے ہو، ذمے داریاں نبھا رہے ہو۔"

"جی، وقت کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داریاں تو اُٹھانا ہی پڑتی ہیں۔ آپ سنایئے، کیسی ہیں؟ بہت عرصے بعد نہیں لوٹیں؟" اذہان نے جواباً دریافت کیا تھا اور اگینے ہولے سے مسکرا کر لب بھینچ گئی تھیں۔

"بس مصروفیت ہی اس قدر رہی۔ اینی وے، تم انجوائے کرو۔" وہ مسکراتے ہوئے یکدم ہی پلٹ گئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری تا دیر اس سمت تکتا رہا تھا۔

"اگینے بدل نہیں گئیں کچھ؟" مدھم لہجے میں وہ بولا تھا۔

"ہوں...... اور ہم بھی تو کتنے بدل گئے ہیں...... تم لندن سے پڑھ لکھ کر بزنس کی ڈگری لے آئے ہو۔ شاہ گروپ آف کمپنیز میں ہولڈنگ پوزیشن سنبھال چکے ہو۔ میں بھی اپنے حصے کی کامیابیاں سمیٹ چکا ہوں۔"

مگر اذہان سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔

"مگر اگینے نہیں بدلیں شاید۔"

"کیا مطلب؟" عزیر چونکا تھا۔

"مطلب یہ کہ اگینے اتنا نہیں بدلیں جتنا ہم بدل گئے ہیں۔ اگینے نے اپنے معاملے میں وقت کو روک لیا ہے۔ ان کے چہرے پر آج بھی اتنی ہی شادابی ہے مگر فطرتاً وہ کچھ بدل گئی ہیں۔ پہلے وہ خاصی سنجیدہ سی ہوا کرتی تھیں اور اب......"

"ظاہر سی بات ہے یار! خوش ہیں وہ۔ نیویارک میں رہ رہی ہیں۔ روحیل بھائی کس قدر خیال رکھتے ہوں گے ان کا۔" عزیر نے جواب دیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"ہاں...... یہ تو ہے۔" اس کی نگاہ اگینے پر جا ٹھہری تھی۔ مسکراتی ہوئی اگینے کی طرف۔ اور کیسا شگفتہ سا تھا ان کا چہرہ۔ کتنی شادابی تھی ان کے چہرے پر اب بھی۔ وقت جیسے ان کے لیے واقعی تھم گئی تھا۔ کتنا پُرسحر کر دیا تھا وقت نے انہیں۔ کوئی انجانی سی کشش بھر دی تھی اس میں۔ تبھی تو شاید اذہان حسن بخاری کی نگاہ بھی بلا ارادہ اس جانب اُٹھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

وہ لامعہ کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھی اسائنمنٹ پر اہم ڈسکشن کرتے ہوئے سوڈے کے سپ لے رہی تھی جب یکدم سامنے اس کی نگاہ اُٹھی تھی اور وہ چونک گئی تھی۔

عفنان علی خان بڑے پُر اعتماد قدموں سے چلتا ہوا ان کی سمت بڑھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔ پھر لامعہ کی جانب دیکھا تھا جس کی اس جانب پشت تھی۔

''لامعہ! عفنان علی خان۔''

''ہاں...... ابھی کچھ دیر قبل فون آیا تھا ان کا۔ لیکن سر احسان الحق کی کلاس کے باعث کال مسڈ کال بن گئی۔'' لامعہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

''ہاں...... لیکن ابھی موصوف خود چلے آ رہے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔ پھر پلٹ کر نگاہ کی تھی مگر تب تک عفنان علی خان سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ جو یکدم اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کے یہاں پہنچ جانے پر جز بز ہو گئی تھی۔ وہ وہاں سے ہٹنا چاہ رہی تھی مگر اس کی آمد سے قبل۔ لیکن وہ شخص بھی ایک کائیاں تھا۔

''تم کہیں بھاگ رہی ہو؟'' لامعہ سے ہیلو ہائے کرنے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''پرفیکٹ۔ اور تم؟''

''پرفیکٹ ٹو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے شانے اُچکائے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''پھر تو بہت خوب جمے گی ہماری۔'' وہ حسب معمول شوخ تھا۔ اس نے لامعہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے لب بھی ہولے سے پھیل گئے تھے۔

''بیٹھو نا تم بھی۔'' اسے بدستور کھڑے دیکھ کر کہا تھا۔

''نہیں...... مجھے کچھ کام ہے۔'' وہ وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی سہولت سے کہتے ہوئی مسکرائی تھی۔

''انابیہ شاہ! ہم کوئی خاص راز و نیاز نہیں کرنے والے۔ بیٹھو تم۔'' لامعہ نے اب کے ڈپٹا تھا۔ اس نے دیکھا۔ وہ شخص اسے بغور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ہولے سے بیٹھ گئی۔

''میں یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا تم سے ملتا چلوں۔'' عفنان علی خان نے جواز دیا تھا۔

''اچھا کیا۔ مجھے بھی بہت زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ اور کینٹین کا اسٹف کھانے کا میرا کوئی موڈ نہ تھا۔'' لامعہ جواباً مسکرائی تھی۔

''اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہونا۔'' انابیہ شاہ مسکرائی تھی اور جہاں لامعہ ہنسی تھی وہیں وہ شخص مسکراتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

وہ مسکرا رہا تھا اور اسے ان آنکھوں کے رنگ آج بھی ویسے ہی لگے تھے۔ وہی لپکتی نظر، وہی وارفتگی، وہی دیوانہ پن۔

وہ یکدم ہی نگاہ پھیر گئی تھی۔

''لامعہ! تمہاری دوست کی آنکھوں کے رنگ بہت خوبصورت ہیں۔اس سے قبل جانتی ہو میں نے ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟''عفنان علی خان بہت مگن سا بول رہا تھا۔

''عفنان! تم میرے سامنے کسی اور کی تعریف کر رہے ہو؟''لامعہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔مگر وہ اسی قدر دلفریبی سے مسکرا دیا تھا۔

''نہیں......مگران آنکھوں نے مجھے شربت گلا کی یاد دلا دی ہے۔''

''شربت گلا؟ہُوازشی؟''لامعہ نے گھورا تھا۔مگر وہ ہنس دیا تھا اور بغور انابیہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

''شاید تم نہیں جانتی۔ایک افغانی خاتون تھیں۔سیون ٹیز میں جب مہاجرین کا ایک غول مائیگریٹ کر کے پاکستان آیا تھا،تبھی اس نے بھی سرحدوں پر لگنے والے ایک کیمپ میں قیام کیا تھا۔وہیں کسی انگریز فری لانس فوٹو گرافر نے اس کی آنکھوں کو،اس کے چہرے سمیت کیچر کیا تھا۔اس کی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔وہاں سے وہ شبیہ نکل کر دنیا بھر میں پھیل گئی۔مختلف رسائل کی فرنٹ پر اسے جگہ ملی۔قالینوں،غالیچوں پر اسے نقش کیا گیا۔بی لیومی،آج اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی اس کی آنکھوں پر ریسرچ کی جا رہی ہے۔امریکن یونیورسٹیز میں ان آنکھوں کے رنگوں پر اور ان آنکھوں سے نکلنے والی شعاعوں پر ریسرچ کی جا رہی ہے مگر اب تک سب ناکام ہیں۔سننے میں آیا ہے اس کی آنکھوں سے ست رنگی شعاعیں نکلتی ہیں جو دیکھنے والی نگاہ کو نہ صرف جکڑتی ہیں بلکہ اسے حیران بھی کر دیتی ہیں۔ہے نا امیزنگ اسٹوری؟''وہ ایک گہرے راز سے پردہ اُٹھاتا ہوا مسکرا رہا تھا۔تبھی لامعہ مسکراتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگی تھی۔

''حیران کن۔میں نے آج تک کیوں غور نہیں کیا؟''انابیہ شاہ موضوعِ گفتگو بننے پر کسی قدر اُلجھن کا شکار نظر آ رہی تھی۔

''آنکھیں تو واقعی خوبصورت ہیں تمہاری انابیہ شاہ! پھر تو شربت گلا کی طرح تمہاری آنکھوں پر بھی ریسرچ ہونی چاہئے۔''لامعہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی۔

وہ جیسے اس لمحے زبردستی مسکراتی تھی اور مکمل خود اعتمادی کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت تکنے لگی تھی۔

''آپ کی نالج تو خاصی کمال کی ہے۔میں تو سمجھی تھی آپ فقط باتیں ہی بنا سکتے ہیں۔''

''جو شخص جدید دور کی شربت گلا کو کھوج سکتا ہے وہ یقیناً بہت کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔''وہ بہت مضبوط لہجے میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔انداز ٹھوس اور مدلل تھا۔وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

''اٹھو اب فوراً......مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔''لامعہ یکدم بولی تھی۔ساتھ ہی انابیہ کی سمت دیکھا تھا۔

''تم بھی چلو۔اس روز بھی تم نے ٹال دیا تھا۔''انابیہ شاہ نے سامنے بیٹھے شخص پر اک نظر کی تھی۔اسے لگا تھا جیسے وہ نظریں اک آس سے اسے دیکھ رہی ہوں۔شاید پھر کوئی وہم۔پھر کوئی گمان۔

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''نہیں...... مجھے لائبریری میں کچھ کام ہے۔'' سہولت سے منع کرنے کے ساتھ ہی وہ مسکرائی تھی۔ ''ایکسکیوزمی۔'' ان کے اُٹھنے سے قبل ہی وہ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی کیفے ٹیریا سے نکلتی چلی گئی تھی اور اسے جانے کیوں لگا تھا کہ کوئی نظر اس کا تعاقب کر رہی ہو۔ بغور اسے دیکھ رہی ہو، جانچ رہی ہو۔ وہم تو نہ تھا شاید مگر یقین کرنے کو وہ پلٹ کر دیکھ بھی قطعاً نہ سکتی تھی۔

شربت گلا،سی آنکھیں۔

''جانتی ہو میں نے ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟'' اک مگن سا لہجہ۔ مگر وہ ہر تاثر کو جھٹکنے لگی تھی۔ پھر کبھی کچھ نہ سوچنے کے لیے۔

☆......☆......☆

اس دن کے بعد سے اس نے جتنی بار بھی اس واقعے کے متعلق سوچا تھا اسے وہ اک خواب لگا تھا۔ بھیانک ترین خواب۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ کر خود کو بہلا نہیں سکتی تھی۔ کوئی دلاسہ دے کر خود کو بے وجہ مطمئن نہیں کر سکتی تھی کوئی تسلی دل کے لیے نہیں تھی۔ کیونکہ جو نظر نے دیکھا تھا وہ کوئی خواب نہ تھا، حقیقت تھی۔ اٹل سچائی۔ اور وہ چاہتی بھی تو نہ تو جھٹلا سکتی تھی نہ ہی اسے فراموش کر سکتی تھی۔ کتنی سوئیاں سارے بدن میں چبھ رہی تھیں۔ کیسی سزا کی مستحق ٹھہری تھی وہ۔

وہ تو کسی اور دنیا کا شخص تھا۔ اس کے نک ڈھنگ تو کچھ اور تھے۔ وہ تو کچھ اور طرح کے خواب دیکھتا تھا۔ کتنی شاہانہ تھی اس کی طبیعت۔ اور وہ تو عام زمانوں میں بسنے والی، عام سی لڑکی تھی۔ عام سے خواب رکھنے والی۔ کتنا بے جوڑ میل تھا ان کا...... کتنا غلط فیصلہ تھا وقت کا۔

کتنی دیر تک وہ اپنی قسمت پر ماتم کرتی رہی تھی۔ بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی۔ کل رات پاپا سے بات ہوئی تھی۔ وہ اس کی بابت پریشان ہو رہے تھے۔ اس نے کسی طرح کا کوئی تاثر انہیں نہیں دیا تھا۔ یہی ظاہر کیا تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ ان کی بابت بے حد پریشان تھی وہ۔ اتنی تفاوتوں پر وہ پہلے ہی بے حوصلہ ہو رہے تھے۔ ان کی آواز کی نمی کو وہ دل سے محسوس کر رہی تھی۔

''پاپا! آپ رو رہے ہیں نا؟'' کہتے ہوئے اس کی خود کی آواز بھرا گئی تھی۔

''نہیں بیٹا! مگر تم اپنا خیال رکھو۔''

''جی...... مگر آپ کو اپنی کیئر کی ضرورت زیادہ ہے پاپا! اور میرب کو آپ کی بہت فکر ہے۔'' نہ چاہنے کے باوجود اس کی پلکیں بھیگتی چلی گئی تھیں۔

''نئی رپورٹس آ گئیں پاپا؟'' اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر یکدم دریافت کیا تھا۔

''ہوں، ہاں...... آ گئی ہیں۔'' وہ چونکے تھے۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز پاپا؟''

''ایوری تھنگ از فائن بیٹا!'' وہ مسکرائے تھے۔

''پاپا!'' وہ خود پر اختیار نہ رکھ سکی تھی۔

''میرب!'' اتنے فاصلوں پر پاپا نے جیسے اسے تنبیہ کی تھی مگر بہت سے آنسو چپ چاپ رخساروں پر بہتے چلے گئے تھے۔

''ڈاکٹر نے سرجری کے لیے کب کی ڈیٹ دی ہے پاپا؟''

''ابھی نہیں دی۔ مگر تم رونا نہیں میرب!''

وہ جانتی تھی اس کے اس طرح رونے سے پاپا کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ تبھی وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے زوباریہ اور فانی کے متعلق دریافت کرنے لگی تھی۔

''تم خوش ہو نا بیٹا؟'' پاپا نے یکدم اس سے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ پاپا یقیناً اس سے اس نئے رشتے، اس نئے حوالے کی بابت دریافت کر رہے تھے۔ وہ سر اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

''جی پاپا!''

''حمیرہ بیگم خیال رکھ رہی ہیں نا تمہارا؟...... تمہیں وہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟'' وہ متفکر تھے۔

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' اس نے پاپا کو مطمئن کیا تھا مگر خود اندر تک ایک بے اطمینانی پھیلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ چاہتے ہوئے بھی اس کے لیے یہ کڑوا گھونٹ پینا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

کیمپس جانا شروع کر دیا تھا مگر سیف الرحمٰن سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔

''کیا بات ہے...... تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟''

''نہیں تو۔'' وہ زبردستی مسکرائی تھی اور سیف الرحمٰن بغور اس کا چہرہ تکنے لگا تھا۔

''میرب سیال! تمہاری یہ آنکھیں جھوٹ کہنے کے فن سے واقف نہیں ہیں۔ تم انہیں سچ بولنے سے باز رکھنے میں قطعاً ناکام ہو۔ بتاؤ کیا بات ہے؟''

''نہیں...... کوئی بات نہیں ہے۔''

''منگنی سے خوش نہیں ہو؟'' اس نے پکڑا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے اس کی سمت دیکھنے سے اجتناب برتا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ بضد تھا۔

''میری کلاس ہے سیف الرحمٰن!''

''جان چھڑا رہی ہو مجھ سے......؟'' وہ مدلل لہجے میں بولا تھا اور وہ جواباً چپ سادھ کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''بہت پریشان ہو نا۔ پھر کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کیوں نہیں کر رہی ہو؟'' وہ اک نگاہ میں اس کے اندر تک کو پڑھ گیا تھا۔ کتنے سمندر

آن تھمے تھے اس کی آنکھوں میں۔مگر وہ ان تمام پانیوں کو اپنے اندر کہیں مدغم کرنے کے جتن کرنے لگی تھی۔

''میرب! میں سننا چاہتا ہوں، کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور کیا تم وہیں اپنے منگیتر کے گھر قیام پذیر ہوا بھی تک؟''

وہ سر جھکا گئی تھی۔پھر ہولے سے بولی تھی۔

''ہوں.....دراصل مجھے فقط منگنی کے لیے کہا گیا تھا مگر منگنی کی جگہ یکدم ہی نکاح کر دیا گیا اور.....'' وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریزاں تھی۔

''اور؟'' سیف الرحمٰن اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''اوں......ہوں......'' مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''میرب!''

اور اس کی آنکھوں کے کتنے بند اس دوستی سے پُر لہجے پر ٹوٹتے چلے گئے تھے۔سیف الرحمٰن نے فقط خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میرب!''

''مجھے پاپا بہت یاد آ رہے ہیں سیفی! مجھے سب اپنے بہت یاد آ رہے ہیں۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کا بڑا کمزور سا جواز دیا تھا۔ سیف الرحمٰن اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ کچھ تھا۔مگر فی الحال میرب اس سے کہنا نہیں چاہ رہی تھی۔سو اس نے بھی کریدنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔

میرب کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔سیفی نے اپنا رومال دیا تھا۔اس نے چہرہ پونچھا تھا اور چہرے کا رخ پھیر کر بولی تھی۔

''سیفی! یہ چیلنج زندگی میں بالکل اچانک آیا ہے۔میں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ میں نے کبھی اپنے لیے کسی جیون ساتھی کا کوئی تصوراتی خاکہ بھی نہ بنایا تھا۔عام لڑکیوں کی طرح کوئی پیکر بھی نہ تراشا تھا۔مجھ سے یہ تبدیلی ہضم نہیں ہو رہی۔''

''میرب! کتنی لڑکیاں ہیں جن کی اسی طرح بیٹھے بٹھائے اچانک شادیاں ہو جایا کرتی ہیں۔تم تو پھر بھی خوش نصیب ہو۔فقط نکاح کے بندھن میں بندھی ہو ابھی۔'' اس نے ماحول کی کثافت کو مسکرا کر دھونا چاہا تھا۔میرب بھی جیسے اس کا دل رکھنے کو مجبوراً مسکرائی تھی۔

''ہیں کیسے موصوف؟'' قدرے توقف سے اس نے دریافت کیا تھا۔وہ بے طرح چونکی تھی۔پھر اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

''بہت اچھے ہیں۔''

''کس قدر انڈر اسٹینڈنگ ہوئی؟''

''فقط بیس دن تو گزرے ہیں۔اور اتنے دنوں میں کہاں انڈر اسٹینڈنگ ہوتی ہے۔اتنے تو بزی رہتے ہیں وہ۔ملکوں ملکوں سفر رہتا ہے۔بس ایک آدھ بار بات ہوئی ہے۔وہ بھی سرسری سی۔''

''سرسری سی؟'' اس نے چھیڑا تھا۔وہ ہنس دی تھی۔

''اب ارینج شادیوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''تمہیں کیسے لگتے ہیں موصوف؟''

''پتہ نہیں......ابھی تو بغور دیکھا بھی نہیں۔'' وہ زبردستی مسکرا رہی تھی، مسلسل۔

''میرب! تم اتنی دقیانوسی خیالات کی حامل تو کبھی نہ تھیں۔ لیکن سنو، اچھا وقت ہے یہ۔ جب تم ان کے یہاں قیام پذیر ہو۔ کوشش کرو اس کے مزاج کو سمجھ لو۔ ایک اچھی گھرداری میں یہ باتیں بڑی معاون ثابت ہوتی ہیں۔''

''اب تم مجھے گھرداری کے سنہرے اصول سمجھاؤ گے۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''مجبوری ہے......اس وقت کوئی بزرگ تمہارے قریب موجود نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''یہاں سب کو سبھی کچھ نہیں ملتا میرب! لیکن کچھ ضرور مل جاتا ہے۔ سو جو مل جائے اسے سنبھال کر رکھو۔ عظیم جانو۔ یوں بھی خوشی کی ساری لاجک ہمارے اندر سے اُٹھتی ہے۔ ہم سوچیں گے ہمیں خوش رہنا ہے تو تبھی ہم درحقیقت خوش رہ بھی پائیں گے۔ تم بھی خوشیوں سے متعلق سوچنا شروع کر دو اور مستقبل کو وقت پر ڈال دو۔ جب جو ہوگا بہتر ہوگا......اپنے سارے خدشے، سارے وسوسے کہیں دفن کر دو اور آنکھوں میں خوابوں کو آنے کی جگہ دو......مجھے امید ہے کسی قدر افاقہ ہوگا۔'' وہ کہتے کہتے یکدم مسکرایا تھا۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

تبھی واچ مین نے آکر اطلاع دی تھی۔

''کوئی سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب بلاتا ہے تم کو۔ باہر گاڑی رکی ہے۔ وہ انتظار کر رہا ہے تمہارا۔ شاید لینے کے واسطے آیا ہے۔''

جہاں سیف الرحمٰن چونکا تھا، وہیں وہ بھی قدرے حیرت سے اس کی طرف تکنے لگی تھی۔

''لو......تم تو کہہ رہی تھیں انڈراسٹینڈنگ نہیں۔ یہاں تو کیمپس کے اوقات تک ازبر ہیں۔'' وہ یکدم مسکرایا تھا۔ وہ فائل اور دیگر اشیاء سنبھالتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

پارکنگ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سیاہ مرسڈیز کھڑی تھی۔ مگر فرنٹ سیٹ آل ریڈی کسی نازک اندام حسینہ کے وجود سے پُر تھی۔ وہ تھکے ماندے قدموں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔

کسی خاص حکم کی منتظر!

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سیاہ سن گلاسز آنکھوں سے ہٹائے بغیر اسے دیکھا تھا۔

''بیٹھو۔'' حکم صادر ہوا تھا اور وہ چپ چاپ، بنا کوئی تعرض برتے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ بہت سا دھواں آنکھوں میں بھرنے لگا تھا۔

کیا پھر وہی اس رات والا منظر ری پیٹ ہونے جا رہا تھا۔

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پشت کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ گاڑی کا ماحول اس گھڑی بڑا رومانٹک ہو رہا تھا۔ بڑی مدھر مہک پھیلی ہوئی تھی۔ دھیمی آواز میں بڑا سینٹی مینٹل سا ویسٹرن میوزک بج رہا تھا۔ شاید بہت دھیمے سُروں میں کوئی اک دوجے سے مخاطب بھی تھا۔ قصہ موضوع بحث تھا۔ کوئی داستان خاص چھڑی ہوئی تھی مابین۔

منظر اس رات سے کچھ میل کھاتا ہوا تھا۔ مگر چہرہ آج نیا تھا۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یکسانیت پسند نہ تھی۔

شاید اس نگاہ کو نئے منظروں کی بڑی جستجو تھی۔

وہ ہونٹ بھینچے جانے کیوں ساکت سی اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ حالانکہ اس کا تو کوئی حق بھی نہیں تھا۔ حق تو شاید سونپنے سے ہوتا ہے، دینے سے ہوتا ہے۔

اور اسے ابھی تک ایسی کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی۔

کوئی اقرار نہیں سونپا گیا تھا۔

مگر اس کے باوجود وہ ٹھہری نگاہ بڑی ساکت سی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسی لمحے قدرے چونکتے ہوئے بیک مرر سے اسے دیکھا تھا مگر اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ قطعاً خجل نہیں ہوئی تھی۔ بس نگاہ پھیری تھی اور کھڑکی کے اس پار دیکھنے لگی تھی۔

دوڑتے بھاگتے منظر۔

اور ان کی طرف بے ساختہ لپکتی نگاہ۔

اس کی حقیت بھی تو یہی تھی...... سیفی نے کہا تھا خوشیاں سوچو، خوشیاں تلاش کرو، آنکھوں میں خوابوں کو آنے کی جگہ دو...... اور وہ کیسے پکڑتی ان بھاگتے دوڑتے منظروں کو؟...... کیسے تعاقب کرتی ان کا؟

دوڑتے بھاگتے منظر تو شاید خواب ہوتے ہیں جو کبھی ہاتھ نہیں آتے۔ کبھی مٹھیوں میں نہیں دبوچے جا سکتے۔ اور پھر وہ ایسی بے حاصل کوشش کیسے کرتی، جب یقین کا اک لمحہ بھی نہ تھا۔

گاڑی اپنی رفتار سے چلتے چلتے یکدم رکی تھی۔

اس نے چونک کر دیکھا تھا...... وہ پری رُخ وجود مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین سے اجازت چاہ رہا تھا۔ کوئی امراء کی گلی تھی، اسٹریٹ کی دونوں جانب وسیع وعریض بینگلوز بنے ہوئے تھے۔

وہ وجود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان وجود کے قریب تھا۔ انداز میں شوق تھا، لگن تھی، کوئی گہری جستجو تھی۔ دونوں میں اختتامی کلمات کے ساتھ علامت رسومات بھی ادا ہوئی تھیں اور بالآخر وہ پری رُخ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل کر کھڑی ہوئی تھی۔ میرب سیال نہ چاہتے ہوئے بھی کنکھیوں سے اُن ناپسندیدہ منظروں کو دیکھ رہی تھی۔

اب وہ پری رُخ کھڑکی میں جھک آئی تھی۔ انداز میں جدوجہد بے قراری تھی۔

”رات تم آرہے ہونا؟“ باہر کھڑے ہونے کے باعث وہ پہلے کے مقابلے میں قدرے بلند آواز میں بولی تھی۔

”ہوں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اثبات کی مہر ثبت کی تھی۔

”اوکے۔“ وہ لڑکی بڑی ہی دل ربائی سے مسکرائی تھی، پھر کھلے گیٹ سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

میرب چہرے کا رُخ پھیرے کھڑکی سے اِدھر تکتی رہی تھی۔

وہ پری رخ چلی گئی تھی مگر گاڑی نہ چلی تھی۔ مگر میرب قطعاً چونکی نہ تھی۔ شاید کچھ اور ہونا باقی تھا ابھی۔ شاید کوئی اقدام خاص۔

”سنو......“

وہ خود میں مگن بیٹھی تھی جب بھاری لہجے میں اسے پکارا گیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی۔ کسی قدر حیرت سے اس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

”آگے آجاؤ تم۔“ ایک مزید حکم صادر ہوا تھا۔ وہ ساکت سی چند ثانیوں تک بیٹھی رہی تھی، پھر دروازہ کھول کر اُتری تھی اور اس خالی کی گئی سیٹ پر بہت ہولے سے بیٹھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

گویا اس کا حصہ یہ تھا۔

چیز اس کے مصرف میں بھی آنا تھی مگر!

کچھ لمحے اس کے نام بھی تھے مگر!

مگر شاید باقی بچ جانے کے بعد۔

اس کا شمار بھی ہونا تھا۔

مگر شمار ہو جانے والے تمام مطلوبہ نمبروں کے بعد۔

آہ...... کتنی ہی ٹیسیں اُٹھی تھیں اندر کہیں۔ کتنا درد اُٹھا تھا۔ کیا پا لیا تھا اس نے؟ کیا گنوا دیا تھا؟

شاید اپنا آپ، شاید سب کچھ!

کن بے قدرے ہاتھوں میں آئی تھی وہ!

کس مقام پر فٹ کیا گیا تھا اسے، جہاں پہلے سے سارے منظر بھرے ہوئے تھے۔ جہاں اس کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

کتنے سناٹوں کا پہرہ وجود کے اِردگرد بنتا چلا گیا تھا۔ کتنی مشکلوں میں گھر گیا تھا دل۔ کتنی خاموشیوں میں سمٹ گئی تھی جاں۔

اور تدارک کیا تھا؟

کیا تھا مداوا؟

کس قدر عجلت میں بنا کوئی چھان پھٹک کیے، اس کے نصیب کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔

اتنا بڑا فیصلہ......!

کیسے ہمدرد تھے اس کے، کیسے اپنے تھے،

کتنے مضبوط بندھن میں باندھ گئے تھے اسے...... کتنی مضبوط زنجیروں میں جکڑ گئے تھے اسے کہ وہ چاہتی بھی تو آزاد نہ ہو سکتی تھی۔

لیکن کیا اس بندھن کی جگہ اگر فقط ایک انگوٹھی اس کی انگلی میں ہوتی تو وہ اس قید سے خود کو نکال پاتی؟ اس بندھن سے خود کو آزاد کرا لیتی؟

شاید نہیں۔

وہ تب بھی اسی قدر کم زور ہوتی......اسی قدر بزدل اور ڈرپوک ہوتی۔ کیونکہ اس کا سر محبتوں کے سامنے جھکا تھا۔ مجبوریوں کے سامنے بے بس ہوا تھا وجود۔ اس نے اپنے چاہنے والوں کے لیے اپنی قربانی دی تھی۔ اُن کی خوشی کو مقدم جانتے ہوئے آنکھیں بند کر کے اس اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ بندھن بندھنے سے قبل بھی سب مخفی تھا اس پر مگر کچھ بے نام سے خدشے اندر سر اُٹھانے لگے تھے۔ اس کی چھٹی حس مسلسل اسے کسی آنے والے خطرے سے متعلق مطلع کر رہی تھی مگر اس نے پھر بھی کوئی آواز نہ سنی تھی۔ کسی حکم سے تائب نہیں ہوئی تھی وہ۔ اس پر تبھی منکشف تھا۔

کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی۔

لیکن اس وقت ''کچھ بھی'' کے معنی اس قدر واضح نہ تھے۔

کتنی خاموشی تھی چار سُو......شاید ساری ہلچل اس کے اندر ہی تھی۔ ساری وحشتیں فقط اس کے اندر ہی منڈلا رہی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس درجہ خاموشی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ بھولے سے بھی اس کے وجود پر اک نگاہ نہ ڈالی تھی۔ بھولے سے بھی اسے نہ دیکھا تھا، جیسے وہ اس کی موجودگی کی نفی کر رہا تھا۔ جیسے اس کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا ایک ہی معنی رکھتا تھا۔

میرب سیال نے اک نگاہ کی تھی اس طرف۔ اسے اک لمحے کو بغور دیکھا تھا۔

کس قدر پُر وجاہت تھا وہ شخص۔

کس قدر تمکنت تھی اس کے سبھی تیوروں میں۔

کس درجہ خود اعتمادی تھی۔

کتنی خصوصیات کا حامل تھا وہ اور کس قدر کشش تھی اس میں۔ اک زمانہ دیوانہ تھا اس کے لیے۔ کتنی ماہ رخیں پاگل تھیں، اس کی اک نگاہ کی منتظر۔ کیسی شان رکھتا تھا وہ۔ کیسا اک انجانا سا غرور اس کے چہرے پر تھا۔

وہ بلاشبہ بے انتہا کشش کا حامل تھا۔ بہت وجاہت تھی اس میں۔ اس کی بے تاثر نگاہ کے تیور بھی جان لٹا دینے پر مائل کرتے تھے۔

مگر اس کے باوجود کس قدر نفرت اُٹھ رہی تھی اس کے لیے میرب سیال کے دل سے۔

اس کا سارا اندر اس ایک انتہائی متاثر کن وجود کی بھرپور نفی کر رہا تھا۔ کوئی ایک جذبہ بھی نہیں اُٹھا تھا اس کے اندر اس شخص کے لیے۔ کتنا مضبوط تعلق مابین تھا مگر وہ اسے مسلسل رد کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کا سارا اندر اس کے خلاف جا رہا تھا۔

اور لڑکیوں کی ترجیحات کیا ہوتی ہیں...... ان کے خواب کیا ہوتے ہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی ترجیح قطعاً نہ تھا۔ اگر اسے اختیار دیا جاتا تو وہ سو بار رد کرتی۔ کیونکہ وہ اس کی ترجیح قطعاً نہیں تھا۔ بگڑے نوابوں سی خصوصیات لیے، ریاستی شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والا شخص کبھی بھی اس کی ترجیح نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ شاید مسلسل بلا ارادہ سردار سبکتگین کی طرف تکتی جا رہی تھی۔ ایک پل کو نگاہ کی تھی مگر خود میں اس قدر اُلجھی ہوئی تھی کہ نگاہ ساکت رہ جانے کا احتمال ہی نہ ہوا تھا۔ نگاہ ہٹانا یاد ہی نہ رہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک پل کو ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔ اور تب وہ قدرے چونکی تھی اور فوراً چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''مائی اماں نے حکم دیا تھا تمہیں گھر پہنچا دوں۔'' اس کی بھاری آواز یکدم اس کے اطراف پھیلی تھی۔ وہ پہلی بار اس کی توجہ کا مرکز ہوئی تھی، مگر دل میں کہیں کوئی اُمنگ، کوئی ترنگ نہ جاگی تھی۔ وہ فقط خالی خالی نظروں سے اس شخص کی جانب تکنے لگی تھی۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' شاید مائی اماں کی کسی تاکید پر وہ دریافت کر رہا تھا۔

میرب سیال نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا مگر اس نے بنا کان دھرے گاڑی ''چین ون'' کے سامنے روک دی تھی۔ وہ خاموش نظروں سے اس شخص کی جانب تکنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اس پر نگاہ کی تھی۔

''اترو۔'' حکم صادر ہوا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک اسی طرح سراسیمہ سی تکتی رہی تھی۔ پھر چہرے کا رُخ پھیر کر اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور خاموشی سے اُتر گئی تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ سردار سبکتگین حیدر کے کسی حکم سے اب تک جانے کیوں منحرف نہ ہو سکی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے شاپنگ کراتا رہا تھا۔

کتنی بہت سی اشیاء...... جن کی اسے ضرورت بھی نہ تھی اور جن کے لیے اس نے کوئی خواہش بھی ظاہر نہ کی تھی، وہ اس کے لیے منتخب کرتا جا رہا تھا۔ لیکن کچھ بھی لینے سے قبل وہ اک نظر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اتنا ضرور کہتا تھا۔

''ٹھیک ہے؟''

اور وہ سر نفی میں ہلانا جیسے بھول گئی تھی۔

پتہ نہیں اس شخص کا رعب تھا یا پھر وہ کمزور ہی اتنی ہو گئی تھی۔ وہ آج تک کوئی انکار کر ہی نہ سکی تھی۔ کتنی بدل گئی تھی وہ اتنے تھوڑے دنوں میں۔

کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے لیے۔ بالکل اپنے شایان شان۔ اپنی حیثیت کے مطابق۔ وہ

معمولی اشیاء کی سمت تکتا ہی نہ تھا۔ بے تاثر چیزوں پر اس کی نگاہ ٹھہرتی ہی نہ تھی۔ اس کی نگاہِ انتخاب بڑی بلند تھی۔

'تو کیا اس کے معاملے میں بھی؟' کیسا سوال اُٹھا تھا یکدم۔

اس کے متعلق سوچتے سوچتے یکدم خود اپنی ذات پر آ گئی تھی۔ مگر اندر بہت خاموش تھا، بڑا ساکت۔

''تمہیں بھوک تو ضرور لگی ہوگی۔'' چین ون سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے آنکھوں پر دوبارہ سیاہ سن گلاسز چڑھاتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھا۔ اور اب کے وہ کس قدر حیرت سے اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔ نہ تو سر اثبات میں ہلایا تھا نہ ہی نفی میں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اپنے مطلوبہ راستوں پر ڈال دی تھی۔

شاید آج کے تمام ''اقدامات'' کے لیے مائی اماں کی جانب سے بطور خاص ''تاکید'' ہوئی تھی۔

آج کا دن اس کے نام لکھ دیا گیا تھا تو اس میں بھی کوئی جواز تھا۔ شاید وہ مائی اماں کی کوئی بات ٹال نہیں سکتا تھا۔ کوئی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ اور شاید تبھی ایک لمحے میں اس کی سوچ خود اپنے آپ پر تھمی تھی تو اس کا انتخاب بھی کسی ایسے ہی حکم نامے کی طرح تھا۔

مائی اماں کی مرضی، ان کی پسند اور فقط ان کا حکم۔ وہ یقیناً سردار سبکتگین حیدر کی ترجیح نہ تھی۔ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اس ''ٹائپ'' کی تھی ہی نہیں۔ وہ تو اس کی فقط ''مجبوری'' تھی۔ جس طرح وہ اس کی ''مجبوری'' تھا۔

تو کیا دونوں فقط ''مجبوریوں'' کا بندھن نبھا رہے تھے؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی ایک ''میریٹ'' کے سامنے روک دی تھی۔

''اترو......'' ایک بار پھر حکم صادر ہوا تھا اور میرب سیال بہت خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اُتر گئی تھی۔ شاید اب اسے تاعمر ایسے ہی احکامات کی تابعداری کرنا تھی، بنا زبان کھولے، بنا اپنی مرضی جانے فقط سر اثبات میں ہلانا تھا اسے۔ کیونکہ یہی اس کی مجبوری تھی۔

دن بھر وہ ایک پُر وجاہت ترین شخص کے ساتھ رہی تھی۔

کتنے خوبصورت اور قیمتی لمحے بخشے تھے کسی نے اسے۔ مگر اس کے اندر پھر بھی ویسے ہی سناٹوں کا پہرہ تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ان تمام اقدامات کی حقیقت جانتی تھی۔ وہ شخص جس کی قربتوں کی ہزاروں ماہ رخیں فقط خواہش کرتی ہیں۔

وہ آج دن بھر اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ مگر کیسا بے تاثر سا لگ رہا تھا سب کچھ۔ کس قدر بے معنی۔

شام جب اس نے اسے ''لغاری ہاؤس'' کے باہر چھوڑا تھا اس اختتامی لمحے میں بھی وہ کس قدر بے تاثر تھی۔ کس قدر سناٹے تھے اندر۔ کہیں کوئی آہٹ نہیں تھی۔

☆......☆......☆

اور کتنی کوشش کی تھی کہ اس دیوانگی پر وہ قابو پا لے۔ وہ سامنے آئے تو وہ اس کی جانب نہ دیکھے۔ نگاہ میں وہ دیوانگی، وہ وارفتگی نہ اُمڈے۔ مگر عفنان علی خان مکمل طور پر بے بس رہا تھا۔ کتنا بے خود کر دیتی تھی اسے وہ ''شربت گلا''۔ کتنا اضطراب بھر دیتی تھی ساری جان میں۔

وہ جادوسی ست رنگی آنکھیں کتنے اسرار رکھتی تھیں اپنے اندر۔ کتنے بھید چھپے تھے ان میں۔ وہ بلا ارادہ ہی جیسے ان رازوں کو پانے کو بے خود ہو جایا کرتا تھا۔ اک پل میں وہ اپنے سارے اختیار، سارے ہوش کھو دیتا تھا۔

بیٹھے بٹھائے دل نے کیسے روگ لگائے تھے، کن منزلوں کا جنون دل میں آن سمایا تھا، کن راہوں کی لگن آنکھوں میں جاگنے لگی تھی۔

ذہن و دل کیسے پل میں مفلوج ہو جاتے تھے۔

کیسے کوئی تدبیر ہو ہی نہ پاتی تھی۔

وہ جانتا تھا یہ ٹھیک نہیں۔ مانتا تھا دل کہ وہ اس کے لیے ''شجر ممنوع'' ہے جس تک اس کی رسائی قطعاً کبھی ممکن نہیں۔ اس کے راستے کوئی اور ہیں اور اس کے راستے کوئی اور۔ جب کہ وہ ایک نئے راستے کا تعین اپنے لیے کر چکا ہے، ایک نئی راہ اپنا چکا ہے۔

کسی بندھن کا پابند ہو چکا ہے، کسی نئے تعلق میں بندھنے کی ابتدا کر چکا ہے، پھر یہ سب کچھ بے معنی ہے۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

مگر دل سمجھ نہ پا رہا تھا۔

اس روز جب پی سی میں اسے دیکھا تھا تو قدموں کو اس کی سمت بڑھنے سے قطعاً نہ روک سکا۔ قدم اُٹھے تھے اور وہ چلتا ہوا اس کے سامنے جا رکا تھا۔ اور وہ کس قدر حیرت سے سر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ......؟'' اس کی نظروں میں کس قدر حیرت تھی۔ شاید وہ اس پل مروتاً مسکرائی تھی۔

''کیسی ہو تم؟'' وہ ایسے مخاطب ہوا تھا جیسے صدیوں کی پہچان رکھتا ہو۔ لہجے میں اتنی اپنائیت تھی جیسے وہ برسوں سے اس سے واقف رہا ہو اور ایسا اول دن سے تھا۔ انابیہ شاہ کے لب ایک بار پھر مروتاً پھیلے تھے۔

''ٹھیک ہوں......اور آپ؟''

''پرفیکٹ۔'' وہ اسی بے خودی سے مسکرایا تھا۔

''ایک ورکشاپ اٹینڈ کرنا تھی۔'' انابیہ شاہ نے شاید مروتاً مسکراتے ہوئے جواز دیا تھا۔

وہ بغور دیکھنے لگا تھا۔

''لامعہ نہیں آئی؟''

''نہیں......شاید وہ کہیں اور مصروف تھی۔''

''اٹینڈ کر لی ورکشاپ؟'' بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ نے رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ایسا قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے سامنے سے یونہی ایک پل میں ہٹ جاتی۔ مانا کوئی گہرے مراسم نہ تھے، کوئی وابستگی نہ تھی، کوئی گہری آشنائی بھی نہ تھی، مگر ایسا بھی نہ تھا کہ سرے سے کوئی تعلق ہی موجود نہ ہو۔ لامعہ حق کا حوالہ رد کیے جانے کے قابل تو نہ تھا۔ شاید تبھی وہ تمام تر مروت بڑے سلیقے سے نبھا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس سراسیمہ سی کھڑی لڑکی کو بغور دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے اظہار مدعا کیا تھا۔

''کیا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں؟'' عجب خواہش لبوں پر مچل گئی تھی۔ جانے مقابل کا ردِعمل کیا ہوتا۔ وہ سنگِ مرمر سا تراشیدہ پیکر جانے کس وصف سے پیش آتا۔ جانے وہ گداز لب کیا کہتے۔ مگر یہ سچ تھا کہ اس لمحے میں وہ خود پر اختیار نہ رکھ پایا تھا۔ مگر اب جب ہوا تھا تو وہ اس صبیح چہرے سے اپنا دھیان ہٹا گیا تھا۔ مگر اس گھڑی وہ چمکتی آنکھیں اس کی سمت اُٹھی تھیں اور وہ تراشیدہ لب مسکرائے تھے۔

''ڈنر کروانے کے چکر میں ہیں؟'' کسی قدر شگفتہ انداز میں کہا گیا تھا۔ یقیناً وہ اس گھڑی ایک رسمی تعلق کو لے کر رسماً مسکرا رہی تھی۔ حالانکہ مذاق کا کوئی خاص تعلق درمیان استوار نہ تھا۔ عفنان علی خان بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''موسم سرد تو ہے......آئی تھنک، کافی، بہتر رہے گی۔ دراصل میں لامعہ کو شکوے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں آپ سے یہاں ملی تھی اور میں نے ڈھنگ سے آپ کو ٹریٹ نہیں کیا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔'' مسکراتے ہوئے اس نے وضاحت کی تھی اور اس کے انداز پر عفنان علی خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''تو آپ لامعہ کے ڈر سے مجھے اچھی طرح مل رہی ہیں؟'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کسی قدر پُر شکوہ انداز میں مسکرایا تھا۔

''نہیں......ایسی بات نہیں۔'' وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''کب سے جانتی ہیں آپ لامعہ کو؟'' کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''اسکول سے......ہماری اسکولنگ ساتھ ہوئی تھی۔'' انابیہ شاہ کا جواب بڑا مختصر تھا۔ اور وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''پھر اس سے قبل کیوں نہ ملیں آپ؟'' مسکراتے ہوئے شکوہ ہوا تھا۔

''اس سے قبل کبھی آپ نے منگنی بھی تو نہیں کی۔'' جواب بے حد برجستہ اور انداز شگفتہ تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے رنگ اس گھڑی بڑے شوخ سے تھے۔ وہ یقیناً مذاق کر کے بے حد محظوظ ہوئی تھی۔

''ویری انٹرسٹنگ۔ آپ کا سنس آف ہیومر خاصا اچھا ہے۔ آپ بہت مختلف ہیں۔''

''کس سے؟'' استفہامیہ انداز میں اس کی جانب تکتے ہوئے گویا ہوئی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''ہر کسی سے۔'' انداز بے حد مسرور تھا۔ انابیہ شاہ قدرے حیرت سے اسے تکنے لگی تھی۔

انابیہ شاہ کافی کے کپ سے اُٹھتے ہوئے دھوئیں کو بغور تکنے لگی تھی۔ عفنان علی خان کو شاید اپنی حد درجہ بے قراری کا ادراک ہوا تھا تبھی وہ لب بھینچ کر مسکرایا تھا۔

''لامعہ سے بہت مختلف ہو تم......کیسے، آئی مین کیسے دوستی ہوئی تم دونوں میں؟''

انابیہ نے کافی کے فلیور سے محظوظ ہوتے ہوئے عفنان علی خان کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بڑی متانت سے مسکرائی تھی۔

''دوستی یا انڈر اسٹینڈنگ کے لیے ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ آئی بلیو......کبھی ایک جیسے سائن ایک دوسرے کو اٹریکٹ نہیں کرتے۔ بیٹری بھی تبھی چارج ہوتی ہے جب ایک سائن نگیٹو اور دوسرا پوزیٹو ہو۔'' انداز بے حد مدلل تھا۔ عفنان علی خان اسے بغور تکتا

ہوا مسکرایا تھا۔ یقیناً مقابل کی بات قائل کر گئی تھی۔

''درست کہتے ہیں...... حسن چاروں شانے چت کر سکتا ہے۔'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔انابیہ شاہ جو کافی کا سپ لے رہی تھی، اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟'' اس کی آنکھوں کو بغور تکتے ہوئے کافی کا سپ لیا تھا۔اور وہ جو کسی قدر خود میں مگن تھی، چونک پڑی تھی۔ پھر قدرے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے اس مقابل بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔

''آپ کو کیسے خبر ہوئی کہ میں کچھ سوچ رہی ہوں؟''

''آپ کی آنکھیں سارے بھید کہہ جاتی ہیں۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔انابیہ شاہ بجائے کنفیوز ہونے کے مکمل اعتماد کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''لامعہ کا قیاس آپ کے متعلق خاصا مختلف ہے۔'' گداز لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔عفنان علی خان دلچسپی سے تکنے لگا تھا۔وضاحت قطعاً نہیں چاہتی تھی نہ ہی کوئی اختلاف رائے تھا۔بس فقط مسکرایا تھا۔

''آپ کیا کہتی ہیں؟'' مکمل اعتماد سے اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا گیا تھا اور انابیہ شاہ جو مکمل پُر اعتمادی کے ساتھ اس کی سمت دیکھ رہی تھی، کچھ بھی کہے بغیر نظریں پھیر گئی تھی۔تبھی عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''آپ کو کافی پسند ہے؟'' عجب سوال دریافت کیا گیا تھا۔

''ہوں......'' انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اس کا ٹیسٹ کڑوا اور کسیلا ہے اس لیے؟'' جانے وہ کیا پروف کرنا چاہ رہا تھا۔

''نہیں......اس میں چاکلیٹ اور کریم ہے اس لیے۔'' وہ مکمل غیر سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔اس کے غیر سنجیدہ انداز پر عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

جب بھی تم سے ملا ہوں یکسر
ایک نئی لڑکی لگی ہو تم
ایک سپ تلخ، ایک سپ شیریں
میری کافی میں گھل گئی ہو تم

کافی کے کپ کے کناروں پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے زیر لب مسکرایا تھا۔لہجہ دھیما تھا، آواز مدھم تھی، جیسے یہ کوئی مدھم سر گوشی ہو، کوئی خود کلامی ہو۔مگر ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ مدھم لہجہ کسی دوسرے کے کانوں تک نہ پہنچا ہو۔انابیہ شاہ نے یقیناً اس آواز کو سنا تھا مگر کسی بھی طرح کا ردِ عمل ظاہر کیے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی جیسے وہ بھی سنی اَن سنی کرنا چاہتی تھی۔

''ایک بات کہوں؟'' بہت ہولے سے اظہارِ مدعا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ نے فقط خاموشی سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا، کوئی اجازت نہیں دی تھی مگر وہ بولنے سے باز نہیں رہا تھا۔

''آپ کی ان آنکھوں میں رنگ باتیں کرتے ہیں۔ سبھی موسم بولتے ہیں۔'' عجب انکشاف تھا۔ انابیہ شاہ نے ساکت نظروں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تھینکس فور دی کافی۔'' قدرے رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے مقابل کو دیکھا تھا۔ اس کے خلاصی کرانے والے انداز پر عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے پُرشکوہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تو کیا ہم ساتھ باہر تک بھی نہیں جاسکتے؟'' بظاہر وہ نظریں پُرشکوہ تھیں مگر محظوظ ہونے کی کیفیت بے حد واضح تھی۔ وہ یقیناً اس گھڑی محظوظ ہو رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم اس کے ہمراہ آگے بڑھا دیئے تھے۔ بہت سے کام کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے اور محض رکھ رکھاؤ کے لیے بھی کرنا پڑتے ہیں۔ اور وہ بھی رسمِ دوستی نبھا رہی تھی۔ عفنان علی خان خاموش تھا مگر آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ کس درجہ سرشار تھا۔

کوئی سنگ تھا، ہمراہ تھا۔

مگر دل کے لیے یہ چند لمحے بھی غنیمت تھے۔ سنگت مختصر سی مگر پُرلطف تھی۔

☆......☆......☆

بہت سے کام دوسروں کی خوشی کے لیے کرنا پڑتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا کرنے میں بہت کچھ چپ چاپ اندر ٹوٹتا ہے، بکھرتا ہے اور دفن ہوتا چلا جاتا ہے۔ سید اذہان حسن بخاری کے لیے بھی ماں کے حکم پر سر جھکانا جیسے ایک لازمی جزو تھا۔ انکار اس کے لیے ناممکن تھا۔ سو اس نے سر جھکا دیا تھا۔ کیونکہ وہ سب کچھ کرسکتا تھا مگر اس ایک رشتے کی نفی نہیں کرسکتا تھا۔

سید سعد شاہ بخاری کو شاید اس کے آفس آنے کی اطلاع مل گئی تھی، تبھی وہ اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری میں اب بھی اتنا احساس تھا کہ وہ سامنے کھڑے باپ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پُر خائف نگاہ خفگی لیے ہوئے تھی، قدرے اجنبی تھی، وہ ان کی طرف سے مکمل طور پر غافل تھا، ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری نے مضبوط جسامت کے مالک بیٹے کو دیکھا تھا۔ اس لمبے چوڑے قد و کاٹھ میں وہ آج بھی ویسی ہی فطری معصومیت کا حامل تھا۔ سید سعد حسن شاہ بخاری کو وہ آج بھی کوئی چھوٹا سا بچہ ہی لگا تھا۔ وہ اس کے قریب آ گئے تھے، اسے بغور دیکھا تھا اور اس کے مضبوط شانے پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تھا۔ مگر سید اذہان حسن بخاری تب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے...... میں جانتا تھا۔'' دونوں ہاتھوں سے اس کے مضبوط شانوں کو تھامتے ہوئے وہ مسکرائے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری نے بہت ہولے سے گردن پھیر کر انہیں دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''یقین آپ کو خود پر نہیں، اس ہستی پر تھا جسے آپ نے اپنے عزائم کے لیے استعمال کیا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ سعد حسن شاہ

بخاری نے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''چلو...... کسی کے لیے سہی۔ تمہیں شاہ گروپ آف کمپنیز کا خیال تو آیا۔''

''خیال مجھے شاہ گروپ آف کمپنیز کا نہیں، اس کی گرتی ہوئی ساکھ کا تھا۔ میری ممی بھی تو اس کمپنی کی پچاس پرسینٹ کی شیئر ہولڈر ہیں۔ اور اگر میں کوئی نقصان شاہ گروپ آف کمپنیز کو پہنچاتا تو یقیناً میری ماں کو ایک اور نقصان سہنا پڑتا اور میں اپنی ماں کو کم از کم کوئی زک نہیں پہنچا سکتا۔'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ متانت سے پُر تھا۔ سید سعد حسن اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ پھر چہرے کا رُخ پھیر کر پُر افسوس انداز سے سر نفی میں ہلانے لگے تھے۔

''تم میرے اس حد تک خلاف جا سکتے ہو، مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ میرا بیٹا، میرا خون۔'' وہ عجیب بے بسی کے ساتھ بیٹے کی سمت تکنے لگے تھے۔ ''تم کیا سمجھتے ہو...... کس کے لیے کر رہا ہوں میں یہ سب کچھ، کس کے لیے؟ تمہارے لیے نا، اور کون ہے میرا۔ اور تم ایک پل میں......'' دھیما لہجہ کسی قدر کرب سے دوچار تھا۔ ''کس کے لیے ہے یہ میرا سب کچھ...... تمہارے لیے نا۔ یہ دوڑ دھوپ، یہ محنت، یہ کامیابیاں، یہ دولت کی ریل پیل، یہ نام یہ مرتبہ۔'' اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا مگر وہ بے تاثر کھڑا رہا تھا۔

''آپ نے مخالفت خود مول لی ہے پاپا!...... آپ نے یہ علیحدگی کی راہ خود پر منتخب کی ہے۔'' سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ چہرے کی رگیں بے حد تنی ہوئی تھیں۔ خود پر ایک جبر ناقابل بیان تھا۔

''کیا تم اس بات، اس واقعے کو بھلا نہیں سکتے؟'' عجب بے بسی سے کہتے ہوئے بے حد مضبوط قد و قامت کے مالک بیٹے کو دیکھا تھا جو بہت مضبوطی سے اس گھڑی ان کے سامنے ڈٹا کھڑا تھا اور اس گھڑی کس درجہ بے یقینی سے اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا وہ سب بھولنے کے قابل ہے؟ ...... پاپا! آپ نے ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ممی کا کیا قصور تھا، اتنی طویل رفاقت کا کیا صلہ دیا آپ نے انہیں؟ اور ماہا...... اُس کا کیا قصور تھا؟ آپ کو اس کا بھی خیال نہیں آیا۔'' کس قدر دھیمے انداز میں وہ مخاطب تھا اس گھڑی۔ مگر آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ اندر بہت سے طوفانوں کا مقابلہ اس کے لیے آسان نہیں ہے۔ وہ یقیناً اس وقت بہت سے بند باندھے کھڑا تھا۔

''پاپا! آپ کو لگتا ہو گا کہ آپ ایسا کر کے حق پر ہیں۔ مگر میں اپنی ماں یا اپنی بہن کو کوئی زک نہیں پہنچا سکتا، نہ ہی کوئی مخالفت سمت اختیار کر سکتا ہوں۔ آپ کے لیے اتنا کافی ہے کہ میں اب شاہ گروپ آف کمپنیز کے ساتھ ہوں۔ شاید آپ کو احساس نہیں ہے کہ آپ نے کیا کچھ کھو دیا ہے؟ اور میں آپ کو اس کا احساس دلانا بھی نہیں چاہتا۔ شاید میری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو۔ آئی ایم سوری، لیکن میں آپ کو معاف نہیں کر سکتا پاپا! مجھے اپنے سے وابستہ تمام رشتوں سے پیار ہے اور آپ نے نقصان میرا نہیں، مجھ سے وابستہ رشتوں کا کیا ہے۔'' مدھم لہجے میں بہت کچھ کہہ گیا تھا۔ کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور مضبوط قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری بیٹے کو تکتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر نے پاپا کی سرجری کی ڈیٹ دے دی تھی۔ اور جب سے اس نے یہ خبر سنی تھی اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے بے حد ڈر لگ رہا تھا۔ بہت سی خاموشی اندر پھیل رہی تھی اور آنکھیں کیسے بے ارادہ برس رہی تھیں۔ وہ ٹیرس کی سیڑھیوں پر بیٹھی گھٹنوں پر سر دھرے اس وقت خاموشی سے اپنے اندر کے غبار کو دھو رہی تھی، جب سردار سبکتگین حیدر لغاری مضبوط قدموں سے زینہ طے کرتا دکھائی دیا تھا۔ اس نے بلا ارادہ نگاہ کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی شاید بے ارادہ رکا تھا، اسے بغور دیکھا تھا پھر بے حد سپاٹ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''اینی پرابلم؟''

میرب سیال نے اسے دیکھا تھا، پھر بھیگی بھیگی آنکھوں کی تمام نمی کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند ثانیوں تک اسے اسی طرح خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بڑے بے تاثر انداز میں مضبوط قدم اُٹھاتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا تھا اور میرب سیال کے اندر کی خاموشی مزید گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

یہ تھا اس کا ہم سفر، اس کا رفیق زندگی۔

اس نے اس کے ایک لمحے کی بھی خبر نہ لی تھی۔

ایک لمحے کے ایک غم کو بھی نہ بانٹا تھا۔ اس سے وہ کسی خوشی کی امید کیا کرتی۔ اسے تو دو حرف تسلی تک میسر نہ تھے۔ ایک شانہ مہربان نصیب نہ تھا۔ کس درجہ تنہا تھی وہ۔ کس درجہ اکیلی۔ وہ اُٹھی تھی اور نیم جاں قدموں سے چلتی کمرے میں آ گئی تھی۔ کتنی دیر تک وہ چپ چاپ بیڈ پر لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت کی سطح کو تکتی چلی گئی تھی۔ اچانک آہٹ ہوئی تھی مگر وہ چونکی نہیں تھی، دھیان نہیں پھیرا تھا۔ مائی اماں نے دہلیز پر رک کر اسے دیکھا تھا، پھر اندر چلی آئی تھی۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔

''میرب! میرے بچے! کیا ہوا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خود خبر نہ لی تھی مگر مسیحائی کرنے کو کسی اور کو ضرور بھیج دیا تھا۔ شاید کسی قدر انسانیت اس میں اب بھی باقی تھی۔ مائی اماں اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھنے لگی تھیں۔

اس نے اچانک اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں میں......آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔'' اس کا لہجہ دھیما مگر کسی قدر سرد تھا۔

مائی اماں نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ بھینچ گئی تھیں۔

''کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو تم؟......کیا کسی غیر گھر میں ہو؟ بیٹا! کیا تمہیں ہم سے کوئی شکایت ہے؟......سبکتگین حیدر نے کہا ہے کچھ؟ مجھے بتاؤ طبیعت ٹھکانے لگا دوں گی اس کی۔''

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ آنکھیں یکدم ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''میرب!'' مائی اماں نے بہت آہستگی سے اس کا چہرہ اوپر اُٹھایا تھا۔ تبھی اس کی آنکھوں میں ٹھہرے سمندر چھلک پڑے تھے۔

''ڈاکٹر نے پاپا کی ہارٹ سرجری کی ڈیٹ دے دی ہے۔'' سر جھکا کر وہ بولی تھی۔ مائی اماں نے اسے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''بیٹا! اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟...... انشاءاللہ سرجری کامیاب ہوگی اور مظہر صاحب تندرست ہو کر وطن واپس لوٹیں گے...... تم بس ان کی تندرستی کے لیے دعا کرو۔ خدا بیٹیوں کی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں کرتا۔'' انہوں نے حوصلہ بندھایا تھا۔ مگر دل کو پھر بھی ڈھارس نہیں ہوئی تھی۔

''اگر تم زیادہ پریشان ہو تو میں سبکتگین سے کہتی ہوں، وہ تمہیں ان کے پاس لے جائے۔''

''نہیں مائی اماں! اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ یقیناً سبکتگین حیدر لغاری کو کسی قسم کی تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔ مائی اماں نے خاموشی سے اسے دیکھا تبھی وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ابھی فون پر بات ہوئی ہے میری ان سے۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے انشاءاللہ۔'' اس نے جیسے خود کو ڈھارس دی تھی۔ اپنے اندر کے خدشوں کا گلا گھونٹا تھا۔ حمیرہ بیگم اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''تم خود کو، اس گھر میں پرایا سمجھتی ہو نا؟''

''نن...... نہیں، ایسی بات نہیں۔'' میرب سیال نے فوراً نفی کی تھی۔

''تو پھر اپنا دکھ، اپنی تکلیفیں چھپاتی کیوں ہو ہم سے؟...... تمہیں لگتا ہے میں تمہاری ماں نہیں ہوں؟'' مائی اماں نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا تھا۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں مائی اماں! دراصل میں......'' اور اس سے آگے اس سے کوئی بہانہ بن نہ پڑا تھا۔ شاید تبھی وہ چپ سادھ گئی تھی۔ مائی اماں نے اسے دیکھا تھا پھر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''جس قدر اس گھر پر سبکتگین حیدر کا حق ہے، اسی قدر تمہارا بھی ہے۔ جتنی میں اس کی ماں ہوں، اتنی تمہاری بھی ہوں۔ خدا تمہیں سُکھ ہی سُکھ دے۔ لیکن اگر کوئی پریشانی ستائے تو تم اپنی اس ماں سے بیان کر سکتی ہو۔''

''جی ضرور مائی اماں!'' سبکتگین حیدر لغاری کی طرح وہ بھی دانستہ نادانستہ حمیرہ بیگم کو مائی اماں کہنے لگی تھی۔ شاید ان کے ہاں رسماً ماں کو مائی اماں بلایا جاتا تھا اور وہ لاشعوری طور پر ان سب رسموں کو قبول کر رہی تھی۔ ان رشتوں کو قبول کر رہی تھی۔

''چلو اُٹھو...... فوراً فریش ہو جاؤ۔ میں سبکتگین حیدر سے کہہ دیتی ہوں، وہ تمہیں کہیں باہر لے جائے۔''

''نن...... نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔'' میرب سیال نے ایک لمحے میں نفی کرتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی بہت ڈسٹرب تھی اور مزید کوئی پریشانی مول لینا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ کہیں جانے کا مطلب تھا اپنے لیے ایک نیا دردِ سر ڈھونڈنا۔ سو اس نے مائی اماں کے اس فیصلے کو ایک لمحے میں رد کیا تھا۔

مائی اماں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''سبکتگین حیدر سے کوئی شکایت ہے تمہیں؟''

''نہیں......ایسا نہیں ہے۔ میں بس آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے دھیان ان کی سمت سے ہٹاتے ہوئے کہا تھا اور تب مائی اماں اس کے چہرے کو ہولے سے تھپکتے ہوئے اُٹھی تھیں اور باہر نکل گئی تھیں۔

اور اس کے بعد میرب سیال کتنی دیر تک لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت کی سطح کو گھورتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

مکمل ادراک تھا اسے۔ وہ تمام صورتِ حال مکمل طور پر ''اختیار'' میں رکھنا چاہتا تھا۔ مگر ایک ''بے اختیاری'' اس کی جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ جانتا تھا وہ کچھ بھی ممکن نہیں مگر وہ بے ارادہ اُٹھتے ہوئے قدموں کو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ جب بھی سامنے آتی تھی، پہلے سے زیادہ مشکل میں ڈال جاتی تھی۔ جان پہلے سے بھی زیادہ مشکل میں گھر جاتی تھی۔ جانے کیا جادو تھا ان شربتی آنکھوں میں، جانے کیسے بھید تھے ان آنکھوں کے۔ دیکھتی تھی تو بے خود سا کر جاتی تھی۔

جیسے وہ سب اختیار رکھتی ہو، سارے منتر ازبر تھے، اسے اپنے بس میں کرنے کے۔

کیسی عجب تھی وہ۔

کیسی عجب تھیں وہ آنکھیں......اور وہ خود......!

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے گاڑی کا گیئر بدلا تھا۔ اپنی بے بسی پر بڑا غصہ بھی آیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا یا اس نے خود کو سمجھانے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ کئی بار باور کرایا تھا مگر لاکھ سمجھانے پر بھی افاقہ قطعاً نہ ہوا تھا۔ وہ سامنے آتی تھی اور سارے منظر اپنے سنگ باندھ لیتی تھی۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت خاصی رونق تھی......شام کا وقت تھا، موسم بھی دلفریب تھا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ تمام منظر بھیگ رہا تھا ......مگر اس کے اندر وہی دو آنکھیں جھانک رہی تھیں......جھیل سیف الملوک جیسی۔

وہ سوچوں میں غلطاں تھا جب اس کا پرسنل سیل چیخ اُٹھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ سے فون اُٹھایا تھا۔ فون کی اسکرین پر واضح طور پر ''لامعہ'' لکھا ہوا تھا۔ اُس نے کال بک کر لی تھی۔

''کہاں ہو تم اس وقت؟'' لامعہ نے پہلی فرصت میں دریافت کیا تھا۔

''سن سٹ بولوارڈ لے رہا ہوں۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ انداز قدرے بجھا بجھا سا تھا۔ مگر لامعہ نے جیسے محسوس ہی نہ کیا تھا۔ فوراً بولی تھی۔

''پھر تو تم صحیح سمت آ رہے ہو۔''

''عفنان علی خان نے کبھی اپنی عقل وخرد سے غلط سمت اختیار نہیں کی۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز کسی قدر چوٹ کرتا ہوا تھا۔ جانے وہ اس لمحے کس پر خفا تھا۔ خود پر، اپنی تقدیر پر، اس وقت پر یا لامعہ حق پر۔

''آئی نو...... میں جانتی ہوں۔ میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔'' لامعہ حق مسکرائی تھی۔ ''ایسا کرو اگر تم سن سٹ بولوارڈ لے چکے ہو تو ناک کی سیدھ پر آجاؤ۔ ہم ''لبرٹی'' پر ہیں۔ میں نے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا تھا۔ دراصل ماما کو گاڑی کی ضرورت تھی۔ ان کی گاڑی ورکشاپ میں تھی۔ مجھے علم نہیں تھا موسم ایسا ہو جائے گا۔ فی الحال تو فقط بوندا باندی ہے مگر اعتبار کچھ نہیں ہے۔ ہم یہیں فورم پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ آجاؤ۔''

''اوکے۔'' اس نے جیسے مجبوراً سر ہلایا تھا۔ وہ فون بند کرنے والا ہی تھا مگر تبھی لامعہ بولی تھی۔

''موسم انجوائے کر رہے ہو؟'' وہ اس کے لہجے کی تھکن محسوس کرتی ہوئی دھیمے سے مسکرائی تھی۔ ارادہ شاید اس کی کسی قدر دل جوئی کا تھا مگر اس جانب کیسے کیسے بخیے نہ اُدھیڑے گئے تھے۔ مروتاً ایک مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے انداز قدرے خوش گوار اختیار کیا تھا۔

''آف کورس...... موسم بہت خوبصورت ہے۔''

''مگر مجھ سے زیادہ نہیں، ہے نا؟'' لامعہ کھلکھلائی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''ہاں......'' جھوٹ بولنا کسی قدر محال لگا تھا۔ مگر جیسے لامحالہ خلاصی کرائی تھی۔

''سنو۔'' اِدھر انداز سرسری تھا۔

''سیٹ بیلٹ باندھا ہے نا؟'' لامعہ کے لہجے میں کتنی فکر تھی۔

''ہاں......'' ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''اوکے...... دین ڈرائیو کیئر فلی۔'' نصیحت کی تھی۔ ''آئی ایم ویٹنگ فور یو۔'' بڑے دھیمے سے مضمون خاص کہا تھا مگر اس جانب سے فقط ''اوکے'' کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

گاڑی فورم کے سامنے روکتے ہوئے اسے اندازہ نہ تھا کہ لبرٹی میں لامعہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔ شاید تبھی اسے سامنے پا کر یکدم اپنے اندر سے اُٹھتی ہوئی سرشاری کو دبا نہ سکا تھا۔

اسکائی بلیو شیفون کے جدید تراش خراش کے ملبوس میں وہ آج بھی جیسے ایک جادو تھی۔ وہ جھیل آنکھیں آج بھی اتنا ہی فسوں طاری کر رہی تھیں۔ وہ سارے رنگ آج بھی اسی طور اپنے حصار میں باندھ رہے تھے۔ لامعہ نے فرنٹ ڈور سیٹ سنبھالی تھی جبکہ وہ بہت آہستگی سے پیچھے کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟...... لہجہ تو تمہارا بڑا اُلجھا اُلجھا سا لگ رہا تھا۔ ٹھیک تو ہو نا؟'' لامعہ نے اسے سامنے پا کر نئے سرے سے حال دریافت کیا تھا۔ وہ گاڑی سروس روڈ سے نکالتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"کچھ تھکن ہوگئی تھی۔ مگر اب بہتر ہوں۔ تمہیں دیکھ لیا ہے نا۔" نگاہوں میں کسی قدر شوخی بھر کر فرمایا گیا تھا۔ لامعہ اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"یو چیٹر......خوامخواہ مجھے پریشان کر دیا۔ تم سے بات کر کے میں مسلسل انابیہ شاہ کے کان کھاتی رہی کہ کہیں میں نے تمہیں خوامخواہ ڈسٹرب تو نہیں کر دیا؟ اور تم ہو کہ کتنے فریش نظر آ رہے ہو اس وقت۔" بغور اسے دیکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ بیک مرر سے ایک نظر پیچھے کے منظر پر ڈالی تھی۔

"آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ بائے دی وے، یہ تم نے اتنی موٹی موٹی کتابیں کس لیے خرید لیں؟ تمہارا دماغ تو پہلے ہی خاصا کمزور سا ہے۔ کیوں ظلم کر رہی ہو اتنا اس پر؟" بڑا شگفتہ سا مذاق ہوا تھا۔ لامعہ مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تھی، ساتھ ہی مسکرائی تھی۔

"شٹ اَپ عفنان علی خان! یہ میری نہیں، انابیہ شاہ کی ہیں۔"

"اوہ......تبھی میں نے سوچا تمہارا ذوق کب سے اتنا عمدہ ہو گیا۔" اس نے پھر چھیڑا تھا۔ ساتھ ہی ایک اچٹتی سی نظر پیچھے کے منظر پر بھی ڈالی تھی۔

موسم سے قطع نظر، ہر طرف سے بے نیاز اس گھڑی، چاروں سمت سے آنکھیں چرائے ایک کتاب کو چہرے کے گرد پھیلائے وہ جیسے کسی خواب کی منتظر تھی۔ "مصروفیت" اگرچہ خوب تھی مگر عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی تھی جیسے وہ ان "فرار لمحوں" کا بھید پا گیا تھا۔ جیسے اس نے قصداً اختیار کی گئی مصروفیت کا بھید پا لیا تھا۔ شاید وہ ان لمحوں میں جان بوجھ کر غافل رہنا چاہتی تھی۔

لامعہ ساتھ تھی، سو اس کی نگاہ کسی قدر محتاط تھی۔

"یہ تم فوراً گاڑی گھر کی طرف لے جا رہے ہو۔" لامعہ نے اسے ٹوکا۔

"کیوں......تمہیں کہاں جانا ہے؟" عفنان علی خان نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں جلدی ہے کیا؟" بڑے اختیار سے ڈپٹا گیا تھا۔ عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

"جناب حکم کریں تو گاڑی اسی موڑ پر روک دوں اور تاعمر کھڑا رہوں۔" سعادت مندی کی حد تھی۔

لامعہ مسکرائی تھی۔

"زیادہ بے بچے مت بنو۔ انابیہ شاہ بھی ساتھ ہے۔"

"اوہ، تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" عجب شرارت سی تھی لہجے میں۔

"تمہیں اتنی بڑی، اتنی اہم میری دوست دکھائی نہیں دی؟" لامعہ نے ڈپٹا تھا۔ ساتھ ہی مسکراتے ہوئے رخ پھیر کر انابیہ شاہ کی طرف نگاہ کی تھی۔

"دیکھو انابیہ! یہاں تمہیں یکسر فراموش کیا جا رہا ہے اور تم ہو کہ منہ سے بول تک نہیں رہی ہو۔ کم از کم کوئی احتجاج ہی کر دو۔"

انابیہ نے کتاب نظروں کے سامنے سے ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے معلوم تھا تم مجھے ڈی فنڈ کر لوگی۔" دھیمے انداز میں مسکرائی تھی۔ "مجھے پہلے گھر چھوڑ دو۔ ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔" اس نے درخواست بالواسطہ کی تھی۔ اس کی مخاطب اس گھڑی فقط لامعہ حق تھی۔

"تم بھی کتنی بورنگ ہونا۔ میں تو سوچ رہی تھی آئس کریم کے لیے چلتے ہیں۔ اتنا خوبصورت موسم ہو رہا ہے۔ اور ایک تم ہو۔ کتنی بڈھی روح ہے نا تم میں۔ اس موسم میں بھی اتنی خشک کتاب میں سر دیئے بیٹھی ہو۔ کم از کم ان بھیگتے منظروں کو ہی ایک نظر دیکھ لو۔ وجود میں پل میں ایک توانائی سے بھر دیتے ہیں یہ موسم۔ اور تم ہو کہ۔" لامعہ حق نے پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔

عفنان علی خان نے ایک نظر پیچھے کی طرف ڈالی تھی۔ نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی مگر دوسری نگاہ اسی قدر بے تاثر انداز میں اجنبی ہو گئی تھی۔

"عفنان! مجھے تم بعد میں چھوڑ دینا، پہلے انابیہ کو چھوڑ دو۔" لامعہ حکم صادر کر کے سیدھی ہوئی تھی اور ڈیش بورڈ پر دھری کیسٹس دیکھنے لگی تھی۔ چند لمحوں کی چھان پھٹک کے بعد اس نے ایک کیسٹ اُٹھا کر پلیئر میں ڈال دی تھی۔

جے تُوں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا!

تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

جے تُوں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا

تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

استاد نصرت فتح علی خان کی آواز اطراف میں پھیلتی ہوئی سارے ماحول کو اپنے سنگ باندھ گئی تھی۔ بے قراری سوا ہونے لگی تھی۔ جان مشکل میں گھرنے لگی تھی۔ مگر وہ جادو سا پیکر اسی طور پر خائف تھا۔

جے تُوں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا!

تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

جے تُوں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا

تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

اندر باہر قیامتیں ہی قیامتیں تھیں۔ مگر بظاہر وہ خود پر مکمل اختیار قائم کیے ان تیزی سے بھیگتے ہوئے منظروں والے راستے پر گاڑی دوڑائے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سید اذہان حسن بخاری بہت تھکن زدہ سا گھر پہنچا تھا، جب اگینے ممی کے پاس اسے بیٹھی دکھائی دی تھیں۔

"آپ یہاں؟" تھکن زدہ چہرے پر مسکراہٹ یقیناً بہت مشکل سے آئی تھی۔

"کیوں...... میں یہاں نہیں آسکتی؟......تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ یہ گھر میرے بھائی اور بھابی کا بھی ہے اور میں رشتے میں تمہاری پھوپھی بھی ہوں۔" اگینے مسکرائی تھیں۔مگر اس کے چہرے کا تناؤ پھر عود کر آیا تھا۔باپ کے رشتے کے حوالے نے شاید اسے زیادہ خوش نہیں کیا تھا۔فارحہ نے اسے دیکھا تھا، پھر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں امی! آپ بیٹھیے۔"اس نے ماں کے آرام کے خیال سے قصداً تعرض برتا تھا۔فارحہ نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا تھا۔

"صورت دیکھو اپنی، کتنی اُتری ہوئی ہے......میرا خیال رکھتے ہو، مجھے اپنا خیال نہیں کرنے دو گے۔"انہوں نے مامتا سے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔اگینے بغور دیکھتی ہوئی مسکرادی تھیں۔

"آپ کی حد درجہ اسمارٹنس اور خوبصورتی کی وجہ آج سمجھ میں آئی ہے بھابی! آپ تبھی بچوں کی ماں کی بجائے بڑی بہن دکھائی دیتی ہیں۔اتنا خیال جو رکھتے ہیں بچے آپ کا۔" پیچ کلر کی تھریڈ ورک والی شیفون کی ساڑھی کا پلّو شانے پر درست کیا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"تم دونوں باتیں کرو، میں آتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی فارحہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔اذہان حسن بخاری کھویا کھویا سا ماں کی طرف تکتا چلا گیا تھا۔اگینے نے بغور اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"فارحہ بھابی بہت لکی ہیں......انہیں تم جیسا تابعدار بیٹا خدا نے دیا ہے۔"

"نہیں......لکی میں ہوں، جو مجھے ان جیسی ماں ملی ہیں۔یونو اگینے! میں ممی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں، کچھ بھی۔مجھے ان کی آنکھ میں آنے والا ایک نمی کا قطرہ بھی برداشت کرنا محال لگتا ہے۔"

"تبھی تو کہہ رہی ہوں، بھابی خوش قسمت ماں ہیں۔ہر کسی کو اتنی نیک اور سعادت مند اولاد نہیں ملتی۔جبکہ والدین سارے ہی محبت کرنے والے اور اپنے بچوں کا خیال کرنے والے ہوتے ہیں۔"

سید اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔خاموشی سے کوٹ اُتار کر صوفے کی پشت پر دھرا تھا، پھر ٹائی کی ناٹ بھی قدرے ڈھیلی کر دی تھی۔انداز خاصا تھکا ماندہ تھا، جیسے اس کے وجود پر برسوں کی تھکن ہو۔اگینے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"بہت تھک گئے ہو؟"

"نہیں۔" وہ جو صوفے کی پشت پر سر دھرے، آنکھیں موندے ہولے ہولے کنپٹیوں کو دبا رہا تھا، یکدم ہی چونک کر آنکھیں کھولتا ہوا سیدھا ہو گیا تھا۔البتہ بایاں بازو اب بھی صوفے کی پشت پر ایزی انداز میں پھیلایا ہوا تھا۔اگینے نے فقط اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔سید سعد حسن بخاری کی رشتے کی کزن تھیں وہ۔خاندان ایک تھا۔سو یہ کیسے ممکن تھا کہ خاندان میں ہونے والی کوئی بات پوشیدہ رہ پاتی۔وہ یقیناً اس کی اس اسٹریس کی وجہ سمجھ رہی تھیں مگر کچھ کہنا مناسب نہ جانا تھا۔اگرچہ وہ عمر میں اس سے خاصی بڑی تھیں مگر اس نے کبھی انہیں اپنے باپ کے

حوالے سے نہ لیا تھا۔عزیز اس کا بیسٹ فرینڈ تھا اور اگینے اس کے لیے بھی وہی حیثیت رکھتی تھیں جو عزیر کے لیے۔ بچپن سے ان کے گھر آنا جانا تھا۔ وہ انہیں کسی خاص حوالے سے نہیں بلاتا تھا۔ بس فقط ''اگینے'' کہتا تھا۔

''آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں اگینے؟'' اسے بغور اپنی طرف تکتا پا کر بولا۔ اگینے نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھیں۔

''تم مجھے اجنبی خیال کرتے ہو اذہان حسن بخاری؟''

''کیوں؟......آپ کو کیونکر لگا؟'' وہ قدرے چونکا تھا۔ وہ جواباً خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔ تبھی ملازم چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر آ گیا تھا۔ وہ دونوں لمحہ بھر کو خاموش ہی رہے تھے اگینے نے چائے بنا کر کپ اس کی سمت بڑھایا تھا، ساتھ ہی مسکرائی تھیں۔

''جب میں شادی کر کے گئی تھی تو تب تم نحیف و کمزور سے نوعمر لڑکے تھے۔ تب تم فقط ایک چمچ شکر لیتے تھے۔ میں نے اسی انداز سے شکر ملا دی ہے۔ یقیناً تمہارا ٹیسٹ اب بھی ویسا ہی ہوگا۔'' قیاس بہت خوب تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ کپ تھام کر لبوں سے لگایا تھا، ایک سپ لیا تھا، پھر دوبارہ اگینے کو دیکھا تھا۔

''آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟'' سلسلہ کلام وہیں سے جوڑنا چاہا تھا۔ اگینے کے شگفتہ چہرے پر یکدم ہی سنجیدگی پھیل گئی تھی۔ وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔ پھر سر جھکا کر کپ سے اُٹھنے والے دھوئیں کو دیکھنے لگی تھیں۔

''سعد بھائی نے یقیناً اچھا نہیں کیا۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا بھی ہے کہ تم نے مجھے اس ضمن میں کچھ نہیں بتایا۔ آج آئی ہوں تو بھابی سے علم ہوا۔''

سید اذہان حسن بخاری کے چہرے کا تناؤ جو کسی قدر معدوم ہوا تھا اب پھر اسی صورت دوبارہ موجود تھا۔ چہرے کی رگیں کسی قدر تن گئی تھیں اور وہ خاموش ہو کر بے تاثر انداز میں چائے کے سپ لینے لگا تھا۔ اگینے کو کسی قدر افسوس ہوا تھا۔ تبھی دھیمے سے بولی تھیں۔

''آئی ایم سوری۔''

سید اذہان حسن بخاری چند ثانیوں تک کچھ نہیں بولا تھا۔ دونوں چپ چاپ چائے کے سپ لیتے رہے تھے۔ اگینے شاید اس گھڑی خود کو مجرم محسوس کر رہی تھیں۔ تبھی خاموشی سادھ لی تھی۔ جبکہ اذہان حسن بخاری کی کیفیت مختلف تھی۔ شاید اسے صورت حال کا اندازہ تھا تبھی وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''آپ سنایئے......کیسی ہیں؟ شوہر نامدار کیسے ہیں آپ کے؟ ساتھ نہیں آئے آپ کے؟'' رسمی قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ رسمی سی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ اگینے نے اسے دیکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

''سب کچھ اپنی جگہ، مگر تم بہت بدل گئے ہو۔'' بغور تجزیہ کرنے کے بعد کہا گیا تھا۔ ''بہت ذمے دار ہو گئے ہو۔ بڑے لگنے لگے ہو۔'' قصداً مذاق ہوا تھا۔

''بڑا ہو بھی تو گیا ہوں اور آپ......'' جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں ویسی کی ویسی ہوں۔'' وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔ وہ بغور تکنے لگا تھا۔ پھر پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

''ہوں......آپ ویسی کی ویسی ہیں۔ بتایا نہیں آپ نے کب آ رہے ہیں آپ کے صاحب بہادر؟'' رسمی گفتگو یقیناً موقع محل کے حساب سے تھی۔ اگینے کے لبوں کی مسکراہٹ ایک پل میں معدوم ہوئی تھی۔ اس نے نگاہ جھکا کر کپ ٹرے میں رکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ دیکھو کب آتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں فارحہ بھابی کیا کر رہی ہیں......تم اب آرام کرو، بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔'' کھڑے ہوتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ پھر دوسرے ہی پل چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ سید اذہان حسن بخاری جانے کیوں اس سمت تکتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سیفی نے کہا تھا، خوشی کی ساری لاجک ہمارے اندر سے اُٹھتی ہے......ہم سوچیں گے ہمیں خوش رہنا ہے تو ہم درحقیقت خوش رہ بھی پائیں گے۔ تم بھی خوشیوں کے متعلق سوچنا شروع کر دو اور مستقبل کو وقت پر ڈال دو۔

اور اس نے خود کو وقت کے دھارے پر ڈال دیا تھا مگر اس کے باوجود جانے کیوں وہ خوش رہنے کی لاجک پر عمل نہیں کر سکی تھی۔

''تم یونہی خائف ہو۔ بندہ تو خاصا ہینڈسم ہے......نام کچھ لمبا چوڑا اور اولڈ فیشن ہے مگر بندے میں رعب ہے۔ نام سمیت خاصا امپریسو لگتا ہے۔ ہے نا؟'' سیف الرحمٰن نے چکن سینڈوچ کے بڑے بڑے بائٹ لیتے ہوئے بڑے دلچسپ انداز میں مسکراتے ہوئے میرب سیال کو دیکھا تھا۔ انداز کسی قدر خوش گوار تھا۔ مگر میرب سیال کو اس ''انکشاف'' سے کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔

سیف الرحمٰن بنا کسی پریشانی کے اسے مسلسل دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟ موصوف کے حد درجہ ہینڈسم ہونے پر یا بے تحاشا دولت مند ہونے پر؟''

''سیفی! تم چپ نہیں رہ سکتے ہو؟'' میرب نے قدرے اُکتائے ہوئے انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔

''تم نہیں کرنے دو گے ڈھنگ سے مجھے کوئی کام۔''

''میں بھی تو کام ہی کی بات کر رہا ہوں......ویسے کہیں ایسا تو نہیں کہ کہیں تم خود......'' سیف الرحمٰن نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ابرو چڑھاتے ہوئے اسے شرارت سے دیکھا تھا۔ وہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ مگر یقیناً اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی دوسرے ہی پل نگاہ پھیر کر رسٹ واچ کی سمت دیکھا تھا۔

''کیا آج پھر موصوف لینے آنے والے ہیں؟'' سیفی نے پھر مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تبھی شاید سیفی کو اس پر ترس آ گیا تھا جو دوسرے ہی لمحے چپ سادھ لی تھی۔

''اب چپ کیوں ہو گئے ہو؟'' دیکھے بغیر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا بولنا بھی تو تمہیں اچھا نہیں لگتا۔'' سیف الرحمٰن نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ ''چلو اُٹھو فوراً...... مجھے کچھ میٹریل کلیکٹ کرنا ہے۔''

وہ تیزی سے اُٹھ کر کیفے ٹیریا سے باہر نکل رہے تھے جب اس کے ایک کلاس میٹ نے مطلع کیا تھا کہ کیمپس کے باہر کوئی اس کا ویٹ کر رہا ہے۔ اس نے بلا ارادہ سیف الرحمٰن کی طرف دیکھا تو وہ شوخی سے مسکرا دیا تھا۔

''لو، موصوف آن پہنچے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ ایک پیپر پر اپنا تمام تر شیڈول لکھ کر موصوف سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تھما دو تا کہ انہیں کم از کم اس انتظار سے تو چھٹکارا مل جائے۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

''شٹ اَپ سیفی!'' وہ ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ کو ہونٹ بھینچ کر دبا گئی تھی۔ مگر دل یکدم ہی بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ مگر ان دھڑکنوں میں کوئی بھی آہنگ خاص نہ تھا۔ ایک ناگواری اور ناپسندیدگی کا تاثر زیادہ غالب تھا۔

''سیفی! تم یہیں ہونا...... پلیز میرے ٹاپک سے ریلیٹڈ میٹریل نکال دینا۔''

''اوکے...... اوکے۔ آئی کنسیڈرڈ۔'' اس نے فوراً میرب سیال کا جملہ کاٹ کر کہا تھا۔ میرب سیال نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر بہت سست رو قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

میرب سیال کے نیم مردہ قدم جیسے بہ مشکل اس کے وجود کا وزن سہارے ہوئے تھے۔ اس نے بنا اِدھر اُدھر دیکھے پیچھے کا دروازہ کھول کر خود کو نشست پر ڈال دیا تھا۔ اسے یہ جاننے کا قطعاً کوئی شوق نہ تھا کہ آگے فرنٹ سیٹ خالی ہے یا کہ نہیں۔ وہ اپنا مقام جانتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز چڑھائے، شیشے سے پیچھے کا منظر دیکھا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز ہونے کے باعث تاثرات کسی قدر محفوظ رہے تھے۔ میرب سیال نے نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ نگاہ مکمل طور پر بے نیاز تھی، انداز لاتعلق تھا۔ وہ بیٹھ چکی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی تھی۔

میرب سیال نے جانے کیوں اس گھڑی نگاہ اُٹھا کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

''تم آگے آ کر بیٹھ سکتی ہو۔'' کسی قدر سپاٹ لہجے میں حکم صادر ہوا تھا۔

اس نے قدرے چونک کر نگاہ اس لمحے پہلی بار فرنٹ سیٹ پر کی تھی۔ ''خالی پن'' اس کے لیے کسی قدر حیرت کا باعث تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے چند ثانیوں تک چپ چاپ اس سمت دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے دروازہ کھول کر وہ اُتری تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ آن بیٹھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کیوں چند ثانیوں تک اسی انداز سے خود کو روکے رکھا تھا، پھر یکدم گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

میرب سیال چہرے کا رخ مکمل طور پر موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ گاڑی میں خاصا سکوت تھا۔ اس دن والی مدھم سرگوشیاں نہیں تھیں۔

بس فقط خاموشی ہی خاموشی تھی۔

شاید ایسا اس لیے تھا کہ دونوں طرف سے یہ ایک جبری فعل تھا، ایک جبری عمل۔

وہ جانتی تھی اس اقدام کے لیے مائی اماں نے اسے امپوز کیا ہوگا۔ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس اقدام کو سرانجام دینے پر مجبور ہو گیا ہوگا۔ اور کس قدر برا لگتا ہے کبھی کبھی اپنا کسی پر مسلط ہونا۔ کسی کی ان چاہی ہستی بننا، ناپسندیدہ فرد رہنا۔ بہت تکلیف دہ تھا یہ۔ یقیناً بہت بڑا جبر تھا یہ۔

وہ اسی طرح دم سادھے بیٹھی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی موجودگی، اس کی خوشبو چارسو پھیلی ہوئی تھی اور یقیناً یہ بات اسے اس ماحول سے غافل نہیں ہونے دے رہی تھی۔

''مائی اماں بتا رہی تھیں آپ کچھ ڈسٹرب تھیں۔'' گاڑی کے پُرسکون ماحول میں یکدم اس کی آواز نے ایک ارتعاش برپا کر دیا تھا۔ وہ یکدم چونکی تھی۔ نگاہ اس سمت کی تھی۔ شاید یقین کرنا چاہا تھا، مخاطب وہی تھی۔ اس گھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ نفس نفیس اسی سے مخاطب تھا۔ میرب سیال کو فی الفور سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ شاید تبھی اس نے فقط خاموشی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''اینی پرابلم؟'' اسی دن والا پوچھا گیا مختصر سا سوال اس نے اس بار پھر دہرایا تھا۔ میرب سیال نے اس کی جانب سے نگاہ ہٹائی تھی پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''سیال صاحب کیسے ہیں اب؟'' اس سے وابستہ اہم ترین شے کی مد میں پہلی بار دریافت کیا گیا تھا مگر کس قدر سرسری انداز تھا۔ لاتعلقی کتنی واضح تھی۔ اس کے لیے اس کا تعلق معتبر تھا، مائی اماں معتبر تھیں اور اس کے لیے اس کے والد فقط سیال صاحب تھے۔ میرب سیال نے فقط سر ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب دوبارہ بھینچ گیا تھا۔ شاید وہ بولنا چاہتا تھا، بات کرنا چاہتا تھا مگر شاید اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے تھے۔

میرب سیال نے اس صورت حال کو فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ اس شش و پنج کو آج بھی سمجھ نہ پائی تھی۔ شاید جیسا وہ سمجھ رہی تھی، ویسا نہیں تھا۔ سب قیاس تھا۔

''ڈونٹ بی سکیئر۔ انشاءاللہ سب اچھا ہوگا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز نے یکدم اسے خیالات کی دنیا سے باہر لا پٹخا تھا۔ ایک خفیف سی دل جوئی تھی شاید۔ ایک بہت دھانسو سا دلاسہ تھا۔ میرب سیال نے اس کی جانب نگاہ نہیں کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نوازش اور کی تھی۔ گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی۔ آج کے دن کے پھر کچھ لمحے اس کے نام ہونے جا رہے تھے۔ جبراً ہی سہی، کسی کے کہنے پر ہی سہی، وہ آج پھر پابند تھا اسے چند لمحے دینے کو، چند نوازشیں کرنے کو۔ میرب سیال اس کی جانب دیکھنا چاہتی تھی، سر نفی میں ہلانا چاہتی تھی، مکمل طور پر انکار کرنا چاہتی تھی مگر ہمت جیسے ناپید تھی۔ وہ ایسا کچھ نہیں کر سکی تھی۔ جانے واقعی اس شخص میں اتنا رعب تھا یا پھر وہی حد سے زیادہ خود کو دباتی جا رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب دیکھا تھا۔اس نے بھی خاموشی سے نگاہ کی تھی۔مقابل کی نگاہ میں کوئی خاص حکم تھا۔وہ بہت ہولے سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اُتری تھی۔وہ اس گھڑی اس کے مقابل تھا، ہمراہ تھا، ہم قدم تھا۔مگر اندر کوئی احساس سرشاری نہ تھا۔شاید کہیں سے کوئی ستائشی نگاہ اُٹھ رہی ہو، کوئی نظر کہیں سے سراہ رہی ہو، کوئی حسد بھرا جملہ کہیں سے اُبھرا ہو، کوئی تعریفی فقرہ کسی لب سے نکلا ہو، جانے کتنی نظریں بے ارادہ اُٹھی ہوں۔مگر میرب سیال کو خبر نہ تھی۔شاید وہ خبر رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

کہنے کو سب اس کا تھا، ہر شے پر قادر تھی وہ، مکمل دسترس میں تھا سب کچھ۔وہ کہنے کو مختار کل تھی، ہر شے پر استحقاق رکھتی تھی مگر وہ جانتی تھی یہ سب فقط ایک خواب کی صورت تھا۔سب کچھ گمان کی صورت تھا اور حقیقت کچھ نہ تھی۔

''اب کیسا لگ رہا ہے سب کچھ؟'' وہ اپنے ہی خوابوں اور خیالوں میں گم تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آواز کا ایک کنکر پھینک کر اس کی ساری دنیا میں ہلچل سی مچا دی تھی۔اس نے بے طرح چونک کر دیکھا تھا۔وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا، اس کے متوجہ ہونے پر وہ آنکھوں میں کوئی تاثرِ خاص دیئے بغیر قدرے دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ہاؤ آر یو فیلنگ ناؤ؟'' وہ ایسے دریافت کر رہا تھا جیسے اس کی توجہ کے چند لمحوں نے میرب سیال کی زندگی میں عجب انقلاب برپا کر دیا ہو۔وہ ایک پل میں کوئی عظیم تاریخ مرتب کر گیا ہو۔میرب سیال پر اس نے کوئی عظیم احسان کر دیا ہو۔اس کا دل چاہا تھا وہ خوب زور سے ہنسے اور اس کے سارے خواب پل میں مسمار کر دے۔مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔فقط سر کو ہولے سے آگے پیچھے ہلا دیا تھا اور اس احسان کو پل میں برابر کر دیا تھا۔سردار سبکتگین نے اسے لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔

''میرب سیال! مائی اماں چاہتی ہیں کہ تم اپنا خیال رکھو، خود کو پُرسکون رکھو۔'' بھاری لہجے میں عجب فرمائش تھی۔

'اور تم......تم کیا چاہتے ہو؟' ایک ننھا منا سا سوال یکدم دل میں اُبھرا تھا مگر لبوں پر قطعاً نہ آیا تھا۔میرب سیال نے اسے فقط خالی خالی نظروں سے جواباً دیکھا تھا۔وہ اس کے سامنے بیٹھا، جانے کیسا ہمدرد تھا اس کا کہ جس کے لہجے میں کوئی اپنائیت نہ تھی۔جس کے انداز میں کوئی تاثر کسی پہچان کا نہ تھا۔اس برف جیسے سرد لہجے میں کہیں خاص گرم جوشی نہ تھی۔کہیں کوئی ہلکی سی چاشنی نہ تھی۔کوئی ذرہ برابر کیئر نہ تھی اور وہ کیا چاہتی تھی؟ اس نے ایک گہری سانس خارج کر کے چہرے کا رُخ موڑ لیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''ایوری تھنگ اِز دی پارٹ آف لائف۔یو شڈ کنسیڈر ر!'' کتنی اہم باتیں تھیں۔کس درجہ خاص معنی بھی ہو سکتے تھے اگر انداز بھی اسی قدر خاص ہوتا۔

واقعی......فقط لہجے بات کی اہمیت کو کتنا بدل دیتے ہیں۔الفاظ کچھ نہیں ہوتے۔زندگی انہیں لہجے بخشتے ہیں، اپنے مختلف جذبات واحساسات کے ساتھ۔وہ اسی طرح خالی خالی نظروں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکتی چلی جا رہی تھی اور وہ جانے اس لمحے کیا سمجھا تھا۔تبھی اپنے سپاٹ ترین لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کیا تم جانا چاہتی ہو وہاں؟''

''کہاں؟'' اس کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔ شاید وہ سمجھ نہیں سکی تھی، وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا یا کیا کہنا چاہتا تھا۔

''نیویارک...... سیال صاحب کے پاس، ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے؟'' وہ نظریں اس گھڑی اس پر تھیں۔ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا مگر کوئی خاص بات کہیں نہیں تھی۔ بڑا بے تاثر لہجہ تھا۔ بڑا پھیکا انداز۔ اسے لگا تھا جیسے وہ کوئی روبوٹ ہو، کوئی مشینی انداز کا انسان جس کے اندر کسی جذبے کی، کسی احساس کی کوئی رمق نہ ہو اور جو کسی انسانی قاعدے قانون سے سرے سے واقف ہی نہ ہو۔

میرب سیال نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا اور نگاہ جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ لمحے اسی خاموشی میں گزرے تھے۔ پھر وہ قدرے توقف سے گویا ہوا تھا۔

''اگر آپ جانا چاہیں تو یہ ناممکن نہیں ہے۔ ہماری خدمات حاضر ہیں۔ دراصل مائی اماں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہیں۔ انہیں آپ کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ آپ سوچ لیجیے، جانا ہو تو بتا دیجیے گا۔'' فطری رکھ رکھاؤ لہجے میں عود کر آیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر کے لیے بھی شاید یہ ایک کٹھن مشق تھی۔ میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اس ٹیبل سے فقط اس کے اُٹھنے کی منتظر تھی۔

''ارے...... سبکتگین! تم یہاں؟ ...... وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔'' ایک بہت کھلکھلاتی ہوئی آواز سماعتوں سے یکدم ٹکرائی تھی۔ اس نے چونک کر سر اُٹھایا تھا۔ اُس رات پارٹی والی لڑکی اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بے حد قریب تھی۔ وہ بھی اس کی جانب متوجہ تھا، آنکھوں میں یکدم ہی چمک در آئی تھی۔ چہرے پر شگفتہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس گھڑی آس پاس سے یکسر بے خبر تھا۔

''اتنے دن سے کہاں غائب ہو تم؟ ...... یا پھر دانستہ بھاگ رہے ہو۔ کہیں توجہ کا مرکز بدل تو نہیں گیا؟'' کھلکھلاتا ہوا لہجہ اس گھڑی دریافت کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کینوس کے رنگ حد درجہ دلفریب سہی مگر اس کی نگاہ منظروں سے کتنی جلد اُکتا جاتی ہے، یہ بات سب پر منکشف تھی۔ شرارت سے پُر لہجے میں انکشاف تھا کوئی مگر وہ برابر مسکرا رہا تھا۔

''پھیکے، بے رنگ منظر اس نگاہ میں جچتے نہیں۔ جانتے ہیں بھئی مگر اب ایسی بھی کیا گریز پائی۔'' کیسا شکوہ تھا اس نازنین کے لہجے میں۔ پُرشوق نگاہ میں کیسی چمک تھی۔

میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''کم آن تزئین! میں آؤں گا کبھی۔'' سردار سبکتگین حیدر قدرے دھیمے لہجے میں لبوں پر شگفتہ سی مسکراہٹ سجائے عذر دے رہا تھا۔

''کچھ مصروفیت رہی پچھلے دنوں؟ تبھی کسی طرف کا ہوش نہیں رہا تھا۔'' وہ ماہ رُخ بہت پُر شکوہ نظروں سے تکتے ہوئے لب بھینچ گئی تھی۔ دونوں کو اس کی موجودگی کا احساس قطعاً نہ تھا یا پھر وہ اس بات کا اندازہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

''تم تو ہمیشہ ہی مصروف رہتے ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری!''

''اب کیا سارے شکوے اسی ٹیبل پر کھڑے کھڑے کر لو گی؟''

''نہیں......شام میں کنٹری کلب جانا ہے، میں پارلر کے لیے نکلی تھی۔ بھوک نے ستایا تو یہاں چلی آئی۔ اندازہ نہ تھا تم سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ مل رہے ہو نا پھر آج شام؟'' ایک ادا سے مسکراتے ہوئے دعوت دی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ گیا تھا۔

''اوں ہوں......آج نہیں، میں تمہیں کونٹیکٹ کروں گا۔'' دھیمے لہجے میں قدرے گریز پائی تھی۔ شاید وہ نازنین اشارہ سمجھ گئی تھی تبھی مسکرائی تھی۔

''اوکے، بھول نہ جانا۔'' ایک شگفتہ سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی شگفتہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے والٹ جیب سے نکال کر ایک خطیر رقم ٹیبل پر دھری تھی، پھر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اشارہ اُٹھنے کا تھا اور وہ تو پہلے ہی منتظر تھی۔ فوراً ہی اُٹھی تھی اور اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ مگر قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ چال میں ایک تھکن بے حد واضح تھی۔

☆......☆......☆

اسے خود سے گفتگو کرنے کا خبط کبھی نہ رہا تھا۔ اسے خود کلامیوں سے شغف بھی کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر اب جیسے اس کے لیے ہر شے کے معنی بدل گئے تھے۔

ہر بات کا مفہوم بدل گیا تھا۔

کتنی باتوں کے مفہوم بدل دیئے تھے۔

وہ ہمیشہ سے ایک خالی گھر تھا۔

مگر اس نے اس ''خالی پن'' کا شدید ترین احساس دلایا تھا۔ اس ''خالی پن'' کی اہمیت کو دو چند کر دیا تھا۔

اس وقت اس کی اس روز والی کتاب اس کے ہاتھ میں تھی جو شاید وہ جلدی میں اس کی گاڑی میں ہی بھول گئی تھی۔ عفنان علی خان کتنی دیر تک اس کتاب کو ہاتھ میں لیے اس کے لمس کو محسوس کرتا رہا تھا۔ دانستہ اس کی موجودگی کو تلاشتا تھا۔ دانستہ اس لمس کو محسوس کرنا چاہا تھا۔ بے خودی کا یہ لمحہ کتنا پُر کیف تھا، عفنان علی خان کو اس کا اندازہ اس طور پر آج ہوا تھا۔ اس نے، اس کی زندگی کو واقعی اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

کچھ اپنے جیسا کر لیا تھا۔

'مسٹر عفنان علی خان! بہت برے پھنسے ہو تم تو......کچھ زیادہ ہی اسٹوپڈ نہیں بن گئے؟' دایاں ہاتھ منہ پر دھر کے پُر خیال انداز میں سوچا تھا۔ پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

'ڈاٹس انف مسٹر عفنان علی خان!......انف۔' اندر سے یکدم ایک آواز ابھری تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے تھے۔ یقیناً یہ اس کی راہ نہیں تھی۔ اسے اس جانب سفر نہیں کرنا تھا۔

اس طرح سوچنا بھی نہیں تھا۔ اس سے قبل بھی تو کئی بار باور کرا دیا تھا خود کو۔ مگر دل تھا کہ مانتا ہی نہ تھا۔

تاروں بھرے کھلے آسمان کو تکتے ہوئے وہ کتنی دیر تک اس ایک خیال کو سوچتا رہا تھا۔موسم میں ٹھنڈک حد درجہ بڑھ گئی تھی ان دنوں۔اس کے سامنے کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ تھا۔جانے کس خیال کے پیش نظر اس نے کپ کے بیرونی کناروں پر شہادت کی انگلی کو ہولے سے پھیرا تھا۔

جب بھی تم سے ملا ہوں میں یکسر
ایک لڑکی لگی نئی ہو تم!
ایک سپ تلخ،ایک سپ شیریں
میری کافی میں گھل گئی ہو تم!

اپنی ہی دیوانگی سے پُر مدھم سرگوشی خیالوں میں گونجی تھی اور وہ لب بھینچے بھینچے اس لمحے جیسے خود پر مسکرایا تھا۔

'ہاؤ اسٹوپڈ یو آر مسٹر عفنان علی خان! کہاں کے مجنوں بننے چلے ہو تم؟......کہاں کے روگ پال لینے کی خو ہے؟ خردمندی کا دامن چھوڑے کس دیوانے دیس بھاگے چلے جا رہے ہو؟'

اندر سے ایک آواز اُٹھی تھی اور اس سے قبل کہ خردمندی اس دلیل کو قبول کرتی،دل بہت پُر زور انداز میں نفی کرتا چلا گیا تھا۔

''جانتا ہوں،مانتا ہوں،ساری حقیقت منکشف ہے خرد پر۔مگر دل کو بہلانا آسان تو نہیں۔نہ مانے تو کیا کروں۔''

عجب دیوانگی اختیار کیے وہ اس گھڑی آسمان کی سمت تکے جا رہا تھا جب اس کے پرسنل سیل کی رنگ ٹون نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو یکدم ہی توڑ دیا تھا۔اس نے اسکرین پر نگاہ کی تھی،کوئی اجنبی نمبر تھا۔عفنان علی خان نے کال پک کر لی تھی مگر ایک مانوس آواز سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

''ہیلو،مسٹر عفنان علی خان......آپ سن رہے ہیں نا؟ میں انابیہ شاہ بول رہی ہوں۔''شاید اسے باور کرانے کو وہ ایک بار پھر بولی تھی۔

''آپ کو سن کر بندہ کھو سکتا ہے،سو نہیں سکتا۔آپ بولتی رہے۔''فطری شوخی ایک لمحے میں عود کر آئی تھی۔انابیہ شاہ جس نے کسی خاص مقصد کے تحت فون کیا تھا،لحہ بھر کو لب بھینچ گئی تھی۔موصوف خاصی ٹیڑھی کھیر تھے اور اس کی یقیناً شامت ہی آئی تھی جو اس نے ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق اسے فون کر لیا تھا۔

''مسٹر عفنان علی خان! دراصل میری کچھ ضروری کتابیں شاید آپ کی گاڑی میں رہ گئی ہیں۔میں سمجھی تھی لامعہ نے انہیں لے لیا ہو گا مگر اس سے رابطہ کیا تو اس نے انکار کرتے ہوئے آپ کا نمبر تھما دیا۔کیا میں تسلی کر لوں کہ میری کتابیں آپ کی گاڑی میں ہی ہیں؟''

''آں......اچھا،تو وہ اسٹف آپ کا تھا۔''بے خبری کا یہ انداز بڑا مضحکہ خیز تھا۔مگر عفنان علی خان کے لبوں پر اس گھڑی بدستور بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

''اوہ......آئی سی۔میں بھی سوچ رہا تھا یہ کون کوئی سقراط،بقراط اسے میری گاڑی میں رکھ گیا۔لامعہ حق کے پاس تو سرے سے

دماغ ہے ہی نہیں۔ وہ یقیناً ایسی غلطی کبھی نہیں کر سکتی۔" وہ موصوف شاید بات کو بے وجہ طول دینے میں ماہر تھے۔ انابیہ شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر مروتاً لہجے کو قدرے خوشگوار کیا تھا۔

"بہت شکریہ مسٹر عفنان علی خان! بہت مشکور ہوں گی اگر آپ انہیں لامعہ حق تک پہنچا دیں۔"

"آپ تک کیوں نہیں؟...... چیز تو آپ کی ہے۔"

"اس تک پہنچ گئی تو سمجھئے مجھ تک پہنچ گئی۔" خاصا لیا دیا انداز تھا۔ عفنان علی خان نے محسوس کیا تھا، اس دن کے بعد سے اس کے انداز میں ایک واضح کھچاؤ تھا۔ اس سے قبل کسی قدر لگی لپٹی مروت تھی مگر جس دن وہ اسے پی سی میں ملی تھی، اس کے بعد سے ایک عجیب سی جھجک، ایک گریز رویے میں در آیا تھا۔ شاید وہ دانستہ ایسا کر رہی تھی۔

"آر یو لسننگ می عفنان علی خان؟" اس کا کوئی رسپانس نہ پا کر وہ دوبارہ گویا ہوئی تھی۔ عفنان نے ایک گہری سرد قسم کی سانس خارج کی تھی۔

"یس...... آئی ایم لسننگ یو۔"

"اوکے......" اس نے شاید دوسری سمت سے فون بند کرنا چاہا تھا، جب بہت ہولے سے اس نے پکارا تھا۔

"انابیہ شاہ!"

"ہوں......؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔

"آج آپ نے آسمان دیکھا؟" عجب سوال تھا۔ شاید اسے خود اندازہ نہ تھا۔

"جی......؟" انابیہ شاہ کی حیرت یقینی تھی۔

"آپ کو دیکھنا چاہئے...... آج چاند آسمان پر ہے۔ میلوں کی، صدیوں کی دوری پر۔ مگر اس دوری، مجبوری میں بھی نگاہ اسے صاف دیکھ رہی ہے۔ دید کا عالم بدلا نہیں ہے، شوق تھما نہیں ہے۔ کچھ اور سوا ہو گیا ہے۔ جنوں اور بھی بڑھ گیا ہے۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ بالکل خود کلامی سا۔ جیسے وہ اس گھڑی مدھم سرگوشیوں میں اس لمحے خود اپنے آپ سے مخاطب ہو...... بے خودی عروج پر تھی مگر دوسری جانب کوئی کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"اٹس ٹو مچ عفنان علی خان! آپ کا مزاج تو خاصا شاعرانہ سا ہے...... اور آپ فرما رہے تھے کہ آپ کو کتابوں سے کوئی شغف نہیں۔ حیرت انگیز۔ لیکن سنیں، بہت برے پھنسے ہیں آپ۔ لامعہ حق کو واقعی ان باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے...... وہ تو کتابوں کے نام سے ہی الرجک ہے۔ کتنے مختلف مزاج ہیں آپ دونوں کے۔ میں لامعہ حق کو سمجھاؤں گی کہ وہ اب کتابیں پڑھنا شروع کر دے۔ کیونکہ موصوف خاصی انٹیلکچوئیل باتیں کرنے کے عادی ہیں۔" وہ شاید دانستہ اس کی بات کو مذاق میں اُڑا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''مجھے امید ہے آپ میری کتابوں کا اسٹف لامعہ حق تک پہنچا دیں گے۔ بہت شکر گزار رہوں گی۔'' اور دوسرے ہی لمحے اس کی آواز کا سلسلہ سماعتوں سے جدا تھا۔

عفنان علی خان کتنی دیر تک اپنے پرسنل سیل کو تکتا رہا تھا۔ پھر جانے کیوں بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

سید اذہان حسن بخاری نے گھر میں قدم دھرا تو مہمانوں کو دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ یاسر اور اس کی فیملی بھلا اب کیا لینے آئی تھی۔ ماہا کو اس طرح ریجیکٹ کر کے بھلا اب کیا ناتا یا تعلق باقی بچا تھا۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا تھا مگر تبھی تیزی سے فارحہ اس کے پاس آ گئی تھی۔

''اذہان! یاسر اور اس کے گھر والے آئے ہیں...... تمہارے پاپا بھی موجود ہیں۔''

دونوں خبریں حیران کن تھیں اس کے لیے۔ شاید تبھی وہ اسی طرح ساکت انداز میں ماں کی طرف تکنے لگا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی ہولے سے گویا ہوئی تھیں۔

''اذہان! وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یاسر ہے، جسے بے حد افسوس ہے۔ یقیناً وہ اس لمحے ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا مگر گھر والوں کے ہاتھوں مجبور کر دیا گیا۔ پھر صورت حال بھی تو ایسی تھی۔'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فارحہ کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

''اذہان! تمہارے پاپا ان سے بات کر رہے ہیں۔ یقیناً اس گزرے لمحے کا کوئی تدارک نہیں۔ نہ وہ لمحہ واپس آ سکتا ہے نہ وہ عظمت۔ مگر یاسر انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنی فیملی کو بھی احساس دلایا ہے کہ ماہا کے ساتھ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ یقیناً وہ اس سلوک کی مستحق نہیں تھی۔''

''اور پاپا......؟'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ اور ممی دوسرے ہی پل خاموش ہو کر اس کی سمت تکنے لگی تھیں۔ چند لمحوں تک وہ خاموش رہی تھیں۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔

''اذہان! سعد بخاری تم دونوں کا دشمن نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے اگرچہ اچھا نہیں کیا۔ اس نے مجھے زِک پہنچانے کے ساتھ ساتھ نادانستہ طور پر بیٹی کو بھی نقصان پہنچایا ہے مگر یقیناً اس نے اس طور نہیں چاہا ہوگا۔ کبھی کبھی حالات و واقعات ہمارا ساتھ نہیں دیتے، ہمارے خلاف چلے جاتے ہیں۔ مگر اس میں ساری خطا ہماری ہی نہیں ہوتی۔''

وہ ایک بار پھر سید سعد حسن بخاری کی طرف داری کر رہی تھیں اور وجہ ناپید تھی۔ یا پھر اذہان حسن بخاری ہی سمجھنے سے قاصر تھا۔

''آپ کیا چاہتی ہیں ممی؟ ...... کیا ماہا کا رشتہ دوبارہ ان لوگوں کے ساتھ جوڑنا چاہتی ہیں؟'' اس نے یکدم سوال کر کے ممی کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔ تبھی وہ ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا بہت رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

''ممی! پاپا چاہے جو بھی سوچ رہے ہوں مگر میں اب ماہا کے ساتھ مزید کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر ان لوگوں کو پہلے کوئی احساس ہوتا تو وہ رشتہ اس طرح ختم ہی نہ کرتے اور یہ یاسر کی عقل بھی کیا اب جاگی ہے آپ...... ممی! آپ پھر اپنی بیٹی کا فیصلہ ایک پنچائیت کے حوالے کر آئی ہیں۔ پھر آپ خاموش نظروں سے کسی فیصلے کی منتظر پاپا کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ ماہا کی رائے جانی ہے آپ نے؟...... ماہا کی آنکھوں کو دیکھا ہے؟...... پوچھا ہے وہ کیا چاہتی ہے؟...... کیا مرضی ہے اس کی؟ آپ پھر اس کی زندگی کی ڈور اس شخص کے ہاتھ میں سونپ رہی ہیں جس نے ایک بار پہلے اسے دنیا کے سامنے تماشا کر دیا تھا۔ اس شخص کے فیصلے کی منتظر ہیں جس کے باعث ایک بار پہلے بھی ہم نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ ممی! آپ کیوں اسی غلطی کو ایک بار پھر دہرا رہی ہیں؟...... کیوں ایک بار پھر ماہا کے لیے مشکل کری ایٹ کر رہی ہیں؟ میں کم از کم اب کوئی فیصلہ ماہا کے خلاف نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اس سب کا ازالہ کرنا ہے، جو رونما ہو چکا ہے۔ اب میں کسی کو ماہا کی زندگی سے کھیلنے کا موقع قطعاً نہیں دوں گا۔'' مدھم لہجے میں کہا تھا مگر لہجے کی مضبوطی بے حد واضح تھی۔ فارحہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے مضبوط شانے پر دھر دیا تھا۔

''میں بات کرتی ہوں...... تمہارے پاپا بھی ہیں وہاں۔ انشاءاللہ اب کچھ غلط نہیں ہوگا۔'' انہوں نے سہولت سے اسے روک دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے ماں کو دیکھا تھا۔ وہ پلٹی تھیں اور پھر اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری نے بہت اُلجھے ہوئے انداز میں کوٹ اُتار کر بائیں بازو پر دھرا تھا۔ اس مضمحل انداز میں ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی تھی، اوپر کا بٹن کھولا تھا اور پھر لب بھینچ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ شاید اندر کی بے چینی کو زائل کرنے کی ایک کوشش کی تھی۔

ماہا چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

''اپنے سامنے کھڑے لمبے چوڑے بھائی کو چند لمحوں تک خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی کے ساتھ آگے بڑھی تھی اور اپنا سر اس کے شانے پر دھر دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔''

''بھائی! میں اب یہ تعلق دوبارہ نہیں چاہتی تھی۔ مگر پاپا نے یہ ڈی سی ژن لیا...... بھائی! اب کے میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود آپ کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہ شادی نہیں کرنا ہے۔...... مجھے وقت چاہئے، اپنے آپ کو اس ڈگر پر واپس لانے کے لیے۔ پھر اسی طور جینے کے لیے۔'' مدھم سسکی میں ایک گزارش تھی۔

اذہان حسن بخاری چند لمحوں تک اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کے چہرے کو بغور تکا تھا۔ نمی آواز اور لہجے میں ہی نہ تھی، اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت ہولے سے اس کی آنکھوں سے اس نمی کو سمیٹا تھا، پھر بہت رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا...... تم فکر مت کرو، یہ بھائی ہے نا'' اس کے شانے کو تھامے شاید اسے کوئی دلاسہ دینا چاہ رہا تھا۔ مگر چہرے کی تنی رگیں صاف بتا رہی تھیں کہ اس کے اندر سوچوں کے زیر و بم کا سلسلہ نہ تھمنے والا ہے۔

''تم میرے لیے جا کر اچھی سی چائے بناؤ، میں ابھی آتا ہوں۔'' اس کے شانے کو ہولے سے تھپتھپا کر وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ عزائم یقیناً طے تھے۔ قدموں کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ فیصلہ کر چکا ہے اور اب فقط اس پر مہر ثبت کرنے جا رہا ہے۔ اندر سے آوازیں متواتر آ رہی تھیں۔ مذاکرات کی نشست جاری تھی اور ان آوازوں میں سید سعد حسن بخاری کی آواز کسی قدر نمایاں تھی۔

''دیکھیں، ہمیں اعتراض اس رشتے پر قطعاً نہیں ہے۔ یقیناً اس رشتے کی ڈور دوبارہ جڑ بھی سکتی ہے۔ مگر آپ لوگوں کا رویہ کسی قدر غیر ذمہ دارانہ ہے۔ آپ لوگوں کو سوچنا چاہیئے تھا کہ اس میں قصور بچی کا قطعاً کوئی نہیں ہے۔ یہ خالصتاً ہمارا نجی معاملہ تھا۔ اس میں آپ لوگوں کی کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہیے تھی...... اب جبکہ خاصے دن بھی گزر چکے ہیں اور بات کی نوعیت بھی قدرے بدل چکی ہے تو ایسے میں رشتے کی دوبارہ بات یقیناً خوش آئند ہے...... کم از کم آپ لوگوں کو احساس تو ہوا کہ آپ لوگوں نے کچھ غلط کیا۔'' سعد بخاری بڑی سہولت سے کچھ کہنے جا رہے تھے جب سید اذہان حسن بخاری نے کمرے میں قدم دھر دیئے تھے۔

فارحہ نے یکدم اس کی سمت دیکھا تھا۔ آنکھوں میں اچانک ہی ایک استدعا عود کر آئی تھی۔ خاموشی سے کوئی نصیحت کی تھی، کوئی درخواست کی تھی۔ مگر اس کے قدم تھمے نہیں تھے۔ وہ اسی قدر مضبوطی سے چلتا کمرے کے عین وسط میں جا رکا تھا۔ سید سعد حسن بخاری اب بھی متواتر بول رہے تھے۔

''آپ نے اچھا کیا جو چلے آئے...... غلطی بہت سے لوگوں سے ہوتی ہے مگر ہر ایک کو اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ یقیناً آپ لوگوں کا بڑا پن ہے، جو بات چیت دوبارہ کرنے کو چلے ہیں۔ ہمیں آپ کی آمد سے یقیناً خوشی ہوئی ہے اور یقیناً ان باہمی مذاکرات سے کوئی اہم پیش رفت ہوگی، کوئی نتیجہ خیز نتائج سامنے آئیں گے۔ عقل اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہے۔''

''جی ہاں...... عقل اور دانش مندی کا تقاضا ہی ہے کہ انسان اپنی سابقہ غلطیوں پر نظر کرے اور انہیں دوبارہ نہ دہرائے۔'' سید اذہان حسن بخاری نے ٹھوس اور مدلل انداز میں بات کو یکدم آگے بڑھایا تھا۔

سید سعد حسن بخاری نے بیٹے کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔ فارحہ کی نظروں میں بھی ایک خوف سمٹ آیا تھا۔ یقیناً صورتِ حال اختیار سے باہر ہونے کو تھی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ ایک بار پھر باپ اور بیٹا مدمقابل تھے اور ایسا ہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ مگر سید اذہان حسن بخاری مضبوط لہجے میں بولتا چلا جا رہا تھا۔

''میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہم اتنے زور و شور سے اس ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی سیاسی نوعیت کے مذاکرات نہیں کر رہے کہ دھواں دھار تقریریں جھاڑی جائیں اور نتیجہ صفر پر رہے۔ یہاں موضوع کوئی ملکی یا خارجی مسئلہ نہیں، فقط ایک فرد ہے۔ کسی ملکی یا خارجی مسئلے پر بھی حکمران بات چیت کرنے بیٹھیں تو اپنے عوام کی خواہشات اور مرضی کے ایجنڈے کو اپنے مابین ہونے والے مذاکرات میں شامل رکھتے ہیں۔ آپ لوگ تو پھر اس وقت ایک زندہ وجود کی بات کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس لمحے اس کی مرضی کو نظر انداز کر دیا جائے؟'' بڑے ہی ٹھوس اور مدلل لہجے میں وہ اس گھڑی گویا تھا۔

سید سعد حسن بخاری بہت ناپسندیدہ انداز میں اس لمحے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

فارحہ اس لمحے بے یقینی کا شکار تھی۔ ساکت نظروں میں فقط سکوت تھا۔ مذاکرات کے لیے آئے ہوئے مہمانوں کے تاثرات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔

ماحول میں اِک سکوت سا در آیا تھا اور یقیناً یہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی تھا۔

فارحہ نے نظروں ہی نظروں میں بیٹے کو تنبیہ کی تھی، درخواست کی تھی مگر آج اس نے ہر درخواست رد کر دی تھی۔

''جو کچھ بھی ہو چکا ہے وہ ایک الگ بات ہے...... مگر جو کچھ بھی ہونا ہے وہ ہمارے اختیار میں ہے۔ خردمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان مذاکرات کو یہیں اسی موڑ پر اختتام پذیر کر دیں۔ آئندہ پھر کبھی نہ ڈسکس کرنے کے لیے۔ کیونکہ ماہا ایسا نہیں چاہتی تھی۔ شاید آپ لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔ جو ناانصافی ہوئی اس کا ادراک ہے۔ مگر ماہا اس غلطی کو دوبارہ دہرانا نہیں چاہتی۔ آپ کو شاید افسوس ہو مگر آپ کو یہ نشست یہیں برخاست کرنا ہوگی۔''

فارحہ ششدر سی بیٹے کی سمت تکتی چلی جا رہی تھیں۔

سید سعد حسن شاہ بخاری کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بے حد واضح تھے۔ نگاہوں میں حد درجہ غصے کی کیفیت تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری کو جیسے اس لمحے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اسی قدر مضبوطی سے اپنے قدموں پر جما کھڑا تھا۔ آنکھوں میں عزم اسی طور برقرار تھا۔ چہرے پر وہی پُرسکون کیفیت تھی۔ وہی سمندر سا ٹھہراؤ تھا۔

''ہمیں آپ کے جذبے کی قدر ہے۔ آپ کا اقدام یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ مگر مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' بے حد مضبوط انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک نظر فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔ ان پُرسکوت نظروں میں اس لمحے کوئی کیفیت نہ تھی۔ وہ بس پُرتحیر انداز سے اس کی سمت تکتی جا رہی تھی۔ سید اذہان حسن بخاری کی نظروں میں کسی طرح کا کوئی احساس جرم نہ تھا۔ جیسے وہ اس گھڑی حق پر تھا۔ جیسے کسی اقدام کے لیے غلط اقدام سرزد نہ ہوا تھا۔ جیسے وہ کسی بات کے لیے ذمے دار نہ تھا۔

فارحہ خالی خالی نظروں سے بیٹے کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری پلٹا تھا اور پھر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ سعد حسن بخاری نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا، کہنے سننے کو جیسے اب کچھ باقی نہ رہا تھا۔

نشست برخاست ہو گئی تھی۔ مہمان اُٹھ کر رخصت ہو گئے تھے۔ اس لمحے کمرے میں فقط دو نفوس تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں کترائے بیٹھے تھے۔ کمرے کا ماحول ساکت و جامد تھا۔ اِردگرد بے حد خاموشی تھی۔ بالکل ویسا سکوت جو کسی طوفان کے آنے سے قبل ہوتا ہے۔

یا پھر جانے کے بعد!

ایک انہونی تو ہو چکی تھی۔ایک واقعہ رونما ہو چکا تھا۔

تو کیا کوئی اور طوفان بھی ابھی آنا باقی تھا؟

کتنی سرد مہری تھی اس گھڑی رویوں میں۔

کتنی برف جمی تھی۔

اور برف جب پگھلنی تھی تو کتنے بند ٹوٹ جانے کا احتمال تھا۔

فارحہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

سید سعد حسن بخاری بنا کچھ کہے، بنا اس کی جانب دیکھے، بنا کوئی الزام دیئے، کوئی فیصلہ سنائے بغیر ہولے سے اُٹھے تھے، نگاہ فارحہ سے یکسر اجنبی تھی۔جیسے وہ اس کے لیے یکسر کوئی اجنبی ہو، غیر ہو۔جیسے کوئی سلسلہ کبھی رہا ہی نہ ہو۔

فارحہ دم سادھے اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی تھیں۔سید سعد حسن بخاری نے بہت آہستگی سے قدم اُٹھائے تھے اور وقت اس لمحے میں فاصلوں کی کہانی رقم کرتا چلا گیا تھا۔خاموشی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔اک سکوت نے ماحول کو چاروں سمت سے لپیٹ کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

کچھ کہا نہیں گیا تھا۔

کچھ سنا نہیں گیا تھا۔

کہیں کوئی فیصلہ نہیں سنایا گیا تھا۔

بس ایک خاموشی تھی۔طویل خاموشی۔

اور اس چپ کے کتنے اسرار تھے۔

سید سعد حسن بخاری بہت خاموشی سے رُخ موڑے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔فارحہ کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی گھر کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

رات بہت سرد تھی۔

یخ بستہ ہوائیں رگوں میں خون منجمد کیے دے رہی تھیں۔مگر وہ کسی طرح کے احساس سے ماوراء اس گھڑی ٹیرس پر تھی۔شانوں پر شال نہ تھی۔نہ یہ خدشہ تھا کہ کوئی آئے گا اور بہت ہولے سے شانے پر اپنا ہمدرد ہاتھ دھرے گا اور ان ہاتھوں کی تپش سمیٹ لے گی سب کچھ۔ سارے خدشات، سارے وسوسے، سارے خوف چن لے گا، سارے مخفی احساس، ساری کلفتیں بانٹ لے گا۔

وہ بڑی ساکت سی کھڑی تاروں سے بھرے آسمان کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

آف وہائٹ شیفون آنچل بڑا بے ترتیب سا ہوا کے سنگ لہرا رہا تھا۔خود میں اس قدر گم تھی کہ نہ کان کوئی آہٹ سن سکے نہ کسی

چاپ کو محسوس کر سکے۔ یا پھر آنے والا ہی بہت دبے قدموں آیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس قطعاً بے تاثر نظر آنے والی کو بہت سرسری انداز میں دیکھا تھا۔ نگاہ بڑی بے تاثر تھی۔ پھر بہت آہستگی سے قدم اس کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ دو مضبوط بھاری قدموں کی آہٹ اس کی سمت تھی۔ مگر وہ اسی قدر غافل تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے مقابل آن رکا تھا۔ میرب سیال اس لمحے بھی نہیں چونکی تھی۔ فاصلہ بہت زیادہ بھی نہیں تھا۔ فقط چند قدم کی بات تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یخ بستہ ہواؤں کے رخ پر کھڑی اس یکسر غافل لڑکی کو دیکھا تھا جو خود سے ہی نہیں، اپنے ماحول سے بھی اجنبی تھی۔

شاید آنے والے کو پہچان کے حوالے از بر نہ تھے۔ آ تو گیا تھا مگر تخاطب کیا ہونا چاہیے تھا، یہ معلوم نہ تھا۔ شاید اسی لیے ان لبوں پر جامد چپ تھی۔ رویوں میں کسی درجہ سرد مہری سہی مگر کچھ تاثر ان قربتوں میں درج تھا کہ میرب سیال یکدم ہی چونکی تھی۔ نگاہ اس سامنے کھڑے شخص پر اُٹھی تھی، انداز کسی قدر چونکنے والا تھا۔ کچھ حیرت بھی شامل تھی ان آنکھوں میں۔ مگر سامنے کھڑے شخص کی نگاہ ہی نہیں، چہرہ بھی بہت حد تک بے تاثر تھا۔ میرب سیال کے متوجہ ہونے پر وہ لمحہ بھر کو اپنی نگاہ اس پر سے ہٹا گیا تھا۔ پھر اسی سرد مہر انداز میں اس کے لب ہلے تھے۔

''میں کل نیویارک جا رہا ہوں......'' اطلاع دی گئی تھی۔

'تو پھر؟' لبوں سے کچھ نہ کہا تھا مگر نگاہوں نے اس شخص کو سمت تکتے ہوئے استفسار ضرور کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند لمحے اسی طرح خاموشی کے ساتھ ان یخ بستہ ہواؤں کو محسوس کیا تھا۔ میرب سیال اسی قدر خاموشی سے کسی نئی اطلاع کے لیے منتظر تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''مائی اماں کا حکم تھا آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے لوں......ضروری تیاری کر لیجیے آپ۔ ہم کل نیویارک جا رہے ہیں۔''

''کیا......؟'' وہ بے طرح چونکی تھی۔ مگر وہ بنا اس کی سمت دیکھے اس استفسار کی کوئی تاویل دیئے بغیر چل دیا تھا۔

میرب سیال حیران سی اس شخص کی چوڑی پشت کو تک رہی تھی جو اس گھڑی لمبے لمبے ڈگ بھرتا، بہت خاموشی سے اس کے اور اپنے مابین فاصلوں کی کہانی رقم کر رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ اس حکم پر خوش ہو، اطمینان ظاہر کرے، اسے اپنا دوست، اپنا ہمدرد، اپنا ہم نفس جانے، اس کے اس اقدام پر اسے سراہے یا پھر اس اقدام کو بیگانگی جانے۔ فوری طور پر وہ کوئی تاثر ظاہر کیے بغیر اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ جو بھی تھا، کسی کو اس کا خیال تھا یا نہیں تھا، یہ بات تسلی بخش تھی کہ وہ پاپا کو دیکھ سکے گی۔ ان لمحوں میں ان کے قریب ہو گی جب انہیں اس کی ضرورت ہے۔ شاید اسی لیے دل نے کوئی تعرض نہیں برتا تھا بلکہ کسی قدر اطمینان نے دل میں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

وہ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ جانے سے قبل سیفی سے بھی تو ملنا تھا۔ اس سے بھی تو بات

کرنی تھی۔اسے مطلع بھی تو کرنا تھا۔

”ہنی مون پر جارہی ہو؟“

اس نے نیند سے بیدار ہوتے ہی حیرت کا زبردست اظہار کیا تھا۔میرب سیال کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

”شٹ اَپ سیفی! ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔“ پُرخفت انداز میں اسے ڈپٹا تھا مگر دوسری طرف سیفی مسکرا دیا تھا۔

”معاملہ کیا ہے؟“

”تم پہلے اچھی طرح بیدار ہو جاؤ۔“ میرب نے ایک بار پھر ڈپٹا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

”وہ تو میں ہو جاؤں گا......مگر تم کس خوشی میں جاگ رہی ہو اب تک؟ اختر شماری کرنے کا قصد کر لیا ہے کیا؟......یا پھر شب بیداری کا ارادہ ہے؟“ وہ قطعی طور پر غیر سنجیدہ تھا اور میرب سیال کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

”سیفی! میں نیویارک پاپا سے ملنے جارہی ہوں۔“

”اور محترم سردار صاحب؟“ سیفی کی شوخی بدستور قائم تھی۔

”وہ میرے ساتھ جارہے ہیں۔“

”تم ان کے ساتھ جاؤ یا وہ تمہارے ساتھ جائیں، بات تو ایک ہی ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جارہے ہو۔“

”سیف الرحمٰن! اب جاگ جاؤ۔“

”خوشی ہورہی ہے؟“ سیفی بدستور مسکرا رہا تھا۔

”کس بات کی خوشی ہوگی؟......پاگل ہوگئے ہو تم؟......سیفی! تم جانتے ہو میں کس قدر ٹنس ہوں۔اور تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے۔“ میرب سیال نے تلخی سے کہا مگر وہ ہنس دیا تھا۔

”میرب سیال! جو بھی کہو، سردار صاحب ہیں۔واقعی کمال شخص۔تمہیں یاد ہے بے جی ہمیں ایک کہانی سنایا کرتی تھیں۔سردار سبکتگین نام ایک بادشاہ کی، جنہیں ہرن کے شکار سے خاصا شغف تھا۔جو روز خوب صورت ہرنیوں کا شکار کیا کرتے تھے اور ایک دن جب......“

”شٹ اَپ سیف الرحمٰن!“ میرب سیال کے صبر کا پیمانہ یکدم لبریز ہوا تھا۔

”سنو تو۔“ سیف الرحمٰن نے اصرار کیا۔

چند ثانیوں تک خاموش رہا تھا۔پھر کچھ سوچتے ہوئے پُرخیال انداز میں گویا ہوا تھا۔

”کہیں تمہارے سردار صاحب بھی تو ایسی کسی ہابی کے شائق نہیں؟“

”سیف الرحمٰن!“ میرب سیال نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر دوسری جانب سیف الرحمٰن کو کوئی خاص فکر نہ تھی۔

''جو بھی کہو، بی ایم ڈبلیو اور لیموزن میں گھومنے والا شخص اتنا بی با اور شریف ہو نہیں سکتا۔''

''کیوں ...... تمہیں سب کچھ اتنا مشکوک کیوں لگ رہا ہے؟ ہوش کے ناخن لو سیف الرحمٰن! بے جی صحیح کہتی ہیں، تمہاری عقل ٹخنوں میں ہے۔''

''دراز قد تو سردار صاحب بھی ٹھیک ٹھاک ہیں، ان کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟'' وہ مسلسل چھیڑ رہا تھا۔ میرب سیال خاموشی سادھ گئی تھی۔ تبھی وہ دوسری طرف سے گویا ہوا تھا۔

''واپس کب لوٹو گی؟''

''کچھ ہی دنوں میں۔ سیف! تم دعا کرنا۔''

''لو...... یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے؟ میں تو ہمیشہ ہی تمہارے لیے دعا گو رہتا ہوں۔ خدا تمہاری جوڑی سلامت رکھے۔ دودھوں نہاؤں پوتوں پھلو۔'' وہ ایک بار پھر پٹڑی سے اُتر چکا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی مگر دوسری جانب اس کی ہنسنے کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

''میرب سیال! اتنی دور جا رہی ہونا...... تمہارا موڈ اچھا کرنا چاہ رہا تھا۔ انشاءاللہ سب اچھا ہوگا۔ تم اپنا خیال رکھنا۔''

''بے جی کیسی ہیں؟'' میرب سیال نے نانی کے متعلق دریافت کیا تھا۔

''ٹھیک ہیں...... تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ دراصل مظہر انکل کے رویے نے انہیں کچھ زیادہ خوش نہیں کیا۔ عائشہ پھپھو کے بعد انہوں نے فاصلوں کی بہت وسیع خلیج رشتوں کے درمیان استوار کر دی ہے۔ یقیناً یہ اچھا نہیں ہے۔ ہم انہیں بلیم نہیں کر سکتے۔ مگر بے جی اس معاملے کو لے کر خاصی افسردہ رہتی ہیں۔ خصوصاً اب جب کہ میرب! تم ہمارے ہوتے ہوئے اس وقت کہیں اور قیام پذیر ہو۔ بے شک وہ اب تمہاری سسرال ہے۔ مگر بے جی کو یہ چیز بہت پریشان کر رہی ہے۔ مظہر انکل نے ایسا کر کے یقیناً ہماری اور ہمارے خاندان کی نفی کی ہے۔ جو تعلق تم میں اور ہم میں موجود ہے اسے قطعاً جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مگر مظہر انکل اس معاملے میں ہمیں خاصا اجنبی تصور کرتے ہیں۔ ہم تو پھر بھی اس صورت حال کو فیس کر لیتے ہیں مگر بے جی خاصی حساس ہیں اس معاملے میں۔ کیوں نہ ہوں، ان کی نواسی ہو تم۔ وہ بھی اکلوتی۔ ہو سکے تو کبھی آ کر ان سے مل جاؤ۔'' سیف الرحمٰن جس قدر سنجیدگی سے اس لمحے بات کر رہا تھا، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی سیف الرحمٰن ہے جو کچھ لمحے قبل اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

میرب سیال نے ہونٹ بھینچ کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''ہوں...... میں آؤں گی۔ تم میری طرف سے بے جی کو پوچھ لینا۔''

دوسری طرف سیف الرحمٰن خاموش رہا تھا۔ وہ بھی چند ثانیوں تک چپ رہی تھی پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''دراصل میں بھی کبھی اس بے وجہ بے مہری کی وسیع ترین خلیج کو سمجھ نہیں سکی۔ ماما کی موت ایک ایکسیڈنٹ تھا اور اس کے لیے

ماموں پاپا کو بلیم کرتے تھے اور پاپا ماموں کو۔ پاپا، ماما کو لے کر اپنی جگہ پویسو تھے اور ماموں اپنی جگہ۔ قصور ماموں کا بھی نہیں تھا، غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال ماموں تنہا اس معاملے میں قصوروار نہیں ہیں۔ رشتوں میں دراڑ تو پہلے ہی موجود تھی، ماما کی موت نے تو اس دراڑ کو مزید وسعت دی ہے۔ ممکن ہے شاید ایک دن سب بہت اچھا ہو جائے۔ مجھے یہ وقت، یہ زندگی کبھی سمجھ میں نہیں آئی سیفی! شاید تبھی میں تمام معاملات اس وقت کے حوالے کر دیتی ہوں جب ایک دن سب کچھ بہت اچھا ہو جائے۔ فی الحال میں پاپا کے لیے بہت پریشان ہوں۔ سیفی! تم بے جی سے کہنا ان کے لیے دعا کریں۔ بعض اوقات غلطیاں معاف کر دینے سے کسی کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ پاپا کو اس وقت دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔" اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

"میرب! پریشان نہ ہو...... مظہر انکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"انشاء اللہ۔" میرب نے فون دھر دیا تھا مگر دل پر جانے کیوں اک انجانا سا بوجھ عود کر آیا تھا۔

☆......☆......☆

بات ساری یہ تھی کہ دل بہت مشکل میں تھا۔ جان پر بنی ہوئی تھی۔ راہ کوئی نہ تھی۔ سجھائی کچھ نہ دے رہا تھا۔ ایسے میں جو بھی ہوتا، وہ ایک ضروری اقدام ہوتا۔ اس ایک لمحے سے بچ نکلنے کا، جان کنی کی کیفیت میں کوئی کیا کرتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟

فی الفور اس نے بھی یہی کیا تھا۔

اس کے گھر کی ڈور بیل پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے علم نہ تھا کہ اس سے اگلا لمحہ کیا ہوگا، کیسا ہوگا۔ مگر یہ ایک لمحہ جو اس کے ہاتھ آیا تھا وہ اسے ہارنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک، دو، تین ...... چند ثانئے ہی گزرے تھے شاید۔ گیٹ کھلا تھا اور دوسرے ہی لمحے کوئی اس کے مقابل تھا۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"السلام علیکم ...... مس انابیہ شاہ ہیں؟"

سامنے کھڑے بریگیڈیئر اعظم رحمٰن شاہ نے اسے سرتاپا بغور دیکھا تھا۔ کسی کے گھر میں پہلی بار آنے کا اتفاق شاید اسی قدر کنفیوژ کرتا ہے۔ عفنان علی خان جیسا شخص اس لمحے خود کو خاصا چغد محسوس کر رہا تھا۔

"آپ؟" اپنے سامنے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ شخص کو بریگیڈیئر صاحب نے بغور دیکھا تھا۔ وہ لب بھینچ کر جیسے اس لمحے زبردستی مسکرایا تھا یا پھر محض راہ و رسم کو۔

"جی میں ...... میں عفنان علی خان ہوں۔"

"تو اس میں اتنا کنفیوژ ہونے کی کیا بات ہے؟" بریگیڈیئر صاحب دھیمے سے مسکرائے تھے۔

عفنان علی خان حیران ہو کر تکنے لگا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دیئے تھے۔

''اندر آجاؤ برخوردار! تم صحیح مقام پر پہنچے ہو...... میں انابیہ کا دادا ہوں۔''

عفنان علی خان نے سکون کا گہرا سانس لیا اور ساتھ ہی ان کے ساتھ قدم اندر بڑھا دیئے تھے۔

''ساتھ پڑھتے ہو؟'' سرخ بجری کی روش پر چلتے ہوئے اور داخلی دراز ے کی جانب بڑھتے ہوئے بریگیڈیئر صاحب نے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں، پڑھ چکا ہوں۔ آج کل بزنس کر رہا ہوں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں پڑھنے والی لائف جتنی ایزی اور کلرفل ہوتی ہے، اتنی ہی ٹف اور ہارڈ بھی ہوتی ہے۔ موٹی موٹی خشک کتابوں سے سر کھپانا یقیناً آسان نہیں۔ لیکن اس کے باوجود سب کچھ بہت انٹرسٹنگ ہے۔'' مسکراتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

''انابیہ سے کب ملے تم؟''

''منگنی پر۔'' بہت بے ارادہ منہ سے پھسلا تھا۔

''منگنی پر؟'' بریگیڈیئر صاحب چونکے تھے۔ عفنان علی خان کو اپنی بدحواسی کا یکدم ادراک ہوا تھا۔ تبھی لب بھینچ کر بڑی رسانیت سے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ساتھ ہی بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

''آئی مین، ایک تقریب میں۔ انابیہ گھر پر ہیں نا؟'' ان کی طرف تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب مسکرائے دیئے تھے۔

''یقیناً۔'' گلاس ڈور کھولتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ اسے ایک وسیع و عریض ویل ڈیکوریٹیڈ ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔ پھر نوکر کو آواز دے کر انابیہ کو بلانے کا حکم دیا تھا اور خود اس کے مقابل آن بیٹھے تھے۔

''برخوردار! خاصے اچھے وقت پر آئے ہو تم...... آج ہمارا برتھ ڈے ہے اور انابیہ کو نت نئے سرپرائزز دینے کی عادت ہے۔ یہ جو تم گھر میں کچھ سجاوٹ دیکھ رہے ہو اسی کے باعث ہے۔ کیک بھی بس کٹنے ہی والا ہے۔ تقریب ہر سال اسی سادگی سے انجام پاتی ہے۔ اس 65 برس کی عمر میں بھی انابیہ نے مجھے بچہ بنا کر رکھا ہوا ہے اور میں اس کی خوشی میں خوش ہوں۔'' بریگیڈیئر صاحب مسکرا رہے تھے۔ عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی کچھ پُراُلجھن انداز میں ہونٹ بھینچ کر شانے بھی اچکائے تھے۔

''لیکن میں تو آپ کے لیے کوئی گفٹ نہیں لایا۔''

''کوئی بات نہیں...... لیکن یہ تمہارے ہاتھ میں پیکٹ تو ہے نا۔'' بدستور اس کے ہاتھ میں تھمے ہوئے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ چونکا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ تبھی وہ پیکٹ ٹیبل پر دھر دیا تھا۔

''یہ انابیہ کے لیے ہے۔'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے مطلع کیا تھا۔

''لیکن انابیہ کی تو آج برتھ ڈے نہیں ہے محترم!'' بریگیڈیئر صاحب برجستہ بولے تھے۔

عفنان علی خان نے چونک کران کی سمت دیکھا تھا۔ان کی آنکھوں میں اس لمحے ایک نرم سا احساس تھا اور لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی ...... یقیناً یہ ایک دوستانہ اقدام تھا۔وہ یقیناً دوستانہ مزاج رکھتے تھے اور اسے انابیہ کا دوست جانتے ہوئے خصوصی رعایت دے رہے تھے۔عفنان علی خان مسکرا رہا تھا، پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

"جانتا ہوں۔ یہ ان کی کتابوں کا کوئی اسٹف ہے جو میری گاڑی میں رہ گیا تھا۔وہ بھول گئی تھیں۔" مطلع کرتے ہوئے یکدم اس کی نظر سامنے کی طرف اُٹھی تھی، جہاں وہ تھی۔ یقیناً اپنے گھر میں اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔نظروں میں کسی قدر حیرت کا احساس بھی چھلکا تھا۔بریگیڈیئر صاحب نے پلٹ کر اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

"آؤ، آؤ...... تمہارا کوئی مہمان آیا ہے۔" انابیہ جو صوفے کی پشت پر تھی اس کی سمت تکتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟" مروتاً احوال دریافت کیا تھا۔

"پرفیکٹ ...... آپ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔" وہ اخلاقاً مسکرائی تھی۔دادا ابا دونوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"یہ آپ کا ضروری اسٹف تھا۔میں نے لامعہ سے رابطہ کیا تھا۔اس نے یہ کہہ کر ریفیوز کر دیا کہ اس کے پاس وقت نہیں۔تب میں نے بذاتِ خود انہیں آپ تک پہنچانا ضروری خیال کیا۔"

"آپ نے اچھا خیال کیا۔" وہ مسکرائی تھی۔یقیناً وہ اس کی وضاحت کے انداز سے محظوظ ہوئی تھی۔یہ دادا پوتی اسے خاصا ایزی لے رہے تھے۔یا پھر وہی اس قدر چغد لگ رہا تھا۔چند ثانیوں تک اپنے اندر تک جھانکا تھا۔یقیناً یہ محاذ آسان نہ تھا۔کیے ہوں گے سر بہت سے معرکے۔پائی ہو گی فتح بہت سے مقامات پر۔مگر یہ مقام کوئی اتنا غیر اہم تو نہ تھا۔وہ یونہی تو اس قدر ہونق نہ لگ رہا تھا۔اندر کے تیور بھی تو کچھ کم مختلف نہ تھے۔مقام خاص تھا۔تبھی تو اس قدر کمزور واقع ہو رہا تھا۔یونہی خاموش رہ کر اس نے اپنی ہمتوں کو مجتمع کیا تھا۔پھر سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ نے مجھے دادا جی کی برتھ ڈے کے متعلق نہیں بتایا تھا۔اب دیکھئے نا، میں اس اہم ترین دن پر کوئی گفت تک نہیں لایا۔" شکوے کا انداز خاصی اپنائیت لیے ہوئے تھے۔جہاں وہ حیران ہوئی تھی وہیں دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"ڈونٹ وری۔اس کی ضرورت نہیں۔تم آ گئے ہو، یہی کافی ہے۔"

"مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔" عفنان علی خان نے وش کیا تھا۔وہ دھیمے سے مسکرا دیئے۔

"تھینکس۔تم لوگ بیٹھو، میں آتا ہوں ابھی۔" وہ یقیناً دانستہ وہاں سے اُٹھے تھے۔"لیکن ہاں، کیک ضرور کھا کر جانا۔بذاتِ خود تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔جانتا ہوں اگر نہیں دوں گا تو میری پوتی میری جان کو آ جائے گی۔" وہ یقیناً اس لمحے شگفتہ انداز میں مذاق ہی کر رہے تھے۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔انابیہ کے لبوں پر بھی اس لمحے دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔دادا ابا کے جانے پر وہ آہستگی سے چلتی ہوئی

اس کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

''مائنڈ مت کیجیے گا۔ میرے دادا ابا کی طبیعت عام روش سے ہٹ کر ہے۔ وہ عام بزرگوں کی طرح نہیں، وہ میرے اچھے دوست ہیں۔ ان کی موجودگی میں مجھے کبھی کسی دوست کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔''

''اس معاملے میں تو خاصے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں دادا ابا۔ یقین مانیے، کچھ حسد محسوس ہونے لگا ہے اس گھڑی ان سے۔'' وہ شگفتگی سے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بھی مسکرا دی تھی۔

''اب یہ مت کہیے گا۔ میرے پاس ایسا کوئی حق محفوظ نہیں۔'' اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ اس لمحے جیسے اخلاقاً مسکرائی تھی۔ پھر اسی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''دادا ابا واقعی بہت اچھے ہیں...... بابا کے بعد وہی ہمارے لیے سب کچھ ہیں۔ اس گھر کے نفوس بہت تھوڑے ہیں۔ میں، ماما اور دادا ابا۔ مگر اس مثلث کے تینوں کونوں میں محبت کی بائنڈنگ بڑی اسٹرونگ ہے۔'' وہ کسی قدر اپنائیت سے اپنی فیملی کے متعلق مطلع کر رہی تھی۔

''اس معاملے میں تو آپ نے خاصا برا کیا۔ مجھے مطلع کر دیتیں تو آج ایک قابل فخر دوست میرے حلقہ احباب میں شامل ہو جاتا۔ مجھے دلی افسوس ہے کہ میں یہاں ہوں اور دادا ابا کے لیے کوئی گفٹ نہیں لا سکا۔''

''دوست فقط مادی اشیاء کے لین دین کے اصول پر استوار نہیں ہوتے۔ کچھ اور وصف بھی اس معاملے میں درکار ہوتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے پوچھا۔ انابیہ شاہ چونکی تھی، پھر ہونٹ بھینچ کر دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اُچکا دیئے تھے۔

''ڈیپنڈ کرتا ہے۔ سینا یو کیا ہے۔''

''بتائیں گی نہیں؟'' بغور دلچسپی سے تکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں۔'' صاف انکار کیا تھا۔ اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

''کیوں؟'' آگاہی چاہی تھی۔ ان جادوئی قلعوں میں اس وقت کسی قدر بے چینی سمٹ آئی تھی۔ انابیہ شاہ چہرے کا دھیان پھیر گئی تھی۔

''اس لیے کہ ایسی باتیں بیان نہیں کی جاتیں، سمجھی جاتی ہیں۔''

''اور اگر کوئی قطعاً جاہل مطلق ہو تو؟'' آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس مقابل بیٹھے شخص سے نگاہ یکدم ہی ہٹالی تھی۔ ساتھ ہی بڑے بے تاثر انداز میں شانے اُچکا دیئے تھے۔

''سکھائیں گی نہیں مجھے؟'' مدھم دھیمے لہجے میں کوئی گزارش تھی۔ استدعا سے پُر نظر بڑی فرصت سے اس کی سمت تک رہی تھی۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت ایک نگاہ سرسری انداز میں کی تھی۔

''کیا؟'' لمحہ بھر میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ نظروں میں کسی قدر حیرت در آئی تھی۔ مقابل بیٹھا شخص چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا جیسے محفوظ ہوتا رہا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''بہت انوکھے بھید ہیں کیا؟......شاید تبھی آپ عام کرنے سے گریز برت رہی ہیں۔ سچ کہوں، میرا تو شوق جنوں بڑھنے لگا ہے۔''
انابیہ شاہ لب بھینچ کر مسکرا دی تھی۔
''لامعہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے آنے کے لیے کہا تھا۔ شاید وہ بھی آ جائے۔'' ذکر خاص کیا تھا مگر مقابل شخص کا انداز کسی قدر بے تاثر ہو رہا تھا۔ بلکہ انداز کسی قدر بجھ گیا تھا۔ کچھ لمحے قبل والا وہ شوق اس لمحے معدوم ہو چکا تھا۔ اس بات کا کوئی جواب دیئے بغیر وہ چہرے کا زاویہ بدل گیا تھا۔ تبھی ماما اس کے ہاتھ کا بیک کیا ہوا بلیک فورسٹ لے آئی تھیں۔ انابیہ نے عفنان علی خان کو ماما سے متعارف کرایا تھا۔
''بیٹا! لامعہ نہیں آئی تمہارے ساتھ؟'' ماما نے دریافت کیا تھا۔ وہ جواباً جانے کیوں انابیہ شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔
''عفنان علی خان میری بکس کا اسٹف لوٹانے آئے تھے ماما!......لامعہ شاید کچھ بزی ہے۔ سہ پہر میں بات ہوئی تھی میری۔ کہہ تو رہی تھی آئے گی۔'' جانے کیوں اس لمحے میں اس نے اس شخص کی نادانستہ حمایت کر دی تھی۔ وہ اس لمحے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔
برتھ ڈے کیک کٹ گیا تھا......اپنے دادا ابا کے ساتھ مسکراتی ہوئی، سرشاری وہ لڑکی اس گھڑی خاصی مختلف لگ رہی تھی۔ اُس کا یہ روپ خاصا نیا اور انوکھا تھا۔ عفنان علی خان کی نظریں بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ انابیہ شاہ کو یا تو ان نظروں کی اضطرابی کیفیت سے کوئی سروکار ہی نہ تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر ان نظروں کے حوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔ جو بھی تھا، یہ لمحے بیش قیمت تھے۔ ایک فیملی گیدرنگ میں اس گھڑی وہ شامل تھا۔ اس خاندان کا حصہ تھا۔ سب سے بڑھ کر وقت جن قربتوں کی داستان رقم کرنے سے گریزاں تھا، وہی قربتیں اس لمحے میں چپکے چپکے اپنے بھید کھول رہی تھیں۔ وہ نظریں اس سے گریزاں تھیں۔
وہ چہرہ اس سے انجان تھا۔
وہ سراپا ان نظروں سے بیگانگی برت رہا تھا۔
مگر یہ احساس کم نہ تھا کہ وہ اس گھڑی، اس لمحے میں شامل تھا جب وہ اس کے ساتھ تھی۔ جب وقت اس کے ساتھ تھا۔ آج کا ایک ایک لمحہ اس کا تھا اور وہ اس پر سرشار تھا۔ انابیہ شاہ حیران تھی، ان مختصر سے لمحوں میں اس نے دادا ابا سے خاصی دوستی کر لی تھی۔ اور جب جاتے سمے وہ اسے اخلاقاً دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی تھی تو وہ مسکرا رہا تھا۔
''سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو......آج چاند پھر آسمان پر نہیں ہے۔'' کھلے آسماں تلے اس کے سنگ کھڑا وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت تک رہا تھا۔ نظروں میں کسی قدر شرارت تھی اور لبوں پر بڑی دل آویز مسکراہٹ۔
''ہو بھی نہیں سکتا......آج پھر چاند زمین کے سفر پر ہے۔'' مدھم سی سرگوشی میں شاید کوئی اہم تھا یا پھر اس کی حیرت ہی دو چند تھی۔ یک ٹک اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان نے اس کی حیرت سے حظ اُٹھایا، ایک الوداعی نگاہ اس پر ڈال کر پلٹ گیا تھا۔ انابیہ شاہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ نظریں اس کی چوڑی پشت پر تھیں۔ وہ اسے اسی طرح تکتی چلی گئی تھی۔ وہ چلا گیا تھا۔ اِرد گرداب کوئی نہ تھا۔ لان میں رات کی رانی اور گلابوں کی مہک عجب جادو سا جگا رہی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا۔ اس نے بہت ہولے سے سر کھلے آسماں کی سمت اُٹھایا، متلاشی نظریں بادلوں میں یکدم ہی اُلجھنے لگی تھیں۔ بہت سے چمکتے تاروں بھرے تھال میں اس لمحے کسی شے کی کمی تھی۔ بادلوں نے بہت کچھ چھپا دیا تھا یا پھر واقعی کچھ غیر موجود تھا۔ نگاہ لمحہ بھر کر بھٹکی تھی۔

''سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو...... آج چاند پھر آسمان پر نہیں ہے...... ہو بھی نہیں سکتا۔ آج پھر چاند زمین کے سفر پر ہے۔''

مدھم سرگوشی نے یکدم اس کے گرد اپنا حصار باندھا تھا۔ وہ لمحہ بھر میں جیسے بیدار ہوئی تھی۔ سر دوبارہ جھکایا تھا اور دوسرے ہی پل پلٹ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

دراڑ جب دلوں پر پڑتی ہے تو فاصلے صدیوں پر محیط ہو جاتے ہیں۔

فارحہ ان لمحوں میں فاصلوں کو صدیوں کی طرح پھیلتے ہوئے چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔

غلط سوچا تھا انہوں نے۔ غلط قیاس کیا تھا۔ کوئی طوفان آئے گا اور اپنے سنگ سب کچھ بہا لے جائے گا۔ یہاں تو سب کچھ سناٹوں تلے دبتا چلا جا رہا تھا۔ خاموشیوں میں دفن ہو رہا تھا۔ بیگانگی مزید بڑھتی چلی گئی تھی اور ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ قصوروار کسے ٹھہرائیں۔ باپ کو، بیٹے کو، خود کو یا پھر اس وقت کو؟

اذہان حسن بخاری جب اسے میڈیسن دینے آیا تھا تو وہ کتنی دیر تک اسے چپ چاپ تکتی چلی گئی تھیں۔

''ممی پلیز! دوا نہ چھوڑا کیجیے۔ آپ کے لیے بہت ضروری ہے یہ۔ آپ کو شاید یاد نہیں، صبح آپ کو چیک اَپ کے لیے بھی جانا ہے۔ آپ تیار ہو جایئے گا، میں آپ کو لے جاؤں گا۔'' دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اس گھڑی وہ میڈیسن لیے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

فارحہ نے بہت خاموشی سے دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور ساری میڈیسن باری باری نگل لی تھیں۔ مگر اذہان حسن بخاری اب بھی بدستور ایک سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے سامنے موجود تھا۔ فارحہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ اس گھڑی بغور ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شفاف آنکھیں پُرسکوت تھیں۔ روشن چہرہ بے تاثر تھا۔ پیشانی پر کوئی شکن نہ تھی۔ مگر وہ جانتی تھیں، سب کچھ پھر بھی اپنے معمول پر نہ تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص اس گھڑی بچوں کی طرح مضمحل تھا۔ فارحہ کے دیکھنے پر بہت آہستگی سے اس نے اپنا سر ماں کی گود میں دھر دیا تھا۔ وہ اس لمحے واقعی آزردہ تھا۔ فارحہ بیٹے کو چپ چاپ تکتی رہی تھیں، پھر بہت ہولے سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''آئی ایم سوری ممی!'' بہت ہولے سے اس کے لب ہلے تھے۔ انداز بہت تھکا ہوا تھا۔ شکست خوردہ۔ فارحہ کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی اُترنے لگی تھی۔

''ممی! میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ آپ نے ہی تو کہا تھا، ایک ٹھیک وقت میں تمہیں جو صحیح نظر آئے اس کے لیے کام کرو اور مستقبل کو اللہ کے حوالے کر دو۔ ماہا مجھے بے حد عزیز ہے ممی! میں اسے کسی مزید سانحے کی نذر نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی مزید زک پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک بھائی ہونے کے ناتے اس لمحے اس کے لیے اسٹینڈ لینا مجھ پر فرض تھا۔ میں نے جو بھی کیا میرے خیال سے وہ غلط نہیں ہے۔ اور......''

''نہیں اذہان! تم نے واقعی کچھ غلط نہیں کیا...... لیکن شاید کبھی کبھی بہت کچھ اختیار میں نہیں ہوا کرتا۔ جیسے وقت اس گھڑی ہماری مخالف سمت چل رہا تھا۔'' بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن ممی! سبھی قصور وقت کا بھی تو نہیں۔ ہم سبھی کچھ وقت کے سر تو نہیں ڈال سکتے۔'' بہت آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔

''لیکن ایک دوسرے کو الزام دینے سے بھی تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''ممی! کیا سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا؟...... کیا وہ سارے سُکھ واپس نہیں آ سکتے؟ وہ سارے اچھے دن، جو ہم نے مل کر ایک ساتھ گزارے؟'' اس کا لہجہ پژمردہ تھا۔

فارحہ خاموش رہی تھیں۔ مگر بہت خاموشی کے ساتھ پلکوں پر سے دو شفاف قطرے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر سے پھسلتے ہوئے دوپٹے میں کہیں کہیں مدغم ہو گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری اسی طور سر ماں کی گود میں دھرے بیٹھا رہا تھا۔

''ممی! جب میں چھوٹا تھا اور کبھی بہت ڈس ہارٹن ہوتا تھا تو مجھے آپ کی آغوش میں سر چھپا کر بہت سکون ملتا تھا۔ ایک عجیب سے اسٹرنتھ ملتی تھی۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں ہر طرح کے خطرے سے محفوظ ہوں اور پوری جانفشانی سے اب دنیا کا سامنا کر سکتا ہوں۔'' دھمی آواز کسی قدر آزردہ تھی لیکن فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ چپ چاپ اس کے چہرے کو تکتی رہی تھیں۔ وہ اس لمحے کوئی معصوم بچہ تھا۔ دنیا کے سامنے تن کر کھڑا ہونے والا لمبا چوڑا، مضبوط ڈیل ڈول کا مالک شخص اس لمحے بے حد نحیف تھا۔ جیسے وہ اس گھڑی پھر کوئی بچہ تھا۔ فارحہ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ اس انتشار سے پُر کیفیت میں اسے دیکھنا فارحہ کو یقیناً تکلیف دے رہا تھا۔ اسے شکستہ حال دیکھنا ایک مشکل تجربہ تھا۔ اکلوتا بیٹا تھا وہ۔ کس قدر عزیز تھا۔ وہ تو اس کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر بے چین ہو جایا کرتی تھیں۔ اس لمحے تو وہ ایک کڑے امتحان میں مبتلا تھا۔

''ممی! آئی لو یو!...... آئی لو پاپا ٹو۔ مجھے اپنے گھر کو مکمل دیکھنے کی عادت رہی ہے۔ پاپا کو ہمیشہ لیڈنگ پوزیشن پر دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے کس اسکول میں جانا ہے، کون سا سبجیکٹ چوز کرنا ہے، میرے لیے ہیلتھی ایکٹیوٹی کون سی ہے...... مجھے کون سا گیم کھیلنا چاہئے، کیسے جوگرز پہننے چاہئیں کہ میرے پاؤں کے لیے آرام دہ رہیں۔ مجھے کن کاموں سے راحت ملتی ہے، کن چیزوں سے مجھے خوشی مل سکتی ہے، کتنے کھلونے، کتنے بہت سے کھلونوں کا ڈھیر میں نے ہمیشہ اپنے کمرے میں دیکھا۔ کتنی بہت سی اشیاء جن کی مجھے ضرورت بھی نہیں تھی، کیسے وہ میرے آگے ڈھیر کرتے چلے جاتے تھے۔ کیسے میری ایک خوشی کے لیے ہزاروں جتن کیا کرتے تھے۔ کتنا اہم جانا انہوں نے ہمیشہ مجھے۔ کیا کچھ نہ کیا میرے لیے۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے میری کیئر کی، میرا خیال رکھا۔'' کتنی آہستگی سے اس کی آنکھوں کے کناروں سے گرم گرم پانی نکل کر پھسلتا ہوا فارحہ کی گود میں جذب ہو رہا تھا۔

''مجھے یاد ہے ممی! جب ایک بار میں ٹیرس کی سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا تھا تو ان کی جان پر بن آئی تھی۔اور جب میں جونیئر کیمبرج میں اپنی مخالف ٹیم کے باسکٹ بال کا میچ ہار گیا تھا تو وہ میرے لیے کتنے افسردہ ہو رہے تھے۔مجھے یاد ہے...... مجھے یاد ہے ممی! وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو پس پشت ڈالے اگلے کئی دنوں تک مجھے جم لے جا کر پریکٹس کراتے رہے تھے جب تک کہ میں بال باسکٹ تک لے جانے میں پرفیکٹ نہیں ہو گیا تھا۔کتنا ضروری اور اہم کام تھا وہ ان کے لیے۔میری معمولی سی خامی بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ کیسے وہ مجھے ہر عیب سے، ہر کمی سے ماورا دیکھنا چاہتے تھے۔میری اکاؤنٹس کی ٹیوٹر جب اچانک ہی بیمار پڑ گئی تھیں تو پاپا کی کیسی جان پر بن آئی تھی۔کیسے وہ آفس سے آنے کے بعد گھنٹوں مجھے پریکٹس کرایا کرتے تھے۔میں پرفیکٹ نہیں تھا ممی! بہت سی خامیاں تھیں مجھ میں۔بہت سے عیب تھے مجھ میں۔مگر پاپا کی تعمیر نے کیسے مجھے ایک کوالٹی پرسنالٹی بخش دی۔''

فارحہ کی آنکھوں کا پانی بہت ہولے ہولے رخساروں پر پھیل رہا تھا۔

''ممی!...... ممی! مجھے یاد ہے۔سینئر کیمبرج میں غلط لڑکوں کی صحبت میں جب پہلی بار میں نے سگریٹ کو چھوا تھا تو وہ کس قدر ٹینس رہے تھے۔کتنے دنوں تک انہیں یہی فکر ستاتی رہی تھی۔نوعمری میں اکثر ایڈونچر میں لڑکوں سے شرارتیں سرزد ہوتی ہیں۔لیکن میں جب کیمپس پکنک میں ایک بار سمندر کی لہروں کی زد پر آیا تھا تو کتنی دیر تک وہ مجھے خود سے لپٹائے بچوں کی طرح آنسو بہاتے رہے تھے۔حالانکہ یہ بات منکشف تھی ان پر کہ میں ایک اچھا سوئمر ہوں۔لیکن کس قدر خوفزدہ انداز میں انہوں نے اپنا چوڑا سا ہاتھ میرے سامنے پھیلا کر مجھ سے پرامس چاہا تھا کہ آئندہ میں کبھی پانی میں نہیں جاؤں گا۔میں جانتا تھا ان کے خوفزدہ ہونے کی وجہ مجھ سے ان کی بے تحاشا محبت تھی۔وہ مجھے کسی معمولی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔سو میں نے چپ چاپ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا اور پھر کبھی ان کے کہنے کے مطابق پانی کے قریب نہیں گیا تھا۔''مضبوط لہجہ اس گھڑی بے حد شکستہ تھا۔بہت سی نمی آواز میں تھی اور آنسو تو فارحہ کی آنکھوں سے بھی بہہ رہے تھے۔

''ممی! جب میرا قد ان کے قد کے برابر آیا تھا وہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر کے قد کی لمبائی کو ناپتے ہوئے کس قدر مسرور ہوئے تھے۔کتنی خوشی ہوئی تھی انہیں، ان کا بیٹا ان کے قد کے برابر ہو گیا۔آپ کو یاد ہے وہ کیا کہہ رہے تھے اُس روز، مضبوط بازوؤں میں ان کا...... کیسے بول رہے تھے وہ آپ سے۔'دیکھو فارحہ! میرا بیٹا جوان ہو گیا ہے۔اس کا قد میرے قد کے برابر آ گیا ہے۔اب مجھے کسی طرح کی فکر کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ہاں بس اتنی فکر ضرور کرنی ہے کہ میں اب کچھ بڑا ہو گیا ہوں' آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ کس درجہ سرشاری سے مسکرا رہے تھے۔کتنی خوشی ہوئی تھی انہیں میرے بڑے ہونے کی۔اور میں نے کیا، کیا ممی!...... کتنی تکلیف پہنچائی انہیں۔وہ بچپن میں میری کوئی ناجائز بات بھی رد نہیں کرتے تھے۔چھوٹی چھوٹی بے تکی، بے معنی باتوں کو سنتے ہوئے گھنٹوں گزار دیتے تھے۔چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو کشید کرتے رہنا ان کی عادت تھی۔مجھے ہر طرح سے خوش رکھنے کی ذمہ داری تھی جیسے ان کی۔مجھے آزردہ دیکھنا سوہانِ روح تھا ان کے لیے۔مگر میں...... ممی! میں نے کیا، کیا ان کے لیے؟...... کیا، کیا ان کے ساتھ؟ مجھے تو مضبوط بازو بننا تھا نا ان کا۔انہیں خوش رکھنا تھا نا۔ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا تھا۔جس طرح انہوں نے میرا ہمیشہ رکھا۔جس طرح مجھے ہمیشہ اہم جانا، مجھے بھی تو ممی!...... ممی! میں تو اپنے گھر

کو ہی ٹوٹنے سے، بکھرنے سے نہیں بچا پایا۔ پاپا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا، سب کچھ۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ جب گھر ٹوٹنے لگتا ہے تو اس کی بنیادوں کو کیسے ہلنے سے بچاتے ہیں...... کیسے اس مضبوط گھر کو گرنے سے باز رکھ سکتے ہیں؟...... جب دل سے دل دور جانے لگتے ہیں اور فاصلے صدیاں بننے لگتے ہیں تو کس طرح ان فاصلوں کو سمیٹا جا سکتا ہے۔ کس طرح صدیاں بننے سے روکا جا سکتا ہے۔ ایسا نہیں بتایا انہوں نے۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے مجھے رول ماڈل تو بنا دیا ممی! ہر طرح سے پرفیکٹ، ایک کوالٹی پرسنالٹی بھی دے دی۔ مگر اتنی اہم باتوں کو مجھ سے مخفی رکھ کے انہوں نے میری اندرونی بنیادوں کو کسی قدر کمزور کر دیا ہے۔ مجھ سے بیگانگی برت کر، خود سے دور کر کے مجھے بہت تنہا اور اکیلا کر دیا ہے۔ بہت زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اور ایسے میں کیسے لڑوں میں؟ کوئی تنہا کب تک اور کیسے لڑ سکتا ہے؟ اور خود اپنے آپ سے لڑنا...... بہت مشکل ہے نا ممی! یہ تو۔ پاپا نے مجھے کبھی خود اپنے آپ سے لڑنے کی ترغیب تو دی ہی نہیں۔ کبھی اپنے آپ سے جنگ کرنا سکھایا ہی نہیں۔ اور وہ تو...... وہ تو میرا اپنا آپ ہیں۔ بغاوت جب اپنے اندر سے ہے تو ممی! کس سے لڑوں میں، کیسے لڑوں؟ لڑا بھی کیسے جا سکتا ہے؟ مجھ میں تو حوصلہ ہی نہیں۔ سچ کہوں، ہارنے لگا ہوں میں...... شاید ہار چکا ہوں۔" اس مضبوط شخص کی آنکھیں اس لمحہ بھیگ رہی تھیں۔ کتنے نمکین سمندر اس لمحے ماں کی آغوش میں چپ چاپ مدغم ہو رہے تھے۔

"میرا پرابلم یہ ہے ممی! میں آپ دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے کا عادی رہا ہوں...... ایک ساتھ خوش دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے آپ دونوں کی ایک ساتھ کی خوشی دیکھنے کی عادت رہی ہے۔ میں آج بھی آپ دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری اسٹرنتھ آپ دونوں ہیں۔ اور میں تبھی مضبوط ہوں گا جب آپ دونوں ایک ساتھ مجھے نظر آئیں گے۔ میں آپ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی آزردہ نہیں کر سکتا، شکستہ نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن...... لیکن ممی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ پتہ نہیں ایسا ہو بھی پائے گا یا نہیں۔ اور اگر ہو گا تو کیسے اور کیونکر۔ کوئی تدارک ہے بھی یا کہ نہیں۔ وہ ٹوٹا اعتبار، وہ ٹوٹا گھر، وہ سارے ٹوٹے مان کیسے جڑیں گے؟...... کس طور؟"

شکستہ لہجہ واضح طور پر نمی سے پُر تھا اور فارحہ کے پاس اس لمحے کوئی تدارک نہ تھا ماسوائے اپنا مامتا سے پُر ہاتھ اس کے سر پر دھرے رکھنے کے۔ وہ اس گھڑی کچھ کر نہیں پائی تھی۔ شاید اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

☆......☆......☆

میرب سیال نے ہدایت کے مطابق اپنا ضروری سامان پیک کر لیا تھا۔ نیویارک کے کلائمیٹ سے واقف تھی۔ سو بھاری تعداد میں گرم کپڑے بھی رکھ لیے تھے۔ گو اسے کوئی لمبا چوڑا قیام نہیں کرنا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا بزنس ٹور تھا یہ۔ اس کا اپنا ایک شیڈول طے تھا۔ یقیناً اس کا ارادہ باضابطہ اسے ساتھ لے کر جانے کا نہ تھا۔ اس کی ہمراہی یقیناً مائی اماں کی بدولت عمل میں آئی تھی۔ جو بھی تھا اس کے لیے اہم یہ تھا کہ اس وقت میں جب پاپا کے پاس اس کی موجودگی ضروری تھی، وہ ان کے پاس جا رہی تھی۔ اگرچہ وہ اس پر مسلط ہونا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ سو اس نے سامانِ سفر باندھ لیا تھا۔

جاتے وقت وہ بے جی سے بات کرنا نہیں بھولی تھی۔ وہ کسی قدر آزردہ تھیں اور اگر وہ ان کو ایسے میں بتائے بغیر چلی جاتی یا پھر اس

کے جانے کی اطلاع سیف الرحمٰن سے بہت رسمی انداز میں ملتی تو شاید انہیں افسوس ہوتا۔ تبھی اس نے ان سے بات کرنا ضروری خیال کیا تھا۔

''خوش تو ہے نا انو؟'' انہوں نے شاید ایک نئے تعلق کے متعلق فکر مندی سے اس سے دریافت کیا تھا۔ وہ جیسے اس گھڑی مجبوراً مسکرائی تھی۔

''ہاں بے جی! سب ٹھیک ہے۔'' انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

''لڑکا تو اچھا ہے نا...... تجھے پسند تو ہے نا؟'' ان کی فکر اور انداز فطری تھا۔

''ہاں بے جی، کہا نا، سب ٹھیک ہے۔ میں آؤں گی تو آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ آپ پاپا کے لیے دعا کیجیے گا۔ اور ہو سکے تو ان کی خطاؤں کے لیے انہیں معاف کر دیجیے گا۔''

بے جی یقیناً دوسری طرف رونے لگی تھیں۔

''بے جی! پلیز آپ روئیں نہیں۔'' اس نے ان کا حوصلہ بندھانا چاہا تھا۔ تبھی فون دوسری طرف سے سیف الرحمٰن نے لے لیا تھا۔

''سیفی! بے جی کا خیال رکھنا۔'' اس نے ان کی کیفیت کے پیش نظر تاکید کی تھی۔

''ہاں...... وہ تو میں رکھ لوں گا۔ مگر تمہارا خیال کون رکھے گا؟'' دوسری طرف وہ یقیناً شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

میرب نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''اتنی سرد سرد آہیں خارج مت کرو...... موسم پہلے ہی کافی سرد ہے۔ اور میرا فریز ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔''

''تم فضول باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے؟''

''خوش ہو نا؟'' جانے کیا اگلوانا چاہا تھا۔ وہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی تھی۔

''نہیں ہونا چاہئے کیا؟''

''کیوں نہیں...... مجھ سے بڑھ کر بھلا کون خیر خواہ ہو گا تمہارا؟''

''حسد کی بو کیوں آ رہی ہے پھر؟'' میرب سیال نے جواباً چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''میں حسد کر کے کیا کروں گا؟ اگر مجھے ایسے سردار صاحب مفت میں بھی ملیں تو میں نہ لوں۔ اور اگر لوں بھی تو پہلی فرصت میں بیچ کر ریوڑیاں کھا لوں۔ وہ ان موصوف سے یقیناً زیادہ سود مند ہوں گی۔''

''سیفی......!'' اس نے ڈانٹنا چاہا تھا۔ مگر اس کے باوجود ہنسی اس کے لبوں پر آ چکی تھی۔ تبھی وہ لب بھینچ گئی تھی۔

''میرب!'' اُس نے سنجیدگی سے پکارا تھا۔

''ہوں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔''

''اور کیا؟''

''اور اس موقع کو کسی قدر راویل کرنے کی کوشش کرنا۔موسم اچھا ہے۔دل پر اثر پذیر بھی ہو سکتا ہے اگر تم اسے اجازت دو۔سردار صاحب کی سنگت کچھ اتنی بری بھی نہیں ہو گی۔اب اپنے احساس بیدار رکھنا۔دل ملنے کے کئی مواقع میسر ہوں گے۔بشرطیکہ تم چاہو۔''

''سیفی!تم اپنے دادی اماؤں جیسے مشورے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے؟''

''سچا خیر خواہ ہوں تمہارا۔''

''اگر ایسا ہے تو بے جی کا خیال رکھنا۔وہ رو تو نہیں رہیں اب؟''

''اتنی فکر ہو رہی ہے تو آ کر چکر لگا جاؤ۔''

''ہاں......'' وہ ابھی کچھ بولنے جا رہی تھی جب اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔اس نے تبھی باقی کی بات اندر ہی دبالی تھی اور گویا ہوئی تھی۔

''سیفی!میں تم سے پھر بات کروں گی۔اوکے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا کسی سبب کے اس کے قریب نہیں آتا تھا۔یقیناً اس گھڑی بھی وہ اسے کوئی ضروری ہدایت دینا چاہتا تھا۔میرب نے پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''آر یو ریڈی ناؤ؟''مکمل توجہ سے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہوں۔''اس نے میکانکی انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سرسری انداز میں تکتے ہوئے سر ہلایا تھا اور پھر اس پر سے اپنا دھیان ہٹا لیا تھا۔میرب سیال نے ایک نظر دیوار پر لگے قیمتی وال کلاک پر ڈالی تھی پھر بہت آہستگی سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''سنیں۔'' پہلا تخاطب تھا یہ۔اس تعلق کے استوار ہونے سے اب تک پہلی بار اس نے حیدر لغاری سے کچھ کہا تھا۔پہلی بار بذات خود اسے خود اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔وہ جو جانے کے لیے پلٹنے کو تھا،اس ایک دھیمی آواز پر یکدم ہی پلٹ کر سوالیہ انداز میں اس کس سمت تکنے لگا تھا۔شاید پہلی ہی بار وہ دانستہ اس کی سمت دیکھنے پر مائل ہوا تھا۔پہلی ہی بار باضابطہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔اس گھڑی اپنی پوری توجہ سے اس کی سمت تکتا ہوا اسے یقیناً بڑا عجیب لگا تھا۔اسے متوجہ کر کے وہ یقیناً کنفیوژ ہوئی تھی۔پتہ نہیں واقعی اس شخص میں اتنا رعب تھا یا پھر وہ ہی اسے اتنا سر پر سوار کر رہی تھی۔اس کے یکدم نگاہ جھکا لینے اور خاموشی سادھ لینے پر وہ کسی قدر اکتاہٹ کا شکار ہوا تھا۔شفاف آنکھوں میں کسی قدر ناگواری کی جھلک عود کر آئی تھی۔میرب سیال کو بھی اپنی کمزور کیفیت بے حد بری لگی تھی۔تبھی وہ سر اُٹھا کر کسی قدر اعتماد سے اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

''ابھی کچھ وقت ہے......میں اپنی بے جی سے ملنا چاہتی ہوں۔کیا ایسا ممکن ہے؟'' پہلی درخواست تھی۔اس خاص تعلق کے

حوالے سے پہلی گزارش تھی۔اس کی پابند تو نہ تھی، تاحال کوئی قیود دوسری جانب سے بھی عائد نہ کی گئی تھیں۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس خاموشی پر شاید مایوس ہو کر سر جھکا گئی تھی۔ بے جی جس طرح آزردہ ہو رہی تھیں، اس کے پیشِ نظر اس نے ایسا ضروری جانا تھا۔لیکن اب اپنی اس گزارش کے بے قدر ہو جانے کا شدید ترین احتمال ہوا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنے والی تھی جب وہ گویا ہوا تھا۔
''ٹھیک ہے......لیکن زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔'' پہلی اجازت تھی یہ۔ پہلی باضابطہ گفتگو تھی ان دونوں کے مابین۔ پہلا حکم تھا شاید۔ جسے صادر کرنے کے بعد وہ پلٹا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ میرب سیال نے چند ثانیوں تک جانے کیوں اس شخص کی چوڑی پشت کو تکا تھا۔ پھر ضروری سامان لینے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ لوٹی تھی تو گاڑی سے ٹیک لگائے وہ اس کا منتظر تھا۔ مائی اماں کی کئی تاکیدیں تھیں، ضروری ہدایات تھی۔ جنہیں سنتے ہوئے وہ مسلسل اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بھی ہمیشہ کی طرح خاصا سرد تھا۔ کسی قدر لاتعلق اور لیا دیا۔ مکمل توجہ جانے اس کی کن کاموں اور لوگوں کے لیے وقف تھی۔ اس لمبے چوڑے شخص کی سمت بلاارادہ تکتی ہوئی وہ گاڑی میں بیٹھی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس کے اس فعل کا منتظر تھا۔ فوراً ہی مائی اماں سے مل کر وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ آن بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے حکم پر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال نے دھیان کھڑکی کی سمت پھیرنے سے قبل براہِ راست ڈرائیور کو بے جی کا ایڈریس بتانے کے ساتھ ضروری ہدایت دے دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت اس لمحے ایک بے تاثر نگاہ کی تھی اور چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔
ان کے پاس وقت واقعی زیادہ نہ تھا۔ وہ جانتی تھی، اس کے اس اقدام پر وہ شخص کچھ خاص خوش بھی نہ ہوا تھا۔ شاید تبھی جب گاڑی بے جی کے گھر کے سامنے رکی تھی تو اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے گاڑی سے اُترنے کی اور اپنے ساتھ چلنے کی درخواست نہیں کی تھی۔
رشتہ اس کا تھا۔ تعلق اس کا تھا۔ وہ کچھ کہتی بھی کیونکر۔ اس تعلق، اس رشتے کی ابھی تک خود اس کے لیے ثانوی حیثیت تھی۔ پھر وہ کسی اور کو اس سلسلے میں انوالو کیوں کرتی۔ خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر وہ گاڑی سے باہر نکلی تھی اور ابھی پلٹی بھی نہیں تھی جب دوسری سمت کا دروازہ کھلنے کی آہٹ نے اسے کسی قدر چونکا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس لمحے گاڑی سے باہر نکل کر کھڑے ہوئے اس کے ہمراہ چلنے کا منتظر تھا۔ اس کی حیرت دوچند تھی۔
کوئی خوش آئند تبدیلی تھی یہ۔
یا پھر وقتی مصلحت کے تحت کوئی وقتی اقدام تھا۔
لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری کب سے مصلحتوں کا پابند ہونے لگا، وہ کیونکر دوسروں کی خاطر اپنی مرضی کی نفی کرنے لگا تھا۔ کیا کچھ مروت اس میں بھی باقی تھی؟ مصلحتاً، مروتاً افعال سرانجام دینا اسے بھی آتا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت ایک سرسری نگاہ کی تھی۔ پھر قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

"ماشاءاللہ، دولہا تو بڑا سوہنا ہے تیرا۔" بے جی اس سے ملنے کے بعد اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے مل رہی تھیں۔ کس قدر بی بے بچوں کی طرح اس لمحے وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ مائی اماں سے بہت انسیت تھی اسے۔ بزرگوں سے ادب و آداب سے ملنا یقیناً اسے آتا تھا۔ بے جی کی فطری تعریف پر وہ شاید دھیمے سے مسکرایا بھی تھا۔ میرب سیال کو بڑی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"خدا جوڑی سلامت رکھے......دل کو بڑی راحت ملی ہے تم دونوں کو سامنے دیکھ کر۔ بڑا ابرا ہو رہا تھا جی۔" بے جی نے محبت سے اسے تکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس گھڑی جیسے مصلحتاً مسکرائی تھی۔

"سیال سے بڑا گلہ تھا مجھے......مگر تیرا دولہا دیکھ کر ساری کلفتیں دُھل گئیں۔ ساری عمر کے عیب دھو دیئے اس نے۔ اب مر بھی جاؤں گی تو میری قبر بڑی ٹھنڈی رہے گی۔"

"خدانخواستہ بے جی!" میرب سیال فوراً بولی تھی۔ "خدا آپ کو لمبی عمر دے۔"

"بیٹا! کیا کروں گی لمبی عمر لے کر؟......اس عمر میں تو اپنی خواہش کم، بچوں سے زیادہ وابستہ ہوتی ہے۔ خدا تم لوگوں کو خوش رکھے۔ اس سے زیادہ کی خواہش ہے نہ حاجت۔" بے جی اسے اپنے ساتھ لگا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکنے لگی تھیں جو اس لمحے گھڑی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"بے جی! ماموں، مامی اور سیفی وغیرہ نظر نہیں آ رہے؟"

"سیفی تو کسی کام سے باہر گیا ہے......البتہ باقی سب لوگ ایک تقریب میں گئے ہیں۔ پہلی بار آئی ہو اپنی نھیال اس تعلق کے بعد۔ سبکتگین بیٹا کیا سوچ رہا ہوگا، کوئی خاطر داری بھی نہیں کی۔"

"نہیں بے جی!......ایسی بات نہیں۔ ایکچوئیلی ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں تھا۔ مجھے بس آپ کی فکر ہو رہی تھی۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی نگاہ بدستور اس کی طرف تھی۔ وہ اس کے گھڑی پر نگاہ کرنے سے ہی جان گئی تھی کہ وہ اس لمحے کیا چاہ رہا ہے۔

"بیٹا! مجھے اپنی اکلوتی نواسی بہت عزیز ہے۔ بہت خیال رکھنا ہے اس کا۔ یوں سمجھو اس گھڑی ہماری جان تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ جی جان سے عزیز رکھنا اسے۔ کبھی کوئی آزار مت آنے دینا۔" بے جی نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سر پر ہولے سے ہاتھ دھرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانے کیوں اس لمحے اس کی جانب متوجہ تھی۔ بے جی کی ہدایت پر وہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ وہ دھیان پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"جی......آپ بے فکر رہئے۔"

"ایک درخواست اور کروں گی۔"

"جی، ضرور۔ مگر درخواست نہیں، حکم کیجیے۔" سعادت مندی بلا کی تھی۔ میرب سیال بری طرح چونکی تھی۔ اس جانب نگاہ بھی کی

تھی مگر وہ اس گھڑی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا، مکمل توجہ سے بے جی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''بہت ترسی ہوں میں ہمیشہ میرب کے لیے۔ میری اکلوتی بیٹی کی نشانی ہے یہ۔ مگر حالات کچھ ایسے رہے کہ سیال نے اسے ہم سے زیادہ ملنے نہیں دیا۔ خیر ہمیں اس سے کوئی گلہ نہیں...... جو اس نے چاہا سو کیا۔ مگر بیٹا! اب جب کہ میرب کی زندگی کے وارث تم ہو، میں تم سے امید رکھوں گی کہ تم اسے ہم سے ملانے آتے جاتے رہا کرو گے۔ بہت تڑپا ہے دل اپنی بچی کے لیے۔ اب اور کی ہمت نہیں۔ عمر کی نقدی ختم ہونے کو آن پہنچی ہے۔ کب بلاوا آ جائے، کسے خبر۔ بس تم سے امید کروں گی کہ تم اسے محبت سے رکھو، اس کا خیال کرو اور کبھی کبھار ہم سے ملوانے لاتے رہا کرو۔'' بے جی کی درخواست پر اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ پھر دھیان پھیر کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔

''چلیں......'' وہ جانتی تھی وہ اس کا توقع سے زیادہ وقت لے چکی تھی اور وہ یقیناً توقع سے زیادہ مروت کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ تبھی اس نے فوراً قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس گھڑی اس کے ہمراہ تھا۔ اس کے ہم قدم تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل اس نے اس کا بہت انوکھا روپ دیکھا تھا۔ جس کے متعلق یقیناً کم از کم وہ قیاس نہیں کر رہی تھی۔ تبھی شاید حیرت بھری نگاہ اس لمحے اس کی سمت اُٹھی تھی۔ اس کے اپنی جانب دیکھنے پر وہ قدرے چونکا تھا۔

''کیا؟'' مختصر استفسار ہوا تھا۔ میرب سیال نے فوراً سر نفی میں ہلایا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر فوراً اندر بیٹھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوسرے ہی لمحے اس پر سے نگاہ ہٹائی تھی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ ڈرائیور نے حکم پر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر کر کھڑکی سے باہر تکنے لگی

☆......☆......☆

اس شام کے بعد سے اس نے ہر خیال کو سرسری لیا تھا۔ یکسر فراموش کر دیا تھا سب کچھ۔ اور کچھ سوچنے لائق تھا بھی کیا...... کوئی بات اس قدر معمول سے ہٹ کر بھی واقع نہ ہوئی تھی۔ لیکن ڈھلتی شام میں جب وہ گرم گرم کافی کے سپ لیتی ٹیرس پر کھڑی اس سرد موسم کو انجوائے کر رہی تھی جب چوکیدار کے گیٹ وا کرنے اور اندر پورچ میں آ کر رکنے والی گاڑی نے اسے چونکا دیا تھا۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس سے قبل بھی یہاں کا چکر شاید لگا چکا تھا۔ ورنہ چوکیدار کسی اجنبی یا نو وارد کے آنے پر گیٹ اس طرح وا ہرگز نہیں کرتا تھا۔

وہ اسی جانب اسی طرح دیکھ رہی تھی جب عفنان علی خان نے گاڑی سے باہر نکل کر ہاتھ اُٹھا کر اسے وش کیا تھا۔ اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ جواباً وہ بھی ہاتھ ہلا دیتی اور وہ اس قدر ان میزڈ قطعاً نہیں تھی کہ گھر آئے مہمان سے بدسلوکی کی روداد بنتی۔ سولبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سجا کر اس نے بہت آہستگی سے ہاتھ ہلا دیا تھا۔ عفنان علی خان ہاتھ میں ایک پیکٹ لیے ٹیرس کی بیرونی سیڑھیاں چڑھتا ہوا آ رہا تھا۔ یعنی انابیہ شاہ کو اب مہمان نوازی کے کچھ اور تقاضے بھی پورے کرنے تھے۔

سیڑھیاں چڑھ کر اس لمحے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ چند ہی ثانیوں میں وہ اس کے مقابل تھا۔

"یہاں سے گزر رہا تھا...... سوچا دادا ابا سے ملتا چلوں۔" حال احوال کے بعد مدعا بیان ہوا تھا۔ یقیناً وہ دادا ابا سے دوستی گانٹھ چکا تھا۔

وہ جواباً رسماً یا پھر شاید اخلاقاً مسکرائی تھی۔ دھیان اس کے ہاتھ میں تھمے پیکٹ کی سمت گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

انابیہ شاہ کے دریافت کرنے پر وہ چونکا تھا۔

"دادا ابا کے لیے گفٹ ہے۔ اس روز میں انہیں کوئی گفٹ نہیں دے سکا تھا۔"

"موصوف کو تعلقات استوار کرنے کے سارے گر شاید ازبر تھے۔"

"کیا ہے یہ؟"

"چیس بورڈ۔"

"چیس بورڈ؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ تو کیا وہ دادا ابا کی دلچسپیوں سے بھی واقف تھا؟ وہ اگر اس گھڑی متاثر نہ ہوتی تو یقیناً اس سامنے کھڑے بندے کی ایفٹ کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ شاید تبھی وہ مسکرائی تھی۔

"کھیلنے سے واقف ہیں؟" بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"حرج تو کوئی نہیں۔"

"کھیلنے میں یا ہارنے میں؟" وہ یقیناً محظوظ ہو رہی تھی۔

"دونوں میں۔ کھیلیں گے نہیں تو جیتیں گے کیسے؟ اور ہاریں گے نہیں تو سیکھیں گے کیسے؟...... جیتنے کے لیے کھیلنا تو بہت ضروری ہے نا۔" موصوف کی فلاسفی خاصی کمال کی تھی۔

"پھر تو لامعہ کے لیے زندگی خاصی دشوار اور مشکل ہوگی۔ چیس کھیلنے والے، دماغ سے چلنے کے عادی ہوتے ہیں۔" قیاس آرائی کی تھی۔ مگر مقابل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہاں لبوں کی مسکراہٹ کچھ گہری ہوگئی تھی۔

"دادا ابا لاؤنج میں ہیں۔" اطلاع دی تھی۔

"رہنمائی نہیں کریں گی؟"

"لامعہ کو انگلی تھام کر چلنے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے مسکرا کر مطلع کیا تھا یا پھر باور کرایا تھا لیکن عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں ہر گھڑی لامعہ نامہ الاپنے کی عادت کیوں ہے؟" وہ یکدم پٹری سے اُترا تھا۔ وہ چلتے چلتے یکدم رکی تھی۔ عفنان علی خان بغور تکتا رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔ تبھی عفنان علی خان دلچسپی اسے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"دادا ابا خاصے اچھے دوست ہیں...... آپ نے ٹھیک کہا تھا۔"

"وہ چیس پلیئر بھی بہت عمدہ ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"ڈرا رہی ہیں آپ مجھے؟" وہ بغور اس کی سمت تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"نہیں...... مطلع کر رہی ہوں۔ وہ سامنے دادا ابا موجود ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" اسے لاؤنج میں چھوڑ کر وہ واپس پلٹ گئی تھی۔

عفنان علی خان مسکرایا تھا، پھر آگے بڑھ گیا تھا۔

'عشق مانگے امتحاں کیا کیا'

انا بیہ کافی لے کر آئی تھی جب خاصا ٹف میچ جاری تھا۔ عفنان علی خان اور دادا ابا مکمل توجہ سے شطرنج کے مہروں کو گھور رہے تھے۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"دادا ابا! اگر لامعہ کو کبھی لگا کہ اس کا منگیتر بہت ذہین وفطین ہے تو اس کا سہرا یقیناً آپ کے سر ہو گا۔" کافی کے مگ ان کے سامنے رکھتی ہوئی وہ یقیناً ان کی کیفیت سے محظوظ ہوئی تھی۔ عفنان علی خان نے فقط ایک نگاہ کی تھی۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ وہیں کھڑی تھی جب ماما نے اسے آواز دی تھی۔

"بیٹا! تمہارا فون ہے۔"

"آ رہی ہوں ماما!" ماما کو آواز دے کر وہ عفنان علی خان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"شطرنج واقعی خاصا مشکل کھیل ہے۔ ہے نا؟" اپنی مستند رائے دے کر وہ بنا اس کا جواب سنے پلٹ گئی تھی۔ عفنان علی خان اسے فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔

انا بیہ شاہ کو اس شخص کی کیفیت یقیناً محظوظ کر رہی تھی۔ دادا ابا پچھلے پچاس برسوں سے چیس کھیل رہے تھے۔ انہیں ہرانا یقیناً آسان نہ تھا۔ وہ بھی عفنان علی خان جیسے قطعی نابلد شخص کے لیے، جسے چیس کی ابجد بھی معلوم نہ تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی فون اسٹینڈ کی طرف آئی تھی۔ دوسری طرف اوزی کی آواز سن کر وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔

"آہ!...... اوزی! تم؟...... ماما نے مجھے بتایا تک نہیں۔ کتنے بے ایمان شخص ہو تم۔ یقیناً تمہی نے انہیں بتانے سے باز رکھا ہو گا۔"

دوسری طرف اوزی ہنس دیا تھا۔

"بتا دیتا تو تمہارے ایکسائٹمنٹ کیسے دیکھتا؟"

"بہت مزہ آتا ہے تمہیں مجھے پریشان کر کے۔"

"یقیناً...... لیکن تمہیں خوش دیکھ کر مجھے زیادہ لطف آتا ہے۔" اوزی دوسری طرف مسکرایا تھا۔

"مانچسٹر کا موسم کیسا ہے؟...... زیادہ ٹھنڈ تو نہیں؟...... اور تم اپنا خیال رکھ رہے ہو یا نہیں؟"

"ایوری تھنگ از فائن اینڈ اِن کنٹرول۔ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟...... پچھلی بار کی طرح کہیں اس بار بھی فیل تو نہیں ہو گئیں؟"

''اوزی! میں فیل نہیں ہوئی تھی، فقط میرے مارکس کم آئے تھے۔ میں تمہاری طرح کوڑھ مغز نہیں ہوں۔'' اس نے اپنا دفاع کیا تھا۔ دوسری طرف اوزی ہنستا چلا گیا تھا۔

''اچھا سنو!......تمہارے لیے کیا لاؤں؟''

''تم آ رہے ہو؟'' وہ حیرت سے چیخی تھی۔ دادا ابا اور عفنان علی خان نے بیک وقت اس کی سمت دیکھا تھا مگر وہ اس گھڑی بے حد مگن تھی۔ کسی بھی رسمی انداز کے بغیر۔ اس کے چہرے پر اس لمحے بڑے نیچرل احساسات تھے۔ وہ اس گھڑی جس سے بھی مخاطب تھی، بہت دل سے مخاطب تھی۔

''اوہ گاڈ......اوزی! تم آ رہے ہو؟''

''تمہارا کیا خیال ہے......میں سدا جوگ لے کر یہیں پڑا رہوں گا؟''

''ارادہ تو خیر تمہارا کچھ ایسا ہی تھا......اب اگر آ رہے ہو تو جی کڑا کر کے آنا۔''

''میرا حوصلہ بندھانے کے لیے تم ہونا۔''

''تمہیں ہر مرض کی دوا میں کیوں نظر آتی ہوں؟''

''کیونکہ تم مجھ سے زیادہ جینئس ہو۔''

''کیا لاؤ گے میرے لیے؟''

''کیا لاؤں؟''

''تم خود آ جاؤ۔''

''اتنی رعایت......دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔'' اوزی کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''کب آ رہے ہو؟''

''یہ نہیں بتاؤں گا۔''

''ہر بار کی طرح اس بار بھی سرپرائز دو گے......پچھلی بار بھی ساری رات بیٹھی جاگتی رہی تھی اور جب تم آئے تھے تو پانی کی پوری بالٹی میرے اوپر انڈیل کر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ بہت اسٹوپڈ ہو تم۔'' پچھلے برس کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا منہ کسی قدر کڑوا ہو گیا تھا۔ لیکن دوسری طرف اوزی ہنس دیا تھا۔

''چلو، پرامس کرتا ہوں۔ اس بار پانی کی پوری بالٹی نہیں انڈیلوں گا۔''

''یعنی تم پھر کسی دھماکے دار سرپرائز کے ساتھ وارد ہو گے......ماما کو آگاہ کر دیتی ہوں میں۔ بتا رہی ہوں تمہیں میں۔ قطعاً نہیں جاگوں گی اب۔ مزید بےوقوف نہیں بننا ہے مجھے۔''

"مزید کیا مطلب؟" اوزی کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"الّس ٹو مچ اوزی!......فون پر ہو اس لیے لحاظ کر رہی ہوں۔ ورنہ......"

"ورنہ کیا؟......دیکھو پچھلی بار کی طرح اس بار بلے کا استعمال مت کرنا۔ کہنے کو تم ایک دھان پان سی، نازک لڑکی ہو۔ مگر شارٹ لگانے میں تمہارا انداز بالکل انضمام والا ہے۔" اوزی نے دہائی دی تھی۔ انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

"تبھی تو کہہ رہی ہوں، شرافت سے وقت بتا کر آؤ۔ اچھا سا استقبال کروں گی۔"

"اس ویک میں کسی بھی دن......اس سے زیادہ نہیں بتاؤں گی۔"

"اوکے......لیکن اسی ڈیوریشن میں آجانا۔ میں ماما کو مطلع کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے......تم اپنا خیال رکھنا۔ دادا ابا کو میرا سلام دینا۔"

"اوکے۔" وہ فون رکھ کر سرشاری مڑی تھی۔

"ماما! اوزی آ رہا ہے۔ دادا ابا! اوزی آ رہا ہے۔"

"اچھا......کب؟" دادا ابا جہاں متوجہ ہوئے تھے وہیں عفنان علی خان نے بھی بغور اس کی جانب دیکھا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ جو بھی تھا، اس کے آنے کی خوشی اس کے چہرے پر رقم تھی۔ انابیہ شاہ کی نظر اس پر پڑی تھی۔ تبھی وہ لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی۔ یقیناً اس ایک لمحے میں وہ یکسر بھول گئی تھی کہ اس لمحے اس گھر میں ایک قدرے اجنبی شخص بھی براجمان ہے۔ شاید تبھی اس نے اپنی ایکسائٹمنٹ پر کسی درجہ قابو پایا تھا اور دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"اسی ویک......اسی ویک میں۔ حسبِ معمول سرپرائز دے کر آنے والا ہے وہ۔" دادا ابا کو مطلع کر کے اس نے چیس بورڈ پر نگاہ کی تھی۔ جہاں بازی اختتام پذیر ہو چکی تھی۔

"ہو اِز دی ونر؟" سوالیہ نظروں سے دادا ابا کی طرف دیکھا تھا۔ جتنی گیم اُلجھی ہوئی تھی اس کے مطابق اتنی جلد نتیجہ متوقع نہیں تھا۔ یہ بات اس کے لیے یقیناً حیرت کا باعث بنی تھی۔

"عفنان علی خان۔" دادا ابا مسکرائے تھے۔

"عفنان علی خان؟" زیرِ لب مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔ عفنان علی خان بہت خاموشی کے ساتھ بیٹھا بغور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے حیرت سے اس پر نگاہ کی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں اس لمحے ایک خاص چمک تھی۔ لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"ہی از اے رئیلی جینئس پرسن۔ یقیناً عفنان علی خان شطرنج کا ایک ماہر کھلاڑی ہے۔" دادا ابا کے کمنٹس اس کے تفاخر میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ انابیہ شاہ کی حیرت برحق تھی۔ وہ واقعی ایسا ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔ دادا ابا نماز پڑھنے کے لیے جانے سے قبل اُسے

سراہنا نہیں بھولے تھے۔

"میں اس سے بہت متاثر ہوں ......آتے جاتے رہا کرو۔ یقیناً خوب جمے گی ہماری تمہاری۔" اور انابیہ شاہ ایک ٹک اس کی سمت تکتی جا رہی تھی۔

دادا ابا کے جانے کے بعد عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

"خواب و خیال کی کیفیت سے باہر آ جاؤ۔ یہ خواب سی آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں وہ یقیناً خواب نہیں ہے۔" مدھم لہجے میں ایک خاص تفاخر تھا۔ آنکھوں میں واضح چمک تھی۔ لبوں کی دھیمی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اس گھڑی اپنی جیت پر کس درجہ سرشار تھا۔ اس کی سمت بغور تکتا ہوا بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل دھواں دھار بولنے والی لڑکی کی زبان اس قدر گنگ تھی۔

"تمہارے وصف تو نرالے ہیں......ان آنکھوں کی ایک جنبش سے ہی فقط دنیا زیر وزبر ہو سکتی ہے۔ تمہیں افعال و اعمال سے کیا غرض؟ تمہاری کرشمہ سازیاں تو اس سے بھی سوا ہیں۔ کتنے انوکھے بھیدوں سے واقفیت ہے تمہاری۔ ایک عام سے بندے کی سوچ کی تو رسائی بھی تم تک ممکن نہیں۔ کتنے انوکھے جہانوں میں بستی ہو تم؟......کتنے انوکھے ٹھکانے ہیں تمہارے۔" عفنان علی خان کی ذہنی رو پھر شاید بھٹک رہی تھی۔ وہ اس گھڑی پھر شاید پٹڑی سے اُتر رہا تھا بلکہ شاید اُتر چکا تھا۔ انابیہ شاہ اب تک جواسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

"کھانا کھا کر جانے کا ارادہ ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے بغور دیکھتے ہوئے سر نفی ہلا دیا تھا۔

"نہیں......پھر کبھی سہی۔ آج تو فقط جیت سے سرشار ہوں۔" وہ اسی طرح کھڑا تھا جب ماما وہاں آئی تھیں۔

"تم کھڑے کیوں ہو بیٹا! بیٹھو نا......کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں آنٹی! پھر کبھی سہی۔" وہ بولا تھا۔ پھر ایک نگاہ اس کی طرف کی تھی، دھیمے سے مسکرایا تھا اور پھر پلٹ کر قدم بڑھا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

"بھابی! کتنی عجیب بات ہے......آپ نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی شادی کر کے دلہن سمیت اسے ہنی مون کے لیے بھی بھجوا دیا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ وہ تو اس روز عفنان نے اسے ہوٹل میں دیکھا تو تب حقیقت کھلی ورنہ شاید آپ تو اپنی بیٹی سے یہ بھی مخفی رکھتیں۔" فاطمہ خان نے مائی اماں سے شکوہ کیا تھا۔ وہ بڑی رسانیت سے مسکرا دی تھیں۔

"بھلا ایسی باتیں بھی کبھی مخفی رہ سکتی ہیں فاطمہ؟......بتایا تو تھا تمہیں سیال صاحب کی بیماری کے متعلق۔ انہی کی اکلوتی بیٹی ہے

میرب۔ وہ علاج کی غرض سے باہر جارہے تھے سو یہاں چھوڑ گئے۔"

"اور وہ جو عفنان کو خود سبکتگین نے مطلع کیا؟" فاطمہ خان نے استفسار کیا تھا۔

"یہی تو بتا رہی ہوں...... سیال صاحب کو علاج کی غرض سے بیرون ملک جانا تھا۔ اگرچہ رشتے کی بات تو اس سے قبل ہی چلی تھی مگر انداز سرسری تھا۔ سیال صاحب جب جارہے تھے تو ان کا ارادہ فقط منگنی کا ہی تھا۔ مگر مجھے میرب اس قدر پسند آئی تھی کہ میں اسے ہرگز کھونا نہیں چاہتی تھی۔ سو میں نے ان کے سامنے نکاح کی تجویز رکھی تو انہوں نے بھی انکار نہیں کیا۔ اس طرح میرب سبکتگین کی منکوحہ ہوگئی۔ ابھی باضابطہ کچھ کیا کہاں ہے۔ پھر کاہے کا ڈھڈ واپیٹنا۔ سیال صاحب صحیح سلامت لوٹیں گے تو پھر باضابطہ اس بات کا اعلان کریں گے۔ فی الحال تو وہ دونوں سیال صاحب کی عیادت کو ہی گئے ہیں۔ میرب بہت آزردہ ہو رہی تھی۔ سبکتگین حیدر بھی بزنس ٹور پر جارہا تھا۔ میں نے میرب کو بھی ساتھ کر دیا۔"

"سبکتگین حیدر نے عندیہ دے دیا تھا نکاح کے لیے؟" فاطمہ پھوپھی تھیں۔ بھتیجے کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں۔ تبھی کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔

مائی اماں مسکرادی تھیں۔

"فاطمہ! گھوڑا چاہے لاکھ سرکش ہو، اپنے سائیس سے سرکشی نہیں کرسکتا۔ چاہے لاکھ ہاتھ پیر مارے مگر سائیس جانتا ہے کہ اسے کس طرح قابو کیا جاسکتا ہے۔"

"سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پسند تو ہے نا لڑکی؟" فاطمہ خان کو تشویش ہوئی تھی۔

مائی اماں مسکرادی تھیں۔

"میرب میں ناپسند کرنے والی کوئی بات نہیں۔ سب سے بڑھ کر مجھے اس لڑکی میں بہت خاص شے نظر آئی ہے فاطمہ! بہت سی لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ میں نے۔ مگر میرب کو دیکھ کر جانے کیوں مجھے لگا کہ یہی وہ لڑکی ہے جو میرے سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھ سکتی ہے۔ سب کچھ اپنے رنگ میں رنگ سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ایک دن ایسا سب کر گزرے گی۔" مائی اماں کا لہجہ پُر یقین تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھابی! مگر سبکتگین حیدر......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔ مائی اماں نے انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تمہارے خدشے بے جا نہیں ہیں فاطمہ! کسی قدر فکر مند میں بھی تھیں۔ مگر اب مجھے لگنے لگا ہے کہ ایسا یقیناً ہوسکتا ہے۔ وہ لڑکی بڑی کرشمہ ساز ہے۔ وہ حالات کو اپنے بس میں کرسکتی ہے۔ پہلے پہل مجھے بھی لگا تھا میں نے کسی معصوم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ لیکن اب مجھے ایسا کوئی پچھتاوا نہیں۔ فاطمہ! مجھے لگتا ہے یہ وہی لڑکی ہے جس کی ضرورت سبکتگین حیدر جیسے شخص کو تھی۔ یہی وہ لڑکی ہے جو اسے مکمل کرسکتی ہے۔"

فاطمہ خان نے سر ہلایا تھا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

تبھی مائی اماں نے ان کی سمت تکتے ہوئے کہا تھا۔

"تم سناؤ...... بیٹے کی شادی کب کر رہی ہو؟"

"ابھی کہاں بھابی!......آپ تو جانتی ہیں آج کل کے بچوں کے مزاج کو۔ عفنان بھی کہاں حق میں تھا اتنی جلدی شادی کے۔ وہ تو بہنوں کے اور میرے کہنے پر منگنی کی زنجیر پیروں میں پہن لی۔"

"تو زبردستی کیوں کر رہی ہو بچے پر؟......عفنان علی خان تو ماشاءاللہ خاصا سلجھا ہوا بچہ ہے۔ اس معاملے میں تم تو ایک خوش نصیب ماں واقع ہوئی ہو۔ کردو جہاں کہتا ہے۔ میرے سبکتگین حیدر کا تو سرے سے معاملہ ہی مختلف تھا۔ ورنہ کیا عجب کہ جس لڑکی کے لیے کہتا میں اسے بہو بنا کر گھر نہ لے آتی۔" اک سرد آہ کے ساتھ مائی اماں گویا تھیں۔ فاطمہ نے بھابی کے ہاتھ پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تھا۔ انداز تسلی دینے والا تھا۔

"ماشاءاللہ...... بہت سمجھدار اور سعادت مند تو اپنا سبکتگین حیدر بھی ہے۔ بس آزاد معاشرے کا کچھ بگاڑ اس کی شخصیت میں بھی آ گیا ہے۔ خیر چھوٹی موٹی خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ عیبوں سے پاک تو صرف خدا کی ذات ہے۔ اور پھر یہ چھوٹی موٹی خامیاں تو دور کی جاسکتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے برعکس سبکتگین حیدر میں بہت سی عمدہ صفات بھی موجود ہیں جو شاید کسی دوسرے شخص میں ناپید ہوں۔ عفنان علی خان، سبکتگین حیدر کے کچھ برعکس واقع ہوا ہے۔ آپ پسند کی شادی کی بات کر رہی ہیں۔ بہنیں تو پوچھ پوچھ کر ہار گئیں مگر اس نے مجال ہے جو ایک بھی لڑکی کا نام لیا ہو۔ سرے سے اس کی زندگی میں کوئی موجود ہی نہیں تھی۔"

"تبھی تو بہنوں اور ماں کی مشترکہ پسند پر چپکے سے سر جھکا دیا۔" فاطمہ خان مسکرا رہی تھیں۔

"خیر لامعہ بچی ہے تو اچھی۔ منگنی کی تقریب کی میں خوب جچ رہی تھی عفنان کے ساتھ۔" مائی اماں نے سراہا تھا

"بس بھابی! خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ جوڑی سلامت رکھے۔ اس تعلق کو سدا بنائے رکھے۔"

"آمین۔" مائی اماں نے بھی اس دعا کی قبولیت کے لیے لب کھولے تھے۔

☆......☆......☆

"اگینے! آپ نے کبھی معجزے ہوتے دیکھے ہیں؟" اذہان حسن بخاری نے گرم کافی کا سپ لیتے ہوئے کھلے آسمان کی وسعتوں کو دیکھا تھا۔ اگینے نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"شاید۔" بولی تو آواز بہت دھیمی تھی۔ اذہان حسن بخاری کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ ہاتھ میں لیے اس کی سمت پُر خیال نظروں سے تکنے لگا تھا۔

"شاید کبھی کہیں کسی زمین پر ہوتے ہوں، ہوئے ہوں۔ مگر میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے ایسی کرشمہ سازیاں نہیں دیکھیں۔"

اگینے مدھم لہجے میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی مسکرا دیا تھا۔ تبھی اگینے مزید گویا ہوئی تھی۔

”شاید معجزے چاند پر ہوتے ہیں......گماں، میں حسین تر، دلفریب ترین۔ دیکھو، خوب صورت سوچیں تو دلکش ترین ہوتی ہیں۔ مگر......مگر رسائی سے بہت پرے، دسترس سے کہیں باہر ہوتی ہیں۔ سچ کہوں، میں نے تو آج تک کوئی تارا بھی ٹوٹتے نہیں دیکھا۔ جن کے ٹوٹنے پر کوئی دعا بروقت سوچ کر مانگی جاسکے کہ اس ایک قیمتی لمحے میں مانگی جانے والی وہ دعا پوری ہو جائے۔“

اذہان حسن بخاری نے شاید اس کی بات کے ہی ضمن میں اس لمحے بے دھیانی میں سر اُٹھا کر کھلے آسمان کو بغور دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

”سچ کہوں......آج تک میں نے بھی کوئی تارا ٹوٹتے نہیں دیکھا۔ اس ضمن میں یقیناً ہمیں ناسا والوں کی خدمات لینی چاہئیں۔ آخر یہ بھید کھلے، ایسا ہے بھی یا کہ نہیں۔ سچ میں کوئی ایسا تارا ہے کہ جس کے ٹوٹنے پر کوئی خواہش پوری ہونے کی یقین دہانی ہو سکے؟“ وہ مسکرا رہا تھا۔

اگینے ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے بغور تکنے لگا تھا۔ اگینے نے کافی کا سپ لیا تھا، اس پر نگاہ کی تھی اور لب بھینچ کر مسکرائی تھی۔

”زندگی کی الگ کہانی ہے۔ زندگی چاند تاروں میں نہیں بستی، زندگی میں بستی ہے۔ بہلاوے بہت خوبصورت سہی، مگر دل کو، دماغ کو باور کرانا بہت مشکل ہے۔ حقیقت کا ادراک بہت برا ہوتا ہے۔ آگاہی بہت بری ہوتی ہے۔ آنکھیں بند کر کے چلنا آسان ہے۔ اندھیرے میں کسی بات کا احساس نہیں ہوتا۔ سب رنگ ایک جیسے لگتے ہیں۔ مگر......مگر آگاہی ان سب باتوں کی مکمل نفی کرتی ہے۔“

”آپ کو ایسا لگتا ہے؟“ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا تھا۔ اگینے نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

”تم سے بڑی ہوں۔ جھوٹ تو قطعاً نہیں بول سکتی۔“

”کس نے بتایا آپ کو؟......ناسا والوں نے یا خود آپ نے؟“ جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ شگفتگی سے مسکرایا تھا۔

”اوہ کم آن......“ وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ اگینے نے کافی کا سپ لیا تھا پھر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

”ہماری عمر کے ہو لو۔ پھر پوچھیں گے۔ ابھی بہت چھوٹے ہو تم۔ اور تجربہ وقت کے ساتھ آتا ہے۔ اس کا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔“

اذہان حسن بخاری نے کافی کا سپ لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

”شاید آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔“ وہ ایک لمحے میں ہم خیال ہوا تھا۔ اگینے خاموشی سے سر جھکا کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔ تبھی اذہان حسن بخاری کے پرسنل ڈیجیٹ سیل پر رِنگ ٹون بجی تھی۔

”ایکسکیوز می۔“ اس نے ایک لمحے میں معذرت کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا تھا۔

”جی چاچو! کیسے ہیں آپ؟“ دوسری طرف فیض چاچو تھے۔

''پرفکیٹلی آل رائٹ۔تم کیسے ہو؟......باقی سب لوگ کیسے ہیں؟''

''سب ٹھیک ہیں چاچو! کب آ رہے ہیں آپ واپس؟''اس نے دریافت کیا تھا۔

''صبح بھابی سے بات ہوئی تھی تو وہ بھی کان کھینچ رہی تھیں۔سیمینار تو کب کا ختم چکا۔انہیں بھی تشویش ہو رہی تھی کہ کہیں میں نے یہیں یو ایس اے میں قیام کا ارادہ تو نہیں کر لیا۔انہوں نے یہاں تک پوچھ لیا کہ کہیں میں اپنے ساتھ کوئی گوری ووری تو نہیں لا رہا۔'' فیض چاچو بہت فرینڈلی تھے۔اس لمحے بھی وہ ہنس رہے تھے۔اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''پھر کیا کہا آپ نے؟''

''مجھے تو بہت سی گوریاں پسند آ گئی ہیں۔مگر معاملہ یہ ہے کہ میں بھی ان کو پسند آ جاؤں۔''وہ کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

''چاچو! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔آپ کسی جارج کلونی سے کم ہیں کیا؟''اس کا موازنہ بہت خوب تھا۔تبھی فیض چاچو کھلکھلا کر ہنس دیئے تھے۔

''آف کورس۔اگلے بیس برسوں تک میں بھی ٹاپ موسٹ ایلیجبل بیچلر گائز میں شمار رہوں گا۔''

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔تبھی انہوں نے قدرے سنجیدہ ہو کر دریافت کیا تھا۔

''بھابی سے میں نے کچھ دریافت نہیں کیا۔مگر مجھے بڑی فکر ہو رہی تھی۔سعد بھائی کی طرف سے سب کچھ ٹھیک ہے نا؟''وہ اصل مدعا پر آئے تھے۔اذہان حسن بخاری لب بھینچ گیا تھا۔چند ثانیوں تک خاموش رہا تھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے چاچو!''لہجہ مدھم تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو؟''فیض بخاری کا انداز کسی قدر فکر مندانہ تھا۔مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔تبھی وہ بولے تھے۔

''میں یہاں آنا نہیں چاہ رہا تھا۔ان دنوں جو اس گھر کی حالت تھی،یقیناً اس میں سب کچھ چھوڑ کر جانا بہت آکورڈ لگ رہا تھا۔مگر فارحہ بھابی نے امپوز کیا تو مجھے آنا پڑا۔بات تو کچھ دنوں کی تھی مگر میرا سارا دھیان اسی طرف لگا رہا۔فیملی کرائسس میں ہو تو پھر شاید چھوٹی چھوٹی باتوں اور واہموں میں دل کو اُلجھنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔اور میری فیملی تو درحقیقت مشکل میں ہے۔''فیض بخاری بہت پریشان لگ رہے تھے۔

''نہیں چاچو! یہاں سب ٹھیک ہے۔آپ کب آ رہے ہیں؟''

''بہت جلد جان! تم اپنا اور بھابی کا خیال رکھنا۔''بہت محبت سے وہ گویا تھے۔

''جی چاچو!'' سلسلہ منقطع کر کے اس نے اگینے کی سمت دیکھا تھا جو اس لمحے اسی کی سمت بغور دیکھ رہی تھی۔وہ جانے کیوں نظر پھیر گیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب کا فون تھا؟''فیض بخاری کے متعلق دریافت کیا تھا۔وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہوں۔''

''موصوف مشہور و معروف ہارٹ اسپیشلسٹ بن چکے ہیں۔'' متاثر کن انداز میں شانے اچکا کر تجزیہ کیا تھا۔ اذہان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہوں۔''

''ابھی تک شادی نہیں کی؟'' اسے شاید حیرانی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''کہیں جوگ ووگ تو نہیں لے لیا؟'' مسکراتا ہوا انداز یقیناً تفتیشی ہی تھا۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

''میری عمر 35 برس ہو چلی ہے اور موصوف مجھ سے تو چند برس بڑے ہی ہیں۔ جب میں پرائمری میں تھی تو انہوں نے ٹینتھ اسٹینڈرڈ پوزیشن کے ساتھ پاس آؤٹ کیا تھا۔'' وہ فون پر اس کی گفتگو یک طرفہ طور پر ہی سہی، سن چکی تھی۔ اتنی سمجھ دار تھی کہ لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ سکتی تھی۔ وہ اس کا موڈ بھی بھانپ گئی تھی شاید۔ تبھی ماحول کی اور اس کے اندر کی کثافت شاید معدوم کرنے کو اس گھڑی بے معنی گفتگو بھی خاصے انہماک سے کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''فیض چاچو تو خاصے ہینڈسم تھے ان دنوں۔ بہت سی لڑکیاں فدا تھیں ان پر۔ آپ نے کبھی انہیں اس زاویے سے نہیں دیکھا؟'' دوستانہ انداز میں دریافت کیا تھا۔ اگینے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''بہت نک چڑھا اور خبطی تھا وہ ان دنوں...... کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ مجھے اسے چھیڑ کر بڑا لطف آتا تھا۔ بہت بنتا تھا وہ کہ ذہین ہوں، پوزیشن ہولڈر ہوں، ڈاکٹری پڑھ رہا ہوں، کچھ کچھ ہینڈسم بھی ہوں۔ موصوف کی گردن ہمیشہ یوں تنی رہتی تھی۔ لیکن میرے سامنے اس کی ساری کلف اُتر جاتی تھی۔ قبا چہ کہہ کر چھیڑتی تھی اسے۔'' وہ مسکراتی ہوئی گزشتہ وقت کے پردے چاک کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''اگینے! میرے چاچو! اچھے خاصے معقول شخص ہیں۔'' دفاع کیا تھا۔

''ہاں، تو میں کب انکاری ہوں؟...... میں بھی سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔'' اگینے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ اگر اگینے کا مقصد اس کی ٹینشن ریلیف کرنے کا تھا تو وہ یقیناً اس ضمن میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اس لمحے اذہان حسن بخاری کے چہرے پر بڑی شفاف مسکراہٹ تھی۔ اسے مطمئن دیکھ کر اگینے کو خوشی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

میرب سیال نے اپنے وہاں پہنچنے کی پیشگی اطلاع نہیں دی تھی۔ تبھی زوباریہ اسے دیکھ کر قدرے حیران ہوئی تھی۔

''اچھا کیا آ گئی ہو تم۔ لیکن اطلاع تو دینی چاہیے تھی۔'' زوباریہ کا انداز ہمیشہ کی طرح کسی قدر سرد تھا۔ میرب سیال انہیں فقط

دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ کی تھی اس پر بھر زوباریہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
"میں ایک بزنس اسائنمنٹ کے لیے آ رہا تھا۔ مائی اماں کا خیال تھا اس وقت انہیں بھی سیال صاحب کے پاس ہونا چاہیے۔ مجھے مائی اماں کے خیال سے اختلاف نہیں ہوا۔" مضبوط لہجے میں کہتا ہوا شاید وہ اسے ڈی فنڈ کر رہا تھا۔ میرب سیال نے کسی قدر چونک کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ مگر اس لمحے وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ سر جھکا کر آگے بڑھ گئی تھی۔
پاپا اس سے مل کر خوش تھے۔ کتنے لمحوں تک اسے اپنے ساتھ لگائے بیٹھے رہے تھے۔ اور ان کا لمس اس نے بھی تو کتنے دنوں بعد محسوس کیا تھا۔ کس قدر سکون مل رہا تھا۔ آنکھوں سے بہت خاموشی کے ساتھ گرم گرم پانی بہہ رہا تھا۔
"بچے! ٹھیک ہے سب کچھ۔ تم کیوں رو رہی ہو؟" پاپا نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دھیمے سے مسکرا کر کہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی مظہر سیال گویا ہوئے تھے۔
"ایوری تھنگ اِز فائن بیٹا!...... دیکھو میری طرف، لگ رہا ہوں نا تندرست؟ اچھا یہ بتاؤ آپ خوش تو ہو نا؟...... سبکتگین خیال تو رکھ رہا ہے نا تمہارا؟ حمیدہ بیگم سے کہہ دیا تھا میں نے، اپنی امانت سونپ کر جا رہا ہوں۔ تندرست ہو کر لوٹوں گا تو بڑی دھوم دھام سے خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو سونپوں گا۔ تب تک وہ میرے بچے کا خیال رکھیں۔" وہ شاید اس کا دھیان بٹانا چاہ رہے تھے۔ مگر وہ بہت آزردہ سی سر اُٹھا کر ان کی طرف تکنے لگی تھی۔
"پاپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"
"کیوں؟" اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے وہ مسکرائے تھے۔ "بیٹا! ٹھیک تو ہے سب۔" ان کے باور کرانے پر بھی اس کے اندر کی کیفیت نہیں بدلی تھی۔ اس کے ہاتھ تھام کر مظہر سیال گویا ہوئے تھے۔
"ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جب بچپن میں تم میرے لیے دعا کیا کرتی تھیں تو میں ہر تکلیف سے نکل آیا کرتا تھا۔ مجھے یقین ہے اگر آج بھی میری بیٹی میرے حق میں دعا کرے گی تو وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔" پاپا کے حوصلہ بندھانے کے باوجود اس کی آنکھوں سے نمی ختم نہیں ہوئی تھی۔
"ابھی تو بہت جینا ہے مجھے۔ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں ڈولی میں بٹھا کر رخصت کرنا ہے۔ فانی کی دلہن کو گھر لانا ہے۔ نواسے نواسیوں، پوتے پوتیوں کو گود میں کھلانا ہے۔ ابھی اتنی جلد ہرگز نہیں جانا ہے مجھے۔ تم ہر طرح کی فکر دل و دماغ سے نکال دو۔" پاپا نے اس کی پیشانی پر بہت آہستگی سے اپنے پیار کی مہر ثبت کی تھی۔ اس کے آنسوؤں کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی۔
یکدم آہٹ ہوئی تھی۔ شاید کوئی اس کے قریب تھا۔ خوشبو نتھنوں میں گھسی تھی۔ تاثر بڑا جانا پہچانا تھا۔
"ہمت سے کام لیں۔ اس طرح آپ سیال صاحب کا حوصلہ نہیں بڑھا سکتیں۔" کوئی اس کے قریب کھڑا مخاطب تھا۔ اس کے حواس لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے۔ یقیناً یہ آواز، یہ لہجہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہی تھا۔ وہ بہت آہستگی سے پاپا سے الگ ہوئی تھی۔

''ٹھہرے کہاں ہو تم لوگ؟'' پاپا نے دریافت کیا تھا۔

''ہوٹل میں۔'' میرب نے بہت آہستگی سے جواب دیا تھا۔ تبھی زوباریہ بولی تھی۔

''تم ہمارے ساتھ بروک لین میں کیوں آ کر نہیں رہتے؟ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔''

زوباریہ کی پیشکش یا پھر مشورے پر اس نے بلا ارادہ سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ بہت بے تاثر سا چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ یعنی فیصلہ اس کے ہاتھ ٹھہرا تھا۔ تمام حق وہ محفوظ رکھتی تھی۔ تمام مرضی اس کی تھی۔ ایک لمحے میں اسے فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... ہم زیادہ دنوں کے لیے نہیں آئے۔ دو ایک دن میں شاید ان کا کام نمٹ جائے اور ہمیں واپس لوٹنا پڑے۔ آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی۔'' اس نے زوباریہ سے کہتے ہوئے ایک نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت کی تھی۔ لیکن وہ شخص ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا۔ اس کا دھیان قطعاً اس کی سمت نہ تھا اور ایسا کوئی فیصلہ کر کے اسے اس کی حمایت یا ستائش تو قطعاً حاصل نہ کرنی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے اس کے تعلقات اگر بہت سرد مہری لیے ہوئے تھے تو زوباریہ سے بھی کوئی خاص انسیت نہ تھی۔ وہ پہلے ہی بہت ٹنس تھی۔ مزید کوئی اسٹریس لینا نہیں چاہتی تھی۔ اور زوباریہ کے ساتھ رہنے کا مطلب تھا اپنے لیے لحہ لحہ نئی ٹینشن کری ایٹ کرنا۔

پاپا سے ملنے کے بعد وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے گاڑی تک آئے تھے۔

''تھینکس۔'' میرب سیال نے گاڑی میں بیٹھ کر اس کی سمت نگاہ کر کے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''فور سپورٹنگ می۔'' اس کے ساتھ وہ چاہے جو رویہ رکھتا مگر وہ قطعاً نہیں چاہتی تھی کہ وہ پاپا کے سامنے کسی طرح کی بیگانگی یا سرد مہری کا مظاہرہ کرے۔ تبھی بہت مشکور سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چہرے سے بھرپور تاثر دیتے ہوئے بے نیازی سے شانے اچکا دیئے تھے۔ لیکن میرب سیال نے اس کی سمت سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

''آج پاپا سے مل کر مجھے جو راحت ملی وہ فقط آپ کے باعث ممکن ہوئی۔ اگر آپ مجھے ہمراہ نہیں لاتے تو شاید اس وقت میں پاپا سے مل نہیں پاتی جس لمحے انہیں میری ضرورت تھی۔'' وہ مشکور سی بول رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

''یہ رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ جتنے دل کے قریب ہوتے ہیں، اتنا ہی کمزور بھی کر دیتے ہیں۔ بیک وقت یہ دو احساسات سے دوچار کرتے ہیں۔ مضبوطی اور کمزوری سے۔''

اس شخص سے اس کا تعلق بڑا اوا جی سا تھا۔ سرد مہری میں لپٹا۔ بے تاثر انداز لیے۔ پھر جانے کیوں وہ اس سے اتنی خاص نوعیت کی گفتگو کر رہی تھی۔ شاید وہ واقعی اس کی مشکور تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی شاید مروت کے تقاضوں سے واقف تھا۔ متواتر اس کی سمت توجہ سے تکتا رہا تھا۔ شاید وہ اس کی جانب سے مزید کچھ بولنے کا منتظر تھا۔ مگر میرب سیال اب کے کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ بہت مختصر سا تعلق تھا اس کا۔

بہت مختلف دنوں کا ساتھ تھا۔

کتنا کچھ جان پائی تھی وہ اس کے متعلق۔ کتنا منکشف ہوا تھا وہ اس پر۔ اگر کوئی قیاس کرتی تو یقیناً غلط ہوتا۔ یا پھر جو بھی تھا وہ بے مہر نہیں تھا۔ بے تاثر نظر اگر آتا بھی تھا تو شاید تھا نہیں۔ یا پھر وہ محض انسانیت کے ناتے اس لمحے بنا کسی غرض کے اس کے ساتھ تھا۔ میرب سیال اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

تبھی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''پریشانیوں کے متعلق سوچنے سے، پریشانیاں مزید بڑھتی ہیں۔ سوڈونٹ بی سکیئر۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہوگا۔'' بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ اس لمحے اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ میرب سیال ساکت سی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''اگر آپ کو سیال صاحب کی ہمت بندھانا ہے تو خود آپ کو مضبوط نظر آنا ہوگا۔ آنسو انسان کو بہت کمزور کر دیتے ہیں۔ خود کو بھی اور اسے بھی جس کا حوصلہ بندھانا مقصود ہو۔ آپ کو اپنی ہمت توڑنا نہیں چاہیے۔ اس سے سیال صاحب کو یقیناً تکلیف ہوگی۔'' لفظ بہت نرم تھے مگر انداز بہت دوستانہ نہ تھا۔ لیکن ان آنکھوں میں کسی قدر نرمی ضرور تھی۔

میرب سیال خاموشی سے تکتی رہی تھی۔

کوئی رسم دوستی نہیں تھی۔ فقط مروت تھی۔

اور وہ کچھ زیادہ ایکسپیکٹ بھی نہیں کر رہی تھی۔ شاید تبھی وہ خاموش ہوا تھا۔ وہ بھی بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

دل بہت سنبھلا نہ تھا۔

مگر اس دل جوئی پر کسی قدر ڈھارس ضرور بندھی تھی۔ وہ بہت خاموشی سے بیٹھی تھی جب یکدم سردار سبکتگین حیدر لغاری کا پرسنل سیل بجا تھا۔

میرب سیال کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔

ایک لمحے میں اس نے سردار سبکتگین کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ کسی سے مخاطب تھا۔

صورت حال کڑی ہو تو ایک پتا سرکنے پر بھی دل بہت تیزی سے دھڑکتا ہے۔ پاپا اس وقت ہاسپٹلائز تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پرسنل سیل کے بجنے پر وہ یہی سمجھی تھی کہ فون شاید اسپتال سے ہو۔ اس کی دھڑکنیں معمول پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری بڑی رسانیت سے اس گھڑی کسی سے مخاطب تھا۔ فون یقیناً ہسپتال سے نہیں تھا۔

''کیا ہوا......؟'' وہ سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ اب بھی حواس باختہ سی اس کی سمت دیکھ رہی تھی اور نہ جانے اس لمحے میں کیا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اور ان کمزور لمحوں میں اس کا حوصلہ بندھانا مقصود تھا۔

میرب سیال چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر ہونٹ بھینچ کر اس کی سمت سے دھیان ہٹا گئی تھی۔ تب اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

☆......☆......☆

سید اذہان حسن بخاری سر جھکائے فائل دیکھ رہا تھا۔ جب سعد بخاری نے اس کے آفس میں قدم دھرا تھا۔

''تمہیں کتنا عرصہ ہوا ہے بزنس کرتے ہوئے؟'' کسی قدر درشت لہجے میں ان کا مخاطب وہی تھا۔

اذہان حسن بخاری نے چونک کر سر اُٹھائے ہوئے کسی قدر حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ یقیناً ان کا مخاطب وہی تھا۔ مگر وہ کس ضمن میں اس سے دریافت کر رہے تھے، وہ یہ نہیں سمجھ پایا تھا۔ تبھی فقط خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ سعد بخاری چند ثانئے تک خاموشی سے اسے تکتے رہے تھے پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کسی قدر اکتاہٹ سے پُر لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

''جانتے ہو، جتنی تمہاری عمر ہے اتنا میرا تجربہ ہے۔'' بھرپور انداز میں جتایا تھا۔ مگر وہ بڑی رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

''یقیناً......آپ کو میرے والد محترم ہونے کا شرف جو حاصل ہے۔'' شانے اچکانے کا انداز صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں مکمل طور پر ہیلپ لیس ہے۔

سید سعد شاہ بخاری نے ایک گہری سانس خارج کر کے جیسے اس لمحے کی ساری کوفت کو رفع کرنا چاہا تھا اور کسی قدر پُرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر رسانیت سے گویا ہوئے تھے۔

''پوچھ سکتا ہوں فہیم صاحب کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کو تم نے ملتوی کیوں کر دیا؟'' بغور اس کی جانب تکتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھے۔

اذہان حسن بخاری نے سامنے دھری فائل بند کر دی تھی۔ پھر سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا اور بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کیونکہ میں جانتا ہوں یہ سب بے سود ہوگا۔ فہیم صاحب فقط اپنی کمپنی کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کی غرض سے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ان کی دیوالیہ ہوتی کمپنی ہمارے کسی کام کی نہیں۔ شاہ گروپ آف کمپنیز کی اپنی ایک ساکھ ہے۔ ایک نام ومقام ہے۔ معاملہ مارکیٹ ریپوٹیشن کا ہے۔ آج ہماری کمپنی کے شیئرز کس قدر بلند ہیں، یہ بات سب پر منکشف ہے۔ ترقی اور کامیابی کا اوپر جاتا ہوا گراف سب کے لیے کشش کا باعث ہوتا ہے۔ بلندی کی سمت ہر کوئی بڑھنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا آسان نہیں۔''

"تم کیا سمجھتے ہو، تمہارے ان کھوکھلے بہلاووں میں مجھ جیسا شخص آ سکتا ہے؟...... کیا تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو کہ شاہ گروپ آف کمپنیز کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں؟" وہ کسی قدر خائف تھے۔

"اس کا فیصلہ تو بورڈ آف ڈائریکٹرز زیادہ بہتر انداز میں کر سکتا ہے۔ آپ چاہیں تو ایک میٹنگ بلوا سکتے ہیں۔" اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

سید سعد شاہ بخاری بیٹے کو دیکھ کر رہ گئے۔ ایک بار پھر بیٹا ان کے مدمقابل تھا۔ چند ثانیوں تک وہ اسی طرح کھڑے رہے تھے۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئے تھے۔

"تمہیں کیوں عادت ہوتی چلی جا رہی ہے ہر جگہ میری مخالفت کرنے کی؟" ان کا لہجہ مدھم اور انداز کسی قدر پُرافسوس تھا۔ اذہان حسن بخاری انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے...... مجھے دانستہ آپ کی مخالف سمت چلنے کی عادت نہیں۔ میں مانتا ہوں آپ کا تجربہ بھی مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ آج شاہ گروپ آف کمپنیز جس گراف پر ہے وہ بھی سب آپ کے باعث ہے۔ مگر پاپا! جو میں کہہ رہا ہوں وہ بھی غلط نہیں ہے...... اور پھر یہ کوئی اس قدر سیریس میٹر بھی نہیں ہے۔ میرا نہیں خیال کہ فہیم صاحب کو یا ان کی کمپنی کو اپنے ساتھ لینے سے یا نہ لینے سے ہمیں کوئی فائدہ یا نقصان ہو سکتا ہے۔"

"تم جانتے ہو فہیم صاحب ہمارے کتنے پرانے جاننے والے ہیں؟"

"تو کیا ہوا؟" اس نے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ "پاپا! بزنس، تعلقات کی بیس پر نہیں چلتے۔ اور جن شرائط پر وہ ہمارے ساتھ ڈیل کرنا چاہتے ہیں ان پر تو قطعاً نہیں۔" اذہان حسن بخاری کا انداز کسی قدر ٹھوس تھا۔ سعد بخاری خاموشی سے اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔

"پاپا! یہاں معاملہ فقط مخالفت برائے مخالفت کا نہیں ہے اور یہاں فیملی میٹر سے زیادہ معاملہ کمپنی کی ساکھ کا ہے۔ ہم اگر چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو لے کر اُلجھیں گے اور ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے تو یقیناً ایسا ماحول کمپنی کے حق میں سازگار نہیں ہوگا۔ میں ایک بزنس مین کا بیٹا ہوں۔ اتنا تو جانتا ہی ہوں کہ جس طرح گھر کی ڈائننگ ٹیبل پر بزنس سیکرٹس نہیں ڈسکس ہو سکتے اسی طرح گھر کے مسائل کو ڈسکس کرنے کے لیے آفس میں بھی کوئی جگہ نہیں۔"

سید سعد بخاری اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ کچھ دیر اسی طرح خاموشی رہے تھے۔ پھر بہت ہولے سے پلٹے تھے اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ سید اذہان حسن بخاری نے تادیر نگاہ کو اس سمت سے نہیں ہٹایا تھا۔

☆......☆......☆

"تم ہوتے کہاں ہو آج کل؟" وہ آفس سے نکل رہا تھا جب لامعہ حق نے اسے آن لیا تھا اور وہ جو پہلے ہی تھکن سے چور تھا اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر مظلومیت کی جو کیفیت ابھری تھی وہ بڑی فطری تھی۔ لامعہ حق نے اسے بغور دیکھتے ہوئے گھورا تھا۔

''مجھے اپنے سامنے پا کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی ؟''

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں۔''عفنان علی خان تمام تاثر پل میں زائل کرتا ہوا کسی قدر شگفتگی سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''واقعی؟''لامعہ حق نے جانے کس بات کا یقین چاہا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ہاں،واقعی۔''

لامعہ حق نے اس کے شانے کو تھامتے ہوئے کسی قدر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

''یو نو عفنان! تمہاری بے توجہی مجھ سے قطعاً برداشت نہیں ہوتی......خواہ تم کتنے بھی مصروف ہو، میں چاہتی ہوں تم مجھے سوچتے رہو، مجھے چاہتے رہو، مجھے اپنی سوچوں میں، خیالوں میں اور......''وہ بہت دھیمے لہجے میں کسی خواب کی سی کیفیت میں گویا تھی جب عفنان علی خان اس کی سمت تکتے ہوئے ہنس دیا تھا۔

''اور کیا لامعہ؟''اس کے انداز پر لامعہ حق نے اسے دیکھا تھا۔ پھر کسی قدر خفگی سے گویا ہوئی تھی۔

''مذاق اُڑا رہے ہو میرا؟''

مگر وہ ہنس دیا تھا۔ پھر داہنا ہاتھ بہت ہولے سے اس کے سر پر بجا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے گویا تھا۔

''حیران ہو رہا ہوں لامعہ! تمہاری طرف سے اس طرح کی امید نہیں تھی نا۔ آئی مین، تم اتنی شاعرانہ طبیعت بھی رکھ سکتی ہو۔ یہ گہرے گہرے لفظ، یہ بھاری بھاری ثقیل جملے، یہ ساری رسمی باتیں، لامعہ حق کی طبیعت کا حصہ تو قطعاً نہیں ہو سکتیں۔''وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لفٹ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ لامعہ حق نے اسے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

''عفنان! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس اٹھارہویں منزل سے کود کر اپنی جان دے دوں؟''

''نہیں......لیکن تم ایسا کرنے کے متعلق غور و خوض کر رہی ہو کیا؟''وہ یقیناً دھیمے سے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''عفنان!''لامعہ حق نے گھورا تھا۔

''میرے عشق میں جان سے گزرنے کا ارادہ ہے کیا؟''گراؤنڈ فلور کا بٹن پش کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے سنجیدہ نہ تھا۔

لفٹ گراؤنڈ فلور پر جا کر کھلی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''اٹھارہویں فلور سے سے کودنا اس قدر خوفناک خیال ہے کہ سوچ کر ہی تمہارے رونگٹے کھڑے ہو گئے؟''وہ متواتر چھیڑ رہا

تھا۔لامعہ حق نے اسے فقط گھورا تھا۔ایک سرسری نگاہ کی تھی۔پھر دھیان پھیر گئی تھی۔

''تم ساتھ ہو تو میں بیسویں منزل سے بھی کود سکتی ہوں۔''

''یعنی شرط یہ ہے کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ کودنا پڑے گا؟'' وہ کسی قدر خوفزدہ ہوا تھا۔اداکاری بے حد شاندار تھی۔''دیکھو......فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ایسے خوفناک شوق پالنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔اگر تمہارا ایسا کوئی ارادہ ہے بھی تو فی الحال ملتوی کر دو۔عفنان علی خان کے دماغ میں فی الحال ایسا کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔'' وہ مکمل طور پر محظوظ ہو رہا تھا۔لامعہ حق اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا......؟'' عفنان علی خان نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔عفنان علی خان نے گاڑی ریورس میں لیتے ہوئے اسے دھیمے سے مسکرا کر دیکھا تھا۔کچھ کہنا چاہا تھا۔تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

''تم سے کسی طرح کی مروت کی امید رکھنا قطعاً فضول ہے عفنان علی خان!......تم تو دل رکھنے کے امر سے بھی واقف نہیں۔'' انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔

عفنان علی خان فقط مسکرایا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔شاید وہ اپنے تاثرات اس ضمن میں محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔لامعہ حق بھی خاموشی کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ پر دھری کیسٹس کو دیکھنے لگی تھی۔

''ابھی سے ہمت ہار گئیں......غالباً تمہیں تو بہت طویل سفر کرنا ہے ابھی۔'' جانے وہ کس ضمن میں کہہ رہا تھا مگر لامعہ حق یکدم ہی اس کی سمت جارحانہ انداز میں تکنے لگی تھی۔

''میں بہت سا سفر کر سکتی ہوں عفنان علی خان!......بہت دور تک چل سکتی ہوں۔بشرطیکہ تم سفر اور منزلوں کا تعین بھی کر دو۔کم از کم ان فاصلوں کی ہی حقیقت کھول دو جو تمہارے دل سے میرے دل تک حائل کھڑے ہیں۔چل سکتی ہوں میں، بہت دور تک، بنا تھکے، بنا رُکے اگر تم حدوں کا تعین بھی کر دو۔'' وہ کسی قدر سنجیدہ تھی۔مگر عفنان علی خان بہت پُر سکون انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''آسانیاں کہاں ہیں اس راہ میں؟......قدم قدم پر روڑے پڑے ہیں۔ہمت ہو تو چل پڑو۔'' وہ متواتر چھیڑ رہا تھا۔

''عفنان علی خان! جانتے ہو ہر ری ایکشن کے لیے ایک ایکشن بہت ضروری ہے۔تحریک تبھی ہوتی ہے جب کوئی باعث تحریک بھی ہو۔'' دھیمے لہجے میں جانے اس نے کیا باور کرانا چاہا تھا۔عفنان علی خان نے ایک نگاہ کی تھی اس پر اور فقط مسکرا دیا تھا۔

''آسان نہیں ہے یہ سب کچھ۔قطعاً آسان نہیں۔'' جانے کیا جتایا تھا۔جانے کیا جتانا چاہا تھا۔وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔فقط چپ چاپ اسے تکتی چلی گئی تھی۔

''جانتے ہو عفنان علی خان! بہت برے ہو تم۔'' وہ جیسے یکدم ہمت ہار گئی تھی۔انداز پُر تھکن اور شکست خوردہ تھا۔الزام بہت کڑا تھا۔مگر وہ بہت طمانیت سے مسکرا دیا تھا۔

''سر تسلیم خم ہے......مزید کوئی گستاخی نہیں کروں گا۔کوئی رتی بھر بھی مخالفت کروں گا تو شکایت ہوگی۔'' وہ مکمل طور پر سعادت مند تھا اس لمحے۔لامعہ حق اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے صورتِ حال سے مکمل طور پر محظوظ ہوا تھا پھر دھیمے سے مسکرایا تھا۔وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔

لامعہ حق خفا خفا سی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔تبھی عفنان علی خان نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''بات نہیں کرو گی تو معلوم کیسے ہوگا کہ میرے سنگ آنے کا مدعا کیا ہے؟'' وہ یقیناً اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔لامعہ حق نے کسی قدر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''گھر چھوڑ دو مجھے۔'' حکم ہوا تھا۔

''بہتر......لیکن اگر گھر ہی جانا تھا تو یہ کام تو آپ کا ڈرائیور بھی بخوبی انجام دے سکتا تھا۔مجھے زحمت دینے کی وجہ سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔لامعہ حق کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''عفنان علی خان! تم چاہتے ہو کہ میں اسی مصروف شاہراہ پر اُتر جاؤں اس گاڑی سے؟'' انداز دو دھاری تھا۔''

''با خدا، میں نے ایسا نہیں کہا۔'' وہ بہت مطمئن سا مسکرایا تھا۔''میں نے تو فقط ارادہ معلوم کرنے کی جسارت کی تھی۔'' اس کا انداز مکمل طور پر سعادت مندانہ تھا۔لامعہ نے دیکھا تھا۔لبوں پر دھیمے سے پھیلتی مسکراہٹ کو وہ روک نہیں سکی تھی۔

''تم واقعی بہت برے ہو عفنان علی خان!'' اس کے چوڑے مضبوط شانے پر اپنے نازک ہاتھ کا مُکا بنا کر مارتے ہوئے اس نے بھرپور خفگی سے کہا تھا۔عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

''مجھے انابیہ کی طرف چھوڑ دو۔''

عفنان علی خان کے اندر کے معمولات میں ایک لمحے میں تغیر واقع ہوا تھا۔

''خیریت؟'' ایک سرسری سی نگاہ کی تھی۔

''ہوں......ہم کسی کام کے بنا بھی بڑے آرام سے مل لیتے ہیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔تھوڑی دیر قبل مسکراتے لبوں پر اس لمحے یکدم ہی خاموشی آن ٹھہری تھی۔تاثرات مکمل طور پر محفوظ تھے۔لامعہ حق اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔وہ بھی اس کے بعد کچھ نہیں بولا تھا۔وہ لمحات بڑے پُر سکوت تھے۔بہت سے اسرار ان لمحوں میں موجود ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔

☆......☆......☆

''ایمپائر اسٹیٹ'' سے نکلتے ہوئے اس نے میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔

''یہاں سے آپ تنہا بروک لین جاسکتی ہے؟'' اس نے فانی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی جس پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ مگر اس کا شیڈول خاصا ٹف تھا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی اسے ساتھ چلنے کی پیشکش کیے بغیر فقط اپنے جانے کا مدعا سامنے رکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر تفکر کی لکیریں بھی واضح طور پر اُبھر آئی تھیں۔

''آر یو شیور؟'' وہ اس کے ساتھ یہاں تک آئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس کی ذمے داری تھی۔ شاید اسی باعث وہ کسی قدر فکر مند ہوا تھا۔

''ہوں۔'' میرب سیال نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''رُکو...... میں تمہاری لیے کیب ہائیر کر دیتا ہوں۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ قطعاً بے تاثر نظر آنے والے شخص کا یہ رویہ خاصا انوکھا تھا۔ اُسے اُس کی فکر ہو رہی تھی۔

وہ اس کے لیے متفکر تھا۔

اس کے لیے سوچ رہا تھا

اس لمحے کی کیفیت خاص تھی یہ۔

حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس سے قبل اور اس ایک لمحے کے بعد جو بھی ہو لیکن وہ ایک پل اس ایک لمحے میں بہت اہم تھا۔

بہت خاص تھا۔

میرب سیال نے اس لمبے چوڑے شخص کو سڑک کے اطراف نگاہ دوڑاتے دیکھ کر یکدم ٹوکا تھا۔

''آپ کو غالباً دیر ہو رہی ہے...... آپ چلے جایئے، میں انتظار کر لوں گی۔''

جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے فقط اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ اور وہ بہت خاموشی کے ساتھ چہرہ پھیر گئی تھی۔ چند لمحے سرک گئے تھے۔ کوئی کیب اب تک ہاتھ نہیں آئی تھی۔ داہنے ہاتھ میں چمڑے کا بیگ لیے، بائیں ہاتھ کی کلائی پر بندھی قیمتی رسٹ واچ کو بغور تکتا وہ شخص اس لمحے ایک کیب کو ہائیر کرنے کے جتن کرتا اسے کسی قدر حیران کن لگا تھا۔

''ٹیکسی......'' با قاعدہ چند قدم دوڑ کر اس کے لیے تگ و دو کی گئی تھی۔ کاروں میں سفر کرنے والا شخص اس کے لیے اس گھڑی ایک کیب کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ رکھ رکھاؤ سے ہی مرعوب کرتا ہوا شخص، انوکھی آن بان رکھنے والا، بزنس ٹائیکون، اس لمحے جیسے اپنے نام، اپنے رتبے، اپنی پہچان سے قطعاً ماورا تھا۔

ٹیکسی روک کر اس نے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور میرب سیال جو اسے بغور دیکھ رہی تھی یکدم ہی قدم اٹھاتی ہوئی اس کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

اسے بٹھانے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے کھڑکی پر جھکا تھا۔

''کوئی مسئلہ ہو تو فون کر لینا۔ ہوٹل آنے کے لیے میں گاڑی بھجوا دوں گا۔ کتنی دیر لگے گی؟''

''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ۔'' اس نے مطلع کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا اور کھڑکی میں سے ہٹ گیا تھا۔ ٹیکسی آگے بڑھنے لگی تھی۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ پہلی بار اس شہر میں آئی ہے۔ شاید اسی لیے اس کی پریشانی دو چند تھی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ مگر اس لمحے میں جب وہ اس کے لیے پریشانی کا اظہار کر رہا تھا جانے کیوں اس نے جتانا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔ اور پھر اس نے میرب سیال سے دریافت بھی کب کیا تھا۔ وہ اگر پوچھتا تو وہ ضرور بتا دیتی کہ وہ نیو یارک ہی نہیں یورپ کے بھی کئی ٹور پاپا اور فیملی کے ساتھ لگا چکی ہے۔

فانی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ زوباریہ اسپتال میں تھی۔

وہ آپا کے ساتھ تھا۔ میرب نے اس کے لیے اس کا من پسند لنچ بنایا تھا۔ وہ دیر تک اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتا رہا تھا۔

''پاپا ٹھیک ہو کر گھر واپس کب آئیں گے آپی؟''

''بہت جلد۔''

''اب ہم یہیں رہیں گے؟'' اس کے معصوم دل میں کئی سوال تھے۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ پھر اس کے معصوم ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر لبوں سے چھوا تھا اور مکمل توجہ سے اس کی سمت تکتی ہوئی بولی تھی۔

''آپ سے کس نے کہا کہ اب ہم یہیں رہیں گے؟''

''ماما نے۔ وہ آپا سے میرے لیے سکول میں ایڈمیشن کے لیے بات کر رہی تھیں۔''

اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ شاید اسی لیے چند ثانیوں تک اسے ساکت سی تکتی رہی تھی۔ فانی نے اپنے معصوم ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھوا تھا۔

''آپی! آپ بھی ہمارے ساتھ یہیں رہیں گی نا؟''

''ماما کیا کہتی ہیں؟'' اس نے زوباریہ کے متعلق دریافت کیا تھا۔

فانی نے اپنا چھوٹا سا سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''معلوم نہیں ...... مگر آپ کے بغیر تو میں اداس ہو جاؤں گا۔ مجھے میرا من پسند لنچ کون بنا کر دے گا؟ اور وہ مزے مزے کی اسٹوریز کون سنائے گا؟'' وہ معصومیت سے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھ رہا تھا میرب سیال نے اپنے لبوں کو اس کی پیشانی پر رکھ دیا تھا، اپنے ساتھ لگا کر اسے بھینچا تھا، پھر بہت دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

''آپ پاپا کے لیے دعا کرتے ہیں؟''

''ہوں...... بہت ساری۔ پاپا کے لیے بہت سی دعا کرتا ہوں اور پھر پھونک مار کر اسے اُڑا دیتا ہوں۔ میری ساری دعا اللہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری دعا پوری کر دیتے ہیں نا؟'' وہ معصومیت سے دریافت کرتا ہوا اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

میرب نے اس کی سمت تکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ تبھی اس کی نگاہ وال کلاک پر پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بتایا ہوا وقت یاد آ رہا تھا۔ تبھی وہ فوراً گویا ہوئی تھی۔

''آپی جائیں گی اب۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔'' اس کے پھولے پھولے گالوں کو چھوتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔ فانی کسی قدر پریشانی سے اس کی جانب تکنے لگا تھا۔

''آپ فانی کے پاس نہیں رہیں گی؟'' انداز کسی قدر روٹھا روٹھا سا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''پاپا کے پاس جا رہی ہوں نا...... پھر آؤں گی۔''

''مجھے تنہا ڈر لگے گا۔'' آواز میں عدم تحفظ عود کر آیا تھا۔ اس نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ماریہ ہے نا آپ کے پاس۔ ابھی کچھ دیر میں ماما بھی آ جائیں گی۔'' اسے بہلایا گیا۔

''مجھے ماریہ اچھی نہیں لگتی۔ آپ ماما کو جلد بھیج دیجیے گا۔'' درخواست ہوئی تھی۔

''اوکے۔'' وہ مسکرا دی تھی۔ ایک بار پھر اسے پیار کیا تھا اور ماریہ کو ضروری ہدایت دے کر وہ باہر نکل آئی تھی۔ اسٹین ہوپ اسٹریٹ سے نکلتے ہوئے اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی تھی۔ یقیناً اسے دیر ہو چکی تھی۔ فانی کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ضرور پریشان ہو رہا ہو گا اس کی بابت۔ وہ تو اسے قطعی نابلد جان رہا تھا۔ ایسے میں اس کے لیے فکر مند ہونا یقینی تھا۔ وہ سوچتی ہوئی چل رہی تھی جب یکدم ہی ایک لمبی سیاہ گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے تھے۔ وہ ایک لمحے میں اُچھل کر پیچھے ہٹی تھی۔ دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔ اس علاقے میں سیاہ فام گروہوں کی راہ زنی کی وارداتوں سے واقف تھی، سو ساری جان مٹھی میں آ گئی تھی۔ اس نے تنہا نکل کر یقیناً غلطی کی تھی۔ اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو فون کر کے مطلع کر دینا چاہیے تھا اور اس نے کہا بھی تھا کہ مجھے مطلع کر دینا۔

وہ دم سادھے کھڑے اپنے حواس بحال کر رہی تھی جب گاڑی کا شیشہ اُتارا گیا تھا۔ وہ کسی بھی ممکنہ صورتِ حال کے لیے مکمل طور پر تیار تھی۔ ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ اعصاب مکمل اختیار میں تھے۔

گاڑی کا شیشہ بہت ہولے سے اُتارا گیا تھا۔ مکمل اختیار کے باوجود اس کی آنکھوں میں خوف در آیا تھا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک سنسنی سی جسم میں دوڑ گئی تھی۔

مگر اس نے نگاہ کی تھی اور حیرت دو چند ہو گئی تھی...... کھڑکی سے جھانکتا چہرہ بہت جانا پہچانا تھا...... بہت اپنا نہ سہی مگر اسے دیکھ کر میرب سیال کے سارے حواس، سارے اعصاب ایک پل میں معمول پر آئے تھے۔ سینے میں رکی ہوئی سانس ایک دم ہی خارج ہوئی تھی۔ دھڑکنیں کسی قدر اعتدال پر آ گئی تھیں۔ اندر ایک اطمینان کی سی کیفیت چھانے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی کیفیت کو بغور دیکھا تھا پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا تھا

"آؤ...... گاڑی میں بیٹھو۔" کہنے کے ساتھ ہی اس کے لیے دروا کر دیا تھا اور وہ جواب سے تھوڑی دیر قبل مکمل طور پر خوفزدہ تھی اب کسی قدر صورت حال تسلی بخش تھی۔ بہت اعتماد کے ساتھ اس نے قدم بڑھائے تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی اپنی مخصوص رفتار سے ہوٹل کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا میرا انتظار کر لیجیے گا۔"

(کب......؟ ایسا کب کہا تھا؟) اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی اس کے غلط بیانی کرنے پر۔ مگر لبوں پر چپ رہی تھی۔ فقط خاموشی سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ وہ یقیناً چہرے سے تمام کیفیات جان لینے کا فن رکھتا تھا اور میرب سیال کی کیفیت بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ وہ یہاں کے ماحول سے واقف تھا۔ تبھی اس کی پریشانی بھی بجا تھی۔ شاید اسی لیے اپنے بزی ترین شیڈول سے وقت نکال کر وہ اسے لینے بھی آن پہنچا تھا۔

"آئندہ احتیاط کیجیے گا۔" اس نے بے تاثر لہجے کے ساتھ دھیمے انداز میں کہا تھا۔ میرب سیال نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"نیویارک بہت بڑا شہر ہے...... یہاں سروائیو کرنا بہت آسان نہیں۔ اگر آپ یہاں کے مقامات سے واقفیت نہیں رکھتے تو ہر قدم ایک رِسک کے مترادف ہے۔"

"جی۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"آپ کو اگر یہاں گھومنا پھرنا ہے تو میپ ہاتھ میں رکھیے گا۔ یہاں پر اگر کسی سے سر راہ روک کر بھی دریافت کریں گی تو وہ بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ مشینی شہر ہے۔ بہت مشینی سی لائف ہے۔ یہاں وقت بہت کم ہے سب کے پاس۔ بہت کم لمحوں میں قدموں کی رفتار بڑھانے کے جنون میں وقت سے آگے نکلنا چاہتے ہیں سب یہاں۔ یہاں یوں سفر کرنا آسان نہیں۔" ایک بہت بڑے ترقی یافتہ شہر کے متعلق وہ گوہر افشانی کرتے ہوئے اسے باور کرا رہا تھا۔

میرب نے اس کی جانب تکتے ہوئے سر بہت ہولے سے اثبات میں ہلایا تھا۔

"جانتی ہوں...... پہلے بھی کئی بار آ چکی ہوں۔" وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر حیرت سے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ میرب

سیال جانے کیوں چند ثانیوں تک اس شخص کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر بہت ہولے سے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

☆......☆......☆

''بھابی! ایسا کب تک چلے گا؟'' فیض بخاری نے بہت دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھیں۔ دانستہ اقدام تھا یہ شاید۔ وہ بہت کچھ مخفی رکھنا چاہتی تھیں۔ خود سے بھی اور اِرد گرد کے لوگوں سے بھی۔

فیض بخاری نے اپنے سامنے بیٹھی فارحہ کو دیکھا تھا پھر کسی قدر پُر اُلجھن انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''بھابی! آپ جانتی ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ایک تو آپ خود اپنا خیال نہیں رکھ رہی ہیں، دوسرا بھابی! آپ جانتی ہیں آپ ایک سیریس اٹیک سے گزر چکی ہیں۔''

''تو......تو کیا ہوا؟'' وہ چائے کے کپ کے کناروں پر بہت ہولے سے انگلی گھماتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

''کیا ہوا...... بھابی! آپ اس حد تک کیئر لیس ہو رہی ہیں۔ مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اور سعد بھائی......'' ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ لب بھینچ گئے تھے۔ فارحہ سر جھکائے رہی تھیں۔

''فیض! فکر مجھے اپنی نہیں، اذہان کی ہے، ماہا کی ہے۔ میں ان کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ انہیں معمولی تکلیف میں مبتلا ہوتا بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے بچوں کو ہر تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں میں۔ مگر میں مسلسل ناکام ہوں۔ اذہان اس سارے معاملے کو لے کر انتہائی ڈپریسڈ ہے...... کتنے دن گزر گئے ہیں، میں نے اس کی آنکھوں میں سکون نہیں دیکھا۔ میں نے کبھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ مگر اب جب وہ میری گود میں سر دھرے چپ چاپ آنسو بہاتا ہے تو میرا دامن جیسے جلنے لگتا ہے۔ وہ میری گود میں کوئی ماورائی قوت ڈھونڈتا ہے جو اسے اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دے سکے۔ وہ میری ممتا سے کھوئی ہوئی ہمت چاہتا ہے اور میں...... میں اسے کوئی جھوٹی تسلی بھی نہیں دے پاتی۔ کتنا اچھا دور تھا جب وہ چھوٹا تھا۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں اسے بہلا دیا کرتی تھی۔ کتنے چھوٹے چھوٹے اسباب درکار تھے مجھے اسے خوش کرنے کے لیے۔ اور آج......'' کتنی بہت سی نمی چپ چاپ ان کی آنکھوں میں آن ٹھہری تھی اور وہ لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھیں۔

فیض چند لمحوں تک اسی طرح خاموشی سے بیٹھے رہے تھے۔ پھر بہت ہولے سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

''بھابی! آپ وہ واحد فریق ہیں جو اس صورت کو اپنے بس میں کر سکتی ہیں۔ اذہان کو ہم ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ جب آپ کو عدم تحفظ کا شکار پاتا ہے تو یہ کیفیت اس کے اندر بھی ایک ہلچل مچا دیتی ہے۔ جس طرح ماں بچے کے لیے سینہ سپر ہو جاتی ہے اس طرح بچہ بھی ماں پر آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا اور اذہان کی صورت حالت تو خاصی پیچیدہ ہے۔ اس نے گھر کو ہمیشہ مکمل دیکھا ہے۔ سعد بھائی کو ہمیشہ ایک ذمہ دار باپ کی طرح پایا ہے۔ سعد بھائی کے بدلتے رویے نے ایسے یقیناً ایک دھچکا پہنچایا ہے۔ مگر وہ رشتوں کا احترام اب بھی نہیں بھولا۔ اسے اب بھی افسوس ہے۔ کیونکہ وہ اب بھی ان رشتوں کو معتبر جانتا ہے جن سے وہ جڑا ہوا ہے۔''

''لیکن اس کے باوجود، میں جانتی ہوں وہ حقیقت ماننے کو تیار نہیں......وہ جب بھی اس واقعے کو ذہن میں لاتا ہے، ایک طوفان اس کے اندر اُٹھنے لگتا ہے۔ اس کے خاموش لبوں پر ساکت جامد چپ سہی، مگر میں جان جاتی ہوں وہ طغیانیوں میں گھر گیا ہے۔ مگر میں مکمل طور پر بے بس ہوں فیض! میں چاہوں بھی تو اسے وہ سکون، وہ اعتماد نہیں لوٹا سکتی۔ اسے وہ ایک جڑا ہوا گھر نہیں لوٹا سکتی۔ اسے ایک ہونے اور ایک ساتھ رہنے کے لطف سے بہرہ ور نہیں کر سکتی۔ یہ سب میرے اختیار میں نہیں ہے فیض!'' فارحہ انتہائی کرب سے سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔

''لیکن یہ تو آپ کے بس میں ہے کہ آپ اپنا خیال رکھیں......اس کا خیال رکھیں......جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ اس کا تدارک ممکن نہیں۔ مگر صورتِ حال کو معمول پر لانے کے جتن تو کیے جا سکتے ہیں۔ کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ حقیقت تو ہمیشہ ہی بہت کڑوی اور کسیلی ہوتی ہے بھابی! حقیقت کو جھٹلانے سے یا اسے رد کرنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی نہ ہی اسے فیس کرنے کا خوف اس کے بھیانک رنگوں کو دبا سکتا ہے۔ ایک نہ ایک دن حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے......فرار کی راہ فقط خوف دیتی ہے، اُلجھنوں کو مزید بڑھاتی ہے۔ جب سب راہیں بند ہوں تو مکمل یکسوئی کے ساتھ عقل و خرد سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ کہیں نہ کہیں روشنی کی ایک لکیر ضرور ملتی ہے اور وہی روشنی کی لکیر اس اُلجھی ہوئی گتھی کا سرا سلجھانے میں مدد دیتی ہے۔'' فیض بخاری کہہ رہے تھے اور فارحہ ساکت بیٹھی ان کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔ ان کا ذہن یقیناً اس لمحے بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

''ممی!......ممی!'' وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھی تھیں جب اذہان کی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور یہ وقت تھا جب انہیں خود کو معمول کے مطابق بہت ریلیکس ظاہر کرنا تھا۔ انہوں نے ایک نظر فیض بخاری کی طرف دیکھا تھا، پھر چہرے کا رُخ پھیر کر ایک گہری سانس خارج کی تھی جیسے اب تک کی تمام کثافت کو ایک لمحے میں باہر منتقل کرنا چاہا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''ممی!......اوہ، فیض چاچو بھی یہیں ہیں۔ آپ کو تو غالباً اس وقت ہسپتال میں ہونا چاہیے تھا۔'' اس نے فیض چاچو کو سامنے پا کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

فیض بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ہسپتال کا نام لے کر مجھے مزید مت ڈراؤ......ابھی ابھی تین روزہ سمپوزیم سے جان چھڑا کر آ رہا ہوں۔ پہلے یو ایس میں سیمینار، پھر آتے ہی یہاں سمپوزیم میں شرکت۔ یہ ڈاکٹر ہونا بھی خاصا جان جوکھوں کا نام ہے۔'' وہ زبردستی مسکرا کر جیسے اس لمحہ بھر پہلے کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی چاچو کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ انداز خاصا تھکا تھکا سا تھا۔ فیض نے بغور دیکھا تھا۔

''ویری بیڈ چاچو! مسیحا ہیں آپ۔ کتنا معتبر نام ہے آپ کا۔''

''ہوں......مگر ایک مسیحا کی پرسنل لائف کی بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں......اس کا بھی ایک گھر ہوتا ہے، فیملی ہوتی ہے۔ جسے وقت دینا اسے اچھا لگتا ہے۔ جن کے ساتھ وقت گزارنا اسے اچھا لگتا ہے۔ اب دیکھو کتنے دنوں سے میں اپنے بچوں سے ڈھنگ سے مل نہیں پایا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جب فارغ ہو کر گھر لوٹا ہوں تو نہ ماہا ہے یہاں نہ ہی تم تھے۔''

''ماہا کہاں گئی ہے؟'' چاچو کی بات پر مسکراتے ہوئے یک دم اسے ماہا کا خیال آیا تھا۔ تبھی فارحہ گویا ہوئی تھیں۔

''دوست کی طرف گئی ہے......گھر میں بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ میں نے ہی کہا کہ چلی جاؤ۔ ذرا دل بہل جائے گا۔''

سید اذہان نے کوٹ اُتار کر صوفے کی پشت پر دھرا پھر داہنے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا تھا۔

''بھابی! آپ تو ماشاءاللہ گھرداری خوب اچھی طرح جانتی ہیں۔ ماہا کو کچھ سنہری اصول ہی سکھا دیجیے۔ گھر بیٹھی ہے تو کچھ ہاتھ تو آئے۔'' فیض چاچو مسکراتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے ماہا کا ایڈمیشن گرین وچ میں کرا دیا ہے۔ اب اسے فراغت کے لمحے بہت کم میسر آئیں گے۔ گھرداری سیکھنے کے لیے ابھی عمر پڑی ہے۔ پہلے اس کے لیے جینے کے ڈھنگ سیکھنا بے حد ضروری ہیں۔'' اس کے دھیمے لہجے میں بہت بڑا پن تھا۔ ماہا کے لیے وہ بے حد حساس تھا۔ اس کے متعلق فیصلہ کر کے اس کے چہرے پر حد درجہ راحت تھی۔ گہری آنکھوں میں کسی درجہ سکون تھا۔ فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ تبھی فیض چاچو مسکرائے تھے۔

''یہ تو بہت اچھا کیا تم نے۔''

''ہاں واقعی......تم نے بہت اچھا کیا۔'' فارحہ نے بیٹے کے اطمینان کو اپنے اندر اُترتا محسوس کیا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

''تم بیٹھو، میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ اُٹھنے لگی تھیں۔ تب وہ ان کا ہاتھ تھام کر گویا ہوا تھا۔

''نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا......شام میں ہم ڈنر کے لیے باہر جائیں گے۔ چاچو! آپ بھی کہیں مت جایئے گا۔ کوئی اور شیڈول ہو بھی تو اسے کینسل کر دیجیے۔ آج مکمل طور پر فیملی ٹائم ہو گا۔'' وہ مسکراتا ہوا اُٹھا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

فارحہ تا دیر اسے حیرت سے تکتی رہی تھیں۔ فیض بخاری مسکرائے تھے۔

''ہمارے بچے ہم سے کہیں زیادہ عقل مند ہیں بھابی!......وہ حالات کو بس میں کرنے کے سارے گر جانتے ہیں۔''

''ہاں۔'' فارحہ کے چہرے پر ایک طمانیت کا احساس بہت واضح تھا۔

☆......☆......☆

لامعہ کو بہت سی باتوں کا خبط تھا۔ انہی میں سے ایک شاپنگ کرنا بھی تھا اور کبھی کبھی تو فقط ونڈو شاپنگ اور تب وہ بے تحاشا چڑتی تھی۔

''لامعہ! بہت ہی ندیدوں والا انداز ہے یہ۔ اشیاء کو دور سے کھڑے انتہائی للچائی ہوئی نظروں سے تکتے رہنا۔ دوسرے لفظوں

میں اسے وقت ضائع کرنا بھی کہہ سکتے ہیں...... بھئی جب کچھ لینا ہی ہے تو فوراً لواور باہر نکلو۔ یہ کیا کہ گھنٹوں اِدھر سے اُدھر شاپس کے چکر لگاتے اوراشیاء کا پوسٹ مارٹم کرتے گزار دیں۔''

مگر لامعہ کے سر پر اس کے اعتراض کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور آج تو شکر تھا، اس نے باضابطہ شاپنگ کی تھی۔

''شکر ہے، تم نے آج ونڈو شاپنگ کو ترجیح نہیں دی۔'' بہت سے بیگ صوفے پر پٹختے ہوئے اس نے دہائی دی تھی۔ لامعہ مسکرائی تھی۔

''کتنی بوسیدہ لڑکی ہو نا تم...... لڑکیاں تو شاپنگ کے نام پر ہی کھل اُٹھتی ہیں اور تم۔''

انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

''مجھے بھی شاپنگ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر وہ جو تم گھما پھرا کر تھکا دیتی ہو اس سے جان جاتی ہے میری۔ اب دیکھو، کس قدر تھکا دیا ہے تم نے مجھے۔'' صوفے پر انتہائی ایزی انداز میں ٹانگیں پسار کر بیٹھتے ہوئے اس نے بالوں کو کلپ سے آزاد کرتے ہوئے صوفے کی پشت پر پھیلا دیا تھا۔ لامعہ مسکرادی تھی۔

''اب سومت جانا...... میں افضل سے کہہ کر چائے منگواتی ہوں۔'' اسے آنکھیں بند کرتے دیکھ کر وہ بولی تھی۔ مگر انابیہ شاہ نے آنکھیں وا نہیں کی تھیں۔ اسی طرح پڑی رہی تھی۔

لامعہ اُٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

انابیہ شاہ واقعی بہت زیادہ تھک گئی تھی۔ اس طرح آنکھیں موند کر بہت سکون مل رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا وہیں سو جائے۔ مگر وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی گہری سانس خارج کرتے ہوئے قوتِ ارادی مجتمع کرتے ہوئے اس نے آنکھیں وا کی تھیں اور چند قدموں پر رکے شخص کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ جانے وہ وہاں کب آیا تھا...... اور...... انابیہ شاہ نے پیروں کو صوفے پر سے اُتارتے ہوئے قریب دھرا دوپٹہ اُٹھا کر شانے پر ڈالا تھا۔ پھر نظریں جھکا کر دونوں ہاتھ پشت پر لے جاتے ہوئے صوفے کی پشت پر بکھرے ہوئے بال سمیٹنے لگی تھی۔

چند قدم کے فاصلوں پر رکے عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری......'' بہت ہولے سے چلتا ہوا وہ اس کے قریب آن رکا تھا۔ یقیناً وہ شرمندہ تھا۔ مگر لامعہ کے گھر میں شاید وہ اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے غلطی خود اس کی اپنی بھی تھی۔ اس کے تو دھیان میں بھی نہ تھا، اس گھڑی وہاں کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔

''اِٹس اوکے......'' مکمل پُر اعتمادی سے اس نے سر ہولے سے ہلایا تھا۔

''خیریت؟...... اتنی ڈھیر ساری شاپنگ ایک ساتھ؟'' صوفے اور ٹیبل پر اِدھر اُدھر بیگز کو دیکھ کر عفنان علی خان نے سوالیہ نظروں سے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرادی تھی۔

''لامعہ کو ایسے بہت سے شوق لاحق ہیں...... کب، کہاں، کیا اس کے دل میں سما جائے کسی کو کچھ علم نہیں۔ آپ کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ مستقبل میں کچھ محتاط انداز اختیار کرنا خاصا سود مند رہے گا۔'' ریڈ سگنل کی سمت اشارہ کرتی اس وقت وہ خاصی منفرد لگ رہی تھی۔ بڑی

بروقت نصیحت تھی مگر اس کے باوجود بہت ناصحانہ نہ تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''کوئی کل ڈھیلی ضرور ہے محترمہ کی۔'' صوفے پر دھرے بیگز اُٹھا کر اس نے بڑی سہولت سے میز پر دھرے تھے اور خود جگہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔ ''سال بھر کی شاپنگ ایک ساتھ کر ڈالی۔'' وہ یقیناً حیران تھا۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''ایکسکیوز می...... آپ لامعہ کو کم از کم میرے سامنے برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ ایک سال کی شاپنگ قطعاً نہیں ہے۔'' دفاع یقیناً بہت دلچسپ تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ تبھی لامعہ، افضل کے ساتھ چائے کی ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

''تم کب آئے؟'' عفنان کی سمت تکتے ہوئے کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔

''بس ابھی تھوڑی دیر قبل۔ تمہارے پرسنل سیل پر ٹرائی کر رہا تھا۔ مگر غالباً تم بزی تھیں۔''

''ہاں...... میں اکثر شاپنگ کے دوران سیل آف کر دیتی ہوں تاکہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔'' انابیہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ کسی قدر سرد لہجے میں بولی تھی۔

عفنان علی خان نے بغور دیکھا تھا اسے۔ اس روز کی ناراضگی ابھی تک برقرار تھی۔

لامعہ نے خاموشی کے ساتھ چائے کا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا جسے تھامتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا۔

''شام کے پانچ بج رہے ہیں...... اپنے منہ کے کلاک پر ٹائم ملا لو۔ ابھی تک بارہ بج رہے ہیں۔''

لامعہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ اس ماحول میں خود کو خاصا مس فٹ محسوس کرنے لگی تھی۔ تبھی لامعہ کی سمت دیکھا تھا۔

''لامعہ! اب چلوں گی میں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''بیٹھو...... چائے تو پی کر جاؤ۔''

''نہیں...... بہت دیر ہو جائے گی۔ تم لوگ پیو۔'' انابیہ مروتاً مسکرائی تھی۔

''اوہ...... تو تم ہم دونوں کے خیال سے اُٹھ رہی ہو۔ بے فکر ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ایسے کوئی راز و نیاز ہم میں نہیں ہونے والے۔ یہاں لیلیٰ مجنوں والا کوئی چکر نہیں ہے۔'' لامعہ نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا لیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ عفنان علی خان اس تمام صورت حال کو دلچسپی سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''عالم مدہوشی میں دیکھے جانے کا جنوں ہے تو کوئی آتش شوق بھی تو جگانا سیکھو۔'' بڑا ذومعنی انداز تھا۔ اس کی مخاطب یقیناً لامعہ ہی تھی۔ انابیہ شاہ جلدی جلدی گرم چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

''آتش شوق گریز پائی سے نہیں بھڑکتی۔ بڑے انوکھے وصف درکار ہوتے ہیں اس کے لیے۔ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، نظر خاص

چاہیے ہوتی ہے۔ یہاں تو تم حد درجہ گریزاں ہو۔ نگاہ کتنی اجنبی ہے۔ ایسے میں کوئی آتش شوق بھڑکے تو کس طور۔'' بظاہر وہ لامعہ کی سمت دیکھ رہا تھا مگر مخاطب کوئی اور تھا۔ اس صورت حالت پر جہاں لامعہ دھیمے سے مسکرائی تھی وہیں انابیہ شاہ نے خود کو بہت آکورڈ فیل کیا تھا۔

''کتنے برے ہو نا تم عفنان علی خان!'' لامعہ پورے استحقاق سے اس سے مخاطب تھی۔

''ابھی جانا کہاں ہے تم نے ہم کو...... ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ کتنے جہاں آباد ہیں کہیں جو تمہاری نگاہ سے دور ہیں۔ کتنی دنیائیں ہیں جنہیں تم دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ کتنے منظر ہیں جن پر کبھی تم نے نظر ڈالنا چاہی ہی نہیں۔'' کیسا شکوہ تھا۔ انداز میں کس درجہ دیوانگی تھی اس گھڑی عفنان علی خان کے لبوں پر۔

لامعہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''انابیہ! اس شخص کی باتیں میری سمجھ میں کبھی نہیں آئیں گی۔ کبھی کبھی تو حد درجہ اجنبی لگتا ہے۔ بیگانہ لگتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں اس کا سر پھوڑ دوں اور کبھی......'' لامعہ حق اس کی حد درجہ دیوانگی پر گویا ہوئی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی مگر عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''دل کے معاملات بہت عجب ہیں۔ سمجھنے کے لیے فقط نظر کی نہیں، دل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی وقت ملتے تو مشورہ کرو دل سے بھی۔ سنو تو سہی دل کیا کہتا ہے اس بابت۔'' وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔ بظاہر نظریں لامعہ پر تھیں مگر اس کے وصف کا تخاطب کوئی اور ہی تھا۔ شاید یہ بات لامعہ نہیں جانتی تھی تبھی وہ مسکرا رہی تھی۔

''بس، بس...... اب اس درجہ بھی خود کو مجنوں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جانتی ہوں تم کتنے اچھے ہو۔'' لامعہ نے کباب کی پلیٹ انابیہ شاہ کی سمت بڑھائی تھی جسے اس نے سر نفی میں ہلا کر ریفیوز کر دیا تھا۔

''اب چلوں گی میں۔'' کپ میز کی سطح پر دھرا تھا۔

''دیکھا، ڈرا دیا نا میری اتنی اچھی سی دوست کو۔ وہ اسی لیے رکنے سے گریز کر رہی تھی۔'' لامعہ اسے اُٹھتے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''اسی گریز کو تو ختم کرنا چاہتا ہوں میں۔'' وہ مدھم لہجے میں گویا تھا۔ انابیہ شاہ نے عفنان علی خان کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں کچھ خاص رنگ تھے، کوئی تاثر خاص تھا۔ وہ لمحہ بھر میں نظر پھیر گئی تھی۔

''لامعہ! اب میں چلتی ہوں۔'' اس نے اجازت چاہی تھی۔

''بیٹھتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ عفنان تمہیں چھوڑ دیتے۔ آخر اتنی جلدی کس بات کی ہے؟'' اسے رخصت کرنے کے لیے لامعہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ انابیہ فقط مسکرائی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سارے منظر پیچھے چھوٹ گئے تھے مگر کچھ منظر ذہن میں پھر بھی باقی رہ گئے تھے۔

کتنا عجیب شخص تھا وہ۔

کس قدر مہمل باتیں تھیں اس کی۔

سمجھ سے کس درجہ بالاتر تھا وہ۔

اب تک وہ اسے سمجھ نہ سکی تھی اور اس کے لیے اس نے کوئی خاص کوشش بھی نہ کی تھی۔ مگر جس طرح وہ لحہ بہ لحہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا وہ سب نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا۔

اس نے کئی بار سوچا تھا۔ کئی بار خاص زاویہ فکر اپنانا چاہا تھا۔ مگر خرد سب رد کرتی چلی گئی تھی۔

شاید ویسا سب کچھ نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔ شاید اس شخص کا مزاج ہی ایسا تھا۔ اس کی طبیعت ہی ایسی تھی۔ ہاں اگر کچھ سوچنے اور کرنے کے قابل تھا تو اس کا اس کی جانب بڑھنا۔ مگر یہ بھی تو محض اتفاق ہو سکتا تھا نا۔ اس نے تمام تر سوچوں کو جھٹکتے ہوئے کیب کو روکا تھا اور تمام سوچوں کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ یقیناً ویسا نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

جب تک وہ یہاں تھی، بڑی باقاعدگی سے متواتر پاپا سے ملنے جا رہی تھی۔ ان کے ڈاکٹر سے بھی بطور خاص ملاقات کی تھی۔ وہ خاصی حد تک پُر امید تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھی احسان مند تھی۔ اپنے انتہائی اہم ترین شیڈول میں سے وقت نکال کر وہ اس کے ساتھ ہسپتال ضرور آ جاتا تھا اور وہ سمجھتی تھی یہ اس کا احسان ہی تھا۔ پاپا نے اس شخص سے اس کا تعلق اپنی مرضی سے جوڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ انفرادی طور پر جیسا بھی سلوک کرتا، اسے قبول تھا۔ اسے اس کی سرد مہری سے اتنا گلہ نہیں تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی پاپا کو اپنے کسی فیصلے پر شرمندگی ہو یا پھر وہ کسی بات کا بوجھ اس حالت میں لیں۔ اگر سبکتگین لغاری ایسی کیفیت میں اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتا تو یقیناً وہ بہت مشکل میں گھر جاتی۔ اپنی بات اور تھی مگر وہ ایسی حالت میں پاپا کے لیے کوئی صدمہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس روز بھی جب وہ ڈاکٹر سے ملنے کے بعد باہر نکلی تھی وہ اس کا منتظر تھا۔ میرب کسی قدر شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''آپ کو تو اہم ترین کام سے جانا تھا کہیں۔'' ابھی جب تھوڑی دیر قبل زوبار یہ اسے رکنے کے لیے کہہ رہی تھی تو وہ پاپا کی خیریت دریافت کر کے باہر نکل آیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی شاید وہ چلا گیا ہو۔ مگر جب باہر نکلی تھی تو اسے موجود پا کر کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ اور تب میرب سیال نے بہت ہولے سے دروازہ وا کیا تھا اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ پورے سفر میں وہ کچھ نہیں بولی تھی حالانکہ وہ اس اقدام کے لیے سبکتگین حیدر لغاری کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ مگر جانے کیا ہوا تھا کہ اسے کوئی مناسب لفظ مل نہ پائے تھے۔ شاید اسی لیے وہ چپ سادھے بیٹھی رہی تھی۔ گاڑی ٹائم اسکوائر کے سامنے رکی تھی۔ جب سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''تمہارا گاڑی میں بیٹھنا مناسب نہیں...... اگر چاہو تو میرے ساتھ آ سکتی ہو۔'' کوئی حکم نہیں تھا یہ۔ فقط ایک مخلصانہ مشورہ تھا۔

اس سفر میں وہ اس کی ذمہ داری تھی اور وہ اسے ساتھ لا کر اپنی ذمہ داری بہت خوبی سے نبھا رہا تھا۔

میرب سیال نے چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی ٹائم اسکوائر کی عمارت میں داخل ہو گئی

تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے لفٹ میں داخل ہو کر اپنا مطلوبہ نمبر دبایا تھا۔ لفٹ رکنے پر وہ اپنے مطلوبہ فلور پر لفٹ سے باہر نکلے تھے۔ وہ سبکتگین حیدر لغاری کے ہم قدم تھی، اس کے ساتھ تھی جب ایک بے حد دلکش پیکر کسی قدر حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساسات کا اظہار کرتا اور دوسرے لفظوں میں چیختا ہوا سبکتگین حیدر لغاری کی جانب لپکا تھا۔

''ہے......گین......وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔'' کسی قدر جاپانی خدوخال کی مالک وہ بے حد دلنشین لڑکی تھی۔ کتنی بے قراری سے وہ سبکتگین حیدر لغاری کی سمت بڑھی تھی۔ کتنی بے تکلفی سے اس کے ساتھ لگتے ہوئے ملاقات کے تمام ضروری امور انجام دیئے تھے۔ سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اس لڑکی کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ تبھی تو اس کی کمر کے گرد ہاتھ دھرے بہت خوش نوائی سے اس گھڑی اس سے مخاطب تھا۔ میرب سیال اس گھڑی جیسے کہیں پس منظر میں رہ گئی تھی۔ کچھ قدم کے فاصلے پر وہ چپ چاپ کھڑی ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بہت رغبت سے ایک دوسرے سے مخاطب تھا۔ وہ اس سے یہاں موجودگی کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے اسے مطلع کر رہا تھا۔

''ٹھہرے کہاں ہو؟'' ششہ انگریزی میں پوچھتے ہوئے اسے کسی تیسرے وجود کا سرے سے احساس نہ تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے مطلع کیا تھا۔

''اور پھر تو ملنا ملانا ہوتا رہے گا۔''

''تم یہاں کیسے؟''

''میں یہاں اپنی آنٹی کے پاس آئی تھی۔ یہیں نیویارک میں ہوتی ہیں وہ۔ امید نہیں تھی تم یہاں مل جاؤ گے۔ اس کے بعد کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا تم نے۔ بڑے بے مروت ہو۔'' بڑی بے تکلفی سے وہ سبکتگین حیدر لغاری کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے مخاطب تھی۔ کیسی چمک تھی اس لمحے اس پری رُخ کی آنکھوں میں۔ کیسی روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جیسے سرِ راہ چلتے چلتے یکدم کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہو۔ تو حقیقت یہ تھی کہ کہیں کوئی ایک نہ تھا۔

بہت سے دل فرشِ راہ تھے......بہت سی آنکھیں محوِ انتظار تھیں۔

کتنی پلکیں بجھی ہوئی تھیں۔ اور سبکتگین حیدر لغاری، اسے تو شاید یاد بھی نہ ہوگا۔ گنتی بھی کہاں یاد ہوئی ہوگی! اعداد و شمار کتنا مشکل مرحلہ ہوگا۔

کتنے مقامات تھے۔ کتنی نظریں تھیں۔

کتنے دل اور کتنی داستانیں۔

اگر ان سب میں کچھ کامن تھا تو فقط سبکتگین حیدر لغاری۔

میرب سیال اسی طرح کھڑی تھی جب اس سرو قامت اور تیکھے نقوش والی اور کسی قدر جاپانی تاثر دیتی لڑکی کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ اس نے بڑی حیرت سے چونکتے ہوئے دوسرے ہی لمحے سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟'' سوال میں بے تحاشا حیرت تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری جواب تک اس کے وجود سے کسی قدر غافل تھا اس گھڑی یکدم ہی گردن موڑ کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

''ہوں......'' کسی طرح کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔ تبھی وہ پری رُخ اس کی سمت مسکراتے ہوئے بڑھی تھی۔

''ہائے......آئی ایم گی(Gee)۔'' ہاتھ اس کی سمت بڑھایا۔ جواباً میرب سیال بھی مسکرا دی تھی۔

''میرب سیال۔''

''بہت خوبصورت ہو تم۔ سبکتگین حیدر لغاری نے مجھے کبھی تمہارے بارے میں نہیں بتایا۔ میں اس کی دوست ہوں۔ جاپانی نژاد کینیڈین۔ ویسے اگر تم مجھے مکمل کینیڈین کہو تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔'' گی کے لبوں پر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔ جواباً میرب سیال پر بھی جیسے مسکرانا فرض تھا۔ گی بہت زندہ دل لڑکی تھی۔ ساری باتیں وہیں کھڑے کھڑے کر لینا چاہتی تھی۔

''تم بہت خوبصورت ہو۔''

میرب سیال نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا جب سبکتگین حیدر لغاری ان کی طرف پلٹا تھا۔

''بہتر نہ ہو گا کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات چیت کر لیں؟''

گی نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ تبھی وہ دونوں آگے بڑھنے لگے تھے۔ میرب سیال کے پاس ان کا ساتھ دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

بہت سی باتوں اور چیزوں کی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پابند تھی۔ جس طرح اس گھڑی نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ ہونا۔ یقیناً وہ اس لمحے ان دونوں کے درمیان حائل تھی۔ اگر اسے انتخاب کا موقع دیا جاتا اور کسی قدر لبرٹی دی جاتی تو وہ یقیناً کسی کے بھی درمیان دیوار بننا قبول نہ کرتی۔

گی، سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب تھی۔ اس کے داہنے مضبوط آہنی بازو میں اپنا نازک ہاتھ ڈالے وہ اس گھڑی مکمل طور پر مسرور تھی۔

ناتا کچھ نیا تو نہ تھا۔ حالات بتا رہے تھے، وابستگی کچھ معمولی نہ تھی۔

اسے اس لمحہ انتہائی شرمندگی ہو رہی تھی...... بہت آکورڈ فیل کر رہی تھی وہ۔ یقیناً یہ سفر، یہ سنگت آسان نہیں تھی۔ جانے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے ان میں۔ سرگوشیوں میں بہت سی خاص باتیں ہو رہی تھیں۔ میرب سیال کچھ نہیں سن پائی تھی۔ شاید وہ کچھ سننا چاہتی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھیں اس منظر سے میچ لینا چاہتی تھی۔ کان بھی بند کر لینا چاہتی تھی۔ وہ لمحے بڑے ثقیل تھے جب گی کے پرسنل سیل پر رِنگ ٹون بجی تھی۔ جانے کون تھا دوسری طرف۔ لیکن اس کے دوسرے ہی پل اس نے معذرت طلب نظروں سے سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''معذرت چاہتی ہوں......لیکن شام میں ضرور ملاقات ہوگی۔تم ہوٹل میں ہی رہنا۔''

اختتامی الوداعی رسومات انجام دیتے ہوئے وہ اپنے گداز لب سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں کے قریب لے جاتے ہوئے بہت دلکشی سے مسکرائی تھی۔جواباً سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ اُتر آئی تھی۔

وہ پری رُخ چلی گئی تھی اور''ٹائم اسکوائر'' کی ساری دلکشی جیسے ماند پڑ گئی تھی۔شاید گی واقعی بہت خوبصورت لڑکی تھی۔سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں دور تک اس کا تعاقب کر رہی تھیں اور میرب سیال کو ماننا پڑا تھا کہ سبکتگین حیدر لغاری ابھی تک اس ایک لمحے کے سحر کی گرفت میں تھا اور وہ تاثر ابھی تک ماند نہ پڑا تھا۔اس کی آنکھوں کی چمک کتنی بڑھ گئی تھی۔وہ بے حد مسرور دکھائی دے رہا تھا۔گی چلی گئی تھی مگر اپنے کئی رنگ سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر چھوڑ گئی تھی۔وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''تم یہاں بیٹھو۔میں کچھ کام نمٹا کر ابھی آتا ہوں۔''اسے وہاں چھوڑ کر وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔

میرب سیال نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔نظروں میں پھر گی کا تصور جھلملانے لگا تھا۔گی یقیناً ایک بہت خوبصورت لڑکی تھی۔خوبصورت تو خیر تمام ہی لڑکیاں تھیں جن سے وہ آج تک سبکتگین حیدر لغاری کے حوالے سے ملی تھی۔شاید معاملہ یہ تھا کہ سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ واقعی بہت بلند تھی۔اس کی پسند عام نہ تھی۔عام چہرے اسے بھاتے نہ تھے۔نام بدلتے تھے،مقام بدلتے تھے مگر اس کی پسند اسی درجہ بلند رہتی تھی۔

پارسا تو خیر کوئی بھی نہیں ہوتا۔مگر اس درجہ پذیرائی کا وصف شاید سبکتگین حیدر لغاری ہی کا خاصہ تھا۔اتنے مختصر سے دنوں میں وہ اسے بہت زیادہ نہیں جان پائی تھی۔مگر جتنے دن سے اس کے ساتھ تھی ہر روز اس کا ایک نیا رنگ اس کے سامنے آ رہا تھا جو پہلے رنگ سے یکسر مختلف اور الگ تھا۔جانے کتنے رنگ اور باقی تھے سبکتگین حیدر لغاری کی شخصیت کے۔جانے اور کتنے وصف تھے۔

اسے کھوجنے کی اس قدر جستجو نہ تھی۔مگر جو کچھ اس کے سامنے آ رہا تھا وہ اس سے اپنی آنکھیں بند بھی نہیں کر سکتی تھی۔بہت کچھ حیران کن تھا۔بہت کچھ چونکا دینے والا تھا۔یقیناً ایسی بہت سی حیران کن باتیں،چیزیں مزید ابھی اس کے سامنے آنا باقی تھیں۔سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی یقیناً بہت ایڈونچرس تھی۔بہت زندہ دل شخص تھا۔لطف اندوزی کے بہت نرالے وصف از بر تھے اسے۔اور وہ یقیناً حیران ہونے کے لیے تھی۔اب تک کتنے تاثر تھے۔کتنے چہرے سامنے آئے تھے اور اس پر یہ بھید نہ کھل سکا تھا کہ درحقیقت وہ کیا تھا۔ابھی وہ ایک منظر ہی سمجھ نہ پاتی تھی کہ منظر بدل جاتا تھا۔کتنی پرتیں تھیں سبکتگین حیدر لغاری کی شخصیت کی۔

وہ نہیں جانتی تھی آنے والے لمحے اس کے لیے کیا لے کر آنے والے تھے۔

اسے آنے والے دنوں میں کیا کرنا تھا۔وقتی طور پر اس نے تقدیر کا لکھا اسی کو جان کر اکتفا کر لیا تھا۔مگر ہر بدلتا منظر جس طرح سے اسے چونکا رہا تھا اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ زیادہ دن اس ماحول کا حصہ رہ سکے گی۔

ایسی کوئی خاص جذباتی وابستگی تو نہیں ہوئی تھی ان دونوں میں مگر یہ ہوا تھا کہ اس کے پچھلے کچھ برے تاثر میرب کی نگاہ سے محو

ضرور ہو گئے تھے۔ یا پھر اس نے جان بوجھ کر اس تاثر کو ذہین سے زائل کر دیا تھا۔ مگر اب اس ایک لمحے میں پچھلے سارے منظر پوری شدت کے ساتھ روشن ہوتے چلے گئے تھے اور ان منظروں کے رنگ اسے کس قدر برے لگ رہے تھے۔

سبکتگین حیدر لغاری یقیناً وہ شخص نہیں تھا جس کی خواہش وہ کرتی۔

وہ پُر وجاہت تھا۔ پُر تاثر تھا۔

شخصیت میں سحر بھی تھا۔ بے تحاشا کشش بھی تھی۔ وقار بھی تھا۔ جاہ و جلال بھی۔

مگر وہ خاص وصف نہیں تھا جو اپنے جیون ساتھی میں وہ تلاشنا چاہتی تھی۔

تھیں کچھ اچھی عادتیں بھی سبکتگین حیدر لغاری میں۔ کچھ اچھی باتیں بھی ضرور تھیں۔ مگر خامیوں کے ساتھ خوبیوں کا گراف بہت اَن بیلنس تھا۔ شاید کچھ خواص مزید بھی سبکتگین حیدر لغاری کی پرسنالٹی میں موجود ہوتے مگر انہیں کھوجنے کی، تلاشنے کی جستجو اس میں قطعاً نہیں تھی۔

ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے دیکھا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری سامنے سے آتا ہوا اس کی سمت بڑھ رہا تھا...... وہ اس کے قریب آتا اور اسے اُٹھنے کے لیے کہتا، وہ اس سے قبل ہی تمام امور انجام دے چکی تھی۔

"چلو......" وہ بولا تھا۔ پھر یکدم اس کی سمت پلٹا تھا۔ "تمہیں بھوک تو نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"اوکے...... چلو پھر۔" وہ غالباً عجلت میں تھا۔ لفٹ کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے قدموں میں خاصی سرعت تھی۔ میرب سیال نے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اگر آپ کو کوئی کام ہے تو میں اکیلی ہوٹل چلی جاتی ہوں۔ آپ وہ کام انجام دے لیجیے۔" اسے شاید قناعت کرنا آ گیا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے فقط اس کی سمت خاموشی سے دیکھا۔ کچھ کہا نہیں تھا۔ ٹائم اسکوائر سے نکل کر اس نے میرب کے لیے ایک کیب ہائیر کی تھی اور اسے بٹھا کر کھڑکی میں چہرہ ڈال کر ہدایت کی تھی۔

"ہوٹل پہنچ کر مجھے فون کر دینا۔"

یہ ہدایت یقیناً اس کی خیریت کے پیش نظر تھی اور میرب سیال نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔

جب سے سبکتگین حیدر لغاری اس کی زندگی میں آیا تھا، اس کا سر فقط اثبات میں ہلنے لگا تھا۔ اختلاف کرنے کے لمحے زندگی میں کچھ زیادہ میسر نہیں آئے تھے۔ مگر جتنے بھی میسر آئے تھے اسے کبھی اس طرح انتہائی چغد انداز میں فقط سر نہیں ہلانا پڑا تھا۔ مگر اب جیسے وہ اس سے زیادہ کی سکت رکھتی ہی نہ تھی۔

ایسا کیا تھا سبکتگین حیدر لغاری میں؟

ایسا کیا تھا اس کی شخصیت میں جو وہ اس کی اس درجہ تابع ہو گئی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسی نہج پر سوچتی رہی تھی مگر کچھ خاص سمجھ میں نہ آیا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی جتنی بھی مشکل ہو، جینے کی صورت نکل ہی آتی ہے۔ پچھلے دنوں زندگی میں جتنی بھی اسٹریس رہی تھی اس کا کچھ تدارک نہ تھا۔ مگر اب یوں ہوا تھا کہ وہ تاثر اگر پوری طرح زائل نہیں بھی ہوا تھا تو زندگی دھیرے دھیرے واپس اپنے ڈھب پر آنے لگی تھی۔

ماہا نے کیمپس جانا شروع کر دیا تھا اور اسے دیکھ کر فارحہ کو بہت اطمینان ہوا تھا۔ وہ نئے ڈھب سے جینا شروع کر چکی تھی۔ ایک مقصد آ گیا تھا اس کے ہاتھ۔ بہت حد تک مصروف ہو گئی تھی وہ یقیناً۔ اب پہلے والی کوئی کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اسے مطمئن دیکھ کر اذہان حسن بخاری بھی خوش تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر فارحہ خوش تھیں۔ سعد حسن شاہ بخاری کا آنا جانا ایک الگ معمول تھا۔ مگر انہوں نے ماہا کے کیمپس جوائن کرنے پر کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا تھا۔

"سب کچھ بہت بدل گیا ہے۔" جانے انہوں نے کس ڈھب پر کہا تھا۔ فارحہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"ہاں......واقعی بہت کچھ بدل گیا ہے۔" شاید طنز تھا کوئی۔ سعد حسن شاہ بخاری دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"آپ کو بچوں کو وقت دینا چاہیے۔ انہیں آپ کی ضرورت یقیناً اب بھی ہے۔" جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔ سعد حسن بخاری کچھ نہیں بولے تھے۔ فقط خاموشی سے اس کی جانب تکتے رہے تھے۔

"تغیر کا باعث کوئی اور تو نہیں۔" بہت ہولے سے احساس دلایا تھا۔

"تم مجھے میری غلطیوں کی یاد دہانی کرانا چاہتی ہو؟" سعد حسن بخاری کو شاید آئینہ دکھانا اچھا نہیں لگا تھا۔

"نہیں۔ فقط باور کرانا چاہتی ہوں۔ کسی کو الزام دینے سے قبل اسباب پر بھی غور ضرور کر لیجیے۔" فارحہ دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔ سعد حسن بخاری دیکھ کر رہ گئے تھے۔ فارحہ انہیں اسی طرح ساکت چھوڑ کر باہر نکل آئی تھیں۔ باہر لاؤنج میں اذہان حسن بخاری، اگینے اور عزیز کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"تم لوگ کب آئے؟" فارحہ، اگینے اور عزیر سے ملتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"بس ابھی ابھی۔"

"ماہا کہاں ہے؟......کچھ خاطر مدارت بھی کی یا نہیں؟" فارحہ نے فیروزی شیفون کی ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ تبھی اذہان حسن بخاری گویا ہوا تھا۔

"آپ بیٹھیں ممی! ماہا گئی ہے کچن میں۔" تب فارحہ، اگینے کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

"اذہان بتا رہا تھا سعد بھائی آئے ہوئے ہیں۔" اگینے نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔'' فارحہ نے مختصر جواب دیا۔ ایک ہلکی سی رسمی مسکراہٹ لبوں پر پھیلی تھی پھر دوسرے ہی پل معدوم ہوگئی تھی۔ اگینے نے انہیں بغور دیکھا تھا۔ وہ ان کی کیفیت کسی حد تک سمجھ گئی تھی۔ شاید تبھی کچھ مزید دریافت نہیں کیا تھا۔

''بھابی! ہم بلال کی شادی کا کارڈ دینے آئے تھے۔'' اگینے نے کارڈ فارحہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ وہ خوشگوار حیرت سے مسکرا دی تھیں۔

''اوہ...... اتنی اچھی خبر۔ تم لوگوں نے بنا مطلع کیے سب کام بالا ہی بالا طے کرڈالے اور سب کچھ طے کر کے اب ہمیں فقط مطلع کر رہے ہو۔'' فارحہ نے مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت سے شکوہ کیا تھا۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

''بھابی! آپ کے بغیر ہم بھلا کچھ کر سکتے ہیں؟ سب آپ کے منتظر ہیں۔ سارے کام آپ کے ہی ہاتھوں انجام پائیں گے انشاء اللہ۔ ردا کے گھر والوں کو کچھ جلدی تھی۔ سو بہت قریب کی ڈیٹ فکس کرنا پڑی۔ ہم سب لوگوں کے لیے خود بہت غیر متوقع خبر ہے یہ۔ لڑکیوں نے تو اچھا خاصا دھاوا بول دیا ہے۔ آخر کو انہیں خاص تیاریاں جو کرنی ہوتی ہیں۔'' اگینے مسکراتے ہوئے مطلع کر رہی تھی۔ تبھی عزیز گویا ہوا تھا۔

''اگینے آپا کے قدم بہت لکی ہیں۔ آتے ہی بلال کو ٹھکانے لگا دیا۔ سب سوچ رہے ہیں اگلا نمبر کس کا ہوگا؟''

''تم قطعاً نہیں ہوگے۔ لکھ کر رکھ لو۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔ بہت دنوں بعد وہ عام روٹین کی طرح مسکرا رہا تھا۔ ورنہ وہ تو یہ سب بھول ہی گیا تھا۔ فارحہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''میں نہیں ہو سکتا، لیکن تم تو ہو سکتے ہو نا۔'' عزیر نے جواباً چھیڑا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ اگینے نے مسکراتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔

''میری مانیں تو بھابی! آپ بھی اب اذہان کے لیے کوئی لڑکی دیکھ ہی ڈالئے۔ گھر میں بہو ہوگی تو کچھ سکون آپ کو بھی ملے گا۔ پھر رونق بھی خوب رہے گی۔''

''اگینے! یہ کیا پٹیاں پڑھا رہی ہیں آپ میری والدہ کو؟'' اذہان حسن بخاری نے اگینے کی سمت مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''تمہارے بھلے کی باتیں ہی بتا رہی ہوں۔''

''ماشاء اللہ۔ کچھ ہم بھی تو سنیں۔'' اگینے کی سمت بغور تکتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

''اوئے یار! اگینے تیرے لیے لڑکی دیکھنے کی بات کر رہی ہیں۔ مسیحا ہم ہیں اور نیکیاں کمانے کی انہیں سوجھ رہی ہے۔'' عزیر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ فارحہ بیٹے کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔ کیسی آسودگی اُتر رہی تھی اندر کہیں۔ کس قدر راحت محسوس کر رہی تھیں وہ۔

''کچھ بھی کہو، لڑکی تو تمہارے لیے اگینے ہی دیکھے گی۔'' فارحہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

''ممی! آپ بھی؟'' اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''دیکھ لو، اب تو فارحہ بھابی نے بھی گرین سگنل دے دیا۔اب آرام سے بتادو اپنی پسند۔کیسی لڑکی درکار ہے تمہیں؟'' اگینے نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اگینے کی سمت بغور دیکھا تھا۔

''اوں، ہوں۔'' سر نفی میں ہلایا تھا۔''یہ تو میں آپ کو قطعاً نہیں بتاؤں گا۔'' وہ جیسے اس تمام صورت حال سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

''اگینے! اپنے محترم اذہان حسن بخاری کا ارادہ کچھ اور ہے۔آپ اپنا ارادہ بدل لیجیے۔''عزیر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں۔اذہان حسن بخاری کے لیے لڑکی تو میں ہی دیکھوں گی۔اور دیکھنا یہ خود بھی اسے دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔'' اگینے نے دعویٰ کیا تھا۔

''کیوں ......اس قدر خوفناک ہوگی وہ؟'' عزیر نے بیچ میں لقمہ دیا تھا۔اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت فطری تھا۔دونوں دوست عرصہ دراز بعد یوں مل کر بیٹھے تھے اور انجوائے کر رہے تھے۔اگینے نے شام کو آنے کی بطور خاص تلقین کی تھی اور پھر جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

اذہان حسن بخاری انہیں چھوڑنے کے لیے باہر تک آیا تھا۔عزیر جب پورچ سے گاڑی نکال رہا تھا اور اگینے نے اس کی سمت قدم بڑھائے تھے تبھی اس نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

''اگینے!''

''ہوں؟'' اگینے نے گھوم کر اسے دیکھا تھا۔مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔اگینے بغور تکنے لگی تھی۔

''تھینکس۔'' بہت ہولے سے وہ بولا تھا۔

''کس لیے؟'' اگینے حیران ہوئی تھی۔

''آپ کے باعث آج ہم بہت عرصے بعد کھل کر مسکرائے۔میں نے بہت دنوں بعد ممی کو اس طرح پُرسکون پایا۔'' اگینے اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

''شکریہ میرا نہیں بلال کا ادا کرو، جو شادی کر رہا ہے۔یہ ساری خوشیاں اسی کی شادی کے باعث ہاتھ لگی ہیں۔''

''ہوں......؟'' اذہان حسن بخاری نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

''تبھی تو کہہ رہی ہوں اب تم بھی اس ضمن میں سوچنا شروع کر دو۔'' اگینے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔تبھی عزیر نے ہارن دیا تھا۔اگینے پلٹنے لگی تھی جب اذہان حسن بخاری نے اسے پکارا تھا۔

''اگینے!''

''ہوں......؟'' وہ ایک بار پھر پلٹی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''لڑکی آپ جیسی ہونی چاہیے۔'' آنکھوں میں ایک شرارت رکی ہوئی تھی۔وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا اس گھڑی۔اگینے نے اس کی سمت

بغور دیکھا تھا پھر مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری چند ثانیوں تک وہیں رکا اس سمت تکتا رہا پھر لب بھینچ کر مڑا اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

دن شاید پلٹ رہے تھے۔ زمانہ شاید بدل رہا تھا۔

اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حالانکہ سب کچھ بدلا نہ تھا۔ مگر اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اس کے گھر کی کھوئی ہوئی مسکراہٹیں آج دوبارہ لوٹ رہی تھیں۔ اس کی ماں کی آنکھوں میں اطمینان تھا، سکون تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اور اتنا کچھ بہت کافی تھا اس کے لیے۔ فارحہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں جب اس نے ہولے ہولے سے چلتے ہوئے ان تک فاصلہ سمیٹا تھا۔ ان کے قریب رک کر چند ثانیوں تک انہیں دیکھا تھا پھر بیٹھتے ہوئے سر ان کی گود میں دھر دیا تھا۔ فارحہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بھی فقط مسکراتے ہوئے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔ دونوں شاید ایک دوجے کی کیفیت بہ خوبی سمجھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ اپنے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی نیٹ سرفنگ کر رہی تھی۔ باہر لاؤنج میں دادا ابا اور محترم عفنان علی خان دھواں دھار بحث و مباحثے میں مصروف تھے۔ غالباً ان کا موضوع گفتگو ادب تھا۔ دوسرے معنوں میں دونوں حضرات اس لمحے خاصی ادبی گفتگو فرما رہے تھے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔ شاید تبھی ان کی آواز بخوبی اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔

عفنان علی خان کے آنے سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ دادا ابا کو ایک سنگت میسر آ گئی تھی۔ اور اب ان کا وقت خاصا اچھا گزرنے لگا تھا۔ درحقیقت وہ عفنان علی خان کی آمد کے اغراض و مقاصد جاننے اور اخذ کرنے سے یکسر قاصر رہی تھی مگر اس نے بطور خاص اس ضمن میں کچھ سوچا بھی نہ تھا۔ دیکھا جاتا تو اس نوع کا یہ واقعہ تھا بھی نہیں۔ ہاں یہ تھا کہ وہ شخص بہت دوستانہ مزاج رکھتا تھا۔ شاید اسی لیے کسی حد تک بے تکلف واقع ہوا تھا۔ یہ اس کی طبیعت کا خاصہ تھا شاید۔ اس کے باعث اس پر کوئی فتویٰ جاری نہیں جا سکتا تھا۔ ہر شخص کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات سوچنے والی تھی کہ اس نے دادا ابا کا دل واقعی جیت لیا تھا۔ دادا ابا کو بہت کم لوگ متاثر کرتے تھے اور انہی میں ان محترم عفنان علی خان کا شمار بھی ہونے لگا تھا۔ اس میں کچھ تو تھا کہ دادا ابا اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ اتنے کم دنوں کی جان پہچان ہے۔

انابیہ یکدم اپنے کمرے سے اُٹھ کر ان دونوں کے پاس آ گئی تھی۔

دادا ابا، عفنان علی خان کی معلومات پر اسے سراہ رہے تھے۔ اس کی مدلل گفتگو پر اسے اپری شی ایٹ کر رہے تھے۔ وہ پلٹنا چاہتی تھی لیکن یکدم یہ ممکن نہ تھا۔ شاید تبھی وہاں کھڑی رہی تھی۔ اور پھر شاید اس لمحے کی خجالت مٹانے کو بہت آہستہ سے جھک کر اپنے بازو دادا ابا کے گرد حمائل کر دیئے تھے۔ عفنان علی خان اس چہرے کو اس گھڑی دانستہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"تم تو غالباً بزی تھیں؟"

دادا ابا نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ سے دریافت کیا تھا۔ وہ مسکرائی تو نگاہ عفنان علی خان سے لحہ بھر کو ٹکرائی تھی۔ تبھی وہ ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

''اتنی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے سوچا چائے، کافی کا پوچھ لوں، مزید کی تو ضرورت نہیں؟''

''نہیں...... مجھے تو نہیں۔ تم عفنان علی خان سے پوچھ لو۔'' دادا ابا نے مسکراتے ہوئے عفنان علی خان کی سمت اشارہ دیا تھا۔ تبھی وہ اس کی سمت براہِ راست تکنے لگی تھی۔

''ناٹ ایٹ آل۔'' اس نے شانے بے فکری سے اچکائے تھے۔ تبھی دادا ابا گھڑی دیکھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''بھئی برخوردار! بہت اچھی گفتگو رہی تم سے۔ ابھی نماز کا وقت ہو چلا ہے ورنہ مزید نشست رہتی۔ تم دونوں بیٹھو، باتیں کرو۔ میں نماز پڑھ لوں۔''

دادا ابا کہنے کے ساتھ ہی چلتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ عفنان علی خان اب خاصے آرام سے بغور تکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر غالباً اس گھڑی مروتاً مسکرائی تھی۔

''مجھے نہیں علم تھا آپ اتنی ادبی قسم کی گفتگو بھی فرما سکتے ہیں۔'' اس نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔ عفنان علی خان بہت دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

''کیوں...... آپ مجھے اتنا بے ادب جانتی ہیں؟'' جواب بہت بروقت تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ دراصل میں آپ کو قطعاً نابلد سمجھتی تھی۔'' اس نے سچ کہا تھا۔ عفنان علی خان اسے بغور تکتے ہوئے بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

''کس بات سے؟'' اس گھڑی خاصی دلچسپی سے وہ انابیہ شاہ کی سمت متوجہ تھا۔ روشن آنکھوں میں بڑی انوکھی چمک تھی۔ جانے کیسا احساس تھا۔ انابیہ شاہ نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

عفنان علی خان اپنے سوال کی جواب دہی کے لیے یقیناً منتظر تھا مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی عفنان علی خان بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

''اور کن کن باتوں سے نابلد سمجھتی ہیں مجھے، کبھی سہولت سے وضاحت ضرور کیجیے گا۔''

انابیہ شاہ ایک بار پھر اس کی سمت تکتی ہوئی اخلاقاً مسکرائی تھی۔ ساتھ ہی گویا ہوئی تھی۔

''ادب کے اتنے بڑے ناموں پر گفتگو کرنا آسان نہیں۔ اور وہ بھی دادا ابا کے ساتھ۔ دادا ابا ادب کا چلتا پھرتا، جیتا جاگتا انسائیکلو پیڈیا ہیں۔''

''اور میں؟...... میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سینے پر ٹکاتے ہوئے اس نے خود اپنے متعلق

دریافت کیا تھا۔انابیہ شاہ نے لمحہ بھر کو کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت سہولت سے شانے اچکا دیئے تھے۔ بڑا بے تاثر انداز تھا جیسے وہ تمام تر تاثر محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ انداز میں ایک خاص احساس تفاخر تھا۔ جیسے اپنے وصف کے متعلق بخوبی جانتا ہو۔ اس گھڑی کتنی آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔

اُس جانِ تکلم کو تم مجھ سے تو ملواتے

تسخیر نہ کر پاتا حیران تو کر جاتا!

کتنی دلکش مسکراہٹ اُتری تھی اس لمحے اس کے لبوں پر۔ انابیہ شاہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کیا اب بھی دوستی کے لیے ماحول سازگار نہیں ہے؟'' اس کے مدمقابل کھڑے ہوتے ہوئے وہ اس سے دریافت کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ وہ قدم داخلی دروازے کی سمت بڑھانے لگا تھا۔ انابیہ نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

''برف پگھلنے میں اور کتنی دیر لگے گی؟'' لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ انداز ذومنی تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم بڑھاتے ہوئے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''آپ کا مزاج دادا ابا سے خاصا میچ کرتا ہے۔ آپ کی اور ان کی خوب جمے گی۔''

''اور آپ؟'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس نے، اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''میں؟'' وہ اپنی جانب اشارہ کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ ''میرا مزاج بہت مختلف ہے۔ لامعہ نے بتایا نہیں آپ کو۔ میں بہت زیادہ دوست نہیں بناتی۔ اسکول سے لے کر اب تک میری فقط ایک ہی دوست ہے۔ لامعہ کی شکل میں۔ مجھے افراد کا ہجوم اپنے اِرد گرد لگانا اچھا نہیں لگتا۔''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی ایک خاص ادا سے شانے اچکائے تھے۔ برآمدے کی سیڑھیاں اُتر کر اس نے سر اُٹھا کر کھلے آسمان کی سمت نگاہ کی تھی۔ جانے کیا تلاشنے کی کوشش کی تھی۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے دوسرے ہی لمحے دھیان اس کی سمت کیا تھا۔

''کاش......'' ایک حسرت بہت ہولے سے اس کے لبوں پر دم توڑ گئی تھی۔ انابیہ شاہ قطعاً نہ سمجھ پائی تھی۔ عجب دیوانہ پن تھا۔ شاید وہ شخص کسی قدر خبطی واقع ہوا تھا جو عجیب و غریب حرکتیں کرنے کے ساتھ خود کلامی کا بھی عادی تھا۔ انابیہ شاہ کے اپنی طرف حیرت سے تکنے پر دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''کیا ہوا؟'' سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ انابیہ نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔

''چلتا ہوں...... دادا ابا کو میری طرف سے خدا حافظ کہہ دیجیے گا۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ وا کیا تھا اور جب تک وہ اپنی گاڑی نکال کر نہیں لے گیا تھا، انابیہ شاہ وہیں ستون کے ساتھ لگی

کھڑی رہی تھی۔ پھر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔ رات کی رانی کی مہک نے لان کے تمام ماحول کو اپنے سحر میں باندھا ہوا تھا۔
چند ثانیوں تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی تھی پھر ایک لمحے کو سر اُٹھا کر کھلے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے روشن تھا۔ آسمان کا حسن دوبالا ہو رہا تھا۔
''کاش......'' ایک صورت سرگوشی کی مانند اس کے اطراف میں اُبھری تھی۔
وہ سرفوراً پہلے والی پوزیشن پر لے آئی تھی۔ چند ثانیوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ پھر یکدم اُٹھی تھی اور گلاس ڈور کھول کر قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

ہسپتال سے فون آیا تھا۔ بات تو کچھ خاص نہ تھی۔ ڈاکٹر نے چند ضروری امور کے لیے انہیں ہسپتال بلوایا تھا۔ مگر جانے کیوں میرب سیال کا دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یکدم ہی بہت سے خوف کہیں سے در آئے تھے۔ صبح ہی تو وہ پاپا سے مل کر آئی تھی۔ سب کچھ معمول پر تھا۔ پاپا کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ ان کی حالت خاصی بہتر تھی لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو یکدم ہی بہت سے اندیشوں سے بھر گیا تھا۔ فوری طور پر کچھ اور تو سمجھ میں نہ آیا تھا، اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور برابر والے کمرے کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دو الگ الگ رومز قیام کے لیے لیے تھا۔ وہ اس درجہ بوکھلاہٹ کا شکار تھی کہ اس نے دروازے پر دستک دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر دھرا تھا اور ایک ہلکے سے دباؤ سے دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ اندر کا منظر اس کی توقع کے بہت برخلاف تھا۔ شاید تبھی وہ وہیں دہلیز پر ہی ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری گی کے بہت قریب کھڑا تھا۔ گی اس وقت وہ اس کی آہنی گرفت میں تھی۔ مضبوط ہاتھ گی کی نازک کمر کے گرد دھرے ہوئے تھے اور وہ حد درجہ رغبت سے اس گھڑی اس پری رُخ پر جھکا ہوا تھا۔ میرب سیال نے آنکھیں بہت سختی سے میچ ڈالی تھیں۔ یقیناً وہ اس ایک بہت قیمتی لمحے میں مخل ہوئی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت گی پر ڈھیلی ہوتی چلی گئی تھی۔ یقیناً ایسے کسی لمحے کا اندیشہ اسے بھی نہیں تھا۔ گی نظریں جھکا کر چلتی ہوئی قدرے فاصلے پر جا رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے تنہا اس کے سامنے کھڑا اسے کسی قدر ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اسے یہ مداخلت بہت ناگوار گزری تھی۔
میرب سیال کسی قدر شرمندہ تھی۔ تبھی سر جھکائے کھڑی تھی۔ سختی سے میچی ہوئی آنکھوں کو بہت ہولے سے وا کیا تھا مگر سر اُٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں یقیناً اس گھڑی خشمگیں تھیں اور ہونا بھی چاہیے تھیں۔ اس کا اقدام ایسا ہی تھا۔ یہ کارروائی ایٹی کیٹس اور میزز کے سخت خلاف تھی۔ اسے یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ شاید اسی لیے اس کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔
''آئی ایم سوری!......'' یقیناً وہ حد درجہ شرمندہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بغور دیکھ رہا تھا جب وہ اسی طرح سر

جھکائے ہولے سے جانے کے لیے پلٹی تھی۔

''ٹھہرو......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پشت سے پکارا تھا۔اس کے قدم یکدم تھم گئے تھے مگر اب کی بار اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

''کوئی کام تھا؟''

''اوں، ہوں۔'' میرب سیال نے لب بھینچ کر سر نفی میں ہلایا تھا۔ پلٹ کے دیکھنے کی ہمت اب بھی اس میں ناپید تھی۔ گی کچھ فاصلے پر کھڑی اس دھان پان سی لڑکی کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس نے قطعاً نہیں جاننا چاہا تھا کہ ان دونوں میں کیا رشتہ تھا۔اسے یہ جاننے کی اتنی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس کے لیے سب کچھ بے معنی تھا۔ اگر کچھ اہم تھا تو فقط وہ شخص۔ شاید اسی لیے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے اس لڑکی کے متعلق کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔مگر وہ لڑکی اس لمحے جب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب کھڑی تھی، کیسی عجیب کیفیت تھی اس لڑکی کی آنکھوں میں کتنا بہت سا دھواں بھرا ہوا تھا۔اور اب بھی وہ کس طرح رُخ پھیرے کھڑی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس طرح کسی قدر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کے چہرے کے تاثرات نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔ کتنی بے تاثر سی تھیں وہ نظریں۔ اور وہ لڑکی کتنی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''پھر......؟'' وہ یقیناً اس لڑکی سے جواب چاہ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر اسی طرح گردن موڑے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' مدھم لہجہ کسی قدر شرمندہ سا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

کوئی نیا لمحہ تو نہ تھا......کوئی نئی بات بھی نہ تھی۔ یہ پہلا منظر تو نہ تھا۔ اسے تو یقیناً اب ان سب باتوں کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ پھر اس کے اندر بہت سا دھواں کیوں بھرنے لگا تھا؟......کیوں اس کا دم گھٹنے لگا تھا؟......کیوں اس کی آنکھوں میں بہت سی جلن گھر کرنے لگی تھی؟

جب کوئی وابستگی سرے سے تھی ہی نہیں۔

جب سرے سے کوئی استحقاق تھا ہی نہیں تو اسے کیوں ہر بار ایسے منظر بہت پُر وحشت لگتے تھے؟

جب ایسا سب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طبیعت کا خاصا تھا تو وہ مان کیوں نہیں لیتی تھی؟......کیوں ہر بار اس کی نگاہ حیرانیوں سے بھر جاتی تھی؟

کیوں کبھی وہ بے تاثر نہیں بن پاتی تھیں؟

اس نے تو اس تعلق کو دل سے مانا بھی نہیں تھا۔

کسی استحقاق کو برتا بھی نہیں تھا۔

پھر کیوں ان منظروں کی جلن اس کے من کو سلگانے لگتی تھی؟......کیوں وہ یہ سب دیکھ کر کسی فریق غیر کی مانند اجنبی نہیں بن پاتی تھی؟

اپنے کمرے میں آ کر اس نے بیگ شولڈر پر ڈالا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ آنکھوں میں بہت سا دھواں بھر رہا تھا۔ دل کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ سانس سینے میں گھٹ سی رہی تھی۔ مگر وہ تیزی سے چلتی ہوئی ہوٹل سے نکل آئی تھی۔

کیب میں بیٹھ کر ہسپتال کی جانب بڑھتے ہوئے بھی ذہن اسی طرح جل رہا تھا۔

عجب تو کچھ بھی نہ ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ اس صورت حال کو بہت ہار ڈالے رہی تھی۔ یا پھر وہ پاپا کی وجہ سے ہی پریشان تھی۔ دل بہت ہولے جا رہا تھا۔

جانے کیا ہونے جا رہا تھا۔

جانے کیا ہونے والا تھا۔

بے چینی حد درجہ سوا تھی۔

سانس سینے میں گھٹ رہی تھی۔ اس کے لیے جیسے وہ تمام لمحے کاٹنا محال ہو رہا تھا۔

کیب نے اسے اسپتال کے سامنے اُتارا تھا اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ہسپتال میں داخل ہوئی تھی۔

ڈاکٹر تیزی سے اس کی سمت بڑھتا دکھائی دیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا...... یقیناً صورتِ حال بس میں نہ تھی۔

اس کا دل یونہی نہیں گھبرا رہا تھا۔

شاید......

"آپ میرے ساتھ آیئے۔" ڈاکٹر بہت عجلت سے بولا تھا اور اس کی نظر ساکت رہ گئی تھی۔

دل جیسے تھمنے لگا تھا۔

پوری روح میں قیامت سی برپا ہو گئی تھی۔ نہ جانے صورت حال کیا تھی؟...... نہ جانے کیفیت کیسی تھی؟...... فوری طور پر وہ کچھ نہ جان پائی تھی۔ تبھی وہ خالی خالی نظروں سے تکتی چلی گئی تھی۔ حواس کو بحال رکھنا تھا۔ استحکام قائم رکھنا تھا۔ وہ مشکل میں تھی۔

ذہن مکمل طور پر ماؤف تھا۔

وہ تنہا تھی...... بہت اکیلی۔

کوئی شانہ مہربان بھی نہ تھا۔

مگر اسے اپنے ضبط کو آزمانا تھا۔

خود کو قائم رکھنا تھا۔

حوصلوں کو کھونا نہیں تھا۔

اس نے خود کو اپنے اندر مجتمع کرتے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے؟" شستہ انگریزی میں پوچھتے ہوئے وہ حد درجہ پُر اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے بہت عجلت

میں سرنفی میں ہلایا تھا۔ پھر اسی قدر روانی سے گویا ہوا تھا۔

"ایمرجنسی ہے...... مسٹر سیال کی کیفیت اچانک بگڑ جانے کے باعث ہمیں فوری طور پر ان کو سرجری روم میں لے جانا ہوگا۔ مگر فکر مت کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر کا اندازِ پُر عجلت تھا۔

اس کا اندر پل بھر میں بیٹھتا چلا گیا تھا۔ سارے حوصلے پل بھر میں دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

"ڈاکٹر! پلیز، میں اپنے والد سے ملنا چاہوں گی۔" اپنی بھیگتی پلکوں کی نمی کو اس نے یک دم ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کیا تھا۔

"فی الحال ایسا ممکن نہیں۔ مگر حوصلہ مت ہاریں۔ ریسیپشن پر کچھ ضروری پیپرز رکھوا دیئے ہیں۔ پلیز، آپ وہ سائن کر دیں۔ ہری اَپ۔" ڈاکٹرز تیزی سے سرجری روم کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اسی سرعت سے سامنے کا دروازہ کھلا تھا۔ نرسز اور ڈاکٹرز پاپا کو اسٹریچر پر ڈالے تیزی سے باہر نکلے تھے۔

میرب سیال ان کی طرف دوڑی تھی۔ بڑی عجلت میں پاپا کا ہاتھ تھاما تھا۔ بھیگتی آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ ہوش میں نہ تھے۔

"پاپا!...... پاپا!" اُس نے نم ہوتی آنکھوں سے پکارا تھا۔ مگر جواب کوئی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹرز اسی تیزی سے انہیں لے کر سرجری روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔ اس کے قدم بہت پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ ہاتھ خالی رہ گیا تھا۔

فقط اک لمس تھا۔

اس مہربان ہاتھ کا لمس جس کی تپش اس نے لمحہ بھر قبل محسوس کی تھی۔

کیسا کڑوا وقت تھا۔

کیسی جاں پر بنی ہوئی تھی۔

کتنا بڑا طوفان تھا

اور وہ تنہا تھی۔

یقیناً اسے حوصلہ نہیں ہارنا تھا۔

ہاتھ میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ مگر اسے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا تھا۔

خود کو ٹوٹنے نہیں دینا تھا۔

چند لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی بھیگی آنکھوں سے سرجری روم کی سمت جاتی ویران راہوں کو تکتی رہی تھی۔ پھر ہاتھ آنکھوں تک لے جا کر پلکوں کو رگڑتے ہوئے صاف کیا تھا اور مڑ کر ریسیپشن کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

ضروری پیپرز سائن کرنے کے بعد اس نے مکمل حوصلے کے ساتھ زوباریہ سے رابطہ کیا تھا۔ اسے مطلع کرنے کے بعد وہ پلٹی تھی۔

لبوں پر بہت سی دعائیں تھیں۔

بہت سی التجائیں تھیں۔

وہ اپنے پورے دل، اپنی پوری جان اور پوری عقل وخرد کے ساتھ اس لمحہ خدا کے سامنے مناجات کر رہی تھی۔ اس کا دل سجدہ ریز تھا اور اسے یقین تھا یہ دعائیں، یہ مناجاتیں رائیگاں نہیں رہیں گی۔

خدا یقیناً اپنے بندوں کی مشکل گھڑی میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ صداقت سے اسے مخاطب کیا جاتا ہے، جتنے دل سے پکارا جاتا ہے، اتنی ہی رغبت سے وہ اپنے بندوں پر اپنی رحمتوں کی بارش کر دیتا ہے۔ وہ خود کو اس لمحے خدا کے بہت قریب محسوس کر رہی تھی۔

یقیناً خدا اس کی دعائیں سن رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے بہتے پانیوں میں اور بھی روانی آ گئی تھی۔

کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ تھی اس گھڑی۔

کوئی خدشہ نہیں تھا۔

کیونکہ وہ خدا کے قریب تھی۔ اس سے اپنے پورے دل سے مخاطب تھی۔

وہ تنہا نہیں تھی۔

دل اب پہلے کی طرح ڈر نہیں رہا تھا۔

حوصلے پوری طرح مجتمع تھے۔ وہ پُر اعتماد نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

بڑی فطری سی بات ہے۔ شاید کسی بھی شے میں تعطل واقع ہونے سے ساری کیفیت میں اثر پذیری واقع ہو جاتی ہے۔ تسلسل پہلے جیسا نہیں رہتا۔ پہلے جیسی کیفیت باقی نہیں بچتی۔

ترسیل ویسی باقی نہیں رہتی۔

معنی بدل جاتے ہیں، شے نئے سانچوں میں ڈل جاتی ہے، تغیر اپنا آپ منوا کر ثابت کر دیتا ہے کہ بہت کچھ واقع ہو چکا ہے اور اب کچھ پہلے جیسا باقی نہیں رہا۔ گرہ دھاگے میں پڑے یا تعلقات میں، ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ بال آئینے میں آئے یا دل میں، کیفیت ایک سی ہوتی ہے۔ فقط اپنی جانب سے تسلی کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ خوش گمانی فقط خود کو باور کرانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ فرض کر لینا ایسے ہی ہے جیسے آپ خود کو اپنے ہاتھوں خود بے وقوف بنانے چلے ہوں۔

بڑے بودے رہتے ہیں ایسے سارے اقدامات۔

بڑے ہی کمزور رہتے ہیں ایسے سارے ڈھنگ۔

بڑی متضاد کیفیات جواباً آپ کا منہ چڑا رہی ہوتی ہیں۔ اس سے پل میں ثابت ہو جاتا ہے کہ خود کو بے وقوف بنانے کی آپ کی

ساری کوششیں سب رائیگار ہیں۔

کبوتر کی طرح آنکھیں میچ لینے سے حقیقت چھپ نہیں جاتی۔

خوش فہمی، خوش گمانی بہت بودا بہلاوا ہے جو یقیناً حقیقت کی بھرپور نفی کرتا ہے۔

ناشتے کی ٹیبل پر جس طرح کا سکوت تھا اسے دیکھ کر فارحہ کو بخوبی اس بات کا احساس ہوا تھا۔ اذہان حسن بخاری ناشتے کے بغیر ہی نکل گیا تھا۔ جب سے ایسی صورت حال ہوئی تھی وہ باپ کے معاملے میں ایسا ہی ہو گیا تھا۔ شاید اسے سعد حسن بخاری کا اس طرح مہمانوں کی طرح آنا، قیام کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس لیے جس دن وہ ناشتے کی ٹیبل پر ہوتے تھے وہ اس دن شاید دانستہ عجلت میں ناشتہ کیے بغیر نکل جاتا تھا۔

فارحہ ماں تھیں۔ انہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بیٹے کی کیفیت اس خاموشی میں بھی سمجھ سکتی تھیں۔

''کیسی جا رہی ہے تمہاری پڑھائی؟'' سید سعد حسن شاہ بخاری نے ڈان کے صفحات کو اپنے چہرے کے سامنے پھیلاتے ہوئے اور چائے کا سپ لیتے ہوئے ماہا سے دریافت کیا تھا۔

اس نے پہلے کسی قدر چونکتے ہوئے ماں کی سمت نگاہ کی تھی۔ یقیناً اس کے لیے یہ سوال بہت غیر متوقع تھا۔ فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ تبھی ماہا نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''جی پاپا! بہت اچھی۔'' یقیناً یہ گریز رشتوں میں پہلے نہ تھا۔

''کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' انداز کسی قدر سرسری تھا۔ نگاہ اسی طرح اخبار پر تھی۔

فارحہ نے چائے کے سپ لیتے ہوئے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

ماہا ایک بار پھر سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' ماہا کا لہجہ اور انداز دونوں کسی قدر گریز لیے ہوئے تھے۔ رشتوں کے معنی شاید پہلے جیسے نہ رہے تھے۔ تعلقات میں دراڑ آنے سے تسلسل قائم نہ رہ سکا تھا۔

''تمہیں اگر ایڈمیشن لینا تھا تو مجھے کہتیں۔ فارن کی کسی یونیورسٹی میں تمہارا داخلہ کرا دیتا۔''

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' ماہا نے کہتے ہوئے اک نگاہ ماں کی سمت کی تھی جیسے ان کی مدد چاہ رہی ہو۔ جیسے اس اجنبی ماحول میں فقط وہی ایک ہستی اس کی اپنی ہو۔ مگر فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ شاید ماہا کو اس گھڑی خود ہی جواب دہ ہونا تھا۔ تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''تھینکس پاپا! لیکن مجھے خود بھی اس معاملے میں علم نہ تھا۔ اذہان بھائی نے بذات خود ایڈمیشن کرا کر مجھے بھی سرپرائز دیا ہے۔ لیکن اب میں کافی سہولت محسوس کر رہی ہوں۔ یہاں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

سعد حسن بخاری نے چائے کے سپ لیتے ہوئے ایک نگاہ ماہا پر کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں رقم منتقل کروادی ہے۔ پھر بھی کسی شے کی ضرورت ہو تو مطلع کر دینا۔''

''جی پاپا!'' ماہا نے سر ایک بار پھر اثبات میں ہلایا تھا۔ اک نگاہ ماں کی سمت کی تھی پھر فوراً ہی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں چلتی ہوں ماما!'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اُٹھی تھی اور فوراً اس منظر سے ہٹ گئی تھی۔

فارحہ سر جھکائے چائے کے سپ لیتی رہی تھیں۔ یقیناً وہ ان رویوں کے تغیر پر غور کر رہی تھیں۔ جب سعد حسن بخاری اخبار کی جانب بغور تکتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا بہت سمجھ دار ہو گیا ہے تمہارا...... بہت بڑے بڑے فیصلے کرنے لگا ہے۔'' انداز میں کسی قدر کاٹ تھی۔ فارحہ کا سارا حلق جیسے کڑوا ہو گیا ہو۔ انہوں نے نگاہ اُٹھا کر سعد حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔

''سراہ رہے ہو؟'' بہت دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ ''اگر سراہ رہے ہو تو اتنا باور کرانا چاہوں گی کہ یقیناً یہ تمہارے لیے بھی اسی قدر فخر کا مقام ہے۔ وہ تمہارا بھی بیٹا ہے۔'' انہوں نے رسانیت سے پُر لہجے میں باور کرایا تھا۔ سعد حسن بخاری فقط دیکھ کر رہ گئے تھے۔ فارحہ چند ثانیوں تک خاموشی سے ان کی سمت تکتی رہی تھیں پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''سعد! یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' لہجہ تھکن سے کسی قدر چور تھا۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے؟...... وہ جو میں نے کیا یا وہ جو تمہارے بیٹے نے کیا یا پھر وہ جو تم کر رہی ہو؟'' سعد حسن بخاری کا لہجہ کسی قدر زہر خند تھا۔ فارحہ کے لیے یہ سب حیرت کا باعث نہیں ہونا چاہیے تھا مگر جانے کیوں وہ اس گھڑی ساکت سی ان کی سمت تکنے لگی تھیں۔

''کیا...... کیا، کیا ہے میں نے؟'' لہجہ بے حد کمزور تھا۔ بے یقینی حد سے سوا تھی جیسے انہیں امید نہ تھی کہ سارا کا سارا الزام ان کے سر دھر دیا جائے گا۔ جیسے جواب دہی کا یہ لمحہ بہت تکلیف دہ ہو۔

''تم نے اپنے بیٹے کو اپنا وکیل بنایا ہے فارحہ! تم نے اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ اس کے اندر منتقل کر دی ہے۔ اپنا سارا زہر تم نے اس کے اندر انڈیل دیا ہے۔ تم نے میری بے وفائی کا بدلہ میرے بیٹے کو اپنے حق میں کر کے لیا ہے فارحہ! اب کس لیے پُر افسوس ہو؟ ...... کس لیے پریشان ہو؟ اپنا وکیل بنایا تھا نا تم نے اسے؟...... میرے مدمقابل خود آپ کھڑا کیا۔ باہر کون لایا تھا؟ تم نا۔ تم نے اس سارے قصے کو عام کیا تھا نا۔ پھر اب کیوں روتی ہو؟ یہی چاہتی تھیں نا تم کہ تمہارا بیٹا تمہاری حمایت کرے۔ تمہاری وکالت کرے۔ تمہارا ساتھ دے۔ یہی سب تو ہو رہا ہے۔ پھر دکھ کس بات کا ہے اب؟''

کتنے الزامات تھے جو ایک پل میں ان کے سر ہوتے چلے گئے تھے۔ وہ ساکت سی تھیں۔ آنکھوں میں یکدم ہی کتنی بہت سی نمی آن ٹھہری تھی۔ ایک پل میں وہ کتنی کمزور پڑتی چلی گئی تھیں۔ ساری ہمتیں پل میں ڈھیر ہوئی تھیں۔

''میں نے؟...... یہ سب میں نے کیا؟...... سعد! تم کتنے آرام سے سارے الزامات میرے سر رکھتے ہوئے بری الذمہ ہو رہے

ہو۔میں نے کیا یہ سب؟......اس گھر کا سکون، اس گھر کا خیال۔'' کتنے پُر افسوس انداز میں انہوں نے سر پر ہاتھ دھرا تھا۔سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔کتنا تاریک لمحہ تھا۔کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا تھا۔وہ کتنی بے یقین تھیں۔

''اس گھر کو بنانے میں، میں نے اپنی پوری عمر لگا دی سعد! خود کو مٹا دیا۔اپنی پہچان، اپنی شناخت، اپنی شخصیت، سب کچھ رول دیا۔ اس گھر کو آباد کرنے میں، اسے بنانے، سنوارنے میں خود کو تیاگ دیا میں نے۔اور تم کہتے ہو میں نے......میں نے کیا یہ سب۔سعد! دنیا میں ایسی کون سی عورت ہو گی جو اپنے گھر کا سکون اپنے ہاتھوں برباد کرنا چاہتی ہو؟......اس گھر کو ڈھانا چاہتی ہو جسے بنانے میں اس نے اپنی پوری عمر لگا دی؟'' ان کا مدھم لہجہ کس قدر پُر افسوس تھا۔کتنا گرم گرم پانی چپ چاپ آنکھوں کے کناروں کو توڑتا ہوا چہرے پر پھیلنے لگا تھا۔وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے کتنے بے یقین انداز میں سعد حسن شاہ بخاری کو دیکھ رہی تھیں۔بے معنی رہا تھا سب کچھ۔فضول گیا تھا سب۔ایک عمر کی رفاقت، ایک عمر کا احساس، ایک عمر کی ریاضت، رائیگاں رہا تھا سب۔ساری قربانیاں بے ستائش ٹھہری تھیں۔وہ ایک پل میں خالی ہاتھ تھیں۔کتنا ویران لگا تھا اس لمحے میں سارا منظر۔کتنی خاموشی تھی چار سمت اور ان کا اندر کتنا ساکت تھا۔جیسے کوئی بہت بڑا سانحہ گزر گیا ہو۔ان پر الزام دھرنے والا شخص اس گھڑی مکمل طور پر خاموش تھا۔

''سعد! تم......'' فارحہ نے کچھ بولنا چاہا تھا جب سعد حسن بخاری اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''کوئی انوکھا کام نہیں کیا تم نے فارحہ! نہ ہی میں نے کچھ عجب کیا ہے۔بچی نہیں ہو تم۔یوں واویلا کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔خلاف قانون نہیں ہے کچھ بھی۔جینے کا حق مجھے بھی حاصل ہے۔اپنے طور پر فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہوں میں۔یہ بات تمہیں کتنی بار باور کرانی پڑے گی۔کچھ بھی بدلنے والا نہیں ہے۔کچھ بھی نہیں بدل سکتا۔جو ہونا تھا ہو چکا، قبول کرو اس حقیقت کو۔کیوں جاہل عورتوں کی طرح لکیر پیٹ رہی ہو۔کیا فرق آیا ہے تمہاری حیثیت میں؟......کیا بدلا ہے؟ کس بات کا رونا رو رہی ہو تم؟......کیوں حالات کو معمول پر آنے نہیں دیتی ہو؟ میرے لیے کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔یہ گھر اب بھی میرا ہے۔تم میری ہو، بچے میرے ہیں۔کہاں ذمہ داری سے منحرف ہوا ہوں میں؟......ہاں تم مجھ سے منحرف ہونے کی کوشش ضرور کر رہی ہو۔میری حیثیت کو چیلنج ضرور کر رہی ہو۔''

''کیا......؟'' فارحہ کس قدر بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔کیا چاہا تھا انہوں نے اور کیا ہو گیا تھا۔وہ تو حالات کو معمول پر لانے چلی تھیں۔سب کچھ بدلنا چاہ رہی تھیں۔سب طرف سے آنکھیں بند کر کے کسی خوش گمانی میں مبتلا ہونا چاہ رہی تھیں۔انہوں نے تو امن کا پرچم لہرانا چاہا تھا۔سمیٹنا چاہتی تھیں وہ تو سب کچھ۔سارے قصے بھول کر اپنے گھر کو پھر اسی ڈور سے باندھنا چاہتی تھیں۔اور کیا ہوا تھا۔ایک پل میں ساری کوششیں ڈھیر تھیں۔کیسے بے سود رہا تھا سب کچھ۔ہاں یہ ہوا تھا کہ کچھ نئے الزامات ان کے سر آ گئے تھے۔

کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ ان کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے تھے۔

سعد حسن بخاری چیئر ہٹا کر ایک جھٹکے سے اُٹھے تھے اور بنا اس کی سمت دیکھے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔اس ماحول میں تنہا خود کو محسوس کرتے ہوئے بھیگتے چہرے کے ساتھ فارحہ کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ واقعی بہت کچھ بدل گیا ہے۔

☆......☆......☆

سب ہی سوچیں تھیں۔ بہت سے خیالات تھے۔کئی رنگ بکھرے پڑے تھے چار سمت۔لیکن ان سب کا محور فقط وہ تھی۔

خیال کا ہر پہلو فقط اس سے نکلتا تھا اور اسی پر ختم ہو جاتا تھا۔

دل اس ایک خیال کا طواف کرتے کرتے پہروں گزار دیتا تھا اور تھکتا نہ تھا اور وہ اس معاملے میں جیسے بالکل بے یار و مددگار تھا۔ بے اختیاری حد سے سوا تھی۔

اس نے پہلے پہل خیال کیا تھا، فقط چند روزہ کیفیت ہو گی۔

فقط ایک پل کی رغبت۔

اور جیسے جیسے دن گزریں گے، وقت بیتے گا، سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ دیوانہ نہ تھا۔کوئی ارادہ بھی نہ تھا اس کا مجنوں بننے گا۔گریباں چاک کر کے صحراؤں میں صحرا نوردی کرنے کا اسے کوئی شوق نہ تھا۔ایسا کوئی خلل اس کے دماغ میں واقع نہ ہوا تھا۔مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اس کا دل اس کی بھرپور نفی کرتا چلا جا رہا تھا۔وہ آنکھیں اپنا تاثر بھرپور طریقے سے قائم کرتی جا رہی تھیں۔وہ خیال متروک نہ ہو پا رہا تھا۔یقیناً صورتِ حال سنگین ہونے چلی تھی اور عفنان علی خان یقیناً اس ساری کیفیت پر حیران تھا۔یہ بات چند روزہ نہ رہی تھی۔کیفیت اب تک برقرار رہی تھی۔یعنی معاملہ کچھ اور تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟

جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

کتنے ہولے سے اُبھریں وہ آنکھیں۔اندر کہیں اک پل میں اُجالا ہوا تھا اور سارا وجود روشنی سے بھر گیا تھا۔

کتنا دور تھا وہ ان باتوں سے۔کتنا انجان تھا، قطعاً نا آشنا تھا۔اس کا تو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، کجا اس طور مبتلا ہونا۔دیوانگی کی حد تھی اور وہ اس معاملے میں قطعی طور پر بے بس تھے۔

شاید محبت بہت قوی شے تھی۔

بے بس کر دینے والی کوئی ماورائی قوت۔تبھی وہ بے اختیاری کے بہاؤ میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ورنہ اس نے اس طور تو کبھی نہیں سوچا تھا۔

کوئی حق نہیں تھا اسے، کوئی سبب نہیں بنتا تھا۔اور ایسے میں جب کہ وہ خود ایک نئے تعلق میں بندھ چکا تھا اور مزید نئے تعلق میں بندھنے والا تھا۔

یقیناً یہ سب غلط تھا۔مگر محبت نہیں مان رہی تھی۔دل نہیں مان رہا تھا۔وہ چھپنا چاہتا تھا، بھاگنا چاہتا تھا مگر سب بے سود تھا۔اس کی سوچ کا ہر راستہ دل سے نکلتا تھا اور اس خیال سے جا ملتا تھا۔وہ جادوؤں سے بھری آنکھیں اسے خود سے بھاگنے نہیں دیتی تھیں اور وہ اسی ایک نقطے پر ساکت و جامد ہو جاتا تھا۔محبت واقعی ایک قوی شے تھی۔

اس لمحے جب وہ آفس سے نکل رہا تھا تب بھی اس کا خیال اس کے ساتھ تھا۔ پچھلے کئی دن تک اس نے خود پر دانستہ جبر کیا تھا۔ دانستہ جبر سہا تھا۔ مگر یہ بہت کڑی سزا تھی جیسے حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ ان آنکھوں سے بچ کر نہیں رہ سکتا تھا۔

اس گھڑی موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ آسمان بادلوں سے مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اس نے سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ بہت سی بوندیں اس کے چہرے پر آن پڑی تھیں۔

موسم کی پہلی بارش تھی۔

اس نمی کی شگفتگی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے تصور میں اس کا چہرہ تھا۔ وہی جادوئی آنکھیں اس کے روبرو تھیں۔ بہت دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی۔ محترم عفنان علی خان مکمل طور پر محظوظ ہوئے تھے اس وقت۔ مکمل طور پر مسرور تھے۔

”موصوف! عقل ٹھکانے نہیں ہے آپ کی؟“ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے اس گھڑی خود سے مخاطب تھا۔

”مجنوں بننے جا رہے ہیں آپ...... بالکل ٹھیک نہیں ہے یہ۔ انجام کی کچھ فکر کیجیے۔ ورنہ بقیہ ساری زندگی صحراؤں کی خاک چھانتے بسر ہو جائے گی۔“

مگر باور کرانے کی ساری کوششیں بے کار گئی تھیں۔ دل اپنی کیفیت برقرار رکھے اسی طور مسرور تھا اور اسے ماسوائے افسوس کرنے کے اور کوئی چارہ نہ بچا تھا۔

اپنے ہی خیالوں میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے عفنان علی خان کی نگاہ ایک لمحے میں چونکی تھی۔ فلاور شاپ پر کھڑی یقیناً وہ وہی تھی۔ سفید لباس میں ملبوس اس بھیگے منظر میں وہ کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔

اپنے ہی خیال میں مگن۔

اپنی ہی دھن میں۔

سارا ماحول اس گھڑی اس کے زیر تھا۔ اس کے رنگوں سے بھرا ہوا تھا۔

ہر سمت اس کا جادو بکھرا ہوا تھا اور وہ خود میں گم تھی۔ اپنے آپ میں مگن تھی۔

عفنان علی خان کی نگاہ اس منظر کی گرفت میں تھی۔ گاڑی کی اسپیڈ بہت دھیمی ہو گئی تھی۔

عفنان علی خان نے گاڑی اس کے قریب روک دی تھی۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ بوکھلاہٹ میں ہاتھوں میں پکڑے تمام وہائٹ ٹیوب روز زاس کی گاڑی کے بونٹ پر بکھرتے چلے گئے تھے۔ کچھ زمین پر آ رہے تھے۔ انابیہ شاہ نے اس اقدام پر یقیناً کڑے تیوروں سے مقابل کی سمت تکنا چاہا تھا مگر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے عفنان علی خان کو دیکھ کر وہ جہاں حیران ہوئی تھی وہیں وہ غصہ بھی کسی قدر زائل ہو گیا تھا۔

”آپ یہاں؟...... آپ کو معلوم ہے آپ نے میرا کتنا نقصان کر دیا۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو......“

''تو آپ اسے یقیناً بہت سخت سست سناتیں۔ خوب خبر لیتیں اس کی۔ ہے نا؟'' وہ مسکرایا تھا۔ مدھم مدھم بوندوں کا تسلسل جاری تھا۔ دونوں اس گھڑی بھیگتے منظر کا حصہ تھے۔

عفنان علی خان کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ کتنی شفاف بوندیں اس کے چہرے پر تھیں۔ کتنی دلکشی در آئی تھی اس منظر میں۔ ماحول جادو سے کتنا بھر گیا تھا۔

انابیہ شاہ کسی قدر خفگی سے اس کی سمت تکتی گویا تھی۔

''یقیناً...... لیکن آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں آپ کی خبر نہیں لوں گی؟'' عفنان علی خان کی سمت بغور تکتی وہ گویا تھی۔

''ضرور...... میری خواہش ہوگی ایسا ضرور ہو۔'' انداز اور لہجہ کس قدر ذومعنی تھا۔

''کیا؟'' انابیہ شاہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے یقیناً اس پل حیران تھی۔ عفنان علی خان نے مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ لیکن میں آپ کا نقصان پورا کر سکتا ہوں۔ بائے دی وے، یہ تھے کس کے لیے؟'' اس کی سمت بغور تکتا ہوا وہ دریافت کر رہا تھا۔

''آپ کے لیے یقیناً نہیں تھے۔'' اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ یقیناً طنزیہ ہی تھی۔ لیکن عفنان علی خان اس کی سمت تکتا بہت بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔

''لیکن اس لمحے بکھرے ہوئے تو تمام میر گاڑی پر ہی ہیں۔'' انداز بہت مسرور تھا۔

''یہ فقط آپ کی غلطی کے باعث ہوا۔'' انابیہ شاہ نے الزام اس کے سر دھرا تھا۔ مگر وہ بہت سرشاری سے مسکرا دیا تھا۔

''میں قبول کرتا ہوں۔'' سینے پر داہنا ہاتھ دھرتے ہوئے اپنی غلطی قبول کی تھی اور اس کے ساتھ ہی چلتا ہوا فلاور شاپ کی سمت بڑھ گیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس شخص کی پشت کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ چند لمحوں میں وہ واپس پلٹا تھا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں پھول تھے۔

''یہ اتنے سارے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''ہوں...... ایک تو نقصان پورا کرنے کے لیے اور دوسرے آپ کا موڈ بحال کرنے کے لیے۔''

''کیا مطلب؟'' انابیہ قطعاً نہ سمجھی تھی۔

عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے شانے اُچکائے تھے۔

''سو سمپل...... ایک آپ کا نقصان پورا کرنے کے لیے ہے۔ یعنی یہ وہائٹ ٹیوب روز۔'' اس نے کہتے ہوئے بکے اس کے داہنے ہاتھ میں تھمایا تھا اور پھر بہت دھیرے سے مسکراتے ہوئے سرخ گلابوں کے بکے پر نگاہ کی تھی۔ ''اور یہ آپ کے لیے۔ مجھ سے آپ کا نقصان ہوا، اس کی تلافی کے لیے۔'' اس کا بایاں ہاتھ تھام کر اس نے وہ بکے اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ برستی شفاف بوندیں ان پھولوں

پر اپنی کہانی لکھتی چلی گئی تھیں۔انابیہ شاہ نے بوندوں سے اٹے چہرے سے قدرے حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔وہ مکمل مؤدب سا اس گھڑی اس کے سامنے تھا۔بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔چہرے پر کسی قدر شرمندگی اور خجالت کے تاثرات تھے جیسے واقعی اسے اپنی غلطی پر افسوس ہوا اور واقعی وہ اس لمحے شرمندہ ہو۔انابیہ شاہ نے سرخ گلابوں پر نگاہ کی تھی اور اس کے ساتھ ہی گویا ہوئی تھی۔

''لیکن آپ کی خطا اتنی بڑی نہیں عفنان علی خان!......میں یہ نہیں لے سکتی۔تھینکس۔'' سرسری اور کسی قدر سپاٹ لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس گھڑی کسی قدر پُر تکلف لگی تھی۔

عفنان علی خان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''پھول واپس نہیں کیے جاتے۔آپ کو ضرورت نہ ہو تو ڈسٹ بن میں ڈال دیجیے گا مگر اس طرح واپس کرنا قطعاً مناسب نہیں۔'' لہجہ اور انداز بتا رہا تھا کہ اسے کسی قدر ناگوار گزرا ہے۔

انابیہ شاہ نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔پھر اس کے حوالے پر غور کرتی ہوئی شاید اسے کسی قدر رعایت دیتی ہوئی وہ بکے قبول کر گئی تھی۔

''او کے......لیکن اب میرا ارادہ اس موسم میں بھیگنے کا قطعاً نہیں ہے۔میں چلوں گی۔''

''آیئے،میں چھوڑ دیتا ہوں۔''عفنان علی خان نے آفر دی تھی۔

''نہیں......قریب ہی ہے یہاں سے گھر۔میں چلی جاؤں گی۔شکریہ۔'' وہ شاید اخلاقاً مسکرائی تھی۔اس کے ساتھ ہی قدم اُٹھائے تھے۔عفنان علی خان نے اس کی پشت کو چند ثانیے یونہی تکا تھا،پھر گاڑی لاک کر کے بہت سرعت سے اس کا تعاقب کیا تھا۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ لمحہ بھر میں اس کے ہم قدم تھا۔انابیہ شاہ اسے حیرت سے تکنے لگی تھی۔

''آپ؟''

''ہوں......''عفنان علی خان شانے اچکاتے ہوئے مسکرایا تھا۔''بارش میں واک کرنے کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔''

انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''پاگل ہو گئے ہیں آپ؟......کیا اس سے قبل آپ نے کبھی بارش کا لطف نہیں لیا؟'' انداز کسی قدر پُر اکتاہٹ تھا۔وہ یقیناً زچ ہو چکی تھی۔مگر مروتاً اس کا لحاظ کرنا پڑ رہا تھا۔عفنان علی خان نے فقط سر نفی میں ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

وہ اس لمحے اس کے ہمراہ چلنے لگا تھا۔بھیگتے منظروں میں ایک دلکشی در آئی تھی۔کیونکہ وہ اس گھڑی اس کے ساتھ تھی۔موسم مسرور تھا۔مہک رہا تھا۔کتنا مسحور کن احساس تھا۔ایک سرور سا پھیل رہا تھا پورے وجود میں۔کوئی جادو ہولے ہولے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

''موسموں میں واقعی دلکشی ہوتی ہے۔'' کتنے مدھم انداز میں وہ گویا ہوا تھا جیسے آج پہلی بار اسے اس بات کا ادراک ہوا تھا۔جیسے یہ کوئی پہلا احساس تھا۔انابیہ شاہ نے اس کے ہمراہ چلتے ہوئے اس پر نگاہ کی تھی۔بھیگتے موسم میں اس کے سنگ چلتے ہوئے وہ یقیناً بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

''آپ نے اس سے قبل کبھی ایسا تجربہ نہیں کیا؟......آئی مین لطف نہیں چکھا؟'' انابیہ شاہ حیرت سے دریافت کررہی تھی۔

''اوں ہوں۔'' عفنان علی خان نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر بہت مدھم مسکراہٹ اس کے لبوں پر اُتری تھی۔ ''اس طور تو کبھی نہیں۔'' انداز، لہجہ بے حد مسرور تھا۔ ذومعنویت عروج پر تھی۔ مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔ شاید تبھی اس نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

''لیکن مجھے تو بارشوں میں بھیگنا قطعاً بھی مرغوب نہیں۔ اگرچہ اس کے باوجود میں کئی بار بارشوں میں بھیگی ہوں جیسے کہ اب بھی نہ چاہتے ہوئے بھیگ رہی ہوں۔''

''نہ چاہتے ہوئے......یعنی تمہیں یہ موسم پسند نہیں؟'' وہ حیران ہوا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ پھر نظر راستوں پر مرکوز کردی تھی۔

''کیا رکھا ہے ان موسموں میں؟...... کچھ بھی نہیں۔'' لہجہ اور انداز کسی قدر کھویا ہوا سا تھا۔ عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔

بوندا باندی عروج پر پہنچی تھی۔ موسم میں یکدم شدت آئی تھی اور پانی بادلوں سے بھرپور تسلسل سے برسنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے یکدم نگاہ اس شخص پر کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل سر اُٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا تھا۔ بوندوں کا تسلسل اور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ دونوں تیزی سے بھیگنے لگے تھے۔ شاید بہت سرعت سے بھاگتے ہوئے انہوں نے ایک قریبی درخت کے نیچے پناہ لی تھی۔

''بارش میں بھیگنے کا بھی اپنا ایک لطف ہے۔ ہے نا؟'' عفنان علی خان بہت ہولے سے پتوں سے ٹپکتی ہوئی بوندوں کو ہاتھ کی اوک میں جمع کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ جیسے وہ ان لمحوں کی طوالت سے اُکتا گئی ہو یا پھر یک دم موسلا دھار رنگ اختیار کرنے والی بارش نے اسے بدمزہ کردیا تھا۔

''مجھے بارشوں میں بھیگنا اچھا نہیں لگتا...... بہت بچکانہ اقدام ہے یہ۔'' اس نے جیسے اس لمحے خود کلامی کی تھی۔ عفنان علی خان اس کے بوندوں سے اَٹے چہرے کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔ کتنے قطرے تھے اس کے صبیح چہرے پر۔

بہت ہولے سے اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے چہرے کے قریب لے جا کر ان گھنی پلکوں پر اَٹے موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔ اقدام بہت اچانک تھا۔ انابیہ شاہ لمحہ بھر میں جھجکتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی مگر وہ اقدام سرزد ہو چکا تھا۔ وہ قدرے حیرت سے اس شخص کو تکنے لگی تھی جو اس گھڑی بہت دھیمے انداز میں مسرور سا مسکراتا ہوا کسی قدر رغبت سے اپنی پوروں پر چمکتے اس پانی کے قطرے کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' کسی قدر ناگوار لہجے میں اس حرکت پر سرزنش کی گئی تھی۔ مگر وہ بہت دھیمے سے مسکرادیا تھا۔

''خوشی۔'' نگاہ پوروں پر ٹکے اسی ننھے قطرے پر تھی۔ لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

''خوشی؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ہوں۔'' عفنان علی خان نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''آسمان سے اُتری ہوئی خوشی۔ جوان آنکھوں کے لیے بہت سے پیام اپنے سنگ لے کر آئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے یہ قطرہ کیا کہہ رہا ہے؟'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''کیا؟'' لہجہ اسی قدر پُر حیرت تھا۔ وہ یقیناً حیرت سے اس کی سمت متوجہ تھی۔

''اگر یہ چہرہ، یہ آنکھ مجھے نہیں پاتی تو میں واپس لوٹ جاتا اور اپنے ساتھ وہ سارے اچھے لمحے بھی واپس لے جاتا جو میں اس کے لیے لایا تھا۔'' عجب دیوانگی تھی لہجے میں۔ وہ ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔

''دیکھو، یہ اب بھی بول رہا ہے...... کہہ رہا ہے، تم نے اچھا کیا جو اس لڑکی کو میرے پاس لے آئے۔ ورنہ میں اسے اس کے سارے سپنے کبھی سونپ نہ پاتا۔ اس کے حصے کی ساری خوشیاں اور خواب یونہی گٹھری میں بند پڑے رہ جاتے اور مجھے پھر اگلے موسموں کا انتظار کرنا پڑتا۔ اور یہ انتظار بہت کڑا ہوتا۔ یقیناً۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ کچھ تو تھا کہ سارا ماحول اس کے زیر آ گیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''کیا پاگل پن ہے یہ؟'' شاید اسے ڈپٹنا چاہا تھا۔ مگر لہجہ کسی قدر کمزور تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ تو فقط ایک پہلا قطرہ تھا۔ تم چاہو تو ایسے بہت سے قطرے مزید بھی تمہارے حصے میں آ سکتے ہیں۔ شاید تم نہیں جانتیں، ہر قطرے کی اپنی ایک گٹھری ہے۔ اپنے الگ سپنے ہیں۔ الگ خوشیاں ہیں۔ الگ رنگ ہیں۔''

انابیہ شاہ نے یک دم اس شخص پر سے اپنی نگاہ پھیری تھی۔ دور تک دُھند ہی دُھند تھی۔ سارا منظر بھیگ رہا تھا۔ کتنے قطرے اس گھنے پیڑ کی شاخوں سے ٹپکتے ہوئے ان پر پڑ رہے تھے۔ وہ اب بھی اس موسم میں ساتھ ساتھ بھیگ رہے تھے۔ وہ متواتر بول رہا تھا۔ وہی مدھم لہجہ تھا اور پورا ماحول اس کے زیر تھا۔

''جانتی ہو موسم فقط تین ہوتے ہیں۔ مگر دل کے موسموں کا کوئی شمار نہیں۔ ہر ہر پل کی اپنی ایک کہانی ہے، اپنا ایک رنگ ہے۔ اپنا ایک وجد ہے۔ کیا کیا قیامتیں کس طور گزر جاتی ہیں دل پر، کوئی نہیں جانتا۔ یہ موسم ہم مل کر بانٹتے ہیں، مل کر ساتھ گزارتے ہیں۔ مگر ان موسموں کی کہانی بہت مختلف ہے۔ ہر لمحہ ایک داستان کہتا ہے۔''

نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ وہ نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بنا اس کی سمت دیکھے سرعت سے وہاں سے ہٹی تھی اور دوسرے ہی پل بھاگتے ہوئے جیسے اس ماحول سے دور نکلتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان وہیں کھڑا تا دیر اس سمت تکتا رہا تھا۔ مگر وہ ایک بار بھی نہیں پلٹی تھی۔ جیسے اسے اپنے پتھر ہو جانے کا احتمال تھا۔ جیسے وہ حد درجہ خوفزدہ ہو۔

☆......☆......☆

دعا دل سے نکلی ہو تو رائیگاں نہیں جاتی۔اس کی تمام دعائیں بھی مستجاب ہوگئی تھیں۔مظہر سیال کی ہارٹ سرجری کامیاب رہی تھی اور میرب سیال کے لیے یہ بہت بڑی خوشی تھی۔گو وہ لمحات بہت طویل اور کڑے تھے جو دل پر بیتے تھے۔رات اس نے آنکھوں میں بسر کردی تھی مگر اب ایک اطمینان اندر تک پھیل رہا تھا۔اس نے شیشے کے اس پار بستر پر لیٹے پاپا کو دیکھا تھا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

رات گزر گئی تھی۔قیامت خیز لمحے گزر گئے تھے۔دل سنبھل گیا تھا۔

مگر کوئی اب بھی نہیں آیا تھا۔

میرب سیال کو انتظار نہیں تھا۔شاید وہ اس کی جانب سے امید رکھ بھی نہیں رہی تھی۔مگر زوباریہ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تھا تو وہ فوری طور پر کچھ نہ کہہ پائی تھی یا پھر وہ واقعی کوئی وضاحت دے کر اسے گرانا نہیں چاہتی تھی۔

رات بھر جاگنے کے باعث سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔رونے کے باعث پپوٹے سوج رہے تھے۔آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وجود تھکن سے شل ہونے کو تھا۔

”تم جا کر آرام کرلو......میں ہوں یہاں۔“زوباریہ نے مشورہ دیا تھا۔اس نے سر ہلا دیا تھا۔

”پاپا جب ہوش میں آجائیں تو مجھے فون کر دیجیے گا۔“

”اوکے۔“زوباریہ نے سر ہلایا تھا۔

وہ تھکن سے شل وجود کے ساتھ ہسپتال سے باہر نکل آئی تھی۔

کوئی امید نہیں تھی۔

مگر وہ ذہن کو اس خیال کو سوچنے سے باز نہ رکھ سکی تھی۔

رات گزر گئی تھی اور وہ نہیں آیا تھا۔

”بے حسی کی حد تھی۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ ایسا کیوں سوچ رہی تھی۔ایسا کیوں چاہ رہی تھی۔حالانکہ اس نے تو اس تعلق کو سرے سے قبول ہی نہ کیا تھا۔دل سے مانا ہی نہ تھا۔بس زبردستی کا سودا تھا۔اور کیوں رکھتا وہ خیال۔کیوں کرتا کوئی احساس۔“

اس پر کچھ فرض تو نہ تھا۔

وہ تو آزاد تھا اول روز سے۔کوئی ذمہ داری اٹھائی ہی نہ تھی۔نبھانے کی بات تو بہت بعد کی تھی۔اس نے ایسی کوئی کمٹ منٹ کی ہی نہ تھی۔پھر کس شے کا افسوس کر رہی تھی وہ۔

اس کی زندگی کی لکیر الگ تھی۔جینے کے راستے اور تھے۔طور طریقے مختلف تھے۔

کتنے ناپسندیدہ منظر اس کی نظروں میں گھومتے چلے گئے تھے۔اس نے جلتی ہوئی آنکھوں میں تیرتے نمکین پانیوں کو اپنے اندر ہی کہیں مدغم کرنا چاہا تھا۔بہت دُکھتے ہوئے سر کو ہولے سے ہاتھوں سے دبایا تھا۔

ٹیکسی ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔اس میں ہمت ناپید تھی، چلنے کی سکت تک نہ تھی۔سر گھوم رہا تھا۔آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔مگر وہ بہت پُر اعتماد قدموں سے چلتی ہوئی ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔لفٹ سے نکل رہی تھی جب وہ اسے نظر آیا تھا۔غالباً وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا۔شاید کہیں جا رہا تھا۔اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور میرب سیال کے لیے جیسے یہ ایک جبری فعل تھا۔بہ مشکل وہ اس کے سامنے رکی تھی۔

''کیا ہوا؟'' جانے وہ اس کی کیفیت کے مدنظر دریافت کر رہا تھا یا پھر صورت حال کے متعلق جاننا چاہ رہا تھا۔میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اک خاموش نگاہ کی تھی۔بے تاثر اور لاتعلق نگاہ۔اور سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تم کہاں گئی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری باز پرس کر رہا تھا۔کیا حق رکھتا تھا وہ؟ کیا جاننے کا خواہاں تھا وہ؟

کیا وہ واقعی متفکر تھا اس کی بابت؟

اس کی غیر موجودگی اس کے لیے پریشانی کا باعث رہی تھی؟

آنکھوں سے لگ تو نہ رہا تھا۔چہرہ کس قدر فریش لگ رہا تھا۔شب بیداری یا کسی پریشانی کی کوئی ہلکی سی بھی لکیر نہ تھی۔

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔یہ تھا وہ شخص جس کے ہاتھ میں اس کی زندگی کی ڈور تھی۔ جس کے ساتھ اسے اپنی باقی ماندہ زندگی گزارنا تھی۔جس کے نام اسے اپنا سب کچھ کر دینا تھا۔

یہ تھا وہ شخص۔

بے مہر، کج ادا۔

وفا جس کی سرشت میں تھی ہی نہیں۔اور وہ کیا کیا امیدیں لگانے چلی تھی۔اپنی عقل پر حد درجہ افسوس ہوا تھا۔وہ بہت تلخی سے مسکرائی تھی۔

''بے فکر رہیے سردار سبکتگین حیدر لغاری! میری کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔جس طرح میں آپ کی زندگی میں غیر اہم ہوں اسی طرح آپ بھی میرے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔نام کا ہے نا آپ کے لیے یہ رشتہ؟ آزاد رہنا چاہتے ہیں نا آپ؟ تمام تر ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے ہیں نا؟ ہر تعلق، ہر واسطے سے۔تعلقات بوجھ لگتے ہیں نا آپ کو...... ہر رشتہ بار لگتا ہے نا؟ زنجیروں میں قید ہونا پسند نہیں نا آپ کو؟ اپنی آزادی بہت عزیز ہے آپ کو۔مگر مائنڈ اِٹ مسٹر سبکتگین حیدر لغاری! میرب سیال کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔بہت غلط قیاس کیا آپ نے اس کے متعلق۔بہت غلط سوچا۔'' وہ پُر اعتماد انداز میں اس کے سامنے تنی کھڑی تھی۔سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔میرب سیال کی سرخ آنکھوں میں کسی درجہ ناگواری تھی اور وہ کسی درجہ ناپسندیدہ نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''بہت غلط قیاس کیا آپ نے سبکتگین حیدر لغاری!...... میرب سیال کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔''

''میرے لیے کوئی تعلق بوجھ نہیں ہے، کوئی رشتہ زنجیر نہیں ہے۔میرے نزدیک رشتہ ایک کمٹ منٹ ہے جسے دل سے قبول کرنا

چاہیے اور دل سے نبھانا چاہیے۔ ورنہ......'' بہت ہولے سے اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں سبکتگین حیدر لغاری! حیرت ہے، دنیا گھوم چکے ہیں اور فقط اتنی سی بات نہیں جانتے۔'' کتنا پُر افسوس تھا میرب سیال کا انداز۔ اپنے اندر کا غبار نکالتے ہوئے اسے اندازہ تک نہ تھا کہ وہ اس وقت راہداری میں کھڑی ہے۔ اور یقیناً ایسی باتوں کے لیے ایسا ماحول قطعاً سازگار نہیں ہے۔ حد ہوتی ہے۔ ہر بات کی۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ اور شاید اس کی حد ٹوٹ چکی تھی۔ برداشت ختم ہو چکی تھی یا پھر واقعی وہ اس قدر ڈیپریس تھی کہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس کے سامنے کھڑی ہے۔ کہاں کھڑی ہے اور کیا بول رہی ہے۔

سبکتگین حیدر لغاری اس کے مقابل کھڑا بے تاثر چہرے سمیت اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ چہرے سے کسی بات کا کچھ احساس ظاہر نہ تھا۔ کسی جذبے کا کوئی ردِعمل درج نہ تھا۔ وہ مکمل طور پر سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ کوئی جواب نہیں رہا تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا۔ بس چپ چاپ کھڑا اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ وہ مضبوطی سے اب بھی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے اس کی سمت سے کچھ اور بولنے کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی پل آگے بڑھنا چاہا تھا۔ مگر نہ جانے کیا ہوا تھا، آنکھوں کے سامنے لمحہ بھر میں اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ گرتی، سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام لیا تھا۔ وہ خشمگیں گھورتی ہوئی سرخ آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔

وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھالا تھا اور اُٹھا کر روم کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

جس وقت وہ کچھ دیر قبل اپنا غبار اس پر نکال رہی تھی اگر ذرا بھی ہوش و حواس میں ہوتی تو اس گھڑی سبکتگین حیدر لغاری کا بڑھایا ہوا ہاتھ جھٹک دیتی۔ وہ کوئی کمزور لڑکی نہیں تھی۔ مگر کجا یہ تھا کہ وہی مضبوط لڑکی اس لمحے ہوش و خرد سے بے گانہ اس لمحے اسی شخص کے بازوؤں پر سوار تھی جس کے سامنے کچھ دیر قبل اس نے خود کو مضبوط ظاہر کرنا چاہا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے ایک نظر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ غالباً یہ پہلا تجربہ تھا۔ وہ اتنے قریب سے اور دانستہ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی آگ اُگلتی آنکھیں اس گھڑی بند تھیں اور وہ مکمل طور پر ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

اتنے دنوں میں پہلی بار وہ اس کے مدمقابل کھڑی ہوئی تھی۔ پہلی بار کچھ کہا تھا۔ پہلی بار باضابطہ مخاطب ہوئی تھی اور بات اِدھر اُدھر کی نہیں بلکہ اپنی اور اس کے متعلق کی تھی۔ پہلی بار اس پر اس کی شخصیت کا کوئی اور رنگ منکشف ہوا تھا۔

اس پر کمبل ڈال کر وہ پلٹا تھا اور فوری طور پر ڈاکٹر کو فون کیا تھا۔ کسی طرح کا کوئی تاثر ظاہر نہ تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ڈاکٹر فوری طور پر پہنچا تھا۔ اس کا مکمل چیک اَپ کیا تھا۔

''ہُو اِز شی؟'' ڈاکٹر نے یقیناً تعلق کا تعین کرنا چاہا تھا۔

''مائے وائف۔'' سبکتگین حیدر لغاری نے بہت مدھم لہجے میں مطلع کیا تھا۔

"کوئی چپقلش رہی آپ کے درمیان؟" ڈاکٹر نے چشمے کے پیچھے سے اسے بغور دیکھا تھا۔ اس نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

"ہائپرٹینشن کی وجہ کچھ تو ہوگی۔ اسٹریس یونہی تو کری ایٹ نہیں ہو جاتی۔" ڈاکٹر شستہ انگریزی میں بولتا ہوا اس لمحے کسی قدر نرمی سے مسکرایا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

ڈاکٹر نے اسے انجکشن دیا تھا، پھر ایک نسخہ لکھ کر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"کچھ دیر میں ان کی کیفیت سنبھل جائے گی۔ مگر ان کے لیے پُرسکون رہنا بہت ضروری ہے۔ فوری طور پر میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے۔ چند لمحوں میں ہائپرٹینشن کنٹرول میں آجائے گی۔ مگر یہ ٹھیک نہیں، بہت خطرناک ہے۔ یہ ہائپرٹینشن اِزاے سائیلنٹ کلر۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ فشارِ خون کے باعث کوئی دماغی وین پھٹ سکتی ہے، دل بند ہوسکتا ہے۔ اگر آپ اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں تو بہت خیال رکھنا ہوگا آپ کو۔" ڈاکٹر نے کہا تھا۔

ڈاکٹر نے مزید چند ہدایات کی تھیں اور پھر چلا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر چپ چاپ کھڑا اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ پھر پلٹا تھا۔ جب اس کا پرسنل سیل بج اُٹھا تھا۔

دوسری طرف گی تھی۔ اس نے فون کان سے لگایا تھا۔

"میں سیرن ڈیپیٹی میں ہوں گین! انتظار کر رہی ہوں تمہارا۔ تم ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟" گی کسی قدر متفکرانہ انداز میں اس سے دریافت کر رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ خود سے بےخبر پڑی میرب سیال پر ڈالی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"آئی ایم سوری گی! یہ ممکن نہیں آج میرے لیے۔" مختصر انداز میں تعرض برتا تھا۔

"کیوں......کیا ہوا؟...... بہت مصروف ہو؟"

"ہوں...... کہہ سکتی ہو۔ ہم پھر کبھی ملتے ہیں۔"

"شام میں تمہارے ہوٹل چلی آؤں؟" گی جواباً گویا تھی۔

"نہیں...... میں خود آجاؤں گا۔ تم فون کر لینا۔ یا پھر میں تم سے رابطہ کر لوں گا۔"

"گین! کیا ہوا؟ پریشان ہو کچھ۔ کوئی بات ہوگئی ہے؟" گی نے دوسری جانب جانے کیسے اس کے موڈ کا اندازہ کر لیا تھا۔

"نہیں ایوری تھنگ از فائن۔"

"گین!" گی نے بہت ہولے سے پکارا تھا اور وہ جو سلسلہ منقطع کرنے کا قصد کرنے والا تھا، مجبوراً رک گیا تھا۔

"ہوں۔"

"اپنا خیال رکھنا۔"

''اوکے۔'' سلسلہ منقطع کر کے اس نے پلٹ کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔ پتہ نہیں کس بات کی تسلی یا اندازہ کرنے کے لیے وہ کسی قدر جھکا تھا اس پر۔ اسے گھڑی بھر کو بغور دیکھا تھا۔ سانس اک تواتر سے چل رہی تھی۔ وہ پُرسکون انداز میں تھی۔ شاید اس کی تشفی ہوگئی تھی۔ تبھی وہ سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک یونہی کھڑا رہا تھا۔ پھر سامنے کاؤچ پر بیٹھ کر اس کے ہوش میں آنے کا یا پھر جاگنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

یقیناً یہ پہلا تجربہ تھا۔

بہت کڑے لمحے تھے۔ یہ سب آسان نہ تھا۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس گھڑی اس فعل کی انجام دہی پر مامور تھا۔ فرض تھا یہ اس پر اور اسے بہر طور اسے انجام دینا ہی تھا۔

☆......☆......☆

سب کچھ معمول پر تھا۔ سب کچھ بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آ رہا تھا۔ مگر کچھ تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔ تقریب کی تیاری سے بلال کے گھر پہنچنے تک سید اذہان حسن بخاری کی نظریں اپنی ماں کی آنکھوں میں کچھ کھوجتی رہی تھیں۔ مگر جتنی دفعہ بھی ان کے چہرے پر نظر پڑی تھی، وہ بہت سی طمانیت چہرے پر لیے دھیمے سے مسکراتی ہوئی نظر آئی تھیں۔ مگر اس کا دل جیسے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

''ممی! کیا ہوا ہے؟'' بہت مدھم لہجے میں اس نے دریافت کیا تھا۔

فارحہ نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

''سب کچھ ٹھیک ہے بیٹا! تمہیں کیا لگ رہا ہے...... کہیں کچھ غلط ہے؟''

اذہان حسن بخاری نے بغور ان کی طرف دیکھا تھا پھر یک دم کچھ کہے بغیر دھیان پھیر گیا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کی سمت نگاہ کی تھی۔

''سب کچھ ٹھیک ہے...... فکر کرنے کے دن تمہارے نہیں ہیں۔ فضول کی سوچوں کو ذہن میں جگہ مت دو۔ بڑے ہو چکے ہو تم۔ مگر اتنے بھی نہیں کہ ہم بڈھوں کی صحبت اختیار کرو۔ چلو جاؤ اپنی عمر کے لوگوں میں۔'' مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔ مگر وہ مسکرایا نہیں تھا۔

''یہ تم ماں بیٹا اتنے ہجوم میں بیٹھے کیا راز و نیاز کر رہے ہو؟'' اگینے تبھی وہاں آئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' عزیر تمہیں وہاں ڈھونڈ رہا ہے۔'' اگینے نے مطلع کیا تھا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اینی پرابلم؟'' اگینے نے اذہان حسن بخاری کے چہرے پر نگاہ کی گئی تھی۔

''ہوں، اوں۔'' اس نے اگینے کی سمت نگاہ کی تھی۔ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''پھر؟'' غالباً چہرے پر بارہ بجے کی کیفیت پر اشارہ ہوا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ نگاہ بغور اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''اچھی لگ رہی ہیں آپ۔'' جواب بہت متضاد تھا۔ اگینے جہاں لحہ بھر کو حیران ہوئی تھی وہیں دوسرے ہی پل مسکرا دی تھی۔

''یہ یقیناً میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

''ہو بھی نہیں سکتا اگینے!''

''اوکے......تم اب جاؤ یہاں سے۔عزیز ورنہ پاگل ہو جائے گا۔'' اگینے نے ہاتھ پکڑ کر اسے دھکیلا تھا۔وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

بات تو یقیناً کچھ تھی۔مگر ممی جانے کیوں اسے بتانے سے گریز کر رہی تھیں یا پھر اس کا ہی وہم تھا۔وہ سوچوں میں محو اپنے ہی دھیان میں چل رہا تھا جب ایک آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

''ایکسکیوزمی۔کیا آپ میری مدد کریں گے؟'' وہ ٹیرس کی سیڑھیاں اُترنے کو تھا جب آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا۔اس کے پاؤں یک دم ہی تھمے تھے۔بہت آہستگی سے پلٹ کر اس نے نگاہ کی تھی۔شیفون کے سفید دودھیا لباس میں میز پر بہت سے دیے اپنے سامنے دھرے وہ یقیناً اس کی سمت متوجہ تھی۔سید اذہان حسن بخاری نے شاید اس کی سمت دیکھ کر یقین کرنا چاہا تھا کہ پکارنے والی آواز وہی تھی یا پھر......

''ایکسکیوزمی! کیا آپ میری کچھ مدد کریں گے؟'' وہ بہت دھیمے لہجے میں مخاطب تھی۔ٹیرس کا وہ حصہ غالباً آرائش کے لیے مخصوص تھا تبھی اس جانب سناٹا تھا۔لوگوں کی آمدورفت نہ تھی۔یوں بھی تمام مہمان نیچے لان میں تھے۔شاید ٹیرس کی آرائش کی ذمہ داری اس کے سر تھی یا پھر......

''ہیلو! کیا آپ مجھے سن رہے ہیں؟'' سید اذہان حسن بخاری سوچوں میں محو تھا جب ایک بار پھر اس نے پکارا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری نے اس لڑکی کی سمت بغور دیکھا تھا۔ٹیرس پر روشنی کا انتظام کچھ بہت عمدہ نہ تھا۔وہی معمول کا ایک لیمپ روشن تھا اور جہاں وہ کھڑی تھی وہ جگہ تو قطعاً تاریک تھی۔وہ غالباً اس کی جانب سے منتظر تھی کسی ردعمل کی۔نگاہیں اس کی سمت تھیں اور اس لمحے اذہان حسن بخاری نے اپنے قدم اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے وہ چلتا ہوا اس کے مقابل جا رُکا تھا۔

کھلے آسمان تلے کھڑی وہ اسے لمحے کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔چودھویں کا چاند آسمان کے وسط پر تھا۔بہت سی زرد روشنی اس لمحے اس چہرے کا بھرپور احاطہ کیے ہوئے تھی۔

''ماچس ہوگی آپ کے پاس؟'' بہت پُراعتماد انداز میں وہ اس کی سمت تکتی ہوئی دریافت کر رہی تھی۔سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت بہ غور تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اپنا داہنا ہاتھ جیب تک لے جا کر لائٹر برآمد کیا تھا۔مقابل کھڑی لڑکی کے چہرے پر بہت شگفتہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔اس نے اپنے سلکی بالوں کو ہاتھ سے کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''مجھے لگ رہا تھا آپ سگریٹ ضرور پیتے ہوں گے۔اس سے قبل دس عدد اشخاص کا گزر ہوا یہاں سے مگر بدقسمتی سے ان میں اسموکنگ کا رجحان ناپید تھا۔حیرت ہے میڈیا پر ٹوبیکو مافیا اپنی پبلسٹی کے لیے کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے اور اثر خاک نہیں ہو رہا۔حالانکہ ایڈز تو خاصے دھماکہ خیز ہوتے ہیں۔ایک شخص سمندر کی آخری تہہ پر پہنچ کر واپس باہر آ گیا۔یا پھر کسی دوسرے نے بلند و بالا عمارت سے بلاخوف و خطر چھلانگ لگا دی۔یا پھر......'' وہ بولنے کا شاید خبط رکھتی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے بنا اس کی سمت توجہ دیئے لائٹر جلایا تھا اور بہت آہستگی کے ساتھ میز کی سطح پر دھرے دیے باری باری

روشن کرتا چلا گیا تھا۔ بہت مدھم، دھیمی، پُرفسوں روشنی ماحول کا احاطہ کرنے لگی تھی۔

مقابل کھڑی لڑکی نے اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"تھینکس۔" لہجہ پُرتشکر تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مقابل کھڑی نازک اندام لڑکی پر اک نگاہ کی تھی۔ چراغوں کی روشنی میں اس لمحے اس کا سراپا بہت واضح تھا۔ اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ غالباً تشکر کے لیے تھی۔ نگاہ نے بہ غور اسے جانچا تھا۔ پھر بہت ہولے سے لب وا ہوئے تھے۔

"اِٹس اوکے۔ مگر میں سگریٹ نہیں پیتا۔" مطلع کیا تھا۔ مقابل کھڑی لڑکی چونکی تھی۔ جیسے اب تک کی بولنے کی تمام محنت اکارت گئی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو لب بھینچ گئی تھی۔ پھر دوبارہ بہت تازگی سے مسکرائی تھی۔

"سگریٹ پینا بھی نہیں چاہیے۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں۔ مگر اس لائٹر کے لیے بہت شکریہ۔"

اذہان حسن بخاری کے لبوں پر جانے کیوں دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ مگر دوسرے ہی پل وہ اس پر سے دھیان ہٹا کر باقی ماندہ دیے جلانے لگا تھا۔

"روشنی اچھی ہوتی ہے نا...... سارا منظر واضح ہو جاتا ہے۔ سارے رنگ کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔" پتہ نہیں وہ واقعی زیادہ بولنے کی عادی تھی یا پھر اس لمحے ایسا کچھ ذکر ضروری تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر دھیان دوبارہ اسی کام پر مرکوز کر دیا تھا۔

"بعض اوقات بہت سے رنگ پھر بھی واضح نہیں ہوتے۔ بہت سے منظر پھر بھی نگاہ سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔" شاید اس کی اندرونی شورش کا اثر تھا کہ اس کے لہجے میں اک سکوت در آیا تھا۔

"لیکن اس میں قصور روشنی کا تو نہیں۔ قصور تو اس نگاہ کا ہوا جو فقط چند مخصوص منظروں سے آگے بڑھتی ہی نہیں۔ پوشیدگی درحقیقت خود پوشیدہ نہیں ہوتی۔ نگاہ ڈھونڈنے میں ناکام رہتی ہے کبھی کبھی۔ شے سامنے بھی موجود ہو تو بعض اوقات نظر نہیں آتی۔" بہت دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اس گھڑی اس سے مکمل اختلاف برت رہی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے اسے لمحہ بھر کو نگاہ اُٹھا کر بغور دیکھا تھا۔ وہ ذہین تھی۔ گفتگو کا مدلل انداز بتا رہا تھا وہ کوئی معمولی نوعیت کی لڑکی نہیں۔ اذہان حسن بخاری نگاہ پھر پھیر گیا تھا۔ اک اک کر کے کتنے دیے روشن ہوتے چلے گئے تھے۔

"جو بھی ہو، روشنی اندھیرا مٹاتی ہے۔ اپنی نگاہ میں نقص ہو تو الزام روشنی پر قطعاً نہیں دھرا جا سکتا۔" وہ مسکرائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دیا اُٹھا کر پلٹی تھی اور ٹیرس کی دیواروں پر دھرنے لگی تھی۔ سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"سنبھل کر۔ کبھی کبھی روشنی جلا بھی دیتی ہے۔"

وہ پلٹی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

"جانتی ہوں...... میرے لیے خدشے اہمیت نہیں رکھتے۔ میری نظر ہمیشہ روشن پہلوؤں پر مرکوز رہتی ہے۔ جلاتی تو اور بھی بہت

سی چیزیں ہیں۔الاؤ فقط روشنی اور آگ سے ہی تو نہیں دہکتے۔آگ تو اور بھی بہت سی قسم کی ہوتی ہے۔جلنے کے اور بھی بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ہو سکتے ہیں۔'' کتنے پُر اعتماد انداز میں وہ اس کی سمت تکتی ہوئی گویا تھی۔سید اذہان حسن بخاری فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔شاید حسن نے اسے لاجواب کر دیا تھا یا پھر وہ مزید کچھ بولنا ہی نہ چاہتا تھا۔لبوں پر چپ تھی۔کچھ دیر کا نامکمل کام سرانجام پا چکا تھا۔تمام دیے روشن ہو چکے تھے۔اس نے لائٹر بند کر کے جیب میں رکھنا چاہا تھا جب وہ یک دم اس کی سمت پلٹی تھی۔

''آں...... ہاں، پلیز۔یہ لائٹر مجھے دے دیجیے۔کچھ ہی دیر میں، میں اسے آپ کو لوٹا دوں گی۔ایکچوئیلی اگر کوئی دیا ہوا سے بجھ گیا تو۔''اس نے خدشے کے باعث گزارش کی تھی۔اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر لائٹر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''انسان چاہے لاکھ خدشات سے بے نیاز ہو مگر خدشات کی حقیقت سے نگاہ نہیں پھیر سکتا۔اندیشے خود بہ خود در آتے ہیں دل میں، ذہن میں۔'' دھیمے لہجے میں بول کر جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔شاید مقابل کھڑی لڑکی کی نفی کرنا چاہتا تھا۔مگر وہ لائٹر تھامتی ہوئی بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا پھر نگاہ پھیری تھی اور اس کے ساتھ ہی پلٹتے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ٹیرس پر کھڑی اس لڑکی نے اس شخص کی پشت کو قدرے دلچسپی سے دیکھا تھا۔لبوں پر بڑی شگفتہ سی دھیمی مسکراہٹ تھی۔وہ اس شخص سے مل کر یقیناً محظوظ ہوئی تھی۔

''ساہیہ خان! تم سے ابھی تک یہ چراغ روشن نہیں ہوئے؟......اتنا بڑا کام تو نہیں سونپا گیا تھا تمہیں۔کہہ رہی تھیں کیلگری میں کئی شادیوں کے انتظامات اپنے ہاتھوں سرانجام دے چکی ہوں۔سچ کہوں، لگتا قطعاً نہیں ہے۔'' وہ دوبارہ بجھ جانے والے دیوں کو لائٹر سے روشن کر رہی تھی جب عزیر وہاں آیا تھا۔

اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''کچھ جھوٹ نہیں کہا تھا۔نہ ہی تمہارے کانوں نے کچھ غلط سنا تھا......دیے کب کے روشن ہو چکے ہوتے اگر ماچس تم اپنی جیب میں ڈال کر نہیں لے گئے ہوتے۔بیسیوں لوگوں سے پوچھا تب جا کر ایک بندے سے یہ لائٹر ملا۔کتنی بڑی خوش آئندہ تبدیلی آ چکی ہے پاکستان میں۔حضرات نے غالباً سگریٹ کے پیکٹ پر درج انتباہ کے باعث سگریٹ نوشی ترک کر دی ہے۔بہت جلد پاکستان میں کھلی ٹوبیکو کمپنیاں دیوالیہ ہو جائیں گی۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھی۔لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔عزیر مسکرایا تھا۔پھر اس کے ہاتھ میں تھمے لائٹر کو دیکھ کر قدرے چونکا تھا۔

''یہ اذہان حسن بخاری کا لائٹر تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' ساہیہ خان نے قدرے چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اگر وہ اذہان حسن بخاری تھے تو یہ لائٹر انہوں نے مجھے خود آپ دیا ہے۔نہ صرف لائٹر دیا ہے بلکہ یہ دیے روشن کرنے میں میری مدد بھی کی ہے۔''

''اوہ......تو ملاقات ہوگئی تمہاری موصوف سے؟'' عزیر مسکرایا تھا۔ ''کیسے لگے محترم؟''

''کچھ خبطی سے ہیں۔ خواہ مخواہ فلسفہ بگھارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خیر میں نے بھی جواباً کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خوب تاک تاک کر لفظ پھینکے۔ موصوف اب تک محظوظ ہو رہے ہوں گے۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ چمکتی آنکھوں میں بہت سے جگنو روشن تھے۔ عزیر اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ! اِٹس ٹو مچ۔ بہت سیدھا سادھا بندہ ہے وہ۔''

''تو میں نے کب کہا کہ اس کے اشتہار لگے ہوئے ہیں۔'' وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

''مگر تمہیں اسے اس طرح تنگ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''تمہیں کس نے کہا میں نے اسے تنگ کیا ہے؟ ہماری ملاقات خاصی دلچسپ اور ادبی ادبی سی واضح ہوئی ہے۔ ہاں فلسفے کا بگھار کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔'' وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھی۔ گداز ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ دبی تھی۔ عزیر اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

دانستہ اختیار کیا جانے والا ہر قدم بے سود رہا تھا۔ کتنے دن تک اس نے کوشش کی تھی۔ اس کی سمت جانے والے راستوں پر نگاہ بھی نہیں کی تھی۔ اس کی سمت چلنے والی ہواؤں کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا مگر اس کے تعاقب میں آتی سرگوشیاں تھمی نہیں تھیں اور تب جیسے وہ تھک کر ہار گیا تھا۔

دل نہیں مان رہا تھا۔

دل نہیں لگ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر چل پڑا تھا۔

انہی راستوں پر۔

جو اس سمت جاتے تھے۔ اس شہر جاناں کی سمت جا ملتے تھے۔

''یہ کیا مجنوں سی حالت بنا رکھی ہے؟'' خردمندی سے کوئی واسطہ رکھا ہے یا نہیں؟'' لامعہ کیمپس کی کینٹین میں اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

اگرچہ سوٹڈ بوٹڈ تھا مگر شیو بڑھا ہوا تھا۔ جس سے انداز بہت رف سا لگ رہا تھا۔ لامعہ کے کہنے پر عفنان علی خان بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ نگاہ اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھی جو اس کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ مگر اس سے یکسر انجان اور بے خبر تھا۔ نگاہ اس کی جانب قطعاً مائل نہ تھی۔ کسی التفات کی اُمید تو بہت دور کی بات تھی۔

''تم نے دیوانہ بنا دیا ہے......خردمندی کا دعویٰ تھا مجھے۔ ہوش مندی پر ناز تھا۔ مگر تم نے تو سارے غرور دھول کر دیئے۔ ہوش کھو بیٹھا میں تو۔ شب و روز کے گزرتے تسلسل کی کچھ خبر نہیں۔ تمہیں کچھ علم ہو تو کہو۔'' نظروں نے کتنے چور انداز سے اس چہرے کا طواف کیا تھا۔

لامعہ حیران ہوئی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل ہنستی چلی گئی تھی۔

''عفنان علی خان! تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔ کہیں صحرانوردی کا کوئی ارادہ تو نہیں کر لیا؟''

عفنان علی خان نے جوس کے سپ لیتی انابیہ شاہ پر ایک نگاہِ خاص کی تھی۔ پھر بہت ہولے سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

اس سے پوچھنا تو ہے۔
کیا صلہ وفاؤں کا
ہے یہی کہ دن اور رات
اس کو سوچتے رہنا
اس کو کھوجتے رہنا
اس سے پوچھنا تو ہے
کیا یہی محبت ہے
اس کے ہی خیالوں سے
اپنی ہی دعاؤں کو
خود ہی بے اثر کرنا
خود کو بے ثمر کرنا
اس سے پوچھنا تو ہے۔

کتنے مدھم لہجے میں اس نے مدعا بیان کیا تھا۔ لامعہ حق جہاں مسکرائی تھی وہیں انابیہ شاہ نظریں پھیر کر یکسر بے خبر نظر آنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''کسی مشاعرے سے شرکت کر کے آ رہے ہو؟'' لامعہ نے چھیڑا تھا۔

''بس اسی بات کی کسر رہ گئی ہے ان دنوں۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ نے نگاہ اب بھی اس سمت نہیں کی تھی مگر وہ اپنی سماعتوں کو یقیناً اس سمت سے بند نہیں کر سکتی تھی۔ پھر یک دم اس نشست سے اُٹھ جانا بھی جیسے مناسب نہ تھا۔ یہاں رکنا جیسے اس کی مجبوری تھا۔ وہ اب بھی کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ لامعہ کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ بے حد سرشار تھی۔ اس عالم دیوانگی پر۔ اور وہ سمجھ نہ پائی تھی اس کیفیت کو۔ کسی کا انداز کس قدر پُر پیچ تھا۔ اُلجھا ہوا۔

''یقین دلانے کا راستہ نہیں ہے کوئی۔ ورنہ بے کیفی کی کیفیت بیان کرنے میں دیر کہاں لگتی ہے۔ بہت عجب شے ہے یہ دیوانگی۔ بہت نامراد شے ہے یہ جنوں خیری...... قدموں سے لپٹے تو بچنے کی کوئی صورت بچتی ہی نہیں۔'' لہجہ دیوانگی سے مکمل طور پر پُر تھا۔ مگر بھوری آنکھوں میں بہت سی شوخی بھری ہوئی تھی۔ پتہ نہیں وہ اس گھڑی سنجیدہ تھا یا پھر کوئی مذاق کر رہا تھا۔

''سمندر کو دور سے تکتے رہنے کا نظارہ بہت دلکش ہوتا ہے۔مگر گہرائیاں ناپنا بہت دقیق کام ہے۔جاں مشکل میں گھر جاتی ہے۔ اک نہ ختم ہونے والی اضطرابیت وجود میں پھیل جاتی ہے۔کسی پل چین نہیں ملتا۔عالم دیوانگی کو جھیلنا آسان نہیں۔جان پر بن آتی ہے۔کبھی تم نے ساحل پر کھڑے ہو کر ان لہروں کا تعاقب کیا ہے؟ کتنے اضطرابوں کی داستان درج ہوتی ہے ان پر۔کتنی ان کہی داستانیں وہ ساحلوں پر چھوڑ جاتی ہیں۔کتنے انوکھے وصف ہیں محبت کے۔کتنے عجیب فسانے ہیں''اس کا انداز کس قدر مجنونانہ تھا اور لامعہ حق ہنستی چلی گئی تھی۔

''آج کیا ہو گیا ہے تمہیں عفنان علی خان؟......کہیں واقعی تم میرے عشق میں پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟'' وہ واقعی حیران تھی۔

عفنان علی خان نے اس سے برابر بیٹھی انابیہ شاہ پر اک نگاہ کی تھی۔پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''کچھ علم نہیں۔عالم مدہوشی میں ہوں۔اِرد گرد کا کچھ ہوش نہیں۔بیدار ہوں گا تو کچھ پتہ چلے گا۔ابھی تو خواب کی سی کیفیت ہے۔خواب جیسے منظر ہیں۔خواب جیسے رنگ ہیں اور خواب جیسی تم ہو۔خیالوں میں کتنا تعاقب کرتا ہوں تمہارا۔کیسے دیوانوں کی طرح تلاشتا ہوں تمہیں ہر سمت۔تم میری سمت تکتی کیوں نہیں۔مجھ پر اپنی نظر کیوں نہیں کرتیں؟ مجھ میں تو اتنا دریافت کرنے کی بھی سکت نہیں کہ یہ عالم خواب تھمے گا بھی کہ نہیں۔میں اس خواب سے جاگوں گا تو تم کو پا سکوں گا کہ نہیں۔کیا تم میرے لیے فقط اک خواب رہو گی؟...... دیوانے کا خواب۔''

لہجہ مدھم اور انداز کس قدر خواب آشنا تھا۔

''بس بس، بہت ہو گیا۔ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔آج کے لیے اتنا کچھ کافی ہے۔''لامعہ حق مسکرائی تھی۔پھر کب کی خاموش اور قدرے لاتعلق بیٹھی انابیہ شاہ پر نظر مرکوز کی تھی۔

''انابیہ!تم جانتی ہو مردوں کے ڈھنگ کتنے عجیب اور وصف کتنے نرالے ہوتے ہیں۔کہتے ہیں عورت ایک پہیلی ہے۔اسے آج تک کوئی سمجھ نہیں کا۔مگر درحقیقت مرد ایک معمہ ہے۔اسے سمجھنے کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔''

''یقیناً۔''کب کی خاموش بیٹھی انابیہ شاہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔انداز پُر اعتماد تھا۔نگاہ اس شخص پر نہیں کی تھی مگر وہ کمزور ہرگز نہ پڑی تھی۔

''مثل مشہور ہے ہاتھی کے دانت کھانے اور، دکھانے کے اور۔خواب دکھانا بہت دلفریب ہے مگر خوابوں میں رہنا بہت مشکل۔''

لبوں پر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔وہ اس گھڑی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لامعہ!اپنے فیانسی کے لیے کوئی ٹھنڈا وغیرہ منگواؤ۔موصوف خاصی گرمی سے آئے ہیں۔باہر کا موسم کیسا ہے مسٹر عفنان علی خان؟ گرمی کچھ زیادہ تو نہیں؟'' وہ براہِ راست اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرائی تھی۔عفنان علی خان نے حُسن کے تیور دیکھے تھے۔ان آنکھوں کو دیکھا تھا اور پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''کن موسموں کی بات کر رہی ہیں آپ؟......اندر کے یا باہر کے؟''بغور اسے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''میں نے بیرونی موسموں کے متعلق ہی دریافت کیا ہے۔ اندرونی موسموں کی روداد تو آپ کافی سے زیادہ سنا چکے ہیں غالباً۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور لامعہ حق ہنستی چلی گئی تھی۔

''ویل سیڈ انابیہ شاہ! یور آرٹو گڈ۔ عفنان علی خان کی اتنی باتوں کے جواب میں مجھ سے کوئی ایک جواب بھی بن نہ پڑا تھا۔ مگر تم نے واقعی ان موصوف کو لاجواب کر دیا۔'' لامعہ، انابیہ شاہ کی ذہانت کی داد دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ لب بہت ہولے سے وا ہوئے تھے۔

ہم سے اک بار بھی جیتا ہے، نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کے کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر

''مقابل حسن ہو اور مخاطب بھی ہو تو کچھ ایسی کیفیت ہو ہی جاتی ہے۔'' نابیہ شاہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ تبھی لامعہ گویا ہوئی تھی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے عفنان علی خان! اور تم جانتے ہو مجھے کینٹین کے لوازمات قطعاً نہیں بھاتے۔'' انابیہ شاہ نے گھڑی کی سمت دیکھا تھا پھر بیگ اور فائل سمیٹتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''سوری!...... میری کلاس کا وقت ہو چلا ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے کچھ سننے کا انتظار نہیں کیا تھا اور ہوا ہو گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس دور جاتی لڑکی کو دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یقیناً دل ٹھہرنے کا اب کوئی ساماں نہ تھا۔

☆......☆......☆

سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ بند ہوتے پپوٹوں کو اس نے جیسے بہ مشکل کھولا تھا۔ کتنی دیر تک ذہن بالکل ماؤف رہا تھا۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے کمرے کے چار سمت دیکھتی رہی تھی۔

یہ کمرہ وہ تو نہیں تھا۔

یہ سب...... اس نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی تھی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کسی قدر چونکی تھی۔ مگر حواس اس قدر بیدار نہ تھے۔ سمجھنے کی کوشش میں اس نے پوری کی پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔ تبھی واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور دوسرے ہی لمحے کوئی اس کے روبرو تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری۔'' اس کے حواس ایک پل میں بیدار ہوئے تھے۔ وہ ٹاول سے بال پونچھتا ہوا ایک دم چونکا تھا۔ غالباً اس کے جاگنے پر حیران ہوا تھا۔

میرب سیال یک دم اُٹھ کر بیٹھی تھی۔ شانوں پر بال بڑے بے ترتیب انداز میں بکھرے ہوئے تھے۔ سر جھکائے وہ اس گھڑی یقیناً اس کیفیت سے قبل کے واقعے کے متعلق سوچ کر کسی قدر شرمندہ تھی۔

''آپ اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں...... مجھے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ آیا تو آپ کو اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ ڈاکٹر نے آپ

کو ریلیکس کرنے کے لیے کہا تھا۔سوڈسٹرب نہیں کیا۔ہاؤ ڈو یو فیل ناؤ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی اپنے کمرے میں موجودگی کی وضاحت دے رہا تھا۔لہجے میں کسی طرح کا کوئی تاثر نہ تھا۔اس کی ہارش ورڈنگ سے متعلق کوئی ردعمل اس کے چہرے پر نہ تھا۔وہ چہرہ بہت بے تاثر تھا۔میرب سیال نے ایک لمحے کو اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔شاید وہ شب بھر سویا نہ تھا۔اپنی گردن کو اس گھڑی بائیں ہاتھ سے دباتا ہوا وہ اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔

''کیا ہوا؟'' میرب سیال کے لبوں پر یک دم سوال اُبھرا تھا۔بڑی غیر ارادی حرکت تھی یہ۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا جیسے اس تخاطب پر حیران ہوا ہو۔

''شاید کچھ اسٹریس آ گئی ہے نک میں۔صوفے پر سونے کی عادت نہیں نا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جواب دے کر ہیئر ڈرائیر کرنے لگا تھا۔میرب سیال کے ذہن میں گزرا ہوا تمام منظر گھوم گیا تھا۔مگر اس نے معذرت خواہ رنگ قطعاً اختیار نہ کیا تھا۔وہ کل ہسپتال سے لوٹنے سے اب تک بہت زیادہ سوئی تھی۔یقیناً یہ دواؤں کا اثر تھا۔سر اب تک گھوم رہا تھا۔اس نے وال کلاک سے نگاہ ہٹاتے ہوئے سر کو ہاتھوں سے قدرے دبایا تھا۔

''مجھے ہسپتال جانا تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں جیسے خود کلام کی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر اُلجھی ہوئی اس لڑکی کو آئینے میں دیکھا تھا۔

''ہائپرٹینشن کے باعث ایسی ادویات دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔یہ تمام فقط ریلکسیشن کے لیے تھا۔ڈاکٹر نے کہا ہے یو شڈ مسٹ ٹیک کیئر آف یور سیلف۔سٹریس لینا کوئی اچھی بات نہیں۔'' آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔انداز بہت سرسری تھا۔کسی طرح کا کوئی احساس اس کے لہجے سے ظاہر نہ تھا۔

میرب سیال نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔آئینے میں اس کا عکس بہت واضح تھا۔اور اس لمحے یقیناً وہ اسی کی سمت دیکھ رہا تھا۔نصیحت خوب تھی۔بروقت تھی۔مگر افسوس،بہت غلط شخص کے لبوں سے تھی۔

اسے لمحہ لمحہ زچ کرنے والا،اس کی جان سولی پر لٹکانے والا،اس کی تمام پریشانیوں کا جواز،وہ شخص اس لمحے اس تمام معاملے سے کیسا بری الذمہ تھا۔جیسے وہ اس تمام معاملے کا حصہ تھا ہی نہیں۔یا پھر جیسے اسے اس بابت کچھ علم تھا ہی نہیں۔کتنا لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا وہ۔یا پھر یہ سب دانستہ تھا۔ارادی طور پر تھا۔

کیسے سلگاتا تھا وہ اس کی جان۔اور پھر کیسے بے تاثر بن جاتا تھا۔شاید یہ بھی ذمے داری سے بچنے کی کوئی ارادی حرکت تھی۔

کوئی منصوبہ ساز پہلو تھا۔

اپنے اندر کی بے بسی کا احساس ایک بار پھر کس درجہ ہوا تھا۔پورا ذہن پھر سلگنے لگا۔

وہ ناپسندیدہ وجود تھی۔
ناپسندیدہ ہستی۔ جو فقط کسی کے سر مسلط کی گئی تھی اور وہ اس تسلط پر بھی کس درجہ آزاد تھا۔ کیسے آزادانہ طور پر اپنے رویوں کا اظہار کرتا تھا۔ کیسے آزادی سے اپنے ناپسندیدہ پہلوؤں پر احتجاج کرتا تھا۔ پسندیدہ افعال و اقدام کی منصبی کے لیے اسے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔
وہ آزاد تھا مکمل طور پر
شاید زیادتی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔ قربانی کا بکرا فقط اسے بنایا گیا تھا۔ دونوں طرف سے۔
ایک طرف وہ بوجھ تھی۔ ذمے داریوں کا بوجھ۔ اور دوسری طرف ضرورت۔
ذمے داریوں نے وہ بوجھ اس ضرورت کے دامن میں ڈال دیا تھا۔ اس نے فقط ایک مقام اپنے نام، مقام اور رتبے سے پُر کیا تھا۔ ورنہ اس کی حقیقت صفر تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً گھاٹے میں نہ رہا تھا۔
یقیناً اس مقام کے لیے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی...... اس جیسی بے وقوف، احمق جو زیادہ سوال نہ کر سکتی۔ زیادہ وضاحتیں نہ مانگ سکتی۔ بس خاموشی سے سب تکتی رہتی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے میرب سیال کو اپنی سمت یک ٹک تکتے دیکھ کر اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اگرچہ کر لیا تھا مگر پھر بھی تیاری سے ہاتھ روک کر اس نے چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا ضرور تھا۔
”کیا ہوا؟“
میرب سیال نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ کچھ لمحوں تک اسی طرح تکتی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ وہ ٹائی لگاتے ہوئے اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال سر جھکائے کچھ لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ شاید وہ اس لمحے بہت خالی ذہن تھی۔ کیفیت کسی قدر غائب دماغی کی تھی۔
”مائی اماں کا فون آیا تھا آپ کے لیے۔“ بہت مدھم لہجے میں مطلع کیا تھا۔ میرب سیال اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا نہیں تھا۔ نہ ہی کسی طرح کا کوئی ردعمل ظاہر کیا تھا۔ دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جیسے اسے اس ذکر کی مطلق کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جیسے وہ سنتے ہوئے بھی نہ سن رہی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اس کی سمت اک نگاہ کی تھی۔
”آپ کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ کسی قدر پریشان ہو رہی تھیں۔ غالباً اب تک آپ کی ان سے بات نہیں ہوئی۔ اب کے فون آئے تو بات کر لیجے گا۔ ان کو فکر ہو رہی تھی آپ کی۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اسے اہم ترین ہدایت کر رہا تھا۔
وہ جانے کیوں بُت بنی بیٹھی رہی تھی۔ حالانکہ ارادہ تو وہاں سے اُٹھ کر بھاگ جانے کا تھا۔ مگر جیسے وجود میں اس لمحے سکت ہی نہ

رہی تھی۔ دروازہ بہت ہولے سے بجا تھا۔ ویٹر ناشتہ لے آیا تھا۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔ خالی خالی نظروں سے ساکت بیٹھی اس منظر کو تکتی چلی گئی تھی۔ ویٹر ناشتہ سرو کر کے واپس جا چکا تھا۔ اس کے وجود میں تب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

''آپ فریش ہو جایئے۔ ناشتہ آ چکا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیسے اس لمحے حکم دیا تھا۔ میرب سیال نے بہت ہولے سے نگاہ اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ کتنی بارعب شخصیت تھی۔ یقیناً کوئی مرعوب نہ ہوتا تو بڑی زیادتی ہوتی۔

شاید اس نے اسی لیے میرب سیال کو چنا تھا۔

کمزور تھی وہ اس کی دانست میں۔ بے حد کمزور۔ سر جھکائے کھڑی خاموشی سے اس کے احکامات سن کر بنا من مانی کیے عمل کی مہر ثبت کرتی چلی جاتی تھی۔ کبھی کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا اسے محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری سے۔ موصوف کو کبھی انکار سننا پڑا ہی نہ تھا۔ شاید وہ جانتا تھا وہ کتنی کمزور تھی۔ کس قدر بے بس۔۔

اور اس نے کیا بھی تو ایسا ہے تھا۔ کتنے مواقع تھے جہاں اس نے خود اپنے آپ کی نفی کی تھی۔ خود اپنے آپ کو جھٹلایا تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے احکامات کی پیروی کر کے دانستہ یا نادانستہ اس کے اس نام نہاد غرور و وقار کو تقویت دی تھی۔ یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کامیاب رہا تھا۔ اگر اس کی ایسی کوئی اسٹریٹجی تھی وہ صد فیصد نفع میں رہا تھا۔

''آپ جلدی سے ناشتہ کر لیجے۔ پھر غالباً آپ کو ہسپتال بھی جانا ہے۔ کیسی طبیعت ہے اب مسٹر سیال کی؟ مجھے ان کی طرف جانا تھا مگر اَن فور چونیٹلی ...... اینی ویز، آپ تیار ہو جایئے، ہم ساتھ چلیں گے۔'' اس نے کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہنے کے ساتھ ایک مزید اطلاع دی تھی۔ مگر وہ اطلاع میرب سیال کے لیے قطعاً بھی خوش آئند نہ تھی۔ میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے نک سک سے تیار سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ...... اس کی ضرورت نہیں۔'' جواب کسی قدر غیر واضح تھا۔ شاید تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر چونک کر دیکھا تھا۔ مگر دوسرے ہی پل شاید دانستہ اس لہجے، اس انداز کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ہری اَپ۔ آپ کو ابھی میڈیسن بھی لینا ہیں۔ رات میں فون آیا تھا۔ میں نے دانستہ مائی اماں کو آپ کی کیفیت کے متعلق نہیں بتایا ورنہ وہ شاید مزید پریشان ہو جاتیں۔''

میرب سیال بنا اس کی سمت دیکھے، بنا کوئی دھیان دیئے کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں لب بھینچ کر اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ مگر تبھی آنکھوں کے سامنے یکدم اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ غالباً اسے چکر آیا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر مستعد انداز میں آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔

خوشبو کا ایک بھبکا اس کے نتھنوں میں گھسا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس کے کس قدر قریب تھا۔ قربت کس قدر تھی۔ مگر سب کس قدر سرسری تھا۔ دھڑکنیں کتنی اعتدال پر تھیں۔ کوئی رتی بھر بھی تو آہنگ محسوس نہ ہوا تھا۔ قربتوں کا وہ احساس کس قدر سرسری تھا

جیسے وہ قربت بس اس وقت کی سرسری ضرورت تھی اور بند آنکھوں کے ساتھ وہ اس فراخ سینے پر سر دھرے کتنی دیر گہرے گہرے سانس لیتی خود کو اعتدال پر لانے کے جتن کرتی رہی تھی۔ کس قدر کمزور واقع ہوئی تھی وہ۔ مگر یہ کمزوری شاید جسمانی نہ تھی وہ اندرونی طور پر ہرٹ ہوئی تھی۔ چوٹ اندرونی تھی۔ نہ نظر آنے والی۔ دکھائی نہ دینے والی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی طرح اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا، اس کی حالت ٹھیک نہ تھی۔

کتنے لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ پھر اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ دھر کے بہت آہستگی سے اپنا سر اُٹھایا تھا۔ چہرہ پسینے سے تربتر تھا۔

''آر یو اوکے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر متفکر ہوا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کی سمت نگاہ اٹھائے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے شانے پر سے ہولے سے اپنا ہاتھ ہٹاتی ہوئی وہ قدرے سنبھلتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کس خدشے کے پیش نظر اس کا شانہ اب بھی اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

''میں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں۔'' بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔'' میرب سیال نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا۔ ''میں اپنے روم میں جانا چاہتی ہوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے قدرے دور ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بدستور سہارا دینا چاہا تھا مگر اس نے بہت آہستگی سے اس مضبوط ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ کسی قدر سست قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس سمت دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کسی طرح کا کوئی تاثر نہ تھا۔ جیسے اس تمام کیفیت سے اس کا کوئی واسطہ رہا ہی نہ ہو۔ جیسے وہ اس معاملے سے مکمل طور پر لاتعلق ہو۔ یا پھر جیسے اس تمام صورت کے وقوع پذیر ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ میرب سیال کے جانے بس ہوا یہ تھا کہ اس نے چند ثانیوں تک اس جانب خاموشی سے تکا تھا۔ پھر شاید معمول کے انداز کے مطابق اسی طرح لب بھینچے پلٹنے والا تھا جب اس کے ڈیجیٹ سیل پر رِنگ ٹون بجی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اسی بے تاثر انداز میں جیب سے موبائل نکال کر کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو...... مائی اماں!...... کیسی ہیں آپ؟'' تاثرات یکدم تبدیل ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہوں...... تم کیسے ہو بیٹا؟''

''ٹھیک ہوں مائی اماں!'' وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''اور میری بہو...... وہ کیسی ہے؟...... کہاں ہے وہ؟ میری بات کرواؤ اس سے۔''

''جی مائی اماں!'' وہ مودب انداز میں بول کر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ فون پھر کان سے لگا لیا تھا۔

''تم اس کا خیال رکھ رہے ہو یا نہیں؟'' مائی اماں اپنی بہو کے لیے بہت فکر مند تھیں۔

''جی مائی اماں!'' اس کے پاس سوائے سر ہلانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا جیسے۔

''اور تم نے اسے ہوٹل میں کیوں ٹھہرایا ہوا ہے؟...... مین ہٹن والا گھر کس دن کام آئے گا۔ پہلی بار تم لغاری خاندان کی بہو کو کہیں لے کر گئے ہو اور اس طرح غیروں کی طرح ہوٹل میں ہی ٹھہرا دیا۔ کیا سوچ رہی ہو گی وہ؟'' مائی اماں کسی قدر خفگی سے ڈپٹ رہی تھیں۔ وہ چلتا ہوا میرب سیال کے کمرے تک پہنچ چکا تھا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ وہ چونکی تھی۔ نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت کی تھی۔ کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر اس نے بہت رسانیت کے ساتھ اس کی سمت تکتے ہوئے فون بڑھا دیا تھا۔

''مائی اماں تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' کہنے کے ساتھ ہی فون اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور اس لمحے کی اپنی اہم ترین ذمے داری سے گویا سبکدوش ہو گیا تھا۔

میرب سیال نے فون ہاتھ میں لے کر چند ثانیوں تک خالی خالی آنکھوں سے خاموشی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ اس گھڑی وہ اس کے چہرے سے دھیان پھیر چکا تھا۔ اور تب میرب سیال نے فون کان سے لگا لیا تھا۔

''جی مائی اماں!...... ٹھیک ہوں...... آپ کیسی ہیں؟'' آواز میں نقاہت بہت واضح تھی۔ شاید تبھی مائی اماں چونکی تھیں۔

''کیا ہوا تمہیں؟...... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''

''جی مائی اماں!...... میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے باور کرانا چاہا تھا۔ مگر اپنے مدھم لہجے کو وہ معمول پر لانے میں یکسر ناکام رہی تھی۔ آواز کی نقاہت بھرپور چغلی کھا رہی تھی۔

''بیٹا! ماں ہوں۔ مجھ سے ایسے بہانے نہیں چل سکتے۔ کیا ہوا ہے؟...... سبکتگین نے تو مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا۔'' وہ بے حد متفکر نظر آ رہی تھیں۔ میرب سیال کی نگاہ بلا ارادہ اس شخص کی سمت اُٹھی تھی۔ مگر وہ اس لمحے اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔ شاید یہ گریز دانستہ تھا۔ وہ اس لمحے جان بوجھ کر لاتعلق رہنا چاہتا تھا۔

شاید کسی طرح کی جواب دہی سے خوفزدہ تھا وہ۔ تمام معاملہ اس پر ڈال کر بری الذمہ ہونا چاہتا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نگاہ ہٹا کر کہنے لگی۔

''موسم کا اثر ہے مائی اماں!'' بہانہ گھڑا تھا۔ مگر مائی اماں شاید مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔

''فون دے تو اُسے...... ابھی خبر لیتی ہوں۔ اس لیے تو ساتھ نہیں بھجوایا تھا کہ وہ تم سے مکمل طور پر غافل ہو کر اپنے کام نمٹا تا رہے۔''

''نہیں مائی اماں! غلطی ان کی نہیں ہے۔'' پتہ نہیں کیسے ایک لمحے میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ حالانکہ اس کا تو کوئی ارادہ نہ تھا اس شخص کو ڈی فنڈ کرنے کا۔ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا اور وہ خود کتنی حیران ہوئی تھی۔

نادانستگی میں وہ اسے بچا گئی تھی۔ حالانکہ جس طرح وہ ہر طرح سے اس کے معاملات سے لاتعلق نظر آتا تھا، اس سب کو لے کر یہ ممکن تو نہ تھا۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے۔ مگر وہ ایک اقدام سرزد ہو چکا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پتہ نہیں کسی تشکر کے انداز میں اس کی سمت دیکھ رہا تھا یا پھر ایسی کوئی کیفیت اس کی آنکھوں میں تھی ہی نہیں۔ شاید وہ معمول کی طرح اس کی جانب متوجہ ہوا تھا اور رتی بھر بھی حیرت ان نگاہوں میں تھی ہی نہیں۔ جو بھی تھا میرب سیال اس لمحے اس کی جانب سے نگاہ پھیر کر مائی اماں سے مخاطب تھی۔

''پاپا کی سرجری کامیاب رہی ہے...... میں آپ کو مطلع کرنے والی تھی مگر مصروفیت اس قدر رہی کہ......'' وہ کوئی وضاحت دینے جا رہی تھی جب مائی اماں گویا ہوئی تھیں۔

''خدا انہیں زندگی دے۔ ہسپتال جاؤ تو میری جانب سے بطور خاص پوچھنا۔ سیال صاحب سے ہو سکے تو میری بات کروا بھی دینا۔''

''جی اچھا۔'' میرب سیال کے لیے اس لمحے بولنا جیسے انتہائی مشکل ترین فعل تھا۔ کتنی مشقت کرنا پڑ رہی تھی اسے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ جیسے اس لمحے میں اسے اس کی مشکل کا اندازہ ہوا تھا۔ تبھی ہاتھ بڑھا کر فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ مائی اماں اس کے کان کھینچنے لگی تھیں۔

''تنہا جب جاتے ہو تو ہمیشہ میں ہٹن میں قیام کرتے ہو۔ بہو ساتھ ہے تو ہوٹلوں میں خوار کروا رہے ہو۔ کتنی نحیف ہو رہی ہے اس کی آواز۔ ہوٹلوں میں گھر جیسا ماحول کہاں ملتا ہے۔ بیمار پڑوا دیا نا۔ یہ خیال رکھ رہے ہو تم اس کا؟'' مائی اماں کا لہجہ بہو کی محبت میں چور تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر بہت مدھم سا تبسم اُبھرا تھا۔ میرب سیال کو یقیناً علم نہ تھا کہ دوسری جانب مائی اماں کیا کہہ رہی ہیں مگر وہ اس لمحے اس سپاٹ چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر چونکی ضرور تھی۔

''او کے...... آئندہ ایسی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے سارا الزام اپنے سر لیتا ہوا آئندہ کے متعلق تسلی دے رہا تھا۔

چہرے پر وہی مدھم دھیمی مسکراہٹ تھی۔ میرب سیال کے اپنی جانب تکنے پر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ پھر سلسلہ منقطع کرتے ہوئے باضابطہ اس کی جانب تکتے ہوئے مخاطب ہوا تھا۔ اس عرصے میں میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر چکی تھی۔

''کیا پروگرام ہے اب؟'' وہ شاید آئندہ کے لائحہ عمل کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے شخص پر ایک نگاہ کی تھی اور پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی وہ سر ہلاتے ہوئے بولا تھا۔

''او کے...... یو شڈ ٹیک ریسٹ ناؤ۔ شام میں ہسپتال چلیں گے۔''

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں۔ میں ہسپتال جانا چاہوں گی۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اُٹھی تھی اور واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت اسی طرح دیکھ رہا تھا جب وہ اس لمحے یکدم ہی پلٹی تھی۔

''میرے لیے آپ کو کسی طرح کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہسپتال چلی جاؤں گی۔ یہاں کے راستے اجنبی نہیں ہیں

میرے لیے۔ آپ اپنی روٹین کو ڈسٹرب مت کیجیے گا۔"

اپنے تمام معاملات سے ایک پل میں اسے الگ کرتی ہوئی وہ پلٹی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سمت تکتا رہ گیا تھا۔ پھر لب بھینچے پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی کسی شے کے متعلق قیاس کرنا یا فرض کرنا بہت مشکل ہوتا ہے...... احتمال اس بات کا بھی ہوتا ہے کہ کہیں فرض شدہ نتائج منفی اور لاحاصل نہ رہیں۔ یا پھر یہ بھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موجودہ صورتِ حال کو دیکھ کر جو بات آپ اخذ کر رہے ہوں در حقیقت ویسا کچھ بھی نہ ہو۔ کبھی کبھی نگاہ جو دیکھتی ہے اور اخذ کرتی ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔ شاید بات کچھ ایسی ہی پیچیدہ تھی یا پھر بہت سیدھی اور صاف۔

عفنان علی خان لیونگ روم میں دادا ابا کے ساتھ بہت خوشگوار موڈ میں چیس کھیلنے میں مصروف تھا۔ اب تقریباً یہ معمول بن چکا تھا۔ بات چونکا دینے والی نہیں تھی۔ شاید تبھی زینہ اُترتی انابیہ شاہ چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی اس کے چہرے یا آنکھوں میں کسی طرح کی کوئی حیرت بکھری تھی۔ البتہ عفنان علی خان نے لحہ بھر کو نظر اُٹھا کر اسے ضرور دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ پر رسم میزبانی جیسے فرض ہو گیا تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بڑی مشکل سے اُبھری تھی۔ ایک رسمی انداز انجام دینا کسی قدر مشکل لگا تھا مگر اس کے لیے یہ فعل سرانجام دینا جیسے ناگریز ہو گیا تھا۔

"آؤ انابیہ بیٹا!" دادا ابا اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔ "بھئی تمہارا دوست تو بہت ماہر ہو گیا ہے۔ دیکھو، مجھے چاروں شانے چت کر دیا۔" دادا ابا، عفنان علی خان کو سراہتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

"آدمی کا پلیئر ہونا ضروری ہے۔ پرفیکٹ اور ماہر کھلاڑی بنتے دیر نہیں لگتی دادا ابا! اور عفنان علی خان تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرائی تھی۔ تب عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

"آف کورس...... آدمی کا کھلاڑی ہونا شرط ہے۔ اگر وہ کھلاڑی نہیں ہو گا تو سوچو کتنی نقصان والی بات ہو گی، ہے نا۔ کھلاڑی ہو گا تو اس میں اسپورٹس مین اسپرٹ بھی ہو گی۔ شہ اور مات کی فکر بھی ستائے گی۔ حوصلہ ٹوٹے گا تو بندھانے کی فکر بھی ہو گی۔ ہار کا ڈر ہو گا تو جیتنے کے لیے اقدامات بھی سوچنے پر مائل ہو گا۔ بہت اچھا اور کام کا پوائنٹ ڈس کور کیا تم نے انابیہ شاہ! یعنی تم بھی نفع اور نقصان کے فلسفے سے واقف ہو۔"

کتنی ذومعنویت تھی ان جملوں میں۔ کتنے معنی نکلتے تھے ان مخفی باتوں کے۔ ان آنکھوں میں اس لمحے کوئی خاص بات تو تھی۔ لبوں کی دھیمی مسکراہٹ تو چغلی کھا رہی تھی۔

انابیہ شاہ نے دادا ابا کی طرف دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔ پھر مسکراتے ہوئے دادا ابا کی سمت دیکھا تھا۔

"آپ نے تو بہت طاق کر دیا محترم عفنان علی خان کو...... شاگردی کام آ گئی۔" وہ بھرپور انداز میں گویا متاثر ہوئی تھی۔ "چلیں،

ایک فائدہ تو ہوا۔ لامعہ حق کو اب یقیناً کوئی گلہ نہیں رہے گا۔ مگر اب اسے علم ہوگا تو یقیناً اسے خوشی ہوگی کہ محترم عفنان علی خان کی ذہنی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ بہت سے علوم سے واقفیت بھی پا گئے ہیں۔ کئی بھیدوں سے آشنائی ہو گئی ہے ان کی۔ اسم خاص ہاتھ آ گیا ہے ان کے۔'' انداز بہت شگفتہ تھا۔ وہ یقیناً بہت محظوظ ہو رہی تھی۔

عفنان علی خان نے دادا ابا کی سمت مسکراتے ہوئے نگاہ کی تھی۔ ہونہار پوتی کے پٹر پٹر بولنے پر یقیناً وہ بہت محظوظ ہو رہے تھے۔ شاید ایسی فصاحت، ایسی بلاغت اسے انہی محترم سے ورثے میں ملی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ تم نے ایک دم بجا فرمایا۔ یہ سارے وصف تم سے ملنے کے بعد ہی ہاتھ لگے ہیں میرے۔ سارے ڈھنگ تم سے ملنے کے بعد ہی سمجھ آئے ہیں۔ اس آگاہی کا سارا کریڈٹ تمہارے سر ہی جاتا ہے انابیہ شاہ! تم نے ہی تو ملوا دیا تھا دادا ابا سے مجھے۔ تم مجھ سے نہ ملتیں تو کیسے جان پاتا میں اتنی ساری حقیقتیں۔ کیسے منکشف ہوتے مجھ پر ایسے انوکھے صف، کتنے رازوں سے آشنائی ہو ہی نہ پاتی۔ نگاہ کتنی باتوں سے نا آشنا رہتی۔ تم نے تو میری آنکھ کو ضیاء دی ہے۔ روشنی بخشی ہے۔ یہ رمز آشنائی، یہ اسم اعظم تمہارے سبب ہی تو ہاتھ لگا ہے میرے۔ کیسے فراموش کر دوں، کیسے کہہ دوں کہ یہ غلط ہے۔ کبھی نہیں جھٹلا سکتا میں۔'' کتنی روشنی بھر گئی تھی اس لمحے ان بھوری آنکھوں میں۔ کوئی خاص رنگ تھا، کوئی خاص کیفیت تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''رئیلی دادا ابا! میں آپ سے نہ ملتا تو شاید وہ سب کچھ نہ جان پاتا جو آپ سے ملنے کے بعد جانا۔ کتنے تجربات بولتے ہیں آپ کی باتوں میں۔ کتنی مختصر نشستیں رہیں آپ کے ساتھ۔ مگر محبت کے رنگ اتنے سچے ہوں تو بہت گاڑھے چڑھتے ہیں۔ آپ کی مختصر ترین ملاقاتوں میں بھی مجھے سیکھنے اور جاننے کا بہت زیادہ موقع ملا۔'' وہ دادا ابا کو سراہتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ شعبدہ باز تھا کوئی۔ مہارت اس کا وصف تھی۔ ایک پل میں سارے رنگوں کو اپنے رنگ میں رنگنا جیسے وتیرہ تھا اس کا۔ دادا ابا اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے جوابی کلمات کہتے ہوئے جہاں مسکرا رہے تھے وہیں انابیہ شاہ ساکت نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ یقیناً وہ ایک ماہر کھلاڑی تھا۔ کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا وہ۔ اس لمحے انابیہ شاہ کی سمت تکتی نگاہوں میں چمک کچھ اور بھی سوا ہو گئی تھی۔ وہ مسکراہٹ پہلے سے بھی زیادہ دلکش ہو گئی تھی۔ کتنے اسرار بول رہے تھے ان آنکھوں میں۔ انابیہ شاہ فوراً ہی چہرہ پھیر گئی تھی۔

''دادا ابا! مجھے پارک ٹاور جانا ہے۔ گاڑی کب تک آئے گی؟'' وہ اس لمحے یکسر موضوع بدلتے ہوئے دادا ابا سے مخاطب تھی۔ وہ ایک لمحہ بہت لاتعلقی کا تھا۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں اس لمحے اس کے وجود سے یکسر تعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں اور یہ تردّد یقیناً دانستہ تھا۔

''بیٹا! ایک گاڑی تو ورکشاپ میں ہے اور دوسری تمہاری ماما لے گئی ہیں...... تم انتظار کر لو۔ شاید وہ آتی ہوں۔'' دادا ابا نے کہتے ہوئے اپنی رسٹ واچ دیکھی تھی۔

انابیہ شاہ کی آنکھوں کی اُلجھن جیسے بڑھ گئی تھی۔ کتنی کوفت سے لب بھینچے تھے اس نے۔ تبھی دادا ابا نے عفنان علی خان کی سمت

دیکھا تھا۔

''تم عفنان کے ساتھ چلی جاؤ...... کیوں بیٹا! کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا نا؟''

''ارے نہیں دادا ابا!'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ نے اپنے سامنے موجود شخص کی جانب دیکھا تھا۔ دادا ابا کی اجازت کے بغیر اس کے لیے کسی طرح کا تعرض برتنا جیسے ناممکن ہوگیا تھا۔ اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس لمحے عفنان علی خان کے ہمراہ ہونے کے۔ بہت خاموشی کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت تکتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھائے تھے۔ عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ اُبھری تھی۔

''شکریہ۔'' بہت مودب انداز میں وہ جھک کر مدھم انداز میں گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم اٹھاتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کس بات کا شکریہ؟''

''میرے ساتھ آنے کے لیے...... یہ اعتبار سونپنے کے لیے۔ جانتی ہیں دوستی میں اعتبار کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ پہلی اینٹ کہلاتا ہے یہ۔''

انابیہ شاہ نے گلاس ڈور کھولتے ہوئے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر روڈ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''کون سی دنیا میں رہتے ہیں آپ محترم عفنان علی خان؟...... ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ اخذ کر رہے ہیں۔'' لہجہ اور انداز کسی قدر لاتعلق تھا۔ مگر اس کے ہم قدم چلتا ہوا شخص بہت طمانیت سے مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ خاموشی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''ناراض ہیں اب تک؟...... خفگی ختم نہیں ہوئی اس دن والی؟ حالانکہ میں نے آپ کا نقصان حتیٰ الامکان حد تک پورا کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔''

انابیہ شاہ نے اس کی سمت اک نگاہ کی تھی، پھر لب بھینچ کر بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''لامعہ حق کے لیے زندگی کسی امتحان سے کم نہ ہوگی۔ میری سیم پتھی ابھی سے اس کے ساتھ ہے۔''

''مگر آسانیاں تلاش کرنے والے کسی قدر بزدل واقع ہوتے ہیں۔ راہِ متبادل تلاشنا اور راہ بدل لینا دو یکسر متضاد چیزیں ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا بزدلی، کم ہمتی کی نشانی ہے اور کم ہمتی کوئی قابل ستائش عمل نہیں۔'' جواباً عفنان علی خان نے جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔ آنکھوں کی چمک کسی خاص بات کی نشاندہی کر رہی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت سے نگاہ کا زاویہ پھیر گئی تھی۔ وہ اس سے بہت انتہا پسندی والا کوئی رویہ روا نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ رشتے یا تعلق کی کوئی سمت بھی متعین کرنا نہیں چاہتی تھی۔ نہ ہی دوستی نہ ہی حد درجہ اجنبیت نہ بہت زیادہ لگاوٹ نہ ہی بے زاری۔ وہ اس شخص کے معاملے میں اعتدال پر رہنا چاہتی تھی۔ مگر وہ جانے کیوں ایک لمحے میں صدیاں پھلانگنا چاہتا تھا۔ شاید اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔

یہ دوستانہ مزاج، یہ بے تکلفانہ رنگ، شاید یہ اس کا وصف تھا۔ مگر انابیہ شاہ کی اپنی حد بندیاں تھیں جنہیں نہ تو خود کر اس کرتی تھی

نہ ہی کسی اور کو ایسے اقدامات کرتے دیکھ کر سراہ سکتی تھی۔ شاید اسی لیے عفنان علی خان اس کے لیے کسی قدر نا قابل برداشت تھا۔ مگر وہ اس کا باضابطہ اظہار کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ لامعہ حق کے اور اپنے تعلق کے متعلق آگاہ تھی اور عفنان علی خان کے متعلق بھی آگاہ تھی۔ سوچ قنوطی نہ تھی مگر یہ اس کا مزاج تھا۔ وہ اوّل اوّل کی دوستی کو لے کر بہت جلد بے تکلفی برتنے والوں میں سے نہ تھی۔

"آپ سوچتی بہت ہیں۔" ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا اور انابیہ شاہ چونکتے ہوئے اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

"خاموشی ایک بات کی بہت واضح اور ٹھوس دلیل ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ بہت سنجیدہ ہیں اور زندگی گزارنے سے متعلق بہت مدلل نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ فقط امپریشن قائم کرنا چاہ رہے ہیں کہ لوگ آپ کو سنجیدہ اور بردبار جانیں۔ دوسرے معنوں میں عقل مند۔" وہ بہت شگفتہ انداز میں کہتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"دیٹس گریٹ۔ میں جانتا ہوں آپ ماشاءاللہ سے خاصی ذہین و فطین واقع ہوئی ہیں۔ بات واضح ہو تو اسے جتانے کی سعی قطعاً نہیں کرنا چاہیے۔ مدمقابل شخص کو خواہ مخواہ شرمندہ کرنے والی بات ہوتی ہے۔" بہت خوش گوار انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر کسی قدر نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"اور جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا؟"

"خاصے اچھے ہوتے ہیں۔ کم از کم اتنے پیچیدہ واقع نہیں ہوتے کہ انہیں شماریات کا کوئی سوال قرار دے دیا جائے۔"

"میں شماریات کا کوئی سوال ہوں؟" انابیہ شاہ نے اس رائے زنی پر کسی قدر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"دقیق چیزیں کبھی کبھار بہت لطف دیتی ہیں۔ لگن اور شوق اور بھی سوا ہو جاتا ہے۔"

"لامعہ بہت سادہ ہے...... بہت سادہ چیزیں اچھی لگتی ہیں اسے۔" پتہ نہیں کیا جتانے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھرپور انداز میں ہنسا تھا۔

"اور مجھے مشکل اور دقیق۔ میرا مزاج اس قدر سادہ نہیں ہے مگر مجھے سادگی اچھی لگتی ہے۔" اس کے چہرے کو بہ غور تکا تھا۔ لبوں پر بہت گہری مسکراہٹ تھی۔ "جو دلکشی اور رعنائی ان سادہ چہروں میں ہوتی ہے بعض اوقات بہت دلکش اور پُر آرائش چہروں میں بھی نہیں ہوتی۔ کوئی جادو سی بات ہوتی ہے ان جادو جیسے چہروں پر۔ دل خود کھنچنے لگتا ہے ان کی جانب۔ کچھ ایسے کہ اختیار رہ ہی نہیں پاتا خود پر۔" مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ جانے کیا باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ ہاں مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ لامعہ حق بہت دلکش تھی۔ آرائش و زیبائش کرنا، بجنا سنورنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

"مجھے چنچل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! ساکت، وسیع اور سبک، کچھ گہری، کچھ مخفی سی، کبھی شوخ رنگوں میں بہتی ہوئی، کبھی خود سے بھی انجانی، کبھی اتنی پُرسکون اتنی ساکت کہ سوئی بھی گرے تو آواز کی آہٹ سے جان میں اک قیامت مچ جائے۔ اور کبھی اتنی پُر

ہلچل کہ اک جہاں میں اضطرابیت بھر جائے۔ کبھی اتنی خاموش، اتنی چپ کہ بہت سے رازوں سے واقفیت کے لیے دل مائل ہوں۔ اور کبھی اتنی پر شور کہ کان اس کی آہٹوں سے گونجنے لگیں۔ سارا وجود اس کے مدھر شور سے بھر جائے۔"

کتنا مبہم تھا اس کا لہجہ۔ کتنے گہرے انکشافات تھے۔ وہ کیوں کہہ رہا تھا ایسا سب کچھ۔ کیوں انوکھے وار کر رہا تھا۔ کیا جاننا مقصود تھا اسے۔ کن رازوں سے واقفیت چاہتا تھا وہ، یا پھر کن باتوں سے روشناس کرانا چاہتا تھا وہ؟ کیا جتانا چاہتا تھا؟ کیا مقصود تھا اسے اس گھڑی۔

اک دوست سے، اک دوست کی معمولی سی نوعیت کی کوئی بات؟

کیا واقعی وہ اس سے اپنے اندر کی کوئی بات شیئر کر رہا تھا؟ کیا واقعی وہ کوئی دوست ڈھونڈ رہا تھا اس میں؟ کوئی ایسی ہی روایت درکار تھی جسے رسم آشنائی کہا جاتا ہے، دوستی کہا جاتا ہے۔

"تم شاید مجھے سمجھ نہیں پا رہیں انابیہ شاہ! اور شاید یہ تمہارے لیے آسان بھی نہیں۔ دو چار ملاقاتوں میں کوئی کھل ہی کتنا پاتا ہے۔ کوئی کسی کو جان ہی کتنا پاتا ہے۔ مگر میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے تمہیں جاننے میں کوئی غلطی نہیں کی۔" وہ اس پر نگاہ کرتا ہوا کسی قدر سنجیدہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

"ایسا نہیں ہے کہ لڑکیوں سے کبھی میرا سابقہ نہ رہا ہو۔ مگر انابیہ شاہ! مجھے کسی نے کبھی اس طور سے متاثر نہیں کیا۔ جانے کیوں دل چاہتا ہے کہ تمہیں وہ سب کچھ کہوں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ جو میرے دل میں ہے اور جو کوئی نہیں جانتا۔" بہت مدھم لہجے میں وہ گویا تھا۔ کیا کہنے جا رہا تھا وہ؟ کیا کہنے کے لیے ایسی تمہید باندھ رہا تھا؟

"کیا تم لامعہ حق کو......" جانے کیا سوچ کر اس کے لبوں پر ایک خدشہ اُبھرا تھا۔ وہ چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے انابیہ شاہ؟"

"پتہ نہیں......لیکن مجھے اپنی دوست بہت عزیز ہے۔" اس کے لہجے میں دوستی کی حاجت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے اس کی بات سن تو لی تھی مگر اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی دوست لامعہ حق کے متعلق کچھ اُلٹا سیدھا سنتی۔ شاید تبھی وہ کسی قدر اُلجھے ہوئے انداز میں اس کی سمت تکتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"عفنان علی خان! کچھ مت کہنا۔ کم از کم میں اپنی دوست کے متعلق کوئی فضول بات نہیں سنوں گی۔ اگر وہ تمہیں پسند نہیں ہے تو تم یہ سچ اس کے منہ پر جا کر کہو۔ مجھ سے ہرگز نہیں۔"

وہ یکدم ہنس دیا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں لامعہ حق کی کوئی خامی گنوانے والا ہوں؟ بائے دی وے، کیا کوئی خامی ہے اس میں؟" وہ کسی قدر بھولپن سے مخاطب تھا۔ انابیہ شاہ کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ اس لمحے کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے۔ شاید تبھی وہ خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی۔

"لامعہ سے بہت گہری انسیت ہے نا......بہت محبت کرتی ہو اس سے؟"

''اس میں کوئی شک نہیں۔ہم واقعی اچھی دوست ہیں۔'' انابیہ شاہ نے بلاتردّد کہا تھا۔

''اور میں۔''

انابیہ شاہ خاموشی سے تکتی رہی تھی۔تبھی وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ!اور تم......'' جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے پارک ٹاور کے سامنے گاڑی روک دی تھی اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔انابیہ شاہ کتنی ساکت سی تکتی گئی تھی اسے۔پھر یکدم ہی جیسے بیدار ہوئی تھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل کر کتنی سرعت سے چلتی ہوئی وہ آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی۔شاید یہ اقدام دانستہ تھا۔اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔

''لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!'' مدھم سرگوشی کسی قدر اُلجھی ہوئی تھی۔کتنی مبہم بات تھی۔کوئی واضح اشارہ نہ تھا۔مگر اس کے اندر ایک لمحے میں جیسے ایک تغیر واقع ہوا تھا۔

شاید......شاید اس لیے کہ عفنان علی خان نے لامعہ حق کو اس کے سامنے رد کیا تھا۔اسے ناپسند کیا تھا۔

'مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ!اور تم......'ادھورے فقرے نے کتنی دیر تک اس کے اندر اپنی بازگشت بنائے رکھی تھی۔

'لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!'

کیا جتانا مقصود تھا اسے؟کیا واضح کرنا چاہتا تھا وہ؟......اور پھر وہ اسے لامعہ حق سے کمپیئر کیوں کر رہا تھا؟......یہ موازنہ کس لیے تھا؟اور ان دوستوں کے مابین ہی کیوں تھا؟

کیا یہ فقط رائے زنی تھی؟

اک عام سا تجزیہ یا پھر......

انابیہ شاہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔مگر یہ ضرور تھا کہ عفنان علی خان کی اُلجھی ہوئی باتوں نے اسے بہت اُلجھا سا دیا تھا۔بہت عجیب شخص تھا وہ۔بہت عجیب باتیں تھیں اس کی۔انابیہ اب تک اسے سمجھ نہ سکی تھی۔لامعہ حق کی کیفیت جانے کیا تھی؟

☆......☆......☆

ساہیہ خان زینہ اُتر رہی تھی جب اسے اذہان حسن بخاری،عزیر کے ساتھ کھڑا نظر آیا تھا۔ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔بہت ہولے سے وہ اس کی سمت بڑھی تھی۔

''اے ساہیہ!کہاں جا رہی ہو تم؟'' عزیر نے اس کی سمت دیکھا تھا تو فوراً پکارا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کے مقابل آن رکی تھی۔اذہان حسن بخاری اس جانب متوجہ ہوا تھا۔نگاہ میں فوری طور پر کوئی تاثر نہ ابھرا تھا۔

تبھی عزیر نے مسکراتے ہوئے ساہیہ خان کی سمت دیکھا تھا۔

"جانتے ہو اذہان! کون ہے یہ؟"

سید اذہان حسن بخاری نے اس چمکتی آنکھوں والی لڑکی کی سمت نگاہ کی تھی جو اس لمحے بڑی دلکشی سے مسکرا رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجب شرارت ٹھہری ہوئی تھی۔ شاید یہ اس کے مزاج کا خاصہ تھی یا پھر اس کی آنکھوں کا رنگ ہی ایسا تھا۔ یقیناً یہ چہرہ، یہ خدوخال نئے نہ تھے اس کے لیے۔ غالباً اجنبی تو قطعاً نہ تھے۔ وہ پہلے بھی اس چہرے کو دیکھ چکا تھا اور تب اس لمحے ان آنکھوں میں ایسی شرارت رکی ہوئی تھی۔ شاید یہ شوخی، یہ شرارت اس کے مزاج کا حصہ تھی۔ اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے اس چہرے کی سمت دیکھا تھا جب عزیر مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"تمہیں یاد ہے ایک لڑکی بڑی شرارتی ہوا کرتی تھی۔ نچلا بیٹھنا اسے آتا ہی نہ تھا۔ مگر اس کی زیادہ تر شرارتوں کا نشانہ تم ہی بنا کرتے تھے۔ یاد ہے ایک بار جب بیس بال کا میچ ہماری ٹیم جیت گئی تھی تو اس نے جواباً ٹٹ فور ٹیٹ کے مقولے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمہاری پالتو بلی کو عین سردی کے موسم میں نہلا دیا تھا۔ اور وہ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم سے ٹرٹلز جو اسے انتہائی کمزور و نحیف نظر آتے تھے انہیں صحت عامہ کے زریں اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے واک شاک کرانے کی غرض سے ایکوریم میں سے نکال کر ٹیرس کے تپتے ہوئے فرش پر چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ ان کی صحت اچھی ہو جائے۔" عزیر نے مسکراتے ہوئے یقین دلایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے اپنے سامنے موجود لڑکی کو بہ غور دیکھا تھا۔

"آں، ہاں ...... تو یہ ہے میری دشمن اعظم۔ وہ چوہیا۔" ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔ سامنے کھڑی ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔ اب وہ چوہیا نہیں رہی۔ ہاں، مجھے کچھ یاد ضرور آ رہا ہے کہ میں کسی بابا بلیک شیپ سے ضرور کہیں ملی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں وہی شرارت تھی۔ پاپا بچپن میں اسے بابا کہہ کر بلاتے تھے اور وہ شرارت سے اسے بابا بلیک شیپ بنا دیتی تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"ٹرٹلز کو چہل قدمی کروانے کا شوق ابھی بھی اسی درجہ ہے کہ کچھ کمی ہوئی ہے؟" کسی قدر شگفتگی سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی تھی۔ عزیر انہیں ملوانے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

"وقت کے ساتھ کبھی کبھی بہت کچھ پیچھے چھوٹ جایا کرتا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے تم اب بھی بلی کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ابا کے بڑے سے جوتے میں سلاتے ہو گے۔"

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"حیرت ہے ..... تم نے مجھے اس رات پہچانا نہیں۔" ساہیہ نے شکوہ کیا تھا۔ تبھی اذہان حسن بخاری اسے بہ غور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"شاید تم بہت بدل گئی ہو۔ یا شاید میں بہت بدل گیا ہوں۔ شاید ہم دونوں بہت بدل گئے ہیں۔"

"شاید...... مگر تم جانتے ہو میری یادداشت بہت اچھی ہے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"اچھا" وہ چونکا تھا۔ "تو اس رات تم نے مجھے پہچان لیا تھا؟"

"شاید۔" انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں پہچاننا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ میں دور سے دیکھ کر ہی جان گئی تھی۔ یہ جو موصوف خواہ مخواہ افلاطون نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ یقیناً اذہان حسن بخاری ہی ہیں۔" اس کے انکشاف پر اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"تم اب بھی اسی طرح بے تکان بولتی ہو۔ حیرت ہے، میں نے اس رات تمہیں سن کر بھی کیوں نہیں پہچانا۔ حالانکہ وہ لڑکی دنیا میں واحد ہوسکتی ہے جو بی باون کی طرح تابڑ توڑ حملے کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔"

ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ پہلے والی شباہتوں سے کہیں زیادہ بدل چکی تھی۔

"کب لوٹی ہو کیلگری سے؟" اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا۔

"دو چار روز قبل ہی۔ بلال چاچو کی شادی تھی۔ کیسے نہ آتی۔"

"کیلگری میں سب کیسا چل رہا ہے؟...... کیا کر رہی ہو تم وہاں؟ شادی وادی تو غالباً......" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے جملہ غالباً جان بوجھ کر اُدھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

"اب تک اتنے ہی منہ پھٹ ہو، اتنا بھی نہیں جانتے، لڑکیوں سے ایسے بے تکے سوالات چھوٹتے ہی نہیں پوچھ لیے جاتے۔" ساہیہ خان نے اسے جتایا تھا۔

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"پوچھوں گا نہیں تو علم کیسے ہوگا؟ ویسے اتنے سالوں میں تم نے پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اتنی خفا ہوگئی تھیں ہم سے؟" بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"غالباً نہیں۔ بس مصروفیت کچھ زیادہ ہوگئی تھی۔ وقت ہی نہیں ملا۔" ساہیہ نے شانے اچکاتے ہوئے کسی قدر بے فکری سے کہا تھا۔

"تم کب سے وقت کی پابند ہوگئیں؟ تمہیں تو وقت سے غالباً آگے بھاگنا اچھا لگتا تھا۔ بھول گئیں، اکثر تم گھر کے لیے دیا جانے والا ہوم ورک وہیں سکول کی لائبریری میں بیٹھ کر سرانجام دے لیا کرتی تھیں۔"

"ہاں...... اور تم ہوم ورک کیے بغیر بڑی بے فکری کے ساتھ باسکٹ بال کھیلتے رہتے تھے۔ کتنا وقت ضائع کرتے تھے۔"

"اور تم کتنی پڑھاکو تھیں۔" اذہان حسن بخاری کو کہتے ہوئے یکدم یاد آیا تھا۔ تبھی اس نے لحہ بھر میں چونکتے ہوئے اس کی جانب

دیکھا تھا۔نظروں میں کسی قدر شرارت آن رکی تھی۔

"وہ تمہارا موٹا سا چشمہ کہاں گیا؟ وہ تو غالباً تمہاری ذہانت کو پروف کرنے کے لیے اہم ترین معاون تھا۔ یاد ہے جب ہم ایک بار باغ میں امرود توڑ کر بھاگ رہے تھے تو ہم سب دھر لیے گئے تھے۔ ماسوائے تمہارے۔اور جانتی ہو وجہ کیا تھی؟ یقیناً تمہارا وہ بقراطی چشمہ۔انکل نعمان کو لگا تھا کہ تم اتنی ذہین ہو کہ ایسی ویسی کوئی شرارت کر ہی نہیں سکتیں۔" وہ بڑی دلچسپی سے اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

ساہیہ ہنس دی تھی۔

"ناسمجھی کے دن شاید بہت بھلے ہوتے ہیں......کیا کر رہے ہو آج کل؟ سنا ہے بڑے ذمے دار ہو گئے۔ بزنس سنبھال لیا ہے۔"

"ہوں۔"

"اور بال بچے؟" کسی قدر شرارت سے مسکراتے ہوئے اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔

"بال بچے؟" وہ لمحہ بھر میں چونکا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کی شرارت تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"اپنے پوتے کے لیے لڑکی تلاش کر رہا ہوں۔ اگلے برس تک شادی بھی کر دوں گا۔ ویسے تمہاری نظر میں کوئی اچھی لڑکی ہو تو بتاؤ۔" وہ زیر لب مسکراتا ہوا بولا تھا۔

ساہیہ نے لب بھینچ کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر دونوں یکدم کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ دو اچھے دوست عرصہ دراز بعد ملے تھے۔کرنے کے لیے بہت سی باتیں تھیں۔وہ اِرد گرد کے ماحول سے بے پرواہ بہت مگن انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ جب اگینے وہاں آئی تھی۔

"مل لیے دونوں دوست؟......کیا ساری جمع شدہ باتیں آج ہی کر لینے کا پروگرام ہے؟" مسکراتے ہوئے ان دونوں کی سمت دیکھا تھا۔

"پھپھو! آپ نے دعویٰ کیا تھا نا کہ میں اذہان کو پہچان نہیں پاؤں گی؟" ساہیہ نے کہا۔

"ہاں......مگر میں جانتی ہوں وہ دعویٰ اب رد ہو چکا ہے۔" اگینے پُر افسوس انداز میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اگینے کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔

"اگینے! آپ بھی شامل تھیں اس سارے کھیل میں؟...... بائی گاڈ، مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

"مجھے کچھ زیادہ علم نہیں۔ ہاں، عزیر سے تم اس بابت دریافت کر سکتے ہو۔" اگینے نے قطعاً لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"کچھ زیادہ تو نہیں کیا۔ بس لائٹر ہی تو مانگا تھا۔ اور تم، کتنی ثقیل گفتگو فرما رہے تھے۔ یہ بڑے بڑے فلسفیانہ ورڈز۔ بالکل دادا ابا الگ رہے تھے۔ جواباً کیسی مشکل ہوئی تھی مجھے بھاری بھاری لفظ ڈھونڈنے میں۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی ہنس دیا تھا۔

"اچھا، اب چلو، وہاں بلال کی رسم ہونے جا رہی ہے۔ تم لوگ اپنی یہ ساری باتیں بعد میں کر لینا۔" اگینے نے مسکراتے ہوئے

اذہان حسن بخاری کو دھکیلا تھا۔اذہان حسن بخاری نے ایک نگاہ کی تھی اگینے پر، پھر آگے بڑھ گیا تھا۔

"اگینے! آپ کے لیے بہت اہم موقع ہے یہ غالباً۔"اذہان حسن بخاری نے چلتے ہوئے اگینے کی سمت دیکھا تھا۔

"وہ کس لیے؟"اگینے قدرے حیران ہوئی تھی۔

"آپ کے مشن امپاسبل کو سرانجام دینے کے لیے۔"وہ مسکرا رہا تھا۔

"مشن امپاسبل؟"اگینے چونکی تھی۔اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"سنا ہے شادیوں میں لڑکیوں کی بڑی بھرمار ہوتی ہے۔اور ایسے میں کئی میچ میکر اپنا کام باآسانی نکال لیتے ہیں۔"وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

"اذہان!"اگینے نے مسکراتے ہوئے تنبیہ کی تھی۔

"یہ آپ دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہیں؟"ساہیہ نے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔اس سے قبل کہ اگینے کوئی وضاحت کرتی، اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"بچوں کے سننے کی باتیں نہیں ہیں۔"

"اذہان!"ساہیہ نے ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

"بڑا ہو گیا ہوں میں۔ابھی بھی مار رہی ہو۔تیور نہیں بدلے ہیں۔"

"تیور بدل لوں گی تو تمہیں ٹریٹ کیسے کروں گی؟......تم جیسے بندے سے نمٹنا آسان نہیں ہے۔یہ بات مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔"ینے نے ان دونوں کو مسکراتے ہوئے بہ غور دیکھا تھا

☆......☆......☆

پاپا سے ملنے کے بعد وہ بہت تھکی ماندی سی لوٹی تھی جب سیف الرحمٰن کا فون آ گیا تھا۔باوجود نقاہت کمزوری اور تھکن کے وہ اس کے فون کو نظر انداز نہ کر سکی تھی۔

"کہاں غائب ہو؟......صبح بھی فون کیا تھا۔اطلاع ملی، تم ہز بینڈ وائف دونوں غائب ہو۔بہت فکر ہو رہی تھی تمہاری۔کل رات سردار صاحب سے بات ہوئی تھی۔فرما رہے تھے کچھ طبیعت خراب تھی تمہاری۔کیا ہو گیا؟"سیف الرحمٰن نے کسی قدر سنجیدہ ہوتے ہوئے دریافت کیا تھا۔وہ چونک گئی تھی۔

"کب......کب کال کیا تھا تم نے؟"

"غالباً کل رات۔کیوں، کیا ہوا؟موصوف تمہیں بتانا بھول گئے یا جان بوجھ کر نہیں بتایا؟"

"سیفی!ایسی بات نہیں ہے۔شاید مصروفیت کے باعث وہ بتانا بھول گئے ہوں۔"وہ وضاحت دیتی ہوئی بولی تھی۔تبھی وہ بولا تھا۔

"تمہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ڈیفنڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے میرب سیال!خیر تم بتاؤ، تمہیں کیا ہو گیا تھا؟اپنا خیال نہیں

رکھ رہی ہوں؟''

''نہیں، سب ٹھیک ہے۔ بس پاپا کے باعث بہت پریشان ہوں۔ اب بہتر ہوں۔'' میرب نے داہنے ہاتھ سے سر کو بہت ہولے سے سہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے میرب سیال!'' سیفی نے بہت مخلصی سے باور کرایا تھا۔

''ہاں، جانتی ہوں۔''

''انکل کیسے ہیں اب؟''

''پہلے سے بہتر ہیں...... سرجری کامیاب رہی ہے۔''

''تھینک گاڈ۔ اور تم نے فون کر کے مطلع بھی نہیں کیا؟'' سیفی نے شکوہ کیا تھا۔

''بتایا تو ہے، کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اب بھی سوچ ہی رہی تھی کہ تمہارا فون آ گیا۔ بے جی کیسی ہیں؟ اور باقی سب؟''

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اور تم......؟'' سیفی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر کچھ ثانیوں تک خاموشی اختیار کی تھی۔ جانے کیا کہنے جا رہا تھا وہ جب میرب سیال فوراً بولی تھی۔

''سیفی! تم نے بے جی کو مطلع کر دینا۔ پاپا بہتر ہیں اب اور میں بھی جلد واپس آ رہی ہوں۔''

''اور......؟''

''اور کچھ نہیں۔'' لہجہ بہت پُرتھکن تھا۔

''تم مستقل پریشان ہو نا میرب سیال؟'' سیف الرحمٰن جواباً دریافت کیا تھا۔

''ہاں، وہ پاپا کی وجہ سے......'' وہ کوئی جواز دینے جا رہی تھی وہ تیزی سے اس کی بات کاٹتا ہوا بولا تھا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے میرب سیال! تم خود کو کہیں بھول رہی ہو۔''

''بھول چکی ہوں۔'' بہت مدھم، شکستہ سا انداز تھا۔ ایک دوست کے سامنے خود کو پوشیدہ نہیں رکھ پائی تھی۔ شاید اسے بھی کوئی جگہ درکار تھی وِنٹیلیشن کی۔ حبس بے جا بڑھ گیا تھا۔ غبار سے سارا وجود ڈھک گیا تھا۔ شاید اس کا دم گھٹ جاتا اگر یونہی تھوڑی دیر چپ رہتی تو۔ کتنی خاموشی سے آنکھوں سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

''کس کے لیے میرب سیال؟...... کس کے لیے یہ سب، جب تم خوش نہیں ہو۔ جب اندر کہیں اطمینان ہی نہیں ہے۔'' سیف الرحمٰن کا دل اس کے ان کہے بھید سے جیسے واقف تھا۔ شاید دوستی کی واضح دلیل یہی ہے۔ بندہ سوکوس کی دوری پر بھی بیٹھا ہو تو اپنے کسی کا احوال اس کے دل میں خود بخود اترنے لگتا ہے۔ دوریوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔

''کبھی کبھی بہت کچھ سہنا پڑتا ہے سیف الرحمٰن! دانستہ...... جان بوجھ کر...... جبراً۔''

''تم کیوں یہ جبر سہہ رہی ہو؟......کیا مجبوری ہے میرب؟ تم نے انکل کے باعث یہ فیصلہ کیا تھا نا۔اور اب تو وہ بہتر ہو چکے ہیں۔کیا ضروری ہے کہ تم اس شاہ زادے کی قید میں مزید رہو؟ میرب! تم چاہے مجھ سے نہ کہو، چاہے لاکھ پوز کرو مگر میں جان گیا تھا، اول روز سے ہی، تمہاری آنکھیں بہت بنجر ہو رہی تھیں۔واضح دلیل تھی ان میں کسی اذیت کی۔مجھے تبھی لگا تھا جیسے کوئی معصوم سی، ننھی پری کسی ظالم دیو کی قید میں آ گئی ہو۔ہوا کیا ہے؟ کیا اس نے تمہیں ہرٹ کیا ہے؟'' سیف الرحمٰن دریافت کر رہا تھا۔مگر وہ دوسری جانب کچھ نہیں بولی تھی۔ایک لاوا چپ چاپ جلتی آنکھوں سے بہتا ہوا سارے وجود کو جلاتا رہا تھا۔

''تم ایک باشعور لڑکی ہو میرب سیال! اب اپنے فیصلے خود بھی کر سکتی ہو۔''

''کیا......کیا کروں میں سیفی؟ اس سے کیا گلہ کروں؟ اُلجھنیں تو خود آپ میرے اندر ہیں۔کتنی بیڑیوں سے جکڑا ہوا ہے میرا وجود۔''

یکدم آہٹ ہوئی تھی۔اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔دروازے کے بیچوں بیچ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔میرب سیال ساکت تھی۔اس کی سمت تکتی رہ گئی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے پیش قدمی کی تھی اس کی سمت اور چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔میرب سیال ریسیور ہاتھ میں لیے ساکت سی اسی طرح اس کی جانب متوجہ تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر ڈال دیا تھا اور اسے بہ غور تکتے ہوئے اس نازک سے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔یہ پہلا دانستہ اقدام تھا۔

پہلا دانستہ بخشا جانے والا لمس تھا۔میرب سیال کا ہاتھ جیسے کسی انگارے نے چھو لیا تھا۔یکدم ہی کیسی بے نام سی تپش سرایت کر گئی تھی اس کے پورے وجود میں۔کتنا قریب تھا وہ۔شاید آج پہلی بار وہ اسے اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔اس کی مخصوص خوشبو سے سارا ماحول بھر گیا تھا۔میرب سیال نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔اس لمحے وہ بہ غور اس کو دیکھ رہا تھا۔میرب سیال کی آنکھیں اسی طرح پانیوں سے بھری ہوئی تھیں جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر ان پلکوں کی نمی کو اپنے پوروں پر لیا تھا۔

''التفات کے کون سے روپ دیکھنا چاہتی ہو تم؟......وارفتگی کی کون سی حد؟'' کتنے مدھم لہجے میں وہ اس گھڑی مخاطب تھا۔نگاہ کتنی پُر تپش تھی۔اس کی کلائی اس کی آہنی گرفت میں تھی۔سارا وجود جیسے ان نگاہوں کی تپش سے جلنے کو تھا۔

''کوئی گلہ تھا تو شکایت کی ہوتی، ازالہ کیا نہ ہوتا؟'' اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تھا۔میرب سیال کتنی گرم گرم سانسوں کو اس لمحے اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔کتنی ہلچل سی تھی سارے وجود میں۔اندر کہیں بھونچال آیا ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری حیدر لغاری کے تیوروں سے واقف کہاں تھی وہ؟ کہاں منکشف تھے اس پر اس کے اندر کے مخفی رنگ؟ کہاں کوئی عقدہ کھلا تھا اس پر۔

وہ تو ابھی فقط اوّل اوّل کی راہوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔اس حیرت کدے سے ہی باہر نہ نکل پا رہی تھی جو اس شخص نے اس کے سامنے بچھا دیا تھا۔وہ اس دنیا سے ہی الگ نہ ہو رہی تھی جس سے اسے، اس کی مرضی کے برعکس جدا کیا گیا تھا۔وہ تو ابھی تک انہیں پہیلیوں

میں کھوئی ہوئی تھی جو اس کے اندر سے سر اُٹھا رہی تھی۔ پھر کیسے...... کیسے سمجھ پاتی اس شخص کو؟

اور سمجھنا آسان تو نہ تھا۔

''رنگوں میں کھیلنے کا شوق تھا تو کچھ اظہارِ مدعا کیا ہوتا۔ یوں بے نام الزامات تو نہ عائد کیے ہوتے۔'' ہاتھ بڑھا کر کتنے ہولے سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ میرب سیال کے اندر جیسے قیامتوں نے سر اُٹھایا تھا۔ نازک وجود بہت ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔ شاید وہ بہت خوفزدہ تھی۔ شاید یہ انداز، یہ رنگ، یہ ڈھنگ، یہ وصف اس کے لیے بہت نئے تھے۔

ان تجربات سے پہلی بار سابقہ ہوا تھا۔ ان رنگوں سے پہلی بار آشنا ہو رہی تھی وہ۔ چہرہ جھکائے وہ کتنے کمزور انداز میں اس کے سامنے کھڑی تھی اس لمحے۔ بہت مضبوط ہونے کا دعویٰ کتنا بودا ثابت ہوا تھا۔ کتنا جھوٹا بہلا وہ تھا وہ۔ ایک دم ڈھکوسلا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری آہنی دیوار بنا اس کے سامنے کھڑا تھا کہ کسی طرح کی کوئی مزاحمت بہت بے معنی سی لگ رہی تھی۔

موسموں کے احوال چہروں پر درج ہونے لگتے تو سارا مسئلے جنم ہی کیوں لیتے؟ خاموشیاں فقط اُلجھنیں بڑھاتی ہیں۔ خواہشوں کی تتلیاں پکڑنے کے لیے عملی اقدام بہت ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ رنگ یونہی ہاتھ نہیں آ جاتے۔ دلکشی اور رعنائی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جھوٹے دعوے فقط ایک بہلاوا ہوتے ہیں۔ بارشوں میں بھیگنے کا شوق ہو تو کمرے کے اندر دبک کر نہیں بیٹھ جاتے۔ نم ہونے کے لیے قطرے قطرے کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔ شوق تمنا بڑھنے لگے تو لب نہیں سی لیے جاتے۔ آنکھوں کی کہانیاں کوئی کہاں تک پڑھ سکتا ہے؟ بنا کہے سنے کہاں تک جان سکتا ہے؟...... چلو مان لیا ایسا ہو بھی جائے تو کبھی کبھی عقدہ کھلنے میں دیر بھی تو لگتی ہے۔ خوابوں کی حقیقت آنکھوں سے مت پوچھو۔ دل کی دلیلوں پر منکر ہونا کہاں کی عقلمندی ہے، ہوں۔'' بہت آہستگی سے اس صبیح چہرے کو چھوتے ہوئے کتنی آہستگی سے وہ اس گھڑی مخاطب تھا۔ میرب سیال کی ساری جان جیسے قیامت کے زیر تھی۔

''کہاں درج ہے کہ کہانیوں کو عیاں نہ کرنے کے بھی ثواب ہوتے ہیں؟ تسلیم و رضا کے باب، بنا کسی تردّد کے منکشف ہو سکتے ہیں؟'' اس کے چہرے کو شہادت کی انگلی سے قدرے اوپر اُٹھاتے ہوئے اس دلکش چہرے پر بہ غور ایک نگاہ کی تھی۔

''علاج چارہ گر کے پاس ہو تو رجوع کرنے میں دیر کرنا کہاں کی دانشمندی کہلاتی ہے؟'' کتنے سوال تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر۔ مگر میرب سیال کے لبوں پر جیسے اس گھڑی چپ سی لگی تھی۔

''چارہ سازی بھی تبھی عمل میں آتی ہے جب اندیشہ ہائے فکر ستائے اور غافل تو یہاں کوئی نہیں۔ پھر اتنے سارے الزامات۔ ہواؤں کے بھی رُخ ہوتے ہیں۔ بنا رُخ کے کوئی آئین سازیاں نہیں ہوتیں۔'' اپنی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر منتقل کرتے ہوئے کسی قدر آہستگی سے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا۔ میرب سیال اپنا شل سا وجود لیے، آنکھیں میچے کھڑی رہی تھی۔ بالکل ساکت وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔ مگر کسی بھی طرح کے نتیجے کی پرواہ کیے بغیر سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا اور بہت رسانیت سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اپنے اندر کی قیامتوں میں گھری میرب سیال کتنی دیر تک اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ یقیناً جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی خواب نہ تھا۔ نہ سراب تھا۔

☆......☆......☆

اُس شام عفنان علی خان پھر اس کے سامنے موجود تھا اور وہ کسی قدر اُکتاہٹ سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ دادا ابا نماز پڑھ رہے تھے اور مہمان نوازی کا تقاضہ یہی تھا کہ اسے اچھی طرح سے ٹریٹ کیا جاتا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی تھی۔ ماما نے یقیناً اس کی آؤ بھگت کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ شاید اسی لیے وہ کسی قدر کسلمندی سے اپنی جگہ پر جمی بیٹھی رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی مروت کا مظاہرہ کرے مگر اس سے یہ سب نہیں ہوتا تھا۔ کم از کم اس حد تک تو نہیں۔ یقیناً یہ بہت مشکل تھا اس کے لیے۔ مگر عفنان علی خان کے لیے فاصلے سمیٹنا شاید بہت آسان تھا۔

جس طرح اس لمحے وہ چائے کا کپ لیے اس کے قریب آن بیٹھا تھا، اسے سامنے دیکھ کر نظر انداز کرنا یقیناً مناسب نہیں تھا۔ شاید تبھی وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کسی قدر مروت کا مظاہرہ کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"ایک بات بتاؤں؟" عفنان علی خان چائے کے سپ لیتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ "کسی نے شاید تمہیں بتایا نہیں۔ تم مروتاً مسکراتی ہوئی قطعاً اچھی نہیں لگتیں۔"

"تو پھر؟" وہ یکدم شرمندہ ہوئی تھی۔ شاید اسی لیے اس لمحے کھل کر مسکرائی تھی۔

"مروت کچھ بڑھ گئی ہے ان لبوں پر۔" مسکراتے ہوئے کسی درجہ رسانیت سے باور کرایا تھا اس نے۔ انابیہ شاہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ پھر شاید اسی بے دھیانی اور خجالت میں چینل تبدیل کرنے لگی تھی۔

"جانتی ہو، ان بے واسطہ، سرد منجمد لمحوں میں، قربتوں کی کہانیاں کیوں لکھ رہا ہوں؟"

"کیوں؟" انابیہ شاہ ٹی وی اسکرین کی سمت تکتی ہوئی بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"کیونکہ مروتوں میں لپٹے موسم مجھے نہیں بھاتے۔ سرد مہریوں میں ڈوبے، کہر آلود منظر بہت برے لگتے ہیں مجھے۔ رنگوں کا مٹنا مجھے قطعاً پسند نہیں۔ منظروں کے بنجر پن سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ بے واسط چہرے، بے رابطہ لہجے، بے رنگ منظر تکنا یقیناً تکلیف دہ فعل ہے۔ اور میری مشکل یہ ہے کہ میں یہ سب نہیں جھیل سکتا۔ منظروں کو رنگوں سے ڈوبنے سے بچانے کے لیے یہ قصد کرنا ضروری تھا انابیہ شاہ! سو یہ اقدام کرنے سے باز نہیں رہا میں۔"

اس کے مدھم لہجے میں کتنے آہنگ تھے۔ مگر انابیہ شاہ نے اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔ جانے کیوں وہ خاموشی کے ساتھ ٹی وی اسکرین کو گھورتی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے بہ غور دیکھا تھا اسے پھر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"قصہ کچھ یوں ہے انابیہ شاہ! کہ اختیار کے راستوں پر میرے قدم رہے ہیں اور اضطرابوں کو جھیلنے کا تجربہ بہت نیا ہے میرے لیے۔ گو بہت مشکل صورت حال ہے مگر میں کسی بھی طرح اندھیرے میں تیر نہیں چلانا چاہتا۔ یہ راستہ، یہ رابطہ، یہ ڈھنگ، یہ سارے فعل سر

انجام دینا یقیناً بہت مشکل ہے میرے لیے۔" جانے وہ کہاں کی داستان سنا رہا تھا۔انابیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔بس فقط ایک لمحے کو نگاہ کی تھی۔وہ گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے بہ غور اسے دیکھ رہا تھا۔انابیہ شاہ دھیان دوبارہ ٹی وی اسکرین کی جانب مرکوز کر گئی تھی۔

"انابیہ شاہ! اس راستے میں بہت سی کٹھنائیاں ہیں۔مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ اس سے آگے کا منظر کیا ہوگا۔کسی طرح کا کوئی قیاس نہیں ہے مجھے۔کسی طرح کا کوئی فرض نہیں کر سکتا۔مگر یہ سچ ہے کہ ان دنوں میں بہت مشکل میں گھر گیا ہوں۔"

وہ مدھم لہجے میں بول رہا تھا۔انابیہ شاہ خاموشی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جب اچانک ایک آواز ماحول کو اپنے سنگ باندھنے لگی تھی۔

تم میرے سانسوں میں رہتی ہو بولو میں کیا کروں؟

تم میری آنکھوں میں رہتی ہو بولو میں کیا کروں؟

کیا کروں؟

تم میری سوچوں پر بیٹھی ہو بولو میں کیا کروں؟

تم میرے ہونٹوں پر ہنستی ہو بولو میں کیا کروں؟

کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار دیا جلے آ جاتا ہے اعتبار

ہر پل لگے وہ کرتا ہے انتظار، دل پر نہ ہوتا ہے اختیار

انابیہ شاہ نے عفنان علی خان کی سمت نگاہ کی تھی۔وہ اس لمحے خاموشی لبوں پر لیے بہ غور اسے دیکھ رہا تھا۔جانے کیسی اُلجھنیں تھیں، وہ سمجھ نہ پاتی تھی۔مگر اس لمحے یکدم ہی اس کے چہرے سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اس نے ریموٹ کا بٹن پش کرنا چاہا تھا جب عفنان علی خان نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔انابیہ شاہ قدرے چونکی تھی۔شاید حیران ہوئی تھی۔مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ ٹی وی اسکرین پر نگاہ جماتے ہوئے یکدم ہی والیوم بڑھانے لگا تھا۔

یہ میرے سینے کی دھڑکنیں تم سے میں کیا کہوں

یہ میری سلجھی سی اُلجھنیں تم سے میں کیا کہوں

کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار، دیا جلے آ جاتا ہے اعتبار

ہر پل لگے وہ کرتا ہے انتظار، دل پر نہ ہوتا ہے اختیار

کتنی گرفت میں لینے والے ڈھنگ تھے۔کیسے رنگ تھے جو چار سُو پھیلتے چلے جا رہے تھے۔عفنان علی خان کی بھوری آنکھوں کی چمک اس لمحے کتنی سوا ہو گئی تھی۔جیسے بہت سے جگنو یکدم ہی کہیں جل اُٹھے تھے۔جیسے پل میں سارا ماحول تابناک ہو گیا تھا۔انابیہ شاہ کے لیے وہ صورت حال کس قدر متنازعہ تھی۔کتنی حیرت سے وہ اس لمحے اس شخص کی سمت دیکھ رہی تھی۔

یہ دیا جلتا رہے یہ کبھی بھی بجھ نہ سکے

دنیا میری اب تم سے ہے تم سے ہے دنیا میری

انابیہ شاہ کو لگا تھا، اس لمحے عفنان علی خان جیسے عالم مدہوشی میں ہو۔ جیسے اک دیوانگی نے اسے اپنے پنجوں میں جکڑ کر بے بس کر دیا ہو۔ وہ اس کی سمت اسی طرح ساکت سی دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔ شاید وہ انابیہ شاہ کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر حیران ہوا تھا یا پھر مسرور۔ آنکھوں کی بے تحاشا چمک کے ساتھ اس لمحے اس کے لبوں پر اک دلفریب مسکراہٹ کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

یہ میری عجب خواہشیں تم سے میں کیا کہوں

یہ میری تنہا سی محفلیں تم سے میں کیا کہوں

کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار، دیا جلے آ جاتا ہے اعتبار

ہر پل لگے وہ کرتا ہے انتظار دل پر نہ ہوتا ہے اختیار

تکرار یکدم ہی بڑھنے لگی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا، انابیہ شاہ نے یکدم ہی مزاحمت کی تھی اور اُٹھنا چاہا تھا۔ جب عفنان علی خان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انابیہ شاہ اس گستاخی پر یقیناً حیران ہوئی تھی۔ چونک کر اسے دیکھا تھا مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ ٹی وی کا والیوم کم کرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ کے لیے یہ شخص سدا سے ایک اُلجھن رہا تھا اور اب بھی وہ اسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی تھی جب وہ اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''بات سنگین ہے انابیہ شاہ! مگر اتنی نہیں ہے کہ تم مجھ سے خوفزدہ......'' بہت دوستانہ مسکراہٹ اس لمحے اس کے لبوں پر تھی۔ پل پل رنگ بدلتا تھا وہ شخص۔ پل پل اپنے اختیار میں کر لیتا تھا۔ کیا اسم تھا اس کے پاس؟ انابیہ شاہ اسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب وہ مسکرایا تھا۔

''اگر مجھے علم ہوتا کہ تم اس قدر خوفزدہ ہو جاؤ گی تو میں وہ بات جو تم سے شیئر کرنے جا رہا ہوں، شاید کبھی نہ کرتا۔'' انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔ انابیہ کے لیے اب بھی وہ شخص، اس کی باتیں معمہ تھیں۔ عفنان علی خان نے بہ غور نگاہ کی تھی اس پر۔ پھر جیسے ترس آ گیا تھا۔ شاید تبھی وہ قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

''انابیہ شاہ! معاملہ شاید تمہیں اتنا گمبھیر نہ لگے مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ کم از کم اس شخص کے لیے تو قطعاً نہیں جو اس صورت حال سے دو چار ہو۔'' جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جب حیرتوں میں گھری ہوئی تھی۔ شاید تبھی وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''چلو بات آسان کیے دیتے ہیں۔ تو بات اتنی سی ہے انابیہ شاہ! کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ آئی مین، تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔'' اس نے یکدم اظہار مدعا کیا تھا۔

''کس ضمن میں؟'' انابیہ شاہ کی ست رنگی آنکھوں میں حیرت بہت واضح انداز میں تیر رہی تھی۔

"دوستانہ امداد، فقط چھوٹی سی رعایت۔"

انابیہ شاہ نے کسی قدر اُلجھن سے پُرنظروں سے اسے دیکھا تھا پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"عفنان علی خان! تمہیں نہیں لگتا، تم بہت پیچیدہ باتیں کرنے کے عادی ہو۔ اب تک تم نے جو کچھ بھی کہا وہ میری سمجھ میں کم ازکم بالکل بھی نہیں آیا۔ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟...... کہنا کیا چاہتے ہو تم؟ وہ جو تم کہہ رہے ہو یا پھر وہ جو تم کہہ نہیں پا رہے ہو؟" کسی قدر پُر اعتماد انداز سے وہ اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... جو بات میں کہنا چاہتا ہوں، کہہ نہیں پا رہا ہوں۔ لیکن یہ تم مجھے اس طرح گھور کیوں رہی ہو؟" اپنی بات وہیں چھوڑ کر وہ یکدم مسکرایا تھا۔ بھوری آنکھوں میں شرارت بہت واضح تھی۔ جیسے وہ جان بوجھ کر بات کو طول دے رہا ہو۔ انابیہ شاہ زچ سی ہو کر رُخ پھیر گئی تھی جب وہ بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا بولا تھا۔

"انابیہ شاہ! جو کچھ بھی ہوا بہت جلدی میں اور اچانک ہوا۔ میں شاید ابھی اس کے لیے تیار نہ تھا۔ فرار کے راستے مجھے مرغوب کبھی نہیں رہے مگر اس ضمن میں، میں کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کر پایا اور مجھے ان بندھنوں کا پابند ہونا پڑا جن کے لیے فی الحال میں تیار نہیں تھا۔ دیکھو بڑی سمپل سی بات ہے۔ ایک مرد ہونے کے ناتے مجھے ہر طرح کا حق حاصل ہے مگر تب صورت حال ایسی تھی کہ میرے پاس جیسے کوئی اور آپشن بچا نہ تھا۔ مگر اب......" وہ کسی قدر روانی سے کہتا ہوا یکدم اُلجھنوں میں گھر گیا تھا۔ انابیہ شاہ اسے بہ غور دیکھ رہی تھی۔ وہ لب بھینچ کر دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر انابیہ شاہ کی سمت مکمل توجہ سے تکتا ہوا بولا تھا۔

"تم سے مدد مانگنے کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ تم بالواسطہ یا بلاواسطہ اس معاملے سے جڑی ہو۔ آئی مین لامعہ کی دوست ہونے کے ناتے۔ تم دونوں غالباً بچپن سے ساتھ ہو۔ بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ مابین موجود ہوگی۔ مجھے اسی انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ انڈر اسٹینڈنگ میرے پاس نہیں ہے۔ میں لامعہ کے اتنے قریب کبھی نہیں رہا۔ کبھی اس طور اسے دیکھا نہیں۔ جاننے کی خواہش کبھی دل میں ابھری ہی نہیں۔ سو وہ میرے لیے ایک اجنبی دیس کی کوئی اجنبی کہانی جیسی ہے۔ کوئی اجنبی دو چار سرسری سی ملاقاتوں میں مل کر جتنا کسی دوسرے اجنبی کو جان سکتا ہے اتنا ہی میں لامعہ حق کے متعلق جان پایا ہوں۔ یہ بڑی فطری سی کنڈیشن ہے۔ ایسا ہونا کوئی عجب نہیں۔ وہ میرے قریب تھی مگر میں نے اس کی طرف کبھی دیکھا نہیں، کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ مگر اب...... اب میں چاہتا ہوں انابیہ شاہ! تم اس ضمن میں میری مدد کرو۔ تم بہترین دوست ہو اس کی۔ اس کے متعلق تم سے بہتر کوئی اور نہیں جان سکتا۔" وہ کہہ کر رُکا تھا۔ انابیہ جو اسے بہ غور دیکھ رہی تھی، چونکی تھی۔

"اور......"

وہ چونکا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"انابیہ شاہ! زندگی یوں نہیں گزرتی۔ تمہیں نہیں لگتا، بہت مشکل ہے یہ، جس کے متعلق آپ سرے سے کچھ جانتے ہی نہ ہوں

اس کے متعلق کوئی اہم ترین فیصلہ کرلیں۔ زندگی بسر کرنے کی بات تو بہت دور کی ہے انابیہ شاہ! میں تو اس کے متعلق سوچتے ہوئے بھی عجب اُلجھن محسوس کررہا ہوں۔ تمہاری طرف میں یونہی نہیں بڑھا۔ میں جانتا تھا تم وہ واحد فریق ہو جو یہ گتھی سلجھا سکتی ہو اور تمہیں میری مدد کرنا ہوگی انابیہ شاہ! کیونکہ میں اجنبی راستوں پر سفر کرنا نہیں چاہتا۔ بہت مشکل ہوگا یہ میرے لیے۔ لامعہ حق سے تعلق فقط ایک فیملی کا فیصلہ تھا۔ میری مرضی، رائے اس میں قطعاً بھی شامل نہیں رہی۔ میں نے بس مہر ثبت کی ان فیصلوں پر جو مجھے سنائے گئے تھے۔ اگرچہ یہ جبری اقدام نہ تھا۔ کسی طرح کا دباؤ نہ تھا۔ میں کس طرح آزاد بھی تھا مگر بعض اوقات دوسروں کی خوشی کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور اب جب کہ فیصلے سرزد ہو چکے ہیں، مجھے اندیشوں نے آن گھیرا ہے۔ انابیہ شاہ! مجھے نہیں لگتا ایسا تعلق بہت پائیدار ہوسکتا ہے جس میں ایک فریق دوسرے فریق کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔ پیچیدگیاں تو ہوسکتی ہیں نا۔ اب نہ سہی بعد میں سہی۔ بات ایک عمر کی ہے انابیہ شاہ! اور یہ زندگی دوبارہ نہیں ہے۔" بہت ہولے سے اپنا مدعا بیان کر کے اس نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے بہ غور اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر میں اس میں کیسے کارآمد ہوں؟ آئی مین، میں کیسے ہیلپ آؤٹ کرسکتی ہوں تمہیں؟ میں تو تمہیں بھی زیادہ نہیں جانتی۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ بولی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ بھوری آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"لیکن جان تو سکتی ہونا تم...... آئی مین، تم لامعہ حق کو تو جانتی ہونا۔ ہم دونوں کے بیچ انڈر اسٹینڈنگ ڈی ویلپ کر تو سکتی ہونا۔" ہولے سے مسکراتے ہوئے درخواست کی تھی۔ انابیہ شاہ کی خاموشی سے اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ جیسے وہ اس تمام معاملے پر از سرِ نو غور کر رہی تھی۔ یا پھر شاید صورت حال کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے اُلجھن میں دیکھا تو مسکرا دیا تھا۔

"اس میں مشکل کہاں ہے انابیہ شاہ؟"

"آسانی بھی تو کہیں نہیں۔"

"یعنی تم اس استدعا پر غور بھی نہیں کروگی......؟" بہ غور تکتے ہوئے نگاہوں میں کسی قدر بے چینی سمٹ آئی تھی۔

"ایسا میں نے کہا نہیں۔" انابیہ شاہ نے پہلی بار بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔

"لیکن کیا ایسا ہو بھی نہیں سکتا؟"

"ایسا میں نے ابھی سوچا نہیں۔" انابیہ شاہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"یعنی تم...... تم اس کے متعلق سوچ سکتی ہو؟"

"شاید...... شاید نہیں۔" وہی بے نیازانہ انداز تھا۔

عفنان علی خان کی آنکھوں میں خدشے ابھر آئے تھے۔

"رفیوز کروگی؟"

"مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں، اس کے متعلق فیصلہ اتنی آسانی سے نہیں ہوسکتا۔"

''یعنی تمہیں لامعہ سے کوئی انسیت نہیں؟''

''بلیک میل کر رہے ہو مجھے؟'' انابیہ شاہ یکدم مسکرائی تھی۔

عفنان علی خان نے اس لڑکی کی آنکھوں کو بہ غور دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

''بالکل گہری خاموش جھیل جیسی ہو تم۔'' انداز یکدم ہی بدلا تھا۔ انابیہ شاہ چونکی تھی۔ پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''اور لامعہ حق میرے جیسی بالکل بھی نہیں ہے۔ ہے نا، یہی کہا تھا نا تم نے؟'' عفنان علی خان کی سمت بہ غورت تکتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔

''عفنان علی خان! تمہارا مجھے اس سے اور اسے مجھ سے کمپیئر کرنا میری بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔ یقیناً ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔ مگر الگ الگ شخصیتوں کے مالک ہیں۔ اور تم شاید، بہر حال یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ لامعہ حق مجھے بہت عزیز ہے۔ اس کی خاطر میں یہ مدد کر سکتی ہوں۔ مگر اس سے قبل مجھے لامعہ حق سے بھی بات کرنا ہو گی۔ یا پھر تم اسے اس سے مخفی رکھنا چاہتے ہو؟'' مکمل اعتماد کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی وہ مسکرائی تھی۔

''تم نے سب کچھ واضح کر کے یقیناً اچھا کیا۔ ورنہ......''

''ورنہ کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ اس لمحے بڑی ہلکی پھلکی نظر آ رہی تھی۔ اس اظہارِ مدعا کے بعد یقیناً اس کا یہ نیا روپ اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ کسی قدر مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس سے قبل وہ واقعی اس سے کسی قدر خوفزدہ تھی۔ مگر اب اس کا اعتماد بتا رہا تھا کہ وہ اس کا اعتبار حاصل کر چکا تھا۔ اب یقیناً صورت حال اس کے حق میں ہی ہونا تھی۔ وہ ناکام نہیں رہا تھا۔ قربتیں کچھ ہاتھ تو لگی تھیں۔ سب کچھ بھی رہا ہو وہ اس لمحے انابیہ شاہ کے قریب تو تھا اور فی الحال اس کے لیے یہ احساس کافی تھا۔

☆......☆......☆

سید اذہان حسن بخاری، عزیر کے ساتھ کھڑا تھا جب ساہیہ خان خاصے عجیب و غریب انداز میں اسے اسکائی بلیو کلر کا جدید تراش خراش کا لہنگا ہاتھوں سے قدرے ٹخنوں تک اُٹھائے، جوتے ہاتھ میں اُٹھائے سیڑھیاں اُترتی دکھائی دی تھی۔ انداز کسی قدر پُر وحشت تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بنا اِرد گرد کی پرواہ کیے چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔ پہلی فرصت میں ہاتھ میں پکڑے جوتے زمین پر ڈالے تھے۔ پھر دوسرے ہاتھ میں تھما چھوٹا سا پرس اس کی سمت بڑھایا تھا۔

''ذرا پکڑو اسے۔ یہ دوپٹہ بھی نا۔'' کسی قدر اکتاہٹ کے ساتھ وہ بھاری کام والے دوپٹے کو شانے پر سے ہٹا کر عجیب وحشت سے گھورنے لگی تھی۔ ''کیا کروں اس کا؟...... یہ پھپھو کو بھی جانے کیا سوجھی، نکال کر یہ لہنگا تھما دیا۔ کہاں تجربے ہیں مجھے ایسی ہیوی ڈریسنگ کرنے کے۔ کتنی آکورڈ لگ رہی ہوں نا میں۔ منع بھی کیا تھا مگر مانی ہی نہیں، پکڑ کر مذاق بنا دیا۔ جوکر لگ رہی ہوں پوری۔ اب اگر کہیں

لڑکھڑا کر گر گرا گئی تو مجھے سنبھالے گا کون؟ یہ پھپھو بھی نا مذاق بنانے پر تلی بیٹھی ہیں۔ دکھانا چاہتی ہیں شاید کیلگری سے یہ عجوبہ آیا ہے۔'' وہ حسب معمول بے تکان بول رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ ہنسا تھا۔

''ہنس کیوں رہے ہو؟...... کیا تمہیں بھی میں عجوبہ لگ رہی ہوں؟'' ساہیہ نے خائف نظروں سے اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے پر تھیں۔

''اب اس دوپٹے کا کیا کروں؟'' وہ سوا تین گز سے بھی طویل بھاری بھر کم دوپٹے کو بدستور ہاتھ میں لیے پریشان حال کھڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ اذہان حسن بخاری سے کوئی حل مانگ رہی تھی یا فقط مشورہ۔ اذہان حسن بخاری نے اسے چند ثانیوں تک بہ غور دیکھا تھا پھر کسی قدر لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔

''سوری...... ہیلپ لیس ہوں اس معاملے میں۔ یکسر انجان اور قطعی نابلد۔ لیکن شاید تمہیں پہلے یہ جوتے پہن لینے چاہئیں۔ اس سے کم از کم یہ ہوگا کہ اس لانگ اسکرٹ کی لمبائی کسی درجہ کم ہو جائے گی۔'' اس نادر و نایاب مشورے پر ساہیہ نے اسے کسی قدر گھورتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اذہان! یہ لانگ اسکرٹ نہیں ہے۔ غالباً لہنگا کہتے ہیں اسے۔'' حد درجہ پراکتاہٹ انداز میں وہ اسے مزید گھورنے کا ارادہ موقوف کرتی ہوئی اپنی سینڈل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ پھر اپنی جانب بہ غور دلچسپی سے تکتے ہوئے اذہان حسن بخاری کی سمت وہ طویل بھاری بھر کم دوپٹہ بڑھایا تھا۔

''تم ذرا اسے پکڑو۔''

اذہان حسن بخاری کے لیے یہ تجربات یقیناً بہت نئے اور انوکھے تھے۔ شاید تبھی وہ اپنے ان دونوں ہاتھوں کی سمت قدرے حیرت سے دیکھ رہا تھا جن میں ساہیہ خان کا ننھا منھا سا پرس اور بھاری بھر کم طویل دوپٹہ تھما تھا۔ مگر اس سب کے باوجود اس کی دلچسپی کا تسلسل ٹوٹا نہیں تھا۔ وہ ساہیہ خان کو جھکے سینڈل پہنتے ہوئے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ وہ سینڈل پہن کر سیدھی ہوئی تھی۔ مسکراتے ہوئے اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔

''تھینکس۔ آئیڈیا اچھا تھا تمہارا اس لانگ اسکرٹ کی لمبائی کو کم کرنے کا۔ اگر اس میں میرا پاؤں اُلجھ گیا تو؟'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اب تم مجھ سے یہ فریاد مت کرنا کہ میں تمہیں تھام لوں۔''

''اذہان!'' اس کی شرارت پر وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''اب اس دوپٹے کا میں کیا کروں؟'' اذہان حسن بخاری نے اپنے ہاتھ میں تھمے اسکائی بلیو بھاری بھر کم دوپٹے کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اور تب شاید ساہیہ کو اپنی حماقت کا اندازہ ہوا تھا۔ کسی قدر عجالت سے فوراً اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیا تھا۔

''تم نے کبھی لڑکیوں کو دوپٹہ اوڑھے نہیں دیکھا؟'' غالباً اپنی خفت مٹانے کو وہ کسی قدر ڈپٹنے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری بہت محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرایا تھا۔

''سوری، میں نظر باز قطعاً واقع نہیں ہوا۔'' آنکھوں میں حد درجہ شرارت لیے وہ گویا ہوا تھا۔ ساہیہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر اپنے نازک سے ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ اذہان حسن بخاری ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ اپنی خفت مٹاتے ہوئے اسے گھورنے لگی تھی۔

''میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ تم نے یہاں لڑکیوں کو دوپٹے اوڑھے دیکھا ہوگا...... کیسے اوڑھے جاتے ہیں ایسے بھاری بھرکم دوپٹے؟''

''میرا مطلب بھی یہی تھا کہ تم قطعاً ایک نابلد شخص کے سامنے کھڑی ہو۔ شاید تمہیں اسے گلے میں رکھنا چاہیے۔ ایک طرف کا پلو آگے کی طرف اور دوسرا گردن کی طرف سے بل دے کر پیچھے کی طرف۔'' بہت ماہرانہ مشورے سے نوازا تھا۔ ساہیہ اس کی ہدایات کو بہ غور سنتے ہوئی عمل پیرا ہو چکی تھی۔

''کیسے؟ ایسے......؟'' خاصے بے ڈھنگے انداز میں اس نے چادر کی طرح اس آنچل کو اپنے گرد لپیٹا تھا۔ اذہان حسن بخاری بے ساختہ ہنسا تھا۔ ساہیہ جیسے زچ ہوگئی تھی۔

''اذہان......!''

اور تب اذہان حسن بخاری کے لیے اس کی مدد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

''یہ پکڑو۔'' اس کا ننھا سا پرس اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ پھر اس کے اس دوپٹے کو تھاما تھا اور کچھ اس طرح تہہ کیا تھا کہ سائیڈز کا دلکش بارڈر نمایاں ہو گیا تھا۔ دوپٹے کو اسی مہارت سے اس کے بائیں شانے پر گردن کے قریب دھرا تھا۔ پھر باقی ماندہ دوپٹے کو گردن کے رُخ پر گھما کر پیچھے کی طرف ڈال دیا تھا۔ صراحی دار گردن میں نیلے رنگ کے دوپٹے کی بہت واضح لکیر بن کر ایک دلکشی عطا کر گئی تھی۔ بھاری دوپٹے کو سنبھالنے کی ذمہ داری جیسے اب ختم ہوگئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہت مہارت سے سمیٹا تھا اس دوپٹہ کو۔ جب وہ اس کے قریب ہو کر یہ کام انتہائی مہارت سے کر رہا تھا، ساہیہ خان بہت دلچسپی سے اسے بہ غور دیکھ رہی تھی۔

''اِٹ لکس بیٹر ناؤ۔'' ایک ناقدانہ زاویے سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''تھینکس! تم نے میری مشکل حل کر دی۔ ورنہ اگینے پھپھو نے تو پھنسا دیا تھا مجھے آج۔ اینی ویز، لگ کیسی رہی ہوں میں؟ یہ لپ اسٹک کا شیڈ اس سوٹ کے ساتھ آکورڈ تو نہیں لگ رہا؟'' وہ کچھ اس انداز سے اس سے دریافت کر رہی تھی جیسے وہ ان کاموں میں مکمل طور پر ماہر ہو۔ اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

''کیا ہے......اس طرح کیوں ہنس رہے ہو؟ فقط دریافت ہی تو کیا ہے۔ ایک ناقدانہ نظر ڈال کر بتا نہیں سکتے۔''

''تم شاید بھول رہی ہو۔ میں تمہارا میل فرینڈ ہوں۔'' مسکراتے ہوئے باور کرایا تھا۔

''ہوں ...... دوست تو ہونا۔ اب فی الحال یہاں کوئی اور دستیاب ہے نہیں۔ اور بائے دی وے کیا میل دوست نظر نہیں رکھتا یا پھر سنس لیس ہوتا ہے؟'' وہ کسی قدر ڈپٹتی ہوئی بولی تھی۔ اذہان اسے تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ پھر سر تا پا اس پر ایک بھرپور ناقدانہ نگاہ ڈالی تھی۔

''ہوں، ٹھیک ہے۔ ناٹ بیڈ۔'' لب بھینچ کر سوچتے ہوئے رائے زنی کی تھی۔ ساہیہ خان جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''اگر میں نے تمہاری جگہ ایک فی میل فرینڈ بنائی ہوتی تو یقیناً میں بہت فائدے میں ہوتی۔ اینی ویز، تھینکس فور دی کمپلیمنٹ۔ میں آئینہ دیکھ لوں گی۔''

''میں جو تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟'' لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے وہ سینے پر ہاتھ باندھے مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔ ''چاہو تو آئینہ بنا لو، اپنا عکس دیکھ لو، اپنا روپ رنگ سنوار لو، چاہو تو......''

''اذہان! میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی۔'' وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہوگی غالباً۔ آئینہ تاب کہاں لا سکے گا اس حسن کرشمہ ساز کی۔ چکنا چور ہو جاؤں گا میں تو اک لمحے میں۔ اگر آئینہ ہوا تو۔'' شرارت اس کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ ساہیہ نے پہلے تو اسے گھور کر کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا پھر ہنس دی تھی۔

''چالاک ہو گئے ہو...... باتیں بنانا خوب آ گئی ہیں۔ بچپن میں تم یقیناً ایسے نہ تھے۔'' جتایا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''بچپن میں تو تم بھی چوہیا سی ہوا کرتی تھیں۔ بقراطی چشمے والی چوہیا۔''

''اور تم؟'' ساہیہ نے اس کی سمت اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی تھی۔

''میں اس وقت بھی بہت ہینڈسم تھا۔ یاد ہے، وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ سویرا جو مجھے دیکھ کر چل رہی تھی، کھلے ہوئے گٹر میں گر گئی تھی۔'' مسکراتے ہوئے یاد دلایا تھا۔ ساہیہ لب بھینچ کر مسکراتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''ایسا اس لیے ہوا تھا اذہان حسن بخاری! کہ تم نے جان بوجھ کر اس کا چشمہ چھپا دیا تھا۔'' ایک لمحے میں اس کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا مگر وہ بدمزہ ہونے کی بجائے کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔ ساہیہ خان اسے دیکھتی ہوئی مسکراتی رہی تھی۔

''تم بالکل بھی نہیں بدلے ہو اذہان حسن بخاری!'' سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

''اور تم......'' بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ ''یقیناً بہت بدل گئی ہو۔''

ساہیہ اپنے سلکی بالوں کو کان کے پیچھے کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''چلیں اب۔ باہر لان میں سب منتظر ہوں گے۔''

''ہوں۔'' اذہان سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

ساہیہ خان اب بھی اس بھاری بھرکم ڈریس میں کمفرٹیبل فیل نہیں کر رہی تھی۔ داہنے ہاتھ سے اب بھی وہ لانگ اسکرٹ نما شے اس نے قدرے اوپر اٹھائی ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود جانے کیا ہوا تھا کہ پاؤں لڑکھڑا گیا تھا۔ اذہان جو اس کے ساتھ چلتے ہوئے بدستور دلچسپی

سے اسے دیکھ رہا تھا غالباً اس کی سمت سے کسی ایسی کی حماقت کی توقع کر رہا تھا۔ توجہ اس پر مرکوز تھی۔ تبھی فوراً اسے سہارا دے کر تھام بھی لیا تھا۔

''تھینکس!'' ساہیہ کسی قدر خجل سی ہو کر سنبھلی تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ غالباً تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ لیکن بی کیئرفل۔ یہاں سے باہر نکل کر تمہیں سنبھالنے والا اتنا مضبوط سہارا دستیاب نہیں ہوگا۔''

''کیوں...... کہاں جا رہے ہو تم؟'' کسی قدر حیرت سے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس نازک اندام لڑکی کو بہ غور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''کیوں ساتھ جانا چاہتی ہو؟'' چھوٹی سی شرارت کی تھی۔ ساہیہ نے جواباً گھورا تھا۔

''عجب تو کچھ نہیں۔ دل ہی تو ہے۔ مچل بھی تو سکتا ہے نا۔ اک سہانے سفر کے لیے، کسی بھرپور رفاقت کے لیے، چاند کے تمنائی انہی زمینوں پر ہی تو بستے ہیں۔'' وہ ایک بار پھر چھیڑ رہا تھا اور ساہیہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

''بہت خوش فہم ہو رہے ہو۔ کہاں کے پرنس آف ویلز ہو؟''

''ہوں تو نہیں مگر بن تو سکتا ہوں، کسی کے دل کا۔ حکمرانی کے وصف بھی تو نرالے ہیں۔''

''اذہان!'' مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔

''منظر دلکش ہوں تو بھٹکنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔ اختیار کے زاویے کمزوریوں میں بھی تو گھر سکتے ہیں۔''

''اذہان! تم چاہتے ہو میں تمہارے پاس سے چلی جاؤں؟''

''نہیں۔ غالباً میں تو تمہاری مشکل حل کرنے کے لیے یہاں موجود ہوں۔ کہو تو بانہوں میں اُٹھا لوں۔'' آنکھوں میں بھرپور شرارت تھی۔

''اذہان!''

لیکن وہ ہنس دیا تھا۔

''سوچ لو، میں تو تمہارے فائدے کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔ چلنا دشوار ہو رہا ہے کسی قدر تم سے۔''

''ڈونٹ وری اباؤٹ می اینی مور۔ میں چل سکتی ہوں۔''

''پھر بھی سہارے کی ضرورت تو پڑے گی۔''

''نہیں پڑے گی۔'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے باور کرایا تھا اور وہ مسکرایا۔

''چلو، جہاں تک ممکن ہو سکے، ساتھ چلتے ہیں۔''

''اور اس سے آگے؟'' ساہیہ مسکرائی تھی۔

''آگے کی فکر ابھی سے نہیں کرنا چاہیے۔ اندیشے ڈرانے آجائیں گے۔''

''اندیشوں سے ڈرتے ہو؟'' نگاہ اُٹھا کر دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''نہیں......آج تو جینا چاہتا ہوں۔'' بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''اور کل؟''

''جو آیا نہیں اس کی فکر کرنا فضول ہے۔'' انداز سرسری تھا۔

''کس نے بتایا تمہیں؟'' مسکراتے ہوئے لمبے چوڑے ساتھ چلتے شخص کو دیکھا تھا۔

''تمہاری آنکھوں نے۔'' جواب بہت برجستہ اور بھرپور تھا۔ ساہیہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

''جانتی ہو مجھے تمہارے اس لانگ اسکرٹ نے رعایت دے دی۔ ورنہ ابھی تم اگر اسے تھام کر چل نہ رہی ہوتیں تو ایک مکا میرے شانے پر جما چکی ہوتیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور ساہیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

☆......☆......☆

یہ تعلق کیا تھا؟ درمیان کیا تھا؟......وہ کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔ یہ سب تو دور کی بات، وہ شخص کیا تھا؟ وہ تو ابھی تک اسے ہی سمجھ نہ پائی تھی۔

کتنا دقیق تھا وہ، ریاضی کے سوالوں کی طرح اُلجھا ہوا۔ شاید اس نے باضابطہ اسے سلجھانے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی ضرورت محسوس کی تھی۔ اگر وہ اس سے ایسا رویہ روا رکھتا تھا تو شاید کچھ غلطی اس کی بھی تھی۔ اسے کوئی ردِعمل ضرور چاہیے تھا۔ اتنا تو جتانا چاہیے تھا کہ وہ کیا ہے اور اس کی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ مگر اس نے جتایا تو تھا اور کیا انجام ہوا تھا اس کا؟

میرب سیال کی نگاہ اپنی اس کلائی پر گئی تھی جہاں اس کی آہنی انگلیوں کا نشان اب بھی ثبت تھا اور وہ؟

اس روز کے متعلق سوچ کر ہی وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ کون سا روپ تھا اس کا؟ کون سا ڈھنگ تھا؟ اسے تو کوئی واقفیت تک نہ تھی۔ اس کے وصف کیسے تھے کبھی جان ہی نہ پائی تھی۔

شاید وہ کسی قدر انتہا پسند تھا۔

شاید بااختیاری کا زعم حد درجہ تھا۔

شاید تبھی ساری دنیا اس کے لیے بڑی ثانوی سی اہمیت رکھتی تھی۔

شاید وہ تو اسے اپنی رعایا لگتی تھی۔ بے یار و مددگار۔ اس پر انحصار کرتی ہوئی۔ مکمل طور پر اس کے اختیار میں۔ اور یہ کسی طور سچ بھی تو تھا پاپا کے فیصلے نے اسے اس درجہ محکوم بنا دیا تھا اور نہ وہ مزاحمت کی ہمت تو رکھتی تھی اور مزاحمت تو اب بھی کر سکتی تھی۔ جس سبب اس نے یہ قید قبول کی تھی اس سزا کو سہنے کا مقصد کیا تھا۔ وہ سبب اب موجود نہ رہا تھا۔ پاپا کے باعث اس نے خود کو پابند کیا تھا اور اب ماشاءاللہ وہ رُو بصحت تھے۔ ایسے میں وہ کوئی فیصلہ تو کر سکتی تھی۔ ہر طرف سے کان بند کر کے فقط اپنے اندر کی بھی تو سن سکتی تھی کہ جینے کا حق تو اسے بھی

حاصل تھا۔

کم از کم اسے یہ تو سوچنے کا حق تھا کہ وہ اتنی ارزاں نہیں۔ اتنی بے وقعت نہیں۔ اس کی بھی کوئی حیثیت ہے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا رویہ کچھ بھی رہا ہو، فیصلہ بہر حال اسے لینا تھا۔ وہ مزید کسی آزمائش سے گزرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس رشتے کے متعلق سوچتی رہی تھی۔

پاپا سے بھی ملنے گئی تھی تو آنسو خود بخود آنکھوں سے امڈ امڈ آ رہے تھے۔

''بیٹا! کیا ہوا پاپا کی جان کو؟'' پاپا نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

''اوں ہوں۔'' اس نے فوراً سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑی تھیں۔

''بس آپ کو دیکھ کر پاپا! آئی لو یو پاپا!'' وہ جانے کیوں بہت کم ہمت ہو رہی تھی۔ انداز انتہائی شکستہ تھا۔ لیکن وہ پاپا کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی تبھی کچھ دیر بیٹھنے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اُٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ زوباریہ اسے اہم ترین معلومات دینے لگی تھی۔

''تمہارے پاپا کی خواہش کے عین مطابق تمہارے لیے ورجینیا میں ایک گھر خرید دیا ہے اور مین ہٹن والا اپارٹمنٹ تو آل ریڈی تمہارے نام ہے۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی زوباریہ؟''

''ضرورت نہیں، اسے خواہش کہتے ہیں۔'' زوباریہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔ ''تمہارے پاپا کی خواہش ہے یہ۔ انہوں نے اپنے سوئس اکاؤنٹ کو تم دونوں بہن بھائی کے نام مختص کروا دیا ہے۔ جسے ایک مخصوص مدت پوری ہونے کے بعد تم دونوں حاصل کر سکو گے۔''

''زوباریہ!'' وہ ساکت رہ گئی تھی۔ جانے کیسے اندیشوں نے یک دم اسے آن گھیرا تھا۔ دل ایک دم ہی مٹھی میں آ گیا تھا۔ آنکھوں کی نمی بڑھنے لگی تھی۔

''زوباریہ! میرے لیے پاپا اور میری فیملی ہی سب کچھ ہے۔ آپ پاپا سے کہہ دیں، ہم مل کر رہیں گے، ایک گھر میں، ایک چھت تلے، ہنسی خوشی رشتوں کی ڈور میں بندھے۔ رشتے اہم ہوتے ہیں زوباریہ! یہ دھن دولت کسی شے کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ آپ پاپا کو منع کر دیں۔''

زوباریہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میرو! ہم نے جو کچھ بھی کیا وہ کچھ عجب نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے اور انشاء اللہ ٹھیک رہے گا۔ خدا تمہارے پاپا کو سلامت رکھے، زندگی دے۔ مگر میرو! ایسے معاملات ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو انہیں ان کے لیے بہتر لگتا ہے۔ یہ تمہارے پاپا کی خواہش تھی۔ تم اسے ایک باپ کی طرف سے تحفہ سمجھ لو۔ مگر یہ کوئی بٹوارہ یا جائیداد کی تقسیم نہیں ہے۔ تمہاری رخصتی میں تو ابھی دیر ہوگی، مگر بیٹیوں کی حقیقت تو فقط زبان سے نکالنے تک کی ہوتی ہے۔ کہاں نہیں اور پرائی ہوئی نہیں۔ والدین اپنی اولاد کو لے کر جہاں فکر مند ہوتے ہیں وہیں ان کے سہانے اور روشن مستقبل کو لے کر خواب بُنتے اور انہیں تعبیریں بخشنے کی کوششیں کرتے

ہیں۔سمجھ لو، تمہارے پاپا بھی ابھی سے تمہاری رخصتی کی تیاریوں میں جت گئے ہیں۔ بہت خوشی سے وہ ایک ایک خواب بُن رہے ہیں۔میرا نہیں خیال کہ تمہیں اس میں کوئی اعتراض ہونا چاہیے۔تم کل میرے ساتھ چل کر وہ تمام پراپرٹی دیکھ لو جو مظہر نے تمہارے لیے خریدی ہے۔'' زوباریہ کسی درجہ حلاوت سے مخاطب تھی۔

اور وہ تو کبھی اس کے قریب آئی بھی نہ تھی۔کبھی آنا چاہا ہی نہ تھا۔بس ایک سرد مہری کی چادر اپنے چار سو لپیٹے، اس تعلق سے دور بھاگتی رہی تھی۔دانستہ فرار کی راہیں تلاشتی رہی تھی۔

''کیا ہوا؟...... کچھ پریشان ہو تم؟'' زوباریہ نے اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوتے ہوئے پوچھا تھا۔وہ چونکی تھی پھر بہت ہولے سے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ فانی کا ایڈمیشن یہیں کروا رہی ہیں؟''

''ہاں۔'' زوباریہ نے بہت مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔''دراصل تمہارے پاپا کے باعث ہمیں کچھ عرصہ تک یہیں قیام کرنا ہوگا۔تم تو جانتی ہو پاکستان میں وہ سہولیات حاصل نہیں جو یہاں کے ہسپتالوں میں ہیں۔ایک میجر سرجری کے بعد احتیاط کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔خدانہ کرے کسی طرح کی کوئی کمپلیکیشن واقع ہو۔مگر احتیاط پھر بھی ضروری ہے۔زیادہ دیر نہیں مگر جتنا عرصہ یہاں رہیں گے، فانی فارغ رہے گا اور یہ کسی بھی طرح بہتر نہیں اس کے لیے۔یہ ڈی سی ژن بھی تمہارے پاپا کے ہی کہنے پر لیا ہے میں نے۔'' زوباریہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

میرب سیال اپنی جگہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔یقیناً اس کے قیاس غلط ثابت ہوئے تھے۔اس کی سوچوں نے خودرو جھاڑیوں کی مانند اس کے ذہن میں جگہ بنائی اور زوباریہ اس کا چہرہ ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھی اور پاپا کی جانب بڑھ گئی تھی۔وہ وہیں کھڑی سوچ رہی تھی، اسے ہوٹل واپس جانا چاہیے یا پھر فانی سے ملنے بروک لین۔وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی جب وہ شخص اسے دکھائی دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مضبوط قدم اُٹھاتا ہوا اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔وہ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا اسے۔پھر گویا ہوا تھا۔

''میں سیال صاحب سے مل کر آتا ہوں...... تم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔'' عجب تحکم تھا اس کے لہجے میں۔میرب سیال نے اس شخص کی سمت دیکھنا چاہا تھا۔شاید کوئی ردعمل بھی دینا چاہا تھا۔مگر وہ اسی سرعت سے آگے بڑھ گیا تھا۔

کتنی دیر وہ وہیں کھڑی رہی تھی۔بنا کوئی فیصلہ کیے، بنا کسی حکم کو مانے۔اور کیوں مانتی؟ پابند تو نہ تھی۔کیا سمجھتا تھا وہ؟ کیا اپنی قطار میں لگی کھڑی مہ جبینوں میں سے کوئی ایک یا پھر اپنی رعایا کا کوئی فرد؟

کیا تھی وہ اس کے لیے؟

سر جھکا کر کلائی پر نگاہ کی تھی۔جہاں اس کی آہنی گرفت کے نشان اب بھی اسی طور ثبت تھے۔وہ وہیں خود میں اُلجھی کھڑی تھی

جب سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں دوبارہ لوٹ آیا تھا۔اسے وہاں موجود پا کر کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا اسے۔میرب سیال اس کی سمت جانے کیوں تکنا نہیں چاہتی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔پھر بہت ہولے سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا اس کی سمت متوجہ ہوئے اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا اور وہ جو ایک قدم بھی اُٹھانا نہیں چاہتی تھی جانے کیوں اس کے سنگ کھنچتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لے جا کر گاڑی میں بٹھایا تھا پھر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اب کیا ارادہ تھا اس کا؟

کیا کرنے جا رہا تھا وہ؟

اس کے حوالے سے ہر آنے والا پل اسے حیرت سے دوچار کرتا تھا۔

پراسرار تھا وہ شخص اس کے لیے۔اسے سمجھنے کا دعویٰ تو دور وہ تو اس کے رویوں کو سمجھنے کی استطاعت بھی نہ رکھتی تھی۔کس قدر حیرت سے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت نگاہ کی تھی۔مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

''تمام ضروری فائلز کو دیکھ لیجیے گا۔یہ اسائنمنٹ بہت اہم ہے ہمارے لیے۔سب کام مسٹر چاولہ کو سمجھا دیا ہے میں نے۔میری ساری اپوائنٹمنٹ کینسل کروا دیجیے۔نو اینی میٹنگ۔نو اینی بزنس اسائنمنٹ۔کچھ دنوں تک آپ مجھے بالکل ڈسٹرب نہیں کریں گے۔آئی ایم ٹیکنگ لیو فرام اینی ہیڈک۔کوئی بھی مسئلہ ہو مجھ سے قطعاً رجوع مت کیجیے گا۔تمام ضروری فائلز سائن کر دی ہیں میں نے۔اہم ترین میٹنگز بھی نمٹالی ہیں۔'' وہ جانے کس سے مخاطب تھا۔شاید کسی ماتحت سے......شاید......

میرب سیال نہ جان پائی تھی۔مگر اس کی ہونے والی گفتگو سے اسے کچھ اسی طرح کا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ غالباً اہم ترین امور سے رخصت لے رہا تھا۔مگر کیوں؟

میرب سیال کی نظریں اپنے قریب بیٹھے سبکتگین حیدر لغاری پر مرکوز تھیں۔کتنی قربت تھی۔کتنے قریب تھا وہ۔فقط ایک ہاتھ کا فاصلہ یا شاید اس سے بھی کم۔ہاتھ بڑھاتی تو پل میں سارے فاصلے سمٹ جاتے۔ہاتھ میں ہاتھ آتا تو کوئی دُوری باقی بچتی ہی نہیں۔

مگر کتنا کج ادا تھا یہ شخص۔

کس قدر بے مہر تھا۔

قربتوں کی کہانیاں لکھنے والے لمحے اس کے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے درمیان جیسے خواب تھے۔ایسے خواب جو فقط خواب ہوتے ہیں۔جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

وہ اسی طرح بدستور اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب وہ فون کر کے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟''اس کی کسی انجانی اُلجھن کا پتہ چاہا تھا۔

میرب سیال یکدم چونکی تھی۔پھر فوراً ہی چہرہ پھیر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔پھر بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک ہاتھ کو تھام لیا تھا۔میرب سیال کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔چونک کر وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔اس نے ان روشن آنکھوں کو کبھی اس سے قبل اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔کبھی توجہ کی ہی نہیں تھی۔نظر ملی بھی تھی تو بہت سرسری انداز میں وہ دیکھ کر رخ پھیر لیتی تھی۔وہ خوفزدہ نہیں تھی۔مگر وہ کبھی اس کی جانب اس طرح دیکھ بھی نہ پائی تھی۔ان آنکھوں کو اس طور دیکھ نہ پائی تھی جس طرح آج دیکھ رہی تھی۔شاید کوئی رنگ خاص تھا ان آنکھوں میں۔شاید وہ آنکھیں تھیں ہی ایسی، یا پھر......

میرب سیال کا دل یکبارگی بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

اب کیا؟

کیا کرنے جا رہا تھا وہ؟

اب کیا ارادے تھے اس کے؟

وہ تو اک نگاہِ غلط انداز بھی اس پر کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔نگاہ ملتی بھی تھی تو انداز حد درجہ سرسری ہوتا تھا۔اور آج......کس درجہ فرصت سے وہ اس کی جانب مائل تھا۔

کس درجہ توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کیا تھا یہ؟

کوئی التفات؟

کوئی نوازش؟

یا پھر کوئی اور ستم۔

''کیا ہوا؟......اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''بہت توجہ سے پوچھتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی اور چہرے کو چھوا تھا۔''ہر طرح کی فکر اور پریشانی سے خود کو آزاد کر لو اور......اور اُلجھنوں میں گھرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے ایسے مخاطب تھا جیسے برسوں کے مراسم ہوں اور کبھی کسی طرح کا کوئی تفاوت رہا ہی نہ ہو۔جیسے قربتوں کے کئی باب ان کے درمیان درج ہوں اور شناسائی اپنے عروج پر ہو۔کبھی کوئی سدِ راہ ان کے درمیان پڑی ہی نہ ہو۔کوئی فاصلہ مابین رہا ہی نہ ہو اور......

''زندگی بہت دلکش ہے غالباً۔اس میں فقط دلکشی ہونی چاہیے، رعنائی ہونی چاہیے۔اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے کو صدیاں پڑی ہیں اور صدیوں تک کون جیا ہے؟ ان آنے والی صدیوں کی فکر کرنے سے کہیں بہتر یہ نہیں کہ ان موجودہ لمحوں کو صدیوں پر محیط کر دیا جائے۔

اک اک پل پر، اک اک لمحے پر اک نئی کہانی لکھی جائے، دلکشی کی، رعنائی کی، لطافتوں کی۔ کیا خیال ہے؟'' اس کے چہرے کو ہولے سے چھوتے ہوئے وہ کسی درجہ توجہ سے مخاطب تھا اس سے۔ سپاٹ چہرے کی کیفیت کتنی مختلف تھی۔

لبوں پر کیسی مسکراہٹ تھی۔

کیا کیا ہونے جا رہا تھا؟

کیا کرنے والا تھا وہ؟

پھر کوئی نیا وار؟

یہ انداز تو نہ تھے اُس کے۔ ایسے تیور تو نہ تھے۔ یہ آج اسے کیا ہو رہا تھا؟...... سردار سبکتگین حیدر لغاری کہیں پاگل تو نہیں ہو رہا تھا؟

گاڑی تیزی سے فراٹے بھر رہی تھی۔

''کک...... کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' اس نے بدلتے رستوں پر نگاہ کر کے کسی درجہ خوفزدہ انداز میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

وہ بہت رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔ پھر بہت توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''ایک نئے جہاں کو ڈسکور کرنے...... اک نئی دنیا کے سفر پر۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مطمئن تھا۔ جیسے کوئی معمول کی بات ہو۔ میرب سیال نے کس درجہ حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

''کیا...... کہاں؟ کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' کوشش کے باوجود وہ اپنے اندر کے تغیر پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ ہراساں سی اس لمحے وہ کسی قدر بے بسی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھ رہی تھی۔ جب کہ اس شخص کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔ کتنی توجہ سے اس لمحے اس پر نگاہ کی تھی۔ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا اور پھر اسی درجہ اطمینان سے گویا ہوا تھا۔

''کہا تو ہے۔ اک نئی دنیا کے سفر پر ہنی! اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے؟''

میرب سیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی اور تب وہ اسی درجہ اطمینان سے اس کی طرف تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''اینی پرابلم؟''

اس نے جیسے میکانکی انداز میں اس کی سمت یک ٹک تکتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ عجب ہونق انداز تھا۔ وہ اس لمحے مکمل طور پر اپنا اعتماد گنوا چکی تھی۔

''آر یو اوکے؟...... میرا مطلب ہے اچھا محسوس کر رہی ہو؟'' وہ ایک بار پھر نوازشوں کی بارش کرتا ہوا انتہائی دلکش انداز میں گویا تھا۔ جیسے اس سے بڑا اس کا کوئی ہمدرد اس ساری روئے زمین پر نہ ہو۔ اور میرب سیال کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔ وہ جیسے سمجھ نہ پا رہی تھی کہ اس لمحے میں اسے کس طرح کا ردِعمل ظاہر کرنا چاہیے۔ وہ جیسے اس لمحے مکمل طور پر خالی الذہن تھی۔ جیسے تمام کی تمام عقل سر پر

پاؤں دھر کے رخصت ہو چکی تھی۔ پتہ نہیں اس شخص کا، اس کی شخصیت کا رعب ہی اتنا تھا یا پھر صورت حال ہی اتنی حیران کن تھی کہ فوری طور پر وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ حالانکہ اتنی بے وقوف یا ہونق وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ مگر اس شخص کے سامنے جانے کیوں وہ کبھی بھی اپنی شخصیت کا مکمل اعتماد ظاہر نہیں کر پائی تھی۔ جانے وہ اس معاملے میں مرعوب تھی یا کنفیوژ یا پھر خوفزدہ۔

وہ اسی کیفیت میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی جانب دیکھ رہی تھی جب وہ بولا تھا۔

''آر یو سکیئرڈ؟''

تب اس لمحے یکدم ہی میرب سیال کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ اتنی اثر پذیر کیسے واقع ہوئی تھی۔

''تو پھر؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور تکتے ہوئے جواز چاہا تھا اور تب جانے کیوں وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔ جانے کیوں ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ زبان جیسے قوتِ گویائی کھو چکی تھی۔ گاڑی تیزی سے ایئر پورٹ کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا تھا۔ کیا ہونے والا تھا۔

اس شخص کا اگلا قدم کیا تھا۔ وہ شاید اخذ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی منصوبہ سازی، اس کی سوچ سے بھی سوا تھی۔

اس کی سوچوں تک رسائی جیسے ناممکن تھی۔

عجب دھوپ چھاؤں سا شخص تھا۔ عجب مزاج تھا اس کا۔ نہ سمجھ میں آنے والا۔ کتنے رنگ تھے اس کے اور ہر رنگ پہلے سے کتنا مختلف تھا۔ وہ سوچتی بھی تو کبھی سمجھ نہ پاتی۔ شاید اس شخص کو اس کے لیے ایک معمہ ہی رہنا تھا۔ وہ اسے کبھی بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ چاہتی بھی تو نہیں۔ بہت الجھا ہوا شخص تھا وہ۔ ریاضی کے سوالوں سے بھی کہیں زیادہ اُلجھا ہوا۔

اور وہ......وہ جیسے بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ پورا وجود جیسے اس لمحے شل سا لگ رہا تھا۔ ہمت جیسے ناپید تھی۔ وہ احتجاج تو کیا کرتی وہ تو اس سے نگاہ ملا کر کچھ دریافت کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی تھی۔ نگاہِ حیران سی تھی اور زبان گنگ۔

کتنی آہستگی سے اس نے اس لمحے اپنے بے ہمت وجود کو جنبش دے کر سر سیٹ کی پشت پر ڈالا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔

یقیناً وہ مزاحمت نہیں کر سکی تھی۔

اختلاف رائے نہیں کر سکی تھی۔

یہ اس کے بس کی بات شاید نہیں تھی۔

☆......☆......☆

محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ شاید تبھی عفنان علی خان کو اپنے سارے اقدام حق پر نظر آ رہے تھے۔ شاید یہ انسانی فطرت ہے۔ یہ بات سائیکی سے ری لیٹ ہے۔ انسان کا پرسنل انٹرسٹ اس کی پہلی ترجیح قرار پاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب جاں اپنی مشکل میں

ہو تو کسی اور طرف کی فکر قطعاً نہیں ستاتی۔ آگ جب اپنے گھر میں لگی ہو تو سد باب کے لیے پہلا خیال اپنے ہی گھر کا آتا ہے۔ سارے اقدامات اس لمحے میں اپنے مفاد کے لیے عمل میں آتے ہیں۔ فکر اس لمحے فقط اپنی ستاتی ہے۔ ہزاروں تدبیریں سوچی جاتی ہیں فی الفور اس تکلیف اور پریشانی سے نجات کے لیے۔ دنیا کی کوئی فکر باقی نہیں رہتی۔ کہیں بھی کچھ بھی ہو رہا ہو، کسی طرح کی مصیبت آجائے، کوئی بھی خطرہ عود کر آئے، کوئی انوکھی واردات ہو جائے، کوئی سانحہ گزر جائے، کہیں کوئی قیامت آجائے۔ مگر فکر پھر بھی اپنے گھر کی ہی ستاتی ہے۔

عفنان علی خان کے لیے بھی اپنی جان کی اضطرابیت کو جھیلنا اور سہنا آسان نہ تھا۔ بہت مشکل میں تھی جان۔ اور تمام تر نگاہ فقط اپنی جان پر مرکوز تھی۔ پہلی ترجیح اس کی اپنی ذات تھی۔ معاملہ بھی تو دل کا تھا۔ اور دل کتنی مشکل میں تھا۔ پھر کیسے اقدامات کی فکر نہ ستاتی۔

شاید یہ کسی قدر خودغرضی کے زمرے میں آتا تھا۔ مگر اس کے سوا جیسے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

غلط اور صحیح کی فکر ان معاملات میں قطعاً نہیں رہتی۔ سب ثانوی نظر آتا ہے۔ فقط اپنا آپ صحیح نظر آتا ہے۔ اور عفنان علی خان کے لیے بھی فقط اپنا آپ اہم تھا۔ اپنا دل اہم تھا۔ اپنی جان اہم تھی۔ باقی سب ثانوی نظر آرہا تھا۔ کسی جھوٹ پر شرمندگی نہ تھی۔ کسی اقدام پر کوئی پشیمانی نہ تھی۔ سب حق پر نظر آرہا تھا۔ کوئی کچھ بھی کہتا اسے قطعاً فکر نہ تھی۔

سمندر کی وسعتوں کو بہ غور تکتے ہوئے وہ یقیناً اس لمحے اس ماحول کا حصہ نہ تھا۔ لامعہ حق نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے بولی تھی۔

"عفنان علی خان! کہاں ہو تم؟"

"ہوں......" وہ بے طرح چونکا تھا پھر اس کی سمت تکتے ہوئے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔ ایک رسمی سی مسکراہٹ پل میں لبوں کا حصہ ہوئی تھی۔

"یہیں تو ہوں۔"

"پھر میرے ساتھ کیوں نہیں ہو؟" لامعہ حق نے مدھم لہجے میں جیسے جتایا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے ساتھ ہی تو ہوں۔" لہجہ مدھم اور کھویا کھویا سا تھا جیسے اس لمحے اسے خود کی کچھ خبر نہ تھی۔

"تو پھر میرے ساتھ کیوں نہیں ہو؟" لامعہ حق نے بہت مان سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے شگفتہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ وہ نگاہ پھیرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا\
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لہجہ بہت مدھم تھا۔ جیسے کوئی بے خبر سی مدھم سرگوشی۔ لامعہ حق نے بہ غور نگاہ کی تھی اس پر۔

"کچھ گمشدہ سے لگ رہے ہو؟"

عفنان علی خان اس سوال پر چونکا قطعاً نہیں تھا۔ نہ ہی کسی طرح کی کوئی حیرت اس کے چہرے کا حصہ ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح بے فکری سے سمندر کی وسعتوں پر نگاہ مرکوز کیے رہا تھا۔ مگر اک دھیمی سی مسکراہٹ اس لمحے اس کے چہرے کا حصہ ضرور ہوئی تھی۔ اس کی جانب دیکھے بغیر اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو

میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری

عجب کھویا کھویا سا انداز تھا۔ جیسے اسے اپنے اردگرد سے کچھ واسطہ نہ ہو۔ جیسے اپنے آپ کی کچھ فکر نہ ہو۔ کچھ خبر نہ ہو۔ جانے کس دیس کا اسیر تھا وہ۔

جانے کن جہانوں میں بس رہا تھا۔

"خیریت؟...... کہیں کسی نے چرا تو نہیں لیا تمہیں مجھ سے؟" لامعہ حق نے بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان بہت بے فکری سے مسکرا دیا تھا۔

"ایسی سنگین غلطی کوئی نہیں کر سکتی۔ بے فکر رہو۔"

"اور جو اس وقت تمہارے ساتھ ہے؟" لامعہ حق کا سوال بہت واضح تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھری تھی۔

"اُسی کے ساتھ تو ہوں۔" انداز بہت مسرور تھا۔

"اور میں؟" لامعہ حق کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ مگر سیاہ گھور آنکھوں میں بہت سے خدشے آن ٹھہرے تھے جن کی یقیناً کوئی فکر محترم عفنان علی خان کو قطعاً نہیں تھی۔ شاید تبھی ان لمحوں میں اس شخص کے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا...... کیا سننا چاہتی ہو تم؟" وہ اس کی سمت بہت توجہ کے ساتھ تکنے لگا تھا۔ انداز دلچسپ ترین تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

"کیا کھو گئے تم؟" لامعہ حق بھی دوسری سمت کمزور قطعاً نہیں پڑی تھی۔ لبوں پر وہ دلربا مسکراہٹ اسی طور رکی رہی تھی۔

"مجھے کیا کہنا چاہیے لامعہ؟" عفنان علی خان نے اُلٹا سوال کر کے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"کچھ بھی۔ مگر کوئی جھوٹ نہیں۔"

"کوئی دلفریب، جاں گسل جھوٹ بھی نہیں؟ دل کچھ تو بہلنا چاہتا ہوگا۔" زیرلب مسکراتے ہوئے لامعہ حق کو دیکھا تھا۔ جواباً لامعہ حق نے اسے چند ثانیوں تک اسی طرح دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں عفنان علی خان! دل ناداں ضرور ہے مگر اتنا بھی نہیں۔ شوق کی منزلیں بے شمار سہی مگر خرد کہتی ہے سب کچھ مان لو۔ یہ

ضروری بھی نہیں۔"

عفنان علی خان کو جیسے اس درجہ مدلل جواب کی امید اس کی جانب سے نہیں تھی۔ شاید تبھی وہ اس کی سمت تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تم کب سے خردمندی کے اشاروں پر چلنے لگیں لامعہ حق؟" اس کی حیرت یقیناً سوا تھی۔

"کیوں......تم مجھے اس درجہ کم عقل جانتے ہو؟"

عفنان علی خان نے لب بھینچ کر چند ثانیوں تک جیسے سوچا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"یقیناً نہیں۔ حسن کو جھٹلانے کی سعی یقیناً میں نہیں کر سکتا۔ میں ہی کیا، کوئی بھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔"

"اب یقیناً تم ڈپلومیسی سے کام لے رہے ہو۔" وہ مکمل اعتماد سے مسکرائی تھی۔

"اوں ہوں......اسے میانہ روی کہتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا اور پھر ہنس دیا تھا۔ "بائے دی وے، تم کیا چاہتی ہو؟"

"کہوں تو کیا جان لو گے؟" وہ شگفتگی سے مسکرائی تھی۔

"شاید۔" عفنان علی خان نے سر پُر خیال انداز میں ہلایا تھا۔

"شاید نہیں۔" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا پھر لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیرا تھا اور نگاہ سمندر کی وسعتوں پر جما دی تھی۔

"یہ معاملات بہت عجیب ہوتے ہیں عفنان علی خان! شاید تم جان نہ پاؤ۔ کہنا یا جتانا کبھی کبھی بہت بے وقعت کر دیتا ہے۔ بہت بے معنی لگتا ہے ایسے میں سب کچھ۔"

وہ بہت آہستگی سے اُٹھی تھی اور چلتے ہوئے سمندر کی لہروں کے سنگ ہو لی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا۔ دل اس جانب مائل قطعاً نہ تھا مگر اس لمحے توجہ کے در بند رکھنا جیسے اسے روا نہ لگا تھا۔ شاید کسی مروت کے ساتھ ہی سہی، وہ اس لمحے اُٹھا ضرور تھا اور چلتے ہوئے اس کے سنگ جا ملا تھا۔

"یہی......یہی منشا تھی ناول کی؟" اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اس لمحے اس کے ہم قدم تھا۔ مگر لامعہ حق نے کسی قدر پُر اُلجھن نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ شاید وہ اس کے جملے سے کچھ اخذ نہ کر پائی تھی۔ عفنان علی خان بہت بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"ہم قدم رہوں......تمہارے ساتھ رہوں۔ قدم قدم سنگ رہوں۔ لمحہ لمحہ سنگ چلوں۔" وہ جیسے اپنے کسی اسم سے جیسے غیب کے بھید پا گیا تھا۔ لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا مگر نظر کے کسی زاویے سے نہ لگا تھا کہ وہ کہیں کسی بات سے مرعوب ہوئی ہے یا حیرت نے اسے چار سمتوں سے آن گھیرا ہے۔ وہ بولی بھی تھی تو انداز ہ بہت بے فکر تھا۔

"اس میں عجب بات کیا ہے عفنان علی خان؟ جو تعلق تم میں اور مجھ میں ہے اسے دیکھا جائے تو یہ بات کچھ اتنی انوکھی بھی نہیں۔"

اس نے مکملطور پر اسے رد کیا تھا۔ مگر عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"باندھ کر رکھنا چاہتی ہو اپنے پلو سے؟......اپنا پابند رکھنا چاہتی ہو؟"

"آزاد چھوڑ دوں گی تو یہ بھی تو مناسب نہ ہوگا۔" وہ بہت شگفتگی سے مسکرائی تھی۔ "تم کیا چاہتے ہو کہ تمہیں آزاد چھوڑ دیا جائے؟ بندھے ہوئے بندھنوں سے کسی قدر نالاں ہو؟ رہائی چاہتے ہو؟ اسیری سے وحشت ہو رہی ہے؟" انداز بہت سرسری تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" عفنان نے پوچھا تھا۔

"مجھے؟...... مجھے لگتا ہے عفنان علی خان! تم......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا پھر جانے کیوں لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

عفنان علی خان بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"کہو نا...... رک کیوں گئیں؟ میں منتظر ہوں سننے کے لیے۔ کسی سنسنی خیز انکشاف کے لیے۔ کسی الزام کے لیے۔ حوصلہ ہے مجھ میں۔" وہ اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

لامعہ حق نے اب کے کسی قدر سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"تم بہت مشکل شخص ہو میرے لیے عفنان علی خان! مجھے یقین ہے مجھے گنوا کر تمہیں کسی طرح کا کوئی پچھتاوا نہیں ستائے گا۔ تم بہت سکون میں رہو گے یقیناً۔" اس نے جیسے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے اور اس لمحے عفنان علی خان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"تمہیں کس نے بتائی یہ بات؟"

مگر لامعہ حق کچھ نہیں بولی تھی۔ چہرے کا رُخ پھیرے ساحل کی لہروں کے سنگ چلتی رہی تھی۔

"سنو، کسی نے بہت غلط اطلاع دی ہے تمہیں کہ تم خفا ہو کر غصے میں اچھی لگتی ہو۔" اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ اسی طرح چہرے کا رُخ پھیرے رہی تھی۔

"جانتی ہوں۔"

"کیا؟" عفنان علی خان نے دلچسپی سے بہ غور اسے دیکھا تھا۔

"تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں۔"

عفنان علی خان بہت بے ساختہ ہنسا تھا۔

"افسوس، ابھی ایسی کوئی پلاننگ میں نے کی نہیں۔ جب اس کے متعلق سوچوں گا تو سب سے پہلے تمہیں مطلع کروں گا۔ امید ہے تم چانس مس نہیں کرو گی۔ یقیناً ایک گولڈن اپرچونٹی ہو گی یہ تمہارے لیے۔"

وہ سنجیدگی سے اسے منانے پر بضد نظر آ رہا تھا۔

"تم فور بیڈ رومز کا سپر لگژری اپارٹمنٹ بڑے آرام سے بک کروا سکو گی۔ اس سے زیادہ کے متعلق سوچنا مت۔ دل کے والوز (خانے) اس سے زیادہ ہوتے نہیں۔ سو اس سے زیادہ کی کوئی رعایت میں تمہیں دینے سے قاصر ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ لبوں پر بکھرتی مسکراہٹ کو وہ اس لمحے روک نہیں سکی تھی۔

''باتیں بنانا تو بہت خوب آتی ہیں۔''

''اس کے علاوہ بھی کئی گڈ کوالٹیز ہیں مجھ میں۔تم نے شاید کبھی غور نہیں کیا۔کبھی فرصت ملے تو سوچنا۔''

کس قدر مدھم سرگوشی کی تھی۔

''میں تمہارے بارے میں سوچوں اور تم؟''

''اوہ گاڈ، یہ لڑکیاں بھی۔دل کے چار کے چار کمرے تمہیں لکھ کر دینے کو تیار بیٹھا ہوں اور تم اک ذرا سا اعتبار تک نہیں کر سکتیں۔''

''تمہارا کوئی بھی انداز اعتبار سونپنے والا نہیں ہے عفنان علی خان! ہر اقدام سے کج روی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔''

لامعہ حق کا موڈ بحال ہو چکا تھا اور وہ اس لمحے مسکرا رہی تھی۔عفنان علی خان نے اس کی سمت لب بھینچ کر جیسے ہزار ضبط سے دیکھا تھا پھر اسی خاموشی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور گاڑی کی سمت بڑھنے لگا تھا۔لامعہ حق اس اقدام پر حیران ضرور ہوئی تھی مگر بولی کچھ بھی نہیں تھی۔جو بھی تھا، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ اچھا ضرور لگ رہا تھا۔دل میں آرزو یہی جاگی تھی، یہ ساتھ ہمیشہ یونہی قائم رہے۔یہ ہاتھ یونہی ہاتھ میں رہے اور یہ خواب آسا لمحے کبھی ختم نہ ہوں۔

پتہ نہیں ایسا ممکن تھا بھی کہ نہیں۔

☆......☆......☆

ساہیہ خان اس شور اور ہنگامے کی عادی نہ تھی۔اگینے کے خیال سے وہ لڑکیوں کے درمیان بیٹھ تو گئی تھی مگر ڈھولک کی تھاپ اور بے ڈھب آوازوں نے اسے خاصا بدمزہ کر دیا تھا۔وہ دھیانی میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی جب عین سامنے قدرے کچھ فاصلے پر اسے سید اذہان حسن بخاری، فارحہ کے ساتھ کھڑا نظر آیا تھا۔اس طرح جم کر ایک جگہ پر بیٹھنا اس کی فطرت میں نہ تھا۔سو اسے دیکھ کر ایک لمحے میں اس کے چہرے پر زندگی دوڑ گئی تھی۔وہ فوراً اُٹھی تھی اور اس کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

''تھینک گاڈ! تم نظر آ گئے۔ورنہ میری برداشت جواب دے چکی تھی۔چلو فوراً نکلو یہاں سے۔'' اس کا بازو تھام کر وہ عجلت سے پُر انداز میں بولی تھی۔اذہان حسن بخاری نے ماں کے سامنے خجل سا ہو کر اس کی سمت دیکھا تھا۔تبھی شاید ساہیہ خان کو بھی اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا۔کسی قدر خجل ہو کر ساہیہ نے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟''

فارحہ بہ غور دلچسپی سے اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی پھر اس کے گال کو بہت ہولے سے تھپتھپاتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم کچھ اُلجھن میں نظر آ رہی ہو۔خیریت؟''

''جی، وہ بس ایکچوئیلی اتنا شور ہضم نہیں ہوتا مجھ سے۔''

''تو سیدھے سے کہو نا، تم آنٹی کے اس ہینڈسم، ڈیشنگ بیٹے کے ساتھ گھومنے جانا چاہتی ہوں۔'' اذہان حسن بخاری نے

مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ ہنس دی تھی۔

''کم آن،اب میری مجبوری سے اتنا زیادہ فائدہ بھی مت اُٹھاؤ۔میں تمہیں کسی طرح کا جھوٹ بولنے کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتی اور وہ بھی اتنا بڑا جھوٹ۔''

''جھوٹ؟''اذہان حسن بخاری بے طرح چونکا تھا۔''یہ جھوٹ ہے۔''اذہان حسن بخاری کا ارادہ شاید اسے تنگ کرنے کا تھا۔مگر اس لمحے ساہیہ خان زچ ہو گئی تھی۔

''تم چلو یہاں سے۔اس کا فیصلہ ہم بعد میں کرلیں گے۔بائے آنٹی۔''اُسے کھینچتی ہوئی وہ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔

باہر نکل کر اس نے کھلی فضا میں ایک گہرا سانس لیا تھا اور ماحول کی تمام لطافتوں کو جیسے اپنے اندر اُتارا تھا۔

''تھینک گاڈ۔''اس نے سر اُٹھا کر آسمان کی وسعتوں کو اک نظر دیکھا تھا۔اذہان حسن بخاری نے اسے کسی قدر دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے......لیکن یہ میرا بازو کیا یونہی تھامے رہنے کا ارادہ ہے؟''دھیمے سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں۔میں فقط یہ کنفرم کرنا چاہ رہا تھا اگر ارادہ بدستور تھامے رکھنے کا ہے تو میں ذہنی طور پر تیار ہو جاؤں۔''وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔اس لمحے آنکھوں میں ایک شرارت رکی ہوئی تھی۔

ساہیہ خان مسکرائی تھی پھر داہنے ہاتھ کا ایک مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ساتھ ہی کسی قدر خجل ہو کر اس کے بازو کو اپنی گرفت سے رہا کر دیا تھا۔

''نہیں۔میرا مطلب یہ قطعاً نہ تھا۔بازو تھامے رکھ سکتی ہو مگر کتنی دیر؟''وہ شرارت سے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔بلیک سوٹ کے ساتھ ماؤف شرٹ اور ڈارک ٹائی میں وہ اس لمحے خاصا وجیہہ لگ رہا تھا۔ساہیہ اسے تکتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری!تم چالاک ہو گئے ہو۔مگر یہ اسمارٹنس یہاں کام نہیں آنے والی۔ساہیہ خان جیسی لڑکی کم از کم تمہاری باتوں میں نہیں آنے والی۔یہ جال کہیں اور جا کر بچھاؤ۔''

''اچھا؟''وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

''تمہیں کس نے کہا میں یہاں کوئی جال بچھا رہا ہوں؟''

''تمہاری باتوں نے۔''ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''اور آنکھیں؟''اذہان حسن بخاری نے بہ غور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

''آنکھیں......''لمحہ بھر کو سوچا تھا پھر شانے بہت بے فکری سے اچکاتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ایسا تجربہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔''

''کوئی ارادہ بھی نہیں ہے؟'' دھیمے لہجے میں دریافت ہوا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ خان زچ ہو گئی تھی۔لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''اب اگر کوئی اول فول بکی تو میں تنہا کہیں چلی جاؤں گی۔'' تنگ کرنے پر باقاعدہ دھمکی دی تھی۔

''کیسے؟......تمہیں تو یہاں کے راستوں کی بھی خبر نہیں۔''

''اب اتنی بھی ڈفر نہیں ہوں میں۔بچپن انہی گلیوں میں گزرا ہے۔'' ساہیہ بے فکری سے مسکرائی تھی۔

''ہاں۔مگر اب کافی کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہویں۔اور تمہیں میرے ساتھ کی عادت بھی تو ہے۔''

''عادت؟'' وہ بے طرح چونکی تھی۔''غالباً آپ اس جگہ لفظ''ضرورت'' استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔اُردو خاصی کمزور ہے آپ کی۔'' اس نے تصحیح کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''جانا کہاں ہے؟''

''کیا مطلب جانا کہاں ہے۔کسی بھی پُرسکون جگہ۔گاڑی نکال لو۔کچھ اور نہیں تو لانگ ڈرائیو کے متعلق ہی سوچ لو۔اب کیا یہ سب کچھ بھی تمہیں میں ہی بتاؤں؟''

''نہیں۔میں دراصل سفر کے متعلق سوچ رہا تھا۔تمہارا سفر تو یقیناً بہت شاندار کٹے گا۔مگر مجھے کسی قدر سفر ضرور کرنا پڑے گا۔اُردو والا نہیں،انگریزی والا۔'' آنکھوں میں شرارت لیے مسکرا رہا تھا۔

''تمہیں احساس نہیں ہے شاید،اب ہم بڑے ہو چکے ہیں۔'' جانے کیا جتانا چاہا تھا۔مگر اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......مگر وہ زمانہ فراموش نہیں کر سکتا جب میں ایک انتہائی معصوم بچہ تھا اور تم مجھے ہمیشہ ڈومینیٹ کیا کرتی تھیں۔'' اس کا جواز بہت بچکانہ تھا۔ساہیہ خان بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''اور سارے حساب کتاب اب پورے کرو گے؟''

''کیا حرج ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے بے فکری سے شانے اُچکائے تھے۔''موقع ہی اب دیا ہے تم نے۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔

''میں نے نہیں،تمہیں وقت نے موقع ہی اب دیا ہے۔'' ساہیہ نے وضاحت دی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔اب یا تب۔''

''بدلہ لو گے مجھ سے؟''

''معاف کر دوں گا تو یقیناً یہ اقدام مناسب نہ ہوگا۔'' گاڑی کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

''آہ،تم بچپن کی باتوں کو اب تک دل سے لگائے بیٹھے ہو؟'' ڈرائیونگ سنبھالتے ہوئے اس شخص کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔

''تم اثر ہی اتنا گہرا چھوڑ گئی تھیں۔'' اذہان حسن بخاری اس کی سمت متوجہ نہیں تھا مگر اس کے لبوں کی مسکراہٹ اس لمحے کچھ گہری ہو گئی تھی۔ ساہیہ خان جیسی بااعتماد لڑکی نے اسے چند ثانیوں تک بہ غور دیکھا تھا۔ پھر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''بہت کچھ بدل گیا ہے نا یہاں۔'' شہر کے راستوں کو تکتے ہوئے غالباً وہ کسی قدر حیراں ہوئی تھی۔

''ہاں...... مگر اندر کے سارے زمانے اب بھی ویسے ہی ہیں۔ سارے موسم وہیں رکے ہوئے ہیں۔''

''اذہان!'' وہ جیسے اب ضبط ہار گئی تھی۔

''لے کر کہاں جا رہے ہو؟''

''دور کہیں۔ جہاں کوئی روکنے والا نہ ہو۔ جہاں کوئی ٹوکنے والا نہ ہو۔''

''شٹ اَپ اذہان!'' ساہیہ خان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

''اچھا چلو، تم بتاؤ، کہاں جانا ہے؟ میں کچھ کہوں گا تو پھر ڈانٹو گی۔''

''اتنا وقت گزر گیا ہے۔ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔'' ساہیہ نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

''لیکن مجھے تو سب کچھ یاد ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''اک بقراطی چشمے والی لڑکی تھی۔ اور وہ مجھے بہت ستاتی تھی۔'' وہ مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی تھی۔

''اور تم سارے حساب سے بے باق کرنے کی کوشش میں ہو۔''

''ہوں۔ زیادہ نہیں۔ مگر کسی حد تک تو۔'' وہ چھیڑنے سے باز نہیں رہا تھا۔

''شیم آن یو اذہان! تمہارے شہر میں مہمانوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے؟'' وہ ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی بہت جلترنگ بجاتی ہوئی تھی۔

''سبھی کے ساتھ تو نہیں۔ مگر کچھ خاص دوستوں کے ساتھ۔'' بہ غور نگاہ کی تھی۔

''ابھی کہاں لے کر جا رہے ہو؟'' ساہیہ نے موضوع بدلا تھا۔

''بتایا تو تھا۔'' وہ اسی بے نیازی سے مسکرایا تھا۔ مگر ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بھی مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ گاڑی سمندر کے کنارے روک دی تھی۔ ساہیہ بے طرح چونکی تھی۔

''تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ اس وقت میرا دل سمندر کے لیے چاہ رہا ہے؟'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔

''شاید سنا نہیں تم نے، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ مجھے وہ چھوٹی سی بقراطی چشمے والی لڑکی بھولی نہیں جو سمندر کے کنارے بیٹھ کر ریت کے گھروندے بنایا کرتی تھی۔''

''تم ایک بے رحم اور چالاک، انہیں ایک ہی وار میں ڈھا دیا کرتے تھے۔''

کتنا شوق تھا اسے ریت کے کچے گھروندے بنانے کا۔

اور کتنا بیر تھا اس لڑکے کو ان کچے گھروندوں سے۔

''تم لڑکیاں ہمیشہ کچے گھروندے ہی کیوں بناتی ہو؟'' بہ غور تکتے ہوئے دلچسپ سوال داغا تھا۔

''پتہ نہیں۔لیکن یہ خواب گھروندے بہت لطف ضرور دیتے ہیں۔'' ساہیہ نے اعتراف کیا تھا۔

''بے وقوفی۔سراسر بے وقوفی کے سوا یہ کچھ نہیں۔''

''شاید۔مگر خوابوں پر اختیار کسے ہوا ہے؟''

''تم خواب دیکھتی ہو؟''

''ہاں،کبھی کبھی۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔اس کے رخسار کا ڈمپل بہت واضح ہو گیا تھا۔

''اور تم؟'' سوالیہ نظروں سے اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔وہ مسکرا دیا تھا۔

''کبھی اتفاق نہیں ہوا۔'' شانے اچکائے تھے۔

''تم نے کوشش نہیں کی یا کسی خواب نے پلکوں پر کبھی دستک ہی نہیں دی؟''

وہ اس سوال پر محظوظ ہوتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ساہیہ خان اس کی سمت بہ غور تکنے لگی تھی۔پتہ نہیں اس نے گریز کیوں برتا تھا۔جواب دینے میں تامل کیوں برتا تھا۔مگر ساہیہ خان نے بھی اس لمحے میں اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔وہ اسی طرح خاموشی کھڑی سمندر کی وسعتوں کو دیکھ رہی تھی۔جب اچانک ہی آسمان پر چھائے ہوئے سیاہ بادلوں سے بوندیں گرنے لگی تھیں۔ساہیہ نے سر اُٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا تھا۔رات گہری تھی۔سیاہ بادل گھرے ہوئے تھے۔چاند تاروں کے چہروں پر ایک دبیز چادر کا پہرہ تھا۔ساہیہ خان کے چہرے پر موسم جیسے دلکشی کی ایک نئی کہانی لکھ گیا تھا۔

''آج چاند تاروں کا پہرہ آسمان پر نہیں۔'' بہت مسرور سی ہو کر اس نے جیسے خود سے ہی کوئی سرگوشی کی تھی۔اذہان حسن بخاری اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''انہیں خبر ہو گئی ہو گی کہ آج کوئی اس سمت نکلنے والا ہے۔'' انداز اور لہجہ بہت شگفتہ تھا۔ساہیہ خان بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''باتیں بنانے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتے یقیناً۔''

''تمہیں بارش اچھی لگتی ہے؟''

''ہوں۔اور تمہیں؟'' ساہیہ نے چہرے کا رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''بارش کسے اچھی نہیں لگتی ہو گی۔'' وہ شانے اچکاتا ہوا بے نیازی سے بولا۔

''مگر میں یہ پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ایک سحر پھونکتی ہوئی رات میں سمندر کا یہ کنارہ۔اور اس پر یہ بادلوں سے برستی شفاف پانیوں کی بوندیں، جیسے موسم کوئی دلکشی کی انوکھی داستان وقت کے چہرے پر ہولے ہولے لکھتا جا رہا ہو۔کتنا افسوں ہے ان منظروں میں۔ساری جان میں ایک جادو سا بھرنے لگتا ہے۔کوئی بہت ہی دلکش احساس ہے یہ جو کم از کم لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔جب وہ یکدم ہی ہنسا تھا اور ہنستا چلا گیا تھا۔

''تم بھی ساہیہ خان!......تم بھی عام لڑکیوں کی سی سوچ رکھتی ہو؟''

''کیوں......تمہیں حیرت کیوں ہے؟ اس میں عجب کیا ہے؟ کوئی بڑھک نہیں ماری میں نے۔کوئی انوکھا دعویٰ نہیں کیا۔پھر تمہیں کیسے لگا کہ میں کوئی انوکھی لڑکی ہوں، عام لڑکیوں سے ہٹ کر؟'' ساہیہ خان نے دریافت کیا تھا۔مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا اور سمندر کی شوریدہ سر لہروں کو بہ غور تکنے لگا تھا۔

''تمہیں سمندر اچھا لگتا ہے؟'' ساہیہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔کیوں؟''

''کیونکہ......'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔''کیونکہ یہ وسیع اور گہرا ہے۔''

''اور محبت؟'' ساہیہ خان نے اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''محبت۔'' وہ جیسے محظوظ ہوا تھا۔''تم محبت کے متعلق کیا جانتی ہو؟''

''کچھ زیادہ نہیں۔مگر شاید یہ کہیں نہ کہیں ضرور ہے۔کسی مخفی گوشے میں، کسی پوشیدہ لمحے میں، کسی بھید بھری چپ میں، کسی بادل کے ٹکڑے میں، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔''

''تمہیں اتفاق ہوا کبھی؟'' اذہان حسن بخاری نے محظوظ ہوتے ہوئے سوال داغا تھا۔

''کس بات کا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''محبت ڈھونڈنے کا۔اس کے تعاقب میں جانے کا۔''

''محبت کے تعاقب میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔یہ خود بہ خود تعاقب میں آ جاتی ہے، جس کے لیے یہ وقف ہوتی ہے۔'' اس نے مختصر جملوں میں ایک گہرا رنگ بیان کر دیا تھا۔اذہان حسن بخاری اسے بہ غور تکتا ہوا بولا۔

''اور اگر یہ تعاقب میں نہ آئے تو؟''

''یہ ہو نہیں سکتا۔محبت اپنے مطلوب کو ڈھونڈ لیتی ہے۔اس کے لیے اسے کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا۔اس کے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں۔جس طرح اور بہت سی چیزوں میں ہمارا حصہ مخصوص ہوتا ہے، اسی طرح محبت ہے۔محبت اپنا حصہ سونپنے ضرور تعاقب میں آتی ہے اور قسمت کا وہ حصہ سونپے بغیر واپس پلٹتی نہیں۔''

"کبھی اس نے تمہارا تعاقب کیا؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا اور وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"یہ تمہیں میں کیوں بتاؤں؟ کتنے منہ پھٹ شخص ہو تم اذہان حسن بخاری! کتنی بڑی بڑی باتیں عجب بے ڈھنگے انداز میں یوں پوچھ جاتے ہو جیسے روزمرہ کے موسم کے احوال کے متعلق دریافت کررہے ہو۔" ساہیہ خان نے چہرے پر پڑنے والی بوندوں کو ہاتھ کی پشت سے پونچھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"تم بتانے سے گریزاں ہو۔"

"شٹ اَپ اذہان حسن بخاری! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسا اب تک کچھ نہیں ہوا ہے۔" وہ پُراعتماد سی لڑکی اس لمحے جیسے خجل سی ہوگئی تھی۔

"کیوں؟...... کسی کی نگاہ نہیں پڑی تم پر یا تم نے کسی پر کبھی کوئی نگاہ نہیں کی؟"

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟" وہ اپنی دلکش مسکراہٹ چہرے پر لیے اس کی سمت پُراعتماد انداز سے تکنے لگی تھی۔

"یعنی محبت ابھی تمہارے تعاقب میں نہیں آئی۔" وہ باز نہیں آیا تھا۔

"اذہان!" اس نے جیسے زچ ہوکر اسے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔

"آں...... ں...... ں...... تو تم یہاں اس لیے آئی ہو؟" وہ بدستور اسی طرح چھیڑ رہا تھا۔ نگاہوں میں حددرجہ شرارت رکی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ یقیناً نہیں سمجھی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"جب محبت کبھی مطلوب کے تعاقب میں نہیں آتی تو مطلوب کو خود محبت کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔ ہے نا؟"

"شٹ اَپ اذہان!" وہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے گھورنے لگی تھی۔

"کہیں تمہیں کسی کی محبت ہی تو نہیں کھینچ لائی؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"کس کی؟...... کس کی محبت کھینچ کر لائے گی مجھے؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت پُراعتماد انداز میں اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

"ہوسکتا ہے مجھ جیسا کوئی ہینڈسم، یا پھر میں ہی۔" کوئی انوکھا قیاس کیا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"وہاٹ اے گڈ جوک اذہان حسن بخاری! تم نے سارے دن کی کوفت ایک پل میں رفع کردی۔ مگر سنو، یہ جوک دوبارہ مت سنانا۔ میں بدمزہ ہو جاؤں گی۔" اس کے چہرے پر شفاف بوندوں کے سنگ وہی شگفتہ سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ ازلی اعتماد اس کی آنکھوں میں تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرادیا تھا۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟"

"تمہارے اتنے اچھے جوک کے بعد یقیناً یہ ایک اضافی ٹریٹ ہوگی۔ کچھ میٹھی سی، کچھ کریمی سی۔"

"تو پھر بیٹھو گاڑی میں۔" اذہان حسن بخاری نے کہنے کے ساتھ ہی پیش قدمی کردی تھی اور تب ساہیہ خان نے بھی قدم اٹھانے شروع کردیئے تھے۔

☆......☆......☆

''کتنی بار آئی تھی وہ ان راستوں پر۔ کتنی بار اس نے ان مقامات کو دیکھا تھا۔ کوئی بھی جگہ نئی تو نہیں تھی۔ سارے منظر دیکھے بھالے تھے، یہی یورپ کی گلیاں تھیں۔ مگر تب وہ اس درجہ خوفزدہ نہیں تھی۔ دل اس درجہ لرز نہ رہا تھا۔ دھڑکنوں میں اتنا ارتعاش نہ تھا۔ وہ اس قدر خوفزدہ نہ تھی۔ شاید تب وہ اپنی فیملی کے ساتھ تھی۔ اس کے بہت سے اپنے اس کے ساتھ تھے۔ سارے مان دینے والے رشتے، سارے اپنا پن جتانے والے لوگ۔ اور اب۔''

عنایتوں کی کس درجہ بھرمار تھی۔ نوازشوں کا سلسلہ نہ تھمنے والا اور حیران کن تھا اور اس کا دل دہل رہا تھا۔

کوئی قدم قدم اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل بہلانے کے سامان ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے خوش کرنے کے جتن کر رہا تھا اور وہ خوش نہیں تھی۔

التفات کی تیز بارش تھی اور وہ پھر بھی جیسے صحرا کی دھوپ میں ننگے سر کھڑی جل رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تحائف کا ایک ڈھیر اس کے سامنے لگا دیا تھا۔ کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی تھی۔ ہر جگہ سے اس کے لیے کچھ نہ کچھ وہ لیتا رہا تھا۔

''ہنی! ہاؤ از اِٹ؟'' ہر شے لینے سے پہلے وہ اس کی سمت بہت توجہ سے تکتے ہوئے لگاوٹ سے پُر انداز میں دریافت کرتا تھا اور جب وہ جواباً ساکت رہتی تھی تو وہ بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے وہ شے اس کے ساتھ لگا کر تنقیدی زاویہ سے تکتا تھا۔

''آئی تھنک یہ خاصی سج رہی ہے تم پر۔ شاید یہ کلر بھی تم نے پہلے کبھی نہیں پہنا۔ سوٹ کرے گا تمہیں۔'' فان کلر کا ایک پارٹی ویئر ایوننگ گاؤن وہ اس کے ساتھ لگا کر تنقیدی نظروں سے تکتا ہوا کہہ رہا تھا اور وہ ساکت سی تکتی ہوئی یکدم ہی رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کتنی ہی چیزیں اسی طرح مختلف مقامات سے اس کے لیے لے لی تھیں۔

''ہنی! کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' بہت توجہ سے اس کی سمت تکتے ہوئے اس نے بارہا کہا تھا۔ ''تم خوش نہیں ہو میرے ساتھ؟'' وہ کسی قدر متفکر ہو کر دریافت کرنے لگا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ جانے کیوں وہ اتنی بے ہمت ہو رہی تھی یا پھر اس شخص کے انداز ہی اس قدر چونکا دینے والے تھے۔ وہ واقعی حیرتوں میں گھر گئی تھی۔

کیسے ڈرامائی انداز میں اس شخص نے اپنے رویوں کا رخ پھیرا تھا۔ کہاں تو وہ اس سے حد درجہ بے خبر تھا۔ اس کی جانب ایک نگاہ غلط انداز تکنا بھی جیسے کفر جانتا تھا۔

اوروں پہ کرم اپنوں پہ ستم، کے مصداق وہ اس کی جانب مائل تک نہ تھا اور کہاں اب وہ اس پر اپنی نوازشوں کی، عنایتوں کی بارش کیے دے رہا تھا۔ کتنی جلدی بدلے تھے اس کے رویے اس کے لیے۔ کس قدر اچانک۔ آخر کوئی اسرار تو تھا۔ کچھ تو بھید تھا۔ کیا تھا جو وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

اس وقت وہ سات ہزار فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے ہوٹل ماؤنٹین پلاٹس میں تھی۔ ماؤنٹین پلاٹس میں بنا یہ ہوٹل سوئٹزرلینڈ کے تمام حسین نظاروں کو آنکھوں تک منتقل کر رہا تھا۔ مگر اس کے اندر کوئی اُمنگ نہ جاگ رہی تھی۔ ہر حس منجمد تھی۔ وہ اپنے اندر کے اسباب

جاننے کی خواہاں تھی مگر باوجود کوشش کے وہ جاننے سے قاصر تھی۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ مگر اس کا ذہن جانے کیوں کسی آنے والے خطرے کے لیے مسلسل الارم بجا رہا تھا۔ حالانکہ ایسا ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے ایسا نہ بھی ہوتا۔ مگر نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے اندر باہر بے حد خاموشی ہے۔ ایک گہرا سکوت ہے۔ اور یہ سکوت کسی نہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ضرور ہے۔ جیسے ہی یہ سکوت ٹوٹے گا تو ایک طوفان آئے گا۔

پتہ نہیں یہ فقط واہمے تھے، فقط اس کے خدشے تھے یا پھر اس میں کچھ صداقت بھی تھی۔ مگر وہ بہت خوفزدہ ضرور تھی۔ پتا بھی گرتا تھا تو وہ لرز کر رہ جاتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جس قدر اس کے قریب آرہا تھا وہ اس سے اتنا ہی دور بھاگنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے اسی قدر خوفزدہ تھی۔

”ہنی! تمہاری آنکھوں میں یہ خوف کیسا تیر رہا ہے؟ کس بات کے اندیشے تمہیں ستا رہے ہیں؟“ اس روز وہ لفٹ چیئر پر تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت توجہ سے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے اپنا بایاں بازو اس کے شانے کے گرد پھیلا دیا تھا۔ میرب سیال کے اندر یکدم ہی حشر برپا ہوگیا تھا۔

”زندگی بہت چھوٹی اور مختصر ہے ہنی! اسے بے کار کی فکروں میں ضائع کر دینا کہیں کی بھی دانش مندی نہیں۔ تمام فکروں کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دو۔ دیکھو یہ موسم کیا کہہ رہا ہے۔ یہ سارے دلربا منظر تمہیں کس درجہ حیرت سے تکتے ہیں۔ حسن کو نزاکتوں اور لطافتوں کے موسموں میں قیام کرنا چاہیے۔ بے توجہی کے برفیلے موسم اسے منجمد کر دیتے ہیں اور تمازتوں والی رُتیں اسے جھلسا دیتی ہیں۔ سو ان خوب صورت موسموں سے دوستی کر لینا ہی عقل مندی ہے ہنی! ان منظروں پر نگاہ کرو۔ انہیں اس حیرت کدے سے باہر نکلنے کی مہلت دو۔ دیکھو کس درجہ ساکت ہیں یہ تمہیں دیکھ کر۔ شاید یہ بھی جانتے ہیں حسن زلفِ پُر پیچ کی طرح اُلجھا ہوا ہو تو کچھ اور بھی سلجھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دلکشی کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ شاید اسی لیے یہ سارے منظر حیران حیران سے ہیں۔ کیا تم انہیں ان حیرتوں سے باہر نکلنے کا موقع نہیں دو گی؟“

وہ بہت ہولے سے مسکرا رہا تھا۔

”میرا مشورہ ہے ہنی! تمہیں ان رنگوں سے دوستی کر لینی چاہیے۔ ان منظروں سے بات چیت کرنا ہی سودمند ہوگا تمہارے لیے بھی اور ان منظروں کے لیے بھی۔ ورنہ یہ سارے دلربا منظر یقیناً تمہاری طرح اُلجھ جائیں گے اور ایسے میں مشکل کچھ اور بھی بڑھ جائے گی۔ کیا تم چاہتی ہو کہ یہ موسموں کی ساری دلربائیاں کثافتوں سے اٹ جائیں؟ اور ایک منظر، ایک گہری چپ کی چادر اوڑھ لیں؟ کیا یہ ان موسموں اور رنگوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی؟“ کتنی توجہ سے وہ اس کی جانب تکتا ہوا کہہ رہا تھا۔ قربتوں کے موسم روح پرور تھے۔ نوازشوں کے منظر دلفریب تھے۔ سارا موسم اس دلربائی میں گھر گیا تھا۔ مگر میرب سیال کے اندر کے سناٹوں پر اسی قدر گہری دھند کی چادر

لپٹی رہی تھی۔لفٹ چیئر نے جیسے ہی ماؤنٹین کے اختتامی کنارے کو چھوا تو وہ فوراً اُتری تھی مگر توازن برقرار رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔قریب تھا کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی گرتی اور کسی خطرے سے دوچار ہوتی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آہنی گرفت نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

”یہ راستے بہت پُر پیچ ہیں ہنی! ان گیسوؤں سے بھی زیادہ پُر پیچ۔ جتایا تھا نہ کہ یہ بے نیازی سود مند نہیں۔“

میرب سیال نے بھیچی ہوئی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔وہ شخص اسے اسی طرح حصار میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔لبوں پر کسی قدر دلفریب مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی بوکھلاہٹ کی تمام کیفیات سے حد درجہ متاثر ہو رہا ہو۔میرب سیال نے بہت آہستگی سے بنا کچھ کہے خود کو اس کے حصار سے آزاد کرایا تھا اور خاموشی کے ساتھ پلٹ کر چلتی ہوئی اس شخص سے قدرے دوری پر جا رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے چند ثانیوں تک اسی طرح کھڑے دیکھا تھا پھر اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

”اُلجھن کیا ہے؟ یہ ذہنی رو اس قدر بھٹکی ہوئی کیوں ہے؟ خطرات ایسے میں اور بھی بڑھ جاتے ہیں جب آپ بے توجہی برتنے لگیں۔“

میرب سیال نے فقط خاموشی سے اس شخص کی نوازشوں کو دیکھا تھا۔کہا اب بھی کچھ نہ تھا۔تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ کسی بچے کی مانند تھام لیا تھا اور اسے لے کر چلنے لگا تھا۔وہ میکانکی انداز میں اس شخص کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔

”خاموشیوں کو لبوں پر اس طرح پہروں بٹھائے رکھو گی تو موسموں کو شکوہ تو ضرور ہوگا۔لطافتوں کے موسموں کے دلفریب رنگوں کو سمیٹنا ہے تو ہاتھ تو بڑھانا ہوگا۔“ کتنی پیچیدگی اور ذومعنویت تھی اس کی گفتگو میں۔بہ ظاہر جو کچھ تھا وہ نظر نہیں آرہا تھا اور جو نظر آ رہا تھا یقیناً ویسا کچھ تھا نہیں۔

کیا یہ شخص سراب سا تھا؟

کوئی سراب تھا۔

یا پھر کوئی حقیقت۔

وہ نظر اُٹھائے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

”کوئی سراب نہیں ہے ہنی! سب حقیقت ہے۔بہت روشن اور واضح حقیقت۔“ وہ سوچ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی سوچیں سطر سطر پڑھ رہا تھا۔میرب سیال کس درجہ حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔مگر وہ اس کی حیرتوں سے کچھ نسبت نہ رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”یہ جان لینا بے حد ضروری ہے ہنی! کہ یہ سب حقیقت ہے۔یہ میں ہوں۔یہ تم ہو اور یہ سب دلکش نظارے، یہ سب ہمارے لیے ہیں۔تمہاری یہ آنکھیں ان کے سارے رنگ، ان کے سارے منظر کسی خاص زاویے کے منتظر ہیں۔کچھ خاص رنگوں کی جستجو ہیں۔خاموشیوں کا احتجاج کچھ سوا ہو گیا ہے۔کیا تم اب بھی ان ساکت جامد خاموشیوں کو توڑنا مناسب خیال نہیں کرو گی؟“

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔مگر نظر کے زاویے بہت خاص تھے۔اس کے ہاتھ پر اس کی گرفت یکدم ہی کچھ نئے

عنوان درج کرتی چلی گئی تھی۔ حدت کا احساس کچھ اور سوا ہو گیا تھا۔ قربتوں کے معنی مفہوم ایک پل میں بدلنے لگے تھے۔ جیسے وہ لمس یکدم ہی بہت مدھم مدھم سرگوشیاں کرتے ہوئے اس کے لہو میں دوڑنے لگا تھا۔ پوری جان یکدم ہی ایک قیامت کے زیر آنے لگی تھی۔ وہ یکدم ہی ایک پیڑ سے ٹیک لگا کر رک گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بہ غور تکنے لگا تھا۔

''میں ان آنکھوں کو بہ غور دیکھ رہا ہوں ہنی! ان کا کوئی بھی رنگ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ان پتلوں پر جو نقش درج ہیں ان کے مفہوم تم شاید پڑھنے سے قاصر ہو، میں نہیں۔ مجھے ان آنکھوں میں چمکتا ہوا اپنا عکس صاف دکھائی دے رہا ہے۔ دیکھو، یہاں میں ہوں، سطر سطر تحریر ہوں، ہر رنگ میں ڈھل رہا ہوں، تمہیں چپکے چپکے پڑھ رہا ہوں۔ اور تمہیں...... تمہیں خبر تک نہیں۔'' وہ کتنے دلفریب انداز میں مسکرا رہا تھا۔ نوازشوں کی بارش کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ ہر حرف سے منکر ہوتی ہوئی یکدم ہی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''منکر ہونا ایک بہلاوہ ہے ہنی! اور بہلاوے زیادہ دیر کام نہیں آتے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے جیسے اس بچپنے کو رُخصت کرنے کی ہدایت دی تھی مگر وہ تب بھی کوئی جواب دیئے بغیر چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔ دھڑکنوں کا شور یکدم ہی بڑھنے لگا تھا۔ شاید وہ بہت خوفزدہ تھی۔ شاید اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سنگ انجانے راستوں کے سفر پر نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ اس وقت Vey Vey شہر میں تھے۔ وہ شہر جو چارلی چپلن کی رہائش گاہ کے طور پر بھی مشہور ہے۔ وہ تھک کر فریڈی مرکری کے اسٹیچو کے ساتھ ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ وجود پر یکدم ہی برسوں کی تھکن آن پڑی تھی۔ وہ خود کو بے حد بے ہمت اور کمزور محسوس کر رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ارادہ جانے کیا تھا۔

جانے کون سا کھیل کھیلنے جا رہا تھا وہ؟

جانے کیا عزائم تھے اس کے۔ وہ قطعاً نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کے اندر پھیلے خوف کے سائے کچھ اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔

کاش وہ یہاں سے بھاگ سکتی۔ بھاگ کر اس شخص سے دور نکل سکتی۔ وہ جتنا اس کے قریب آ رہا تھا، اس کی وحشتوں میں اسی قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ اُلجھنیں اور بھی بڑھ رہی تھیں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اتنا ہی پُر اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس شخص کے مزاج کے تیور یقیناً وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

نہ جانے کیا ہونے والا تھا اب اس کے ساتھ؟

☆......☆......☆

انابیہ شاہ اپنے کمرے میں تھی جب ماما نے بتایا تھا کہ اس کا فون ہے۔ وہ بے دھیانی میں چلتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ فون اُٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

''کیسی ہو بلی؟''

''اوزی! تم؟'' وہ حیرت سے پُر لہجے میں مسکرائی تھی۔ ''تم تو آنے والے تھے۔ اطلاع تو عرصہ دراز قبل بھجوا دی تھی۔ کیا ریڈ کارپٹ استقبال کی توقع کر رہے تھے؟ کچھ سنسنی پھیلانا چاہ رہے تھے یا پھر بے پر کی اُڑائی تھی؟ ویسے سنو، یہاں بھی کوئی منتظر نہ تھا۔'' بہت کچھ

کہنے کے ساتھ اس نے جتایا تھا اور دوسری طرف اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''سنو! یہ آخری بات کچھ چغلی کھاری ہے۔ کہہ دو کہ تم جھوٹ بول رہی ہو، میں مان لوں گا۔'' اوزی دوسری جانب ہنس رہا تھا۔ وہ بھی مسکرادی تھی۔

''خوش فہمی والی عادت گئی نہیں تمہاری۔ کہا تھا تو آئے کیوں نہیں؟''

''تم انتظار کررہی تھیں نا؟''

''نہیں...... میں جانتی ہوں تم سرپرائز دینے کے عادی ہو۔ کبھی بھی، جب دل میں سمائے گی آن ٹپکو گے۔''

''تم بلوالو آواز دے کر میں تب بھی آجاؤں گا۔'' وہ دوسری جانب شرارت سے مسکرایا تھا۔

''جانتی ہوں کتنے سعادت مند ہو۔ آنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ کیا ابھی تک زخم اتنے ہی گہرے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ اوزی کا قہقہہ کا بڑا بے ساختہ تھا۔

''تم جانتی ہوانا بیہ شاہ! دل بہت مضبوط ہے میرا۔ اثر جلد قبول نہیں کرتا۔''

''اب جھوٹ تو مت کہو۔ اور وہ بھی اس قدر بڑا جھوٹ۔'' انا بیہ شاہ نے جھٹلایا تھا۔

''ہاں...... اتنا مضبوط نہیں۔ مگر ہے تو دل ہی نا۔''

''یعنی کہ دل سنبھلا نہیں ابھی تک؟'' انا بیہ شاہ نے چھیڑا تھا۔

''اور تم دکھانے سے باز نہیں آؤ گی؟''

''زخموں پر نمک چھڑکنے کا بھی اپنا ہی ایک لطف ہے۔'' انا بیہ شاہ مسکرائی تھی۔

''سنگدلی کی حد ہے۔ اقدام دوستانہ ہرگز نہیں۔'' اوزی نے دوسری جانب دہائی دی تھی۔

''اور تم...... تم نے بھی حد کردی۔''

''کیا...... کیا ہے؟ شہر بدر ہی تو ہوا ہوں فقط۔''

''اور جو روگ لگایا ہے؟''

''بے فکر رہو...... سوگ قطعاً نہیں منا رہا۔ بڑے مزے میں گزر رہی ہے۔ ہم لڑکے بہت بے فکر طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ بہت سے اسٹاپ پڑتے ہیں ہماری زندگی میں اور ہر اسٹاپ پر ایک نئی کہانی جنم لے لیتی ہے۔''

''اور پچھلی کہانی؟'' انا بیہ شاہ نے وضاحت چاہی تھی۔

''وہ وہیں اسی اسٹاپ پر کہیں پیچھے چھوٹ جاتی ہے۔ جیسے پیچھے چھوٹ جانے والے منظر دھندلے ہو جاتے ہیں اور دھندلے منظروں کی سمت کوئی زیادہ دیر نہیں تکتا۔ کیونکہ یہ منکشف ہوتا ہے کہ ان کی حقیقت کچھ بھی باقی نہیں۔''

"بہت فلسفہ بگھارنے لگے ہو۔"

"تمہیں سوچنے لگا ہوں نا۔" اوزی دوسری طرف پھر ایک بار کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"شٹ اَپ اوزی! ایک تو اس عرصہ دراز بعد فون کرتے ہو اور پھر اتنی فضول کی گفتگو بھی کرتے ہو۔" انابیہ شاہ نے ڈپٹا تھا۔

"چلو اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ تم شادی کب کر رہی ہو؟"

"شادی؟" وہ بے طرح چونکی تھی۔

"کوئی ملا یا اب تک میرا انتظار کر رہی ہو؟" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"شٹ اَپ اوزی!" وہ مسکرائی تھی۔ "تمہیں اتنی سنگین قسم کی خوش فہمیاں کب سے ہونے لگیں؟"

"جب سے میں تمہاری آنکھوں کے متعلق سوچنے لگا ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

"وہاٹ ربش۔" وہ جھینپ کر بولی۔ "اوزی! سیدھی راہ پر آ جاؤ۔"

"تم آواز دو نا۔ کچی ڈور سے بندھا سیدھا کھینچا چلا آؤں گا۔" وہ ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا۔ وہ اس کی برجستگی پر کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"اوزی! تم بہت کمال کے شخص ہو۔ باتیں بنانا یقیناً تمہیں خوب آتا ہے۔"

"مگر زندگی کیسے خوبصورت بنائی جا سکتی ہے یہ فقط تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں۔" وہ یقیناً باز آنے والا نہ تھا۔ یہ شوخی، یہ شرارت اس کی فطرت تھی اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی شاید تبھی مسکرا دی تھی۔

"آ کب رہے ہو؟"

"مس کر رہی ہو؟"

"اگر کہوں ہاں تو؟"

"تو میں مان لوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تمہارے دوستوں کی فہرست میں چند گنے چنے نام ہیں فقط۔ اور ان گنے چنے ناموں میں اوزی کا نام یقیناً پہلا ہے۔"

وہ مسکرا دی تھی۔

"اسی بات کا تو مان ہے مجھے اوزی! میں جانتی ہوں میں اپنے دوستوں کو کس قدر عزیز ہوں۔ انکل اور پھپھو کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ ماما بہ طور خاص اپنی اکلوتی بھتیجی کو پیار بھجوا رہی ہیں۔"

"ان سے میری طرف سے تھینکس کہو۔"

"محبتوں کے لیے شکریہ نہیں کہتے۔"

''ہاں، جانتی ہوں۔لیکن یہ تھینکس تمہارے لیے نہیں، پھپھو کے لیے ہے۔اب سیدھے سے بتا دو، کب آ رہے ہو؟......بتا کر پھر غائب مت ہو جانا۔تم جانتے ہو مجھے انتظار کرنا کتنا برا لگتا ہے۔''

''تبھی تو بتا نہیں رہا ہوں۔جلد آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''سامنا کر لو گے؟'' وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔وہ ہنس دیا تھا۔

''نہ بھی کر سکا تو تمہارا آنچل تو ہے نا۔''

''منہ چھپاؤ گے؟'' انابیہ شاہ نے چھیڑا تھا۔

''اوں ہوں......آنسو اگر آبشار بننے لگے تو پونچھ لوں گا۔''

''کاورڈ۔'' انابیہ شاہ نے جیسے طعنہ دیا تھا۔مگر وہ اسی طرح کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''طعنے مارنے والی عادت گئی نہیں تمہاری۔''

''یہ تو کچھ بھی نہیں۔تم آ جاؤ تو دو دو ہاتھ کروں گی۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''ضرور......بصد شوق۔انکار کس کافر کو ہے؟'' اوزی شرارت سے اب بھی باز نہ آیا تھا اور تب اس نے اختتامی کلمات کے ساتھ سلسلہ منقطع کر کے فون رکھ دیا تھا۔اوزی کا فون بہت دنوں بعد آیا تھا اور اس نے بات کر کے اس کا دل ہمیشہ ہلکا پھلکا ہو جاتا تھا۔اچھے دوستوں کی شاید یہی خاصیت ہے۔وہ مسکراتی ہوئی مسرور سی مڑی تھی جب نظر یکدم عین سامنے جا پڑی تھی۔وہ یقیناً چونکے بغیر نہ رہ سکی تھی۔اسے قطعاً اس بات کی خبر نہ تھی کہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔جب وہ آئی تھی تو یقیناً اپنی بے دھیان میں محترم عفنان علی خان کو دیکھ نہ پائی تھی۔حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ دادا ابا کے ساتھ تشریف فرما تھا اور وہ تب بھی کوئی نوٹس نہ لے پائی تھی۔

محترم عفنان علی خان اس کی سمت دیکھ چکے تھے۔سو اب وہیں سے پلٹ جانا بھی کسی طرح مناسب نہ تھا اور ایسے میں جب کہ وہ اس کی جانب متوجہ بھی تھی تو نظر انداز کر کے چلے جانا مناسب نہ لگا اسے۔تبھی وہ اس کے متوجہ ہونے پر بہت رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔عفنان علی خان کی نظریں اسی کی سمت تھیں۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''تم بڑی خوش قسمت ہو۔تمہارے پاس دادا ابا جیسی ہستی ہیں۔تم نے ٹھیک کہا تھا۔دادا ابا واقعی ادب و لٹریچر کا چلتا پھرا انسائیکلو پیڈیا ہیں۔بہت معلومات ہیں ان کے پاس۔'' عفنان علی خان نے بے حد متاثر نظر آ رہا تھا۔

''تو آپ فیض یاب ہو رہے ہیں دادا ابا کی معلومات سے۔'' انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

''وائے ناٹ۔دادا ابا واقعی بے مثال ہیں۔'' اس نے تعریف کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔دادا ابا نے جواباً اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

''جیتے رہو بیٹا۔''

''تھینک یو دادا ابا! آپ کی صحبت میرے لیے ایک اعزاز ہے۔'' عفنان علی خان یقیناً اپنی جگہ بنانا چاہتا تھا۔ اس لمحے دادا ابا مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''یقیناً تم سے مزید نشستیں بھی رہیں گی۔ مگر فی الحال مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔ تم سے پھر ملاقات ہوگی۔'' دادا ابا اُٹھے تھے اور وہاں سے چلے گئے تھے۔

عفنان علی خان بہ غور انابیہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا سوچا آپ نے؟''

''کس بات سے متعلق؟'' انابیہ شاہ حیران ہوئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''بھول گئیں آپ؟''

انابیہ شاہ نے خاموشی سے چند ثانیوں تک دیکھا تھا۔

''کیا مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا؟''

''اگر ایسا ہوتا تو اچھا تھا۔'' عفنان علی خان کا لہجہ کچھ دھیما تھا۔

''مگر ایسا ہو نہ سکا اور اب یہ عالم......'' وہ برجستگی سے کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''تو نہیں تیری جستجو بھی نہیں۔'' عفنان علی خان اس کے ادھورے جملے کو مکمل کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ نظریں اس کے چہرے کو بہ غور تکتی رہی تھیں۔ لبوں پر ایک تبسم جامد ہو گیا تھا اور وہ بہت ہولے سے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''اوں ہوں ......مگر ایسا یقیناً نہیں ہے۔'' لہجہ دھیما اور سرگوشی جیسا تھا۔ شاید انابیہ شاہ ٹھیک طور پر سن نہیں پائی تھی تبھی اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ جب کہ عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''تو آپ نے فراموش کر دیا مجھے۔'' عفنان علی خان نے جیسے بڑی فرصت سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے کب کہا تھا کہ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی؟'' انابیہ شاہ نے بے نیازی سے کہتے ہوئے اسے جیسے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ وہ یقیناً برجستگی اور حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

''تو آپ میری مدد نہیں کریں گی؟'' عفنان علی خان کی بھوری آنکھوں کی جوت یکدم ہی بجھنے لگی تھی۔

''کیا میں نے آپ سے ایسا کوئی وعدہ کیا تھا؟'' انابیہ شاہ کے پُر اعتماد چہرے پر بہت دھیمی مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔ عفنان علی خان کی ساری امیدیں پل میں ڈھیر ہوئی تھیں۔

''تو آپ واقعی میری کوئی مدد نہیں کر رہی ہیں؟''

''اوں ......ہوں۔'' انابیہ شاہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''میں نے سوچا تو مجھے لگا یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ بہتر ہوگا تم لامعہ حق سے ہی

رجوع کرو۔ یہ معاملہ تم دونوں کے بیچ کا ہے اور مجھے یقیناً تم دونوں کے بیچ نہیں آنا چاہیے۔ اس سے غلط فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ میری اور لامعہ کی دوستی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور ایسا میں قطعاً نہیں چاہوں گی۔'' انابیہ شاہ کی ست رنگی آنکھوں کی روشنی بڑی شفاف تھی۔ ایک اعتماد سا جھلک رہا تھا اس کے لہجے سے۔ عفنان علی خان کی ساری ہمت جیسے ڈھے گئی تھی۔ وہ ساکت سا اس کی سمت تکتا چلا گیا تھا۔ پھر یکدم ہی سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔

''تم......تم ایسا نہیں کرسکتیں۔ آئی مین، تم کیسے چاہو گی کہ لامعہ کی زندگی اچھی نہ گزرے۔''

''میں یقیناً ایسا نہیں چاہوں گی اور میں ایسا چاہتی بھی نہیں۔ تبھی تو ایسا اقدام لے رہی ہوں۔ دیکھو عفنان علی خان! میں تمہیں فقط کچھ دنوں سے جانتی ہوں اور یہ جان پہچان بھی بڑی واجبی سی ہے۔ جب کہ لامعہ حق کو میں گزشتہ اٹھارہ برس سے جانتی ہوں۔ تب سے، جب مجھے رویوں کی کچھ پہچان بھی نہ تھی۔ اور ہم نے تب ایک دوسرے کو جانا اور......''

''اور انابیہ شاہ! مجھے تمہاری اسی انڈراسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹتا ہوا گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے بہت اطمینان سے دیکھا تھا۔

''میری اس انڈراسٹینڈنگ سے تمہیں کیا ملے گا عفنان علی خان؟ میں یہ بات ٹھیک طور پر سمجھ نہیں سکی۔ تمہیں نہیں لگ رہا چارہ گر کوئی اور ہے اور تم رجوع کہیں اور سمت کر رہے ہو۔'' انابیہ شاہ کا رویہ یقیناً اس کے لیے چونکا دینے والا تھا اور وہ یقیناً اس دن کے بعد سے اس سے ایسی کوئی توقع نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ جس طرح اس نے اس سے بات کی تھی، اس سے وہ یہی اخذ کر پایا تھا کہ وہ اس ضمن میں اس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ مگر ایسا یقیناً نہیں تھا۔ انابیہ شاہ یقیناً ایک ذہین لڑکی تھی جو عقل و خرد سامنے رکھ کر فیصلے کرنے کا گر جانتی تھی اور عفنان علی خان نے یقیناً اسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ اس کے رویے پر حیران تھا۔ شاید تبھی چند ثانیوں تک کچھ بول ہی نہ پایا تھا۔ فقط خاموشی کے ساتھ اس کی سمت تکتا رہا تھا۔

''عفنان علی خان! لامعہ حق سے جو میری انسیت یا نسبت ہے اس کے لیے میں تمہیں تو سمجھنے کا جتن کرسکتی ہوں مگر تمہارے لیے قطعاً بھی کسی طرح سودمند ثابت نہیں ہوسکتی۔ اگر یہی بات مجھے لامعہ حق کہتی تو شاید میں ایسا آنکھیں بند کر کے کر گزرتی۔ مگر تمہارے لیے۔'' وہ بہت ہولے سے سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔ ''ایسا ممکن نہیں ہے عفنان علی خان! تم سے میری کوئی نسبت نہیں ہے۔ کوئی حوالہ ہے بھی تو فقط لامعہ حق کا۔ میں تمہیں لامعہ حق کے توسط سے دیکھتی ہوں، اس کے توسط سے ملتی ہوں، اس کے توسط سے جانتی ہوں، اس سے زیادہ تم میرے لیے کچھ نہیں ہو۔ میں چند لمحوں کی فقط جان پہچان کے لیے ایک طویل عمر کی رفاقت اور دوستی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔'' وہ مکمل طور پر انکار کر رہی تھی اور عفنان علی خان جہاں کچھ دیر قبل کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اب شاید کسی قدر سنبھل چکا تھا۔ تبھی اس لمحے اس کے لبوں پر ایک دھیما سا تبسم کھیل گیا تھا۔

''انابیہ شاہ! میں تمہیں کوئی انتہائی اقدام اٹھانے کو نہیں کہہ رہا۔ مسئلہ فقط یہ ہے کہ میں لامعہ حق کو سمجھنا چاہتا ہوں اور اس میں

تمہاری اتنی ہی مدد چاہتا ہوں جتنی کہ کوئی ایک بہترین دوست، کسی دوسرے دوست کی کر سکتا ہے۔ میں تم سے کوئی فیور نہیں چاہ رہا۔ نہ ہی کوئی شرط درمیان رکھ رہا ہوں۔ کسی طرح کی کوئی غلط بیانی بھی میں نے ہرگز نہیں کی۔ اگر مجھے تمہاری کوئی مدد درکار ہے تو اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے۔ مجھے واقعی تمہاری ضرورت ہے انابیہ شاہ! تمہاری انڈر اسٹینڈ نگ کی ضرورت ہے۔ تم جتنا لامعہ حق کو جانتی ہو اتنا یقیناً مجھے نہیں جانتیں۔ اس کی اور تمہاری طویل رفاقت بھی ہے مگر میں تم سے کیا چاہ رہا ہوں انابیہ شاہ؟ کیا مانگ رہا ہوں؟ کچھ زیادہ تو نہیں، جسٹ لٹل کیئر۔ جسٹ لٹل ہیلپ۔ وہ بھی اس لیے کہ میں، لامعہ حق کو اس طور نہیں جانتا اور جاننا چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا تم اس چھوٹی سی بات کو اتنا ہارڈلی کیوں لے رہی ہو؟ حالانکہ اس میں اتنی عجیب بات کیا ہے؟ کیا ایک انسان کی مدد کرنا غلط ہے؟ کیا ایک انسان کو کچھ مطلع کرنا برائی ہے؟ اور تم سے میں کیا چاہتا ہوں، یہی نا کہ تم مجھے لامعہ حق کے متعلق بتاؤ، مطلع کرو۔ وہ کیسی ہے، کیا پسند کرتی ہے، کیا ناپسند کرتی ہے، اسے کیا اچھا لگتا ہے کیا نہیں اور اس میں انوکھی اور عجیب بات کیا ہے انابیہ شاہ؟'' عفنان علی خان نے بہت مدھم لہجے میں جیسے احتجاج کیا تھا۔ مگر انابیہ شاہ بہت ہولے سے مسکرادی تھی۔

''یہ بات تمہیں جتنی آسان نظر آ رہی ہے درحقیقت اتنی آسان ہے نہیں عفنان علی خان!''

''تم ڈر رہی ہو؟''

''نہیں...... یقیناً نہیں۔ اس میں ڈرنے والی کوئی بات ہے بھی نہیں عفنان علی خان! بس جو میں نہیں کر سکتی، وہ بات میں نے تمہیں باور کرادی۔ جو نہیں ہو سکتا، وہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن، ناممکن کے بھی اپنے اپنے پیمانے ہوتے ہیں اور میرا دل، میرا دماغ مجھے جس بات کی اجازت نہیں دیتا وہ میں کیسے کر سکتی ہوں۔ اس کے لیے چاہے تم مجھے بزدل کہو یا ڈرپوک مگر میں جانتی ہوں، میں ایسا ڈی سی ژن کیوں اور کس لیے لے رہی ہوں۔ میں کوئی غلط کام نہیں کر سکتی۔ میری اپروچ بہت فیئر ہے۔ تم نے مجھے ابھی جانا ہی کہاں ہے۔ اس لیے اگر مجھے بزدل یا ڈرپوک کہتے بھی ہو تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جانتی ہوں، جو مجھے جانتا ہے وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ اس کی سمت پُر اعتماد نظروں سے تکتی ہوئی وہ اس گھڑی یقیناً پُراعتماد تھی۔''

عفنان علی خان مسکرادیا تھا، جانے کیوں۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر مروت رکھتی تھی۔ کرٹسی اس کے مزاج کا حصہ تھی شاید حق پر ہوتے ہوئے بھی اور اسے انکار کے بعد بھی وہ کسی مروت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''آئی ایم سوری عفنان علی خان!'' بہت ہولے سے وہ بولی تھی اور پھر پلٹ کر چلتی ہوئی زینہ طے کرنے لگی تھی۔ عفنان علی خان بہ غور اس لڑکی کی پشت کو تکتا رہا تھا۔ پھر بہت تھکے ہوئے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لبوں پر ایک شگفتہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆......☆......☆

اگینے نے اذہان حسن بخاری کے سر ذمے داری لگائی تھی کہ وہ ساہیہ خان کو شہر کی سیر کرائے۔ اگرچہ ساہیہ خان کا بچپن اسی شہر میں گزرا تھا مگر اگینے کا کہنا ماننا اذہان حسن بخاری پر جیسے فرض تھا۔ سو وہ بنا کوئی تردّد کیے اسے لے گیا تھا اور کتنے ہی مقامات دکھا ڈالے تھے۔

''یہ شہر، اس کے خدوخال، گلیاں، سڑکیں، سب کچھ کتنا بدل گیا ہے۔'' ساہیہ خان کسی قدر حیران تھی۔

''خود کو دیکھو، مجھے دیکھو ساہیہ خان! جب ہم اتنے بدل گئے ہیں تو یہ شہر کیونکر نہ بدلا ہوگا۔''

ساہیہ خان نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''تم بدل گئے ہو اذہان حسن بخاری! میں تو اب بھی ویسی ہی ہوں۔''

''اچھا؟ لیکن مجھے تو کسی طرح سے بھی تم وہ ساہیہ نہیں لگ رہیں۔''

''کیوں؟ تمہیں میں کس طرح وہ ساہیہ نہیں لگ رہی؟''

''اچھا یہ بتاؤ، کیا تبدیلیاں آئی ہیں مجھ میں؟'' وہ یکدم رک کر دلچسپی سے اسے دیکھتی ہوئی دریافت کرنے لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کم آن اذہان! چلو زیادہ نہیں ایک، دو، تین، چار، پانچ فقط پانچ تبدیلیاں گنوادو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انگلیوں پر گنواتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا پھر یکدم اس کی سمت کسی قدر رازداری سے جھکی تھی۔

''سنو، فقط پوزیٹو تبدیلیوں کی بات کرنا۔ نیگیٹو کی بات تو......'' دھمکی دینے والے انداز میں وہ کہہ کر مسکرائی تھی۔

''تمہارا یہ دھونس دینے والا انداز نہیں بدلا ہے۔''

''یہ پوزیٹو تبدیلی ہے؟'' اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''یہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے والی عادت نہیں گئی ہے۔''

ساہیہ نے ہاتھ کا ایک مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

''یہ...... یہ عادت بھی نہیں گئی۔''

''یہ تو ساری کی ساری نیگیٹو باتیں ہی گنوائی ہیں تم نے۔ چلو خیر، میں تمہیں تمہاری اچھی باتیں گنواتی ہوں۔ نمبر ایک تم پہلے سے زیادہ ہینڈسم اور ڈیشنگ ہوگئے ہو۔ نمبر دو بہت ذمے دار ہوگئے ہو، بچپن میں تم بہت غیر ذمے دار تھے۔'' وہ بتاتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ''نمبر تین سنجیدہ اور بردبار ہوگئے ہو۔ نمبر چار بہت کیئرنگ اور لونگ ہوگئے اور لاسٹ بٹ ناٹ دی لیسٹ، ڈیڈی کیٹڈ بہت ہوگئے ہو۔'' مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ ''ایم آئی رائٹ؟''

''اس میں عجب کیا ہے؟...... وقت کے ساتھ اتنی تبدیلیاں تو آ ہی جاتی ہیں اور میں اگر تبدیل ہوگیا ہوں تو اس میں کوئی خاص بات مجھے نظر نہیں آتی۔ تم بتاؤ اب کہاں جانا ہے؟''

''گھڑی دیکھو اذہان! تمہارا نہیں خیال یہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور ہمیں کھانے کے متعلق سوچنا چاہیے۔'' ساہیہ خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور تب اذہان حسن بخاری چونکتے ہوئے بولا۔

''اوہ، اچھا یاد دلایا۔'' اذہان نے کہنے کے ساتھ ہی گاڑی میریٹ کی طرف موڑ دی تھی۔

''تمہاری زندگی میں کیا واقعی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی؟'' میریٹ میں کینڈل لائٹ ڈنر کرتے ہوئے وہ یکدم مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا مطلب؟ کس طرح کی تبدیلی کی بات کر رہی ہو تم؟''

اور تب وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں میں یکدم ہی جگنو چمکنے لگے تھے۔

''کوئی لڑکی وغیرہ؟'' وہ شاید سمجھا نہ تھا۔

''اس سے زیادہ سیدھی بات کیسے ہو سکتی ہے۔ یقیناً میں نہیں جانتی۔'' وہ خفگی سے تکنے لگی تھی۔

''آں......ں......ں......تو تمہارا اشارہ اس طرف تھا۔'' وہ یکدم چونکا تھا۔

''اور تم کیا سمجھے تھے؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' اذہان حسن بخاری نے شانے اچکاتے ہوئے بے تاثر انداز اختیار کیا تھا۔ ساہیہ منتظر نظروں سے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ تبھی اذہان حسن بخاری بھی انجوائے کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

''لڑکی......کوئی ایسی خاص چونکا دینے والی لڑکی اب تک آئی نہیں زندگی میں۔''

''میں بھی نہیں؟'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں دکھائی تھیں۔

''تم؟......تم تو خاصے سے زیادہ چونکا دینے والی ہو۔'' وہ جیسے ہنسی میں ٹال گیا تھا۔

''صحیح بتاؤ نا۔'' ساہیہ نے اصرار کیا تھا۔

''بتا تو رہا ہوں۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔''

''بے ایمان! کتنے جھوٹے ہو تم۔'' ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''لٹ می تھنک۔'' وہ ذہن پر کسی قدر زور دیتے ہوئے سوچنے لگا تھا۔

''اس میں اتنا سوچنے والی بات کیا ہے اذہان؟ جس لڑکی نے تمہیں کرش کیا ہو گا وہ بھولی تو نہ ہو گی۔''

''کرش......تو تم اس زاویے سے پوچھ رہی تھیں۔ پہلے بتانا تھا نا۔'' وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ ساہیہ گھورنے لگی تھی۔ تبھی وہ مکمل توجہ سے اس کی سمت تکتے ہوئے بولا۔

''تم۔''

''کیا......؟'' وہ چونکی تھی۔ ''شٹ اَپ اذہان!'' وہ جیسے بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً اس کے انداز سے محظوظ ہوا تھا۔

''اور تم؟''

''میں، کیا؟'' وہ اپنی طرف شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے چونکی تھی۔

''تم نے اپنی طرف کسی کو آنے نہیں دیا یا کسی نے کبھی زحمت ہی نہیں کی؟'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے دریافت کر رہا تھا اور وہ گھورنے لگی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا اذہان حسن بخاری! کم از کم تمہیں لڑکیوں سے اس درجہ صاف گوئی سے سوالات پوچھنے کا سلسلہ منقطع کر دینا چاہیے۔''

''تم نے جواب نہیں دیا۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ سا ہیہ نظریں اُٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''تم نے پوچھا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے اذہان!''

''ہاں۔ لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہاری زندگی کسی نئے عنوان سے مہکی یا کہ نہیں؟''

''یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟'' وہ شرارت سے سر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ ''تم اس روز بھی ایسا ہی پوچھ رہے تھے۔ ارادہ کیا ہے؟'' عجب اک شرارت کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ اس سے دریافت کر رہی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''ٹھیک کہا تم نے مرد مار لڑکی۔ وہاں کیلگری میں ہمارے پڑوس میں ایک انڈین لڑکا تھا۔ ایک دن اس بے چارے نے مجھے صبح میں جوگنگ کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد تو اس نے گویا اپنا معمول ہی بنا لیا۔ بہانے بہانے سے، یو نو، وہ تو لڑکوں کا خاص انداز ہوتا ہے۔ نام کیا ہے جی؟ کرتی کیا ہیں؟ میری ہابیز یہ ہیں۔ تو کیا ہم شام میں مل سکتے ہیں وغیرہ۔ اور تم جانتے ہو میں نے اس بے چارے کو کیسے دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا؟ حالانکہ موصوف اچھا خاصا ہینڈسم تھا۔''

وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''نام کیا تھا اس کا؟'' اذہان نے بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''علی۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''تمہیں جواب تک یاد ہے اس میں کچھ خاص بات تو ہوگی۔'' اذہان مسکرایا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''اسے یاد رکھنے والی ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔ وہ بھی تم نے اصرار کیا تو مجھے یاد کرنا پڑا۔ یوں بھی بہ قول تمہارا تام بوائے امیج کے ساتھ کسی کی ہمت ہو ہی نہیں سکتی کہ قریب سے بھی گزر جائے۔'' وہ مسکرائی تھی ''یاد ہے تمہیں بچپن میں تمہاری کیسی بری پٹائی لگایا کرتی تھی۔''

اذہان حسن بخاری اس ذکر پر شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ پھر قدرے توقف سے اس کی جانب بہ غور تکتے ہوئے بولا۔

''ویسے اب تو خاصی تبدیل ہو چکی ہو تم۔ اور خوب صورت تو یقیناً ہو۔''

''اوہ، ریئلی؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''آف کورس۔'' اذہان حسن بخاری نے دل پر ایک ادا سے ہاتھ رکھ کر جیسے کوئی حلف اٹھایا تھا اور وہ یکدم مسکرا دی تھی۔

''جھوٹے کہیں کے۔''

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اس وقت جرمنی میں تھے۔ کتنے ہی مقامات گھومنے کے بعد وہ اس وقت ہائیڈل برگ میں تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت تکتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''اس ہیڈل برگ کیسل کے لیے ایک بات مشہور ہے کہ یہ جگہ بے حد رومینٹک ہے اور یہ کہ یہاں پر تنہا نہیں جانا چاہیے۔ اِٹس اے لور پلیس۔ محبت کرنے والوں کو اپنے لوونیس کے ساتھ اس قلعے میں جانا چاہیے۔'' شاید وہ یہاں پہلے بھی آ چکا تھا۔ کس کے ساتھ؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی اور شاید جاننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ بول رہا تھا۔

''ایک بار پہلے میں یہاں آیا تھا اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ۔ جب وہ سب قلعے کے باہر ہی تھے تو میں تب تنہا اندر چلا گیا تھا اور جانتی ہو تب کیا ہوا تھا؟'' وہ پُر جوش لہجے میں بتاتے ہوئے یکدم رکا تھا۔ میرب سیال کو جاننے کا بھلا کیا شوق ہو سکتا تھا؟ وہ تو سن بھی بے دلی کے ساتھ رہی تھی۔ دھیان اس شخص کی سمت لگانا ہی کب چاہتی تھی وہ۔ مگر وہ بھی نہ جانے کیوں اس لمحے اس ہیڈل برگ کیسل کی وہ داستان سنانے پر بضد تھا۔ اس کے رکنے پر میرب سیال نے فقط سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ دریافت قطعاً نہیں کیا تھا۔ مگر شاید یہ اشارہ ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے کافی تھا کہ وہ مزید بتانے لگا تھا۔

''میں اس قلعے کے چیپل میں تھا جب مجھے کوئی جادو خود کو زیر کرتا لگا تھا۔ مجھے لگا تھا جیسے کوئی میرے اندر ہو اور ہولے ہولے مجھ میں باتیں کر رہا ہو۔ وہ لہجہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں اس زبان سے بھی شاید واقف نہیں تھا۔ مگر میرے اندر جو سرور اس لمحے تھا اس سے قبل میں نے محسوس نہیں کیا تھا۔ مجھے لگا جیسے کوئی میرے اندر ہے اور کہہ رہا ہے، مجھے تم سے ملنا ہے، کہیں، کسی روز۔''

کسی بھی دن، کسی بھی مہینے۔

کسی بھی ماہ و سال۔

کسی گلی میں، کسی کونے میں، کسی کوچے میں۔

تم میرے ساتھ کی تمنا کرو۔

مجھے سوچو، اتنا کہ تمہارے خیال کے تمام زاویے میرے رنگوں میں رنگنے لگیں۔

مجھے جانو، اتنا کہ میں تم میں سمانے لگوں اور تم تم نہ رہو۔

مجھے چاہو، اتنا کہ کوئی حد باقی نہ رہے۔

مجھے اپنی جاں میں رکھ لو، اپنے اندر کہیں چھپا لو۔

میں تم میں گم ہو جاؤں اور تم مجھ میں۔

کوئی تمہیں، ہمیں کھو جتنے بھی آئے تو کوئی نشان باقی نہ ملے۔

مجھے خود میں ضم کرلو۔

میں تمہارا سامان خاص ہوں۔زادِراہ ہوں۔مجھے اپنے سنگ لے لو اور اپنا ہمسفر کرلو۔

میرا ہاتھ، ہاتھ میں تھام لو اور مجھے کبھی تنہا مت چھوڑو۔مجھے سنگ رہنا ہے تمہارے۔قدم قدم ساتھ چلنا ہے۔میں جادو ہوں۔مجھے اپنے وجود پر چھانے دو۔مجھ کو اپنا کرلو۔یا مجھے اپنا ہو جانے دو۔''

وہ دھیمے مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔کیسے خواب ناک حروف تھے اور کیسا جادو سا تھا اس کا لہجہ۔

''یہیں، اسی چیپل میں، یہیں پر مجھے ایسا لگا تھا کہ کہیں کوئی میرا منتظر ہے۔میرا انتظار کررہا ہے۔شاید کئی دنوں سے، شاید مہینوں سے، شادی سالوں سے، یا پھر شاید صدیوں سے......تب میرا ایمان ایسی باتوں پر نہیں تھا۔اور......''

''اور اب؟'' میرب سیال کے لب جانے کیسے یکدم وا ہوئے تھے۔وہ چونکا تھا۔اسے لحہ بھر کو دیکھا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' شانے عجب ایک بے نیازی سے اچکائے تھے۔''مجھے نہیں معلوم شاید یہ سب فضول باتیں ہوں۔جن پر کم از کم میں یقین نہیں رکھتا۔مگر اس قلعے کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں محبت باتیں کرتی ہے اور گمشدہ وجود کے حصوں کو تلاشتی ہے۔تب میں تنہا تھا اور یقیناً یقین کرنے والی کوئی بات تھی بھی نہیں۔مگر مجھے لگتا ہے کچھ ہے ضرور جو نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔مگر بہت اہم اور خاص ہے۔اس کے بعد بھی میں بارہا اس قلعے میں آیا۔مگر تنہا نہیں۔''

''اور اس کے بعد وہ آواز نہیں آئی؟'' میرب سیال کی آواز خود اس کے لیے اجنبی تھی۔

''نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس قلعے کے متعلق، اس کے فرنیچر اور تصویر سے متعلق معلومات بہم پہنچانے لگا تھا۔وہ چیپل کے وسط میں کھڑی دیواروں پر نقش آرٹ کے حسین نمونوں کو دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ یکدم ہی گرفت میں لیا تھا۔وہ چونکی تھی مگر اس سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اپنے قریب کیا تھا۔

ماحول میں محبت باتیں کررہی تھی۔

ایک جادو چارسو پھیل رہا تھا۔

ایک فسوں، جان کو اپنے بس میں کررہا تھا۔

فضا میں ایک نشہ تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ دل پر اس جادو کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

کتنی مشکل میں گھر گئی تھی جان۔کیسا بھونچال سا آگیا تھا سارے وجود میں۔ایک قیامت سی مچ گئی تھی۔دھڑکنوں نے یکدم ہی حشر مچا دیا تھا۔اس کا وجود ایک عجیب جنونی گرفت میں تھا۔کتنی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔

میرب سیال کی جان فنا ہونے کو تھی۔اس لمحے مزاحمت کیسی بے معنی لگ رہی تھی۔وہ جنون جیسے ایک حشر اُٹھا دینے کو تھا۔

میرب سیال نے ایک جھٹکے سے اس حصار سے خود کو رہا کرایا تھا اور پھر بھاگتی ہوئی اس کیسل سے نکلتی چلی گئی تھی۔

ہوٹل میں آ کر وہ اپنے کمرے میں دبک کر کتنی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتی رہی تھی۔

دل ایک عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ بڑا بے ہنگم شور تھا۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی بھونچال کی زد میں تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ جیسے قیامت کو چھو کر گزرا تھا۔ سارے وجود میں جس کا ارتعاش اب تک وہ محسوس کر رہی تھی۔ آنکھوں میں جانے کیوں اس لمحے بہت سی نمی آن ٹھہری تھی اور پلکیں ہولے ہولے بھیگنے لگی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے وہاں سے اس طرح چلے آنے پر پریشان سا اس کے پیچھے آیا تھا۔ جب وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑی ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

دروازے میں رک کر اس نے میرب سیال کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے پیش قدمی کر دی تھی۔ اسے چند ثانیوں تک دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے کسی قدر جھکتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ میرب سیال کو لگا تھا جیسے اس کے وجود کو کوئی انگارہ چھو گیا ہو۔ وہ یکدم اُٹھ بیٹھی تھی۔ بھیگی آنکھوں میں ایک خاص طرح کا سحر تیر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔ پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اس گرفت میں، اس لمس میں کوئی خاص آہنگ تھا۔

کوئی بے خودی تھی۔

اور میرب سیال کی جان ہوا ہونے لگی تھی۔ کتنا خوف سمٹ آیا تھا اس کی آنکھوں میں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مطلق پرواہ نہ تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کس قدر آہستگی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

پیشانی سے گداز لبوں تک شہادت کی انگلی سے ایک صراط بنائی تھی۔ میرب سیال آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ شخص اس کے قریب تھا۔ بے حد قریب۔ اس کی قربت سے اس کا سارا وجود جیسے جل جانے کو تھا۔ اس کی گرم گرم دہکتی سانسوں کو وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی اور اس کا سارا وجود شل ہونے کو تھا۔ کتنی بے ہمت ہو رہی تھی وہ اس گھڑی۔ کس قدر کمزور

"محبت زندگی ہے ہنی! اور زندگی بہت مختصر ہے۔" وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جب یکدم ہی میرب سیال کے بے جان وجود میں ایک قوت آن سمائی تھی۔ ہمت جیسے یکدم ہی بیدار ہوئی تھی۔ میرب سیال کا ہاتھ اُٹھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔ کمرے کے سناٹے میں ایک شور ہوا تھا اور سارا منظر ساکت رہ گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کس قدر سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر جارحانہ انداز سے اس کے بالوں کو ہاتھ کی گرفت میں جکڑ کر اس کے چہرے کو سلگتی نظروں سے دیکھا تھا۔

میرب سیال نے ایک جھٹکے سے خود کو اس سے آزاد کرایا تھا اور اسے گھورتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔

''کیوں...... کیوں کر رہے ہو تم یہ سب میرے ساتھ؟ کس لیے؟ کیوں؟'' کتنے آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے چلے گئے تھے۔ کچھ لمحوں قبل تک کا خوف جیسے اس کے اندر سے کہیں معدوم ہو گیا تھا اور اس لمحے وہ اپنے سامنے موجود شخص کو کس قدر پُراعتماد نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''محبت تم جیسا شخص قطعاً نہیں کر سکتا۔ تم جیسے شخص کے نصیب میں محبت ہو بھی نہیں سکتی اور ہو گی بھی نہیں۔ تم محبت کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری بدنصیبی پر مجھے ترس آتا ہے۔ میں بلاوجہ تم سے خوفزدہ ہوتی رہی۔ تم...... تم جیسا شخص جو خود...... خود سے نظریں نہیں ملا سکتا، وہ کسی دوسرے کو کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اس بات کا اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ اب تک بہت سی لڑکیوں سے ملے ہو گے تم۔ بہت سی لڑکیوں کو اپنا گرویدہ کیا ہو گا۔ بہت کو اپنے حصار میں باندھا ہو گا۔ مگر سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں سردار سبکتگین حیدر لغاری! حیرت ہے، مجھے تمہاری سمجھ اتنی دیر میں کیوں آئی۔ تم جو جال بُن رہے تھے اس کی خبر تو مجھے تبھی ہو جانی چاہیے تھی جب تم مجھے یہاں لے کر آ رہے تھے۔'' کتنی پُراعتماد سی وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

''افسوس ہو رہا ہے مجھے۔ میں نے تم پر اعتبار کیا، تم پر۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! ترس آ رہا ہے مجھے تم پر۔ تم تو بہت چھوٹے ہو۔ دلوں سے کھیلتے ہونا۔ مگر یاد رکھنا، تمہارا دل کبھی آباد نہیں ہو گا۔ ترسو گے محبت کو۔ اور تمہیں ایک بوند بھی نہیں ملے گی۔ محبت کبھی تمہیں ملی نہیں ہے۔ اس لفظ سے تمہارا سابقہ کبھی پڑا نہیں۔ سو جھوٹے خواب دکھانا بند کر دو۔ خود کو دیکھو، تمہیں خود پر بہت ترس آئے گا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! محبت جیسے لفظ سے ناآشنا ہو تم۔ اور افسوس ناآشنا ہی رہو گے۔''

اس کی آنکھوں میں تکتی ہوئی وہ بولی تھی۔ اور پھر اس بھیگے چہرے اور آنکھوں کے ساتھ اس کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کتنی دیر تک ساکت سا اپنی جگہ پر کھڑا رہا تھا۔

یقیناً جو کچھ ہوا تھا وہ بے حد غیر متوقع تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید شاید قطعاً نہ تھی۔

وہ بھی میرب سیال جیسی لڑکی سے۔

چہرے کی رگیں بے حد تن گئی تھیں۔ تناؤ بے حد بڑھ گیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا اس کے ساتھ۔ پہلی بار کسی لڑکی نے اس کے وجود کی نفی کی تھی۔ پہلی بار کسی اقدام پر اسے اس طرح کے جارحانہ رویے کا مظاہرہ دیکھنا پڑا تھا۔ ورنہ زندگی کس قدر آسان رہی تھی اس کے لیے۔ جب، جو چاہا ہاتھ آ گیا تھا۔ جس شے کو ہاتھ بڑھا کر تھامنا چاہا تھا وہ دسترس سے دور نہ رہی تھی۔ اور آج اس کی منکوحہ، اس کی زندگی میں شامل ایک بزدل اور انتہائی خوفزدہ سی نظر آنے والی لڑکی اس کی نفی کر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر انتشار یکدم ہی بڑھ گیا تھا۔ وہ باہر نکلا تھا اور اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا۔ احساسِ توہین سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یقیناً جو ہوا تھا وہ فراموش کیے جانے کے قابل نہ تھا۔ اس کی نفی کے ساتھ اس کی تذلیل

بھی کی گئی تھی۔ یقیناً یہ احساس بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر کی کیفیت اس کے چہرے پر درج تھی۔ اگر اس گھڑی وہ اس کے سامنے ہوتی تو وہ یقیناً اس کے وجود کو تہس نہس کر چکا ہوتا۔

☆......☆......☆

میرب سیال تنہائی کے ایک گوشے میں بیٹھی کتنی دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی۔ کتنی دیر تک اس کے اندر کا درد آنسوؤں کی صورت اس کے گھٹنوں میں جذب ہوتا رہا تھا۔ کیا سمجھتی تھی وہ اس شخص کو اور کیا نکلا تھا وہ۔ اس کے سامنے جو صورتِ حال تھی، جس طرح سبکتگین حیدر لغاری اپنا امیج بنا رہا تھا وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔ مگر جانے کیوں اسے کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ شخص اس کے لیے بھی کسی طرح کی کسی پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ وہ کبھی ایک لمحے کو بھی سوچ نہیں سکی تھی کہ وہ کسی طرح کا کوئی نقصان اسے بھی پہنچا سکتا ہے۔ شاید اس لیے بھی کہ جس طرح وہ اس سے لاتعلق نظر آ رہا تھا، نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے باعث وہ کبھی اسے اس سوچ کے ساتھ لے ہی نہیں سکی تھی۔ شاید اسی لیے وہ اس کے سنگ چل پڑی تھی۔ بنا کسی خوف کے، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے ہی گھر میں نقب زنی کرے گا۔

آخر ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اس اقدام پر مائل ہوا۔

میرب سیال نے از سرِ نو صورتِ حال کا جائزہ لینا شروع کیا تھا۔ کیونکہ یہ توجہ، یہ قرب کا احساس، یہ پانے کی تمنا، دسترس میں لینے کی خواہش، رسائی پانے کی لگن، محبت تو قطعاً نہ تھی اور اس سے قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس سے محبت کا کبھی کوئی دعویٰ کیا بھی نہیں تھا۔ دعویٰ کرنا تو دور کی بات اس کے کسی اقدام سے الفت کی یا محبت کی کوئی رمق بھی نہیں ملتی تھی۔ التفات یا نظرِ کرم کی بات بھی دور کی تھی۔ وہ اس کے معاملے میں اس درجہ تک بے نیاز تھا کہ اس کے وجود تک کی خبر نہ تھی۔ جیسے اس کے لیے اس کا ہونا یا نہ ہونا، ایک سا ہو۔ وہ اس کے ساتھ ہوتی بھی تو اس کی توجہ یا دلچسپی کے معیار کے پیمانے شاید بہت مختلف تھے۔ جن پر کم از کم وہ پوری نہیں اُترتی تھی۔ پھر کیسے ہوا تھا یہ سب، کس باعث؟

جب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی منظورِ نظر نہ تھی۔ جب کوئی واسطہ بھی نہ تھا۔ تو پھر اس اجنبیت کے بعد اچانک، ایسے کیسے مہربان ہوا تھا وہ؟

اتنے دن پہلے بھی تو وہ اس کے ساتھ تھی۔ تب تو کچھ نہ ہوا تھا۔ اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ضبط اتنا کمزور ہوتا تو وہ پہلے ہار گیا ہوتا۔ مگر یقیناً ایسا نہیں تھا۔ یقیناً وہ پہلے اس کی توجہ کو مرکز نہیں تھی اور راتوں رات کوئی جادو نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی جادوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ایک لمحے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کا دل بڑے ڈرامائی انداز میں چرا لے گئی اور وہ فطری عاشقوں کی طرح محبتوں کی انتہائی معراج کو چھونے چل پڑے۔ یقیناً ایسا کوئی خوش کن لمحہ بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا۔ ایسا کوئی حادثہ بھی نہیں ہوا تھا کہ پل بھر میں جنگل کا جنگل ہرا ہونے کی کیفیت سمجھ میں آ سکتی۔

میرب سیال آنسو بہاتے بہاتے یکدم چونکی تھی۔

”آں......تو تم اس لیے قریب آئے میرے۔اس لیے ان التفات کی بارشوں کو سنگ لے کر آئے کہ مجھے نئے رنگوں سے آشنا کر سکو۔تم یہ سمجھے کہ میں التفات کی خواہش مند ہوں، تمہاری جانب سے محبت چاہتی ہوں، تمہاری نظر کرم کی منتظر ہوں۔سو تم ایک مہربان بادل بن گئے۔“

تم یقیناً سیفی کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو سن چکے تھے اور اس کی باتیں تمہیں تپا گئی تھیں۔تبھی تم سمجھے کہ مجھے تمہاری نوازشوں کی ضرورت ہے اور میں تمہاری جانب سے کسی پیش قدمی کی منتظر ہوں۔

اور تم مہربان بادل بن گئے۔التفات کی بارش برسانے کو چل پڑے اور میں سمجھ نہ پائی کہ یہ اقدام کوئی شدید ردعمل بھی ہو سکتا ہے۔میں سمجھ ہی نہیں پائی اور تم آگے بڑھتے چلے گئے۔تو تم یہ سمجھے سردار سبکتگین حیدر لغاری! کہ میں قطرہ قطرہ بھیگنے کی خواہش مند ہوں۔میں بارشوں کا تعاقب کرنا چاہتی ہوں۔خواہشوں کی تتلیاں پکڑنا چاہتی ہوں۔تم سمجھے کہ میں منتظر ہوں۔کسی دلربائی کی، تمہاری جانب سے کسی پذیرائی کی۔تم سمجھے کہ میں بھی ایک عام سی لڑکی ہوں اور فطرت کے تقاضوں سے روشناس ہونا چاہتی ہوں۔تو یہ تمام صورتِ حال ایک ردعمل تھا۔تم سن چکے تھے کہ سیفی کیا کہہ رہا تھا، میں کیا کہہ رہی تھی میں خوش نہیں تھی تم سے، اور تمہیں خوش کرنے کا انداز یہ نظر آیا کہ مجھے ایسے رنگوں سے رنگ دو جو تمہاری ہی طرح جھوٹے اور کچے ہیں۔

چندروزہ رفاقت، چندروزہ التفات۔

چندروزہ مہربانی اور پھر ایک طویل سیاہ رات۔

تم سمجھے کہ میرے فطری تقاضے بھی وہی ہیں۔وہی توجہ چاہتی ہوں میں۔

تمہارے احساس کی وہی تپش، وہی حدت، وہی گرم جوشی، وہی احساس پذیرائی اور تم!

میرب سیال یکدم ہی اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تھی۔تیزی سے سارا سامان سوٹ کیس میں بھرا تھا اور پرس شولڈر پر ڈال کر سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی باہر نکل آئی۔یقیناً اب اسے اس شخص کے ہمراہ نہیں رہنا تھا۔اس کے بعد تو قطعاً نہیں۔وہ اس قدر گر سکتا تھا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔وہ تو اس سے بہت خوفزدہ تھی۔کتنا رعب تھا اس کا۔کتنی متاثر تھی۔وہ تو اس کی سمت نگاہ اُٹھا کر دیکھنے سے بھی ڈرتی تھی۔کتنا بلند لگتا تھا وہ اسے اور کیسے ایک لمحے میں ڈھیر ہوا تھا سب کچھ۔

ایک چھوٹی سی معمولی سی بات کا کیسا شدید ردعمل دیا تھا اس شخص نے۔ایک تو دو دوستوں کے مابین ہونے والی گفتگو اخلاقیات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سنی، پھر اس کے خلاف اقدامات بھی کر ڈالے اور وہ بھی اس قدر انتہائی اور جارحانہ اقدام۔تو نیاز مند کرنا چاہتا تھا وہ اسے۔جب خبر ہوئی تھی وہ اس سے خائف ہے، خوش نہیں ہے، اس رفاقت سے اس کی وابستگی اس طور نہیں ہے تو وہ تپ گیا تھا۔یہ جان کر کہ وہ اس کی جانب سے کچھ اقدام خاص کی توقع رکھتی ہے اور وہ اسے نیاز مند کرنے چلا تھا۔کیا جانا تھا اس نے اسے۔

اس کی سوچ کتنی سطحی سے ہوگئی تھی۔کتنا عام، سطحی مرد بن گیا تھا وہ۔

کتنا گر گئی تھی وہ اپنی ہی نظروں میں۔ جانے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں وہ کس مقام پر ہوگی جو وہ اتنا انتہائی اقدام اُٹھانے کا مرتکب ہوا۔

کیا سمجھ رہا ہوگا وہ اسے۔

اس کا وقار، اس کا تشخص، اس کی انا، اس کی خودداری جیسے پل میں سب ڈھیر ہو گیا تھا۔کیسا پست لگ رہا تھا سب کچھ۔

بہت سی نمی آنکھوں میں بھر رہی تھی مگر وہ چلتی چلی جا رہی تھی۔قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ذہن جل رہا تھا مگر وہ چل رہی تھی۔اس شخص سے، اس کی پرچھائیں سے بھی دور نکل جانا چاہتی تھی۔نفرت محسوس ہو رہی تھی اسے شاہ فطرت شخص سے۔بلندیوں پر رہنے کا کتنا ڈھونگ کرتا تھا وہ اور در حقیقت کس درجہ پست تھا۔

وہ سوچتی بھی تو شاید سمجھ نہ پاتی۔کبھی کچھ اخذ نہ کر پاتی۔اس کی سوچ کی رسائی اس مقام تک آئی ہی نہیں۔مگر ایسا تھا اور یہ سچ تھا۔

وہ شخص بلند نظر تھا، بلند قامت تھا۔مگر در حقیقت اس درجہ بلند تھا نہیں۔اخلاق چھو کر بھی نہیں گزرا تھا اسے۔

وہ سوچ رہی تھی اور خود اپنی نظروں میں گر رہی تھی۔آخر کیا سوچ کر اس نے پیش قدمی کی تھی۔

اس درجہ بے وقعت اور ارزاں۔

کیا یہی حیثیت تھی اس کی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں؟......کیا یہی مقام تھا اس کا اس کی زندگی میں؟

☆......☆......☆

دوریوں اور مجبوریوں کی کہانی بہت جاں گسل تھی۔وہ جتنا وقت کی فصیلوں کو پاٹنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا، فاصلے اتنے ہی صدیوں پر محیط ہوتے چلے جا رہے تھے۔

عفنان علی خان درمیان موجود تمام فاصلوں کو ایک لمحے میں مٹانا چاہتا تھا اور دوسری جانب فاصلے تھے کہ صدیاں بنتے جا رہے تھے۔ایسے میں کوئی تدبیر کارگر ہوتی تو کس طرح؟

وقت متواتر اس کی مخالفت کر رہا تھا۔دل بضد تھا۔

مگر ہر اقدام منفی نتائج لا رہا تھا۔

فاصلوں کی لکیر کو مٹانے کی ہر کوشش جیسے رائیگاں تھی۔وقت کے ہاتھوں وہ شکست خوردہ تھا مگر دل نہیں مان رہا تھا۔مسلسل کسی ضدی بچے کی مانند ضد کیے جا رہا تھا۔

اس شام لامعہ کا فون آیا تھا۔وہ بتا رہی تھی کہ پی سی میں ان کا کوئی سیمینار ہے۔وہ یکدم چونکا تھا۔

”تم جاؤ گی؟“

''ہوں۔''

''اوہ......مگر میرا تو کچھ اور پروگرام تھا۔''

''کیا......کیا پروگرام تھا تمہارا؟'' لامعہ چونکی تھی۔

''تم تو غالباً بزی ہو آج شام۔ ہم ڈنر کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔''

''اوہ، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تم ایسا کوئی پروگرام بنانے والے ہو؟''

''سرپرائز ڈیئر!'' وہ مسکرایا تھا۔

''تو آجاؤ، ہم وہیں ڈنر ساتھ کرلیں گے۔''

''وہاں غالباً تمہارے فیلوز کی گیدرنگ ہوگی۔ تم خواہ مخواہ ڈسٹرب ہوگی۔'' تعرض برتا تھا۔

''ارے نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم ڈنر سیمینار کے بعد کریں گے۔ تم اس وقت آنا۔ پہلے سے اگر آنا چاہو تو ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر تمہارے پاس عین ڈنر کے وقت پہنچنے کا آپشن تو موجود ہے نا۔''

''ہاں...... یہ بہتر رہے گا۔'' اس نے سرسری لہجے میں کہا تھا۔ مگر اندر کہیں بہت سی روشنی بھرتی چلی گئی تھی۔ اور اس شام وہ کتنی اہم ترین اپائنٹمنٹس اور میٹنگز کینسل کرتا ہوا پی سی میں تھا۔

سیمینار کے اختتام پر لامعہ اسے نظر آئی تھی مگر پھر یکدم اس کی ایک دوست اسے کھینچ کر ساتھ لے گئی تھی اور تب وہ منتظر نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

مضطرب نظریں، بڑی بے قراری سے اس ایک آشنا چہرے کو کھوج رہی تھیں۔ جب وہ اسے نظر آ گئی تھی۔ ایک اطمینان دل کے کسی کونے میں پھیلنے لگا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ انابیہ شاہ کی نگاہ بھی اس کی سمت اُٹھ گئی تھی۔ شاید تبھی وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''آپ یہاں؟ ...... حیرت ہے۔ لامعہ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔'' بات کا آغاز کرنے کا ایک بہانہ درکار تھا۔ سو اس سے مناسب کچھ اور نہ لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''لامعہ اکثر ایسی باتیں بھول جاتی ہے۔ بائی دی وے، آپ یہاں کیسے؟ کہیں آپ بھی سیمینار اٹینڈ کرنے تو نہیں آئے؟ حیرت ہے، لامعہ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔'' وہ جیسے ایک لمحے میں حساب برابر کر رہی تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''گڈ، انٹرسٹنگ۔'' وہ جیسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ اُبھری تھی۔ انابیہ شاہ بہت پُر اعتماد

نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو غالباً لامعہ نے انوائٹ کیا ہے۔''

''نہیں...... میں نے اسے انوائٹ کیا ہے۔ ایکچوئیلی ہمارا ڈنر کا پروگرام تھا۔ لامعہ نے بتایا کہ اس کا کوئی سیمینار ہے۔ میں نے کہا چلو ڈنر کا پروگرام اس کے بعد رکھ لیتے ہیں۔''

''خاصے انڈراسٹینڈنگ ہیں آپ۔ آپ تو اچھا خاصا سمجھنے لگے ہیں لامعہ کو۔'' انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

''کیا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں؟'' وہ جواباً بولا تھا۔ انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''کیوں نہیں؟'' اور تبھی وہ چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے۔

''میں نے کہا جب کوئی دوست مدد کرنے کو تیار نہیں تو خود ہی کیوں نہ صورت حال کو قابو کرنے کے متعلق تدبیر ڈھونڈی جائے۔'' وہ اعتماد سے مسکرایا تھا۔

''ڈیٹس گریٹ۔'' انابیہ شاہ نے جیسے داد دی تھی۔ ''بہت اچھا سوچا آپ نے۔ زندگی کی ناؤ اپنی ہو تو اسے کسی اور کے حوالے نہیں کرتے۔ چلانے کی کوشش آپ کرتے ہیں۔ دیر یا سویر، کوشش کرنے سے چپو چلانے آجاتے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''ویسے ایک بات بتاؤ، دل کے تالاب میں چپوؤں والی کشتی نہیں چلتی۔ اگر چلائی جائے تو سارا پانی باہر چھلک جاتا ہے اور فقط خالی ریت پر کشتی چلتی نہیں۔'' وہ ہنسی تھی۔ ہنسی بڑی کھلکھلاتی ہوئی تھی۔ عفنان علی خان بہ غور اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے سینکڑوں جگنو چمکنے لگے تھے۔

عفنان علی خان نے ٹیبل پر اپنے مقابل بیٹھے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ ویٹر دھواں اُڑاتی کافی سرو کر گیا تھا مگر اس کی توجہ کافی سے زیادہ اس چہرے پر تھی۔

''ایک بات بتاؤ گی؟'' انداز سرسری تھا۔

''ہوں'' انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' وہ انتہائی اطمینان سے سوال پوچھ گیا تھا۔

''کیا؟'' وہ یکدم چونک پڑی تھی۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''یہ کیسا سوال ہے؟'' انابیہ شاہ نے جواب دینے سے تعرض برتا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔ محظوظ ہونے کا انداز بڑا دلفریب تھا۔ انابیہ شاہ سر جھکا کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔

''اظہار کے کون سے طریقے کارگر ہو سکتے ہیں؟ یقین دلانے کے راستے کیا ہو سکتے ہیں؟'' بہت مدھم لہجے میں کیے گئے سوال

میں ہزاروں معنی پنہاں تھے۔

''ڈیئر آر لاٹس آف ویز فور ٹیلنگ۔''انابیہ شاہ نے شانے اُچکاتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

''کیا کہوں اور کیسے، کیا کہہ دوں کہ...... کہ میں تمہیں ہر سمت سے اپنے قبضے میں کر لینے کا خواہاں ہوں اور ان سمتوں میں حسد بھی شامل ہے۔کاش...... کاش میں تمہاری خواب گاہ کا وارڈ روب ہوتا، کاش تم مجھ میں اپنے سارے خواب رکھتیں...... تمہارے کئی خوابوں تک میری رسائی ممکن ہوتی۔''

دھیمے لہجے میں وہ کافی کے کپ کو بہ غور تکتے ہوئے کہہ رہا تھا اور انابیہ شاہ ساکت سی بیٹھی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔تبھی اس نے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کیا ایسا کہنا مناسب ہوگا؟''بہ غور اسے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

انابیہ شاہ نے اس کی آنکھوں کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکاتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔پھر اسی قدر مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''کہنے کے لیے بے تحاشا لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''تو پھر؟''وہ مسکرایا تھا۔

''پتہ نہیں۔شاید میں نہیں جانتی۔''وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔

''لامعہ کی دوست ہو اور اتنی سی مدد نہیں کر سکتیں۔''

''تمہیں ہر بار یہ کیوں لگتا ہے کہ میں کوئی خدائی فوج دار ہوں۔یا پھر کوئی ہیلپ لائن؟''انابیہ شاہ نے جواز چاہا تھا۔

عفنان علی خان ہنس دیا تھا۔

''مجھے ایسا ہرگز نہیں لگتا۔مگر میں مدد کس سے مانگوں۔تم جھیل سی گہری ہو اور ایسے لوگ بہت عمدہ سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ان کی سوچ بھی اسی قدر وسعت رکھتی ہے۔''

''اور لامعہ حق جھیل سی گہری نہیں ہے نا؟''وہ اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہیں یاد ہے اب تک؟''

''میں ایسی باتیں نہیں بھولتی۔''

''اور کیا کیا یاد ہے تمہیں؟''بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''وہ سب کچھ جو میں یاد رکھنا چاہتی ہوں۔''

''تھینکس۔''وہ بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''فور وہاٹ؟''وہ چونکی تھی۔

''تم نے مجھے اپنی سوچوں میں زندہ رکھا، یادوں میں تازہ رکھا۔'' وہ ہنسا تھا۔ ''تم باتیں اچھی کرتی ہو۔ شاید مجھے پہلی بار ادراک ہو رہا ہے کہ خوبصورت لڑکیاں باتیں بھی خوبصورت کرتی ہیں۔''

''یہ اعتراف ہے یا سنگین اعتراف؟'' وہ بنا متاثر ہوئے گویا ہوئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اعتراف......اعتراف شکست کہوں تو شاید زیادہ مناسب لگے۔'' جملہ ذو معنی تھا۔ کئی رنگ پنہاں تھے۔ انابیہ شاہ نگاہ کا زاویہ پھیر گئی تھی۔

''بتایا نہیں تم نے۔''

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''تمہیں کبھی محبت ہوئی یا نہیں؟''

''بہت فضول سوال نہیں یہ؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بہت پُر اعتماد انداز میں گویا تھی۔ پھر یکدم رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''تھینکس فور یور کافی۔ لامعہ کو آنے میں شاید دیر لگے گی۔ مجھے جانا ہوگا اب۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی اس کی سمت ایک مروت سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان تا دیر اس پُر اعتماد قدم اٹھاتی لڑکی کو تکتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری چت اپنے بیڈ پر پڑا تھا جب یکدم ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا اور وہ تیزی سے اُٹھ کر باہر کی سمت دوڑا تھا۔ پہلی فرصت میں اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا مگر کمرہ لاک تھا۔ یقیناً وہ یہاں نہیں تھی۔ وہ بڑی عجلت میں ریسیپشن پر پہنچا تھا۔ اس کی بابت دریافت کیا تھا۔

''جناب! وہ تو ابھی تھوڑی دیر قبل چیک آؤٹ کر گئی ہیں۔'' ریسیپشنسٹ نے شستہ انگریزی میں مطلع کیا تھا اور دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے باہر کی سمت دوڑ لگا دی تھی۔ نگاہ بہت بے قراری سے اسے ڈھونڈ رہی تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ باہر کی سمت دوڑا تھا۔ تبھی وہ اسے دور سے دکھائی دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑی سرعت سے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی جب وہ اس کے سامنے جا رکا تھا۔ بوندا بوندی ہو رہی تھی۔ موسم خراب تھا۔ میرب سیال نے نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ بھیگی پلکوں پر بہت سے موتی اب بھی چمک رہے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ سے سامان لینا چاہا تھا مگر وہ مزاحمت کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی اور تب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا بھاری ہاتھ اُٹھا تھا اور میرب سیال کے چہرے پر اپنا نشان ثبت کر گیا تھا۔ میرب سیال ساکت سی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

بوندا باندی کے تسلسل میں یکدم ہی تیزی آ گئی تھی۔ تیز بوچھاڑ انہیں بھگونے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری انتہائی خشمگیں نظروں سے تکتا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ میرب سیال کی ساکت نظریں کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت اُٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اسی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی کو تھاما تھا۔ مگر وہ مزاحمت کرتی ہوئی چیخ پڑی تھی۔

''مجھے نہیں رہنا ہے تمہارے ساتھ...... کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا؟ کیا سمجھتے ہو تم؟ کیا بہت با اختیار ہو؟ سب کچھ روا رکھ سکتے ہو، جو چاہو کر سکتے ہو، حاکم و مختار ہو، دنیا کو اپنی مٹھی میں لیے پھرتے ہو، جب چاہو، جو چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن میں نہیں ڈرتی ہوں تم سے۔ سنا تم نے۔ کوئی خوف نہیں ہے مجھے تمہارا۔ تم کس حد تک جا سکتے ہو، جان گئی ہوں میں۔ کتنا بلند جانا تھا میں نے تمہیں مگر بہت کھوکھلے ہو تم۔''

بارش میں بھیگی ہوئی انتہائی نفرت سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکتی وہ چیخ رہی تھی۔ لہجہ اور انداز بے خوف تھا۔ اگرچہ میرب کی کلائی اب بھی اس آہنی گرفت میں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں سے بہت تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے اور انتہائی بے قدری سے بارش کے پانیوں میں مل کر ضائع ہو رہے تھے۔

''کیا سمجھتے ہو تم؟ تمہاری ہی قربتوں کی متلاشی ہوں میں۔ تم جیسے شخص کی ہمراہی کی خواہاں ہوں۔ کیا اخذ کیا تم نے۔ کیا چاہتی ہوں میں تم سے، ایسی قربت، ایسی محبت، ایسا التفات، ایسا کرم، کیا سمجھے تم سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا اخذ کر کے تم نے ایسا اقدام اُٹھایا؟ کیسے تمہیں لگا کہ میں تمہاری سرد مہری سے عاجز آ چکی ہوں اور تمہاری کسی گرم جوشی کی خواہاں ہوں۔ تم کتنے سطحی مرد ہو، یہ اچھی طرح جان گئی ہوں میں۔ مگر تمہیں کیسے لگا کہ میں ایک اتنی ارزاں سی لڑکی ہوں جسے حاصل کرنا تمہارے لیے اتنا آسان رہے گا۔ تو اس لیے لائے تھے تم مجھے یہاں۔ اس مقصد کے لیے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! مجھے تمہارے متعلق سوچ کر بھی گھن آ رہی ہے۔ حیرت ہے، تمہیں احساس تک نہیں۔ تم نے مجھے انہی لڑکیوں کی قطار میں کیسے لا کھڑا کیا جن کا گزر مجھ سے قبل تمہاری زندگی میں تھا۔ میں تمہارے قریب تھی۔ تمہارے نام سے منسوب تھی اور تمہیں لگا میں سہل الحصول ہوں۔ تمہارے اختیار میں ہوں۔ مکمل استحقاق رکھتے ہو تم۔ جو چاہو، روا رکھ سکتے ہو۔''

بارش زوروں پر تھی۔ موسم میں خنکی بڑھنے لگی تھی مگر اسے احساس تک نہ تھا، اس کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ میں موجود اس کا ہاتھ بالکل یخ ہو رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اُٹھی نظروں میں نفرت ہی نفرت تھی اس لمحے۔ اور یہ پہلا احساس تھا جو اس نے برتا تھا۔ اس سے قبل اسے کبھی اس بات کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ بے تاثر چہرے اور ساکت آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھتا رہا تھا پھر یکدم اسے کھینچتے ہوئے آگے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

انداز جارحانہ تھا۔ آنکھیں بے تاثر تھیں۔

مگر شاید اس سکون کے پیچھے کوئی بہت بڑا طوفان چھپا ہوا تھا۔ ان خاموشی کی تہوں میں کوئی بھونچال ضرور تھا۔ کہیں کوئی انتشار ضرور تھا جو بہ ظاہر نہیں آ رہا تھا مگر کہیں موجود تھا ضرور۔

وہ میرب سیال کی کلائی پر اسی درجہ مضبوط گرفت رکھے آگے بڑھا تھا اور میرب سیال اس کے ساتھ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ میرب

سیال کا دل جیسے تھمنے کو تھا۔ دھڑکنیں جیسے مدھم پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بازو سے تھامے گھسیٹتا چلا جا رہا تھا۔ جب یکدم ہی اس کی ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا اور وہ جھولتی ہوئی اس کے بازوؤں میں آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہوش و خرد سے بیگانہ چہرے کی سمت ایک نگاہ کی تھی۔ اپنی بانہوں میں موجود اس جھولتے ہوئے وجود کو دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جو دھواں دھار اس کے خلاف بول رہی تھی اس گھڑی وہ اس کی پناہ میں ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھینچے ہوئے ہونٹوں اور بے تاثر آنکھوں کے ساتھ اس وجود کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس بے ہوش وجود کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل جن آنکھوں سے نفرت پھوٹ رہی تھی وہ بند تھیں۔ جس زبان سے زہر اُگلا جا رہا تھا وہ چپ تھی۔ وہ جو ہوش و خرد سے بیگانہ اس کے رحم و کرم پر تھا۔ سارے دعوے بے کار رہے تھے۔

اس لمحے وہ اسی کے بازوؤں میں تھی جس کے لیے اس کے اندر حد درجہ کدورت تھی، نفرت تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے نازک وجود کو بازوؤں میں لیے ہوٹل کی سمت بڑھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

مہندی کی تقریب تھی۔ سب میوزک پر بھنگڑا کر رہے تھے۔ ساہیہ خان بھی پیش پیش تھی۔ نہ صرف خود مصروف تھی۔ بلکہ متواتر اسے بھی کھینچ رہی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

''کیا ہے؟...... کتنے پکے مشرقی ٹائپ مرد ہو تم۔'' وہ چھیڑ رہی تھی۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

''میرے لیے تم اتنا سا بھی نہیں کر سکتے ہو؟'' ساہیہ نے گھورا تھا۔

''مجھے یہ سب بالکل بھی نہیں آتا۔''

''لیکن اگینے کی شادی پر تو تم نے خوب ہلا گلا کیا تھا۔'' جتایا تھا۔

وہ حیران ہوا تھا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟...... تب تو تم یہاں پر تھیں بھی نہیں۔''

''تم کیا سمجھتے ہو، یہاں پر نہیں ہوں گی تو کیا یہاں سے ناواقف بھی ہوں گی؟'' وہ مسکرائی تھی۔

وہ چونکا تھا۔

''یعنی تم یہاں کی برابر خبر رکھے ہوئے تھیں۔''

''ہاں۔''

''اور میری؟'' وہ مسکرایا تھا۔وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''بطورخاص تمہاری نہیں۔''

''لگ تو یونہی رہا ہے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''غلط لگ رہا ہے۔خوش فہمی زیادہ ہونے لگی ہے تمہیں۔علاج کراؤ۔'' ساہیہ خان شرارت سے مسکرا رہی تھی۔مگر وہ ہنس دیا تھا۔

''ایسے ایک کونے میں گھسے کھڑے رہو گے تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔کل کوئی تمہاری شادی میں بھی بھنگڑا نہیں کرے گا۔'' مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔

''اچھا؟'' وہ کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''ہنسو مت۔کوئی جوک نہیں ہے یہ۔پہلی بار کسی لڑکے کو شرماتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔'' طعنہ دے کر منہ پھیر لیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا تھا پھر اس کو شانوں سے تھام کر رُخ اپنی طرف پھیر لیا تھا۔چند ثانیوں تک بہ غور دیکھا تھا۔پھر بہت دھیما سا تبسم لبوں پر تھا۔بہ غور اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ساہیہ خان اس کے انداز پر اسے چند ثانیوں تک یونہی تکتی رہی تھی۔پھر چہرے کا رُخ پھیر کر مسکرا دی تھی۔

''شرمانے،گھبرانے والوں کو اور کیا کہتے ہیں اذہان حسن بخاری؟'' انداز چھیڑنے والا تھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔رخسار پر پڑنے والا ڈمپل بہت بھلا لگ رہا تھا۔وہ شاید پھر کسی شرارت کے موڈ میں تھی۔اسے چھیڑنا بے وجہ نہ تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا پھر دایاں ہاتھ بڑھا کر شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو بہت ہولے سے اپنی طرف پھیرا تھا اور بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے بہ غور اس چہرے کو دیکھا تھا۔

''شرمانے،گھبرانے والوں کو جو بھی کہتے ہوں مگر اذہان حسن بخاری قطعاً نہیں کہتے۔''

''تو پھر کیا کہتے ہیں؟'' ساہیہ خان نے شرارت سے چھیڑا تھا۔اذہان حسن بخاری اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا۔پھر یکدم اس کا نازک ہاتھ تھام کر اس ہجوم کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

او وہ لے گئی میری بانہہ پھڑ کے

او وہ لے گئی میری بانہہ پھڑ کے

گانے والے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور اذہان حسن بخاری کے قدم اس ردھم میوزک کے سنگ اُٹھنے لگے تھے۔وہ نہ صرف خود جھوم رہا تھا بلکہ ساہیہ خان کو بھی اپنے سنگ بھنگڑا کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ساہیہ خان جہاں حیران ہوئی تھیں وہیں مسکرا رہی تھی۔

''بہانے تو ایسے بنا رہے تھے جیسے سرے سے وقف ہی نہیں۔قطعی نابلد ہو۔''

''تمہیں آزما رہا تھا۔''

''اور میں تو جیسے بے وقوف بن گئی تھی۔''

''لگ تو ایسے ہی رہا تھا۔''

''اور اگر میں کہوں کہ میں فقط چھیڑ رہی تھی تو؟'' شرارت سے بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرائی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

جوش نال پاؤ بھنگڑا

جوش نال پاؤ بھنگڑا

میوزک مکمل طور پر ردھم میں تھا۔

''اور اگر میں کہوں کہ میں جانتا تھا، تو؟''

''تو میں کہوں گی یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں تھا۔'' اسے رد کیا تھا۔

''پھر......پھر کیا تھا؟'' وہ جاننے پر بضد ہوا تھا۔ ساہیہ مسکراتی ہوئی گھومی تھی۔

جوش نال پاؤ بھنگڑا

جوش نال پاؤ بھنگڑا

اس کی توجہ غالباً مکمل طور پر اس جانب نہ تھی۔ پاؤں یکدم مڑا تھا، وہ لڑکھڑائی تھی، تبھی اذہان حسن بخاری نے انتہائی سرعت سے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

اک خوشبو کا گھیراؤ بہت دلفریب تھا۔ بات لمحہ بھر کی تھی مگر ساہیہ خان کی دھڑکنوں میں یکدم ہی ایک ارتعاش سا ہوا تھا۔ کتنی گرم گرم سانسوں کو اس نے اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ جان یکدم ہی ایک جادو میں گھرنے لگی تھی۔ ایک مشکل اس افسوں کو اور بھی بڑھانے لگی تھی۔

''آر یو آل رائٹ؟'' اذہان حسن بخاری نے اسی طرح اسے اپنے حصار میں تھامے ہوئے شہادت کی انگلی سے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو قدرے اوپر اُٹھا کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ ساہیہ خان نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور پھر دھیان پھیرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے حصار سے نکلنا چاہا تھا۔ مگر دوسری طرف اذہان حسن بخاری جیسے شرارت پر مائل تھا۔ بازوؤں کا گھیرا کھولنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے کسی قدر شرارت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ ساہیہ خان نے نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت رکی ہوئی تھی۔

''چھوڑو مجھے۔'' دھیمے لہجے میں جیسے کوئی درخواست ہوئی تھی۔

''اگر میں کہوں، نہیں۔'' وہ شرارت سے مدھم سی سرگوشی کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اذہان حسن بخاری!'' ساہیہ نے سر اُٹھا کر کسی قدر خفگی سے تکتے ہوئے ڈپٹا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ ساتھ ہی بازوؤں کا گھیرا کھول کر اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔ ساہیہ نے خجل سی ہو کر ہاتھ کا ایک مُکا سا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا اور سر جھکا کر

یونہی زرتار بلیو دوپٹے کو درست کرنے لگی تھی۔

ساہیہ خان کے چہرے کی حالت کچھ متغیر تھی۔وہ اس کی سمت سے نگاہ اب بھی پھیرے ہوئے تھی۔

''ایک بات کہوں؟'' اذہان حسن بخاری اس کے چہرے کی کیفیت کو بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''ہوں۔'' ساہیہ نے خود کو معمول پر ظاہر کرنے کو چہرے پر ایک اطمینان بھری دھیمی سی مسکراہٹ سجا کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''تم شرماتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔'' عجب انکشاف تھا۔ساہیہ حیران رہ گئی تھی۔

''اذہان!''

مگر وہ شرارت پر بضد نظر آ رہا تھا۔قدرے جھکا تھا۔

''سچ کہہ رہا ہوں ......یقین نہ ہو تو آئینہ دیکھ لو۔تکلف کی ضرورت نہیں، میری آنکھیں حاضر ہیں۔تم بآسانی اپنا عکس دیکھ کر اندازہ لگا سکتی ہو۔'' مدھم لہجے میں کی گئی پیشکش عجب دلربا تھی۔وہ ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔

''کس بات کا؟'' بے دھیانی میں جیسے لبوں پر سے پھسلا تھا۔

اذہان حسن بخاری کے لبوں کی دھیمی مسکراہٹ یکدم ہی قہقہے میں تبدیل ہوگئی تھی۔

''تم کتنی بے وقوف لگ رہی ہو۔''

''اذہان!'' وہ چیخی تھی۔مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔تبھی وہ جانے کے لیے آگے بڑھی تھی مگر تبھی عین اسی لمحے اذہان حسن بخاری نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ساہیہ خان گردن کا رُخ پھیر کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''مزید بھنگڑا نہیں کرو گی میرے ساتھ؟'' لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ میں عجب ایک شرارت تھی۔ساہیہ خان نے دیکھا تھا، پھر اس کا فطری اعتماد عود کر آیا تھا۔

''نہیں۔تم یہ شوق تنہا پورا کر لو۔''

''لیکن یہاں پر آنے کے لیے تمہی نے مجبور کیا تھا۔احساس دلایا تھا۔''

''اذہان حسن بخاری! میں نے جتنا ساتھ دینا تھا، دے دیا۔اب تم اکیلے ہی انجوائے کرو۔اور اگر نہیں کر سکتے ہو تو کسی اور کو تلاش کر لو۔''

''اوہ......کیا واقعی تلاش کر لوں؟'' سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔وہ ہنس دی تھی۔

''آف کورس۔'' اجازت دی تھی۔

''تمہیں برا تو نہیں لگے گا؟''

''مجھے......مجھے کیوں برا لگے گا؟'' اور جواباً اس کا قہقہہ بے حد برجستہ تھا۔وہ کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا اور تبھی ساہیہ خان ہاتھ چھڑا

کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان دادا ابا سے مل کر نکل رہا تھا جب انا بیہ شاہ اسے تالاب کے کنارے بیٹھی نظر آئی تھی۔ رات کا پہر اور اس پر چودھویں شب کا چاند آسمان کے عین وسط میں، حسن ایسے میں کچھ اور نکھر سا گیا تھا۔

مدھم روشنی میں وہ ایک عجب تاثر دے رہی تھی۔ چاند کی پہلی روشنی کا عکس اس کے چہرے پر تھا اور اس وقت دو چاند اپنا عکس تالاب کے پانی پر چھوڑ رہے تھے۔ تالاب کا پانی اس لمحے روشنی اور نور سے جیسے بھر گیا تھا۔ ایک عجب سی روشنی پھوٹ رہی تھی اس پانی سے۔ سارا پانی جیسے سونا ہو گیا تھا۔

عفنان علی خان نے پھر قدم اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔

''عجب معجزہ ہے یہ۔ آنکھوں کو یقین نہیں ہوتا۔ کیسی کیسی کرشمہ سازیاں ہو سکتی ہیں۔ سوچو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔'' بہت ہولے سے وہ گویا ہوا تھا۔

انا بیہ شاہ جو کسی قدر محو تھی، قدرے چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''کچھ کہہ رہے تھے آپ؟''

''کہہ چکے۔ غالباً اب کچھ باقی بچا نہیں۔''

انا بیہ شاہ نے فقط اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''حسن اور افسوں ایک ساتھ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ شاید تبھی اس قدر حیران ہوں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ انا بیہ شاہ حیران ہوئی تھی۔ شاید تبھی کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی مگر وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں چاند کی بابت بات کر رہا ہوں۔ چاندنی راتوں کے فسوں کے متعلق اس سے قبل فقط سوچا تھا، سنا تھا۔ دیکھا کبھی نہیں تھا۔ یہ واقعی حیران کن ہے۔ یہ چاند، یہ پانی، یہ عکس، یہ بھیگی بھیگی سی روشنی، آنکھیں خیرہ کیوں نہ ہوں۔'' بہت مبہم مسکرایا تھا۔ ''شاید تم اس لیے مبہوت تھیں۔''

انا بیہ شاہ اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی مگر وہ اس چہرے کو بہ غور تکتا رہا تھا۔

''کچھ کہہ رہے ہیں آپ؟''

عفنان علی خان بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''آپ سی گہری آنکھوں والے جب ساحل پر آتے ہیں

لہریں شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوب گیا

میں سوچ رہا تھا اگر چاند کی آنکھیں ہوتیں تو وہ کیسا نظر آتا؟'' اس نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔ انابیہ شاہ اس کی بات پر اب کے چونکی نہیں تھی، ہاں کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

''چاند کی آنکھیں؟...... چاند کی آنکھیں کس طرح ہو سکتی ہیں؟ یہ خیال تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟''

''یونہی۔ ویسے اگر ایسا ہو تو کتنا بھلا لگے۔ بائے دی وے تم نے کبھی ایسا سوچا ہے؟''

''اوں، ہوں۔ غالباً میں ایسی فضول باتیں نہیں سوچتی۔'' انابیہ شاہ نے پُر افسوس لہجے میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''میں نے دیکھا ہے۔'' انداز مسرور تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''چاند کے چہرے پر دو خوب صورت آنکھوں کا پہرہ

آپ کی صورت سے ملتا ایک چہرہ دیکھا ہے۔

نیلے گہرے آسماں میں، روشنی کا اک جزیرہ دیکھا ہے۔''

وہ مکمل طور پر مسرور نظر آ رہا تھا۔ باتیں سرگوشیوں جیسی تھیں۔ لہجہ اور انداز پُرفسوں تھا۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔

''آپ خود کلامی کے مرض میں مبتلا ہیں۔''

''نہیں...... غالباً مجھے خود سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ مگر اس لمحے میرا مخاطب چاند ہے۔ آسمان کی دُور وسعتوں میں وہ ایک چاند جو حسین ہے۔ بے حد حسین۔ دلفریب اتنا ہے کہ دل اسے پانے کو پل بھر میں مچل جائے۔ ہاتھ تھامنے کو ایک لمحے میں اُٹھ جائیں۔ آنکھیں اسے دیکھیں اور دیکھتے رہنے کے اسرار میں مبتلا ہو جائیں۔ خواہشیں بے انت سمندر ہو جائیں اور سارے لمحے خواب خواب لگنے لگیں۔ مجھے اس چاند کے متعلق سوچنا اچھا لگتا ہے۔ باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ وہ میرے سارے حوالوں میں ہے، ساری باتوں میں ہے۔ میرے سارے قصے اسی سے منسوب ہیں۔ ساری کتھائیں اسی سے وابستہ ہیں۔ مجھے اچھا لگتا ہے اسے دیکھنا، اسے دیکھتا رہنا، اسے سوچنا اور پہروں سوچتے رہنا۔ اس کا ذکر لمحہ لمحہ خود سے کرنا اور اسے کبھی جتانا نہیں، اسے خوابوں میں ملنا، پانا اور لمحہ لمحہ کھوجنا...... مجھے اچھا لگتا ہے اس کے سنگ رہنا، قلیل ترین لمحوں میں ملنا۔ کبھی فقط ایک لمحے کا دیکھنا۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ یہ دوری اور مجبوری کی کہانی بڑی پُر لطف اور دلفریب ہے۔ شاید باتوں میں، میں اسے بیان نہ کر سکوں۔ نہ تم سمجھ سکو۔''

وہ اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ وہ اب کے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''لامعہ سے پوچھوں گی۔''

''کیا؟''

''وہ کیسے ہضم کر لیتی ہے اتنی مشکل باتیں؟'' وہ مسکرا رہی تھی۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''شاید اس لیے کہ اسے کبھی سننے کا اتفاق ہوا ہی نہیں۔''

''یعنی؟'' وہ چونکی تھی۔

''مشکل باتیں اس کی عقل میں ذرا کم ہی آتی ہیں۔'' وہ اس ذکر سے جیسے خوش نہیں ہوا تھا۔ تبھی بات ختم کرنا چاہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''لامعہ کو پتہ چلے کہ تم اس کے متعلق ایسا سوچتے ہو تو یقیناً نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔'' عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ پھر اس کی سمت بہ غور تکنے لگا تھا۔

''تم مجھے جتا رہی ہو یا ڈرا رہی ہو؟''

''کیا تم ڈر رہے ہو؟'' وہ محظوظ ہوتی ہوئی مسکرائی تھی۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''تمہیں میں اس درجہ چکن ہارٹ نظر آتا ہوں؟''

''پتہ نہیں۔'' انابیہ شاہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔ ''میں کوئی قیاس نہیں کر سکتی۔''

''کوشش بھی نہیں کرو گی؟''

''میں فضول قسم کے کاموں کے لیے وقت صرف نہیں کرتی۔ تم غالباً لامعہ کے متعلق بات کر رہے تھے۔'' انابیہ شاہ نے اسے یقین دلایا تھا۔

''اوں، ہوں۔'' سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ ''میں غالباً چاند کے متعلق بات کر رہا تھا۔ میرا موضوع گفتگو یہ پُرفسوں چاند تھا۔ جس کا عکس پانی میں ہے۔'' نگاہ تالاب کی سمت کر کے اشارہ دیا تھا جہاں انابیہ شاہ کے چہرے کا عکس چاند کے عکس کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔

انابیہ شاہ حیران سی ہو کر تالاب کے پانی کی سمت تکنے لگی تھی۔

''اوہ...... مگر یہ تو فقط عکس ہے۔ فقط ایک شباہت۔ اور شباہتوں کی حقیقت کچھ خوش آئند نہیں ہوتی۔'' انابیہ شاہ نے جیسے اسے ڈرایا تھا۔ مگر وہ مسرور سا مسکرا دیا تھا۔

''تم نے کبھی خواب دیکھے ہیں انابیہ شاہ؟''

''خواب دیکھنا اور بات ہے عفنان علی خان! اور خوابوں میں جا کر رہنا اور بات۔ بہت سے لوگ خوابوں میں زندگی بسر کرنے

کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے خواب دیکھنا تو اچھا لگتا ہے مگر خوابوں میں عمر بتانا نہیں۔ میں اس مقولے پر عمل کرتی ہوں۔

خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے

ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو''

''دلچسپ۔'' وہ متاثر ہو کر مسکرایا تھا۔''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔''

''کیا؟''

''یہ خوبصورت لڑکیاں اتنی ذہین کیوں ہوتی ہیں۔''

''شاید اس لیے کہ کوئی انہیں بے وقوف نہ بنا سکے۔''

''لیکن ہر خوبصورت لڑکی کا ذہین ہونا بھی شرط نہیں۔''

''اپنے کہے کو خود آپ جھٹلا رہے ہیں عفنان علی خان!''

''اوں، ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا۔''غالباً میں ایک وضاحت دینا بھول گیا تھا۔''

''لامعہ حق کی ہمت کی داد دینا پڑے گی۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''تم ہر بات میں بے چاری لامعہ حق کو کان سے پکڑ کر کیوں کھینچ لاتی ہو؟''

''کیوں، تمہیں اچھا نہیں لگتا؟'' انابیہ شاہ نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جواب دیئے بغیر تالاب کی سطح کو دلچسپی سے تکنے لگا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' انابیہ شاہ کو تشویش ہوئی تھی۔

''اپنے چاند کو۔'' وہ مسرور سا مسکرایا تھا۔

''دوبدو تکنے کی ہمت نہیں یا برداشت نہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے جیسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ہمت تو ہے۔ مگر ڈرتا ہوں۔'' مدھم لہجے میں کئی بھید چھپے تھے۔

''کس بات سے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ چند ثانیوں تک اس کی سمت تکتا رہا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''چاند برا مان جائے گا۔'' جواب بہت غیر متوقع تھا۔ شاید تبھی انابیہ شاہ مزید کچھ نہیں بولی تھی بلکہ اس کی سمت سے نگاہ بھی پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''چلتا ہوں۔'' ایک نگاہِ خاص اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے پلٹ کر آگے بڑھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ یکدم اُٹھی تھی اور اندر کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

میرب سیال نے آنکھیں کھول کر کمرے کے ماحول کو دیکھا تھا۔فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔مگر پھر رفتہ رفتہ سب منظر آنکھوں کے سامنے واضح ہونے لگے تھے۔ساتھ ہی ذہن کے تمام طبق بھی روشن ہو گئے تھے۔وہ یکدم ہی اُٹھ بیٹھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کمرے میں نہیں تھا اور وہ اس وقت یقیناً اُس کے کمرے میں تھی۔

ایک شدید طور کا احساسِ عدم تحفظ اس کے اندر اُبھرا تھا۔دل یکدم ہی کسی خوف سے بھر گیا تھا۔اس نے ایک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی تھی۔عجب سکوت سا تھا کمرے میں۔شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے کمرے میں نہ تھا۔وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھی خالی ذہن اور خالی خالی نظروں سے ہر شے کو دیکھتی رہی تھی۔عجب ایک وحشت سی اس کے اندر اس لمحے پھیلی ہوئی تھی۔دل وہاں سے لمحہ بھر میں بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔مگر شاید ایسا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔زندگی نے اسے عجب ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔جہاں پر کھڑی وہ عجب اُلجھن میں تھی۔ہر سمت جیسے تاریکی کے گہرے سائے تھے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا،کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔جانے اس سے آگے کی راہ کیا تھی۔فی الحال تو سارے منظر حدِ نگاہ تک دُھند میں لپٹے ہوئے تھے۔وہ نہ اس راہ پر آگے بڑھ سکتی تھی نہ ہی واپس پیچھے پلٹ سکتی تھی۔

کوئی بھی فیصلہ کرنا جیسے اس کے لیے آسان نہ تھا یا پھر صورتِ حال ہی اتنی پیچیدہ تھی کہ اسے کوئی راہ مل نہ رہی تھی،کوئی سرا ہاتھ آ نہ رہا تھا،کوئی گرہ کھل نہ رہی تھی۔وہ بس حواس باختہ سی تاریکیوں میں گھری کھڑی تھی۔لیکن یہ طے شدہ بات تھی کہ اسے ان تاریکیوں میں سدا نہیں رہنا تھا۔اسے یہاں سے نکلنے کی راہ سوچنا تھی۔یہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچنا تھی اور یقیناً یہ آسان نہ تھا۔مگر اسے اسی مشکل کو حل کرنا تھا۔اپنی پوری عقل کے ساتھ،پورے ذہن کے ساتھ،مکمل ہوش مندی اور خرد مندی کے ساتھ۔کوئی جذباتی قسم کی بات نہ تھی یہ۔سو کوئی جذباتی قسم کا فیصلہ نہیں کرنا تھا اسے۔اگر چہ جس طرح کی صورت حال اسے درپیش تھی وہ فی الفور اس سے نکل جانا چاہتی تھی۔مگر یقیناً ایسا ممکن نہ تھا۔اسے یہاں سے نکلنا تھا مگر اپنی پوری خرد مندی اور عقل کو بیدار رکھتے ہوئے۔

وہ اسی طرح خالی خالی آنکھوں سے مناظر کو دیکھ رہی تھی جب کمرے میں آہٹ ہوئی تھی۔اس نے نگاہ کی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری ناشتے کی ٹرے لیے اس کے سامنے موجود تھا۔جانے کب دروازہ کھلا تھا اور کب وہ اندر داخل ہوا تھا۔وہ خود میں اتنی گم تھی کہ جان ہی نہ پائی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے پاس آ کے رکا تھا۔میرب سیال نے سر اُٹھا کر اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔بہت ہولے سے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ناشتے کی ٹرے بیڈ پر دھرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

"میرے خیال میں تمہیں پہلے ناشتہ کر لینا چاہیے۔باقی کے تمام ضروری اموراس کے بعد کے لیے اُٹھا رکھنے چاہئیں۔" وہ اس کی سمت تکتا ہوا بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

میرب سیال نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا،نگاہ پھیرے رکھی تھی۔مگر دل میں یکدم ہی جانے کیوں بہت سا خوف بھر گیا تھا۔

دھڑکنیں معمول پر نہ رہی تھیں۔ یکدم ہی ایک ارتعاش سا سارے وجود میں پھیلا تھا۔ یقیناً یہ کیفیت خوف کی تھی، عدم تحفظ کی تھی۔ وہ اس پناہ میں، اس قرب میں خود کو محفوظ نہیں جان رہی تھی۔ کوئی احساس خوف بن کر رگ و پے میں سرائیت کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ انداز بے تاثر تھا۔ کوئی اقدام ناپید تھا۔ کچھ ہونے یا نہ ہونے کا احتمال بھی نہ تھا مگر اس کے باوجود میرب سیال کی دھڑکنوں میں خوف کی ایک واضح نشاندہی مل رہی تھی۔

رات کے متعلق وہ نہیں جانتی تھی۔ بے ہوشی میں سارے احساس جیسے منجمد ہو گئے تھے۔ کسی بات کا کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ مگر اب وہ کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ خردمندی سے پورے ہوش و حواس قائم رکھے اس شخص کے سامنے تھی۔ مگر اس کے باوجود خوفزدہ تھی۔ شاید یہ سارے خوف اسی بیداری کے ہوتے ہیں۔

رات وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ ہیٹر آن کر کے، اپنا کمبل اس کو اوڑھایا تھا۔ وہ یقیناً اس کے قریب تھا۔ مگر وہ یہ بات نہیں جانتی تھی۔

میرب سیال رات والی اور اب کی کیفیت میں واضح فرق محسوس کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی رات کیا ہوا تھا یا کیا ہوا ہوگا۔ مگر اب جب اُٹھی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے مقابل دیکھ کر اس کی پھر وہی کیفیت تھی جو رات میں بے ہوش ہونے سے قبل تھی۔

"کیا ہوا؟...... کیا سوچ رہی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انداز اور لہجہ سپاٹ تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک نگاہ بھی اس کی سمت نہیں کی تھی۔ اسے دیکھنا تک گوارا نہ سمجھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے دایاں ہاتھ اُٹھا کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ چہرے کا رُخ کسی قدر اپنی طرف پھیرا تھا۔ شاید وہ اس کی توجہ چاہتا تھا۔ میرب سیال کی بے توجہی اسے کسی قدر کھل رہی تھی۔ یا پھر وہ کسی قدر راری ٹیٹ ہو رہا تھا۔ مگر اس اقدام پر کوئی خوش آئند ردعمل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میرب سیال بدک کر کچھ اور بھی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جیسے اسے کسی انگارے نے چھو لیا ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت نگاہ کی تھی، بہت بے تاثر اور سرد نگاہ تھی وہ۔ کسی طرح کا کوئی احساس اس نگاہ میں نہ تھا۔ کسی طرح کا کوئی تاثر اس کے چہرے سے واضح نہ تھا۔ شاید اسے میرب سیال کے اس انداز پر کسی قدر غصہ آ رہا تھا۔ یا پھر اسے اس کا اس طرح ری ایکٹ کرنا ناگوار گزر رہا تھا۔ مگر اس طرح کی کسی بات کا اظہار اس کے چہرے پر نہ تھا۔

"شاید تم نے سنا نہیں ...... میں نے کہا ہے تمہیں ناشتہ کر لینا چاہیے۔" بے حد سرد مہر لہجے میں وہ گویا ہوا تھا۔ میرب سیال نے تب بھی اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔ ہاں آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن ٹھہرے تھے اور طغیانی اتنی بڑھی تھی کہ لمحہ بھر میں پیمانے چھلک پڑے تھے۔ وہ چہرے کا رُخ پھیرے اسی طرح بیٹھی تھی جب آنکھوں سے گرم سیال پانی کے قطرے بہہ کر رخساروں کو جلانے لگے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔ میرب سیال اس شخص کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر جیسے کسی بات پر اس کا اختیار نہ رہا تھا اور فضول کا کوئی بند وہ باندھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیوں تک اسی طرح اسے بیٹھا دیکھتا رہا تھا پھر بے حد نا گواری سے گویا ہوا تھا۔

''چاہتی کیا ہو تم؟...... کیا قیامت آ گئی ہے جو یوں واویلا مچا رہی ہو؟ آسمان تو ٹوٹ کر نہیں گر پڑا، صحیح سلامت ہو تم۔ ثابت و سالم ہو، ٹھیک ٹھاک ہو۔ ایک رات گزر جانے کے بعد کیا تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا کچھ نہیں۔'' مدھم لہجے میں جیسے انگارے ہی انگارے تھے۔ میرب سیال کے چہرے پر ٹھہری اس کی نگاہوں سے جیسے شعلے لپک رہے تھے۔

''تمہیں اس بات کا اب تک اندازہ نہیں ہوا کہ میں کس درجہ اختیار رکھتا ہوں۔ میں کیا کر سکتا تھا اور میں نے کیا نہیں کیا...... تم رات میرے رحم و کرم پر تھیں۔ اگر مجھے کسی طرح کا فائدہ اُٹھانا ہوتا تو کون روک سکتا تھا مجھے، تم؟ جسے خود کا بھی کچھ ہوش نہ تھا۔ کیا سمجھتی ہو تم، کس بات نے مجھے ضبط قائم رکھنے پر مجبور کیا؟ تمہارے ان مگر مچھ کے آنسوؤں نے، یا پھر تمہارے اس بے وقوفانہ ڈر اور خوف نے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمے لہجے میں کہتا ہوا بہ غور میرب سیال کو دیکھ رہا تھا جو اس لمحے بھی اس سے نظریں پھیرے ہوئے تھی۔

''میں چاہتا تو کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اور تم کیا کر لیتیں؟...... ماسوائے آنسو بہانے کے، رونے دھونے کے اور خوفزدہ ہونے کے، تمہیں آتا ہی کیا ہے؟ رات تم نے بہت کچھ کہا اور میں نے سنا اور جھیلا بھی۔ مگر یاد رکھو، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سننا سیکھا نہیں ہے، فقط حکم صادر کرنا جانتا ہے۔ یہ روٹھنے منانے کے چونچلے چھوڑ دو، مجھے ان باتوں کا کچھ خاص تجربہ نہیں ہے۔ سو بے سود رہے گا یہ سب۔ یہ ڈرامہ بازی اب بند ہو جانی چاہیے۔ کوئی قیامت تو آئی نہیں ہے نہ ہی آسمان سر پر گر پڑا ہے۔ کیا تمہیں اب یہ سمجھانا پڑے گا کہ تم ایک اہم ترین رشتے میں منسوب ہو اور تمہیں اب اس طرح کی بچکانہ حرکتوں کو ترک کر دینا چاہیے۔''

کتنے بارعب لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ انداز میں مکمل استحقاق بول رہا تھا جیسے وہ ہر بات کا اختیار رکھتا ہو۔ جیسے واقعی ساری دنیا اس کی مٹھی میں ہو اور وہ جس سے جو چاہے سلوک روا رکھ سکتا ہو۔ مگر میرب سیال اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ نگاہ پھیرے اس سے صاف طور پر لاتعلق نظر آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بار پھر شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کا رُخ اپنی سمت کیا تھا۔ کچھ دیر تک بہ غور دیکھا تھا۔ پھر اسی سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''مجھے باتوں کو بار بار دہرانے کی عادت نہیں ہے...... میں چاہتا ہوں تم بھی ایک بار سن کے عمل پیرا ہونے کی عادت اپنا لو۔ آئی تھنک یہ فائدہ مند رہے گا تمہارے لیے۔ بہ صورت دیگر مجھے اپنے وصف نبھانے خوب آتے ہیں۔'' سرد و جامد لہجے میں ایک واضح وارننگ تھی۔ اور میرب سیال اس کی سمت بغور تکنے لگی تھی۔

''آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری!...... نفرت ہے مجھے تم سے۔ بہت کھوکھلے ہو تم۔ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے قطعاً اچھے نہیں لگتے۔ مجھے کچھ جتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جتنا کمزور مجھے سمجھ رہے ہو، غالباً میں اتنی کمزور ہوں نہیں۔ تم نے یقیناً غلط قیاس کیا ہے۔ میرب سیال کمزور ہرگز نہیں ہے۔ اگر تم اختیار رکھتے ہوئے اپنے وصف جتانا اور نبھانا جانتے ہو تو میرب سیال بھی اتنا

اختیار رکھتی ہے کہ وہ ان تمام ناپسندیدہ مناظر سے خود کو الگ کر سکے۔ آئی ہیٹ دِس سچوایشن ...... آئی ہیٹ دِس لائف ...... آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ...... میرب سیال تم سے نفرت کرتی ہے اور تم اسے قطعاً بھی ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔'' میرب سیال زہر خند لہجے میں بولی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس کے چہرے کو انتہائی جارحانہ انداز میں اپنے قریب کیا تھا۔ میرب سیال کے چہرے کو اس کی گرم گرم سانسیں انگاروں کی طرح چھونے لگی تھیں۔ کس قدر قریب تھے وہ۔ مگر سب کچھ کس قدر تکلیف دہ تھا۔ قربت کے ان لمحات میں کہیں بھی کوئی خوش آئند بات نہ تھی۔ کوئی بھی مہربان لمحہ نہ تھا۔ میرب سیال تکلیف سے کراہ کر رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو خشمگیں نظروں سے تکتا رہا تھا۔ پھر بنا کچھ کہے اس کے بالوں کو جھٹکے سے آزاد کر دیا تھا۔ اُٹھا تھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی جب کسی نے اس پر پانی کا جگ اُلٹ دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ حواس لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے، نگاہ اُٹھی تھی اور وہ چیخ پڑی تھی۔

''اوزی کے بچے! ......'' وہ خطرناک تیوروں سے چھلانگ لگا کر بیڈ سے اُتری تھی۔ مگر اس سے قبل ہی اوزی مسکراتے ہوئے دوڑ لگا چکا تھا اور اس لمحے وہ ماما کے پیچھے چھپ رہا تھا۔

''اوزی کے بچے! باہر نکلو۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔'' وہ چیخی تھی۔

''تمہارے ہاں مہمانوں کا استقبال اس طرح ہوتا ہے؟'' وہ ماما کے پیچھے سے سر نکال کر مسکرایا تھا۔

''ہمارے ہاں مہمان اس طرح کی حرکتیں بھی نہیں کرتے۔''

''یعنی ٹِٹ فور ٹیٹ۔'' وہ مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''ایک تو بے وقت آتے ہو، اس پر عجیب و غریب حرکتیں بھی کرتے ہو۔'' وہ کسی قدر نرم پڑی تھی۔ تبھی وہ ماما کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ کانوں تک لے جا کر معافی نامہ دائر کیا تھا۔

انابیہ شاہ نے درخواست پر غور کیا تھا اور مسکرا دی تھی۔ تبھی اوزی نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

''بچوں والی حرکتیں گئی نہیں ہیں تمہاری۔'' وہ مسکراتے ہوئے سر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں بڑا ہو چکا ہوں؟''

''میں نے آج تک چھ فٹ کا کوئی بچہ نہیں دیکھا۔'' انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا اور اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"ویسی کی ویسی تتیا مرچ جیسی ہو۔"

"بتا کر نہیں آسکتے تھے؟...... کم از کم ایک فون ہی کر دیتے۔"

"تم کیا کرتیں؟ کیا بام و در سجا دیتیں؟"

"شاید نہیں۔ مگر میری نیند تو تباہ نہ ہوتی۔" وہ مسکرائی تھی۔ اوزی گھورنے لگا تھا۔

"عجب سیلفش لڑکی ہو۔ میں اتنی دور سے تمہارے لیے آیا ہوں اور تم نین سے نین نہیں ملا رہی ہو۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ انابیہ شاہ کو ہنسی آگئی تھی۔

"تم اس قابل ہو کہ تم سے نین ملائے جائیں؟ بائے دی وے، آئے کب ہو؟"

"تھوڑی دیر قبل۔ آنٹی نے بتایا تھا تم سو رہی ہو ہمیشہ کی طرح۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اور تم نے سوچا ہمیشہ کی طرح اس کی نیند برباد کر دی جائے۔" انابیہ شاہ اس کی بات کاٹتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"یار! سال کے تین سو پینسٹھ دن تو تم آرام سے سوتی ہو۔ کیا ہوا جو آج جلدی بیدار ہو گئیں۔ بائے دی وے، موسم کیسا ہے یہاں کا؟" اوزی آنکھ ایک ادا سے دباتا ہوا مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"موسم بدل چکا ہے اوزی! اب پہلے جیسی کوئی بات نہیں رہی۔ یہ بات شاید تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"یعنی موسم بدلنے کے کوئی چانسز نہیں۔" اوزی کا لہجہ کچھ بجھ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کے اظہارِ افسوس پر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"کبھی کبھی ہواؤں کے رُخ بدلنے بھی پڑتے ہیں اوزی!...... اگر تم میں دم ہو تو موسموں کو اپنے بس میں کر لو۔"

"تم جانتی ہو، یہ خاصا مشکل ہے۔ اور میرے وجود پر خاصی تھکن کا بوجھ لدا ہے۔ اب کے لوٹا ہوں تو ایک بے نام سی تھکن بھی اپنے سنگ لایا ہوں۔ مسافتوں کا بوجھ ہلکا نہیں تھا انابیہ شاہ! پاؤں گرد سے اٹے ہوئے ہیں۔ آنکھوں میں تھکن ہے اور چہرے پر مسافتوں کی کوفت۔ ایسے میں، میں موسموں کو اپنے بس میں کرنے کے فقط خواب دیکھ سکتا ہوں۔ عملاً نہیں۔" اوزی کی آنکھوں میں کئی اُجالے ہولے ہولے بجھے تھے۔ انابیہ شاہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔

"یہ کافی مشکل ہے انابیہ شاہ!"

"مشکل تو مشکل ہی ہوتی ہے...... اسے آسان کرنا پڑتا ہے۔"

"میرا ایک کام کرو گی؟" اوزی ہولے سے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

''موسموں سے کہہ دو، مجھے وہ سارے نقش لوٹا دیں جو وہ اپنے سنگ لے گئے ہیں۔ وہ سارے منظر، وہ سارے راستے جو گرد سے اٹ گئے ہیں، انہیں پھر سے انہی رونقوں سے بھر دیں۔ میں سارے سپنوں کی تعبیریں لے آؤں گا۔ بس یہ موسم وہ اسم اعظم بول دیں جن کے کہنے سے سارے بند دروازے کھلتے چلے جائیں اور سارے منظر روشن ہو جائیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

''اوزی! صبح صبح اتنی ثقیل گفتگو...... ناشتہ نہیں کرنے دو گے کیا؟ میرا پیٹ تو تمہاری فلسفیانہ باتوں سے بھر جائے گا۔'' انابیہ شاہ نے کہا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''پوچھو گی نہیں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟''

''کیا لائے ہو؟'' وہ پوری توجہ سے پوچھنے لگی تھی۔

''خود آ گیا ہوں...... کیا یہ کافی نہیں؟'' وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

☆......☆......☆

صورتِ حال تسکین بخش نہیں تھی میرب سیال کے لیے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ فوری طور پر ان حالات سے پیچھا چھڑا لیتی اور اس شخص سے دور بھاگ جاتی۔ اس نے اپنی نفرت کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ مگر اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

حالات جوں کے توں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ رہے تھے۔ وہ مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر تھی۔ اس کا یہ جتانا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نفرت کرتی ہے، کچھ خاص کار آمد ثابت نہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پر اس کا کچھ خاص اثر نہ پڑا تھا۔

اس سے اگلے کئی دنوں میں بھی وہ یہی جتاتی اور باور کراتی رہی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ صفر ہی رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، کیا تمہیں میں خود سے محبت کے لیے مائل نہیں کر سکتا یا مجھ میں اتنی اہلیت ہی نہیں؟'' اس روز جب وہ اسے باہر لے جانا چاہ رہا تھا اور وہ مسلسل انکاری تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی کلائی کو عجب جنونی انداز میں تھام کر گویا ہوا تھا۔ وہ بے تاثر سرد جامد آنکھیں بہ غور میرب سیال کو دیکھ رہی تھیں اور میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ اور تب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے پر کچھ اور جھک آیا تھا۔ شہادت کی انگلی سے اس کی پیشانی سے لے کر لبوں تک ایک سرائیت کھینچی تھی، پھر مسکرا دیا تھا۔

''میرے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں ہے ہنی! مجھے ہواؤں کے رخ بدلنے آتے ہیں۔ مجھے وہ سارے وصف ازبر ہیں جن سے بند تالے کھلتے ہیں۔ شاید تمہیں خبر نہیں، میں وہ فسوں بھی جانتا ہوں جو ایک بول کے ساتھ سارے قفل کھولتا چلا جاتا ہے۔ مجھے سمتوں کو بدلنا آتا ہے سوئیٹی! میں رنگوں کو اپنے رنگ میں رنگنا جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے منظروں کو کب، کہاں اور کیسے اپنے اختیار میں کرنا ہے۔ کب گریز پا نظاروں کو اپنے اختیار میں کرنا ہے اور کب سارے منظروں کو جل تھل کرنا ہے۔ یہ حقیقت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہنی!'' بہت دھیمے سے وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں سے ایک عجب روشنی پھوٹ رہی تھی اور میرب سیال کی ساری جان میں جیسے بھونچال آ گیا تھا۔ وہ نظریں جھکا کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ مگر وہ حصار اسی طور اس کے اِرد گرد بنا رہا تھا۔ وہ پناہ اسی طور اسے تھام رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں اس کے

چہرے کو بہ غور دیکھ رہی تھیں۔

”مجھے گریز پا موسموں کو برتنے کے سارے ڈھنگ آتے ہیں۔ مجھے علم ہے کیسے بادل بنتا ہے اور قطرہ قطرہ برستا ہے۔ میں آسمان کی وسعتوں سے بھی باخبر ہوں۔ مجھے علم ہے، گرد منظروں کو دبا دیتی ہے۔ سو، کیسے اسم پھونکنا ہے کہ جادو کا ایک قلعہ سا بن جائے۔“

لہجہ اور انداز بہت دھیما تھا۔ جیسے کوئی مدھم سرگوشی۔

”میں کچھ بھولا نہیں ہوں سویٹی! سو مجھے کچھ باور کرانے کی کوشش مت کرو۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایک مدھم، پراسرار مسکراہٹ۔

میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند ثانیوں تک اس چہرے کو تکا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کی کلائی پر سے اپنی گرفت ہٹالی تھی۔

میرب سیال اس کی سمت تکتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ چہرہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ وہ لاکھ خود کو مضبوط ظاہر کر رہی تھی مگر یہ سچ تھا کہ وہ مضبوط تھی نہیں۔ مگر وہ اس صورتِ حال سے نکلنا ضرور چاہتی تھی اور اس کے لیے راستہ بھی سوچ رہی تھی۔ مگر فی الحال اسے کوئی راہ سجھائی دے نہیں رہی تھی۔

”کتنا وقت لو گی تم تیار ہونے میں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا اور میرب سیال یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”تم میرے ساتھ زبردستی قطعاً نہیں کر سکتے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تم کتنے ہی دعوے کر لو، میں تم سے ڈرنے والی نہیں۔ تمہاری کسی بات نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ سنا تم نے سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں تم سے قطعاً بھی مرعوب نہیں ہوئی۔ تم اپنا تاثر قائم کرنے میں ناکام رہے ہو۔“ وہ دھیمے مگر سخت گیر لہجے میں بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”بہت معصوم ہو تم۔ بے حد بھولی بھالی۔ مجھے بعض اوقات تم پر غصہ بالکل بھی نہیں آتا۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں نے اس سے قبل نہ دیکھا ہو۔ مگر یہ سچ ہے، تم جتنی معصوم اور بھولی بھالی ہو، سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی قدر اپنے وعدوں اور ارادوں میں اٹل ہے۔ آئی تھنک تم تجربہ کرنا ضروری خیال نہیں کرو گی۔“ وہ اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا۔ یہ کیسا روپ تھا اس کا؟ یہ کیسا رنگ تھا؟ وہ شخص لحہ لحہ رنگ بدلتا تھا اور ہر رنگ پہلے رنگ سے مختلف ہوتا تھا۔ جانے اس کا حقیقی رنگ کیا تھا اور کس طور حقیقی زندگی بسر کرتا تھا؟ اس کے تیور میرب سیال کی سمجھ میں نہ آنے والے تھے۔ وہ واقعی اسے سمجھ نہ پائی تھی اور شاید چاہتی بھی نہیں تھی۔ شاید وہ واقعی سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نفرت کرتی تھی۔ شاید وہ واقعی اس سے دور بھاگنا چاہتی تھی اور کوئی متبادل راہ نہیں پاتی۔ یا پھر ایسا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

کبھی کبھی وقت بہت بے بس کر کے رکھ دیتا ہے اور میرب سیال کو لگ رہا تھا کہ وقت نے اس کے قدموں میں بیڑیاں ڈال کر

اسے اپنا پابند کر لیا ہے اور اب وہ چاہے بھی تو اس قید سے رہائی ممکن نہیں۔شاید مجبوریوں کی زنجیر پیروں میں ڈالے اسے یونہی ان فصیلوں میں قید رہنا تھا۔شاید اس کی ساری زندگی، انہی دیواروں سے سر پٹختے ہوئے گزر جانی تھی۔

شاید اسے یونہی عمر بھر روتے رہنا تھا۔شاید یونہی عمر بھر قید و بند میں بسر کرنا تھی۔یہ ایک طویل عمری کی سزا تھی جس کی مدت معین نہ تھی۔شاید اسے جب تک جینا تھا، انہی سزاؤں کو سہنا تھا۔شاید یہ سزائیں عمر بھر کے لیے تھیں۔سو پھر یہ احتجاج بھی فضول تھا شاید۔

شاید اسے اس قید و بند سے سمجھوتہ کر لینا چاہیے تھا۔شاید اسے ان بیڑیوں سے دوستی کر لینی چاہیے تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید یہی تو سمجھا رہا تھا۔اور غلط کہاں کہہ رہا تھا وہ؟ شاید وہ درست تھا۔اس کا حرف حرف سچا تھا۔وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔وہ اس کی زندگی پر مکمل اختیار رکھتا تھا۔مختار کل تھا۔سیاہ و سفید کا مالک تھا۔کیونکہ اس کا سارا جیوان اس شخص کے نام لکھا تھا اور یہ بات فراموش کیے جانے کے قابل نہ تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے حرف حرف میں سچائی تھی اور وہ شاید پاگل تھی جو دیواروں سے سر پھوڑ رہی تھی۔اسے سمجھوتہ کر لینا چاہیے تھا۔ٹھیک اس طرح جس طرح اس سے قبل کیا تھا۔شاید اسے یہ سب اسی طرح برداشت کرتے رہنا چاہیے تھا جس طرح کہ اس سے قبل برداشت کرتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

وہ اس سے کٹ کر نہیں جی سکتی تھی۔اس کے بنا اس کی زندگی کا مفہوم بے معنی تھا۔کیونکہ سب ایسا ہی خیال کرتے تھے۔

اس کی نظروں کے سامنے پاپا کا چہرہ آیا تھا۔کتنے خوش تھے وہ اس بندھن سے۔اس کی ذمہ دار نبھا کر وہ جیسے بے حد مطمئن تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اسے یہاں ان سے ملوانے کے لیے لانا اور کئی دنوں تک وہیں رکھنا یقیناً ایک سراہے جانے لائق اقدام تھا۔اور پاپا کتنا خوش ہوئے تھے۔وہ واقعی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے معترف ہو گئے۔ان کے دل میں اس کی جگہ اور بھی بڑھ گئی تھی۔اور ایسے میں اگر وہ اس سے علیحدہ ہو جاتی یا کسی سے ذکر بھی کر دیتی تو شاید یہ بسا بسایا سکون ایک پل میں تہس نہس ہو جاتا۔سارا اطمینان جاتا رہتا۔اور شاید کچھ باقی نہ رہتا۔اور ایسا ہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔یہی ایک بات تو تھی جو اس کی سب سے بڑی دُکھتی رگ تھی۔اس کی سب سے بڑی مجبوری۔اور شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری اس دکھتی رگ سے بخوبی واقف تھا۔تبھی اس طرح کا انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔اور وہ بھی تو جانتی تھی اس کی مجبوری کیا ہے۔وہ بھی تو واقف تھی کہ اس کی کمزوری کیا ہے۔پھر کیا حاصل تھا اس چون و چرا سے۔

وہ خاموشی سے چلتی ہوئی وارڈ روب کے سامنے جا رکی تھی اور ایوننگ پارٹی کے لیے ڈریس منتخب کرنے لگی تھی۔شاید اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلی بن جانا چاہیے تھا۔بنا کوئی آرگومنٹ کیے اس کی ہر بات چپ چاپ مان لینی تھی کہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔

کیونکہ وقت اس کے ساتھ نہیں تھا۔

اور جانے کب تک اس کے مخالف ہی رہنا تھا۔

وہ چپ چاپ تیار ہونے لگی تھی۔ جب یکدم ہی فون کی بیل ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے فون اُٹھالیا تھا۔ دوسری طرف مائی اماں تھیں۔

''کیسی ہے میری بیٹی؟'' مائی اماں بہت محبت سے اس کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ وہ تمام ہمتوں کو مجتمع کرتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''جی مائی اماں! ٹھیک ہوں میں۔ آپ...... آپ کیسی ہیں؟'' کتنی مشکل صورت حال تھی۔ اسے اپنے دشمن کو فائدہ پہنچانا تھا اور اس کے لیے خود کو لمحہ لمحہ مارنا تھا۔ آواز حلق سے بہ مشکل نکل رہی تھی مگر اسے بولنے کا سلسلہ موقوف نہیں کرنا تھا۔

''سبکتگین حیدر کہاں ہے؟...... کیسا ہے وہ؟''

''جی وہ بھی ٹھیک ہیں مائی اماں! دراصل...... وہ ابھی کچھ بولنے ہی جا رہی تھی جب کسی نے ایک لمحے میں فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی پلٹی تھی۔ اس کے بے حد قریب سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔ اس کی سمت خشمگیں نظروں سے تکتا ہوا۔ غالباً اسے خدشہ تھا کہ وہ کوئی سچ نہ اُگل دے اور مائی اماں کے سامنے اس کا امیج خراب نہ ہو جائے۔ اُس نے اُس کے ہاتھ سے فون کھینچ کر کچھ دیر بات کی تھی اور پھر سلسلہ موقوف کر کے اس کی سمت دیکھا تھا۔''

میرب سیال کی آنکھوں میں ایک لمحے میں سمندر آن ٹھہرا تھا۔

''نہیں کر سکتی میں یہ سب۔ نہیں رہنا ہے مجھے تمہارے ساتھ۔ نہیں جھیلنی ہے مجھے یہ لمحہ لمحہ کی سزا۔ بہت جان لیوا ہے یہ میرے لیے۔ پلیز مکر جاؤ میرے وجود کی حقیقت سے...... فراموش کر دو مجھے۔ کر دو آزاد مجھے۔ جینا چاہتی ہوں میں۔ سانس لینا چاہتی ہوں۔ تمہاری قربتوں میں دم گھٹنے لگا ہے۔ میرا...... مر جاؤں گی میں۔ نہیں رہ سکتی میں تمہارے ساتھ۔'' عجب ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی وہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحے میں اس کی سمت بڑھا تھا۔

بہت توجہ کے ساتھ اس چہرے، ان آنکھوں کو دیکھا تھا جن میں کئی سمندر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پلکوں پر کئی پانیوں کا بوجھ اٹا ہوا تھا۔ کچھ تحیر، کچھ خوف اپنے اندر سمیٹے وہ آنکھیں اس لمحے ساکت تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ دیوار پر ٹکاتے ہوئے جیسے ان حیرتوں سے پُر آنکھوں کو اس لمحے کچھ اور بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ فرار کے سبھی راستے جیسے مسدود ہو گئے تھے۔

میرب سیال پانیوں سے بھری آنکھوں سے اسے ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں سے، چہرے سے کسی طرح کے تاثر کا اظہار نہ مل رہا تھا۔

وہ لمحہ پھر جیسے کسی قیامت کی پیش قدمی کا اعلان کر رہا تھا۔

میرب سیال کی ساکت آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسی قدر اطمینان سے دایاں ہاتھ اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا۔ شہادت کی اُنگلی سے ان پلکوں پر ٹکے موتیوں کو اپنی پور پر لیا تھا۔ بہ غور دیکھا تھا اور پھر ایک پل میں ہوا میں اُڑاتے ہوئے بہت محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''عورت کے آنسوؤں میں بہہ جانے والی شے کو جانتی ہو کیا کہتے ہیں؟'' دلچسپی سے میرب سیال کی سمت دیکھتے ہوئے سوال دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ اس لمحے کچھ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

''مرد۔'' وضاحت بہت دلچسپ تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال کی آنکھیں ساکت تھیں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت اطمینان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''مقولہ بہت مشہور ہے۔ شاید تمہیں بھی ازبر ہو۔ مگر یہاں ایسی کوئی علامت نہیں ملتی۔'' بہت سہولت سے جتایا تھا۔ ''مجھ پر ان نمکین سمندروں کا جادو کچھ زیادہ اثر نہیں کرے گا میرب سیال! سو یہ سارا کھیل بہت بے کار رہے گا۔ شاید یہ سن کر تمہیں بھی کچھ افسوس ضرور ہو، یہ بالکل بے سود ہے۔'' لبوں پر مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

''بے سود کام کر کے شاید تمہیں بھی کچھ زیادہ خوشی نہیں ہو گی۔ سو وقت برباد کرنے سے فائدہ؟ بھرپور توجہ سے تکتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا اور ساکت نظروں سے تکتی میرب سیال کے پاس اس لمحے کوئی جواب نہ تھا۔''

''تم بھول رہی ہو شاید، یہ عرصہ باہمی انڈر اسٹینڈنگ کے لیے ہے۔ اور تم اتنا تو سمجھ گئی ہو گی کہ مجھے باتوں کو دہرانا قطعاً اچھا نہیں لگتا اور یہ کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے وعدوں اور ارادوں میں کس درجہ اٹل ہے۔ کیا اب تک نہیں سمجھی ہو کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی چیزوں سے دستبردار ہونا پسند نہیں کرتا۔ جو شے اس کی ہے وہ اس کی ہے۔ خوابوں میں نہیں، حقیقت میں زندگی بسر کرتا ہے یہ شخص۔ سو تم بھی اب یہ بچپنے کی ساری باتیں چھوڑ دو، اپنی اس بچکانہ سوچ سے باہر نکل آؤ۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی وائف سے کم از کم اس طرح کے بچکانہ اقدامات کی توقع نہیں کرتا۔'' بہت ہولے سے ہاتھ سے بڑھا کر اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا جیسے وہ اس لمحے کسی بچے سے مخاطب ہو۔

''شاباش، اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ یقیناً ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' بارعب لہجے میں حکم صادر کیا تھا اور پھر پلٹ کر چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک کھڑی اس سمت تکتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

ساہیہ خان مہندی کی کون ہاتھ میں لیے عجیب و غریب انداز میں اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ جب اذہان حسن بخاری وہاں آیا تھا۔

''اگینے کہاں ہیں؟''

''پھپھو؟ ...... پتہ نہیں، شاید اوپر ٹیرس پر ہوں۔ فارحہ آنٹی بھی وہیں ہیں۔'' وہ عجب سرسری انداز میں بتاتے ہوئے کون میں سے پن نکال کر ہتھیلی پھیلا کر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی تھی۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے اسے کسی درجہ دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''مہندی لگا رہی ہوں۔'' سرسری انداز میں بنا اس کی سمت دیکھے مطلع کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا، وہ اسی طرح عجب بے ڈھنگے انداز میں ہتھیلی پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ جب اذہان حسن بخاری نے اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

''لاؤ۔'' اس کے عین سامنے بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''مہندی ایسے نہیں لگاتے۔'' مسکراتے ہوئے آگاہ کیا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ حیرت زدہ سے دیکھنے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر کون اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔

''تم؟'' ساہیہ خان کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے بہت اعتماد کے ساتھ مسکراتے ہوئے کون اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ پھر ٹشو سے اس کی ہتھیلی سے ان آڑی ترچھی لکیروں کو صاف کیا تھا۔ ساہیہ بہت غور سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔

''مہندی لگانا کوئی آسان کام نہیں۔'' وہ بہت مستند انداز میں اُسے باور کرا رہا تھا۔

''اچھا۔'' وہ مرعوب ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔

''مہندی لگانے کے لیے کون کو اس طرح پکڑنا پڑتا ہے۔'' وہ سمجھا رہا تھا۔

''اوہ...... ویری نائس۔'' ساہیہ خان پھر متاثر ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری اس کی ہتھیلی کو ہاتھ میں لیے دوسرے ہاتھ سے بہت آہستگی کے ساتھ پھول بوٹے بنا رہا تھا۔

''یہ کیا بنا رہے ہو؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ڈیزائن۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''کچھ عجیب وغریب سا ڈیزائن نہیں یہ؟'' وہ چونکی تھی۔

''اس سے کئی درجہ بہتر ہے جو تم اس سے قبل بنا رہی تھیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''یہ تو لگ رہا ہے پورا باغ لگانے کے موڈ میں ہو تم۔ بس گملے بنانے کی کسر رہ گئی ہے۔ تم نے ان کے لیے تو جگہ چھوڑی ہی نہیں۔ اب گملے کہاں بناؤ گے؟'' وہ یقیناً اس لمحے شرارت آنکھوں میں لیے چھیڑ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''تم نے اس سے قبل کبھی مہندی لگائی ہے؟''

''ہاں۔بچپن میں۔''

''اور وہ کس نے لگائی تھی؟''

''تم نے۔'' وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔''تم ایک کام کیوں نہیں کرتے؟''

''کیا؟''

''یہ بزنس وزنس چھوڑ کر اسی فیلڈ میں کیوں نہیں آجاتے؟......خاصے ماہر لگ رہے ہو۔'' یقیناً چھیڑ رہی تھی۔

''شٹ اَپ ساہیہ!'' وہ خجل سا ہو گیا تھا۔لبوں پر پُرخفت سی مسکراہٹ تھی۔ساہیہ ہنس دی تھی۔''رنگ اچھا لانے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟''

''پتہ نہیں۔لیکن اگینے اس روز بتا رہی تھیں۔'' وہ شرارت سے سر اُٹھا کر اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا؟''

''یہی کہ رنگ گہرا آنا محبت کرنے والے پر ڈی پینڈ کرتا ہے۔وہ جتنی زیادہ محبت کرتا ہے،رنگ اتنا ہی گہرا آتا ہے۔اب مجھے تو یہ پتہ نہیں کہ تمہاری زندگی میں داخل ہونے والا تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔یقیناً یہ بات تم زیادہ بہتر انداز میں جانتی ہوگی۔'' وہ آنکھوں میں بہت سی شرارت لیے اس لمحے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ساہیہ خان اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔پھر یکدم اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا تھا۔وہ یکدم ہنس دیا تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔پھر بغور اس ہتھیلی کو دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں خدشہ ہے کہ رنگ اچھا نہیں آئے گا؟'' وہ بدستور شرارت پر مائل تھا۔

''تمہیں فکر کیوں ستا رہی ہے اذہان حسن بخاری؟''

''دوست ہوں۔تمہیں کسی مشکل میں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟'' اس نے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

''اظہارِ افسوس کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ شاید نہ ہو۔''

''افسوس کی کیا ضرورت ہے......میں ہوں نا۔'' بھرپور شرارت سے مسکراتے ہوئے ساہیہ خان کی طرف دیکھا تھا۔

''شٹ اَپ اذہان!'' وہ مسکراتی ہوئی گھورنے لگی تھی۔وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔'' وہ بدستور شرارت پر مائل تھا۔

''ہاں......مگر اس کے لیے تمہیں قربانی کا بکرا بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

"آر یو شیور؟" اذہان حسن بخاری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ساہیہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کا ایک مُکا بنا کر اس کے شانے پر جڑ دیا تھا۔پھر ہتھیلی پر بنے پھول بوٹے دیکھنے لگی تھی۔

"تم نے مہندی واقعی اچھی لگائی ہے۔"

"لیکن فائدہ کیا؟......رنگ تو آئے گا نہیں۔" وہ چھیڑتے ہوئے مسکرایا تھا۔ساہیہ خان ہنس دی تھی۔

"ہاں۔مگر پھر بھی یہ ایک اچھا تجربہ ہے۔جو دل چاہے کر لینا چاہیے،سوچنا نہیں چاہیے کہ کیا ہوگا اور کیا نہیں۔نفع نقصان تو بزنس کے لیے سوچے جاتے ہیں،چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور راحتیں سمیٹنے کے لیے نہیں۔"

"ہوں......شاید ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔لیکن تم دل کی کچھ زیادہ ہی نہیں مانتی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں۔تمہارے خیال میں یہ گڈ سائن ہے یا نہیں؟"

اذہان حسن بخاری نے جواباً اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔تبھی وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ اذہان! اور لوگ کس طرح سوچتے ہیں یا کیا کرتے ہیں۔مگر میرا اپنا ایک جینے کا ڈھنگ ہے اور مجھے اسی طرح جینا اچھا لگتا ہے۔اس سے اور کچھ شاید نہ ملتا ہو مگر راحت بہت ملتی ہے۔اور یہ راحت بہت معنی رکھتی ہے۔شاید تمہیں یہ بہت امیچور سا لگے، شاید تم افسوس بھی کرو میری عقل پر۔مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ہاں......میں جانتا ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"یہ کہ تم ایسی ہی ہو۔" وہ مسکرایا تھا۔وہ ہنس دی تھی اور اس کے رخسار کا ڈمپل اس لمحے واضح ہو کر بہت بھلا لگنے لگا تھا۔اذہان حسن بخاری اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چونکی تھی۔

"تمہارے چہرے کے رنگ دیکھ رہا ہوں۔بہت نیچرل ہے سب کچھ۔بے ریا،بےفکر اور بہت صاف۔"

"دل سے جینے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"ایک کام کرو۔" اذہان حسن بخاری کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"مجھے بھی جینا سکھا دو......کچھ اپنے جیسا بنا دو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے بولا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''مذاق کر رہے ہو اذہان حسن بخاری!''

''نہیں، میں مذاق نہیں کر رہا......تم واقعی بہت اچھی ہو۔''

ساہیہ خان جواباً مسکرادی تھی۔

''یہ اعتراف شاید تم نے زندگی میں پہلی بار کیا ہے۔''

''شاید۔'' اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''شاید؟'' وہ جواباً مسکرائی تھی۔

''اور شاید تمہیں یہ اچھا بھی لگا ہے۔'' وہ اب ٹیز کرنے پر مائل تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تم باز نہیں آؤ گے اذہان! قطعاً نہیں سدھر سکتے تم۔''

''تم کوشش کر دیکھو......شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

''یہ پیش کش تمہاری ضرورت ہے یا مجبوری؟''

''عجیب بے ڈھنگی لڑکی ہو......ساری بات کا مزا کرکرا کر دیا۔ اچھی خاصی خواہش کو ضرورت اور مجبوری کے خانوں میں ڈال رہی ہو۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا تھا اور ساہیہ خان ہنستی چلی گئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' تبھی وہاں اگینے آئی تھی۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اپنا مہندی والا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

''اذہان مجھے مہندی لگانا سکھا رہا تھا۔''

''سکھا نہیں رہا تھا بلکہ یہ مہندی میں نے ہی لگائی ہے۔ اگینے! سچ بتایئے گا، کیسی لگ رہی ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے اگینے کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''تم یہ کام بھی کر سکتے ہو؟......حیرت ہے۔'' اگینے مسکرائی۔

''اگینے! آپ داد دے رہی ہیں یا واقعی حیرت کا اظہار کر رہی ہیں؟'' وہ بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں داد دے رہی ہوں، یقیناً۔ اوپر جاؤ، بلال کو تم سے شاید کوئی کام ہے۔'' اگینے نے ساڑھی کا آنچل درست کرتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک نظر اُن کی سمت بغور دیکھا تھا، پھر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اگینے!'' جاتے جاتے وہ یکدم پلٹا تھا۔

''ہوں؟'' اگینے چونکی تھیں۔ وہ پھر بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہیں آپ۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ اگینے مسکراتی ہوئے پلٹ کر ساہیہ سے بات کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اس شام وہ اوزی کے ساتھ لاؤنج میں تھی جب عفنان علی خان آیا تھا۔ اُسے لگا تھا، وہ اس گھر میں کسی نئے فرد کو دیکھ کر شاید کسی قدر حیران ہوگا یا پھر کسی قدر حیرت کا اظہار کرے گا، مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ دادا سے ملنے کے بعد ان کی طرف بڑھا تھا۔ اوزی نے بھی اس کی سمت کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

دونوں مقابل کھڑے ایک دوسرے کو چند ثانیوں تک تکتے رہے تھے، پھر یکدم ہنستے ہوئے بغل گیر ہو گئے تھے۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''وہاٹ اے سرپرائز یار! تو یہاں کہاں؟'' اوزی مسکراتے ہوئے اس کے چوڑے شانے پر مُکا مارتے ہوئے عجب انداز سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے...... تُو سنا، تُو واپس کب لوٹا مانچسٹر سے؟ اور شادی وادی تو نہیں کر لی کہیں؟ ان دنوں بڑا مجنوں ہو رہا تھا تُو کسی پاکستانی گوری کے لیے۔ کیا ہوا اُس کا؟ کہیں کوئی اور تو نہیں لے اُڑا؟'' عفنان علی خان کا انداز بھی اسی قدر دوستانہ تھا اور اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''بس چھوڑ یار! اس عمر کے قصے خواب ہوئے۔ اس عمر کی باتیں جانے دو۔ تُو سنا، تُو کب لوٹا واپس؟ تیرے تو دُور دُور تک ارادے نہ تھے۔''

''بس لوٹنا پڑا۔ یا یوں سمجھو یہی ضروری بھی تھا۔ شاید نہ لوٹتا تو بہت کچھ گنوا دیتا۔'' عفنان علی خان، انابیہ شاہ کی سمت ایک نگاہ ڈال کر مسکرایا تھا۔

''یعنی بہت کچھ پالیا ہے تم نے یہاں آ کر۔''

''نہیں، خیر، ابھی پایا تو نہیں مگر خواہش ضرور ہے۔ اینی وے، یہاں کہاں؟'' عفنان علی خان مسکراتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

اوزی نے ایک نگاہ انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''شی از مائے کزن...... اور تم؟''

''فرینڈز۔'' عفنان علی خان نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں انکشاف کیا تھا۔ وہ دیکھ کے رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ساتھ بیٹھے دھواں دھار بول رہے تھے اور دونوں کے فلک شگاف قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا وہ دونوں پہلے سے اچھے دوست تھے۔ مگر انابیہ شاہ پھر بھی کسی قدر حیرت زدہ تھی۔ اس حیرت میں اُٹھ کر وہ لان میں چلی آئی تھی اور پائپ لگا کر کیاریوں کو پانی دینے لگی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟ ...... یہ مالن کب سے بن گئیں؟'' اوزی، عفنان علی خان کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ وہ سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم کہیں جا رہے ہو؟'' وہ اوزی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''ہاں ...... میں عفنان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ رات کے کھانے پر کوئی اہتمام مت کرنا، میں کھانا باہر ہی کھاؤں گا۔''

''ماما پوچھیں تو کیا بتاؤں؟'' وہ سرسری انداز میں گویا تھی۔ عفنان علی خان اس چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔

''یہی کہ میں عفنان کے ساتھ ہوں۔ ویسے اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں نے دادا ابا کو مطلع کر دیا ہے۔ تم پھر بھی آنٹی کو بتا دینا۔''

''اوکے۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور یوں توجہ سے پودوں کو پانی دینے لگی تھی۔

''ایک بات بتاؤ۔'' اوزی گیا نہیں تھا۔

وہ چونکی تھی۔ اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ نگاہ عفنان علی خان سے بھی ٹکرائی تھی جو اس لمحے اسی کی جانب متوجہ تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ تم عفنان علی خان کو جانتی ہو۔'' اوزی نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے خواب نہیں آیا تھا۔ نہ ہی الہام ہوا تھا کہ تم کسی محترم عفنان علی خان کو اس سے قبل بھی جانتے ہو۔'' اس کا انداز بے حد لاتعلقی لیے ہوئے تھا۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔ جب کہ عفنان علی خان بہت دلچسپی سے اس چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''انابیہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ انہیں جاننے کا دعویٰ میں کر سکتا ہوں، یہ نہیں۔'' مختصر جملے میں ہزار معنی پوشیدہ تھے۔

''ہے نا انابیہ! غالباً یہ تعلق میری ہی جانب سے ہے۔ دادا ابا سے دوستی میں نے اپنی مرضی سے ہی کی تھی۔ یہ میری ہی خواہش تھی۔ انابیہ تو اس سے واقف بھی نہیں۔ یا اگر ہیں بھی تو کسی درجہ لاتعلق ہیں۔ شاید یہ لاتعلقی ان کے مزاج کا حصہ ہے۔'' وہ بہت دلچسپی سے اس کی جانب دیکھتا ہوا اظہارِ مدعا کر رہا تھا اور انابیہ شاہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اوزی بہت دلچسپی سے سنتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے اپنے کزن کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر بہت رسانیت سے مسکرا دی تھی۔

''سوری، میں واقعی تمہیں بتانا بھول گئی۔ میری بہت ہی کلوز فرینڈ کے فیانسی ہوتے ہیں۔ شاید تم اسے جانتے بھی ہو، وہی لامعہ حق۔'' بہت پُرسکون لہجے میں مطلع کرتے ہوئے بھی وہ جیسے جنگل میں آگ لگا گئی تھی۔ اوزی کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدلے تھے۔ ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا اور وہ چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ تبھی عفنان علی خان نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے یاد دہانی کرائی تھی۔

''ہم لیٹ ہو رہے ہیں اوزی! شاید تم بھول رہے ہو۔''

''ہاں، ہاں ...... چلو۔'' اوزی یکدم مسکرایا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر عفنان علی خان کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر پُرافسوس انداز میں اوزی کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اسے ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے وہ بول گئی تھی اور اب ایک احساسِ ندامت نے اسے گھیر لیا تھا۔ ایک پچھتاوا اس کے اندر پھیلنے لگا تھا۔ مگر شاید اس کا مداوا اس کے پاس نہ تھا۔

☆......☆......☆

یہ سچ تھا، اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جیسے مر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ جیسے ایک اذیت میں بسر ہو رہا تھا۔ مگر وہ ان قربتوں سے دور نہیں بھاگ سکتی تھی۔

ایک لمحہ نہیں، ایک پل نہیں، وہ ایک ثانیہ بھی اس کے سنگ بسر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ اس کے اختیار میں نہ تھا۔ کیا عجب بے بسی کی گھڑی تھی کہ فیصلے کا کوئی اختیار اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ وہ بے بس تھی۔ مکمل طور پر بے بس۔ وہ شخص جیسا سلوک چاہتا، اس سے روا رکھتا۔ جو چاہتا تھا، کرتا تھا۔ شاید تبھی اس کا رویہ غیر مساوی تھا۔ مگر اس نے طے کر لیا تھا، اسے کیا کرنا ہے۔

اس شام جب وہ اس کے پاس آئی تھی وہ کسی کے ساتھ فون پر بزی تھا۔ شاید دوسری طرف کوئی پری وش ہی تھی۔ اس کا لہجہ بہت شہد آگیں تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر وہاں کھڑا رہنا فضول تھا۔ تبھی وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی کمرے میں آگئی تھی۔ جی بہت برا ہو رہا تھا۔ رونے کو بے حد چاہ رہا تھا۔ مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ان آنسوؤں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو نفرت تھی۔ اور وہ بھی ان آنسوؤں سے نفرت کرتی تھی جو اس کی کمزوریوں کو اس شخص پر عیاں کر دیتے تھے۔ اور یہ یقیناً ٹھیک نہ تھا۔ جب کسی پر آپ کی کمزوریاں عیاں ہو جائیں تو تب وہ کچھ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزوریاں سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اور بھی طاقت ور کر دیں۔ تبھی اس نے تیزی سے بھیگتی پلکیں ایک لمحے میں انتہائی بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے پونچھ دی تھیں۔ پھر اُٹھی تھی اور الماری کھول کر اپنا سامان پیک کرنے لگی تھی۔ آنکھوں میں بے حد جلن تھی۔ وہ اس شخص کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ جلنا کڑھنا نہیں چاہتی تھی مگر ذہن اس طرف سے ہٹ نہیں رہا تھا۔

''نہیں اہمیت دینا چاہتی میں تمہیں کوئی۔ قطعاً بھی نہیں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی سینڈل کو بہت پُر وحشت انداز میں اچھالا تھا۔ دروازے کی سمت اس کی پشت تھی۔ وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔ عین اسی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کمرے میں داخل ہوا تھا اور تیزی سے اپنی سمت آتی ہوئی سینڈل کو جس قدر حیرت و تشویش سے دیکھا تھا اسی قدر سرعت سے ہاتھ بڑھا کر کھینچ بھی لیا تھا۔

''اتنی اُلجھن میں کیوں ہو؟...... جو دل کہتا ہے اسے مان لینے میں حرج کیا ہے؟'' بھاری آواز اُبھری تھی اور میرب سیال بے طرح چونک پڑی تھی۔ ایک لمحے میں رُخ پھیر کر دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ میں اس کی سینڈل لیے بہ غور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیت سے کسی درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر کھل رہی تھی۔ جتنا مخفی رکھنا چاہتی تھی خود کو اس شخص سے وہ اس کے زمانوں سے اسی درجہ شناسائی رکھتا تھا۔

میرب سیال نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی لمحے چہرے کا رُخ پھیر کر آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر سینڈل والا ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"غصے کا بہترین حل یہ ہے کہ غصے کو آنے ہی نہ دیا جائے۔ اُلجھنوں میں گھرے رہنا مسئلے کا حل قطعاً نہیں۔ سنا ہے کہہ سن لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" وہ یقیناً محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال نے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر سینڈل اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

"کچھ کہنا چاہتی تھیں تم؟" بہ غور دیکھتے ہوئے وضاحت چاہی تھی۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی مگر آنکھیں لبالب بھری تھیں اور یکدم ہی چھلک بھی گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، ہاتھ بڑھا کر پلکوں سے نمی کے ایک قطرے کو چن لیا تھا۔ بہ غور دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز میں اس روز والی اُلجھن نہ تھی۔ شاید آج میرب سیال کے آنسوؤں نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو واقعی راحت دی تھی۔

"یہ جلن ہے یا کوئی افسوس؟" مختصر جملہ اپنے اندر بہت گہرائی لیے ہوئے تھے۔ لہجے میں کوئی خاص بات بھی تھی۔ مگر میرب سیال نے سر اُٹھا کر اس کی جانب نگاہ نہیں کی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ واقعی محظوظ ہو رہا تھا۔ اور میرب سیال شاید یہی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے واپس جانا ہے۔" بہت مشکل سے اظہارِ مدعا کیا تھا۔ آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔

"کیا ضرورت ہے اتنے بند باندھنے کی؟ ......خود پر اتنے ستم ڈھانے کی؟ جو ہوتا ہے، ہو جانے دو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ میرب سیال نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں۔" اُس کی کہی اَن سنی کر دی تھی۔

"کیوں؟ ......میرا کسی اور جانب مائل بہ کرم ہونا اچھا نہیں لگ رہا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس جھکے چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔

"میں نے پیکنگ کر لی ہے ......اگر آپ کو کام ہے تو آپ رک جایئے۔ مگر میں مزید نہیں رک سکتی۔" وہ بنا اس کی سمت دیکھے بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ اس کے اطراف گونجتا چلا گیا تھا۔

"فرار ......ہاں، مگر اس سے کیا ہوگا؟ کچھ بدل تو نہ جائے گا۔ بدلنا ہے تو خود کو بدلو میرب سیال! تمہیں اب ان سب باتوں کا عادی ہو جانا چاہیے۔ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو کسی قدر برداشت تو کرنا ہی ہوگا۔ کیونکہ میرے معمولات یہی ہیں۔ مجھے یکسانیت کبھی اچھی نہیں لگتی۔ ایک جیسے موسم مجھے نہیں بھاتے۔ رکے ٹھہرے زمانوں سے میرا جی اوب جاتا ہے۔ اور اتنے دن سے تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔ اتنا کچھ تو تم بھی جان ہی گئی ہو گی۔"

میرب سیال نے سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

"میں جتنا جان گئی ہوں، وہ بہت کافی ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! اس سے زیادہ میں جاننا نہیں چاہتی۔ میں اس معاملے پر

بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔ یوں بھی میں لفظوں سے زیادہ عملی اقدامات پر یقین رکھتی ہوں۔ فی الحال میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے یہاں سے جانا ہے۔ آپ میری کچھ مدد کریں گے یا نہیں؟'' بہت اعتماد سے بولتی میرب سیال کی سمت سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت متاثر ہونے والے انداز میں دیکھا تھا۔ پھر گویا ہوا تھا۔

''جانے کی اتنی جلدی کیا ہے؟......ابھی ہی تو وہ لمحے میسر آئے ہیں جب کچھ کھلنے لگا ہے۔ کسی قدر منکشف ہونے لگا ہے کچھ۔''

وہ جانے کیوں مسکرا رہا تھا۔ شاید میرب سیال کی کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''آپ میری کچھ مدد کریں گے یا نہیں؟'' میرب سیال نے قطعی لہجے میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''مجھ سے زیادہ تمہارا خیر خواہ اور کون ہوگا میرب سیال؟''

میرب سیال اس شخص کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اسی بات کا احتمال ہے مجھے۔'' دھیمے لہجے میں باور کرایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

''خوف زدہ ہو مجھ سے؟''

''نہیں...... مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا، یہ بات بتا چکی ہوں میں آپ کو۔ ڈر مجھے لگتا ہے تو فقط اپنی سیاہ بختی سے۔ سارا قصور اسی کا ہے۔ یہی ہے جس نے مجھے اتنا کمزور کر دیا ہے اور آپ کو بہت مضبوط۔''

''انٹرسٹنگ۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ ''تو مجھ سے الگ ہونے کے متعلق سوچ رہی ہو۔''

میرب سیال نے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''تمہاری سوچیں تک پڑھنے پر قادر ہوں میرب سیال! اور کہاں تک یقین دلاؤں کہ تمہیں کس حد تک سمجھتا ہوں یا سمجھنے لگا ہوں؟'' وہ بے حد دلچسپی سے میرب سیال کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''میرے خیال میں ہم بہت بہترین جیون ساتھی ثابت ہوں گے۔ یہی ساری کوالٹیز تو درکار ہوتی ہیں اچھے جیون ساتھی بننے کے لیے۔ ایک دوسرے کو جاننا، ایک دوسرے کے دل کی بات جان لینا، ایک دوسرے کی کیئر کرنا، خیال کرنا۔ یہی نا، اور کیا......اور کیا میرب سیال، ہاں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال اس کی دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''یعنی مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' اس نے جیسے ایک لمحے میں اخذ کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''نہیں میرب سیال! تم اب میری ذمہ داری ہو۔ تمہارا خیال رکھنا، تمہارے متعلق سوچنا اب میری ذمہ داری ہے۔ اور یہ تبھی ممکن

ہے جب تم میرے ساتھ رہو۔'' وہ جیسے اسے جتا رہا تھا۔ بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرب سیال! یقیناً تم میری بات سمجھ رہی ہونا؟'' وہ مسکراتے ہوئے یقین چاہ رہا تھا اور میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''ہم یہاں سے کب جائیں گے؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''جب تم کہو گی۔'' وہ اسے مکمل لبرٹی دیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''تو پھر میں آج ہی جانا چاہتی ہوں۔'' میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''بہتر۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے شانے بہت بے نیازی سے اچکائے تھے۔

میرب سیال سر جھکائے تیزی سے پیکنگ کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی۔

ساہیہ خان کے لیے یہ سب بہت دلچسپ تھا۔ تبھی وہ لان میں آ کر بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی تھی۔ بونداباندی آہستہ آہستہ بارش میں بدلنے لگی تھی۔ مگر اس کا شوق نہ تھما تھا۔ اگینے کب سے آوازیں دے رہی تھی مگر وہ سن کر نہ دے رہی تھی۔

''ساہیہ! فون کروں گی تمہاری ماما کو...... شکایت لگاؤں گی با قاعدہ، یہاں آ کر بگڑ رہی ہو۔'' اگینے نے دھمکی دی تھی مگر وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''اگینے! بگڑنے میں اور انجوائے کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور میں اس وقت انجوائے کر رہی ہوں۔ رئیلی، بہت مزہ آ رہا ہے۔ میری مانیے تو آپ بھی آ جائیے۔'' اس نے با آواز بلند کہتے ہوئے فٹ بال بچوں کی طرف اچھالا تھا۔ مگر فٹ بال بچے کی جگہ اذہان حسن بخاری کے ہاتھ میں جا پہنچا تھا۔

''اذہان! تم کب آئے؟'' ساہیہ خان اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''بس ابھی ابھی۔ تم سناؤ۔''

سوٹڈ بوٹڈ سا وہ شخص بنا پرواہ کیے وہاں کھڑا تھا۔ بارش تیزی سے اسے بھگو رہی تھی۔ مگر اس گھڑی اسے جیسے احساس تک نہ تھا۔ وہ اس نکھری ستھری شفاف سی لڑکی کو چہرے پر بہت شگفتگی لیے زندگی سے بھرپور رنگوں میں رنگے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ تیز بارش میں بھیگتی بہت دلربا لگ رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری تیز بارش میں بھیگتا ہوا اسے دیکھتا رہا تھا۔

''ویسے آج کل بہت پائے جا رہے ہو یہاں۔ بہت فارغ وقت ہاتھ آ گیا ہے کیا؟''

''نہیں...... وقت نکال رہا ہوں۔ وہ بھی بطور خاص تمہارے لیے۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو پھر تم ہی گلہ کرو گی۔'' مسکراتے ہوئے

جواز دیا تھا۔

''اچھا بہانہ ہے۔'' ساہیہ مسکرائی تھی۔

''بہانہ؟...... یہ بہانہ ہرگز نہیں ہے۔ میں واقعی تمہارے لیے وقت نکال رہا ہوں۔ بطور خاص۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''ایک بات بتاؤں...... تم بھیگ رہے ہو۔'' آگاہ کیا تھا۔ وہ مسرور سا مسکرا دیا تھا۔

''بھیگ چکا ہوں۔ مجھے چیک کر رہی تھیں تم، میں حاضر دماغ ہوں یا نہیں؟''

وہ ہنس دی تھی۔

''میں کتنی بریلی ہوں، جانتے ہو تم۔''

''جانتا ہوں...... تبھی تو ہمیشہ حملوں کے لیے تیار رہتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''یعنی آزمائش میں پورا اُترا میں۔''

''یہ میں نے ابھی نہیں کہا۔''

''کہا نہیں مگر پروف تو ہو گیا۔''

''پروف؟ لیکن ابھی تو میں نے تمہیں آزمایا ہی نہیں۔''

''تو آزماؤ نا، پلیز۔'' عجب لجاجت بھرے انداز میں درخواست ہوئی تھی۔

''اتنی جلدی کیا ہے اذہان حسن بخاری؟...... وقت تو آنے دو، فیصلہ آپ ہی ہو جائے گا۔''

''آزمانے کے لیے وقت کی قید رکھنے والے چور ہوتے ہیں۔'' اذہان حسن بخاری شرارت سے مسکرایا تھا۔

''چور؟'' وہ مسکراتی ہوئی کسی قدر حیرت سے چونکی تھی۔ ''تم مجھے چور کہہ رہے ہو؟''

اذہان حسن بخاری بے ساختہ ہنستا تھا۔

''اسے کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' کسی قدر جارحانہ انداز میں وہ گھورتی ہوئی جانے کے لیے تیزی سے مڑی تھی۔ مگر وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی تھی۔ بھاگتے ہوئے پاؤں مڑا تھا۔ وہ گرنے کو تھی جب یکدم ہی بے حد سرعت کے ساتھ اذہان حسن بخاری نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان کو لگا تھا جیسے اسے کسی انگارے نے چھو لیا ہو۔ ایک لمحے میں سنبھلتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا تھا مگر وہ اس کے گرد حصار باندھے بہت شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''کتنا رومینٹک موسم ہے...... کہو تو ایک آدھ ڈوئیٹ گا لیں؟''

''شٹ اَپ اذہان!'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر مُکا جڑا تھا۔

''فلموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

''لیکن ہم کسی فلم کا حصہ نہیں ہیں۔'' ساہیہ خان نے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔ وہ چلی تھی، مگر تبھی پاؤں مڑا تھا اور وہ گرتی چلی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے زمین پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا اور دیکھ کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''شٹ اپ اذہان! اٹھاؤ مجھے۔'' ساہیہ خان نے اب کے خود ہاتھ بڑھایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس بڑھے ہوئے ہاتھ کو مسکراتے تھام لیا تھا۔ وہ اُٹھی تھی مگر کراہ کر رہ گئی تھی۔ شاید چوٹ شدید لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا۔ ساہیہ خان نے قدم اُٹھانے کی کوشش کی تھی مگر دو قدم بھی نہ چل سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ خاصے ہیلپ لیس انداز میں اس گھڑی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ شاید پاؤں میں موچ آئی تھی اور چلنا یقیناً ممکن نہیں رہا تھا اس کے لیے۔

اذہان حسن بخاری نے بہت سہولت سے جھک کر اسے بانہوں میں اُٹھا لیا تھا۔

''یہی......یہی چاہ رہی تھیں نا تم؟'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے ایسی کوئی درخواست نہیں کی تھی۔'' انداز شرارت سے پُر تھا۔

تیز برستی ہوئی بارش میں وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھائے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

''درخواست نہیں کی تھی۔ مگر اس روتی بسورتی صورت میں، تم جانتی تھیں، ایسا ہی ہوگا۔ کیسا لگ رہا ہے۔ اتنے ہینڈسم سے بندے کی بانہوں میں سفر کرتا؟'' وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنے کو خوشگوار انداز میں بول رہا تھا۔ ساہیہ خان تکلیف کے باوجود مسکرا دی تھی۔

''تم بہت خوش فہم ہو اذہان حسن بخاری!''

''نہیں خیر، کچھ اتنا زیادہ بھی نہیں۔ لیکن ایک بات کہوں، تمہارا وزن خاصا زیادہ ہے۔ کل سے بیلنس ڈائیٹ لینا شروع کر دو۔ ورنہ عنقریب سلمنگ کلب جوائن کرنا پڑے گا۔'' وہ چھیڑ رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

''ہنسو مت......مذاق نہیں ہے یہ۔ تمہارا وزن واقعی کافی زیادہ ہے۔ دیکھو میرا سانس پھول رہا ہے۔'' وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

''شٹ اَپ اذہان!'' وہ ہنس دی تھی۔ ''اچھے خاصے تو چل رہے ہو۔ اور یوں بھی لڑکیوں کی عمر اور وزن پر کبھی بات نہیں کرنی چاہیے۔ وہ دونوں کے ہی معاملے میں بہت کونشیئس ہوتی ہیں۔''

''ہاں، جانتا ہوں۔ لیکن مجھے جھیلنا پڑ رہا ہے، سو بول رہا ہوں۔ اگینے کے ہاتھ کے بنے گاجر، مٹر، گوبھی، آلو کے پراٹھے کھانا بند کر دو۔'' اذہان حسن بخاری اسے لے کر اندر بڑھتے ہوئے بولا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ان تمام قسموں کے پراٹھے نوش کر رہی ہوں ان دنوں؟''

''اگینے سب کو ایسے ہی کھلاتی ہیں۔ اور جانتی ہو ان کی خوبصورتی کا اصل راز یہی ہے۔ وہ دوسروں کو تو کھلا کھلا کر موٹا کر دیتی ہیں مگر خود ہرگز نہیں کھاتیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''اچھا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے اسے؟'' لاؤنج میں بیٹھے سب لوگ اسے اس طرح اذہان حسن بخاری کی بانہوں میں دیکھ کر چونکے تھے۔ اگینے فکر مندی میں پیش پیش تھی۔ ''کہا بھی تھا بارش میں مت کھیلو، مگر مانی ہی نہیں۔ اب بھگت لیا نا۔ دکھاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں اگینے! خالی موچ ہے شاید۔ آپ بام لگا کر پٹی باندھ دیں۔ کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔'' اذہان حسن بخاری نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ مگر اگینے کی فکر کم نہیں ہوئی تھی۔

''لگوالی نا چوٹ؟ اب مزہ آ گیا؟...... تب جب منع کر رہی تھی تو سن کر نہیں دے رہی تھی۔'' متواتر ڈپٹتے ہوئے وہ عزیر کا نمبر ملا رہی تھی۔

''ہاں، عزیر!...... کہاں ہو تم؟...... جلدی گھر پہنچو۔ ساہیہ کو پاؤں میں شدید چوٹ لگ گئی ہے۔ نہیں، اتنی انجرڈ نہیں، غالباً تم دیکھ لو آ کر۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم ہسپتال لے جائیں گے۔ فی الحال تم تو آ جاؤ۔'' گھر کے ڈاکٹر کا یہی فائدہ تھا۔ جہاں کہیں بھی ہوتا تھا فوراً دھر لیا جاتا تھا۔ اب بھی وہ دوستوں کے ساتھ تھا مگر آپا کی بات کہاں ٹال سکتا تھا۔ اگینے جانتی تھی ابھی تھوڑی دیر میں وہ یہاں ہوگا۔ تبھی بہت اطمینان سے آ کر اس کا پاؤں دیکھنے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری بہ غور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اگینے کو اس طرح پریشان ہوتے ہوئے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہے پھپھو؟...... آپ بھی بس۔ اور یہ چاچو کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنی بھی سیریس انجری نہیں ہوئی ہے۔ معمولی سی موچ ہی تو ہے۔ اذہان ٹھیک کہہ رہا تھا، آپ بام مل کر پٹی باندھ دیں، ٹھیک ہو جائے گا کل تک سب۔''

اگینے نے سنی اَن سنی کرتے ہوئے ہیٹر آن کیا تھا۔ پھر کسی قدر ناپسندیدگی سے اس کے گیلے کپڑوں کو دیکھا تھا۔

''افوہ، یہ گیلے کپڑے۔''

''اگینے! فی الحال اسے چینج کرنے کا آرڈر مت دیجیے گا۔ یہ چل پھر نہیں سکتی۔ اور خدانخواستہ انجری زیادہ یا کمپلیکیٹڈ ہوئی تو مسئلہ ہو جائے گا۔''

''ہاں، مگر تمہارے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا نہ۔ پھر تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟'' اگینے نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ چونک گیا تھا۔ اگینے بہت نرمی سے مسکرائی تھی۔

''تم تو جا کر کپڑے چینج کر سکتے ہو نا۔ اس طرح سوٹڈ بوٹڈ، بھیگے ہو۔ بیمار پڑ گئے تو؟...... جاؤ، عزیر کے کمرے میں جا کر کپڑے چینج کرو۔ میں تمہارے لیے گرم گرم کافی تیار کرتی ہوں۔'' اگینے بولی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے پلٹ کر عزیر کے کمرے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

''شادی کے دن سر پر ہیں اور تم چوٹ لگوا کر بیٹھ گئی ہو۔ اب خاک انجوائے کرو گی۔ چاچا کی شادی دیکھنے آئی تھیں اور خود چوٹ لگوا کر بیٹھ گئیں۔ اب اُٹھنا مت، بیٹھی رہو یہیں، جب تک عزیر نہیں آ جاتا۔ میں تمہارے لیے کافی بنانے جا رہی ہوں۔ ہیٹر چل رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر تک کپڑے سوکھ جائیں گے۔'' اگینے نے اسے ہدایت کی تھی۔ اس نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلایا تھا اور اگینے تب پلٹ کر کچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔

''یہ پھپھو بھی نا...... چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہیں۔مگر......'' یکدم اپنا بارش میں بھیگنا یاد آیا تھا۔فٹ بال کھیلنا یاد آیا تھا اور پھر دھڑام سے گرنا۔وہ یکدم مسکرادی تھی۔

☆......☆......☆

اوزی سیڑھیوں پر قدرے نیم تاریکی میں بہت چپ چاپ بیٹھا تھا۔جب انابیہ شاہ چلتی ہوئی اس کے پاس جا بیٹھی تھی مگر وہ تب بھی چونکا نہیں تھا۔نہ ہی انابیہ شاہ کی طرف دیکھا تھا۔انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میرا مقصد تمہارا دل دُکھانا ہرگز نہیں تھا۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔اوزی نے اس کو دیکھا تھا۔پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا انابیہ شاہ! کہ تم نے میرا دل دُکھایا ہے؟''

انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔

''قصور کسی کا نہیں ہے انابیہ شاہ! اس دل کو دُکھنا ہی تھا،سو دُکھ گیا۔اوزی کا دل بہت کمزور ہے۔اسے اب عادت ہو چکی ہے ایسے معاملات کی۔'' وہ مسکرایا تھا،بات جیسے مذاق میں اُڑانا چاہی تھی۔''تم سناؤ،سوئی کیوں نہیں ہو اب تک؟''

''میں اتنی جلدی نہیں سوتی اوزی! اور تم......'' وہ کچھ بولتے بولتے رہ گئی تھی۔خاموش ہو کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے دوستانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''سنو اچھی لڑکی! ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اوزی کے دل کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔تم بے کار میں خود کو گلٹی فیل مت کرو۔میں جانتا تھا،یہ ہو چکا ہے۔سب کچھ بھی ہو،اس سے فرق نہیں پڑتا۔''

''اوزی!'' انابیہ شاہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ سر نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''سنا ہو گا تم نے زندگی سفر ہے،موڑ بہت سے پڑتے ہیں۔ہر موڑ منزل نہیں ہو سکتا۔ڈونٹ وری۔اوزی اِز او کے۔''

انابیہ شاہ چپ رہی تھی۔تبھی وہ بولا تھا۔

''تم مجھ سے سب کچھ چھپانا چاہتی تھیں نا؟'' لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انابیہ شاہ فقط اسے دیکھ کر رہ گئی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''اوزی کو اتنا کمزور سمجھتی ہو؟''

''مجھے نہیں پتہ تھا تم عفنان علی خان کو پرسنلی اتنی اچھی طرح جانتے ہو۔'' انابیہ شاہ کا لہجہ مدھم تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے انابیہ شاہ؟...... یہ تم نے منہ پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں۔ویسے بائے دی وے،وقت کیا ہوا ہے؟''

''اپنی رسٹ واچ پر دیکھو۔''

''اوہ ہاں،میں بھول ہی گیا تھا کہ میں وقت کو اپنے ہاتھ میں لیے گھومتا ہوں۔'' وہ اس کی یاد دہانی پر مسکرایا تھا۔انابیہ شاہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔اوزی اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''تم......انابیہ شاہ! تم کہاں تک پہنچی ہو؟''

''میں؟'' وہ چونکی تھی۔ ''کیا مطلب؟''

اوزی مسکرادیا تھا۔

''زندگی سفر ہے نا۔ کہیں تم بھی برداشت تو نہیں کررہیں؟''

انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی اوراوزی پتہ نہیں اس کی خاموشی سے کیا سمجھا تھا۔

''تمہیں اپنے بارے میں سوچنا چاہیے انابیہ شاہ!''

انابیہ شاہ پہلے چونکی تھی، پھر بہت دھیمے سے مسکرادی تھی۔

''ہاں......میں اپنے بارے میں سوچتی تو ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں اتنی ہی کیئرلیس ہوں؟''

اوزی نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرادیا تھا۔

''نہیں......اس سے بھی کہیں زیادہ۔''

''کیا مطلب؟''

''انابیہ شاہ! خود کو اہمیت دینا سیکھو۔ تم خود اپنے لیے کس قدر اہم ہو۔ اس بات کا ادراک تمہیں بہت سکون دے گا۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟......فقط ادراک سکون کیسے دے سکتا ہے؟ ادراک سے زیادہ دیگر اقدامات بھی تو ضروری ہوں گے۔ انابیہ شاہ نے بات کو مذاق میں اُڑانا چاہا تھا اوراوزی بھی مسکرادیا تھا۔''

''یہی تو......یہی تو کہہ رہا ہوں کہ خود کو کچھ اہمیت تو دو۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! میں خود کو اہمیت نہیں دیتی؟ میرا خیال ہے ہر کوئی اپنے آپ کو اہمیت ضرور دیتا ہے۔ یہاں بات میری نہیں، تمہاری ہورہی تھی اور یہاں میرے خود کو اہمیت دینے سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ تم خود اپنے اس جعلی خول سے باہر نکل آؤ۔ بہت کھوکھلے لگتے ہو کبھی کبھی۔'' وہ جواباً مسکراتی ہوئی بولی تھی اوراوزی ہنستا چلا گیا تھا۔

''ہنس کیوں رہے ہو؟......میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم ٹھیک نہیں کہہ رہی ہو۔ جانتی ہو، کبھی کبھار چیزیں جیسی نظر آتی ہیں ویسی ہوتی نہیں ہیں اور درحقیقت جیسی ہوتی ہیں ویسی نظر نہیں آتیں۔''

''یہ فلسفیانہ باتیں خدا کے لیے اپنی پٹاری میں بند رکھو اوزی! تم جانتے ہو اتنی مشکل باتیں میری سمجھ میں قطعاً نہیں آتی ہیں۔''

''تمہاری سمجھ میں تو اور بھی بہت کچھ نہیں آتا انابیہ شاہ!'' وہ مسکرایا تھا انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم عفنان علی خان کو کب سے جانتی ہو انابیہ شاہ؟'' قدرے توقف کے بعد اوزی نے دریافت کیا تھا اورانابیہ شاہ نے بہت

چونک کراس کی سمت دیکھا تھا۔

''تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو اوزی؟'' اس کا لہجہ مدھم تھا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''نہیں، ایسے ہی۔'' انداز ٹالنے والا تھا۔

''وہ کچھ کہہ رہا تھا تم سے۔'' انابیہ شاہ نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔

''نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ دراصل وہ تمہاری دوست کا فیانسی ہے نا، سو تم اس کے متعلق کیا سوچتی ہو؟''

''میں؟ میں اس کے متعلق کیا سوچوں گی اوزی؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟''

''ریلیکس۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔'' اوزی نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''تو پھر...... پھر کیا تھا؟'' انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ اوزی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''انابیہ شاہ! تم بہت اچھی ہو۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ بات میں جانتی ہوں اوزی! اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔''

وہ مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''وہ دادا ابا کا اچھا دوست بن گیا ہے اوزی! دادا ابا شاید اس سے قبل بہت تنہائی محسوس کرتے تھے۔ اکثر وہ کتابوں میں الجھے نظر آتے تھے۔ میں اور ماما شاید انہیں زیادہ وقت دے نہیں پاتے تھے۔ مجھے اس بات کا اندازہ ہے اوزی! تبھی جب عفنان علی خان ان سے ملنے کی غرض سے یہاں آنے لگا تو میں نے کوئی قدغن نہیں لگائی۔ اس کی وجہ سے دادا ابا کا وقت اچھا گزر جاتا ہے اوزی! مجھے دادا ابا بہت عزیز ہیں۔''

''اور عفنان علی خان؟'' اوزی یکدم گویا ہوا تھا۔ وہ حیران ہو کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''عفنان علی خان؟''

''ہاں...... میں کہہ رہا تھا، عفنان علی خان اس لحاظ سے خاصا معقول اور مناسب شخص ہے۔ وہ جس قدر اچھا نظر آتا ہے اس سے کہیں زیادہ دل کا اچھا ہے۔ یقیناً دادا ابا اس کے ساتھ اچھا محسوس کرتے ہوں گے۔'' اوزی مسکرا رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

''تم عفنان علی خان کو کب سے جانتے ہو؟''

''یہ چھوڑو، میں اسے جانتا ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے؟'' پھر کسی قدر تشویش سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ ''اے، کہیں تم اپنی

دوست کو لے کر تو اپری ہینسو نہیں ہو رہیں؟''

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اوزی ہنس دیا تھا۔

''تمہاری دوست کو ایک اور جنم ملے اور وہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈے تب بھی اسے عفنان علی خان جیسا بندہ نہیں ملے گا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو اوزی؟'' انابیہ شاہ نے اس کی جانب کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''جو مل گیا ہے اسے یاد رکھ، جو نہیں ملا اسے بھول جا۔'' وہ اپنی لا جک بیان کر رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ یکدم اُٹھا تھا۔ تبھی انابیہ شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اوزی اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے بہ غور دیکھا تھا، پھر مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''بھولنا واقعی کیا اتنا آسان ہے اوزی؟''

اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''گڈ نائٹ......تم بھی سو جاؤ اب۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور انابیہ شاہ اس کی جانب دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

ایک طوفان کے بعد ایک سکون بہت لطف دیتا ہے۔

اس نے نیویارک پہنچ کر جیسے سکون کا سانس لیا تھا۔ اپنوں کے درمیان ایک تحفظ کا احساس اس کے اندر اُبھرا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کی پُر سکون کیفیت کو بہ غور دیکھا تھا۔

''مجھے پاپا سے ملنے جانا ہے۔'' میرب سیال نے اظہارِ مدعا کیا تھا۔

''ضرور......مگر وہ تو ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو چکے ہیں غالباً۔'' دھیمے لہجے میں باور کرایا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جانتی ہوں......آج ان سے ملنے کے بعد مجھے اپنے جانے کے متعلق بھی مطلع کرنا ہے۔ کافی روز گزر گئے ہیں۔ سیفی کا فون آیا تھا۔ میری اسٹڈی کا بھی بہت حرج ہو رہا ہے۔ سمسٹرز سر پر ہیں اور......'' وہ بول رہی تھی جب یکدم ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''اور تم؟''

وہ کچھ نہیں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''تم بھی کوئی معمولی کام تو نہیں کر رہیں میرب سیال! غالباً تم تو سب سے بڑا کام کر رہی ہو۔ زندگی کو سمجھ رہی ہو۔ اس کے اسرار، اس کے بھید سمجھ رہی ہو اور یہ کوئی معمولی کام تو نہیں ہے۔''

''ہاں شاید۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے ان مختصر سے دنوں میں جتنا زندگی

کو سمجھا ہے، جانا ہے وہ واقعی بہت زیادہ ہے۔"

"اس کے لیے تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ یقیناً یہ میری بدولت ہی ممکن ہوا۔" وہ جانے کیوں مسکرا رہا تھا۔

"ہاں ......اس کے لیے میں واقعی آپ کی ممنون ہوں۔ آپ نے مجھے واقعی زندگی کا ایک نیا رخ دکھایا ہے۔ شاید میں ساری زندگی میں جو نہ دیکھ پاتی، جو نہ محسوس کر پاتی، آپ نے مجھے اس احساس سے دوچار کیا ہے۔" وہ بہت خوبصورتی سے طنز کر رہی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

"تیار ہو جاؤ...... مجھے فورٹین وال اسٹریٹ جانا ہے۔ وہاں سے ہو کر میں تمہیں تمہاری فیملی کی طرف چھوڑ دوں گا۔" پیشکش کی تھی۔ مگر میرب سیال نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ اتنی انجان نہیں ہوں یہاں کے راستوں سے۔" اس نے تعرض برتا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے اپنی چیزوں کی حفاظت کرنا اچھا لگتا ہے میرب سیال! میرا انداز اپنی چیزوں کے متعلق بہت کیئرنگ ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔" دھیمی مسکراہٹ بتا رہی تھی وہ میرب سیال کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال چپ چاپ اُٹھ کر وارڈ روب کے سامنے جا رکی تھی۔ جب وہ تیار ہو کر نکلی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔ اب اسے پھر اس ناپسندیدہ سنگت کو جھیلنا تھا اور برداشت کرنا تھا۔ خود کو مارنا تھا اور جبر کرنا تھا۔ اتنے دنوں میں بہت سی مجبوریوں کے باوجود وہ اب تک اس جبر کی جانے کیوں عادی نہیں ہوئی تھی۔ اور شاید وہ کبھی عادی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ تبھی اپنے طور پر اس نے فیصلہ کر لیا تھا اور طے کیا تھا کہ اسے اس فیصلے سے ہٹنا نہیں تھا۔

یہ شخص، اس کی قربت، خود اس کا جبر سب وقتی تھا۔

چند روزہ تھا۔

وہ یقیناً اسے غلط سمجھا تھا۔

خود پر اپنا اس کا زعم بہت بودا تھا اور یہ میرب سیال نے اسے سمجھانا تھا۔

وہ اپنی دسترس پر بہت خوش گمان تھا۔ اپنی دولت، اپنے حسب نسب، نام، مرتبے پر نازاں تھا۔ اس کی طبیعت میں تسلط ہی تسلط تھا مگر وہ یہ بھول گیا تھا کہ میرب سیال ایک جیتا جاگتا وجود ہے، کوئی مفتوح علاقہ نہیں۔ بہت خوش گمان تھا وہ۔ شاید کسی قدر اندھیرے میں تھا اور میرب سیال کو اسے اس اندھیرے سے باہر لانا تھا۔ اس کی خوش گمانی کو دور کرنا تھا۔

وہ آج کے دور کی لڑکی تھی۔ اپنے حقوق سے بخوبی واقف تھی اور اپنے حق کے لیے لڑنا جانتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اگر اسے کمزور سمجھنے کی غلطی کر رہا تھا تو یقیناً وہ بہت غلطی پر تھا۔ گاڑی فورٹین وال اسٹریٹ پر رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نیویارک اسٹاک ایکسچینج کے اندر گیا تھا اور وہ بزنس کیپٹل ورلڈ کے نام سے جانی جانے والی فورٹین وال اسٹریٹ کی عمارت کو بہ غور دیکھنے لگی تھی۔ امریکہ کی وہ عمارت جس کے باعث وہ ساری دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وال اسٹریٹ کو چھینک آتی ہے تو امریکہ کی پوری اکانومی کو نمونیا ہو جاتا ہے۔ میرب سیال کی نظریں اس وقت اس بُل پر تھیں جس کے سینگوں پر امریکن اکانومی کا گراف نمایاں تھا۔ بُل کے سینگ اوپر تھے، یعنی امریکہ کی اکانومی کا گراف ان دنوں بلند تھا۔ اگر وہ سینگ نیچے ہوتے تو یقیناً امریکہ کی اکانومی کو نمونیا ہو گیا ہوتا۔ وہ یہ سوچ کر ہی مسکرائی تھی، جب یکدم اس کی نظر عمارت سے باہر نکلتے سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ وہ تنہا نہ تھا۔ کوئی اس کے ساتھ تھا اور وہ گی تھی۔ وہی گی، جس کی دلربائی قیامت خیز تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری جس کی دلربائی کا اسیر تھا۔

اس گھڑی بھی وہ اس کے ساتھ بہت خوش گوار موڈ میں تھا۔ دونوں جانے کیا بات کر رہے تھے۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ اس کی سمت جھک رہا تھا۔ میرب سیال یکدم ہی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا تھا، وہ یکدم دروازہ کھول کر اُتری تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی وہاں سے دور نکلنے لگی تھی۔ بنا اس کی پرواہ کیے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی غیر موجودگی میں کس درجہ پریشان ہوگا۔

اسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔ بس اس کے اندر جیسے ایک طوفان اُٹھا تھا اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ بہت سی نمی اس کی آنکھوں میں آن رکی تھی۔ مگر وہ رکی نہیں تھی، قریب سے گزرنے والی کیب کو اشارہ کیا تھا اور پھر فوراً دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا سوچے گا یا کیا کرے گا۔ اسے اس کے متعلق پرواہ نہیں تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

کیب فراٹے بھرنے لگی اور وہ آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اگینے اور دیگر لوگ ساہیہ خان کو متواتر ڈانٹ ڈپٹ رہے تھے اور وہ جانتی تھی اس کا قصور تھا۔ سو وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''شادی کتنی نزدیک ہے اور تم......لوگ کیا کہیں گے، یہ ہے دولہے کی وہ بہن جو کیلگری سے آئی تھی۔'' اُس کے چلنے پھرنے پر پابندی تھی۔ حالانکہ معمولی سی موچ تھی مگر سب کا نزلہ اس پر گر رہا تھا۔

اذہان آیا تھا تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''خوش ہو اب؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ وہی شگفتہ ہنسی ہنس دی تھی۔

''ہاں بہت۔ کم از کم انجوائے بھی تو میں نے ہی کیا ہے نا۔ اور یہ معمولی سا درد اس کے سامنے کچھ نہیں ہے۔''

اذہان حسن بخاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ یہ لڑکی واقعی بہت زندہ دل تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر ساہیہ نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''زندگی۔'' وہ بہت آہستگی سے مسکرایا تھا۔

''زندگی؟'' وہ چونکتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''ہاں...... زندگی، دلکشی اور......'' جملہ مسکراتے ہوئے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''اور......؟'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''رعنائی۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''رئیلی ساہیہ خان! کبھی کبھی مجھے تم پر حیرت ہوتی ہے۔ تم زندگی سے اتنے خوش گوار رنگ کیسے چرا لیتی ہو؟...... کیسے ڈھونڈ لیتی ہو اتنے کھلتے ہوئے موسم؟'' اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''اس کا جواب میں تمہیں دوں گی۔ مگر ایک شرط پر۔''

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ تمہیں مجھے آئس کریم کھلانے لے جانا ہوگا۔'' ساہیہ خان نے فرمائش کی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''سوچ لو، بارش ہو رہی ہے آج بھی۔ کیا آج بھی بازوؤں پر اُٹھانا پڑے گا؟''

''اٹھا لوگے تو کوئی حرج بھی نہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تو پھر تم لے جا رہے ہو نا؟''

''اگینے سے پوچھنا ہوگا۔'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

''وہ تو کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی۔'' ساہیہ نے منہ بسورا تھا۔

''تو پھر؟''

''کہہ دو، میں لے جانا چاہ رہا ہوں۔'' مسکراتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ مانگا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام کر سہارا دے کر اسے کھڑا کیا تھا۔ ساتھ ہی قدرے فاصلے پر دیگر خواتین کے ساتھ بیٹھی ضروری امور پر تبادلہ خیال کرتی اگینے کی طرف دیکھا تھا۔ پھر با آواز بلند مطلع کیا تھا۔

''اگینے! ہم آئس کریم کھانے جا رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے...... جلدی آجانا۔'' اگینے کا جواب تھا اور اذہان حسن بخاری اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔

''لے کر تو جا رہا ہوں۔ مگر سنو، میرے سہارے کی عادی مت ہو جانا۔'' اذہان حسن بخاری نے چھیڑا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''تمہاری ایک پرابلم ہے اذہان حسن بخاری! پتہ ہے کیا؟ تم خوش فہم بہت جلد ہو جاتے ہو۔''

''اوہ، رئیلی؟'' وہ مسکرایا تھا۔ ''ایک خوبصورت لڑکی میرے اتنے قریب ہو گی تو بولو اور کیا ہوگا؟'' وہ پھر چھیڑنے سے باز نہیں رہا تھا اور ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو اذہان حسن بخاری! میں نے تمہیں بدل دیا ہے۔''اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

''وہ کیسے؟''وہ حیران ہوا تھا۔

''تم میرے رنگ میں رنگنے لگے ہو۔''ایک گہرا انکشاف ہوا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

''اچھا......کیا واقعی؟ مجھے اس بات کا پتہ نہیں تھا۔''وہ محظوظ ہوا تھا۔

''اب تو پتہ چل گیا نا؟''ساہیہ مسکرائی۔

''ہاں۔''وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا پھر دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا تھا۔

''تم لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ؟''

''تم ایسا سمجھتے ہو......میں ایسا نہیں سمجھتی۔لڑکیاں تو خدا کی بنائی ہوئی خاصی عقل مند مخلوق ہیں۔''ساہیہ نے بھرپور انداز میں ڈی فنڈ کیا تھا۔اذہان حسن بخاری بخاری ونڈ اسکرین کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''تم مسکرا رہے ہو؟''ساہیہ کو جیسے اُلجھن ہوئی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''تو اور کیا کروں؟''ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

''یعنی تم ڈنائے کر رہے؟''وہ کسی قدر خفگی سے بولی تھی۔اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں،کم از کم میں اتنی خوبصورت لڑکی سے اختلاف نہیں کر سکتا۔''اس کا انداز شرارت سے پُر تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔ بہت آہستگی سے چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔اذہان حسن بخاری ونڈ اسکرین پر گرتی پانی کی بوندوں کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''بارش ہو رہی ہے ساہیہ!''پتہ نہیں اس نے اطلاع دی تھی یا پھر سوال کیا تھا۔وہ سمجھی نہیں تھی۔تبھی شاید کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''ہاں،تو پھر؟''دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر تھی مگر آنکھوں میں حیرت بہت واضح تھی۔

''بارش......ساہیہ!تم لڑکیوں کو بارش اتنی پسند کیوں ہوتی ہے؟''

''بارش؟''وہ چونکی تھی۔پھر مسکرا دی تھی۔''شاید اس لیے کہ ہم اپنے اندر بہت زیادہ دلکشی اور شگفتگی رکھتے ہیں۔''

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''مجھے تم سے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی ساہیہ خان!''

''جب توقع تھی تو پھر پوچھا کیوں؟''

''تصدیق،ساہیہ خان!تصدیق چاہتا تھا میں۔''

''تو اب ہو گئی تمہاری تصدیق؟''وہ مسکرائی تھی۔

''ہاں۔''اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''ایک بات کہوں ساہیہ؟''اجازت طلب کی تھی۔

''ہاں کہو؟''وہ کھڑکی سے باہر برستی بارش کو بہ غور دیکھ رہی تھی۔

''تم بالکل اس بارش جیسی ہو۔''عجب انکشاف تھا۔ساہیہ خان نے بہت چونک کراس کی سمت دیکھا تھا۔وہ مسکرارہا تھا۔

''شٹ اَپ اذہان! ابھی ایسے دعوے مت کرو۔ابھی تمہیں موسموں کی کچھ خبر نہیں۔ابھی ابھی تو جاننے لگے ہو تم رنگوں کو، موسموں کو......اور......''ساہیہ خان نے کھڑکی کی سمت چہرہ پھیرتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''اور؟''اذہان حسن بخاری نے نگاہ ونڈ اسکر سے اس کی سمت منتقل کی تھی۔ساہیہ خان نے اس کے مدھم لہجے پر اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت اعتماد کے ساتھ مسکرادی تھی۔

''آف کورس۔ساہیہ خان کو بھی۔''جملہ مکمل کیا تھا۔مگر اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''تمہیں کیسے لگا کہ میں تمہیں اب جاننے لگا ہوں ساہیہ خان؟''وہ جیسے اس کے جواب سے حد درجہ محظوظ ہوا تھا۔

''ظاہر سی بات ہے اذہان حسن بخاری! ہم ملے بھی تو اب ہی ہیں۔''ساہیہ خان نے یقین دلانا چاہا تھا۔

''مگر یہ پہچان اوّل اوّل کی تو نہیں۔''اذہان حسن بخاری منکر ہوا تھا۔ساہیہ خان اس کی سمت دیکھتی ہوئی بڑی رسانیت سے مسکرائی تھی۔

''اوّل اوّل کے تعلقات سے بھی کچھ زیادہ پیچیدہ سی بات ہے۔اذہان حسن بخاری! ہم تب ملے تھے جب ہماری کوئی پرسنالٹی ڈی ویلپ ہی نہ ہوئی تھی۔وہ بچپن تھا۔جب سب منظر اچھے لگتے ہیں اور سارے رنگ خوبصورت۔وہ دور بڑا ناسمجھی کا دور تھا۔سراسر حماقتوں کا دور۔اور حماقتوں کو یادرکھنا اور یاد کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ہم یقیناً اب اتنے احمق نہیں رہے۔''

''یعنی اب اس سے زیادہ احمق ہو گئے ہیں۔''اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔وہ بھنچے لبوں کے ساتھ مسکرادی تھی۔

''مگر سوچو ساہیہ خان! اب اس مزید احمق پن کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھنا تو اور بھی دشوار ہوگا نا۔''

''تم کتنا فضول بولتے ہو نا اذہان حسن بخاری!''

''پتہ نہیں۔مگر اتنا جانتا ہوں مجھے بولنا تم نے سکھایا ہے۔''اس نے اعتراف کیا تھا۔وہ حیران ہوئی تھی۔

''یعنی اس سے قبل تم جیسے بولتے ہی نہیں تھے۔''

اذہان حسن بخاری نے گاڑی آئس کریم پارلر کے سامنے روک دی تھی۔

''نہیں بولتا تھا۔''اعتراف کیا تھا۔لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ساہیہ کی سمت بہ غور دیکھتے ہوئے وہ چہرے کا رُخ پھیر کر اس کے لیے آئس کریم کا آرڈر دینے لگا تھا اور ساہیہ خان اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے ساہیہ خان! اس آئس کریم میں ایسی کیا بات ہے جو بندے کے موڈ کو ہیپی شیپی کر دیتی ہے؟'' آئس کریم اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔

''اس میں کریم ہے، مٹھاس ہے اذہان حسن بخاری! اور یہ دونوں چیزیں محبت کی علامت ہیں۔''

''آ......اچھا......'' وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہیں نہیں معلوم؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں۔مگر تم نے بتا کر بہت اچھا کیا۔'' اس نے کہتے ہوئے جھک کر اس کی آئس کریم میں سے ایک بائٹ لے لیا تھا۔

''واقعی میٹھی اور کریمی تو ہے۔'' پُر خیال انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''جانتے ہو، آئس کریم سب کے ساتھ شیئر نہیں کرتے۔'' ساہیہ خان نے ایک انکشاف مزید کیا تھا۔

''کیا مطلب؟......پھر کس کے ساتھ شیئر کرتے ہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے مفہوم تم مجھ سے پوچھتے ہوئے بہت اسٹوپڈ لگتے ہو اذہان حسن بخاری!'' اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''جس بات کے متعلق پتہ نہ ہو اس کے متعلق پوچھ لینے میں، میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا ساہیہ خان!'' باور کرا دیا تھا۔

''شاید تم بتانا نہیں چاہ رہی تھیں یا واقعی تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں کوئی بھی بات بلا جواز نہیں کرتی اذہان حسن بخاری!'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''تو پھر بتاؤ نا، تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کس بات سے متعلق؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''آئس کریم سے متعلق۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تم اتنی کریوسٹی کیوں محسوس کر رہے ہو اذہان حسن بخاری؟''

''اور تم چھپانا کیوں چاہ رہی ہو؟''

''میں چھپانا نہیں چاہ رہی مگر کچھ باتیں خود آپ بھی سمجھنا چاہئیں اذہان حسن بخاری! اور میرا نہیں خیال کہ تم نا سمجھی کی ایج میں ہو۔'' وہ جتاتی ہوئی مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر جھک کر اس کے کپ میں سے آئس کریم لے کر اپنے منہ میں رکھی تھی، پھر مسکرا دیا تھا۔اس کی آنکھوں میں بہت شرارت تھی اور ساہیہ خان اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم سیدھی سادھی باتوں کو کتنا پیچیدہ کر دیتی ہو ساہیہ خان!'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا اور ساہیہ خان اسے گھورنے لگی تھی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

ہلکی ہلکی بوندا بوندی ہو رہی تھی۔ وہ اوزی کے ساتھ ساحل کے کنارے کھڑی تھی۔ جب اچانک ہی اوزی کو کوئی پرانا دوست مل گیا تھا۔ وہ معذرت کرتا ہوا اس کے سنگ بڑھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ تنہا ساحل کی لہروں کے سنگ کھڑی سمندر کی وسعتوں کو دیکھنے لگی تھی۔ بوندا باندی یکدم زور پکڑنے لگی۔ وہ بھیگنے لگی تھی۔ اس نے نگاہ اس سمت کی تھی جہاں اوزی گیا تھا۔ وہ اب تک نہ لوٹا تھا۔ وہ رُخ پھیر کر ساحل پر لہروں کے سنگ کھیلتے بچوں کو بہ غور دیکھنے لگی تھی۔

برستی ہوئی بوندیں اسے بھگونے لگی تھیں۔ مگر تب اچانک ہی کسی نے اس پر چھتری کا سایہ کر دیا تھا۔ کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عفنان علی خان اس کے پیچھے ڈھال بنا کھڑا تھا۔

''تم؟'' وہ چونک گئی تھی۔ آواز میں حیرت بہت نمایاں تھی۔

''تم یہاں تنہا کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

''میں تنہا نہیں ہوں۔ اوزی بھی ہے۔ اس کا کوئی فرینڈ مل گیا تھا، وہ اس کے ساتھ گیا ہے۔ آپ کو کیا خبر ہو گئی تھی کہ ہم یہاں آنے والے ہیں؟'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''ہرگز نہیں۔ مگر شاید اسے دل سے دل کو راہ ہونا کہتے ہیں۔ ویسے کیا تم ایسا نہیں سمجھتیں؟''

انابیہ شاہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں۔ میرا چیزوں کو سمجھنے کا تجربہ بالکل مختلف ہے۔''

''یعنی یہاں بھی تم میری مخالف سمت کھڑی ہو۔'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔ وہ جواباً اس کی سمت دیکھنے لگی تھی، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''آپ ٹھیک سمجھے ہیں۔ تنہا کیوں ہیں؟...... اس موسم میں تو لامعہ کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔''

عفنان علی خان نے اس کے سوال پر اس کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکا دیئے تھے۔ انداز کسی قدر بے تاثر تھا۔

''تمہیں یقیناً حیرت ہوئی ہوگی اوزی کے اور میرے تعلق پر۔'' وہ جیسے بات جاری رکھنے کو بولا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... کچھ خاص نہیں۔'' انداز سرسری تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اوزی تمہیں بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔''

''آپ کو کس طرح پتہ چلا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ذکر کر رہا تھا...... یوں ہی باتوں میں اکثر وہ تمہارا ذکر کر دیتا ہے۔''

''عفنان علی خان! اچھے اور پرانے دوستوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا ذکر برملا کرتے ہیں۔'' شاید وہ باور کرا رہی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''شاید۔'' اس کا انداز کسی قدر بے تاثر تھا۔

''کیوں...... آپ کو کبھی اندازہ نہیں ہوا؟'' انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان نے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی شانے اُچکا گئی تھی۔ پھر نگاہ پھیر کر سمندر کی وسعتوں پر جما دی تھی۔ عفنان علی خان اسی طرح اس پر چھتری تانے کھڑا تھا جب وہ احساس کرتی ہوئی چونکی تھی اور اس کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ پلیز، میری فکر نہ کریں۔ مجھے بارشوں میں بھیگنے سے ڈر قطعاً نہیں لگتا۔ اوزی کو بہت شوق ہو رہا تھا۔ اسے بھی بارشیں بہت پسند ہیں۔ ایک بوند بھی گرے تو وہ کمرے میں یا گھر کے اندر دبک کر نہیں بیٹھ سکتا۔'' وہ مسکراتی ہوئی مطلع کر رہی تھی اور اس گھڑی بارش میں اور بھی شدت آ گئی تھی۔ وہ خود بھیگ رہا تھا مگر انابیہ پر مسلسل چھتری تانے ہوئے تھا۔

''آپ دوستوں میں کیا یہ بات کامن ہے؟'' وہ دلچسپی سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''نہیں، بالکل نہیں۔ مجھے بارش کچھ زیادہ اچھی نہیں لگتی۔ مگر اوزی تو دیوانہ ہے۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ جب یکدم ایک لہر نے اس کے قدم ہلا دیئے تھے۔ وہ لڑکھڑائی تھی اور اس سے قبل کہ گرتی، عفنان علی خان نے بہت سرعت کے ساتھ اسے تھام لیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھتری دور لہروں پر جا گری تھی۔''

انابیہ شاہ کو ایک لمحے میں جیسے کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔ حواس لحہ بھر کو جیسے مفلوج ہو گئے تھے۔ بس ایک خوشبو، ایک احساس سا سارے وجود کو جھنجھوڑ گیا تھا۔ ایک لمس نے جیسے سارے وجود میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ وہ سنبھلی تھی۔ بنا اس کی سمت دیکھے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا۔ پھر سنبھل کر کھڑے ہوتے ہوئے دور لہروں پر نگاہ کی تھی۔

''وہ آپ کی چھتری۔''

عفنان علی خان نے ایک نگاہ لہروں پر بہتی ہوئی چھتری کو دیکھا تھا، پھر انابیہ شاہ کی سمت نگاہ کی تھی۔

''تم چاہتی ہو میں وہ چھتری لینے جاؤں؟'' وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''آپ ہر بات میں میری رائے جاننے کے لیے کیوں بضد ہوتے ہیں؟ چھتری آپ کی ہے۔ مرضی بھی آپ کی ہونی چاہیے۔''

وہ بے نیازی سے شانے اُچکاتی ہوئی بولی تھی۔ انداز لاتعلق سا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ بہ غور ایک نگاہ۔ اور پھر یکدم ہی لہروں کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ انداز میں ایک جنوں خیزی تھی، اشتعال تھا اور انابیہ شاہ اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔ عفنان علی خان کے قدم شوریدہ سر لہروں کی سمت بڑھ رہے تھے اور چھتری مزید آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

عفنان علی خان یقیناً خطرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے اندر یکدم ہی خوف سرائیت کر گیا تھا۔ وہ بے حد پریشانی کے ساتھ اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تیز بارش کے باعث سمندر کی طغیانی میں اور بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ لہریں اور بھی شوریدہ سر ہو رہی تھیں۔

''عفنان علی خان!'' اس نے آواز دے کر اسے آگے جانے سے باز رکھنا چاہا تھا مگر اس نے جیسے سنی اَن سنی کر دی تھی۔

''عفنان!'' وہ چیخی تھی مگر وہ نہیں رکا تھا۔ کتنی شوریدہ سر لہریں تھیں۔ عفنان علی خان جتنا آگے بڑھ رہا تھا وہ مزید اس سے دور جا رہی تھی۔ وہ اس سے کتنی دور جا چکا تھا۔ تیز لہروں کا شور تھا۔

''عفنان!'' وہ چیخی تھی۔ ایک بڑی لہر اس کی سمت بڑھ رہی تھی۔ مگر اس کی جنوں خیزی ہرگز نہ تھمی تھی۔

''عفنان!'' لہر نے اسے خود میں ضم کر لیا تھا۔ انابیہ شاہ کی پُر وحشت آنکھیں اسے ڈھونڈتی رہ گئی تھیں۔

''عفنان! پلیز ہیلپ۔'' وہ چیختی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟...... کچھ پتہ چلا؟'' گی نے شستہ انگریزی میں سردار سبکتگین حیدر لغاری سے دریافت کیا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ چہرے پر عجب طرح کا ایک کھنچاؤ تھا۔ پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ گی نے اسے اس سے زیادہ پریشان شاید پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''ہوسکتا ہے وہ کسی ضروری کام سے کہیں چلی گئی ہو۔'' گی نے اسے تسلی دینا چاہی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ بہت خاموشی کے ساتھ جیب سے سیل فون نکالا تھا اور کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔

''گین! انڈراسٹینڈ۔ وہ بچی نہیں ہے۔ اور پھر تم بتا رہے تھے ناں وہ یہاں پہلے بھی آتی رہی ہے۔ تب تو یقیناً وہ یہاں کے راستوں اور مقامات سے واقف ہوگی۔'' گی اس کا حوصلہ بندھانا چاہتی تھی مگر وہ سوائے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالنے کے کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا ڈائلڈ نمبر رسپانس ہو گیا تھا۔

دوسری طرف زوباریہ تھی۔

''ہیلو، جی میں سردار سبکتگین حیدر۔ کیا میرب اس طرف پہنچ گئی ہے؟'' بہت شائستگی سے دریافت کیا تھا۔

زوباریہ کسی قدر حیران ہوئی تھی۔

''نہیں، ابھی نہیں۔ کب نکلی تھی وہ یہاں آنے کے لیے؟''

''جی تھوڑی دیر قبل۔اینی وے،ڈونٹ وری۔شاید وہ راستے میں کہیں رک گئی ہو۔''

''ہاں۔مگر تم اتنا کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ وہ بچی نہیں ہے۔پھر یہاں کے راستے اور مقامات بھی اس کے لیے نئے نہیں ہے۔وہ طویل عرصہ یہاں گزار چکی ہے۔اس کی اسکولنگ یہیں ہوئی تھی۔تم فکر مت کرو۔شاید کوئی پرانے دوست مل گئے ہوں گے۔انہی کے ساتھ رک گئی ہوگی۔'' زوباریہ نے اسے بے فکر کرنا چاہا تھا۔وہ یقیناً اس معاملے کو بہت سرسری لے رہی تھیں۔مگر سبکتگین حیدر لغاری جانتا تھا یہ معاملہ اس قدر سرسری تھا نہیں۔

''جی شاید،بہر حال جیسے ہی وہ وہاں پہنچے،پلیز آپ میری اس سے بات کروا دیجیے گا۔''

''اوکے۔مگر ڈونٹ وری،ہاں۔'' زوباریہ مسکرائی تھی۔

''نہیں،ایسی کوئی بات نہیں۔بس آپ میری اس سے بات کرا دیجیے گا۔مجھے مائی اماں کا ایک ضروری میسج اسے دینا ہے۔''

''اوکے۔'' زوباریہ نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کی رگیں اور بھی تن گئی تھیں۔یقیناً اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔وہ وہاں بھی نہیں گئی تھی تو پھر کہاں گئی تھی؟

وہ یقیناً پریشان تھا اور اسے ہونا بھی چاہیے تھا۔اس نے ہاتھ میں تھما ہوا سیل فون دیوار پر دے مارا تھا۔شاید اس سے زیادہ غصہ اسے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔میرب سیال بے حد بچپنا رکھتی تھی اپنی طبیعت میں اور اسے یہی بات ہمیشہ خائف رکھتی تھی۔

وہ اس تعلق سے قبل بھی جانتا تھا کہ ان دونوں کی سوچوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا،ذہن نہیں ملیں گے،ذہنی سطح نہیں ملے گی۔وہ اسے دیکھتے ہی جان گیا تھا،وہ بے حد امیچور ہے۔وہ بہت کچھ الگ توقع کرے گی اس سے اور اس کی سوچوں تک کبھی رسائی حاصل نہ کر سکے گی۔

وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔مگر وہ یہ بات مائی اماں کو نہ سمجھا سکا تھا۔وہ کچھ سننے کو،ماننے کو تیار ہی نہ تھیں۔بس اپنی خواہشیں نظر آ رہی تھیں انہیں اور وہ اس لمحے ان کی خواہشوں کو کسی طرح بھی رد کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پا رہا تھا۔اس نے خود کو رد کر کے ان کا فیصلہ مان لیا تھا مگر وقت اسے رد نہیں کر سکا تھا۔وہی ہوا تھا جو اس نے اخذ کیا تھا۔وہ لا ابالی پن کی اس ایج میں تھی جہاں خوابوں کے شہر بسائے جاتے ہیں۔

خوابوں کے محل بنائے جاتے ہیں۔

وہ خوابوں،خیالوں میں زندگی بسر کرنے والی لڑکی تھی اور وہ حقیقتوں کو کھلی آنکھ سے دیکھنے والا بے حد میچور شخص۔

یہی تضاد ان دونوں کے بیچ کے فاصلے سمیٹ نہ سکا تھا اور یقیناً ایسا کبھی ہونا بھی ناممکن ہی تھا۔مگر وہ اس تعلق کو اب کسی بوجھ کی طرح اُتار کر پھینک بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس کی سرشت میں نہ تھا۔وہ چاہتا بھی تو اس کا حسب نسب،خاندانی وقار اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے۔سو اب یہ تعلق خواہ بوجھ سہی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اسے ڈھونا ضروری تھا۔خواہ عمر بھر سہی۔مگر وہ میرب سیال سے کسی بھی

طرح اب دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ اس سے بھاگ رہی تھی، رہائی چاہتی تھی۔ مگر وہ چاہتے ہوئے بھی اتنی چھوٹ نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اپنے حقوق کی کوئی جنگ لڑے یا پھر اس سے علیحدگی کے متعلق سوچے بھی اور خواہ اسے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ کچھ بھی۔

''گین! پلیز ڈونٹ بی ایموشنل۔'' گی نے بہت آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا نازک ہاتھ دھرا تھا۔''گین! یو ول فائنڈ آؤٹ ہر۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا اور تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری یکدم اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کہاں جارہے ہو تم؟......رکو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' گی نے پیشکش کی تھی۔ مگر اس نے تنتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی سمت دیکھتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر اسے کوئی بھی اقدام کرنے سے باز رکھا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اُٹھائی تھی اور باہر نکل گیا تھا۔

گی نہیں جانتی تھی وہ کہاں گیا ہے۔ مگر وہ دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں حد درجہ وحشت نظر آرہی تھی۔ وہ یقیناً اس وقت بے حد فشار کے زیر تھا۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس کے اندر کی غمازی کررہا تھا۔ اس کی تنی رگوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اس لمحے کوئی بھی انتہائی قدم اُٹھا سکتا ہے۔ کوئی بھی۔

☆......☆......☆

نیویارک کوئی چھوٹا شہر نہ تھا جہاں وہ اسے آسانی سے ڈھونڈ پاتا۔

اسے مسنگ ہوئے تین چار گھنٹے ہوچکے تھے اور سبکتگین حیدر لغاری پاگلوں کی طرح گاڑی نیویارک کی سڑکوں پر دوڑاتا اسے کھوج رہا تھا جو خود اپنی مرضی سے مسنگ ہوئی تھی۔

کوئی ٹھکانہ علم میں نہ تھا جہاں کے متعلق قیاس ہوتا کہ وہاں جانے کا احتمال ہوگا اور وہاں وہ مل بھی جائے گی۔

'کہیں وہ واقعی راہ تو نہیں بھٹک گئی؟' ایک لمحے کو اس کے ذہن میں خیال آیا تھا مگر دوسرے ہی لمحے عقل نے اسے رد کردیا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں تھا اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کوئی بچی نہ تھی۔ اور پھر اس شہر سے، اس کے مقامات اور راستوں سے ناآشنا بھی نہیں تھی۔

یقیناً وہ جہاں بھی گئی تھی، اپنی مرضی سے گئی تھی اور یہ فرار ارادی تھا۔ اس نے جان بوجھ کر یہ قدم اُٹھایا تھا۔ پھر بھی اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس کے گمشدہ ہونے کی رپورٹ کسی پولیس اسٹیشن پر درج کرادیتا۔

کتنے ہی مقامات دیکھنے کے بعد اس نے سوچا تھا۔ اس کی تصویر ہاتھ میں لیے کئی لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔

''اس لڑکی کو دیکھا کہیں آپ نے؟''

''نو سر۔''

اب تک وہ کتنے مقامی لوگوں کو روک کر پوچھ چکا تھا مگر فائدہ کچھ نہ ہوا تھا۔ یہاں کی زندگی اتنی تیز رفتار تھی کہ لوگوں کو خود اپنی شکل بھی شاید یاد نہ رہتی ہوگی۔ کجا کسی اور کی خبر رکھنا اور خدوخال دیکھنے کے بعد یاد بھی رکھنا۔ یقیناً یہ ناممکن ہی تھا۔

اس وقت وہ سینٹرل پارک میں تھا۔ فانی کو لے کر اکثر وہ اس پارک میں آتی رہی تھی۔ اسے گمان تھا شاید فرسٹریشن میں وہ اسی

طرف نکل آئی ہو۔ یقیناً اس ڈیپریشن کے بعد اسے سکون کی تلاش ہوگی۔ شاید وہاں سے فوری طور پر فرار کے بعد اس نے اس طرف کا رُخ کیا ہو۔ وہ ذہنی سکون کی متلاشی ہوگی اور یہ پارک اس چیز کے لیے انتہائی موزوں تھا۔ قدرت نے جتنی خوبصورتی انسان کو بخشی ہے وہ ساری اس پارک میں مل جاتی ہے۔ اس شہر میں بستے جنگل میں وہ کتنی دیر تک اس کی تصویر ہاتھ میں لیے پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتا رہا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری بہت شکستہ سا اُٹھا تھا۔ یقیناً اس کی تلاش آسان نہ تھی۔ بنا پولیس کی مدد کے ایسا کرنا ناممکن ہی تھا اور اسے ہر صورت پولیس کی مدد لینا ہی تھی۔ اگر زیادہ وقت گزر جاتا تو یقیناً صورت حال بھی سنگین ہو سکتی تھی اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

روک فیلر سینٹر کے متعلق سوچ کر وہ یکدم چونکا اور پھر گاڑی اسی سمت دوڑا دی۔

یہاں پر سردیوں کے لیے اسکیٹنگ پلیس بنائی جاتی ہے اور گرمیوں میں یہاں پر ریسٹورنٹ بنا دیا جاتا ہے۔ سردیوں میں یہاں پر کرسمس کے موقع پر سب سے بڑا کرسمس ٹری بھی لگایا جاتا ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ مگر فی الحال ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ ابھی دسمبر کی آمد میں کچھ دیر تھی۔ تبھی یہاں پر نہ اسکیٹنگ کے لیے اہتمام نظر آ رہا تھا اور نہ ہی کسی اور طرح کی کوئی تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ وہ گاڑی روک کر روک فیلر سینٹر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ تبھی اس کی نظر پشت کیے بیٹھے اس نازک وجود پر پڑی تھی۔ شاید اس نے اپنا سر گھٹنوں پر دھرا ہوا تھا۔ شاید وہ پُر ملال ہو رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے رک کر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا، پھر کچھ سوچتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ یقیناً یہ صورت حال ایسی نہ تھی کہ اس سے کسی سخت لہجے میں باز پرس کی جاتی یا پھر ڈانٹا جاتا۔ سبکتگین حیدر لغاری میں اتنا سنس تو تھا کہ وہ موقع کی نوعیت کو سمجھ سکتا تھا۔ اپنا سارا غصہ، اکتاہٹ، ساری وحشت اس نے ایک گہری سانس لے کر رفع کی تھی اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ مگر وہ اسی طرح گھٹنوں پر سر دیئے بیٹھی رہی تھی۔ نہ چونکی تھی نہ سر اُٹھایا تھا نہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت سہولت سے جھک کر گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے پر تھیں۔ اسی طرح توجہ سے دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

میرب سیال یکدم چونک گئی تھی۔ بے حد حیرت سے بھیگی پلکوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ان بے تاثر آنکھوں سے کچھ واضح نہ تھا مگر اس لمحے وہ بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

کیسے آ گیا تھا وہ یہاں؟...... کیسے خبر ہوگئی تھی اسے اس کی؟...... میرب سیال ایک نظر اس کی سمت دیکھنے کے بعد نگاہ پھیر گئی تھی۔

''کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ نظریں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔ ''اگر آنا تھا تو کم از کم بتا ہی دیا ہوتا۔ جانتی ہو میں کس قدر پریشان ہو گیا تھا۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں اور تم......'' بے حد دھیمے لہجے میں کچھ دیر قبل والا کوئی تاثر نہ تھا۔ نہ وہ اکتاہٹ نہ ہی وہ تناؤ۔ شاید وہ خود پر قابو پانے کے سارے گُر جانتا تھا۔ خود پر اس کا اختیار واقعی قوی تھا ورنہ اتنی جلد خود کو سنبھالنا اور موقع کے مطابق ڈھالنا ممکن ہی تھا۔ یقیناً وہ خود پر اختیار رکھتا تھا۔ تبھی اس لمحے چہرے پر ملائمت لیے اس کی طرف متوجہ تھا۔

میرب نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت غصے میں ہوگا۔ اس کے وہاں سے آنے پر وہ یہ سمجھ رہا ہوگا کہ وہ فرار ہو گئی ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اپنے ساتھ بتانا چاہتی تھی۔ کچھ لمحے تنہائی میں خود سے ملنا چاہتی تھی اور بس۔ مگر اس کی سوچ کے مطابق کچھ نہ ہوا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر کوئی کھنچاؤ نہ تھا۔ کوئی تناؤ نہ تھا۔ ہاں، تھا تو صرف ٹھہراؤ تھا۔

''اگر مجھے مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھتی تھیں تو کسی اور کو ہی بتا دیا ہوتا۔ جانتی ہو، تمہارے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے کس درجہ پریشان ہوا ہوں میں؟...... کتنے عجیب عجیب خیال آ رہے تھے میرے دل میں؟...... کتنے واہموں نے مجھے آن گھیرا تھا۔ مجھے لگا تھا کہیں تم مسنگ نہ ہو گئی ہو یا پھر کوئی حادثہ۔'' بہت مدھم لہجے میں کہہ کر سبکتگین حیدر لغاری نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔ میرب سیال ساکت نظروں سے اس کی سمت دیکھتی گئی تھی۔ وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا اور وہ پھر بھی اسے سمجھ نہ پا رہی تھی۔ اس کے چہرے کو پڑھ نہ پا رہی تھی۔ کیا تھا وہ؟

وہ بہ غور اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''کیا ہوا؟''

میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اس کے چہرے، اس کے خدوخال کو دیکھتی رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے میرب کی سمت دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا، بہت ہولے سے اس کی بھیگی پلکوں کو چھوا تھا۔

''تم روری تھیں......؟'' کس درجہ کیئرنگ انداز تھا پوچھنے کا۔ جیسے اسے بہت تکلیف پہنچی ہو اس اقدام سے۔

میرب لب بھینچے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھام کر لبوں تک لے گیا تھا۔

''سوری!...... میں نے تمہیں پریشان کیا۔'' فقط ایک جملہ، ایک مدھم سرگوشی جیسے اس سب کا ازالہ کر گئی تھی۔ میرب سیال کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔

''میں نہیں چاہتا تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ مگر دانستہ یا نادانستہ ایسا ہو جاتا ہے۔ دراصل میرب! یہ سب ارادی نہیں ہے، میں خود جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل بہت نرم ہے اور میں اسے تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں چاہتا۔ تمہیں دکھ دینا یا دکھی کرنا ہرگز بھی میری منشا نہیں ہوتی۔ اتنی اچھی لڑکی کا دل کون دکھانا چاہے گا۔ تم سمجھتی ہو، اتنا بے حس ہوں میں؟...... اتنا سنگدل؟''

میرب بہت خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرب! شاید میں نے واقعی کچھ برا کیا ہے جو شاید مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر تم خود سوچو، کوئی اتنی جلد کیسے بدل سکتا ہے؟ ایک عرصہ میں نے ان فضاؤں میں گزارا ہے۔ میں جانتا ہوں تم بطور ہم سفر بہت سی کوالٹیز دیکھنا چاہتی ہو مجھ میں۔ اس طرح میں بھی تم میں بہت سے پہلو تلاشتا ہوں۔ دراصل شاید ہم دونوں ہی ابھی تک ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں میرب!

کہ ہم فوری طور پر کوئی بھی فیصلہ لے لیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟ یقیناً یہ عرصہ کافی نہیں ہے جو ہم نے ایک دوسرے کے سنگ گزارا۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے کبھی کبھی ایک عمر بھی ناکافی ہوتی ہے۔ یہ تو فقط کچھ عرصہ تھا۔ اگر ہم ایک دوسرے کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں تو ضروری تو نہیں کہ فوری طور پر کوئی بھی فیصلہ لے لیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے میرب! خامیوں یا خوبیوں کی میعاد کبھی بھی کل وقتی نہیں ہوتی۔ یہ تبدیلیوں سے متعلق ایک پروسس ہے جس میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ تم اگر مجھے اپنے زاویے سے دیکھنا چاہتی ہو یا میں تمہیں اپنی سوچ کے مطابق دیکھنا چاہتا ہوں تو اس کے لیے ہم دونوں کو ہی کچھ وقت ایک دوسرے کو دینا ہوگا۔ راتوں رات ایسے انقلابات نہیں آتے میرب! سوچو، میں کیوں اپنی ساری زندگی اُٹھا کر فقط تمہارے لیے تبدیل کر دوں گا؟ یا پھر تم کیوں اپنا سب کچھ فقط میرے لیے بدل دوگی؟ ہم میں سے کسی کے لیے بھی اپنا آپ بدل دینا آسان نہیں ہوتا میرب! ایسا کرنے کے لیے اسباب درکار ہوتے ہی۔ سب سے بڑھ کر وقت درکار ہوتا ہے میرب! جو شاید تم نہیں سمجھ رہی ہو۔'' بہت مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا وہ اور میرب سیال اس شخص کو بھیگی آنکھوں سے بہ غور دیکھ رہی تھی۔

''یہ تعلق، یہ عمر بھر کے رشتے، کوئی پل بھر کی بات نہیں ہوتی۔ انہیں سمجھنے کے لیے اور استوار کرنے کے لیے صدیاں لگ جاتی ہیں اور ایسا عموماً ارینج میرجز میں ہوتا ہے جہاں فریقین ایک دوسرے کے بارے میں سرے سے واقف نہیں ہوتے۔ وہاں ایسا ہی ہوتا ہے عموماً۔ مگر باہمی انڈر اسٹینڈنگ سے سب کچھ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم میرے لیے اپنا سب کچھ بدل دو۔ نہ ہی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارے لیے اپنا سب کچھ بدل دوں گا۔ یقیناً یہ دعویٰ بہت غلط ہوگا۔ لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ شاید ایسا ہو بھی جائے۔ شاید اس لیے کہ یک طرفہ طور پر کچھ نہیں ہوتا میرب! یہ تعلق، یہ ربط دو طرفہ ہے۔ ایک ہاتھ دو ایک ہاتھ لو۔ ہم نے کوئی جنونی سی محبت یقیناً نہیں کی تھی کہ تم اپنا سب کچھ میرے لیے بدل دو۔ یا پھر میں خود کو تمہارے مطابق ڈھال لوں۔ ایسا ہو سکتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ۔ گریجو یلی ایسا ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ جس طرح تمہیں مجھ میں بہت کچھ برا لگتا ہے اسی طرح مجھے بھی تمہاری کچھ عادات ناپسند ہیں۔ ہو سکتا ہے میں بھی تمہیں اپنی زندگی میں لا کر خوش نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے میں بھی بہت خوشی فیل نہ کر رہا ہوں۔ مگر میں شادی کو بچوں کا کھیل نہیں سمجھتا۔ جو اسے بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں وہ اسے آگے بڑھانے میں یکسر ناکام رہتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ہم اس معاملے میں ناکام ہوں۔ جس طرح تمہاری کچھ مجبوریاں رہی ہیں اسی طرح میری بھی کچھ مجبوریاں رہی ہوں گی۔ ہم دونوں ٹھیک بھی ہو سکتے ہیں اپنی جگہ پر اور دونوں غلط بھی۔ مگر ہمیں اس تعلق کو مجبوریوں کے خانے سے نکال کر محبتوں کے خانے میں لانا ہے اور یہ تبھی ممکن ہوگا جب تم مجھ سے تعاون کرو گی اور میں تم سے۔ یہ بات بات پر رونا، واویلا کرنا بچوں جیسی باتیں ہیں۔ سمجھدار بنو۔ شاید اب تک میں بھی تمہارے ساتھ خوش نہیں ہوں مگر میں خوش ہونا چاہتا ہوں اور یہ اعتراف اس لیے کر رہا ہوں کہ تم بھی اس بات کو سمجھ لو کہ ہم دونوں کو کیا کرنا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے سارے معاملات پر روشنی ڈال رہا تھا اور میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا تھا وہ۔ کوئی ریاکاری اس کی آنکھوں میں نہ تھی۔ اس کا لہجہ خالص تھا۔ یقیناً اسی طرح کے مسائل اسے بھی درپیش تھے اور اب تک وہ فقط اپنے حوالے سے سوچ رہی تھی۔ وہ اس نقطے

پر سوچ ہی نہ سکی تھی کہ سبکتگین حیدر لغاری کی بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔

"کوئی کسی کے لیے نہیں بدلتا میرب! اور اتنی پرانی باتوں کو کسی ایک فرد کے لیے ایک لمحے میں بدلنا آسان بھی نہیں اور بدلنے کے لیے سبب درکار ہوتے ہیں۔ راتوں رات انقلابات نہیں آتے۔"

سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ غلط تو نہ کہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری نے اسی ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کی سمت اپنا چوڑا، مضبوط ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

بارش جتنی شدید تھی، لہروں کی طغیانی میں اتنا ہی اضافہ ہو چکا تھا۔ جہاں تھوڑی دیر قبل عفنان علی خان نظر آ رہا تھا۔ اب وہ ان لہروں میں غائب ہو چکا تھا۔

انابیہ شاہ ساکت نظروں سے اس پُر وسعت سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ کتنے لوگ تھے سمندر کے کنارے۔ مگر کوئی بھی اس وقت مدد کے لیے ان لہروں کی سمت جانے کو تیار نہ تھا۔ وہ جو اتنا چیخی تھی، چلّائی تھی تو سب بے سود رہا تھا۔ اوزی بھی جانے کہاں تھا اور عفنان علی خان......اُس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے وسیع سمندر کی سمت نگاہ کی تھی۔ کتنی تیزی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس شخص کے لیے جس کے ساتھ اس کا کوئی خاص حوالہ بھی نہ تھا۔ اس کی ڈبڈبائی نظر اُٹھی تھی اور وہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہ چھتری ہاتھ میں تھامے، لہروں پر تیزی سے تیرتا ہوا کنارے کی طرف آ رہا تھا۔ سب لوگ حیرت زدہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"عفنان!" اُسے جیسے یقین نہ آیا تھا۔ ڈبڈبائی آنکھوں کو زور سے رگڑا تھا۔ مگر وہ منظر خواب نہ تھا۔ اس لمحے کنارے پر پہنچ جانے والا وہ عفنان علی خان ہی تھا۔ وہ ساکت سی اس کی سمت تکتی گئی تھی۔ وہ لہروں پر چلتا ہوا اس کے مقابل آن رکا تھا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا پھر مسکراتے ہوئے چھتری والا ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"ڈر گئی تھیں؟" بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"شٹ اَپ!......شٹ اپ عفنان علی خان!" وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے چیخی تھی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"ڈر گئی تھیں نا کہ میں مر جاؤں گا؟" وہ جیسے محظوظ ہو رہا تھا۔

"آئی سے شٹ اَپ۔ زندگی مذاق ہے تمہارے لیے؟......کیوں کیا تم نے ایسا؟ تمہیں کچھ ہو جاتا تو کیا جواب دیتی میں لامعہ کو؟ اور تم......" اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگتی چلی گئی تھیں۔ "کیا سمجھتے ہو تم، زندگی اتنی فضول شے ہے؟" اس کے ہاتھ میں تھمی ہوئی

چھتری کو ایک جھٹکے سے تھاما تھا۔

''یہ......فقط یہ......اسے تھامنے کے لیے تم نے زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔کیا سمجھا تم نے خود کو؟ ہاں؟ کوئی ہیرو جو ایسے انوکھے کام کر کے کسی بھی لڑکی کو امپریس کر لو گے؟ وہ داد دیتے ہوئے تمہیں کہے گی واہ کیا معرکہ سر کیا ہے تم نے۔مگر سن لو، انابیہ شاہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔یہ، اسے تھامنے کے لیے تم ان لہروں سے لڑنے گئے تھے نا؟''اس نے ہاتھ میں پکڑی چھتری کی سمت اشارہ کیا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ کو بلند کرتے ہوئے اسے سمندر کی لہروں پر اچھال دیا تھا۔

''تم ہیرو ہو نا، تو اب جاؤ، پھر پکڑ لاؤ اسے جا کر۔''وہ کہہ کر مڑی تھی جب عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔انابیہ شاہ نے بہت چونک کر اسے پلٹ کر دیکھا تھا۔وہ مسکرا رہا تھا۔

''تم تو ہو گی نہیں، پھر کیا فائدہ؟ امپریس تو مجھے تمہیں کرنا ہے نا۔اور تم ہی چلی جاؤ گی تو پھر یہ جتانے کا فائدہ۔''وہ بات کو جیسے مذاق میں اُڑانا چاہ رہا تھا۔مگر انابیہ شاہ اسے خفگی سے دیکھتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ لامعہ حق تم جیسے بندے کے ساتھ گزارہ کیسے کرے گی؟......تم تو سمجھ میں نہ آنے والے ہو۔کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر قبل جو کیا، وہ سوائے پاگل پن کے اور کچھ نہ تھا۔''وہ تھک کر جیسے چپ ہو گئی تھی۔مگر عفنان علی خان مسکراتا ہوا بہ غور اسے تکتا رہا تھا۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا، جاؤ پکڑ لاو۔''

''تم غلط بیانی کر رہے ہو......میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔''

''مگر تم مجھے چیخ چیخ کر پکار تو رہی تھیں نا۔''وہ مسکرایا تھا۔

''میں چاہتی تھی تم بچ جاؤ۔''وہ کہتی ہوئی دھیان پھیر گئی تھی۔

''اور اگر میں پھر بھی نہیں بچتا تو؟''وہ جیسے محظوظ ہوا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔تبھی عفنان علی خان اس کے چہرے کو دلچسپی سے تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اچھا بتاؤ، اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو تم کیا کرتیں؟''

''میں اتنی بے حس نہیں ہوں کہ کسی کے مرنے پر خوشی مناؤں۔''وہ اسی انداز سے بول کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''تو پھر کیا دُکھ مناتیں؟''وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''تم جانتے ہو یہ لہریں، یہ سمندر روز کتنے لوگوں کو نگل جاتا ہے۔مذاق ہے یہ سب تمہارے لیے۔اگر تمہیں واقعی کچھ ہو جاتا تو؟ کیا پروف کرنا چاہتے تھے تم، بہت گڈ سوئمر ہو تم؟ اور خدانخواستہ ایسا نہ ہو پاتا تو؟ تم سنجیدہ نہیں تھے، مذاق کر رہے تھے مگر یہ بات یہ سمندر نہیں جانتا۔کچھ بھی ہو سکتا ہے۔کچھ بھی۔''

''مگر ہوا تو نہیں نا۔'' وہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر تسلی دیتا ہوا مسکرایا تھا۔ ''اور رہی اس سمندر کی بات تو یہ وہ بات بھی جانتا ہے جو کوئی اور نہیں جانتا۔ اس پر میری دیوانگی کے راز منکشف ہیں۔ تبھی تو واپس باہر اچھال دیا۔'' مسکراتا ہوا اسے مطمئن کرنے کو وہ بولا تھا مگر وہ چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان بارش میں کھڑا بھیگتا ہوا اس دور جاتی لڑکی کو دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ سب لوگ ہال کمرے میں بیٹھے تھے جب اذہان حسن بخاری اندر داخل ہوا تھا۔

''آ جا میرے یار! بڑی دیر کر دی...... کہاں تھا تو؟'' عزیر اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ ساہیہ خان کو سب کے درمیان مرکز نگاہ بنا دیکھ کر کسی قدر حیران ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت ٹیرو کارڈز تھے اور وہ حسب عادت کوئی سنسنی پھیلائے بیٹھی تھی۔ تمام ینگ پارٹی بڑی ساکت سی بیٹھی تھی۔

''ٹیرو کارڈ بھائی۔ سب کو اپنے احوال جاننے کی فکر ستا رہی ہے۔'' عزیر مسکرایا تھا۔

''اور تم سمجھتے ہو یہ ٹھیک ہوگا؟'' وہ کسی قدر حیرت سے مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان کی نگاہ اس پر تھی اور وہ اس گھڑی اسے بہ غور دیکھ رہی تھی۔

''تم یقین نہیں کرتے؟'' وہ کسی قدر حیران ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر بڑی بے نیازی سے شانے اچکا دیئے تھے۔

''ہاں...... میں یقین نہیں کرتا۔ بس ایک فن ہے اور بس۔''

''اور ہم تم سے یہ کب کہہ رہے ہیں اس پر یقین کرو۔'' ساہیہ خان وہی شرارت آنکھوں میں لیے اپنے فطری انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں، تم مجھ سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کرو گی۔''

''تمہارا پرسپشن رونگ بھی تو ہو سکتا ہے۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری اسے بہ غور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''یعنی تم مجھ سے کوئی ایسی فرمائش کرنے والی ہو؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے اذہان حسن بخاری؟'' وہ مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ پھر شہادت کی انگلی سینے پر رکھی تھی۔

''مجھے...... مجھے لگتا ہے ساہیہ! میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔''

''یعنی تم اس سے زیادہ بے وقوف ہو۔'' ساہیہ خان نے برجستہ کہا تھا اور سب ہنسنے لگے تھے۔

''تم ساہیہ سے نہیں جیت سکتے۔ مان لو یار!'' عزیر نے اپنی نیس کی بھرپور سائیڈ لی تھی۔

''جو ہار مان لے وہ اذہان حسن بخاری نہیں۔'' وہ بہ غور دلچسپی سے اس چہرے کو تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

''اتنے دعوے مت کرو اذہان حسن بخاری! کہ بعد میں شرمندہ ہونا پڑے۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''ساہیہ خان! تمہارے آگے گھٹنے ٹیکنے سے بہتر ہے میں خودکشی کرلوں۔''

''اتنے سنجیدہ نہ ہو، کھیل لو، گیم ہی تو ہے۔'' عزیر نے شانہ تھپتھپایا تھا۔

''مگر بہت خطرناک کھیل ہے یہ۔ اور اذہان حسن بخاری خطرات جان بوجھ کر مول نہیں لیتا۔ انجانے بھیدوں پر پردہ پڑا رہے تو بہتر ہے۔ کھل جائے تو سب بے وقعت ہو جاتا ہے۔ میں ان باتوں کو کھیل نہیں سمجھتا۔''

''بے وقوفی نہ کرو اذہان! چلو سلیکٹ کرو اپنے کارڈز۔'' ساہیہ نے اس کے سامنے کارڈز دھرے تھے۔

''اتنے شوشے چھوڑنے کی عادت بدلی نہیں تمہاری۔ تم کبھی نہیں بدلوگی۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ''لیکن سنو، کوئی فضول بات مت کرنا۔'' وارننگ دی تھی۔

''چٹ پٹی باتیں سننے کی بڑی عادت ہے تمہاری۔''

''تم نے عادی بنادیا ہے۔'' اذہان حسن بخاری بہ غور تکتا ہوا بڑی برجستگی سے کہتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

''سارے الزام ایک طرف، فی الحال کارڈز چوز کرو۔'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے حکم جاری کیا تھا۔

''کچھ آتا واتا بھی ہے یا فقط بے وقوف بنا رہی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا اور کارڈز نکال کر اس کے سامنے دھر دیئے تھے۔ ساہیہ خان بنا اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بہ غور ٹیرو کارڈز کو دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟......اتنی کھو کیوں گئیں تم؟'' وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان اسے دیکھتی ہوئی مسکرادی تھی۔

''بڑے چھپے رستم ہو تم۔ یہ عشق وشق کے چکر میں کب سے پڑ گئے؟''

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔

''ایسا اس میں درج ہے۔''

''کیوں، یہ جھوٹ ہے؟'' ساہیہ خان بہت یقین سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''پلیز، کیری آن، انٹرسٹنگ۔ اب واقعی مجھے مزہ آرہا ہے۔ ہاں، تو میں مجنوں بن چکا ہوں۔ اب جلدی سے میری لیلیٰ کا چہرہ دیکھ کر خدوخال بھی بتا دو۔ یہ تو پتہ چل جائے کہ وہ مجھ جیسے ڈیشنگ بندے کے ساتھ سوٹ بھی کرے گی یا کہ نہیں۔''

''اٹس ناٹ جوک اذہان حسن بخاری! ویری بیڈ۔'' عزیر نے اسے باز رکھا تھا کیونکہ وہ ساہیہ کا پھولا ہوا چہرہ دیکھ چکا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''چلو بتاؤ شاباش! میں سننے کے لیے بہت بے قرار ہوں۔ کم از کم یہی بتا دو کہ آج کے دن میں میری کوئی ڈیٹ ویٹ ہے کہ نہیں اس کے ساتھ؟'' آنکھوں میں شرارت لیے وہ مسکراتا ہوا ساہیہ خان کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرادی تھی۔

''کتنا شوق ہے نا جاننے کا اور ابھی تھوڑی دیر قبل کہہ رہے تھے، آئی ڈونٹ بیلیو دیٹ۔'' با قاعدہ اس کی نقل اُتاری تھی۔ سب ہنسنے لگے تھے۔ اذہان حسن بخاری بہ غور دلچسپی سے تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ تھا یہ سلسلہ اتنا انٹرسٹنگ ہوگا۔ بائی دی وے، یہ ٹیرو کارڈ پڑھنا سیکھا کہاں سے تم نے۔''

''کینیڈا میں ہماری نیبر تھیں، ایک آنٹی۔ انہی سے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''تم مجھے سکھا دو گی؟'' وہ شرارت سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

ساہیہ خان مسکرا دی تھی پھر کارڈز کی سمت دیکھتے ہوئے اسے بتانے لگی تھی۔

''آج کی شام اچھی گزرے گی۔ اسی خاص ہستی کے ساتھ گزرے گی اور تمہارے دل کو بہت راحت پہنچے گی۔''

''مسالہ کچھ کم ہے...... پلیز کچھ اور بڑھاؤ نا۔'' وہ درخواست کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

''تم سنجیدہ نہیں ہو گے تو میں قطعاً نہیں بتاؤں گی۔''

''بتاؤ گی نہیں تو میں یہ غیب کی باتیں کیسے جان پاؤں گا؟'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ''اچھا چلو، آگے بڑھاؤ بات۔ مزید کیا ہے ان ٹیرو کارڈز میں؟''

ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''جتنے اچھے بزنس مین ہو، اتنے اچھے لور قطعاً نہیں ہو۔ کاروباری طور پر تو آج یقیناً تم نے بہت بڑی ڈیل سائن کر کے اپنی کامیابی کو یقینی بنا دیا ہے۔ مگر ان دوسرے قسم کے معاملات میں تم قطعاً ناتجربہ کار واقع ہو گے۔''

''یعنی؟'' اذہان حسن بخاری چونکا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ یقیناً وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

''یعنی وہ موصوفہ آج تمہیں بالکل بھی گھاس نہیں ڈالیں گی۔'' ساہیہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

''چل بھئی، تیری نیا تو ڈوبی سمجھ۔'' عزیر نے مسکراتے ہوئے بھرپور ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

''یعنی تُو نہیں لگنے والا پار۔ پہلا عشق اور وہ بھی اتنا ناکام۔'' ایک اور کزن نے مزید ہمدردی کی تھی۔

تبھی اذہان حسن بخاری نے ساہیہ خان کی سمت دلچسپی سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اس معاملے میں کامیاب کیسے ہوا جا سکتا ہے، یہ نہیں لکھا تمہارے ان ٹیرو کارڈز میں؟''

''مذاق اُڑا رہے ہو اذہان حسن بخاری؟'' ساہیہ خان نے خفگی سے دیکھا تھا۔

''تم نے تو میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑا دیئے۔ اب میں کیا مذاق بھی نہیں کر سکتا؟'' بے حد برجستگی سے وہ بولا تھا اور سب ہنستے چلے گئے تھے۔

''کسی بھی قسم کی پیش قدمی کرنے سے اجتناب برتنا۔ ورنہ بات بگڑ سکتی ہے۔'' ساہیہ نے ہدایت نامہ جاری کیا تھا۔ وہ سعادت

مندی سے گردن ہلانے لگا تھا۔

"یعنی میں کچھ بھی کرلوں، عشق میں ناکام ہونا طے ہے۔" پُر افسوس انداز میں کہتے ہوئے ساہیہ خان کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"یہ صرف آج کے دن کے لیے تھا۔" اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

"انٹرسٹنگ۔ یعنی کل کی باتیں جاننے کے لیے پھر تم سے رجوع کرنا پڑے گا۔" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ "ویسے اس سے قبل تو تم نے مجھے نہیں بتایا کہ تمہیں کوئی اس طرح کا علم بھی آتا ہے۔"

"ابھی تم نے ساہیہ خان کو جانا ہی کتنا ہے اذہان حسن بخاری!"

"تمہیں جاننے کے لیے کیا روز روز تم سے ٹیرو کارڈز پڑھوانا ضروری ہے؟" وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

"شٹ اَپ اذہان!" وہ ڈپٹنے لگی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" تبھی اندر اگینے مرتضیٰ داخل ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"آجایئے اگینے! بہت انٹرسٹنگ کارڈز پڑھتی ہے اپنی ساہیہ۔ غیب کی باتوں سے کمال کی واقفیت ہے اس کی۔"

"نہیں بھئی، مجھے تو معاف ہی رکھو۔ یہ بچوں کے کام بچوں کو ہی اچھے لگتے ہیں۔" اگینے مسکرائی تھی۔

"یعنی آپ بھی میری طرح ان باتوں پر بیلیو نہیں کرتیں اگینے؟" اذہان حسن بخاری بہ غور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

"بالکل نہیں۔" اگینے نے مسکراتے ہوئے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ "اینی وے، عزیر! تم صبح کے انتظامات کے لیے بڑے بھائی سے مل لو۔"

"جی بہتر۔" عزیر فوراً اُٹھ گیا تھا۔

اگینے نے ان سب کی طرف دیکھا تھا پھر ملائمت سے مسکرائی تھی۔

"تم سب اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ شادی والا گھر ہے۔ کوئی ہلا گلا کرو بھئی۔ اور ساہیہ! یہ تم کیا اپنے ٹیرو کارڈز کے ذریعے لوگوں میں سنسنی پھیلا رہی ہو۔"

"یہی بات اگینے! بالکل یہی بات میں نے بھی ساہیہ کو سمجھائی تھی۔" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے پھپھو! ہم خاصا انجوائے کر رہے ہیں۔ ویسے آپ ہمارے لیے چائے کے ساتھ کچھ بھجوا دیں تو لطف اور بھی دوبالا ہو جائے گا۔" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور اگینے سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اگینے کے جانے کے بعد اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کتنی فضول لڑکی ہو تم۔ بجائے اگینے کی ہیلپ کرنے کے تم اُلٹا ان سے کام کروا رہی ہو۔"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''پاؤں۔اذہان! اس زخمی پاؤں کے ساتھ کوئی کام کیسے کر سکتا ہے؟''

''تو کس نے کہا تھا بارش میں بھیگ کر پاؤں زخمی کرو۔''

''اب تو یہ ہو گیا نا۔'' وہ مسکرا دی تھی۔آنکھوں میں وہی شرارت تھی۔چہرے پر وہی شگفتگی۔اور اذہان اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''کبھی نہیں سدھرو گی تم۔''

☆......☆......☆

کبھی کبھی توجہ جتنی بھی ہو، مرہم کتنی بھی ہمدردی کے ساتھ رکھا گیا ہو، زخم نہیں بھرتا۔وہ سوچ رہی تھی اور جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی مزید اُلجھ رہی تھی۔وہ واقعی اس شخص کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اس حد تک بدل سکتا تھا یا بدل گیا تھا، وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔اور اگر یہی اس کا اصل رنگ تھا تو پھر وہ کیا تھا جو اس نے ہیڈل برگ میں کیا تھا؟

اس لمحے وہ پاپا کے سامنے بیٹھا کتنے سعادت مندانداز میں گفتگو کر رہا تھا۔زوباریہ بھی اس کی قائل ہو رہی تھی۔

''ہم میرب کی طرف سے یقیناً اب اتنے پریشان یا فکر مند نہیں رہے۔تم جس طرح میرب کا خیال کر رہے ہو وہ ہمارے لیے بہت تسلی کا باعث ہے۔سیال صاحب ہمیشہ متفکر رہا کرتے تھے یہ سوچ کر کہ میرب کا ہم سفر کیسا ہوگا۔اکلوتی بیٹی کے معاملے میں شاید کوئی بھی والد اسی طرح جذباتی ہو سکتا ہے۔مگر تم نے یقیناً ان تمام خدشوں کو دور کر دیا ہے۔'' زوباریہ کہہ رہی تھی اور میرب سیال، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت بے ساختہ دیکھنے لگی تھی۔وہ بھی اس لمحے اسی کی جانب متوجہ تھا۔میرب سیال بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور فانی کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔

کبھی کبھی اپنی کمزوریوں کی خبر جنہیں نہیں بھی کرنا چاہتے جب انہیں تک وہ خبر جا پہنچتی ہے تو اچھا نہیں لگتا۔وہ بھی نہیں بتانا چاہتی تھی اس شخص کو کہ وہ کتنی کمزور ہے۔اس کے تمام رشتے، ناتے اسے کتنا کمزور بنا رہے ہیں۔ان کی محبت اسے کتنا کمزور کر رہی ہے۔ہاں یہ محبت ہی تو تھی جس نے اسے قدر کمزور کر دیا تھا کہ وہ اس جیسے ہم سفر کے ساتھ زندگی گزارنے کو تیار ہو گئی تھی۔

وہ شخص جس کی سنگت میں کوئی ہوش مند لڑکی چند لمحے بھی گزارنا قبول نہ کرتی۔اس نے جانتے بوجھتے پوری عمر اس کے نام کر دی تھی اور وہ جانتا تھا یہ بات، وہ کس قدر کمزور ہے، کس قدر پسپا ہے۔

''کیا ہوا بیٹا؟......کچھ پریشان لگ رہی ہو۔'' پاپا نے بہت ملائمت سے پوچھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔وہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں پاپا! میں تو بہت خوش ہوں۔'' نظر خود بہ خود سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اُٹھ گئی تھی جو اس لمحے اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔

''خوش کیوں نہیں ہو گی۔اتنا اچھا خیال کرنے والا، چاہنے والا ہم سفر جو ملا ہے۔جو اس کا خیال ہم سے بھی زیادہ رکھ رہا ہے۔'' زوباریہ کافی سرو کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''اس کے چہرے کی شگفتگی اور تازگی گواہ ہے اس بات کی۔'' زوباریہ نے اسے کپ تھما کر مسکراتے ہوئے اس کے گال کو بہت

ہولے سے تھپتھپایا تھا۔ میرب مسکرادی تھی۔ مگر وہ مسکراہٹ بہت بے کیف اور پھیکی سی تھی۔ اورزوبار یہ کہہ رہی تھی۔

"تمہارا یورپ کا ٹور یقیناً بہت اچھا رہا ہے۔ چہرہ بہت کھلا کھلا سا لگ رہا ہے۔ یعنی تمہیں سبکتگین کے ساتھ جانے کے لیے پرمٹ کر کے یقیناً ہم نے اچھا کیا۔ ورنہ یہاں رہ کر اور اپنے پاپا کے متعلق سوچ سوچ کر جو تمہارا حال تھا وہ دیکھنے کے لائق تھا۔ منہ پر بارہ بج رہے تھے۔" زوباریہ مسکرائی تھی اور اس کے لیے ایک مجلسی تبسم چہرے پر سجانا جیسے فرض ہو گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے پاپا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پاپا غالباً کافی کے لیے اُٹھ کر سیدھے ہو کر بیٹھنا چاہ رہے تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت توجہ کے ساتھ ان کے شانوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھام کر بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ پھر ان کی پشت پر کشن رکھتے ہوئے کافی کا کپ ان کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اس کا انداز بہت کیئرنگ تھا اور میرب سیال جانے کیوں دیکھتی چلی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"پاپا! آپ کی بیٹی خاصی بگڑی ہوئی ہے۔ بہت تنگ کیا اس نے مجھے۔ جب تک بھی وہاں رہے، اس نے ناک میں دم کیے رکھا۔ اور محترمہ بات بات پر روتی تو اس طرح ہیں کہ آبشار بھی کیا ہی بہتے ہوں گے۔" وہ یقیناً خوش گوار موڈ میں فقط چھیڑ رہا تھا۔ دوسرے معنوں میں پاپا سے اس کی شکایت لگا کر اپنائیت کا کوئی گہرا رنگ نمایاں کر رہا تھا اور پاپا اور زوباریہ جہاں مسکرائے تھے وہیں وہ اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"بیٹا! یہ ایسی ہی احساس ہے۔ تمہیں اس کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جو عام بندے کے لیے کوئی معنی بھی نہیں رکھتیں انہیں لے کر پریشان ہونا اس کی عادت ہے۔ پھر مجھ سے تو اس کی اٹیچ منٹ بہت زیادہ ہے، تبھی تو ماحول بدلنے کے لیے اسے تمہارے ساتھ بھیج دیا تھا۔ یہاں رہتی تو مجھے یقین تھا یونہی پریشان رہتی۔" پاپا نے مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے شولڈر پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔ وہ اس لمحے مسکرا رہا تھا۔ اپنائیت کے کتنے رنگ تھے اس کے چہرے پر اور میرب سیال کس طرح حیران تھی۔

"بیٹا! ابھی چھوٹی ہے یہ۔ شاید اپنی ذمے داریوں کو اور زندگی کے نشیب و فراز کو اس انداز سے نہیں سمجھتی جس طرح کہ سمجھنا چاہئے۔ یقیناً ابھی جذباتی ہے۔ فوری طور پر سوچتی ہے اور ایکٹ کرتی ہے۔ مگر عمر کے ساتھ ایک ٹھہراؤ بھی آ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں آپ اسے انڈراسٹینڈ کرو۔ آپ کا تعاون ہوگا تو یقیناً اس میں مثبت تبدیلیاں بہت جلد رونما ہوں گی اور وہ اپنی ذمے داریوں کو سمجھنے لگے گی۔" پاپا بہت ملائمت سے کہہ رہے تھے اور وہ ان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"پاپا! بچی تھوڑی ہوں میں۔ اور آپ......" اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا اور بہت نارمل انداز میں مسکرا دی تھی۔ "آتے ہی میری شکایتیں لگانا شروع کر دیں۔ میرے ممی پاپا کو میرے خلاف کر کے اپنے حق میں کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ایسا قطعاً نہیں ہوگا۔" وہ بہت شگفتگی سے مسکرا رہی تھی اور پاپا کے چہرے پر اس لمحے کیسی آسودگی پھیل رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''چلیں؟'' اس کی سمت دیکھتے ہوئے رائے جاننا چاہی تھی۔ میرب سیال نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ پوری توجہ سے اس کی جانب متوجہ تھا۔

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں کچھ وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزار سکوں؟...... آئی مین، میں فی الحال یہاں رہنا چاہتی ہوں جانے سے پہلے۔''

''اوکے، ایز یو وِش۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے تسلیم ہونے کی مہر ثبت کر دی تھی اور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اوکے پاپا! اب اجازت دیجیے۔ بہت سعادت مندی سے وہ پاپا سے اجازت مانگ رہا تھا۔''

''ابھی تو تم لوگوں کے جانے میں کچھ دن ہیں نا۔ میں چاہ رہی تھی ہم فیملی پکنک کا کوئی اہتمام کریں۔'' زوباریہ نے رائے دی تھی۔

''وائے ناٹ؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''اچھا خیال ہے نا میرب؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے اس کی رائے چاہ رہا تھا اور وہ جہاں چونکی تھی وہیں فوراً اثبات میں سر بھی ہلا دیا تھا۔

''جی...... جی ضرور۔'' انداز کھویا کھویا سا تھا۔ تبھی زوباریہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''میرب! سبکتگین کو باہر تک چھوڑ کر آؤ۔'' زوباریہ کے یاد دلانے پر وہ سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ سبکتگین آگے بڑھ گیا تھا۔ میرب سیال کو مجبوراً پیش قدمی کرنی پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً دانستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میرب اس کے پیچھے چل رہی تھی جب وہ یکدم ہی جانے کیوں مڑا تھا۔ میرب سیال اور اس کے درمیان کے فاصلے یکدم ہی سمٹ گئے تھے۔ میرب سیال کا سر اس کے سینے سے جا لگا تھا اور یہ بالکل غیر دانستہ طور پر ہوا تھا۔ یقیناً یہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس یکدم رخ بدلنے کے باعث ہوا تھا کہ میرب سیال اپنے اوسان بحال ہی نہ رکھ پائی تھی۔ مگر اس لمحے نہ وہ لڑکھڑائی تھی نہ ہی گری تھی۔ کیونکہ ایک مضبوط حصار اسے اپنی پناہ میں لے چکا تھا۔

اس بے تحاشا قربت پر یقیناً حواس بحال رکھنا ناممکن رہا تھا۔ ایک خوشبو کا احساس رگ و پے میں اُترتا چلا گیا تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں یکدم ہی زیر و بم آیا تھا شاید اسی لیے اس نے سر اُٹھانے کی زحمت کیے بغیر آنکھیں میچے رکھی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو گردن جھکا کر تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے چہرے پر آئی ہوئی بالوں کی لٹوں کو ہٹایا تھا۔ اس لمس کے احساس نے میرب سیال کے اندر ایک پل میں قیامتیں مچا دی تھیں۔ اس نے ایک پل میں پیچھے سرکنا چاہا تھا مگر بانہوں کا حصار اس کے گرد مضبوط تھا۔ میرب نے نظریں جھکائے عجب بے بسی سے جیسے خود کو اپنے حال پر چھوڑ ا دیا تھا۔ یقیناً کوئی بھی مزاحمت فضول تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر کیا تاثر تھا، وہ جان نہ پائی تھی کہ نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت سرے سے ناپید تھی اس میں۔ مگر ایک پُرتپش حصار وہ اپنے ارد گرد بدستور محسوس کر رہی تھی۔ اتنے قریب تھی کہ سبکتگین کی سانسوں سے اس کا سارا وجود جلنے کو تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے اچانک بہت ہولے سے جھک کر اس کی پیشانی پر ایک مہر ثبت کی تھی۔ میرب سیال کی جان اس لمحے اور بھی مشکل میں گھر گئی تھی۔ وہ آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔ مگر تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز اس کی سماعتوں میں پڑی تھی۔

''بہت ڈر لگتا ہے تمہیں مجھ سے؟'' جانے کس خیال کے تحت وہ پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال نے بہت آہستگی سے سر اُٹھایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں تپش تھی۔ مگر اس کی پناہ میں عجب اک تحفظ کا احساس تھا۔ دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش تھا مگر اس شور میں، اس ساری ہلچل میں کوئی خوف کہیں پوشیدہ نہ تھا۔ جس گرفت میں وہ تھی اس میں والہانہ پن تھا۔ اس لمس سے ایک قیامت سی سارے وجود میں تھی۔ مگر شاید کوئی خوف کہیں نہ تھا۔ اس کا جھک کر پیشانی پر کسی قدر استحقاق سے مہر ثبت کرنا یقیناً اسے برا نہیں لگا تھا۔ تب ہی اس نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''ذرا سا بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے بہت مدھم لہجے میں کہتے ہوئے نگاہ جھکا لی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''خوف بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس انکشاف پر کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا یہ ضروری ہے؟'' میرب سیال نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔

''اوں...... ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ ''لیکن مجھے شاید یہ اچھا لگا ہے۔'' بہت آہستگی سے کہا تھا۔

''کیا؟'' میرب سیال نے گردن اُٹھائے بغیر مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے اس کا چہرہ اُٹھایا تھا۔

''تمہارا مجھ پر اعتبار کرنا، تھینکس اے لاٹ۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔

''کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟'' جاننا چاہا تھا۔

''کیا؟'' میرب سیال کے لیے ان قربتوں کو جھیلنا جیسے دوبھر ہو رہا تھا۔ لہجہ مدھم اور آواز کسی قدر کانپتی ہوئی تھی۔

''شاید تم نے مجھ پر اعتبار کر لیا ہے۔'' بہت دھیمے سے وہ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال نے کوئی جواب دیئے بغیر چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔

''شاید تمہیں مجھ پر اعتبار آنے لگا ہے۔ کسی قدر ہی سہی، مگر یہ تبدیلی خوش آئند ضرور ہے۔ تھینکس فور دِس ری لائے۔'' سردار

سبکتگین حیدر لغاری نے قدرے گردن جھکا کر اس روشن پیشانی پر ایک جلتا ہوا لمس چھوڑا تھا اور پھر بہت آہستگی سے ہاتھ ہلاتا ہوا وہ پلٹا تھا۔

''گڈ بائے۔'' بہت آہستگی سے ہاتھ ہلاتا ہوا وہ پلٹا تھا۔

میرب سیال نے سر اُٹھا کر اسے جاتا ہوا دیکھا تھا پھر یکدم ہی پلٹ کر قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

کھڑکیاں بند ہیں، دیواروں کے سینے ٹھنڈے

پیٹھ پھیرے ہوئے دروازوں کے چہرے چپ ہیں

میز کرسی ہیں کہ خاموشی کے دھبے جیسے

فرش میں دفن ہیں آہٹیں سارے دن کی

سارے ماحول پہ تالے سے پڑے ہیں چپ کے

تیری آواز کی اک بوند جو مل جائے کہیں

آخری سانسوں پہ ہے رات

یہ بچ جائے گی

عفنان علی خان بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ نگاہ چھت پر تھی بظاہر۔ مگر سوچوں سے چپکی ہوئی دو بھیگی آنکھیں کسی طور پر ہٹ نہ رہی تھی۔ اس کے لیے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ پریشان تھی۔ یہ خیال دل کو بہت تقویت دے رہا تھا۔ پہلی بار اس کی سمت سے کچھ منکشف ہوا تھا۔ پہلا احساس تھا جو فقط اس کے لیے ظاہر ہوا تھا۔ پہلا راز تھا جو ظاہر ہوا تھا۔ شاید پہلا عقدہ تھا جو کھلا تھا۔ گو بہت واضح نہ تھا مگر کچھ ایسا ہوا ضرور تھا۔ جانے کیا تھا اس چہرے میں، ان آنکھوں میں کہ وہ کبھی خود کو روک ہی نہ پایا تھا۔ اس نے بار بار سوچا تھا، محبت کیونکر ہوئی تھی۔ وہ اس کی سمت کیونکر راغب ہوا تھا۔ ایسا کیا خاص تھا اس میں۔ مگر یہ عقدہ کبھی نہ کھلا تھا۔ شاید اس کا خوبصورت ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا تھا کہ کئی خوبصورت چہرے اس سے قبل بھی نگاہ سے گزرے تھے۔ مگر دل اس طور پر دھڑکا نہ تھا۔ شاید محبت کے واقع ہونے کے لیے کسی خاص جواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کوئی مخصوص موسم نہیں ہوتا۔

محبت اپنا جواز خود ہے۔ اسے کرنے کے لیے جواز ڈھونڈنے نہیں پڑتے۔ سو دل جب مبتلا ہوا تھا تو وہ واقعی بے بس ہو گیا تھا۔

شاید محبت ایسی ہی بے بس کر دینے والی قوت ہے۔

وہ اسی طرح لیٹا اس احساس کے متعلق سوچ رہا تھا جب اوزی کا فون آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں یار! جسٹ ٹیکنگ ریسٹ۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''سنا ہے، بہت بڑے حادثے سے بچے ہو؟''

''ہاں۔'' عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''یہ ٹھنڈی ٹھنڈ سانسیں لینا بند کرو اور اس طرف آجاؤ۔'' اوزی نے حکم نامہ جاری کیا تھا۔

''کیا کام ہے؟'' عفنان علی خان کا لہجہ بہت تھکا ماندہ سا تھا۔

''اچھا، تو ابھی مجھے تم سے ملنے کے لیے جواز تلاشنے ہوں گے۔''

''نہیں، آ رہا ہوں۔'' عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اوزی کے سامنے تھا اور وہ اس کی اچھی خاصی خبر لے رہا تھا۔

''مجھے تم سے اس درجہ حماقت کی امید نہیں تھی۔ اگر تمہیں واقعی کچھ ہو جاتا تو؟'' اوزی ڈپٹ رہا تھا۔

''تو تم نے ڈانٹنے کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے اس کی بات ٹالی تھی۔

''یہ کیا کم ہے عفنان علی خان؟'' اوزی حیران ہوا تھا۔ ''تم اکلوتے بیٹے ہو اپنے والدین کے۔ اور اکلوتے بھائی ہو۔ تم نے ایک بار بھی سوچا نہیں یہ حماقت کرنے سے قبل؟''

''سوچتا تو شاید کرتا نہیں۔'' عفنان علی خان بہت اطمینان سے مسکرا رہا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''تمہیں انا بیہ شاہ نے کچھ زیادہ ہی بتا دیا ہے۔ اتنا کچھ خاص ہوا نہیں تھا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''شٹ اَپ عفنان علی خان! تم اس درجہ دیوانے ہو سکتے ہو، مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اس سے قبل میں نے کبھی تمہیں اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا۔''

''اس سے قبل اس طرح کے حالات بھی تو زندگی میں درپیش نہ آئے تھے۔'' عفنان علی خان بہت تسلی سے مسکرا رہا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''مجنوں بن کر تاریخ میں نام لکھوا جاتے؟ کیا کرتے، ہاں؟ اگر کچھ ہو جاتا تو؟...... اپنے بارے میں نہیں تو اپنے سے وابستہ لوگوں کے متعلق ہی سوچا ہوتا۔ زندگی اتنی ارزاں شے ہے تمہارے لیے؟'' اوزی کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا مگر عفنان علی خان نے کپ تھامتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اپنے کزن کو کیا بتا دیا ہے تم نے؟...... اس کا پارہ نیچے نہیں اُتر رہا۔'' وہ مسکرایا تھا۔ مگر انا بیہ شاہ نے کوئی تاثر دیئے بغیر پلٹ کر دوسرا کپ اوزی کی سمت بڑھا دیا تھا اور پھر اسی خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

عفنان علی خان اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ اوزی نے گہری سانس خارج کی تھی۔

''عفنان علی خان! تم جیسے کُول بندے سے میں اتنی انتہا پسندی کی امید قطعاً نہیں کرتا۔''

''خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو تم۔ دیکھو، کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ ٹھیک ٹھاک ہوں بالکل۔ ثابت، سالم۔ اور تم جانتے ہو نا میں کتنا گڈ سوئمر ہوں۔''

''یہ بات دل کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے عفنان علی خان! یقیناً تم ہمیں عزیز ہو۔''

مگر تبھی عفنان علی خان چونکا تھا۔

''ہمیں؟...... یہ ہمیں میں کون کون شامل ہیں تمہارے علاوہ؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''انابیہ شاہ بہت حساس لڑکی ہے عفنان علی خان! تمہارے اس اقدام نے یقیناً اسے بہت حد تک خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ گھر آ کر بھی بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ تمہیں اس کے سامنے اس طرح کی حرکتوں سے اجتناب برتنا چاہیے۔ یقیناً اس کا دل دُکھا ہے۔'' اوزی مطلع کر رہا تھا۔

''اچھا، مجھے نہیں پتہ تھی یہ بات۔'' اس نے برملا حیرت کا اظہار کیا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ تبھی عفنان علی خان کافی کا کپ رکھتا ہوا اُٹھا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اوزی چونکا تھا۔

''ہمیں میں شامل دیگر لوگوں سے معذرت کرنے۔'' بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ شاہ باہر سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ جب وہ بہت آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آن بیٹھا تھا۔

انابیہ شاہ چونکی نہیں تھی نہ ہی اس کی سمت نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت کی تھی۔ شاید ایسا اس نے دانستہ طور پر کیا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''اوزی بتا رہا تھا تم ناراض ہو مجھ سے؟'' انداز بہت دوستانہ تھا مگر انابیہ شاہ نے جیسے سنی اَن سنی کر دی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''چلو، معذرت کرتا ہوں میں۔ آئی ایم سوری۔'' بہ غور توجہ سے تکا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی طرح خاموش چہرے کا رُخ پھیرے بیٹھی رہی تھی اور وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''دراصل مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہارا دل اتنا کمزور ہے۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ اینی وے، اگر تمہیں اس طرح کے مذاق اتنا خوفزدہ کرتے ہیں تو آئندہ کے لیے توبہ کرتا ہوں، ہرگز نہیں کروں گا۔ ایک تو اوزی نے بھی اچھا خاصا ڈانٹ ڈپٹ لیا ہے اور اس پر تم بھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''ویسے مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم میری اتنی اچھی دوست ہو کہ مجھے کچھ ہونے سے تمہیں کچھ فرق پڑتا ہے۔''

''نہیں...... مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔تم غالباً غلط سمجھ رہے ہو۔'' وہ اسی قدر روڈ انداز میں گویا ہوئی تھی۔مگر عفنان علی خان مسکرا رہا تھا۔پھر بہت توجہ سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''انابیہ شاہ! بعض لمحے بہت بھاری ہوتے ہیں۔جھیلنا آسان نہیں ہوتا نہیں۔جو جھیل رہا ہو اس کا اندازہ اسے ہی ہوتا ہے۔وہ کمزور نظر آ رہا ہو تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ در حقیقت کمزور ہے۔وہ لمحے بہت حاوی ہونے والے ہوتے ہیں۔اگر چاہے بھی تو اس حقیقت سے منکر نہیں ہو سکتا کوئی۔''

مگر انابیہ شاہ کچھ بولی نہیں تھی۔عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''خائف ہونے کے جواز ڈھونڈنے والے یہ نہیں جانتے کہ بعض اسباب کس درجہ بھاری ہوتے ہیں۔ہاں، یہ الگ بات ہے کہ اس کا اندازہ کوئی اس طور کر نہیں پاتا۔'' مکمل توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''میں جانتا ہوں انابیہ شاہ! تمہارے خائف ہونے میں اسباب صاف دکھائی دیتے ہیں۔لیکن بے اختیاری بعض اوقات اختیار نہیں رہنے دیتی انابیہ شاہ!'' لہجہ بہت مدھم تھا اور انابیہ شاہ اسی طرح چہرے کا رُخ پھیرے بیٹھی رہی تھی۔عفنان علی خان لب بھینچ کر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کاش، میرے اختیار میں ہوتا کہ میں تمہیں وہ سارے جواز سونپ سکتا انابیہ شاہ!'' بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

''کاش کہہ پاتا وہ باتیں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔مگر افسوس کبھی باتیں کہیں کھو جاتی ہیں اور کبھی لفظ۔اور کبھی دونوں ہی ساتھ نہیں دیتے۔وقت سے شکوہ اس لیے نہیں کروں گا کہ جانتا ہوں ایک دن بہر طور مجھے اسے اپنے بس میں کر لینا ہے۔اور تب سب ویسا ویسا ہو گا جیسا جیسا میں چاہوں گا۔'' کتنا پُر اعتماد تھا اس کا لہجہ اور انداز۔انابیہ شاہ اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہو تم؟'' اذہان حسن بخاری نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ساہیہ خان نے شیشے میں سے اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''لڑکیاں تیاری میں وقت لیتی ہیں اذہان حسن بخاری!'' اس نے بلش آن لگاتے ہوئے مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔اذہان حسن بخاری اندر بڑھ آیا تھا۔

''فائدہ؟......فرق تو پھر بھی کچھ نہیں پڑے گا۔'' مسکراتے ہوئے آئینے میں بہت دلچسپی سے اس کا عکس دیکھا تھا۔

ساہیہ خان بہت بے ساختہ ہنسی تھی۔

''کسے......اذہان حسن بخاری پر یا پھر کسی دیکھنے والے پر؟''

''شاید دونوں پر۔'' اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''ویسے کرتی کیوں ہو تم لڑکیاں یہ بناؤ سنگھار؟''

''تا کہ خوبصورت نظر آسکیں۔'' ساہیہ لپ اسٹک لبوں پر پھیرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''خوبصورت نظر آسکیں یا ہم لڑکوں کو بے وقوف بنا سکیں؟'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا اور ساہیہ خان رُخ پھیر کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ نگاہوں میں بہت سی شرارت آن رکی تھی اور گداز لبوں پر مسکراہٹ۔

''اذہان حسن بخاری! اس کام کے لیے تیز کانٹوں سے لیس ہونا ضروری تو نہیں۔''

اذہان حسن بخاری بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

''ذہین لڑکیوں کی ایک بات بہت اچھی ہوتی ہے۔ خود کو ڈیفنڈ بہت بہتر انداز میں کر پاتی ہیں۔''

''اور تمہیں یہی بات اچھی نہیں لگتی۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بہ غور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کس نے کہا تم سے؟''

''تمہاری آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہا ہے اذہان حسن بخاری!''

''تمہیں آنکھیں پڑھنا بھی آتا ہے؟'' اذہان حسن بخاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ ''بتایا نہیں اس سے قبل کبھی تم نے۔'' آواز میں حیرت حد سے سوا تھی مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

ساہیہ خان سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''تم مجھے کنفیوژ کرنے کی کوشش کر رہے ہو اذہان حسن بخاری؟'' انداز پُر اعتماد تھا اور اذہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''ہرگز نہیں ساہیہ خان! کیونکہ میں جانتا ہوں خوبصورت لڑکیاں پُر اعتماد ہوں یا نہ ہوں یہ ضرور کوشش کرتی ہے کہ لوگ انہیں پُر اعتماد جانیں۔''

''اذہان حسن بخاری! کیا یہ ضروری ہے کہ میں تم سے ایگری کروں؟'' ساہیہ خان بہت دلربائی سے مسکرائی تھی اور نیلز پر کیوٹکس لگانے لگی تھی۔

اذہان حسن نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''تم جھوٹ بھی کہو گی تو وہ بہت دلربا ہوگا ساہیہ خان! تم کہو گی تو میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لوں گا۔'' عجب سعادت مندی سے وہ گویا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''کیا لائے ہو میرے لیے؟'' نیلز پر پھونک مارتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں؟'' وہ کسی قدر حیران ہوا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! تمہیں مجھ سے زیادہ بہتر اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں جان سکتا۔'' عجب دعویٰ تھا اور اذہان حسن بخاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''اوہ، رئیلی؟''

''آف کورس......'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ''اب جلدی سے اپنے ہاتھ آگے کر کے مجھے دکھاؤ، کیا لائے ہو؟''

اذہان حسن اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا اور پھر اپنے ہاتھ آگے کرتے ہوئے پیکٹ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''کیا ہے؟......کھول کر دکھاؤ نا۔''

''تم خود دیکھ لونا۔''

''کیسے دیکھوں؟ میرے نیلز پر لگی کیوٹکس خراب ہو جائے گی۔'' ساہیہ خان اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کی سمت دیکھ رہی تھی اور تب اذہان حسن بخاری پیکٹ کھولنے لگا تھا۔ ساہیہ خان کی نظریں بہ غور اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''گجرے......؟'' اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں کے گجرے دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اب یہ مت کہہ دینا کہ انہیں تمہیں پہنا بھی دوں۔''

''کیوں......تم میری اتنی چھوٹی سی فرمائش پوری نہیں کر سکو گے؟'' وہ اپنی مخصوص شرارت آنکھوں میں لیے کھلکھلاتے ہوئے ہنسی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے اس کی کلائی کو تھاما تھا۔

''کیسے کیسے کام کروانے لگی ہو تم مجھ سے۔''

''لکی ون۔ اسی بہانے ایک خوبصورت لڑکی کی قربت تو میسر آ رہی ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟......کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''ساہیہ خان! میں اگر تم سے اختلاف کروں گا تو تمہیں یقیناً برا لگے گا۔'' بہت سہولت سے گجرا اس نازک کلائی میں پہناتے ہوئے اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

اور ساہیہ خان مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگی تھی۔

''نہیں......مجھے قطعاً برا نہیں لگے گا۔ مگر حسن کو جھٹلانا آسان نہیں ہے۔ اتنا دھیان میں رکھنا۔''

''اوہ، رئیلی۔'' اذہان حسن بخاری نے بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت کچھ مضبوط ہو گئی تھی۔ ساہیہ خان جو اس کی سمت بہت پُر اعتماد انداز سے دیکھ رہی تھی یکدم ہی نظریں جھکا گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''حسن کو شکست دینا مشکل نہیں ہے ساہیہ خان! نہ ہی جھٹلانا آسان۔ صرف مشکل ہے تو حسن کو شکست خوردہ دیکھنا۔''

ساہیہ خان بنا اس کی سمت دیکھنے اپنی کلائی کو دیکھنے لگی تھی پھر یکدم مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! یہ دونوں گجرے ایک ہی کلائی میں پہنا دو گے تو دوسری کلائی میں کیا پہناؤ گے؟'' اس کا اعتماد ایک لمحے میں اس کے لہجے میں تھا۔

''یہ تو تمہیں بتانا چاہیے نا۔'' اپنی غلطی ہرگز ماننے کو تیار نہ ہوا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''جلدی کرو اذہان! ابھی تمہیں مجھے نیچے جانے کے لیے بھی ہیلپ آؤٹ کرنا ہے۔''

''تم کچھ زیادہ ہی ایکسپکٹ نہیں کر رہی ہو مجھ سے؟'' اذہان حسن بخاری نے سر اُٹھا کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''آئی تھنک سو۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ''مگر غالباً یہ میری مجبوری ہے۔ اس انجری کے بعد یقیناً میرے لیے خود سے چلنا مشکل ہے۔

اذہان حسن بخاری نے گجرے دونوں کلائیوں میں پہنا کر تنقیدی نظروں سے اس کی کلائیوں کو دیکھا تھا۔

''کیسی لگ رہی ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ اگر یہ گجرے کسی خوبصورت کلائی میں ہوتے تو ان کی خوبصورتی شاید کچھ اور بڑھ گئی ہوتی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''کیا مطلب ہے، یعنی میری کلائیاں خوبصورت نہیں ہیں؟'' ساہیہ خان نے اسے خفگی سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

''چلو، ورنہ وہ سب ہمیں چھوڑ کر دُلہن لینے روانہ ہو جائیں گے۔'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے دیکھا تھا اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا پھر لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔

''کیا سوچا ہے تم نے، شادی یہیں پاکستان میں کرو گی یا وہاں کیلگری میں؟''

ساہیہ خان نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ عجب شرارت آنکھوں میں لیے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں اذہان حسن بخاری؟''

''اس لیے کہ میں تمہارا بہترین دوست ہونے کے ناتے سب سے بڑا خیر خواہ ہوں۔'' اذہان حسن بخاری نے جواز دیا تھا۔

''مگر اس کے باوجود مجھے تم سے خیر خواہی کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے اذہان حسن بخاری!'' ساہیہ خان نے کسی قدر پُر افسوس انداز سے کہا تھا اور وہ مسکرایا تھا۔

''میری خیر خواہی پر شک کر رہی ہو؟''

''نہیں...... مگر میں فی الحال تم پر اعتبار نہیں کر سکتی اذہان حسن بخاری!''

اور وہ ہنس دیا تھا۔

”میری نیک نیتی پر اس قدر شک۔“

”شک نہیں اذہان! اسے حفظ ماتقدم کہتے ہیں۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”یعنی تم مجھ پر بعد میں اعتبار کرو گی۔“ وہ اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

”ایسا میں نے کب کہا؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

”مگر یہ تو کہا نا فی الحال نہیں یعنی بعد میں ضرور ایسا ہوگا۔“ اذہان حسن بخاری مسکرا رہا تھا اور ساہیہ خان اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

”تقریب اعتبار منعقد کرنا اس قدر آسان نہیں اذہان حسن بخاری! اس سے قبل کسوٹی پر پرکھنا بھی بے حد ضروری ہوتا ہے۔“

”اوہ رئیلی، تو پلیز پرکھو نا۔ مجھے اچھا لگے گا اگر یہ تقریب اعتبار جلد منعقد ہو جائے۔“ اذہان حسن بخاری بے حد برجستگی سے بولا تھا اور وہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

پتہ نہیں، واقعی سب ٹھیک ہو گیا تھا یا پھر ایسا بہ ظاہر نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مزاج کیا تھا، وہ اب تک سمجھ نہیں پائی تھی۔

کبھی وہ شعلے جیسا تھا اور کبھی شبنم۔ کبھی اتنی دہشت اندر بھر دیتا تھا کہ وہ سانس تک لینا بھول جاتی تھی اور کبھی اتنا مہربان بن جاتا تھا کہ اس سے بڑا کوئی ہمدرد نہ لگتا تھا۔ وہ واقعی اسے اب تک سمجھ نہیں پائی تھی اور سبکتگین حیدر لغاری بھی تو یہی کہہ رہا تھا۔ ابھی انہیں ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے۔

وہ مڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے سامنے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

”آپ؟“

”یہاں سے گزر رہا تھا، تمہارا دھیان آ گیا، سو چلا آیا۔ کیا میں نے ٹھیک نہیں کیا؟“ اسے اپنی طرف حیرت سے تکتا پا کر وہ گویا ہوا تھا اور میرب سیال فوراً ہی سر نفی میں ہلانے لگی۔

”ایسا نہیں ہے۔ دراصل میں......“

”میرے متعلق سوچ رہی تھیں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا اور وہ کچھ کہے بغیر دیکھتی رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا اور میرب سیال بہت آہستگی سے سر جھکا گئی تھی۔

”کیا ہم کچھ وقت ساتھ گزار سکتے ہیں؟...... آئی مین، کہیں باہر جا سکتے ہیں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا اور میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”پاپا...... پاپا سے پوچھنا ہوگا۔“

''اب تک پاپا کی انگلی تھام کر چلی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر محظوظ ہوتے ہوئے بہ غور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ خجل سی ہوگئی تھی۔ یقیناً وہ کچھ زیادہ ہی حماقتوں کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اسے اتنا زیادہ پزل ہونے کی ضرورت قطعاً نہیں تھی اور وہ بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے۔ اسے تو بہت مضبوط نظر آنا چاہیے تھا تا کہ وہ اسے آسانی سے کوئی زک نہ پہنچا سکے اور؟''

وہ چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا اور اس لمحے اس کے قریب کھڑا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''غالباً پاپا تو اس سے قبل ہی اپنی اس بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے چکے ہیں۔ اصولاً تو تمہیں اب میری انگلی تھام کر چلنا چاہیے۔'' وہ جیسے اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔ لبوں پر بڑی دھیمی سی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی اور نگاہیں بہ غور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں......میں انگلی تھام کر چلنے کی اسٹیج سے نکل چکی ہوں۔'' اس نے اعتماد بحال کرنے کو کسی قدر مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا۔ شاید اپنی دانست میں وہ اسے مرعوب کرنا چاہتی تھی مگر وہ قطعاً متاثر نہ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''اوہ، ریئلی؟......مگر مجھے تو لگتا ہے تم اب بھی میری انگلی تھام کر چلنا چاہتی ہو۔ کہیں میں غلط تو نہیں؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ گویا تھا اور میرب سیال یکدم ہی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اس کے چہرے کا رُخ اپنی طرف کیا تھا اور پھر بہ غور تکتے ہوئے بولا تھا۔

''آنکھیں مت پھیرو میرب سیال! ان پلکوں کی جنبش کے مفہوم سمجھنے کا خاص حق محفوظ رکھتا ہوں میں۔ کیا تم مجھے ان آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھنے سے محروم کردو گی؟'' کیا رنگ تھے لہجے کے۔ کیا تیور تھے ان آنکھوں کے۔ میرب سیال بہت زور سے لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔

''آپ......آپ غالباً کہیں لے جانا چاہ رہے تھے۔'' یاددہانی کرائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''میرب سیال! اس نگاہ کے تیور جاننے کا موقع نہیں دو گی، اس چہرے کو پڑھنے نہیں دو گی تو کیسے سمجھ پاؤں گا تمہیں؟ تمہیں نہیں لگتا کہ تم میرے ساتھ نہیں خود اپنے ساتھ ناانصافی کررہی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا رہا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ میں کوئی ریاکاری نہ تھی۔ ان آنکھوں میں کسی نئی سازش کا جال بُنا نظر نہیں آرہا تھا۔

تو کیا واقعی موسم رنگ بدل رہا تھا؟......منظر رنگوں میں رنگ رہے تھے؟......کیا واقعی آسمان مہربان ہوکر زمین پر جھک آیا تھا؟

میرب سیال اسے سر اُٹھائے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب وہ بہت اپنائیت سے مسکرایا تھا۔

''کیا ہوا؟......ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

میرب سیال نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ اندر چل کر پاپا کے پاس بیٹھیں، میں تیار ہوکر آتی ہوں۔'' وہ یکدم ہی ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد

جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ہم قدم تھا اور شاید یہ احساس کچھ خاص رنگ لیے ہوئے تھے۔

''ایک بات کہوں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

میرب سیال نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات بہت واضح تھے۔

''مجھے زندگی میں کبھی خود کو بدلنے کا خیال اس سے قبل نہیں آیا تھا۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا۔ ''میں نے کبھی اس رُخ کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ یہ نئے بندھنوں میں بندھنا، نئے تعلق استوار کرنا، ان کی ترجیحات کو پورا کرنا، ان کی توقع پر پورا اُترنا، کچھ ماننا، کچھ منوانا، ان باتوں کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا میں نے شاید۔ اتنی جلد میں ان سب چکروں میں پڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ زندگی بہت سی ڈیمانڈز کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں ذمے داریوں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ دراصل اس زندگی کی ذمے داریاں بہت سی باتوں کا تقاضا کرتی ہیں۔ بہت سی توقعات، بہت سی خواہشات بنا کسی پذیرائی کے، بنا کسی سبب کے بھی جنم لے لیتی ہیں۔ اور اگر اگلا اس پر پورا نہ اُترے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی ملال دل کو گھیرنے لگتا ہے۔ سو میں نے سوچ لیا تھا جب تک ان سب ذمے داریوں کو ٹھیک طور پر پورا کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا، اس کے متعلق نہیں سوچوں گا۔ مگر مائی اماں کی خواہش پر سر جھکانا پڑا اور ان دنوں میں انوکھے تجربات سے گزر رہا ہوں۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ جب میرب سیال اس کے ساتھ چلتے ہوئے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''آپ پچھتا رہے ہیں مجھ سے تعلق جوڑ کر؟'' جانے کیا سوچ کر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چونکا تھا۔ پھر بہت دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''تم ایسا سمجھ رہی ہو؟'' اس نے الٹا سوال کر کے میرب سیال کے لیے مشکل پیدا کر دی تھی۔ میرب سیال اس کی سمت دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''بات غالباً آپ کے متعلق ہو رہی تھی۔'' یاد دہانی کرائی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دلچسپی سے اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ تو نہیں۔'' جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ میرب سیال قطعاً متاثر ہوئے بغیر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

''آپ نے بتایا نہیں، پچھتا رہے ہیں مجھ سے تعلق جوڑ کر؟''

''تمہیں ایسا کیوں لگا؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''آپ کے لہجے میں کوئی ریگرٹ صاف بول رہی ہے۔'' مدھم لہجے میں انکشاف کیا تھا۔

''اچھا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران ہونے سے زیادہ شاید محظوظ ہوا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''کیا ایسا غلط ہے؟'' میرب سیال نے قطعاً متاثر ہوئے بغیر وضاحت چاہی تھی۔

''ہاں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا کسی تعرض کے جواب دیا تھا۔ میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ بہت اعتماد سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج میں تعلقات کی راہ اتنی ایمانداری اور جانفشانی سے بحال نہ کر رہا ہوتا۔ غالباً تم اب بھی مجھ پر شک کر رہی ہو۔'' کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہا تھا۔ میرب سیال سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر کیسی بات ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی، اس کے سنگ چلتی ہوئی بہت آہستگی سے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری گویا ہوا تھا۔

''شاید تم نے بھی مجھ جیسے جیون ساتھی کے خواب نہیں دیکھے ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح، میرے خیالوں میں بھی کوئی تم جیسی لڑکی نہیں تھی۔'' بے حد صاف گوئی سے کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ سچ ہے میرب سیال! ہم اچانک ایک دوسرے سے آن ملے ہیں۔ دو الگ الگ سمتوں کے لوگ، جنہیں وقت نے ایک سمت میں چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ایسے میں ہمیں زیادہ واویلا نہیں کرنا چاہیے۔ سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ ہم وقت کے اس فیصلے کا خیر مقدم کریں اور قسمت کے فیصلے کو خوشی سے اور ذہن و دل کی رضا مندی سے قبول کریں۔ جذباتیت کام سنوارتی نہیں ہے فقط بگاڑتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں مزید کوئی نقصان اُٹھائیں۔ شاید ہم دونوں ایک دوسرے کے خواہشوں کے مطابق نہیں ہیں میرب سیال! مگر ہم ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی خواہشات کے مطابق ڈھال ضرور سکتے ہیں۔ یہ سمجھوتہ، اس وقت کے لیے بہت ضروری ہے۔ اور اگر اسے دل سے قبول کیا جائے تو یہ اتنا برا بھی نہیں لگے گا۔ تم یقیناً میری بات سمجھ رہی ہو نا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اگر ہم ایک دوسرے کو ابھی سمجھ لیں گے، ذہن و دل سے قبول کر لیں گے تو یقیناً بعد میں پرابلمز اتنی زیادہ نہیں رہیں گے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ میرب سیال اپنا ہاتھ اس مضبوط ہاتھ میں دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا رہی تھی۔ جب یکدم کسی نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے شانے سے پرس اچک لیا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر چیخی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں سے تھام کر دیکھا تھا۔

''آر یو آل رائٹ؟''

''یس...... بٹ مائے پرس۔'' اس نے تیزی سے بھاگتے ہوئے اس شخص کی سمت اشارہ کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

''ڈونٹ وری۔ تم یہیں رکو۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے اس پرس اچکنے والے چور کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ چور نے اسے

اپنے پیچھے آتے دیکھ کر اور بھی تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

''سبکتگین!'' میرب سیال نے اسے باز رکھنے کو آواز دی تھی مگر وہ سنی اَن سنی کرتا ہوا اس چور کے پیچھے بھاگنے لگا تھا۔

''سبکتگین!'' ایک تیز رفتار ٹرالر تیزی سے اس کی سمت بڑھتا دیکھ کر اسے خبردار کرنے کو وہ چیخی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے بہت فاصلے پر ہونے کے باعث غالباً اس کی آواز سن نہ سکا تھا...... ٹرالر تیزی سے اس کی سمت بڑھا تھا۔

''سبکتگین!'' وہ چیخی تھی۔

ٹرالر بہت تیزی سے کسی وجود سے ٹکرایا تھا۔ ایک دلخراش چیخ اُبھری تھی اور میرب سیال کو سارا منظر تاریکی میں ڈوبتا لگا تھا......!

☆......☆......☆

یہ سب اتنی سرعت سے ہوا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ کتنی دیر حواس باختہ سی وہیں کھڑی رہی تھی۔ ساکت نظریں اس منظر پر مرکوز تھیں جہاں کوئی حادثہ یقیناً ہو چکا تھا۔

اس کا وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔

کتنے لمحوں تک وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی تھی۔ پھر قدم بڑھانے لگی تھی۔ سارے حواس اس لمحے منجمد تھے اور وہ چلتی چلی گئی تھی۔ اس جگہ کی جانب جہاں کوئی حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ کیسی پتھرسی تھیں اس کی نگاہیں۔ قدم رکے تھے اور وہ ساکت رہ گئی تھی۔

کوئی سڑک پر چت پڑا تھا اور اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ مگر وہ چہرہ، وہ خدوخال ویسے تو نہ تھے۔ یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ اور تب اس کی نگاہ اپنی جانب سے رُخ پھیرے کھڑے شخص پر پڑی۔ لانبا قد، چوڑے شانے...... میرب سیال سرعت سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

وہ خدوخال، وہ چہرہ اجنبی قطعاً نہ تھا۔ اس کے سامنے کھڑی وہ کتنی حیرت سے اسے تکتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جو زمین پر پڑے اس وجود کو کسی قدر تاسف اور افسوس سے دیکھ رہا تھا اس گھڑی چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور چہرہ حواس باختہ۔

''میرب!'' بہت آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ مگر وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔ اسی اجنبی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے چھیڑا تھا جیسے وہ اس کے ہونے کا یقین چاہ رہی تھی۔ عجب بے خودسا انداز تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے اس ہاتھ کو تھام کر لبوں سے لگایا تھا۔

''میرب!...... کیا ہوا میرب؟'' بہت بے قراری سے دریافت کیا تھا۔ یقیناً وہ اس کی کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔ مگر میرب اسے اسی طرح خالی خالی نظروں سے دیکھتی ہوئی یکدم ہی اس کے فراخ سینے پر سر دھر کر رونے لگی تھی۔

''میرب! کیا ہوا؟'' اس نے اس کے گرد اپنے بازوُ حمائل کرتے ہوئے کسی قدر فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ بنا کچھ کہے اسی طرح روتی چلی گئی تھی۔ اور تب ساری بات جیسے اس کی سمجھ میں آ گئی تھی، وہ اس کی طرف سے فکرمند ہوئی تھی۔ اس کے متعلق سوچ کر پُر

ملال ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔''

میرب سیال نے سر اُٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب بغور تکتے ہوئے جتاتے ہوئے دوبارہ بولا تھا۔

''سب کچھ ٹھیک ہے...... سب کچھ۔'' مضبوط لہجے میں تسلی دیتے ہوئے باور کرایا تھا اور اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں پولیس وہاں پہنچ چکی تھی اور معمول کی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ یہ خدا کا شکر تھا کہ اس حادثے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ وہ چور فقط زخمی ہوا تھا۔ ریسکیو کی ٹیم موقع پر پہنچ کر اسے ہسپتال لے جا چکی تھی۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ مگر میرب سیال بہت سہم سی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اندازہ تھا، تبھی ضروری کارروائی کے بعد وہ اسے لے کر گھر واپس آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

کمرے میں اندھیرا کیے وہ گھٹنوں پر سر دھرے ساکت بیٹھی تھی جب اوزی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ مگر وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔ اوزی چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے تکتا رہا تھا پھر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر لیمپ روشن کیا تھا۔

''زندگی روشنی سے عبارت ہے انابیہ شاہ! کیونکہ روشنی میں سبھی منظر بہت واضح ہو جاتے ہیں اور سبھی رنگ صاف دکھائی دیتے ہیں۔''

اوزی کا لہجہ نرم تھا اور انابیہ شاہ سر اُٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

''انابیہ! زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے...... بہت کچھ۔ مگر جو پل گزر جاتا ہے وہ اپنے ساتھ بہت کچھ لے جاتا ہے۔ مگر سبھی کچھ نہیں۔'' اس کا لہجہ مدھم تھا۔ مگر بہت کچھ باور کراتا ہوا۔

انابیہ شاہ بہت آہستگی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

''مجھے معلوم تھا انابیہ شاہ! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا یہ خوف، یہ ڈپریشن پھر سے عود کر آئے گا اور تم پھر انہی اندھیروں میں گھر جاؤ گی۔ مگر انابیہ شاہ! ایسا کرنے سے کیا سب کچھ بدل جائے گا؟ تم جینا چھوڑ دو گی تو کیا زندگی رک جائے گی؟''

اوزی اس کی طرف مکمل توجہ سے تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا مگر انابیہ جواباً خاموش تھی۔ اس کی ساکت نظروں میں بہت سے گہرے سائے رکے ہوئے تھے۔ چہرہ پُرسکون سا تھا۔ اوزی نے اسے بغور دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے کتنی خاموشی سے نمکین پانیوں کے قطرے ٹوٹ کر چہرے کو بھگونے لگے تھے۔ اوزی کی نگاہ اس کے قریب دھری اس تصویر پر پڑی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس تصویر کو اُٹھایا تھا جہاں کوئی بہت شگفتگی سے مسکراتا ہوا، زندگی سے بھرپور دکھائی دے دیا تھا۔ زندگی کے سارے رنگ اس چہرے پر تھے۔ سارے ذائقے اس

کی آنکھوں میں تھے اور اوزی نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔

انابیہ شاہ کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ ساکت بیٹھی تھی۔ اوزی کچھ بھی کہے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ عجب اک بے بسی سی انداز میں تھی۔ کتنی دیر وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھا رہا تھا اور انابیہ شاہ کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہتے رہے تھے۔

''انابیہ شاہ! زندگی میں سے جو لوگ چلے جاتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں آتے۔ تمہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے اور مان لینی چاہیے۔'' اوزی نے مدھم لہجے میں بنا اس کی طرف دیکھے باور کرانا چاہا تھا۔ مگر ان آنکھوں سے نمکین پانی اسی طرح بہتا رہا تھا۔

''انابیہ شاہ! جن کا ساتھ جتنا ہوتا ہے، وہ اتنا ہی ہونا طے ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی مرضی کو دخل نہیں ہوتا۔ ہم نہ تو اپنی مرضی سے ان لمحوں کو بڑھا سکتے ہیں نہ گھٹا سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے ان لمحوں کو واپس لا سکتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے انابیہ شاہ! بالکل بھی ممکن نہیں۔''

انابیہ شاہ چپ چاپ بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کی جانب تکتی رہی تھی۔

''انابیہ شاہ! غازی کا اور تمہارا ساتھ اتنا ہی تھا۔ وہیں تک کا تھا جہاں تک تم دونوں ساتھ چلے۔ اس سے آگے کا موڑ آخری تھا جسے نہ تم بدل سکتی تھیں نہ ہی غازی۔'' اوزی کا لہجہ مدھم تھا۔

''انابیہ شاہ! غازی ایک گزر جانے والا موڑ ہے۔ جسے گزر ہی جانا تھا۔ اس میں تمہارا یا کسی اور کا کوئی قصور نہیں۔ تم اگر چاہتیں بھی تو اسے روک نہیں سکتی تھیں کیونکہ اسے بہر حال جانا ہی تھا اور اتنے لمبے سفر پر جانے والوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ انابیہ شاہ! خود کو اس منظر نامے سے باہر لاؤ۔ میں جانتا ہوں عفنان علی خان کے مذاق میں کیے گئے ایک اقدام نے تمہیں پھر وہیں پر لے جا کھڑا کیا ہے جہاں سے تم بمشکل لوٹ کر ایک بار پہلے آئی تھیں۔ مگر تمہیں خود کو باور کرانا ہے انابیہ شاہ! کہ یہ فقط مذاق تھا اور مذاق فقط مذاق ہی ہوتا ہے۔ اس میں نقصان کسی کا نہیں ہوا۔ نہ ہی عفنان علی خان کا مقصد کسی کی دل آزاری تھا۔ انابیہ! تمہیں خود کو باور کرانا ہے کہ غازی کے واقعے کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک الگ نوعیت کا واقعہ تھا اور یہ الگ نوعیت کا اور یہ کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔'' اوزی کا انداز بہت کچھ باور کرانے والا تھا اور انابیہ شاہ اسے سن رہی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا پھر بغور توجہ سے اسے تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''ان دونوں واقعات میں قطعاً بھی کوئی مماثلت نہیں انابیہ شاہ! تمہیں خود کو اس سیاہ دائرے سے باہر لانا ہے انابیہ شاہ! جس کے اندر رہ کر تمہیں تمام رنگ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔ تمہیں خود کو باور کرانا ہے کہ زندگی صرف رنگوں سے اور روشنی سے عبارت ہے اور باقی سب رد کیے جانے کے قابل۔''

انابیہ کی آنکھوں کے نمکین سمندر اسی طرح طغیانیوں سے پُر تھے اور اوزی اسے دیکھ رہا تھا۔

''غازی جا چکا ہے انابیہ شاہ! اور اسے لوٹ کر واپس نہیں آنا ہے۔ اس کے لیے تم خود کو مت گنواؤ۔ کم از کم میں تو تمہیں اس بات کی اجازت قطعاً نہیں دوں گا۔'' بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے نمکین پانیوں کو سمیٹا تھا۔ اس کا انداز کسی ہمدرد کا سا، حوصلے

بندھانے والا تھا۔ وہ ایک مہربان دوست بنا اس کے سامنے تھا اور تبھی انابیہ شاہ اس کے شانے پر سر دھرتے ہوئے رونے لگی تھی۔ اوزی نے اسے دیکھا تھا پھر اس کے شانے کو بہت ہولے سے تھپتھپانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ تمہارا ٹور کچھ زیادہ طویل نہیں ہو گیا؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہیں یہ سب ان بھابی صاحبہ کا مرہون منت تو نہیں؟'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

دوسری جانب کوئی ہنستا چلا گیا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے ایسا ہے؟''

''نہیں۔ مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے نا، گین صاحب! آپ جیسے بندے میں بیٹھے بٹھائے تبدیلیاں رونما تو ہو نہیں سکتیں۔ ضرور اسباب کچھ خاص ہی ہیں۔ بائے دی وے، بھابی کی تصویر ہی ای میل کر دو یار! دکھانے کے موڈ میں تو تم نظر نہیں آ رہے ہو۔ چپکے چپکے نکاح کیا، چپکے چپکے رخصت بھی ہو گئے۔ نہ بتایا، نہ بلایا، نہ مطلع کیا۔ مجھے تو لگتا ہے تم بھابی کے عشق میں ڈوب چکے ہو۔'' عفنان علی خان نے فتویٰ جاری کیا تھا اور دوسری طرف گین صاحب ہنس دیئے تھے۔

''ہاں، بس پانی گردن تک آیا ہی چاہتا ہے۔ تم سناؤ۔ پھپھو سے بات ہوئی تھی، بتا رہی تھیں تم آج کل کسی مشکل میں ہو؟''

''ایسا کہا انہوں نے تم سے؟'' عفنان علی خان حیران ہوا تھا۔

گین ہنس دیا تھا۔

''کیا غلط کہا فاطمہ پھپھو نے؟''

''نہیں۔'' عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ ''آئی ایم رئیلی ان ٹربل۔ کچھ ہے جو سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ کچھ ہے جو سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ کچھ ہے جو بہت اُلجھا ہوا سا ہے۔'' مدھم لہجے میں کہتے کہتے وہ یکدم چونکا تھا۔ ''گین! تم کب آ رہے ہو؟''

''کیوں......کیا ہوا؟ معاملہ کچھ زیادہ سنگین ہے کیا؟'' گین دوسری طرف متفکر ہوا تھا۔

''ہوں۔'' عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''کہیں عشق وشق کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے۔'' گین کو دوسری طرف تشویش ہوئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''تم آ جاؤ تو پھر بات کریں گے۔''

''ابھی کیوں نہیں؟''

''تم بھابی کے ساتھ بزی ہونا۔ یار! بات کراؤ نا بھابی سے۔ ہم بھی تو دیکھیں جنہوں نے اپنے محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کو قابو میں کر لیا وہ حقیقت میں ہیں کیسی۔'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

گین ہنس دیا تھا۔

''ابھی قریب نہیں ہے۔آئی مین میرے ساتھ نہیں ہے۔کل ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔اسی کے باعث کچھ ڈیپرسڈ تھی۔میں نے اس کے پیرنٹس کے ہاں چھوڑ دیا تھا۔''

''خیریت......کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟''عفنان علی خان نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔

''نہیں، خدا کا شکر ہے، سب ٹھیک رہا۔مگر جانتے ہو نا لڑکیوں کی سائیکی، کس درجہ بہادر ہوتی ہیں۔بس یہی بہادری کام آ گئی۔''سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔''اینی وے، تم کچھ بتا رہے تھے۔''

عفنان علی خان چونکا تھا۔

''ہاں......نہیں، تم آ جاؤ پھر بات کریں گے۔''دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''اور تب تک پانی سر سے گزر گیا تو؟''سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

''کیا ہو سکتا ہے۔جو ہونا ہے وہ تو بہر حال ہونا ہی ہے۔''وہ بہت نیم جان انداز میں مسکرایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

''یعنی معاملہ خاصا سنگین ہے۔''

''کیا ہو سکتا ہے۔جو ہونا تھا ہو چکا۔اب تو کوئی سدباب بھی ممکن نہیں رہا۔''عفنان علی خان بے بسی سے مسکرایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''یعنی مجنوں بن گئے ہو۔''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔مگر بڑی بے جان سی مسکراہٹ تھی۔

''یار گین! تمہیں کبھی عشق نہیں ہوا؟ اتنی لڑکیوں سے ملا تو، اتنی لڑکیوں کی قربت میں رہا، اتنے دلفریب، دلربا ہجوم تیرے اِرد گرد بنے رہے۔کبھی......کبھی نہیں لگا......کہیں......کسی ایک جگہ پر کسی ایک چہرے کے لیے رک جانا چاہیے۔یہ چلنا پھرنا، بھاگنا، یہ سفر در سفر، یہ منزلوں کا جنوں، یہ پات پات کبھی ڈال ڈال کا سلسلہ اب موقوف ہو جانا چاہیے۔''عفنان علی خان کا لہجہ مدھم تھا۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''میرے یار! تو میری بات چھو، اپنی سنا۔تیرا یہ حشر اس انگیج منٹ والی نے کیا ہے یا معاملہ کوئی اور ہے؟''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''یار گین! مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔یار سمیٹ دو اپنا یہ سلسلہ۔مجھے تمہیں بہت کچھ بتانا ہے۔مشورہ کرنا ہے۔''

''یہ راتوں رات پانی سر کو کیسے آ گیا؟......بات اتنی نئی تو نہیں لگتی۔جب میں وہاں تھا، تب مطلع کیوں نہیں کیا؟''سردار سبکتگین

حیدر لغاری کو حیرت ہوئی تھی۔

''تب مجھے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ خود اس طور نہیں تھا۔''عفنان علی خان دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''نام کیا ہے؟''

''گین! اب تم اتنے تھوڑے سے دنوں میں میرا نام بھی بھول چکے ہو؟''عفنان علی خان کو حیرت ہوئی تھی۔

''شٹ اَپ یار! میں اس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔''سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''تم آ جاؤ نا یار! پھر بات کریں گے۔''

''کچھ زیادہ سیریس نہیں ہو گئے تم؟''سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش ہوئی تھی۔عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''یار گین! تیرا میرا معاملہ بہت مختلف ہے۔تو ہمیشہ چلتا رہا ہے اور کبھی کسی موڑ پر رُکا ہی نہیں۔اور میں؟''وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔''میں کبھی چلا ہی نہیں۔کبھی کوئی سفر کیا ہی نہیں۔مگر ایک لمحے میں جب چلا تو صدیوں کا سفر کر آیا ہوں۔''ایک جملے میں ہزار ہا داستانیں پوشیدہ تھیں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''جن محترمہ سے منسوب ہوا نہیں خبر ہے کہ محترم کہیں اور منسوب ہو چکے ہیں؟''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔''نہیں۔''

''اور ان محترمہ کو خبر ہے جن کے باعث آپ اس کیفیت کو پہنچ چکے ہیں؟''

''نہیں، اسے بھی خبر نہیں ہے۔''عفنان علی خان کا لہجہ دھیما تھا۔

''تم نے اسے کبھی بتایا نہیں؟''سردار سبکتگین حیدر لغاری کی انویسٹی گیشن شروع ہو چکی تھی۔عفنان علی خان چونکا تھا۔

''یار گین! تمہیں نہیں لگتا یہ انویسٹی گیشن قبل از وقت ہے؟ سردار صاحب! آپ کسی جھگڑے کے حل کے لیے نہیں بیٹھے ہیں۔یہ عفنان علی خان کی زندگی کا معاملہ ہے۔''مسکراتے ہوئے یقین دہانی کرائی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''زندگی کا نہیں، محبت کا معاملہ ہے۔''سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

''ہاں......تو اس میں فرق کیا ہے؟ بات ایک ہی ہے۔کبھی محبت کی ہو تو خبر بھی ہونا۔''جتایا تھا۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''چلو اب آ کر تم سے سیکھوں گا۔''

''مجھے تمہیں کچھ سکھا کر یقیناً خوشی ہوگی۔''عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔پلٹ کر دیکھا تھا۔فاطمہ علی خان دروازے میں کھڑی تھیں۔

''ماما! آپ؟''وہ مسکرایا تھا۔

''گین کا فون تھا؟''فاطمہ علی خان مسکرائی تھی۔

''جی۔''

''کب آ رہا ہے وہ؟......اور اس کی دلہن کیسی ہے؟''

''بوتھ آر فائن ماما!''عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

فاطمہ علی خان چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھیں۔ پھر اس کے چہرے کو بہت محبت سے تھام لیا تھا۔

''اور تم میری جان! تمہیں کیا ہوا ہے؟''ان کا لہجہ فکر مند تھا اور عفنان علی خان ان کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے ماما؟ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ اچھا تو گین کو بھی آپ نے ہی مطلع کیا تھا۔ تبھی اس نے مجھے فون کھڑکا دیا۔ ماما! سب ٹھیک ہے۔ بس کام کا کچھ برڈن تھا اس لیے۔ اور آپ خواہ مخواہ پریشان ہو گئیں۔'' مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر فاطمہ خان سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔

''خواہ مخواہ نہیں میرے بچے! ماں کی نگاہ کبھی بھی کچھ غلط نہیں دیکھ سکتی۔ میں نے فیضان سے بھی پوچھا تھا، ان کے مطابق آفس میں کوئی اتنی بڑی پرابلم نہیں ہے کہ تم اس طرح گھبرائے پھرتے نظر آؤ۔'' فاطمہ خان مطمئن نہ ہوئی تھیں اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اوہ کم آن ماما! سب کچھ ٹھیک ہے...... آپ نے خواہ مخواہ پاپا کو بھی پریشان کر دیا۔ دیکھیں، کیا میں آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہا؟ ......اینی ویز، انوشے کہاں ہے؟ اسے کہیں ایک کپ کافی میرے کمرے میں بھجوا دے۔ مجھے ایک میٹنگ کے لیے جانا ہے اور آئی ایم آل ریڈی لیٹ۔'' بہت عجلت سے وہ پلٹ کر وارڈ روب کی سمت بڑھا تھا۔ تبھی فاطمہ بولی تھی۔

''تم جاؤ، باتھ لو۔ میں کپڑے نکال دیتی ہوں۔''

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری اور ساہیہ خان ایک ساتھ کھڑے تھے۔ دونوں میں یقیناً کوئی نوک جھونک ہو رہی تھی۔ فارحہ انہیں دور سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ بیٹے کی زندگی میں آنے والی یہ تبدیلی یقیناً خوش آئند تھی۔ انہیں اچھا لگا تھا۔ ورنہ جس طرح کی سچوایشن سعد حسن بخاری نے کری ایٹ کر دی تھی اسے دیکھ کر لگتا تھا حالات کبھی معمول پر نہ آ سکیں گے اور زندگی میں ایک تناؤ بدستور قائم رہے گا۔ مگر...... فارحہ ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔

خدا کا شکر تھا ایسا نہیں ہوا تھا اور بہر طور سب کچھ زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری بھی۔ انہوں نے بیٹے کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سوفٹ ڈرنک کا سِپ لیا تھا۔ تبھی کوئی ان کے قریب آن رکا تھا۔ فارحہ چونکی تھیں۔ ان کے بہت قریب کوئی اور نہیں، سعد حسن بخاری کھڑے تھے۔ اور ان کے پہلو میں ان کی کمسن بیگم عریبہ بھی موجود تھیں۔

فارحہ کے چہرے سے سارا اطمینان ایک لمحے میں رخصت ہوا تھا۔ مسکراتے لب بھینچ گئے تھے اور اس کی جگہ ایک تناؤ نے لے لی تھی۔ وہ اس تقریب میں کسی طرح کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی تبھی ان کی سمت سے نگاہ پھیر کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا۔ مگر سعد حسن بخاری

اس لمحے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔ فارحہ نے بہت چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جیسے ان کی اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہوئے تھے۔

''ہمیشہ بہت جلدی میں رہتی ہو فارحہ! کبھی تو فرصت کے اوقات نکال کر ہم سے بھی دو گھڑی بات کر لیا کرو۔''

فارحہ نے بہت خاموش سی نگاہ اس چہرے پر ڈالی تھی اور رُخ پھیر گئی تھیں۔

''اوہ، کم آن۔ اس طرح اجنبی مت بنو۔ میری بیوی سے ملو۔ یہ عریبہ، عریبہ بخاری۔ غالباً پہلی بار مل رہی ہو نا تم اس سے۔''

سعد حسن بخاری کے لبوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ تھی۔ اگر وہ انہیں کوئی زک پہنچانا چاہتے تھے تو وہ ایسا کر چکے تھے۔ فارحہ کے چہرے کی کیفیت بہت متغیر تھی۔

''کیوں...... کیوں لائے ہو تم اسے یہاں سعد حسن بخاری؟'' یہ دکھانے کے لیے تم کتنی جوان بیوی رکھتے ہو یا پھر یہ کہ تم جسے چاہو سڑک پر سے اُٹھا کر اس مرتبے پر فائز کر سکتے ہو؟''

مدھم لہجے میں بہت سے الاؤ دہک رہے تھے۔ سعد حسن بخاری کے چہرے کی کیفیت پل بھر میں متغیر ہوئی تھی۔

''شٹ اَپ فارحہ! اپنی حدود میں رہو۔''

''میں اپنی حدود میں ہوں۔ لیکن تم اپنی حد میں نہیں۔'' فارحہ مضبوط لہجے میں کہتی پہلی بار بہت ہائپر ہوئی تھیں۔ ''تم جو زہر میری زندگی میں گھول چکے ہو سعد حسن بخاری! اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ مگر پلیز اس طرح کی حرکتیں کر کے مجھے اب مزید پریشان مت کرو۔ سکون سے رہنے دو مجھے میرے بچوں کے ساتھ۔ تمہاری زندگی سے مجھے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، میں اسے قبول کر چکی ہوں۔ مگر اتنی ہمت مجھ میں اب بھی نہیں کہ تمہارے بار بار کے ان حملوں کا مقابلہ کروں۔'' سعد حسن کی سمت سے رُخ پھیرتے ہوئے وہ بہت نیم جاں نظر آ رہی تھیں۔ ویران آنکھوں میں ایک لمحے میں ایک انجانی سی کیفیت آن رکی تھی۔

''میں تمہارے ان فضول کے ہتھکنڈوں سے تنگ آ چکی ہوں۔ کچھ نہیں چاہتی ہوں میں تم سے۔ بس مجھے جینے دو، میرے بچوں کے ساتھ۔ میرے لیے میرے بچوں کا سکھ اور میرے گھر کا سکھ بہت معنی رکھتا ہے۔'' فارحہ چہرے کا رُخ پھیرے پوری طرح مضمحل نظر آ رہی تھیں۔

سعد حسن بخاری مسکرا دیئے تھے۔

''کون سا گھر فارحہ!...... کون سے گھر کا سکھ؟...... وہ گھر تو کب کا ٹوٹ چکا جس کے سکھ کی بات تم کر رہی ہو۔ تمہیں نہیں لگتا یہ بھلا وہ بہت بودا اور فضول ہے؟''

فارحہ نے سعد حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ پہلو میں کھڑے چہرے کی دلربائی قابل دید تھی۔

''یہی بات جتانے کے لیے تم اسے یہاں لائے ہو؟'' مدھم لہجے میں شکستگی بے حد واضح تھی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

''یہی بات سعد حسن!...... یہی بات جتانے کو تم یہاں اس کے ہمراہ آئے ہو نا کہ میرا سب کچھ ٹوٹ کر بکھر چکا ہے اور اب میں

خالی ہاتھ ہوں۔ کچھ نہیں رہا میرے پاس اب اور۔'' ان کے حوصلے جیسے پست ہونے لگے تھے۔شاید تبھی وہ بغیر مزید کچھ کہے چپ ہو کر سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔ پھر ہمت کر کے بولی تھیں۔

''نہیں سعد حسن بخاری! میں اب بھی اتنی ہی مضبوط ہوں، اتنی ہی با حوصلہ ہوں۔ کیونکہ میرے پاس میرے بچے ہیں جو میری سب سے بڑی طاقت ہیں۔ مگر تم......تم بے حد کمزور ہو میری نظر میں سعد حسن! کیونکہ میں تمہیں خالی ہاتھ دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں نہیں لگتا سعد حسن! تم یہاں میرے پاس اپنے اندر کی کسی ایسی ہی خلش کی تسکین کرنے آئے ہو۔''

''شٹ اَپ فارحہ!......آئی سے شٹ اَپ۔'' سعد حسن بخاری نے مدھم مگر کسی قدر سخت لہجے میں کہا تھا۔ چہرے کا تناؤ بہت بڑھ چکا تھا۔ دونوں کے درمیان کی تکرار بڑھ رہی تھی۔ جب ازہان حسن بخاری کی نگاہ ان کی سمت اُٹھی تھی۔ اسے موقع کی نوعیت سمجھنے میں قطعاً بھی دیر نہیں لگی تھی۔ بہت سرعت سے وہ آگے بڑھا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ ممی؟''

مگر فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا تھا پھر فوراً ہی مڑ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

ازہان حسن بخاری نے باپ کی طرف فقط خاموش نظروں سے دیکھا تھا اور بنا کچھ کہے وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا جب گی اس کی قریب آن بیٹھی تھی۔ اس کی طرف کافی کا مگ بڑھایا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' شستہ انگریزی میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' لبوں پر بڑی رسمی سی مسکراہٹ تھی۔ ''تمہیں لگا میں کچھ سوچ رہا ہوں؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ گی نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''میرے بارے میں سوچ رہے تھے؟'' انداز میں کسی درجہ شرارت تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے تمہارے متعلق سوچنا چاہیے؟''

''نہیں سوچنا چاہتے ہو؟'' اُلٹا سوال کر دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''نہیں۔'' صاف انکار تھا۔

مگر گی اس کی سمت بہ غور دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''آر یو شیور؟''

''آف کورس۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑے بے تاثر انداز میں شانے اچکا دیئے تھے۔ مگر گی مسکرا دی تھی۔

''تھینکس۔ تھینک یو ویری مچ۔ یعنی دل کی گہرائی سے شکریہ۔'' وہ وضاحت دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''مگر یہ شکریہ تھا کس بات کے لیے؟''

گی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ ''مجھے نہ سوچنے کے لیے۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔ انداز کسی قدر بے نیازانہ تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''مسکرا کیوں رہے ہو اب؟''

''یہ سوچ کر کہ جس نے تمہیں چاہا وہ کیسا ہوگا؟''

اور گی کے لبوں کی مسکراہٹ ایک لمحے میں معدوم ہوئی تھی۔ آنکھوں کی جوت ایک لمحے میں بجھی تھی۔ وہ جہاں چپ ہوئی تھی وہیں بہت آہستگی سے چہرے کا رُخ بھی پھیر گئی تھی۔

''بہت چاہتی ہو اسے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور اس کے چہرے کو پڑھا تھا۔ گی نے ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر نگاہ پھیر لی تھی۔

''گین! بہتر نہ ہوگا اگر ہم اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں؟''

''تم اس ذکر سے بچنا چاہتی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ وہ کچھ بھی جواب دیئے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''ڈرتی ہو؟'' دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ گی نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔ کہیں ٹوٹ کر بکھر نہ جاؤ۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' گی چونکی تھی۔

''سوچ رہا تھا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

''کیا؟'' گی نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

''یہی کہ محبت کا کیا واقعی کوئی وجود ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں میں جہاں حیرت تھی وہیں لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور گی نے اسے بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

''تم محبت پر واقعی یقین نہیں رکھتے گین؟''

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو؟ کیا محبت کی واقعی کوئی وقعت ہے اس زمانے میں گی؟ آئی مین اس دور میں؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے گین؟...... کیا نہیں ہے؟'' گی نے کسی درجہ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر شانے بہت بے نیازی سے اچکاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''میں نہیں جانتا۔ مگر میں نے محبت کو کبھی بھی یہاں وہاں اپنے اِردگرد چلتے پھرتے نہیں دیکھا۔ کیا تم نے دیکھا ہے؟'' وہ غیر سنجیدہ انداز میں مسکرا رہا تھا اور گی تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''مجھے یقین نہیں ہو رہا گین! کیا تم واقعی محبت سے منکر ہو؟'' وہ واقعی حیران تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں اس کے انداز پر مسکرا دیا تھا۔

''اور مجھے حیرت ہو رہی ہے، تم محبت کی اس درجہ حامی ہو۔ مجھے تو لگ رہا ہے تم میں جولیٹ کی روح آ گئی ہے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''اور مجھے لگتا ہے کہ مجھے اب تم کو گی کی بجائے جولیٹ کہہ کر بلانا ہوگا۔ روم کی گلیوں میں بال کھولے پھرتی بے قرار کتھا سی لڑکی...... محبت کی انگلی تھامے، دور تک چلتی ہوئی۔'' وہ سوچ کر ہی محظوظ ہو رہا تھا۔ مگر گی اس کی شرارت پر مسکرائی نہیں تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''کم آن گی! نکل آؤ اس دیوانے پن سے باہر۔ کیونکہ روم کی گلیوں میں آنکھوں میں ویرانی لیے، بال کھولے، بے قراری سے گھومتا پھرتا اور رومیو رومیو پکارتا وہ کریکٹر اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ وہ صرف شیکسپیئر جیسے دیوانے اور جذباتی شخص کے ذہن کا شاخسانہ تھا۔'' وہ اپنی دانست میں اس کی غلط فہمی دور کر رہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''میں تمہاری بات مان بھی لوں گین! تو کیا فرق پڑتا ہے؟ حقیقت جو ہے وہ بدل تو نہیں جائے گی۔'' اس کا انداز کسی قدر پُر تاسف تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ماننا تو مت مانو۔ مگر تم میری سوچ نہیں بدل سکتیں۔''

گی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ مسکرایا تھا۔ گی بھی جواباً مسکرا دی تھی۔

''دیکھ رہی ہوں سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا...... کیا واقعی تمہیں کبھی محبت نے نہیں گھیرا، کبھی اس نے تمہارا اندر پڑاؤ نہیں ڈالا؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ مگر گی مسکرا دی تھی۔

''کہیں یہ تمہاری شخصیت کا رعب تو نہیں کہ محبت تمہارے قریب کبھی پھٹکی ہی نہیں؟ سردار سبکتگین حیدر لغاری! خود کو اتنا بھی مت بناؤ کہ تم زندگی کے اصل رنگ کو ہی نہ سمجھ سکو۔ خاص بننے کا اپنا ہی ایک لطف ہے۔ مگر کبھی کبھی عام بن جانا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔''

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً مسکرا دیا تھا۔ گی نے بہ غور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

''ایک بات پوچھوں گین؟''

''ہوں۔''

''وہ کون ہے جس کے لیے تم اس روز اتنا پریشان ہو رہے تھے؟''

گی کا سوال بہت غیر متوقع تھا۔شاید تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر چونک کر دیکھا تھا۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''تمہیں اچھا نہیں لگا؟'' گی نے اسے ندامت سے دیکھا تھا۔''دراصل میں نے اکثر اسے تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔میں نے کبھی اس سے قبل پوچھا نہیں اور شاید مجھے جاننے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔مگر جس طرح تم اس روز اس کے لیے پریشان ہو رہے تھے وہ بہت حیران کن تھا۔ایسا کوئی کسی بہت اپنے کے لیے ہی کر سکتا ہے۔''

گی کہہ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت بے تاثر انداز میں چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

گی نے اسے چپ ہو کر دیکھا تھا۔تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جا رہے ہو؟'' گی نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔گی نے اسے کسی قدر بے قرار نظروں سے دیکھا تھا۔

''کچھ کہنا چاہتی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس نگاہ کو پڑھ رہا تھا۔

''گردن بہت ہولے سے نفی میں ہلی تھی۔خود کلامی کا سا کوئی انداز تھا اور اگرچہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لفظ کا مفہوم نہیں جانتا تھا مگر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔گی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔''

''مت جاؤ، بھی کہہ رہی ہو اور نظریں بھی پھیر رہی ہو۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا اور وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی تھی۔

''جا رہا ہوں۔مگر پھر آؤں گا۔مجھے خدا حافظ نہیں کہو گی؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''سیونارا۔'' گی کا لہجہ مدھم اور بجھا بجھا سا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''گڈ بائے۔'' ہولے سے ہاتھ ہلا کر وہ پلٹا تھا اور پھر باہر نکلنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان، اوزی سے مل کر نکل رہا تھا۔جب بیرونی سیڑھیوں پر ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھی انابیہ شاہ پر نگاہ پڑی تھی۔قدم خود بہ خود رک گئے تھے۔وہ بہت آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔انابیہ شاہ نے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا تھا۔عفنان علی خان بہت رسمی سے انداز میں مسکرایا تھا۔

''اچھے دوستوں کو کوئی اس طرح پریشان کرتا ہے؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔انابیہ شاہ بہت چونکتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

''پریشان؟ میں نے کسے پریشان کیا ہے؟'' مدھم لہجے میں حیرت بہت واضح تھی۔ وہ اس لمحے عفنان علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اوزی کو۔ انابیہ شاہ! تمہیں نہیں لگتا تم اس کے ساتھ کچھ غلط کر رہی ہو؟''

انابیہ شاہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''اوزی کی عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے کی۔''

''اور تم؟'' عفنان علی خان نے اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا عفنان علی خان! کہ میں پریشان ہوں؟''

''اچھا، تو تم پریشان نہیں ہو؟'' وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ خاموشی چار سُو پھیلنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''آئی ایم سوری انابیہ شاہ!'' لہجہ مدھم تھا۔

اور وہ بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی اور عفنان علی خان اس کی سمت خاموشی سے دیکھتا ہوا نظر پھیر گیا تھا۔

''ابھی تک ہمارے درمیان کوئی رشتہ استوار نہیں ہوا ہے نا انابیہ شاہ! کوئی ربط نہیں بنا ہے۔ جو ہے اس کا کوئی نام بھی نہیں ہے۔ نہ دوستی، نہ ہی دشمنی۔ مگر انابیہ شاہ! میں پھر بھی تمہارے لیے کچھ خاص محسوس کرتا ہوں۔ تمہارے متعلق خاص رنگ سے سوچتا ہوں۔ تمہیں خاص زاویے سے دیکھتا ہوں۔ تمہارے سُکھ، تمہارے دُکھ، تمہاری ہنسی، تمہاری خوشی، تمہارا افسردہ ہونا یہ سب بہت معنی رکھتا ہے میرے لیے۔ انابیہ شاہ! میں اس ربط کا کوئی مفہوم سمجھ نہیں پاتا مگر اس ربط کو بہت واضح انداز میں محسوس ضرور کرتا ہوں۔'' مدھم لہجے میں وہ کیسے کیسے انکشافات کر رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔

''انابیہ شاہ! مجھے وہ سارے رنگ بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر میں انہیں اپنے اِرد گرد ہوا دیکھتا ضرور ہوں۔ سب زاویے، سبھی حاشیے، انابیہ شاہ! ان سب کا سلسلہ تم سے کیوں جا ملتا ہے؟ میں کیوں تمہارے متعلق خود کو سوچنے سے باز نہیں رکھ پاتا۔'' اس کا مدھم لہجہ کتنے رنگوں سے بھرا ہوا تھا اور انابیہ شاہ کس درجہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم جب میری کچھ لگتی بھی نہیں ہو، ہمارے درمیان کوئی ربط، کوئی تعلق ہے ہی نہیں تو پھر یہ کیوں انابیہ شاہ؟...... پھر یہ سب کیوں؟...... ایسا کیوں انابیہ شاہ؟'' کتنے سوال تھے اس لہجے میں۔ ان آنکھوں کی تپش کس درجہ بڑھ گئی تھی۔ کتنی بے قراری عود کر آئی تھی اور انابیہ شاہ ایک پل میں چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''میرے پاس اس رشتے کو دینے کے لیے کوئی نام نہیں ہے انابیہ شاہ! اور میں جانتا ہوں تم بھی اس معاملے میں خود کو بہت بے

بس پاتی ہوگی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس ربط کا کوئی نام نہیں یا یہ ربط بے معنی ہے۔ بعض اوقات بہت سی چیزوں کے مفہوم سمجھ میں نہیں آتے۔ بہت سی باتیں عام فہم نہیں ہوتیں مگر وہ بے معنی نہیں ہوتیں۔ انہیں یونہی بے سبب جان کر چھوڑ دینا دانش مندی نہیں۔ بہت سی چیزیں وقت مانگتی ہیں، وقت چاہتی ہیں، اپنا آپ منوانے کے لیے اور باور کرانے کے لیے۔ دوستی اور دشمنی کو بھی وقت دینا چاہیے۔ وقت دینے سے بہت سے مدھم رنگ بھی گہرے ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ بھی واضح ہو جاتا ہے جو اس سے قبل واضح نہیں ہوا ہوتا۔ بہت مدھم سی مسکراہٹ عفنان علی خان کے لبوں پر تھی مگر انابیہ شاہ چہرے کا رُخ پھیرے خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔''

''پتہ نہیں تمہاری لوجک کیا ہے انابیہ شاہ! مگر میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ شیئر کرنے کی خواہش اپنے اندر پاتا ہوں۔ دوستی نہیں، دشمنی بھی نہیں مگر اس خاموشی میں بھی کچھ کہنے کو دل چاہتا ہے۔ شاید تمہیں مجھے سننا اچھا نہیں لگتا ہوگا مگر مجھے تم سے کہنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے انابیہ شاہ! میں تم سے بہت سی باتیں کروں۔ بہت سی باتیں۔ معنی، بے معنی بہت سی باتیں۔ کچھ کو تم سمجھو، کچھ کو نہیں۔ مگر میں تم سے کہتا چلا جاؤں۔'' وہ عجب دیوانگی سے کہتے ہوئے مسکرایا تھا پھر سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''ایسا شاید اس لیے ہے کہ اوزی کی طرح میر کوئی اتنا اچھا دوست نہیں ہے۔ اوزی از ریئلی اے لکی گائے۔ تم اس کی دوست ہو۔ اس کے ساتھ ہو۔''

انابیہ شاہ اس کی سمت خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی ست رنگی آنکھوں کو دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

انابیہ شاہ اسے کسی درجہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

عفنان علی خان اسے اس طرح ساکت چھوڑتا ہوا اُٹھا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ انابیہ شاہ کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

☆......☆......☆

فارحہ سر جھکائے چپ چاپ سی بیٹھی تھیں جب اذہان حسن بخاری ان کے قریب آن رکا تھا۔ فارحہ تب بھی نہیں چونکی تھیں۔ اسی طرح بیٹھی رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے انہیں دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے گھٹنوں کے بل جھک کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ تب فارحہ چونکی تھیں اور اس کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔

''تم سوئے نہیں؟'' بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا تھا۔ تب فارحہ جانے کیوں بہت خاموشی کے ساتھ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

''ممی!......میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ خود کو تنہا کیوں محسوس کر رہی ہیں؟ میں آپ کی اسٹرنتھ بننا چاہتا ہوں ممی! میں آپ کو بے حوصلہ نہیں دیکھ سکتا۔''

فارحہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میں جانتی ہوں میں کمزور نہیں ہوں۔ کیونکہ میرا بیٹا میری طاقت ہے۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں کمزور پڑ رہی ہوں؟''

اذہان حسن بخاری نے سر اُٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ان کی گود سے سر اُٹھاتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھوں سے پونچھنے لگا تھا۔

''ایک طرف آپ مجھے اپنی طاقت بھی کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف رو بھی رہیں ہیں ممی؟''

''رونے کے لیے فقط یہ جواز نہیں ہوا کرتا کہ کوئی کمزور ہے۔ رونے کے لیے بعض اوقات اور بھی باتیں سبب بن جایا کرتی ہیں۔'' مدھم لہجے میں وضاحت دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر بے حد بے بسی کے ساتھ دوسرے ہی پل چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''ممی! آپ کو لگتا ہے کہ رونے سے کسی مسئلے کا کوئی حل نکل سکتا ہے؟...... کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ آنسو بہا دینے سے وہ درد باقی نہیں رہے گا؟'' مدھم لہجہ بہت شکستہ سا تھا۔

فارحہ بہت آہستگی سے نظریں پھیر گئی تھیں۔

''میں جانتی ہوں، یہ درد لامتناہی ہے۔ عمر کی باقی ماندہ تمام مسافتوں پر محیط، دور تک پھیلا ہوا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں، فقط دو آنسو رو دینے سے یہ ختم نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی کسی بات کا مداوا ممکن ہے۔ مگر بعض اوقات بہت سی باتوں پر اختیار نہیں ہوا کرتا اور یہ کیفیت بھی انہی میں سے ایک ہے۔''

اذہان حسن بخاری سر اُٹھائے ان کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا تھا پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''ممی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ پاپا کی اس غلطی کو بھلا کر ہم پر، خود پر اس گھر پر توجہ دیں۔ ایسا میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ مجھے پاپا سے کوئی ہمدردی ہے مگر ممی! میں آپ کو کوئی معمولی سی زک پہنچتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کو ذرا سی بھی تکلیف ہوتی ہے تو میرا دل اس سارے جہاں کو تہس نہس کر دینے کو چاہتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا آپ پاپا کی غلطی کو فراموش کر دیں۔ پاپا کو معاف کر دیں۔ مجھے صرف آپ عزیز ہیں۔ آپ کو کسی طرح کا نقصان پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

فارحہ نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں ممی! ایسا آسان نہیں ہے...... ایسا نہیں ہے کہ مجھے آپ کے دکھ کا اندازہ نہیں ہے۔ مجھے اندازہ ہے۔ مگر......'' وہ جیسے مزید کہہ نہ سکا تھا۔ جذبات لہجے پر غالب آ گئے تھے اور وہ چپ ہو کر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

فارحہ نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔

''بیٹا! بہت کچھ بکھر جائے تو سمیٹنا کسی قدر دشوار ضرور ہو جایا کرتا ہے۔ مگر ایسا ناممکن نہیں ہے۔ بی آل رائٹ۔'' مدھم لہجے میں بیٹے کا حوصلہ بندھایا تھا۔ ''ایسا نہیں ہے کہ مجھے سنبھالنے کا فن نہیں آتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں جیسے ہی سب کچھ سمیٹنے کی کوشش کرتی ہوں تو سب

کچھ پہلے سے بھی زیادہ بکھر جاتا ہے۔'' فارحہ کے لہجے میں بہت شکستگی تھی۔ ''پہلے سے زیادہ بکھر جانا، سمیٹنا اور بھی مشکل کر دیتا ہے۔'' فارحہ جیسے تھک کر چپ ہوئی تھیں۔ مگر چہرے کا رُخ پھیرتے ہوئے جیسے اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپاتے ہوئے بولی تھیں۔

''تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔ تھک گئے ہو گے۔''

اذہان حسن بخاری نے مضمحل سا ہو کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''ممی! ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟''

اور فارحہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تبھی شاید وہ لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔

''ممی! آپ بچپن میں جب مجھے کہانیاں سنایا کرتی تھیں تو مجھے آپ کی زبان سے نکلے حرف حرف پر ایمان تھا۔ مجھے لگتا ہے تھا ممی! وہ جادو بھرے کردار جب چاہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ سارے حالات اپنے بس میں کر سکتے ہیں۔ تب مجھے لگتا تھا وہ سارے کردار سچ ہیں اور میں جب چاہوں ان کرداروں سے اپنی زندگی میں مدد لے سکتا ہوں۔ مگر ممی! آج مجھ پر کھلا ہے کہ وہ جادوئی کردار بھی اتنے ہی بے بس ہوتے، اگر وہ آج یہاں ہوتے۔ شاید آج اسی لیے مجھے کوئی بہلاوہ بہلا نہیں سکتا۔ مگر ممی! جانے کیوں میرا دل آج بھی یہ چاہتا ہے کہ آپ میرا سر اپنی گود میں رکھ کر اپنے ملائم ہاتھ میرے بالوں میں پھیریں اور مجھے وہی جادو بھری کہانیاں سنائیں جن میں سب کچھ ناممکن، ممکن ہو جایا کرتا تھا۔ اور......'' مدھم مدھم لہجے میں بولتے بولتے وہ رکا تھا۔ پھر بنا فارحہ کی طرف دیکھے یکدم ہی اُٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ فارحہ کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھی دیکھتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

متواتر بارش ہو رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے لینے آیا تھا۔

''شام میں فانی کا برتھ ڈے منانا چاہتی ہوں۔ کیا جانا ضروری ہے؟'' کسی قدر اُلجھن سے پُر نظروں سے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا اور وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، مگر ہم واپس لوٹ آئیں گے۔ فانی کی برتھ ڈے ساتھ منائیں گے۔'' تسلی سے مطلع کیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کہاں کا پروگرام ہے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ اس دم گہری ہو گئی تھی۔

''بے فکر رہو...... فی الحال ہنی مون کا کوئی پروگرام نہیں۔''

میرب سیال اس کی اس درجہ بے باکی پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اسے وہ چھوٹی سی شرارت بھی بہت کھلی تھی۔ یہی وجہ تھی شاید کہ جب وہ اس کے ساتھ نکل رہی تھی، نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ لبوں پر کوئی سوال نہ تھا۔ گاڑی سبک روی سے آگے بڑھ رہی تھی جب سردار

سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''پوچھو گی نہیں کہاں لے جا رہا ہوں؟'' نظروں میں ایک خاص چمک تھی۔ شاید وہ پھر مذاق کے موڈ میں تھا۔ مگر وہ اب کے پُر اعتماد انداز میں دھیمے سے مسکراتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں......غالباً مجھے اعتبار ہے۔''

''رئیلی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ میرب سیال مسکراتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''آپ کو حیرت کیونکر ہو رہی ہے؟ کیا میری طرف سے قبول نہیں کرتے کہ میں آپ پر اعتبار کروں گی؟'' اس کی سمت دیکھے بغیر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیر لیا تھا۔ میرب سیال کسی درجہ حیران ہوئی تھی۔ دھڑکنوں میں کسی قدر ارتعاش بھی واقع ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہ غور دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''مجھے باہمت لوگ اچھے لگتے ہیں۔ آنکھوں میں دیکھ کر، نظر ملا کر بات کرنے والے۔ نظر چرا کر بولنے والے چور لگتے ہیں۔''

ایک گہرا انکشاف کیا تھا اور میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''کچھ کہہ رہی تھیں تم؟'' جتایا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ہاں، اعتبار۔ یہی پوچھ رہی تھیں نا تم؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ''نہیں، اعتبار تو واقعی تم شاید کرنے لگی ہو اور مجھے اس بات کی خوشی بھی ہے میرب سیال! مگر تمہارا ایا تو فیس ایسا ہے یا پھر تمہیں اپنے تاثرات چھپانے پر ملکہ حاصل ہے کہ کبھی کبھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تمہارے چہرے کو ٹھیک طور پر پڑھ نہیں پاتا۔ اس کے باوجود کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو اپنے چہرے کو کسی قدر آسان کر لو۔ کبھی کبھی جو ایکسپریشنز سمجھ میں نہیں آتے تو بہت اُلجھن ہوتی ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انکشاف کیا تھا یا پھر اعتراف، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ شاید اسی لیے چند ثانیوں تک چپ چاپ سی اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''اس انداز سے مت دیکھو۔ ابھی توجہ کی اتنی پکی عادت نہیں پڑی ہے۔ کسی قدر کچا پن باقی ہے۔ کچھ کر بیٹھا تو پھر شکوہ کرو گی۔''

میرب سیال نے دیکھا تھا، اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ کوئی نیا ہی روپ تھا جو اس گھڑی اس کے سامنے آ رہا تھا۔ وہ کسی قدر حیران سی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''ایک بات کہوں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی مگر انداز شاید اجازت دینے والا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''مجھے اچھا لگا۔''

میرب سیال نے کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''تمہارا اپنے لیے پریشان ہونا، فکر مند ہونا۔'' مدھم لہجے میں گہرے اسرار تھے اور میرب سیال اس کی سمت دیکھتی ہوئی بہت ہولے سے نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''تھینکس...... تھینکس آلاٹ۔'' لہجہ سرگوشی جیسا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر شاید رسماً مسکرا دی تھی۔

''میں رشتوں پر اعتبار کر رہی ہوں سردار سبکتگین حیدر لغاری! مجھے نہیں پتہ کہ آگے کیا ہونے والا ہے یا کیا ہوگا، مگر میں صرف اس اعتبار پر اعتبار کر رہی ہوں جو مجھے آپ نے اس روز روک فیلر پر دلایا تھا۔'' مدھم لہجے میں اس نے انکشاف کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت چند ثانیے خاموشی سے دیکھتا رہا تھا، پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب ٹھیک نہیں، یا ایسا کر کے تم کوئی غلطی کر رہی ہو؟'' گہری آنکھیں اس صبیح چہرے کو بہ غور دیکھ رہی تھیں۔

میرب سیال نے اس کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ اعتبار کوئی غلطی ہے۔ اگر یہ غلطی ہوتی تو میں اسے قطعاً نہ دہراتی۔'' مختصر سا جملہ بہت کچھ جتانے کو تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا

''تمہیں لگتا ہے گزری باتوں کو دہرا کر کچھ حاصل ہو سکتا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا اور میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''سرپرائز۔'' وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ ''اعتبار ہے نا؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا اور میرب سیال سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

تبھی گاڑی رکی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تھا۔

''گاڑی ایک انتہائی خوبصورت گھر کے سامنے رکی تھی اور اس کی نگاہیں خیرہ ہونے لگی تھیں۔ وہ محل تھا کوئی، بہت سے پھولوں سے ڈھکا، سفید دودھیا سا، وہ جیسے کسی خواب میں سفر کرنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب آن رکا تھا۔''

''یہ......!'' کسی قدر حیرت سے چونک کر اس نے اس گھر کی سمت اشارہ کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''اپنے گھر میں قدم نہیں رکھو گی؟''

''اپنا گھر؟'' وہ دوسری بار چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا ہاتھ تھامتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اِٹس یور ہنی!'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر بڑھنے لگا تھا اور وہ جیسے کسی خواب میں سفر کرنے لگی تھی۔ اتنا بڑا گھر تھا اور اتنا ویل فرنشڈ کہ وہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

''اچھا لگا تمہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری ڈور پر سے پردے سرکاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ بارش کے پانی کی کتنی بوندیں اس شیشے پر تھیں۔ شیشے سے باہر نظر آنے والا لان کا سبزہ بہت بھلا تاثر دے رہا تھا۔

''تھینکس! مگر اس کی کیا ضرورت تھی؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر دو قدم کا فاصلہ عبور کرتا اس کے قریب آن رکا تھا۔ اسے شانوں سے تھاما تھا اور کسی قدر قریب کر لیا تھا۔ میرب سیال کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ ایک ہلچل سی یہاں سے وہاں تک پھیلی گئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''ضروری نہیں ہنی! محبت ...... اسے محبت کہتے ہیں اور میرا خیال ہے محبت کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔'' مدھم لہجے میں بہت سے رنگ تھے مگر میرب سیال میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سر اُٹھا کر اس کی سمت اس لمحے دیکھ سکتی۔ وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اس کا جھکا چہرہ اوپر اُٹھایا تھا اور اسے بہ غور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''محبت کوئی مہربانی نہیں میرب سیال! کہ اس کے لیے تعرض برتا جائے یا پھر مشکور ہوا جائے۔ غالباً ایک حق ہے، جسے بہت اعتماد کے ساتھ قبول کرنے کا فن آنا چاہیے۔''

پتہ نہیں فضا میں خنکی بہت زیادہ تھی یا پھر اس شخص کی قربت ہی میں کوئی اسرار تھا کہ وہ کسی قدر کانپنے لگی تھی۔

سر جھکائے کھڑی وہ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی توجہ کا مرکز تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے گرد اپنا حصار کچھ اور بھی تنگ کر دیا تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا موسم کچھ بدل رہا ہے اور محبت کا آغاز اب ہوا ہی چاہتا ہے؟'' لبوں پر دھیمی مسکراہٹ لیے وہ اس سے مخاطب تھا اور میرب سیال اپنی آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔ اندر ایک ہلچل سی برپا ہو گئی تھی۔ سارا وجود جیسے کسی طوفان کی زد پر آ گیا تھا۔ اس قربت سے جیسے سارا وجود جلنے کو تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کی سمت بہ غور دیکھا تھا پھر جانے کیوں اس کے گرد سے اپنا حصار بہت آہستگی سے ہٹاتے ہوئے اسے اس قربت سے آزاد کر دیا تھا۔

میرب سیال نے اُس کے اس اقدام پر کسی قدر سکھ کا سانس خارج کیا تھا۔ مگر نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت اس میں اب بھی نہ تھی۔

''میرب!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نگاہ شیشے کی سمت پھیرتے ہوئے باہر کا جل تھا منظر بہ غور دیکھا تھا۔

''جی؟'' بہت مشکل سے اس نے حلق سے آواز برآمد کی تھی۔

''کیا تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو؟'' مدھم لہجے میں پوچھا گیا سوال بہت اَن ایکسپیکٹڈ تھا۔ شاید تبھی میرب کسی قدر چونک کر اس

کی سمت دیکھنے لگی تھی۔وہ کہہ رہا تھا۔

''اگر تمہارا ڈر کچھ دور ہو گیا ہو تو بیٹھ جاؤ......میں تمہارے لیے کافی لے کر آتا ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری گویا ہوا تھا اور پھر یکدم ہی مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

میرب سیال سر جھکائے اسی طرح کھڑی رہی تھی۔

کیسا تھا وہ شخص......وہ کیوں اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے حیرت ہے اوزی!......تم میں اتنی بھی ہمت نہیں؟'' انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا مگر اوزی چونکے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''نہیں۔میں کم ہمت نہیں ہوں انابیہ شا! مگر میں کسی قدر محتاط ضرور ہوں۔حالات میرے بس میں نہیں ہو سکے اس لیے انہیں میں مزید اُلجھانا نہیں چاہتا۔'' ایک نیم جاں سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی اور انابیہ شاہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

''کم ہمت اور بزدل، اور کسے کہتے ہیں اوزی؟''

اوزی ہنس دیا تھا۔

''وہ جو مکمل طور پر کاورڈ ہو۔میں مصلحت پسند ہوں اس لیے تم مجھے کسی قدر رعایت دے سکتی ہو۔'' وہ غیر سنجیدہ تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اتنے کم ہمت ہو کہ کسی کا سامنا بھی نہیں کر سکتے۔''

اوزی نے لب بھینچ لیے تھے، اسے دیکھا تھا اور پھر بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''تم چاہتی ہو کہ سب کچھ پہلے سے بھی زیادہ بکھر جائے؟''

''نہیں......میں ایسا نہیں کہہ رہی۔مگر فقط ایک رسمی سی ملاقات کی ہمت تو تم میں ہونی چاہئے۔یہ دنیا جتنی بڑی ہے اتنی ہی مختصر بھی ہے۔کبھی کبھی ہم جن سے بچنے کے لیے بھاگتے ہیں نادانستگی میں انہی سے جا ٹکراتے ہیں اور تم تو پھر زیادہ فاصلے پر نہیں ہو۔ایک ملک ہے، ایک شہر ہے اور......'' انابیہ شاہ تھک کر چپ ہو گئی تھی۔

اوزی مسکرا دیا تھا۔

''اور بخیے اُدھڑ گئے تو دوبارہ رفو گری کون کرے گا؟'' کسی قدر غیر سنجیدہ انداز سے اسے دیکھا تھا۔مگر انابیہ شاہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔اوزی شرارت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''اگر رفو گری کا وعدہ کرو تو میں پیش قدمی کرنے کو تیار ہوں۔لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انابیہ شاہ اسے گھورتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔''

''شٹ اَپ اوزی!''

مگر وہ ہنس پڑا تھا۔

''یار! ایک بات تو کنفرم ہے، یہ لڑکیاں رفو گری بہت اچھی کرتی ہیں۔ پھاہے رکھنے میں انہیں کمال حاصل ہے۔ زخم دنوں میں ٹھیک ہوتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی نشان تک باقی نہیں رہتا۔''

''ہم ایک اہم پہلو پر بات کر رہے تھے اوزی!'' انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر ناگواری سے دیکھا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں ...... تو کیا کروں؟ جاؤں اور گھنٹے ٹیک دوں؟ ہتھیار ڈال دوں یا پھر فرار ہو جاؤں؟ ...... یار! کچھ زیادہ ہی غلط قسم کے مشورے نہیں دے رہی ہو تم مجھے؟ کیسی دوست ہو تم، میری ریپوٹیشن خراب کرنے کے چکر میں ہو۔'' اوزی شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ تبھی اوزی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے ملائمت سے بولا تھا۔

''سنو میری دوست! میری اچھی سی ہمدرد! ایسے نہیں ہوتا ہے۔ جو بیت گیا سو بیت گیا۔ دبی راکھ کو دانستہ کریدنے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ہم اجنبی ہی بنے رہیں تو اچھا ہے۔ اس اتنے بڑے، اجنبی دیس میں کسی اجنبی سی جگہ میں، اجنبی سے مقام میں۔ اگر کہیں بھولے سے مل بھی جائیں تو اجنبی بن کر، بنا کچھ کہے اِک دوجے پر نگاہ کیے گزر جائیں۔ یہی مناسب ہے۔ چیز اپنی ہو تو استحقاق جمانا بھی اچھا لگتا ہے اور دھونس جمانا بھی۔ مگر شے پرائی ہو تو اس کے جلوے بھی پرائے ہوتے ہیں۔ تمہاری سمجھ میں یہ اتنی چھوٹی سی بات نہیں آتی۔'' مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی تھی اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔ ''پرائے مال پر نظر رکھنا کوئی اچھی بات تو نہیں انابیہ شاہ! کتنی بری باتیں سکھا رہی ہو تم مجھے۔'' انداز شرارت سے پُر تھا۔ وہ غالباً ان ساری باتوں کو مذاق میں اُڑانا چاہ رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے چپ چاپ دیکھا تھا، کچھ نہیں تھا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

''جو موڑ گزر گیا سو گزر گیا۔ پلٹ کر دیکھنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ دیکھوں گا بھی تو سارے منظر گرد آلود اور دھواں دھواں ملیں گے۔ پھر فائدہ؟''

''کس بات سے فائدہ نہیں؟'' دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے جب ایک تیسری آواز نے انہیں چونکا دیا تھا۔ دونوں نے نگاہ کی تھی۔ عفنان علی خان ان کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''تم لوگ کچھ خاص ڈسکس کر رہے تھے؟''

''ارے نہیں یار! ہم میں ایسا کچھ خاص نہیں کہ کچھ خاص ڈسکس کریں۔ تم سناؤ، یہ چپکے چپکے چھاپہ کیسے مار دیا؟ آج شام کا تمہارا

شیڈول تو خاصا ٹف تھا نا۔ آنٹی سے بات ہوئی تھی صبح، بتا رہی تھیں تمہیں اسٹیٹس جانا تھا؟"

عفنان کرسی کھینچ کر مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"ہاں...... جانا تو تھا۔ مگر پاپا نے وہ اسائنمنٹ اپنے ذمے لے لیا۔ یو نو ایکسپیرینس اِز دی بِگ گیم۔ سو ہم رد ہو گئے اور پاپا جی کو اپنی عمر اور تجربے کا فائدہ مل گیا۔" وہ مسکرایا تھا۔

نگاہ اس چہرے پر گئی تھی۔ انابیہ شاہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی اور عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"چائے کافی کچھ نہیں ملے گی؟" براہِ راست دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اُٹھنے کا قصد کیا تھا تب ہی اوزی نے روک دیا تھا۔

"تم بیٹھو، کافی میں بنا کر لاتا ہوں۔"

"اپنی دوست کا اتنا خیال۔" عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"یار! دوست ہے نا۔ اور اس کی طبیعت یوں بھی ان دنوں کچھ بہتر نہیں۔ اگر کافی کی جگہ کچھ اور بنا لائی تو؟" اوزی مسکراتا ہوا پلٹا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کی طبیعت کے متعلق غالباً تشویش ہوئی تھی۔

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں۔ ٹھیک ہوں میں۔ اوزی تو بس خوامخواہ۔" اس کا انداز سرسری تھا۔

مگر عفنان علی خان کی نظریں اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔

"اپنا خیال رکھا کرو...... خود سے اس درجہ لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔" مشورے سے نوازا تھا۔ وہ کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"اوزی کی عادت ہے۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ غور سے دیکھئے اور بتایئے، آپ کو لگتا ہے کہ مجھے کچھ ہوا ہے؟" اسی اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی پر ایک نگاہ کرو اور اس کے اندر کوئی طوفان برپا نہ ہو، وہ اپنا آپ نہ بھلا دے۔" اس کی رو پھر بہکنے لگی تھی اور انابیہ شاہ تھک کر جیسے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا عفنان علی خان! تم بے معنی اور لایعنی باتیں زیادہ کرتے ہو؟" کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں دریافت کیا تھا مگر وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"کیا کروں...... ہوش باقی ہی نہیں رہتے۔ کچھ سوچوں تو با معنی بات بھی کروں۔ یہاں تو یہ عالم ہوتا ہے کہ جو کہہ رہا ہوتا ہوں اس کی بھی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ جو دیکھ رہا ہوتا ہوں وہ بھی سب خواب خواب سا لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے۔ یہ بے خودی سدا یونہی بنے رہے۔ مگر میں جانتا ہوں ایسا ممکن نہیں۔ سچ پوچھو تو یہ ہوش مندی کے لمحے زیادہ ظالم ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ انداز بے حد غیر سنجیدہ تھا۔

انابیہ شاہ لب بھینچ کر نظروں کا رُخ پھیر گئی تھی۔

"تم نے سوچا کبھی؟" بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

"کیا؟" انابیہ شاہ بے طرح چونکی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"ہمارے مابین کیا ہونا چاہیے...... دوستی یا پھر دشمنی؟" انداز میں شرارت تھی اور انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"مجھے کبھی کسی سے دشمنی رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور دوستی کے لیے میں بہت وقت لیتی ہوں۔"

"کتنا وقت؟...... دو، چار، چھ یا پھر دس، کتنے سال؟" وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ اس کے انداز پر مسکرا دی تھی۔

"فی الحال وقت کا تعین ممکن نہیں عفنان علی خان! زندگی بڑی ان پری ڈکٹبل ہے اور دوستی اور دشمنی اس سے بھی زیادہ۔" انابیہ شاہ بولی تھی اور وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

کچن میں اوزی کافی تیار کرتے ہوئے زور و شور سے گنگنا رہا تھا۔

"دور جتنا بھی تُو مجھ سے

پاس تیرے میں

اب تو عادت سی ہے ایسے جینے میں

زندگی سے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے

اب تو زندہ ہوں میں اس نیلے آسمان میں"

عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"دور جتنا بھی تو مجھ سے

پاس تیرے میں

اب تو عادت سی ہے ایسے جینے میں"

اوزی کی آواز متواتر ان تک پہنچ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے بے حد چونک کر دیکھا تھا۔ مگر عفنان علی خان کی محویت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان ست رنگی آنکھوں کو بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

''میں اکثر سوچتا ہوں اس گزرتے ہوئے ماہ و سال میں کہیں کوئی دن ایسا ہے بھی کہ نہیں جو اپنے سنگ کچھ نئے رنگ باندھ کر میری طرف آئے گا اور مجھ سے کہے گا کہ لو جو کچھ تمہارا تھا وہ تمہیں آج سونپ دیا، رکھو اپنی امانت اپنے پاس اور مجھے جانے دو۔ مگر میں پھر لوٹ کر آؤں گا، تمہارے لیے اس سے بھی کہیں زیادہ اپنے سنگ سمیٹ کر سوچتا ہوں ایسا ہونا بھی ہے یا کہ نہیں۔ ایسا ہو گا بھی کسی دن یا کہ نہیں۔ کہیں یہ میرے خواب، میری خواہش سب بے معنی ہی نہ ہوں۔ یہ جو میں سب دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں سب کہانیاں ہی نہ ہوں کہ آنکھ کھولوں اور کچھ باقی بچے ہی نہ۔'' وہ تھک کر جیسے چپ ہو گیا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''انابیہ شاہ! جو جہان خیالوں میں، خوابوں میں آباد ہوتے ہیں وہ حقیقت میں آباد کیوں نہیں ہو سکتے؟ ناممکن تو کچھ بھی نہیں۔ پھر اتنا کچھ بے معنی کیوں رہتا ہے؟ کیوں جاں سلگتی ہے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا؟''

انابیہ شاہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور عفنان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ اوزی کافی لے آیا تھا۔

''ہیلو...... کہاں غائب ہو تم دونوں؟ ...... ایک ساتھ ہوتے ہوئے بھی اتنی خاموشی؟'' مسکراتے ہوئے کافی کے کپ ان کے سامنے رکھے تھے۔ عفنان علی خان نے ان ست رنگی آنکھوں کو دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''کبھی کبھی جو جتنا قریب نظر آتا ہے در حقیقت اتنا ہی دور ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہ سمجھ میں آنے والی ہے۔''

عفنان علی خان اُٹھا تھا اور پھر پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ اوزی نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

☆......☆......☆

گھر دیکھنے کے بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا تم کچھ زیادہ ہی خاموش رہتی ہو...... تمہاری عمر کی لڑکیاں تو بہت بولنے والی ہوتی ہیں۔'' اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ میرب نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''ضروری تو نہیں کہ تمام لڑکیاں ایک جیسی ہی ہوں۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

''ہاں ...... جیسے سبھی لڑکے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ لیکن تم اتنی چپ چپ، گم صم گم صم ہو گی تو ہم ایک دوسرے کو جانیں گے کیسے؟ ...... تم میرے بارے میں کیسے جانو گی؟''

میرب سیال مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر سوچتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تم سوال کر سکتی ہو۔''

''کیسے سوال؟''

''ایسے سوال جن کی مدد سے تمہیں جاننے میں مدد ملے۔''

''کیا ایسا کرنے سے ایک دوسرے کے متعلق جانا جا سکتا ہے؟'' میرب سیال کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

''پتہ نہیں......شادی شدہ زندگی کا یہ میرا بھی پہلا ہی تجربہ ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اچکاتے ہوئے کہا تھا اور دونوں ہی مسکرا دیئے تھے۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ میوچل انڈر اسٹینڈنگ کے لیے ان سب باتوں کا سہارا لینا ضروری ہے۔ یہ خود بخود کری ایٹ ہوتی ہے۔ جیسے کہ میں تمہیں کسی قدر سمجھنے لگا ہوں۔ اسی طرح تم بھی یقیناً مجھے کسی قدر سمجھنے لگی ہو گی۔''

میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ فقط خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''تمہیں گفٹ پسند آیا؟'' براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہوں۔'' میرب سیال نے سرا ثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اور میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز کسی قدر مختلف تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں......وہ یکدم ہی نگاہ چرا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''بتاؤ گی نہیں تو پتہ کیسے چلے گا؟''

''آپ کو یہ بات جاننے کی جلدی ہے......؟'' میرب سیال نے جواباً پُر اعتماد انداز سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

''کوئی بھی نتیجہ اخذ کر لینا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ بہت سی باتوں کے لیے وقت درکار ہوا کرتا ہے۔ سچ کہوں تو میں ابھی واقعی آپ کو سمجھ نہیں پائی ہوں۔ شاید یہ عمل کچھ دقیق ہو گا۔''

''اور کیا ناممکن بھی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے نظر پھیر گئی تھی۔

''ایسا میں نے نہیں کہا اور یقیناً ایسا ہے بھی نہیں۔ بٹ اِٹ ٹیکس ٹائم۔'' وہ پُر اعتماد لہجے میں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تم جتنی پُر اعتماد بولنے میں نظر آتی ہو، خاموشی میں نہیں لگتی ہو۔'' تجزیہ کیا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''آپ مجھے اس قدر بے وقوف اور کم عقل جانتے ہیں؟'' کسی قدر افسوس ہوا تھا کہ وہ اس کے متعلق ایسا سوچتا ہے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ...... ایسی بات نہیں ہے۔لیکن سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔لیکن تم چپ رہنے سے بولنے میں زیادہ عقل مند لگتی ہو۔''
عجیب رائے تھی۔میرب سیال کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''کیا اب مجھے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں ذہین ہوں، بولتے رہنا ہوگا۔''

''ہاں ......اس لیے بھی کہ مجھے تمہیں سننا اچھا لگے گا۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ حیران سی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت سے نگاہ پھیر چکا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا ہے؟......اتنے چپ چپ سے کیوں ہو؟'' ساہیہ خان نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا اور اسی طرح خاموشی سے چلتا رہا تھا۔

''اذہان حسن بخاری! کبھی کبھی خاموش رہنے سے اُلجھنیں اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔اور میں نہیں چاہتی کہ تمہارے معاملے میں ایسا کچھ ہو۔''

اذہان حسن بخاری تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ساہیہ نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے اذہان حسن بخاری! مگر اس طرح طاری کر لینے سے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔تم اگر مجھے کچھ نہیں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ۔مگر اس طرح چپ رہ کر مجھے اُلجھن میں بھی مبتلا مت کرو۔''

اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''جانتے ہو اذہان حسن بخاری! جب میں یہاں آئی تھی اور پہلے دن تمہیں دیکھا تھا تو تم اس روز بھی مجھے ایسے ہی لگے تھے۔زندگی سے بہت دُور......زندگی سے بہت خالی۔مجھے لگا تھا رنگوں سے کبھی تمہارا واسطہ رہا ہی نہیں۔رنگوں کو کبھی تم نے دیکھا ہی نہیں......بہت بے رنگ اور خالی لگے تھے تم مجھے۔اور میرا دل چاہا تھا، بہت سے رنگ بھر دوں تم میں۔تمہارے اندر نئے احساس جگا دوں۔تمہیں ایک نئے زاویے سے دیکھنا سکھا دوں۔نئے سلیقے برتنا سکھا دوں۔'' ساہیہ خان بولی تھی اور اذہان حسن بخاری اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ خان! رنگ کتنے بھی گہرے ہوں، بالآخر اپنا تاثر کھو ہی دیتے ہیں۔کیونکہ زندگی ان رنگوں سے بھی کہیں زیادہ گہری ہے۔بے حد گہری، اپنے ہر ہر موڑ پر بے طرح چونکا دیتی ہے۔''

''اگر تم اسی طرح زندگی کے سامنے کم ہمت پڑتے رہو گے تو کیا مشکلات کا حل نکل آئے گا اذہان حسن بخاری؟'' ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری بہت آہستگی سے چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''ساہیہ! مجھے کبھی نہیں لگا کہ میں کم ہمت اور کمزور ہوں......مگر جب میں خود سے وابستہ افراد کو کسی مشکل میں دیکھتا ہوں تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کس قدر بے بس اور کمزور ہوں۔ میں ان لمحوں میں جب کسی شے کا تدارک نہیں کر پاتا ہوں تو اور بھی شکستہ ہو جاتا ہوں۔ ایسا ہونا مجھے اور بھی توڑ جاتا ہے۔ میں اور بھی بکھر جاتا ہوں......خود اپنی جان پر مشکل ہو تو جھیلنا آسان ہے۔ مگر اپنے کسی بہت پیارے کو کسی تکلیف میں دیکھنا بہت مشکل ہے۔'' اس کا لہجہ مدھم اور کسی قدر شکستہ تھا۔

ساہیہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''میرا دل چاہتا ہے ساہیہ خان! میرے پاس کوئی منتر ہو......کوئی اسم ہو...... میں اسے اس دم پڑھوں اور سب کچھ اچھا ہو جائے۔ کوئی جادو کی چھڑی ہو، اسے وقت پڑنے پر گھماؤں اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے اور کوئی مشکل باقی نہ رہے۔''

ساہیہ خان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! کبھی کبھی تم مجھے بہت بچے سے لگتے ہو۔ بہت انوسینٹ سے۔ جو دنیا کے سارے لوگوں سے خوفزدہ ہے اور ان کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ مگر جب کر نہیں پاتا تو بہت ڈس ہارٹ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں ایسا ہے بھی کہ نہیں مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں اگر ایسا نہیں بھی ہے تو ہر انسان کے اندر ایک بچہ ہوتا ہے جو خوفزدہ بھی ہوتا ہے اور وقت پڑنے پر بہادر بھی ہونا چاہتا ہے۔ اگر آپ بہادر نہیں بھی ہیں تو صرف ایسا سوچنے سے ہی ہو سکتا ہے۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اپنی اس ہمدرد کو دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''تم مجھے کچھ زیادہ ہی کیئر وِل نہیں لے رہی ہو؟''

''اگر میں تمہیں نارمل بھی لوں گی تب بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ غالباً یہ خوشی اس کا موڈ بحال ہو جانے کی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ خان! میں ہمیشہ سے ایسا نہیں ہوں۔''

''ہاں......تم ہمیشہ سے جیسے ہو، میں جانتی ہوں۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اس کی سمت چاکلیٹ کا پیکٹ بڑھا دیا تھا۔

''ڈیپریشن لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لو، چاکلیٹ کھاؤ اور کسی قدر ریلیکس ہو جاؤ۔'' اس کا انداز بدستور شوخ تھا۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لیا تھا۔

''اب یہ مت کہنا کہ اتنا میٹھا کھاتی ہوں اسی لیے موٹی ہو رہی ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں میں موٹی ہرگز نہیں ہوں۔ اس لیے تمہارے چھیڑنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''تمہیں کوئی بات زندگی میں مشکل نہیں لگتی؟......تم ہر شے کو اتنا ایزی کیسے لے لیتی ہو؟''

''کیونکہ میں جانتی ہوں اذہان حسن بخاری! میرے ایسا نہ کرنے سے بھی چیزیں اور ان کی نوعیت جوں کی توں رہے گی۔ سو میرے خواہ مخواہ کے برڈن لینے اور پریشان ہونے سے جب کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے تو پھر میں ان باتوں کو اتنا ہیوی کیوں لوں؟ سو میرے دوست! ٹیک اِٹ لائٹ اینڈ میک یور لائف برائٹ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ ہنسو، مسکراؤ اور سب کچھ بھول جاؤ۔ یاد رکھو صرف وہ باتیں جو کام کی ہیں۔'' وہ چاکلیٹ کی بائٹ لیتے ہوئے مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ تبھی اس کا پرسنل ڈیجٹ سیل بجا تھا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو...... ماہا! کیا ہوا؟''

''بھائی وہ......'' ماہا دوسری طرف بہت پریشان لگ رہی تھی۔

''ماہا!...... ہیلو ماہا!...... ٹیل می، کیا ہوا ہے؟...... تم رو کیوں رہی ہو؟''

اذہان حسن بخاری کا سارا سکون ہوا ہو چکا تھا۔

دوسری طرف ماہا بہت پریشان لگ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے چہرے کی کیفیت یکسر بدل چکی تھی۔

''ماہا! ڈونٹ وری۔ میں آ رہا ہوں۔'' بہت سرعت سے اذہان حسن بخاری نے سیل فون کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور اسی تیزی سے گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔

''اذہان! کیا ہوا ہے؟'' ساہیہ خان نے اسے بہت پریشانی سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں۔ مگر ماہا بہت پریشان ہے۔ میرا گھر پہنچنا بہت ضروری ہے۔''

''میں بھی ساتھ چلوں؟'' ساہیہ نے عجلت سے اس کی سمت بڑھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے دروازہ کھولتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور پھر اسی سرعت سے گاڑی میں بیٹھا تھا اور گاڑی بھگا لے گیا تھا۔ ساہیہ نہیں جانتی تھی کہ دوسری طرف صورتِ حال کیا تھی مگر وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔ یقیناً کچھ تو تھا جس کے باعث ماہا اتنی پریشان تھی۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی ذہن جتنا سوچتا ہے، اتنا ہی اُلجھتا جاتا ہے اور وہ دانستہ طور پر کچھ بھی سوچ کر اُلجھنا نہیں چاہتی تھی مگر بعض باتوں پر اختیار نہیں ہوا کرتا۔ اور وہ بھی سوچوں کے اس جال سے خود کو بچا نہیں پا رہی تھی۔

رہ رہ کر ذہن اس طرف جا رہا تھا۔ رہ رہ کر سارے منظر نگاہ میں گھوم رہے تھے۔ رہ رہ کر ساری باتیں خود میں جکڑ رہی تھیں۔ وہ لمحے بھر کی قربتیں، وہ حدتیں، وہ شدتیں، بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔ اور میرب سیال سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟

شاید وہ شخص اسے کسی قدر حیران کر رہا تھا۔ وہ اس کی باتوں، اس کی پرسنالٹی کے سحر میں کچھ اُلجھ رہی تھی۔ کچھ تھا جو باعث اضطراب تھا۔

وہ رات کے اس پہر، واک کرتے ہوئے پلٹی تھی جب اپنے سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کھڑا دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یقیناً اسے یہ خواب کا کوئی سلسلہ لگا تھا یا پھر اپنا کوئی وہم۔ تبھی سر جھٹکتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا جب اس شخص نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میرب سیال بری طرح چونکی تھی۔ ٹھٹکی تھی۔ چند ثانیوں تک یونہی کھڑی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے نگاہ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا اور اس کے روبرو ہونے کا یقین کیا تھا۔

"آپ؟" وہ حیرت سے بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے مسکرادیا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا، مجھے خواب جان کر تم کوئی غلطی کر رہی ہو؟"

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا پھر بہت مدھم انداز سے مسکرادی تھی۔

"میں حقیقتوں کو خواب سمجھنے والوں میں سے نہیں۔ یہ میرا خیال ہے مجھے خواب اور حقیقت میں امتیاز کرنا خوب آتا ہے۔" خود کو پُر اعتماد ظاہر کرنا چاہا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرادیا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم بہت سیانی ہو۔ خوابوں کو حقیقت سمجھنے کی غلطی تم یقیناً نہیں کر سکتیں۔"

"یہ تعریف ہے کوئی یا پھر......؟" میرب سیال نے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اگر اعتراف کہوں تو کیسا لگے گا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً مسکرایا تھا اور میرب سیال لب بھینچ کر مسکرادی تھی۔

"مجھے حیرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کوئی بھی رائے قائم کرنے میں ہر فرد آزاد ہے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے بلکہ کسی قدر دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔

"تمہارے متعلق کوئی بھی رائے حتمی طور پر قائم نہیں کی جاسکتی۔ جو بھی اخذ کرتا ہوں، بہت جلد اسے مسترد کرنا پڑتا ہے۔ تم بہت ان پری ڈکٹیبل ہو۔"

"ان پری ڈکٹیبل یا انٹلکچوئیل؟" میرب سیال بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔ پُر اعتماد آنکھوں میں بہت اُجلی روشنی کا ڈیرہ تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرادیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے......تم زیادہ حیران کن ہو یا پھر زیادہ ذہین؟"

"ہر ذہین! حیران کن ہی ہوتا ہے۔" اس نے کہا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔ میرب سیال کو اس شخص کو اس طرح ہنستا دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ تبھی شاید وہ اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری نے حیران ہوئے یا چونکے بغیر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"سیانے کہتے ہیں گرل فرینڈ چاہے جیسی بھی ہو، بیوی ہمیشہ ذہین ہونی چاہیے۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بیوی ذہین ہے۔ بے

وقوف محبوبہ کی طرح اس کے سامنے بین نہیں بجانا پڑتی۔'' وہ قطعاً سنجیدہ نظر نہیں آ رہا تھا اور میرب سیال مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''بے وقوف محبوبہ کے سامنے بین بجانے کی ضرورت یوں بھی پیش نہیں آتی کہ وہ ان باتوں سے ہٹ کر اپنی انگلی پر نچانا خوب جانتی ہے۔'' میرب سیال نے اس کے جملے کو گویا مکمل کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا، پھر گویا ہوا تھا۔

''تمہیں گھر پسند آیا؟''

''ہوں۔'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''میرب! میرا یہ خواب تھا، میرا ایک گھر ہو اس گھر میں کوئی ایسا، جس کے سامنے میں مودب رہوں۔ اس کی مانوں، اس کی سنوں، اس کے سنگ سنگ چلوں...... اور یہ سفر کبھی ختم نہ ہو، محبت بڑھتی رہے اور باقی کسی شے کی ضرورت باقی نہ رہے...... مجھے وقت نے کچھ ایسا سفر میں رکھا کہ کبھی کسی جگہ رک کر دو گھڑی قیام نہیں کر سکا۔ چہرے بہت سے دیکھے، لہجے بہت سے سنے، مگر کسی میں زندگی کی بازگشت سنائی نہیں دی میرب سیال! سب بہت رسمی سا تھا۔ بہت بے کیف اور کسی قدر بے مزہ۔ سچ کہوں، مجھے بھی کسی خاص کی چاہ کبھی نہیں تھی۔ کسی خاص چہرے کو دیکھنے کے متعلق میں نے کبھی نہیں سوچا، کبھی کوئی خواہش نہیں تھی کہ ایسا ہو جائے کہ باقی سب کچھ ماند پڑ جائے، ساری چمک دمک، ساری ظاہری وضع قطع اور......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری رکا تھا پھر اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ''میرب! میں نے کبھی خوابوں پر اعتقاد نہیں کیا۔ کبھی خواب نہیں بُنے۔ مگر تمہارا ساتھ اب مجھے اچھا لگنے لگا ہے میرب! بہت پھر لیا در بدر۔ اب ایک جگہ رکنے کو دل چاہتا ہے۔ تمہارے ساتھ میرب! تمہارے ساتھ چلنے کو دل چاہتا ہے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا اور میرب سیال اسے کسی قدر حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ یہ شخص اُسے واقعی حیران کر رہا تھا۔ وہ تقریب اعتبار منعقد کر رہی تھی۔ اس پر اعتبار کر رہی تھی۔ مگر اس درجہ، وہ ساکت سی کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر لبوں تک لے گیا تھا اور ایک خاص لمس نے اس کے اندر بہت سے احساس ایک ساتھ بیدار کر دیئے تھے۔

''وہ گھر تمہارے لیے ہے میرب! میرے سارے خوابوں سمیت۔'' کیسا یقین بول رہا تھا اس کے لہجے میں۔ مگر میرب سیال جانے کیوں اس لمحے چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''ہاں میرب! اب میں خواب دیکھنا چاہتا ہوں...... تمہارے بارے میں خواب...... کیا مجھے تم اجازت دو گی کہ میں تمہارے متعلق کوئی خواب دیکھ سکوں؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قربتیں کچھ نئی کہانیاں کہہ رہی تھیں اور میرب سیال اس لمحے آنکھیں بہت سختی سے میچ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ اس پر سے اپنی گرفت ہلکی کر دی تھی۔ میرب سیال کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''میرب!'' بہ غور تکتے ہوئے پکارا تھا۔

''ہوں۔'' میرب سیال نے دیکھے بغیر کہا تھا۔

''ایک بات کہوں؟''

''جی۔''

''اعتبار آنے میں چاہے دیر لگے مگر یہ اعتبار بہت مضبوط ہونا چاہیے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں اس صبیح چہرے کو بہ غور دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ''میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہم اب چلیں گے۔ تم اپنی پیکنگ مکمل کرلو۔ کچھ شاپنگ وغیرہ کرنا ہو یا دوستوں کے لیے گفٹس لینے ہوں تو فہرست بنا کر مجھے شیڈول سے آگاہ کر دینا۔ اوکے؟'' بہت کیئرنگ انداز میں دریافت کیا تھا۔

''اوکے۔'' میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرادی تھی۔

☆......☆......☆

اسے خدشہ تھا کہ کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اور یہی ہوا تھا۔ پاپا نے وہی کیا تھا اور ممی کی طبیعت یکدم ہی بگڑنے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری صورت حال تو نہ جانتا تھا مگر اسے معلوم تھا وہی معمول کی کوئی جھڑپ ہوئی ہوگی اور پھر تنازعہ اس حد تک بڑھا ہوگا کہ ممی کی برداشت جواب دے گئی ہوگی۔ پاپا بھی وہیں تھے مگر وہ فوری طور پر ان سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ مگر یہ ضرور ہوا تھا کہ اس کے اندر کا تناؤ بے حد بڑھ گیا تھا۔ فیض چاچو ممی کو ٹریٹمنٹ دے کر باہر نکلے تھے، تبھی وہ ان کی سمت بڑھا تھا۔

''چاچو!'' اس کا انداز بہت تھکا ماندہ تھا اور فیض حسن بخاری نے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''سب کچھ ٹھیک ہے...... ڈونٹ وری۔ بی پی کچھ بڑھ گیا تھا۔ مگر اب سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔'' فیض بخاری نے اس کا حوصلہ بندھایا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

''کیا بچوں کی طرح پریشان ہو رہے ہو...... کہا تو ہے سب کچھ ٹھیک ہے۔'' بہت ہولے سے بھتیجے کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔ مگر وہ مسکرایا نہیں تھا۔

''چاچو! کیا میں ممی سے مل سکتا ہوں؟''

''نہیں...... ابھی نہیں۔ میں نے میڈیسن دی تھی، وہ اب آرام کر رہی ہیں۔ یہ ان کے لیے بہت ضروری ہے۔''

''چاچو! کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟'' وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

''میں ڈاکٹر ہوں۔ مگر اس سے قبل تمہارا چاچو بھی ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے کچھ جھوٹ کہوں گا؟'' وہ دھیمے سے مسکرائے تھے۔ ''مگر ایک ہارٹ پیشنٹ کے لیے اس حد تک بڑھا ہوا بی پی میرے خیال میں کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ہمیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔ اور تم جیسے سعادت مند بیٹے سے میں یہ امید کرسکتا ہوں کہ تم ان کا بہت خیال رکھو گے۔'' انہوں نے بہت ملائمت سے کہتے ہوئے اس کا

موڈ بحال کرنا چاہا تھا مگر وہ تب بھی نہیں مسکرایا تھا۔

''اوکے......میں چلتا ہوں۔کوئی پریشانی کی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔'' فیض چاچو دوبارہ ہسپتال کے لیے نکل گئے تھے اور اس وقت کمرے میں صرف وہ دونوں باپ بیٹا رہ گئے تھے۔کتنی دیر خاموشی چار اطراف پھیلی رہی تھی۔اذہان حسن بخاری نے نگاہ اُٹھا کر باپ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔نہ ہی سعد حسن بخاری کچھ بولے تھے۔

ماہا کافی لے کر آئی تھی۔جب پاپا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے جانے کے متعلق آگاہ کیا تھا۔تبھی اذہان حسن بخاری گویا ہوا تھا۔

''ماہا!ان سے کہو میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

ماہا نے باپ کی سمت دیکھا تھا اور حیرت تو سعد حسن بخاری کی نگاہوں میں بھی تھی۔جواباً انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔مگر اذہان حسن بخاری نے تبھی قدم اٹھاتے ہوئے باپ کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

''ماہا!تم باہر جاؤ۔'' مدھم لہجے میں کوئی تحکم تھا۔ماہا نے ایک نظر باپ اور بھائی کی سمت دیکھا تھا پھر باہر نکل گئی تھی۔سعد حسن بخاری بہت حیرت سے بیٹے کی سمت دیکھ رہے تھے۔چہرہ مطمئن سہی مگر آنکھوں کی سرخی اس کے اندر کے انتشار کی بھرپور غمازی کر رہی تھی۔وہ کسی قسم کے سوال وجواب کے موڈ میں نہ تھے۔لیکن اس لمحے یہ جیسے ناگزیر تھا۔اذہان حسن بخاری باپ کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں ممی کی اس کیفیت سے قبل کیا واقعہ رونما ہوا تھا؟'' ایک بار پھر بیٹا، باپ کے مدمقابل تھا۔ایک بار پھر تناؤ کی کیفیت حد درجہ بڑھ چکی تھی۔

سید سعد حسن بخاری کے چہرے اور آنکھوں میں حد درجہ ناگواری در آئی تھی۔

''میرا نہیں خیال کہ میں تمہیں کسی طرح کی جواب دہی کا پابند ہوں۔'' ان کا انداز بے حد سخت تھا اور اذہان حسن بخاری انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''آپ نے جو چاہا وہ کیا۔جو آپ کو مناسب لگا وہ آپ نے روا رکھا۔پھر اب دوسروں کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں جینے نہیں دیتے؟......کیا آپ سمجھتے ہیں کہ زندگی پر صرف آپ کا حق ہے؟ اسے گزارنے کی لبرٹی صرف آپ کو حاصل ہے اور باقی سب ایک سانس لینے کے لیے بھی آپ کے پابند ہیں؟'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ مدھم تھا۔مگر سعد بخاری بیٹے کی گستاخی پر سخت طیش میں آ گئے تھے۔

''کیا ایسی فضول سی گفتگو کے لیے تم میرا اتنا ٹائم برباد کرنا چاہتے ہو یا پھر کوئی نئی بات بھی ہے تمہارے پاس کرنے کے لیے؟'' کسی قدر درشت انداز میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''نئی نئی باتیں عمل میں لانے کی رِیت تو آپ نے اپنے سر لے لی ہے۔ایک بار چونکا دینے والی صورت حال عمل میں لا کر جو داغ بیل آپ نے ڈالی تھی وہ اب آپ کی عادت ہو چلی ہے۔حیرت اس بات پر ہے کہ جب آپ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی خود کو حق پر سمجھتے ہیں تو پھر باقی لوگوں نے کیا قصور کیا ہے؟ آپ ان کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں ہر روز ایک رائی کا پہاڑ بنا دیتے

ہیں؟ جب سب کچھ وہ ہو رہا ہے جو آپ نے چاہا ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ آپ خوش ہے نا اپنی مرضی کر کے تو پھر باقی لوگ اپنی مرضی سے خوش کیوں نہیں رہ سکتے؟ آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ اس عورت کو؟ کیوں انگاروں پر گھسیٹ رہے ہیں آپ اُسے......کیا قصور ہے اس کا؟ کس شے کی کمی رکھی ہے اس نے آپ کی زندگی میں؟ سبھی کچھ تو دیا ہے۔ ایک گھر، سکون، بچے۔ پھر کیا چاہتے ہیں اب آپ اس سے؟ اُس نے آپ کے لیے سیکری فائس تک کر لیا۔ ایک عظیم قربانی کی امید رکھی ہو گی نا آپ نے ایک عورت ہونے کے ناتے ان سے۔ انہوں نے تو اس کا بھی ثبوت دے دیا۔ کوئی واویلا نہیں کیا، کوئی شور نہیں مچایا۔ ایک قیامت چپ چاپ سہہ گئیں وہ۔ پھر اب کیا چاہتے ہیں آپ ان سے؟" کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے لہجے کو سخت ہونے سے نہیں باز رکھ سکا تھا اور سعد حسن بخاری ساکت سے اپنے مقابل کھڑے بیٹے کو تکتے رہ گئے تھے۔

"شٹ اَپ اذہان!......تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ تم کس سے مخاطب ہو۔"

"معلوم ہے......معلوم ہے۔ تبھی تو......تبھی تو میرا لہجہ اب بھی اتنا ہی دھیما ہے اور انداز اتنا ہی مودب۔ جس عورت کو آپ اپنی زندگی سے خارج کر چکے ہیں اس نے ایسے آداب تو سکھائے ہی نہیں ہمیں کہ اپنے سے وابستہ رشتوں میں تمیز کر سکیں۔ آپ یہ مت سمجھئے کہ میں آپ سے کسی طرح کی بدتمیزی روا رکھ کر کسی بات کی تسکین کرنا چاہ رہا ہوں یا آپ کے مدمقابل کھڑا ہو کر آپ سے اپنی ماں کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کا بدلہ لے رہا ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اگر آپ سے کچھ چاہتا ہوں تو صرف اتنا، پلیز ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ جینے کا حق جتنا آپ کو ہے، ہمیں بھی ہے۔ بہت بہت اُلجھ جاتی ہے ہماری زندگی آپ کے ایک چھوٹے سے اقدام سے۔ ہم دنوں تک کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر تب بھی بات معمول پر نہیں آتی۔ اور جب صد ہزار کوششوں سے پلٹ کر اس مقام پر آتے ہیں آپ پھر چلے آتے ہیں سب کچھ ایک لمحے میں بکھیرنے۔ اور آپ......آپ کا ایک اقدام ہمیں پھر سے وہیں پر جا دھکیلتا ہے۔ کیوں......کیوں کرتے ہیں آپ ایسا؟......آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ ہمیں؟ آپ یہی کیوں چاہتے ہیں کہ صورت حال سدا کنٹرول میں رہے۔ گیند ہمیشہ آپ کے کورٹ میں رہے......میں، ممی، ماہا......کیا بگاڑا ہے ہم سب نے آپ کا؟......کیوں مینٹلی ٹارچر کر رہے ہیں آپ ہمیں؟......کیا آپ بھول گئے ہیں کہ ایک باپ کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ ایک شوہر ہونے کی ذمے داریاں تو آپ بھلا ہی چکے ہیں۔ کیا باپ ہونے کے فرائض بھی فراموش کر چکے ہیں؟......ممی کو تو ان کے مقام سے ہٹا ہی چکے ہیں، کیا آپ کی زندگی میں سے ہمارا مقام بھی خارج ہو گیا ہے؟" اذہان حسن بخاری کا مدھم لہجہ سعد حسن بخاری کو ساکت کر گیا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اسے اسی طرح ساکت نظروں سے تکتے رہے تھے۔ پھر بہت سخت انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"تمہیں مجھ سے اس انداز سے مخاطب ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نہ ہی ہم میاں بیوی کے نجی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق ہے......تم شاید بھول رہے ہو کہ میں وہی باپ ہوں جس نے آج تمہیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ تم جو کچھ بھی ہو میری وجہ سے ہو۔ مجھ سے کٹ کر تمہاری کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مانتا ہوں بڑے ہو چکے ہو تم، مگر اتنے بڑے قطعاً نہیں ہوئے کہ اپنے باپ کے مقابل آ کر

کھڑے ہوسکو۔ میں اپنے باپ ہونے کا کوئی فرض بھولا نہیں ہوں۔ تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش مت کرو۔ نہ ہی باور کرانے کی۔ میں اپنی ذمے داریوں سے خوب واقف ہوں۔ تم آج ہر بات کے لیے مجھے بلیم کر رہے ہو...... اپنے باپ کو...... مجھے، جس نے تمہیں آج اس قابل بنایا۔ حالانکہ اگر تم غور کرو تو اس سب کا سبب تم خود ہو۔ تم اذہان! تم نے یہ سارا معاملہ بگاڑا۔ تم اپنے باپ کے مقابل آن کھڑے ہوئے۔ جو کچھ بھی ہوا، آج تک جو بھی معاملہ پیش رہا اس کا سبب تم تھے...... تم۔ معاملہ ہم دونوں کا تھا، سلجھ بھی سکتا تھا۔ مگر تم نے اسے بڑھاوا دیا۔ وکیل بن کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ماں کے سپورٹر بن گئے اور مجھے سب کا دشمن فرض کر لیا۔ حالانکہ غور کرو تو جان جاؤ گے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون؟ بیٹے ہونے کی تمیز تم بھول سکتے ہو، میں نہیں۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ تم میرے بیٹے ہو...... یاد رکھو! بیٹا جتنا بھی بڑا ہو جائے، اپنے باپ سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں بھولا ہوں۔ سو تم بھی یاد رکھو۔“

سعد حسن بخاری نے مدھم لہجے میں باور کرایا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے نکل گئے تھے۔

اذہان حسن بخاری کتنی دیر تک خاموشی سے وہیں کھڑا اس سکوت میں کھوئے لفظوں کے مفہوم ڈھونڈتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی کسی صورت حال سے بچنے کی سعی کرنے کے سارے اقدامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ بھاگنے کی جتنی کوشش کی جائے، راستے قدموں سے بندھ جاتے ہیں۔ اور اگرچہ اس نے کوئی ایسی سعی تو دانستہ نہیں کی تھی مگر اس کے باوجود جب لامعہ حق اس کے سامنے آئی تھی تو وہ کتنی دیر تک اسے ساکت سا دیکھتا رہا تھا۔

”مئے اوزی! وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔ کب لوٹے تم؟“ بے حد گرمجوشی سے اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے وہ کسی قدر دلفریبی سے مسکرا رہی تھی اور اوزی فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔ اس اتفاقی حادثے پر فقط مسکرانے کے اس کے پاس جیسے کوئی چارہ نہ تھا۔

”واپس آگئے ہو اور بتایا تک نہیں۔ ایسی لاتعلقی کی امید تم سے نہیں تھی اوزی! بڑے بے مروت ہو کر لوٹے ہو تم اب کے تو۔“ لامعہ حق مسکراتے ہوئے شکوہ کر رہی تھی اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

”تم نے بھی تو لاتعلقی کی حد کر دی۔ منگنی کر لی اور خبر تک نہیں ہونے دی۔“ اوزی نے جواباً شکوہ کیا تھا اور لامعہ حق ہنس دیا تھی۔

”کم آن...... اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں۔ تم تو جانتے ہو، لامعہ حق ہر کام ڈنکے کی چوٹ پر کرنے کی عادی ہے۔ تم سناؤ، تنہا لوٹے ہو یا اپنے ساتھ کوئی گوری ووری بھی لائے ہو؟“ لامعہ حق اسی تر و تازگی کے ساتھ مسکرا رہی تھی اور اوزی بھی مسکرا دیا تھا۔

”ہمارے ایسے نصیب کہاں...... کیا ساری باتیں اسی شاپنگ مال میں کھڑے کھڑے کر لوگی؟“

لامعہ حق کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

”آج بھی ملنے کے بہانے اسی کثرت سے ڈھونڈتے ہو۔ ٹھہرے کہاں ہو؟“ لامعہ حق نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”انابیہ کے یہاں۔“ اوزی نے مسکراتے ہوئے مطلع کیا تھا۔

"انا بیہ کے یہاں؟" لامعہ حق چونکی تھی۔ "لیکن اس نے تو ایسا کچھ نہیں بتایا مجھے۔ حالانکہ ہماری ملاقات تو متواتر ہو رہی ہے۔" لامعہ حق کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ "کہیں تم نے اسے خود تو منع نہیں کیا تھا مجھے بتانے سے؟" لامعہ حق نے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"آج بھی بے سبب الزام عائد کرنے کی عادت نہیں گئی تمہاری۔"

"کب سے ہو یہاں؟" لامعہ حق نے ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کچھ ہی دن ہوئے ہیں۔"

"اور کب تک قیام کرو گے؟" لامعہ حق نے ٹیبل منتخب کی تھی۔

اوزی اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"کہاں؟" آنکھوں میں کسی درجہ شرارت آن رکی تھی۔

اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔ وہی نقرئی ہنسی جو زندگی کے سارے احساس جگانے کا گُر اپنے اندر رکھتی تھی۔

"تمہاری باتیں آج بھی اتنی ہی اُلجھی ہوئی ہیں۔ نظریں اتنی ہی متلاشی۔ لگتا ہے تمہاری تلاش کا سفر تھا نہیں۔" مسکراتے ہوئے تجزیہ کیا تھا۔

اوزی مسکرا دیا تھا اور پھر بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

"میں کولمبس نہیں ہوں کہ ایک حیران کن جگہ کی تلاش پر نکلوں اور راستے میں ہی پڑاؤ ڈال کر اسی پر قناعت کروں اور اسی مقام کا ہو رہوں۔ مجھے جن جہانوں کی تلاش ہے ان سے کم پر اکتفا کرنا مجھے نہیں آتا لامعہ حق!"

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

"یہ عادت کچھ اتنی اچھی نہیں اوزی! انسان کو کسی قدر کمپرومائزنگ ہونا چاہیے۔ ایسا ہونے سے بہت سی آسانیاں ہو جاتی ہیں۔"

"آسانیاں تو انہیں اچھی لگتی ہیں لامعہ حق! جو مشکلات سے نظریں چراتے ہوں۔ جنہیں زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی عادت ہی نہ ہو۔ اور میرے متعلق تو جانتی ہو تم۔" اوزی مسکرا رہا تھا اور لامعہ حق اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تمہیں اچھا لگتا ہے یوں در بدر بھٹکنا؟" بہ غور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"مجھے کیا اچھا لگتا ہے، اس کے متعلق کبھی کسی نے جاننے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔" اوزی نے کہتے ہوئے جیسے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ لامعہ حق اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ضروری تو نہیں کہ تمہیں جو اچھا لگتا ہے اوزی! وہی سب دوسروں کو بھی اچھا لگتا ہو۔" لامعہ حق نے مصلحت سے پُر انداز اختیار کیا تھا۔

"بدلی نہیں ہو تم۔ آج بھی قائل کرنے کے سارے گُر آزمانا جانتی ہو۔"

''اور تم بھی تو نہیں بدلے ہو......آج بھی اسی طرح جھٹلانا جانتے ہو۔''

''حُسن کو جھٹلانے کی سعی کوئی کافر ہی کر سکتا ہے۔'' اوزی مسکرایا تھا اور لامعہ حق بھی مسکرا دی تھی۔ ویٹر آرڈر سرو کر کے چلا گیا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کب تک قیام کرو گے اس شہر میں؟'' لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور اوزی کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''تم اگر شہر کی وضاحت نہ بھی کرتیں تب بھی میں سمجھ سکتا تھا کہ تم شہر میں قیام کی ہی بات کر رہی ہو۔'' اس کی آنکھوں میں بہت سی شرارت رکی ہوئی تھی اور لامعہ حق اس لمحے ہنس دی تھی۔

''تم جیسے بندے کے سامنے یہ سب بہت ضروری ہو جایا کرتا ہے اوزی! تم کسی بھی بات کا مطلب کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔''

''ہاں ......مگر کبھی کبھی بہت سی وضاحتیں اور تاویلیں بھی کسی بات کے واقع ہونے کو نہیں روک سکتیں لامعہ حق! شاید تم یہ بات نہیں جانتی ہو۔'' اوزی کا انداز باور کرانے والا تھا اور لامعہ حق اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''کبھی کبھی سفر پر چلنے سے قبل اس بات کا تعین کر لینا بہت ضروری ہو جاتا ہے اوزی! کہ ہماری سمت صحیح بھی ہے یا کہ نہیں۔ آیا یہ رستہ فقط رستہ ہی ہے یا پھر اس کی کوئی ڈگر منزل کی طرف بھی جاتی ہے۔''

''شوق جنوں جب حد سے سوا ہو جائے تو اس بات کا کوئی ہوش رہتا ہی کب ہے لامعہ حق! اس بات کا تعین تو جب ممکن ہوتا ہے نا جب کچھ ہوش باقی رہے۔ کیا تمہیں ابھی تک اس بات کا اندازہ نہیں ہوا؟'' اوزی کا لہجہ مدھم تھا اور لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ۔ مگر اس کے باوجود لامعہ حق اس کی سمت متواتر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تبھی اوزی مسکراتا ہوا اس کو دیکھنے لگا تھا۔

''تمہارے فیانسی محترم سے ملاقات ہوئی تھی۔ موصوف خاصی توپ شے واقع ہوئے ہیں۔''

''تم ملے ہو ان سے؟ کہاں؟ اور بائے دی وے، تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میرے فیانسی وہی ہیں؟'' لامعہ حق کو حیرت ہوئی تھی اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

''خبر نہیں ہوئی ہوتی اگر موصوف میرے دوست واقع نہ ہوئے ہوتے۔''

''دوست؟......تم عفنان علی خان کے دوست ہو؟ حیرت ہے، عفنان نے بھی مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔'' لامعہ حق کو شدید حیرت ہوئی تھی۔

''اس نے تو تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں بتایا لامعہ حق! اس کے بارے میں تو تمہیں کبھی اس درجہ تشویش نہیں ہوئی۔'' انداز بہت عام تھا مگر لہجہ بہت خاص۔ اور لامعہ حق کے لبوں کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہوئی تھی۔ اوزی نے اس چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔

''خوش ہو؟'' غالباً اس تعلق کے متعلق دریافت کیا تھا۔ لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''ہاں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا تمہیں کوئی ڈاؤٹ ہے؟''

''نہیں......تمہارا خیال ہے لامعہ حق!'' انداز باور کرانے والا تھا اور لامعہ حق مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''میری فکر کرنا چھوڑ دو اوزی! مجھے اپنی فکر کرنا خود آتا ہے۔ اور میں تمہیں اس کیئر کے لیے تھینکس بھی نہیں کہوں گی۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔ اور اوزی ہنس پڑا تھا۔

''تم آج بھی اتنی ہی بے مروت ہو۔''

''اور بے لحاظ بھی۔ تم جانتے ہو مجھے بے وجہ کرٹسی دکھانا اچھا نہیں لگتا۔ اینی وے۔ عفنان علی خان کو کب سے جانتے ہو؟''

''کیوں، ارادہ کہیں اس کے متعلق انویسٹی گیشن کرنے کا تو نہیں؟''

''جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے متعلق بذاتِ خود جانا جاتا ہے۔ شہر کی ہواؤں سے یا چہروں سے پوچھا نہیں جاتا۔'' جتایا تھا اور اوزی لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔

''ہی مسٹ بی اے لکی گائے!'' لہجے میں کوئی حسرت بول رہی تھی۔

''ہی از۔'' لامعہ حق کے لہجے میں یقین ہی یقین تھا۔ لبوں پر وہی دلفریب مسکراہٹ۔ اوزی اس چہرے کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی کوئی واقعہ اس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے کہ اس کے اثرات اگلے کئی لمحوں تک زائل نہیں ہو پاتے۔ اذہان حسن بخاری کے اندر جس خلفشار نے سر اُٹھایا تھا وہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں تھا۔ بلکہ انتشار کچھ اور بھی بڑھتا چلا گیا تھا۔ وہ جتنا سوچتا تھا، خود کو اتنا ہی بے بس پاتا تھا اور یہ صورت حال اسے اور بھی دگرگوں کیے جاتی تھی۔ آفس سے جانے کے بعد وہ بجائے اندر جانے کے وہیں لان میں سنگی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

حالات نیم جاں کر دینے والے ہوں تو انسان فرار کے راستے خود بہ خود ڈھونڈنے لگتا ہے۔ مگر اس کے پاس کوئی راہِ فرار نہ تھی اور یہ کیفیت اس انتشار کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ کوٹ بازو پر دھرے وہ چپ چاپ وہاں بیٹھا تھا جب ساہیہ خان چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔

''کہاں تھے تم؟...... آنٹی اتنی پریشان ہو رہی تھیں۔ اور تم نے اپنا سیل کیوں آف کر دیا تھا؟'' ساہیہ خان نے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ نہ ہی اس کی سمت دیکھنے کی زحمت کی تھی۔ اسی طرح ساکت سا بیٹھا رہا تھا اور ساہیہ خان اسے بہ غور دیکھنے لگی تھی۔

''اذہان! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں کم از کم اتنا ویک نہیں سمجھتی تھی۔ تم ماما اور فارحہ آنٹی کو سنبھالنے کی بجائے خود اس صورت حال سے منہ چھپائے فرار کے راستے تلاش کر رہے ہو۔''

''تو کیا کروں میں...... کیا کروں؟'' وہ کسی قدر برہمی سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان اس کے درشت انداز اور بلند آواز پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ انداز پُر افسوس تھا۔

''آئی ایم سوری ساہیہ!'' مدھم لہجے میں کسی قدر ندامت تھی۔ مگر ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ بس فقط خاموشی سے اسے دیکھتی

رہی تھی۔اذہان حسن بخاری اس کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ساہیہ! میں کیا کروں؟...... جو ہو رہا ہے میں نے اس کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا۔میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یا میری فیملی کو اس طرح کی کیفیت سے دو چار ہونا پڑے گا۔جب زندگی ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جائے گی اور ہم سب اُٹھنے والے سوالات کے جواب میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہ جائیں گے۔''اذہان حسن بخاری کا انداز بے حد بے بسی لیے ہوئے تھا اور ساہیہ خان اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''ساہیہ!...... میں نے کبھی بھی زندگی میں خود کو اتنا بے بس نہیں پایا۔جو صورتِ حال درپیش ہے اس کے متعلق کوئی لائحہ عمل کام نہیں آ رہا۔میں ہر طرح کی کوششیں کر کے تھک چکا ہوں۔جب یہ لگنے لگتا ہے کہ تدبیر کام آ گئی ہے تو تبھی یہ عقدہ کھلتا ہے کہ صورتِ حال پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ ہو چکی ہے۔''اس کا لہجہ مدھم تھا اور انداز تھکا ماندہ۔ساہیہ خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

''اذہان! شکست مان لینا دانش مندی نہیں ...... بہت سی باتوں کے اسرار نہ سمجھ میں آنے والے ہوتے ہیں۔مگر یہی بھید اپنے اندر بہت سے سوالوں کے جواب رکھتے ہیں۔تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تمہیں جو کچھ نظر آ رہا ہے اسے قبول کرو۔حقیقت کو مان لینے سے کبھی کبھی بہت سے سوالوں کے جواب خود بہ خود مل جاتے ہیں۔تمہارا پرابلم یہ ہے اذان! کہ تم فی الحال حقیقت کو ہی تسلیم نہیں کر پا رہے ہو۔اور یہی سب سے بڑا سبب ہے تمہاری تھکن کا۔تمہارا ذہن اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے بھی قبول نہیں کر پا رہا اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اذہان! کبھی کبھی ایک حقیقت کو تسلیم کر لینے سے ہی بہت سی باتوں کا جواب مل جاتا ہے۔کچھ اور نہیں تو کم از کم اس صورتِ حال سے نمٹنے کا سدباب ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔''

''میں تمہاری بات کو مسترد کرتا ہوں۔''اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے اس کے تمام الفاظ کو ایک لمحے میں رد کیا تھا۔''یس ساہیہ خان! رد کرتا ہوں میں تمہاری ہر بات کو۔سب کتابی باتیں ہیں۔تم یہ سب اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ تم اس طوفان کا حصہ نہیں ہو ساہیہ! جس کا حصہ میں ہوں۔تم اس طوفان کی شدت کو اس طرح سے محسوس بھی نہیں کر پا رہی ہو جس طرح کہ میں کر رہا ہوں۔پھر تم کوئی حل کیونکر پیش کر سکتی ہو جب تمہیں کسی بات کا اندازہ ہی نہیں۔''اس کا لہجہ، انداز، سب کس قدر اجنبی تھا اور ساہیہ خان اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔نظروں میں حد درجہ بے یقینی تھی۔گویا اسے اذہان حسن بخاری سے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے اسی طرح ساکت سی دیکھتی رہی تھی۔پھر کسی درجہ تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''اذہان! یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ان باتوں کا ادراک نہیں ہے اور جس کیفیت سے تم گزر رہے ہو اسے میں نے کبھی نہیں جھیلا۔مگر یہ غلط ہے کہ میں اسے اس طرح سے محسوس نہیں کر رہی ہوں۔تم نے اذہان! تم نے مجھے ایک لمحے میں خود سے الگ کر دیا۔پرایا کر دیا۔''اس کا لہجہ مدھم تھا اور انداز پُر افسوس۔مگر اذہان حسن بخاری اس کی سمت سے نظریں پھیر گیا تھا۔

''کبھی کبھی طوفان میں گھرے ہوئے شخص کو صورت حال کا اندازہ اس انداز سے نہیں ہو پاتا جس طور کہ دور سے دیکھنے والے کو ہوتا ہے۔ جو دور سے دیکھ رہا ہوتا ہے وہ زیادہ بہتر طور پر اندازہ کر پا رہا ہوتا ہے کہ صورتِ حال کتنی سنگین ہے۔'' وہ اُٹھی تھی اور پھر بنا اس کی سمت دیکھے، چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''تو تم آج لامعہ حق سے ملے تھے؟'' انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تھا اور وہ کسی قدر حیران ہوتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں کیسے خبر ہوئی؟''

''تمہارے چہرے پر لکھا ہے اوزی!''

''اچھا؟......'' وہ حیران ہوا تھا۔ ''تو کیا ایسی ساری باتیں چہرے پر آن درج ہوتی ہیں؟'' اس کا سوال کسی قدر سادہ تھا۔ مگر انابیہ شاہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ گئی تھی۔

''آف کورس۔ لیکن تم نے بتایا نہیں کیا ہوا، کیا وہ حیران تھی؟'' انابیہ شاہ نے گفتگو کا سلسلہ پھر وہیں سے شروع کیا تھا اور جواباً اوزی کے لبوں پر بہت بجھی بجھی سی مسکراہٹ اُبھری تھی۔

''جب سب کچھ میرے چہرے پر درج ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟''

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''اوزی! اگرچہ تمہاری حالت خاصی دگرگوں ہو رہی ہے۔ مگر ایک فطری تجسس بھی تو ہوتا ہے نا۔''

''تو تم لطف لینا چاہتی ہو میری کیفیات سے۔ کسی شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی

دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں''

اس کا انداز دہائی دیتا ہوا تھا اور انابیہ شاہ ہنس پڑی تھی۔ تبھی اوزی نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''دوسروں پر ہنسنا کتنا آسان ہے نا۔''

''ہاں ہے۔ مگر ہمدردی کے پھاہے بھی تو میں ہی رکھتی ہوں نا۔'' انابیہ شاہ بہت دنوں بعد مسکراتی بہت تر و تازہ لگی تھی۔ اوزی اس کی سمت بہ غور دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہو اتنے دنوں بعد کھل کر مسکراتی۔'' اوزی نے کہا تھا اور وہ لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''میں نے یہ تعریف اس لیے نہیں کی کہ تم اپنے مسکراتے لب اس قدر سختی سے بھینچ لو۔'' اوزی نے اسے باور کرایا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں ملاقات کیسی رہی؟''

''کیسی رہ سکتی ہے تمہارے خیال میں۔ وہ گریزاں گریزاں ہم پریشاں پریشاں۔ ایسے میں اندازِ مدعا کیا ہوسکتا ہے؟ وہی جو اول ملاقات میں رہا، اس سے کچھ زیادہ مختلف تو نہیں تھا۔'' وہ پُر مزاح انداز میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

''رئیلی......اس لڑکی سے مجھے مل کر کبھی نہیں لگا کہ میں اسے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں یا اسے پہلے سے جانتا ہوں۔ اس سے جتنی بار بھی ملا ہوں ہر ملاقات وہی پہلی سی لگی ہے۔'' اوزی کا انداز بہت نارمل تھا۔ وہ تمام باتیں اس طرح بیان کر رہا تھا جیسے روزمرہ کی خبروں سے مزین کوئی اخبار پڑھ کر سنا رہا ہو۔ انابیہ شاہ نے اُسے بہ غور دیکھا تھا۔ شاید تبھی اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اوزی اس کی سمت دیکھتا ہوا پوچھنے لگا تھا۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

''مجھے اکثر لگتا ہے تم روزمرہ کی خبروں سے مزین کوئی اخبار پڑھ کر سنا رہے ہو......خود اپنی زندگی سے متعلق۔ تمہارا انداز بڑا ہی کیثرول ہوتا ہے۔'' انابیہ شاہ نے تجزیہ کیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''محبت کی ہے تم نے کبھی انابیہ شاہ؟'' مدھم لہجے میں دبا عجب سوال تھا اور انابیہ شاہ جو مسکرا رہی تھی، بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''یہ کیسا سوال ہے؟''

اوزی اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''انابیہ شاہ! آسان شے نہیں ہے محبت۔ اسے کرنے والا خود ایک خبر بن جاتا ہے۔'' باور کرایا تھا اور انابیہ شاہ اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

''انابیہ!'' اوزی نے بہت مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

''ہوں؟'' انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھنے سے دانستہ گریز کیا تھا۔

''مانا محبت بہت آسان شے نہیں مگر یہ اتنی مشکل بھی نہیں کہ چہرے پر ہوائیاں اُڑ جائیں۔'' انداز چھیڑنے والا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر قریب پڑا کشن اسے کھینچ مارا تھا۔

''ویسے جب تمہیں محبت ہو تو مجھے ضرور بتانا۔''

''کیوں؟'' انابیہ شاہ نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''دونوں مل کر اختر شماری کریں گے۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور انابیہ مسکرا دی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔'' اس نے سرسری انداز سے کہنے کے ساتھ ہی ریموٹ اُٹھا کر ٹی وی اسکرین کی جانب اپنی توجہ مبذول کی تھی۔ اوزی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''انابیہ!'' دلچسپی حد سے سوا تھی۔

''ہاں۔'' انابیہ کا انداز سرسری تھا۔

''جس طرح تم محبت کے نام پر شائے ہوتی ہو اس سے مجھے صاف کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔''

''اوزی!'' انابیہ شاہ نے اسے گھورا تھا مگر وہ ہنس دیا تھا۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ ماما نے کچن سے پکار کر اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی تھی۔

''انابیہ! دیکھو کون ہے باہر؟''

انابیہ نے جواباً اوزی کی سمت دیکھا تھا۔

''جاؤ، دیکھو جا کر، ساتھ والے انکل اکبر ہوں گے۔ دادا ابّا سے ملنے آئے ہوں گے۔ انہیں دادا ابا کے کمرے میں پہنچا دینا۔ اور سنو، واپسی میں میرے لیے کافی بھی بنا لانا۔'' اس نے دو تین آرڈر ایک ساتھ دیئے تھے۔ اوزی نے ہاتھ میں پکڑا کشن اس کی سمت اچھالا تھا اور گھورتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ مکمل توجہ سے ٹی وی اسکرین کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

کچھ لمحوں کے توقف سے اس کے قریب آہٹ ہوئی تھی۔

''کون تھا اوزی؟'' وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولی تھی۔ مگر دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

''اوزی! تم نے کوئی جواب نہیں دیا؟......کون تھا؟'' انابیہ شاہ نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے نگاہ اوزی کی سمت کی تھی اور اوزی کی جگہ کسی اور کو کھڑا دیکھ کر چونک پڑی تھی۔

''آپ؟''

عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''کافی لینے گیا ہے وہ، غالباً تم نے اسے آرڈر کیا تھا!'' اس کے دیکھنے پر وضاحت کی تھی۔ ''بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گی؟'' عفنان علی خان نے بہ غور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''اوزی کے مہمان ہیں......اس کے آنے تک انتظار کر لیجیے۔'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ کسی قدر معمول سے ہٹ کر بولی تھی۔

عفنان علی خان نے ان ست رنگی آنکھوں کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''یعنی میں آپ کا مہمان نہیں ہوں۔'' وہ اس کے اجازت نہ دینے کے باوجود اس کے عین سامنے بیٹھ گیا تھا۔ انابیہ خاموشی کے ساتھ ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے خواہش ہو چلی ہے یہ جاننے کی تم اپنے مہمانوں کو کیسے ٹریٹ کرتی ہو گی۔''

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ٹی وی آف کر کے ریموٹ ایک طرف رکھ دیا تھا۔

''آپ کو میرے متعلق اتنا تجسس کیوں ہے؟ مانا ہوتا ہے ہر انسان کو تھوڑا بہت تجسس کسی دوسرے انسان سے متعلق۔ مگر اس درجہ۔ آپ کیوں خیال کرتے ہیں کہ میں کسی اور پلینیٹ سے آئی ہوں اور میرا ٹریٹمنٹ دیگر انسانوں کے ساتھ آپ سب سے کچھ مختلف ہے؟'' وہ بولی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اپنے بارے میں تم بہت اچھی اور مزیدار رائے رکھتی ہو۔ غالباً میں نے تمہارے متعلق ایسا کچھ خیال نہیں کیا تھا۔ مگر تم نے بتا کر مجھے لاجواب کر دیا ہے۔'' عفنان علی خان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے آج اچھا لگا ہے انابیہ شاہ! آج تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم اچھا بول سکتی ہو۔ مجھے تمہاری خاموشیوں سے بہت وحشت ہوتی ہے اور......''

''مجھے یہ جاننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے عفنان علی خان! کہ آپ کو کیا شے اچھی لگتی ہے اور کیا نہیں۔ لیکن مجھے آپ میں بہت کچھ ہے جو پسند نہیں ہے۔'' وہ اس کی سمت پُراعتماد انداز سے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ مگر عفنان علی خان ہنستا چلا گیا تھا۔

''اوہ، ریئلی ......کیا واقعی ایسا کچھ ہے؟ اگر ہے تو پلیز ٹیل می، میں اپنے متعلق تم سے سننے کے لیے منتظر ہوں۔ اچھی یا بری، کچھ بھی۔ مگر کچھ سمجھ تو آئے کہ دوسری طرف ہے کیا۔ بہت گزر گئی خاموشی میں۔ اب تو اس بھید کو کھل جانا چاہیے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت رکی ہوئی تھی اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اوزی تبھی کافی لے کر آ گیا تھا۔

''یہ اتنی خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے؟'' ان دونوں کو خاموش دیکھ کر اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ جبکہ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''ہوسکتا ہے ہم اس مقولے پر عمل کر رہے ہوں کہ خاموشی بھی گفتگو کرتی ہے۔''

''ویل سیڈ۔'' اوزی نے مسکراتے ہوئے اسے داد دی تھی۔ ''خاموشی کبھی کبھی واقعی باتیں کرتی ہے۔ مگر کبھی کبھی باتیں اس خاموشی سے کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔ کیا خیال ہے؟'' اوزی مسکرایا تھا اور عفنان علی خان جانے کیوں ہنس پڑا تھا۔

''شاید ہم میں سے کوئی اس حقیقت کو نہیں جانتا۔ یا پھر جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہا ہے۔ ان باتوں سے کہیں اہم یہ بات ہے کہ میرے فارم ہاؤس پر ایک گیٹ ٹو گیدر ہو رہی ہے...... میں چاہتا ہوں کہ آنٹی، دادا ابا سمیت تم سب بھی شرکت کرو۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ ''آئی ہوپ کہ تم سب ضرور آؤ گے۔''

انابیہ شاہ کچھ کہے بغیر اُٹھی تھی اور پھر اسی خاموشی سے چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عفنان علی خان کی نظروں نے دُور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆......☆......☆

اگینے بہت خاموش سی بیٹھی تھی۔ فارحہ اس کے سامنے تھیں۔ مگر دلجوئی کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا مجھ میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہو گئی ہے؟" فارحہ اس کے موڈ کو بحال کرنے کے لیے بہت دھیمے سے مسکرائی تھیں اور اگینے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"بھابی! آپ کو نہیں لگتا آپ کا دل گنجائش سے بہت زیادہ بڑا ہے؟"

اور فارحہ جانے کیوں مسکرا دی تھیں۔

"اگینے! ایسا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسپیشلی ایک عورت کے لیے۔ کیونکہ اسے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے اور جھیلنا بھی پڑتا ہے۔"

اگینے نے خاموشی سے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

"بھابھی! آپ کو لگتا ہے کہ ایسا کر کے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے؟"

"فائدہ...... فائدے اور نقصان کے متعلق سوچنا عبث ہے اگینے! میں نے اب تک کی زندگی میں جو بھی کیا اس میں کبھی بھی کسی فائدے کی اُمید نہیں رکھی۔ آج سعد مجھ سے بدظن ہے۔ ہزار ہا گلے ہیں اسے مجھ سے۔ مگر میں یہ بات جانتی ہوں، میں نے اس کے لیے، اس گھر کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں۔" فارحہ کا لہجہ افسردہ تھا۔ "آج وہ ان قربانیوں کا صلہ کسی اور کو دینا چاہتا ہے۔ تم جانتی ہو اگینے! اب وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" فارحہ نے نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اگینے! وہ چاہتا ہے ہماری کمپنیز کے تھرٹی پرسنٹ شیئر وہ اس کے نام کر دے۔ اپنی نئی شریک حیات کے نام۔ اور ایسا کرتے ہوئے اسے اس بات کا قطعاً کوئی احساس نہیں کہ کیا کر رہا ہے اور کیونکر کر رہا ہے۔ فارحہ کے حصے کی خوشیاں تو وہ کسی اور کو دان کر ہی چکا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اب وہ اپنے بچوں کو بھی فراموش کر رہا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اسے قطعاً احساس نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی کر رہا ہے۔ مگر میں...... میں یہ ناانصافی قطعاً بھی اپنے بچوں کے ساتھ نہیں ہونے دوں گی۔ میں اپنا مقام تو شیئر کر سکتی ہوں، اپنے حصے کی خوشیاں بھی کسی تیسرے وجود کو سونپ سکتی ہوں مگر اپنے بچوں کا حصہ نہیں بانٹ سکتی۔ سعد جانتا ہے اس کمپنی کی پچاس پرسنٹ کی شیئر ہولڈر میں ہوں۔ بقیہ کے شیئر اس کے نام ہیں اور وہ انہیں بھی اپنے بچوں کی بجائے دوسروں میں بانٹ دینا چاہتا ہے۔" فارحہ کی آواز مدھم تھی۔ یقیناً وہ سنجیدہ تھیں۔ اگینے کے پاس ان کی تسلی کے لیے شاید کوئی لفظ نہ تھے۔ تبھی شاید وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ فارحہ نے بھیگی آنکھوں سے اگینے کو دیکھا تھا۔

"اگینے! میں نے ایسا کیا تو کیا غلط کیا؟...... کیا تو کیا عجب؟ وہ مجھے موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔" فارحہ ضبط ہار گئی تھیں۔ اور تبھی اگینے نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

"بھابھی! پلیز، اگر آپ ہی حوصلہ ہاریں گی تو باقی لوگوں کو کون سنبھالے گا؟ ان حالات میں آپ کو ثابت قدم رہنا چاہیے۔

وقت سب سے بڑا منصف ہے۔آپ سب کچھ خدا کے حوالے کر دیجیے۔ وہ سب بہتر کرے گا۔ایک دن سعد بھائی کو اپنی غلطی کا اندازہ ضرور ہوگا۔'' اگینے نے ملائمت سے پُر لہجے میں فارحہ کو تسلی دی تھی۔فارحہ سر جھکائے بیٹھی تھیں جب ماہا پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔

''ممی! بھائی...... بھائی اپنے کمرے میں پیکنگ کر رہے ہیں...... میں نے ان سے پوچھا ہے مگر وہ مجھے کچھ بتا نہیں رہے۔''

فارحہ اس اطلاع پر بھونچا رہ گئی تھیں۔اگینے اور انہوں نے ایک ساتھ اذہان حسن بخاری کے کمرے کی سمت پیش قدمی کی تھی جہاں اذہان حسن بخاری تیزی کے ساتھ پیکنگ میں مصروف تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کا فون آیا تھا۔آج کا ڈنر وہ اس کے ساتھ کرنا چاہتا تھا اور اس کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔شاید اسی لیے وہ شام میں تیار ہونے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جب آیا تھا تو اسے دیکھ کر کچھ لمحوں تک ساکت سا تکتا رہا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''بیوٹی فل...... لیکن میرے خیال میں تمہارے بال کھلے ہوئے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا تھا، عین اس کے سامنے رکا تھا اور پھر بانہیں پھیلا کر اس کی پشت پر لے جاتے ہوئے اس کے جوڑے کی شکل میں بندھے بالوں کو بہت آہستگی سے کھول دیا تھا۔میرب سیال اس کی اس قربت پر ساکت رہ گئی تھی۔اس کے وجود سے اُٹھتی خوشبو نے اس کے حواس خطا کر دیئے تھے۔وہ نظریں جھکائے اسی طرح بت بنی کھڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو کسی قدر اوپر اُٹھایا تھا۔

''نائس...... ناؤ یو لکس ویری پریٹی۔'' بہت دھیمی سی مسکراہٹ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی اور میرب سیال اس لمحے نظریں جھکا گئی تھی۔

''چلیں؟'' بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

''ہاں ...... مگر ٹھہرو، شاید میں کچھ بھول رہا ہوں۔'' اس چہرے کو نگاہ کسی قدر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور ان نظروں کی حدت میرب سیال کے لیے کسی قدر پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔وہ اس کے باعث کسی قدر اُلجھن میں نظر آ رہی تھی۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس بات کا کوئی احساس نہ تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بہ غور دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اس روشن پیشانی پر جلتا ہوا بھرپور لمس چھوڑا تھا اور میرب سیال کی رگوں کو سارا خون جیسے اس کے چہرے پر آن ٹھہرا تھا۔سینے میں کہیں یکدم ہی ارتعاش سا برپا ہو گیا تھا اور وہ اپنی کیفیت پر خود آپ حیران رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیب میں سے ایک پیکٹ نکالا تھا پھر اس میں سے ایک چمکتا ہوا، نازک سا نیکلس نکال کر اس کی گردن کی سمت بڑھایا تھا۔

''اجازت ہے؟'' اس کے کسی قدر حیرت سے دیکھنے پر غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے ناچار سر اثبات میں ہلا کر نظریں جھکالی تھیں اور تب سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ اس کی نازک گردن میں اس قیمتی نیکلس کو پہنانے لگے تھے۔

قربتوں کی یہ کہانیاں ہزار ہا جاں گسل سہی، وہ لمحے کتنے بھی دلفریب سہی، مگر یہ سب میرب سیال کے لیے جھیلنا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ لیکن وہ جیسے مکمل طور پر بے بس تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی گردن میں وہ موتیوں سے مزین قیمتی نیکلس پہنا کر ایک تنقیدی زاویہ نظر سے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

''ناٹ ٹو بیڈ۔''

اور میرب سیال نے کسی درجہ حیرت سے اسے نظریں اُٹھا کر دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''آئی تھنک ناؤ یو لکس ریئلی پریٹی۔'' ان آنکھوں میں اس کے لیے ستائش ہی ستائش تھی اور میرب سیال اس لمحے جیسے ناچار مسکراتے ہوئے نظر جھکا گئی تھی۔

''دیکھنے کے لیے میری نظریں ہی کافی ہیں یا کسی قسم کے آئینے کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مدھم لہجے میں جھک کر اس سے دریافت کیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''کیا اب ہم چل سکتے ہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

''وائے ناٹ......شیور۔'' اور اس کے ساتھ ہی وہ اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ سارے تجربے بہت نئے تھے اور سارے حوالے انجانے۔ شاید اسی لیے وہ اپنی دھڑکنوں کا ارتعاش ابھی تک اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری واقعی حیران کن تھا اور وہ اسے قدم قدم پر واقعی حیران بھی کر رہا تھا۔ یا پھر وہی اس درجہ حیران ہو رہی تھی اور در حقیقت ان باتوں میں حیران ہونے والی کوئی بات نہ تھی۔ بہر حال جو بھی تھا میرب سیال کے لیے یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے۔

اس شخص کی سنگت، اس کی ہمراہی اس کے لیے جیسے خواب جیسی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ حقیقت تھی اور کچھ بھی خواب نہ تھا۔ مگر وہ بات خود کو باور کرانے کے باوجود باور نہ کرا پا رہی تھی۔

ڈنر کے دوران بھی جانے وہ کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ میرب سیال کو اپنا آپ بہت کھویا کھویا سا لگا تھا۔

''کیا ہوا؟......کیا سوچ رہی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔ میرب سیال چونکی

تھی اور فوراً ہی سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔''

''آر یو انجوائنگ ودمی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کس خدشے کے پیش نظر دریافت کیا تھا اور وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

''آف کورس۔''

''تو پھر تم اتنی گم صم سی کیوں ہو؟''

''نہیں......ایسا نہیں ہے۔'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا۔

''کیا میں تمہیں خوش رکھنے میں ناکام ہو رہا ہوں؟ ......کیا میں اس کوشش میں یکسر ناکام ہوں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے یہ سب کچھ۔'' مدھم لہجے میں اظہار کیا تھا۔

''کیا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے کچھ نہ سمجھا تھا۔

''یہ سب ...... یہ سب کچھ جو آپ میرے لیے کر رہے ہیں۔ یہ رات، یہ ڈنر، یہ سارے لمحے اور......''

''اور میں ...... میرب؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے جملے کو درمیان میں سے اچک لیا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں اسی اعتماد سے دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

''اور میں ...... میرب سیال؟ تم نے بتایا نہیں، میرے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا سوچتی ہو تم؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا سوال شاید بہت مشکل تھا۔ تبھی میرب سیال کتنی دیر تک خاموشی سے اس شخص کو تکتی رہی تھی پھر جیسے بے بسی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

''آپ......آپ بھی اچھے ہیں۔'' اس نے جیسے زبردستی وہ ایک جملہ ادا کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''صرف اچھا؟'' نگاہیں کچھ اور بھی وضاحت چاہ رہی تھی۔ مگر میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس پر رحم آ گیا تھا۔ تبھی مسکرا دیا تھا۔

''تھینکس۔ مگر بات اچھا لگنے سے کچھ آگے بڑھنے کی اشد ضرورت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، یہ بات کچھ اتنی تسلی بخش تو نہیں نا؟'' کسی قدر ملائم لہجے میں وہ اظہار مدعا کرتا ہوا اس کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

فلور پر کئی کپل دھیمے آرکسٹرا پر اپنی اپنی محبتوں کے جہاں آباد کیے ہوئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس جانب ایک نگاہ کی تھی پھر مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور تبھی بہت آہستگی کے ساتھ اپنا چوڑا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''آؤ...... میں تمہارے ساتھ کچھ دیر رقص کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت ہے نا؟'' مدھم لہجے میں کئی گزارشیں تھیں اور میرب سیال ساکت سی اس کی سمت تکتی ہوئی سر یکدم نفی میں ہلا گئی تھی۔

''مجھے اس سب سے کچھ شغف نہیں۔''

''مجھ سے تو ہے نا؟'' مدھم لہجے میں پوچھے گئے سوال میں کیا کیا نہ تھا۔ میرب سیال خاموشی سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا اور وہ اس لمحے جانے کیوں کوئی تعرض ہی نہ برت سکی تھی۔ اُٹھی تھی اور اس کے سنگ چل پڑی تھی۔

دل کو کسی ایسے ہی لمحے کی آرزو تھی۔ کسی ایسے ہی مضبوط رفیق سفر کی خواہش تھی جو اپنی پناہ میں لیتا تو دنیا کا کوئی ڈر باقی نہ رہتا جو اس کے ہاتھ کو تھامتا تو لگتا ساری دنیا اس کی مٹھی میں آ گئی ہو۔ وہ جس کے سنگ چلتی تو لگتا کہ ساری دنیا اس کے ساتھ چل رہی ہو۔ جس کی قربتوں میں اسے یہ زمین بھی آسمان لگتی۔ اور ایسا ہی تو ہوا تھا۔ وہ شخص اس کے قریب تھا۔ وہ اس کی پناہ میں تھی۔ اس کی مضبوط بانہوں نے اس کے وجود کو تھاما ہوا تھا۔ مگر جانے کیوں دل پھر بھی جیسے مطمئن نہ تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قربتیں کیا کیا کہانیاں نہ کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی زلفوں پر جھکا جانے کیا کہہ رہا تھا۔ اسے تو بس اپنا وہ شانہ اس حدت سے جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ سارا وجود جیسے کسی آتش کے زیر تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لب اس کے گیسوؤں پر ہولے ہولے ملتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ شاید وہ کچھ سرگوشیاں کر رہا تھا۔ مگر میرب سیال کے خود اپنے اندر کا شور اس قدر تھا کہ وہ کچھ بھی سن نہیں پا رہی تھی کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس اسے اپنا آپ کسی الاؤ کے حصار میں لگ رہا تھا۔ حدت اتنی تھی کہ وہ خود کو روم روم سلگتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہو رہا ہے یہ سب؟...... کہاں جا رہے ہو تم؟'' فارحہ نے کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اسی طرح سامان نکال کر سوٹ کیس میں رکھتا رہا تھا۔ فارحہ نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے عین سامنے جا رکی تھیں۔

''میں پوچھ رہی ہوں کیا ہو رہا ہے یہ سب؟...... کیا کر رہے ہو تم یہ؟''

اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''تھک گیا ہوں میں...... جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔ تھک چکا ہوں میں روز روز ٹوٹ پھوٹ کر اور سمیٹ سمیٹ کر۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اب یہاں نہیں رہوں گا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ واپس اسٹیٹس۔'' اذہان حسن بخاری نے مطلع کرنے کے ساتھ ہی سامان دوبارہ سوٹ کیس میں رکھنا شروع کر دیا تھا اور فارحہ ورا گینے اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھیں۔ پھر ایک لمحے میں فارحہ نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے ہاتھ سے سب کچھ لے کر بیڈ پر ایک طرف اچھال دیا تھا۔

''کیا کر رہے ہو یہ تم؟ ......تم ہمیں چھوڑ کر جاؤ گے؟ ......ہم سب کو؟'' اس کی سمت دیکھا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری ان کی سمت سے نگاہ چرا گیا تھا۔ کچھ لمحے یونہی کھڑا رہا تھا پھر قدرے توقف سے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔

''ممی! یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ یہ سب بدلنے والا نہیں ہے۔ یہ تنازعہ روز بروز بڑھنے والا ہی ہے اور بڑھتے ہوئے تنازعات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی جانتا ہوں ممی! جب کچھ ختم ہونے والا ہی نہیں تو پھر فائدہ؟'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ تھکا ماندہ تھا اور فارحہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ کتنی خاموشی سے پلکوں کے کنارے سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے تھے اور اذہان حسن بخاری ہاتھ میں تھمے ہوئے کپڑے ایک طرف پٹخ کر ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''کیا کروں میں ...... بتایئے آپ، کیا کروں؟'' اس کا انداز بے بسی سے پُر تھا۔ ''جب میرے یہاں رہنے سے کچھ بدل ہی نہیں رہا تو پھر میرے یہاں ہونے سے فائدہ؟ ممی! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ میں آپ کو تو بلیم نہیں کر رہا۔ اور......'' وہ تمام ارادے توڑتا ہوا آگے بڑھا تھا اور فارحہ کی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا تھا۔ اگینے، ماں بیٹے کی محبت کا منظر بہ غور دیکھ رہی تھی۔

''مجھے...... مجھے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تو؟ اپنی ماں کو؟...... اتنا بڑا بوجھ ہو گئی ہے آج تیرے لیے یہ ماں کہ اسے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تُو؟'' فارحہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے چوڑے ہاتھ سے ان کی آنکھوں کی نمی کو پونچھا تھا پھر انہیں تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

''میں نہیں جانا چاہتا آپ کو چھوڑ کر۔ بہت مشکل ہے یہ میرے لیے۔ لیکن کیا کروں، آپ مجھے بتایئے کیا کروں؟ جب یہاں رہ کر میں صورت حال کو اپنے بس میں ہی نہیں کر پا رہا تو پھر میرے یہاں رہنے سے فائدہ؟ جب آپ دونوں کو یونہی ایک دوسرے سے رسہ کشی کرتے رہنا ہے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ میں رہوں یا کہ نہیں۔'' اس کا لہجہ مدھم تھا اور فارحہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

''مجھے فرق پڑتا ہے اذہان! تیری ماں کو فرق پڑتا ہے۔ تُو کیوں اپنی ماں کو مزید دُکھی کرنا چاہتا ہے؟'' اذہان کی سمت بہ غور دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''ٹھیک ہے، مان لوں گی میں وہ سب کچھ چپ چاپ جو سعد حسن بخاری کہتا ہے۔ کوئی مخالفت نہیں کروں گی۔ مگر تم ......تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' آنسو ان کی آنکھوں سے متواتر بہہ رہے تھے۔ ''سنا تم نے ......تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' ان کے کمزور لہجے میں عجب ایک حکم تھا۔ اور اذہان نے انہیں بانہوں میں سمیٹ کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ممی! آپ سب کے بغیر میری زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے...... میں آپ سب کے بغیر نہیں جی سکتا ہوں۔ میرے لیے یہ سوچ بھی جان لیوا ہے مگر......'' اس نے تھک کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ ''میں یہ نہیں کہتا ممی! کہ سرنڈر آپ کریں یا کسی کی غلط بات کو چپ چاپ مانتی چلی جائیں۔ میں یہ سب نہیں چاہتا۔ مگر ممی! میں آپ کو اس طرح ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میرے لیے یہ سب بہت تکلیف دہ ہے۔ میں فرار آپ سے نہیں چاہتا۔ فرار میں اس صورت حال سے بھی نہیں چاہتا۔ فرار چاہتا ہوں تو بس اس شکست و ریخت کے عمل سے، جو میں دیکھ نہیں پا رہا ہوں۔ میں آپ کو اس کیفیت میں نہیں دیکھ سکتا ممی! پاپا کو سمجھا نہیں سکتا کہ وہ سب کچھ فراموش کر کے پاتھ

بنائیں جو زندگی کی طرف لوٹتا ہو۔ میں انہیں مصلحت پر مائل نہیں کر سکتا اور شاید میں انہیں قائل بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ہر بار آپ کو توڑیں گے، چھوڑیں گے اور میں کبھی بھی کوئی احتجاج نہیں کر سکوں گا۔ مگر میرے لیے یہ سب کچھ دیکھنا بھی بہت مشکل ہو گا۔ میں ہر بار آپ کو ڈی فنڈ کرنے کے لیے ان کے سامنے جا کھڑا ہوں گا اور انہیں ہر بار میں خود کا پہلے سے بھی بڑا دشمن لگوں گا۔ وہ غلط ہوتے ہوئے بھی خود کو غلط نہیں سمجھتے۔ انہیں گلہ ہے کہ میں ان کی مخالفت کر رہا ہوں یا آپ کو ڈی فنڈ کرنے کے لیے ان کے مقابل کھڑا ہو رہا ہوں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ میں بھی اگر آپ کو چھوڑ دوں گا تو آپ کتنی تنہا رہ جائیں گی۔ میں دانستہ ان کی مخالفت نہیں کر رہا۔ مگر ان کو جھٹلانا اور رد کرنا میرے بس میں نہیں۔ مجھ سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی میں آپ کو کبھی آپ کا مقام واپس دلا پاؤں گا۔ یہ فاصلوں کی خلیج بڑھتی چلی جائے گی۔'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

''ممی! گھر، گھر کے افراد سے بنتا ہے۔ گھر میں بسنے والوں سے بنتا ہے۔ میں نے ہمیشہ ایک بسا ہوا گھر دیکھا ہے۔ وہ سُکھ دیکھا جو عظیم تر تھا۔ لیکن اب جب میں اسی بسے ہوئے گھر کو ٹوٹا پھوٹا دیکھتا ہوں تو مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔ اس گھر کی بنیادیں میرے سامنے کھوکھلی ہو رہی ہیں اور میں کچھ کر نہیں پا رہا ہوں۔ قصور شاید کسی کا بھی نہیں ہے ممی! قصور شاید اس وقت کا ہے جس نے ہم سب کو اس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے جس پر نہ ہم چل کر آگے بڑھ پا رہے ہیں نہ ہی اس سے پلٹ پا رہے ہیں۔ ممی! ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس سے آگے کا موڑ کیا ہے۔ یا پھر اس سے آگے کی راہ کیا ہو گی۔'' اذہان حسن بخاری کی آنکھوں کے کنارے بہت آہستگی سے بھیگ رہے تھے۔ وہ انتشار کے مرحلے سے چپ چاپ گزر رہا تھا۔ اگینے کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

فارحہ بھیگی آنکھوں سے سر اُٹھا کر بیٹے کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔

''میں تجھے اپنے ساتھ باندھ کر رکھنا نہیں چاہتی اذہان! مگر میں تجھ سے جدا ہو کر بھی نہیں جی سکتی۔ ماں ہوں نا، کیا کروں، مجبور ہوں دل کے ہاتھوں، اپنی مامتا کے ہاتھوں۔ اس لیے تجھے بھی مجبور کر رہی ہوں کہ تو اس مشکل صورت حال میں بھی میرے ساتھ رہے۔ میرے ساتھ جئے۔ کچھ خود غرضی ہے۔ مگر سوچو تو ہر ماں ہی خود غرض ہوتی ہے۔'' فارحہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی تھیں اور اذہان حسن بخاری نے بہت مؤدب ہو کر سر ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔

''ممی! میں آپ سے الگ ہرگز نہیں ہوں۔ یہ جان آپ کی ہے، مانگئے تو وہ بھی دے دوں گا۔''

''ایسی باتیں کر کے اپنی ماں کو اور دُکھی مت کر۔ ورنہ بہت پٹائی لگاؤں گی۔'' فارحہ نے ہاتھ اُٹھا کر محبت سے دھمکی دی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے ماں کی سمت دیکھا تھا پھر انہیں اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

☆......☆......☆

آنے سے پہلے کی ایک شام وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ سب کے لیے گفٹس خرید رہی تھی۔ جب مائی اماں کا فون آ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت خوش دلی سے بات کر رہا تھا۔

''جی مائیں اماں! سب ٹھیک ہے یہاں......جی، آپ کی بہو بھی۔''

مائی اماں نے غالباً اس کی بابت پوچھا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''جی، آ رہے ہیں ہم کل کی فلائٹ سے۔ لیجیے، اپنی بہو سے بات کیجیے۔'' اس نے سیل فون اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

''السلام علیکم مائی اماں!''

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟'' مائی اماں محبت سے مخاطب تھیں۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''جی، ٹھیک ہوں......آپ کیسی ہیں مائی اماں؟''

''ٹھیک ہوں بیٹا! میں نے سوچا تم دونوں تو مجھے یاد کرو گے نہیں، میں ہی کر لوں۔''

''ارے یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟ ایسا بھلا ہو سکتا ہے؟ ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں؟'' میرب سیال نے مودب انداز میں کہا تھا۔

''جانتی ہوں جان! میں تو مذاق کر رہی تھی۔ یہ بتاؤ، سبکتگین حیدر لغاری خیال تو رکھ رہا ہے نا تمہارا؟''

''جی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''بیٹا! وہ بظاہر جو نظر آتا ہے ویسا ہے نہیں۔ دیکھنے میں لگتا ہے وہ سخت گیر ہے۔ جسے شاید دوسروں کے جذبات کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔ وہ شاید دوسروں کے متعلق سوچتا بھی نہیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ سبکتگین حیدر ایک دردمند دل رکھتا ہے۔ تکلیف میں تو وہ کسی جانور کے ننھے سے بچے کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ بات صرف مورائیلی کی نہیں ہے بیٹا! وہ واقعی ایک حساس طبیعت کا مالک لڑکا ہے۔ بس کھلنے میں کچھ وقت لیتا ہے اسے سمجھنا کسی قدر دشوار ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ وہ کسی سے خائف ضرور رہ سکتا ہے، لاتعلقی ضرور رہ سکتا ہے مگر کسی کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔'' مائی اماں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق کہہ رہی تھیں اور میرب سیال بے دھیانی میں اس شخص کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہت اپنائیت سے دیکھ رہا تھا۔

''میں یہ تو نہیں جانتی بیٹا! کہ تم اسے کس حد تک سمجھ پائی ہو۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ تم اسے انڈراسٹینڈ کر سکو۔ اسے سمجھنا اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ بس اسے دل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟'' مائی اماں نے اس سے دریافت کیا تھا اور اس نے سر دھیانی میں اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی۔''

''بات یہ ہے بیٹا! جب ہم کسی کو کسی حد تک سمجھنے لگتے ہیں تو پھر مشکلات کسی قدر کم ہونے لگتی ہیں۔ بہت سی پریشانیاں ہماری اپنی تیار کردہ بھی ہوتی ہیں۔ اس میں قصور صرف دوسرے کا ہی نہیں ہوتا ایسا میں اس لیے نہیں کہہ رہی بیٹا! کہ میں تمہاری ساس ہوں اور سبکتگین حیدر لغاری کی ماں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ میں اس سے زیادہ تمہاری خیر خواہ ہوں۔ اس لیے میں چاہتی تھی کہ تم دونوں کے درمیان ایک

باہمی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔میرا خیال ہے یہ عرصہ اس کے لیے خاصا سودمند ثابت ہوا ہوگا، ہے نا؟'' مائی اماں نے پوچھا تھا اور اس نے سر ایک بار پھر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اچھا، کیا واقعی تم ایک دوسرے کو سمجھنے لگے ہو کسی قدر؟'' مائی اماں کو کسی قدر خوشی ہوئی تھی۔

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''جی کسی قدر پیش رفت ہوئی تو ہے۔شاید اسے شناسائی ہونا ہی کہتے ہیں۔''

''شکر ہے خدا کا۔میں دل سے دعا گو تھی تم دونوں کے لیے۔'' مائی اماں نے باقاعدہ شکر ادا کیا تھا۔بیٹا! بات دراصل یہ ہے کہ نئی زندگی کا یہ عرصہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس میں اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سارا کا سارا کردار ایک عورت یا پھر لڑکی ہی ادا کرتی ہے۔تم اسے اچھا کہو یا پھر برا مگر نئی زندگی کے اس باب میں سمجھ بوجھ سے کام ایک لڑکی کو ہی لینا پڑتا ہے۔تبھی ایک ہنستی بستی زندگی وجود میں آسکتی ہے۔ایک ہنستا بستا گھر بن سکتا ہے۔تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

''جی مائی اماں!'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''بیٹا! بات نصیحتوں کی نہیں ہے۔نصیحتیں بڑے بوڑھے بزرگ کرتے ہیں۔تُو مجھے اپنی ساس مت سمجھ، ماں سمجھ اور ماں سے بڑھ کر ایک دوست۔میں سبکتگین سے زیادہ تجھے اپنی مخلص لگوں گی۔یہ مت سمجھنا کہ میں کہیں کسی مقام پر اپنے بیٹے کی حمایت کروں گی یا خواہ مخواہ اسے فیور کروں گی۔نہیں، میں اسے اپنا بیٹا ہونے کی رعایت بالکل نہیں دوں گی اگر وہ کوئی غلطی اس ضمن میں کرے گا۔تم اس بات کا یقین کر لو اور سبکتگین حیدر کو بھی سمجھا دو۔جب سے گیا ہے، کاروبار میں اُلجھا ہوا ہے۔ایک بار بھی ڈھنگ سے بات نہیں ہوئی۔'' مائی اماں بولی تھیں اور وہ مسکرا دی تھی۔

''آپ ان سے بات کر لیجیے۔''

''اس سے بات تو میں کروں گی ہی مگر پہلے مجھے اتنا کہنے دو کہ اپنا بہت خیال رکھنا اور سبکتگین حیدر کا بھی۔تمہارے پاپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہت بہتر ہیں۔آپ سبکتگین حیدر سے بات کر لیجیے۔'' وہ فون اسے تھما کر ایک گفٹ شاپ کی سمت بڑھ گئی تھی۔اور جب وہ ایک کرسٹل ہارٹ ہاتھ میں لیے اسے جانچ رہی تھی تبھی سبکتگین حیدر لغاری وہاں آ گیا تھا۔میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھنے کی بجائے پوری توجہ سے اس کرسٹل ہارٹ کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''بیوٹی فل۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس آئٹم کو بھرپور سراہا تھا۔

میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''اچھا ہے نا؟''

''ہاں، بہت۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر وہ گفٹ آئٹم اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ متاثر کن انداز میں اس کرسٹل ہارٹ کو دیکھتے ہوئے اپنی توجہ شاپ کیپر کی سمت مبذول کی تھی اور اسے فوراً پیک کرنے کو کہا تھا۔

میرب سیال اسے سیفی کے لیے لینا چاہتی تھی۔ مگر اب بے بسی سے اسے صرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید اس کی مشکل سمجھ گیا تھا۔ تبھی بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو اپنے بھاری مضبوط ہاتھ سے بچوں کی طرح تھپتھپایا تھا۔

''تم کچھ اور لے لو۔ شاباش۔'' اور میرب سیال اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ جانے کس کے لیے منتخب کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کرسٹل ہارٹ کو۔ اسے قلق اس بات کا نہ تھا کہ اس نے اس کے ہاتھ سے اسے لے کر اپنے لیے پیک کروا لیا تھا۔ بات اس سے بھی کہیں یہ کاٹ رہی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کس کے لیے بطور خاص منتخب کیا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے گفٹس دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب کھڑے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''کیا ہوا؟...... مائی اماں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ تمہارا موڈ بگڑ گیا؟''

وہ ایک لمحے میں چونکی تھی۔

''نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''شیور؟'' بہ غور اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

''مائی اماں کیا کہہ رہی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیوں جاننے کا شوق ہوا تھا اور میرب سیال اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔ بس رسمی سی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ کو کچھ خاص تجسس نہیں ہو رہا جاننے کا؟'' وہ مسکراتی ہوئی پُر اعتماد نظروں سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''ہو سکتا ہے ہم میں بہت پرسنل باتیں ڈسکس ہوئی ہوں۔ جن کے متعلق کسی اور سے شیئر کرنا ناممکن ہو۔'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کے پُر اعتماد انداز پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

''اوہ، رئیلی؟'' غالباً وہ محظوظ ہوا تھا۔

''ہاں۔'' میرب سیال مسکراتی ہوئی اس کی جانب سے توجہ ہٹا کر گفٹس پیک کروانے لگی تھی۔

''میرب!'' ہولے سے پکارا تھا۔

''جی......'' وہ پلٹی نہیں تھی۔ اسی طرح کھڑے کھڑے جواب دیا تھا۔ اس کی پشت پر کھڑا سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''جانتی ہو، ہزبینڈ وائف میں کچھ بھی پرسنل نہیں ہوتا۔'' جتایا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''ہوتا ہے۔'' اسے رد کیا تھا۔ انداز کمال کا پُر اعتماد تھا۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ ''ہزبینڈ وائف میں بھی بہت کچھ پرسنل

ہوتا ہے۔ جیسے ابھی آپ نے وہ کرسٹل ہارٹ پیک کروایا تو میں نے آپ سے بالکل نہیں پوچھا کہ وہ آپ نے کس کے لیے پیک کروایا ہے۔"

"اوہ......تو یہ بات ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران ہونے سے زیادہ محظوظ ہوا تھا۔ مگر میرب سیال مزید کچھ بھی کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور تب اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی پیش قدمی کرنا پڑی تھی۔

☆......☆......☆

کتنے دن گزر گئے تھے۔ وہ اس روز کے بعد اس کی طرف نہیں آئی تھی۔ اور اسے بھی مصروفیت اس درجہ رہی تھی کہ وہ اس سے بات تک نہ کر سکا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے معلوم تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے اور وہ جانتا تھا، غلطی بھی اسی کی تھی۔ تبھی شام میں وہ اس کی طرف آ گیا تھا۔ وہ ٹیرس پر تھی۔ اسے دیکھتے ہی منہ پھیر کر وہاں سے نکل جانا چاہا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے بہت سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ ساہیہ خان کسی قدر ناگواری سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ بہت مؤدب انداز میں سر جھکا گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں، غلطی میری تھی۔ سو آئی ایم سوری۔" مدھم لہجے میں کہا تھا اور ساہیہ خان اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"نہیں، غلطی تمہاری نہیں تھی اذہان حسن بخاری! غلطی میری ہی تھی۔ میں تمہیں اپنا سمجھی تھی۔ تبھی تمہاری دل جوئی کرنے پہنچ گی تھی۔ مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اسے اپنی زندگی میں مداخلت سمجھو گے۔" ساہیہ خان نے کسی قدر لاتعلق لہجے میں کہا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"آئی سیڈ آئی ایم سوری مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا تب ہی۔"

"لیکن تب تو تم نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" ساہیہ خان نے اس کی سمت پُرشکوہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تب تم نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ یاد ہے، فوراً ہی اُٹھی تھیں اور چلی آئی تھیں۔" یاد دلایا تھا۔ مگر ساہیہ خان اس کی سمت سے رُخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ساہیہ! پلیز ٹرائے ٹو انڈراسٹینڈ می۔" اس کے عین سامنے کھڑے ہوتے ہوئے مدھم لہجے میں درخواست کی تھی اور ساہیہ خان اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"اذہان حسن بخاری! میں جانتی تھی کہ تم کس درجہ مشکل میں گھر ہوئے ہو۔ مجھے تمہاری کیفیت کا اندازہ تھا تبھی میں نے تمہیں دیگر دوستوں سے ہٹ کر ٹریٹ کیا۔ مجھے معلوم تھا تمہیں دلجوئی کی ضرورت ہے۔ مگر میں یہ بھی جانتی تھی تمہیں ہمدردی کا کوئی عام انداز نہیں بھائے گا۔ شاید تم اس ہمدردی کو اچھا خیال نہیں کرو گے۔ اس لیے میں نے تم سے ایک مختلف رویہ اپنایا۔ مقصد فقط یہی تھا کہ تم کسی قدر سنبھل جاؤ۔ زندگی کی حقیقتوں کو فیس کرنا سیکھ جاؤ۔ میں نے ایک عام دوست سے ہٹ کر تمہاری دلجوئی کی۔ مگر تم نے......اذہان! تم بہت برے ہو۔" وہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''واقعی بہت برا ہوں۔مگر کیا کروں؟......ایسا ہی ہوں میں۔ایسا ہی ہوں میں۔کیا تم مجھے اس طرح قبول کر سکتی ہو؟''

ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

''اذہان! تمہارا پرابلم پتہ ہے کیا ہے؟ تم اپنے دوستوں کو بہت ہی کیئر ول لیتے ہو اور ایسا کرتے ہوئے تم ان کے جذبات کو بھی کسی قدر ہرٹ کر جاتے ہو۔''

''لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ میں اپنے دوستوں کو کھونا قطعاً بھی نہیں چاہتا۔سو ہاؤ کین آئی لوز مائے بیسٹ فرینڈ ناؤ۔'' اذہان حسن بخاری نے اپنا چوڑا ہاتھ اس کی سمت پھیلایا تھا۔ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھتا تھا پھر اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

''تھینکس۔'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ساہیہ خان بھی مسکرا دی تھی۔

''میں تم سے ناراض نہیں اذہان! میں ایک دوست کی کیفیت کو سمجھ سکتی ہوں۔میں جانتی تھی تم کتنے ڈپریسڈ تھے۔اور ایسے میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔میں بس تمہیں کچھ وقت دینا چاہتی تھی تا کہ تم اس صورت حال کو خود آپ سمجھ سکو اور قبول کر سکو۔'' ساہیہ خانہ نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔اذہان حسن بخاری اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ خان! تم میری بہت سمجھ دار اور عقل مند دوست ہو۔تم نے واقعی ٹھیک کہا تھا کہ جب تک میں اس صورت حال کو قبول نہیں کر لوں میں اس سے نہیں نمٹ سکتا۔اور اب میں نے صورت حال کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔''

''تبھی اسٹیٹس دوبارہ جانے کا ڈرامہ رچایا؟'' ساہیہ خان نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''تو ساری خبریں رکھی جا رہی تھیں......اتنی فکر تھی تو خود کیوں نہیں آ گئیں؟''

''روکنے؟'' ساہیہ خان نے وضاحت چاہی تھی مگر وہ کچھ بولے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''میں جانتی تھی تم نہیں جا سکو گے اذہان!''

''کیوں؟......تمہیں یہ یقین کیونکر تھا؟'' اذہان حسن بخاری کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! جو شخص محبتوں میں بندھا ہو، وہ کبھی کہیں نہیں جا سکتا۔میں جانتی تھی، خود سے وابستہ رشتوں کی محبت تمہیں جانے نہیں دے گی۔بہتر ہوگا تم بھی اس بات کا یقین کر لو اور آئندہ فارحہ آنٹی کو پریشان کرنے کا ارادہ نہ کرو۔''

''فارحہ آنٹی کو نہیں مگر ان کی منظورِ نظر اس بلی جیسی لڑکی کو پریشان کرنے کا ارادہ تو کر سکتا ہوں نا؟'' وہ اسے شانوں سے تھامتا ہوا مسکرایا تھا۔ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''اذہان! فارحہ آنٹی بہت پریشان ہیں۔پلیز تم واقعی انہیں آئندہ پریشان مت کرنا۔بہت سی امیدیں ہیں انہیں تم سے۔بہت

چاہتی ہیں وہ تمہیں۔'' ساہیہ خان نے باور کرایا تھا اور اذہان حسن بخاری ہمدرد لہجے میں بولتی اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''تم مجھے بے وقوف سمجھتے تھے اذہان؟'' اس کے اس طرح دیکھنے پر وہ مسکرائی تھی۔

''نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔ مگر میں تم سے اس قدر سمجھ داری کی باتیں ایکسپکٹ نہیں کر رہا تھا۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تم کیا سمجھتے تھے، ساہیہ خان کو صرف ہنسی مذاق ہی کرنا آتا ہے؟''

''نہیں، میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ تم ہر رنگ میں کتنی خوبصورت ہو۔'' آنکھوں میں شرارت لیے وہ مسکرا رہا تھا اور ساہیہ خان ہنس دی تھی۔ وہی اپنی فطری ہنسی۔

''پلیز، ہمیشہ میرے ساتھ رہنا، اسی طرح۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں درخواست کی تھی اور وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''ہاں، مگر تمہیں ایک پرامس کرنا ہوگا۔''

''پرامس؟'' وہ چونکا تھا۔

''ہاں۔ وہ یہ کہ آئندہ کتنا بھی بڑا کرائسس کیوں نہ زندگی میں آ جائے، تم اسے اتنا ہیوی نہیں لو گے۔ اور ہمیشہ ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر اس صورت حال سے نمٹو گے۔'' ساہیہ خان نے اپنا نازک سا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''یس......آئی ڈو پرامس۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اپنا بھاری ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان کو کوشش کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔

ایک بے خودی تھی۔ ایک اضطراب تھا جو دل کو چار اطراف سے گھیرے ہوئے تھی اور وہ بے بس تھا۔ مکمل طور پر بے بس۔

نہ جانے کب سے
اُمیدیں کچھ باقی ہیں
مجھے پھر بھی تیری یاد
کیوں آتی ہے
نہ جانے کب سے

وہ کبھی سمجھ نہیں پایا تھا ان آنکھوں میں ایسا کیا جادو تھا؟......اس چہرے میں کیسی کشش تھی کہ وہ اس سے آگے کچھ دیکھ ہی نہ پاتا تھا۔ کچھ سوچ ہی نہ پاتا تھا۔ کیا بھید تھا ان آنکھوں میں۔

دور جتنا بھی تو مجھ سے

پاس تیرے میں
اب تو عادت سی ہے مجھ کو ایسے جینے میں
زندگی سے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے۔
اب تو زندہ ہوں میں اس نیلے آسمان میں

کتنی باتیں تھیں جو ان کہی تھیں۔ کتنی کہانیاں تھیں جو کبھی بیان نہ ہو سکی تھیں، جنہیں کبھی وہ اس سے کہہ ہی نہ سکا تھا۔ کیسی بے اختیاری تھی اس دل میں اور کیسی بے بسی تھی اس کی۔

چاہت ایسی ہے تیری بڑھتی جائے۔
آہٹ ایسی ہے یہ تیری مجھ کو ستائے
یادیں گہری ہیں اتنی کہ دل ڈوب جائے
اور آنکھوں میں یہ غم نم بن جائے
اب تو عادت ہے مجھ کو ایسے جینے میں
سبھی لمحے ہیں
سبھی باتیں ہیں
بھلا دو انہیں
مٹا دو انہیں

اچانک اس کے پیچھے آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دھیان کیا تھا۔

”عفنان!“ ماما کو اسے اس وقت جاگتا دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی تھی تبھی وہ چلتی ہوئی آگے بڑھ آئی تھیں۔ ”تم سوئے نہیں ابھی تک؟“ ماما نے دریافت کیا تھا اور اس نے بنا جواب دیئے نظریں جھکا لی تھیں۔ سرخ آنکھوں میں کوئی گہرا اضطراب بول رہا تھا۔ فاطمہ خان نے کسی قدر فکرمندی سے بیٹے کی پیشانی پر ہاتھ دھرا تھا۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں ماما!“ وہ ہولے سے کہہ کر سر جھکا گیا تھا۔ فاطمہ خان نے بیٹے کو بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بیٹے کے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔

”کیا بات ہے؟ تم پریشان لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟ اس روز بھی میں نے پوچھا تھا مگر تم ٹال گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو، ماں سے جھوٹ بولنا اس قدر آسان ہے؟ کیا میری نگاہ نہیں دیکھ رہی؟“

”کیا؟“ وہ مسکرایا تھا مگر انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔ ”کیا دیکھ رہی ہے آپ کی نگاہ؟“

فاطمہ خان کچھ نہیں بولیں مگر وہ بیٹے کی جانب بہ غور دیکھ رہی تھیں۔ عفنان علی خان نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر بہت دھیمے

سے مسکرا دیا تھا۔

''ماما! میں نے آپ سے کچھ چھپایا ہے۔''

''کیا؟'' فاطمہ خان چونکی تھیں۔

''بہت کچھ ماما!'' وہ سر جھکا گیا تھا۔ انداز بے حد بجھا بجھا سا تھا۔ ''بہت کچھ۔'' وہ ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ ''لیکن اب میں مزید کچھ نہیں چھپاؤں گا...... آپ جانتی ہیں میں کسی جرم کا مرتکب نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم سمجھنے لگا ہوں۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود ایک احساسِ جرم میرے قدموں سے ہر گھڑی لپٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ماما! آپ جاننا چاہتی ہیں نا میں کس لیے پریشان رہتا ہوں۔ وہ کون سی بے چینی ہے جو مجھے ستاتی رہتی ہے؟''

اپنی اضطراب سے بھری آنکھوں کو وہ ماں کی سمت اٹھائے کہہ رہا تھا۔ اور فاطمہ خان ساکت سی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے خوابوں سے کبھی کوئی شغف نہیں رہا ماما! ...... مجھے کوئی بے قراری نہیں تھی۔ مگر اس کی ایک نگاہ نے عجب ہلچل مچا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا منظر اسی کے رنگ میں رنگ گیا۔ ماما! اس کی ایک نگاہ نے مجھے زندگی کے ہزار ہا رنگ دکھائے، ہزار ہا معنی بتائے۔ وہ باتیں بھی سمجھائیں جو میں اس سے قبل کبھی نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو لگا زندگی بس وہ ہے اور باقی سب خواب۔ ماما! اس کی خواب جگاتی آنکھوں میں عجب ایک بات ہے جو ہوش بھلا دیتی ہے۔ اور ...... اور مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ میں اس کے سامنے ہوتا ہوں تو کچھ اور دیکھ ہی نہیں پاتا، کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتا۔ صرف ...... صرف اسے دیکھتا ہوں اور اسے سوچتا ہوں۔ عجب بے خود کر دیتی ہے وہ مجھے۔ کچھ ہوش باقی نہیں رہنے دیتی...... اور میں اس کے سامنے ہار جاتا ہوں۔ عجب ایک پسپائی ہوتی ہے میرے انداز میں اور اسے کچھ خبر نہیں ہوتی ...... اس کی جادوئی آنکھیں میرے اندر کئی خواب جگانے لگتی ہیں اور میں بے بس سا، خالی خالی نظروں سے اس کے چہرے کو تکتا رہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ماما! ...... میں اس سے دور بھاگنا چاہتا ہوں مگر پاؤں بندھ جاتے ہیں۔ میں نہیں دیکھنا چاہتا ان رنگوں سے، خوابوں سے بھری آنکھوں کو مگر مجھے ان رنگوں سے عجب ایک انسیت سی ہو چلی ہے کہ کچھ تدبیر کام نہیں آتی۔ اور تب تب مجھ پر کھلتا ہے ماما! کہ میں کبھی اس سے دور ہونے کی سعی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آئی لو ہر...... آئی لو ہر ماما! میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ماما! ہر بندھن توڑ دوں گا۔ میں ان زنجیروں میں بندھ کر نہیں رہ سکتا۔'' عفنان علی خان کا انداز شکستہ اور نڈھال تھا اور فاطمہ خان ساکت سی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

''دم گھٹنے لگا ہے میرا...... اب میں وہ سب کر جاؤں گا جو مجھے اس سے ملا سکے۔ کیونکہ مجھے احساس ہونے لگا ہے ماما! کہ اس کے بنا کوئی راستہ نہیں۔ نہ جینے کا، نہ ہی......'' وہ یکدم اُٹھا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

فاطمہ خان کتنی دیر تک وہاں بیٹھی سرسراتی ہواؤں کے شور کو سنتی رہی تھیں۔

☆......☆......☆

میرب سیال اپنی پیکنگ کر رہی تھی۔ جب سیفی کا فون آ گیا تھا۔

"سیفی تم؟ ......تم اتنے عرصے بعد؟ کہو، کیسے یاد آ گئی میری؟" وہ حیران ہونے کے ساتھ شکوہ کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ مگر سیفی ہنس دیا تھا۔

"تمہارے تھانیدار صاحب کا ڈر تھا۔ بس اسی لیے باوجود چاہنے کے بھی کال نہیں کر سکا۔"

"تھانیدار؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب۔" سیفی نے وضاحت دی تھی اور وہ حیرت سے چونک پڑی تھی۔

"انہوں نے اس بابت کچھ کہا تھا تم سے؟"

"ارے نہیں۔ کہا تو کچھ نہیں کبھی۔ مگر موصوف کی دہشت ہی اتنی ہے کہ مجھ جیسا بندہ سہم کر رہ جائے۔" وہ بدستور مذاق کے موڈ میں تھا۔

"سیفی!" اس کے ہنسنے پر میرب سیال نے اسے ڈپٹا تھا۔

"ہیں کہاں اس وقت محترم؟ ......لگتا ہے پہرہ کچھ کم ہوا ہے، جو تم مجھ سے بات کر رہی ہو۔" سیفی دوسری طرف مسکرا رہا تھا۔

"ویسے خوشی مجھے اس بات کی زیادہ ہے کہ میں تم سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی تھی۔ یعنی سیفی اس سے قبل بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ ......کیا سوچنے لگیں تم؟" سیفی نے جیسے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ تم بتاؤ، یہاں کا نمبر کہاں سے ملا؟ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں پاپا کے ساتھ ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے خود کو معمول پر رکھنا چاہا تھا۔

"زوباریہ سے بات ہوئی تھی۔ تبھی خبر ہوئی کہ تم یہاں ہو۔ کیا ہوا؟ ...... یہ معجزہ کیسے ہوا؟ سردار صاحب نے اتنی نرمی کیسے کر دی؟" سیفی ہنس رہا تھا۔

"شٹ اَپ سیفی! اب وہ اتنے بھی جلاد نہیں ہیں۔ تم تو خواہ مخواہ۔"

"اوہو......یعنی اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تم انہیں ڈی فنڈ بھی کرنے لگی ہو۔" سیفی مسکرایا تھا۔ میرب سیال مسکرا دی تھی۔

"سیفی! میرے پاس تمہیں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ بے جی کے متعلق بتاؤ، کیسی ہیں وہ؟"

"تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ کچھ زیادہ دن نہیں لگا دیے تم نے؟"

"ہاں۔ مگر اب تمہارے انتظار کی یہ مدت ختم ہو رہی ہے۔ میں واپس آ رہی ہوں۔"

"اوہ، رئیلی؟ لیکن کب؟"

"بہت جلد۔" میرب سیال کے لبوں پر بہت مطمئن مسکراہٹ تھی۔ "سیفی! میں جانتی ہوں میں اسٹڈی میں بہت کچھ مس کر چکی

ہوں۔ پلیز، تم میرے لیے نوٹس تیار رکھنا اور مجھے اس میں تمہاری ہیلپ کی بھی بہت ضرورت پڑے گی۔ تم ایسا کرنا......"

"میرب!" وہ تیزی سے بول رہی تھی جب اپنے پیچھے آہٹ کے ساتھ ایک بھرپور لہجہ سنائی دیا تھا۔ وہ یکدم ہی پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب کھڑا اس کی توجہ کا منتظر تھا۔

"سیفی! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"تم مصروف تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف پوری توجہ سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

"نہیں۔ آپ کو کوئی کام تھا؟"

"کام؟" مسکراتے ہوئے بھرپور انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ "کیا تم سے ملاقات کے لیے فقط کام جیسے حوالوں کی ضرورت ہے؟"

"نہیں۔" میرب سیال نے بنا تعرض سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے چہرے پر کسی شے کی کمی ہے میرب!" لہجہ دھیما تھا۔ میرب سیال بے طرح چونکی تھی۔ بے ساختگی میں ہاتھ چہرے کی جانب چلا گیا تھا۔ بہت آہستگی کے ساتھ اس نے اپنے چہرے کو چھوا تھا۔ نظروں میں کسی قدر حیرت تھی۔

"کمی؟...... کس چیز کی کمی؟" اس کا لہجہ بھی حیرت سے بھرپور تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ بہت آہستگی سے قدم اُٹھا کر اپنے درمیان کا فاصلہ سمیٹا تھا اور اس کے قریب آن رکا تھا۔ اسے بہ غور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ میرب سیال اس کے اقدام پر کسی قدر جھجک کر نظریں جھکا گئی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"یور اسمائل...... ہنی! آئی ایم مسنگ یور اسمائل اِن یور فیس۔" مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ بہ غور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں ارتعاش یکدم ہی برپا ہوا تھا۔ مسکراتی تو وہ کیا، وہ تو نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت اس لمحے دیکھ بھی نہ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہوں میں اس گھڑی کوئی تپش سی تھی۔

"میں بہت سے رنگ اس چہرے پر بکھرے دیکھنا چاہتا ہوں ہنی! مجھے اچھا لگتا ہے جب تم مسکراتی ہو۔ مجھے وہ سبھی رنگ اچھے لگتے ہیں جو اس لمحے تمہاری ان آنکھوں سے پھوٹتے ہیں۔ مجھے وہ چمک بہت بھلی لگتی ہے جس کے باعث تمہارا چہرہ کچھ اور بھی نکھر سا جاتا ہے۔" کتنی میٹھی سی، مدھم سرگوشی تھی۔ "سو آل ویز اسمائل ہنی!"

"آپ...... آپ شاید کچھ کہنے آئے تھے؟" اس کی گرم گرم سانسوں کی حدت سے گھبرا کر میرب سیال نے چہرے کا رُخ پھیرا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بہت گہری مسکراہٹ اس لمحے اُتری تھی۔

"کوئی ضروری بات؟" کہنے کے ساتھ اسے بہ غور دیکھتے ہوئے اس کے صبیح چہرے پر آئی ہوئی اس زلف پریشان کو بہت آہستگی سے چھوا تھا جو اس گھڑی اس کے چہرے پر آ کر اس کی خوبصورتی کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔

"ضروری بات تو میں اب بھی کر رہا ہوں ہنی! کیا تمہیں لگتا ہے کہ یہ کسی قدرے بے معنی اور فضول ہے؟" بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور میرب سیال نے یکدم ہی سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں......غالباً میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"لیکن تمہاری آنکھیں تو کہہ رہی ہیں ہنی!" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔

"کبھی کبھی بہت سی باتوں کو سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔شاید آپ بھی سمجھنے میں کوئی غلطی کر رہے ہیں۔" اس نے وضاحت دی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہاری ساری باتوں کے مفہوم میں سمجھ سکتا ہوں۔وہ بھی جو تم کہتی ہو اور وہ بھی جو تم نہیں کہتی ہو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انداز جتانے والا تھا۔

میرب سیال جانے کیوں مسکرادی تھی۔

"مجھے سمجھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔" یکدم مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔"فقط کوشش کر رہا ہوں ہنی! کیونکہ کوششیں کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"جانے کے متعلق کنفرم ہے نا۔آپ کی پیکنگ مکمل ہوگئی؟" میرب سیال نے اس کی توجہ کا رُخ یکدم موڑا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس اقدام پر مسکرادیا تھا۔پھر اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں......اور یہی بات میں تمہیں بتانے آیا تھا۔تم بھی ابھی پیکنگ مت کرو۔"

"کیوں؟" میرب سیال چونکی تھی۔

"وہ اس لیے کیونکہ فی الحال ہم نہیں جا رہے۔"

"نہیں جا رہے؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"ہاں......ارادہ تو مکمل تھا۔مگر کل اچانک ہی مسٹر چاولہ نے انفارم کیا کہ ایک نئے بزنس اسائنمنٹ کے باعث ہم جا نہیں پائیں گے۔بات اگر معمولی ہوتی تو اسے مسٹر چاولہ بھی ہینڈل کر سکتے تھے۔مگر یہ اسائنمنٹ بہت بڑا ہے،سو میرا یہاں موجود ہونا بے حد ضروری ہے۔تم اب تسلی کے ساتھ پاپا کے ساتھ رہ سکتی ہو اور ان کی دیکھ بھال کر سکتی ہو۔ویسے مائی اماں کا فون آیا تھا اور ان کی خاص ہدایت تھی کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں،وہاں اس نئے گھر میں جو میں نے بطور خاص تمہارے لیے لیا ہے۔مگر میں ایسا تب تک نہیں کروں گا جب تک تم یہ خواہش خود ظاہر نہیں کرو گی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔

''مجھے اچھا لگتا ہے میرب سیال! تمہارے لیے دیوانہ بننا۔ تمہارے لیے دیوانگی ظاہر کرنا۔ مگر ہنی! میں یہی چمک تمہاری آنکھوں میں بھی دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ تمہیں جتانا نہیں چاہتا ہنی! مگر زندگی کچھ لو، کچھ دو پر چلتی ہے۔ اگر میں کچھ کیئر دیتا ہوں تو کچھ کیئر جواباً وانٹ بھی کرتا ہوں۔ اور میرا نہیں خیال کہ تمہاری طرف سے کچھ ایسا ایکسپکٹ کرنا کچھ عجب ہے یا غلط۔'' مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ بھرپور توجہ سے۔

''کیا ایسا سوچ کر میں کچھ غلطی کر رہا ہوں ہنی؟'' تخاطب دلفریب تھا۔ اور میرب سیال کی دنیا میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' بہت آہستگی سے اس نے سر جھکا کر جواب دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''یہ چھوٹی سی بات تم میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھی تو کہہ سکتی ہونا ہنی؟''

میرب سیال نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں کسی قدر شرارت تھی۔ مگر میرب سیال اس لمحے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے اس کی سمت دیکھا تھا۔ شاید اسے اس پر کسی قدر ترس آ گیا تھا تبھی وہ لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔

''اوکے...... تم اپنا پیک کیا ہوا سامان کھول دو اور ریلیکس کرو۔ میں پھر چکر لگاؤں گا۔'' وہ جانے کا ارادہ کر کے پلٹا تھا۔

''سنیں۔'' میرب سیال نے یکدم جانے کیوں پیچھے سے پکارا تھا۔

''ہوں؟'' وہ پلٹ کر دوسرے ہی پل اس کی طرف پوری توجہ سے دیکھنے لگا تھا۔

''چائے...... چائے پی کر جائیے گا۔'' میرب سیال نے کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتا ہوا بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''تمہارے لہجے اور باتوں کی شیرینی کافی ہے۔'' وہ بولا تھا اور پھر پلٹ کر فوراً ہی چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب سیال ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی میں کبھی کبھی سمجھوتے بہت ناگزیر ہو جایا کرتے ہیں۔ خواہ یہ کتنے بھی مشکل کیوں نہ ہوں۔

فارحہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے بہت خاموشی سے شوہر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔

''فارحہ! زندگی میں جو بات تلخی دے اسے کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ تمہارے اور میرے رشتے کو لے کر گھر میں، بچوں میں جو ٹینشن ہے اس کا اندازہ مجھے ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے جس کے باعث کھنچاؤ کری ایٹ ہو ہی جاتا ہے۔''

سعد حسن بخاری کا انداز وضاحت دینے والا تھا اور فارحہ کے پاس جیسے بولنے کو کچھ نہ تھا۔

''فارحہ! مجھے تمہارا، بچوں کا، اس گھر کا خیال ہے۔ تم اور بچے اب بھی میرے لیے پہلی ترجیح ہو تم یہ کیسے سمجھ سکتی ہو کہ میں ان کے ساتھ کسی طرح کی کوئی ناانصافی کر سکتا ہوں۔ عریبہ تھرٹی پرسنٹ چاہتی ہے مگر اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ میں اپنے شیئرز کے تھرٹی پرسنٹ

دے بھی دوں۔ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ میرا ایک بیٹا ہے، بیٹی ہے۔ ان کا حصہ، ان کے حصے کی ذمہ داری میں کیسے بانٹ سکتا ہوں؟ تم ہمیشہ مجھے غلط سمجھتی ہو۔ ہمیشہ الزام دیتی ہو۔''

فارحہ سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

''میں نے کبھی کسی طرح کا کوئی الزام نہیں دیا آپ کو۔ میں نے صرف آپ سے یہی کہا تھا کہ میں اپنے بچوں کے سلسلے میں کوئی نا انصافی برداشت نہیں کروں گی۔ مگر خیر، اب میں ان باتوں کو بھی دہرانا نہیں چاہتی۔ آپ کو جو کرنا ہے کیجیے۔'' فارحہ کا لہجہ لاتعلق تھا اور سعد بخاری اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

''تمہارا پرابلم یہ ہے فارحہ! تم صورت حال اور حالات کو اپنے بس میں جب ہوتا نہیں پاتی ہو تو بچوں کی طرح ہار مان کر سر پٹخنے لگتی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو، تم اگر حقیقت نہیں مانو گی تو کیا سب کچھ بدل جائے گا؟ ایک صرف تمہارے نہ ماننے سے ہر بات کا مفہوم تبدیل ہو جائے گا؟...... یقیناً ایسا نہیں ہے فارحہ! اب تمہیں بھی یہ بات خود کو باور کرا دینی چاہیے۔''

فارحہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔ عجب ایک طنز تھا اس انداز میں۔

''میں خود کو یہ بات بہت پہلے باور کرا چکی ہوں۔''

سعد بخاری نے خاموشی سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ بچوں سے متعلق۔'' بہت مدھم لہجے میں مدعا بیان کیا تھا اور فارحہ بہت چونک کر سعد بخاری کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔

''کیسی بات؟'' انداز حیرت سے پُر تھا اور سعد حسن بخاری انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''بچوں کے مستقبل سے متعلق۔''

اور فارحہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟...... یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟ صبح گھڑی نہیں ملائی تھی کیا؟'' اوزی اُسے کافی کا کپ تھماتے ہوئے مسکرایا تھا اور انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''بعض چہرے ہوتے ہی ایسے ہیں، کچھ بھی کر لو، فرق نہیں پڑتا۔''

''یعنی تمہارا چہرہ واقعی اس خراب گھڑی جیسا ہے جو بارہ سے آگے کبھی نہیں بڑھتی؟'' اوزی مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ کر مسکرا دی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! زندگی کیا ہے؟''

''کچھ بھی ہو، مگر صبح کا اخبار تو ہرگز نہیں ہے۔'' اوزی شاہ نے اچکاتا ہوا مسکرایا تھا۔

''صبح کا اخبار؟'' وہ کسی قدر حیران ہوتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''آف کورس یار! زندگی صبح کا اخبار ہرگز نہیں ہے کہ اس میں روز ایک طرح کی خبریں شائع ہوں۔ تمہیں نہیں لگتا، ہمیں روز ایک نئے احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک نئی اُمنگ، ایک نئی ترنگ کی۔ اگر اخبار کی طرح روز ایک طرح کی خبریں اور ایک طرح کے واقعات زندگی میں واقع ہونے لگیں تو پھر زندگی اور اخبار میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہے نا۔'' اوزی وضاحت دیتا ہوا مسکرایا تھا۔

''ہاں، شاید۔'' انابیہ شاہ کافی کا سپ لیتے ہوئے مسکرادی تھی۔

''کیا پروگرام ہے؟'' اوزی نے دریافت کیا تھا۔

''کس سے متعلق؟'' انابیہ شاہ چونکی تھی۔

''عفنان انوی ٹیشن دے کر گیا تھا نا۔ بھول گئیں تم؟'' اوزی نے یاد دلایا تھا اور انابیہ شاہ لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''کیا کرنا ہے؟'' اوزی نے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''ابھی کچھ طے نہیں ہے۔ جب ہوگا تو بتادوں گی۔'' آواز مدھم تھی۔

''انابیہ!'' اوزی نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

''ہاں۔'' وہ اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا تم بہت زیادہ زندگی سے بھاگتی ہو؟''

''ہاں، شاید۔'' وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔

''شاید نہیں، یقیناً۔ تم واقعی زندگی سے فرار چاہتی ہو لیکن تمہیں نہیں لگتا ایسا کر کے تم کچھ غلط کر رہی ہو؟''

''غلط یا صحیح، اس سے کیا فرق پڑتا ہے اوزی!'' وہ بجھے بجھے سے انداز میں بنا اس کی سمت دیکھے بولی۔

''فرق......فرق پڑتا ہے انابیہ! تمہیں نہیں لیکن آنٹی کو، نانا جی کو اور مجھے انابیہ! میں اس طرح اپنی دوست کو ضائع ہوتے ہوئے نہیں......''

''تم بھی تو اوزی!......تم بھی تو ضائع ہو رہے ہو......خود کو ضائع کر رہے ہو۔'' انابیہ شاہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی اور اوزی اس کی سمت دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''ہاں...... یہ تو ہے۔ مگر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن سنو، تمہیں میری فکر کرنے کی اس قدر ضرورت نہیں ہے۔ تم ہم لڑکوں کو نہیں جانتی ہو۔ ہم بہت گھنے ہوتے ہیں۔ کچھ بھی ہو جائے، ہماری فطرت نہیں بدل سکتی۔ ہم انجوائے منٹ کے بہانے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ کیا کریں، اس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہوتا نا۔'' انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

''تم دنیا کے پہلے مرد ہو جو مردوں کے خلاف اتنی کثرت سے بولتے ہو۔ ورنہ تو مرد اکثر اپنے متعلق قیاس آرائیوں کو جھٹلاتے ہی نظر آتے ہیں۔'' انابیہ شاہ نے کہا تھا اور وہ مسکرادیا تھا۔

''انابیہ شاہ! حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔اس کے باوجود کہ حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے۔'' اگر چہ اوزی کا انداز جتانے والا نہیں تھا مگر اس گھڑی انابیہ شاہ لب بھینچ کر یکدم ہی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''رات بہت ہوگئی ہے...... ہمیں اب سو جانا چاہیے۔گڈ نائٹ۔'' کہنے کے ساتھ ہی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی زینے کی سمت بڑھنے لگی تھی۔اوزی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر چلتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''تم بزنس کرو گی؟'' اذہان حسن بخاری کی حیرت اس کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں اور چہرے سے بھی صاف عیاں تھی۔ اور حیرت سے زیادہ غالباً وہ محظوظ ہوا تھا۔کیونکہ لبوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔اور ساہیہ نے اسے کسی قدر ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا۔

''اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟...... کیا لڑکیاں بزنس نہیں کر سکتیں یا نہیں کر رہیں؟ مسٹر اذہان حسن بخاری! آپ کی عقل یقیناً بہت ناقص ہے۔یا پھر آپ ان مردوں میں سے ہیں جو عورتوں کو اب بھی سترہویں یا پھر اٹھارہویں صدی میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔آج کی لڑکی سب کچھ کر سکتی ہے۔'' وہ خفا خفا سے لہجے میں بولی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔جیسے اسے چڑا کر وہ بہت زیادہ محظوظ ہوا تھا۔

''تم مانو یا نہ مانو۔میں اب بھی لڑکیوں کے گھر میں بیٹھ کر کام کاج کرنے کے حق میں ہوں۔کپڑے دھونا، ڈش واشنگ کرنا، ککنگ کرنا، ان سب کاموں سے فارغ ہو کر کسی فردِ خاص کے لیے سجنا سنورنا اور بیٹھ کر بے تابی سے کسی آنے والے کا انتظار کرنا۔اور پھر جب وہ آجائے تو مسکرا کر اسے وش کرنا اور اس کے لیے کھانا گرم کر کے نکالنا۔'' وہ طویل فہرست گنوانے کے موڈ میں تھا۔مگر ساہیہ خان نے تبھی اسے ٹوک دیا تھا۔

''شٹ اَپ اذہان! مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی۔'' وہ غصے سے بولی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔ساہیہ خان منہ پھلا کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟...... اچھا، دکھاؤ مجھے یہ فائل، کیا پروجیکٹ تیار کیا ہے تم نے۔'' فائل لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا مگر ساہیہ خان نے جھٹک دیا تھا۔

''رہنے دو...... میں کر لوں گی۔نہیں ضرورت ہے مجھے تمہاری اور تمہاری مدد کی۔''

''ساہیہ! جسٹ کڈنگ یار! میں جانتا ہوں تم میں کتنا پوٹنشل ہے کام کرنے کا۔ویسے یہ فوڈ چین کا آئیڈیا تمہیں ملا کہاں سے؟''

''آئیڈیا نہیں ملا، میں اس سے قبل کام کر چکی ہوں کینیڈا میں۔اور میں جانتی ہوں ہاؤ ڈز اِٹ ورک۔'' ساہیہ خان نے باور کرایا تھا اور اذہان حسن بخاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

''مگر اس سے پہلے تم نے کبھی نہیں بتایا تھا اس سے متعلق۔''

''تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔یا پھر جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔تم شاید مجھے ایک بے وقوف سی لڑکی سمجھ رہے تھے۔'' ساہیہ خان

مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"اب اگر سمجھ رہا تھا تو کیا عجب تھا۔ نائنٹی نائٹ پرسنٹ لڑکیاں ایسی ہی تو ہوتی ہیں۔" وہ مکمل طور پر مذاق کے موڈ میں تھا۔

ساہیہ نے اسے دیکھا تھا، پھر فائل اور پرس سمیٹ کر اُٹھنے والی تھی تبھی اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان نے کسی قدر خفگی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔"

"خفا ہو کر جا رہی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں۔ مگر میں اس سلسلے میں انکل سے بات کرلوں گی۔" وہ بولی تھی اور اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ یکدم جو غائب ہوئی تھی سو ہوئی تھی، ساہیہ خان کے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت بھی یکدم ہی ڈھیلی ہوئی تھی اور دوسرے ہی لمحے اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ کی گرفت سے آزاد تھا۔

ساہیہ خان نے اس کے چہرے کی یکدم بدلتی کیفیت کو دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس کے سامنے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا جو اس کی سمت سے دھیان پھیرے بیٹھا اس لمحے بہت اجنبی نظر آیا تھا۔

"اذہان!" بہت آہستگی سے اسے پکارا تھا۔ "دیکھو، اگر تم میری طرف دیکھو گے نہیں، بات نہیں کرو گے تو یہاں میرے رکنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔" مسکراتے ہوئے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ قطعاً نہیں مسکرایا تھا۔

"اذہان!" ساہیہ خان نے اسے تنبیہہ کرنے والے انداز میں دیکھا تھا۔ مگر اذہان نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

"اذہان! اِٹس ناٹ اے گڈ سائن۔ تم اپنے پاپا سے اس قدر نفرت کرتے ہو کہ ان کا نام آتے ہی تمہارا موڈ یکسر تبدیل ہو گیا۔" ساہیہ خان کے لہجے میں حیرت تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری کی توجہ اس کی سمت نہیں تھی۔

"اذہان! تم نے کہا تھا تم بدل رہے ہو، حقیقت کو تسلیم کر رہے ہو۔ کیا یہ سب اس کا ثبوت ہے؟ اذہان! ایسا کب تک رہے گا؟ کیا واقعی تم انکل سے اتنی نفرت کرتے ہو کہ ان کا نام بھی نہیں سن سکتے؟"

"نہیں۔" اذہان حسن بخاری نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ خود کو معمول پر ظاہر کرنے کو اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"اذہان! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی اذہان نے اس کے ہاتھ سے فائل لی تھی اور بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

"یہ پروجیکٹ تم اسٹارٹ کہاں سے کرنا چاہتی ہو؟ کچھ پلان کیا ہے تم نے؟ پھر بجٹ، ریسٹورنٹس کے لیے لوکیشنز...... میرا خیال

ہے تمہیں اس پر اچھا خاصا ہوم ورک کرنا ہوگا۔ اچھا ہوگا تم ایک بار پاپا کی رائے بھی لے لو۔ اِن فیکٹ ان کا ایکسپیرینس مجھ سے بہت زیادہ ہے اور وہ تمہیں مجھ سے زیادہ اچھی رائے یا مشورہ بھی دے سکیں گے۔'' اس کی سمت سنجیدگی سے دیکھتا ہوا وہ بول رہا تھا اور ساہیہ خان اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے ہو۔ پلیز، یہ دکھاوے کا خول مت چڑھاؤ اپنے چہرے پر۔''

اذہان حسن بخاری نے اس رائے کو سنتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ خان! کبھی کبھی کسی کی کسی کے ساتھ اس حد تک انڈراسٹینڈنگ ہونا بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم مجھے اس گھڑی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو۔ کیونکہ تم میرے سامنے بیٹھی مجھے بہ غور دیکھ رہی ہو اور سطر سطر پڑھ رہی ہو۔ مجھے تمہارا یہ اپنے اندر اس طرح جھانکنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ مدھم اور انداز جتانے والا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''کیا اب تم مجھ سے بھی فرار چاہتے ہو؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا، پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''نہیں......مگر مجھے یہ سب اچھا بھی نہیں لگ رہا۔'' بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''کیا اچھا نہیں لگ رہا؟ اذہان! میں تو ہمدرد ہوں تمہاری۔ ایک سنسیئر فرینڈ۔ پھر تمہیں میرے سامنے یوں منتشر ہونا اور بکھرنا برا کیوں لگ رہا ہے؟ میں جانتی ہوں بعض لمحوں میں ہم اس قدر شکستہ ہوتے ہیں کہ خود سے بھی چھپنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوئی سدباب نہیں ہے۔ سدباب یہ ہے کہ ہم حوصلہ مندی سے اور بہادری سے ان حالات کا سامنا کریں۔ مجھے بھی اچھا نہیں لگ رہا کہ میرا بہترین دوست میرے سامنے اس قدر شکستہ ہو رہا ہے۔ تم پلیز کسی قدر سنبھالو، بدلو خود کو۔ کیونکہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔'' ساہیہ خان نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا تھا اور اذہان حسن بخاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''چلو اُٹھو اب فوراً۔'' دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے حکم دیا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' اذہان حسن بخاری حیران ہوا تھا۔

''لنچ کے لیے۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ''وقت ہے نا؟'' کسی قدر تشویش سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''ہوں۔''

☆......☆......☆

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک بات برملا کہہ لینے سے بہت سکون ملتا ہے اور کوئی فیصلہ لے کر یا کسی نتیجے پر پہنچ کر اس سے زیادہ۔ عفنان علی خان کو بھی اپنے اندر ایک اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا۔ ماں کو اپنی رائے سے آگاہ کرنے کے بعد اسے کسی قدر سکون ملا

تھا۔ اب تک وہ فقط خود اس آگ کی لپیٹ میں تھا اور کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مگر اب یہ ہوا تھا کہ اپنی رائے دینے کے بعد اسے اس قدر یقین تھا کہ ماما اس کی رائے کو قطعاً رد نہیں کریں گی۔ وہ اس کو پا سکتا تھا یا کہ نہیں، یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ فی الحال یہ تسکین کافی تھی کہ وہ ایک دوغلی زندگی سے باہر آ رہا تھا۔ منافقت سے باہر نکل رہا تھا اور یہ بات کسی قدر اطمینان بخش تھی۔

صبح وہ معمول کے مطابق آفس کی طرف جا رہا تھا جب سڑک کے کنارے انابیہ شاہ اسے کھڑی نظر آئی تھی۔ عفنان علی خان نے گاڑی روک دی تھی۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت کسی قدر چونکتے ہوئے حیرت سے دیکھا تھا مگر اس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ اور تب جیسے انابیہ شاہ کے لیے گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

''اوزی سے کہا ہوتا، تمہیں ڈراپ کر دیتا۔'' عفنان علی خان اس کا خیال کر کے بولا تھا۔

''وہ سو رہا تھا۔ اور میں نے اس کی نیند ڈسٹرب کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔ ایکچوئیلی میں ماما کے ساتھ تھی۔ انہیں ضروری کام سے جانا تھا۔ سو میں نے انہیں یہیں تک ڈراپ کرنے کا کہہ دیا۔ میری گاڑی ورکشاپ میں ہے۔ اینی ویز، مجھے ان چھوٹی چھوٹی پرابلمز کو لے کر اتنی پریشانی نہیں ہوتی۔'' وہ بولی تھی اور عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''آپ غالباً واحد لڑکی ہیں جو پرابلمز کو لے کر کسی قدر پریشان نہیں ہوتیں۔ ورنہ تو لوگ خاصا گھبرا جاتے ہیں۔ اِن فیکٹ، ان کے ہاتھ پاؤں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں پریشانی کو دیکھ کر۔''

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''کیا ان میں آپ بھی شامل ہیں؟'' اس کی آنکھوں میں کوئی گہری شرارت تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''نہیں۔'' بہ غور اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ ''غالباً میں بھی اس معاملے میں کچھ کچھ تمہارے جیسا ہوں۔ مجھے بھی پرابلمز سے نمٹنا آتا ہے۔''

''میرا نہیں خیال ہے کہ یہ کوئی اتنی بڑی کوالٹی ہے۔'' انابیہ شاہ نے شانے کسی قدر بے نیازی سے اچکاتے ہوئے کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے ذات میں اتنی خوبصورتی گھر کر جاتی ہے کہ بڑی بڑی باتوں کو ڈھونڈنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔'' انداز جتانے والا تھا۔ انابیہ شاہ جو مسکرا رہی تھی، اس کی سمت ایک نگاہ دیکھ کر لب بھینچتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' چہرے کا رُخ پھیرے پھیرے بولی تھی۔ انداز کسی قدر لاتعلقی لیے ہوئے تھا۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا انابیہ شاہ! اتنی عجلت میں رہنا ٹھیک نہیں۔ زندگی بہت دھیان اور سمجھ بوجھ سے دیکھنے اور سمجھنے والی چیز ہے۔''

انابیہ شاہ نے چہرے رُخ کا پھیر کر عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''تمہارے دیکھنے کا انداز بتا رہا ہے انابیہ شاہ! کہ تم مجھ سے اتفاق رائے نہیں رکھتی ہو۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے عفنان علی خان! کہ میں تم سے اتفاق رکھتی ہوں یا کہ نہیں۔ یہ مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس کے متعلق

سوچ کر اُلجھا جائے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کا پوائنٹ آف ویوا کثر ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتا ہے۔" انابیہ شاہ نے سرسری سے انداز میں باور کرایا تھا۔

"ہاں ...... مگر اس کے باوجود ایسے بہت سے لوگ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ساتھ رہنے کے لیے پوائنٹ آف ویو یا سوچوں کا ملنا ضروری نہیں، دلوں کا ملنا ضروری ہے۔" انداز باور کرانے والا تھا۔ مگر وہ ست رنگی آنکھیں کسی قدر لاتعلقی کا اظہار کرتی ہوئی اس پر سے ہٹ گئی تھیں۔

انابیہ شاہ لاتعلق بنی ہی بیٹھی رہی تھی۔ توجہ کی کوئی نگاہ اس سمت نہیں کی تھی۔

"انابیہ! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کچھ۔" مدھم لہجے میں اظہارِ مدعا ہوا تھا۔ مگر انابیہ شاہ نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔ نہ اس بابت کچھ دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر کی تھی، پھر مسکرا دیا تھا۔

"چلو رہنے دو۔ بات کچھ وقت چاہتی ہے اور یہ سارے لمحے بہت عجلت بھرے ہیں۔ پھر ملیں گے تو کسی فرصت کے لمحے میں بات کریں گے۔ اس وقت تو لمحے بھی بھاگتے دوڑتے سے ہیں اور تمہیں بھی کچھ جلدی ہے۔" عفنان علی خان نے گاڑی اس کے کیمپس کے سامنے روک دی تھی۔ انابیہ شاہ نے اسے جواباً دیکھا تھا۔

"تھینکس۔"

"فور وہاٹ؟" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا پھر فوراً ہی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

کہوں گا تم سے وہ حرف سارے
جو روز خوابوں کی سرزمیں پر
میں چپکے چپکے سے چن رہا ہوں
جو کہہ رہا ہے یہ دل میرا
وہ ساری باتیں بھی سن رہا ہوں
سنبھال رکھے ہیں خواب سارے
جو تم نے میری پلکوں پر بو دیئے تھے۔
بے دھیانی میں بے خیالی میں
عجب کچھ حرف تم نے جو کہہ دیئے تھے
سنبھال رکھے ہیں میں نے جب تک

سوچتا ہوں

فرصت کے کسی لمحے میں

تم سے ملوں گا تو کیا کہوں گا

عفنان علی خان کے چہرے پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ اُتری تھی اور وہ ایک تصور کو دیکھ کر سرشار ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس اچانک فیصلے نے اسے زیادہ پریشان نہیں کیا تھا۔شاید اس لیے بھی کہ وہ اپنوں کے ساتھ تھی۔ ان کے بہت قریب تھی۔اس کی پوری فیملی یہاں تھی اور پھر اس کے بعد کسی اور شے کی ضرورت کیا باقی رہ جاتی تھی؟ ہاں، یہ تھا کہ اس کی اسٹڈی کا کچھ حرج ہو رہا تھا۔مگر وہاں جا کر سلسلہ پھر کنٹی نیو کر سکتی تھی۔فی الحال اس فیصلے سے اسے یوں بھی تقویت ملی تھی کہ پاپا کے پاس رہنا وہ بھی چاہتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود اسے وقت دینا نہیں بھولتا تھا اور اس توجہ پر، اس التفات پر میرب سیال کی سمجھ میں بالکل نہیں آتا تھا کہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے۔وہ ایسے لوگوں میں سے نہیں تھی جو کسی کی خطاؤں کو معاف نہیں کر سکتے اور تا عمر یاد رکھتے ہیں۔ایسا بالکل نہیں تھا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی خطاؤں کو اب تک یاد رکھے ہوئے تھی یا اسے معاف نہیں کر سکتی تھی۔مگر یہ بھی تھا کہ وہ کسی قدر ایپری ہینسو ضرور تھی۔وہ اس کے موڈ کو، اس کے مزاج کے تیوروں کو اب تک سمجھ نہیں پائی تھی۔عجب پارہ صفت مزاج رکھتا تھا وہ۔وہ ایک رنگ کو دیکھتی تھی اور اس کا تاثر قائم بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ اگلا رنگ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والا ہوتا تھا اور وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھتی رہ جاتی تھی۔اور اب کے تو وہ واقعی حیران تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا التفات مکمل طور پر اس کی سمت تھا۔

وہ مہربان تھا مگر وہ جواباً اسے وہ سب کچھ لوٹا نہیں پا رہی تھی جس کی خواہش وہ کر رہا تھا۔

وہ جانتی تھی ارینج میرجز میں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں مگر جس صورت حال کا سامنا اسے تھا، اس کے متعلق وہ کوئی قیاس تا حال کر نہیں پا رہی تھی۔

کیا وہ واقعی بدل گیا تھا؟

کیا واقعی اس کے لیے سنسیئر تھا؟

اس شام وہ اس سے ملنے آیا تھا تو وہ کتنی ہی دیر خاموشی کے ساتھ اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔شاید وہ اس کے چہرے، اس کی آنکھوں میں اس کی اندر کی کوئی کیفیت تلاشنا چاہ رہی تھی۔جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے قریب آ کر رکتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھام کر لبوں سے قریب کیا تھا اور ایک لمس خاص سونپتے ہوئے بہ غور اس کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ چہرہ، یہ آنکھیں دیکھنے سے کیا ہوگا سویٹی! بعض اوقات یہ سب بہت سرسری اور رسمی سا ہوا کرتا ہے۔تمہیں اگر کچھ پڑھنا ہے تو اس دل کو پڑھو۔شاید تمہیں وہ بھید مل جائے جس کی کھوج تمہاری آنکھوں کو ہے۔'' مدھم لہجے میں ایک اسم خاص اسے بتایا تھا اور میرب سیال اس لمحے جانے کیوں چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو ہاتھ بڑھا کر اپنی سمت کیا تھا اور بھرپور توجہ سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''اپنی چیزوں پر استحقاق جتایا جاتا ہے۔کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں؟'' ان آنکھوں میں اپنائیت تھی اور چہرے پر ایک دوستانہ مسکراہٹ۔میرب سیال نے آنکھیں اُٹھا کر ان اپنائیت کا احساس دیتی دو آنکھوں کو دیکھا تھا۔

''دیکھو ہنی! ...... بغور دیکھو ...... پرکھو، سب اجازت ہے تمہیں۔'' مدھم سرگوشی میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔میرب سیال کی پلکیں اس لمحے خود بہ خود جھکتی چلی گئی تھیں۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''اتنی جلدی ہمت ہار جاؤ گی ہنی! تو تمہیں اس بھید سے شناسائی کیسے ملے گی، جس کی تلاش تمہیں ہے؟ اس طرح تو تم کچھ بھی جان نہیں پاؤ گی کبھی۔'' انداز کسی قدر محظوظ ہونے والا تھا اور میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔اندر ایک شور سا برپا تھا اور آوازیں صاف سماعتوں تک آ رہی تھیں۔ایسے میں وہ کیا کہتی، سنتی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی مشکلات میں یقیناً اضافہ کر رہا تھا۔وہ جس قدر سلجھنا چاہتی تھی اسی قدر اُلجھ جاتی تھی۔

'ھنی! سوچ سوچ کر اتنا مت اُلجھو کہ میں بے اختیار تمہیں سلجھانے کی کوئی تدبیر کرنے کی کوشش کر بیٹھوں۔'' وہ خود سے اُلجھ رہی تھی۔جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔وہ نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔مگر انداز بے حد ہونق تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''ٹیل می یور پرابلم ہنی!''

''پرابلم؟'' وہ چونکی تھی۔پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔''نہیں ......کوئی پرابلم نہیں ہے۔'' اس نے باور کرایا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کسی قدر تشویش سے دیکھنے لگا تھا۔

''اگر کوئی پرابلم نہیں تو پھر یہ آنکھیں اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ ...... یہ اس چہرے پر اس قدر حیرتوں کا پہرہ کس لیے ہے؟''

میرب سیال کچھ بولے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''کوئی تشویش ہے تو اسے لبوں سے بیان کرو ہنی! چپ رہنے سے تو اُلجھنیں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔باہمی مشاورت سے بڑے مسائل سلجھ سکتے ہیں۔دلوں کی اُلجھنوں کو سلجھانے کا یہ سب سے بہترین طریقہ ہے۔یقین نہ ہو تو آزما دیکھو۔''

''نہیں ......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں پریشان نہیں ہوں۔نہ ہی ایسی کوئی اُلجھن مجھے گھیرے ہوئے ہے۔'' میرب سیال

نے وضاحت دے کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

''اگر کوئی اُلجھن نہیں تو پھر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟ کچھ چاہیے؟ کسی شے کی ضرورت ہے؟ مجھے بتاؤ، کیا چاہیے؟'' وہ آسمان و زمین اس کے قدموں میں دھرنے کو تیار تھا۔ انداز ایسا تھا کہ میرب سیال کے لبوں پر مسکراہٹ اُتر آئی تھی۔

''مجھے بتاؤ، تمہیں کیا چاہئے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔

''کچھ نہیں چاہیے مجھے۔'' میرب سیال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''کچھ نہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں بہ غور دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' میرب سیال کی پلکیں اس لہجے پر جولرزیدہ جھکی تھیں وہیں چہرے کی مسکراہٹ بھی مدھم پڑ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو شہادت کی انگلی سے قدرے اوپر اُٹھاتے ہوئے بہ غور دیکھا تھا اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''کیا میرا یقین بھی نہیں؟''

میرب سیال بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا جملہ دوبارہ دہرایا تھا۔

''کیا میرا یقین بھی نہیں ہنی؟...... میرا اعتبار بھی نہیں؟...... کیا میرا پیار بھی نہیں؟'' مدھم سرگوشی میں کتنی حدت تھی اور انداز میں کس قدر شدت۔ میرب سیال کے حواس خطا ہونے لگے تھے۔ اس نے خود کو مکمل طور پر بے بس محسوس کیا تھا۔

''بولو میرب سیال! کیا میرا پیار بھی نہیں؟'' اس کے جھکے ہوئے سر کو اُٹھا کر مسکراتے ہوئے بھرپور توجہ سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ میرب سیال نے اس کی پُرتپش نظروں میں دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''کبھی کبھی لفظ بہت ضروری ہو جایا کرتے ہیں میرب! تم ایسا کرو مجھے سوچ کر جواب دے دینا۔ اگر چہ مجھے تمہارے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا...... کیا مطلب؟'' میرب سیال حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''کیونکہ......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کو بہ غور دیکھا تھا، پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا تھا۔ ''کیونکہ میرب! میں ان آنکھوں کی زبان اب سمجھنے لگا ہوں۔ مجھے پڑھنا آ گیا ہے ہنی! اور جب پڑھنا آ جائے تو پھر نظروں سے کوئی بھی مفہوم چھپا نہیں رہ سکتا۔'' باور کرایا تھا اور میرب سیال اسے دیکھ نہیں سکی تھی۔ جانے کیوں۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ کا موڈ قطعاً کہیں جانے کا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ کسی کو کسی طرح کی کوئی خاص تقویت دینا چاہتی تھی...... مگر اس شام چانک ہی فون آ گیا تھا جسے اوزی نے ریسیو کرنے کے بعد اس کی سمت ریسیور بڑھا دیا تھا۔

''کون ہے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''بات کرلو۔'' اوزی بولا تھا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے ریسیور کان سے لگا لیا تھا اور دوسری طرف ایک یکسر اجنبی آواز سن کر وہ کسی قدر حیران رہ گئی تھی۔

''بیٹا! کیسی ہو تم؟'' کوئی خاتون بہت محبت سے دریافت کررہی تھیں۔

''جی، ٹھیک ہوں۔ مگر آپ......؟'' اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''میں فاطمہ علی خان ہوں......عفنان علی خان کی ممی۔''

''اوہ......کیسی ہیں آپ؟'' اس نے حیران ہونے کے ساتھ اخلاقاً دریافت کیا تھا۔

''بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔ میں نے اوزی سے بات کی تھی۔ دراصل میں تم سب کو اپنے فارم ہاؤس پر ہونے والی گیٹ ٹو گیدر میں انوائیٹ کرنا چاہتی تھی۔ میں نے عفنان سے کہا تھا، پتہ نہیں اس کو یاد رہا ہوگا کہ نہیں، سو میں نے خود فون کرنا ضروری خیال کیا۔ اوزی کو تو عرصہ دراز سے جانتی ہوں مگر تم سے بھی انجان نہیں۔ دراصل اوزی تمہارا بہت ذکر کرتا رہتا ہے اور لامعہ بھی۔ بہت تمنا تھی تم سے بات کرنے کی اور تمہیں دیکھنے کی۔ بیٹا! میں چاہوں گی تم ضرور اس پارٹی میں آؤ۔''

''جی آنٹی!......میں کوشش کروں گی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں ہامی بھرلی تھی۔

''کوشش نہیں بیٹا! تم ضرور آنا۔ اپنی فیملی کو بھی ساتھ ضرور لانا۔ بیٹا! یہی تو وہ چھوٹے چھوٹے مواقع ہوتے ہیں ساتھ مل بیٹھنے کے۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟''

''جی آنٹی!'' وہ سر ہلاتی ہوئی بولی تھی۔ فاطمہ خان اس سے بہت سی باتیں اِدھر اُدھر کی کرتی رہی تھی۔ اور ان باتوں کا ماخذ یہ تھا کہ انہوں نے بالآخر انابیہ شاہ کو اس پارٹی میں آنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ فون رکھ کر انابیہ شاہ کسی قدر متفکر سی سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟......اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟'' ممی اسے کافی دینے آئی تھیں جب بولی تھیں۔ وہ سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''نہیں......ایسا کچھ نہیں ہے۔ دراصل فاطمہ آنٹی کا فون آیا تھا۔'' وہ کہہ کر رکی تھی۔ پھر وضاحت دیتی ہوئی بولی تھی۔ ''عفنان علی خان کی والدہ۔''

''ہاں......جانتی ہوں میں۔ پھر کیا ہوا؟'' وہ کسی قدر اطمینان سے بولی تھیں اور انابیہ شاہ حیران رہ گئی تھی۔

''آپ انہیں جانتی ہیں؟''

''ہاں۔'' ممی نے کسی قدر رسانیت سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ''اُس شام جب تم لامعہ کی طرف گئی تھیں، وہ آئی تھیں یہاں۔ بہت ہی نائس خاتون ہیں۔ لگا ہی نہیں کہ پہلی بار مل رہی ہیں۔ عفنان علی خان کا مزاج بالکل ان جیسا ہے۔ بعض لوگوں میں یہ

خاصیت ہوتی ہے، بہت جلد گھل مل جاتے ہیں۔'' ممی کہہ رہی تھیں۔ وہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

سعد حسن بخاری نے اپنی دانست میں کچھ بھی فیصلہ لیا ہو مگر فارحہ اس فیصلے کو حتمی اس لیے نہیں سمجھتی تھیں کیونکہ وہ اس فیصلے سے وابستہ افراد کو اس فیصلے سے زیادہ اہم جانتی تھیں۔ ان کی دانست میں اس فیصلے میں ترمیم ہو سکتی تھی مگر یہ سب سوچنے اور سمجھنے کے باوجود وہ مطمئن نہ تھیں۔ جانے کیا وجہ تھی۔ حالانکہ دیکھا جائے تو پہلی بار سعد حسن بخاری نے وہ فیصلہ لیا تھا جس میں اس کی رضا بھی شامل تھی۔ اس کی پسند بھی شامل تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ کچھ پریشان سی تھیں۔ شاید وجہ بچوں کی پسند نا پسند اور مرضی پر ڈیپنڈ کرتی تھی اس لیے۔

اذہان حسن بخاری اپنے کمرے میں تھا جب وہ دودھ کا گلاس لے کر وہاں آئی تھی۔

''ممی! آپ......آپ نے کیوں زحمت کی؟ کسی نوکر کو بھیج دیا ہوتا۔'' اذہان حسن بخاری نے کہا تھا۔

''ماؤں کے لیے بچوں کے کام زحمت قطعاً نہیں ہو سکتے۔'' فارحہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

''آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے ممی؟'' اذہان حسن بخاری بولا تھا اور فارحہ کسی قدر چونکتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔

''تمہیں کیسے خبر ہوئی؟''

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''آپ کا بیٹا ہوں ممی! کیا اتنی سی بات بھی نہیں جان سکتا؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے ماں کی گود میں سر دھر دیا تھا۔ فارحہ مسکراتی ہوئی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے بڑے ہو چکے ہو تم۔ اب تمہیں ماں کی انگلی چھوڑ کر بیوی کا پلو پکڑ کر چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔'' فارحہ مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔

''ممی! آپ کو نہیں لگتا، آپ میرے خلاف گہری سازش کرنے جا رہی ہیں؟ فی الحال تو مجھے ماں کی انگلی پکڑ کر چلنے میں ہی خاصا سکون مل رہا ہے۔ آپ کیوں اس سکون کو تباہ کرنے کے چکر میں ہیں؟'' اس کا شکوہ قابل غور تھا۔

''تمہارا سکون برباد کرنے کے چکر میں نہیں ہوں، اس گھر کو آباد کرنے کے چکر میں ہوں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے اس گھر میں ایک بہو آئے......چھوٹے چھوٹے، پیارے پیارے بچے ہوں، جو مجھے دادی کہہ کر بلائیں۔''

''اور ممی! آپ اتنی ینگ ایج میں دادی بنتی کیا اچھی لگیں گی؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے ماں کی بات کاٹ دی تھی۔

''اذہان! بات مذاق میں اُڑانے کی قطعاً نہیں ہو رہی۔''

''تو ممی! میں کب مذاق کر رہا ہوں؟......میں تو یہ کہہ رہا ہوں، اتنی نائس، ینگ سی خاتون دادی بنی کیسی لگیں گی؟ آپ کو نہیں لگتا، لوگ آپ کو بوڑھی سمجھنے لگیں گے؟'' وہ مذاق کے موڈ میں تھا اور فارحہ ہنس دی تھیں۔ پھر بہت پیار سے اس کے سر پر ایک چپت لگاتی ہوئی بولی تھیں۔

''اذہان! میں واقعی سیریس ہوں۔ مجھے بتاؤ، تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے؟''

''لڑکی...... ہوں، سوچنے دیجیے۔'' اذہان حسن بخاری ذہن پر کسی قدر زور دینے لگا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ نے اینجلینا جولی کو دیکھا ہے؟''

''ہاں۔'' فارحہ کسی قدر حیران ہوئی تھیں۔

''تو بس، لڑکی بالکل ویسی ہی ہونی چاہیے۔''

فارحہ ہنس پڑی تھیں۔

''ابھی تو شادی سے بھاگ رہا تھا، انکار کر رہا تھا اور ابھی جھٹ سے پسند بھی بتا دی۔''

''اب آپ اصرار کر رہی ہیں تو میں انکار بھی تو نہیں کر سکتا نا۔'' سعادت مندی سے کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

''مذاق نہیں اذہان! ٹھیک سے بتاؤ، تمہاری پسند کیا ہے؟ کیسی لڑکی پسند ہے تجھے؟''

''آپ واقعی سنجیدہ ہیں؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا۔ فارحہ نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''ہاں۔''

''یعنی اب آپ روایتی ماؤں کی طرح گھر گھر جا کر حور پریوں کی تلاش کرنے والی ہیں؟'' اذہان کو کسی قدر تشویش ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' فارحہ مسکرا دی تھیں۔ ''میرا ارادہ ایسا کچھ کرنے کا نہیں ہے۔ تبھی تو تم سے تمہاری پسند دریافت کر رہی ہوں۔ ویسے میرے پاس ایک لڑکی ہے۔''

''کون؟'' وہ چونکا تھا۔

''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی ابھی۔ لیکن تم اگر چاہتے ہو کہ لڑکی تمہاری من چاہی ہو تو۔ ویسے تمہیں ساہیہ خان کیسی لگتی ہے؟'' انہوں نے سرسری انداز میں کہتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری بے طرح چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ...... آپ اس کے متعلق سوچ رہی ہیں؟...... ممی! پلیز، آپ ایسا سوچئے گا بھی مت۔ مجھے اپنے گھر کو تیسری جنگ عظیم کا میدان نہیں بنانا ہے اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے ہیروشیما یا ناگاساکی کوئی مخلوق لگیں۔'' وہ برجستہ بولا تھا اور فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''اب ایسی بھی توپ صفت نہیں ہے وہ۔''

''توپ؟...... یہ مثال اس کے لیے بہت چھوٹی ہے ممی! اسے تو آپ مدر بم کہئے۔'' وہ برملا بولا تھا۔ اور فارحہ ہنس دی تھی۔

''مگر مجھے تو پسند ہے وہ۔ اور تمہارے پاپا کو بھی۔'' فارحہ بے دھیانی میں بولی تھیں اور اذہان حسن بخاری کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدلے تھے۔ ایک پل میں مسکراہٹ غائب ہوئی تھی اور اس کی جگہ ایک سختی نے لے لی تھی۔ فارحہ بیٹے کی اس کیفیت کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"میں سونا چاہتا ہوں......آیئے، میں آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ دوں۔" لہجہ بے حد سپاٹ تھا اور فارحہ کے لیے یہ بات کسی تشویش سے کم نہیں تھی۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی بہت سی چیزوں کی، باتوں کی اُمید نہیں ہوتی اور جب وہ وقوع پذیر ہو جاتی ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے۔ عفنان علی خان کا دل بھی اسی ایک خوشی سے بھر گیا تھا۔

وہ چہرہ اپنے سامنے دیکھ کر وہ جیسے بُت بن گیا تھا۔

امید کہاں تھی کہ وہ آئے گی۔ دل نے سو بار کہا تھا مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ کتنی تاویلیں دی تھیں اس نے۔ اس کی سرد مہری کو لے کر کتنی وضاحتیں دی تھیں اس نے۔ اس کی سرد مہری کو لے کر کتنی وضاحتیں دی تھیں مگر دل کا کہا رد نہ ہوا تھا اور وہ چہرہ اس کے سامنے تھا۔ دل کی مراد بر آئی تھی۔ خواہش پوری ہوئی تھی۔ مگر وہ کتنا ساکت سا اسے دیکھتا جا رہا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اسے اِردگرد کے لوگوں کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ ایک میکانکی انداز میں چلتا ہوا وہ اس کے سامنے جا رکا تھا۔ عجب دیوانگی سے پُر انداز تھا۔ انابیہ شاہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"ایکسکیوز می!......کیا میں آپ کا ہاتھ تھام سکتا ہوں؟" سعادت مندی سے درخواست کی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اسی لمحے عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیران ہوئی تھی مگر وہ اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

"دراصل مجھے اب یقین آ گیا ہے کہ تم واقعی میرے سامنے ہو۔ ورنہ میں تمہیں کوئی خواب سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتا۔" اس کا انداز سرشاری سے پُر تھا اور انابیہ شاہ نے ایک نظر اِدھر اُدھر متوجہ لوگوں پر ڈال کر کسی قدر خجالت سے اسے دیکھا تھا۔

"عفنان علی خان!"

"ہاں۔" وہ جی جان سے متوجہ ہوا تھا۔

"میرا ہاتھ۔"

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"اوہ، ہاں۔" ایک خواب سے بیدار ہونے کے ساتھ ہی انابیہ شاہ کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا اور شاید اس لمحے انابیہ شاہ خود کو کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی کسی قدر اعتماد سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"لامعہ کہاں ہے؟"

"لامعہ؟" وہ ایسے چونکا تھا جیسے اس نے کوئی انوکھی، بھولی بسری داستان اس کے سامنے چھیڑ دی ہو۔

"لامعہ نہیں آئی کیا؟......تم نے اُسے انوائٹ نہیں کیا؟" انابیہ شاہ کو تشویش ہوئی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''سوری......اس معاملے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ یہ ڈیپارٹمنٹ ماما کے ہاتھ تھا۔'' اس کا انداز سرسری تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے کس قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ تبھی فاطمہ خان وہاں آ گئی تھیں۔

''ماما! انابیہ شاہ۔'' عفنان علی خان نے ماں کی توجہ مبذول کروائی تھی۔ فاطمہ خان بہت گرمجوشی سے انابیہ شاہ سے ملی تھیں۔

''باقی لوگ نہیں آئے؟''

''جی آئے ہیں۔ وہ اوزی کے ساتھ وہاں ہیں۔'' اس نے ہجوم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''اوکے......میں ان سے مل لوں۔ عفنان! تم انابیہ کو اندر لے کر جاؤ۔'' فاطمہ خان نے بیٹے کو حکم دیا تھا۔ وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے ناچار قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

''ایک بات کہوں؟'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہوں۔'' انابیہ شاہ نے اجازت دی تھی اور عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''تم اچھی لگ رہی ہو۔'' برملا اظہار کیا تھا۔ انابیہ شاہ کو اپنے اجازت فراہم کرنے پر کسی قدر افسوس ہوا تھا۔ تبھی انوشے سامنے سے آتی ہوئی اسے دکھائی دی تھی۔

''بھائی! یہ کون ہیں؟''

''انابیہ شاہ...... ماما کی مہمانِ خاص۔ سننے میں آیا ہے بطور خاص دعوت دے کر بلوایا گیا ہے۔ خیال رکھنا، مزاج پر کوئی بات گراں نہ گزرے۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے بہن کو ہدایت جاری کی تھی۔ انوشے مسکراتی ہوئی اسے لے کر آگے بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان کا انداز ہمیشہ ہی چونکا دینے والا ہوتا تھا۔ مگر وہ اندر آ کر لامعہ حق کو وہاں موجود دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''اے انابیہ! تم بھی یہاں انوائیٹڈ ہو؟'' لامعہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی اور انابیہ شاہ فوری طور پر اسے کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

☆......☆......☆

''تمہارے اور میرے درمیان مجھے ایک گہرا رابطہ لگتا ہے گین! سمجھ میں نہیں آتا کیا۔ مگر میں جانے کیوں خود کو تم سے بہت قریب پاتی ہوں۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرا کام یہاں ختم ہو چکا ہے۔ مگر یہاں سے جانے کو میرا من نہیں چاہتا۔ اب اگر تم وجہ دریافت کرو گے گین! تو مجھے تم بے وقوف لو گے۔'' گی مسکرائی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ گی اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر ان پر درج لکیروں کو بہ غور دیکھنے لگی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

''کبھی کبھی ہم اپنی ذات کی گمشدہ کڑیوں کو وہاں ڈھونڈنے کی کوششیں کرتے ہیں جہاں ان کے ملنے کے کوئی شواہد نہیں ہوتے۔ نہ ہی امکانات۔ بات کچھ عجب ہے مگر ایسا ہوتا ہے گین!''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''گی! تمہاری باتوں میں رنگ، خواب بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے تم واقعی روم کی گلیوں میں آوارہ پھرتی جولیٹ لگتی ہو۔ جس کا رومیو اسے چھوڑ کر دور جہانوں کے سفر پر چلا گیا ہے اور واپسی کا کہیں کوئی امکان نہیں۔''

''تمہاری قیاس آرائی میں بہت سچائی ہے گین! میں تمہیں جھٹلا نہیں سکتی۔ میں واقعی اپنے رومیو کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور باوجود کوشش کے اسے کہیں نہیں پاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری تلاش فضول ہے اور ساری کوششیں رائیگاں۔'' گی کا لہجہ بہت دھیما اور کسی قدر اُلجھا ہوا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''مجھے یہ سب کچھ بہت بے معنی سا لگتا ہے گی! شاید اس لیے کہ مجھے ان سب حوادث سے کچھ سابقہ نہیں پڑا۔ یا پھر مجھے ان معاملات سے کچھ رغبت ہی نہیں۔ مگر گی! میں تمہیں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ تم ان راہوں پر مت چلو۔ اگر محبت پر تمہارا ایمان کامل ہے تو یقیناً تم ایک نہ ایک دن اپنی امید کو ضرور پالو گی۔ میں نے کبھی ایسی دیوانگی دیکھی نہیں، برتی نہیں۔ مگر ایک بزنس مین ہونے کے حوالے سے اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ڈی ٹرمینیشن اور ڈیڈیکیشن ہو تو کوئی بھی مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔'' اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ گی اسے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''گین! محبت کے متعلق تمہارا زاویہ فکر کتنا معاشی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اتنا میٹریلسٹک بندہ۔ قیاس بھی اپنے ہی زاویے سے کرتا ہے اور......''

''اور کیا گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ انداز محظوظ ہونے والا تھا اور گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اگر تمہیں کبھی محبت ہو گئی تو تم کیا کرو گے گین؟'' گی نے دریافت کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری بے ساختہ ہنسا تھا۔ جیسے گی کے اس سوال نے اسے حد درجہ محظوظ کیا تھا۔ گی اسے کسی قدر حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہارا سوال کسی قدر دلچسپ ہے گی! تم واقعی گفتگو میں مہارت رکھتی ہو۔'' وہ اسے ٹال گیا تھا۔ ''اچھا، ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں واقعی یقین ہے کہ تم اسے پالو گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا ہو۔ مگر گی کسی قدر افسوس سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''بہت افسوس کی بات ہے گین! تم میرا مذاق بنا رہے ہو۔ حالانکہ تم درحقیقت اس سے متعلق کچھ جانتے ہی نہیں ہو۔''

''تمہیں کیا پتہ کہ میں کچھ جانتا ہوں کہ نہیں؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ انداز کسی قدر چیلینجنگ تھا اور گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ گین کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''مجھے نت نئے تجربات کرنے کا شغف بہت پہلے سے ہے۔ بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے اس سے۔ بے خبر اور انجان رہنے سے کہیں بہتر باخبر رہنا اور جاننا ہوتا ہے۔ بندہ بہت سی مشکلات سے نہ صرف بچ جاتا ہے بلکہ اسے ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ بھی آ جاتا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''تم جانتے ہو گین! لڑکیاں مردوں سے زیادہ عقل مند ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی کم ہیں مگر سمجھتی زیادہ ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے گی! کہ میں تمہاری رائے سے اتفاق بھی کروں۔ تم بتانے والی تھیں کہ اس تمام گفتگو کا پس منظر کیا تھا۔''

''میں نے تمہیں ایسا کچھ بتانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔'' گی کسی قدر حیرت سے کہتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ ''اور یوں بھی جس بندے کو اس معاملے سے سرے سے دلچسپی ہی نہیں، اسے سنا کر مجھے کیا ملے گا؟ مجھے تو تم سے کسی چھوٹی سی ہمدردی کی بھی امید نہیں۔''

''اور اس کے باوجود تمہیں مجھ میں دلچسپی ہے اور تم مجھ میں اپنی ذات کی گمشدہ کڑی ڈھونڈتی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''بعض اوقات ایسا ہوتا ہے گین! اور ایسا صرف محبت میں ہوتا ہے۔ محبت چہروں میں چہروں کو ڈھونڈتی ہے۔ شباہتوں میں شباہتیں تلاشتی ہے۔ یہ محبت کی بڑی فطری سی کہانی ہے۔ محبت کی نظر بہت اضطرابیت لیے ہوئے ہوتی ہے۔ گمشدہ چہروں کو چہروں میں ڈھونڈنا اس کی مجبوری ہے۔ اور گمشدہ لہجوں کو اکثر لہجوں میں تلاشنا اس کی عادت۔ محبت کی یہ کہانی میں تمہیں کیسے سمجھاؤں گین! اگر سمجھانے کی کوشش بھی کروں تو شاید سمجھا نہیں پاؤں گی۔ کیونکہ گین! وجہ یہ نہیں کہ مجھے سمجھانے کا گُر نہیں آتا بلکہ معاملہ سراسر یہ ہے کہ تمہارے اندر ایسا کوئی دِیا روشن ہی نہیں۔ نہ اُمید کا، نہ ایمان کا۔ اور ایسے میں محبت کی اُلجھی باتوں کو تمہیں سمجھاؤں گی تو یہ سر پتھر سے پھوڑنے والی بات ہی ہو گی۔''

گی کسی قدر پُرشکوہ انداز میں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''بی ہیولا ئیک اے نارمل انابیہ!...... تمہارے انداز کی بیزاری تمہارے چہرے پر صاف نظر آ رہی ہے۔'' اوزی نے اُسے بہت دبے دبے سے لہجے میں ڈپٹا تھا اور وہ چہرے کا رُخ پھیر کر ہجوم کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''انابیہ! مانا تم یہاں پر اپنی مرضی کے برخلاف آئی ہو۔ مگر کیا ضرورت ہے اس طرح بے زار نظر آنے کی بھی؟ تمہیں نہیں لگتا تم انتہائی آدم بے زار لڑکی ہو۔ نارمل لوگ بھلا کیا کہیں آتے جاتے نہیں؟ کسی سے ملتے ملاتے نہیں؟'' باقاعدہ ڈپٹا تھا اور انابیہ شاہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

''اوزی! مجھے پوز کرنا نہیں آتا۔ میری سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ جو کچھ میرے اندر ہے وہی باہر بھی۔''

''اور دنیا میں جینے کے لیے یہ عادت کچھ اتنی اچھی نہیں ہے انابیہ شاہ! نارمل لوگ ایسے بی ہیو نہیں کرتے ہیں۔'' اوزی نے باقاعدہ ڈپٹا تھا۔

''تو تمہارا خیال ہے میں ابنارمل ہوں؟'' وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ تبھی نگاہ سامنے اُٹھی تھی۔ عفنان علی خان، لامعہ حق کے ساتھ کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ دونوں کس قدر قریب تھے۔ لامعہ حق کا نازک ہاتھ عفنان علی خان کے مضبوط شانے پر تھا اور گداز لبوں پر ایک

دلکش مسکراہٹ تھی۔ بہت آہستگی سے نگاہ پھیر کر وہ دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

اوزی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

''محبت زندگی میں ہزار ہا رنگ لے کر آتی ہے اور آنکھوں کے لیے بیش بہا خواب۔ جن آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں، کوئی خواب نہیں ان پر صد افسوس۔'' جانے کیوں اسے جتایا تھا۔ مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چہرے کا رُخ پھیرے کھڑی رہی تھی۔

''موسموں کو آنکھوں سے باتیں کرنے دینا چاہیے انابیہ شاہ! ورنہ واقعی خواب آنکھوں سے روٹھ جاتے ہیں۔'' اوزی کا لہجہ مدھم تھا اور اس پل انابیہ مسکرا دی تھی۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اتنے تلخ تجربات کرنے کے بعد بھی تم اس طرح کی رائے رکھتے ہو اوزی! کمال ہے۔ صد آفرین ہے تم پر۔'' انداز داد دینے والا تھا اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

''محبت بڑا حوصلہ دیتی ہے انابیہ شاہ! چاہے ساتھ رہے نہ رہے، ہاتھ آئے نہ آئے۔ مگر محبت اپنی دلجوئی بہت خوبی سے خود آپ کرتی ہے۔'' اوزی کا لہجہ بے حوصلہ نہ تھا۔ وہ لامعہ حق کی طرف بہ غور دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس گھڑی کئی جگنو چمک رہے تھے۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''اوزی! کیا محبت میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب فرد کو کسی اور کے ساتھ دیکھ سکے؟''

اوزی مسکرا دیا تھا۔

''میں نے کہا نا انابیہ! محبت بہت حوصلہ دیتی ہے۔''

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''حوصلہ یا صبر اوزی؟''

''دونوں ہی۔''

''بڑی فطرت بات ہے۔ جب کوئی شے دسترس سے باہر ہو تو نفسیاتی طور پر دل و دماغ کو صبر آ ہی جاتا ہے۔ اس میں اتنا عجب کیا ہے؟'' انابیہ نے کسی قدر اختلاف کیا تھا۔

''ایسا نہیں ہے انابیہ شاہ! نارسائی کا کرب بڑا جان لیوا ہے۔ مگر محبت میں سب جھیلنا آ جاتا ہے۔''

''یہ تو بالکل ایسے ہی ہوا کہ جب سر پر پڑتی ہے تو سب سمجھ میں آ جاتا ہے۔'' انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔ تبھی انوشے وہاں آئی تھی۔

''انابیہ! آپ کو ممی بلا رہی ہیں۔'' اطلاع دینے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے پلٹ گئی تھی۔

''اوکے، میں آتی ہوں۔'' وہ اوزی سے کہہ کر پلٹی تھی اور چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ راہداری میں قدم دھرا تھا تبھی اس کا ہاتھ کسی نے گرفت میں لے کر تیزی سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ بری طرح کسی وجود سے جا ٹکرائی تھی۔ فوری طور پر سمجھ میں کچھ نہیں

آیا تھا۔ آنکھیں بہت سختی سے میچے اس نے بہت تیزی سے چلتی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر حواس بحال ہونے والے انہی لمحوں میں اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی کے بہت قریب ہے۔ کسی کی گرم گرم سانسوں کی تپش اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی تھی۔ تبھی اس نے بہت آہستگی سے آنکھوں کو کھول کر سر اُٹھایا تھا اور اپنے سامنے موجود وجود کو دیکھا تھا۔

عفنان علی خان اسے بہ غور دیکھ رہا تھا اور اس گستاخی پر وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اسی پل عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔

''انتظار......انتظار......ایک لامتناہی انتظار۔'' مدھم لہجے میں بے پناہ شدت تھی اور اس کی سمت دیکھتی آنکھوں میں بے انتہا تپش۔

''کبھی سوچا ہے تم نے؟......کبھی غور کیا ہے، یہ انتظار کس قدر جان لیوا ہوسکتا ہے۔ محبت کرنے والوں کے نصیب میں تو یوں بھی کئی عذاب اُترتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ خود محبت کرنے والے بھی ان کو خود آپ دعوت دیں؟'' مدھم لہجے میں بے قراریوں کی ہزار ہا داستانیں تھیں۔ انابیہ شاہ اس کے تیوروں پر کسی قدر حیران سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت مجنونانہ تھی۔

''عفنان علی خان!'' بے حد درشت لہجے میں کہتے ہوئے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا مگر تبھی عفنان علی خان نے اسے ٹوکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کے بہت آہستگی سے اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

''شی۔'' سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلایا تھا۔ ''آج کچھ مت کہو۔ کچھ نہیں انابیہ شاہ! میں نے ان قلیل لمحوں کے لیے بہت انتظار کیا ہے...... بہت صبر سہا ہے میں نے اس دل پر۔ ہزار ہا اضطرابوں کو جھیلا ہے۔ پلیز، آج نہیں۔'' مدھم لہجے میں کوئی درخواست سی تھی۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کے لبوں پر تھا۔ جیسے اسے خدشہ تھا کہ وہ اسے بولنے نہیں دے گی۔

''میں تمہاری ضرور سنوں گا۔ مجھے بھی بہت چاہ ہے انابیہ شاہ! تمہیں دیکھنے کی، تمہیں سننے کی۔ مگر آج نہیں۔ آج تم مجھے اجازت دو کہ میں تم سے کہہ سکوں، تمہیں سنا سکوں۔ وہ داستان جو تم نے آج تک نہیں سنی۔ وہ تمام لفظ جو میں آج تک نہیں کہہ سکا۔'' وہ اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا اور انابیہ شاہ کی کیفیت عجیب تھی۔ ذہن اس ہمت پر بے حد ماؤف سا تھا۔

''جنہیں آج تک تم نہیں سن سکیں، وہ تمام حرف انابیہ شاہ!......سوچتا ہوں، شروع کہاں سے کروں۔ تمہاری ایک نگاہ نے مجھے قیامتوں کی نذر کر دیا تھا یا جب میں اپنا آپ گنوا بیٹھا تھا۔ کب سے انابیہ شاہ؟ کہاں سے بتاؤں؟ یہ داستان تو صدیوں پر محیط ہے اور مجھے اک پل ہزار ہا صدیوں کے برابر لگا ہے۔'' عفنان علی خان کا لہجہ بھاری اور بوجھل تھا۔ کتنی شدت تھی اس میں اور انابیہ شاہ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونق انداز سے دیکھنے پر وہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ انابیہ شاہ پلکیں میچ گئی تھی۔

عفنان علی خان کا لہجہ بھرا ہوا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ان آنکھوں نے انا بیہ شاہ!......تمہاری ان آنکھوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا......لوٹ لیا سب، وہ بھی جو میرا تھا اور وہ بھی جو میرا نہیں تھا۔ان آنکھوں نے مجھے واقعی کہیں کا نہیں چھوڑا۔تمہاری ایک نظر نے عجب اثر کیا۔جہاں کئی اضطرابوں کی نذر کیا، وہیں بہت حسین احساس سے بھی روشناس کرایا۔اور مجھے پہلی بار لگا کہ یہ زندگی بے حد حسین ہے۔تمہاری طرح،تمہاری ان آنکھوں کی طرح۔بے انتہا دلکش اور دلفریب۔انا بیہ شاہ! تمہاری ان آنکھوں کا پہرہ میرے دل پر تب سے ہے جب تم پہلی بار مجھے دکھائی دی تھیں۔تمہاری شباہتوں کا ڈیرہ تب سے میرے اندر ہے۔میرے لہو میں، میری رگ رگ میں دوڑ رہا ہے جب سے تم نے ایک بے خبر سی نظر مجھ پر کی تھی۔ ایک سرسری نگاہ۔مگر وہ نظر میرے اندر قیامتیں برپا کرنے کو کافی تھی۔پہلی بار میں نے خود کو بے حد بے بس پایا۔پہلی بار اتنا مضطرب۔مگر مجھے یہ اسیری بہت اچھی لگی انا بیہ شاہ!"پُر تپش لہجے میں کیسی کیسی کہانیاں نہ تھیں۔

"انا بیہ شاہ! شاید میں تمہیں کبھی نہیں بتا سکوں گا۔کبھی سمجھا نہیں سکوں گا کہ میں تمہارے لیے کس طور سے فِیل کرتا ہوں اور کیا فِیل کرتا ہوں۔مگر میں اتنا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ تمہارے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ ہر شے، جو نا ممکن ہے، اسے بھی ممکن کر سکتا ہوں۔ اور اب میں ایسا کر کے دکھاؤں گا۔یو وِل سے انا بیہ شاہ!"

انتہائی پُر یقین لہجے میں وہ کہتا ہوا، اس پر ایک نگاہِ خاص ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور انا بیہ شاہ حیرتوں سے بھری نگاہ لیے اسے بُت بنی دیکھتی رہ گئی تھی۔

فضا میں ایک تاثر انگیز آواز کا پہرہ دور تک تھا۔ایک بازگشت اس کے اندر باہر تھی۔چاروں طرف تھی۔اور وہ ساکت سی کھڑی تھی۔ کسی ہاتھ نے اس کے شانے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔وہ یکدم ٹھٹکی تھی۔اوزی اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس کی اجنبی سی کیفیت پر اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"بہت فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

انا بیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بہت آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا سر دھر دیا تھا اور بہت سا گرم گرم لاوا اس کی پلکوں کے بند توڑتا ہوا بہہ کر اوزی کے شانے میں جذب ہونے لگا تھا۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے اوزی! ابھی، اسی وقت۔"اس نے مدھم لہجے میں درخواست کی تھی اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری میٹنگ سے باہر نکلا تھا جب ساہیہ خان کا فون آ گیا تھا۔دورانِ میٹنگ بھی اس کی کئی فون کالز آئی تھیں، کئی ایس ایم ایس بھی موصول ہوئے تھے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔وہ کسی اہم موضوع پر اس کی رائے لینا چاہتی تھی مگر وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ اس کا موڈ بالکل بھی ساہیہ خان سے بات کرنے کا نہ تھا۔وہ گھر کی طرف ڈرائیو کرنے لگا تھا۔انداز کسی قدر پُر سکوت تھا اور چہرہ

کسی قدر بے تاثر۔

''پرامس کرو، تم آئندہ کبھی زندگی میں کسی موقع پر کمزور نہیں پڑو گے۔'' ایک بہت مخلص، پُرخلوص لہجہ اس کے قریب گونجا تھا اور جانے کیا سوچ کر اس نے سیل سوئچ آن کر دیا تھا۔ دوسری طرف ساہیہ خان شاید مسلسل ٹرائی کر رہی تھی۔ سیل آن کرنے کے بعد پہلی کال اسی کی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر ساہیہ خان کا نام چمک رہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بہت بے دلی سے کال ریسیو کی تھی۔

''اذہان! کہاں غائب ہو تم؟...... اتنے ایس ایم ایس کیے، فون کالز کیں اور تم ایک بار بھی دستیاب نہیں ہوئے۔'' دوسری طرف ساہیہ خان بھرپور شکوہ کر رہی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح نہ ہی مسکرایا تھا، نہ ہی دوستانہ انداز میں کوئی وضاحت دی تھی۔

''کہو...... کیا کام ہے؟'' بہت سرسری سے سرد مہر لہجے میں دریافت کیا تھا اور دوسری طرف ساہیہ خان حیران رہ گئی تھی۔

''کام؟...... اذہان حسن بخاری! کیا میرا تمہارا تعلق صرف کام کا ہے؟ اور یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو تم مجھ سے؟...... کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''تھکن ساہیہ خان!'' اذہان حسن بخاری نے وسیع تارکول کی سڑک پر نظر جمائے ہوئے ایک فضول سی وضاحت دیتے ہوئے گہری سانس خارج کی تھی۔ ''ایک اہم ترین میٹنگ تھی۔ پاپا کہیں اور بزی تھے، سو سب کچھ مجھے ہی ہینڈل کرنا پڑا۔ اینی ویز، تم کچھ کہہ رہی تھیں؟'' وہ مدعا پر آیا تھا اور ساہیہ خان چونک پڑی تھی۔

''آر یو آل رائٹ اذہان حسن بخاری؟''

''آف کورس۔'' اُس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ''بس شیڈول بہت ٹف تھا آج کا۔ تمہیں کیا کہنا تھا؟ ایسا کرو سارا ایجنڈا تیار کر کے رکھو۔ ملتے ہیں تو بات کرتے ہیں۔'' اس کا انداز بہت سرسری سا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ خان نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

''ہاں؟'' اس کا لہجہ بہت مدھم اور انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''تم مجھے اگنور کر رہے ہو نا، جان بوجھ کر؟'' ساہیہ نے دوسری طرف دریافت کیا تھا اور اذہان حسن بخاری جواباً کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''اذہان حسن بخاری! مجھے یقین تھا تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکو گے۔'' ساہیہ خان کا لہجہ یقین سے پُر تھا اور اذہان حسن بخاری بولا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ! میں گھر پہنچتا ہوں تو بات کرتے ہیں۔ میں ڈرائیو کر رہا ہوں۔'' سبب بیان کیا تھا اور ساہیہ دوسری طرف کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''او کے؟'' اذہان حسن بخاری نے اجازت چاہی تھی۔

''او کے۔'' ساہیہ نے دوسری طرف سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری خاموشی کے ساتھ ونڈ اسکرین سے اس پار نظر آنے والی سیاہ تارکول کی سڑک اور اس پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں

کو دیکھنے لگا تھا۔ انداز بہت اُلجھا اُلجھا سا تھا۔

گمبھیر چپ میں کئی کہانیاں تھیں۔

کچھ بھی بے معنی نہ تھا۔ اسباب لاتعداد تھے۔

مگر اذہان حسن بخاری کے لبوں پر ایک گہری چپ تھی۔

☆......☆......☆

''تم بہت لکی ہو میرب! تمہیں سبکتگین جیسا جیون ساتھی ملا ہے۔ کتنا ٹف شیڈول ہے اس کا۔ مگر اس کے باوجود وہ تمہارے لیے وقت نکالنا نہیں بھولتا۔ ایسے میں جب بندہ کئی ضروری کام بھول جاتا ہے، سبکتگین حیدر لغاری کو تمہاری یاد رہتی ہے۔'' زوباریہ اس سے مخاطب تھی اور مظہر سیال مسکرا دیئے تھے۔

''اپنی بیٹی کا یہی سکھ میں چاہتا تھا اور اب اپنی زندگی میں ہی اسے خوش اور مطمئن دیکھ چکا ہوں۔ اب چاہے میں مر بھی جاؤں تو مجھے کوئی غم نہیں ہوگا۔'' پاپا کے لہجے میں ڈھیروں ڈھیر اطمینان تھا۔ اور وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

پھر وہ کافی بنانے کے لیے اُٹھ گئی تھی۔ اور جب واپس لوٹی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ میرب سیال نے اپنے حصے کی کافی کا بنایا ہوا کپ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''نہیں...... میں کافی نہیں لوں گا۔ تم لے لو۔'' اسے سرسری انداز میں کہنے کے بعد وہ پاپا کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میں بزنس کے سلسلے میں شکاگو جا رہا ہوں۔ مائی اماں سے بات ہوئی تھی۔ ان کی ہدایت تھی میرب کو بھی ساتھ لے لوں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو......'' بہت سعادت مندی سے وہ مظہر سیال سے دریافت کر رہا تھا۔

''بیٹا! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ شیور...... وائے ناٹ...... آپ میرب سے پوچھ لو۔'' پاپا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟...... بھلا میرب کو کیا اعتراض ہوگا؟'' زوباریہ نے میرب کی فطری جھجک کو سوچ کر کہا تھا اور پھر میرب کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ میرب خاموشی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''میرب! تم تیاری کر لو۔ غالباً سبکتگین کو دیر ہو رہی ہوگی۔ تمہیں آج ہی نکلنا ہے نا گین؟'' زوباریہ نے دریافت کیا تھا۔

''جی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''میرو! جلدی پیکنگ کرو۔ ٹھنڈ بہت ہوگی۔ تم گرم کپڑے زیادہ پیک کرنا، چلو میں تمہاری ہیلپ کرتی ہوں۔'' زوباریہ اس کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے تک جاتے ہوئے میرب سیال کا ذہن مزید کئی سوچوں سے بھر چکا تھا۔ جانے اب کیا ارادے تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے۔ بہر حال اسے اب اس کے ساتھ جانا تو تھا کہ تعرض کی نہ کوئی وجہ تھی نہ ہی گنجائش۔

زوباریہ نے اس کی مدد کی تھی اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ تھی۔

شکاگو ائیرپورٹ پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تم تھک تو نہیں گئی ہو؟...... اگر تھک گئی ہو تو ہم کچھ دیر ریسٹ کر سکتے ہیں۔لیکن میرے پاس وقت کم ہے۔یہاں رکنا میں افورڈ نہیں کرسکتا۔'' اپنی مجبوری بیان ہوئی تھی اور وہ کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''غالباً میں نے آرام کے لیے نہیں کہا۔جو آپ کو مناسب لگے،آپ کر سکتے ہیں۔'' میرب سیال نے کہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''سو نائس آف یو۔ایکچو ئیلی ہمیں اپنی منزل الینوئے کے مقام کاربن ڈیل تک پہنچنے کے لیے ابھی سینٹ لوئس تک کا سفر کرنا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی مجبوری بیان کی تھی۔پھر شاید اسے میرب سیال پر کسی قدر ترس آ گیا تھا جو اس نے سینٹ لوئس میں ہی خیمہ زنی کی پیش گوئی کر دی تھی اور ایسا فقط اسی کے لیے تھا۔میرب کو اگر کسی قدر تھکن تھی بھی تو وہ اب سینٹ لوئس کے حسین موسم کے باعث دور ہو چکی تھی۔ٹھنڈی ہواؤں اور بارش نے اس کا استقبال کیا تھا اور اس کے مزاج کی ساری کلفت اور بے زاری ڈھل گئی تھی۔وہ ایک دم فریش ہو چکی تھی۔سینٹ لوئس میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے قیام کا فیصلہ میرب سیال کو پسند آیا تھا اور پہلی بار اس نے اسے سراہا تھا۔ہوٹل کے روم میں کھڑکی سے باہر بارش کی بوندیں گرتے دیکھ کر وہ بہت سکون محسوس کر رہی تھی۔ٹھنڈ بے حد تھی۔کمرے میں ہیٹر آن تھا۔مگر اسے شیشے سے باہر کا منظر دیکھ کر اس ٹھنڈ کا اندازہ پورے طور پر ہو رہا تھا۔مگر اسے یہ سب بہت اچھا بھی لگ رہا تھا۔وہ بہت مگن سی کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔شاید تبھی اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے وہاں آنے کا علم نہیں ہوا تھا۔وہ چونکی تھی،نہ ہی پلٹ کر دیکھا تھا۔غالباً وہ واقعی محو تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رکا تھا،پھر بہت آہستگی سے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے حصار میں بھر لیا تھا۔

میرب سیال کو جیسے کوئی کرنٹ سا چھو گیا تھا۔وہ بے طرح چونکی تھی۔گردن کا رُخ پھیر کر دیکھا تھا،سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی پشت پر کھڑا چہرہ اس کی گردن پر جھکائے بہت ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے لمس کی حدت سے میرب سیال کو اس سرد موسم میں بھی اپنا سارا وجود جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''یہ لمحے زندگی کا احساس اپنے سنگ لا رہے ہیں ہنی!......تم سوچو تو محسوس کرو گی کہ زندگی ان لمحوں میں ہی ہے۔مگر میرے لیے زندگی کا احساس جس قدر دلکش ہے،تمہارا احساس اس سے کہیں زیادہ دل پذیر اور دلکش ہے۔''

وہ حواس باختہ سی آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔اس اچانک توجہ اور التفات کا کوئی مطلب وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری رات کے اس پہر اس کے قریب تھا۔اس کے کمرے میں تھا اور میرب سیال کی دھڑکنوں کا ارتعاش بڑھتا چلا گیا تھا۔وہ بے جان بت بنی اس لمحے اس کے بازوؤں کے حصار میں تھی۔اس میں اتنی ہمت بھی باقی نہیں تھی کہ وہ کوئی مزاحمت ہی کر سکتی۔حواس مکمل طور پر خطا تھے۔ایک بار پھر وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے رحم و کرم پر تھی اس کی زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ تھی۔وہ اس کے ساتھ تھی،اس پر قناعت کر رہی تھی۔اور اب وہ چاہے جیسا بھی سلوک روا رکھتا۔

''بہت سی باتیں نہ کہی جائیں یا نہ باور کرائی جائیں تو ان کے مفہوم دھندلانے لگتے ہیں۔اور ہنی! میں تمہارے اور اپنے معاملے میں قطعاً ایسا نہیں چاہتا ہوں۔ مجھے بہت سے مفہوم دھندلانے سے قبل تم پر واضح کرنے ہیں۔ بہت سی باتوں کی خوشبو کو تمہاری سانسوں سے چننا ہے، بہت کچھ کہنا ہے، بہت کچھ سننا ہے۔ جو وقت کو گنوا دیتے ہیں، میری دانست میں وہ عقل مند نہیں ہوتے۔ اور مجھے ان لمحوں کو اپنی گرفت میں بھرنا ہے۔'' اس کی زلفوں پر اپنی کتنی پُرتپش سانسوں کی حدت منتقل کرتے ہوئے وہ اس گھڑی مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا اور میرب سیال کی حالت ان نوازشوں پر ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''مجھے یہ کہنے دو ہنی! کہ زندگی تمہارے ساتھ کچھ اور بھی دلکش ہو جاتی ہے۔ یہ لمحے تمہارے حُسن سے بہت سے رنگ چرا کر اپنے ساتھ باندھ لیتے ہیں اور مزید دلفریب ہو جاتے ہیں۔ تم اتنے بہت سے اسرار اور بھید اپنے سنگ رکھتی ہو کہ میں حیران سا ہو جاتا ہوں۔ جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں تم مجھ نئی سی لگتی ہو۔'' اس کی مدھم سرگوشیاں کتنی بہت سی حدتیں اس کے اندر بھر رہی تھیں۔ کتنے نئے احساس جگا رہی تھیں۔ وہ اسی طرح آنکھیں میچے کھڑی تھی۔ جب سامنے دیوار پر لگے کلاک نے الارم بجایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اس کا رُخ اپنی طرف پھیرا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ہنی!...... مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔'' دھڑکنوں کا شور اتنا بڑھا تھا کہ کان شور سے پھٹنے لگے تھے۔ اپنی تمام تر بے بسی کو محسوس کرنے کے باوجود وہ اس لمحے حیران تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کی زندگی کے وہ خاص ترین لمحے کیسے یاد رہے تھے؟...... کیسے علم ہوا تھا اُسے؟ اس نے تو اُسے کبھی مطلع نہیں کیا تھا۔

''میں چاہتا تھا ہنی! تمہاری زندگی کے ان لمحوں کو تم میرے ساتھ...... صرف میرے ساتھ بسر کرو۔ ان لمحوں کی ساری دلکشی کو میں تمہارے چہرے پر دیکھوں، تمہیں سنوں، محسوس کروں۔ صرف میں ان لمحوں میں تمہارے قریب ہوں اور تمہارے سارے رنگ اور ساری دلکشی صرف میرے لیے ہو۔ میرے سوا تمہیں نہ کوئی دیکھے، نہ سنے۔ بس تم ہو، میں ہوں اور محبت۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ دھیما تھا۔ مگر وہ اس لہجے میں موجود حدتوں اور شدتوں کو مکمل طور پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے ایک ہلچل سی برپا تھی۔

''لو از اِن دی ائیر ہنی! اینڈ آئی کین ہیئر دی وائس آف لو۔ کیا تمہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا؟'' بہ غور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا اور میرب سیال نے اس لمحے خود کو بے حد بے بس محسوس کیا تھا۔

دل کا عجب حال تھا۔ کتنی قیامتوں کے زیر تھا سب کچھ۔ وجود کے تمام علاقوں میں ایک ہلچل سی تھی۔ کتنے نئے تجربات سے روشناس کرا رہی تھی اسے وہ نگاہِ خاص...... کتنے نئے زاویوں سے سوچنا سکھا رہی تھی۔ مگر اس کے لیے اس طرزِ عمل کو جھیلنا آسان نہ تھا۔ کجا کہ اس کو سمجھنا یا اس سے اخذ کرنا۔ وہ اُس لمبے چوڑے شخص کے سامنے دم سادھے کھڑی تھی۔

''لطافتوں کے ان موسموں کی پذیرائی کے لیے دل کے دروا کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے میرب سیال! یہ سارے لمحے، یہ منظر، یہ تمہارے میرے درمیان حائل خاموشیاں، سنو تو کیا کچھ نہیں کہتے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ لطافتوں کے موسموں کی کہانیوں کو تمہیں سمجھانے کی اس درجہ ضرورت ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے، کیا سارے معنی اس قدر ہی دقیق ہیں کہ پذیرائی کوئی راہ نہ پا سکے؟ یا پھر نوازشوں کی مزید کوئی چاہ اب بھی باقی ہے؟" اس کے مدھم لہجے میں کتنے سوال سلگ رہے تھے کہ وہ ان کی تپش صاف محسوس کر سکتی تھی۔

"ضرورتوں کی بات فی الحال ہم ایک طرف اُٹھا رکھتے ہیں۔ خواہشیں بھی تو لامحدود ہوتی ہیں۔ آسمان سے بعض باتیں صحیفوں کی طرح اس طرح اُترتی ہیں کہ دل ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر ایسے میں کس یقین کی بات کی جائے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال میں اس کی طرف دیکھتے رہنے کی ہمت ناپید تھی۔ دل میں انتشار تھا اور سانسوں میں زیر و بم۔ وہ ان لمحوں کی طوالت پر کوئی احتجاج نہیں کر سکتی تھی، نہ ہی انہیں سمیٹ کر راہِ فرار اختیار کر سکتی تھی۔ اس سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر، آنکھوں میں فتح مندی کی عجب سرشاری تھی۔ اور میرب سیال اپنی بے بسی خوب جانتی تھی۔

"اتنی بندشوں کا پابند خود کو کرنا بہت فضول لگتا ہے ہنی! کھل کر سانس لینے سے جو تر و تازگی اندر سرایت کرتی ہے اس کی لذت نا قابل بیان ہے۔ جب اتنے حقائق سامنے ہوں تو اپنے اندر سے گھٹن زدہ ایک بوسیدہ ماحول کو نکال دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خود سے، اپنے آپ سے انحراف کر کے، اپنے اندر کی دبی دبی آواز کو بھی سن لینا چاہیے۔ دیکھنا تو چاہیے کہ دل کیا کہتا ہے۔ بلاوجہ کے واہموں میں خود کو اُلجھانا کہاں کی عقل مندی ہے۔" اس کے ملائم ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر ایک خاص انداز سے دیکھتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔

"مانا اندیشوں کی فکر بھی کرنا چاہیے۔ مگر ہر وقت یہ سلسلہ جاری رہے، کوئی اتنا ضروری بھی نہیں۔ کبھی کبھی عقل و خرد کو دل کی سمت آنے والی راہوں پر آنے سے روک دینا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ہمیں یہ اقدام خاص انجام دینے سے قطعاً بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ دل کے وصف جتنے نرالے ہیں بہر حال اتنے دل پذیر بھی ہیں۔ اور زندگی کو بہر طور لطافتوں کی ضرورت ہر گز، باقی رہتی ہے۔ کیا حرج ہے اگر کبھی دل کو صرف دل کے اختیار میں دے دیا جائے اور مکمل اختیارات سونپ کر اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اب یہ اتنا سرکش بھی نہیں کہ لوٹ کر واپس ہی نہ آئے۔ دل، دل ہی تو ہے۔ کچھ نرم، کچھ گرم۔ بالکل بھرپور توجہ سے وہ اس کی آنکھوں میں براہِ راست تکتے ہوئے دریافت کر رہا تھا اور میرب سیال کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ لاجواب ہو گئی تھی بلکہ وہ حیرتوں میں گنگ تھی اور لبوں پر چپ کے ہزار تالے پڑے تھے اور ایسے میں وہ بولتی بھی تو کیا؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ شاید اس پر کسی قدر ترس آ گیا تھا۔

"حسن واقعی کرشمہ ساز ہے ہنی! گرفت میں لینے والے سارے تیور اسے از بر ہوتے ہیں۔ مگر بات یہاں کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی نہیں ہو رہی، نہ ہی جتانے کی۔ بات تو ہے دل سے دل کو منانے کی۔ اور یہ بے شک بے حد ضروری ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تم اس حقیقت سے کوئی انحراف کرو گی یا کسی طرح کی پسپائی پر تمہیں کوئی انا گیری گھیرے میں لے گی۔ کیونکہ یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور تم کو بھی سمجھ لینی چاہیے کہ دلوں میں بننے والے سارے سلسلوں میں درحقیقت صرف محبت کو سفر کرنا چاہیے۔ صرف اور صرف محبت کو۔ باقی کسی بات کی

گنجائش نہیں۔'' انداز باور کراتا ہوا تھا۔ مگر میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے شخص کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کے نازک شانوں کو تھاما تھا۔ میرب سیال کے نازک وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ کسی ممکنہ خطرے کو بھانپ کر وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا پھر اس وجود کو اپنے بازو کے حصار میں لے کر چلتے ہوئے جہازی سائز کے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ سارے لمحے قیامت کے تھے۔ دھڑکنوں کے زیر و بم سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ قدم من من بھر کے لگ رہے تھے۔ اس کے لیے آگے بڑھنا دشوار ترین تھا۔ مگر کوئی مزاحمت اس کے لیے محال تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے قدم مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے بعد تھمے تھے۔ بہت آہستگی سے اسے بیڈ پر بٹھایا تھا۔ میرب سیال یہ سارے افعال جیسے ناچار سر انجام دے رہی تھی۔ دم سادھے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مکمل اختیار سے اسے لٹا کر اس پر کمبل ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''آج کی شب کی صبح کیسی ہوگی، اس کی خبر نہیں۔ مگر آج کے دن کے سارے خواب تمام ہوئے۔ مجھے خوشی ہے کہ جس طور بسر کرنے کی خواہش تھی، اس طور یہ دن بسر ہوا۔ گڈ نائٹ، اب تم سو جاؤ۔ صبح کیا کرنا ہے، اس کا فیصلہ غالباً صبح پر ہی چھوڑ دینا کافی ہوگا۔'' مسکراتے لبوں پر ایک ملائمت تھی۔ نظروں میں ایک حلاوت، مگر ایک پُر تعظیم انداز، جیسے اس کی پرواہ رکھتی ہوں۔

''گڈ نائٹ......!''

کتنی آہستگی سے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی پیشانی پر ایک مہر خاص ثبت کرتا ہوا اُٹھا تھا اور پلٹ کر چلتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔ اور میرب سیال اس سرد موسم میں جل اُٹھنے والے الاؤ میں گھری، نرم بستر پر لیٹی، کتنی دیر تک اس لہجے کی تپش میں جلتی رہی تھی۔ نگاہیں کتنی حیرت سے اس بند دروازے کو تکتی رہی تھیں۔ جس ابھی تھوڑی دیر قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری بند کر گیا تھا۔ مگر اس ایک دروازے کو بند کرنے کے باوجود خیالات کے کتنے در وہ انجانے میں وا کر گیا تھا یا پھر دانستگی کے سارے اقدامات تھے۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ کے اندر جھگڑے چل رہے تھے۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک قیامت کا لمحہ آ کر گزر گیا ہے۔ مگر ایسا ہو چکا تھا اور خرد و عقل کو یہ بات از بر تھی۔ مگر اسے جھیلنا پھر بھی دشوار ترین تھا۔ کئی لمحے بیت چکے تھے اس بات کو مگر اس کا وجود اب تک کانپ رہا تھا۔ اس لہجے کی بازگشت وہ اپنے اردگرد محسوس کر رہی تھی۔

''ان آنکھوں نے......انابیہ شاہ! تمہاری ان آنکھوں کا پہرہ میرے دل پر تب سے ہے جب تم پہلی بار مجھے دکھائی دی تھیں۔ تمہاری شباہتوں کا ڈیرہ تب سے میرے اندر ہے میرے لہو میں، میری رگ رگ میں دوڑ رہا ہے جب سے تم نے ایک بے خبری نظر مجھ پر کی تھی۔ ایک سرسری سی نگاہ۔ مگر وہ میرے اندر قیامتیں برپا کرنے کو کافی تھی۔ پہلی بار میں نے خود کو بے حد بے بس پایا۔ انابیہ شاہ! شاید میں تمہیں کبھی بتا نہیں سکوں گا۔'' اس لہجے میں کتنی شدتیں تھیں۔ اپنے اردگرد گونجتی اس بازگشت میں اسے ایک الاؤ سا جلتا محسوس ہو رہا تھا اور

اس الاؤ میں اس کا سارا وجود جل رہا تھا۔

ناممکن تو نہ تھا سب کچھ۔

اسرار اور بھید تو اول روز سے محسوس ہو رہے تھے۔ مگر وہ اپنے طور پر بند باندھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر سراسر ناکام رہی تھی۔

عفنان علی خان کا جنون، اس کی محبت ایک بپھرا ہوا سمندر تھا جو اپنے اندر بہت سے تلاطم رکھتا تھا۔ جس کے اندر ہزار ہا طغیانیاں تھیں اور ہزار ہا طوفان۔

غلطی اس کی تھی شاید۔ وہ ممکنہ خطرات کو بھانپ کر بھی کوئی مناسب حکمت عملی وضع نہ کر سکی تھی۔

اپنی آنکھوں، اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اس کا انداز کس قدر پُر وحشت تھا۔

''ان آنکھوں نے انابیہ شاہ!...... تمہاری ان آنکھوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔'' گئے دنوں کی کتنی باتوں میں اس طوفان کے شواہد ملتے تھے۔ پھر وہ کیسے نہ سمجھ سکی تھی؟ کیسے نہیں؟

''میں تمہارے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں ...... ہر شے، جو ناممکن ہے، اسے بھی ممکن کر سکتا ہوں اور اب ایسا میں کر کے دکھاؤں گا۔ اور تم دیکھو گی انابیہ شاہ!'' ایک بے حد پُر عزم لہجے کی بازگشت اس کے اندر تھی اور اس نے قریب رکھا گلدان اُٹھا کر اس آئینے پر دے مارا تھا جس میں اس کا عکس تھوڑی دیر قبل جھلملا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری نے وعدہ تو کر لیا تھا مگر وہ اس پر عمل درآمد نہیں کر سکا تھا۔ اور ساہیہ خان اس کے دانستہ فرار کا بھید پا گئی تھی اسی لیے دوسرے دن وہ اس کے سامنے تھی۔

''وجہ تو نہیں جانتی، مگر مجھے لگ رہا ہے اذہان! جیسے تم مجھ سے دانستہ بھاگنا چاہ رہے ہو۔ مجھے بتاؤ، ایسا کیا ہوا ہے؟'' ساہیہ خان کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آ رہی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے بہت سرسری انداز میں سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ کیا بات کرنے والے تھے ہم؟...... کچھ ورک آؤٹ کیا تم نے اپنے پروجیکٹ کو لے کر؟''

اذہان حسن بخاری کا لہجہ کسی قدر بے تاثر تھا اور ساہیہ کی نگاہوں میں بے یقینی در آئی تھی۔

''اذہان! یہ کیا ہو رہا ہے؟...... یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کرنے لگے ہو؟ ایسے اجنبی تو نہ تھے ہم؟''

اذہان حسن بخاری کے لبوں پر بہت بے جان مسکراہٹ ابھری تھی۔

''ساہیہ خان! تمہیں عادت ہو چلی ہے بلاوجہ شک کرنے کی۔ ایک بات طے ہے، تمہارے ہزبینڈ کی بہت بری گزرنے والی ہے۔ تم تو ناک میں دم کر دو گی اس کا۔'' تجزیہ کمال کا تھا۔ مگر ساہیہ خان قطعاً محظوظ نہیں ہوئی تھی۔

''ایسی رسمی اور مروت سے لبریز باتوں کی جگہ تو ہمارے درمیان پہلے نہیں تھی۔ کہیں تم ...... اوہ، ہاں تو تم انکل کی بات کو لے کر

اب تک اتنے ڈپریسڈ ہو۔لیکن کہا تو تھا وہ سب مذاق تھا۔ مانا انکل کی ایڈوائز میرے لیے اہم ہے۔مگر جب میں تم پر بھروسہ کر رہی ہوں تو مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ غلط ہرگز نہیں ہے۔لیکن تم اذہان حسن بخاری! تم ایسے کیسے ہو سکتے ہو؟ اور وہ بھی میرے ساتھ؟'' ساہیہ خان کا لہجہ ہی نہیں، نگاہ بھی بے یقینی سے پُر تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ساہیہ خان نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر پلٹ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔اور اسی لمحے اذہان حسن بخاری نے نجانے کیوں اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا تھا۔ساہیہ خان نے اس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

''اذہان! پلیز، اب کوئی وضاحت دینے کی کوشش مت کرنا۔ میرے لیے ٹولریٹ کرنا آسان نہیں ہوگا۔'' مدھم لہجے میں کہا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے اس کے ہاتھ کو چھوڑے بغیر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں ساہیہ! میں کسی قسم کی کوئی وضاحت دینے کی کوشش نہیں کر رہا۔ایسا کروں گا بھی تو شاید یہ بہت بودا اور فضول لگے گا۔میں تمہیں کسی طرح کی زک نہیں پہنچانا چاہتا۔اگر تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو تو معذرت۔تم بیٹھو۔'' اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔ساہیہ خان نے پلٹ کر اذہان حسن بخاری کی طرف دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! مجھے لگتا ہے اگر میں یہاں رکوں گی تو تمہاری اُلجھنوں میں مزید اضافہ کروں گی۔جانے مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں جو بھی مشکل درپیش ہے اس میں کہیں نہ کہیں میرا کوئی حصہ ضرور ہے۔'' ساہیہ خان کا انداز پُر اعتماد تھا اور اذہان حسن بخاری نگاہ پھیر گیا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے اذہان حسن بخاری! جو تم مجھ سے نگاہ نہیں ملا پا رہے ہو؟''

مگر اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف تب بھی نگاہ نہیں کی تھی۔

''اوہ...... مائے گاڈ۔اذہان! تمہاری چپ مجھے کیوں کسی بات کی صاف چغلی کھاتی لگ رہی ہے؟ ٹھیک ہے، تم مجھے نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔مگر سنو، اگر تمہاری اس چپ کے باعث کہیں کسی جگہ میری ذات کو کوئی زک پہنچی تو اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں اگر مجھ سے کچھ کہنا ہو تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔اب میں یہاں بالکل نہیں آؤں گی۔'' خفا خفا سے انداز سے کہہ کر وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور اذہان حسن بخاری کے پاس ماسوائے اسے خاموشی سے جاتے ہوئے دیکھتے رہنے کے اور کوئی راستہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

بہت عرصے بعد وہ جیسے پُرسکون نیند سویا تھا۔صبح کا سورج بیدار ہو کر اس کی کھڑکیوں پر اپنی دستک دے چکا تھا مگر آج عفنان علی خان کا اُٹھنے کا کوئی موڈ نہ تھا۔شاید وہ اور کچھ دیر اسی طرح پڑا رہتا لیکن فون کی مسلسل ہونے والی بیل نے اسے کسی قدر ڈسٹرب کر دیا تھا۔کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو'' لہجہ نیند کی خماری سے بھرا تھا اور آنکھیں بدستور مُندی ہوئی تھیں۔

''ہیلو......عفنان! لامعہ حق اِز ہیئر......ویئر آر یو؟......اور یہ تم نے اپنا سیل کیوں آف کر رکھا ہے؟''

''اوہ......تھانیدار جی آپ......''عفنان علی خان کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔''کیا خیال ہے آپ کا......بندہ اس وقت کہاں ہو سکتا ہے؟'' لہجہ کسی قدر تپا ہوا تھا مگر لامعہ حق بنا پرواہ کیے بولی تھی۔

''جاگے نہیں ہو کیا اب تک؟''

''جاگ چکا ہوں......تم شام میں کیا کر رہی ہو؟''

''کیوں......تمہارا پروگرام مجھے ڈیٹ پر لے جانے کا ہے؟'' لامعہ حق نے دوسری طرف چھیڑا تھا مگر وہ قطعاً محظوظ نہیں ہوا تھا۔

''تم شام میں مجھے شنگھر یلا میں ملو۔'' حکم دیا تھا۔

دوسری طرف لامعہ حق مسکرا دی تھی۔

''خیریت؟......یہ آج اس قدر مہربانی کس لیے؟''

''تم ملو......خود جان جاؤ گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔مگر میں نے فون تمہیں اس لیے کیا تھا، وہ پاپا کی کوئی اہم ترین فائل تمہارے پاس ہے۔پلیز تم وہ ان تک ضرور پہنچا دینا۔اور تھینکس فور انوائٹنگ می۔میں شام میں شنگھریلا پہنچ جاؤں گی۔مگر دیکھو آج پھر تم کوئی پخ لگا کر منع مت کر دینا۔تمہارا کوئی اعتبار بھی نہیں ہے۔''

''یقین رکھو......آج کا شیڈول قطعاً بھی تبدیل نہیں ہوگا۔''عفنان علی خان کا لہجہ یقین دلاتا ہوا تھا اور دوسری طرف لامعہ حق نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔وہ آج عرصہ دراز بعد بہت مسرور سا اُٹھا تھا دل سے جیسے کوئی بوجھ ہولے ہولے سرک رہا تھا۔وہ پُرسکون لگ رہا تھا۔لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔وہ بہت مگن سا سیٹی پر کوئی شوخ سی دُھن بجا رہا تھا۔

باتھ لے کر نکلا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا فون آ گیا تھا۔اسکرین پر اس کا نام دیکھ کر عفنان علی خان مسکرایا تھا۔پھر کال ریسیو کر کے سیل کان سے قریب کر لیا تھا۔

''تو آخر کار آپ کو یاد آ گئی ہماری۔ہمیں تو آپ کا انتظار تھا۔آپ نہ آئے......سو یہ کال بھی غنیمت لگی ہے۔''عفنان علی خان نے شکوہ کیا تھا۔

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔''مصروفیت اچانک بڑھ گئی تھی۔ورنہ تم جانتے ہو، سردار سبکتگین حیدر لغاری وعدے کا کس قدر پابند ہے۔''

''میں تو سمجھ رہا تھا شریک سفر کی محبت نے لمحوں کو طوالت پر مجبور کر دیا ہے۔''ایک لطیف سا مذاق کیا تھا۔اور جواباً سردار سبکتگین

حیدر لغاری کا قہقہہ بہت جان دار تھا۔

"ہاں، وہ بھی ہے...... مگر کام زیادہ اہم ہے۔"

"شریک سفر کو خوش رکھنا اور اسے وقت دینا بھی تو ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اب تو بھابی کو دیکھنے کا شوق دو چند ہو گیا ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے والی لڑکی معمولی ہرگز نہیں ہو سکتی۔" مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو...... دیکھو، اب بھی میں شکا گو میں ان محترمہ کا برتھ ڈے سیلی بریٹ کرنے میں لگا ہوا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"سب کام کاج چھوڑ کر؟" عفنان علی خان کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

"غالباً۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جواب قریباً مثبت تھا۔

"گریٹ......" عفنان علی خان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "تو آخر کار جگہ جگہ وفاداریاں بانٹنے والا سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک جگہ ٹھہر ہی گیا۔ کیا میں ان عظیم خاتون سے بات کر سکتا ہوں جنہوں نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟" عفنان علی خان نے خواہش ظاہر کی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنستا چلا گیا تھا۔

"ویل سیڈ۔ میں اس وقت باہر ہوں، وہ ہوٹل میں ہے۔ آج بھی تمہاری بات اس سے نہیں ہو سکتی۔ تمہاری نیّا کہاں تک پہنچی؟ کنارے لگ گئی یا اب تک بیچ منجدھار میں ہی پھنسی ہوئی ہے؟"

"یہ محبت کی ناؤ ہے میرے بھائی! اتنی آسانی سے پار نہیں لگتی۔ ہزاروں طوفانوں کا مقابلہ مردانہ وار کرنا پڑتا ہے تب بھی یہ ناؤ ڈولتی ہی رہتی ہے۔" عفنان علی خان نے دردناک لہجے میں کہا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

"اور کس نے کہا تھا محبت کرو؟"

عفنان علی خان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

"کسی نے بتایا ہی نہیں تھا میرے دوست! کہ یہ اتنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اب سر پر پڑی ہے تو جھیلنا آ ہی جائے گا۔"

"اور نتیجہ کیا رہا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

"نتیجہ تو معلوم نہیں۔ مگر کوششیں سنا ہے کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"تو تم کوششیں کر رہے ہو۔ گڈ، میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کروں گا۔"

"بھابی کا اسی طرح خیال رکھنا۔" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

"تم سے تو بے فائدہ ہے...... ہاں، بھابی سے بات کرنا واقعی سود مند ہوگا۔ فارغ ہو جاؤ تو ان سے بات ضرور کرانا۔ مجھے یقین ہے بہت سی گُر کی باتیں ہاتھ لگیں گی۔" انداز چھیڑنے والا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

☆......☆......☆

بہت بے دلی کے ساتھ گاڑی پورچ کرنے کے بعد وہ اندر داخل ہوا تھا۔ انداز بے حد تھکن لیے ہوئے تھا۔ کوٹ اُتار کر بائیں کلائی پر دھرا تھا، دائیں ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھا رہا تھا جب فارحہ کی آواز نے اُسے چونکا دیا تھا۔

''آج آنے میں تم نے اتنی دیر کر دی؟'' فارحہ زینے کے آخر پر کھڑی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے مڑ کر دیکھا تھا، سامنے ماں موجود تھی۔ مگر اس استفسار پر وہ کسی قسم کی کرٹسی کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

''کام کچھ زیادہ تھا آج۔'' بولا تھا تو انداز بہت سرد تھا۔

''تھک گئے ہو؟'' بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کچھ کہے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اتنے تھک گئے ہو کہ کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں جا رہے ہو؟'' فارحہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

''وہ...... میں نے کھا لیا تھا۔'' اُلجھن اس کی آنکھوں میں ہی نہیں، اس کے لہجے اور آواز میں بھی صاف چھلک رہی تھی۔ ''آپ ...... آپ نے کھانا کھایا؟''

''اس گھر کا ایک اصول رہا ہے اذہان!...... جب تک سارے افراد اکٹھے نہ ہو جائیں، کھانا نہیں کھایا جاتا۔'' فارحہ کا لہجہ سپاٹ تھا جیسے وہ اس سکوت میں چھپے بھید کے معنی سمجھنا چاہ رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری شرمندہ سا دوبارہ اُتر آیا تھا اور چلتا ہوا فارحہ کے سامنے آن رکا تھا۔

''ممی! آپ......''

''اذہان!'' اذہان نے بولنا چاہا تھا مگر فارحہ نے ہاتھ اُٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا اور اسے پُر شکوہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی تھیں۔

''مجھے تمہارے رویے میں کوئی بڑی تبدیلی نظر آ رہی ہے اذہان! میں نے یہ گھر بہت مشکل سے بنایا تھا اور مجھے خود پر بہت فخر محسوس ہوتا تھا کہ میں نے اینٹ اینٹ جوڑ کر محبت کی ایک عمارت تعمیر کی ہے۔ اس عمارت کے باسیوں میں محبت کا بسیرا میرے ان ہاتھوں سے ہوا تھا۔ یہ گھر میری زندگی بھر کی کمائی تھا۔ مگر اس کی بنیاد کیا ہلی سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ آج اس گھر کی اینٹ اینٹ گرتی ہوئی دیکھ رہی ہوں اور مجھے بہت دُکھ ہو رہا ہے۔'' آواز میں ایک کرب تھا اور اذہان حسن بخاری اس لمحے شرمندہ ہو گیا تھا۔ ماں کے گرد دا ہنا بازو پھیلایا تھا اور لے کر چلتا ہوا صوفے کی سمت آ گیا تھا۔

''ممی! آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا قطعاً نہ تھا۔ دراصل ...... میں واقعی تھک گیا تھا...... اور......'' وہ بولا تھا جب فارحہ نے تیزی سے اس کا جملہ کاٹا تھا۔

''تھک تو میں بھی گئی ہوں اذہان! مگر میں کس سے کہوں، بتاؤ کس سے؟'' ان کا لہجہ قدرے اُداس تھا۔ اذہان جواباً کچھ نہیں بولا

تھا۔فارحہ کی آنکھوں میں نمی بھر آئی تھی۔چہرے کا رُخ پھیرتے ہوئے ان کا لہجہ بہت شکست خوردہ تھا۔

''تھک تو میں بھی گئی ہوں......بولو......میں کیا کروں؟......کہاں جاؤں؟......میرے لیے تو کوئی جائے پناہ بھی نہیں ہے۔کوئی دوسری راہ بھی نہیں ہے۔میں کتنی بے بس ہوں۔کتنی شکست خوردہ اور کمزور ہوں......کسے بتاؤں میں، کسے کہوں کہ میں ہار گئی ہوں؟''

مدھم لہجے میں ایک کرب تھا۔کتنے ہی آنسو، آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے تھے۔اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''پلیز ممی! میرا مقصد آپ کو تنہا کرنا نہیں تھا۔نہ ہی میں آپ کو ناخوش کرسکتا ہوں۔میں آپ سے اجنبی بھی نہیں ہوسکتا۔کچھ بھی ممکن نہیں ہے میرے لیے۔''

فارحہ نے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''تو پھر مجھ سے بھاگ کیوں رہے ہو؟......اس گھر سے......اس گھر کے لوگوں سے؟ کیا میں نہیں جانتی تجھے؟......تو کیوں وہ بات مجھے نہیں بتا رہا جو تجھے کاٹ رہی ہے؟......ایسا کیا ہے جو تجھے بے چین کررہا ہے؟ ہمارے درمیان اس روز رشتے کی بات ہوئی تھی نا، تو ٹھیک ہے۔تمہیں پسند نہیں تو نہ سہی۔ہم دوبارہ اس پر کبھی بات نہیں کریں گے۔مگر تو......تُو خود پر کوئی جبر نہ کر......خود کو کوئی سزا نہ دے۔''

فارحہ کا لہجہ لجاجت لیے ہوئے تھا اور اس لمحے اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا۔

''نہیں ممی!......ایسا کچھ نہیں ہوگا۔آپ چاہتی ہیں نا، ساہیہ سے میرا تعلق جڑے......تو ٹھیک ہے، آپ ایسا کرسکتی ہیں۔مگر پلیز، آئندہ کبھی ان آنسوؤں کو ان آنکھوں سے بہنے مت دیجیے گا۔آپ کے بیٹے کے لیے آپ کے احساسات، جذبات بہت معنی رکھتے ہیں۔'' لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔فارحہ کسی قدر حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''اذہان! مجھے بتاؤ، پرابلم کیا ہے؟ تم کیوں مجھ سے بات کرنے میں پس وپیش سے کام لے رہے ہو؟ تمہاری ماں ہوں میں۔کیا اپنے دل کی بات تم مجھ سے بھی نہیں کہہ سکتے؟......ساہیہ خان میرے خیال سے تمہارے لیے سب سے بہتر لڑکی تھی، تمہارے لیے وہ ایک بہترین شریک سفر ہوسکتی تھی۔مگر ایسا صرف میں نے سوچا یا پھر تمہارے پاپا نے۔تم چاہو تو اس سوچ کو، اس پسند کو رد بھی کرسکتے ہو۔مگر اس طرح نہیں اذہان! مجھ سے تمہارا یہ اُلجھن سے بھرا رویہ برداشت نہیں ہورہا۔تم اگر ساہیہ سے صرف اس لیے ہاتھ کھینچنا چاہتے ہو، صرف اور صرف اس لیے دور ہٹنا چاہتے ہو کہ ساہیہ خان تمہارے پاپا کی بھی پسند ہے تو یہ جواز بہت بچگانہ ہے اذہان!......صرف اس جواز کو لے کر تمہیں اپنی زندگی بگاڑنے کا حق میں کبھی نہیں دوں گی۔اور رہی بات یہ کہ تم اس فیصلے سے اس لیے ناخوش ہو کہ اسے تمہارے پاپا نے تمہارے لیے پسند کیا اور تم ان سے نفرت کی حد متعین کرتے ہوئے کسی شدت پسندی کا ثبوت دینا چاہتے ہو تو یہ بھی میرے لیے ناقابل قبول ہوگا۔کیونکہ اذہان! تم میرے بیٹے ہو۔مگر اپنے ہزبینڈ سے نفرت کی اجازت میں تمہیں قطعاً نہیں دوں گی، نہ ہی مخالفت کرنے کی۔ان کے اور میرے درمیان کیا ہوتا ہے؟ کیوں ہوتا ہے؟ یہ تمہارا دردسر نہیں۔تم اپنے معاملات میں اس رشتے کی کسی کڑواہٹ کو لانے کی

کوشش مت کرو۔ اپنی زندگی کو اپنی سوچ اور عقل سے اور نقصان کے تعین کے ساتھ پرکھنا سیکھو۔ اگر ساہیہ تمہیں پسند ہے اور تم اسے صرف اس لیے کھونا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے پاپا کی پسند کردہ لڑکی ہے تو یہ سراسر غلط ہوگا۔ اور اگر کوئی اور وجہ بھی ہے تو میں چاہوں گی تم اسے دل میں رکھنے کی بجائے کہہ دو۔ کیونکہ اُلجھنیں دل میں رکھنے سے اور بھی بڑھتی ہیں، گھٹتی نہیں۔'' فارحہ، بیٹے کی سمت جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں مگر اذہان حسن بخاری کچھ بھی کہے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''اذہان! ساہیہ خان اتنی اچھی اور پیاری ہے کہ کوئی بھی اسے ٹھکرا نہیں سکتا۔ تمہارے دل میں کیا ہے، میں نہیں جانتی۔ مگر ساہیہ جیسی لڑکی میرے بیٹے کی بہترین شریک سفر ہو سکتی ہے۔ ایسا میں سوچتی ہوں۔ اسے رد کرنے والا کوئی احمق ہی ہوگا۔''

اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''ممی! مجھے پسند پر کوئی اعتراض نہیں۔'' لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔ فارحہ نے بیٹے کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیا تھا اور ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے تو ٹھیک لگتا ہے ممی!'' اس نے عندیہ دیا تھا۔ فارحہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی جب اذہان حسن بخاری نے اپنا سر فارحہ کے شانے پر دھر دیا تھا۔

''آپ ساہیہ خان کو میری زندگی کا حصہ کر سکتی ہیں۔'' مدھم لہجے میں کہہ کر وہ یکدم اُٹھا تھا اور چلتا ہوا سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان، لامعہ حق کے سامنے بیٹھا تھا اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں پھیرے بیٹھے تھے۔ لامعہ حق کے چہرے پر ایک بے یقینی کی کیفیت تھی اور آنکھوں میں ایک انجانی سی ویرانی۔

عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھا تھا اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''لامعہ حق! زندگی میں منافقت ہونا اچھا نہیں۔ جو دل میں ہو وہی افعال و اعمال میں بھی ہونا ضروری ہے۔ مجھے کہنے دو لامعہ حق! کہ دلوں کے درمیان فقط محبت کو ربط بن کر رہنا چاہیے، کسی سمجھوتے کو نہیں۔ دل کے راستے بہت نازک اور پُر پیچ ہوتے ہیں۔ ان پر محبت کی ناؤ تو چل سکتی ہے مگر کوئی سمجھوتہ ٹرین ہرگز نہیں...... ایسی کوئی راہ دلوں میں نہیں پڑتی جس پر سمجھوتے اپنی راہ بناتے ہوں۔ دل سے دل تک صرف محبت سفر کرتی ہے، کوئی سمجھوتہ نہیں۔ مصلحت کے تقاضے دو ریاستیں تو مان سکتی ہیں مگر دو دل قطعاً نہیں۔ دل کسی مذاکرات کی ٹیبل پر آ بھی جائیں تو بات فقط احساسات کی ہوتی ہے، محبت کی ہوتی ہے۔ محبت اپنے مفادات کو لے کر نہیں چلتی۔ مگر محبت سے کم پر قناعت بھی نہیں کر سکتی۔ محبت کی قناعت بھی صرف محبت ہے۔''

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھے بغیر اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی سے بیش قیمت رِنگ نکالی تھی اور ٹیبل پر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

''میں جانتی ہوں عفنان علی خان!...... دلوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ٹرین نہیں چل سکتی، فقط محبت سفر کرتی ہے۔ اور محبت،

تمہارے میرے درمیان نہیں۔" ایک بے جان سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر ٹوٹی تھی۔ وہ عفنان علی خان کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی جیسے وہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ ضبط کے کتنے زاویوں سے گزر رہی ہے۔

"مجھے تمہاری فیئر اپروچ پسند آئی عفنان علی خان!...... کم از کم تم میں سچ بولنے کی ہمت تو ہے۔ کچھ لوگوں میں تو وہ بھی نہیں ہوتی۔ ساری زندگی دل کے منافی گزار دیتے ہیں۔ عمر بھر منافقت کرتے رہتے ہیں اور انہیں احساس جرم تک نہیں ہوتا۔ تمہاری ہمت تو قابل داد ہے۔ کم از کم تم عام مردوں کی طرح نہیں ہو۔ شاید...... شاید تبھی مجھے تم اچھے لگتے ہو۔" آنکھوں کے کناروں کی نمی کو انگلیوں کے پوروں سے پونچھتی ہوئی وہ مسکرائی تھی۔ "شکر ہے ہم نے ساری زندگی اس دھوکے میں نہیں گزاری۔ بہت سے لوگوں سے ہم پھر بھی بہت بہتر ہیں۔ ہم نے سراب منظروں کو دیکھتے دیکھتے عمر نہیں گزاری۔"

عفنان علی خان نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ تسلی کا کوئی لفظ اس گھڑی اس کے لبوں پر نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ملال نہ تھا۔ مگر لامعہ حق کے لیے یہ گھڑی کسی قدر ملال کی تھی۔

"عفنان علی خان! مجھے بہت ملال ہے۔ کیونکہ میں تم جیسے خالص شخص کو کھو رہی ہوں۔ کاش تمہاری محبت میرے لیے ہوئی...... میری ہوتی۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس کی آنکھوں کے کنارے نم تھے۔ "پتہ ہے، اگر تم دلوں کے مابین سمجھوتے کر لیتے تو ہم دونوں جنتی ہوتے۔" وہ مسکرائی تھی۔ "تم مجھے دیکھ کر صبر کرتے اور میں تمہیں دیکھ کر شکر۔ اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔ مگر عفنان علی خان اس لمحے مسکرا نہیں سکا تھا۔ شاید اسے لامعہ حق کے دُکھ کا احساس تھا اور شاید اسی لیے اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس گھڑی اس کے نازک سے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ مگر لامعہ حق اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"کچھ مت کہنا پلیز۔ کچھ بھی مت کہنا۔ مجھے اس لڑکی سے یقیناً بہت جیلسی محسوس ہوگی۔ اس لیے پوچھوں گی بھی نہیں کہ وہ کون ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں وہ جو کوئی بھی ہے، یقیناً بہت لکی ہے۔" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے جتایا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"بری تم بھی نہیں ہو لامعہ حق!"

"ہاں...... مگر اس سے اچھی ہرگز نہیں۔" وہ جانے کیوں اس لمحے کو بہت لائٹ لینا چاہ رہی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ دیکھ کر عفنان علی خان چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

"لامعہ حق! دل کے کھیل بہت عجب ہیں۔ اس میں پیدل مات ہوتی ہے۔ مجھے اپنی جیت کا کوئی امکان نہیں ہے مگر میں یہ رسک لے رہا ہوں۔ کیونکہ محبت میرے ساتھ ہے اور مجھے دلاسہ دے رہی ہے کہ دوسرا دل اس دل کی ضرور سنے گا۔ وہ مجھے ملتی ہے یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ مگر وہ نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔ بس میں وہ منافقت والی زندگی کبھی نہیں گزاروں گا۔ وہ ہوگی تو اس کے ساتھ جیوں گا۔ وہ نہیں بھی ہوگی تو زندگی اسی کے لیے ہوگی...... شہ یا مات۔"

اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ پُرعزم تھا۔ اور لامعہ حق مسکرا دی تھی۔

''ایک بات بتاؤ گے؟......اس نے تمہارے اندر جگہ مجھ سے پہلے بنائی تھی یا میرے بعد؟'' بظاہر وہ لب مسکرا رہے تھے مگر ان آنکھوں میں اس لمحے ایک اُداسی تھی اور لہجے میں ایک حسرت۔

عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ مدت کتنی کثیر ہے یا کتنی قلیل، وہ میرے اندر ہے اور پل پل ہے۔ میں لمحہ لمحہ اسے سوچتا ہوں۔ وہ قدم قدم میرے ساتھ چلتی ہے، اہم صرف یہ ہے۔ کب سے ہے، یہ نہیں۔''

''تمہاری دیوانگی اس پر منکشف ہے؟'' عجب سوال تھا اور عفنان علی خان کے لبوں پر ایک پُر مسرت مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

''نہیں۔''

لامعہ حق نے اسے شدید ترین حیرت سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''اصل مقصد یہ نہیں کہ وہ مجھے چاہتی ہے یا نہیں۔ میں اسے چاہتا ہوں، اصل بات یہ ہے۔ محبت کا جواب محبت سے آئے یہ ضروری نہیں۔''

لامعہ حق مسکرادی تھی۔ لہجے میں حیرت بے حد نمایاں تھی۔

''اور تم یہ جو اس کے لیے کھیل رہے ہو؟'' جانے کیا جتانا چاہا تھا اسے۔ شاید کسی اندیشے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتی تھی وہ۔ مگر عفنان علی خان ایک عزم سے مسکرادیا تھا۔

''ہاں......کیونکہ محبت کو شہ اور مات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔'' چہرے پر حد درجہ سکون تھا۔ جیسے وہ اپنے فیصلے سے مطمئن تھا۔

''اگر وہ لڑکی میرے سامنے ہوتی تو شاید میں اسے قتل کر چکی ہوتی۔'' لامعہ نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔ وہ چونکا تھا۔

''حسد کی وجہ سے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

لامعہ حق نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور وہ مسکرادیا تھا۔

''اوہ مائے گاڈ......اتنی انتہا پسندی اچھی نہیں ہوتی۔ اس شدت پسندی کو کسی اور کے لیے سنبھال رکھو۔ کیونکہ زندگی میں کوئی ایک ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے لیے ایک زندگی ناکافی لگتی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی ایک تمہاری زندگی میں بھی ضرور آئے گا......کب؟ خدا ساری مناجاتیں سنتا ہے۔''

لامعہ حق اس تسلی پر کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک نظر اسے مسکرا کر دیکھا تھا، پھر اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

عفنان علی خان نے ایک نظر اسے جاتا دیکھا تھا اور پھر نظر ٹیبل پر دھری اس رنگ پر پڑی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اُٹھالیا تھا اور بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری جانتا تھا، اس کی رضامندی کے بعد ممی دیر نہیں کریں گی۔ وہ پہلی فرصت میں پروپوزل لے کر ساہیہ خان کے گھر ہوں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا تھا۔

ساہیہ خان کا فون آیا تھا۔ خاصی جلی کٹی سنا رہی تھی مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی اذہان بخاری! یہ سب کرنے کی؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا، ہمت کیسے ہوئی؟ بھئی جی دار بندے ہیں...... ہر کام ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا مگر آنکھوں میں ایک عجب ویرانی کا تاثر تھا۔ اس کا لہجہ بھی اس بات کی چغلی صاف کھا رہا تھا۔

''اذہان! شٹ اَپ۔ تم جانتے ہو یہ سب جو ہو رہا ہے ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ عجب شش و پنج میں تھی۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے؟'' اسے چھیڑنے کا قصد کیا تھا مگر وہ ڈپٹنے لگی تھی۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے۔'' باقاعدہ اس کی نقل اُتاری گئی تھی۔ ''اتنے ہی تو بچے ہو نا تم...... دیکھ نہیں رہے ہو، کتنے اہم کام سرانجام دینے جا رہی ہوں میں۔ بزنس اسٹارٹ کرنا بچوں کا کھیل تو نہیں ہوتا۔ اور تم......'' عجب بوکھلاہٹ میں بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''بچوں کا کھیل نہیں...... یہی بات تو تمہیں سمجھنا ہے ساہیہ خان! ایک پرفیکٹ بزنس ٹائیکون کی وائف کے لیے بزنس کرنا زیادہ آسان رہے گا۔ وہاٹ ڈو یو تھنک؟'' مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا اور وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

''اذہان! آر یو میڈ؟...... واپس لو اپنا پروپوزل۔''

''سوری سویٹی! تم اپنے پیرنٹس سے خود بات کر و یا پھر خود ہمت ہے تو انکار کر دو۔'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

''میں...... میں انکار کر دوں؟ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تمہارا؟'' وہ چل کر بولی تھی۔

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''زبردستی کوئی نہیں ہے۔ میں تو خود در سے تڑوا رہا ہوں، تم سے زیادہ مظلوم ہوں میں۔ تمہیں تو پھر بھی میں پسند ہوں۔ مگر اس طرف تو ایسے بھی کوئی شواہد نہیں دستیاب۔''

''پھر تو تمہارے لیے انکار کرنا زیادہ آسان ہو گا۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''نہیں...... میں کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں۔ کسی کام نہیں آئی۔ تم ٹرائی کر لو...... شاید کامیاب ہو جاؤ۔ فائدہ تو دونوں کا برابر ہو گا۔'' وہ قطعاً سنجیدہ نظر نہ آ رہا تھا۔

''اذہان!'' اس نے ٹوکا تھا مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ ''سچ بتاؤ نا۔'' اصرار ہوا تھا۔

''کیا؟''

''یہ سب، یہ تعلق، یہ رشتہ، تمہاری مرضی اس میں شامل ہے کہ نہیں؟''

''یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنی چاہیے۔ یہ خاصا لڑکوں والا جملہ ہے۔ تمہیں تو مشرقی لڑکی کی طرح گھونگھٹ میں منہ چھپا کر صرف شرمانا چاہیے۔'' چھیڑا تھا۔ مگر دوسری طرف ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

''اذہان حسن بخاری! تم میرے سامنے نہیں ہو۔ میں دیکھ بھی نہیں رہی ہوں۔ مگر مجھے جانے کیوں لگ رہا ہے جیسے......''

''جیسے......؟'' وہ چونکا تھا۔

''تم سوچ لو اذہان حسن بخاری! مجھے لگتا ہے یہ سب بہت جلدی ہے۔ ابھی یہ عمر ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی نہیں ہے۔ اور ابھی ہم ایک دوسرے کو بھی اچھی طرح سے نہیں جانتے ہیں۔ ہمیں ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے اچھی انڈراسٹینڈنگ کی ضرورت ہوگی اور یہ فی الفور نہیں ہوگی۔ وقت درکار ہوگا اس کے لیے۔ ہم اس دور میں یقیناً نہیں ہیں اذہان حسن بخاری! جہاں زندگی تجربات کی نذر کر دی جاتی تھی۔'' وہ سنجیدہ تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری جواباً کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''ہیلو......تم مجھے سن رہے ہو نا؟''

''ہاں۔'' وہ جیسے بیدار ہوا تھا۔ ''لسن ساہیہ! ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔ اس وقت مصروف ہوں۔''

''اوکے۔'' ساہیہ خان نے دوسری طرف فون رکھ دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے سر چیئر کی پشت سے ٹکا دیا تھا اور ایک وحشت سے چھت کی سمت تکنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

ساتھ رہنے اور ساتھ ہونے میں واضح فرق ہوتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جس شخص کے ساتھ تھی درحقیقت اس کے ساتھ تھی بھی یا کہ نہیں۔

وہ قدم قدم اس کے ساتھ تھا۔ اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی پسند ناپسند کو اہم جان رہا تھا۔ اس کی زندگی کے اہم ترین دنوں کو سیلی بریٹ کر رہا تھا۔ مگر یہ سب دل سے بھی تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ ایک سمجھنے سمجھانے کی بات کہ معاملہ زندگی بھر کا تھا اور ارینج میرجز میں یوں تو ہوتا ہی ہے، سمجھوتہ تو کرنا ہی پڑتا ہے سو وہ بھی اس انڈراسٹوڈ کمپرومائز کو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا ہوا؟......تم پریشان نظر آ رہی ہو؟'' اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں دیکھ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا اور میرب سیال نفی میں ہلاتی ہوئی ایک مروت سے مسکرا دی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

''اپنے اس چہرے کو، اپنی ان آنکھوں کو مروت کی نذر مت کیا کرو۔ کئی رنگ بجھنے لگتے ہیں۔'' مسکراتے لبوں سے ایک انکشاف کیا تھا جو کہ میرب سیال کے لیے کسی قدر چونکانے کا باعث بنا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا تھا۔

''یقین نہیں ہو رہا؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال نے سر انکار میں ہلاتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔

"کیا ہم باہر جا سکتے ہیں؟" اس کی خواہش اس سرد موسم میں یقیناً عجب تھی تبھی تو گرم گرم کافی کے سپ لیتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

"یہاں کیا اچھا نہیں لگ رہا؟"

اُلٹا سوال سن کر وہ خاصی بدمزہ ہوئی تھی۔ تبھی ہال میں یہاں سے وہاں نگاہ دوڑانے لگی تھی۔

"یہ ناممکن نہیں ہے۔ مگر باہر موسم خاصا ٹھنڈا ہے اور بارش بھی ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم بیمار نہ پڑ جاؤ۔" اس کے خدشے کی نشاندہی کے باوجود وہ ضدی بچوں کی طرح خفا سی چہرے کا رُخ پھیرے بیٹھی رہی تھی اور تبھی وہ مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے، اُٹھو۔" اس کی خواہش اس کے لیے مقدم تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی مگر اس گھڑی وہ فوری طور پر اُٹھی نہیں تھی۔ شاید کسی قدر حیرت تھی اس شخص کے اقدام پر۔ وہ اسی طرح بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا نازک ہاتھ پکڑ کر یکدم اسے کھینچ لیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو لڑکھڑائی تھی مگر ایک مضبوط حصار نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ خوشبو کا ایک دلفریب احساس ہوا تھا۔ وہ دوسرے ہی لمحے سنبھلی تھی اور اس کی سمت دیکھے بغیر چلنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

باہر واقعی ٹھنڈ بہت زیادہ تھی اور اس پر مستزاد بارش...... اس کی ضد نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو رین کوٹ لینے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔

"تم نے رین کوٹ بھی لینے نہیں دیا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شکوہ کیا تھا۔

"اس سے کیا ہوتا؟" وہ اس لمحے اس کی ایک بھی سننے کو تیار نہ تھی۔

"ہم اس میں اپنے خواب رکھتے۔ اس کی پاکٹس میں ان بھیگے بھیگے لمحوں کی حدت کو، شدت کو کہیں چھپا دیتے۔ یا پھر رکھ کر بھول جاتے اور گرم پُر تمازت موسموں میں پہروں ان میں سے وہ پل نکال کر محظوظ ہوتے اور مسکراتے رہتے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ساؤنڈز سو رومانٹک نا......؟" اس کی رائے چاہی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں اس لمحے شرارت تھی اور وہ یکدم ہی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ بھیگے موسم کی خوشبو سے ساری فضائیں معطر تھیں۔ اور میرب سیال اس خوشبو کو اپنے اندر بھر لینے کا قصد کر رہی تھی۔

آسمان سے برستے موتیوں کے کئی قطروں کو وہ اپنی ہتھیلیوں پر جمع کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر مسلسل ناکام تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی اس خواہش کو دیکھا تھا اور پھر چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکا تھا۔ اپنا مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھ کے گرد دائرہ بناتے ہوئے اسے ایک نظر بطور خاص دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"آؤ، مل کر خواب جمع کریں۔" مختصر جملہ بہت کچھ باور کرانے اور واضح کر دینے کو کافی تھا۔ میرب سیال نے اس شخص کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''کیا دکھائی دے رہا ہے؟'' مسکراتے ہوئے اپنی آنکھوں کی بابت دریافت کیا تھا۔ میرب سیال فوراً ہی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''اس موسم میں لوگ ہمیں بھیگتا دیکھیں گے تو دیوانہ ہو جائیں گے۔ انہیں شاید خبر نہیں، محبت کرنے والوں سے سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے یکدم ہی اپنے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ اس روز کی قربت کے بعد اس کی جھجک کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ حالانکہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بہت پروٹیکٹیو ہوتا تھا۔ مگر اس کے باوجود ان لمحوں سے دور بھاگتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے خوفزدہ تھی، ایسا بالکل نہیں تھا۔ خوفزدہ وہ اپنی دھڑکنوں کے تلاطم پر ہوتی تھی۔

''تمہیں یہ سب کیسا لگتا ہے میرب؟'' اس کی طرف بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا اور وہ بلاتعرض مسکرادی تھی۔

''یہ محبت، یہ کیئر، یہ پروٹیکشن کسے بری لگ سکتی ہے؟'' اور اس کے جواب نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو حیران کر دیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے یقیناً کسی ایسے جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ آسمان سے برستی ہوئی ان بوندوں میں بھیگتے ہوئے اس کے چہرے کو وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

''سو......وہاٹ گرل وانٹ رئیلی؟'' سوال ہوا تھا اور میرب سیال نگاہ جھکا گئی تھی۔

''جسٹ لو اینڈ پروٹیکشن۔'' مختصر جواب نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بہت محظوظ کیا تھا۔ تیز ہوائیں جسم سے آر پار ہو رہی تھی۔ برستی بارش اس خنکی کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ مگر میرب سیال بے پرواہ سی سر اُٹھا کر ان برستی بوندوں سے چہرے کو تروتازہ کرنے لگی تھی۔ ٹھنڈ کی شدت انتہا پر تھی مگر وہ عجب بے خودسی تھی۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

''میرب......!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مدھم لہجے میں پکارا تھا مگر وہ اتنی مگن تھی کہ چونکی نہیں تھی۔

''میرب!'' اسے شانے سے تھام کر یکدم ہی اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ میرب سیال اس اچانک اقدام پر بھونچکا رہ گئی تھی۔ اپنے وجود کو حدتوں میں پا کر نگاہ اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ عجب ایک تشویش نظروں میں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آر یو آل رائٹ؟''

''ہوں۔'' میرب سیال نے سر اثبات میں ہلانے کے ساتھ ہی اس پُر حدت گرفت سے خود کو علیحدہ کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا اوورکوٹ اُتار کر ایک لمحے میں اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

''چلیں؟'' اجازت طلب نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ہاں۔'' میرب سیال نے اس کی سمت سے نگاہ ہٹالی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے لے کر اندر بڑھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

بعض اوقات صورت حال اتنی تیزی سے بدلتی ہے کہ فوری طور پر کوئی سد باب نہیں ہو پاتا۔
وہ بھی اپنے ہی اندر سے نبرد آزما ہونے میں لگی ہوئی تھی کہ وقت اسے اور بھی آزمائش میں ڈال گیا تھا۔
لامعہ حق اس کے سامنے تھی اور انابیہ شاہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔شاید وہ اس کے کچھ کہنے کی منتظر تھی۔مگر لامعہ حق کچھ نہیں بولی تھی۔چپ چاپ اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور اس کے اندر کا گرم گرم لاوا اس کے شانے کو جلانے لگا تھا۔
اور انابیہ شاہ ساکت سی بیٹھی اس لمحے کے فوری سدِ باب کے متعلق سوچنے لگی تھی۔غبار تو اس کے اندر بھی تھا مگر وہ کہاں جاتی؟......کس سے کہتی؟

''انابیہ! میں ہار گئی......ہار گئی میں......سب کچھ۔'' اس کے شانے پر آنسو بہاتے ہوئے لامعہ حق کہہ رہی تھی اور اس کے اندر کئی طوفان سر اُٹھانے لگے تھے۔صورت حال کا اندازہ اسے نہیں تھا مگر وہ اخذ یہی کر رہی تھی کہ شاید عفنان علی خان نے اس کے متعلق مطلع کر دیا ہے یا پھر اسے کہیں اور سے......

''انابیہ! آئی ہیٹ دیٹ گرل......آئی ہیٹ ہر انابیہ!......وہ جو کوئی بھی ہے اس کے باعث میں بہت خسارے میں رہی ہوں۔ وہ مجھ سے سب کچھ چھین چکی ہے۔کچھ نہیں چھوڑا اُس نے میرے پاس......سب کچھ لے لیا اس نے۔'' لامعہ حق کسی کے متعلق کہہ رہی تھی اور اس انکشاف پر وہ اسے ساکت بیٹھی دیکھ رہی تھی۔اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اس سے پوچھ سکتی کہ مدعا کیا ہے۔
''انابیہ! اس نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتی۔بس......آئی کل ہر......آج یہ کچھ بھی ہوا ہے، صرف اس کی وجہ سے ہوا ہے۔یہ ساری ہار اُسی کی دی ہوئی ہے۔''
''کون؟......کس کی بات کر رہی ہو تم؟'' انابیہ شاہ نے اپنے اندر کی تمام ہمتیں جمع کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
''وہی جو اُس کے دل میں ہے۔جو اُس کے اندر ہے اور اُسے مجھ سے دُور کر رہی ہے۔'' لامعہ حق بہت نڈھال لگ رہی تھی۔اس کا لہجہ مدھم تھا مگر اس کے اندر کا سارا کرب اس کے لہجے میں تھا۔
''وہ سمجھتا ہے بہت حوصلہ ہے مجھ میں، جھیل سکتی ہوں میں سب کچھ بہت آرام سے......مگر ایسا نہیں ہے انابیہ شاہ!......میں بہت کمزور لڑکی ہوں......بے حد کمزور......اُس کے سامنے میں ضبط کے ثبوت دیتی رہی......مگر میرا سارا اندر طوفانوں کی زد پر رہا......اور اُسے اس بات کا احساس تک نہیں ہوا......کتنا خود غرض ہے وہ......یہ ساری دنیا اتنی خود غرض کیوں ہوتی ہے انابیہ شاہ؟......اور میں بھی خود غرض ہی ہوں نا۔ہم سب خود غرض کیوں ہوتے ہیں؟'' وہ اسے شانوں سے تھامے پوچھ رہی تھی۔مگر انابیہ شاہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔وہ خاموشی سے فقط اسے دیکھ رہی تھی۔
''انابیہ شاہ! تم......تم تو ایسی نہیں ہو۔تم تو......تم تو کسی کی خوشی کے لیے اپنا سب کچھ بھی دان کر سکتی ہو۔'' لامعہ حق اس کا شانہ تھپکتی ہوئی مسکرائی تھی۔''تم سے تو کوئی تمہاری جان بھی مانگے تو تم ہنسی خوشی دے دو گی۔کتنی کریٹی ہے تم میں......مگر سب......سب ایسے

نہیں ہوتے انابیہ شاہ! ساری دنیا ایسی نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے انابیہ شاہ!'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی اور انابیہ شاہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ کب کا رکا ہوا غبار پلکوں کے کنارے توڑ کر یکدم باہر نکلا تھا اور اس کا چہرہ بھیگتا چلا گیا تھا۔ انداز میں عجب ایک بے بسی تھی۔ اس کی بیسٹ فرینڈ مشکل میں تھی۔

''معاملہ کیا ہے لامعہ حق؟...... کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس کی طرف توجہ سے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔ عجب ایک پاگل پن اس کے انداز میں دکھائی دے رہا تھا۔ انابیہ شاہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''انابیہ شاہ! اُس نے مجھے چھوڑ دیا کسی اور کے لیے۔'' مدھم لہجے میں کیا گیا انکشاف کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی جب لامعہ حق نے اس کے سامنے اپنا خالی ہاتھ کر دیا تھا اور عجب ایک پاگل پن سے مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''دیکھو، خالی ہے اب یہ ہاتھ۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔ یہ انگلی بھی خالی ہے اب۔ میں نے عفنان علی خان کو اُس کے رِنگ کے ساتھ ہر رشتہ بھی لوٹا دیا ہے۔ اور اب عالم یہ ہے کہ میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔ ایک دم اکیلی۔'' وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی اور انابیہ شاہ اتنی خالی تھی کہ اسے تسلی دینے کو اس کے پاس دو لفظ بھی نہ تھے۔ ہمتیں انتہائی پست تھیں۔ وہ اپنے آپ کو بہت شکست خوردہ محسوس کر رہی تھی۔ بہت زیادہ تھکی ہوئی۔

لامعہ حق کے آنسو اسے اپنے آنسو لگ رہے تھے اور اس کی ہار اپنی ہار۔ مگر اس بات کو جتانے کو اس کے پاس کوئی لفظ نہ تھے، فقط آنسو تھے جو خاموشی سے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

''جب کوئی آپ پر کسی اور کو فوقیت دیتا ہے تو قطعاً اچھا نہیں لگتا۔ روح اندر سے کٹنے لگتی ہے۔ عجب ایک احساسِ کرب اندر جاگتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس لمحے بہت بے بسی محسوس ہوتی ہے۔'' لامعہ حق سر جھکائے عجب انکشافات کر رہی تھی۔ ''کتنی عجیب بات ہے نا...... اُس نے لامعہ حق کو اپنی زندگی سے خارج کیا، کسی اور کے لیے، کسی اور کی محبت کے لیے۔ شی مسٹ بی اے لکی گرل...... آئی اپری شی ایٹ ہر...... بٹ آئی کانٹ لائیک ہر۔ مجھے اس سے شدید ترین جلن محسوس ہو رہی ہے انابیہ شاہ!...... شدید ترین حسد۔ اس میں ایسا کیا ہوگا جو لامعہ حق میں نہیں؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہوسکتی ہے؟ مجھ سے زیادہ دلکش ہوسکتی ہے؟ کیا...... کیا خاص بات ہوگی اس میں؟''

بھیگتی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر اس کے کسی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

لامعہ حق یکدم مسکرائی تھی، پھر ہنس دی تھی۔ انداز عجب دیوانگی لیے ہوئے تھا۔

''میں تو بھول ہی گئی۔ شاید وہ پوری کی پوری ہی بہت خاص ہوگی۔ یا پھر عفنان علی خان کی محبت نے اسے خاص بنا دیا ہوگا۔'' وہ ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ انابیہ شاہ نے اُسے تھاما تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے۔

''انابیہ شاہ! مجھے نفرت عفنان علی خان سے کرنی چاہیے یا اس لڑکی سے؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا...... قصوروار زیادہ کون ہے اور مجھے خالی کرنے میں کس کا زیادہ ہاتھ ہے۔ اس لڑکی کا جسے عفنان علی خان نے پسند کیا یا عفنان علی خان کا جو باوجود میری توجہ کے، محبت

کے، میرا وفادارانہ رہ سکا۔ کسی کی ایک نگاہ اسے مار گئی۔'' اس کے شانے پر سے سر اُٹھاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی تھی۔

''باوجود کوشش کے میں عفنان علی خان سے نفرت نہیں کر سکتی۔ اس کا کوئی اقدام مجھے برا نہیں لگتا۔ اب چاہے وہ اقدام قتل ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ بھی ہو، بندہ جی دار ہے۔ ہمت ہے اس میں۔ بہت سے لوگوں میں تو یہ بھی ناپید ہوتی ہے۔ عفنان علی خان کی صاف گوئی مجھے اچھی لگی۔ میرے دل میں گھر کر گئی۔ اُس نے کہا...... دلوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ٹرین ہرگز نہیں چلائی جاسکتی۔ دلوں کے مابین راستے اتنے پُر پیچ ہیں کہ فقط محبت کی ناؤ ہی چل سکتی ہے یا پھر محبت...... جو دل سے دل کو باہم پیوست کرتی ہے، جوڑتی ہے اور افسوس...... ایسی کوئی محبت کا حوالہ ہم دونوں کے بیچ نہ تھا۔'' وہ اپنی ہاتھ کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''اچھا ہی ہوا اس نے مجھے دھوکا میں نہیں رکھا۔ سب کچھ بتا دیا، ابھی تو وقت اور حالات ہمارے بس میں تھے۔ یہ بات اگر کل مجھے معلوم ہوتی تو شاید میں تو جی ہی نہ پاتی۔ مار دیتی، خود کو، عفنان علی خان کو یا پھر اس لڑکی کو۔ اچھا ہی ہوا عفنان علی خان نے دیگر مردوں کی طرح مجھے دھوکا نہیں دیا۔ وہ سچ کا قائل ہے، اس کا دل سچا ہے، منافق نہیں ہے وہ۔ اور سب سے بڑھ کر بہت چاہنے والا ہے۔ بے حد، بے حساب۔ مگر میرا نہیں ہے، بس یہی بات بہت بری ہے۔''

اور انابیہ شاہ جواب تک اسے ساکت سی بیٹھی رہی تھی، اس لمحے بہت آہستگی سے چہرے رُخ پھیر گئی تھی اور بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''تم جانتی ہو وہ کون ہے؟''

''نہیں...... اور میں اسے جاننا بھی نہیں چاہتی۔ ایسا کرنے سے میری نفرت، میرا حسد اس کے لیے مزید بڑھے گا۔ کیونکہ وہ مجھے احساس دلاتی ہے کہ میں شکست خوردہ ہوں...... ری جیکٹڈ ہوں...... کسی کی زندگی سے اس کے باعث خارج ہوں۔ اور میں جانتی ہوں اس کے متعلق اگرچہ میرا تجسس بہت زیادہ ہے مگر اسے جاننا میرے لیے اسی قدر تکلیف دہ ہوگا اور میں اپنی تکلیف کو یقیناً بڑھانا نہیں چاہوں گی۔ اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے، کوئی بھی ہو وہ، میں تو نہیں ہوں نا۔'' اور انابیہ شاہ اس سے نظر ملائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اس کے اندر کتنے طوفان سر اُٹھا رہے تھے۔ کتنے جھکڑ چل رہے تھے۔ لامعہ حق کہہ رہی تھی۔

''جانتی ہو، عفنان علی خان کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ اسے چاہتی بھی ہے کہ نہیں۔ مگر اس کے باوجود اس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ شی مسٹ بی اے لکی گرل نا...... عفنان کہہ رہا تھا اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ مجھے چاہتی ہے کہ نہیں، میں اسے چاہتا ہوں، یہ بات اہم ہے۔ میں اس کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ وہ نہیں تو کوئی اور بھی نہیں، اس کے ساتھ جیوں گا، اس کے لیے جیوں گا۔ وہ نہیں بھی ہوگی تو زندگی اسی کے لیے ہوگی۔ وہ منافقت والی زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔ اسٹرینج نا...... دنیا کے نائنٹی نائن پرسنٹ مردوں سے مختلف ہے وہ۔ وہ فالو آن رہنے کی بجائے نئی تاریخ رقم کرنا چاہ رہا ہے۔''

انابیہ شاہ کے لیے یہ سارے انکشافات قیامت سے کم نہ تھے۔ کسی کی شدتوں کی کہانی وہ چپ چاپ سن رہی تھی اور اس میں

ہمت ناپید تھی یہ بتانے کی وہ لڑکی جس سے لامعہ حق نفرت کرنا چاہتی ہے اور جس کے متعلق متجسس ہے وہ کوئی اور نہیں، انابیہ شاہ ہے۔ اس کی اپنی بیسٹ فرینڈ۔ وہ اپنے اندر کے طوفانوں کا سامنا چپ چاپ کر رہی تھی جب لامعہ حق پُر افسوس لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''دیکھا جائے تو عفنان علی خان خاصا قابل ترس ہے۔ مجھ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ میں بھی یکطرفہ محبت کے عذاب میں مبتلا رہی اور وہ بھی اسی یکطرفہ راہ پر گامزن ہے بے چارا...... قابل ترس ہے وہ میرے لیے کیونکہ مجھ پر اس یکطرفہ محبت کا عذاب منکشف ہے۔ انابیہ شاہ! ہر محبت کا جواب محبت کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیوں ہم اپنی بے پناہ محبت سے کسی دل کو اپنے آہنگ سے نہیں دھڑکا پاتے؟...... کیوں ہم تنہا چلتے رہتے ہیں اور باوجود شدت سے چاہنے کے کوئی دوسرا قدم ہمارے ساتھ نہیں اُٹھتا۔ کوئی ہاتھ، ہاتھ میں نہیں ہوتا؟''

لامعہ حق کی نظروں میں کتنے سوال تھے۔ مگر ان میں سے کسی کا جواب بھی انابیہ شاہ کے پاس نہ تھا۔ وہ فقط اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ساہیہ خان اس شام شنگھر یلا میں اس کے ساتھ تھی اور اسے کسی قدر اُلجھن سے دیکھ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''بات کیا ہے ساہیہ خان؟''

ساہیہ خان نے اس کے چہرے پر سے اپنی نگاہیں ہٹائی تھیں اور ایک اُکتائی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے انتہائی اُلجھن سے پیشانی پر ہاتھ دھرا تھا اور اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''اذہان! تم تو یوں لاتعلق ہو رہے ہو جیسے تمہارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔'' ساہیہ خان حیرانی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''چاہتی کیا ہو تم؟...... بیٹھے بٹھائے اتنا ہینڈسم لڑکا تمہیں مل رہا ہے۔ اور کیا چاہیے؟ غالباً تمہارے تو دل کی مراد بر آئی ہو گی۔''

بات کو مذاق میں اُڑانا چاہتا تھا اور ساہیہ خان کسی قدر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تم اذہان حسن بخاری!'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تم تو مجھے مفت ملو تب بھی نہ لوں۔ منہ دھو رکھو، دل کی مراد بر آئی ہے۔'' باقاعدہ اس کی نقل اُتاری تھی۔

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

''پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ؟''

''پرابلم؟...... پرابلم تم ہو اذہان حسن بخاری!'' ساہیہ خان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اذہان حسن بخاری کسی قدر چونکا تھا، پھر مسکراتے لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا۔

''میں؟'' لہجے میں کسی قدر حیرت تھی۔

''ہاں تم اذہان حسن بخاری!......تم...... مجھے تمہارے انداز میں عجب طرح کی ایک اُلجھن نظر آرہی ہے۔کوئی بات ہے جو تمہیں تنگ کررہی ہے۔تم پریشان ہو اور ایسا میں اب سے نہیں پچھلے کئی دنوں سے محسوس کررہی ہوں۔'' ساہیہ خان کا لہجہ پُر یقین تھا اور اذہان حسن بخاری اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے باور کرانا ضروری خیال کیا تھا۔''ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔''

''کیا واقعی؟'' ساہیہ خان نے اسے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا۔''اگر ایسا ہے تو پھر مجھے تمہاری نظروں میں ایسا کچھ دیکھائی کیوں نہیں دے رہا؟ کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ تم فرار کے راستے تلاش کررہے ہو؟ بظاہر تو تم میرے سامنے ہو مگر تمہاری آنکھیں مجھ سے کترا رہی ہیں۔شاید کچھ کہنا چاہ رہے ہو مگر کہہ نہیں پارہے ہو۔پوچھ سکتی ہوں وہ کیا بات ہے؟'' ساہیہ خان اسے ہمیشہ حیران کرجایا کرتی تھی اور اب بھی وہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا مگر یہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ممی ٹھیک کہتی ہیں۔تم سے بہتر شریک سفر مجھے مل ہی نہیں سکتا۔تم میرے لیے بہترین چوائس ہو۔'' انکشاف دلفریب تھا۔مگر ساہیہ خان مطمئن ہوئے بغیر بولی تھی۔

''اور تم اذہان حسن بخاری؟......تم کیا خیال کرتے ہو؟ غالباً یہ رائے تو میرے لیے تمہاری ممی کی ہے نا؟'' اس کا اذہان پر اعتماد تھا اور اذہان حسن بخاری کی جہاں چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا، وہیں دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''یہ تمہیں میں قبل از وقت کیوں بتاؤں؟......وہ لمحے تو آنے دو جب یہ انکشافات ہوسکیں، میں کہہ سکوں اور تم سن سکو۔''لبوں پر مسکراہٹ دلفریب تھی۔''بس ایک ذرا انتظار......سن صدائیں دے رہی ہے منزل پیار کی۔'' انداز شرارت سے پُر تھا مگر ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

''تم نے کہا تھا فارحہ آنٹی مجھے تمہارے لیے بہترین شریک سفر خیال کرتی ہیں۔''

''ہاں......تو پھر......؟'' اذہان حسن بخاری سمجھ نہیں سکا تھا۔تبھی شاید سرسری انداز اختیار کرتے ہوئے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا تھا مگر وہ مکمل سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

''اذہان! مجھے تمہارا شریک سفر نہیں بننا۔'' انکشاف کیا تھا۔

''وہاٹ......؟'' وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''ہاں...... مجھے تمہارا شریک سفر نہیں بننا اذہان حسن بخاری! کیونکہ میں تمہاری جیون ساتھی بننا چاہتی ہوں......شریک سفر کبھی بھی، کسی موڑ پر راہ پلٹنے کا ارادہ کرسکتا ہے۔کسی بھی موڑ پر ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ سکتا ہے۔مگر جیون ساتھی سانس سے سانس کا بندھن ہے جو آخری سانس تک باقی رہتا ہے۔اور ساہیہ خان کسی کی بھی جیون ساتھی بننا تو قبول کرسکتی ہے،شریک سفر نہیں۔'' اصطلاح تھوڑی عجب ضرور تھی مگر بات میں کسی قدر دم ضرور تھا۔شاید تبھی اذہان حسن بخاری متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''شریک حیات تو بن سکتی ہونا۔ یہ تو زندگی سے اور سانسوں سے خاصا قریب ہے۔'' انداز میں کسی قدر شرارت تھی اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''تم بات کا پسندیدہ کو نا کہیں سے بھی کھینچ کر لے جا سکتے ہو۔ مگر تم مجھے ٹال نہیں سکتے ہو اذہان حسن بخاری!...... جب تک مجھے اصل سبب نہیں بتاؤ گے، میں ماننے والی نہیں ہوں۔''

''کیا بچگانہ باتیں ہیں ساہیہ خان! میں اینگری ہوں۔ تبھی تو یہ پروپوزل ممی لے کر تمہارے گھر گئی ہیں۔'' اذہان حسن بخاری نے باور کرانا چاہا تھا مگر وہ اسے کھوجتی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے اس کے دیکھنے پر استفسار کیا تھا۔

''ان آنکھوں میں مجھے اپنے لیے کہیں کوئی محبت دکھائی نہیں دے رہی اذہان حسن بخاری!'' اس کی تشویش بجا تھی شاید۔ اذہان حسن بخاری اس کے چہرے کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

اور اس لمحے ساہیہ خان کی حیرت سوا ہو گئی تھی۔ کتنی دیر خاموشی سے وہ اسے دیکھتی رہی تھی، پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ وہ اسی طرح بیٹھی تھی جب اذہان حسن بخاری کی آواز اُبھری تھی۔

''یہ سچ ہے، مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔'' اذہان حسن بخاری کا انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ ساہیہ خان ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

''ہاں، یہ سچ ہے ساہیہ خان!...... مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور مجھے تم سے محبت ہو یہ بھی ضروری نہیں ہے۔'' اذہان حسن بخاری کے لہجے میں عجب ایک سکوت تھا اور ساہیہ خان اسے حیرتوں میں ڈوبی ساکت سی دیکھے جا رہی تھی۔ پھر یکدم وہاں سے اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ کا عجب حال تھا۔

وہ پے در پے انکشافات سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ عجب سانحے رونما ہو رہے تھے اور اس کی سوچنے سمجھنے کی جیسے ساری ہمت سلب ہو گئی تھی۔ مگر اس حیرت اور پریشانی میں کسی نے مزید اضافہ کرنا ضروری خیال کیا تھا اور اس طغیانی میں اضافہ دو چند ہو گیا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کے یہاں اپنا پروپوزل بھجوایا تھا۔

اس کے لیے...... یعنی انابیہ شاہ کے لیے۔

اس نے سنا تھا تو جیسے ایک آسمان اس کے سر پر آن گرا تھا۔

کتنی دیر تک وہ حیرتوں میں ڈوبی ساکت بیٹھی رہی تھی۔

اوزی اس کے قریب آن بیٹھا تھا مگر جیسے اس کے پاس بھی اسے کہنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

''اوزی! مجھے کہیں جانا ہے۔'' انابیہ شاہ نے تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے اوزی کی طرف دیکھا تھا۔

''کہاں جانا چاہتی ہو تم؟'' اوزی نے دریافت کیا تھا۔

''تم میرے ساتھ چلو گے یا نہیں؟'' انابیہ شاہ کا لہجہ قطعی تھا۔

''انابیہ! تم مینٹلی بہت ڈسٹرب ہو اور میں تمہیں اس کیفیت میں کہیں نہیں لے جا سکتا۔ انابیہ! تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ نانا اور آنٹی پہلے ہی بہت پریشان ہیں تمہیں دیکھ کر۔''

''انہی پریشانیوں کو تو کم کرنا چاہتی ہوں میں اوزی!''

''تمہیں اس وقت ریسٹ کرنا چاہیے۔ یہ ڈپریشن تمہارے لیے اچھا نہیں ہے۔'' اوزی نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے بہنے لگے تھے۔

''انابیہ!'' اوزی کے لیے یہ صورتِ حال کسی قدر پریشانی کا باعث تھی۔ ''دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارے اس بھائی کو کوئی دکھ نہ ہو تو پلیز اسٹاپ کرائینگ ناؤ...... اور کسی کو فرق پڑتا ہو یا نہ ہو، مگر مجھے اپنی بہن کا رونا بہت تکلیف دیتا ہے۔ تم جانتی ہو تم جب بچپن میں بھی رویا کرتی تھیں تو میں اپنے کھلونے تمہیں دے کر بہلانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس وقت تو اتنا سنس بھی نہیں تھا...... اور اب تو...... انابیہ! سب کس قدر چاہتے ہیں تمہیں...... اور تم جواباً کیسی تکلیف دے رہی ہو ہم سب کو...... تمہارا یہ رویہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو؟ محبت ہی کرتا ہے نا کوئی تم سے...... عجب کیا ہے انابیہ! کوئی گناہ تو نہیں ہے یہ...... نہ ہی وہ ایسا کر کے کوئی گناہ کر رہا ہے۔ حیرت ہے، ہم کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں ڈرتے، چوری کرتے ہوئے نہیں ڈرتے...... ڈاکہ مارتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے۔ مگر محبت کرتے ہوئے، کسی کو دل سے محبت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ کیا محبت کرنا اتنا ہی برا کام ہے؟ کسی کو چاہنا، دل سے محبت کرنا اتنا ہی بڑا گناہ ہے؟ کبھی نہیں سمجھ سکا ہوں میں۔ یہ سب کچھ اتنا ٹھیک ہے تو ہم اسے غلط کیوں سمجھتے ہیں؟'' اوزی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وہ سر دونوں ہاتھوں پر گرا کر اس کی طرف سے رُخ پھیر گئی تھی۔

''اوزی! ممی اور دادا کی نظروں میں سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہی میں۔ لامعہ حق کے آنسو مجھے جینے نہیں دے رہے۔ اور......'' کتنی آہستگی سے اس کی آنکھیں پھر چھلکنے لگی تھیں۔

اوزی نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کر لیا تھا اور بہت کیئرنگ انداز میں بولا تھا۔

''تمہیں عادت ہو چکی ہے انابیہ! دنیا بھر کی فکر کرنے کی۔ کبھی تم نے اپنے دل کی سننے کی کوشش کی ہے، دل کیا کہتا ہے؟ کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تم نے؟ غازی کے بعد تم نے خود پر زندگی کے دروازے کس طرح بند کر لیے ہیں، یہ سب جانتے ہیں۔ مگر تم تمہیں اس کے باوجود کوئی فکر نہیں ہے کہ سب اگر تمہاری وجہ سے جلتے کڑھتے ہیں تو کیوں۔ نانا، آنٹی اور میں...... تمہیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں انابیہ!...... تمہیں نہیں لگتا نہ تم اچھی پوتی ہو نہ اچھی بیٹی اور نہ اچھی بہن۔ کس قدر پریشان کرتی ہو تم ہمیں...... تم جانتی ہو نا...... تم پہلے بھی

ایک مشکل سے گزر چکی ہو...... یہ اُلجھنیں، یہ بیکار کے مسئلے مسائل تمہیں کیا دیں گے انابیہ؟...... سوائے تمہاری مشکلات کو بڑھانے کے۔ تم جانتی ہو ڈاکٹر ابھی بھی تمہیں ایڈوائز کر کے گیا ہے، نہ تو تم نے میڈیسن لی ہے اور نہ تم ان فضول کی باتوں کو سوچنے سے باز رہ رہی ہو۔ یہ ڈیپریشن تمہارے لیے کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے، جانتی ہو نا تم؟''

انابیہ اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی اور اوزی اس کا شانہ تھپتھپانے لگا تھا۔

''میں چاہا ہوں انابیہ! تم اپنے اندر کا سارا غبار دھو دو اور پھر کبھی دوبارہ مت روؤ۔''

''اوزی! مجھے لگ رہا ہے میں سب کی مجرم ہوں...... سب کی نظروں سے گر گئی ہوں۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بول رہی تھی۔

''ایسا کیوں لگتا ہے تمہیں؟...... تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اور تم کسی کو کسی اقدام سے باز بھی نہیں رکھ سکتی ہو۔ عفنان علی خان اگر تم سے محبت کرتا ہے تو کیا تم اسے ایسا کرنے سے منع کر سکتی ہو؟ یقیناً نہیں۔ خوامخواہ کی فکریں مت پالو۔'' اوزی نے نصیحت کی تھی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔ اوزی نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا، وہاں آنٹی کھڑی تھیں۔

''عفنان علی خان آیا ہے...... انابیہ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

انابیہ نے سر اُٹھا کر ممی کی طرف دیکھا تھا مگر وہ اسی لمحے مڑ کر باہر نکل گئی تھیں۔

''تم ملنا چاہتی ہو اس سے؟'' اوزی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ شال سنبھالتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان لیونگ روم میں اس کا منتظر تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اس کے سامنے جا رکی تھی۔ عفنان علی خان نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ بھیگتی آنکھوں سے اسے چپ چاپ دیکھتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان کے لیے اس کا یہ روپ، یہ حالت بہت تکلیف کا باعث بنی تھی۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''انابیہ!''

''شٹ اپ عفنان علی خان! شٹ اپ...... اب میں تمہاری کوئی بکواس نہیں سنوں گی۔ میں صرف تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ مجھے تمہارا پروپوزل قبول نہیں ہے۔ دیٹس آل......'' وہ کہہ کر پلٹی تھی جب عفنان علی خان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انداز بے حد جنونی تھا اور اس کی آنکھوں سے اس لمحے عجب شعلے نکل رہے تھے۔ انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا پھر بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنا۔ بہتر ہو گا تم اس وقت کوئی بحث نہ کرو۔'' اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر عفنان علی خان نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''میں اپنی زندگی کو تمہارے اس ایک فیصلے کی نذر نہیں کر سکتا انابیہ شاہ!...... میں ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور اب پیچھے قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ اب چاہے تم میری پذیرائی کرو یا نہ کرو، میں اپنے فیصلوں میں ترمیم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اور جو میں طے کر چکا ہوں

اس سے منحرف نہیں ہوں گا۔تم چاہے میرا ساتھ دو یا نہ دو۔ چاہے مجھے چاہو یا نہ چاہو، میرا ہاتھ تھامو یا نہ تھامو۔ بٹ آئی کانٹ اسٹاپ لونگ یوانابیہ شاہ! نہ تو میری طرف سے یہ محبت کم ہوسکتی ہے نہ ہی ختم ہوسکتی ہے۔ میں تمہیں یہی باور کرانے اور سمجھانے آیا ہوں۔تمہارے لیے جو میرے دل میں جگہ ہے وہ کبھی بھی کم نہیں ہوگی۔'' انتہائی مضبوط لہجے میں باور کراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کے شانے پر اس کے مضبوط آہنی ہاتھوں کی گرفت یکدم ہی ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر یکدم پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

انابیہ شاہ بھیگتی آنکھوں سے اس دھندلے منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ نیند میں تھی، جب مائی اماں کا فون آیا تھا۔

کل بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس کی طبیعت واقعی بگڑ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اگلے دن اس کی کیئر کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ڈپٹ بھی رہا تھا۔

''کہا بھی تھا نا...... بارش میں مت بھیگو۔ مگر عجب ضدی ہو تم۔''

میرب سیال نے اس شخص کی طرف دیکھا تھا اور اس لمحے جانے کیوں اس کا کیئر کرنا اسے اچھا لگا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کے ڈپٹنے پر برا مان گئی ہے۔ میرب سیال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے منہ تک کمبل اوڑھ لیا تھا۔

''سو جانا۔ مگر سونے سے قبل یہ کافی پی لو۔'' اس کے چہرے پر سے کمبل ہٹاتے ہوئے حکم جاری کیا تھا۔ میرب سیال نے بادل نخواستہ اُٹھ کر اس کے ہاتھ سے کافی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ سے لحہ بھر کو ٹکرایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کو لگا تھا جیسے اسے کوئی انگارہ سا چھو گیا ہو۔ کسی قدر تشویش سے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔ وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' وہ فون اُٹھا کر کسی ڈاکٹر کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا جب میرب سیال نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یہ حرکت یکدم ہی سرزد ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا۔ میرب سیال نے یکدم ہی اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا اور اس کی طرف سے نظر پھیر گئی تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ معمولی بخار ہے، آپ فکر نہ کریں۔'' میرب سیال کی نظر گریزاں تھی۔

''شیور......؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اوکے۔'' وہ پلٹا تھا اور دراز میں سے چند ٹیبلٹس نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھیں۔

''تم یہ لے لو۔ اور اگر پھر بھی کیفیت برقرار رہے تو مجھے انفارم کرنا مت بھولنا۔'' ہدایت کی تھی۔ میرب سیال نے سر اثبات میں

ہلا دیا تھا۔

''ٹیک کیئر......!''

''او کے......!''

سردار سبکتگین حیدر لغاری باہر نکل گیا تھا۔ مگر اب مائی اماں کی کال نے اسے یکدم ہی بیدار کر دیا تھا۔ طبیعت خراب ہونے کے باوجود اس نے بہت خندہ پیشانی سے ان سے بات کی تھی۔

''سبکتگین حیدر کہاں ہے؟...... میری بات کراؤ۔''

''آپ نے ان کے سیل پر ٹرائی نہیں کیا؟'' اسے حیرت ہوئی تھی۔

''کیا ہے۔ مگر وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے اور سیل اس کا غالباً بند ہے۔ کئی بار ٹرائی کیا مگر رابطہ نہیں ہو پا رہا۔ اس کے کمرے میں دیکھو جا کر، ٹھیک تو ہے وہ؟'' مائی اماں کی تشویش بجا تھی۔ مگر اس وقت...... رات کے چار بجے وہ سبکتگین حیدر لغاری کو ڈسٹرب کیسے کر سکتی تھی؟ اور پھر......

''آپ کو ضروری کام ہے کوئی؟''

''ہاں...... کام بھی ہے۔ مگر...... اچھا ایسا کرو تم پتہ کرو، میں تھوڑی دیر بعد کال کرتی ہوں۔''

''جی بہتر۔'' میرب سیال نے بستر چھوڑتے ہوئے فون رکھا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ مائی اماں کا حکم تھا، اس کے لیے رد کرنا آسان نہ تھا۔ مگر چار بجے کے قریب......! یہ بھی ٹھیک نہ تھا کہ کسی کو ڈسٹرب کر دیا جائے۔ اور سبکتگین حیدر لغاری کے مزاج سے تو وہ واقف تھی۔ جانے وہ کیسا رد عمل ظاہر کرتا...... اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ پل پل موسم بدلتا تھا اس کا مزاج۔

پل میں موم، پل میں شعلہ تھا وہ...... اور......

وہ چلتی ہوئی اس کے روم کے باہر جا رکی تھی۔ بہت ڈرتے ڈرتے دستک دی تھی مگر کوئی رسپانس نہیں ملا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے پھر ہمت کی تھی مگر دوبارہ بھی کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔ غالباً وہ گہری نیند سونے کا عادی تھا۔ مگر مائی اماں کا حکم بھی تو ماننا ضروری تھا۔

اس نے ایک بار پھر دستک دی تھی مگر جواب نہ پا کر اس نے یونہی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ دھرا تھا۔ کمرہ لاکڈ نہیں تھا، کھلتا چلا گیا۔

میرب سیال کی نظر عین سامنے کمرے پر پڑی تھی اور اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی......!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے کمرے میں نہیں تھا۔

میرب سیال کی نگاہ متحیر رہ گئی تھی۔ آہستگی سے چلتی ہوئی وہ آگے بڑھی تھی۔ واش روم کا دروازہ کھول کر دیکھا تھا مگر کوئی وہاں نہ تھا۔

''سبکتگین!'' میرب سیال نے پکارا تھا۔ نظروں نے یہاں وہاں سے اسے تلاشا تھا۔

''سبکتگین!'' پریشانی لہجے میں عود کر آئی تھی۔ مگر اس کے کمرے میں کوئی نہ تھا جو اس کو جواب دیتا۔ اس کی نیند پوری طرح سے اُڑ چکی تھیں۔ نیند کی خماری سے بھری ہوئی آنکھیں مکمل طور پر کھل چکی تھیں۔ وہ سراسیمہ سی کمرے کو ایک طائرانہ نگاہ سے دیکھتی پلٹی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کہاں تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر یہ بات کسی تشویش سے کم نہ تھی۔ پریشانی واضح طور پر اس کی آنکھوں میں در آئی تھی۔

وہ کوئی بچہ نہ تھا۔ مگر رات کے اس پہر اس کا اس طرح کمرے سے غائب ہو جانا یقیناً باعث تشویش ہی تھا۔

☆......☆......☆

''میں ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور اب پیچھے قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ اب چاہے تم میری پذیرائی کرو یا نہ کرو، چاہے مجھے چاہو یا نہ چاہو۔ میرا ہاتھ تھامو یا نہ تھامو لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتا انا بیہ شاہ!''

عفنان علی خان کا لہجہ ابھی تک اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔ پچھلی شب کا اثر جوں کا توں تھا۔ وہ اس چہرے کو، اس مجنونانہ لہجے کو اور ان پُر جنون آنکھوں کو فراموش ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ سب جیسے ایک تاثر خاص بن گیا تھا۔ اگلے دن وہ کیمپس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ لامعہ کا فون آیا تھا مگر اس نے بات نہیں کی تھی۔ اس کی ہمتیں جیسے ٹوٹ چکی تھیں۔

سیل سارا دن بجتا رہا تھا۔ اسکرین پر ایک نمبر اُبھرتا رہا تھا مگر اس نے ایک بار بھی کال ریسیو نہیں کی تھی۔ سیل آف کر دیا تھا۔ مگر جب دوسرے دن سوئچ آن کیا تھا تو سیل ایس ایم ایس سے بھرا پڑا تھا۔

''پلیز ٹاک ٹو می۔''

یہ اور اس جیسے کتنے ہی میسجز اُسے مزید پریشان کر رہے تھے اور شام میں عفنان علی خان پھر اس کے سامنے موجود تھا اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ضبط کو آزمانا چاہتی ہو؟'' عفنان علی خان اس کی آنکھوں میں بہ غور دیکھ رہا تھا۔ کل کی بہ نسبت آج وہ خاصا پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پر پُرسکون کیفیت تھی۔ جیسے وہ صورت حال کو اپنے بس میں کر چکا تھا۔

''آزمانا چاہتی ہو مجھے یا پھر خود کو؟...... انا بیہ شاہ! کیا یہ اتنا آسان ہے؟...... آسان ہے یوں نگاہ چرا لینا...... یا پھر اجنبی بن جانا؟...... تمہیں نہیں لگتا تم نے عفنان علی خان کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔'' مسکراتے ہوئے وہ مکمل طور پر پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا سمجھتی ہو؟ اتنی جلدی ہمتیں ہار سکتا ہے کوئی؟......اتنی جلد حوصلہ ہار سکتا ہے؟'' بہ غور دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

”جو بھی جانا، غلط جانا، غلط سمجھا نا۔انا بیہ شاہ!...... جو ایک پل بھی اپنی سمت بدل لے وہ محبت نہیں۔اور عفنان علی خان تم سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔کیا سمجھتی ہو تم، مجھ سے اجنبی بن کر رہو گی تو میں ہر راہ بدل لوں گا، پلٹ کر لوٹ جاؤں گا ...... پھر کبھی تمہاری سمت نہ آنے کے لیے؟ کیا عفنان علی خان اتنا کمزور ہے یا پھر اس کی محبت اتنی کھوکھلی ہے؟ بولو انا بیہ شاہ! کیا لگا تمہیں؟“ مدھم لہجہ کسی قدر جنوں اپنے اندر رکھتا تھا۔

”دل کو سنبھالنا اتنا ہی آسان ہے۔سمجھنے اور سمجھانے کی باتیں کب تک ہمارے مابین ہوتی رہیں گی؟ انا بیہ شاہ! کب تک ہم وقت گنواتے رہیں گے؟ کیوں نہیں سوچتی تم؟ لمحے قیمتی بھی تو ہو سکتے ہیں۔گزر گئے تو پلٹ کر واپس کب لوٹیں گے۔تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ایک چھوٹی سی بات۔عمر جینے کو تھوڑی ہے اور تم محبت کے لمحے گنوا رہی ہو...... کیا کروں میں انا بیہ شاہ! تمہارا۔کیسے سمجھاؤں کہ دل کی اپنی مرضی ہوتی ہے اور دماغ کی اپنی۔دل اور دماغ کبھی ایک راہ پر نہیں چل سکتے۔تبھی تو تمہارے معاملے میں دل کو سمجھا نہیں پاتا۔اور تم ہو کہ یہ بات سمجھتی ہی نہیں ہو۔سمجھنا بھی نہیں چاہتی ہو۔بس لکیریں کھینچے جا رہی ہو۔دائرے بناتی جا رہی ہو۔اپنے اور میرے درمیان فاصلے بڑھاتی جا رہی ہو اور سمجھتی ہی نہیں کہ یہ فاصلے دل کو دل سے کتنی دور لے جائیں گے۔طفل بھی اپنے فائدے اور نقصان کی بات کو بخوبی سمجھتا ہے۔مگر تم انا بیہ شاہ!...... تم تو...... کیسے بتاؤں میں تمہیں؟ کیسے سمجھاؤں؟“

”کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ انا بیہ شاہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی اور انتہائی لہجے میں باور کراتے ہوئے بولی تھی۔”کچھ بھی باور کرانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں عفنان علی خان! کیونکہ میں اپنا اچھا برا، نفع نقصان، سب خوب سمجھتی ہوں۔سو پلیز، اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔میں اپنے فیصلے سے مطلع کر چکی ہوں اور بار بار دہرانا مجھے اچھا نہیں لگتا...... اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ایسی بے تکی باتیں کر کے مجھے قائل کر لو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔“

انا بیہ شاہ کہہ کر آگے بڑھنے لگی تھی جب بہت سرعت سے عفنان علی خان نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔انا بیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔آنکھوں میں ناگواری کا عنصر بہت واضح تھا۔مگر دوسری طرف عفنان علی خان بہت مطمئن سا مسکراتا نظر آرہا تھا۔اس کی آنکھوں میں بہ غور جھانکتا ہوا وہ جیسے اپنی محبت کا بھرپور اعتراف کر رہا تھا۔

”یہ فرار، یہ بھاگنا دوڑنا، یہ حقیقتوں کو جھٹلانا، سب سے چہرہ چھپانا، کب تک؟ ...... ہاں، کب تک انا بیہ شاہ؟“ مضبوط ہاتھ شانوں پر دھرتے دریافت کیا تھا اور انا بیہ شاہ ساکت سی اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔جیسے وہ اس گھڑی قطعاً بے بس تھی یا پھر حیران و ششدر۔اور عفنان علی خان کہہ رہا تھا۔

”دیوار اٹھانا چاہتی ہو تو اتنا جان لو، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو گی۔راستوں کو علم ہے۔درمیان محبت ہے اور سفر جذبوں کو کرنا ہے۔سو فاصلے اپنا آپ سمیٹ لیں گے۔تمہیں کوئی اور راہ نکالنا ہو گی انا بیہ شاہ! مگر اس کے لیے بھی ضروری نہیں کہ تم کامیاب بھی ہو۔“ بہت دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

''سنا ہو گا تم نے، محبت سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مگر اس پیچیدہ مسئلے کا حل بھی صرف اور صرف محبت ہے۔ سو جو بھی اقدام اُٹھاؤ جان لینا کہ یہ سر جھکا ہوا ہے اور ہمیشہ جھکا رہے گا۔ تلوار اُٹھاؤ اور دیدہ و دل پر وار کرو، دل حاضر ہے۔ مگر یہ کھیل فیئر ہونا شرط ہے۔ بساط جب بچھ ہی چکی ہے تو پھر ڈر کیسا۔ ہار ہو یا جیت، کیا فرق پڑتا ہے۔ محبت تمام خساروں کا مداوا بہت خوبی سے کرنا جانتی ہے۔ سو کھیل لینے میں کیا حرج ہے۔ آئی ایم ریڈی ٹو پلے۔ وہاٹ اباؤٹ یو، وِل پلے اور ناٹ؟'' مسکراتی نگاہ میں کچھ خاص رنگ تھے اور انابیہ شاہ کی حیرت سوا تھی۔ کچھ نہیں بول سکی تھی وہ۔

''تمام کشتیاں جلا کر آیا ہوں...... واپس پلٹنے کی تو کوئی راہ ہی نہیں ہے۔

دل کو اس راہ پر چلنا ہی نہیں

جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

آزمانا ہو تو آزما لو...... جانچنا ہو تو جانچ لو۔ کوئی راہ تبدیل نہیں ہو گی۔''

مدھم لہجے میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔ وہ مبہوت سی کھڑی تھی جب عفنان علی خان اسی پُر اعتماد انداز میں مسکراتا ہوا پلٹا تھا اور پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

بے تاثر بن جانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اور ان معاملات میں تو قطعاً بھی نہیں جو براہِ راست آپ سے ملتے ہوں۔

گو ہوا کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ مگر اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس کے باوجود بھی وہ اس نقطے پر اب تک خود کو ساکت و جامد محسوس کر رہی تھی۔

''ساہیہ! کیا ہوا؟'' اگینے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھی۔ مگر ساہیہ خان چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساکت نگاہ خلاؤں میں کہیں یونہی اُلجھی رہی تھی۔

''ساہیہ!'' اگینے اس کے سامنے آن رکی تھی۔ بہ غور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جیسے صورت حال کو جاننا چاہا تھا مگر اس کا چہرہ اس لمحے کھلی کتاب نہ تھا۔ اگینے کے اس طرح جانچنے پر وہ مسکرا دی تھی اور انداز بجھا بجھا سہی مگر وہ جیسے تمام صورت حال اپنے بس میں کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔

''بھابی کب سے تمہیں کھانے کے لیے بلوا رہی تھیں۔ تم نے سنا نہیں۔'' اگینے نے کسی قدر جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ خان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''بھوک نہیں...... ماما سے کہئے، جب ہو گی کھا لوں گی۔''

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں پھپھو!''لب بہت ہولے سے مسکرائے تھے۔

''کسی نے کچھ کہہ دیا؟''

''کون......کون کہے گا کچھ مجھ سے؟''مسکراتے ہوئے نگاہ چرا رہی تھی۔

''اذہان......اذہان نے کچھ کہہ دیا؟''اگینے کسی نقطے پر پہنچی تھی اور ساہیہ خان ساکت سی اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔بولی کچھ نہیں تھی۔

''نہیں......وہ کیا کہے گا کچھ مجھ سے۔وہ میرا اچھا دوست ہے اور دوستوں میں کچھ عجب کیسے ہو سکتا ہے؟''وہ خوامخواہ مسکرائی تھی۔

''تمہیں یقین ہے؟''اگینے نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''قطعی۔''ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''آپ کو کیا لگا......کیا ایسا ہو سکتا ہے ہم میں؟''نظریں چراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔اگینے اس کے چہرے کو بہ غور تکتی رہی تھی۔

''خود کو اور دوسروں کو بے وقوف بنانا کوئی اچھی بات نہیں۔''اگینے بولی تھی۔انداز باور کرانے والا تھا۔مگر ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''پھپھو! آپ کو کیا لگتا ہے،اذہان کو اور مجھے لے کر جو ہونے جا رہا ہے،آئی مین جو تعلق بننے جا رہا ہے وہ کتنا صحیح ہے؟''اُلجھن سے بھرے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''تو تم اس بات کو لے کر پریشان ہو؟''اگینے جیسے حتمی نتیجے تک پہنچی تھی۔ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔اگینے نے دو قدم آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا تھا اور نرمی سے مسکرا دی تھی۔

''ساہیہ! آنے والے دنوں کی فکریں،آنے والے دنوں پر ہی چھوڑ دینا اچھا ہوتا ہے۔ایسا کرنے سے بہت سے مسائل جنم نہیں لیتے۔یہ ایک اچھا حل ہے اپنے آپ کو ریلیکس رکھنے کا۔''

''مگر پھپھو! صرف آج ریلیکس رہنے کے لیے میں اپنے آنے والے کل کو اندیشوں میں مبتلا نہیں کر سکتی۔کیونکہ آج پر ہی آنے والے کل کو بیس کرنا ہے۔سو آج سے ہی کل کی فکر کرنا ضروری ہے۔''

''جب میں تمہاری عمر میں تھی تو بالکل بھی ایسا نہیں سوچتی تھی۔خاصی بڈھوں والی سوچ ہے۔''اگینے نے مذاق میں ڈالنا چاہا تھا اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔مگر یہ مسکراہٹ قلیل لمحوں کی تھی۔چند لمحے بعد ہی وہ ہونٹ بھینچ کر اسی ڈگر پر تھی۔

''پھپھو! رابطوں میں پذیرائیاں بھی ہوں،کیا یہ ضروری ہے؟''بات بہت گہری تھی شاید تبھی اگینے چونک پڑی تھی۔مگر ساہیہ خان کو اس بات کا احساس ہونے نہیں دیا تھا۔

''کن رابطوں کی بات کر رہی ہو تم؟......رابطے تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔''

''ہاں،ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔''ساہیہ خان لاجواب ہو کر مسکرا دی تھی۔''رابطے تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ہر ربط میں پذیرائی بھی ہو،یہ ضروری نہیں۔اور ضروری تو یہ بھی نہیں کہ اتنے بے تکے موضوعات پر بے تکی بات بھی کی جائے۔''

"ربط تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔مگر ساہیہ! ہر ربط سے ہم ہر طرح کی توقعات نہیں رکھ سکتے۔کچھ خاص لوگوں سے ہی خاص توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔"

"اور کتنا بڑا پاگل پن ہے نا یہ پھپھو! نہ کسی کی سننا، نہ کہنا، بس پاگلوں کی طرح اپنی طرف سے توقعات لگا بیٹھنا، اپنے آپ کو کتنا بے قیمت کرنے والی شے ہے نا۔کوئی سمجھتا ہی نہ ہو۔جانتا ہی نہ ہو اور آپ۔" بے حد اُلجھے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے وہ یک دم ہی بات ادھوری چھوڑ کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔اگینے اس کے انداز کو محسوس کر رہی تھی مگر واضح طور پر کچھ پوچھنا مناسب نہیں جانا تھا۔

"تم آؤ......کھانا کھا لو۔بھابی کو بہت فکر رہے گی ورنہ۔"

"پھپھو!" ساہیہ خان نے جواباً کچھ بولنے کو لب کھولے تھے مگر پھر بولے بغیر بھینچ گئی تھی۔اگینے نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھتے ہوئے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"ساہیہ! یہ عمر خواہ مخواہ کی فکروں میں گھرنے کی نہیں ہے۔اور تمہاری عمر تو یوں بھی ابھی بہت کم ہے۔ہنسو، کھیلو، انجوائے کرو۔یہ اُلجھاوؤں کے جال بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں۔ایک بار اُلجھے تو سلجھنے کی کوئی صورت بچتی ہی نہیں۔مجھے بہت عزیز ہو، سو مشورہ یہی دوں گی کہ جو ہو رہا ہے، جو ہونے جا رہا ہے ہو جانے دو۔کیونکہ نہ تو تم وقت کو روک سکتی ہو نہ وقت کے کسی اقدام کو۔تو کیا بہتر نہیں کہ ہم خواہ مخواہ کے اُلجھاوؤں کی نذر خود کو نہ کریں اور اُلجھنوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں کہ بعض اوقات آنکھیں میچ لینا ہی سب سے بڑا حل ہوتا ہے۔اب چاہے یہ اقدام کسی خوف کے سبب ہی کیوں نہ ہو یا پھر کسی مصلحت کے تحت۔" مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

"اچھا اُٹھو، کھانا ٹھنڈا ہو گیا تو مزہ نہیں آئے گا۔" انداز بہت سرسری تھا اور ساہیہ خان انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔اُلجھن بے سبب تو نہ تھی۔کیسے وہ نظر انداز کرتی اور کیسے آنکھیں میچتی۔

☆......☆......☆

سید اذہان حسن بخاری ایزی چیئر پر آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔کمرہ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔دل کے دروازے پر کئی خیالوں کی آہٹیں تھیں۔کئی آوازیں دستکیں دے رہی تھیں۔دو آنکھوں کا پہرہ دل پر تھا۔دو گداز لب کپکپا رہے تھے۔کچھ حرف تھے شاید۔

ٹوٹے پھوٹے، بے ربط، بے آہنگ۔

بے معنی، مگر ہزار ہا معنی اپنے اندر سمیٹے۔

نگاہ حیراں تھی، کچھ ویراں۔لمبی دراز پلکیں کچھ کپکپا رہی تھیں۔اک انجان سا بوجھ ان پر لدا تھا۔سمندر سی گہری آنکھوں کے کنارے چپکے چپکے بھیگ رہے تھے۔

اور وہ گداز لب ساکت تھے۔عارض بھیگ رہے تھے۔سارے لمحے پانیوں کی زد پر تھے اور وہ خاموش تھا۔

"مجھے خود سے الگ کبھی مت ہونے دینا۔یہ احساس سپردگی، یہ نیا پن، یہ احساسِ محبت، دل ڈرتا ہے۔کہیں کھو نہ جائے سب۔

اذہان! میرے رہو گے نا؟"

کوئی مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ گداز لب کپکپا رہے تھے۔ سمندر آنکھیں طغیانیوں میں گھری تھیں اور وہ اس لمحے پلکیں نہ جھپک سکا۔ بس ساکت سا تکتا رہا تھا۔

"کبھی جو کھو جاؤں تو کیا کرو گے اذہان؟"

"ڈھونڈوں گا...... تلاشوں گا...... دنیا کے ایک نقطے سے دوسرے تک۔ اک کنارے سے دوسرے تک۔ صدائیں دوں گا...... تمہارا نام لوں گا۔"

اُس کا اپنا لہجہ بے قرار تھا۔ مدھم، جنوں خیز۔

"کیا ایسا کرنے سے میرے خیالوں تک رسائی پا سکو گے؟ کیا ڈھونڈ لو گے مجھے؟" وہ بھیگی آنکھیں اس کی طرف اُٹھی تھیں اور اس کا اک جہاں جیسے قیامتوں میں گھر گیا تھا۔

"مجھے گنوا دو گے اذہان حسن بخاری؟" وہ نگاہ بے قرار تھی۔

"نہیں، کوئی اپنی زندگی کیسے گنوا سکتا ہے؟ ...... میں جینا چاہوں گا۔ میں جینا چاہوں گا۔ زندگی کے ساتھ، تمہارے ساتھ۔ بے قرار لہجہ احساس محبت سے بھرپور تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے تمام آنسو اپنی پوروں پر لے لیے تھے۔ وہ کانپتا، کمزور لہجہ، مدھم آواز اس کے گرد حصار باندھ رہی تھی۔ مضطرب نگاہ اس کے چہرے پر تھی۔"

'مجھے سمیٹ لو...... اپنی پناہ میں لے لو۔ میں زندگی ہوں تو مجھے جی کیوں نہیں لیتے؟ باندھ لو مجھے اپنی دھڑکنوں میں...... سانسوں میں بسا لو...... مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے، تمہارے لیے جینا ہے۔ تمہاری زندگی ہوں میں۔ تمہارے لیے ہوں۔ احساس سے چھو لو، مجھے کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ گزرتے سارے پل سمیٹ کر گرفت میں باندھ لو۔ میں تم سے بچھڑنا نہیں چاہتی۔ یہ لمحے مجھے ڈرا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں، یہ گزر گئے تو کچھ باقی نہیں رہے گا۔ تم ان خدشوں کو مٹا کیوں نہیں دیتے؟ سانسوں کی ضرورت ہوں تو مجھے اپنے رنگوں میں رنگ کیوں نہیں لیتے؟ میں تمہارے اختیار کے دائروں میں ہوں۔ مجھے اپنے اختیار میں رہنے دو۔ تمہارے بغیر، تمہارے بنا زندگی باقی نہیں رہے گی۔' وہ گہرے سمندر پھر طغیانیوں کی زد پر تھے۔

اور اذہان حسن بخاری کے لبوں پر گہری چپ تھی۔

'تمہاری چپ میں اک سکوت ہے اذہان حسن بخاری! اور مجھے یہ سکوت بہت ڈرا رہا ہے۔'

مضبوط ہاتھوں سے ان نازک ہاتھوں کو ہولے سے تھام لیا تھا۔ گرم لمس یہ جتانے کو کافی تھا کہ ہمراہی سنگ ہو گی۔

'میں حالات کو اپنے بس میں کر لوں گا...... تمہارے لیے سب کچھ کروں گا...... اس محبت کے لیے، اس رفاقت کے لیے، سب کچھ۔ بس مجھے کچھ لمحے دو۔ میں ہر وہ اقدام کروں گا جو تمہیں مجھ سے قریب کر دے۔ فقط چند دن...... چند روز...... چند لمحے۔ میں سب کچھ

بدل دوں گا، سب کچھ۔' مدھم سرگوشی سا لہجہ یقین دلاتا ہوا تھا۔

'محبت کا احساس ہو تم ...... تمہاری آہٹوں نے مجھے زندگی بخشی ہے۔ تمہارے اک لمس نے مجھے زندہ کیا ہے۔' سرگوشیوں میں شدت تھی اور وہ بھیگی نگاہ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

'اذہان! ...... اذہان!' کوئی پکار رہا تھا شاید۔ کوئی ہاتھ، ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔ کوئی نگاہ پلٹ رہی تھی۔ وہ لرزتی پلکیں گریزاں ہو رہی تھیں۔ وہ گداز لب کچھ کہہ رہے تھے۔ قدرے ہولے ہولے پیچھے کو سرک رہے تھے اور اس کا دل ایک گہرے اضطراب میں گھرتا جا رہا تھا۔ دھڑکنیں پاتالوں میں کھو رہی تھیں کہیں۔ سانسیں رک رہی تھیں۔ دل جیسے دھڑکنا بھول رہا تھا۔

''اذہان! ...... اذہان!'' کسی نے اس کا شانہ ہلا کر اسے جیسے جھنجھوڑا تھا۔ اس نے ایک لمحے میں آنکھیں وا کی تھیں۔

''اذہان! کیا ہوا؟'' ممی اس کے سامنے کھڑی پریشانی سے دریافت کر رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری نے کھوئے کھوئے انداز میں خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

فارحہ بیٹے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اعتبار کیا تو تھا۔

ڈور باندھی تو تھی۔

مگر ایک لمحے میں سب کچھ متزلزل ہوتا لگا تھا۔

دل کے کونوں کھدروں میں چھپے خوف ایک لمحے میں پھر سر اُٹھانے لگے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم پریشان ہو گئی تھیں۔ مگر تمہاری طبیعت خراب تھی، سو میں نے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تم ......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے وضاحت دینا چاہی تھی۔ میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مزید کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر دھرا تھا۔ میرب سیال نے اس شخص کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز برتا تھا۔ یہ اندازِ بیگانگی کا اقدام غالباً دانستہ تھا۔ وہ نگاہ جھکائے کھڑی تھی۔ مگر جس لمحے وہ ہاتھ اس کے شانے پر آیا تھا اس نے اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس مضبوط ہاتھ کو اپنے شانے پر سے ہٹا دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس اقدام پر بہت حیرت ہوئی تھی۔

''میرب! تم ......'' کچھ بولنے کو لب کھولے تھے مگر پھر کچھ بولے بغیر لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد بولا تھا تو لہجہ

بے حد مضبوط تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو، کہاں گیا تھا میں آدھی رات کو اُٹھ کر۔ اعتبار نہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے تمہاری۔ کیا سمجھتی ہو، تمہارے پلّو کا اسیر ہو گیا ہوں میں؟...... باندھ کر رکھ لیا ہے تم نے مجھے؟...... تمہاری مرضی کے بغیر سانس تک نہیں لے سکتا؟ میرب سیال! تم......'' غصے میں بولتے بولتے یکدم وہ مٹھیاں بھینچ کر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر ہاتھوں سے بالوں کو کسی قدر اُلجھن سے بھینچتے ہوئے اس کی طرف کسی قدر غصے سے دیکھا تھا۔

''میرب! تم اپنے اور میرے رشتے کے بیچ پھر خواہ مخواہ کی دیوار اُٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو۔ آئی واز جسٹ بزی وِد دی ورک۔ اینڈ دیٹس آل۔ پلیز ٹرائے ٹو میک سنس اینڈ ٹرائے ٹو میک ٹرسٹ۔ ایسے کیسے چلے گا؟ تم بیوی ہو میری، پلیز ماں بننے کی کوشش مت کرو۔ میں بہت کوشش کر کے تمہارا اعتبار جیتنے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم...... تم پھر مجھے اسی ڈگر پر دھکیل رہی ہو۔ کیا تم چاہتی ہو کہ ہمارے درمیان وہ دیوار پھر سے کھڑی ہو جائے؟ وہ سارے فاصلے پھر سے عود کر آئیں؟'' اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کسی قدر ایگریسو انداز میں کہا تھا۔

میرب سیال نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں ایسا کچھ نہیں کہہ رہی ہوں...... میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' باور کراتے ہوئے چلتی ہوئی دور جا رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''میرب! تم بالکل بچوں سا مزاج رکھتی ہو...... ذرا سی بات ہوئی نہیں اور تم روٹھی نہیں۔ مسکراتے ہوئے اس کی پشت پر جا رکا تھا۔'' اینی وے، آج کا کیا پروگرام ہے؟ ہمیں شام کہاں گزارنی چاہیے؟'' اس کے دونوں شانوں کو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ بس خاموشی سے نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''اینی ویز، تھینکس۔''

''فور وہاٹ......؟'' میرب سیال چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی تھی۔

''تمہارا یہ روپ پہلی بار میرے سامنے آیا ہے تو جانا ہے کہ شاید اسی کا نام محبت ہے۔ شاید اسی کو محبت کہتے ہیں۔ ایک دوجے کو سوچنا، فکر کرنا، ایک دوسرے کے لیے پریشان ہونا، یہ سب محبت ہی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ ہم دونوں کے بیچ محبت جنم لے چکی ہے۔ اگر آج ایسا نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس قدر گریزاں نظر نہ آتیں۔ یہ روٹھا روٹھا سا انداز بتا رہا ہے کہ تمہیں میری کتنی فکر ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز پھر اسی ڈگر پر تھا۔ وہی رنگ تھے۔ وہ ڈھنگ۔ لہجے میں وہی چاشنی تھی اور نظروں میں وہی تاثر خاص۔

میرب سیال اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔

''کیا اب بھی ناراض ہو؟'' بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے جہاں چہرے کا رُخ پھیرا تھا وہیں

نفی میں سرہلا دیا تھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ناراض نہیں تھی۔''

''اور اس کے باوجود تم میری طرف اس وقت نہیں دیکھ رہی ہو۔گریزاں ہو اور مجھے نظرانداز کر رہی ہو۔اسے ناراضگی نہیں تو اور کیا کہیں گے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

میرب سیال کچھ بولے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

☆......☆......☆

Piano کی ساری Black Keys ایک ایک کر کے ٹوٹ چکی ہیں...... جدائی کا جو گیت میں تمہیں بھیج رہا ہوں وہ میں نے سارے کا سارا White keys پر Compose کیا ہے۔ یہ سوچ کر تم Black Shawl کے بغیر بھی White Dress میں بہت خوب صورت لگتی ہو۔

کھلی کتاب کے کسی سرے سے ایک سوکھا گلاب یکدم ہی نیچے جا گرا تھا۔اذہان حسن بخاری نے جھک کر اس سوکھے پھول کو اُٹھایا تھا اور بہ غور تکنے لگا تھا۔

''تمہیں لڑکیوں میں سب سے اچھی بات کیا لگتی ہے؟''

''لڑکیوں میں؟'' اس کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''کیوں......اس سوال میں اتنا عجب کیا ہے؟''

''عجب کچھ نہیں ہے۔مگر اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچوں گا تو برا تو تمہیں ہی لگے گا نا۔'' وہ مسکرایا تھا۔

دو آنکھوں نے اسے عجب خفگی سے دیکھا تھا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

وہ چہرہ خفا خفا سا رخ پھیر گیا تھا۔اسے خفگی کا احساس ہوا تھا اور اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے اپنی طرف موڑا تھا اور بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''مجھے صرف تم اچھی لگتی ہے اور صرف تم ہی اچھی لگتی ہو۔تمہارے سوا اور کچھ نہیں۔'' سرگوشی میں انداز جتانے والا تھا۔''تم مسکراتی ہو تب اچھی لگتی ہو۔جب میری طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتی ہو بہت اچھی لگتی ہو اور جب نگاہ پھیر کر اجنبی بن جاتی ہو تب تو اور بھی اچھی لگتی ہو...... مجھے تم میں جو بھی ہے،سب اچھا لگتا ہے۔تمہارا چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جانا،ہر بات کی فکر کرنا،بات بے بات روٹھ جانا اور پھر منانے پر مان جانا۔تمہاری تمام خامیاں،تمام خوبیاں،تمام کمیاں،تمام کمزوریاں سب بہت اچھا لگتا ہے۔''

وہ بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے ڈائری کو کھولا تھا۔کئی نقش ازسرنو تازہ ہو کر اس کے اِرد گرد چمکنے لگے تھے۔

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''کہہ دوں؟''

''ہاں۔''

''تم میری خواہشوں میں ہو۔''

''پاگل۔''

''یہ بات میں نے تم سے آج تک نہیں کہی تھی۔سنبھال کر رکھے تھے سارے لفظ۔مگر تم یہ کتاب تو بند کر دو۔''

''لو، کر دی بند۔پھر۔''

''مجھے اپنے دل میں رہنے دو۔'' وہ شرارت پر آمادہ ہوا تھا۔

''شٹ اَپ اذہان! اِٹس سو چیپ اینڈ ویری فلمی۔'' وہ ہنس پڑی تھی۔

''میں تم سے عام لفظ کہنا نہیں چاہتا تھا۔''

''کم آن اذہان! فضول کی مت ہانکو۔بہت ضروری کام کر رہی ہوں میں۔سو پلیز ڈسٹرب مت کرو۔'' دو نظروں نے اسے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے کچھ صفحے مزید پلٹ دیئے تھے۔

دو بھیگی آنکھیں پھر اس کے سامنے تھیں۔

گداز لب کپکپا رہے تھے۔

بہت کچھ کہنے کی خواہش تھی مگر لبوں پر کوئی ایک لفظ بھی نہ تھا۔سر بہت ہولے ہولے نفی میں ہل رہا تھا۔

اس کے ہاتھوں نے اس چمکتے چاند سے چہرے کو اپنے حصار میں لیا تھا۔بھیگتی پلکوں کی لرزش کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''مجھے تمہارے ساتھ رہنا۔تمہارے ساتھ جینا ہے۔تم مجھے روک کیوں نہیں لیتے؟ توڑ کیوں نہیں دیتے یہ ساری دیواریں، یہ سارے حصار جو تمہیں اور مجھے الگ الگ دائرُوں میں بانٹ رہے ہیں۔چپ کیوں ہو تم؟ مجھ سے کہتے کیوں نہیں کہ میرے بغیر جی نہیں سکو گے۔کہہ دو کہ زندگی آسان نہیں رہے گی۔مجھے تمہاری خاموشیوں سے وحشت ہو رہی ہے۔توڑ دو یہ برف کی دیوار۔ان لبوں کی خاموشی۔یہ چپ تمہارے اور میرے درمیان فاصلے حائل کر رہی ہے۔تم اتنی چھوٹی سی بات سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ میں جا رہی ہوں۔میں چلی جاؤں گی۔کیسے جیو گے؟''

بھیگتی آنکھوں میں کسی قدر اضطراب تھا۔ عارض بھیگ رہے تھے مگر وہ خاموش کھڑا تھا۔

''کیا میرے بغیر جی لو گے؟'' گداز لب لرز رہے تھے۔

لمحے ہاتھ سے سرک رہے تھے...... ''اذہان حسن بخاری! وقت گزر رہا ہے۔ یہ پل بیت گئے تو کچھ ہاتھ نہ رہے گا۔''

ایک تصویر ڈائری سے جھانکتی دکھائی دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے تصویر ہاتھ میں لے لی تھی۔ ایک چہرہ اس کے سامنے تھا۔ تابنا کی بلا کی تھی۔ مگر اس کے تصور میں انہی دو بھیگی پلکوں کا پہرہ تھا۔

''یہ لمحے جب تم میرے سامنے ہو، میرے پاس ہو، میرے قریب ہو۔ یہی لمحے میرے لیے زندگی ہیں۔ مجھے جی لینے دو۔ ان آنکھوں میں لمحہ دو لمحہ کو ہی سہی۔ میں اپنے عکس کو تمہاری آنکھوں میں دیکھتے رہنا چاہتا ہوں۔ تمہارا چہرہ میرے سامنے ہو تو مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ یہ آنکھیں کچھ یاد نہیں رہنے دیتیں۔ میں ان لمحوں میں جینا چاہتا ہوں۔ مجھے جی لینے دو۔ لمحہ دو لمحہ کو ہی سہی۔ حسین اور دل پذیر ہو تم۔ اپنے سارے رنگ ان لمحوں کو بخش دو۔ دان کر دو اپنی ساری دلکشی اس وقت کو۔ میں ان لمحوں کو روک لینا چاہتا ہوں۔ اپنے آنچل کو پھیلا دو۔ میں آسمان کے تمام تارے چن لینا چاہتا ہوں۔ یہ اپنی آنکھوں کے جگنو مجھے سونپ دو۔ میں ہر لمحہ کی یاد اپنے دل میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دو۔'' ایک جنوں فضا میں ڈوب اُبھر رہا تھا۔ وقت کی ساعتیں تھم گئی تھیں۔ نبضیں جم گئی تھیں۔ سانسیں رک گئی تھیں۔ تمام منظر جم گئے تھے۔

وہ مبہوت سا کھڑا تھا۔

پرسنل سیل یکدم ہی بجنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری جیسے ایک گہرے خواب سے بیدار ہوا تھا۔ تصویر ڈائری میں رکھی تھی اور ڈائری بند کر کے سائیڈ کی دراز میں ڈال دی تھی۔

''ہیلو...... جی، آئی ایم ریڈی ٹو میٹنگ۔ جی، آپ بات کر لیں۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ کچھ دیر قبل والا ہر تاثر چہرے سے معدوم ہو چکا تھا۔

فارحہ نے بیٹے کو سیڑھیاں اُترتے دیکھا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟...... کھانا لگ چکا ہے۔''

''نہیں ممی! پاپا کا فون آیا ہے۔ ایک اہم میٹنگ ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

اعتبار و بے اعتباری کے درمیان لٹکے رہنا آسان نہ تھا۔ اس سے کہیں بہتر تھا کہ وہ اس تمام معاملے کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیتی اور زندگی کو پھر سے ایک ڈگر پر لانے کی سعی کرتی۔ اس نے ایک بار خود کو پھر سمجھایا تھا۔ باور کرایا تھا۔ سمجھوتوں میں اس طرح تو ہوتا ہے۔ زندگی میں اس طرح کی مشکلیں تو سہنا تھیں۔ پھر واویلا کرنے سے اور جلنے کڑھنے سے فائدہ۔

شام کا اہتمام لازم تھا۔حکم تھا۔سو وہ تھوڑی سی تیاری کے بعد باہر نکل آئی تھی۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نہیں تھا۔

دروازہ کھولے یا نہ کھولے......اندر جائے یا کہ نہ جائے۔

دل کے اندر لمحہ بھر کو ایک سکوت کا احساس ہوا تھا۔

اُس نے اس قلیل لمحے میں جیسے سوچا تھا اور پھر کسی نقطے پر پہنچتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔مگر آنکھیں کسی ممکنہ خوف کے پیش نظر بہت زور سے میچ لی تھیں۔دروازہ کھل چکا تھا۔اس نے بہت آہستگی سے مچی آنکھوں کو کھول کر کمرے پر نگاہ کی تھی۔کمرے میں کسی ممکنہ خطرے کا دور دور تک نام و نشان تک نہ تھا۔بلکہ جو منظر نگاہ نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر کسی قدر حیرت نے گھیر لیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور اپنا ہاتھ داہنے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔چہرے کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ وہ بہت تکلیف میں ہے اور بہت مشکل سے جھیل رہا ہے۔وہ بہت سرعت سے آگے بڑھی تھی اور ایک لمحے میں اس پر جھکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کیا ہوا؟......آر یو آل رائٹ؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''یس......آئی ایم آل رائٹ۔ڈونٹ یووری۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنے معاملات سے اسے جیسے علیحدہ رکھنا چاہا تھا۔میرب سیال کسی قدر اشتعال میں آ گئی تھی۔

''کچھ بتائیں گے آپ مجھے؟......ہوا کیا ہے آپ کو؟'' وہ پلٹی تھی اور بہت سرعت کے ساتھ کوئی نمبر ملانے لگی تھی۔

''کیا......کیا کر رہی ہو میرب؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور بہت رسانیت سے بولی تھی۔

''میں ڈاکٹر کو کال کر رہی ہوں۔'' ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ پر تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے......ڈاکٹر سے کنسلٹ کر چکا ہوں اور میڈیسن بھی لے چکا ہوں۔آرام آنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔'' وضاحت دیتے ہوئے بھی اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔

میرب سیال نے خاموشی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہت آہستگی سے اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔تکلیف کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر تھے۔

''تھینکس فور دِس کیئر۔مگر اب میں ٹھیک ہوں ...... پہلے سے کہیں بہتر۔تم آ گئی ہو نا۔'' تکلیف میں بھی شرارت سے باز نہیں رہا۔مسکرایا تھا۔مگر میرب سیال کے لبوں پر خاموشی تھی۔

''تم نے دروازہ اتنا ڈرتے ڈرتے کیوں کھولا؟......مجھ پر کیا اب تک اعتبار نہیں آیا؟ خدشے اس قدر تھے کہ دل کی ماننا گوارہ نہیں کیا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے سامنے موجود چہرے کو بہ غور دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی ساکت چپ کے ساتھ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی اور آہستگی سے بولی تھی۔

''ایسا پہلی بار ہوا ہے یا اس سے قبل بھی یہ کیفیت رہی ہے آپ کی؟''

''مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''اگر تکلیف تھی تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' میرب سیال نے اس کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رُخ اپنی سمت کر لیا تھا۔

''مجھ پر اعتبار تو نہیں تھا نا۔ تم کیا سمجھ رہی تھیں، کیا میں کسی کے ساتھ بزی تھا؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال نگاہ چرا گئی تھی۔ کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''کیا وہ اعتبار اتنا کچا تھا میرب سیال؟...... کیا وہ محبت اتنی کمزور تھی؟'' مدھم لہجے میں کوئی شکایت تھی۔ مگر میرب سیال چہرے کا رُخ پھیرے بیٹھی تھی۔

''آپ نے بتایا نہیں، آپ کو یہ مسکولر پین کب سے تھا؟''

سوال بالکل مختلف سمت کا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''اتنی فکر ہے تو پھر یہ گریز کیوں میرب سیال؟'' لہجہ مدھم تھا۔ کسی سرگوشی سا۔ ''اتنی محبت ہے تو پھر یہ اتنی دوری کیا ہے میرب سیال؟ کیوں میں پلٹ کر تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تمہیں میلوں کی نہیں، صدیوں کی دوری پر کھڑا پاتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے پاس نہیں ہو، میرے ساتھ نہیں ہو۔ ایسا کیوں ہے میرب سیال! ایسا کس لیے ہے؟ اسباب واضح کرو تو کوئی تدبیر بھی کی جائے۔ مگر تم خاموشیوں میں گھری کھڑی ہو۔ ساکت چپ کے ساتھ۔ مجھے بتاؤ، نشاندہی کرو میرب سیال! میں تخمینہ لگاؤں گا۔ کوئی سدباب ڈھونڈوں گا۔ کوشش کروں گا وہ سارے گلے دور کر سکوں۔ شکوے مٹا سکوں۔ صرف ایک بار کہو۔ فقط ایک بار بتاؤ۔ اپنے دل تک جانے والے رستوں پر میری رہنمائی کرو۔ میں تمہارے دل کو چھونا چاہتا ہوں۔ اُترنا چاہتا ہوں تمہارے دل میں۔ اپنے دل تک آنے والے راستوں کا تعین کرو میرے لیے۔ مجھے سمجھاؤ، کیسے جیت سکتا ہوں میں یہ دل؟ کیسے تمہیں پا سکتا ہوں؟ میں تم سے روح کا رشتہ چاہتا ہوں میرب سیال! دل کا تعلق چاہتا ہوں۔ بتاؤ مجھے، تمہارے دل تک پہنچنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟...... کتنے آگ کے دریا پار کرنے ہوں گے؟...... کتنے سمندر پاٹنے ہوں گے؟'' مدھم لہجے میں ہزار ہا خواہشیں تھیں اور لاتعداد سوال۔ مگر میرب سیال خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

''تمہیں کیا لگا میرب سیال! میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں؟'' بہ غور اس کی سمت تکتے ہوئے سوال کیا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''ایک بات کہوں میرب؟'' بہت آہستگی سے پکارا تھا مگر وہ نگاہ پھیرے رہی تھی۔

''پلیز، میک ٹرسٹ، آئی ایم یور۔'' ایک مدھم سرگوشی تھی۔ ایک یقین تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آپ......آپ کو آرام کرنا چاہیے۔'' پلٹے بغیر کہا تھا۔

''اور تمہیں اعتبار۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ میرب سیال نے چہرے کا رُخ پھیر کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''کین یو گیومی، جسٹ ون لٹل فیور؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چونک پڑی تھی۔

''کیا؟''

''کین یو اسمائل......اسمائل فور می؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''سوئیٹ تھینکس! ناؤ یو لک لائیک اے مائے پرنس۔''

''آپ کو آرام کرنا چاہیے......تھوڑی دیر بعد ہم ڈنر ساتھ کریں گے۔'' میرب سیال نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''شکوے اور شکایتوں کے ساتھ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر دونوں ہنس دیئے تھے۔

''ایک بات کہوں۔''

''ہاں۔''

''مجھے تمہارا ہنسنا، اس طرح اچانک ہنسنا بہت اچھا لگتا ہے۔ تم اس لمحے میری آنکھوں میں دیکھ کر جان سکتی ہو کہ تمہارا چہرہ دلکشی سے کتنا بھر چکا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ میرب سیال نے مسکراتے لب بھینچ لیے تھے اور پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر باہر نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

عجب ایک احساسِ جرم اُسے ہو رہا تھا۔ عجب ایک احساس گناہ اُسے ستا رہا تھا۔ حالانکہ غلطی اس کی تو کہیں بھی نہیں تھی۔ کہیں پر بھی اس سے کوئی مس ٹیک نہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود خمیازہ وہ بھگت رہی تھی۔ وہ سر جھکائے سیڑھیوں پر خاموش بیٹھی تھی جب اوزی چلتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا اور کافی کا کپ مسکراتے ہوئے اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''آج بہت روز بعد تم کیمپس گئی تھی نا؟''

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا اور لب بھینچ کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''پتہ نہیں......مجھے تو ہر دن ایک سزا کی طرح ہی لگتا ہے۔''

''لامعہ حق ملی تھی؟'' اوزی نے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......میں نے کوشش ہی نہیں کی اس سے ملنے کی۔ گئی تو وہ کہیں آگے کی رو میں تھی اور بعد میں، میں اتنی بزی ہو گئی کہ سر اُٹھا

کر دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔کئی روز کے لیکچر مسنگ تھے اور بہت ڈھیر سا کام جمع تھا۔'' وہ ڈھیروں وضاحتیں دیتے ہوئے یکدم ہی تھکنے لگی تھی۔اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''تم اتنی چھوٹی سی بات ہنس کر نہیں کہہ سکتیں کہ تم میں ہمت نہیں تھی اس کا سامنا کرنے کی؟'' احساس دلایا تھا۔انابیہ شاہ نے اس کی سمت جیسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر عجب ایک وحشت سے مسکرادی تھی۔

''ہاں، غالباً اسے بزدلی اور کم ہمتی ہی کہتے ہیں۔'' عجب ایک بے بسی اس کے چہرے پر تھی مگر وہ مسکرا رہی تھی۔

''ایسا کب تک چلے گا انابیہ شاہ؟...... تمہیں نہیں لگتا اب تمہیں کسی قدر بہادر اور دلیر ہو جانا چاہیے؟''

''ہاں۔'' وہ یکدم مسکرادی تھی۔''میں بھی یہی سوچتی ہوں۔مجھے آج غازی کی بہت یاد آ رہی ہے۔وہ اکثر کہتا تھا، جو لوگ خود سے اور دوسروں سے ڈرتے ہیں ان کی ساری زندگی بھاگتے ہوئے گزر جاتی ہے۔اور وہ غلط قطعاً نہیں کہتا تھا۔'' وہ جیسے اعتراف کر رہی تھی۔اوزی نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''اوزی! مجھے احساس گناہ ستا رہا ہے۔مجھے ہر کسی کی نگاہیں الزام دیتی لگ رہی ہیں اور ایسا صرف ایک شخص کے باعث ہے۔اس نے ایسا کیوں کیا اوزی؟......اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟''

وہ بہت آزردہ لگ رہی تھی۔عجب اُلجھی اُلجھی سی۔

اوزی اس کا موڈ بدلنے کو مسکرا دیا تھا۔

''کہیں باہر چلیں؟......آؤٹنگ پر؟''

انابیہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور چہرے کا رُخ پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

''ایسا کب تک چلے گا اوزی؟ کب تک میں لوگوں سے بھاگتی رہوں گی اور ڈرتی رہوں گی؟ مجھے یہ سب ترک کرنا ہوگا۔اور ایسا بہت جلد ہو جائے تو اچھا ہے۔'' اس نے جیسے ایک نقطے پر پہنچتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے تمام صورتِ حال کو بس میں کرنا ہوگا اوزی!...... مجھے سب پہلے جیسا کرنا ہوگا اور میں ایسا کروں گی۔ضرور کروں گی۔'' اس کا لہجہ پُرعزم اور مضبوط تھا۔

''انابیہ شاہ! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔کوئی انسان لائیک اے ڈش نہیں ہوتا کہ تم اسے گارنش کر کے کسی کے بھی دسترخوان پر رکھ دو۔انسان، انسان ہوتا ہے اور اس کی اپنی مرضی اور خواہش بھی ہو سکتی ہے۔اتنی چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہے؟''

اوزی نے اُسے باور کرایا تھا۔

''تم کسی کو بھی اپنی مرضی کے مطابق نہیں چلا سکتی ہو انابیہ شاہ! ایسا ممکن نہیں ہے۔بات اگر عقل و خرد کی ہو تو پھر بھی یہ برین واشنگ ممکن ہو سکتی ہے۔مگر بات اگر دل کی ہو تو کیا کرو گی تم؟ کیا زبردستی کسی کو مجبور کر سکو گی کہ کوئی اپنی سمت بدل لے یا کسی اور کی سمت لوٹ جائے۔

اگر اسے وہاں رہنا ہوتا تو وہ وہاں سے کوچ کرتا ہی کیوں؟ خیمے اُکھڑنے کی کوئی تو حقیقت ہو گی انا بیہ شاہ! اتنی چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ کیا تدبیر کروں گی تم؟ تمہیں نہیں لگتا یہ تمہاری مزید حماقت ہو گی اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے تو کہیں بہتر ہو گا تم صورت حال کو جیسی ہے جہاں ہے اسی طرح، اسی حالت میں چھوڑ دو۔ بعض اوقات اس طرح بھی بہت سی باتوں کا حل نکل آتا ہے۔''

''اور لامعہ حق؟ اس کا کیا کروں میں؟...... میں اس کا سامنا نہیں کر پا رہی ہوں۔ اس کے متعلق کیا کہو گے تم؟''

''اس کے سوا کچھ نہیں انا بیہ شاہ! کہ تم حماقتوں پر حماقتیں کر رہی ہو۔ جو شے تمہارے بس میں نہیں ہے اسے کرنے کی کوششیں مت کرو۔ دریاؤں کو اُلٹے بہاؤ پر بہنے کے لیے کبھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ہواؤں کے رُخ بدلے جا سکتے ہیں۔''

''اور یہی بات انا بیہ شاہ سمجھ نہیں رہی ہے۔'' ان دو کے علاوہ ایک تیسری آواز ابھری تھی اور دونوں چونک پڑے تھے۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھا تھا تو عفنان علی خان کو وہاں موجود پایا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا، پُر عزم سا آگے بڑھ آیا تھا۔

''دریاؤں کو اُلٹے بہاؤ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ہواؤں کے رُخ بدلے جا سکتے ہیں انا بیہ شاہ! تمہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔''

انا بیہ شاہ کو اس لمحے اس کی وہاں آمد کی توقع نہ تھی۔ شاید تبھی وہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

محبت موم ہے انا بیہ شاہ!...... دل میں بستی ہے تو دل کو بھی موم سا کر دیتی ہے۔ موم کو اپنی مرضی سے موڑا توڑا تو جا سکتا ہے مگر فقط محبت کے منتر کے ساتھ۔ جسے یہ اسم آتا ہو گا اسی سے یہ در وا ہو گا۔ بصورت دیگر کوئی بھی اُمید رکھنا عبث ہے۔ کئی اسرار و بھید ہیں محبت کے۔ کہاں تک سمجھاؤں تمہیں، کہاں تک بتاؤں؟ کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ دل کو اپنے حاشیوں اور زاویوں پر چلانا ممکن نہیں ہے۔ محبت ایک شوریدہ سمندر ہے اور سمندر اپنے راستے خود آپ بناتا ہے۔ اپنی سمت خود آپ طے کرتا ہے۔ نہ تو تم کوئی سمت متعین کر سکتی ہو نہ ہی اسے کسی سمت بہنے سے روک سکتی ہو۔ تو پھر یہ بے وجہ کی حماقتیں کیوں؟ بہت کچھ باور کرانے والے لہجے میں کہتے ہوئے انا بیہ شاہ کو دیکھا تھا۔

انا بیہ شاہ یکدم ہی اُٹھی اور چلتی ہوئی اندر کی سمت بڑھ گئی تھی۔ عفنان علی خان اسی عزم سے مسکراتا رہا تھا۔

دل کو اس راہ پر چلتا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری نے سگریٹ سلگا کر ڈھیر سا دھواں فضا میں منتقل کیا تھا اور اس دھوئیں میں کتنے جگنو چمکنے لگے تھے۔

"پاس ہوں نا۔ تمہارے ساتھ ہوں نا، اس لیے کوئی قدر نہیں ہے۔ تمہیں احساس تب ہوگا اذہان حسن بخاری! جب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی۔" وہ چہرہ کچھ خفا خفا سا دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیوں...... کہاں جا رہی ہو تم؟" انداز کچھ شرارت سے پُر تھا مگر وہ خفا خفا سا چہرہ کچھ نہ بولا تھا۔

"دیکھو گی بھی نہیں میری طرف؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے اذہان حسن بخاری! لمحے تمہاری گرفت میں ہیں؟ جادو کی چھڑی ہے تمہارے ساتھ ہیں؟ تم چاہو گے چھڑی گھماؤ گے اور سب کچھ تمہارے بس میں ہوگا؟" انداز ڈپٹنے والا تھا مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"وقت ہی تو ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہاتھ میں چند لمحے بھی ہوں تو انہیں صدیوں پر محیط کرلوں گا۔ چند گھڑیاں نواز دو، پھر دیکھو اذہان حسن بخاری کیا کچھ کرسکتا ہے۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہیں آزماؤں؟" وہ مسکرائی تھی۔

"چاہو تو آزما لو۔ حرج کیا ہے؟ نتائج تو حسب منشا اور تمہارے حق میں ہی نکلنا ہیں۔" وہ مسرور سا شانے اچکاتا ہوا بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"تم چاہتے ہو الزام بھی آئے تو میرے سر آئے۔"

"ایسا میں ہونے نہیں دوں گا۔ تبھی تو شرط ہے۔ آزما لو۔"

"سوچ لو...... وقت پڑنے پر کہیں بدل تو نہیں جاؤ گے؟"

"جو بدل جائے وہ اذہان حسن بخاری نہیں ہوگا۔" وہ دعویٰ کر رہا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں، میں آزمائش پر یقین نہیں رکھتی۔ محبت میں یہ شرط نہیں آنا چاہیے۔ یہی کیا، محبت کو تو ہر شرط سے آزاد ہونا چاہیے۔ محبت پابندیوں سے آزاد ہونی چاہیے۔ ایسے ہی جیسے یہ ہوا، جیسے یہ پانی اور......"

"اور جیسے یہ تمہاری مسکراہٹ۔ تمہاری ہنسی تمہارے لبوں سے آزاد ہوتی ہے تو کتنے پھول چار سمت کھلا دیتی ہے۔" وہ مسکرایا تھا اور کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔"

"اور محبت کرنا؟"

وہ لمحہ بھر کو رکی تھی، پھر سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"ہاں، محبت کرنا بھی۔ صرف تم سے۔" مدھم لہجہ اعتراف سے پُر تھا اور وہ سرشار سا مسکرا دیا تھا۔

''ایک بات بتاؤ گے؟''

''پوچھو۔''

''تم نے کبھی سوچا ہے، اگر ہم نہ ملے تو دنیا کیسی ہوگی؟''

''نہیں...... میں یہ سوچنا نہیں چاہتا۔ اور تم بھی مت سوچو۔ ابھی تو یہ سب مسکراتے ہوئے کہہ رہی ہو۔ جب ہجر جھیلنا پڑے گا تو علم ہوگا، محبت آسان نہیں ہے۔''

وہ جتا رہا تھا اور وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''کیا پتہ، کہیں کوئی تم سے بھی زیادہ چاہنے والا میری راہ تک رہا ہو۔ کہیں کوئی ہو جسے صرف میرا انتظار ہو اور......''

اور اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی اذہان حسن بخاری نے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

''ایسی بات مذاق میں بھی نہیں، ہاں۔ اس دنیا میں بہت سے چہرے، بہت سے نام ہوں گے مگر اس دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک میں فقط ایک نام ہی پکاروں گا۔ میرے جہانوں میں یہاں سے وہاں تک صرف ایک نام کی بازگشت ہوگی اور وہ نام صرف اور صرف تمہارا ہوگا۔'' ان نازک شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ باور کرا رہا تھا۔

''راستوں کو علم ہے، ہمیں جس سمت جانا ہے۔ ہمارے قدموں سے لپٹے ہوئے تمام راستوں کو خبر ہے کہ انہیں منزلوں پر ختم ہونا ہے۔ سو تم بھی اس دل کو فکروں سے آزاد کرلو۔ یہ آنکھیں اتنی شفاف آئینہ سی ہیں کہ ان میں تیرتے خدشے کچھ اچھے نہیں لگتے۔'' وہ بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''اذہان!''

''ہاں؟''

''اذہان!'' کسی نے اسے جیسے بیدار کر دیا تھا۔ یادوں کا سرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔ کمرے میں ایک سکوت تھا اور ساہیہ خان اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''اذہان! کیا ہوا؟ ویئر آر یو؟'' اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اذہان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''تم اسموکنگ کر رہے تھے؟...... کمرے میں اس قدر دھواں بھرا ہوا تھا۔ اس سے قبل تو تم نے کبھی اسموکنگ نہیں کی۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور یہ تم مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس قدر حیران کیوں ہو؟'' اور اذہان حسن بخاری نے جیسے اس گھڑی زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''تم کب آئیں؟''

''کیا مطلب کب آئیں...... کیا تم سو رہے تھے؟'' وہ مسکرائی تھی۔ ''ویسے کیا سمجھ رہے تھے تم؟ تم نے کہہ دیا تم مجھے چاہو گے، نہیں تو کیا میں تمہیں چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤں گی؟ وہ اپنے مزاج کے مطابق ہر شے بہت لائٹ لے رہی تھی۔

''بائے دی وے، مسئلہ کیا ہے؟ آنٹی بتا رہی تھیں تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو ان دنوں۔ کہیں محبت وحبت تو نہیں ہو گئی تمہیں؟'' وہ شگفتگی سے مسکراتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔ انداز شرارت سے پُر تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ممی نے بلایا ہے تمہیں؟''

''ظاہر سی بات ہے۔ تمہیں تو یہ توفیق ہو نہیں سکتی تھی۔ دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اور کوئی بات تک شیئر نہیں کرتے۔ روٹھ گئی تو پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ کہا ہو گا اچھا ہوا جان چھوٹ گئی۔ کتنا تنگ کرتی تھی۔'' وہ بے تکان بول رہی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

ساہیہ خان نے پھولے ہوئے منہ کے ساتھ خفگی سے پُر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نازک سا ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

''بخار وخار تو نہیں ہے۔ دیکھنے میں بھی ٹھیک ٹھاک لگ رہے ہو۔ پھر پرابلم کہاں ہے؟ کہیں واقعی تمہارے دماغ میں خلل تو واقع نہیں ہو گیا؟'' اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''خلل...... خلل کیسا؟''

''وہی جو چچا غالب نے فرمایا تھا۔ کیا تمہیں علم نہیں؟'' یکدم وہ چونکی تھی۔ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''میں پریشان ہوں۔ مجھے اور پریشان نہ کرو۔'' عجب شاعرانہ انداز میں دہائی دی تھی۔ ساہیہ خان گھورنے لگی تھی۔

''تم مرد بہت گھنے ہوتے ہو۔ دل میں کچھ، زبان پر کچھ۔ معاملہ ایسا تھا تو دل میں دبانے کی کیا ضرورت تھی؟ فارحہ آنٹی سے کہہ کیوں نہیں دیا؟'' سیدھا سادہ حل بتایا تھا۔

''کیا نہیں کہہ دیا؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''ارے۔'' وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ ''اب کیا یہ بھی میں ہی بتاؤں؟ ایسے ہی تو چوزے ہو نا تم۔ اندر ہی اندر کھچڑی پکا رکھی ہے اور اب دیکھو کیسے معصوم بن رہے ہو۔ اچھا ہوا تم میرے پلّے نہیں بندھے۔ ساری زندگی روتے ہوئے گزر جاتی میری تو۔ بالکل ناریل جیسے ہو۔ دھوکے باز۔ باہر سے کچھ، اندر سے کچھ۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''تو تم نے دریافت کیا تھا۔'' ساہیہ خان چونکتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔ بات اپنی بابت کر رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی۔

''کیا مجھے کبھی کوئی اختیار تھا؟'' اُلٹا سوال کر دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''اختیار قائم کرنا چاہتی ہو؟'' شرارت آنکھوں میں لیے بہ غور دیکھا تھا۔

''اختیار اور تم پر؟ مجھے خبطی لوگوں کو بھگتنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کھسکے ہوئے لوگ اپنا سکون، اپنی زندگی تو غارت کرتے ہی ہیں دوسروں کا جینا بھی دوبھر کر دیتے ہیں۔ اور میں ابھی زندگی سے اتنی عاجز نہیں آئی ہوں۔ خدا کا شکر ہے، دماغ بھی بالکل درست ہے میرا۔

اُلٹا سیدھا کوئی اقدام کرنے کی نہیں ٹھان سکتی۔'' انداز اب بھی خفگی لیے ہوئے تھے۔

''یعنی تم میں پاگلوں والی کوئی بھی نشانیاں نہیں۔ پھر تو بہت مشکل ہو جائے گی۔'' وہ بہ غور مسکراتے ہوئے شرارت سے گویا ہوا تھا۔

''کس معاملے میں؟'' وہ چونکی تھی۔

''تمہارے ساتھ بسر کرنے میں۔'' وہ برملا بولا تھا۔ ساہیہ خان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔

''سنو اے شخص! مجھے نہ تو خطرات سے کھیل کر گینز بک میں اپنا نام لکھوانے کا کوئی شوق ہے نہ ہی میں مزاجاً کوئی ایڈونچرس واقع ہوئی ہوں۔ تم اگر ماؤنٹ ایورسٹ بھی ہوتے تب بھی میں تمہیں سر کرنے کے متعلق کبھی نہ سوچتی۔'' وہ باور کراتے ہوئے بولی تھی اور اس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''بائے دی وے، میں باہر ہوں۔ فارحہ آنٹی کے پاس۔ تم تھوڑی دیر میں فریش ہو کر باہر آ جاؤ۔'' وہ کہہ کر پلٹنے لگی تھی جب اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اس کے باوجود بھی کہ میں دماغی خلل رکھتا ہوں اور ناریل کی طرح دھوکے باز ہوں، اندر سے کچھ، باہر سے کچھ؟'' براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں......اس کے باوجود۔'' وہ مسکرا دی تھی۔ ''اب جیسے بھی ہو، دوست ہو میرے۔ اور میں اپنے دوست کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ چاہے تم مجھ سے کچھ کہو یا نہ کہو۔ کچھ شیئر کرو یا نہ کرو مگر میں جانتی ہوں دوست کو کن لمحوں میں ایک دوست کی شدید ضرورت ہو سکتی ہے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور اذہان حسن بخاری اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ڈور کچھ اُلجھی ضرور تھی مگر کسی کی توجہ نے اس ڈور کو پھر سے سلجھا دیا تھا۔ کسی قدر ہی سہی، زندگی پھر اس ڈگر پر واپس آ گئی تھی۔

''جو پل تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، مجھے وہ سارے لمحے زندگی جیسے لگتے ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''یو شُڈ ٹیک ریسٹ۔ ابھی ڈاکٹر سے میری بات ہوئی ہے۔ میڈیسن لینے کی اور بیڈ ریسٹ لینے کی سختی سے تاکید کی ہے۔'' انداز کسی قدر اپنائیت کا خاص آہنگ رکھتا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے میڈیسن اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' میرب سیال کسی قدر چونکی تھی۔

''تمہاری آنکھیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''آنکھیں؟'' میرب سیال حیران ہوئی تھی۔

''تم نے غالباً آج آنکھوں میں کچھ لگایا ہے۔'' بہ غور جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر

دھیان پھیر کر میڈیسن دراز میں رکھنے لگی تھی۔

''ہاں۔غالباً کاجل کہتے ہیں اسے۔''

''کاجل۔'' وہ حیران ہوا تھا۔''تم نے آج سے قبل غالباً اس کا استعمال نہیں کیا۔ہے نا؟''

''ہاں۔آپ ڈنر یہیں لے لیں گے اپنے روم میں یا پھر......وہ روانی سے کہہ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔میرب سیال کی زبان وہیں اسی نقطے پر تالو سے جا چپکی تھی۔نگاہ یکدم ہی جھکتی چلی گئی تھی۔انداز میں کچھ گریز در آیا تھا۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' بہ غور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

''جی۔'' میرب سیال کے دل کی دھڑکنیں یکدم ہی ارتعاش میں گھرنے لگی تھیں۔

''تمہیں یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟''

''کیا؟'' ایک جھکی جھکی سی نظر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر ڈالی۔

''یہی،میرے ساتھ رہنا،وقت گزارنا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے پر آئی بالوں کی ایک شریر سی لٹ کو مضبوط ہاتھ سے کسی قدر پیچھے سرکایا تھا۔میرب سیال کے دل میں یکدم ہی زیر و بم اُٹھا تھا۔

''ہاں۔'' میرب سیال کی آواز کسی قدر دبی دبی سی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لمحہ بھر کو رک کر اسے دیکھا تھا۔پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''یہ ضروری ہے کہ ملیں تو ساری رسمی سی باتیں کریں،رسمی موضوعات پر بات کریں؟ کیا ہم ایک دوسرے کی بات نہیں کر سکتے؟ ایک دوسرے کے دل کی بات نہیں کر سکتے؟ تمہیں کیا اچھا لگتا ہے؟ کیا اچھا نہیں لگتا،کون سی باتوں پر تمہیں خوشی ہوتی ہے،کوسی باتوں پر اُلجھن ہوتی ہے،غصہ آتا ہے۔تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

میرب سیال نے نگاہ اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ باتیں کہی نہیں جاتیں۔انہیں جاننے کی سعی بذاتِ خود کرنا ہوتی ہے۔'' اظہارِ مدعا کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''ہاں،شاید۔'' وہ جیسے ہم خیال ہوا تھا۔''تم نے نہیں بتایا تمہیں مجھ میں کیا اچھا لگتا ہے۔'' دریافت کیا تھا۔مگر دوسرے ہی لمحے سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں مجھ میں کوئی شے اچھی لگ سکتی ہے۔غالباً یہ اپنے متعلق سب سے بڑی غلط فہمی ہوگی۔تمہیں شاید ہی کوئی بات مجھ میں اچھی لگی ہو۔یا......شاید......کوئی بھی نہیں۔'' بے تاثر انداز میں شانے اچکائے تھے۔

میرب سیال پُر خیال انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"کچھ اچھا نہیں لگا نا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ چہرے پر کسی در معصومیت تھی۔ میرب سیال اس لمحے خود کو مسکرانے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی مسکرا دیا تھا۔

"میں تمہارے چہرے پر اسی مسکراہٹ کو تلاش کر رہا تھا۔ ویسے مجھے لگتا ہے کہ تم جو خاموش رہتی ہو تو اس خاموشی کے بھی کئی بھید ہیں۔ غالباً تم بہت مدبر ہو۔ ہر بات کو خاموشی سے سنتی ہو، سوچتی ہو، نتیجہ اخذ کرتی ہو۔ مگر اسے صیغہ راز میں رکھنا زیادہ اہم خیال کرتی ہو۔ سوچنے سمجھنے کا یہ انداز بھی اچھا ہے۔ مگر اس میں نقصان کا احتمال بھی ہے۔ تمہارے لیے تو نہیں، مگر ہم جیسے غیر مدبر لوگوں کے لیے۔ جو بات کو سوچے سمجھے بغیر پٹاخ سے منہ پر کہہ دیتے ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بہت اپنائیت لیے ہوئے تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسا ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری حیدر نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔

"میرب! کیا تم جانتی ہو، میں تمہارے لیے کیا سوچتا ہوں؟"

"میرا خیال ہے آپ کو اب آرام کرنا چاہیے۔" میرب سیال نے بات کو اپنی مرضی کا اختتام دیتے ہوئے اُٹھ جانا مناسب خیال کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ان لمحوں کو جیسے ایک نیا رنگ دینا چاہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ وہ جو اُٹھنے والی تھی، چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"یہ گریز، یہ اندازِ بیگانگی، یہ خاموشی، میرب سیال! اسے میں کیا سمجھوں؟ کیا نام دوں اسے؟ تمہارے لبوں پر جو چپ کی کہانیاں ہیں انہیں میں کیا نام دوں؟ یہ تمہاری نگاہ کی اُلجھنیں، یہ پلکوں پر لدی اجنبیت، کیا سمجھوں میں؟ یہ سب دانستہ ہے، کسی مصلحت کے پیش نظر ہے یا...... میرب سیال! تمہیں نہیں لگتا تم نے اپنے اِرد گرد خواہ مخواہ کی بہت سی دیواریں اُٹھا رکھی ہیں۔ خود کو بے مقصد کے اُلجھاوؤں میں اُلجھا رکھا ہے۔ میں جب بھی تمہارے چہرے کو تکتا ہوں، مجھے تم ہزار ہا فکر میں گھری نظر آتی ہو۔ تمہاری یہ نگاہ مجھے کوئی شکوہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ تمہارے یہ لب، ان پر میں نے کسی خاموشی میں لپٹے کئی سوال دیکھے ہیں۔ ان نگاہوں میں کئی مچلتے سوال سنے ہیں۔ کئی شکایتیں سنی ہیں۔ مجھے بارہا لگتا ہے میرب سیال! جیسے تم اپنے آپ کو ان خاموشیوں میں دفن کر رہی ہو۔ اور ایسا دانستہ ہے۔ کیا میرب سیال! کیا...... کیا بات ستاتی ہے تمہیں؟ کس بات کی اُلجھن تمہیں اس گریز پر مائل رکھتی ہے؟ کیا بات ہے کہ تمہیں مسکرانا بھول جاتا ہے؟ ہنسنا یاد نہیں رہتا۔ کیا تم اس درجہ میرے خوف کے زیر ہو؟ اس قدر ڈرتی ہو تم مجھ سے؟ یا پھر میں یا میرا تعلق تمہارے لیے اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ تم......"

"نہیں...... نہیں...... ایسی بات نہیں ہے۔" وہ یکدم باور کرانے کو بولی تھی۔ لمحہ بھر کو خاموشیاں ان کے درمیان پھیلنے لگی تھیں۔

میرب سیال خاموش ہو کر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے...... میں صرف زندگی کو برتنے کے انداز دیکھ رہی ہوں۔ آپ...... آپ کے رویے، آپ سے منسوب سبھی

باتیں، میرے لیے یہ سب ایک نیا تجربہ ہے۔اور کسی بھی لڑکی کے لیے ان معاملات کو لے کر ایڈجسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' وہ حقیقت حال کہتی ہوئی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے صبیح چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔

''یعنی تمہاری ساری اُلجھنیں میرے ہی باعث ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔''تم مجھ پر اعتبار کرنے سے اب بھی ڈر رہی ہو۔ مجھے آزمانے سے خوف زدہ ہو اور......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرا دیا تھا۔

''کیا لگتا ہے تمہیں میرب سیال! کوئی دھوکا دوں گا تمہیں؟''اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے دریافت کیا تھا اور میرب سیال کے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔نگاہوں میں کچھ حیرت در آئی تھی۔گویا وہ اس کے مزاج کے موسموں کو سمجھنے لگا تھا۔

''حیران کیوں ہو یہ جان کر کہ میں تمہارے مزاج کے تمام موسموں تک رسائی رکھتا ہوں...... تمہیں جانتا ہوں یا جاننے لگا ہوں۔''

وہ بہت سی اپنائیت اپنے لہجے میں سمیٹے کہہ رہا تھا۔میرب سیال نے حیرت کا مزید اظہار کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے نگاہ پھیر لی تھی۔

''تمہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری کیسا لگتا ہے میرب سیال؟'' سوال بہت واضح اور اچانک تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے تمام اُلجھنوں کی وضاحتیں آج ہی ڈھونڈ لینے کے درپے تھا۔

''کیا لگتا ہے، سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا ہے؟ کیا سوچتی ہو تم، بہت دھوکے باز ہے، کوئی بہت بڑا فراڈ ہے، کیا جھوٹا ہے، مکار ہے، مظالم ہے، کننگ ہے؟''

''نہیں......ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''ہاں یا نہیں...... میں تمہارا واضح جواب سننا چاہتا ہوں۔کیا سوچتی ہو تم سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق؟...... جتنا عرصہ ہم ساتھ رہے ہیں، جتنا وقت ساتھ گزارا ہے اس سے کچھ تو اخذ کیا ہوگا تم نے۔کسی کو جاننے کے لیے، اپنا کچھ ماننے کے لیے اتنا ٹائم کافی ہے۔پھر تم...... تم کیسے ایسے اجنبی رہ سکتی ہو؟ مجھے لگتا ہے میرب سیال! میں کوئی ظالم جادوگر ہوں جس نے تمہیں زبردستی اپنی قید میں بند کر رکھا ہے۔تمہارے سپنوں کو باندھ رکھا ہے۔تمہاری آنکھوں کو نئے خواب پرونے سے باز رکھا ہے۔پابند کر رکھا ہے تمہیں اپنا۔جیسے یہ ربط، یہ تعلق، یہ رشتہ سب زبردستی کا ہو...... جیسے یہ تعلق نہ ہو، کوئی سمجھوتہ ہو۔سمجھوتہ بھی وہ جو دل پر کسی بوجھ کی طرح لدا ہو۔میں اکثر سوچتا ہوں رویوں میں ایک برف جمی ہے تو اس کا کوئی سبب تو ہوگا۔میری ہزار ہا کوششوں کے باوجود اگر تم میری طرف نہیں دیکھتی ہو یا گریزاں ہو تو اس کے پس پردہ کوئی بات تو ہوگی۔کیا میں جان سکتا ہوں کہ اس سب کا اصل سبب کیا ہے؟...... میں اچھا ہم سفر بننے کی کوشش کے باوجود اچھا ہم سفر بن نہیں پار ہا یا پھر کہیں کوئی کوتاہی مجھ سے سرزد ہو رہی ہے؟ میں مانتا ہوں میں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں...... بہت سی غلطیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔بہت سی غلطیوں کو میں نے بار بار دہرایا ہے۔مگر کیا...... کیا کسی بات کا کوئی سدباب ممکن نہیں؟ باور کرایا تھا میں نے کہ میری طرف سے کوئی جذباتی وابستگی فی الحال نہیں ہے۔مگر آگے جا کر بھی نہیں ہوگی۔کیا ایسا کہا تھا میں نے؟...... میں اس تعلق کو نباہنے کی، قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ایسا نہیں کہا تھا میں نے؟ پھر کیا میرب سیال! کیا میں نے کوشش نہیں کی تمہیں خوش رکھنے کی، تمہیں

پیار دینے کی، تمہیں جاننے کی، تمہیں سمجھنے کی، تمہیں اپنانے کی، اپنا بنانے کی؟...... بولو کیا سب کچھ نہیں کیا میں نے؟ کیا نہیں قدم بڑھایا ہمیشہ تمہاری طرف؟ کیا نہیں بخشی پذیرائی یا نہیں دیئے پُر لطف لمحے یا قربت......؟''

وہ بول رہا تھا۔ جب میرب سیال نے اس کی بات کو کاٹنا چاہا تھا۔

''ایسا یقیناً ہوا ہے مگر......''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

''چپ رہو تم میرب سیال! فی الحال میری سنو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں، کیا کہنا چاہتا ہوں۔ سنو یہ اور محسوس کرو۔ مجھے لگتا ہے تم جان بوجھ کر میری ہر کوشش کو ناکام بنانا چاہتی ہو۔ تم یہ کمپرومائز کرنا ہی نہیں چاہتیں۔''

کتنے الزام دم توڑ رہے تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر اور میرب سیال حیرت سے گنگ اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' میرب سیال کی آواز جیسے کسی پاتال سے آئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''بات اتنی مشکل تو نہیں کہ تمہاری سمجھ میں نہ آسکے؟''

''سمجھنے کی ہی تو کوشش کر رہی ہوں...... آپ اتنے سارے الزام یک طرفہ طور پر رائے اخذ کر کے میرے سر کیسے دھر سکتے ہیں؟ ...... آپ نے کیونکر سوچ لیا کہ میں اس تعلق کو قائم رکھنا نہیں چاہتی یا آگے بڑھانا نہیں چاہتی؟'' بہت سی سوالوں کی وضاحتیں مانگتے ہوئے وہ پُر اعتماد نظر آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

''تم حسین ہی نہیں، پُر اعتماد بھی ہو میرب! اب خود ہی بتاؤ، بندہ قائل ہو کہ نہیں؟''

''آپ بات کو مذاق میں ٹال رہے ہیں؟''

''تمہیں ایسا لگ رہا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

''کتنا آسان ہے نا الزام عائد کر دینا۔ کسی کی سنے بغیر، جانے بغیر، سمجھے بغیر، بڑے مزے سے ایک حتمی رائے دے دینا۔ کیا لگتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا بزدلی نہیں یہ؟'' لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لیے وہ پُر اعتماد نظر آ رہی تھی۔

''میرب!'' وہ چیخ پڑا تھا۔ عجب ایک جنونی انداز میں اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا اور انتہائی غصے سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے باور کرایا تھا۔

''آئندہ یہ بات پھر مت کہنا۔''

میرب سیال نے اس کے ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے شانوں پر سے ہٹا دیئے تھے۔ اور بہت رسانیت سے بولی تھی۔

''بے بنیاد اور بے سبب الزام پر غصہ اسی طرح آتا ہے نا؟ آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ ہر بات کا اختیار صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔ لبرل ہیں نا۔ کچھ براڈ مائنڈڈ بھی ہو جایئے۔ اگر آپ شوہر ہو کر الزام عائد کر سکتے ہیں تو میں بیوی ہو کر ان سوالوں کی بلکہ ان الزاموں کی وضاحت بھی مانگ سکتی ہوں۔ غصہ صرف مرد کو ہی نہیں آ سکتا۔ ایک عورت کو بھی آ سکتا ہے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت جارحانہ انداز میں اسے دبوچا تھا۔

آنکھوں میں حد درجہ اشتعال دکھائی دے رہا تھا۔ وہ واقعی اس لمحے شدید ترین غصے میں تھا۔ میرب سیال بہت اطمینان کے ساتھ اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ماسوائے اسے دیکھنے کے کچھ نہ کر سکا تھا۔ دانت بھینچ کر غصے کی انتہائی کیفیت کو ایک لمحے میں دباتے ہوئے اس کے بازو کو ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ آج کل کہاں ہوتے ہو تم؟......کیا وہ بات واقعی سچ ہے؟'' آئس کریم لیتے ہوئے ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''کون سی بات؟'' وہ چونکا تھا

''وہی دماغ کے خلل والی۔ کہیں واقعی تم......'' ساہیہ خان نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہو بھی نہیں سکتی؟'' ساہیہ متواتر شرارت کے موڈ میں تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''دھوکہ دینا زیادہ آسان ہوتا ہے ساہیہ خان! یا دھوکا کھانا؟''

''پتہ نہیں......کبھی اتفاق نہیں ہوا۔'' شانے اچکا دیئے تھے۔ ''مگر میں جو دیکھ رہی ہوں وہ کسی قدر نہیں، کافی زیادہ باعث حیرت ہے۔''

''کیا؟'' اذہان حسن بخاری چونکا تھا۔

''تم میرے پاس ہوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

چوری چوری، چپکے چپکے کسے سوچتے رہتے ہو اذہان حسن بخاری؟''

''ساہیہ! ہوا میں تیر مل چلاؤ۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

ساہیہ خان ہنس پڑی تھی۔

''ہوا میں تیر نہ چلاؤں تو اور کیا کروں؟ تم نے مجھے بتایا بھی تو کچھ نہیں؟''

''مگر اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ یو میک گیسز اے فول۔'' اذہان حسن بخاری نے دہائی دی تھی۔

''اور تم جو سب کو فول بنا رہے ہو، اس کا کیا؟''

"میں کسی کو بے وقوف نہیں بنا رہا۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ مگر ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"دل چاہ رہا ہے اذہان حسن بخاری! ایک پوری تحقیقاتی کمیٹی بنا کر تمہارے پیچھے لگا دوں۔ کتنے مسٹیریئس ہو رہے ہو ان دنوں تم۔ احساس ہے تمہیں؟"

اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تمہیں اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے، اگر کچھ ہے بھی تو۔"

"کیا نہیں ہونی چاہیے؟ دوست ہو تم میرے۔ تمہاری فکر میں نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا؟"

"اور کون کرے گا؟" اسی کے انداز میں وہ کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"وہی کرے گی نا، جسے کرنا چاہیے۔ جسے تم اپنے خیالوں میں دیکھ رہی ہو۔" انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی تھی۔

"تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟" حیران ہوا تھا۔

"کیوں......تم محبت نہیں کر سکتے؟" ساہیہ نے آنکھوں میں براہِ راست دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری کچھ سوچتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، محبت یونہی چلتے پھرتے ہو سکتی ہے؟" وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

"میرا نہیں خیال محبت کرنے کے لیے کسی لمبی چوڑی پلاننگ کی یا فرصت ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟......تم نے تو کبھی محبت کی بھی نہیں۔" اس نے بات کو مذاق میں اُڑانا چاہا تھا۔ ساہیہ خان ہنستی چلی گئی تھی۔

"سچ بتاؤ اذہان! مجھے جو رد کر رہے ہو تو اس کے پیچھے واقعی کوئی ایسا ہی ریزن تو نہیں؟"

"اگر ہو بھی تو کیا ہو سکتا ہے؟" "تمہیں عادت ڈالنا ہو گی۔"

"برداشت کرنے کی؟"

"آف کورس۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہو گا نا تمہارے پاس۔" اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔ "تم سیریس مت ہو جانا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لینے کی عادت ہے تمہاری۔"

"عادت نہیں، تم نے عادی بنا دیا ہے۔ تم ہمیشہ چونکا دینے والی باتیں کرتے ہو۔ بندے کا دل بند ہوتے ہوتے رہ جائے۔ لکھ کے رکھ لو، وہ جو کوئی بھی ہے، بہت بری گزرنے والی ہے اس بے چاری کی۔"

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہارا بزنس پلان کہاں تک پہنچا؟ بہت دنوں سے کچھ ڈسکس نہیں کیا تم نے۔"

"بہت دنوں سے تم نے وقت ہی کب دیا ہے؟"

"ہاں، سوری۔ شاید میں ہی بہت بزی رہا۔ مجھے بھی دھیان ہی نہیں رہا۔"

''کس کا؟...... میرا یا میرے بزنس پلان کا؟'' ایک لطیف سا طنز ہوا تھا۔ اذہان حسن بخاری چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''دونوں کا۔ اس اعتراف پر تم کوئی جرمانہ لگانا چاہو تو لگا سکتی ہو۔''

''تم اتنی بہادری سے سچ بولتے ہو کہ سننے والا حیران رہ جائے۔ مگر جب حیرت سے باہر نکلے تو تمہیں داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ تم واقعی ناریل جیسے دھوکے باز ہو۔ اندر سے کچھ باہر سے کچھ۔''

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

تمہاری آنکھوں سے میری آنکھوں تک

سلسلے بنتے ہیں جو

وہ بننے دو

رابطے بنتے ہیں جو بننے دو

دلوں کے درمیان دیواریں اُٹھنے سے

بہت سے خواب روٹھ جاتے ہیں

ہاتھ سے ہاتھ چھوٹ جانے سے

سنا ہے دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں

خواب روٹھ جاتے ہیں

خواب کی مسافت کو

دل سے دل تک لانے کو

مجھ کو ایک لمحہ دو

''تمہیں نہیں لگتا، معاملہ بہت زیادہ اُلجھا دیا ہے تم نے؟'' اوزی نے کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''کیا کروں اب جو اُلجھ گیا ہے سب۔ دلوں کے معاملات میں ایسا تو ہوتا ہی ہے میرے بھائی!''

''یہ ٹھیک نہیں ہوا عفنان! بہت قلیل لمحوں میں تم سب کچھ اپنے بس میں کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔''

عفنان علی خان ڈرائیو کرتا ہوا رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

''تو کیا یہ غلط ہے؟...... ہاں، دیکھ رہا ہوں میں خواب۔ مگر سب کے سب انابیہ شاہ کے حوالے سے۔ بہت قلیل لمحوں میں ملی تھی وہ مجھ سے۔ بہت قلیل لمحوں میں، میں نے اُسے جانا اور انہی قلیل لمحوں میں اپنی ساری زندگی اس کے نام کر دی۔'' عفنان علی خان کا لہجہ عزم

سے پُر تھا۔

اوزی مسکرا دیا تھا۔

''عفنان! مجھے یقین نہیں ہو رہا، تم جیسا بندہ ایسا بھی سوچ سکتا ہے، ایسے اقدامات بھی کر سکتا ہے۔ تم وہی ہو نا جس نے بزنس کے علاوہ کبھی کچھ سوچا ہی نہیں تھا آج تک۔ جسے اسٹاک ایکسچینج کے اکانومی گراف کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ معلوم ہی نہ تھا کچھ۔''

''ہاں، نہیں معلوم تھا کچھ۔'' عفنان علی خان نے ایک لمحے میں اوزی کی بات رد کی تھی۔ ''ہاں، نہیں علم تھا...... کچھ بھی نہیں جانتا تھا میں کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ مگر اُس کی ایک نگاہ بے خبر نے سب بتا دیا۔ سمجھا دیا سب کچھ۔ وہ بھی جو میں سمجھتا تھا اور وہ بھی جو میں نہیں سمجھتا تھا۔ تمہیں کیوں لگ رہا ہے اوزی! میں نے کچھ غلط کیا، کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ میں نے انابیہ شاہ سے محبت کر کے کچھ غلط کیا ہے؟'' عفنان علی خان نے دریافت کیا تھا۔

''تمہارے تمام سوالوں کے جواب تمہارے انہی سوالوں میں چھپے ہیں عفنان! ...... تم اپنے لہجے پر غور کرو تو جان پاؤ گے کہ تمہارے لہجے میں کسی خدشے کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ کچھ واسطہ نہیں ہے کہ کچھ نفع ہاتھ آئے گا یا صرف خسارہ۔ مگر عفنان! میں یہ سوچ رہا ہوں اگر تم واقعی ہار گئے تو کیا ہوگا، کبھی سوچا ہے تم نے؟''

عفنان علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

''انجام کی فکر کرتا تو شاید آج یہ سب نہیں کر پاتا۔ میں جانتا ہوں، اس وقت خالی ہاتھ ہوں میں۔ کچھ پاس نہیں ہے میرے۔ مگر مجھے یقین ہے ایک دن یہ ہاتھ خالی نہیں رہے گا۔ ایک دوسرا ہاتھ اس ہاتھ میں آئے گا اور تمام تر سپردگی سونپتے ہوئے اس ہاتھ کو ہمیشہ کے لیے تھام لے گا۔''

اوزی کچھ نہیں بولا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! کیا ہوگا؟'' عفنان علی خان نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کسی قدر محظوظ ہونے والے انداز میں مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''پتہ نہیں۔ کوئی پری ڈکشن میں کر نہیں سکوں گا۔''

''مجھے ناامید نہیں کر سکو گے، اس لیے؟'' عفنان مسکرایا تھا۔

''نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں کیا، شاید کوئی بھی اس کے متعلق پری ڈکٹ نہ کر سکے۔''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''محبت کے لیے کبھی بھی کوئی پری ڈکشن نہیں کی جا سکتی اوزی! تم کیا، کوئی بھی پری ڈکٹ نہیں کر سکتا کہ محبت کا اگلا موڑ کیا ہوگا۔ محبت بہت حیران کن ہے۔ مگر اسی قدر نتائج سے بے پرواہ۔ کبھی تجربہ ہو تو آپ جان جاؤ گے۔''

اوزی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''افسوس عفنان! میں تمام تر قائل ہونے کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ ہی کسی طرح کی کوئی مڈی ایشن۔''

''کیا میں تم سے کوئی مدد مانگ رہا ہوں؟''عفنان علی خان حیران ہوا تھا۔تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں کچھ توقع کر رہا ہوں تم سے۔ میں جو کرنا چاہوں گا خود کروں گا۔''عفنان علی خان کے ارادے اس کے لہجے میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔اوزی مسکرا دیا تھا۔

''تم مصلحت پسندی کی کوئی راہ نہیں دیکھ سکے۔''

''تم چاہتے ہو تمہارا دوست کاورڈ کہلائے؟''عفنان نے مذاق میں ٹالا تھا۔

''نہیں۔مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم کہیں سے جا کر خالی ہاتھ واپس آؤ۔''

''کیا اتنا ہی مشکل ہے یہ محاذ؟''

''شاید۔''

''اوزی!تم مجھے یہ مشورے دے رہے ہو اور تمہیں معلوم ہے لڑکیوں کو چوہے اچھے نہیں لگتے۔''

''آئی ایگری۔شیر اچھے لگتے ہیں انہیں۔مگر تم شاید بھول رہے ہو۔شادی کے بعد سارے شیر خود بہ خود چوہے ہو جاتے ہیں۔'' اوزی نے کہا تھا۔عفنان علی خان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

''مگر وہ ایک الگ معاملہ ہے اور ایک الگ بحث۔فی الحال مجھے شیر رہنے دو۔بعد کی کہانی بعد میں دیکھیں گے۔''

''ایک بات پوچھوں؟''اوزی نے دریافت کیا تھا۔

''پوچھو۔''عفنان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''تمہیں انابیہ میں کیا اچھا لگا تھا؟''

''کیا یہ ضروری ہے کہ کوئی بات اچھے لگے تبھی محبت ہو؟''عفنان علی خان نے جواباً سوال کر دیا تھا۔اوزی کچھ نہیں بولا تھا۔

''اوزی!محبت خوبیوں، خامیوں یا گڈ اینڈ بیڈ کو نہیں دیکھتی۔ نہ چہروں اور ناموں سے ہوتی ہے۔شاید میں چاہوں بھی تو تمہیں سمجھا نہ پاؤں۔محبت بس ہو جاتی ہے۔کیسے اور کیونکر ہوتی ہے یہ میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔بس کوئی لمحہ ہوتا ہے جو سب کچھ لے کر بہت کچھ دے جاتا ہے۔اور وہی لمحہ محبت ہے۔تم کہہ رہے تھے، میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میں خالی ہاتھ ہوں۔ جب کہ میں ایسا سمجھتا ہی نہیں۔ میرے لیے اس کی باتیں، اس کی سوچیں، اس کی یادیں، بہت کچھ ہیں۔اس کا احساس مجھے کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتا۔وہ بے خبر رہے، انجان رہے مگر میں اپنے دل کو اس کے لیے دھڑکنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔وہ بے دھیانی سے دیکھے بھی تو کئی جگنو میری مٹھیوں میں دے جاتی ہے۔اس کے قدم میرے ساتھ نہ اُٹھیں، وہ میرے ساتھ چل رہی ہوتی ہے۔وہ بات کرے نہ کرے مگر وہ میری گفتگو میں ہوتی ہے۔اپنی تمام تر بے توجہی کے باوجود وہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہر لمحہ پاس پاس رہتی ہے۔تم خود کہو میرے دوست!اگر یہ خسارہ ہے تو پھر نفع کسے

کہیں گے......؟'' عفنان علی خان کے لبوں پر سوال تھا اور اوزی اس گھڑی جیسے لاجواب تھا۔

☆......☆......☆

وہ خود حیران تھی۔ جانے کیسے اتنی ڈھیر ساری ہمت آ گئی تھی اس میں۔ کیسے وہ اس کے مدمقابل کھڑی ہو کر، اتنا کچھ کہہ سکی تھی۔ شاید بات یہ بھی تھی کہ ہدف اس کی ذات کو بنایا گیا تھا۔ براہِ راست کردار کشی کی گئی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔ کچھ بھی تھا لیکن وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کا حق نہیں دے سکتی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی اس نے اچھا کیا یا کہ برا۔ مگر وہ شرمندہ نہیں تھی۔ نہ ہی خوفزدہ۔ اُسے کسی بات کی فکر بھی نہیں تھی، نہ پرواہ تھی اس شخص کا ردعمل کیا ہوگا یا وہ جواباً اس سے کیسا برتاؤ کرے گا۔ اس کے ساتھ رہتے رہتے ایک بات کی خبر ہوگئی تھی اسے۔ وہ جتنی لچک کا مظاہرہ کرے گی، وہ اسے اتنا ہی توڑنے موڑنے کی کوشش کرے گا۔ مصلحت پسند کے تقاضے اور سہی مگر وہ اپنے ہاتھوں خود کو اس مقام سے نیچے نہیں لاسکتی تھی۔ اصولوں سے آگے کی دنیا یقیناً ناقابل قبول تھی۔

اگلا پورا دن وہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا...... کہاں گیا تھا، یہ بھی بتا کر نہیں گیا تھا۔ وہ پریشان نہیں تھی۔ نہ ہی اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا تھا۔ تبھی معمول کے مطابق ڈنر کے لیے نیچے آ گئی تھی۔

سوچوں سے اُلجھے ذہن کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی وہ اپنے آپ میں مگن اپنا میل لینے کے لیے تیار تھی، جب اچانک ہی اُس کی نظر اُٹھی تھی اور وہ تحیر سے بھر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ ہی فاصلے کی ٹیبل پر تھا۔ موڈ خوشگوار تھا۔ چہرے پر ہو جانے والی کسی بات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا جیسے وہ، وہ نہ تھا یا پھر میرب سیال کو ہی ایسا لگا تھا۔ کوئی ساتھ اس کے۔ کوئی حسین پیکر، کوئی دلربا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مگن تھا۔ مسرور نظر آ رہا تھا۔

''تو کیا...... یہ کوئی ردِعمل تھا؟

کیا وہ اپنے پہلے والے رنگ میں تھا؟

ایک لمحے میں بدل دیا گیا تھا پھر سب؟

سارے لمحے خواب ہوئے تھے۔

اور ساری باتیں خیال سی۔

کیا واقعی دھواں ہو گیا تھا سب کچھ؟

میرب سیال حیرتوں سے بھری نگاہ لیے اس جانب دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ مگر جیسے کوئی اتفاقیہ نظر کسی اجنبی پر پڑ جاتی ہے۔

تو......تو...... کیا وہ پھر اجنبی ہوگئی تھی؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری پھر سے بیگانہ ہو چکا تھا اُس سے؟

اُس کی آنکھوں میں جیسے مرچیں سے چبھنے لگی تھیں۔ ایک لمحے میں سارا اندر دھواں دھواں لگا تھا۔ جانے کیوں نگاہ کے سامنے کے منظر دھندلانے لگے تھے۔ وہ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

وہ حوصلہ ہارنا نہیں چاہتی تی مگر سارے بند جیسے ریت کی دیوار ثابت ہو رہے تھے۔ طغیانیاں اس قدر تھیں، شوریدہ سری اتنی تھی کہ ہر باڑھ ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

غبار ابھی پوری طرح دُھلا بھی نہیں تھا، دُھند ابھی چھٹی بھی نہیں کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور دوسرے ہی پل کوئی اندر تھا۔ وہ چونک پڑی تھی۔ جان گئی تھی، کوئی آ گیا ہے۔ قدموں کی چاپ اُس کے کان سن چکے تھے۔ گویا اس کا یہ انداز بھی اب فاش ہونے کو تھا۔

کوئی اگر محظوظ ہونا چاہتا تو یہ لمحہ بہت خاص تھا۔

بھاری قدموں کی چاپ اس کے قریب آ کر تھمی تھی۔ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جھکا سر اُٹھ نہ سکا تھا۔ بھیگی نگاہوں نے کسی قدر چوری سے آنے والے کی خبر گیری کرنا چاہی تھی۔ مگر یہ عقدہ کھل چکا تھا کسی پر۔ آنے والے نے مدمقابل کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے اس چہرے کو دیکھا تھا اور شاید اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تھی کہ مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو کسی قدر اوپر اُٹھا دیا تھا اور بہ غور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''بس اتنا ہی تھا حوصلہ؟'' کوئی واقعی محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے نظریں اُٹھا کر اس لمحے چوری سے نہیں، دیدہ دلیری سے دیکھنا چاہا تھا۔ مگر کوئی مسکرا دیا تھا۔ نگاہ کی چمک اور بھی سوا ہو گئی تھی۔

''ضبط آزمانے کا اتنا شوق کیوں تھا میرب سیال! جب حوصلہ تھا ہی نہیں......؟'' کوئی اس پر افسوس کر رہا تھا۔

اور میرب سیال خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا کر سکتی تھی وہ؟ کیا تھا اس کے اختیار میں؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ان بھیگی آنکھوں پر اٹکے موتیوں کو بڑے آرام سے اپنی انگلیوں کی پوروں پر لیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے لبوں کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

''سچ کہو، حاسد ہو رہی ہو نا تم؟ جلن ہو رہی ہے نا بہت؟'' سوال کیا گیا تھا۔ مگر میرب سیال کے پاس اس لمحے کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے چھوا تھا۔

''عشق، محبت، پیار، اُلفت سب فضول کی چیزیں ہیں۔ ایک دم بے کار۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری تو ایسا ہی ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ دل لگاؤ اور بے خبر ہو جاؤ، ہاں۔'' وہ جیسے اس لمحے سے بھرپور حظ اُٹھا رہا تھا۔ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک صاف کہہ رہی تھی۔

میرب سیال جیسے منوں مٹی تلے جا پڑی تھی۔

کیسا وار تھا

”بھول گئی تھیں تم، سردار سبکتگین حیدر لغاری نئے موسموں کا عادی ہے...... ٹھہرے ہوئے، پرانے منظر اسے زیادہ دیر نہیں بھاتے۔ کسی ایک جگہ پڑاؤ کرنا اس کی سرشت میں نہیں۔ ناممکن...... بالکل ناممکن ہے اس کے لیے دنوں تک ایک ہی راہ پر چلتے رہنا۔ تمہیں کیا لگتا تھا، بدل جائے گا وہ؟ بدل دو گی تم اُسے اپنی دقیانوسی، رسمی سوچ سے؟ کیا لگتا تھا، رنگ لو گی اپنے رنگ میں اور دوبارہ وہ رنگ اُتر ہی نہ سکے گا؟ اوہ، میرب! کتنی بھولی بھالی، معصوم یا پھر ڈفر بے وقوف ہو تم۔“ اظہار مدعا کرتے ہوئے وہ بہ غور اسے دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال کی وہ کیفیت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

کتنا کندوار تھا یہ۔ کیسے میٹھی چھری سے کاٹی گئی تھی وہ۔

کیا وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا؟

اس کا وہ روپ، وہ نرمی، وہ دوستانہ مزاج، وہ اپنا پن، کیا واقعی...... کیا واقعی سب دھوکا تھا؟...... واقعی سب خواب تھا؟

”معاملہ یہ ہے میرب سیال! سردار سبکتگین حیدر لغاری کوئی آسان محاذ نہیں ہے...... اسے سر کرنے کی قیاس آرائیاں عبث ہوں گی اور جیتنے کے سارے ارادے ریت کے ڈھیر۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے جیسے افسوس کر رہا تھا۔

”حیف، حیف میرب سیال! خردمندی کا بڑا دعویٰ تھا تمہیں۔ تو پھر اس لمحے یہ نگاہ اتنی حیرتوں میں ڈوبی ہوئی کیوں ہے؟...... کیا اب بھی یقین نہیں آیا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری وہ ہے جسے تم دیکھ رہی ہو یا پھر وہ جسے تم دیکھ رہی تھیں؟...... حیران کیوں ہو؟ اتفاقاً وہ لمحہ نہیں تھا جب تم میرے قریب آئی تھیں۔ اتفاقیہ یہ لمحہ ہے میرب! جس نے تم پر بہت کچھ کھول دیا ہے۔ کُند عقل کی لڑکی کہوں تمہیں یا پھر کیا میرب سیال؟ کبھی سوچا ہے تم نے، کبھی کوشش کی ہے غور کرنے کی کہ کتنی گھٹن ہے تمہاری سوچوں میں اور کتنا حبس ہے تمہارے اندر۔ ایسے میں اگر سمندر کو بھی دیکھو گی تو وہ بھی جوہڑ ہی لگے گا۔ کوششیں تو کی تھیں میں نے اپنے زاویہ نظر سے تمہیں دنیا دکھانے کی، تمہاری سوچوں کو بدلنے کی۔ ایک چھوٹی سی کوشش تمہاری بوسیدہ، گھٹی گھٹی سوچ کو بدلنے کو۔ مگر نہیں۔ رہیں تم وہی کی وہی، چھوٹے سے دماغ والی، چھوٹی سی لڑکی۔ نہ میرے دکھائے منظروں کا کوئی اثر ہوا نہ دکھائی گئی دنیا کو دیکھ کر کوئی نظریہ بدلا۔ اور شاید ایسا ہونا بھی ناممکن ہی ہے۔ شاید میں ہی غلط سمجھا تھا کہ تم یا تمہاری سوچ بدل سکتی ہے۔ دنیا دکھا کر میں تمہارے دماغ کو کھول سکتا ہوں یا منظر تمہاری سوچ پر کوئی اثر ڈال سکتے ہیں۔ کنوئیں کے مینڈک کبھی بارش ہو بھی جائے تو بھی کنوئیں سے باہر نہیں آ سکتے۔ باہر کی دنیا، انہیں بہت نئی اور ناقابل قبول سی لگتی ہے۔ اور نتیجتاً وہ دوبارہ کنوئیں کے اندر کی دنیا میں مٹر گشت کر رہے ہوتے ہیں۔“ پُرسکون انداز میں کہتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

مگر میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ سر اُٹھائے وہ اُسے صرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہ غور دیکھا تھا۔

”میرب سیال! کیا لگتا ہے تمہیں، سردار سبکتگین حیدر لغاری تمہارا بیمار ہو سکتا ہے؟ اس سیاہ زلف گرہ گیر کا اسیر ہو سکتا ہے؟ کیا لگتا

ہے، یہ چمکتی نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دل کے آر پار ہو سکتی ہے؟ بیڑیاں ڈال سکتی ہے میرے قدموں میں؟ یہ زلف، یہ منظر، یہ گداز لب کیا بھلا سکتے ہیں ساری دنیا کو؟ کیا لگا تھا تمہیں میرب سیال؟ قریب آؤ گی تو جادو کر دو گی؟ بس میں کر لو گی سب اپنے؟ دن کو رات کہو گی تو کوئی رات کہے گا۔ پاگل۔'' لب مسکرائے تھے۔

''پاگل ہونا تم۔ سورج کو چھونے چلی تھیں۔ سوچا تھا چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے اپنے دوپٹے کے پلّو سے باندھ کر رکھ لو گی۔ کیا لگا تھا میرب! کر لیا سب کچھ تم نے؟ باندھ لیا سورج کو اپنے دوپٹے کے پلّو سے؟ سر کر لیا تم نے سب کچھ؟ پاگل ہونا۔ جو بھی جانا، غلط جانا۔ جو بھی سمجھا فضول۔ کب بدلو گی تم خود کو؟ کھلی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا سیکھو میرب سیال! دنیا تمہارا دو چار انچ کا فینٹسی ورلڈ نہیں ہے۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھو گی تو نگاہ کھلی کی کھلی رہ جائے گی۔ اور جہاں تک رہی بات سردار سبکتگین حیدر لغاری کی تو وہ وسعتوں کا عادی ہے۔ اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری تمہارا بیمار ہرگز نہیں ہے۔ ہرگز بھی نہیں ہے۔ وہ سورج بھی نہیں ہے جسے تم چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے اپنے پلّو سے باندھ کر رکھ سکو۔''

کتنے پُر لطف انداز میں مسکرا رہا تھا وہ۔ کیسا تفاخر تھا۔ انداز کیسا فاتحانہ سا تھا۔

فاتح ہی تھا وہ۔ فاتح ہی تو رہا تھا۔

مسرور تھا تو عجب کیا تھا۔

شکست خوردہ تو وہ بھی تھی۔ تحیر بھری نگاہ کتنے پانیوں سے بھرتی چلی گئی تھی۔ مگر وہ اسی طرح مسرور سا مسکرا رہا تھا۔

''یہ معصوم، بھولا بھالا چہرہ، اس پر یہ بھیگتے سمندر سی آنکھیں۔ ایسے قاتلانہ عزائم۔ ارادے کیا ہیں؟ سچ کہو تو ترکش کا کوئی تیر بچا کر رکھنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے دام سے نکلنے نہیں دو گی۔''

کتنے سمندر ایک پل میں چھلکے تھے۔

کتنے بند ایک لمحے میں ٹوٹے تھے

وہ محظوظ ہوتے ہوئے بڑے پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''نہیں۔ آج نہیں۔ آج تو بالکل بھی نہیں۔ کوئی جادو آج نہیں چلے گا۔ کوئی تیر نہیں، سردار سبکتگین حیدر لغاری کا دل کوئی کاغذی گھوڑا نہیں جاناں! کہ ان نمکین سمندروں میں بہہ جائے۔ آج سارے منتر بے سود رہیں گے اور ساری تدبیریں رائیگاں۔'' اس کے چہرے کو بہت ہولے سے تھپتھپایا تھا۔

''کچھ بھی کر لو، آج نہیں دل ٹھہرنے کا۔ دل کے بہلاوؤں کو آج تسلیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔ خوابوں سے جاگ چکی ہیں آنکھیں۔ تم بھی اب سپنے دیکھنا بند کر دو۔ کھیل بند۔ کھیل ادھورے ہی اچھے ہوتے ہیں کہ جیت کی خوشی نہ ہار کا غم۔ بھول جاؤ سب۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو خسارے پسند نہیں۔ تمہارے لیے یہ جان لینا بہت ضروری ہے۔ انڈر اسٹینڈ؟'' مسکراتے ہوئے اسے کسی بچے کی

طرح پچکارا تھا۔اور پھر اسے اسی طرح حیرتوں میں ڈوبا چھوڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک یک ٹک اس سمت تکتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا۔مگر اس صورتِ حال سے باہر تو آنا تھا۔کب تک وہ ان جھمیلوں میں رہتی۔مسئلہ براہِ راست اس کی ذات سے منسوب نہ ہوتے ہوئے بھی اب مکمل طور پر اسی کو گھیر چکا تھا۔

دوسرے فریقین کی کیفیت کیا ہوگی، وہ نہیں جانتی تھی۔مگر اس کی خود کی جان بہت مشکل میں تھی۔اس کے باوجود بھی کہ وہ براہِ راست اس معاملے کا حصہ نہ تھی اور اسے گھیر گھار کر انوالو کیا گیا تھا۔مگر اب حقیقت یہ تھی کہ تمام مسئلہ اسی کے باعث تھا۔وہ تجزیاتی نگاہ سارے معاملے پر ڈالتی تھی تو خود کو ہی مجرم پاتی تھی۔

خردمندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بے سمت سوچ سوچ کر اُلجھنے سے بہتر کوئی پوزیٹو سائیڈ چنتی اور اس مسئلے سے خود کو باہر نکالتی۔گویا کسی قدر مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔

بہت ریلیکس ہو کر، غیر جانبدار ہو کر اس نے رات بھر سوچا تھا اور پھر عفنان علی خان کا سیل نمبر ملا ڈالا تھا۔دوسری طرف بے قراری کی حد تھی۔پہلی رِنگ پر ہی کال کنیکٹڈ تھی۔

"ہیلو" عفنان علی خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔مگر اِدھر یہ خاموش تھی۔عفنان علی خان مزید گویا نہیں ہوا تھا۔جیسے وہ منتظر تھا یا پھر کال کرنے والے کو موقع دے رہا تھا۔

انابیہ شاہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔

"ہیلو......انابیہ شاہ ہیئر۔"

"یس، میں جانتا ہوں۔" دوسری طرف ایک لطیف سی شرارت ہوئی تھی۔اِدھر وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

"انابیہ! آئی ایم ویٹنگ۔"

ردِعمل گرم جوشی لیے ہوئے تھا۔مگر انابیہ شاہ کو جیسے ان پذیرائیوں سے کچھ شغف نہ تھا۔وہ بولی تھی تو لہجہ بہت سپاٹ تھا۔

"عفنان علی خان! ملنا چاہتی ہوں میں تم سے۔"

"انٹرسٹنگ...... بٹ ناٹ ساؤنڈز گُڈ۔" وہ دوسری طرف مسکرایا تھا۔"تمہاری اس خواہش میں کسی مصلحت پسندی کی بُو آ رہی ہے۔انابیہ شاہ! سچ کہو۔میری ایک شرط ہوگی۔"

"شرط؟" وہ چونکی تھی۔

"درخواست کروں گا ایک تم سے۔" وہ سنجیدہ نہ تھا اور انابیہ شاہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

''عفنان علی خان کی شرائط بھی محبت سے متعلق ہیں۔سارے نظریئے، سارے زاویئے، سبھی حاشیے محبت اور صرف محبت۔اب کہو، کہاں تک بھاگو گی؟ اور کہاں تک انکار کی سعی کرو گی؟''عفنان علی خان کا دھیما لہجہ اُسے تپا گیا تھا۔

''عفنان علی خان! میں نے تمہاری خواہشوں کو تکمیل دینے کے لیے یہ میٹنگ نہیں رکھی۔''

''تو پھر کہو، مدعا کیا ہے؟...... مجھے تو محبت کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔کیا تمہارے اور ہمارے مابین کوئی اور مسئلہ بھی ڈسکس ہو سکتا ہے؟''سوال ہوا تھا مگر اِدھر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔عفنان علی خان مسکرا دیا تھا

''اصول تو یہ ہے انابیہ شاہ! جب مذاکرات کی میز پر آئیں تو چیدہ چیدہ مسائل میں سے سب سے اہم اور بڑے مسائل زیرِ بحث آئیں۔اور میرے اور تمہارے بیچ تو صرف ایک ہی مسئلہ ہے۔وہی مسئلہ سب سے بڑا بھی ہے اور سب سے اہم بھی۔تمہارا کیا خیال ہے، کیا سوچ رہی ہو تم؟''

عفنان علی خان شاید ہارنا نہیں جانتا تھا۔اور اِدھر انابیہ شاہ پیچ وتاب کھا کر رہ گئی تھی۔

''مجھے تمہیں جھیلنے کا کوئی شوق نہیں ہے عفنان علی خان!''

''اوہ، رئیلی۔تو پھر اس وقت اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟''وہ بات کو قطعاً سنجیدہ نہ لیتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

''عفنان علی خان! ملاقات کے جواز اپنی مرضی کے مطابق ڈھونڈو گے تو خود کو دنیا کا احمق ترین شخص پاؤ گے۔''

مگر دوسری طرف وہ بے فکری سے ہنس دیا تھا۔

''مسئلہ کیا ہے انابیہ شاہ! تمہیں کس بات کی فکر ستا رہی ہے؟......اگر میرا معاملہ یک طرف ہے تو اُلجھنوں اور اُلجھاؤں میں تم کیوں گِھر رہی ہو؟ تمام باتوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چین کی نیند کیوں نہیں سو جاتیں؟''لطف اندوزی کی حد تھی۔

انابیہ شاہ دانت بھینچ کر رہ گئی۔

''سنو، میں فوراً تم سے ملنا چاہتی ہوں۔بتاؤ ہاں یا نہیں؟''

عفنان علی خان لحہ بھر کو خاموش ہوا تھا۔پھر مسکرا دیا تھا۔

''یس۔مل سکتی ہو۔اینڈ یور ڈی زائرز؟''

''بس میں صرف یہی سننا چاہتی تھی۔''

''اور کچھ نہیں؟''عفنان علی خان نے مدھم لہجے میں ایک آس سے دریافت کیا تھا۔

''اور کیا عفنان علی خان؟ کس بات کی اُمید رکھتے ہو تم مجھ سے؟''

''پذیرائی کرو اور دل سے کرو۔اس سے آگے کی تمام اسٹریٹیجی بناؤ تو وہ بھی دل سے۔چاہو، اپنا بناؤ صرف اور صرف دل سے۔''

''دیوانے ہو عفنان علی خان! تم اب بھی ایسا سوچتے ہو؟''

”کیا کروں ......تمہارے بغیر کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ کچھ بھی کروں، کچھ بھی سوچوں، تمام راہیں اپنے آپ تم سے جا ملتی ہیں۔ اسے تم محبت نہیں کہو گی تو اور کیا کہو گی، ہاں۔“ وہ سنجیدہ نہ تھا اور ادھر انابیہ شاہ نے پٹاخ سے فون بند کر دیا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان مسکرایا تھا اور اس کا نمبر ملانے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کے سیل پر نمبر چمکا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کال ریسیو کر گئی تھی۔

”میں تم سے ملنے کو تیار ہوں ......جگہ اور وقت تمہاری پسند کا ہوگا۔ ایک بات کہوں، تم نے مجھے بے پناہ خوشی دی ہے۔ بھر دیا ہے میرا دل مسرت سے۔ یہاں سے وہاں تک بلبلیں اُچھل رہا ہے۔ ایجنڈا کیا ہو گا؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ مگر اس افراتفری کے زمانے میں وقت سے کچھ لمحے چرا کر ہم ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔ یہ احساس بہت دل پذیر ہے۔ مجھے تو یہ سوچ بھی اتنی اچھی لگ رہی ہے کہ ہم روبرو ہوں گے۔ پھر اس کے بعد جو ہو سو ہو۔“ عفنان علی خان کے سارے زمانے ایک ہی مرکز کے تحت گھومتے تھے۔ انابیہ شاہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

”تمہارا پرابلم کیا ہے، جانتے ہو تم؟ تم لٹو بنے ایک ہی چکر میں گھومتے رہنا چاہتے ہو عفنان علی خان!“ باور کرایا تھا۔

”کیا کروں ......میرا مرکز تم جو ہو۔“ وہ محظوظ ہوا تھا۔ ”تم سے تم تک فاصلے، رابطے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ خواہ لٹو کی طرح گول گول گھوموں، چاہے مسافتوں کے ساتھ سفر کروں۔ مگر نقطہ ایک ہی ہے، تم اور صرف تم۔ معاملہ بندی والا کوئی راستہ نہیں ہے یہاں۔ انابیہ شاہ! اقدامات کرو تو سوچ کر اور بہ غور دیکھ بھال کر۔ مجھے تم ندامتوں میں گھری بالکل اچھی نہیں لگو گی۔“

وہ شرارت پر مائل تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ ایک ہی لمحے میں وہ سلسلہ منقطع کر چکی تھی۔

عفنان علی خان مسکرا رہا تھا۔

”معاملہ کچھ بھی ہو انابیہ شاہ! تم راہ پر تو آئیں۔ اب قائل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

☆......☆......☆

تمہارے آخری خطوں کی

سطروں میں......

عجب کچھ اسرار پنہاں تھے

کچھ خواب جو تم نے

آدھے آدھے بانٹ کر

میری آنکھوں میں رکھ دیئے تھے

وہ خواب ابھی تک جاگ رہے ہیں
گلاب کی جس ٹہنی پر تم نے
اپنے پیار کا ہاتھ دھرا تھا
وہ لمس ابھی تک تازہ ہے
تیرے احساس کی خوشبو کی طرح
بارش کی بوچھاڑ میں
بھیگی اس لڑکی کا چہرہ
اب تک میں دیکھ رہا ہوں
آدھے سُوکھے آدھے گیلے خوابوں والی
اس لڑکی کو
بے خود سا چپ چاپ سا تکتا
کہیں اپنے اندر ڈھونڈ رہا ہوں

اذہان حسن بخاری بھیگتے منظروں کو تکتا چپ چاپ کھڑا تھا۔ بارش بہت سی کثافتوں کو دھو گئی تھی۔ مگر کچھ بوجھل پن تھا جو اسی طرح برقرار تھا۔ کوئی جگہ، کہیں تھی جہاں گھٹن اب بھی باقی تھی اور......

''یہ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو اسٹوپڑ! میں تمہیں بھیگتا ہوا موسم دیکھنے کو کہہ رہی ہوں۔ دیکھو سب کچھ کتنا صاف شفاف سا لگ رہا ہے۔ سارے منظر کیسے دُھل گئے ہیں۔ یہ بارش بھی کتنی عجیب ہوتی ہے نا۔''

''عجیب نہیں، خوبصورت۔'' اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے اس خوشبو کے لہجے کی نفی کی تھی۔

''اذہان! تم مجھے ڈنائے کرر ہے ہو۔ میری مخالفت۔'' وہ دھمکی دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم خوب صورت ہو۔'' انکشاف کیا تھا۔ وہ چہرہ مسکرا دیا تھا۔

''اذہان! میں بارش کی بات کر رہی ہوں اور تم......''

''بائے دی وے، میں بھی بارش کی بات ہی کر رہا ہوں۔ تم......تم بھی تو بارش سی ہو۔ شفاف، دلکش اور دل پذیر۔ ان بوندوں کی طرح۔''

''اذہان!'' وہ پُر افسوس انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی۔ ''تمہیں لڑکیوں میں صرف خوب صورتی دکھائی دیتی ہے۔ اگر میں خوبصورت نہ ہوتی تو تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟''

''نہیں۔'' مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اس نگاہ میں حیرت واضح تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔ ''آئی سیڈ، نہیں کرتا۔ محبت نہیں

کرتا، بہت زیادہ محبت کرتا۔ بالکل مجنوں والی۔ سچی، پکی محبت۔" انداز میں شرارت تھی۔ وہ مسکرادی تھی۔

"کم آن یار! اچھی یا بری، تم جیسی بھی ہوتیں ......تم، تم ہی ہوتیں۔ یہ تم لڑکیوں کو شک کرنے کی بیماری کیوں ہوتی ہے؟ بندہ محبت میں ڈوبا، بے بس اور لاچار ہوگا اور تم پھر بھی شک کر رہی ہو گی۔"

وہ چہرہ مسکرادیا تھا۔

"شک نہیں کر رہی...... تمہیں اپنے بس میں کر رہی ہوں۔ بالکل ناریل جیسے ہو تم۔ دھوکے باز۔ باہر سے کچھ، اندر سے کچھ۔ کوئی اور حسین صورت دیکھ کر بدل گئے تو؟"

ایک الزام آیا تھا۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

"کتنی عجیب ہوتی ہو تم لڑکیاں بھی۔ تعریف نہ کرو تب بھی گلہ ہوتا ہے اور اگر کردو تب بھی خوش نہیں ہوتی ہو۔"

"مائنڈ اِٹ اذہان بخاری! تعریف تم میری نہیں، اس بارش کی کر رہے تھے۔"

"ہاں، کر رہا تھا۔ مگر یہ کہہ کر کہ یہ بارش تمہارے جیسی ہے۔ اور میں اس پر اب بھی قائم ہوں۔ کٹ کھنی بلی کی طرح پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔"

وہ چہرہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

"میں مذاق کر رہی تھی اذہان حسن بخاری!"

"یس، آئی نو......" وہ بولتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اذہان! وہاٹ یو نو؟" ایک لہجہ اس کے گرد اُبھرا تھا اور وہ حیران رہ گیا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اُس دنیا سے اس دنیا میں تھا۔

ساہیہ خان اس کے قریب کھڑی تھی۔ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی۔

"کیا ہوا؟...... بتایا نہیں تم نے۔ کیا جانتے ہو تم؟"

اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ انداز کسی قدر خجل سا تھا۔ ساہیہ خان نے اُسے بہ غور دیکھا تھا۔

"تو اب خود کلامی کی بھی عادت پڑ گئی تمہیں اذہان حسن بخاری! بائے دی وے، مخاطب کس سے تھے؟ کوئی قریب تھا کیا؟"

انداز سرسری تھا اور لبوں پر مسکراہٹ۔ مگر اذہان حسن بخاری اس سوال کی گہرائی کو سمجھ سکتا تھا۔ بے دھیانی میں وہ جانے کیا کہہ گیا تھا۔ مگر اس لمحے وہ نہ تو کمزور پڑنا چاہتا تھا نہ ہی شرمندہ ہونا۔ تبھی بھرپور اعتماد سے مسکرادیا تھا۔

"تم......تم ساہیہ خان! یہاں سے جانے کے بعد بھی تم اپنا خیال یہاں کیوں چھوڑ گئی تھیں؟...... دیکھو، اب مجھے باتیں کرنے کی عادت ہوگئی ہے نا۔ بگاڑ دیا نا تم نے اذہان حسن بخاری کے مزاج کو۔ اب شکوہ مت کرنا۔ ایسے اقدامات کے جواب میں یہ دیوانگی جنم نہیں لے گی تو اور کیا ہوگا ساہیہ خان؟" وہ بات کو مذاق کا رنگ دے کر نارمل نظر آنے کی سعی کر رہا تھا اور ساہیہ خان شاید نہیں چاہتی تھی کہ اس کی

کوئی قلعی کھلے۔وہ مسکرادی تھی۔

''تو میرا خیال یہاں تمہارے پاس رہ گیا تھا۔اسٹرینج، ویری اسٹرینج...... مجھے خبر ہی نہیں ہوئی اور تم نے میرا خیال مجھ سے چرا لیا۔چور کہیں کے، کچھ لینا تھا تو پوچھ کر لیتے۔اس طرح چرانے کی کیا ضرورت تھی؟''انداز دوستانہ تھا۔لبوں پر مسکراہٹ تھی۔رسمی ہی سہی۔ وہ اس لمحے پردہ داری کی خواہاں تھی۔جانے کیوں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس لمحے شرمندہ ہو۔مگر اس لطیف سی شرارت پر بھی اذہان حسن بخاری بہت بجھے بجھے سے انداز میں مسکرایا تھا۔

''ساہیہ!ایک بات کہوں؟''

''ہاں کہو۔''

''تم بہت اچھی ہو۔''

''یہ بات میں جانتی تھی۔''ساہیہ مسکرادی تھی۔''مگر اس بات کی صداقت پر یقین مزید پختہ ہو جائے گا جب تم اس موسم میں مجھے آئس کریم کھلانے کی ہامی بھرو گے۔تولے کر جارہے ہو نا تم اپنے ساتھ مجھے؟''مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔''اذہان حسن بخاری مسکرادیا تھا۔

☆......☆......☆

خواب جلتے ہیں میری آنکھوں میں\
دلربائی کے موسم میں\
وحشتوں کی عجب کہانی ہے\
تیری آنکھوں نے جو کہی تھی کبھی\
وہ کوئی کتھا، متروک وفا ہونے کو ہے\
سوچوں بھی تو دل لرزتا ہے\
عجب اِک حادثہ ہونے کو ہے\
عجب اِک حادثہ ہونے کو ہے

میرب سیال کے لیے کوئی قیامت تھی جیسے۔کیسے کیسے انکشافات تھے۔اس کی آنکھیں سمندر ہو گئی تھیں۔جتنا ملال کرتی، تھوڑا تھا۔ پہروں وہ اپنے کمرے میں پڑی رہی تھی۔وجود سے جیسے ساری قوت کسی نے کھینچ لی تھی۔ساری ہمت جواب دے چکی تھی۔

یہ رہا تھا تجربہ ہائے وفا۔

کوئی نسخہ کام نہ آیا تھا۔

کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تھی اور وہ ڈھیر تھی۔

پھر اسی موڑ پر تھا دل اور اسی موڑ پر تھی وہ۔

کیا عجب رہا تھا کہ سفر جہاں سے شروع ہوا تھا پھر وہیں پر آ کر ختم گیا تھا۔ مگر اس قلیل ترین عرصے میں وجود کی تھکن کچھ بڑھ گئی تھی۔

وہ تھک گئی تھی۔

اور شاید ہار بھی گئی تھی۔

کتنے آنسو بہے تھے۔ اور اب تو آنسو بھی باقی نہ بچے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا وہ روپ سچ تھا یا پھر وہ جو وہ اسے کچھ عرصہ پہلے تک دکھاتا رہا تھا۔

ہر لمحہ تیار، کامران، شادمان...... نہ پیشانی پر کوئی سلوٹ نہ چہرے پر کوئی شکن۔

اور اب یہ کیا تھا؟

''میں وہ سورج نہیں ہوں جسے تم چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے اپنے پلّو سے باندھ کر رکھ سکو۔''

کیا تھا سچ؟

وہ جو وہ کچھ دنوں تک دیکھتی رہی تھی یا پھر یہ جسے اس نے اب دیکھا اور سنا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک ہی لمحے میں کیسا پینترا بدلا تھا۔ کیسا روپ دکھایا تھا۔ وہ واقعی دنگ رہ گئی تھی۔ اتنی کہ کمرے میں اندھیرا کیے دھواں دھار آنسو بہاتے ہوئے اس نے پہروں گزار دیئے تھے۔

اس کج ادا کے لیے، اس بے وفا کے لیے۔

بیڈ پر اوندھی پڑی تھی۔ نقاہت اور کمزوری اتنی تھی کہ اُٹھنے تک کی ہمت نہ تھی۔

دروازے پر دو چار بار شاید دستک ہوئی تھی۔ وہ سن نہ سکی تھی۔ آنے والے نے غالباً کسی دوسری کی کا استعمال کرتے ہوئے دروازہ وا کر لیا تھا اور قدم اندر رکھ دیئے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر میرب سیال نے سوجے ہوئے پپوٹوں کو اُٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر سب کچھ گول گول دائروں میں گھومتا دکھائی دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ ہاتھ میں ٹرے تھی۔ شاید ایک کیئرنگ لونگ اور فیتھ فل ہزبینڈ اپنی وائف کی کیئر کرنے آیا تھا۔

ٹرے ایک سمت رکھ کر، جھک کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ سے گیسوؤں کو ہٹایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''ہائے، وہاٹس اَپ...... کیسی گزر رہی ہے؟ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے نا؟ کتنا خیال ہے تمہارا۔ دیکھو کھانے کے لیے لایا ہوں تمہارے لیے۔ رو رو کر کتنا بُرا حال کر لیا ہے اپنا۔ ڈارلنگ! تم اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتی ہو۔ اپنا نہیں تو کم از کم اپنے اس وفادار شوہر کا ہی

کچھ خیال کرلو۔ چلو اُٹھو شاباش! کچھ کھالو۔ آئی نو، تم انرجی لیس ہو رہی ہو اور مجھ سے یہ دیکھا نہیں جا رہا۔ چلو اُٹھو، شاباش۔'' مسکراتے ہوئے وہ اسے جیسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔

میرب سیال نے بہت ہمت سے آنکھیں اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ انداز میں ناگواری واضح تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ چہرے کی تروتازگی کے ساتھ ساتھ مزاج بھی ہشاش بشاش تھا اور لہجہ اس سے بھی توانا۔

''مسز میرب سبکتگین حیدر لغاری! اُٹھئے شاباش، ابھی بہت ہمت درکار ہوگی آپ کو۔ مقابلہ کرنا ہے تو جینا بہت ضروری ہے اور جینے کے لیے کھانا بہت ضروری ہے۔ بوڑھے کہتے ہیں کھانے سے قوت مدافعت خاصی بڑھ جاتی ہے اور دماغ چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔'' اسے اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا مگر کاندھے پر دھرا ہاتھ میرب سیال نے جھٹک دیا تھا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''گڈ۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

میرب سیال اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی مگر کسی شے کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے جوں کی توں پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''مسز میرب سبکتگین حیدر لغاری! کیا ارادہ ہے؟...... کیا آپ اپنے ہزبینڈ کے ہاتھوں کھانے کی خواہش رکھتی ہیں؟''

میرب سیال نے اس کی سمت ایک نگاہ ڈالی تھی۔ جس میں ناپسندیدگی بہت واضح تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور سُوپ کا پیالہ اُٹھا لیا تھا۔

''مسز سبکتگین حیدر لغاری! شوہر مجازی خدا ہوتا ہے۔ خدمت کرتے ہیں، کرواتے نہیں۔ آپ تو خیر سے سمجھ دار ہیں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھانے کی ضرورت تو نہیں پڑنی چاہیے۔'' سُوپ کا چمچ بھر کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔ میرب سیال نے منہ نہیں کھولا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خاصا ڈی ٹرمنٹ واقع ہوا تھا۔

''مسز لغاری! منہ کھولیے، پلیز۔'' اور میرب سیال کے پاس دوسرا راستہ نہ بچا تھا۔

''گڈ...... ڈیٹس نائس۔ آپ کی یہ بات بہت اچھی ہے مسز لغاری! آپ خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہیں۔ جلد انڈر اسٹینڈ کر لیتی ہیں۔ اس خاصیت کے باعث بہت سی باتوں کی بچت ہو جاتی ہیں۔ سب سے بڑی بات بندہ کسی اندھیرے میں نہیں رہتا۔'' ایک مزید چمچ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ مسرور نظر آ رہا تھا۔

مگر میرب سیال نے بجائے منہ کھول کر اس کے ہاتھ سے سُوپ لینے کے لیے ہاتھ بڑھا کر سپون اس کے ہاتھ سے لینا چاہا تھا۔ ہاتھ سے ہاتھ ٹکرایا تھا۔

میرب سیال نے اس اتفاق پر اس شخص کی جانب سے نظریں پھیر لی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''آپ میں ہمت نہیں ہے مسز لغاری! یو آر فیلنگ ناٹ ویل رائٹ ناؤ۔'' اپنے طور پر وہ خود کو باور کراتے ہوئے اس کے منہ میں

سُوپ ڈالنے لگا تھا۔
مسز لغاری کے لیے جیسے کسی بات کا احتجاج کرنا بے حد دشوار تھا۔ شاید اس گھڑی واقعی ہمت ناپید تھی۔ مگر اتنی بھی نہیں کہ وہ اپنے قاتل کی مدد لیتی۔

''پلیز، میں لے لوں گی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری سپون اس کی طرف بڑھا رہا تھا جب اس نے روک دیا تھا۔

''اوہ، اچھا......اتنی ہمت آ گئی ہے آپ میں۔ گڈ......اچھی بات ہے۔'' میرب نے پیالہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا جسے سردار صاحب نے بخوشی اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''گڈ چینج......'' وہ اُسے سُوپ اپنے ہاتھوں سے لیتا دیکھ کر سراہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرب سیال نے اسے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تھا۔

''کچھ کہنا چاہتی ہیں مسز لغاری؟''

''میں......میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ آئی وانٹ ٹو بیک۔''

''اوہ...... یو وانٹ ٹو بیک۔'' پُر خیال انداز میں سوچا تھا۔ ''مگر مسز لغاری! اِٹس ناٹ پوسیبل۔ ناٹ ایٹ آل۔ فی الحال ارادہ پوسٹ پون کر دو۔ یہ ناممکن ہے۔''

''مگر کیوں؟'' وہ احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''وقت مسز لغاری! ایک اچھا وقت ہے میرے ہاتھ میں۔ اکنامی کلی بھی اور ایموشنلی بھی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ کچھ سمجھی نہیں تھی۔ لفظوں سے زیادہ استفسار آنکھوں میں تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت رسانیت سے مسکرایا تھا۔

''جینی، مسز لغاری! غالباً اُس روز دیکھا تھا آپ نے اُسے میرے ساتھ۔ غالباً پرابلم یہ ہے مسز لغاری! کہ میں کچھ وقت اجنبی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ اچھا لگ رہا ہے۔ شی از اے انٹرسٹنگ گرل ایز آئی فونڈ ہر۔''

اور میرب سیال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

''اگر آپ نہیں جانا چاہتے تو مجھے پرواہ نہیں۔ مگر میں جاؤں گی۔'' انداز اور لہجہ درشت تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''ممکن نہیں ہے مسز لغاری! سوری، ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ کو میرے ساتھ ٹھہرانا ہوگا۔ ایک وفا شعار ہزبینڈ کے فرائض میں نبھا رہا ہوں۔ ایک سعادت مند بیوی کے حقوق آپ پر نبھانا فرض ہیں۔ رائٹ۔'' لب مسکرا رہے تھے اور وہ ہنوز چپ تھی۔

''اور مجھے جانا ہوگا۔ ایک اہم اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ یہ سارا کھانا کھا لیجیے گا۔ رات میں ملاقات رہے گی۔ آپ کا انرجیٹک ہونا بہت ضروری ہے۔'' گھڑی دیکھتے ہوئے وہ یکدم اُٹھا تھا اور ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور میرب

سیال کیسی بت بنی بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

وہ چہرہ اُس کے سامنے تھا اور عفنان علی خان خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔انا بیہ شاہ کے چہرے پر ناگواری کا تاثر بہت واضح تھا۔جیسے وہ ان ناپسندیدہ لمحوں کو مجبوراً جھیل رہی تھی۔

''تم کچھ کہنا چاہ رہی تھیں؟''عفنان علی خان نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے اس کی توجہ کا رُخ درست سمت میں موڑا تھا۔

انا بیہ شاہ بے حد اکتائے ہوئے انداز میں نظروں کا زاویہ پھیر گئی تھی۔

''عفنان علی خان!تم کوئی بچے نہیں ہو کہ میں انگلی پکڑ کر صحیح اور غلط کے متعلق بتاؤں۔میرے پاس خود بھی لائف کا کوئی اتنا بڑا تجربہ نہیں ہے۔مگر میں رائٹ اور رونگ کے متعلق ججمنٹ کر سکتی ہوں۔میرے لیے یہ مشکل نہیں ہے۔مجھے یقین ہے یہ صلاحیت میرے پاس بھی ہے۔''

''تو تم کیا چاہتی ہو؟''عفنان علی خان نے یکدم دریافت کیا تھا۔

''ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی ہے عفنان علی خان!''انا بیہ شاہ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اپنے اندر کے تاثرات پر جیسے قابو پانا چاہا تھا۔

عفنان علی خان جیسے اس کی ٹینشن سے واقف تھا۔تبھی کچھ بھی بولے بغیر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''عفنان علی خان!تم جو کر رہے ہو وہ غلط ہے۔سراسر بے وقوفی۔مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ تم اسے جاری رکھو یا ترک کر دو۔مگر پلیز اس بات کا احساس ضرور کر لو کہ اس حماقت کے باعث کسی اور کی زندگی بری طرح ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ایک نہیں دو تین۔تم پوری تین زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہو اور مجھے مطلق فکر نہ ہوتی اگر ان میں سے ایک میری خود کی زندگی نہ ہوتی۔تم مجھے نقصان پہنچا رہے ہو۔تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا عفنان علی خان!کہ تم اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی کو بھی ڈسٹرب کرو۔''بولنے کا انداز درشت تھا۔مگر وہ اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''میں بہت فیئر بندہ ہوں انا بیہ شاہ!معلوم نہیں تمہیں کس بات نے اتنا ہائیپر کر دیا ہے۔یا کون سی بات تمہارے دل پر گراں گزری ہے۔میں نے تمہارے ہاں پروپوزل بجھوایا،تمہیں چاہا،پسند کیا،چوائس کا حق تمہیں دیا۔تم نے ری جیکٹ کر دیا۔میں نے ریزن نہیں مانگا۔''وہ باری باری انگلیوں پر گنوا رہا تھا۔

''تم نے فون کیا،ملنے کی خواہش ظاہر کی۔بلوایا،میں چلا آیا۔کیا تلاشنا چاہتی ہو تم،اتنا کچھ جو بھی گنوایا۔سبھی کچھ تو فیئر اینڈ پوزیٹو ہے۔پھر تم مزید کیا چاہتی ہو مجھ سے انا بیہ شاہ؟......اس سے زیادہ کی کیا امید ہے؟کیا تم مجھے بتا سکو گی؟''عفنان علی خان بہت اطمینان سے مسکراتا ہوا اُسے لاجواب کر چکا تھا۔انا بیہ شاہ اس لمحے خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی تھی۔

''مزید کیا انابیہ شاہ؟ کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟''عفنان علی خان نے دوبارہ دریافت کیا تھا اور جیسے انابیہ شاہ کی برداشت کی حد جواب دے گئی تھی۔مزید وہاں بیٹھ کر اس کی فضول بکواس سننے سے اس نے وہاں سے اُٹھ جانا مناسب جانا تھا۔مگر یہ سعی بھی ناکام رہی تھی۔اس نے ارادہ کیا تھا اور یہ اقدام ہونے سے قبل ہی وہ نگاہ بھانپ چکی تھی۔نتیجتاً اس کا مضبوط ہاتھ اس کے نازک ہاتھ پر تھا۔انابیہ شاہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھنا چاہا تھا مگر اس شخص کے لبوں پر بہت پُرسکون مسکراہٹ تھی۔بہت دھیمے لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔

''کیوں چاہتی ہو تم ایسا انابیہ شاہ؟ کیوں ......کیوں مجھے خود سے دور کر دینا چاہتی ہو؟ اگر میں تمہیں چاہ رہا ہوں تو یہ میرا پرابلم ہے۔سراسر میرا ہیڈک۔تم مجھے اس سے باز رکھنا چاہتی ہو؟ کیوں انابیہ شاہ؟''

''میرے پاس تمہارے ان فضول سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے عفنان علی خان! تم ایسا کیسے کر رہے ہو؟''بہت پُرافسوس انداز میں سرنفی میں ہلایا تھا۔مگر وہ مسکرا دیا تھا۔مضبوط ہاتھ اب بھی میز کی سطح پر دھرے اس کے نازک ہاتھ پر تھا۔

''تم کچھ بھی کرو، کچھ بھی کہو، کوئی بھی تلخ بات، تلخ اقدامات۔میں جھیل سکتا ہوں انابیہ شاہ! کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔تم سے محبت......صرف محبت۔''ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہتے ہوئے اسے باور کرایا تھا۔

''صرف محبت انابیہ شاہ! اور تم اسے بدل نہیں سکتی ہو۔نہ ہی سمت موڑ سکتی ہو۔تمہیں اتنی چھوٹی سی بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟ کتنی بار کہوں میں، کتنی بار سمجھاؤں؟ کیا لگتا ہے تمہیں، احمق ہوں میں؟ تو سمجھ لو انابیہ شاہ! یہ بھی قبول ہے مجھے۔سب کچھ کر سکتا ہوں میں تمہارے لیے۔سب کچھ سہہ سکتا ہوں مگر یہ نہیں۔''سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔''یہ نہیں ہوگا مجھ سے انابیہ شاہ!......تم محبت کے یہ آپشنز بدل دو، مجھ سے نہیں ہو سکے گا یہ۔بالکل بھی نہیں۔''انداز مدھم مگر مدلل تھا اور انابیہ شاہ چپ تھی۔پھر یکدم وہ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

مذاکرات ناکام رہے تھے۔

انابیہ شاہ کی آنکھیں جل رہی تھیں۔نمکین پانی بہہ جانے کو بے تاب تھا۔

دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔اوزی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟''مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔اوزی نے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

''ٹپ......ٹپ......ٹپ......''

کتنے آنسو آنکھوں سے باہر تھے۔چہرہ بھیگتا چلا گیا تھا۔اوزی نے اسے دیکھا تھا اور ٹشو اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

☆......☆......☆

تیور بدل گئے تھے۔رویہ یکسر بدل گیا تھا اور جانے اب اور کیا ہونا باقی تھا۔میرب سیال نہیں جانتی تھی۔مگر وہ اس شخص سے اب ہر شے کی امید کر سکتی تھی۔جو ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔مزید بدمزگی وہ نہیں چاہتی تھی اور ایسے میں تو بالکل بھی نہیں جب کہ وہ دیارِ غیر میں تھی۔اور اپنوں سے دور مصلحت کی انگلی تھام کر رہنا سودمند تھا۔سو وہ انحراف نہیں کر سکتی تھی۔حالات کو اپنے بس میں رکھنے کے لیے یہ بہت

ضروری تھا۔

اُس کی بات مان کر وہ اس کے ساتھ شام کی تقریب کے لیے تیار کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آیا تھا۔ اسے دیکھا تھا اور چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

''اِز اِٹ یو مسز لغاری؟'' مسکراتے ہوئے آنکھوں میں حیرت بہت واضح تھی یا پھر وہ کوئی طنز کر رہا تھا۔ میرب سیال سمجھ نہ سکی تھی ۔مگر کسی قدر بے توجہی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

''آں...... ں...... مصلحت پسندی......تو مسز لغاری! سیانی ہوگئی ہیں آپ اب۔ دانش مندی سے قابو پانا چاہتی ہیں صورت حال پر۔ تدبیر اچھی ہے۔ مسٹر لغاری قائل ہوگئے آپ کی عقلمندی کے۔ رئیلی امپریسڈ۔'' وہ اس کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ ''طفل جان رہی ہیں نا آپ اپنے ہزبینڈ مسٹر سبکتگین حیدر لغاری کو۔ ایک ضدی خودسر بچے سے نبرد آزما ہونے اور نمٹنے کے اقدامات کر رہی ہیں نا آپ۔ بہلانے کے یہ اسلوب بہت بچگانہ نہیں مسز لغاری؟'' اس کے چہرے پر آئی ایک شریر لٹ کو چھوتے ہوئے وہ یقیناً اُسے زچ کرنا چاہتا تھا اور میرب سیال یہی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو۔ اسی لیے بغیر کوئی ردعمل ظاہر کیے وہ اس کے سامنے خاموشی سے کھڑی رہی تھی۔ گو یہ مشکل تھا مگر میرب سیال کو یہ ممکن کرنا تھا۔

''چلیں۔'' وہ پُرسکون انداز میں بولی تھی اور مسٹر لغاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

''تو ٹھان لی آپ نے......ایک سعادت مند بیوی بن کر رہیں گی۔ گڈ......انٹرسٹنگ۔'' وہ متاثر ہوا تھا۔

میرب سیال کچھ کہے بغیر اس کی ہمراہی میں چل پڑی تھی۔ ایک ایک لمحہ دل پر بھاری تھا مگر مرتے کیا نہ کرتے کہ مصداق یہ بوجھ تو ڈھونا ہی تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے پارٹی میں کیوں لایا تھا۔ کیونکہ وہاں وہ اسے ایک کونے میں کسی فالتو شے کی طرح چھوڑ کر خود کسی اور کے ساتھ بزی ہو چکا تھا۔

کون تھی وہ؟

شاید جینی۔ اُسے تو اس کا چہرہ بھی یاد نہیں تھا۔ کتنا سرسری انداز تھا اس کا دیکھنے کا۔ توجہ تو اس شخص پر تھی ساری۔ بس یہ نظر آیا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی تھی۔ کون تھی؟ کیسی صورت تھی؟ کیا نام تھا؟ کچھ نہ جانتی تھی وہ۔ کتنی دیر سبکتگین حیدر لغاری ان موصوفہ کے ساتھ بزی رہا تھا۔ میرب سیال کے لیے جھیلنا دشوار تھا۔ چہرے کا رُخ پھیر لینے کے باوجود وہ بے تاثر نہ بن سکی تھی۔ اندھی بہری بنی وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لڑکی کو لیے اس کے قریب آیا تھا۔

''شی از چارلی۔ دی موسٹ بیوٹی فل گرل آف دی ایوننگ۔'' انداز ستائش سے بھرپور تھا۔ مگر میرب سیال کچھ خاص متاثر نہیں ہوئی تھی۔ سب دیکھتے ہوئے اندھی اور سنتے ہوئے بہری تو بنی ہی تھی، اب دانستہ طور پر گونگی بھی ہوگئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے

ساتھ رہنا تھا تو ایسا کرنا ہی تھا۔

''کیا ہوا تمہیں؟ چارلی پسند نہیں آئی؟'' وہ چھیڑ رہا تھا۔

میرب سیال غصے سے دانت بھینچ کر رہ گئی تھی۔

''جینی، شینی، پینی ہو یا چارلی شارلی مجھے اس سے قطعاً کوئی غرض نہیں ہے۔ اس چپٹی ناک والی چارلی کی جگہ اگر آپ چارلی تھیرون کو بھی لے آئیں تب بھی مجھے خاص فرق نہیں پڑے گا سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیونکہ میں دیکھتے ہوئے بھی اندھی بن گئی ہوں اور سنتے ہوئے بہری۔ اگر آپ مجھے بولنے پر نہ اُکسائیں تو میں گونگی بن کر بھی رہ سکتی ہوں۔ کیونکہ میں سمجھ گئی ہوں کہ اگر مجھے آپ کے ساتھ کو جھیلنا ہے، ایک ناپسندیدہ رفاقت کو برداشت کرنا ہے تو یہ سب کرنا بہت ضروری ہوگا۔ سو جینی ...... شینی ...... پینی یا چارلی ......شارلی یا چارلیز تھیرون......آئی ڈونٹ کیئر۔''

کسی قدر درشت انداز میں وہ گویا ہوئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بجائے ہائپر ہونے کے یا اشتعال میں آنے کے مسکرا دیا تھا۔

''اب تم خالص مسز لغاری لگ رہی ہو۔'' انداز چڑانے والا تھا۔ مگر میرب سیال نے اس کی جانب دیکھنے کی سعی نہیں کی تھی۔ شاید یہی ایک طریقہ تھا خود کو محفوظ اور نارمل رکھنے کا۔ یقیناً اس کی کوشش یہی تھی، مخالف کو زیر کرنے کا نیا ڈھنگ سوچ رہا تھا۔ کوئی جال بُن رہا تھا اس کے لیے اور وہ بہتر یہی محسوس کر رہی تھی کہ انجان بن جائے۔

''مسٹر لغاری! شاید میں آپ کی وائف کو پسند نہیں آئی۔'' چارلی کسی قدر اظہارِ افسوس سے بولی تھی۔ شستہ انگریزی میں لہجہ متاثر کن تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی چوائس اور معیار کی وہ قائل نہ ہو جاتی تو نا انصافی ہوتی۔

''وائف؟......ہُو اِز وائف؟......شی اِز اونلی اے گرل فرینڈ آف مائن۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جواب اُسے چونکا گیا تھا۔

''اوہ، سو سیڈ۔ میں نے سوچا شاید یہ آپ کی وائف ہیں۔'' چارلی نے ایک بار پھر شستہ انگریزی میں اظہارِ افسوس کیا تھا۔

''مجھے میرے معیار اور پیمانے سے گرا کر اس طرح لٹ ڈاؤن کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری؟...... یہی کہ تم کتنے کمزور ہو یا پھر یہ کہ مجھے قبول کرنا اور زیر کرنا تمہارے لیے کتنا دُشوار ہے۔'' اس نے پُر اعتماد انداز میں ایک تیر اُچھالا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پُرسکون سمندر آنکھوں میں یکدم ہی ایک طغیانی آئی تھی۔ پیشانی پر کئی شکنیں ایک ساتھ واضح ہوئی تھیں۔ بہت جارحانہ انداز میں اس کو شانوں سے تھاما تھا۔ سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر پھر کچھ کہے بغیر چھوڑ دیا تھا اور چارلی کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال کا دل اپنی تضحیک اور تذلیل پر رونے کو چاہ رہا تھا۔ کیا حیثیت تھی اس کی اس شخص کی زندگی میں۔ ایک خود پسند شخص کی زندگی میں......کج رو، کج ادا، بے وفا۔ ایک جگہ ٹھہر نا جس کی سرشت میں نہ تھا اور وہ اس میں وفا ڈھونڈ رہی تھی۔ تھی نا قابل افسوس بات۔

آنکھوں میں سمندر تیرنے لگے تھے۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر ان آنسوؤں کو اندر ہی اندر کہیں مدغم کرنے کی کوشش کرنے لگی

تھی۔مگر ہر جتن بے سُود لگ رہا تھا۔بھربھری ریت کی دیوار کی مانند وہ بے بس تھی۔

☆......☆......☆

تیرے میرے رستوں میں
ایک بھی موڑ ایسا نہیں
جو کسی روز یونہی اتفاقاً
کر دے روبرو ہم کو
تیری میری آنکھوں میں
کوئی بھی رنگ ایسا نہیں
کر دے جو کوئی سرگوشی
یا کوئی مدھم سی آہٹ کہ جس سے
اس بھید بھری چپ کی قلعی کھل جائے
بہ ظاہر جو انجان بنے پھرتے ہیں
اس پُر لطف اتفاق پر چونکیں تو
جانیں ہم تم
گنوا دیا ہے جو ہم نے وہ پل
وہ ایک پل اپنا تھا
وہ ایک پل کتنا قیمتی تھا

''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ کہیں جا رہے ہو کیا؟'' ساہیہ خان اندر داخل ہوئی تھی۔جب اسے پیکنگ کرتے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اس کی جانب بغیر دیکھے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں، اپنی ڈریم گرل کو ڈھونڈنے۔'' لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شرارت۔اور ساہیہ خان حیران ہونے کے ساتھ مسکرائی تھی۔

''اوہ، ریئلی......اس ڈریم گرل کو جس سے تم تنہائی میں باتیں کرتے ہو؟''

''آف کورس۔'' وہ تصدیق کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

ساہیہ خان نے اسے کسی قدر اچنبھے سے دیکھا تھا اور پھر یکدم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔اذہان حسن بخاری بھی ہنس دیا تھا۔

''میں کچھ ہیلپ کروں تمہاری؟''

''نہیں یار! میں خود کرلوں گا۔ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''کیا مطلب اس وقت یہاں کیا کر رہی ہوں۔ دوست ہو تم میرے۔ کوئی کام پڑے تو پوچھے بنا آ سکتی ہوں۔'' دھونس جمائی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری شرارت سے اسے دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''کسی لڑکی کو میں نے اتنی دیدہ دلیری سے اپنی ہونے والی سسرال میں گھومتے پھرتے نہیں دیکھا۔''

''تو اب دیکھ لو۔ تمہیں کس نے کہا ہے کہ یہ میری ہونے والی سسرال ہے؟...... یہ میرے انکل کا گھر ہے اور میں جب چاہے بے دھڑک آ جا سکتی ہوں۔''

''یعنی تمہیں اپنے انکل کا یہ گھر بطور سسرال قبول نہیں؟'' انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔ مگر سا ہیہ خان کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہوئی تھی۔

''اذہان! تم میرے لیے کیا لاؤ گے؟''

''تمہارے لیے؟...... سوچنے دو۔ تمہارے لیے تو نہیں مگر میں اپنے لیے ایک میم ضرور لاؤں گا۔'' وہ ہنسا تھا۔ ''کم آن یار! میں تم جیسی دیسی لڑکی کو سنبھال لوں، یہی بہت ہے میرے لیے۔ تم ایک مجھے بہتیری ہو۔'' ایک دلچسپ سی بات بہت سرسری انداز میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ سا ہیہ خان اس کی چیزیں اُٹھا کر چپ چاپ سوٹ کیس میں رکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟...... تمہیں اچھا نہیں لگا میرا تمہیں ترجیح دینا؟'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

سا ہیہ خان جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''اذہان! پلیز، میں اس معاملے کو ڈسکس کرنا نہیں چاہوں گی۔'' لہجے میں چھپی پس پردہ درخواست پر کوئی خاص سماعت نہیں ہوئی تھی۔

''تو پھر کیا چاہو گی تم سا ہیہ خان؟ مجھے بس میں کرنا، قابو میں کرنا یا مٹھی میں بند کرنا؟'' انداز میں شرارت نمایاں تھی۔ مگر سا ہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

''کیا ہے یار! اس روز کی ایک چھوٹی سی بات دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہو۔ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتی ہو وہ صرف مذاق تھا۔ تمہارے علاوہ کسے چاہوں گا یار! میری ویران زندگی میں پہلی اور آخری آنے والی لڑکی تم ہی ہو۔''

جھوٹ کی انتہا تھی۔ سا ہیہ خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''اوہ، اچھا۔ تو تم نے یقین کرلیا۔ مگر ایک مزے کی بات بتاؤں، یہ بھی ایک مذاق تھا۔'' وہ ہنسا تھا۔ سا ہیہ خان نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ کا گولہ سا بنا کر اسے دے مارا تھا۔

''جی چاہے تو اوتھ لے لو۔ میں حلف اُٹھانے کو تیار ہوں۔ اس سے زیادہ یقین دلانے کا کوئی طریقہ ہو تو بتا دو۔'' بطور خاص توجہ

سے تکتے ہوئے سوال کیا تھا۔ مگر ساہیہ خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”تم لڑکیوں کی ایک خرابی ہے۔ یقین نہیں کرتی ہیں۔“

”تمہیں کیسے تجربہ ہوا، تمہاری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی تو میں ہوں نا۔“ مسکراتے ہوئے ری مائنڈ کر دیا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”کچھ بھی ہو۔ میں تم سے شادی قطعاً نہیں کروں گی۔“ اس نے برملا کہتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو دیکھا تھا۔

”میرے اوتھ لینے کے باوجود بھی نہیں؟“

”نہیں۔“ سر نفی میں ہی ہلاتا تھا۔

”کیوں؟“ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”اس لیے کہ تم مجھے سوٹ نہیں کرتے ہو۔ ایک جھوٹے بندے کو میں اپنے لیے نہیں چن سکتی۔“ وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

”تم سنجیدہ نہیں ہونا؟“

”تم سے کس نے کہا؟“

”تمہاری آنکھوں نے۔“

”آنکھیں پڑھنے کا فن آ گیا ہے آپ کو؟“

”سیکھنا پڑا۔ تمہیں عمر بھر جھیلنے کا قصد جو کر بیٹھا ہوں۔“ انداز میں شرارت واضح تھی۔ مگر ساہیہ خان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا اذہان حسن بخاری!...... اتنے بڑے فیصلوں کے لیے قلیل لمحے ناکافی ہوتے ہیں۔“

”تو تم کثیر لمحوں کی تلاش میں ہو؟“ براہِ راست آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ساہیہ خان سر جھکا کر سوٹ کیس میں اس کی ضروری اشیاء رکھنے لگی تھی۔

”یہ اتنے سارے پرفیوم لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ غالباً تم تو کسی خوشبو کے تعاقب میں جا رہے ہونا؟“ چھیڑا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری کی سُوئی وہیں اٹکی تھی۔

”تم نے جواب نہیں دیا۔“

”کس بات کا؟“ وہ یکسر انجان بنی تھی۔

”ساہیہ! میں تمہیں کثیر لمحے دینے کو تیار ہوں۔ تم بہ غور جانچ پڑتال کر سکتی ہو۔“ ایک پیشکش خاص ہوئی تھی۔ ساہیہ خان نے چونکتے ہوئے سر اُٹھایا تھا اور مسکرا دی تھی۔

''جا کہاں رہے ہو؟''

''اس کو چھوڑو۔کہاں جانا چاہتا ہوں یہ دریافت کرو۔''

''اور کہاں جانا چاہتے ہو؟'' وہ اس کی سنجیدگی پر مسکرائی تھی۔

''تمہارے دل تک۔'' جواب مختصر اور انداز مدلل تھا۔

ساہیہ خان ساکت رہ گئی تھی۔اس لہجے،اس انداز کی اُمید نہیں تھی اور وہ بھی ان لمحوں میں۔وہ اس کی توقعات کو زیر کر رہا تھا۔

''حیران ہونے سے زیادہ ضرورت تعاون کرنے کی ہے ساہیہ! کچھ زیادہ نہیں تو صرف تھوڑی سی رہنمائی ہی کر دو۔'' وہ واقعی سنجیدہ تھا۔ساہیہ خان نے اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا تھا مگر کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔اذہان حسن بخاری چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا۔

''وہ مت دیکھو ساہیہ! جو دکھائی دے رہا ہے۔وہ دیکھو جو دکھائی نہیں دے رہا۔وہ زیادہ خاص ہے۔'' باور کرایا تھا۔اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ساہیہ خان اس نئے تجربے پر کسی قدر حیران رہ گئی تھی۔

''میں چاہتا ہوں ساہیہ! میں واپس آؤ تو تم مجھے اپنے متعلق سوچتی ملو۔ایٹ لیسٹ تم کسی فیصلے پر پہنچ چکی ہو۔میں تمہارے متعلق سنجیدگی سے سوچ چکا ہوں۔بہتر ہو گا تم بھی سنجیدگی سے میرے متعلق سوچنا شروع کر دو۔''

ایک خاص بات۔

ایک خاص انداز۔

ایک خاص توجہ کے ساتھ۔

ساہیہ خان کے لیے بدستور اس کی سمت دیکھتے رہنا دشوار ہو گیا تھا۔یکدم ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالا تھا اور چلتی ہوئی سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔فوری طور پر یہ اقدام غنیمت لگا تھا۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی جس معاملے کو سلجھانے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے وہ اتنا ہی اُلجھتا چلا جاتا ہے۔انابیہ شاہ کے ساتھ صورت حال کچھ مختلف نہیں تھی۔دل کچھ بوجھل سا تھا۔مگر اب اس نے قصد کر لیا تھا کہ وہ کسی کے کیے کی سزا خود کو اور اپنی فیملی کو نہیں دے گی۔تبھی وہ فریش ہو کر باہر آ گئی تھی۔ممی کچن میں تھیں۔

''ممی! چائے ملے گی......؟'' خوشگوار موڈ شاید ممی کے لیے بھی حیران کن تھا۔وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

''کیا ہوا ممی؟ آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟''

''نہیں،ایسا نہیں ہے۔''

''چینج اچھا نہیں؟''

"نہیں، بہت اچھا ہے۔" ممی مسکرائی تھیں۔ "تم دادا جی کے پاس جا کر بیٹھو، میں تمہارے لیے چائے اور کچھ اسنیکس لے کر آتی ہوں۔"

"اوزی کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں، کسی کام سے شاید باہر گیا ہے۔ تمہیں اس موڈ میں دیکھے گا تو اسے بھی خوشی ہو گی۔ بہت تنگ کرتی ہو تم ہم سب کو۔"

"مجھے اندازہ ہے ممی! مگر پرامس، اب اور نہیں۔" یقین دلایا تھا۔

"اچھی بات ہے، تمہیں احساس ہو گیا۔ اب کم از کم ہم اپنی بیٹی کو اچھے موڈ میں دیکھ سکیں گے۔ خوش باش۔ پہلی والی انابیہ شاہ۔"

"میں بھی یہی سوچتی ہوں ممی! سب کچھ فراموش کر کے پہلی والی انابیہ شاہ بن جاؤں۔ اینی ویز، آپ جلدی سے چائے بھجوا دیں۔ میں دادا ابا کے پاس ہوں۔" انابیہ شاہ کہہ کر نکل آئی تھی۔

دادا ابا کمپیوٹر پر بزی تھے۔

"دادا ابا!" کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکتی ہوئی وہ مسکرائی تھی۔

"اوہ، مائے جینئس چائلڈ۔" دادا ابا اسے دیکھ کر کچھ مسکرائے تھے۔ وہ آگے بڑھ آئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ کسی سے چیٹ ویٹ؟" بھرپور شرارت سے مسکرائی تھی۔ دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"نہیں، کچھ ضروری کام تھا۔ تم بتاؤ، یہ آج اتنا بدلاؤ کیسے آ گیا؟...... وہ روتی بسورتی انابیہ شاہ کہاں چلی گئی؟"

"وہیں، جہاں سے آئی تھی۔ آج آپ کا چیس کھیلنے کا موڈ نہیں جو یہاں بیٹھے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"چیس کھیلنے کے لیے ایک عدد انٹیلیکچوئیل پارٹنر کی ضرورت پڑتی ہے اور میرے پاس وہ ناپید ہے کچھ دنوں سے۔" دادا ابا مسکرائے تھے۔

"تو سمجھئے آج وہ مل گیا۔ کم آن، اُٹھئے۔ آج میرا آپ کو ہرانے کا موڈ ہو رہا ہے۔ بہت دنوں سے اس دماغ سے کام نہیں لیا میں نے۔ پڑے پڑے کہیں زنگ ہی نہ لگ جائے۔" مسکراتے ہوئے ان کی چیزیں سمیٹی تھیں۔ دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"تو تم نے واقعی پروگرام بنا لیا ہے مجھے ڈی فیٹ کرنے کا؟"

"آف کورس دادا ابا! آپ اسے مذاق سمجھ رہے ہیں؟" وہ مسکرائی تھی۔ دادا ابا اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ایک بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ تم میری پوتی ہو۔ تم میں اسپورٹس مین اسپرٹ ہے۔ کچھ دیر اندھیرے میں رہ کر بالآخر اس بات کا احساس کر لیتی ہو کہ اس سے باہر کیسے نکلا جا سکتا ہے؟"

"یہ تو گڈ اور ہلدی سائن ہوا نا دادا ابا! آخر ایک بریگیڈیئر کی پوتی ہوں۔ یہ سارے گٹس مجھ میں نہیں ہوں گے تو اور کس میں ہوں گے؟" انابیہ شاہ عرصے بعد مسکراتی ہوئی خود کو تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

میرب سیال کونے میں چپ چاپ کھڑی تھی۔

چار سُو ہنگامہ تھا۔ ہجوم تھا۔ شور تھا۔ سب انجوائے کررہے تھے۔ ایک وہی تھی جو پانی سے بھری آنکھوں سے دھندے دھندلے منظر کو کسی قدر یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی چینی پینی شینی یا پھر چارلی شارلی کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر بزی تھا۔ کسی اور کی بانہوں میں، کسی اور کی سنگت میں، کسی اور کے اتنے قریب۔ اسے دیکھنا خاصا برا تجربہ تھا۔ میرب سیال اس سمت دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر نظر تھی کہ بار بار اسی سمت اُٹھ رہی تھی۔ وہ شخص مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی جینا جیسے جانتا تھا وہ۔ اور ایک وہ تھی، اپنی زندگی کی نہج پر حیران کھڑی تھی۔ جسے نہ تو آگے بڑھ جانے کے متعلق کچھ پتہ تھا نہ پلٹ جانے کے متعلق کوئی ادراک۔ وہ خود نہیں جانتی تھی وہ کیا چاہتی تھی۔ انداز سراسیمہ سا تھا۔ وہ شاید واقعی حیران تھی۔ زندگی پر، فوری طور پر بدلنے والے رنگوں پر اور شاید سب پر۔

''ہیلو سویٹی! گڈ یو ڈانس ود می آن دی فلور؟'' وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ کسی کے پاس آ کر رکنے اور سوال پوچھنے پر مطلق نہ چونکی تھی۔ چونکی تب تھی جب اس شخص نے شستہ انگریزی میں اپنا سوال دوبارہ دہرایا تھا۔

''کیا ہم اس حسین شام میں ایک دوسرے کی بانہوں میں جھول سکتے ہیں؟ اس رنگین شام کو مزید حسین بنا سکتے ہیں ایک ساتھ وقت بِتا کر؟'' وہ ساکت رہ گئی تھی۔ سر نفی میں ہلاتے ہوئے دھیان سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف گیا تھا جو بہت مصروف دکھائی دے رہا تھا۔

''نو تھینکس۔''

''اتنی دلکش، اتنی رعنائی اور اس پر تنہائی؟ کیا معاملہ ہے؟'' کوئی افسوس کرتا ہوا حیران تھا۔ ''کوئی فکر کی بات نہیں۔ ہم ہیں نا سراہنے والے اور تمہاری اس اُداسی کو مٹانے والے۔ کم آن...... مائے آر مز آر اوپن۔'' مقامی شخص نے شستہ انگریزی میں کہتے ہوئے شانوں سے تھام کر اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ بے بسی بھی بہت واضح تھی۔ وہ آواز دیتی تو کسے۔ پکارتی تو کسے۔ اپنا کون تھا یہاں؟ وہ تو کھلے آسمان کے نیچے ننگے سر تن تنہا کھڑی تھی۔

''نن......نہیں، آئی سیڈ نو......تھینکس...... مجھے نہیں جوائن کرنا آپ کو۔ گو اوے۔'' میرب سیال نے احتجاج کرنا چاہا تھا۔ اس بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹکا تھا۔ آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں اور پل بھر میں چھلکتی چلی گئی تھیں۔ تنہا تھی وہ ایک دم...... اکیلی، وقت کے رحم و کرم پر۔

''کم آن بیب! مائے آر مز آر اوپن فور یو۔'' سامنے کھڑا شخص بدستور پیشکش پر مائل تھا۔

میرب سیال کے لیے صورت حال کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اسے جھٹک رہی تھی مگر وہ شخص باز نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ جان گیا تھا وہ کتنی کمزور تھی، تنہا تھی۔

میرب سیال کی بھیگتی آنکھوں کے سامنے سارے منظر دھندلا رہے تھے۔

کسے پکارتی؟ کون آتا اس کی مدد کو؟

وہ تو ابھی کچھ دیر قبل کہہ گیا تھا۔

"شی اِز اونلی اے گرل فرینڈ آف مائن۔"

"ولٹس انجوائے بے بی! دِس لائف اِز سو مچ بیوٹی فل۔ ایز لائیک یو۔ کم آن۔"

نمکین پانیوں سے لبالب بھری آنکھوں سے اس نے ایک بار پھر وہ ہاتھ جھٹکا تھا۔

"سب......سبک......سبکتگین......!" بے ارادہ پکارنا چاہا تھا۔ مگر ہمت اتنی ناپید تھی کہ نام گلے میں ہی کہیں گھٹ کر رہ گیا تھا۔ آنسوؤں کے گولے کے ساتھ۔

وہ حد سے زیادہ بے یارومددگار تھی۔

شاید اس شام وہ واقعی تنہا، وقت کے رحم وکرم پر تھی۔ جو چاہتا سو کرتا۔

اپنی بے بسی پر ٹوٹ کر رونا آ رہا تھا۔

چہرہ متواتر بھیگتا چلا جا رہا تھا۔

کسی بھی طرح کی امید اس شخص سے رکھنا عبث تھا۔ اپنوں سے دور ایک پرائے دیس میں وہ پرائے لوگوں کے رحم وکرم پر تھی۔

بھیگتی آنکھوں کے آگے جیسے ایک دھندسی تھی۔ منظر بھی واضح طور پر دکھائی نہ دے رہا تھا اور جو دکھائی دے رہا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوئی اس کی مدد کو پہنچ چکا تھا۔ کوئی آ گیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جو مقامی شخص اس کے قریب کھڑا اُسے زچ کر رہا تھا اس گھڑی وہ اسے کسی سے بری طرح زدوکوب ہوتے دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال نے پانیوں سے بھری آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کسی قدر بے یقینی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ جس کا انداز بے حد جارحانہ اور مشتعل تھا۔ اس لمحے وہاں موجود سیکورٹی گارڈز اسے قابو کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے مگر بری طرح ناکام تھے۔

میرب سیال ساکت سی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ چند سیکورٹی گارڈز اس پٹنے والے مقامی شخص کو وہاں سے لے گئے تھے۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں اب بھی اتنی ہی خفگی تھی۔ سیکورٹی گارڈز کی حراست نکل کر اس کی سمت آتے ہوئے اس کے چہرے کی کیفیات بہت متضاد تھیں۔

میرب سیال بے دم سی سانس روکے کھڑی تھی جب وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔ میرب نے اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر میرب سیال نے وہی ہاتھ اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔ ایک لمحے کو ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ تھا۔ آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔ مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ جیسے وہ خود پر حتیٰ الامکان قابو پانا چاہتا تھا۔ مگر میرب سیال کو رتی بھر فکر نہ تھی۔ اسے بچانے آنے کی یہ قیمت بہت کڑی تھی۔

”بیوی...... بیوی نہیں ہوں میں تمہاری...... یہی...... یہی کہا تھا نا تم نے؟ گرل فرینڈ بنا کر لائے تھے نا تم مجھے یہاں؟ تو پھر اب کیوں آئے؟ کیوں نہیں چھوڑ دیا مجھے انہی درندوں کے رحم و کرم پر؟...... گرل فرینڈ کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ بیوی کیا ہوتی ہے...... اس کی عزت کیا ہوتی ہے۔ کبھی رشتے بنائے ہوں، نبھائے ہوں تو کچھ خبر نہیں ہو...... نام کے رشتے بنا کر رشتے برتنا نہیں آ جاتے۔ بیوی کی جگہ کیا ہوتی ہے اور گرل فرینڈ کی کیا؟ تم ابھی تک نہیں سمجھے ہو۔ اور سمجھو گے بھی نہیں۔ کہ جب تم بیوی کو محفلوں میں لا سکتے ہو...... اس کے سامنے کسی کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر انجوائے کر سکتے ہو تو کوئی تمہاری بیوی کی سمت بھی اسی خواہش سے بڑھ سکتا ہے۔ عجب تو کچھ نہیں ہوا۔ پھر کیوں اتنے برہم دکھائی دے رہے ہو مسٹر سردار سبکتگین حیدر لغاری......؟“ آنکھوں میں دیکھتی ہوئی درشت انداز میں وہ دریافت کر رہی تھی۔ مگر لب بھینچے کھڑے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ بڑھا کر یکدم ہی اس کا ہاتھ گرفت میں لیا تھا اور جارحانہ انداز میں کھینچتا ہوا اس ماحول سے نکل آیا تھا۔ اس گھڑی وہ کوئی بپھرا ہوا شیر لگ رہا تھا جو اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش میں تھا۔ میرب سیال کو اب کوئی خوف نہیں تھا۔ اسے نتائج کی پرواہ نہیں تھی۔ اُسے اُس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا آ گیا تھا...... ہر قسم کے خوف سے دامن چھڑا چکی تھی وہ...... جو ہوتا سو ہوتا...... اپنا ہاتھ آہنی گرفت میں لے جارحانہ انداز میں اسے لے کر آگے بڑھتے شخص کو، اس کی پشت کو وہ دیکھ رہی تھی۔ مگر اب نہ آنکھوں میں آنسو تھے، نہ ہی کسی قسم کا کوئی خوف۔ جیسے اب وہ جینا سیکھ چکی تھی۔

☆......☆......☆

دل اور دماغ جب دو مختلف سمتوں پر ہوں، انہیں ایک سمت میں لانا آسان نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس ضمن میں کی جانے والی کوشش کامیاب......!

پتہ نہیں وہ اس ضمن میں واقعی کامیاب تھی بھی یا کہ نہیں...... مگر یہ سب کرتے ہوئے دل عجب مشکل میں تھا۔

وہ اندھیرے میں کھڑی تھی۔ اگینے اسے دیکھ کر کسی قدر پریشانی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

”ساہیہ! کیا ہوا؟...... اس طرح اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو؟“

”پھپھو! آپ کو وہ طریقہ معلوم ہے جس میں سب کو خوش رکھنے کے ساتھ ساتھ خود کو مطمئن رکھنا بھی آتا ہو؟“ ساہیہ مسکرائی تھی۔ مگر لبوں پر بڑی ہی بجھی بجھی مسکراہٹ تھی۔

”کیوں، کیا ہوا؟...... تم اس طرح کیوں سوچ رہی ہو؟“

”کیونکہ...... کیونکہ پھپھو!...... مجھے لگ رہا ہے میں باوجود کوشش کے ویسا نہیں کر پا رہی ہوں جیسا کرنا چاہتی ہوں۔ دل و دماغ دو مختلف سمتوں پر چلنے کو مائل ہیں اور......“ بات ادھوری چھوڑتے ہوئے وہ خاصی اُلجھن میں دکھائی دی تھی۔ اگینے نے اس کے شانوں پر ہاتھ دھر دیئے تھے۔

”یہ ہماری ساہیہ، جس کے پاس ہر مشکل کا حل موجود ہے، ہر تالے کی، کی موجود ہے آج اتنی مایوس کیوں دکھائی دے رہی ہے؟...... تم تو اپنی ایک مسکراہٹ سے کسی دشمن کا بھی دل جیت سکتی ہو۔ ایک دردمند، حساس دل رکھتی ہو۔ پھر اتنی مایوس کیوں ہو؟“ اس کے

چہرے کو اوپر اُٹھاتے ہوئے اگینے نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''پھپھو! دل جیتنا الگ بات ہے اور دل میں گھر کرنا دوسری بات۔ اور آپ کی ساہیہ اس بار واقعی ناکام رہی ہے۔ شاید اس لیے بھی کہ خواہشوں کے الاؤ اسے جلانے لگے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جذبات سے دامن چھڑا نہیں پا رہی ہے۔ بھول نہیں پا رہی ہے کہ وہ بھی ایک لڑکی ہے اور ایک دل رکھتی ہے۔ اور اس دل میں لاتعداد خواہشیں جوکروں کی طرح، جوک مار کر اور مسکرا مسکرا کر وہ دوسروں کے لبوں پر مسکراہٹ تو لاسکتی ہیں۔ انہیں مطمئن و پُرسکون تو کرسکتی ہے مگر اس سب میں وہ خود کہاں ہے؟ اس کی ذات کہاں ہے؟'' مدھم لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

اگینے کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''پھپھو! کوئی آپ کو نہیں چاہتا، محبت نہیں کرتا، یہ سننا جھیلنا آسان ہے۔ مگر کوئی کسی اور سے محبت کرتا ہے اس لیے آپ سے محبت نہیں کرسکتا، یہ جھیلنا آسان نہیں ہے۔''

اگینے ساکت رہ گئی تھی۔

''پھپھو! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ اس کی خواہشوں میں کوئی اور ہے......اور......''

''ایسا تم سے اذہان نے کہا؟'' اگینے کا لہجہ دھیما تھا۔ کسی قدر حیرت سے بھرا۔

''نہیں......میں بے وقوف نہیں۔ میں یہ بات جانتی ہوں۔''

''تو پھر......کیا طے کیا تم نے؟''

''یہی......یہی تو پرابلم ہے پھپھو! میں کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پا رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''شاید یک طرفہ راستے اسی قدر کٹھن اور مشکل ہوتے ہیں۔'' لہجے میں ایک یاسیت تھی۔ مگر اگینے کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اس لمحے نظروں میں ایک گہرا کرب دکھائی دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

''انابیہ شاہ!......زندگی کو جینے کی صورت اور ہوتی ہے اور بسر کرنے کی اور۔ جینے کے ڈھنگ ڈھونڈنے پڑتے ہیں اور بسر کرنے کے طریقے خود سے وضع کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں دوسری کیفیت کو فوقیت دینے والوں میں سے ہوں۔ میرے خیال میں زندگی کا کوئی فریزنگ پوائنٹ نہیں ہوتا۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ کوئی ساتھ چلے نہ چلے......رہے نہ رہے۔''

لامعہ حق سوفٹ ڈرنک کے سپ لیتی ہوئی بہت پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ انابیہ شاہ کے پاس بولنے کو شاید کچھ نہ تھا۔

''جو باب بند، سو بند۔ میں کسی معاملے کو دوبارہ ہوا نہیں دینا چاہتی۔ اس لیے پلیز تم یہ مصالحت کروانے کے طریقے سوچنا بند کر دو......میں جانتی ہوں، یہ ساری کوششیں ناکام ہونے والی ہیں۔''

''لامعہ! تم جانتی ہو وہ لڑکی کون ہے؟'' جھکی نظروں میں کوئی ندامت سی تھی۔

لامعہ حق مسکرا دی تھی۔ انداز بجھا بجھا سا تھا۔

''کیا فرق پڑتا ہے؟ ...... کوئی بھی ہو۔ مسائل کم تو نہیں ہیں جو مزید بڑھائے جائیں۔ تم نے بتایا نہیں، آنٹی بتا رہی تھیں تمہارے لیے کوئی پروپوزل آیا ہے...... اور تم اسے مسلسل ریجیکٹ کر رہی ہو۔ معاملہ کیا ہے؟...... بہت گھنی ہو تم...... مجھ سے بھی چھپانے لگی ہو؟'' لامعہ حق کا لہجہ معمول کا سا تھا مگر انابیہ شاہ نظریں چرا گئی تھی۔

''میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں لامعہ!''

''کیا؟...... بتاؤ نا۔'' وہ مسکرائی تھی۔ مگر تبھی اس کے پرسنل سیل پر ایس ایم ایس کی مخصوص ٹون بجی تھی۔ وہ اسکرین پر ساری توجہ صرف کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اور اس کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

''سوری یار!...... ہم پھر بات کریں گے۔ مگر آئی مسٹ سے...... خواہ مخواہ کی فکریں پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر لڑکا اچھا ہے تو فوراً اُسے ہاں کہہ دو...... رفیوز کرنے کا آپشن پھر کسی وقت اور موقع کے لیے اُٹھا رکھو۔ اوکے...... پھر ملیں گے تو بات کریں گے۔'' لامعہ حق عجلت میں اسے چھوڑ کر نکل گئی تھی۔ مگر وہ تا دیر وہیں بیٹھی اپنی اُلجھنوں کو لے کر اُلجھتی رہی تھی۔ جانے کب یہ سلسلہ تھمنا تھا اور کہاں جا کر تھمنا تھا۔ تھمنا بھی تھا یا کہ نہیں؟

وہ مکمل طور پر شکست خوردہ دکھائی دے رہی تھی...... قصور اس کا کہیں بھی نہیں تھا۔ مگر وہ خود کو پھر بھی مجرم سمجھ رہی تھی۔ حالات سبھی اس کے مخالف تھے اور وہ سدباب ڈھونڈتے ڈھونڈتے واقعی نڈھال تھی۔

☆......☆......☆

کچھ پھول چننے

کچھ خواب بُننے......

چلے تھے تو قدم مگر......

راستوں نے پیروں میں بچھے تمام رستوں کو

اور دور کر ڈالا......

خاک میں ملا ڈالا

کھو گئے سبھی رستے

رنگِ شہر بھی اُجڑ گیا

نگاہ سے نگاہ کا واسطہ......

ہر رابطہ......

فاصلوں سے اٹ گیا......

سارا سفر ختم ہو گیا تھا......راستے ختم ہو گئے تھے اور قدم گرد سے اَٹ گئے تھے۔ جہاں سے چلے تھے قدم، پڑاؤ دوبارہ وہیں آن پڑا تھا۔

سیفی، سبھی دوسرے کزنز، بے جی اسے دیکھ کر حیران تھے۔

"تم اس طرح مجھ گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" سیفی کے دیکھنے پر وہ تمام صورت حال کو "انڈر کنٹرول" ظاہر کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"میں تمہاری آنکھوں میں وہ رنگ تلاشنے کی کوشش کر رہا ہوں جو تم اپنے لہجے میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔" سیفی مسکرایا تھا۔ میرب سیال لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ پھر مسکراتی ہوئی شکوہ کناں نظروں سے بے جی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"نانو! دیکھ لیں......کیسی فضول باتیں کر رہا ہے یہ سیفی کا بچہ۔"

"سیفی!......بری بات ہے بچے۔ بہن کو اس طرح نہیں ستاتے۔" ممانی نے سیفی کو گُھر کا تھا۔ سیفی مسکرا دیا تھا۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ اتنے دنوں بعد یہاں واپس آئی ہوں میں۔ پاپا اور دیگر لوگ تو یہاں ہیں نہیں۔ ایسے میں، میں اپنے ننھیال نہیں آؤں گی تو اور کس کے پاس جاؤں گی؟" سیفی مسکرا دیا تھا۔ بے جی نے اُسے چپت لگائی تھی۔

"کیوں خواہ مخواہ چھیڑ رہا ہے......میرو! تُو سنا، وہاں سب ٹھیک تو ہے نا؟" مظہر کی طبیعت پہلے سے بہتر ہوئی یا نہیں؟"

"جی......بہت بہتر ہیں پہلے سے۔"

"مظہر بھائی نے تو حد کر دی۔ سارے ربط ہی توڑ دیئے۔ اتنی دوری آن پڑی ہے درمیان کہ حال احوال پوچھنے سے بھی گئے۔" منجھلی ممانی نے شکوہ کیا تھا۔ لہجے میں ایک افسوس تھا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟......بندہ تو کوشش کر سکتا ہے، سو ہم نے کی تھی۔ مگر وہی مائل نہیں رہے کبھی۔" بڑے ماموں اشتیاق کے لہجے میں بھی افسوس تھا۔

بے جی خاموشی سے جیسے کچھ سوچنے لگی تھیں۔ وہ جانتی تھی اس لمحے ان کے ذہن و دل میں کیا سوچیں پل رہی ہوں گی۔ سو ان کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"نانو! میں نے وہاں ایک شے کو بہت زیادہ مس کیا۔ آپ جانتی ہیں کیا؟......آپ کے ہاتھ سے بنی ہوئی دیسی سویوں کو۔ سچ، بہت یاد آئیں۔" وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ نانو مسکرا دی تھیں۔ پھر محبت سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"میں تو تیرا ہی چہرہ دیکھ کر جی رہی ہوں۔ تیرے نین نقش مجھے گمشدہ رشتوں کا احساس دیتے ہیں۔ تُو جانتی ہے تیری شکل ہُو بہو اپنی ماں جیسی ہے؟"

"ہاں......اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ماما کی شکل آپ سے بھی بہت ملتی تھی۔" میرب سیال مسکرائی تھی۔

''ہاں۔مگر عادتیں اُس کی ساری اپنے باپ جیسی تھیں۔مجال ہے جو کسی بات کو برا مان کر دل سے لگا لے۔ہر دم مسکراتا چہرہ۔دشمن نے بھی دل دُکھا دیا تو جواباً اُسے سُکھ ہی دیا۔'' بے جی پرانی یادوں میں کھوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

''پھر تو اپنی میرب صاحبہ بھی بالکل انہی پر گئی ہیں۔یہ بھی اپنے دشمنوں کو کشادہ دلی سے نہ صرف معاف کرتی ہیں بلکہ دل سے برداشت کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔''سیفی مسکرا رہا تھا۔مگر میرب سیال کے لبوں پر کسی طرح کی کوئی مروت سے بھری مسکراہٹ بھی نہ آ سکی تھی۔وہ کسی طرح کی مروت کا مظاہرہ کرنے میں یکسر ناکام رہی تھی۔

''میری تو خواہش تھی اپنے سیفی کے لیے مظہر بھائی سے تمہیں مانگتی۔مگر خیر جو خدا کو منظور، خدا نصیب اچھے کرے۔'' بڑی زیب ممانی نے خواہش کا برملا اظہار کر دیا تھا۔بے جی نے انہیں کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

''نصیبوں کے کھیل ہیں سارے......جو لکھا ہو، وہ ہو کر رہتا ہے۔خدا نے جس کے ساتھ اس کا میل بنایا ہے، خدا جوڑی بنائے رکھے۔''

''آمین۔یوں بھی مجھے ایسے انوکھے لوگوں کو جھیلنے کی عادت نہیں۔''سیفی مسکرایا تھا۔

''ہاں......مگر تم جھیل تو اب بھی رہے ہو۔'' میرب نے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا تھا۔

''ہاں۔مگر اس طرح سے جھیلنے میں اور اُس طرح سے جھیلنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔اس کا مطلب کم از کم تم تو سمجھ ہی سکتی ہو۔'' سیفی مسکرایا تھا۔بات اگرچہ مذاق میں تھی مگر میرب کے لبوں پر کوئی مسکان نہیں کھیلی تھی۔

''بہو! کچن میں دیکھ لو ذرا۔رات کے کھانے میں اہتمام رکھنا۔داماد پہلی بار آ رہا ہے۔میرو! کب کا کہا تھا سبکتگین نے آنے کا؟''

''وہ نانو!......کہا تو رات کا ہی تھا مگر......''

''اگر مگر کیا؟......ٹھیک سے بتاؤ نا......موصوف آنے والے ہیں یا کہ نہیں؟ ہاتھ میں سیل فون ہے۔کال کر کے کنفرم کر لو۔اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہو؟''سیفی نے کہا تھا۔

وہ ناچار نمبر ملانے لگی تھی۔مگر دوسری جانب رسپانڈ نہیں کیا گیا تھا۔نتیجتاً وہ سلسلہ منقطع کر کے ان سب کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''غالباً بزی ہیں۔''

''اور اگر وہ لینے بھی نہ آئے تو؟'' کزن حور عین نے چھیڑا تھا۔

''تو کیا......ہم نے اپنی بیٹی کو گھر سے تو نہیں نکالا ہوا۔وہ تو مظہر بھائی ہی نے گڑبڑ کر دی۔بیٹی کو نکاح کے دو بول پڑھوا کر رہنے کے لیے سسرال میں چھوڑ دیا۔اتنی بڑی ننھیال کے ہوتے ہوئے، پرائے گھر کا انتخاب کیا بیٹی کے رہنے کے لیے۔بات اگر چند دن کی بھی تھی تو ننھیال کیا برا تھا؟ مظہر بھائی نے تو ایک طرح سے طمانچہ مارا ہے ہمارے منہ پر۔'' بڑی ممانی صاف گوئی سے بولی تھیں۔بے جی جواباً خاموش رہی تھیں۔

"بھابھی ثمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے بے جی! لوگ انگلیاں اُٹھا رہے ہیں ہم پر۔ مظہر سیال نے ایسا کر کے ٹھیک نہیں کیا۔ سگی ننھیال پر اعتبار نہیں، غیر لوگوں پر بھرپور اعتماد ہے۔ اس سے زیادہ ذلت ہماری اور کیا ہوگی؟" سمیع ماموں نے بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا۔ میرب سیال کے پاس سوائے خاموشی سے سر جھکا جانے کے اور کوئی راہ نہ تھی۔

"آؤ، ہم ٹیرس میں چلتے ہیں۔ یہاں کچھ گھٹن سی ہو رہی ہے۔" ہادیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اسے اس بوجھل بوجھل ماحول میں وہ لمحہ غنیمت لگا تھا۔

ڈھیر سارے کزنز کے جھرمٹ میں......خوشگوار ماحول میں بھی اسے کئی طرح کی کثافتوں کا سامنا تھا۔ شاید یہ موسم اس کے اندر کے تھے۔ سیف نے اُسے خاموشی سے دیکھا تھا مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

"کتنے دن ہو گئے نا ہمیں ڈھنگ سے کچھ انجوائے کیے...... نہ کوئی آؤٹنگ نہ بلاوجہ کا ہینگ آؤٹ، نہ شاپنگ، نہ کوئی اور مصروفیت۔ کوئی لطف نہیں۔"

لامعہ حق کا لہجہ اس کے اندر کی صاف چغلی کھا رہا تھا۔ حالانکہ اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ ڈرائیو کرتی ہوئی وہ بہت پُر اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ اس کے اندر کے تمام انتشار جیسے دیکھ رہی تھی۔

"لامعہ!......تمہاری اس کیفیت سے میں خوش نہیں ہوں۔ تمہاری یہ کیفیت مجھے اندر سے بہت کاٹ رہی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے میرا اندر بھرپور تمازتوں میں گھر گیا ہے۔ سارا وجود جل رہا ہے۔"

"اور دور تک چھاؤں کہیں نہیں ہے۔" لامعہ حق نے معمول کے انداز میں مسکراتے ہوئے اس کا جملہ مکمل کیا تھا اور ہنس دی تھی۔

"انابیہ!......تمہاری دوست اب اتنی کمزور بھی نہیں ہے۔ اور تم جانتی ہو مجھے بے کار کے روتے بسورتے چہرے بہت برے لگتے ہیں۔" انابیہ مسکرا دی تھی۔

"انابیہ! میں اس پرانی دوست کو بہت مس کر رہی ہوں جو تمام غموں سے، دُکھوں سے واقعی دوستی نہیں رکھتی تھی۔ جسے بلاوجہ کے واہموں اور خدشات سے کچھ واسطہ نہ تھا اور جو زندگی کو جینا جانتی تھی۔ مگر اپنی بہت اچھی سی انابیہ کے ساتھ۔" لامعہ حق مسکرا دی تھی۔ مگر انابیہ شاہ ایسی کوئی کرٹسی نہیں دکھا سکی تھی۔ بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے اسٹیئرنگ پر دھرے نازک ہاتھ دھر دیا تھا۔

"لامعہ! میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔" انابیہ شاہ نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"کیا؟" لامعہ حق سننے پر مائل نظر آ رہی تھی۔ مگر انابیہ لمحہ بھر کے لیے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ شاید بہت ہمت درکار تھی۔ مگر اُسے یہ سب کہنا تھا۔ کم از کم وہ اپنی بہترین دوست کو کسی قسم کے اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ نقصان پہنچانا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لیے کہنا بے حد ضروری تھا۔

''لامعہ! میں تم سے چھپانا نہیں چاہتی۔ نہ ہی اب چھپاؤں گی۔ عفنان علی خان کی زندگی میں آنے والی دوسری لڑکی کوئی اور نہیں، میں ہوں۔'' انابیہ شاہ نے سچ کہا تھا۔ ایک لمحہ سکوت رہا تھا۔ لامعہ حق کی گاڑی کو یکدم بریک لگے تھے اور وہ بے حد حیرت کے ساتھ اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''لامعہ! پلیز......تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری خیر خواہ نہیں ہوں یا تمہاری مخلص نہیں ہوں۔ مجھے بھی نہیں پتہ یہ سب کیونکر اور کیسے ہوگیا۔ کیسے عفنان علی خان میری محبت میں اس درجہ گرفتار ہوا۔ مگر میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ اور اسی لیے میں نے کبھی بھی اس کی کسی طرح سے کوئی پذیرائی نہیں کی۔ اگر چہ وہ تم سے تعلق توڑ چکا ہے مگر میں اب بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ تمہاری طرف لوٹ جائے، مجھے پروپوزل بھجوانے والا کوئی اور نہیں، عفنان علی خان ہی ہے۔ مگر میں نے اس کے پروپوزل کو رد کر دیا ہے۔ میں اس سے کسی طرح کا کوئی ریلیشن شپ نہیں چاہتی۔ اس کے برعکس میں اس کے اور تمہارے درمیان پل کا کام کرنا چاہتی ہوں۔ میری کوشش ہے تم دونوں کے بیچ پھر سے وہی تعلق قائم ہو جائے۔'' انابیہ شاہ مخلصانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ مگر لامعہ حق جیسے کسی عالم سکوت میں تھی۔

انابیہ شاہ مجرم نہ ہوتے ہوئی بھی، اپنا کوئی قصور نہ پاتے ہوئے بھی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''لامعہ! آئی ایم سوری، اگر تمہارا دل میری وجہ سے دُکھا ہے۔ مگر میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا۔'' ناکردہ جرائم کی وضاحت دیتی ہوئی وہ بہت مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دی تھی

''اسٹرینج......ویری اسٹرینج۔'' وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔ لہجہ متاسف تھا۔ ''مجھے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا......اور وہ تم تھیں......''

انابیہ شاہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔ عجب ایک پاگل پن کا سا انداز تھا۔ وہ ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

''نہیں انابیہ شاہ! تم وہ ہرگز نہیں ہو جس سے میں نفرت کر سکوں یا نفرت کروں۔ بالکل بھی نہیں، کوئی اور ہوتا تو بات بھی تھی۔ مگر تم ......تم سے میں چاہوں بھی تو نفرت نہیں کر پاؤں گی۔ سچ کہوں تو میں ابھی تک یقین بھی نہیں کر پا رہی ہوں کہ وہ تم ہی ہو......میری اپنی دوست، میری انابیہ۔ ایک ساتھ، ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلتے بچپن گزرا......کبھی تم میرے گھر اور کبھی میں تمہارے۔ کبھی کوئی تفریق درمیان رہی ہی نہیں۔ اور آج۔'' وہ مسکرا دی تھی۔ ''تمہیں یاد ہے انابیہ! ہم بچپن میں ایک جیسے کھلونوں اور چیزوں کی طرف ایک ساتھ مائل ہوا کرتے تھے۔ جو شے تمہیں اچھی لگتی تھی وہی مجھے بھی اچھی لگتی تھی۔ اور اس بات کو لے کر اکثر ہم میں جھگڑا بھی ہو جایا کرتا تھا۔ مگر ہم زیادہ دیر تک دور نہیں رہ پایا کرتے تھے اور نتیجتاً پھر ساتھ ہوتے تھے۔ اور آج.....'' وہ ایک تاسف سے شانے اچکاتی ہوئی ونڈ اسکرین سے پار دیکھنے لگی تھی۔

انابیہ شاہ خاموش نہیں رہ سکی تھی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو لامعہ! میرا عفنان علی خان میں کبھی کوئی انٹرسٹ ڈی ویلپ نہیں ہوا......اور نہ ہی ہوگا۔''

''ہاں......میں جانتی ہوں۔مگر میرا مطلب یہ نہیں تھا۔میں جانتی ہوں تم مجھ سے اور میں تم سے کتنے سنسیئر ہیں۔میں جانتی ہوں تمہارا کبھی کوئی قصور اس میں رہا نہیں ہوگا۔میرا یقین تم پر مجھ سے بہت زیادہ ہے۔''لامعہ کے لبوں پر دھیما سا تبسم تھا اور انابیہ شاہ کی نظروں میں بے یقینی تھی۔اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولنا چاہے تھے مگر اس سے قبل ہی لامعہ حق اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولی تھی۔

''ڈونٹ تھنک اینی مور انابیہ! آئی سیڈ ویٹ آئی بلیو......یقین ہے تو پھر کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔یہ تو لکھ نہیں نا،ساری بات ان کی ہے۔یو مسٹ بی اے لکی گرل۔''تبسم بجھا بجھا سا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

انابیہ شاہ گھر آنے تک خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔کہنے سننے لائق کچھ باقی نہ بچا تھا جیسے۔اس کے گھر کے باہر گاڑی رکی تھی اور انابیہ شاہ نے لامعہ حق کی طرف دیکھا تھا۔وہ اسی دوستانہ انداز میں مسکرا دی تھی۔

''کل میرا شاپنگ کا موڈ ہو رہا ہے۔اگر وقت ہو تو فون کر دینا۔ہم پروگرام ڈن کر لیں گے۔''

انابیہ شاہ نے سر ہلا دیا تھا۔لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے گاڑی بڑھا دی تھی۔

انابیہ شاہ تادیر وہیں کھڑی رہی تھی۔

قصور اس کا کہیں نہیں تھا۔مگر اس کے اندر ایک گلٹ پھر بھی تھا۔وہ گلٹی فیل کر رہی تھی۔کیونکہ وہ جانتی تھی لامعہ حق کی وہ مسکراہٹ،وہ تبسم جھوٹا تھا اور یہ بات اسے لامعہ سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''پتہ نہیں فارحہ بھابی! مجھے یہ بات کہنا بھی چاہیے یا نہیں۔مگر مجھے جانے کیوں ساہیہ اور اذہان اس فیصلے سے خوش دکھائی نہیں دیتے......انہوں نے مجھ سے ایسا کچھ کہا تو نہیں،مگر بہت سی باتوں کے کہنے کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے اگینے! اذہان نے خود اس رشتے کے لیے مجھے اپنی رضا مندی دی ہے۔اور رہی بات ساہیہ کی،تو لڑکیاں عموماً اس معاملے کو لے کر کسی قدر اپری ہنسو ہوتی ہیں۔شاید اس لیے بھی کہ وہ زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ساہیہ اور اذہان کو چھوڑو،تم اپنی بات کرو۔واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟ کتنا عرصہ گزر گیا،روحیل نے پلٹ کر خبر کیوں نہیں لی؟ تم دونوں کے درمیان سب ٹھیک تو ہے نا؟''مسکراتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں دریافت کیا تھا۔مگر اگینے کے چہرے کی کیفیت ایک پل میں متغیر ہوئی تھی اور وہ نظریں چرا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟......برا مان گئیں؟ میں تو صرف مذاق کر رہی تھی۔میرا مقصد یہ نہیں تھا۔''فارحہ نے معذرت چاہی تھی اور اگینے جیسے اس لمحے ایک کرٹسی سے مسکرائی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے بھابی! آئی ڈونٹ مائنڈ دیٹ۔''

''تو پھر اگینے! مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے ان آنکھوں میں کچھ ہے۔کوئی ایسی بات جو تم سب سے چھپانا چاہ رہی ہو۔حتیٰ کہ

خود سے بھی۔''

فارحہ کا انکشاف اگینے کو حیران کر دینے کو کافی تھا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

فارحہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا اور بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''اگینے! کبھی کبھی بھید کو بھید بنائے رکھنے سے زیادہ مشکل بھید کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے تو تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو...... اُلجھاوؤں کو زیادہ دیر تک نہ سلجھایا جائے تو پیچیدگیاں بڑھنے لگتی ہیں۔'' مشورہ مخلصانہ تھا مگر اگینے کچھ نہیں بولی تھی۔

☆......☆......☆

خدشات کبھی کبھی درست بھی ہوتے ہیں۔

میرب سیال کو جو لگا تھا وہ درست ہی تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے نہیں لینے آیا تھا۔ غالباً مائی اماں نے ڈرائیو بھجوا دیا تھا۔

نانو، ماموں، ممانیوں نے کوئی وضاحت نہیں مانگی تھی مگر وہ اپنی جگہ جیسے چور سی بن کر رہ گئی تھی۔

لوٹی تھی تو وہ محل نما گھر اسی قدر ویرانیوں میں ڈوبا ملا تھا۔

دو دن پہلے جب وہ لوٹی تھی تو تب بھی اس نے اس گھر میں ایسا ہی سناٹا دیکھا تھا۔ یا پھر اس کے اندر کا موسم ہی اتنا پُر وحشت تھا کہ سب کچھ اسی رنگ میں رنگا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنے عرصے کی دوری کے باوجود مائی اماں کو بھی زیادہ وقت نہیں دے سکی تھی۔ اور آج صبح بھی جب وہ نکل رہا تھا وہ خاموشی سے گاڑی میں آن بیٹھی تھی۔

''نانو سے ملنے جانا ہے۔'' مگر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی زحمت گوارہ نہیں کرنا پڑی تھی اور کوئی یکسر اجنبی بن کر اس کی طرف سے توجہ کا ہاتھ کھینچ چکا تھا۔

بس لمحہ بھر کی بات تھی اور وہ نگاہ پھر سے اجنبی تھی۔ اور غالباً وہ لمحہ بھر کو جو نگاہ دانستہ اس پر ڈالی گئی تھی تو وہ بھی بوجہ التفات نہیں بلکہ اس میں استفسار کا عنصر زیادہ غالب تھا۔ میرب سیال کوئی شکوہ کرنے کا حق محفوظ نہیں رکھتی تھی۔ سو چپ چاپ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

''میرب!'' وہ بے دھیانی میں زینہ طے کر رہی تھی جب مائی اماں کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ پلٹی تھی۔

''جی مائی اماں؟''

''بیٹا! اگر مناسب لگے تو کچھ وقت ہم ساتھ گزار لیں؟'' وہ پوچھ رہی تھیں اور میرب سیال کو انکار مناسب نہ لگا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔ مگر وہ بے مروتی کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی اور چلتی ہوئی ان کی طرف آ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟...... بہت تھک گئی ہو؟'' مائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پوچھا تھا۔ وہ ایک مروت سے مسکرا دی تھی۔ کوئی جواب نہ تھا۔

''تم واپس کیا آئی ہو، میرے گھر کی تو جیسے روشنی لوٹ آئی ہے۔ زندگی تم ہی تو ہو۔ ٹھیک کہتے ہیں، بیٹیوں کے دم سے ہی گھر میں

رونق ہوتی ہے۔ بیٹوں کا کیا ہے، ٹکے ٹکے، نہ ٹکے گھر پر...... ہزار ہا بے وجہ کی مصروفیات پال رکھی ہوتی ہیں۔ مگر بیٹیاں...... بیٹیاں ماں باپ کا بے حد خیال رکھتی ہیں۔ اپنے وقت میں سے وقت نکال کر ماں باپ کو دیتی ہیں۔ ان میں بیٹوں کی بہ نسبت عقل مندی بھی زیادہ ہوتی ہے اور مروت بھی۔'' مائی اماں غالباً فقط اس خاموشی کو توڑنا چاہتی تھیں۔ تبھی بے معنی گفتگو بھی جاری رکھنا چاہتی تھیں۔ اور میرب نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''سبکتگین حیدر تو یوں بھی زیادہ اس گھر میں نہیں رہتا۔ میرے دیور اور نندوں کی بچیاں بچے ہیں جو اکثر چھٹیوں میں آجاتے ہیں اور تب اس گھر میں قدرے رونق ہو جاتی ہے۔ مگر اب مجھے ان کے آنے کا بالکل بھی کوئی انتظار نہیں۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اب میری بیٹی جو میرے پاس آگئی ہے۔ سچ، سارا سال میں ان بچوں کی چھٹیوں کا انتظار کرتی رہتی تھی کہ کب ان کی چھٹیاں ہوں اور کب وہ یہاں رہنے کے لیے آئیں اور اس گھر کی خاموشی کچھ کم ہو۔'' مائی اماں اپنی تنہائی اور اس گھر کی وحشت سے وابستہ کہانیاں بیان کر رہی تھیں۔ مگر دوسری طرف میرب سیال خاموش تھی۔

''کیا ہوا؟...... بور ہو رہی ہے تو؟...... میری باتیں لطف نہیں دے رہیں؟'' مائی اماں نے غالباً نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ میرب سیال نے فوری طور پر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا بات ہے؟ جب سے تُو لوٹی ہے، خوش دکھائی نہیں دے رہی۔ جانے سے قبل بھی تیرے چہرے پر پریشانی والی کیفیت تھی۔ مگر یہ کیفیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہوئی ہے جو تجھے بے حد ناگوار گزری ہے۔ مگر تُو اسے چپ چاپ جھیل رہی ہے۔ مجھے بتا، کیا ہوا؟ سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ کہا تجھے؟'' بات سچ تھی۔ وہ کوئی وضاحت نہیں کر سکتی تھی۔ مائی اماں کی نگاہ واقعی جہاندیدہ تھی یا پھر وہ اپنے بیٹے سے بہت اچھی طرح واقف تھیں۔

''میرو! میرے بچے! یہ جو وقت تم دونوں کو ساتھ گزارنے کو دیا گیا تھا صرف اسی بات کے لیے تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ اور جان سکو۔ حالانکہ ایسا کچھ ضروری بھی نہیں تھا۔ ہمارے ہاں تو وہ روایت ہے کہ بس شادی ہوگئی تو نباہنا شروع ہو گیا۔ مگر میں نے ایسا اسی لیے چاہا تھا کہ میں سبکتگین حیدر لغاری کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی اور ہوں۔ میں جانتی ہوں اس میں کتنی خامیاں اور کتنی خوبیاں ہیں۔ ماں کی نظر بچے کی ساری کمیوں کو دیکھ سکتی ہے اور میں بھی گین کے منفی پہلوؤں سے ناواقف نہیں ہوں...... میں جانتی ہوں کسی عام لڑکی کا گزارہ اس کے ساتھ ناممکن ہوتا۔ یکتا حسن بھی کوئی خاص معنی نہ رکھتا۔ اسے قائل کرنے اور زیر کرنے کے لیے حُسن اور عقل کی بیک وقت ضرورت تھی اور مجھے ایسے میں تمہارا انتخاب بہترین لگا۔ بیٹا! یہ مت سمجھنا کہ میں خود غرض ہوں اور گین کے مزاج کو جانتے بوجھتے میں نے کسی لڑکی کو عذاب میں مبتلا کیا...... تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہو۔ میں گین سے بڑھ کر تمہیں چاہتی ہوں اور ہر معاملے میں میری فوقیت گین سے بڑھ کر تم ہو۔ اور تم ہی ہو گی۔ ایسا یقین دلا کر میں تمہیں کوئی سبز باغ نہیں دکھا رہی۔ اگر تم اسے خود غرضی

بھی کہو تو یہ صرف اتنی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو راہِ راست پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم یہی کہو گی کہ کسی کا پیدا کیا گیا بگاڑ میں کیوں سدھاروں...... میں کیوں یہ سزا کاٹوں یا عذاب جھیلوں؟ تو بیٹا! میں صرف اتنا کہوں گی، مکمل کوئی شخص بھی نہیں ہوتا۔ گین کی پرسنالٹی میں جو خامیاں آ گئی ہیں وہ دور ہو سکتی ہیں اور ایسا صرف تم کر سکتی ہو۔ مجھے تم پر کامل یقین ہے۔''

مائی اماں پتہ نہیں واقعی سچ کہہ رہی تھیں یا کہ نہیں۔ میرب سیال کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو بہت خاموشی سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

اندر داخل ہوتے ہوئے سبکتگین حیدر لغاری نے اس منظر کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو قدم رکے تھے۔ مائی اماں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ میرب بھی دیکھ چکی تھی مگر دانستہ نہ تو نگاہ اُٹھائی تھی نہ اس کی سمت توجہ کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی بے تاثر انداز لیے آگے بڑھ چکا تھا جیسے اسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ تو پھر وہ کیوں آنسو بہا رہی تھی؟ میرب سیال نے سوچا تھا اور پھر یکدم آنکھیں رگڑتی ہوئی وہاں سے اُٹھی تھی اور زینہ چڑھتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

دن بھر کی خواری کے بعد لامعہ حق نے اسے واقعی بہت تھکا دیا تھا۔ مگر انابیہ کو خوشی تھی کہ اس نے ایک اچھا دن لامعہ حق کے ساتھ گزارا تھا۔ اور وہ بھی ایک عرصے کے بعد۔ لامعہ کی بہت سی خوشیوں میں وہ صرف اس کی خاطر، اس کے لیے شریک ہوتی تھی۔ اور ایسا کر کے اسے خوشی ہوتی تھی۔

''کیا ہوا؟...... تھک گئی ہو؟'' ماما نے اسے دودھ کا گلاس تھماتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں ماما! بس ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''اچھا لاؤ، میں سر میں تیل ڈال دوں۔''

''نہیں ماما! آپ پلیز زحمت نہ کریں۔'' اس نے تعرض برتا تھا۔

''زحمت کیسی؟...... بچوں کے کام کر کے بھی کبھی ماں کو زحمت ہوئی ہے؟'' ماہ وش شاہ بیٹی کے سر میں تیل ڈالنے لگی تھیں۔

''ماما......!''

''ہوں......؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے، جو میں کر رہی ہوں یا جو میں نے کیا، وہ ٹھیک ہے؟''

ماہ وش شاہ کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے تھے اور پھر وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

''دیکھو بیٹا! ہم نے اپنے بچوں کی جیسی تربیت کی ہے، جیسی زندگی کے اصول سمجھائے ہیں، ان کی بناء پر ہمیں مکمل یقین ہے کہ ہمارے بچے کبھی کوئی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ اسی یقین کو لے کر ہم نے تمام تر فیصلے کا حق اپنے بچوں کے ہاتھ سونپ دیا ہے۔'' ماہ وش

مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

''لیکن ماما......!''اُس نے گرن موڑ کر ماں کی طرف بے بسی سے دیکھا تھا۔

''تم مطمئن ہونا......؟''ماما نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہوں......''عجب ایک اُلجھن میں انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جب مطمئن ہو تو یقیناً تم نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ باقی کے وہموں اور خدشوں کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میرے لیے لامعہ اور تم برابر ہو......میں لامعہ کو تمہاری طرح ہی عزیز رکھتی ہوں۔ پھر میں ایک بیٹی کے لیے اچھا اور دوسری کے لیے برا کیسے چاہ سکتی ہوں؟ جب فاطمہ علی خان، عفنان کا پروپوزل لے کر آئی تھیں، مجھے پتہ تھا تمہارا فیصلہ کیا ہوگا......اس لیے میں نے یا ابا جی نے کوئی مداخلت نہیں کی اور فیصلے کا اختیار تمہارے ہاتھ دے دیا۔ مجھے اور ابا جی کو یقین تھا کہ تم کیا فیصلہ کرو گی۔ اور تم نے کتنا ٹھیک کیا، اسے تم نے ثابت کر دیا۔''ماہ وش بول رہی تھیں اور انابیہ رُخ ان کی طرف پھیرے خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اتنا بھروسہ مجھ پر؟......اور اگر میں آپ کے بھروسے پر پوری نہیں اُترتی تو؟''

''ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ اور ایسا ہوا بھی نہیں۔''ماہ وش مسکرا دی تھیں۔''دیکھو بچے! عفنان کتنا ہونہار اور قابل لڑکا ہے یہ بات ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی۔ مگر یہ پروپوزل دنیا کا کوئی آخری پروپوزل نہیں ہو سکتا نہ ہی تھا۔ یہ بات تم بھی جانتی تھیں اور ہم بھی......ہم اگر لامعہ کی بجائے اپنی بچی کی فیور کرتے تو یہ یقیناً خود غرضی ہوتی......عفنان علی خان کیا، اس جیسے لاکھوں لڑکوں کی پسند اور ترجیح تم جیسی لڑکی ہی ہو سکتی ہے اور ہو گی بھی۔ مگر انابیہ شاہ کی ترجیح کیا ہو گی، یا کیا ہو سکتی ہے وہ اچھی طرح جانتی ہے۔''ماہ وش کے چہرے پر مدھم سا تبسم تھا اور آنکھوں میں یقین۔ انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

''ماما! میں نے ساری حقیقت لامعہ سے کہہ دی ہے اور اس کے بعد میں بہت مطمئن ہوں۔ میں نے ٹھیک کیا نا؟''

''ہوں......بالکل صحیح۔ ایسا کر کے تم نے بہت سے خدشوں اور واہموں کو اپنے ہاتھوں دفن کر دیا ہے۔ ساتھ ہی ان غلط فہمیوں کے ابنار کو بھی جنہیں وقت کے ساتھ جنم لینا تھا اور سنگین ہونا تھا۔''ماہ وش نے اس کے چہرے کو بہت پیار سے تھپتھپایا تھا۔ وہ بہت ہلکے پن کے ساتھ مسکرا دی تھی۔ یقیناً بہت سا بوجھ آج دل سے سرک گیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟......اکیلے اکیلے محبتیں سمیٹی جا رہی ہیں۔''اوزی نے دروازے میں سے سر اندر ڈال کر دریافت کیا تھا۔ ماہ وش اور انابیہ مسکرا دی تھیں۔

''آ جاؤ! میں ماما سے تمہاری شکایتیں کر رہی تھی۔''

''مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی......ایک بری خبر ہے......میں واپس جا رہا ہوں۔ اس لیے اب تمہیں کوئی مزید تنگ نہیں کریگا۔'' اوزی مسکراتے ہوئے ایک بری خبر دے رہا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی بیٹا! اتنی جلدی؟'' ماہ وش شاہ نے شکوہ کیا تھا۔

''اور جلدی سے بھی زیادہ اچانک۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟'' انابیہ نے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی دو دن ہیں۔ ممی کا فون آیا تھا، وہاں نئے بزنس اسائنمنٹ کے سلسلے میں میری ضرورت ہے۔ تم فکر مت کرو...... جلد فارغ ہو کر تمہاری شادی میں شرکت کے لیے دوبارہ واپس آؤں گا۔'' اوزی مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''ماہا کے لیے ایک لڑکا دیکھا ہے...... بہت اچھا نوجوان ہے...... اپنا بزنس اسٹارٹ کر رہا ہے۔ ماہا کے لیے بہت معقول رہے گا۔'' ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ڈنر کرتے سعد حسن بخاری نے مطلع کیا تھا اور فارحہ حیران رہ گئی تھیں۔

''کون ہے؟...... خاندان کیا ہے؟...... فیملی بیک گراؤنڈ...... چال چلن؟''

''اس سب کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہیں۔ سب چھان بین کر چکا ہوں میں۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر ہی میں نے بات کرنا مناسب خیال کیا ہے۔'' سعد حسن بخاری نے جتانے والے انداز میں مطلع کیا تھا۔

''پھر بھی...... کچھ تو پتہ چلنا چاہیے۔ اتنا بڑا فیصلہ ہم یونہی تو نہیں کر سکتے۔ بیٹی کا معاملہ ہے، ہم لاپرواہی تو نہیں کر سکتے۔ ایک نتیجہ ہم بھگت کر دیکھ چکے ہیں۔ مزید کی گنجائش نہیں نکلتی ہے۔''

''فارحہ!...... تم مجھے اپنے بچوں کا دشمن سمجھتی ہو۔ یہ کیا زہر کے بیج بو رہی ہو تم میرے خلاف میرے بچوں کے دلوں میں؟...... میں کیا ان کے لیے برا سوچوں گا؟'' سعد حسن بخاری کا انداز الزام عائد کرتا ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں کر رہی ہوں میں...... میں صرف کچھ باتوں کی وضاحت چاہ رہی ہوں۔ جن کی ضرورت بھی ہے۔ آپ نے اذہان کے لیے فیصلہ کیا تو میں نے اسے تسلیم کیا۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بات کو تسلیم کرنے کے لیے میں پابند ہوں۔ اذہان کا اور ساہیہ کا معاملہ اور تھا۔ ساہیہ کے خاندان کو ہم جانتے ہیں۔ وہ اپنے ہیں۔ مگر اب جس لڑکے کے متعلق آپ بات کر رہے ہیں اس کا کوئی ایک بھی حوالہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ اور میں اپنی بیٹی کو کسی بھی اندھے کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتی۔ وہ اتنی ڈسٹرب ہے کہ ابھی تک پہلے ہی کی کیفیت سے باہر نہیں نکل پا رہی ہے۔ کسی لڑکی کی شادی ٹوٹ جانا معمولی بات نہیں ہوتی۔ آپ کی بیٹی پر کیا گزری، اس کا احساس آپ کو چاہے نہ ہو مگر مجھے بخوبی ہے۔'' فارحہ نے مدھم لہجے میں باور کرایا تھا۔

سعد حسن بخاری کی آنکھوں میں ناگواری واضح طور پر اُتر آئی تھی۔

''مجھے احساس ہے فارحہ بخاری!...... مجھے احساس ہے۔ تبھی تو یہ قدم اُٹھا رہا ہوں۔ عریبہ کا فرسٹ کزن ہے وہ۔ اور عریبہ نے ہی مجھے اس کے متعلق بتایا ہے۔ میں ملا ہوں اس سے...... اور مجھے وہ ماہا کے لیے ہر لحاظ سے مناسب لگا ہے۔'' سعد حسن بخاری نے وضاحت دی تھی اور فارحہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''وہ دوسری عورت...... وہ اب فیصلے کرے گی میرے بچوں کی زندگی کے متعلق؟ اور آپ......'' فارحہ سے مارے صدمے کے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔ شدتِ جذبات سے ان کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی تھی اور پورا وجود کانپنے لگا تھا۔ مگر سعد حسن بخاری کو اس کی مطلع پرواہ نہیں تھی۔

''تم حماقتوں کے مظاہرے کر سکتی ہو، میں نہیں۔ ایک بار بیٹی کی شادی ختم ہو جانے کے بعد کون ہے جو اسے قبول کرے گا؟ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟'' سفا کی کی حد تھی۔

''آپ...... آپ یہ بات کہہ رہے ہیں...... کیا آپ نہیں جانتے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غلطی آپ کی تھی۔ اس معصوم بیٹی کی نہیں، اس کے باپ کی تھی۔ جو باپ اپنے لطف کو دیکھتے ہیں ان کے بچوں کو ایسی ہی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

''فارحہ!'' سعد حسن بخاری کا لہجہ پُر طیش تھا۔

''چلایئے مت...... سچ سننے کی ہمت رکھئے اپنے اندر۔ آپ...... آپ اتنے سفاک ہو سکتے ہیں مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ اپنی ہی بیٹی کے لیے، اپنی ماہا کے لیے آپ نے ایسی بات کی۔ وہ ماہا جو آپ کے لیے کبھی آپ کی ننھی پری تھی۔ وہ ننھی پری جسے آپ اتنا پیار کرتے تھے، آج آپ کے لیے......'' بھیگتی آنکھوں کے ساتھ فارحہ مزید کچھ بول ہی نہ سکی تھیں۔

''تم جو بھی کہو...... مگر میرا فیصلہ پھر بھی وہی رہے گا...... مجھے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اپنے بچوں سے کتنا سنسیئر ہوں۔ میں جو کر رہا ہوں وہ ان کی بھلائی کے لیے ہی ہے۔'' سعد حسن بخاری کا انداز حتمی تھا۔ وہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور فارحہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

دروازے کے کنارے پر کھڑی ماہا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

☆......☆......☆

فیضان اور فاطمہ علی خان بچوں کے ساتھ ڈنر پر انوائٹ تھے۔ فاطمہ بطورِ خاص بھتیجے اور بہو سے ملنے آئی تھیں۔ میرب ان کو بہت پسند آئی تھی۔

''ماشاءاللہ...... میری بہو اتنی خوبصورت ہو گی...... میں نے تو سوچا بھی نہ تھا۔'' فاطمہ نے سراہا تھا۔

''گین یار! تمہارا تو واقعی جیک پوٹ لگ گیا ہے۔ اس لیے تم وہاں سے واپس آنے کو تیار نہ تھے۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

میرب سیال کی نظر عین سامنے بیٹھے سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ کوئی خوشگوار تاثر چہرے پر نہ اُبھرا تھا۔ وہ مروتاً بھی مسکرا نہیں سکی تھی۔ وہ مروت نبھاتی بھی تو کس لیے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد اجنبی ہو چکا تھا اور عفنان علی خان اس سے قطع نظر دریافت کر رہا تھا۔

"بھابی! آپ کو پتہ نہیں ہے، آپ نے کمال کیا ہے......ایک اچھے خاصے بے راہ رو بندے کو راہ پر ڈال دیا ہے۔ اس کمال کے لیے آپ کا نام تو گینز بک میں آنا چاہیئے۔ کیوں سردار صاحب! کیا فرماتے ہیں آپ؟" عفنان علی خان نے رائے چاہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نظر خاص قصداً میرب سیال پر ڈالی تھی۔

"درست فرماتے ہو......شک کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔" جملہ خاص سہی، مگر تاثر خاص نہ تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ انوشے نے اس کا ہاتھ بہت پیار سے تھاما تھا۔

"ہم بھی عفنان بھائی کے لیے لڑکی دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اپنے ہی جیسی کسی خوبصورت لڑکی کو جانتی ہیں تو پلیز ہمیں بتا دیجیے۔ ہماری جوتیاں گھسنے سے بچ جائیں گی۔ کیوں عفنان بھائی! ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں نا؟" انداز میں کچھ شرارت تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"اُس کی ضرورت نہیں ہے......کیونکہ عفنان آل ریڈی اپنے لیے لڑکی دیکھ چکا ہے۔" بڑی عریشہ نے اپنے گپلو سے بیٹے کو گود میں سنبھالتے ہوئے مسکراتے ہوئے عفنان کو دیکھا تھا۔

"عریشہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہم نے واقعی عفنان کے لیے ایک اچھی سی لڑکی دیکھ لی ہے۔ ماشاءاللہ، خوبصورت بھی ہے اور خوب سیرت بھی۔" فاطمہ نے وضاحت دی تھی۔

"کون ہے وہ؟......کیا ہم جانتے ہیں؟" مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔

"ہاں، غالباً۔ وہ بریگیڈیئر اعظم رحمان شاہ......جن کے بیٹے اور پوتے کی موت سمندر میں ڈوب کر واقع ہوگئی تھی۔ جن کی بہو انٹیریئر ڈیزائنر ہے۔"

"اوہ ہاں......یاد آیا......ان کی تو بہت پیاری سی بچی تھی۔ کیا نام تھا اس کا......" مائی اماں ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی تھیں۔

"انابیہ شاہ۔"

"ہاں......انابیہ شاہ...... ہمارے گھر کی ڈیزائننگ میں بھی وہ مسز ظہیر شاہ کے ساتھ پیش پیش تھی۔ بہت سعادت مند بچی ہے۔ اور مسز ظہیر شاہ بھی تو کتنی ہمت والی ہیں۔ ایک پہاڑ سی عمر انہوں نے شوہر کے بغیر گزاری ہے۔ کیا نام تھا ان کے بیٹے کا، ہاں، غازی...... کتنا چھوٹا سا بچہ تھا، سمندر کی شوریدہ لہروں نے جسے نگل لیا۔ بیچارے ظہیر شاہ صاحب بچے کو بچانے گئے مگر......خدا کو جو منظور......کیا، کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ واقعہ سنا تھا تب بھی کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔ کیسا سانحہ تھا۔ بریگیڈیئر صاحب تو ہمارے بہت پرانے جاننے والوں میں سے ہیں۔ سردار کمال حیدر لغاری مرحوم جب زندہ تھے تو اکثر ان کی نشست رہتی تھی ان سے۔ مجھے تو اپنی بیٹی مانتے تھے وہ۔ سردار کمال حیدر لغاری کیا گزرے، ساری نشستیں یاد بن کر رہ گئیں۔ بہت خوشی ہوئی آج تمہارے منہ سے ان کے متعلق سن کر۔" مائی اماں کہہ رہی تھیں اور عفنان علی خان کے ذہن میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب وہ سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ بظاہر ڈوب رہا تھا۔ اور اس کے بعد کتنے دنوں تک انابیہ شاہ

ڈسٹرب رہی تھی۔اوروہ......وہ سمجھ ہی نہ پایا تھا۔تو ایسا کر کے اس نے یقیناً اسے وہی منظر دوبارہ یاد دلا دیا تھا۔وہ کرب اسے دوبارہ دیا تھا......کتنی مشکل میں گھر گئی ہوگی اس کی جان۔اوروہ سمجھ ہی نہ پایا تھا تب۔

''آپ آیئے بھابی جی! مجھے ایک ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔بچوں کو بیٹھ کر باتیں کرنے دیجیے۔'' فاطمہ نے مائی اماں کا ہاتھ تھاما تھا۔میرب کے انٹرسٹ کی کوئی شے نہیں تھی۔سووہ خاموشی سے بیٹھی تھی۔

''یہ ناانصافی ہے بھئی۔ہم مردوں کی نشست میں بھلا کیا چارم باقی رہے گا؟''فیضان علی خان نے مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔

''پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں ممی!......آپ کے بغیر واقعی بور ہو جائیں گے۔''عریشہ نے مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔مگر فاطمہ، بھابی جی کا ہاتھ تھامے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں۔

''کیا ہوا بھابی! آپ بہت چپ چاپ سی ہیں......گین بھائی سے کوئی ناراضگی چل رہی ہے کیا؟'' میرب سیال بہت دیر سے چپ، دم سادھے، سر جھکائے بیٹھی تھی۔انوشے نے نوٹس لیتے ہوئے دریافت کیا تھا اوروہ بری طرح چونک پڑی تھی۔نظریں بے ساختہ ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جا ملی تھیں۔مگر وہ قطعی بے تاثر بنا عفنان علی خان سے گفتگو میں مصروف رہا تھا۔غالباً جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کی کوئی ادا تھی یہ۔میرب سیال اس کی جانب سے نگاہ بدل گئی تھی۔کیا تھا درمیاں جس کا وہ پاس کرتی اور مروت کے مظاہرے کرتی۔جب کسی کو اس کی پرواہ نہیں تھی وہ بھی کیوں پرواہ کرتی؟ دل نے سوچا ضرور تھا مگر جانے کیوں وہ اس پر عمل نہیں کر سکی تھی۔شاید وہ اس شخص کی طرح بے حس اور خود غرض نہیں تھی۔

''نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔ایکچویلی آئی ایم فیلنگ ناٹ ویل۔''لبوں پر ایک دھیما سا مجلسی تبسم سجائے وہ بول رہی تھی۔گفتگو میں پوری طرح منہمک ہوتے ہوئے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بطور خاص ایک نظر اس پر ڈالنا ضروری خیال کیا تھا۔مگر اب کے میرب پوری طرح بے تاثر تھی۔

''ارے بھابی! آپ کو تو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔سوسوری! آپ کو ہماری وجہ سے اتنی زحمت اُٹھانا پڑی۔''انوشے شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

''نہیں......ایسی بات نہیں۔مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ سب کو یہاں دیکھ کر......مل کر......اور......'' مروت لبوں پر تھی مگر بات کچھ بن نہ پڑی تھی۔

''میرا خیال ہے آپ ریسٹ کر لیجیے۔''سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اس لمحے کا نوازا جانے والا مشورہ بہت حیران کن لگا تھا اُسے۔غالباً اسی لیے وہ اس کی سمت بطور خاص دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔مگر وہ ایک لمحے کے التفات کے بعد دوبارہ بے تاثر اور اجنبی تھا۔نظر اس کی سمت سے ہٹ چکی تھی اور ساری کی ساری توجہ اس لمحے عفنان علی کی سمت تھی۔جانے وہ کیا بات چیت کر رہے تھے۔

''گین بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں بھابی!......ہمیں کمپنی دینے کو گین بھائی موجود ہیں۔''عریشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔وہ

اُٹھی تھی۔ مگر اچانک دوپٹہ کہیں اُلجھا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے پلٹی تھی۔ اس کے دوپٹے کا کونا عریشہ کی گود میں بیٹھے گپلو سے حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے معصومیت سے مسکرا رہا تھا۔

''بری بات حمزہ! مامی ہیں۔ گین ماموں ناراض ہو جائیں گے۔'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے جملہ اُچھالا تھا۔

''گین بھائی! حمزہ آپ کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ آپ بھی غالباً اندر سے یہی چاہ رہے ہوں گے کہ میرب یہاں...... عین نظروں کے سامنے براجمان رہیں اور آپ گاہے بگاہے تکتے رہیں۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''حمزہ میاں! سدھر جائیے۔ اپنا قبلہ و کعبہ درست فرما لیجیے۔ ٹھیک نہیں ہے یہ۔ پرائے مال پر نظر رکھنا اچھی بات نہیں ہے۔ کم از کم اتنا ہی خیال کر لو کہ یہ حق آپ کے ماما کا ہے۔'' لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ اشارے سے حمزہ صاحب کو اپنی جانب بلایا تھا اور گود میں لے کر پیار کرنے لگا تھا۔ عفنان علی خان مسکراتے ہوئے بغور گین کو دیکھنے لگا تھا۔

''یہ تبدیلیاں کچھ زیادہ خوش آئند نہیں؟'' شرارت سے بھرپور مسکراہٹ لبوں پر تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''بچے کسے اچھے نہیں لگتے؟''

''ہاں...... لگتے ہیں...... مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب کو...... کچھ انوکھی بات ہے۔'' عفنان کی نظروں میں شرارت تھی۔ میرب سیال جو بت بنی وہی جمی کھڑی تھی، عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟...... ایک شادی شدہ بندے کی ترجیحات بچے ہی ہو سکتے ہیں۔'' عریشہ بولی تھی اور عفنان علی خان کا قہقہہ بے حد برجستہ تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ غالباً اس لمحے دانستہ نگاہ بت بنی کچھ ہی فاصلے پر کھڑی میرب سیال کی سمت ڈالی تھی۔ یہ سمجھے بغیر کہ اس نگاہ میں کیا تاثر تھا میرب سیال پلٹی تھی اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ کیا تک ہے اتنی اچانک جانے کی؟'' انابیہ بہت خفا خفا نظر آ رہی تھی۔ مگر اوزی مسکرا دیا تھا۔

''یار! کہا تو ہے، تمہاری شادی پر واپس آ جاؤں گا...... مجھے پتہ ہے، ایک بھائی کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ تمہیں مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شٹ اَپ اوزی!...... فضول کی بکواس نہیں۔''

''کم آن یار!...... عزت کرو، تم سے بڑا ہوں میں۔'' اوزی نے تیزی سے پیکنگ کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ انابیہ اسی خفگی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

''اوکے اوزان سید صاحب! کیا آپ رک نہیں سکتے؟'' انابیہ نے دوبارہ دیکھا تھا۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

"یار! ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں؟ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ مجھے پتہ ہے یہاں میری کتنی ضرورت ہے۔ اچھا اب یہ اپنا پھولا ہوا چہرہ درست کرو۔ ورنہ میں گیا تو بالکل بھی واپس نہیں آؤں گا۔" اوزی نے دھمکی دی تھی۔ انابیہ ناچار مسکرائی تھی۔

"میری پیاری گڑیا! تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" اوزی نے اسے شانوں سے تھام کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ انابیہ کے لبوں کی مسکراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ اور وہی اُداسی آنکھوں میں تھی۔ اس نے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

"اوزی! آج مجھے غازی کی بہت یاد آ رہی ہے۔" نمی اُس کی آنکھوں میں ہی نہیں، اس کے لہجے میں بھی تھی۔

اوزی نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"پاگل!...... میرے ہوتے ہوئے؟" اُس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے اُسے ڈپٹا تھا۔ "میں نے آج تک تمہیں محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں غازی نہیں ہوں، یا غازی ہم سب کے درمیان نہیں ہے۔ مانتا ہوں میں تمہارا ماں جایا نہیں ہوں۔ مگر ایک بات تم شاید بھول رہی ہو۔ میں تمہارا رضاعی بھائی ہوں اور میں تمہارے لیے غازی جیسا ہی ہوں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتی ہو کہ غازی نہیں رہا تو تمہارا دوسرا بھائی تمہارے ساتھ موجود ہے جس کے لیے تم اہم ہو۔ بے حد اہم۔ جو تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ جس کے شانے پر سر رکھ کر تم رو سکتی ہو۔ کیا میں وہ بھائی نہیں ہوں؟" اوزی پُر شکوہ نظروں سے دیکھتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ "کیا میں تمہارا غازی نہیں بن سکتا؟" اک آس سے دریافت کیا تھا۔

"نہیں۔" انابیہ نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

اوزن سید کی آنکھوں میں ایک بے چینی جھلکنے لگی تھی۔

"کیونکہ تم آل ریڈی میرے اوزی بھائی ہو! غازی پاسٹ ہے اور تم پریزنٹ۔ گزرا کل لوٹ کر نہیں آتا۔ اور آج اہم ترین ہے۔" انابیہ نے آنسو پونچھے تھے اور مسکرا دی تھی۔

اوزان سید نے اس کی ناک دبائی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"جاؤ، اب میرے لیے جا کر اسٹابری شیک بنا کر لاؤ۔ کتنی انرجی ویسٹ کر دی ہے تم نے۔" اوزی بولا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے سر ہلاتی ہوئی پلٹ کر کچن کی طرف آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ کمپیوٹر آف کرنے کے بعد اُٹھی تھی اور بیڈ کی طرف آتے ہوئے کلائی سے رسٹ واچ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر ڈالی تھی۔ عین اسی لمحے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا پرسنل سیل بج اُٹھا تھا...... اُس نے اسکرین پر عفنان علی خان کا نام دیکھا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچنے کو کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیلو......!"

''انابیہ! عفنان ہیئر۔'' دوسری طرف سے مطلع کیا گیا تھا۔

''آل رائٹ...... کہنے کے لیے کچھ نئی تازی ہے آپ کے پاس؟'' پُر اعتماد لہجہ حیران کن تھا۔

''نئی تازی؟...... ویل، نئی تازی تو کچھ نہیں ہے۔ مگر آج مجھے ایک بات پتہ چلی۔ جو کہ مجھے آج سے قبل نہیں معلوم تھی۔'' عفنان علی خان سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''کیا؟'' انابیہ چونکی تھی۔

''انابیہ! کچھ اور نہ سہی، مگر نہ چاہنے کے باوجود ایک خواہش دل میں جنم لیتی ہے۔ محبت نہ سہی، مگر کیا ہم اس قابل بھی نہیں کہ کچھ چھوٹی چھوٹی باتوں کے ساتھ اپنے سُکھ دُکھ، اپنی کامیابیاں، ناکامیاں، کمزوریاں، مضبوطیاں، کمیاں بھی شیئر کر سکیں؟...... مانا ہم میں کوئی تعلق نہیں مگر کیا مروت کا وہ رشتہ بھی نہیں بن سکتا کہ ہم چند باتوں کو ہی شیئر کر سکیں؟ مل بیٹھیں تو چند لمحوں میں بے غرض باتیں کر سکیں؟''

''تم کہنا چاہتے ہو؟'' وہ چونکی تھی۔

''انابیہ! مجھے آج غازی کے متعلق پتہ چلا، تمہارے پاپا کے متعلق پتہ چلا اور مجھے بہت افسوس ہوا۔ سوری، بیلیومی، مجھے ان کے متعلق کچھ پتہ نہ تھا۔ تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔ اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اپنے دکھ بھی بانٹ سکو......'' وہ مدھم لہجے میں اظہارِ افسوس کر رہا تھا۔

''پلیز عفنان!'' انابیہ نے اسے مزید بولنے سے باز رکھا تھا اور مدلل لہجے میں بولی تھی۔

''کچھ کہنے سننے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی ربط درمیان ہو، جہاں کوئی تعلق ہو۔ اور خوش قسمتی سے یا پھر بد قسمتی سے میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے جسے لے کر ہم ایک دوسرے سے کہہ سن سکیں۔ اور یوں بھی مجھے اپنے دُکھ سُکھ کہنے کے لیے تمہاری قطعی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری کیا، شاید مجھے اپنی فیملی کے علاوہ کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے جن سے میں کچھ کہہ سن سکتی ہوں۔ وہ تمام رشتے خوش قسمتی سے میرے پاس ہیں اور مجھے مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جہاں تک رہی بات تمہاری، جب میں تمہارا پروپوزل ریفوز کر چکی ہوں تب مجھ سے بات کرنے کا تمہارا کوئی ریزن باقی بچتا نہیں ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ ہم بے حاصل سفر کر رہے ہیں؟'' بے تاثر لہجے میں دریافت کیا تھا اور عفنان علی خان اس کی سفا کی پر مسکرا دیا تھا۔

''انابیہ! تم میں اور مجھ میں یہی تو فرق ہے...... جیسا تم سوچتی ہو ویسا میں نہیں سوچتا۔ اگر سوچتا ہوتا تو یہ ربط توڑ نہ دیتا؟'' جذبات سے پُر لہجے میں جتایا گیا تھا۔ عفنان علی خان کے لہجے میں ہنوز اطمینان برقرار تھا اور آنکھوں میں ایک خاص طرح کا ٹھہراؤ۔

انابیہ شاہ کو بے حد ناگوار گزرا تھا۔

''تم یہ بات سمجھ کیوں نہیں لیتے عفنان علی خان! کہ انابیہ شاہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ تمہارا کوئی تعلق اس کے ساتھ نہیں بن سکتا۔ جتنی بھی کوشش کر لو، خواہش کر لو، تم مجھ تک رسائی نہیں پا سکتے ہو۔''

''انابیہ! کہا تو ہے جس طرح تم سوچتی ہو، اگر میں سوچتا ہوتا تو آج تم سے بہت دوری پر نکل چکا ہوتا۔'' انداز جتانے والا اور

اپنے اندر کسی قدر تاسف لیے ہوئے تھا۔'' کہا تو تھا تم سے، عفنان علی خان ہارنے والا نہیں ہے۔ شکست ماننے والے اور ہوتے ہوں گے۔ عفنان علی خان اپنے ارادوں میں کتنا اٹل ہے یہ تم تب جان جاؤ گی جب تم میری دنیا میں قدم رکھو گی۔ محبت تمہاری منتظر ہو گی ہر ہر گام پر اور تم خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرو گی۔ ایسا ایک دن ہو گا اور ضرور ہو گا۔ میری محبت تم سے جیت لے گی۔'' عفنان علی خان کا لہجہ پُر یقین تھا۔ مگر انابیہ بہت اطمینان سے مسکرائی تھی۔

''عفنان علی خان! میں نے تم سے زیادہ احمق شخص اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ کچھ بھی نہیں ہے ہاتھ میں تمہارے اور پھر بھی اتنے پُر یقین دکھائی دے رہے ہو۔ ایسا پوز کر کے تم کسے دھوکا دے رہے ہو؟ خود کو یا پھر دوسروں کو؟...... بھول جاؤ سب کچھ۔ لوٹ جاؤ واپس اپنی دنیا میں۔ یہاں تمہیں کچھ نہیں ملنے والا۔ یہ راہیں یکطرفہ راستوں کی سمت بڑھ رہی ہیں جن کے اختتام پر کوئی منزل نہیں۔ اتنی دور مت آؤ کہ لوٹنا دشوار ہو جائے۔ احمقوں کی جنت میں رہنا بند کر دو۔ کچھ حاصل نہیں ہے اس کا...... خوش فہمیاں کچھ نہیں دیں گی تمہیں۔ کیونکہ انابیہ شاہ تم سے محبت نہیں کرتی۔ نہ ہی تم اس کی ترجیح ہو سکتے ہو۔'' انابیہ شاہ کا انداز باور کرانے والا تھا۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ انداز رسانیت سے پُر تھا۔

''مجھے فائدہ پہنچتا ہے یا کہ نقصان، فکر نہ کرو، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں کیا کر رہا ہوں، کیوں کر رہا ہوں، یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے اور اس سے تمہیں کوئی فرق بھی نہیں پڑنا چاہیے۔''

''پاگل ہو تم...... کیا کر رہے ہو؟ کچھ خبر نہیں ہے تمہیں۔ کس احساس میں جی رہے ہو تم۔ ایک بار رد کر دیا ہے میں نے تمہیں۔ پھر اور کس بات کی خوش فہمی ہے تمہیں؟...... کیا سوچ رہے ہو تم؟ لوٹ کر آؤں گی میں تمہاری سمت؟ تو کس لیے؟...... جب میں تمہیں چاہتی ہی نہیں ہوں تو پھر یہ یقین کیوں؟ یہ احمق پن نہیں تو اور کیا ہے؟'' انابیہ برہم دکھائی دے رہی تھی۔

''چاہتی نہیں ہو، مگر چاہو گی بھی نہیں، یہ ضروری تو نہیں۔ میں سب کچھ بدل دوں گا، سارے منظر، پرامس۔ ایسا بہت جلد ہو گا۔'' عفنان علی خان کے لہجے کا عزم قابل رشک تھا۔

''شٹ اَپ عفنان علی خان! فضول کی بکواس بند کرو۔ کیوں چاہوں گی میں تمہیں، ہاں...... کیوں؟ جبکہ میں کسی اور کو آل ریڈی چاہتی ہوں۔ کس خوش فہمی میں ہو تم؟...... میرے لیے یہ میٹر نہیں ہے کہ کوئی مجھے کتنا چاہتا ہے۔ میرے لیے یہ اہم ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں اور کسے چاہتی ہوں...... میں تم سے محبت نہیں کرتی ہوں کیونکہ میری ترجیح کوئی اور ہے۔ سن رہے ہو تم...... میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔ کرتی تھی۔ اور کرتی رہوں گی۔ کیسے بدلو گے تم اسے؟'' انابیہ شاہ ترش لہجے میں کہہ رہی تھی اور عفنان علی خان دوسری طرف ساکت کھڑا تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لبوں پر ساکت، جامد چپ تھی اور انابیہ شاہ کہہ رہی تھی۔

''میں نے تم سا بے وقوف شخص ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ میں تم سے اسے شیئر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر تم...... تم سے چھٹکارہ پانے کا ایک یہی راستہ تھا میرے پاس۔ اب تو تم سمجھ گئے ہو نا کہ انابیہ شاہ تمہیں کیوں ٹھکرا رہی ہے؟''

''کو......کون ہے وہ......؟''عفنان علی خان کو اپنی آواز خود کسی کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''جو بھی ہو......مگر وہ تم نہیں ہو، نہ ہی ہو سکتے ہو۔ دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ انڈر اسٹینڈ؟''انابیہ شاہ نے سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف موجود عفنان علی خان کی کیفیت اشتعال انگیز تھی۔ آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔ رگیں تن گئی تھیں۔ کیسا سنگین انکشاف کیا تھا اُس نے...... یہ سچ جھیلنا بے حد دشوار لگا تھا۔ ایک لمحے میں سارا سفر رائیگاں لگا تھا......روح میں قیامت سی مچ گئی تھی۔ ساری جان اس عذاب میں گھر گئی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ تیزی سے سلائس کے بائٹ لیتی ہوئی دوسرے ہاتھ سے کپ میں چائے انڈیل رہی تھی۔

''اتنی جلدی کیا ہے؟......آرام سے ناشتہ کرو۔ ابھی تو کافی ٹائم ہے۔''مہوش شاہ نے ڈپٹا تھا۔ مگر وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''ایکسٹرا کلاس کا ارینج منٹ ہے۔ دیر سے پہنچی تو سب سر پر سے گزر جائے گا۔ پچیس منٹ ہیں میرے پاس۔ اور حسب عادت ہماری مرسڈیز آرام فرمانے کو ورکشاپ میں پڑی ہے۔ ماما! آپ اسے بدل کیوں نہیں دیتیں؟ کتنے نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں ہمیں ان موصوفہ کے۔''انابیہ اس پرانی گاڑی سے بے حد عاجز تھی۔

دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

''بیٹا! وہ گاڑی تمہارے پاپا کی نشانی ہے......تمہاری ماما کو دیا جانے والا پہلا گفت۔ اور گفٹس ہمیشہ سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔''

''ان محترمہ کو کہاں اندازہ ہوگا ان باتوں کا...... جب خود بھگتیں گی تو پھر پتہ چلے گا کہ یادیں کیا ہوتی ہیں اور یادگاریں کیا۔''

اوزی نے سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''اوزی!...... بیٹا! ایسے نہیں کہتے۔ خدانخواستہ، اللہ نہ کرے جیسی میری قسمت ہے ویسی انابیہ کی ہو۔ خدا اس کے بخت روشن رکھے۔ اسے کبھی یادگاروں کو سنبھالنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔''ماما نے اس کی سائیڈ لی تھی اور وہ مسکرا دی تھی۔

''دیکھا......ماں، ماں ہوتی ہے اور بھائی......''

''کہہ دو اب، بھائی قصائی ہوتا ہے۔''اوزی بھرپور طور پر محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں۔ کوئی شک نہیں۔ بھائی قصائی ہی ہوتا ہے، بھابی کے آجانے کے بعد۔''انابیہ مسکرائی تھی۔

''اچھا، اب ترکی بہ ترکی لڑنا بند کرو۔ آج ویسے بھی مجھے چلے جانا ہے۔''

''اب یہ الزام مت عائد کر دینا کہ مجھے تمہارے جانے سے کوئی خوشی ہو رہی ہے۔''انابیہ مسکرائی تھی۔

''ایسا کچھ میں نے نہیں کہا۔''اوزی مسکرایا تھا۔

”قصد تو کرنے والے تھے۔ میں نے ہی روک دیا۔“ حملہ برابر کا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب اور ماہ وش شاہ بچوں کی محبت بھری لڑائی مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

”جلدی سے اُٹھ جاؤ۔ چھوڑ دوں تمہیں۔ ورنہ کلاس مس ہو جائے گی۔“ چائے کے سپ لیتے ہوئے اوزی نے آفر کی تھی۔ ”اور ہاں ...... جلدی آ جانا، ہم مل کر گھومنے چلیں گے۔ ممی نے فون کر کے ایک لسٹ بنوائی ہے، کچھ شاپنگ بھی کر لیں گے۔“ اوزی بولا تھا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

”سوری ...... مجھے آج چھٹی کرنا چاہیے تھی نا۔ مگر یہ کلاس ...... اچھا پرامس، میں جلدی آ جاؤں گی۔“ اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بیگ شولڈر پر ڈالا تھا۔ اوزی نے اس کی خاطر عجلت میں گھونٹ بھرا تھا۔

”تم بیٹھو ...... میں چلی جاؤں گی۔“

”نہیں ...... میں زحمت قطعاً نہیں کر رہا۔ تم اتنا تکلف ہرگز مت کرو۔“ اوزی نے گاڑی کی چابیاں اٹھائی تھیں۔ مگر انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے اس لمبے چوڑے شخص کو بٹھانا چاہا تھا۔

”تم واقعی زحمت مت کرو ...... بیٹھ کر ماما کے ساتھ اس لسٹ کو ڈسکس کر لو۔ میں آ جاؤں گی تو پھر فوراً شاپنگ کے لیے نکل جائیں گے۔ یوں بھی تمہیں آج چلے جانا ہے اور اس کے باعث تمہاری مصروفیت بڑھ جائے گی۔ میری فکر مت کرو۔ نہ ہی میری عادتیں بگاڑو۔ تم کل نہیں ہو گے تم میں کیا کروں گی؟“ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”دیکھا آنٹی! یہ لڑکی۔“ اوزی نے شکوہ کرنا چاہا تھا۔ مگر انابیہ مسکراتی ہوئی ہاتھ ہلاتی ہوئی پلٹ گئی تھی۔

”بائے ماما! ...... بائے دادا جی!“ تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

”گڈ بائے۔“ ماما اور دادا جی بولے تھے اور وہ مسکرا دیا تھا۔

”یہ لڑکی بھی نا ......“ وہ دوبارہ کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا۔

ماہ وش شاہ مسکرا دی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہی تھی وہ۔ تمہیں آج جانا ہے اور کئی ضروری کام نمٹانے ہیں ...... تم مجھے وہ لسٹ لا کر دکھا دو۔ تا کہ تمہیں سہولت ہو جائے۔“ وہ نرم لہجے میں بولی تھیں۔

”میں اس گھر میں پیدا کیوں نہیں ہوا؟“

”یہ کیا بات ہوئی؟ ...... تم کیا ہمارے بیٹے نہیں ہو؟ اور تمہارا تو اس گھر سے وہ رشتہ ہے جس کے بعد تمہیں کسی طرح کا شکوہ یا شکایت رہنی ہی نہیں چاہیے۔“ ماہ وش نے محبت سے ڈپٹا تھا۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

”آنٹی! مجھے انابیہ کی بہت فکر ہے۔ وہ بہت حساس ہے۔ اس کا خیال رکھیے گا۔“

''یہ بات بھلا کہنے والی ہے؟......اور تم کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہے ہو۔ انابیہ کی شادی پر لوٹنے کے لیے تو پرامس کیا ہے نا تم نے۔''

''ظاہر سی بات ہے۔ میری بہن کی شادی میرے بغیر کس طرح ہوسکتی ہے؟ ویسے آپ نے کوئی لڑکا دیکھا اس کے لیے؟''

''نہیں......ابھی تو نہیں۔ مگر دو ایک سے کہہ رکھا ہے۔ آگے تو نصیب کی بات ہے۔ مگر جلد ہی کوئی اچھا لڑکا مل جائے گا تو ہم بات آگے بڑھا دیں گے۔'' ماہ وش شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اور تو سب ٹھیک ہے......بس اس کٹ کھنی بلی کی مرضی معلوم کر لیجیے گا۔'' اوزی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور ماہ وش مسکرا دی تھی۔

''ہاں، ضرور......اس کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہوسکتا۔''

☆......☆......☆

''انابیہ! تم سوچ رہی ہو گی شاید میں نے وہ سب سن کر تمہاری طرف سے دل میں کوئی غلط بات بٹھالی ہے تو یہ بالکل غلط ہے......مجھے حیرت ضرور ہوئی ہے۔''

ڈیو مونٹین کا سپ لیتی انابیہ شاہ لحہ بھر کو ٹھٹکی تھی۔ جانے لامعہ حق کیا کہنے جا رہی تھی۔ مگر وہ ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''انابیہ شاہ! میں تم سے نفرت نہیں کر سکی۔ تم وہ لڑکی نہیں ہو جس سے میں نفرت کر سکوں۔ میں نے کہا تھا، سوچا تھا......اگر اس لڑکی کے متعلق مجھے علم ہو جائے تو شاید میں اسے زندہ نہ چھوڑوں، میں اس کے وجود سے نفرت کرتی تھی جس نے عفنان علی خان کو مجھ سے چھینا، دُور کیا۔ مگر جب تم نے بتایا کہ وہ تم ہو تو ریئلی مجھے بہت سے لمحوں تک یقین ہی نہیں ہوا تھا......میری واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ مجھے تم سے کیسا رویہ رکھنا چاہیے یا کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ مگر انابیہ! تم اتنی اچھی ہو، اتنی پیاری ہو کہ میں کوئی زک تمہیں پہنچتے ہوئے دیکھ ہی نہیں سکتی۔ تو پھر نفرت کیسے کرتی؟......کتنا بڑا ہے تمہارا دل۔ میں بہت بری ہوتی اگر تمہارے متعلق کچھ غلط سوچتی بھی۔'' لامعہ حق نرم دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی اور انابیہ شاہ اسے خاموشی سے بیٹھی دیکھ رہی تھی۔

''سب سے بڑھ کر انابیہ! تمہاری یہ صاف گوئی۔ اگر تمہارے دل میں کوئی چور ہوتا تو بھلا تم مجھ سے ایسا کچھ کہہ پاتیں؟ تم یقیناً یہ راز چھپانا چاہتیں اور عفنان علی خان سے فوراً کوئی تعلق باندھ لیتیں۔ مگر عفنان علی خان کے اتنے التفات اور نظرِ عنایت کے باوجود تم نے ایسا نہیں کیا۔ تم ایک سنسیئر فرینڈ ہو اور تم نے عفنان علی خان کے پروپوزل کو رفیوز کر کے ایسا ثابت بھی کر دیا ہے اور ایسا دیکھ کر تمہاری اہمیت میری نظروں میں، میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی ہے انابیہ! تم جانتی ہو، تم اب مجھے پہلے سے بھی کہیں زیادہ عزیز ہو چکی ہو۔'' لامعہ حق کا لہجہ جذباتیت سے پُر تھا اور انابیہ شاہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''تھینکس......مجھے اسی بات کا خدشہ تھا کہ تم کہیں ان ساری باتوں کو غلط نہ سمجھو اور میں یہ اتنے برسوں کی دوستی، یہ محبت، یہ تعلق کہیں کھو نہ دوں۔''

لامعہ حق مسکرا دی تھی اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"پاگل!......تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ لامعہ حق اور انابیہ شاہ کی دوستی اتنی کمزور نہیں کہ اس میں یہ چھوٹی چھوٹی، معمولی باتیں کوئی دراڑ ڈال سکیں۔ میں نے کہا نا، میں یہ سب جان کر تم سے اور بھی قریب ہو گئی ہوں۔ تم مجھے پہلے سے کہیں زیادہ عزیز ہو گئی ہو۔ مگر تم نے عفنان علی خان کو رفیوز ڈ کر کے اچھا نہیں کیا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور کس قدر کرتا ہے، مجھ پر یہ بات منکشف ہے۔ جب میں تمہارا نام بھی نہیں جانتی تھی اور صرف عفنان کے منہ سے اس کا ذکر سنا تھا میں تب بھی اس پر رشک کرتی تھی۔" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس لی تھی۔

"انابیہ! ڈونٹ رفیوز ہم اینی مور۔ میں محبت کر چکی ہوں۔ جانتی ہوں، نارسائی کا کرب کیا ہوتا ہے۔ ان خوابوں کا عذاب کیا ہوتا ہے جو محبت کی آنکھ میں تعبیر پائے بغیر ہی ٹوٹ جاتے ہیں۔ عفنان علی خان کی تم سے محبت یکطرفہ ہی سہی مگر اس میں شدت ہے۔ اگر تم اسے گنواؤ گی تو تم دنیا کی بہت بری لڑکی ہو گی۔"

"لامعہ! تم......" انابیہ نے بولنے کے لیے لب کھولے تھے مگر لامعہ حق نے اس بولنے سے قطعاً باز رکھا تھا۔

"انابیہ!......جو جس کے لیے ہوتا ہے اسے ہی ملتا ہے۔ اس کھیل میں زبردستی نہیں ہو سکتی۔ عفنان علی خان کو اگر میں زبردستی حاصل کر بھی لیتی تو وہ میرے لیے کس کام کا ہوتا؟ اس کے دل میں تو تم ہوتیں اور میں شاید زبردستی کوشش کر کے بھی وہ جگہ نہ لے پاتی۔ یہ محبت ہے انابیہ شاہ! جو کسی سے زبردستی چھینی نہیں جا سکتی نہ ہی زبردستی کسی کے دل میں گھر کیا جا سکتا ہے۔ یہ وحی تو خاموشی سے اپنے آپ دلوں میں اتر کر تسخیر کرتی ہے۔" لامعہ حق مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور انابیہ شاہ ساکت تھی۔

"پاگل لڑکی!......کسی کے خوف سے خوابوں کا ناتا اپنی آنکھوں سے جڑنے سے مت روکو۔ بن جانے دو اس سلسلے کو۔ جو دل تمہارے لیے ہے اس میں تم ہی رہو گی۔ تمہارے جھٹلانے یا رد کرنے سے وہاں، میں یا کوئی اور جگہ نہیں لے سکتا۔ چاہ کر بھی نہیں۔" لامعہ کے لبوں کی مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔

"عفنان علی خان باور کرا چکا ہے......وہ جس سے محبت کرتا ہے وہ اسے ملے نہ ملے یہ بات اس کے لیے بہت سیکنڈری ہے۔ وہ ہر صورت میں اسے ہی چاہتا رہے گا۔ اس کے ساتھ...... یا اس کے بغیر......مگر اس کے سوا کوئی نہیں......"

بیلیو می......اور کسی کو اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔ تم میری پرواہ مت کرو۔ میرا یقین ہے، ہر ایک کے لیے کوئی کہیں نہ کہیں موجود ہے اور جس کے دل میں، میں رہوں گی وہ ایک دن میرے سامنے آن کھڑا ہو گا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنی ساری محبت مجھے سونپ دے گا۔ آئی بیلیو، ایسا ہو گا۔ عفنان از اونلی فور یو۔ تم ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہو۔" لامعہ حق کا لہجہ باور کراتا ہوا تھا۔ اور عین اسی لمحے انابیہ شاہ کی نظر اپنی رسٹ واچ پر پڑی تھی اور وہ فوراً معذرت کرتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"سوری لامعہ!......اوزی کو آج جانا ہے۔ اور میرا جلدی گھر پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ او کے، بائے۔" کتابیں اور فائل

سنبھالتی ہوئی، بیگ شولڈر پر ڈالتی وہ عجلت سے کہتے ہوئے اُٹھی تھی۔

''جاؤ گی کیسے؟ رُکو، میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' لامعہ حق نے آفر دی تھی۔ وہ ملائمت سے مسکرادی تھی۔

''نہیں، تھینکس۔ آئی وِل مینج۔'' کہتے ہوئے وہ پلٹی تھی اور تیزی سے کیمپس سے باہر نکلنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

کتنی عجب بات تھی۔

انابیہ شاہ سمجھ رہی تھی، لامعہ حق سب کچھ سن کر اس سے بدظن ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ کس درجہ کشادہ دلی سے وہ اسے عفنان علی خان کو اپنانے کا مشورہ دے رہی تھی۔

'بے وقوف!' انابیہ شاہ کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

'لامعہ حق! ...... بظاہر تم جو بھی کہو، مگر کیا میں نہیں جانتی کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ تم مجھ سے کیسے چھپا سکتی ہو؟ ...... تم تو اپنی معمولی معمولی چیزوں کے لیے اتنی جذباتی ہوا کرتی تھیں اور ...... کہاں تم اپنی محبت دان کرنے چلی ہو۔ اور کیا سمجھتی ہو، میں سب قبول کر لوں گی؟ تم جب میرے متعلق اتنی کنسرن ہو تو میں کیسے دھوکا دے سکتی ہوں تمہیں؟ ...... تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ انابیہ شاہ بھی دوستی کو نبھانا جانتی ہے۔ اور اس دوستی کے لیے ہزاروں عفنان علی خان رد کر سکتی ہے۔

دور تک سنسان، ویران سڑک پر چلتے ہوئے وہ کسی کیب کی تلاش میں تھی۔ سوچتے ہوئے آنکھیں متلاشی تھیں۔ وہ لامعہ کے متعلق ہی سوچ رہی تھی جب اس کا پرس میں موجود سیل بجنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے اسی طرح چلتے ہوئے سیل بیگ سے برآمد کیا تھا اور اسکرین پر اوزی کا نام دیکھتے ہوئے مسکرادی تھی۔

''کیا ہے؟ ...... انتظار نہیں ہو رہا؟ ...... آ رہی ہوں بھئی۔''

''یار! لسٹ کو میں نے سمجھ لیا ہے۔ مگر ایک شے سمجھ میں نہیں آ رہی۔ یہ گلا بند کیا ہوتا ہے؟''

''گلا بند......؟'' انابیہ شاہ بے طرح چونکی تھی۔ ''اوہ...... ڈفر...... گلا بند نہیں...... یہ ضرور گلوبند ہوگا۔'' مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ ''اپنی اُردو درست کرو۔ رومن میں لکھو گے تو ایسا ہی ہوگا۔ ایک طرح کا نیکلس ہوتا ہے جو عورتیں گلے میں پہنتی ہیں۔ اگر تم اسے گلا بند کہو گے تو قیامت ہو جائے گی۔''

''گلا بند یا گلوبند...... وہاٹ ایور...... بس تم جلدی سے آ جاؤ یار! ...... میں لسٹ دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا ہوں۔ ممی نے جانے کیا کیا لکھوا دیا ہے۔'' اوزی اپنی خجالت مٹانے کو بولا تھا۔

''آنٹی کا بھی ضروری فون آ گیا تھا۔ ان کو بھی جانا پڑ گیا۔ اب فلائٹ میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آنٹی نے جلد واپس آنے کا کہا ہے۔ مگر کیا پتہ وہ نہ آ سکیں۔ تم کہاں ہو؟''

انابیہ مسکرادی تھی۔

''میں اس وقت ٹھنڈی سڑک پر مٹرگشت کر رہی ہوں اور ایک عدد کیب کو تلاش کر رہی ہوں۔ بہر حال تم پریشان مت ہو، میں جلد پہنچ جاؤں گی۔ یہ بتاؤ، یہ گلوبند لینے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟...... کہیں آنٹی تمہاری شادی کا پروگرام تو نہیں بنا رہیں؟'' انابیہ چلتی ہوئی شرارت سے مسکرائی تھی۔

اوزی ہنس دیا تھا۔

''ایسی کوئی بات فی الحال نہیں ہے۔ اور سنو میری اچھی سی انابیہ! تم آنے میں زیادہ دیر کرو گی تو میں اور میری پریشانیاں واقعی بڑھ جائیں گی۔ تم ایسا کرو جہاں ہو، وہیں رکو۔ میں تمہیں لینے پہنچ رہا ہوں۔''

انابیہ نے تبھی سامنے سے آنے والی کیب کو ہاتھ کا اشارہ دیتے ہوئے روکا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں کیب میں بیٹھ رہی ہوں۔ تم بھی اب پریشان ہونا بند کر دو اور بیٹھ کر آرام سے میرا انتظار کرو۔ کچھ ہی دیر میں، میں پہنچ رہی ہوں۔ اوکے۔''

''اوکے۔'' اوزی مسکرایا تھا اور انابیہ نے بھی کیب کا دروازہ بند کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

''پاگل۔ گلابند......'' ایک نئی ایجاد پر وہ مسکرائے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

''بھئی! ذرا جلدی...... فیرون کی طرف چلنا ہے۔'' ہدایت دیتے ہوئے وہ سیل دوبارہ بیگ میں ڈالتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''اوزی بیٹا! انابیہ کا سیل ٹرائے کرو...... میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ ابھی تک پہنچی کیوں نہیں وہ۔ کتنے بجے اُس کی بات ہوئی تھی تم سے؟''

''یہی کوئی قریباً سوا بارہ بجے...... آپ فکر مت کیجیے، میں دیکھتا ہوں۔'' پریشان تو اوزان سید کا دل بھی تھا مگر وہ ماہ وش آنٹی کو پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے بہت رسانیت سے اس کا نمبر دو چار بار ٹرائی کیا تھا۔ مگر سیل مسلسل آف مل رہا تھا۔

ماہ وش اور دادا ابا بے حد متفکر نظر آ رہے تھے۔

''ایسا آج تک نہیں ہوا...... اُس کی تو کوئی دوست بھی نہیں۔ اور اگر کہیں جانا بھی ہو تو وہ پہلے گھر میں انفارم کرتی ہے۔ اتنی غیر ذمے دار وہ ہے نہیں۔ پھر آج کیا ہو گیا۔ اوزی بیٹا! ذرا لامعہ کا نمبر لگانا۔''

''جی آنٹی۔'' یہ مطلع کیے بغیر کہ انابیہ کا سیل رسپانڈ نہیں کر رہا، وہ لامعہ کا نمبر ملانے لگا تھا۔ غالباً وہ آنٹی کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گلوکوز ڈی کے سپ لیتی ماہ وش واضح انداز میں کانپ رہی تھیں۔ اوزی مرد تھا، خود پر قابو تھا۔ اگرچہ وہ بھی اسی قدر پریشان تھا۔

''ہیلو، لامعہ!...... اوزی بات کر رہا ہوں۔ انابیہ تمہارے ساتھ ہے؟'' عجلت بھرے انداز میں دریافت کیا تھا۔

''انابیہ؟'' لامعہ چونکی تھی۔''نہیں، وہ تو قریباً بارہ بجے ہی میرے پاس سے اُٹھ کر کیمپس سے چلی گئی تھی۔کیا ہوا؟......ابھی تک گھر نہیں پہنچی؟''

''ہاں۔'' اوزی کی پریشانی دوچند ہونے کو تھی۔

''مگر وہ تو یہ کہہ کر نکلی تھی کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو اور وہ گھر ہی جا رہی ہے۔ہو سکتا ہے، راستے میں کہیں رک گئی ہو۔تم اس کے سیل پر ٹرائی کر کے دیکھو نا۔'' لامعہ حق نے مشورہ دیا تھا۔

''اس کا سیل رسپانڈ نہیں کر رہا۔اور یہاں سب بہت پریشان ہو رہے ہیں۔تم اس کے دیگر فرینڈز سے واقف ہو۔پلیز کنفرم کرو، وہ کسی اور کی طرف تو نہیں نکل گئی؟''

''ڈونٹ وری۔میں ابھی کنفرم کر کے تمہیں فون کرتی ہوں۔تم پریشان نہیں ہو۔اور آنٹی اور دادا ابا کو بھی دلاسہ دو۔انابیہ کہیں نہیں جا سکتی۔وہ ایک سمجھ دار اور ذمہ دار لڑکی ہے۔اور یوں بھی ابھی زیادہ وقت گزرا نہیں کہ اتنی پریشانی ہو۔ہو سکتا ہے وہ ٹریفک جام میں گھر گئی ہو۔معاملہ معمولی بھی ہو سکتا ہے۔خواہ مخواہ کی پریشانی کری ایٹ مت کرو۔کراچی جیسے شہر میں سڑکوں پر اتنا وقت لگ جانا کوئی عجیب بات نہیں۔''

لامعہ اُسے مطمئن کرنے کو بولی تھی۔

''خدا کرے سب ٹھیک ہی ہو۔'' وہ دانستہ کم آواز میں بات کر رہا تھا۔آنٹی کا خدشہ تھا، کہیں وہ یہ سب سن کر مزید پریشان نہ ہو جائیں۔

''تم کنفرم کر کے مجھے فون کرو......آئی ایم ویٹنگ۔''

''آل رائٹ......مگر تم آنٹی اور دادا ابا کو مزید پریشان مت کرو۔ہم کسی بھی حادثے کا خدشہ نہ ہی دل میں لائیں تو بہتر ہے۔گو اتنی تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے۔مگر یہ کال دے کر تم نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔خدا اُسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' اوزی نے کہتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور لامعہ کی کال کا انتظار کرنے لگا تھا۔

''کیا ہوا؟......انابیہ، لامعہ کے ساتھ بھی نہیں ہے؟'' ماہ وش نے پوچھا تھا۔

''نہیں آنٹی! وہ اس کی طرف سے بارہ بجے نکل آئی تھی۔غالباً وہ ٹریفک میں پھنس گئی ہے کہیں۔'' اوزی نے انہیں مطمئن کرنے کو کہا تھا۔مگر ایسا کہتے ہوئے اس کا اپنا دل بے حد پریشان تھا۔انابیہ کو اب تک گھر پہنچ جانا چاہیے تھے۔اس کے کیمپس سے یہاں تک کا فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔بیس منٹ کی ڈرائیو تھی۔ٹریفک جام ہوتی تو زیادہ سے زیادہ چالیس منٹ لگ جاتے۔مگر اب تو......

اُس نے گھڑی دیکھی تھی اور اُس کی پریشانی دوچند ہو گئی تھی۔دوسری طرف آنٹی کا برا حال تھا۔اوزی کچھ بھی سوچنے سے قبل لامعہ کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔اور لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

''ہیلو لامعہ!......کیا ہوا؟'' اوزی نے عجلت سے دریافت کیا تھا۔

''اوزی! انابیہ کہیں نہیں ہے۔شاید وہ کسی حادثے کی نذر......''

''لامعہ! پلیز......'' اوزی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

''اوزی! پلیز، میں انابیہ کی دوست ہوں۔ اُس کی اس طرح گمشدگی میرے لیے بھی اتنی ہی پریشان کن ہے۔'' لامعہ حق نے وضاحت دی تھی۔

''لامعہ حق! ابھی تک انابیہ کی گمشدگی کنفرم نہیں ہوئی۔ پھر تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ وہ گم شدہ ہو چکی ہے۔تم نے یہ کہا بھی کیسے؟'' اوزی کا لہجہ اشتعال انگیز تھا۔

''کول ڈاؤن......میرا مطلب وہ نہیں تھا اوزی! میں بھی اتنی ہی پریشان ہوئی ہوں یہ خبر سن کر جتنا کہ تم۔ اینی ویز، میں وہاں آ رہی ہوں۔تم فوراً ہاسپٹلز اور دیگر مقامات میں فون کر کے پتہ کرو۔ ساتھ ہی پولیس کو خبر کرو۔'' لامعہ نے عجلت میں فون بند کر دیا تھا۔مگر اوزی کی پریشانی مزید بڑھ چکی تھی کہ انابیہ کہیں کسی دوست کی طرف نہیں تھی۔تو پھر وہ کہاں تھی؟......کہیں واقعی وہ کسی ایکسیڈنٹ کی نذر تو نہیں ......مگر اس سے آگے اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا۔

صورتحال بہت مشکل تھی۔ آنٹی کا برا حال تھا اور دلاسہ دینے کی کوشش میں مسلسل نا کام تھا۔

وہ دل میں مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا کہ انابیہ ساتھ خیریت کے ہو۔ ہاسپٹلز کے نمبرز ملاتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپ رہے تھے۔

آنٹی مسلسل رو رہی تھیں۔

''انابیہ......میری بچی......''

اوزان سید کے چہرے سے پریشانی واضح طور پر چھلک رہی تھی۔انابیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آنٹی کا برا حال تھا۔ دادا جی بھی پریشان تھے۔مگر وہ مرد تھے۔کڑے حالات میں بھی ضبط رکھنا جانتے تھے۔

اوزان سید تمام تر اندرونی کیفیات پر بھرپور انداز میں قابو پاتے ہوئے عفنان علی خان کا نمبر ملانے لگا تھا۔

''عفنان!......کہاں ہو تم؟''

''آفس میں ہوں......کیوں، کیا ہوا؟'' اس کے لہجے کی پریشانی بھانپتے ہوئے عفنان علی خان نے دریافت کیا تھا۔

''مجھے اس وقت تمہاری بہت ضرورت ہے۔'' اوزان سید کا انداز بے اُلجھا ہوا تھا۔ پریشانی سے پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

''ہوا کیا ہے؟......تم اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟''

''انابیہ اِز مسنگ۔'' اوزان سید کا لہجہ عجب نیم جاں تھا۔

''وہاٹ......؟'' عفنان علی خان کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا۔''پاگل تو نہیں ہو گئے تم؟''

''عفنان! یہ وقت بحث کرنے کا نہیں ہے۔تم آجاؤ...... مجھے تمہاری فوری ضرورت ہے۔انابیہ کا واقعی کچھ پتہ نہیں ہے۔میں ہر جگہ پتہ کر چکا ہوں...... یہاں پر صورتحال واقعی تشویش ناک ہے۔تم فوراً پہنچو۔ہمیں فوری طور پر تھانے میں رپورٹ کرنا ہے۔''

''میں...... میں آرہا ہوں۔پریشان نہ ہو۔انشاءاللہ انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' بے حد عجلت میں کہتے ہوئے عفنان علی خان نے کال کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور گاڑی کی چابی اُٹھا کر انتہائی سرعت سے باہر نکلا تھا۔کیفیات پر قابو پانے کی ساری کوششیں رائیگاں ہو رہی تھیں۔ذہنی انتشار بڑھتا چلا جارہا تھا۔مگر عفنان علی خان کو خود پر بے حد اختیار رکھنا تھا۔جب تک کہ وہ اسے تلاش نہ کر لیتا...... اُسے ایک کڑے ضبط کی ضرورت تھی۔اور وہ یہ بات جانتا تھا۔

☆......☆......☆

توجہ کے وصف کیا بدلے تھے، سارے منظر دھندلے سے ہو کر رہ گئے تھے۔دل سوچتا بھی تھا تو سارا زمانہ خواب سا لگتا تھا۔

وہ زینہ اُتر رہی تھی، جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو زینے کے آخر میں کھڑے پرسنل سیل پر کسی سے محو گفتگو پایا تھا۔موڈ خاصا خوشگوار تھا۔دوسری طرف کوئی بھی ہوتا مگر جو بھی تھا، سردار صاحب کے دل کو مطلوب ترین تھا۔خاصا بلند قہقہہ کانوں میں پڑا تھا۔وہ آخری زینے پر قدم رکھتے ہوئے اپنی ساری توجہ اس شخص پر مبذول کیے ہوئے تھی۔نیتجتاً پاؤں مڑا تھا اور قریب تھا کہ وہ گر جاتی...... سنبھلنے کے لیے اُس کا مضبوط شانہ غنیمت لگا تھا۔بے دھیانی میں ہاتھ اس کی پشت پر پڑا تھا۔مگر سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کی پیشانی اس کی مضبوط پشت سے جا ٹکرائی تھی۔فقط پیشانی ہی کیا وہ پوری کی پوری اس وقت سردار سبکتگین حیدر لغاری کی چوڑی پشت سے کسی بیل کی مانند لپٹی ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس آفتِ نا گہانی پر مڑ کر بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔وہ لمحہ بڑی خجالت کا تھا۔وہ نگاہ ملانا تو دوسری بات، سر تک نہ اُٹھا سکی تھی۔نگاہیں ایسی چور تھیں جیسے اس نے کوئی ڈاکہ ڈال دیا ہو۔شرمندگی اس قدر تھی کہ دھڑکنوں کے اندر ایک انتشار برپا ہونے کے ساتھ سارا وجود بھی کانپ رہا تھا۔قربتوں کی کہانی عجیب تھی۔دھڑکنوں میں آہنگ تو تھا مگر اُمنگ نہیں۔قربتوں کے اس لمحے میں حدت ضرور تھی مگر شدت ہرگز نہیں۔ایک مخصوص خوشبو اس کے اطراف تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کا رُخ موڑے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال نے لرزتی پلکوں کے ساتھ ایک چور سی نگاہ ڈالی تھی اور بہت آہستگی سے اپنا نازک ہاتھ جو اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مضبوط شانے پر دھرا تھا، اسی طرح جھکی جھکی پلکوں سے ہٹایا تھا اور دھڑکنوں کے زیر و بم پر قابو پاتی وہ پیچھے ہٹی تھی۔معذرت کا کوئی لفظ رسماً بھی لبوں پر لانے کی ہمت اس میں ناپید تھی۔اُلٹے دو قدم چلتی وہ سر جھکائے اسی طرح دور ہٹی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی طرح گردن کا رُخ موڑے اُسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔چہرے پر کوئی بھی تاثر واضح نہ تھا۔

''آئی...... ایم...... سوری!...... وہ اچانک...... پاؤں......'' وضاحت دینے کے لیے لفظ تلاشنے چاہے تھے مگر سب بے سود تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی تمام تر ہمت اور محنت پر پانی پھیرتا، سیل فون کان سے لگاتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پلٹا تھا

اور زینہ طے کرنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ اقدام خاصا چونکا دینے والا تھا۔

وہ چند لمحوں تک اسی طرح ساکت سی کھڑی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی مائی اماں کے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ چہرہ یوں تپ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو...... وہ لمحہ جھیلنا آسان نہ تھا۔ اپنی شدید ترین تضحیک محسوس ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟...... ایسے چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟'' مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ سرنفی میں ہلا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟...... سبکتگین حیدر نے کچھ کہا؟'' مائی اماں نے بھرپور تشویش کے ساتھ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دریافت کیا تھا۔

''نہیں...... ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر......؟'' مائی اماں نے توجہ سے سبب دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ مگر مائی اماں نے بہت محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

''میری جان!...... گھر والوں کی یاد آ رہی ہے۔ ہے نا؟''

''میں کچھ دنوں کے لیے نانو کے گھر جانا چاہتی ہوں۔'' میرب سیال نے انکشاف کیا تھا اور مائی اماں کی نظروں میں واضح طور پر تشویش اُبھری تھی۔

''خیریت؟...... یہاں کوئی تکلیف ہے تو مجھے بتاؤ؟...... کوئی بات بری لگ گئی کسی کی؟''

''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میری اسٹڈی کا بہت حرج ہوا ہے اور اسے کور کرنا بہت ضروری ہے۔ سیفی سے میری بات ہوئی تھی۔ میں اگر وہاں جا کر کچھ دن رہ لوں گی تو بہت مدد مل جائے گی۔'' اس نے مدعا بیان کیا تھا۔

مائی اماں کے چہرے پر کسی قدر اطمینان کی لہر دوڑتی نظر آئی تھی۔

''اچھا...... میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ واقعی، تجھے اگر کوئی پرابلم ہے تو تُو چلی جا۔ اس میں اعتراض والی بھلا کون سی بات ہے؟'' مائی اماں نے بلاتردّد کہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے...... میں آج ہی چلی جاتی ہوں۔ سیفی کو فون کر دیتی ہوں، وہ مجھے لے جائے گا۔'' میرب اُٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! لیکن وہاں جا کر اپنی مائی اماں کو مت بھول جانا۔ رابطے میں رہنا۔ ورنہ مجھے فکر رہے گی۔'' مائی اماں نے ہدایت جاری کی تھی۔ ''اور اپنا بہت خیال رکھنا۔''

میرب مسکرا دی تھی۔

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں سات سمندر پار جا رہی ہوں۔''

مائی اماں نے اُٹھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتی ہوئی بولی تھیں۔

''میرے لیے تو تیرا جانا ایسا ہی ہے...... ماں ہوں نا...... فکر تو رہے گی۔ اگرچہ وہ گھر تیری ننھیال کا ہے۔''

میرب مسکرادی تھی۔

''میں چلوں گی۔ چھوٹی موٹی پیکنگ بھی کرنا ہے۔''

''ہاں ......ٹھیک ہے۔'' مائی اماں نے اجازت دی تھی اور میرب ساتھ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ دو قدم بھی نہ چل پائی تھی جب اس کا ہاتھ یکدم ہی کسی آہنی گرفت میں آ گیا تھا۔ گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ تکلیف کا ایک واضح احساس اس کے چہرے پر اُبھرا تھا۔ کسی نے اسی قدر سرعت سے جارحانہ انداز میں اُس کا رُخ اپنی سمت موڑا تھا۔ سنبھلنے کی کوشش یقیناً بیکار تھی۔ کوشش کرتی بھی تو توازن برقرار نہ رہ پاتا۔ شاید اسی لیے نتیجتاً وہ اس لمحے اس شخص کے اتنے قریب تھی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے وجود کی خوشبو اور وہ قربت حواس باختہ کرنے کو کافی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی دھڑکنوں کی آواز بھی سن رہی تھی۔ اُس نے بہت آہستگی سے سر اُٹھایا تھا۔ کوئی اُس کی سمت بہت خشمگیں نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے متوجہ ہونے پر اُسے بہت جارحانہ انداز میں شانوں سے تھام کر پُرتپش نظروں سے دیکھا تھا۔

''نگاہ اگر اجنبی ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نظر مائل نہیں۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ تم اپنے طور پر فیصلے لینے کے لیے اتنی آزاد ہو؟ اور تمہیں کسی کی اجازت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی؟'' دریافت کرنے کا انداز درشت تھا اور آنکھوں سے جیسے الاؤ نکل رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ احتجاج اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کی آہنی گرفت سے اس کے شانے بُری طرح دُکھ رہے تھے۔ انگلیاں جیسے گوشت میں کھب رہی تھیں۔ میرب سیال نے اُسے بہت ناگواری سے دیکھتے ہوئے ایک لمحے میں اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے جھٹکے تھے اور دو قدم چلتی ہوئی اس کے حصار سے پیچھے ہٹ گئی تھی اور اس کی سمت مکمل خود اعتمادی سے دیکھتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

''میں کیا کرتی ہوں، کس لیے کرتی ہوں، کیوں کرتی ہوں، اس سب کی خبر رکھنے کی ضرورت آپ کو قطعاً نہیں۔ نہ ہی فکر کرنے کی۔ انڈر اسٹینڈ؟'' لہجہ، انداز سب اعتماد سے پُر تھا۔ اور سبکتگین حیدر لغاری اس کی ہمت پر حیران تھا۔

وہ ایک نظر بھرپور ناگواری سے ڈالتی ہوئی پلٹی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے حد جارحانہ انداز میں اُسے سرعت سے تھام کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ میرب سیال کے لیے اس کا یہ جنونی پن کچھ نیا نہیں تھا۔ کوئی شے قیاس سے باہر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے سامنے اسے کھڑا دیکھ کر یونہی مشتعل ہوگا۔ وہ اُس کے پُر اعتماد نظر آنے پر اسی طرح تلملائے گا۔ اور سب کچھ اس کے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔ اس لیے شاید سردار سبکتگین حیدر کے اس اقدام پر بھی وہ حواس باختہ نہیں ہوئی تھی۔ اس کی اتنی قربت پر بھی بوکھلائی نہیں تھی۔ وہ جس طرح سیخ پا نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، جواباً اس کا انداز اسی قدر مطمئن اور تسلی بخش تھا۔ اور یہ اطمینان یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے تسلی بخش نہیں تھا۔

''تم ......کہیں نہیں جاؤ گی ......!'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے باور کرایا گیا تھا۔ نگاہوں کی تپش ایسی تھی کہ جیسے اُسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ یقیناً ایسا کوئی انداز اس سے قبل اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ یہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کوئی نیا ہی روپ تھا۔ سرخ آنکھوں میں جانے کیا تھا...... میرب سیال جو متواتر دیکھنے کا قصد کیے بیٹھی تھی، یکدم ہی نظریں پھیر گئی تھی۔

''انڈر اسٹینڈ......؟''

اُسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ بھاری قدم زمین کے سینے پر رکھتا ہوا، مضبوط قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اس زمین کے سینے کو روندینا چاہتا ہو۔ کیسا انتہا پسند دکھائی دیا تھا وہ اس لمحے۔

ابھی تو اس شخص سے اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں تو یہ حال تھا۔ کوئی جذباتی وابستگی بھی نہیں دی تھی...... ذرا سی توجہ، ذرا سا التفات...... کچھ بھی نہیں تھا اور وہ اس حد تک جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اگر کوئی دلی وابستگی ہوتی تو وہ شخص کس حد تک جاتا؟

میرب سیال ساکت سی کھڑی سوچ رہی تھی۔

دھڑکنوں کے زیر و بم میں اس پُر تپش چہرے کے ساتھ وہ اب بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی جس سمت وہ گیا تھا۔ ایک جلتا ہوا لمس اس کی کلائی پر اب بھی موجود تھا۔ انگلیوں کے نشان جیسے پیوست ہو گئے تھے۔

تو یہ اندازِ بیگانگی تھا

اجنبیت تھی۔

انجانا پن تھا۔

ناپسندیدگی تھی

اگر سب کچھ اس کے برعکس ہوتا تو کیا ہوتا؟

☆......☆......☆

تشویش بڑھ چکی تھی۔

لمحے بھر بھری ریت کی طرح ہاتھ سے سرکتے جا رہے تھے۔ اور ہر گزرتا لمحہ اپنے ساتھ مزید وحشتیں لا رہا تھا۔

وہ گھر جہاں انابیہ شاہ کے وجود سے زندگی دوڑتی تھی، وہ گھر انابیہ شاہ کے بغیر ایک ویران کھنڈر لگ رہا تھا۔

اتنی وحشت تھی کہ جیسے کوئی صف ماتم بچھی تھی۔ گھر کے مکینوں کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے اور آنکھیں دہلیز پر لگی ہوئی تھیں۔

''اوزی! تم دروازہ بند کیوں کر رہے ہو؟...... انابیہ کو آنا ہے ابھی۔ اور یہ کمرے کی لائٹس جلا دو...... تم جانتے ہو...... وہ اندھیرے سے کس قدر خوفزدہ ہوتی ہے۔'' ماہ وش پر عجب پاگل پن سوار تھا۔ بیٹی کی گمشدگی نے گہرا صدمہ دیا تھا۔ حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔

اوزی نے انہیں تھام کر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا...... آنکھوں سے بہت خاموشی کے ساتھ نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر ماہ وش کے شانوں پر جذب ہوئے تھے۔

''آپ...... کیا سمجھتی ہیں مام!...... کیا مجھے کوئی دُکھ نہیں؟...... کیا مجھے کوئی فکر نہیں کہ وہ کہاں ہو گی اور کس حال میں ہو گی۔ ہمیشہ اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھنے والا بھائی آج کتنا بے بس ہے۔ کڑے ترین حالات میں۔ جب کہ اس کی بہن مشکل میں ہے

اور اسے اس کی شدید ضرورت ہے۔ وہ اسے ڈھونڈ نہیں پا رہا ہے۔ جان نہیں پا رہا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے...... میرے دل پر کیا گزر رہی ہے، یہ میں کسے بتاؤں؟'' ماہ وش کو تسلی دیتے ہوئے وہ خود بھی ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ عفنان علی خان جو قدرے فاصلے پر تھا، چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا اور اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ تسلی کا یہ ایک خاموش سا اظہار تھا اور اوزان سید کے لیے ان کڑے لمحوں میں اس کا ساتھ غنیمت تھا۔ ایسے میں جب کہ وہ بے حد تنہا محسوس کر رہا تھا خود کو، عفنان علی خان نے اس کے ساتھ آ کر اس کی بھرپور ہمت بڑھائی تھی۔

''تم مام کو کھانا کھلا دو...... دادا جی نے بھی کچھ نہیں کھایا...... یہ ٹھیک نہیں ہے اوزی!...... ہم کوشش کر رہے ہیں...... پولیس بھی سرگرم عمل ہے۔ امید ہے بہت جلد انابیہ کا پتہ چل جائے گا۔ تم فکر مت کرو...... میں نے اوپر بات کی ہے۔ نیچے کے افسران کو کڑی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ اگلے بارہ گھنٹوں میں انابیہ ہمارے درمیان ہوگی۔ انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا...... بیلیو می...... میں اُسے کچھ ہونے نہیں دوں گا...... اُسے آنچ بھی آئی تو تہس نہس کر کے رکھ دوں گا سب کچھ۔ اطمینان رکھو...... وہ جلد ہم میں ہوگی...... یہاں، ہمارے درمیان...... فقط بارہ گھنٹے...... میں نے پاپا اور گین سے بات کر لی ہے۔ وہ بھی اپنے اثر ورسوخ استعمال کر رہے ہیں۔ اگلے چند گھنٹوں میں انابیہ کی کچھ خبر نہ ملے یہ ممکن نہیں۔''

عفنان علی خان کے لہجے میں عجب ایک یقین بول رہا تھا۔ اپنے مضبوط ہاتھوں کی پوروں سے ماہ وش کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے بہت پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

''آیئے مام! کھانا کھا لیجیے۔ آپ کو مجھ پر یقین ہے نا؟...... انابیہ کو میں کچھ ہونے نہیں دوں گا۔ اب تو آپ کھانا کھا لیجیے۔''

ماہ وش ضبط کا یارا رکھنے کی کوشش میں پھر رونے لگی تھیں۔ دادا جی الگ چپ چاپ سے بیٹھے تھے۔

عفنان علی خان ماہ وش کو شانوں سے تھام کر کھانے کی ٹیبل تک لایا تھا۔

''اوزی! تم دادا جی کو لا کر ٹیبل پر بٹھاؤ۔ کم آن یار!...... اگر تم بھی یوں حوصلہ ہار دو گے تو پھر صورتحال سے کون نمٹے گا؟'' کونے میں نڈھال کھڑے اوزان سید کو گھر کا تھا۔ اوزان سید آہستگی سے چلتے ہوئے دادا جی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ قدم بے حد نڈھال اور چال میں واضح تھکن تھی۔

عفنان علی خان نوالے بنا کر ماہ وش کے منہ میں رکھنے لگا تھا۔

ماہ وش اگرچہ کھانا نہیں چاہ رہی تھیں مگر وہ انہیں بچوں کی طرح بہلاتے ہوئے مسلسل کھلا رہا تھا۔

''آپ کھانا نہیں کھائیں گی تو انابیہ بہت ناراض ہوگی۔'' مسکراتے ہوئے وہ غالباً اُن کا دھیان مثبت سمت کی طرف ڈالنا چاہ رہا تھا۔ حالانکہ اس کی اپنی آنکھیں اس لمحے جلتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ کناروں پر سرخی پھیلی ہوئی تھی جیسے وہ اپنے اندر کی طغیانیوں پر بہ مشکل قابو پائے ہوئے تھا۔ چہرہ متفکر اور انداز پُر وحشت اور نڈھال سا تھا۔ اُس کے وجود کو دیکھ کر برسوں کی تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر وہ

اس گھر کے افراد کے آنسو سمیٹ رہا تھا۔ خود دل کتنے طوفانوں کی زد پر تھا۔ مگر وہ دوسروں کو مسکراتے ہوئے بہلا رہا تھا۔ اپنی جان مشکل میں تھی۔ روح پر کوئی عذاب اُترا ہوا تھا۔

سانس تک لینا دُشوار تھی۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔

مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

''آپ انابیہ کو تو جانتی ہیں نا مام!...... وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہے گی لیکن میری اور اوزی کی خیر نہیں ہوگی۔ یہ جان کر کہ ہم دو دو ہٹے کٹے لڑکوں نے آپ کا خیال نہیں رکھا، وہ بہت برہم ہوگی...... اوزی کو تو شاید پھر بھی وہ کوئی رعایت دے کر بخش دے مگر میں؟...... مجھے اپنی خیریت کے متعلق کوئی اتنا یقین نہیں۔'' مام کے منہ میں نوالے رکھتے ہوئے وہ مسکرانے کی کوشش میں عجب بجھا بجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔

''دادا جی! آپ ہی بتائیے...... میں غلط ہوں یا صحیح......؟'' عین سامنے بیٹھے دادا جی کی رائے چاہی تھی۔ مگر وہ کچھ نہیں بول سکے تھے۔ ہاتھ میں تھما ہوا نوالہ وہیں پلیٹ میں رکھ دیا تھا اور عفنان علی خان کی جیسے ساری محنت اکارت ہوگئی تھی۔ بہت خاموشی سے وہ اُٹھا تھا اور چلتا ہوا شیشے کی دیوار کے پاس جا رکا تھا۔ کمرے میں اس وقت چار نفوس موجود تھے...... مگر خاموشی قبرستان جیسی تھی۔

عفنان علی خان نڈھال سا کھڑا تھا۔ جب فون بجا تھا۔ اوزی نے سرعت سے پیش قدمی کی تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ جلدی کا مظاہرہ عفنان علی خان نے کیا تھا اور فون اُٹھا لیا تھا۔

''ہیلو......!'' کسی بھی متوقع خبر کو سننے کے لیے وہ ہر طرح سے تیار تھا۔

''ہیلو عفنان!...... میں لامعہ بات کر رہی ہوں۔''

''اوہ......!'' عفنان علی خان کا سارا تجسس دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ ایک سرد سانس خارج کرتے ہوئے وہ جیسے صبر آزما لمحے سے گزرا تھا۔

''کہو۔''

''میں انابیہ کے متعلق پوچھنا چاہ رہی تھی۔ کچھ پتہ چلا اُس کا؟...... کوئی خبر؟'' لامعہ حق کا لہجہ پریشانی سے بھرپور تھا اور آواز میں نقاہت واضح تھی۔

''نہیں...... اب تک تو نہیں۔'' عفنان علی خان کا لہجہ سرد تھا۔

''خدا کرے وہ خیریت سے ہو جہاں بھی ہو...... مجھے تو اس کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ ماما اور پاپا بھی بہت پریشان ہیں اس کی گمشدگی کو لے کر۔ میں تو اس خبر کو لے کر اتنی اَپ سیٹ ہوں کہ ہائپر ٹینشن کری ایٹ ہوگئی ہے۔ ابھی ابھی ڈاکٹر دیکھ کر گیا ہے۔ میڈیسن کے زیرِ ہوں۔ مگر انابیہ کی فکر پھر بھی نہیں جا رہی۔ آنٹی سے میری طرف سے معذرت کر لینا...... میں جانتی ہوں مجھے اس وقت وہاں ہونا

چاہیے تھا۔مگر میری حالت ایسی نہیں۔میرے لیے اس صورتِ حال کو فیس کرنا آسان نہیں۔''

اس کی لمبی چوڑی وضاحت اور تر دید عفنان علی خان بہت ہمت سے سن رہا تھا۔

دوسری طرف غالباً لامعہ واقعی رو رہی تھی۔لہجہ بھرا رہا تھا۔

عفنان علی خان غالباً اس کے خاموش ہونے کا منتظر تھا۔

''میں لڑکی ہوں......سمجھ سکتی ہوں ایک لڑکی کی عزت کیسی آبگینوں سی ہوتی ہے......ایک رات گھر سے باہر گزری نہیں اور......''

''لامعہ! پلیز۔''عفنان علی خان کے لیے اُسے مزید سننا دُشوار ہو گیا تھا۔لہٰذا تمام تر مروت اور لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے نا گواری سے گویا ہوا تھا۔

''تم لڑکی ہو اور یہی نہیں سمجھ رہی ہو کہ اس صورت حال میں ایک لڑکی اور اس کی ساری فیملی کتنی مشکل میں ہو سکتی ہے۔انابیہ جہاں بھی ہے، یقیناً اپنی مرضی سے نہیں ہے۔اور ایک لڑکی ہونے کے ناتے تم یہ بات یقیناً بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتی ہو۔'' انتہائی کھردرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ انابیہ شاہ اور اس کی فیملی کا سب سے بڑا خیر خواہ لگا تھا۔

لامعہ کے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو عفنان! اس کڑے وقت میں انابیہ کی فیملی کو اور انابیہ کو ہماری ہمدردی کی بہت ضرورت ہے۔تم انابیہ کی فیملی کے لیے اتنا کر رہے ہو۔''

''بس یا کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو تم؟''عفنان علی خان کا لہجہ حد درجہ بیزار تھا۔

''جیسے ہی کوئی خبر ملے، پلیز مجھے ضرور انفارم کرنا۔''لامعہ حق کے آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔''انابیہ......میری دوست......میری بہن......جانے کس حال میں ہو گی؟......اب تک تو نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہو گا اس کے ساتھ......بارہ گھنٹے گزر گئے......اور اس کا کچھ پتہ نہیں۔ایک تو اس شہر کی پولیس کو بھی جانے کیا ہو گیا ہے۔کبھی وقت پر......کام نہیں کرتی......کسی لڑکی کی گمشدگی اس کی فیملی کے لیے کتنی پریشان کن ہو سکتی ہے، انہیں کاش اندازہ ہو جائے اور وہ بروقت کوئی اقدام کر سکیں۔'' لامعہ حق کا بولنا اور عفنان علی خان کا سننا خاصا مشکل تھا۔مگر عفنان علی خان کی طرف سے اخلاق کا بھرپور مظاہرہ تھا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا انابیہ کی گمشدگی ہوئی کیونکر......اُس معصوم لڑکی کی تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔وہ بہت اچھی تھی۔''

''عفنان!......یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ وہ کہیں اپنی مرضی سے......اپنی منشا سے......کسی کے ساتھ......!!''

''لامعہ!......ہم یہاں ضروری فون کال کا انتظار کر رہے ہیں۔تم اپنی یہ ہمدردی اور خیر خواہی پھر کبھی دکھا لینا۔خدا حافظ۔''

عفنان علی خان نے پٹاخ سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا اور جلتی ہوئی کنپٹیوں کو انگلیوں کی مدد سے دباتے ہوئے گلاس ڈوو کے پاس جا رکا تھا۔اضطراری کیفیت میں جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر برآمد کیا تھا اور اس ٹینشن زدہ ماحول سے ریلیف کے لیے

سگریٹ سلگا کر دھوئیں کے مرغولے بنا کر فضا میں منتقل کرنے لگا تھا۔

اوزان سید چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا اور تسلی کے لیے اس کے چوڑے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ سناٹے سے بھرے اس ماحول میں سُوئی بھی گرتی تو آواز دُور تک جاتی۔

گھڑی کی سُوئیوں کی آواز خاموشی میں دور تک پھیل رہی تھی۔ رات کے اس پہر جب بہت سی آنکھیں خوابوں کی دنیا میں سفر کر رہی تھیں، کچھ آنکھیں جاگ رہی تھیں......اور مسلسل جل رہی تھیں۔

نین رستوں پر لگے تھے......مگر آنے والے کے قدموں کی چاپ کہیں دور تک بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

گھڑی کی سُوئیاں آہستہ آہستہ آگے سرکتی جا رہی تھیں۔

قریباً چار بجے کا وقت تھا جب عفنان علی خان کا سیل فون بجا تھا۔ اسکرین پر سبکتگین حیدر لغاری کا نام دیکھتے ہوئے عفنان علی خان نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو گین!......وہاٹ ہینڈ......اپنی پروگریس؟'' عفنان علی خان کا لہجہ بے چینی سے پُر تھا۔

دوسری طرف سے جانے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیا کہا تھا، عفنان علی خان تیزی کے ساتھ پیپر پر قلم گھسیٹنے لگا تھا۔ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کوئی اہم ترین انفارمیشن دینے کے ساتھ کوئی ایڈریس بھی نوٹ ڈاؤن کروا رہا تھا۔ شاید مشکل کا حل نکلنے کے قریب تھا۔ جان پر بھاری لمحے ٹلنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ روح پر قیامت برپا کرنے والے لمحے اپنے پیر سمیٹ رہے تھے۔

عفنان علی خان نے سرعت سے پیپر کھینچ کر جیب کے اندر رکھتے ہوئے سیل فون پر گفتگو کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور اوزی کی طرف دیکھا تھا۔

''سبکتگین حیدر لغاری کو کمشنر صاحب کی کال موصول ہوئی ہے......انابیہ سے متعلق پولیس کو کچھ شواہد ملے ہیں۔ اور پولیس اس وقت اس علاقے میں موجود ہے۔ کسی بھی ممکنہ کارروائی کی غرض سے۔ مجھے ابھی جانا ہوگا۔'' عفنان علی خان کی آنکھوں کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔ ویرانیاں اور بھی سوا ہو گئی تھیں۔ جیسے اُس کے پَر ہوتے تو وہ ایک لمحے میں وہاں اُس جگہ پر پہنچ چکا ہوتا۔ اوزان سید کو اس کے انداز میں عجلت نظر آئی تھی۔ یہ خبر اتنے دل دہلا دینے والے ساکت لمحوں میں ایک ارتعاش بن کر آئی تھی۔ سناٹے میں ایک شور سنائی دیا تھا۔ خوش آئند تھا یا کہ نہیں، یہ وہ دونوں نہیں جانتے تھے۔ مگر دونوں کے لیے صرف اتنا سن لینا کافی تھا کہ انابیہ کے متعلق کوئی خبر ہاتھ لگ گئی تھی......

یہ اذیت اگر تھی بھی تو اس اذیت سے کہیں بہتر تھی جو وہ انابیہ کی گمشدگی سے لے کر اب تک جھیل رہے تھے۔

''رکو عفنان! میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' اوزان سید نے کہا تھا۔

عفنان علی خان نے مُڑ کر صوفے کی پشت سے سر لگائے سوئے دادا جی اور ماہ وش کی طرف دیکھا تھا۔

''مگر دادا جی اور ماہ وش ماما......؟'' عفنان علی خان نے کسی خدشے کے پیش نظر اوزان سید کی طرف دیکھا تھا۔ ''میرے ہوتے

ہوئے انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا...... بیلیو می...... انابیہ جتنی اس گھر کو عزیز ہے اس سے کہیں زیادہ مجھے عزیز ہے۔ انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا۔ اگر ہوا تو اس کی تمام تر ذمے داری تم بلا تردّد مجھ پر عائد کر دینا۔ میں ہر الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار ہوں گا۔"عفنان علی خان کا لہجہ مضبوط اور ارادوں سے بھرا ہوا تھا۔

اوزی نے اُسے بغور دیکھا تھا۔ وہ ابھی اُلجھن میں تھا۔ تبھی ماہ وش کی آنکھ کھلی تھی۔

"کیا ہوا؟...... تم لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہو؟...... انابیہ کی کوئی خبر آئی؟" انہوں نے دریافت کیا تھا۔ اور اوزی اُن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"جی مام!...... ہم آپ کو یہی بتانا چاہ رہے تھے۔ اچھا ہوا آپ جاگ گئیں...... فون آیا ہے۔ اور ہم وہیں جا رہے ہیں۔ آپ پلیز، اپنا اور دادا جی کا خیال رکھیئے گا۔ ہم بہت جلد آ جائیں گے۔ انابیہ کو واپس لے کر...... ہماری اپنی انابیہ کو۔"

اوزی نے ان کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا اور عفنان علی خان کے ساتھ تیزی سے آگ بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان کے بھاری قدم آگے ضرور بڑھ رہے تھے مگر ہر قدم من من بھر کا لگ رہا تھا۔ جانے کیوں، دل بہت بوجھل سا لگ رہا تھا۔

اضطراب...... بے چینی...... کچھ مزید بڑھ گئی تھی۔

جانے کس حال میں تھی انابیہ......؟

کیا گزر رہی تھی اُس پر......؟

جانے کس نے اُسے کڈنیپ کیا تھا؟ اور کس خاص مقصد سے ایسا سب کیا تھا......؟

کتنے جلتے ہوئے سے سوال تھے دماغ میں۔ مگر ان کا جواب فی الحال کسی کے پاس نہ تھا۔

اور پتہ نہیں انابیہ زندہ بھی تھی یا کہ......

اس سے آگے کی سوچ دل کی دھڑکنوں کو روکنے کے لیے کافی تھی۔ وہ ایسا کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خیریت کی کتنی ہی دعائیں اس نے دل ہی دل میں مانگ لی تھیں۔ آنکھیں مسلسل جل رہی تھیں۔ مگر دل سے مسلسل ایک ہی صدا آ رہی تھی۔

انابیہ جہاں کہیں بھی ہو، خیریت سے ہو...... زندہ اور صحیح سلامت ہو۔

☆......☆......☆

کمرے میں مکمل طور پر اندھیرا تھا۔

انابیہ شاہ کا نیم جاں وجود کمرے کے عین وسط میں ماربل کے فرش پر چت پڑا تھا...... اُس کے دونوں طرف کی کلائیاں کٹی ہوئی تھیں اور ان سے خون بہت تیزی سے بہہ کر پورے کمرے کے فرش پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے بیگانہ تھی نہ اس درد پر

کوئی سسکی تھی نہ کوئی آہ۔

زندگی کے احساس کی کوئی رمق جیسے اُس میں ناپید تھی۔ اندھیرے کمرے میں سناٹا ہی سناٹا تھا۔

پولیس نے گھر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا اور ممکنہ افراد کی تلاش شروع کر دی تھی۔ مگر اس کمرے میں ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ عفنان علی خان کی کیفیت وہاں پہنچ کر عجب نیم جاں سی تھی۔ جسم سے ساری ہمت جیسے کسی نے ایک پل میں نچوڑ لی تھی۔ جانے کیوں اُس کا دل مسلسل کسی خطرے کا سگنل دے رہا تھا۔ دل کو جانے کیوں کچھ ہو رہا تھا۔ کیفیت ایسی تھی کہ وہ خود آپ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جسم سے جان جانے کو تھی۔ جیسے جسم بے روح ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے لڑکھڑایا تھا جب سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے سہارا دیا تھا۔

''گین! مجھے لگ رہا ہے...... یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میرا دل میرے ساتھ نہیں ہے۔ عجب گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔ جیسے روح جسم سے نکل رہی ہو۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے خاموشی سے اُسے حوصلہ دیا تھا۔

عفنان علی خان گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا مگر پھر یکدم ہی عجب اضطراری انداز میں یہاں سے وہاں ٹہلنے لگا تھا۔ اوزی قدرے فاصلے پر ایس پی سے کچھ ڈسکس کر رہا تھا۔

''حوصلہ رکھو...... سب ٹھیک ہوگا۔ پولیس کارروائی کر رہی ہے۔ چند لمحوں میں صورتحال بس میں ہوگی۔ اتنا یقین رکھو...... انابیہ یہیں کہیں ہے، اسی گھر کے اندر۔'' گین کا لہجہ پُر یقین تھا۔ عفنان علی خان نے عجب بے چینی سے چل کر آتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

''گین! میں اندر جانا چاہتا ہوں...... پلیز، ایس پی سے بات کرو۔ میرا دل گین!...... بیلیو می، یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو، سنو میرے دل کی آواز...... یہ دھڑک نہیں رہا ہے۔ انابیہ ٹھیک نہیں ہے۔ گین!...... پلیز...... ان سے بات کرو...... مجھے اندر جانا ہے۔'' وہ عجب جنونی انداز میں چیخ پڑا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر ہلاتے ہوئے ایس پی کی طرف دیکھا تھا۔

''میں بات کرتا ہوں...... مگر اس میں تمہاری اپنی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سب تمہاری سیفٹی کے لیے ہی تھا۔ اندر جا کر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جو کوئی اندر ہے، وہ یقیناً ہتھیاروں سے لیس بھی ہوگا۔ میں ذاتی طور پر تمہارے لیے کوئی رِسک لینا نہیں چاہتا...... یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو تم۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نرم لہجے میں سمجھانا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان کا ضبط اس گھڑی جواب دے گیا تھا اور وہ چیخ پڑا تھا۔

''کیا...... کیا صبر کروں میں؟ کیا سمجھوں؟...... میری جان جا رہی ہے...... روح نکل رہی ہے جسم سے...... اور تم کہہ رہے ہوں

میں سمجھوں۔گین! ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ!...... جان چلی جائے گی تو باقی کیا رہے گا...... ہاں......؟ کیا رہے گا باقی؟ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟...... مجھے جانے دو...... پولیس اپنی کارروائی کرے...... مگر میں اُسے خود دیکھنا چاہتا ہوں...... اگر وہ اس گھر میں ہے تو میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔"

اس کا انداز عجب جنونی تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے لمبے چوڑے، نڈھال، نیم جاں شخص کو دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"گو...... گو اِن سائیڈ دی ہاؤس...... بٹ بی کیئرفل!...... تمہاری جان ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔" ہدایت خاص تھی۔مگر سننے کی فرصت غالباً عفنان علی خان کے پاس نہیں تھی۔وہ سرعت سے مڑا تھا اور بھاگتا ہوا گھر کے اندر داخل ہو گیا تھا۔اوزی نے عفنان علی خان کو گھر کے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر سبکتگین حیدر لغاری کی طرف آ گیا تھا۔

"یہ عفنان کیوں اندر چلا گیا؟"

"ضد...... اُس کا دل ضدی بچہ بن گیا ہے...... اور میں اُسے روک کر اس ضدی بچے پر کوئی قدغن لگانا نہیں چاہتا...... اگر میرے ایسا کرنے سے اس کے جنونی پن کو کچھ سکون میسر آ سکتا ہے اور اس کی اضطرابیت میں کچھ افاقہ ہو سکتا ہے تو اس کا اندر چلے جانا ہی بہتر ہے۔اگر تم بھی چاہو تو اندر جا سکتے ہو۔مجھے امید ہے تم عفنان کا خیال رکھو گے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مشورہ اس لمحے دل کے لیے راحت کا باعث بنا تھا۔اوزان سید نے پیش قدمی کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔اس کے قدم تیزی سے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔چار سمت کمرے ہی کمرے تھے۔

اوزان سید بھاگتے ہوئے عفنان علی خان کا تعاقب کرنے لگا تھا۔ہزار گز کے اس گھر کے راستے ان کے لیے یقیناً اجنبی تھے۔

عفنان عجب دیوانے پن سے ایک ایک کمرہ کھول کر جھانک رہا تھا۔جانے کب سے بند پڑا تھا یہ گھر...... ماحول میں عجب ایک گھٹن سی تھی۔

عفنان نے ایک کمرے کی بتی جلائی تھی اور ساکت رہ گیا تھا۔اوزان سید ایک ایک کمرے میں جھانک رہا تھا جب یکدم ہی نظر عفنان علی خان پر پڑی تھی۔اُسے ایک کمرے کے دروازے پر ساکت کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔عفنان علی خان عجب بُت بنا کھڑا تھا۔

اوزان سید نے اس کے عقب سے اندر جھانکا تھا اور وہ بھی اسی طرح ساکت رہ گیا تھا۔اندر دکھائی دیا جانے والا منظر وحشت ناک تھا۔انابیہ شاہ کمرے کے عین وسط میں...... فرش پر نیم جاں پڑی تھی۔کمرے کا فرش اس کے خون سے نہایا ہوا تھا۔عفنان علی خان کے پتھر سے وجود میں بہت آہستگی سے حرکت ہوئی تھی اور نیم جاں قدموں سے چلتا ہوا انابیہ کی سمت بڑھا تھا۔گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے، مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔انابیہ کا سرد پڑتا وجود زندگی کی رمق سے جیسے عاری تھا۔...... اوزی کی کیفیت بھی عفنان علی خان سے کچھ مختلف نہیں تھی۔بہت تھکے تھکے قدم دہلیز کے اندر پڑے تھے اور چلتے ہوئے انابیہ کے پاس آن رکے

تھے۔ جھک کر اس کی ناک کے آگے ہاتھ رکھ کر یقین کرنا چاہا تھا۔

''عفنان! یہ زندہ ہے...... سانس لے رہی ہے...... ہری اَپ......ڈونٹ ویسٹ دی ٹائم اینی مور۔''

اس کی مدھم پڑتی سانسوں کی رفتار پر اوزان سید چیخا تھا۔ اور وہ ایک ڈوبتا لمحہ جیسے عفنان علی خان کے تھکے ماندے، ہارے ہوئے وجود میں ایک زندگی کی رمق ڈال گیا تھا۔ اس کے شکستہ حوصلہ یکدم ہی زندگی سے بھر گئے تھے۔ اُس نے سرعت سے اس کے بے جان پڑتے، سرد وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھایا تھا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

پولیس بھی ان کے گرد جمع ہو چکی تھی۔ پورے گھر میں انابیہ کے علاوہ کسی وجود کے شواہد نہیں ملے تھے۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہاں سے جا چکا تھا...... غالباً اسے پولیس کے آنے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ پولیس کے ہاتھ کچھ ثبوت لگے تھے جنہیں انہوں نے محفوظ کر لیا تھا۔

عفنان علی خان نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چلتے ہوئے انابیہ کا وجود گاڑی میں ڈالا تھا۔ اوزان سید اسی تیزی سے فرنٹ ڈور کھول کر اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور عفنان علی خان نے طوفانی انداز میں گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اس لمحے اُسے کسی خدشے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

کوئی حادثہ ہو جاتا تو ہو جاتا......

اس کی بلا سے...... دنیا فنا ہو جاتی...... اُسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تھی تو فقط اتنی کہ انابیہ کو کچھ نہیں ہو۔ وہ بچ جائے۔

اُس کی ڈوبتی سانسیں بحال ہو جائیں۔

اور وہ زندگی سے بھر جائے۔

اوزان سید کی کیفیت بھی اسی جیسی تھی۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ انابیہ اس کے لیے کچھ اور حوالہ رکھتی تھی اور عفنان علی خان کے لیے کچھ مختلف۔

مگر دونوں کا مقصد فقط انابیہ کی جان بچانا ہی تھا۔

کیونکہ دونوں کو ہی وہ زندگی اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔

گاڑی اس رات کے پہر میں سناٹوں کو چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اوزان سید بار بار پلٹ کر جھکتے ہوئے انابیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور جسم ٹھنڈا......

عفنان علی خان کے لیے وہ لمحے جیسے قیامت کے سے تھے۔

''ہاؤ...... ہاؤ اِز شی......؟'' عفنان علی خان کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آئی تھی۔ عجب شکستہ سا لہجہ تھا۔

''ڈونٹ وری...... شی وِل بی فائن...... خدا جانتا ہے...... یہ ہمیں کتنی عزیز ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ اوپر والا ہمارے ساتھ کوئی نا انصافی نہیں کر سکتا...... تم حوصلہ رکھو۔'' ایسے میں جب اپنے حوصلے پست ہو رہے ہوں کسی اور کو حوصلہ دینا نہایت دشوار تھا۔ مگر وہ دونوں اس وقت

باری باری ایسا کر رہے تھے۔ کیونکہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا نیم جاں ہوتا وجود دونوں کو ہی بے حد عزیز تھا۔ وہ...... زندگی کی ہلکی سی رمق اپنے اندر لیے لڑکی...... اگر اس لمحے دیکھتی تو جان جاتی کہ کوئی اُسے زندگی سے بھی بڑھ کر عزیز جانتا ہے۔

کسی نظر خاص کے لیے وہ کتنی خاص اور کسی دل کے لیے وہ جاں کی مانند ہے۔

یہ انکشاف انابیہ شاہ کے لیے یقیناً حیران کن ہوتا!

☆......☆......☆

ہاسپٹل پہنچنے پر جس پریشانی اور تاخیر کا سامنا ہو سکتا تھا وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اور اس کے ایس پی دوست کے باعث نہیں ہوا تھا اور انابیہ کو بروقت ٹریٹمنٹ مل رہی تھی۔

دونوں طرف کی کٹی ہوئی کلائیوں کے باعث بلیڈنگ بہت تیزی سے اور بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ یہی بات بہت بڑی تشویش کا باعث تھی۔ انابیہ شاہ کو اس لمحے مصنوعی سانس دی جا رہی تھی۔ مگر اس کی ڈوبتی سانسیں عفنان علی خان کا دل دہلائے جا رہی تھیں۔ گلاس ڈور کے اس پار سے اُسے اُکھڑے اُکھڑے سانس لیتے دیکھ کر جیسے اس کا دل خود بھی ڈوب رہا تھا۔ کتنی بہت سی دُعائیں اُس کے لیے دل نے خاموشی میں خدا سے مانگی تھیں۔

ابھی تھوڑی دیر قبل وہ انابیہ کے لیے اپنا بلڈ ڈونیٹ کر کے آیا تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس کا بلڈ گروپ انابیہ سے میچ کر گیا تھا۔ ورنہ او نگیٹو گروپ کے بلڈ ملنے میں یقیناً رات کے اس پہر بہت دُشواری ہوتی۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس پر جھکی اسے زندگی کی طرف واپس لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔ اوزان سید میں بہن کی یہ کیفیت دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ ضبط سے لب بھینچے، سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ پلٹا تھا اور راہداری کے ایک کنارے پر جا رکا تھا۔ مرد تھا...... لیکن اس حالت میں ضبط رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ گرم گرم سیال مادہ آنکھوں کے کناروں کو توڑ کر نکلا تھا اور چہرہ بھگوتا چلا گیا تھا۔ عفنان علی خان کی نظریں اس گھڑی جیسے پتھرا گئی تھیں۔ ذہن کچھ سوچ نہ رہا تھا۔ نظریں صاف اس منظر پر جمی تھیں جو وہ شیشے کے اس پار سے دیکھ رہا تھا۔

انابیہ غالباً سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ اس کی سانسیں غالباً ٹوٹ رہی تھیں۔ ڈاکٹرز اس پر جھکے ہوئے تھے۔ کوششیں جاری تھیں اسے زندگی کی طرف لانے کی۔ پتہ نہیں کیا لکھا تھا اس کے نصیب میں۔ عفنان علی خان درد سا اُٹھتا محسوس کر رہا تھا سینے کے بائیں طرف۔ جیسے اُس کی جاں اس گھڑی سخت مشکل میں گھر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کی سمت بڑھا تھا اور اس کی پشت پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے شولڈر پر رکھ دیا تھا۔

”شی وِل بی فائن...... ڈونٹ وری۔“ دلاسہ دیا تھا۔ مگر عفنان علی خان کے بُت بنے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ عجب مجنونانہ سا انداز تھا۔ عجب جنوں خیزی تھی...... سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے کسی کی فیلنگز دیکھنا بہت حیران کن تجربہ تھا۔ اُس نے غالباً کبھی

اس سے قبل ایسی کوئی کیفیت نہ تو کسی کے لیے محسوس کی تھی نہ کسی اور کی سمت سے اس کا عملی مظاہرہ دیکھا تھا۔

کیا واقعی کوئی اتنا اہم کسی کے لیے ہوسکتا ہے؟

کیا واقعی کوئی اس قدر رگ جاں کے قریب ہوسکتا ہے؟

اتنا عزیز......اتنا قریب کہ اس کے بغیر سب ہیچ لگے۔اس کے نہ ہونے سے کوئی فرق پڑے اور دل کو کچھ ہونے لگے......کوئی قیامت سی روح پر اُترنے لگے۔

وہ کتنی حیرت سے عفنان علی خان کی پتھرائی آنکھوں کے سرخ رنگ کناروں کو طغیانی میں گھرا ہوا دیکھ رہا تھا۔کتنی خاموشی سے نمکین سمندر بند توڑ کر بہے جا رہے تھے۔

کیا محبت واقعی کوئی ایسی شے ہے؟......اتنا زور آور جذبہ ہے؟

کیا محبت اب بھی باقی ہے؟......اب بھی لوگ دیوانے ہوتے ہیں؟......کیا خردمندی سر پر پاؤں رکھ کر اب بھی رخصت ہوجاتی ہے جب عشق کا خلل دماغ میں واقع ہوتا ہے؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس درجہ حیران تھا۔وہ تو کوئی حوصلہ دینا چاہتا تھا عفنان علی خان کو......تسلی کے دو بول بولنا چاہتا تھا......مگر وہ کیسا لاجواب سا اس لمحے کھڑا اسے صرف خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

کیا محبت جیسی چیز اب بھی دنیا میں وقوع پذیر ہوسکتی ہے؟

ہو رہی ہے؟

لوگ محبت کی انگلی تھامے،دل کے اشاروں پر اب بھی چلتے ہیں؟......کیا اب بھی ایک جاں دو قالب والا کوئی قصہ پارینہ ہونے سے رہ گیا ہے؟

داستانِ عشق کیا اب تک متروک نہیں ہوسکی؟ کیا اہل دل اب بھی باقی ہیں،دل کے اشاروں پر قدم قدم چلنے کے لیے؟؟

وہ یہ تو جانتا تھا عفنان علی خان کسی لڑکی کے لیے سنجیدہ تھا۔اس قدر اور اس طرح اس نوعیت تک،یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

عفنان علی خان کی نظریں شیشے کے اس طرف منظر پر ٹکی تھیں جہاں انابیہ شاہ زندگی اور موت سے لڑ رہی تھی۔

عفنان علی خان کی آنکھوں کے کنارے بہت خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

''اُسے کچھ نہیں ہوگا......بیلیو می......شی وِل سروائیو۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مدھم لہجے میں یقین ہی یقین بول رہا تھا۔

''جس لڑکی کو کوئی اتنا چاہتا ہو،اس کے ساتھ کی اتنی تمنا رکھتا ہو،اسے کیسے کچھ ہوسکتا ہے؟......خدا تمہارے دل کی آواز سن رہا ہے......بس......تمہارا ایمان کامل ہوگا......اُمید رکھو......محبت یہیں رہے گی......تمہارے آس پاس،تمہارے دل میں۔ہمیشہ کے لیے......ہمیشہ تک۔''

اس لمحے کی کوئی کرشمہ سازی تھی...... یا کچھ اور...... سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید خود نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا بول رہا تھا۔ اُس کا وہ جذبہ جسے اس نے کبھی خود برتا ہی نہیں تھا وہ اس لمحے اس کے حق میں صدا بلند کر رہا تھا۔

ایمان نہیں تھا اُسے محبت پر...... پھر یہ کیسی اُمید محبت کی آبیاری کر رہی تھی؟

"یقین رکھو......شی ول بی فائن......اینڈ ول بی یور۔"

عفنان علی خان جیسے اس گھڑی کچھ نہ سن رہا تھا۔ اس کی نظریں صرف انابیہ پر تھیں جہاں ڈاکٹرز کی مسلسل کوششوں کے بعد اس کی حالت سنبھل چکی تھی......اُسے اطمینان سے سانس لیتا دیکھ کر صد شکر کے ساتھ عفنان نے اپنی آنکھیں میچی تھیں اور ایک گہری سانس خارج کی تھی جیسے ایک پہاڑ دل پر سے سرکا تھا۔

"تھینک گاڈ!" ایک رُکی ہوئی سانس خارج ہوئی تھی۔ ڈاکٹرز کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا......اسے کچھ نہیں ہوگا۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"میں اوزی کو بتا دوں......وہ گھر فون کر دے......مام اور دادا جی کو ہم نے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اور تم......تمہیں بھی اب گھر چلے جانا چاہیے۔ مائی اماں اور بھابی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ تھینکس۔" لب بھینچ کر وہ مشکور ہوا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تم پریشانی میں تھے......کیسے تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا؟ اینی ویز......مجھے فون کر کے انابیہ کے متعلق بتاتے رہنا......تم ابھی رُکو۔ ڈاکٹرز باہر آ رہے ہیں۔ ان سے بات کر لینا ضروری ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ انابیہ کی کنڈیشن اب کیسی ہے......کہیں اُس کی حالت اب بھی تشویش ناک تو نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

ڈاکٹرز کی ٹیم باہر نکلی تھی اور عفنان علی خان انابیہ کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔

"ہاؤ اِز شی......ڈاکٹرز......؟"

"ایوری تھنگ اِز فائن اینڈ انڈر کنٹرولڈ......مگر پھر بھی اگلے بارہ گھنٹوں تک انہیں انڈر اوبزرویشن رکھنا ضروری ہے۔ ہم بلڈ دے رہے ہیں۔ مگر بلیڈنگ بہت زیادہ ہو جانے کے باعث اب بھی بلڈ کی ضرورت مزید باقی ہے۔ فرسٹ آف آل، آپ بلڈ کا بندوبست کیجیے گا۔ فی الحال آپ کا ڈونیٹ کیا گیا بلڈ موجود ہے ہمارے پاس۔ مگر وہ پیشنٹ کے لیے ناکافی ہے۔ حیرت کی بات ہے، غالباً ہم اسے کوئی فری کل ہی کہیں گے۔ اتنا بلڈ ضائع ہو جانے کے بعد کسی کا بچ جانا کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی ہی باتیں ہیں جو خدا پر بندے کا ایمان مضبوط کرتی ہیں۔" ڈاکٹر مسکرا رہے تھے۔

''کوئی پریشانی کی بات تو نہیں نا ڈاکٹر؟''عفنان علی خان مطمئن نظر نہ آرہا تھا۔

''یس......شی اِز اوکے......دو چار دن میں آپ اسے گھر بھی لے جا سکیں گے۔مگر فی الحال کچھ ٹریٹمنٹ ضروری ہے۔آئی تھنک یو انڈر اسٹینڈ۔''ڈاکٹر کی ملائمت سے مسکرائے تھے۔

''تھینکس ڈاکٹر!''عفنان مشکور نظر آرہا تھا۔

''نو نیڈ فور دِس مائے سن! جسٹ تھینکس ٹو گاڈ۔''اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔عفنان علی خان، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میں چلتا ہوں اب......صبح پھوٹ چکی ہے۔گھر میں داخل ہوں گا تو نا معلوم کتنی کہانیاں جنم لے رہی ہوں گی۔''سبکتگین حیدر لغاری ملائمت سے مسکرا رہا تھا۔''پریشانی میں گھر فون کر کے بتا نہیں سکا۔سیل بھی سوئچڈ آف تھا۔تشویش خطرناک حد تک ہوگی۔اینی وے......چلتا ہوں۔مجھے فون کرتے رہنا۔''اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری آگے بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان، اوزی کو دیکھنے کے لیے آگے بڑھنے لگا تھا۔دوسرے ہاتھ سے سیل پر انابیہ کے گھر کا نمبر ملاتے ہوئے مام کو خیریت کی اطلاع دینے لگا تھا۔

''جی مام!...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔وہ ہمیں مل گئی ہے۔''عفنان علی خان کے لہجے میں اطمینان چھلک رہا تھا۔مگر دوسری طرف ماہ وش جہاں یہ خبر سن کر لمحہ بھر کو خوش ہوئی تھیں، وہیں دوسرے لمحے چہرے پر ایک متضاد کیفیت دوڑ گئی تھی۔

''کہاں تھی وہ؟......اور اب کہاں ہے؟''لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔وہ بیٹی جس کے لیے وہ کئی گھنٹوں تک مسلسل پریشان رہی تھیں، مسلسل ایک ذہنی انتشار میں رہی تھیں، اب مل گئی تھی تو جانے کیوں لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔شاید اس لیے کہ وہ کئی گھنٹے گھر کی دہلیز سے باہر گزار چکی تھی۔

عفنان علی خان تمام تفصیلات سے انہیں آگاہ کر رہا تھا۔مگر دوسری طرف ماہ وش خاموش تھیں۔

☆......☆......☆

بہت تھکے ماندے قدموں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔

صبح کی مخصوص سرگرمیاں گھر میں جاری تھیں۔مائی اماں ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھیں۔غالباً میرب سیال کے کیمپس جانے کی تیاری زوروں پر تھی۔بطور خاص بہو کے لیے ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔اور جس کے لیے ناشتہ تیار کیا جا رہا تھا اور خاص لگاوٹ کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا وہ اس لمحے فون اسٹینڈ کے قریب کھڑی فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ ڈالی تھی۔

''سبکتگین حیدر! آگئے تم بیٹا؟......کہاں رہے رات بھر؟......کم از کم فون ہی کر دیا ہوتا۔''مائی اماں پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔

وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''بس مائی اماں! کچھ مشکل صورت حال پڑ گئی تھی۔ سو موقع ہی نہیں ملا۔ اور سچ کہیں تو دھیان بھی نہیں رہا۔ ماحول خاصا ٹنس تھا۔'' سرخ ڈوروں سے بھری آنکھوں سے وضاحت دینا چاہی تھی۔ جب میرب سیال کی آواز کانوں میں پڑی تھی۔

''جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے...... اگر ہوتے تو بیچارا صاف پکڑا جاتا۔ جب باز پرس ہی نہیں کی جا رہی تو پھر ایسے جھوٹ کا سہارا لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ غالباً کسی سے فون پر گفتگو کر رہی تھی۔ چوٹ یقیناً اس پر نہیں تھی۔ گفتگو کا لب لباب اس کے کسی اپنے موضوع سے متعلق تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیوں لگا تھا کہ کوئی اس پر صاف طنز کر رہا ہو...... چہرے پر ایک ناگواری نظر آئی تھی اور آنکھوں میں کسی قدر غصہ۔

''آؤ بیٹھو!...... چائے لو...... ناشتے میں کیا لو گے تم؟'' مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ مگر پھر سبکتگین حیدر لغاری کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''تم بیٹھو، میں تمہارے لیے ناشتہ بنواتی ہوں۔'' وہ چلتی ہوئی کچن کی سمت بڑھ گئی تھیں۔ سبکتگین حیدر لغاری بجائے بیٹھنے کے اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ نظریں جانے کیوں کچھ تفاوت پر کھڑے وجود کے سراپے میں اُلجھتی رہی تھیں۔

''صبح صبح میں کوئی وضاحت سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ نہیں...... بالکل بھی نہیں...... تم اپنی تمام باتیں سنبھال کر رکھو...... جب میرا موڈ ہوگا، تمہیں بتا دوں گی...... کہہ دینا...... مگر ابھی نہیں۔'' میرب بہت شگفتگی سے مسکرا رہی تھی۔ اُس کے شفاف چہرے پر بہت اُجلا پن تھا۔ جیسے صبح اس کے چہرے پر کھل رہی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی موجودگی سے یقیناً واقف تھی۔ مگر انداز بے تاثر اور سرسری سا تھا۔ جیسے اسے کوئی پرواہ نہ ہو۔ کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ کوئی اجنبی سی نگاہ بھی اس جانب نہ اُٹھی تھی۔ غالباً وہ دانستہ اس شخص کو نظر انداز کر رہی تھی۔ اس لمحے مسکراتی ہوئی وہ جیسے اس ماحول کا حصہ بھی نہ تھی۔ یا جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے لیے وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

''سیفی! پلیز...... میں آ رہی ہوں نا کیمپس۔ جو بات کرنا ہے، وہیں کر لینا۔ اور وہ سب باتیں بھی جو تم......''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیا ہوا تھا۔ جانے کب، کیوں اور کیسے قدم میرب سیال کی طرف اُٹھے تھے۔ اس کے قریب رکے تھے۔ بغور توجہ سے دیکھا تھا اور ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ میرب سیال اسے حیرت سے تکنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس سے مکمل طور پر اجنبی انداز برتا تھا۔

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟...... آپ کا ایسا کرنے کا کیا حق بنتا ہے؟ کیا، کیا ہے آپ نے یہ؟'' میرب سیال کی ہمت قابل دید تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے یہ لمحہ یقیناً حیران کن تھا۔ کتنی ناگواری نظر آئی تھی ان سرخ آنکھوں میں۔ سرخی مزید بڑھ گئی تھی۔ کس درجہ بے نیازی تھی دوسری طرف۔ لاتعلقی اور کس درجہ زعم...... سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آہنی ہاتھ بڑھا کر اس نازک شانے پر دھرا تھا اور اس کے ایک سمت دانستہ مڑے ہوئے چہرے کے رُخ کو ہاتھ بڑھا کر اپنی سمت موڑا تھا۔ میرب سیال کے لیے، صبح صبح یہ افتاد یقیناً ناگہانی اور

نا قابل قبول تھی۔ مگر افسوس، اس لمحے وہ وہاں سے فوری طور پر چاہتی بھی تو ہٹ نہیں سکتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آنکھوں میں بہت سی نا پسندیدگی اور نا گواری لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب دانستہ نظریں پھیر گئی تھی۔

"باز پرس کرنا چاہتی ہو؟ نظر رکھنا چاہتی ہو؟ تو پھر اس طرح نظر پھیرے کیوں کھڑی ہو؟...... نظر اُٹھاؤ...... دیدہ و دل پر وار کرو...... حوصلہ ہے سہنے کا...... جتنے تیر ترکش میں ہیں سب آزمالو۔ کوئی قید و بند نہیں ہے۔ مگر اٹ شڈ بی اے فیئر گیم...... سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پیچھے سے چھپ کر وار کرنے والے لوگ انتہائی نا پسند ہیں اور انہیں ان موصوف کی ڈکشنری میں کاورڈ کہا جاتا ہے۔ اور بزدلوں کے لیے میری زندگی میں دوستی یا دشمنی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔" اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت اس کے شانے پر خطرناک حد تک سخت تھی۔ آواز بھی مدھم تھی۔ مگر لہجہ کسی قدر درشت تھا۔

میرب سیال کے لیے وہ لمحے قیامت خیز تھے۔ وہ جتنا ان قربتوں سے بھاگتی تھی، وہ لمحے اتنے ہی تیزی سے اس کے تعاقب میں آتے تھے۔ اس لمحے بھی وہ نظر پھیر گئی تھی۔ اس کے باوجود کہ اسے بزدل اور نہ جانے کیسے کیسے خطابات سے نوازا گیا تھا۔

"توجہ اور کرم کے پہلو وہاں نکلتے ہیں جہاں نگاہ میں تمناؤں کا ڈھیر دکھائی دے۔ خواب لمحوں کے تعاقب میں آگے کا شوق اس قدر ہو تو نگاہ کو روشن رکھنا اور قدموں کو صحیح سمت پر ڈالنا از حد ضروری ہے۔ بے سمت یا غلط سمت چلنے والے قدم منزل پر یا تو پہنچتے ہی نہیں۔ یا بہت دیر سے پہنچتے ہیں۔" جانے وہ کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔ جانے کیا سمجھا تھا وہ۔ جانے کیا اخذ کیا تھا؟

میرب سیال حیران تھی۔ مگر وہ جانتی تھی یا تو وہ غلط سمجھ رہا تھا یا پھر تمام لفظوں، معنوں اور رنگوں کو صرف اپنے رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا اور اپنے رنگ میں ہی دیکھتا تھا۔ اس کی ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ میرب سیال کو اپنے تابع اور رعایا کا حصہ سمجھتا تھا۔ مگر وہ اس کے حاکمانہ مزاج سے بغاوت کرنے کو تیار کھڑی تھی۔

اس کی سمت بھرپور اعتماد سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹایا تھا اور اسی قدر اعتماد سے مڑی تھی اور چلتی ہوئی ناشتے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تبھی مائی اماں ملازم کے ساتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا پسندیدہ ناشتہ لیے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"فارغ ہو گئیں تم؟...... چلو جلدی سے ناشتہ کر لو۔ اور گین! تم وہاں کہاں کھڑے ہو؟...... چلو آؤ یہاں، ناشتہ کر لو۔ پھر آرام کر لینا۔ اور آج بزنس کے بکھیڑوں کو کچھ سائیڈ پر رکھ دینا۔ چہرے سے ہی تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر قبل فاطمہ سے بات ہوئی تھی۔ اُسی نے بتایا انابیہ کے متعلق۔ تم رات بھر وہاں تھے تو خبر کیوں نہیں کی؟...... اب کیسی ہے وہ؟...... تم لوگوں سے فارغ ہو جاؤں تو ابھی نکلوں گی اس کی طرف۔ ہوا کیا تھا اُس کے ساتھ؟...... فاطمہ بتا رہی تھی کوئی کڈنیپنگ کا کیس تھا؟ صد شکر کہ وہ بازیاب ہو گئی۔ مگر...... کیا پتہ، کیا کیا گزری اس بیچاری پر...... بتا رہی تھی، عفنان بہت اذیت میں رہا اسے لے کر۔" مائی اماں سلائس پر جیم لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ بھی کہے بغیر اندر کی سمت بڑھ گیا تھا۔ میرب سیال کو اس شخص کے معاملات سے کچھ لینا دینا نہیں

تھا۔اور کوئی سروکار وہ رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ کیا سمجھ رہا تھا؟......میرب سیال اُس کی فکر میں دُبلی ہوئی جارہی ہے؟ اُس کے متعلق......اُس کے معاملات سے متعلق اتنی کنسرن ہے؟......سوچ خاصی شرمندہ کردینے والی تھی۔جبکہ ایسا کچھ تھا ہی نہیں تو پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری اتنا خوش فہم کیوں ہورہا تھا؟ کیوں سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق پرواہ کرتی ہے اور فکرمند ہے۔اور اسے اس کے معاملات سے انتہائی حد تک لگاوٹ ہے۔ایسی صورت میں جبکہ وہ اجنبی بننا چاہتی تھی اور لاتعلق نظر آنا چاہتی تھی۔اس کی یہ سوچ میرب سیال کے لیے کسی قدر تشویش کا باعث تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کوئی کل ڈھیلی ضرور تھی۔عجب کھسکا ہوا شخص تھا۔اور وہ اس کے متعلق سوچ کر یقیناً اپنا وقت برباد کررہی تھی۔اسے جو سوچنا تھا، وہ سوچتا رہتا۔میرب کی بلا سے۔

میرب سیال نے ہر طرف کی سوچوں کو ایک طرف ڈالتے ہوئے چائے کا کپ اُٹھایا تھا اور نیوز پیپر پر بغور نظریں جماتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

☆......☆......☆

میرا کچھ ساماں

تمہارے پاس پڑا ہے۔

وہ ساون کے کچھ بھیگے بھیگے دن

رکھے ہیں

اور میرے اِک خط میں لپٹی

رات پڑی ہے

وہ رات بجھا دو

میرا وہ سامان لوٹا دو!

پت جھڑ ہے کچھ...... ہے نا

پت جھڑ میں کچھ پتوں کے

گرنے کی آہٹ

کانوں میں اک بار

پہن کے لوٹائی تھی

پت جھڑ کی شاخ ابھی

تک کانپ رہی ہے......

وہ شاخ گرادو......

میرا وہ سامان لوٹا دو......

بات مصروفیات کے لمحوں کی نہیں تھی......زندگی کچھ اتنی فراغت سے بھری بھی نہ تھی۔

مگر عجب کہانی تھی کہ ہر لمحہ اُس کی یادوں سے بھرا تھا۔وہ جیسے سارے لمحے اپنے نام کرنا جانتی تھی۔یا پھر وہ خود ہی دامن بچانا نہیں چاہتا تھا۔نہ ہی چھڑانا......عجب اک ڈور تھی۔

ان دیکھی......ان جانی......!

مگر دل سے ایسی بندھی تھی کہ رابطہ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔رابطہ بظاہر نہ سہی......کوئی سلسلہ بھی نہ سہی......مگر کچھ تھا......یکطرفہ سہی......مگر اذہان حسن بخاری اس سلسلے کو توڑ نہیں سکا تھا۔وہ کتنے لمحے ساکت سا بیٹھا اس کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔لبوں پر کوئی سوال نہ تھا۔

نہ کوئی شکوے......نہ شکایت......!

نہ جھوٹ موٹ کی خفگی......نہ ناراضگی۔

بس وہ چپ چاپ ان خدوخال کو دیکھ رہا تھا۔

دل تو میں کوئی آنچ سی سلگتی ہوئی اب بھی باقی تھی۔

کوئی دبی دبی سے چنگاری اب بھی راکھ کے نیچے دبی تھی۔

بس اک ذرا ہوا لگنے کی دیر تھی اور چنگاری کو آتش بنتے دیر نہ لگتی۔

مگر اُسے خود پر اختیار تھا......

بے حد......بے حساب......

اور وہ خود یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا۔

سو تمام تر اضطراب، تمام بے چینی، روح کے اندر کی افراتفری، دل کے اندر کی طغیانی، بے کیف لہروں کی شوریدہ سری دل جھیلتا تھا......اور اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔سننے کے لیے بھی شاید کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

اگر سب کچھ عبث تھا تو وہ کیوں چل رہا تھا اس راہ پر۔

کیوں مسلسل اس بے کلی کے ساتھ جی رہا تھا۔

اندر سے کئی سوال اُٹھتے تھے۔مگر وہ کچھ بھی ترک نہیں کرسکتا تھا۔چاہتے ہوئے بھی نہیں۔

ایک ایک نقش کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے اس ماحول کے اندر تھا۔ان لمحوں میں جی رہا تھا۔

''کیوں...... کیوں کررہے ہو تم میرے ساتھ ایسا؟...... کیوں...... کس لیے؟'' کسی لہجے میں حد درجہ بے چینی تھی۔ مگر وہ نگاہ اجنبی سی تھی۔

''اگر تم سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے اس طرح اجنبی ہو جانے سے تم سے اجنبی ہو جاؤں گی تو تم غلطی پر ہو اذہان حسن بخاری! تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔'' دھمکی آمیز لہجہ تھے۔

''کیا......کیا کرو گی تم؟...... بولو، کیا؟'' اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔

''جان...... جان دے دوں گی میں اپنی......انڈراسٹینڈ؟'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہوئی وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''یہ کرنا آسان نہیں ہے......اور تم ایسا کچھ کرو گی بھی نہیں......انڈراسٹینڈ؟'' مضبوط لہجے میں باور کراتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اور چلتا ہوا قدرے دُور جا رکا تھا۔

''تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو؟......کیوں نہیں......کہ ہمارے راستوں کی کوئی منزل نہیں ہے۔''

''اور کیا تم مجھے بھول سکو گے؟'' وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے لبریز تھیں۔ ایک ہلچل سی تھی ان سمندروں پر۔

''تمہیں اندازہ ہے اذہان حسن بخاری!......تم کیا کر رہے ہو؟''

مگر رخ پھیرے اذہان حسن بخاری کے لبوں پر کوئی جواب نہ تھا......فقط ایک چپ تھی۔ ساکت، جامد چپ۔

''اذہان! میرے بغیر تم کیا کرو گے؟...... یہ دن...... یہ رات...... یہ لمحے، تمہیں نہیں لگتا ان سب کا پل پل قیامت ہوگا کاٹنا۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟...... یہ فصیلیں کیوں اُٹھا رہے ہو تم اپنے اور میرے درمیان؟...... کیوں رکھ رہے ہو یہ صدیوں کی تفاوتیں اپنے اور میرے بیچ؟......فاصلے آئیں گے تو صدیاں بن جائیں گے اذہان! تمہاری یہ نظر، تمہاری یہ نگاہ دوبارہ کبھی مجھے دیکھ نہیں پائے گی۔''

''پھر کیوں...... کیوں چاہ رہے ہو تم ایسا؟...... وہ بھی دانستہ؟'' ان بے چین بھیگتی آنکھوں میں اضطراب ہی اضطراب تھا۔

مگر ان سوالوں کا کوئی جواب اذہان حسن بخاری کے پاس نہ تھا۔

حُسن سراپا احتجاج تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری اسی طرح پشت پھیرے کھڑا رہا تھا۔

''ہمارے درمیان یہ فاصلے دانستہ ہیں۔ بہتر یہی ہے تم سب کچھ بھلا دو۔ فراموش کر دو۔ زندگی میں بعض باتیں بھلا دینا ہی ضروری ہوتی ہیں۔ ورنہ ان کی کسک جینے نہیں دیتی۔'' رُخ پھیرے پھیرے وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں یقین ہے اذہان! تم سے الگ ہو کر میں جی رہی ہوں گی...... یا تم جی رہے ہو گے۔ کیوں...... کیوں بانٹ رہے ہو تم خود کو اور مجھے ٹکڑوں میں؟...... یہ ٹکڑوں میں جینا آسان تو نہیں ہوگا۔ نہ تمہارے لیے، نہ میرے لیے۔''

خیالوں کا تمام سلسلہ ایک لمحے میں منقطع ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری کا سیل فون بج رہا تھا۔ وہ چونکا تھا اور تمام چیزیں وہیں چھوڑ کر کال ریسیو کرتے ہوئے ٹیرس کی طرف نکل گیا تھا۔ کمرے کا ماحول عجب ہو رہا تھا۔ گھٹن ہی گھٹن تھی ہر طرف۔ اذہان حسن بخاری کے لیے سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔ آفس سے ضروری کال تھی۔ بات کرنا ضروری تھا۔ ورنہ وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں اس وقت نہ تھا۔ ٹیرس پر کھڑے بات کرتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت اس کے کمرے میں کوئی آ بھی سکتا ہے اور ان بکھری چیزوں کو، ان تمام یادوں کو دیکھ بھی سکتا تھا۔ وہ وہیں ٹیرس پر مصروفِ گفتگو تھا جب ساہیہ وہاں، اس کے کمرے میں آئی تھی۔

''اذہان......!'' دروازے میں رُک کر پکارا تھا۔ مگر جواب نہ پا کر اندر بڑھ آئی تھی۔

''اذہان......!'' دوسری آواز دیتے ہوئے بھی وہ غالباً یہی اخذ کر رہی تھی کہ وہ واش روم میں ہے۔ کمرے کے اندر قدم رکھتے ہوئے وہ یکدم چونکی تھی۔ بیڈ پر یہاں سے وہاں کئی souvenir بکھرے پڑے تھے۔ کئی یادیں......کئی تصویریں......کئی خدوخال...... اور ساہیہ خان نے جھک کر ایک تصویر اُٹھائی تھی۔ نظر ساکت رہ گئی تھی۔ دل جیسے لمحہ بھر کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔

ساہیہ اسی طرح تصویر پر نظریں جمائے کھڑی تھی جب اذہان حسن بخاری اندر داخل ہوا تھا اور ساہیہ خان کو وہاں موجود پا کر ساکت رہ گیا تھا۔

ساہیہ خان نے بہت آہستگی سے نظر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اذہان!......یہ......''

مگر اذہان حسن بخاری کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ شاید کہنے کو اس کے پاس تھا بھی نہیں۔ ساہیہ خان اس تصویر کو وہیں ڈال کر بہت سرعت سے مڑی تھی اور چلتے ہوئے اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا مگر تبھی ہاتھ اذہان حسن بخاری کی گرفت میں آ گیا تھا۔

ساہیہ خان رک گئی تھی۔ مگر پلٹ کر اس کی سمت دیکھ نہیں سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ اس کی سمت سے رخ پھیرے کھڑی یقیناً ان لمحوں میں بہت دل گرفتہ تھی۔

''کچھ کہو سنو گی نہیں؟......کوئی وضاحت نہیں مانگو گی؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ مگر ساہیہ خان بنا اس کی سمت دیکھے بہت آہستگی سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی اور اذہان حسن بخاری کھڑا اپنے اس خالی ہاتھ کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

ساہیہ خان گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی تھی اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی تھیں اور اس کے ساتھ اِرد گرد کے تمام منظر بھی بھیگتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک اکیلی چھتری میں

جب آدھے آدھے بھیگ رہے تھے

آدھے سوکھے آدھے گیلے......

سوکھا تو میں لے آئی تھی

گیلا من شاید بستر کے پاس

پڑا ہو......!

وہ بھجوا دو......!!

میرا وہ سامان لوٹا دو......

ایک سو سولہ تاک کی راتیں

ایک تمہارے کاندھے کا تِل

گیلی مہندی کی خوشبو

جھوٹ موٹ کے شکوے کچھ

جھوٹ موٹ کے وعدے بھی

یاد دلا دوں......

سب بھجوا دو......

میرا وہ سامان لوٹا دو......

میرا کچھ سامان

تمہارے پاس پڑا ہے

وہ ساون کے کچھ بھیگے بھیگے دن رکھے ہیں

وہ میرے اِک خط میں لپٹی رات پڑی ہے

وہ رات بجھا دو......

میرا وہ سامان لوٹا دو......!

کیسا تھا یہ ہم سفر......کیسا تھا وہ ساتھ......کیسا بندھن تھا جو بندھے جا رہا تھا۔ کچا......کچے دھاگے سے بھی بہت کچا۔ کچے رنگوں والا......ایک کچا بندھن......کچھ بوندیں پڑی تھیں اور سارا منظر بھیگتا چلا گیا تھا۔ سارے کچے رنگ پھیلتے چلے گئے تھے۔

پھیکے رنگ کتنی جلد اُترے تھے......اور......ایسا......ایسا تو ہوتا ہے......پھر......نظر حیراں کیوں تھی؟

دل میں عجب درد سا کیوں تھا؟

یہ کیوں چین نہیں پڑ رہا تھا؟

کیوں سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا؟

ساہیہ خان کو خود اپنے دل کی دھڑکنیں حد درجہ مدھم سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے...... کہیں...... کچھ ڈوب رہا تھا۔

کیا؟...... وہ نہیں جانتی تھی

☆......☆......☆

ویرانی تو تھی مگر اس درجہ بھی نہیں۔

پہلے جب گھر میں داخل ہوتا تھا، شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج گھر میں داخل ہوا تھا تو ویرانی کا واضح احساس ہوا تھا۔

''مائی اماں!...... میرب کہاں ہے؟'' جانے کس خدشے کے پیش نظر دریافت کیا تھا۔

''میرب تو اپنی نانی کی طرف گئی ہے۔ تجھے بتایا تو تھا، اسے اسٹڈی میں ہیلپ درکار ہے...... تمہارے ساتھ جانے کے باعث اس کی اسٹڈی کا خاصا حرج ہوا ہے...... جسے مکمل کرنا ضروری تھا۔ خیریت، تو کیوں پوچھ رہا ہے؟...... کیا میرب نے تجھے بتایا نہیں تھا......؟

'' مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں شاید، بتایا تو تھا...... غالباً مجھے ہی یاد نہیں رہا۔ پریشانی اس قدر رہی کہ...... خیر میں دیکھتا ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اُلٹے قدموں واپس پلٹا تھا۔ مائی اماں حیرت سے تکتی رہ گئیں۔

''کہاں جا رہے ہو گین؟...... کچھ مجھے بتاؤ گے تم؟'' وہ راہداری کے دوسرے کنارے پر تھا۔ ماں کی آواز سن کر پلٹا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''پریشان نہ ہوں مائی اماں! ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں واپس لوٹتا ہوں۔ آپ کھانا تیار رکھیے۔'' اُس کا شگفتہ لہجہ بھی شاید ماں کی ہی بدولت تھا یا پھر انہیں مطمئن کرنے کا کوئی بہانہ۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا اور گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

چہرے کی کوئی کیفیت پراسرار یا سمجھ میں نہ آنے والی نہیں تھی۔ غالباً اپنے چہرے سے وہ بہت مطمئن اور ریلیکس نظر آ رہا تھا۔ انداز میں کوئی جارحانہ پن نہیں تھا۔ ڈرائیو بھی اسموتھ اینڈ سیف تھی۔ مطلوبہ مقام آنے پر گاڑی بہت اطمینان کے ساتھ روکی تھی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ دستک دینے پر اسے بہت عزت و احترام سے اندر لے جایا گیا تھا اور دیکھنے والی ہر نگاہ اسے وارم ویلکم دے رہی تھی۔ دیتی بھی کیوں نہ۔ آخر کو وہ اس گھر کا داماد تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری سب سے بہت خندہ پیشانی سے مل رہا تھا۔ لبوں پر بڑی شگفتہ سی مسکراہٹ بھی تھی۔ غالباً آج کے دن میں اس سے زیادہ خوش اخلاق کوئی دوسرا بندہ تھا نہیں۔

اس کا ثبوت وہ سب سے باری باری مل کر دے رہا تھا۔

سب خوش تھے...... حیران تھی تو بس میرب سیال۔

حیرت تھی تو صرف اس کی نظر میں۔

''گین بھائی! اس روز آپ سے ملنے اور آپ کو دیکھنے کی اتنی چاہ تھی۔ مگر افسوس، آپ دوبار آئے بھی تو آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔'' ہادیہ مسکرا رہی تھی۔ ''لیکن ایک بات کہوں گی، آپ واقعی لاجواب ہیں۔ ہماری میرب بہت لکی ہے۔'' ان سب کے شگفتہ جملوں کا جواب دیتا ہوا وہ کہیں سے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تو کوئی اور ہی لگ رہا تھا۔ بڑوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے ایک خاص حدِ فاصل اور احترام...... مؤدب سا اندازِ گفتگو...... یہ آج کیا ہو گیا تھا اس بندے کو۔

میرب سیال اسی طرح ایک کونے میں ساکت سی کھڑی تھی۔

''نانو!...... کیا آج میں میرب کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں؟ وہ دراصل ایک دوست نے دعوت دی ہے اور میرب کا میرے ساتھ جانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو......''

وہ کتنے مؤدب انداز میں انتہائی تابعداری سے کہہ رہا تھا۔ میرب سیال کی نگاہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ جانچنا چاہ رہی تھی غالباً...... تو کیا...... سردار سبکتگین حیدر لغاری پھر کوئی چال بُن رہا تھا۔

''بیٹا! کیوں نہیں...... تم میرب سے پوچھ لو...... اگر اسے اعتراض نہ ہو تو ضرور لے جاؤ۔'' نانو بولیں اور وہ اس ہجوم میں گھری میرب سیال کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

نظروں میں ملائمت تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔

''میرب! کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟''

''چلے گی کیوں نہیں؟...... اس میں بھلا انکار کرنے والی بات کون سی ہے؟ میرب کو تو بہت خوش ہونا چاہیے۔ کیوں میرب؟'' کزن راویہ نے اُسے مسکراتے ہوئے ایک آنکھ بند کر کے ٹھوکا مارا تھا۔ انداز شرارت سے پُر تھا۔ مگر میرب مسکرائی نہیں تھی۔ اس شخص کی سمت دیکھا تھا، نظریں ملی تھیں۔ ایک بھرپور نظر ڈالی گئی تھی دوسری سمت سے۔ میرب خاموشی سے سر ہلاتی ہوئی چینج کے لیے اندر بڑھ گئی تھی۔

بڑی مختصر سی تیاری کے ساتھ وہ کچھ لمحوں کے بعد سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے تھی۔ موصوف سمیع ماموں کے ساتھ بیٹھے بڑے خوش گوار موڈ میں خود گپیوں میں مصروف تھے۔

''چلیں۔'' چلتے ہوئے قریب پہنچ کر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔ ایک نظر سر تا پا اسے تنقیدی زاویے سے دیکھا تھا۔ پھر لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میرب سیال جانتی تھی اس تمام میں اس کا کوئی اپنا مقصد نکلتا ہو گا۔

کہیں نہ کہیں اس کا اپنا مطلب ضرور ہو گا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا مقصد اور مطلب کے کوئی کام کر گزرتا، امپاسبل۔ اپنے کنسرن کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ رہتے رہتے وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے میرب سیال نے اسے بغور دیکھا تھا۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس کی سمت سے کوئی فکر لاحق نہ تھی۔ نہ ہی وہ اس کے موڈ کے اس قدر تابع تھا کہ اس کی اس درجہ پرواہ کرتا۔ اسموتھ اینڈ سیف ڈرائیو کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنے خوشگوار اور بھرپور موڈ کا احساس دیا تھا۔ اور ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کر دیا تھا۔

بھیگی سی اک رات یہ

لے آئی کیا ساتھ یہ!

دھڑکنیں جو ہمیں

کہنے لگی تھیں

خاموشی کے درمیاں

کب چاہی تھی بات یہ

دھڑکنیں جو ہمیں

کہنے لگی ہیں

نہ کہو......نہ سنو......!

خامشی گفتگو ہونے لگی ہے

زندگی خواب میں کھونے لگی ہے!!!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اور یہ تیور...... یہ شغف کب تھے اُسے؟

کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا وہ اس لمحے......ڈرائیو کے دوران ایک بار بھی اس کی سمت نہ دیکھا تھا۔ مگر چہرے کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

نہ کہو

نہ سنو

خامشی گفتگو ہونے لگی ہے

زندگی خواب میں کھونے لگی ہے

مغنی کی آواز دلربا تھی۔ ایک سحر باندھتی ہوئی۔ مگر اس سب کی ضرورت یہاں کہاں تھی؟......اور کس لیے؟ میرب سیال اگر حیران نہ ہوتی تو یقیناً قیامت ہوئی۔ وہ اس شخص کو سمجھنے کا جتنا دعویٰ کرتی تھی، کھلتا یہی تھا کہ وہ کچھ نہیں سمجھی...... کچھ بھی نہیں......اُسے مکمل طور پر سمجھنا غالباً ناممکن تھا......اور اب یہ صورتِ حال......ایسا کر کے وہ میرب سیال کو یقیناً چڑانا چاہ رہا تھا۔ مگر کیوں؟......کس لیے؟

وہ تو مطلوب نہیں تھی نا اسے......؟

سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اس کے لیے دل میں۔
تو پھر یہ سارے بہانے کس بات کے لیے تھے؟...... کس لیے تھے؟
وہ کچھ نہ سمجھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا تھا۔
''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' سوال براہِ راست پوچھا تھا۔ مگر دوسری سمت سے جواب دیئے بغیر دوبارہ پلیئر آن کر دیا گیا تھا۔

تقدیریں لے آؤں میں
تم سپنے دے دو مجھے
ایسا کیا ہے
اتنے کیوں اچھے لگتے ہو مجھے
تم ہی جیون کی آرزو
نہ کہو
نہ سنو
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے......!!

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ جیسے واقعی اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔ ہاتھ بڑھا کر پھر پلیئر آف کر دیا تھا۔
''یہ کیا ہو رہا ہے؟...... ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' تیز لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھے بنا اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔ رسانیت سے پُر انداز تھا اور بولا تھا تو اتنا ہی پُر کیف لہجہ تھا۔
''کہاں؟...... وہیں جہاں سب لوگ جاتے ہیں۔'' ایسے پچکارا تھا جیسے کسی بچے کا۔
''کہاں؟...... سب کہاں جاتے ہیں؟'' میرب نے اسے تشویش سے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔
''اپنے گھر...... ہوم سویٹ ہوم۔'' مسکراہٹ دل جلانے والی تھی۔ اور میرب حیران تھی۔
''اپنا گھر ہوتے ہوئے کہیں باہر قیام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہا تو تھا تم سے، کہیں مت جانا۔ پھر بھی تم نے...... حالانکہ تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ عادت پڑ چکی ہے تمہاری...... تم نہیں ملو گی تو تب کتنا برا لگے گا نا۔ مگر تم بھی نا۔'' وہ ایسے بول رہا تھا جیسے دنیا کا بہترین کیئرنگ ہزبینڈ ہو۔
''تو آپ نے ان سب کے سامنے وہ جھوٹ کیوں بولا؟...... اور میرا وہ سامان......'' میرب کا لہجہ نیم جاں تھا۔ وہ ایک بار پھر

شکست خوردہ تھی اور وہ شخص پھر فاتح دکھائی دے رہا تھا۔

''کسی شے کی فکر کرنے کی ضرورت آپ کو قطعی نہیں ہے سویٹ ہارٹ!......میں ہوں نا......آپ کا تابعدار، فرمانبردار ہزبینڈ۔ میں نے تو آپ کے لیے ہر سبجیکٹ کے لیے الگ الگ ٹیوٹرز کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ تمہیں پریشانی قطعاً نہیں ہوگی۔ ہوتو بندہ حاضر ہے۔''

یہ کیا انداز تھا؟...... یہ کیا تیور تھے؟......میرب سیال اس کے انداز پر حیران تھی اور ابھی اس حیرت سے باہر بھی نہیں نکلی تھی جب اس کے کانوں میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز پڑی تھی۔

''مقابلے کے لیے نظروں کے سامنے رہنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے مسز لغاری!......آپ غالباً یہ بات بھول گئی تھیں۔ دشمن سامنے ہوتو لڑنے کا لطف دوبالا ہو جایا کرتا ہے۔ کہا تو تھا آپ سے، بھاگنے والے بزدل لوگ مجھے پسند نہیں۔ پھر بھی آپ سمجھی نہیں۔ صد حیف......کتنا سمجھاؤں آپ کو؟''

اوہ......تو یہ تھا ڈرامہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے شکار کو نظروں سے دور نہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دشمن کو نظروں کے سامنے رکھنے کی عادت تھی اس کی اور وہ......

میرب سیال بہت تھکے ماندے انداز میں چہرے کا رُخ کھڑکی کی سمت پھیر گئی تھی۔

وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ اس کے مقابل دشمن خاصا ڈرا سہا، نڈھال اور بے ہمت تھا۔ لڑتا تو کس بنا پر؟......سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور انتہائی فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان گہری نیند میں تھا۔ جب اس کے سیل فون کی مسلسل بجتی رِنگ ٹون نے اسے بری طرح ڈسٹرب کر دیا تھا۔

وہ رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ غالباً دو راتوں کی نیند تھی اور اتنی ہی تھکن......سرخ آنکھیں کھل نہ رہی تھیں۔ اُس نے مُندی آنکھوں سے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اُٹھایا تھا اور کال ریسیو کر کے کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو......!'' لہجہ نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

''ہیلو عفنان!......میں اوزی بول رہا ہوں۔''

''ہاں اوزی! بولو۔''

''عفنان! انابیہ......''

''انابیہ......کیا ہوا انابیہ کو؟'' وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا تھا۔ ساری نیند ایک لمحے میں اُڑ چکی تھی۔

''انابیہ کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔'' دوسری طرف سے اوزی نے مطلع کیا تھا اور عفنان علی خان کی رُکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

''تھینک گاڈ!......تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔''

''ڈرا تو انابیہ نے مجھے بھی دیا تھا جب رات کے آخری پہر اچانک ہی اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔اور......''

''تم......تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''عفنان نے کمبل ہٹاتے ہوئے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

''تم تھکے ہوئے تھے عفنان! پھر تم نے ان دو دنوں میں جو کیا وہ کم نہیں ہے۔میں نے تمہارے آرام کی غرض سے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں جانا۔بہر حال، پہلے سے بہتر ہے وہ۔رات میں ڈاکٹرز کی فوری اٹینشن کے باعث اس کی کیفیت پر قابو پالیا گیا تھا۔اب وہ خطرے سے باہر ہے۔جسم کا سارا خون جب نچڑ جائے تو پھر وِیکنس تو ہوتی ہی ہے۔دوسرے نیا بلڈ ایڈجسٹمنٹ میں کچھ وقت تو لیتا ہے۔حالت اب سنبھلتے سنبھلتے ہی سنبھلے گی۔''اوزان سید، انابیہ کی کیفیت کے متعلق مطلع کر رہا تھا۔عفنان علی خان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے......میں آ رہا ہوں۔''

''عفنان! زیادہ جلدی نہیں ہے......تم آرام سے آنا۔میں انابیہ کے پاس ہوں۔''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''میں اپنی نیند پوری کر چکا ہوں۔وہاں انابیہ کے پاس ہے کوئی تمہارے علاوہ؟''

''نہیں......ماما تھیں۔مگر میں نے انہیں گھر بھجوا دیا ہے۔اصل میں بہت پریشان تھیں۔ان کی سمجھ میں تو یہ تک نہیں آ رہا کہ وہ کیا کریں۔عفنان! انابیہ کا یوں گم شدہ ہونا معمولی بات نہیں ہے۔''اوزان سید نے کہا تھا۔چند ثانیوں تک عفنان علی خان کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''تم آ رہے ہو پھر؟''دوسری طرف سے اوزان سید نے جیسے اسے بیدار کیا تھا۔

''ہاں......آ رہا ہوں میں۔''عفنان علی خان نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور چند ثانیوں تک اسی طرح چپ چاپ سا کھڑا رہا تھا۔پھر سیل فون سائیڈ ٹیبل پر دھرا تھا اور پلٹ کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆......☆......☆

نیویارک سے پاپا کا فون تھا۔خیریت دریافت کر رہے تھے۔

وہ کیا کہتی؟......کیا بتاتی؟......کس حال میں ہے؟......کیسی ہے؟......لبوں پر جتنے بھی لفظ تھے سب جھوٹے تھے۔رواداریوں میں رنگے ہوئے، مصلحتوں میں ڈوبے ہوئے۔اور ایسا کرتے ہوئے وہ خود بھی تو ڈوب رہی تھی۔دل اندر ہی اندر بیٹھ رہا تھا۔زوبابیہ سے بھی بات ہوئی تھی۔وہی مخصوص سوال تھے......وہ خوش تو ہے......؟

وہ کیا کہتی؟......خوشی کا مفہوم وہ بھول گئی تھی جب سے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے تعلق بنا تھا۔اس کے اندر صرف ایک جال بنا تھا۔پریشانیوں کا......فکروں کا۔اُس نے صرف سمجھوتے کیے تھے۔خود کو فقط مصلحتوں کا پابند کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری......؟

کیا تھا وہ شخص؟......کیسا تھا؟......کیسے سوچتا تھا وہ؟......کیسے جیتا تھا؟......اپنے قاعدے، اپنے اصول اور صرف اپنی

من مانی!......نہ کسی دوسرے کی کوئی فکر نہ پرواہ۔ جاتا ہے تو کوئی بھاڑ میں جائے، اس کی بلا سے۔

کیسا خود پسند شخص تھا۔ کیسی خود غرضی تھی اس میں۔ اور تیور، مزاج ساتویں آسمان پر رہتے تھے۔ شاید اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کیا کیوں کرر ہا ہے؟ کس کے لیے کر رہا ہے؟......میرب سیال نے کئی بار سمجھوتوں کی بنیاد پر اس شخص کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ کبھی نہیں جان سکی تھی کہ وہ درحقیقت کیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ساری کوشش......ساری ہمتیں......ساری محنت......ایک دم فضول تھے۔ سب بے کار گئے تھے۔ پتہ نہیں اس تعلق کو لے کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کیا اسٹریٹیجی تھی۔ کیا لائحہ عمل تھا؟ کیا سوچا تھا اس نے؟......آخر کب تک اسی طرح چلتے رہنا تھا؟ اگر یہ رشتہ اتنا ہی ناپسندیدہ تھا، بوجھ تھا تو پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا عقل مند بندہ اسے مسلسل ڈھوئے کیوں جا رہا تھا؟......فون کریڈل پر ڈالتے ہوئے کتنا نمکین پانی آنکھوں سے باہر تھا۔ وہ پلٹی تھی جب اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ میرب نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزوری کسی پر عیاں ہو۔ اسی مقصد سے چہرے کا رُخ موڑ لیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے ان کمزور لمحوں کو گرفت میں لے لینے کا خواہاں تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رُخ اپنی طرف موڑا تھا اور دلچسپی سے بغور تکنے لگا تھا۔ وقت کمزوریوں کو ہوا دینے کے درپے تھے۔ میرب سیال تمام تر بند باندھنے میں ناکام رہی تھی۔ آنکھوں کے کناروں سے نمکین قطرے ٹوٹ کر گرے تھے اور سارے راز فاش کر گئے تھے۔ اُس کا رہا سہا بھرم بھی جاتا رہا تھا۔ چہرے کا رُخ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تھا لیکن وہ بھیگتی پلکیں سخت اُلجھن میں گھری سامنے کھڑے شخص سے گریزاں سی تھیں۔ انداز سے صاف لگ رہا تھا وہ ایک لمحہ بھی وہاں مزید کھڑے نہیں رہنا چاہتی۔ اگر اسے موقع ملے تو وہ پہلی فرصت میں راہِ فرار اختیار کرے گی۔ نظریں پھیرے وہ مکمل طور پر اجنبی نظر آ رہی تھی۔ مگر وہ بھیگتی پلکیں تمام بھیدوں کی قلعی کھول رہی تھیں۔ سارے راز افشا ہو رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کیفیت نے جیسے بلاشبہ محظوظ کیا تھا۔ ہاتھ بڑھایا تھا اور پلکوں پر ٹکے ایک موتی کو اپنی پور پر لے لیا تھا اور بغور جائزہ لیتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”وقت، موسم، حالات کچھ بھی ہو، تمہارے حق میں نہیں ہے۔ اور دوسرے تم خود اپنے اوپر ظلم کرنے کے درپے ہو......یہ اذیت پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟“ انداز بھرپور محظوظ ہونے والا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کر کے وہ شعلوں کو ہوا دے رہا ہے۔

میرب سیال کا سارا ضبط جواب دے گیا اور وہ پھٹ پڑی تھی۔

”تم......سردار سبکتگین حیدر لغاری!......تم کب میری زندگی میں دخل دینا بند کرو گے؟......میری ایک پرسنالٹی ہے۔ کب سمجھو گے تم کہ تمہیں میری زندگی میں کم از کم انٹرفیئر نہیں کرنا چاہیے۔ بڑے ویل مینرڈ بنتے ہو......بہت توپ شے......مگر اتنی سی بھی تمیز نہیں ہے تمہیں......اتنے ادب و آداب اور مینرز بھی سکھانے پڑیں گے تمہیں؟......اور بائے دی وے، تمہارا پرابلم کیا ہے؟......چاہتے کیا ہو تم؟......مجھے نہیں چاہتے ہو نا؟......میں پسند نہیں ہوں نا تمہیں؟......قصہ ختم۔ پھر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟......ناپسندیدہ چیزوں کی طرف تو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا جاتا۔ پھر تمہاری ناپسندیدگی کا پیمانہ کیا ہے؟......کیوں میرے لمحے لمحے کی خبر گیری کرتے ہو؟......جب تمہارا میرا

کوئی واسطہ ہی نہیں تو پھر تمہاری بلا سے...... میں جیوں یا مروں، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ جب مزاج ساتویں آسمان پر ہے تو پھر سر جھکا کر بار بار زمین کی طرف کیوں دیکھتے ہو؟ ضرورت کیا ہے نیچے دیکھنے کی؟...... سچ بات تو یہ ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! عادت ہو چکی ہے تمہاری دوسروں کی زندگی میں دخل انداز کرنے کی۔ اپنی زندگی تو تم بہت سکون کے ساتھ، بڑے آرام کے ساتھ گزارنا چاہتے ہو اور گزار رہے ہو۔ مگر دوسرے اپنی زندگی کیسے جیتے ہیں...... یا کیسے جینا چاہتے ہیں، اس بات کی پل پل خبر رکھتے ہو تم۔ اور مجھے تو آج تک یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ تم چاہتے کیا ہو خود سے اور مجھ سے؟...... اس رشتے کو نباہنا چاہتے بھی ہو یا کہ نہیں؟...... تم جیسا اٹیلکچوئیل قسم کا بندہ اگر بیچ میں لٹکے تو بڑا افسوس ہوتا ہے یہ جان کر۔ فیصلے کا اختیار جب ہاتھ میں ہو تو اس طرح وقت کو ٹالتے رہنا بے وقوفی کے ہی زمرے میں آتا ہے۔'' اپنی تیزی سے بھیگتی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر پونچھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ساکت کھڑا اُس دیکھ رہا تھا۔

''کسی اور کا پیدا کیا گیا بگاڑ سدھارنا آسان نہیں ہوتا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری! تم اور تمہاری زندگی جتنی بے ترتیب ہے اسے لے کر تم تو کیا ہی کس کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا فیصلے کرو گے، کوئی اور بھی تمہارے ساتھ جینا نہیں چاہے گا...... میرے لیے یہ انتہائی مشکل اقدام ہے جو میں سرانجام دے رہی ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میری منشا اس میں شامل ہے۔ صرف اس لیے کہ میرے پیرنٹس نے ایسا چاہا...... اس کا مطلب جانتے ہو...... اس کا مطلب یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری! تم گلے پڑا وہ ڈھول ہو جسے بجانا صرف میری مجبوری ہے۔ جانے کیا کچھ اخذ کیے بیٹھے ہو تم خود اپنے بارے میں۔ جانے کن خوش فہمیوں میں ہو۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ تم قطعاً ایسے شخص نہیں ہو جس کی تمنا کوئی بھی لڑکی کرے۔ نہ تو تم اچھے انسان ہو، نہ ہی اچھے جیون ساتھی بننے کے لائق ہو۔ جن جہانوں میں آباد ہیں نکل آیئے وہاں سے۔ خود کو دیکھئے، سامنا کیجیے اپنا اور دنیا کا۔ یہی بہتر ہوگا آپ کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔'' میرب سیال اسے بہت سی حقیقتوں کا ادراک دیتی، دوسرے معنوں میں آئینہ دکھاتی ہوئی پلٹی تھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ساکت سا کھڑا تھا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جیسے ضبط انتہائی مشکل تھا۔

☆......☆......☆

اوزان سید، انابیہ کے پاس تھا جب عفنان علی خان وہاں پہنچا تھا۔ اوزی بہن کو پوری توجہ سے سُوپ پلا رہا تھا۔

''آ گئے تم......؟'' اوزی اُسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

عفنان علی خان بھرپور توجہ سے انابیہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ مگر انابیہ شاہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ شاید ایسا دانستہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھی۔

''کیسی ہے اب انابیہ؟'' عفنان علی خان کو اس پر وہ پہلی توجہ ظاہر کرنا قدرے مشکل لگا تھا۔

''ٹھیک ہے...... پہلے سے بہت بہتر۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ تم یہاں موجود رہو گے تو مجھے تسلی رہے گی۔''

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے سُوپ کا پیالہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ وہ نظر اب بھی اپنے اندر اتنی ہی گریز پائی رکھتی تھی۔

اوزی اُسے ضروری ہدایات سونپ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔عفنان علی خان انابیہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

بعض اوقات بہت سی چیزیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہوتیں اور بہت سے لمحوں میں پتہ نہیں چلتا کہ بندہ کیا کرے...... بڑی گومگو کی سی کیفیت ہوتی ہے۔رکے یا آگے بڑھے یا پلٹ جائے۔

عفنان علی خان سُوپ کا پیالہ لے کر اس کی سمت آ گیا تھا۔اسپون میں سُوپ بھرا تھا اور اسپون اس کے منہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ مگر وہ یکدم ہی نظروں کے ساتھ چہرے کا رُخ بھی پھیر کر مزید اجنبی ہوگئی تھی۔عفنان علی خان کے لیے یہ رویہ کچھ اتنا غیر متوقع بھی نہ تھا۔ چند لمحوں تک پھر بھی نہ جانے کیوں وہ اسی طرح کھڑا رہا تھا۔پھر اپنا داہنا ہاتھ بڑھا کر انابیہ کے چہرے کا رُخ اپنی طرف موڑا تھا اور سُوپ کا چمچ بھر کر اس کے منہ میں ڈال دیا تھا۔

وہ لمحے بڑے پُرسکوت تھے۔گریزاں گریزاں ...... خاموش خاموش ...... اور بوجھل بوجھل۔کثافت سے بھرے ماحول میں عفنان علی خان کے لیے سانس لینا آسان نہ تھا۔مگر وہاں سے چلے جانا بھی آسان نہ تھا۔

دو تین اسپون مزید لینے کے بعد انابیہ شاہ نے نظر ملائے بغیر ہاتھ روک کر اُسے منع کر دیا تھا۔عفنان علی خان نے سُوپ کا پیالہ ایک طرف رکھ کر سائیڈ پر دھرا تولیہ اُٹھا کر اس کا منہ صاف کیا تھا۔انابیہ شاہ کا انداز اس کے ساتھ کبھی بھی لگاوٹ سے بھرپور نہ رہا تھا۔مگر اس لمحے وہ اس سے مکمل طور پر اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔کوئی سرسری سی، بے خبر سی، بے دھیانی میں ڈالی جانے والی ایک نگاہ تک نہ تھی۔ بھولے بھٹکے سے بھی نظر اس کی سمت نہ اُٹھی تھی۔لب ایک دوسرے میں پیوست تھے۔عفنان علی خان اس کی کیفیت یقیناً سمجھ سکتا تھا۔ایک لڑکی کے لیے اُس کی سیلف رسپکٹ کیا معنی رکھتی ہے وہ سمجھ سکتا تھا۔انابیہ کے ساتھ جو ہوا تھا اس کے بعد یقیناً سب کو فیس کرنا آسان نہ تھا اور بالخصوص اُسے، جس کے سامنے وہ ہمیشہ سر اُٹھا کر کھڑی ہوتی تھی۔کبھی جھکی نہ تھی۔مگر اس لمحے اس کا وہ غرور، وہ تمکنت، وہ نسوانی وقار سب مٹی کا ڈھیر دکھائی دے رہے تھے۔اور یہی بات تھی جو انابیہ شاہ کو نظر نہیں اُٹھانے دے رہی تھی۔

عفنان علی خان نے کچھ کہے بغیر اُسے لٹا کر اس پر کمبل ڈال دیا تھا۔انابیہ چند ثانیوں تک کھلی آنکھوں سے چھت کی سمت تکتی رہی تھی۔جانے اب آنکھوں کے اندھیر ڈھیروں ڈھیر رکا ہوا نمکین پانی پلکوں کے کنارے توڑ کر باہر نکلا تھا اور تکیے میں جذب ہو گیا تھا۔انابیہ شاہ آنکھیں میچ گئی تھی۔

عفنان علی خان جو اس کی سمت سے رخ پھیرے کھڑا تھا، سست، نیم جاں قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

عفنان علی خان کے قدموں سے تھکن واضح طور پر ظاہر تھی۔آنکھوں میں عجیب دھواں سا بھرا تھا۔جانے کیا شے ٹوٹی تھی اور...... آہٹ تک نہ ہوئی تھی۔اسی انداز سے چلتا ہوا وہ باہر نکل آیا تھا۔

☆......☆......☆

جانے کیوں ہمیشہ وہی ہوتا تھا جو وہ نہیں چاہتا تھا۔

صورت حال اس کے اختیار میں کبھی نہیں رہی تھی۔ حالات کبھی بس میں نہیں رہے تھے۔ مگر آج ایسا ہوا تھا تو ملال کسی قدر مزید دو چند تھا۔

ایک درد ایک بار کے لیے ہی کافی ہوتا ہے۔ بار بار ہو تو برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔ وہ ایک بار جو جھیل چکا تھا، دوبارہ نہیں چاہتا تھا۔ مگر ایسا جانے کیوں بار بار ہو رہا تھا۔

اذہان حسن بخاری دانستہ طور پر ایسا نہیں چاہتا تھا۔ ساہیہ خان جب سے زندگی میں آئی تھی وہ اس سے کوئی ایک بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکا تھا۔ اور یہ بات بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جانے کیوں کبھی کہہ بھی نہ سکا تھا۔

بس اپنے دل ہی دل میں سوچ رکھا تھا۔ ایک دن ملے گا تو سب کچھ کہہ دے گا، سب کچھ بتا دے گا۔ ساری باتیں جو راکھ کے ڈھیر میں دبی تھیں۔ جو یاد بن کر دل میں انہی کی طرح کھبی ہوئی تھیں۔ مگر ایک بار پھر وقت اس کے حق میں نہ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

اسی وقت فارحہ چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھیں۔

”کیا ہوا؟......تُو اس طرح کیوں کھڑا ہے؟“

اذہان نے فی الفور پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ فارحہ چلتی ہوئی بیٹے کے سامنے آن رکی تھیں۔ بغور چہرے کو دیکھا تھا۔

”کوئی پرابلم ہے اذہان؟“

”نہیں ممی!“ اذہان حسن بخاری نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ماں کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔ ”آپ سوئی نہیں اب تک؟“

”نہیں......نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور تم......تم بھی تو نہیں سوئے۔“

”ہاں......مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔“ اذہان کے لبوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”آپ......آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔“ ماں کو بغور تکتے ہوئے پوچھا تھا۔

فارحہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

”کبھی وہ وقت تھا اذہان! جب تمہاری ماں نے کسی پریشانی کا منہ تک نہ دیکھا تھا......ازدواجی زندگی کے ہزار ہا مسائل ہوتے ہیں مگر میں بہت لکی رہی۔ میں نے اپنے گھر کی بنیادوں کو مضبوط تر کرنے کے لیے اپنی ساری قوت خرچ کر دی۔ مگر......اچانک صرف ہوا کے ایک جھونکے کے آ جانے سے وہ ساری مضبوطی دھری کی دھری رہ گئی اور میرا سارا بھرم مٹی میں مل گیا......خواب ٹوٹ جائیں تو آنکھوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے اذہان! پتہ نہیں مجھے تم سے اس بات کا شکوہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور تمہیں بھی یہ بات مجھ سے چھپانی چاہئے تھی یا کہ نہیں۔“

”کون سی بات ممی؟......کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟“ اذہان حسن بخاری چونکا تھا اور فارحہ نے ہاتھ اُٹھا کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

”یہی......یہی سب چھپا رہا تھا نا تُو مجھ سے اور خود سے؟......یہی بات تھی نا جو تجھے سونے نہیں دے رہی تھی؟“

اذہان حسن بخاری اپنے سامنے موجود تصویر کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ فارحہ پانیوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ سر نفی میں

ہلانے لگی تھیں۔ بولی تھیں تو لہجہ بہت شکست خوردہ تھا۔

''اذہان...... بیٹا! تُو نے مجھ سے، اپنی ماں سے یہ سب کچھ چھپایا...... بتایا کیوں نہیں کہ تُو کیا چاہتا ہے اور یہ......'' تصویر کا رُخ اپنی طرف موڑ کر بھیگی آنکھوں سے تصویر کو دیکھا تھا اور پھر ہاتھ نیچے گرا لیا تھا۔

''اذہان!...... بچے! تُو نے میرے لیے...... اس گھر کے لیے اپنی خوشیوں کی قربانی دے دی۔ اس وقت کیوں نہیں بتایا؟...... کیوں اتنا کمزور پڑ گیا تُو؟ کیوں جانے دیا خوابوں کو اپنی آنکھوں سے؟...... رنگوں سے کیوں ہاتھ کھینچ لیا؟ جانتے بوجھتے تم نے ایسا کیا...... حالات اتنے کڑے تو نہ تھے۔ ایک بار...... صرف ایک بار مجھ سے کہا ہوتا، میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔''

''ممی! پلیز...... جو ہو چکا ہے میں اس پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ جو ہونا چاہئے ہمیں بات صرف اس پر کرنی چاہیے۔'' اذہان حسن بخاری رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں ساہیہ کے متعلق سوچنا چاہتا ہوں ممی! اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ اس وقت میرے سامنے ہے اور میرے لیے اس کی اہمیت باقی سب باتوں سے کہیں بڑھ کر ہے...... نگاہ کے سامنے کا کوئی منظر اہم نہیں۔ نہ گزشتہ نہ پیوستہ...... بس وہ اور صرف وہ...... میں ایمانداری سے اس سے تعلق باندھنا چاہتا ہوں۔'' لہجہ مدھم تھا اور آواز بوجھل۔

فارحہ نے بیٹے کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔

''اور تمہارے خواب؟...... تمہاری آنکھیں؟''

''سب فضول ہے ممی!...... کسی کی کچھ اہمیت نہیں۔ سب بے کار ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں ممی! جو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔ جو لکیر مٹ چکی، سو مٹ چکی...... اس کی کوئی حقیقت جب باقی ہی نہیں تو پھر اس کے متعلق سوچنے سے فائدہ؟''

فارحہ کے دل کا بوجھل پن کچھ مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ پلٹی تھیں اور چلتی ہوئی زینہ اُتر گئی تھیں۔

زندگی میں کیا ہوا تھا؟...... کیا ملا تھا؟...... ساری زندگی وفاداری کے نام کر کے کیا ہاتھ آیا تھا؟ نہ گھر کا سُکھ، نہ بچوں کا سُکھ۔ دونوں بچے کیسا عجیب نصیب لیے بیٹھے تھے۔ بے رنگ خوابوں کا جیون، خالی ہاتھ اور صرف پیاس۔ کیوں ہوا تھا ایسا؟...... کس لیے؟...... اس کا جواب شاید کسی کے پاس نہیں تھا۔

اذہان حسن بخاری پلٹ کر ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ شکست خوردہ سی چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں اور وہ خود، ارادے ہزار ہا مضبوط سہی، انداز اور لہجہ بھرپور توانا سہی مگر اندر کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی جگہ پر کوئی شے بہت کمزور ضرور واقع ہوئی تھی۔ وجود کا وہ علاقہ بہت ویران سا تھا۔ مگر اس بات کی خبر اسے صرف اپنے تک محدود رکھنا تھی!

☆......☆......☆

پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا اُسے؟

جانے کیوں وہ اتنا زیادہ بول گئی تھی۔

ہمیشہ ایک سبک ندی کی طرح، ایک سبک بہاؤ جیسا مزاج رکھنے والی لڑکی ...... جانے کیسے اپنی برداشت کھو گئی تھی۔ اب سوچ رہی تھی تو کسی قدر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے خوفزدہ تھی، اس کے کسی شدید ردِعمل سے ڈرتی تھی...... اُسے اس بات کا خوف نہ تھا کہ وہ بدلے کے طور پر کوئی سنگین ترین اسٹریٹجی اختیار کرے گا۔ اُسے ان باتوں کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ اگر وہ کسی قدر شرمندہ تھی بھی تو اس باعث کہ اُس نے آج تک کسی کے ساتھ اس انداز سے بات نہ کی تھی۔ اتنے سخت لفظ استعمال نہ کیے تھے۔ افسوس تھا تو اس بات کا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو، اس کے مزاج کو ٹھکانے لگانے کے لیے اپنے معیار سے کس قدر نیچے آ گئی تھی۔ جو آج تک نہ کیا تھا وہ کر دیا تھا۔ شاید وہ جانتی تھی کہ زخموں کے گھاؤ بھر جانے والے ہوتے ہیں۔ مگر باتوں اور زبان کے گھاؤ کبھی نہ بھرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے باعث وہ جو سہہ رہی تھی، اس کے ساتھ کچھ ویسا ہی کر کے وہ اس کا کیا اسے لوٹا نہیں چاہتی تھی۔ پھر کیا فرق رہ جاتا اس میں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری میں۔

وہ ناشتے کے لیے ٹیبل پر آئی تھی تو نظر جھکی جھکی سی تھی۔

''کیا ہوا؟...... آج کیمپس جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟...... بہت دیر سے جاگی ہو کیا؟ اور یہ تمہاری آنکھیں؟'' مائی اماں نے اس کے لیے چائے انڈیلتے ہوئے چونکتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ میرب سیال اپنی جگہ چور سی ہو گئی تھی۔ بے ارادہ نگاہ اُٹھی تھی اور عین اپنے سامنے بیٹھے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جا ملی تھی۔ دوسری طرف کوئی بے ارادہ سی نظر بھی نہیں تھی۔ بے تاثر چہرہ، سرد نگاہ۔ مگر توجہ کا کوئی پہلو جن سے نہیں نکلتا۔

''جی...... وہ...... رات دیر تک اسٹڈی میں بزی رہی۔ اس لیے۔'' میرب سیال نے بہانہ تراشا تھا۔

''چلو...... جلدی سے ناشتہ کر لو۔ ورنہ پھر کیمپس کے لیے دیر ہو جائے گی۔'' مائی اماں نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے محبت سے دیکھا تھا۔

''نہیں مائی اماں! آج میں کیمپس نہیں جاؤں گی۔ مجھے نانو کے گھر جانا ہے۔'' دھیمی آواز میں اطلاع دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر کوئی ری ایکشن نہ اُبھرا تھا۔ مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''ٹھیک ہے...... گین تمہیں ڈراپ کر دے گا۔ خیریت ہے نا سب؟...... وہاں سب ٹھیک تو ہے؟'' مائی اماں کے لہجے میں تشویش تھی۔

''جی...... سب ٹھیک ہے۔ بس یونہی دل چاہ رہا تھا۔'' میرب کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ مائی اماں نے اسے اور پھر گین کو بہ غور دیکھا تھا۔

''شام تک لوٹ آؤ گی نا...... یا پھر......؟'' مائی اماں شاید اس سکوت کو کسی قدر توڑنا چاہ رہی تھیں جو اس وقت وہ اس ماحول میں محسوس کر رہی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت نیوز پیپر دیکھ رہا تھا۔ توجہ اس ماحول پر یا گفتگو پر بالکل بھی نہیں تھی۔

"گین! مجھے زمینوں پر جانا ہوگا...... تمہارے چاچا کا فون آیا تھا...... زمینوں کے انتقال کو لے کر کچھ مسئلے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں جنہیں بروقت حل کرنا بہت ضروری ہے۔" مائی اماں نے اطلاع دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چونک پڑا تھا۔

"آپ...... آپ کیوں؟...... میں چلا جاتا ہوں نا۔"

"نہیں، تم نہیں۔ تمہیں یہاں پہلے ہی بہت مصروفیت ہے۔ اور یوں بھی میں نہیں چاہتی کہ تم ان سب بکھیڑوں میں پڑو۔ یہ مسئلے بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا کوئی تجربہ بھی نہیں۔ ہم برسوں سے ایسے مسئلے دیکھتے آئے ہیں اور حل بھی کرتے آئے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم اپنی ولایتی تعلیم کو لے کر جو کام کر رہے ہو وہی تمہارے لیے بہتر ہے...... اسی کو لے کر دن رات ایک کر دیئے ہیں۔ نہ ہمارے لیے وقت ہے نہ ہی اپنے لیے...... ان بکھیڑوں میں اُلجھو گے تو اور بھی مشکل ہو جائے گی۔" مائی اماں نے اُسے قصداً روکا تھا۔

"لیکن مائی اماں ......" سبکتگین حیدر نے بولنا چاہا تھا مگر مائی اماں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے روک دیا تھا۔ اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"گین!...... تم یہاں رہو۔ تمہاری ضرورت یہاں زیادہ ہے۔ کچھ نئے رشتے جو تمہاری زندگی میں آئے ہیں انہیں اپنا حصہ بنانے کے لیے تمہیں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے بچے! کیا یہ ایسی باتیں ہیں کہ بار بار انہیں دہرایا جائے؟" بیٹے کیطرف دیکھا تھا۔ گین کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر میرب کے لیے یہ خبر کسی قدر پریشانی کا باعث ضرور تھی کہ اب وہ تنہا، یہاں صرف اس شخص کے رحم و کرم پر ہوگی۔ اور اس سے کچھ اچھی امید اسے نہیں تھی۔

سینے میں دل ایک خوف سے دھڑکا تھا۔ ایک پریشانی کی لہر اُٹھی تھی اور بے چینی سارے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔

"میرب! کیا ہوا؟...... تم اس طرح سر جھکائے اپنے ناشتے کو کیوں گھورے جا رہی ہو؟" مائی اماں نے اسے جتایا تھا تو اسے اپنی حماقت کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

"نہیں...... ایسی بات نہیں۔" میرب سیال نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے سامنے موجود شخص پر ایک نگاہ قصداً ڈالی تھی مگر دوسری طرف انداز بالکل سرد اور اجنبی تھا۔ جیسے کوئی تعلق مابین موجود ہی نہ ہو۔ میرب سیال اس کے اُٹھنے کی منتظر تھی کہ مائی اماں کی ہدایت کے مطابق جانا تو اسی کے ساتھ تھا۔

"کب جانا ہے آپ کو مائی اماں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری ماں سے مخاطب تھا۔

"آج ہی...... تم جلدآ جانا۔" بیٹے کو ہدایت کی تھی۔

میرب کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"پھر تو میرا جانا بھی کچھ ایسا ضروری نہیں مائی اماں!...... آپ جا رہی ہیں اور......"

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ تم چلی جاؤ، اگر تمہارا جی چاہ رہا ہے۔ میں نہیں چاہوں گی تم اس سے متعلق کوئی جبر کرو۔" مائی اماں

مسکرائی تھیں۔

''جبر؟......کیسا جبر مائی اماں؟......کیا میں اس گھر کا حصہ......'' وہ بولے جا رہی تھی مگر تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری چیئر کھینچ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور جانے کیوں میرب سیال کو وہ لحہ بھرپور احتجاج کا حصہ لگا تھا۔ وہ اسی طرح منہ کھولے بیٹھی تھی جب مائی اماں نے اُٹھ کر محبت سے اس کے گرد اپنی بانہیں پھیلا دی تھیں۔

''تم جاؤ...... بچے اپنی ماں کے ساتھ اس قدر راہ و رسم نبھاتے اچھے نہیں لگتے۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ گین ہو گا نا یہاں......اور میرے لیے تم میں اور گین میں کوئی فرق نہیں۔''

مائی اماں کا انداز محبت سے لبریز تھا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ ملائمت سے مسکرائی تھیں۔ میرب سیال کے لیے اس لگاوٹ کے بعد جیسے کوئی راہ نہ بچی تھی۔ وہ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے اس کا منتظر تھا۔ گاڑی کے قریب رک کر وہ چند لمحے گومگو کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی پھر دروازہ کھول کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

درمیان کوئی لگاوٹ، کوئی جذباتی پن پہلے بھی نہ تھا۔ مگر اب کے خاموشی ہی خاموشی تھی۔ وہ اس رشتے کو کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔ اس کے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے درمیان جو ہوتا آیا تھا اور جو ہو رہا تھا وہ سب سمجھ سے باہر تھا۔

وہ شخص عجب مزاج رکھتا تھا۔ اس روز کی سختی کے بعد اچانک ہی نرمی در آئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ واپس لے آنا......شاید فضا کوئی نیا گیت سنانے کو تھی۔ مگر پھر یکدم ہی موسم بدلا تھا اور وہ تیز دھوپ میں تنہا کھڑی تھی۔

تمازت سے سارا وجود جھلس رہا تھا اور ہوا سانس لینے کو جیسے ناکافی تھی۔ دم گھٹ سا رہا تھا۔ کیسی زندگی ملی تھی اسے۔ کیسے ماحول میں جینا پڑ رہا تھا اسے۔

ابھی یہ حال تھا اور جب کبھی یہ رشتہ باضابطہ طور پر اسے بنانا پڑتا، تب کیا ہوتا؟......کیسی صورتحال ہوتی؟ حالات اس سے تو کچھ بڑھ کر ہی پیچیدہ ہوتے۔ اب یہ بندھن ایسا بوجھ لگ رہا تھا تو تب......ایک چور سی نظر غیر دانستہ طور پر اس شخص پر پڑی تھی۔

اس کے وجود سے بے خبر وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس شخص کو اور اس سے وابستہ تعلق کو لے کر کبھی نہیں لگا تھا کہ اس کا کوئی واسطہ اس شخص سے ہے بھی۔ عجب انداز تھے اس کے......پتہ نہیں کیا دل میں تھا اس کے۔ اول دن سے لے کر اب تک وہ اس کے لیے ایک سوالیہ نشان رہا تھا اور......

اس کی سوچوں کو بریک لگے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی روکے اس کے وہاں سے نکل جانے کا منتظر تھا......نگاہ پھیر کر دیکھا تھا تو سامنے نانو کے گھر کا گیٹ دکھائی دیا تھا۔ عجب بے خبری، انجانے پن میں سارا سفر بسر ہوا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی اور شاید ایسی ہی بے خبری میں ساری عمر اُسے بتا دینی تھی۔

خدشات سنگین تھے۔مگر سدِ باب کوئی نہیں تھا۔

میرب سیال اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور ابھی کوئی پیشگی ہدایت جاری کرنے کو پلٹی ہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری زن سے لے اُڑا تھا۔دُھواں دُھواں سے منظر کو وہ زیادہ دیر نہیں دیکھ سکی تھی۔اور ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

فضا میں عجب تناؤ سا تھا۔پتہ نہیں اتنی سوگواری کس بات کی تھی۔حالانکہ جس شے کی اتنی تلاش کی جائے وہ مل جائے تو خوشی دیدنی ہوتی ہے۔مگر اس معاملے کو دیکھتے ہوئے جانے کیوں صورتحال بہت بوجھل سی لگ رہی تھی۔ساری فضا دھواں دھواں سی تھی۔

انابیہ کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ایک ہفتہ گزرا تھا۔صرف سات دن......!

مگر سارے منظر پہلے سے حد درجہ مختلف لگے تھے۔لامعہ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔بھر پور دلجوئی کر رہی تھی۔مگر انابیہ اسی طرح چپ تھی۔ماہ وش نے بیٹی کا دھیان رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔مگر لبوں پر ایک طویل خاموشی تھی۔داداجی الگ چپ چاپ سے تھے......اوزی الگ نظریں چرا رہا تھا۔نظر ملتی تھی تو بڑی رسمی سی مسکراہٹ لبوں پر ہوتی تھی۔بڑی مروت لیے ایک بھاری سا انداز جو جھیلنا آسان نہیں لگتا تھا۔

سب بظاہر انابیہ کا بھر پور خیال رکھ رہے تھے۔بھر پور توجہ دے رہے تھے۔مگر اس شام چائے کی ٹیبل پر وہ اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔اوزی چونک پڑا تھا۔

"کیا ہوا؟......دیکھو!......میں نے یہ تمہارا بسکٹ واپس تمہاری پلیٹ میں رکھ دیا ہے۔میں تو مذاق کر رہا تھا۔کیا ہوا؟" بھر پور لگاوٹ سے ہاتھ اس کے گرد پھیلاتے ہوئے جھک کر دریافت کیا تھا۔مگر وہ یکدم ہی اس کا ہاتھ جھٹک کر روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔اوزی نے ماہ وش کی طرف دیکھا تھا۔مگر وہ نظریں پھیر گئی تھیں۔

"ماما! یہ سب کیا؟......آخر کب تک؟......کب تک، ہاں؟......وہ کب تک اسی طرح چپ چاپ گھٹتی رہے گی؟......آپ کو نہیں لگتا ہمیں اس کے لیے کچھ کرنا چاہیئے۔" اوزی کا انداز بہن کی محبت میں چور تھا مگر ماہ وش بخاری کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔اوزی چیئر کھینچ کر اُٹھا تھا جب داداجی نے اسے روک دیا تھا۔

"اوزی، بیٹا! اسے رو لینے دو......اگر تم اس کے آنسو پونچھ دو گے تو وہ بہت کمزور پڑ جائے گی۔اسے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس لوٹانے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔" داداجی اپنی دانست میں شاید درست کہہ رہے تھے۔مگر اوزان سید کو نہیں لگتا تھا کہ یہی مسئلے کا حل تھا۔شاید حالات کے پہلے جیسے ہونے میں بہت وقت درکار تھا اور وقت گزرنے کے بعد بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ صورتحال بہتر ہونا تھی یا مزید مخدوش ہو جانا تھی۔اُس کے لیے انابیہ کو اس کیفیت میں دیکھنا قابل قبول نہیں تھا۔بچپن سے لے کر آج تک اسے کوئی زک نہیں پہنچنے دی

تھی۔ وہ اس کا ٹھیک اسی طرح خیال رکھ رہا تھا جس طرح کہ غازی کو رکھنا چاہئے تھا۔ انابیہ کے ساتھ اس کا رشتہ اسے دنیا بھر سے زیادہ عزیز تھا۔ مگر چاہ کر بھی وہ اس کے لیے کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔ شاید یہی کیفیت باقی سب کی بھی تھی۔ وہ سب بھی انابیہ کو اسی قدر چاہتے تھے۔ مگر چاہ کر بھی اس کے لیے کچھ کر نہیں پا رہے تھے۔

''صورتحال اب پہلے جیسی نہیں رہی اوزی!...... تم شاید نہیں سمجھ پا رہے ہو کہ انابیہ کے ساتھ جو ہوا ہے وہ کسی بھی طرح سے معمولی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے یا نہیں...... کسی کے لیے یہ بات جاننا ضروری نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، یہ بات سب کے لیے موضوع گفتگو ہے اور دلچسپی کا باعث ہے۔ جب ہم گھر والے ہو کر اس بات کو جھیل نہیں پا رہے، برداشت نہیں کر پا رہے تو باقی سب لوگوں کی کیفیت کیسی ہوگی؟ وہ ہمارا حصہ ہے جب کہ ہمیں اس کی پاک دامنی پر کوئی شک نہیں ہے۔ مگر ہم پھر بھی اس سے گریزاں ہیں۔ روّیوں میں عجب تناؤ سا ہے...... رشتے میں تناؤ در آیا ہے تو پھر باہر صورتحال کیا ہوگی؟...... میں اس کی ماں ہوں۔ مگر میں جانتی ہوں انابیہ اب پہلے کی طرح دنیا کو فیس کبھی نہیں کر پائے گی۔ وہ اس اعتماد سے سر اُٹھا کر دوبارہ پھر کبھی نہیں چل سکے گی۔ کسی لڑکی کا کڈنیپ ہو جانا معمولی بات نہیں۔ سب کی نظروں کے ساتھ ساتھ وہ خود اپنی نظروں سے بھی گر جاتی ہے۔ عزت جانے کے لیے گھر کی دہلیز سے پار ایک رات بسر ہو جانا کافی ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں، انابیہ کے ساتھ کچھ برا نہیں ہوا۔ نہ ہی اب تک اس کے کڈنیپ ہونے کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں آئی ہے۔ مگر...... یہ پل جو اس نے اس گھر کی چھت سے باہر گزرا رے وہ معمولی نہیں ہیں۔ نہ ہی کسی طرح نظرانداز کیے جانے کے قابل ہیں۔'' ماہ وش کا لہجہ بیٹی کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔

اوزی کچھ بولے بنا مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔ ماہ وش دادا ابا کی طرف مڑی تھی۔

''ابا جی! آپ دیکھ رہے ہیں...... آپ کی لاڈلی ننھی پری کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا کچھ...... اتنا کچھ ہو گیا اور ہم کچھ کر نہیں پائے...... کیا منہ دکھائیں ہم زمانے کو؟...... اور کیا چہرہ لے کر باہر جائے گی وہ؟...... زندگی کی جنگ وہ جیت کر تو لوٹ آئی...... موت کو تو شکست دے دی۔ مگر زندگی سے ہار جائے گی...... نہیں جینے دے گی اسے یہ زندگی...... آپ جانتے ہیں، جب وہ ہاسپٹل میں تھی تو میں نے ایک دعا مانگی تھی۔ وہ دعا جو شاید دنیا کی کوئی ماں اپنے بچے کے لیے نہیں مانگتی۔ میں نے مانگا تھا کہ وہ اپنی گم شدہ سانسوں میں ہی کہیں گم ہو جائے اور وہ مر جائے...... ہاں، میں نے اس کے لیے یہ دعا مانگی تھی کہ میری بچی...... میری بیٹی مر جائے......'' ساکت آنکھوں سے چپ چاپ لاوا بہہ رہا تھا۔

دادا ابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ مگر ماہ وش کو اپنا غبار دھونے کی کوئی تو جگہ درکار تھی۔

''کتنی ظالم ماں ہوں نا میں...... دنیا کی کتنی ظالم ماں...... مجھ جیسی تو کوئی ڈائن بھی نہ ہوتی ہوگی۔ کیسی دُعا مانگی تھی میں نے اس کے لیے...... مگر آپ جانتے ہیں کیوں؟...... صرف اس لیے کہ میں اپنی بیٹی کا دُکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کتنے ناز و نعم سے پالا تھا میں نے اسے۔ اور اب...... اب وہ زمانے کی ٹھوکروں میں ہوگی۔ اسی...... اسی دن کے لیے میں نے اسے پلکوں پر بٹھایا تھا؟...... وہ میری ننھی پری جسے

کبھی زمانے کے سرد و گرم نہیں لگنے دیئے، وہ...... وہ آج ننگے سر کھلے آسمان کے نیچے کھڑی ہے...... تمازتوں میں جھلس رہی ہے۔ اور میں جانتی ہوں یہ تمازتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ وہ اپنے ناکردہ گناہوں کی پاداش میں ہمیشہ جلتی رہے گی...... اس کو ان سوالوں کا سامنا ہوگا جن کے جواب اسے خود بھی معلوم نہیں...... اسے وہ جتایا جائے گا جو جرم اس نے کبھی کیا ہی نہیں...... ایسا ہوگا...... اور میں، آپ یا اوزی...... ہم کچھ کر نہیں پائیں گے...... یونہی چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھتے رہیں گے...... ایسا ہی ہوگا۔'' عجب دیوانوں جیسا انداز تھا۔ ماہ وش پلٹی تھیں اور کمرے سے نکل گئی تھیں۔ دادا ابا سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

☆......☆......☆

موسم یکدم ہی بدلا تھا اور ہر طرف منظر تیزی سے بھیگ رہے تھے۔

میرب کے لیے بات باعث تشویش تھی۔ کتنی دیر ہوگئی تھی اور اسے گھر سے لینے کوئی نہیں آیا تھا۔ یہاں بھی کوئی مرد حضرات ابھی تک نہ لوٹے تھے۔ اور تو اور فیضی تک ناپید تھا۔

میرب سیال نے گھڑی دیکھی تھی اور اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی مائی اماں کے جاتے ہی، منظر سے ہٹتے ہی وہ کچھ ایسا ہی رنگ دکھائے گا، ایسے ہی رویے کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ اس سے کچھ اچھا ایکسپکٹ بھی نہیں کرتی تھی۔ نانی، ممانیاں اور کزنز اسے روکتی رہ گئی تھیں مگر وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ بارش بہت تیز تھی اور موسم واقعی اچھا نہیں تھا...... اس کا اندازہ اسے باہر آکر ہوا تھا۔ جو اس نے کیا وہ صرف ایک جذباتی اقدام تھا اور صرف حماقت...... اس کے سوا کچھ نہیں۔

تیز بارش میں ایک فٹ آگے کا منظر تک ٹھیک سے دکھائی نہ دے رہا تھا۔

سڑک دور تک ویران تھی اور وہ اس سڑک پر چلنے والی واحد فرد۔ دل میں خوف نہ بھرتا تو اور کیا ہوتا!

جانے کیوں آج کل وہ سارے فیصلے غلط کر رہی تھی۔ حماقت پر حماقت سرزد ہو رہی تھی اس سے۔ ایک کے بعد ایک غلط کام ہو رہے تھے اس کے ہاتھ سے...... کل گین سے وہ بدمزگی...... بلکہ بدمزگی بھی کہاں؟...... وہ تو سرے سے کچھ بولا ہی نہ تھا۔ فقط ایک سوال ہوا تھا اس کی جانب سے اور وہ بے نقط سناتی چلی گئی تھی۔ جانے کیسے وہ آج کل اتنی جلد ٹمپر لوز کر رہی تھی۔ ٹمپرامنٹ تو نہ تھا اس کا...... پھر کیوں ہو رہا تھا سب اُس سے؟...... وہ پہلے عمل کر رہی تھی اور پھر پچھتا رہی تھی...... شاید سوچے سمجھے بغیر اٹھائے گئے اقدامات پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ اس وقت سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی تیز بارش میں بھیگتی ہوئی تن تنہا کھڑی تھی۔ انداز اس قدر کھویا کھویا سا تھا کہ وہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کا ہارن تک نہ سن سکی تھی۔ خیالوں میں اس قدر مگن اور سوچوں میں اس حد تک اُلجھی ہوئی تھی کہ گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس کا بھی اندازہ تک نہ ہوا تھا۔

گاڑی میں موجود شخص غالباً اُس کو دیکھ چکا تھا اس لیے فوراً ہی بریک لگائے تھے۔

میرب سیال گاڑی کے ٹائر چرچرانے پر چونکی تھی اور اپنے سامنے کھڑی گاڑی کو کسی قدر حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین

حیدر لغاری کا دروازہ کھولتا اور چلتا ہوا میرب سیال کے مقابل جا رُکتا ہے۔ نظریں اُسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی ہیں...... وہ یقیناً اُسے اس موسم میں اس طرح تنہا اس سڑک پر کھڑا ایکسپکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ایسا حقیقتاً تھا...... وہ اس خطرناک موسم میں وہاں تن تنہا موجود تھی اور ایسا یقیناً صرف اس سے بدلہ لینے کے لیے تھا۔ وہ جانتی تھی، ایسا کر کے وہ اسے یعنی سردار سبکتگین حیدر لغاری کو نیچا دکھا سکتی تھی۔

میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس لمحے اپنے سامنے موجود اس کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی جو تیز بارش کی مطلق پرواہ کیے بغیر اس وقت اس کے مقابل کھڑا اُسے بری طرح سے گھور رہا تھا۔ یقیناً یہ نتیجہ اس ناپسندیدہ فعل کا تھا کہ اس نے یکدم ہاتھ بڑھا کر میرب سیال کی نازک سی کلائی کو اپنی مضبوط آہنی گرفت میں لیا تھا اور کھینچتے ہوئے گاڑی میں جا پٹخا تھا۔ میرب سیال اس لمحے اس سے کسی ایسے ہی اقدام کی توقع کر رہی تھی اور ایسا ہی ہوا تھا...... اُس کے سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے اور جارحانہ انداز میں گاڑی آگے بڑھا دینے سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ شدید غصے میں تھا۔ اگرچہ اس سے کچھ باز پرس نہیں کی تھی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر چکا ہے۔ ڈرائیونگ کا ریش انداز اس کے اندر کی اضطرابیت کو صاف ظاہر کر رہا تھا۔ میرب سیال چپ چاپ دم سادھے بیٹھی تھی۔ کسی طرح کی وضاحت کی ہمت اس میں یکسر ناپید تھی۔ وہ مانتی تھی، اس نے تنہا باہر نکل کر غلط کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اسے لینے ہی آیا تھا۔ جو بھی تھا وہ اس کی ذمے داری تھی۔ عزت تھی۔ اور اس معاملے میں اس نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ ہر ادا، ہر انداز چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ "یو بی لونگ ٹو می! یو آر مائن......!" اپنا یہ استحقاق اس پر اپنی مہر ہونے کا تھا یا واقعی وہ اپنی عزت کا پاس رکھنا جانتا تھا، میرب نہیں جانتی تھی مگر وہ اس لمحے کسی قدر شرمندہ ضرور تھی۔

لغاری ہاؤس کے وسیع پورچ میں گاڑی رکی تھی تو وہ فوری طور پر اُتر نہیں سکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند لمحوں تک اس کی سمت بنا دیکھے اس کے باہر نکلنے کا منتظر رہا تھا۔ غالباً اسے گھر چھوڑ کر واپس کہیں جانا تھا۔ مگر میرب سیال! اس قدر سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی کہ اپنی سوچ کے تانے بانے بُننے میں احساس ہی نہ ہوا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس سے کیا چاہ رہا ہے...... غالباً وہ معذرت کے لفظ ڈھونڈنا چاہ رہی تھی مگر فوری طور پر یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔

عجب گومگو کی سی کیفیت تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر چلتے ہوئے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا اور اسے کلائی سے پکڑ کر نیچے کھڑا کر دیا تھا۔

"کبھی بیچ سڑک پر کھڑے، کبھی گاڑی میں بیٹھے کھوئے کھوئے اور سوئے سوئے رہنے کی عادت ہوگی تمہاری۔ مگر میں اپنی اشیاء کے معاملے میں بالکل بھی کیئرلیس نہیں ہوں...... اس لیے بہتر ہوگا تم بیدار رہنا سیکھ لو۔ میری شے کو یا مجھ سے وابستہ کسی شے کو کوئی معمولی سی بھی زک پہنچے، یہ بات مجھے قطعی قابل قبول نہیں۔ اور تم میری بیوی ہو...... خود کو سنبھالنے کی ذمے داری اگر تم بہتر طور پر اُٹھانے کے قابل نہیں ہو تو مجھے سدِ باب کے طریقے اچھی طرح سے ازبر ہیں...... اپنی شے کو کس طرح سے سنبھال کر رکھا جاتا ہے یہ بات میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ بہتر ہوگا تم بھی یہ بات گرہ سے باندھ لو...... انڈرسٹینڈ؟" انتہائی سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے اسے سرخ رنگ آنکھوں گھورا تھا۔

میرب سیال نے سر اُٹھا کر اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا جو اس لمحے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ مضبوطی سے جمائے بہت مدلل انداز میں اپنا حق اس پر جتا رہا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیے تک اسے انہی خشمگیں نظروں سے دیکھتا رہا تھا پھر یکدم اسے جھٹکے سے چھوڑا تھا اور گاڑی میں دوبارہ بیٹھ کر گاڑی ریورس گیئر میں ڈال کر زن سے اُڑا لے گیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر ساکت سی اس برستے موسم میں کھڑی اس کے اس اقدام پر دیکھتی رہ گئی تھی۔

ردعمل شدید ہوگا، وہ جانتی تھی۔ مگر اس قدر...... وہ یہ نہیں جانتی تھی۔

☆......☆......☆

شب بھر کی بیداری کے بعد عفنان علی خان بہر حال ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا جس کا مدعا اس نے صبح ناشتے کی ٹیبل پر سب کے سامنے بیان کر دیا تھا۔

''ماما!...... پاپا!...... میں انابیہ سے فوری طور پر شادی کرنا چاہتا ہوں...... میں چاہتا ہوں آپ لوگ یہ پروپوزل لے کر ایک بار پھر ان کے گھر جائیں۔''

فاطمہ خان نے بیٹے کو بہ غور دیکھا تھا۔

''تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے؟...... کہیں اس میں کوئی جذباتی پہلو تو غالب نہیں؟'' پاپا نے ماما کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی فاطمہ خان بولی تھی۔

''عفنان! تم انابیہ کے لیے کس درجہ سنجیدہ تھے، یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر پہلے کی بات اور تھی اور تب بھی ان لوگوں نے ہمیں انکار کر دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس صورتحال کے ساتھ اس پروپوزل کے لیے یہ حالات سازگار ہیں؟...... اور اس بار ہمیں شرمندہ ہونا نہیں پڑے گا بیٹا! ہمیں ملال اس بات کا بھی نہیں کہ ہمیں دوبارہ انکار کر دیا جائے گا۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ کیا اب بھی تم انابیہ کو وہ پہلا سا مقام دے سکو گے؟...... کہیں تمہارا یہ فیصلہ تمہیں کل کسی پچھتاوے میں مبتلا نہ کرے۔'' فاطمہ علی خان نے تمام پہلو بیٹے کے سامنے رکھے تھے۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا...... آپ فکر مند نہ ہوں...... میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ جانتی ہیں ماما! میں جذباتی واقع ہوا ہوں۔ مگر اس قدر نہیں۔ میں وہ فیصلے کرتا ہوں جنہیں میں نبھانے کی اہلیت اور سکت رکھتا ہوں۔ اگر مجھے خدشہ ہوتا کہ میں کل پچھتاؤں گا تو شاید میں یہ فیصلہ کرتا ہی نہیں۔ میں انابیہ کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں۔'' عفنان علی خان کا لہجہ اٹل تھا۔

''اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی؟'' فاطمہ خان نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''ہاں۔'' عفنان علی خان کا جواب بہت ٹھوس تھا۔

''بیٹا! ہم چاہیں گے تم ایک بار پھر بھی سوچ سمجھ لو......اب وقت بدل چکا ہے اور انابیہ پہلے جیسے نہیں رہی ہے۔''

''ماما! انابیہ پہلے جیسی ہی ہے......آپ پلیز اس پروپوزل کو لے کر جانے کی تیاری کریں۔آپ لوگوں نے جب اس فیصلے کا حق میرے ہاتھ میں دیا ہے تو پھر اس درجہ متذبذب کیوں ہیں؟ اور جہاں تک رہی بات انابیہ کی تو وہ میرے لیے اب بھی پہلے جیسی ہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔آپ پلیز، آج ان کے ہاں جانے کی تیاری کیجیے......اس سے زیادہ میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا۔''عفنان علی خان چیئر ہٹا کر اُٹھا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔وہاں بیٹھے نفوس ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

لامعہ حق اپنا زیادہ تر وقت انابیہ کے ساتھ بسر کر رہی تھی۔مگر اس کی کیفیت اب بھی پہلے جیسی ہی تھی۔وہی چپ چپ......گم صم، گم صم سا انداز......نہ بلانے پر متوجہ، نہ کوئی بات، نہ کسی سوال کا کوئی جواب۔پتہ نہیں وہ بولنا چاہتی نہیں تھی یا واقعی اس کے پاس بولنے کو کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

''انابیہ!......کچھ تو بول......تم کب تک یوں چپ سادھے بیٹھی رہو گی؟......کیا اپنی لامعہ سے بھی بات نہیں کرو گی؟......دیکھو، میں کب سے تمہاری آواز سننے کی منتظر ہوں۔تم پلیز! بات کرو مجھ سے......آخر تم خود کو اور ہم سب کو کس بات کی سزا دے رہی ہو؟......ہم سب جانتے ہیں تمہارے ساتھ جو ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا۔مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم جینا چھوڑ دیتی۔انابیہ! تمہیں خدا نے ایک نئی زندگی دی ہے......اس کا مقصد سمجھو......جو ہوا اسے بھول جاؤ، خدا کا شکر ہے تم محفوظ رہیں۔ایسا کچھ غلط تمہارے ساتھ نہیں ہوا۔پھر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟......تم اپنے ساتھ ساتھ اپنے پیاروں کو بھی سزا دے رہی ہو اور یہ صحیح نہیں ہے۔میں تمہیں قطعاً بھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گی۔''لامعہ حق متواتر بول رہی تھی۔مگر انابیہ شاہ ایزی چیئر پر بیٹھی سر اُٹھائے چھت کی طرف چپ چپ دیکھ رہی تھی۔مگر آنکھوں کے کنارے بڑی خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

لامعہ حق تھک کر اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ماہ وش نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا......لامعہ حق نفی میں سر ہلاتی ہوئی ان کے پاس جا رکی تھی۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے آنٹی!......انابیہ شاہ کا فوری طور پر اس فیز سے باہر آنا قطعاً ناممکن ہے۔اسے وقت درکار ہے اور ہمیں اس کے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کرنی چاہیے......اس کی جو کیفیت ہے اس سے صرف وہ خود باہر آسکتی ہے۔صرف اپنی کوشش سے۔ہماری جتنی بھی کوششیں ہوں گی، وہ بے کار رہیں گی۔میں سوچ رہی ہوں کیوں نا ہم انابیہ کو کچھ دنوں کے لیے کسی پُر فضا مقام پر لے جائیں۔شاید اس سے کچھ افاقہ ہو جائے۔بعض اوقات اِردگرد کے منظر بدلنے سے اندر کا موسم بھی بدل جاتا ہے۔''لامعہ حق نے مشورہ دیا تھا مگر ماہ وش نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میرا نہیں خیال یہ کوئی بہترین حل ہے......اس سے کچھ نہیں ہوگا۔انابیہ کو کسی بیرونی تبدیلی سے زیادہ اندرونی تبدیلی کی

ضرورت ہے۔اور اس کے لیے اس کا اپنوں کے درمیان رہنا بہت ضروری ہے۔''

''ہاں ...... یہ بھی ہے۔'' لامعہ حق نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔ پھر آنٹی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔'' آنٹی! کیوں نہ ہم انابیہ کی شادی کروا دیں؟''

''شادی......؟'' ماہ وش بخاری چونکی تھی۔

''ہوسکتا ہے اس سے کوئی اثر اس کی زندگی پر پڑ جائے۔انابیہ اس وقت اپنے اندر کا وہ بھر پور اعتماد کھو چکی ہے۔وہ سمجھ رہی ہے کہ اس کی زندگی کے سارے رنگ رخصت ہو گئے ہیں اور اب اس کی زندگی میں کچھ باقی نہیں رہا......ایک چھوٹے سے کڈ نیپ کے بعد وہ خود کو دنیا کی نظر سے کہیں نیچے محسوس کر رہی ہے۔وہ صورتحال کو فیس نہیں کر پا رہی ہے۔اور ہمیں اس کا کھویا ہوا اعتماد لوٹانے میں مدد کرنا ہوگی۔''

''مگر شادی اس کا حل کس طرح ہے؟ اور پھر اس صورتحال میں کون انابیہ کے لیے تیار ہوگا؟'' ماہ وش کا انداز متفکرانہ تھا۔

''میں ......میں تیار ہوں۔'' ایک بھر پور شناسا سا آواز اُبھری تھی۔لامعہ حق اور ماہ وش نے بیک وقت چونک کر دیکھا تھا۔دہلیز کے بیچوں بیچ عفنان علی خان کھڑا تھا۔

''تم......؟'' لامعہ حق کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی اور ماہ وش بخاری بھی کچھ کم حیران نہیں تھیں۔مگر عفنان علی خان بھر پور اعتماد سے چلتا ہوا ان کے قریب آن رکا تھا۔

''میں انابیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اظہارِ مدعا براہِ راست ہوا تھا۔

ماہ وش نے بے یقینی سے عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔

''عفنان بیٹا! تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''جی......بہت اچھی طرح سے۔میں نے ماما، پاپا کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا ہے اور وہ بطورِ خاص آج پروپوزل لے کر آپ کے پاس آئیں گے......اور مجھے امید ہے آپ آج مجھے دوبارہ رد نہیں کریں گے۔''

''عفنان بیٹا!......تم......تم شاید نہیں جانتے ہو تم کیا کرنے جا رہے ہو......شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔اور انابیہ......''

انہوں نے روانی سے کہتے ہوئے یکدم رک کر اسے دیکھا تھا۔پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور بہت اطمینان سے اسے دیکھا تھا۔

''بیٹا! عمر بھر کے فیصلے یوں اتنی جلد بازی میں نہیں ہوتے۔اور میں نہیں چاہتی کل تک میری بیٹی جس شخص کے سامنے سر اُٹھائے کھڑی بات کرتی تھی آج اس کے سامنے رکے تو اس کی نظریں زمین کی سمت جھکی ہوں......تم پلیز اپنے پیرنٹس کو منع کر دو......میں فی الحال انابیہ کی شادی کہیں بھی کرنا نہیں چاہتی، جب تک کہ وہ اس فیز سے باہر نہ آ جائے اور اپنا کھویا ہوا اعتماد خود دوبارہ بحال نہ کر لے......تم وہ شخص ہو جو اس کے تب بھی طلب گار تھے۔میں جانتی ہوں تم اس سے محبت میں مبتلا تھے۔مگر اب اس زندگی میں، اس رفاقت میں وہ محبت کتنی باقی رہے گی؟......یا پھر رہے گی بھی یا کہ نہیں......اس کے بارے میں مجھے کوئی خاص یقین نہیں ہے۔اور میرا خیال ہے اس کے متعلق تم بھی کوئی

یقین دہانی قبل از وقت کروا نہیں پاؤ گے۔'' ماہ وش بخاری کا لہجہ مضبوط تھا اور عفنان علی خان کی نظروں میں یکدم ہی بے چینی در آئی تھی۔

''آپ یہ سمجھ رہی ہیں...... میں ان حالات میں انابیہ پر ترس کھا رہا ہوں؟...... مجھے اس قدام پر کوئی ہمدردی قائل کر رہی ہے؟''

''کیا ایسا نہیں ہے؟'' ماہ وش نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ پھر بہت اطمینان کے ساتھ گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''دیکھو بیٹا!...... ہمدردی تمام عمر نہیں نباہی جا سکتی...... تم شاید سمجھ نہیں رہے ہو۔ مگر میں اس وقت اپنی بیٹی سے زیادہ تمہاری مخلص ہوں۔ میں نہیں چاہتی تم کل کو کسی پچھتاوے میں مبتلا ہو۔ کیونکہ محبت اور چیز ہے اور ہمدردی ایک الگ شے......''

''میں انابیہ سے ہمدردی نہیں کر رہا۔ اور کس نے کہا کہ اسے کسی ہمدردی کی ضرورت بھی ہے؟...... وہ اب بھی میرے لیے اسی قدر اہمیت رکھتی ہے اور میں اب بھی اسے اسی طرح دیکھتا ہوں۔ نہ اسے مجھے دیکھنے کے لیے سر اُٹھانے کی ضرورت ہے نہ ہی مجھے اسے دیکھنے کے لیے سر جھکانے کی ضرورت۔ فضول کی تاویلوں میں آپ نہ ہی اُلجھیں تو بہتر ہوگا۔ میں انابیہ کو چاہتا ہوں اور اسے اپنی زندگی میں شامل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر آپ کو کوئی شکایت ہوتی ہے تو آپ مجھے اس کے لیے بلیم کر سکتی ہیں۔ مگر قبل از وقت اس بات کو لے کر پریشان ہونا کوئی بہترین حل نہیں...... شام میں ماما، پاپا آ رہے ہیں اور میں چاہوں گا، اب کے آپ سب کا جواب پوزیٹو رہے۔ انابیہ اور اس کی خوشیوں کی ضمانت میں آپ کو دیتا ہوں۔'' عفنان علی خان مضبوط لہجے میں اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے بولا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

لامعہ حق اور ماہ وش اُسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ مگر جہاں لامعہ کی نگاہ ساکت تھی اور حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی وہیں ماہ وش بخاری کی نظر گہری سوچوں میں دکھائی دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

''انابیہ کے لیے عفنان کا پروپوزل؟...... اگین؟...... آئی تھنک یہ ایک اچھا چیلنج ہے۔ ہمیں واقعی انابیہ کی شادی کے متعلق سوچنا چاہیے۔'' اوزی نے پُرخیال انداز میں کہا تھا۔

دادا ابا نے بھی پُرخیال انداز میں سر ہلایا تھا اور ماہ وش بخاری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''عفنان علی خان اچھا لڑکا ہے بیٹا!...... مجھے خوشی ہے وہ اس صورت حال کو سمجھ بھی رہا ہے اور انابیہ کو ان حالات میں قبول کرنے کو بھی تیار ہے۔ ہمیں اس بار اسے رد نہیں کرنا چاہیے...... پہلے کی بات اور تھی۔ لامعہ اور عفنان کا رشتہ ٹوٹنا ایک اہم ترین پہلو تھا۔ مگر اب ہماری بچی کی کیفیت کو لے کر ہمارے پاس کوئی راہ نہیں ہے۔ اس بار عفنان علی خان کو ٹھکرانے کی غلطی یقیناً حماقت ہوگی۔''

''مگر ابا جی! انابیہ...... انابیہ نہیں مانے گی...... میں جانتی ہوں اسے...... وہ کبھی بھی اس فیصلے کے لیے ہاں نہیں کرے گی۔ عفنان علی خان کو قبول کرنا اس کے لیے آسان نہیں ہوگا۔'' ماہ وش بخاری نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”کیا آسان ہوگا اور کیا نہیں......اس وقت یہ پہلوا ہم نہیں۔ اہم انابیہ کی کیفیت اور یہ سارے حالات ہیں۔ اور اب عفنان علی خان کو رد کر دیا جاتا ہے تو کیا گارنٹی ہے، انابیہ کو کوئی اچھا جیون ساتھی مستقبل میں مل سکے گا؟......ہم اس کے خیر خواہ ہیں، اس کی بہتری کا فیصلہ ہم سب کو مل جل کر اور تمام حقائق کو سامنے رکھ کر کرنا ہوگا۔ یہاں لڑکیوں کے رشتوں کے لیے ہزار ہا مسائل پہلے سے ہی موجود ہیں۔ اور انابیہ تو پھر......“ اوزی کہتے کہتے رک گیا تھا۔

”دادا جی! ہم سب کو انابیہ عزیز ہے اور ہمیں اس کی خوشیوں کو پھر سے اس کی زندگی میں لانا ہوگا اور عفنان سے بہتر جیون ساتھی اس کے لیے کوئی اور نہیں ہوگا......میں عفنان کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ وہ اپنے ارادوں میں اٹل ہے۔ جو کمٹمنٹ کرتا ہے اسے آخر تک نبھاتا ہے......انابیہ کا ہاتھ اگر وہ تھامتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی انابیہ کا ہاتھ بیچ راہ میں نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں انابیہ کو ہر صوت میں اس پروپوزل کے لیے قائل کرنا ہوگا۔“

ماہ وش سر جھکا گئی تھیں۔

”سمجھتی تو میں بھی ہوں مگر......“ آنکھوں میں یکدم پانی آن رکا تھا۔

”شام میں عفنان کے پیرنٹس آرہے ہیں اور میں اس بار خود بھی ان لوگوں کو انکار نہیں کرنا چاہتی۔ مگر انابیہ......“

”ماما!......آپ کو انابیہ سے بات کرنا ہوگی۔ آپ ہی ہیں جو انابیہ کو قائل کر سکتی ہیں۔“ اوزان سید نے زور دیا تھا۔ ماہ وش نے سر ہلایا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری چلتا ہوا ساہیہ خان کے مقابل جا رکا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی جانب نگاہ کیے بغیر قریب سے نکل کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا، جب اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان رک گئی تھی مگر اس کی سمت نگاہ اب بھی نہ کی تھی۔ نظر جھکی سی تھی۔ عجب خائف سا انداز تھا۔

اذہان حسن بخاری اسے بغور تکنے لگا تھا۔

”اس درجہ خائف ہو کہ میری جانب دیکھو گی بھی نہیں؟“ مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی جانب دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”نہیں اذہان! میں تم سے خائف نہیں ہوں......تم غلط سمجھ رہے ہو۔“

”تو پھر اس قدر گریزاں کیوں ہو؟......مجھے تمہارے تیور اجنبی کیوں لگ رہے ہیں؟ یہ فضا اتنی بوجھل سی کیوں ہے؟“ اذہان حسن بخاری نے دوستی کی اس فضا کو بھرپور طور پر مس کیا تھا۔ ساہیہ اس کی طرف متواتر نہیں دیکھ سکی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں......ہم اب بھی اچھے دوست ہیں۔“

''اچھے دوست ہیں تو تم اس طرح مجھ سے نظریں چرائے کیوں کھڑی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے اس کے کہے پر اسے بروقت پکڑا تھا۔ساہیہ خان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموشیاں ان کے درمیان ڈیرہ ڈالے رہی تھیں اور بالآخر اذہان حسن بخاری نے اس خاموشی کے سکوت کو توڑا تھا۔

''ساہیہ! تم نے جو بھی دیکھا وہ...... وہ صرف میرا پاسٹ ہے۔صرف ماضی۔ اور ماضی کبھی حال اور مستقبل کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ایک ذی شعور شخص یہ بات بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔کیا مجھے ضرورت ہے کچھ باور کرانے کی؟'' اس کے چہرے کا رُخ اپنی جانب پھیر کر بہ غور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔مگر ساہیہ کے لبوں پر صرف خاموشی تھی۔

''ساہیہ! تم تو مجھے سمجھنے کی دعویدار تھیں نا!...... مجھے میری خاموشیوں میں سمجھا تھا نا تم نے۔تو پھر اب لفظ کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟ ...... مجھے تمہاری اور صرف تمہاری ضرورت ہے۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے یقین دلانے کی کوشش موثر ترین تھی۔ساہیہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

''ساہیہ! ایسا نہیں ہے کہ پاسٹ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے۔ یقیناً ہوتی ہے...... مگر اتنی نہیں کہ وہ پریذنٹ یا فیوچر کو افیکٹ کر سکے...... زخم پرانے ہو جائیں تو صرف داغ باقی رہ جاتے ہیں۔ان میں درد باقی نہیں رہتا۔مگر دیکھنے والے کو وہ داغ بغور دکھائی دیتا ہے۔نظر پڑے تو پوچھتا ضرور ہے، کیا ہوا تھا؟...... یہ داغ کیسے پڑا؟...... کوئی چوٹ لگی تھی؟...... حالانکہ یہ بات بڑی انڈراسٹوڈ ہے کہ اگر داغ دکھائی دے رہا ہے تو یقیناً اس جگہ کبھی چوٹ بھی ضرور لگی ہوگی۔مگر کریدنے کا یہ انداز صرف اس تجسس کو ظاہر کرتا ہے۔لوگوں کو ایسا تجسس ہوتا ہے دوسروں کے متعلق۔مگر کوئی یہ نہیں سوچتا کہ یہ صرف داغ ہے اور داغ میں کہیں درد اب باقی نہیں رہا ہے۔ یہ صرف میرا پرابلم نہیں ہے ساہیہ! ایسے بہت سے داغ ہر شخص کی زندگی میں ہوتے ہیں۔ میں تمہیں خود اس کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا تم سے۔مگر ایک خاص وقت پر۔لیکن اس سے قبل تم نے خود کسی قدر جان لیا۔اگر تم مجھے موقع دیتیں تو میں ایک ایک پہلو، گزشتہ زندگی میں گزرا ایک ایک گوشہ تمہیں ضرور دکھاتا...... خود آپ مطلع کرتا اور اب بھی کروں گا۔تم جو سوال پوچھنا چاہتی ہو پوچھ سکتی ہو...... میں اس کے لیے تیار ہوں۔میں اپنی زندگی کا ایک ایک گوشہ تم پر منکشف کر دینا چاہتا ہوں۔تا کہ کل تمہیں کسی بات کی باز پرس کسی اور سے نہ کرنا پڑے۔تم کچھ اور دیکھو، کچھ اور جانو تو کسی خدشے میں مبتلا نہ ہو جاؤ...... اس لیے میں اپنی زندگی کی گزری ہوئی کوئی بات تم سے مخفی نہیں رکھوں گا۔گزرے ایک ایک پل کا گوشوارہ دینے کو تیار ہوں میں۔تمام حقیقتوں کا اندراج اس میں شمار ہوگا۔مگر اس کے لیے تمہیں یقین کرنا ہوگا...... ایک بھرپور اعتبار۔مجھ پر...... میری باتوں پر اور ساری حقیقتوں پر۔''عرض مدعا کیا تھا۔ساہیہ نے سر اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کیوں؟...... ایسا کیوں چاہتے ہو تم کہ میں وہ سب گوشوارے دیکھ لوں اور جان لوں؟...... جو گزرا، وہ سب تمہارا ہے۔اس کی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت مجھے کیوں ہو؟'' ساہیہ کا لہجہ بے تاثر تھا۔اذہان حسن بخاری نے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے تھے اور بھرپور توجہ سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''کیونکہ ساہیہ! تم ......تم میری بہترین دوست ہو اور تمہیں مجھ سے وابستہ ہر بات کی خبر ہو، یہ بہت ضروری ہے۔'' انداز ٹھوس اور لہجہ بھرپور اعتبار دیتا ہوا تھا۔

''نہیں ......اس کی ضرورت نہیں ہے اذہان! میں تمہیں جتنا جانتی ہوں وہی میرے لیے کافی ہے۔ ہر انسان کی زندگی کے کچھ مخفی گوشے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم اسے میرے سامنے عیاں کرو۔ تم میرے دوست ہو اور یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں صرف وہ جانیں جس کی ضرورت ہے......اس سے زیادہ کچھ نہیں ......جس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اس کے بارے میں بات کرنے سے بھی کیا حاصل۔'' ساہیہ خان نے قصہ ختم کیا تھا۔

''نہیں ......اس کی ضرورت ہے ساہیہ!'' اذہان حسن بخاری نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ ''ایسا نہیں ہے کہ یہ سب بہت فضول ہے۔''

''فضول نہیں اذہان! مگر اس کی اہمیت اتنی نہیں ہے......تم کیوں چاہتے ہو کہ میں وہ سب کچھ جان لوں جو تم کبھی بسر کر چکے ہو؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کیا تم اپنی آئندہ زندگی میرے ساتھ بسر کرنا نہیں چاہو گی؟'' سوال اگرچہ اتنا دقیق نہیں تھا مگر ساہیہ خان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت متواتر دیکھ بھی نہیں سکی تھی۔ پہلے رخ موڑا تھا اور پھر پلٹ کر دو چار قدم دور جا رکی تھی۔

''اذہان!......بہتر ہوگا کہ ابھی ہم اس موضوع کو لے کر کوئی بات نہ کریں۔ فی الحال میں بھی اپنے بزنس پر کنسنٹریٹ کرنا چاہتی ہوں اور تم بھی۔ تمہیں بھی کچھ وقت درکار ہوگا یقیناً تمام صورتحال پر قابو پانے کے لیے۔ ہمیں اس فیصلے کو کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھنا چاہئے۔ اور شاید فیصلہ وقت کے ہاتھ ہی چھوڑ دینا مناسب ہے......بعض اوقات جن فیصلوں میں ہمیں بہت مشکل درپیش ہوتی ہے، وقت انہیں کسی قدر آسان کر دیتا ہے۔'' ساہیہ خان شاید وقت چاہتی تھی۔ اذہان حسن بخاری لب بھینچے اس کی پشت کو دیکھتا رہا تھا۔

''ساہیہ! کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟'' مدھم لہجے میں کسی قدر اضطرابیت تھی۔

ساہیہ خان فی الفور کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کے سامنے جا رکا تھا۔ کچھ کہے بنا بغور اس کے چہرے کو تکنے لگا تھا پھر اسے شانوں سے تھام کر اس کے چہرے کا رُخ اپنی طرف پھیرا تھا اور مدھم سرگوشی میں دریافت کیا تھا

''کیا اعتبار نہیں مجھ پر؟......بولو، کیا یقین نہیں رکھتی ہو مجھ پر؟''

ساہیہ کی آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن رکے تھے۔

''کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں کوئی دھوکا دوں گا؟......کوئی فریب؟'' ایک مزید سرگوشی بوجھل فضا میں تھی۔ ساہیہ خان کی ٹھہری نظروں سے بہت آہستگی سے قطرے ٹوٹ کر چہرے کو بھگو گئے تھے۔

''ساہیہ! کیا تمہیں لگتا ہے کہ اذہان حسن بخاری تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں نہیں دے سکے گا؟'' ایک سرگوشی پھر بازگشت ہوئی تھی۔ مگر اس کا جواب صرف ساہیہ خان کے گرم گرم بہتے ہوئے آنسو تھے۔ جنہیں وہ ضبط کیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا ساہیہ! بولو کیا؟...... کیا ہے تمہارے دل میں؟...... بتاؤ مجھے...... میں جاننا چاہتا ہوں تم کیا سوچتی ہو...... کیا چاہتی ہو؟...... میرے لیے تمہاری منشا، تمہاری مرضی جاننا بے حد ضروری ہے۔ تم کہو، میں سننا چاہتا ہوں...... سننا چاہتا ہوں وہ آواز...... وہ آواز جو تمہارے دل میں چھپی ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔ کوئی فیصلہ مسلط نہیں ہوگا تم پر۔ تم بتاؤ، کیا ہے تمہارے دل میں؟...... کیا اتنی ذرا سی بھی جگہ نہیں تمہارے دل میں میرے لیے؟...... اتنی سی بھی گنجائش نہیں ہے؟...... اگر نہیں ہے تو کیا تم اتنی سی جگہ اپنے دل میں میرے لیے بنا بھی نہیں سکتی ہو؟''

اذہان حسن بخاری کے مدھم لہجے میں عجب درخواست تھی یا اپنے اندر کا بوجھ پن ہی اتنا تھا کہ ساہیہ خان کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ تمام تر ضبط ہار کر اس نے اذہان حسن بخاری کے شانے پر سر دھرا تھا اور دھواں دھار رونے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اپنے شانے پر دھرے اس کے سر کو دیکھا تھا اور پھر اپنا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ سر جھکائے خاموش سی بیٹھی تھی۔ جب ماما اس کے سامنے بیٹھی مدعا بیان کر رہی تھی۔

''انابیہ!...... ہمارے پاس انکار کے لیے اب کوئی راہ نہیں ہے۔ کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہے۔ کبھی تمہارے فیصلے پر میں نے ہی تمہیں سراہا تھا اور کہا تھا کہ عفنان علی خان یقیناً تمہارے لیے دنیا میں آخری شخص نہیں ہے۔ تم کسی بھی شخص کی خواہش ہو سکتی ہو۔ مگر مجھے آج لگ رہا ہے بیٹا! عفنان علی خان ہی وہ شخص ہے جو آج مجھے دنیا میں تمہارے لیے آخری مگر بہترین انتخاب لگ رہا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے یا وہ تمہارے ساتھ بیتے ہوئے سانحے پر تم سے ہمدردی کر رہا ہے۔ بلکہ وہ آج بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ ویسی ہی محبت جیسی وہ تم سے پہلے کرتا تھا...... تم جانتی ہو، تم اپنی ختم ہوتی سانسوں سے لڑ کر اس دنیا میں واپس آئی ہو؟...... شاید اس لیے کہ عفنان علی خان نے تمہارے ساتھ کی تمنا بہت شدت سے کی تھی۔ آج اگر تم زندہ ہو، ہم سب کے سامنے ہو تو صرف اس کی کوشش کے ہی باعث۔ تمہیں بازیاب کرانے سے بروقت ہاسپٹل پہنچانے تک ہر فعل اسی نے سرانجام دیا۔ تمہاری زندگی بچانے میں خدا کے بعد اس کا ہاتھ ہے۔ ہوتا تو سب خدا کی مرضی سے ہی ہے۔ مگر کچھ وسیلے زمین پر بھی بنتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے عفنان علی خان تمہاری زندگی بچانے کا سبب بنا ہے۔ کوئی اگر اتنی خواہش سے تمہارا ساتھ چاہ رہا ہے تو وہ یقیناً تمہاری قدر بھی کرے گا...... سب سے بڑی بات، اس کے لیے تمہارے ساتھ ہونے والے سانحے کی کوئی وقعت نہیں۔ شاید محبت کرنے والوں کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس میں گنجائش دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنی پوری مرضی کے ساتھ، اپنے پورے دل کے ساتھ اب بھی تمہارا طلب گار ہے۔''

انابیہ شاہ کی ٹھہری ہوئی آنکھوں سے بہت آہستگی سے چند قطرے نمکین پانی کے ٹوٹ کر گرے تھے۔ ماہ وش نے بیٹی کو تھام کر

ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''بیٹا!......کبھی کبھی زندگی میں ایسے موڑ پڑتے ہیں جب ایک راہ کے آگے کوئی دوسری راہ دکھائی نہیں دیتی۔بس وہی موڑ آخری لگتا ہے اوراس کے آگے سارے راستے بند دکھائی دیتے ہیں۔مگر درحقیقت ایسا ہوتا نہیں ہے۔بات فقط چند قدم آگے بڑھا دینے کی ہوتی ہے اور پھر اس آخری موڑ سے آگے کے راستے بھی واضح دکھائی دینے لگتے ہیں۔یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو صرف برت کر رہی سیکھی جا سکتی ہے اور......''ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

کتنی تیزی سے آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔انابیہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔اس کا پورا وجود لرز رہا تھا اور ماہ وش بیٹی کو ہولے ہولے تسلی دے رہی تھیں۔

شاید انابیہ شاہ اس زندگی کے موڑ سے آگے کی حقیقت جان گئی تھی یا پھر تمام بند راستوں کی کہانی اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان کا پروپوزل قبول کرلیا گیا تھا۔وہ خواہش جو کبھی ناممکن دکھائی دیتی تھی۔آج پوری ہونے کو تھی......وہ اُس کی ہونے کو تھی۔

وہ چہرہ......

وہ آنکھیں......

وہ لب ورخسار......

جنہیں دیکھنے کی اس نے کبھی صرف حسرت کی تھی......خواہش کی تھی......آج عمر بھر کے لیے اُس کے سنگ ہونے کو تھے......وہ اُس کی ہم قدم ہونے کو تھی۔مگر اس کی آنکھوں میں کوئی خوشی کی رمق دکھائی نہیں پڑ رہی تھی......عجب سکوت سا تھا ان آنکھوں میں۔

چہرہ بہت بے تاثر سا تھا۔اس واقعے کے بعد وہ بطور خاص کبھی بھی انابیہ سے نہیں ملا تھا۔دو ایک بار آیا بھی تھا تو صرف دور سے دیکھا تھا،بات نہیں ہوئی تھی۔اور بات ہوتی بھی کیسے؟......وہ اس سانحے کے بعد جیسے بولنا ہی بھول چکی تھی۔اسے کسی نے بھی بولتے نہیں سنا تھا......جیسے وہ لفظوں کے معنی بھول گئی تھی۔

عفنان علی خان،دادا ابا اور ماہ وش سے تھینکس کہنے آیا تھا۔مل کر پلٹ رہا تھا جب اوزان سید نے پیچھے سے صدا بلند کر کے پکار لیا تھا۔

''عفنان......!''

عفنان علی خان نے مُڑ کر دیکھا تھا۔اوزی اس کی سمت چلتا ہوا آ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟......اتنی جلدی واپس جا رہے ہو؟......اب تو اس گھر سے تمہارا تعلق اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔اب بھی اتنی جلدی بھاگ رہے ہو؟''شاید اس بوجھل فضا کو اوزی کسی قدر ہلکا کر دینے کا خواہاں تھا تبھی دھیمے پن سے مسکرایا تھا۔

عفنان علی خان اس پُر لطف جملے پر فوری طور پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کر سکا تھا۔ اوزی نے اسے بہ غور دیکھا تھا اور پھر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''تھینکس......!'' لہجہ مشکور تھا۔

''فور وہاٹ......؟'' عفنان علی خان چونکا تھا۔

''انابیہ کے لیے اتنا کچھ کرنے کے لیے اور اس کے لیے اتنا بڑا اسٹینڈ لینے کے لیے۔ تم نے ہمارے لیے، انابیہ کے لیے، بہت کچھ کیا۔ اور اس تاریکی میں ڈوبے فیز میں جب انابیہ بے حد برے دور سے گزر رہی تھی، تم نے اس کا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ لے کر ہم سب......''

''کوئی احسان نہیں کیا۔'' عفنان علی خان نے یکدم ہی اوزی کی بات کاٹ دی تھی۔ اوزی خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی بے جان سی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

''یہ کوئی احسان نہیں ہے اوزی!...... اور یہاں کوئی بھی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ انابیہ اِز اے پرفیکٹ گرل۔ وہ کل بھی مکمل تھی اور آج بھی مکمل ہے۔ میں نے صرف یہ ثابت کرنا چاہا۔ اس کا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ کر کے، اسے زندگی میں شامل کرنے کی ٹھان کر میں نے کسی پر کوئی نہ تو احسان کیا ہے نہ ہی کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، تم سب ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟'' عفنان علی خان کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''تم اسی لیے انابیہ سے بھی نہیں ملے؟'' اوزی نے ایک اہم پہلو کی طرف نشاندہی کرائی تھی اور عفنان علی خان چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''یہ سچ ہے، آج میں اس سے دانستہ ملنا نہیں چاہتا...... اس لیے نہیں کہ میں اس کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتا یا وہ اس قابل نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم سب جیسا سوچ رہے ہو وہ بھی ویسا ہی سوچ رہی ہے اور میں تم سب کو جب سمجھا نہیں پا رہا ہوں تو اس کی سوچ کو کیسے بدلوں گا؟...... جبکہ میں اسے تب بھی قائل نہیں کر پایا تھا جب وہ مجھ سے اس درجہ بدظن نہیں تھی۔ اب تو معاملہ ہی اور ہے۔ خیر، ملنا تو اب سب سے ہی ہے اور یہ ملن عمر بھر کے لیے ہے۔ میں کہیں بھاگ نہیں رہا ہوں۔ اسے سامنے بٹھا کر تمام احوال کہوں گا اور ساری غلط فہمیاں مٹا دوں گا۔ تب شاید یہ میرے لیے اتنا مشکل نہیں ہو گا جتنا کہ آج مجھے دکھائی دے رہا ہے۔ شاید تم سمجھ رہے ہو گے میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں یا کیا کہنا چاہتا ہوں۔'' عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا اور پھر یکدم ہی پلٹ کر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

اوزی تادیر کھڑا اُسے دیکھتا رہا تھا۔ جانے کیوں اُسے عفنان علی خان کے انداز میں وہ پہلے سی بات دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر اوزان سید کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔

عجب تھکن بھرا سا لہجہ تھا اس کا اور عجب سرد سا انداز۔

جیسے وہ کسی کڑے دور سے چپ چاپ گزر رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی خبر کسی اور کو بھی ہو۔

پتہ نہیں یہ سچ بھی تھا کہ صرف اوزی کو ایسا لگا تھا۔اوزی پلٹا تھا اور پھر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ جتنی کمزور اور شکستہ آج تھی، شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔

آج شاید وہ تعلق عفنان کو ایک مجبوری لگ رہا تھا یا پھر اوزی ہی کی کچھ غلط سمجھ رہا تھا اور ویسا کچھ تھا ہی نہیں۔

☆......☆......☆

میرب سیال کے قیاس کس قدر سچ تھے۔ وہ اب جان چکی تھی۔ مائی اماں کے گھر میں ہونے سے جو ایک دکھاوے کی کیئر تھی وہ بھی اب باقی نہیں رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان سرے سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جب دل چاہتا تھا، وہ آتا تھا...... جب دل چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ اکثر وقت گھر سے باہر گزرتا تھا موصوف کا۔ اور اگرچہ اس سے کچھ سروکار نہیں تھا مگر اتنے بڑے خالی گھر میں اس کا وقت گزارنا انتہائی دشوار ہو چلا تھا۔ مگر اس کی شکایت وہ اس شخص سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا انداز بھی تو ایسا تھا جیسے کوئی واسطہ سرے سے ہی نہیں۔

کہاں تو حق جتایا جا رہا تھا...... اپنے رشتے کی دلیلیں دے رہا تھا...... اہمیت سمجھا رہا تھا اور کہاں اب خود یاد نہیں تھا کہ وہ اس سے وابستہ بھی تھی...... جی رہی تھی تو کس حال میں؟...... کچھ کھا بھی رہی تھی یا نہیں؟...... ہمیشہ سے بھرے پرے گھر میں فیملی کے ساتھ رہنے کی عادی رہی تھی مگر اب یہاں، کتنے دن ہوئے تھے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بس اسی روز آخری بار اس قدر بولی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کھری کھری سنائی تھیں اور اس کے بعد ایسی خاموشی ہوئی تھی کہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔

اس نے گھڑی کی سمت دیکھا تھا۔

کتنا وقت ہو چلا تھا اور محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کچھ اتہ پتہ نہ تھا...... پتہ نہیں کب آنا تھا اسے؟ اور اس نے اب تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس کا انتظار کر رہی تھی یا دل میں اس کے ساتھ کھانے کی کوئی خواہش تھی۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ وہ تنہا کھانے کی عادی نہیں تھی۔ صبح بریک فاسٹ بھی نہیں لیا تھا...... دوپہر کا کھانا وہ پھر گول کر گئی تھی۔ شام میں کافی کے کپ کے ساتھ صرف اسنیکس لیے تھے۔

اور اب رات کے اس پہر اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ ملازم کھانا بنانے کی ہدایات چاہ رہے تھے لیکن اس وقت وہ اتنے برے موڈ میں تھی کہ ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ پتہ نہیں انہوں نے کچھ بنایا بھی تھا کہ نہیں۔ وہ بیڈ سے اُٹھی تھی جب گیٹ کھلنے اور گاڑی پورچ میں آ کر رکنے کی آواز آئی تھی۔ شاید سردار صاحب تشریف لے آئے تھے۔ وہ اُٹھتے اُٹھتے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کے سامنے کچن کی طرف جانا کچھ مناسب نہیں لگا تھا۔ چند لمحوں تک اس کے اپنے کمرے میں جانے کی منتظر بیٹھی رہی تھی۔ پھر اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ مگر جب سیڑھیوں پر تھی تبھی عین اسی لمحے اچانک لائٹ چلی گئی تھی...... میرب سیال کی فطری بزدلی ایک لمحے میں عود کر آئی تھی۔ وہ اس کے خیال سے چیخی نہیں تھی۔ خود پر کسی طرح سے قابو پا کر بس بچگانہ اقدام سرزد ہونے سے خود کو روک لیا تھا۔ مگر آنکھیں بند کر کے وہ اسے پکارنا

نہیں بھولی تھی۔

"گین!......گین پلیز! اپنے کمرے میں سے باہر آؤ...... میں یہاں زینے پر پھنس گئی ہوں۔ پلیز، مجھے خوف آ رہا ہے...... یہاں اندھیرا بہت ہے۔ آپ یہاں باہر آ کھڑے ہوں گے؟" آنکھیں بند کر کے ایک ایسی درخواست کی تھی جو وہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی کبھی دل پر پتھر رکھ کر بہت سے اقدام سرانجام دینے پڑتے ہیں اور بحالت مجبوری اسے پکارنا بھی اس کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا۔ قدموں کی چاپ سماعتوں میں اب تک نہیں اُبھری تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے منتظر کھڑی تھی...... دوبارہ پکارنے کی ہمت ناپید تھی۔ مگر خوف سے دھڑکنوں میں ایک زیر و بم سا تھا اور بحالت مجبوری وہ دوبارہ بول رہی تھی۔

"گین!......آپ......آپ یہاں آ کر کھڑے ہوں گے...... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔ آپ......آپ سن رہے ہیں نا؟......کیا آپ میرا سیل مجھے پکڑا سکتے ہیں؟ میں یہاں زینے پر تنہا کھڑی ہوں۔ اندھیرے میں آگے بڑھ جانا ممکن نہیں لگ......"

باقی کی درخواست زبان تلے دبا لینی پڑی تھی۔ عین اس کے سامنے سے بلکہ بے حد قریب سے لائٹر جلنے کی آواز آئی تھی اور روشنی کی ایک لکیر نے سارا منظر واضح کر دیا تھا...... جسے آنکھیں بند کیے وہ دیوانہ وار کہیں اندر سے پکار رہی تھی وہ اس لمحے اس کے سامنے تھا...... غالباً وہ اسی لمحے زینہ چڑھنے کی سعی میں تھا جب لائٹ چلی گئی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ رک گیا تھا۔ مگر میرب سیال کی سرح اس نے کوئی شور نہیں مچایا تھا۔

میرب سیال کی نظر ساکت رہ گئی تھی۔

تو وہ اس کے اتنے پاس تھا۔

اس قدر قریب اور وہ اسے دیوانہ وار کہیں اندر سے پکار رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری لائٹر جلائے اس کے عین سامنے کھڑا اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال جو کچھ لمحوں قبل اسے پکار رہی تھی اس لمحے اس کے اس درجہ قریب ہونے پر اس کی جانب دیکھنے کی سعی نہیں کر سکی تھی۔ مگر ایک اطمینان سا رگ و پے میں دوڑتا محسوس ہوا تھا۔

"وہ......لائٹ......نہیں تھی......اور......" سر جھکا کر وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سنے بغیر چہرے کا رخ پھیر کر بارعب انداز میں نوکر کو پکارا تھا۔

"فاضل!......فاضل......!"

"جی سرکار......!" مؤدب ملازم ایک لمحے میں بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ابھی تک جنریٹر آن کیوں نہیں ہوا؟......خودکار نظام ہے نا......تو پھر پرابلم کیا ہوا ہے؟"

"جناب! کوئی ٹیکنیکل فالٹ ہے...... میں نے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور جلد قابو پانے کی ہدایت کر دی ہے۔ چند لمحوں میں

لائٹ بحال ہو جائے گی۔" فاضل نے مؤدب انداز میں یقین دلایا تھا۔

"ٹھیک ہے...... تم جاؤ۔ اور ہاں، سنو...... بی بی کو جہاں جانا ہے ان کی رہنمائی کر دو اور ایمرجنسی لائٹ یا کینڈل کا بندوبست بھی کر دو۔" ہدایت خاص ہوئی تھی۔

"جی بہتر۔" فاضل مؤدب انداز میں پلٹ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف نظر کی تھی۔ زبان خاموش تھی مگر میرب کو صاف لگا تھا جیسے اس کی نظر پوچھ رہی ہو۔

"بس یا کچھ اور؟...... سب ٹھیک ہے نا......؟"

"تھینکس!" میرب نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ پکڑ کر اوپر تک لایا تھا۔ اپنے ہاتھ میں تھما لائٹر اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا اور قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال اس خوشبو کے احساس کو اپنے اردگرد محسوس کرتی بے ارادہ ہی پلٹ کر اس شخص کے عقب میں دیکھنے لگی تھی۔ فاضل چٹکیوں میں ہدایت پر عمل کرتا ہوا ایمرجنسی لائٹ لے آیا تھا۔

"جی بی بی جی!...... کہاں جانا ہے؟" فاضل رہنمائی کرنے کو تیار تھا۔ مگر میرب سیال نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف سفر کرنے لگی تھی۔ مگر عین اسی لمحے اس کے کانوں میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز پڑی تھی۔

"فاضل!...... اپنی بی بی سے پوچھ لو، ڈنر وہ اپنے کمرے میں کریں گی یا باہر ڈائننگ ہال میں؟" جہاں یہ کہیں، کھانا لگوا دو...... گھر میں کچھ پکا بھی ہے آج یا نہیں؟"

میرب سیال نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ مگر قدم آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ سردار صاحب غالباً راہداری میں ہی تھے۔

"مائی نہیں تھیں صاحب!...... چھوٹی بی بی نے بھی کوئی خاص ہدایت نہیں دی۔ بہت عام سا مینیو ہے۔ آپ حکم کریں تو میں باہر سے آرڈر دے کر منگوا لوں؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ فاصلے پر کھڑی میرب سیال کی پشت کو دیکھا تھا۔ ایمرجنسی لائٹ کی روشنی میں سارے منظر بہت واضح تھے۔

"اپنی چھوٹی بی بی سے پوچھ لو...... جو کہیں، وہی کرو...... میں اپنے کمرے میں ہوں۔ تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں...... مجھے ڈسٹرب مت کرنا...... رائٹ؟"

"جی بہتر۔" فاضل نے مؤدب انداز میں سر ہلایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے میرب سیال کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ میرب نے دانستہ طور پر پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ نگاہ ایک لمحے کو ملی تھی مگر دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری اجنبی بن کر واپس پلٹ گیا تھا۔

میرب سیال وہاں کھڑی چند ثانیوں تک اسی سمت تکتی رہی تھی۔

''بی بی جی!...... یہ لائٹ آپ کے کمرے میں رکھ دوں؟'' فاضل ایمرجنسی لائٹ ہاتھ میں پکڑے اس کی ہدایت کا منتظر تھا۔

میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی تھی۔ فاضل لائٹ رکھ کر پلٹ گیا تھا۔

میرب سیال تنہا کمرے میں چھت کو تکتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ اور اس لمحے آنکھیں جانے کیوں بھیگنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ چپ چاپ سی اپنے کمرے میں بیٹھی ہاتھ پھیلائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی جو مہندی کی تہہ کے نیچے تیزی سے چھپ رہی تھیں۔

یہ مہندی کوئی عام مہندی نہ تھی۔

شگن کی مہندی تھی...... کسی کے نام کی مہندی تھی......!

جس کے خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔

اور خالی خالی آنکھوں میں ہزار ہا نمکین سمندر آن رکے تھے۔

ماہ وش اس کی کیفیت دیکھ رہی تھیں۔ دانستہ اس کے قریب نہیں آئی تھیں۔ مگر لامعہ کو اس کی سمت اشارہ کر کے اس کے پاس جانے کے لیے کہا تھا۔ لامعہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو سمیٹا تھا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھائے اسے دیکھتے ہوئے ملائمت سے مسکرائی تھی۔

''کتنی بری بات ہے انابیہ!...... آج کے دن تم رو رہی ہو...... یہ ٹھیک نہیں ہے۔ خوشیوں کے پل جب زندگی میں آئیں تو انہیں مسکراتے ہوئے سمیٹنا چاہئے۔ اس طرح روتے ہوئے، اُداس ہو کر نہیں۔'' انابیہ نہ تو اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی...... نہ ہی اس کی آنکھوں کے بہتے اشک رکے تھے۔

''کیا ہو رہا ہے یار! تم کوئی واحد لڑکی تھوڑی ہو جس کی شادی ہو رہی ہے؟...... دنیا میں تمام لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ مگر تم ......'' لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ قدرے اوپر اُٹھایا تھا۔

''تم واقعی ایک لکی گرل ہو...... تم خود اپنے بارے میں غلط سلط سوچنا بند کر دو...... تم دنیا کی پرفیکٹ لڑکی ہو جس میں کوئی خامی ہے نہ برائی۔ عفنان علی خان جیسا بندہ تمہارا ہاتھ تھام رہا ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟'' اس کا مدھم لہجہ کسی قدر حسرت لیے ہوئے تھا۔

انابیہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی لامعہ حق کچھ دیر تک لب بھینچے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اُٹھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

شادی بہت سادگی سے سرانجام پا رہی تھی۔ زیادہ ہنگامہ نہیں تھا۔ فضا میں سہاگ کے گیتوں کا شور تھا۔ بزرگ خواتین کچھ گنگنا رہی تھیں۔ مگر انابیہ شاہ اپنے اندر کے سناٹوں سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ صرف اپنے اندر ہی نہیں اسے ساری فضا میں ایک سکوت سنائی دے

رہا تھا۔شاید یہ سکوت اس کے اندر کا تھا۔

کسی کام سے لامعہ اس کے پاس سے گزری تھی۔ جب وہ بولی تھی۔

''لامعہ......!'' یہ پہلا لفظ تھا جو اس روز کے بعد سے اس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔

لامعہ رک گئی تھی۔ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں......؟''

انابیہ چند ثانیوں تک اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر چہرہ پھیر گئی تھی۔

''میں عفنان علی خان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کیا؟......اس وقت؟'' لامعہ حق بے طرح چونکی تھی۔''اس وقت کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟......اور اب تم اس سے کیا کہنا چاہتی ہو؟''

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اوزی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''انابیہ، عفنان سے ملنا چاہتی ہے۔''

''تم نے کیا کہا؟'' اوزی نے دریافت کیا تھا۔

''کچھ نہیں......مگر اگر وہ چاہتی ہے تو ہمیں اسے عفنان سے ملنے دینا چاہئے۔ اسے روکنے سے کیا حاصل ہوگا؟......ہو سکتا ہے وہ عفنان سے واقعی کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہو۔'' لامعہ نے اخذ کیا تھا۔

اوزی نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''فی الحال ایسا ممکن نہیں......میں خود سمجھاتا ہوں اسے۔'' اوزی چلتا ہوا اس کی سمت بڑھ آیا تھا۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اوزان سید کچھ دیر تک یونہی کھڑا بہن کو دیکھتا رہا تھا، پھر گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''کیا ہوا......؟''

انابیہ نے سر اُٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور پھر یکدم ہی اس کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''اوزی!......انابیہ بے وقعت ہوگئی......اتنی بے وقعت کہ خود اپنے آپ سے بھی نظریں نہیں ملا سکتی۔ بہت گر گئی ہوں نا میں......بہت ارزاں ہوگئی ہوں نا......اتنی بوجھ کہ تم سب بھی اسے اپنے کاندھوں پر ڈھو نہیں سکتے؟ اُتار پھینکنا چاہتے ہو مجھے ایک ناپسندیدہ بوجھ کی طرح۔ اتنی غیر اہم اور بے وقعت ہوگئی ہوں میں؟...... پڑے کیوں نہیں رہنے دیا ایک کونے میں مجھے کسی غیر اہم شے کی طرح؟......کیا لے رہی تھی میں تم سب کا؟......کیوں مجھے نکال رہے ہو اس گھر سے؟......کیوں بے دخل کر رہے ہو مجھے میرے اس گھر سے؟......کیا واقعی اب میں تم سب کے لیے پہلے جیسی نہیں رہی؟......نہیں رہی نا؟......تو گلا کیوں نہیں گھونٹ دیا میرا؟......کیوں؟......زندہ دفن کیوں نہیں

کر دیا؟......تب جب مر رہی تھی تب مرنے کیوں نہیں دیا؟......کیوں بچالیا آج کے دن کے لیے؟......سب اپنی اپنی سوچ رہے ہیں...... اپنی اپنی تھوپ رہے ہیں......کسی نے یہ بھی سوچا کہ میں کیا چاہتی ہوں......میں کیا سوچ رہی ہوں؟......میرے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ان ......ان کڑے حالات میں، میں کیا کرنا چاہتی ہوں، کسی نے یہ نہیں سوچا......کسی نے یہ نہیں پوچھا۔کیا اس واقعے نے مجھ سے میری زندگی پر اختیار بھی چھین لیا؟......کیا اب میں اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی اہل نہیں رہی؟......کیوں کیا تم سب نے میرے ساتھ ایسا؟......ایک پل میں......صرف ایک پل میں پرایا کر دیا۔نکال پھینکا مجھے اپنی زندگیوں سے باہر......یہی حق تھا میرا اس گھر پر؟......تم سب پر......؟'' آنسو کتنی تیزی سے آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔لبوں پر کتنے سوال تھے۔مگر اوزی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔اسے چند ثانیوں تک اسی طرح دیکھتا رہا تھا پھر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا اور اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

''انابیہ!......تم ہمارے لیے بوجھ نہیں ہو......ہم تمہاری خوشیوں کے خواہاں ہیں۔خوشیوں کے لیے ہیں اس کا اندازہ تمہیں آج نہیں، لیکن کل ضرور ہوگا۔'' بھیگتی آنکھوں کے ساتھ اوزان سید کہہ رہا تھا۔مگر انابیہ شاہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔

میرب سیال ناشتے کی ٹیبل پر تھی۔ جب اطلاع ملی تھی کہ جناب سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب فیلنگ ناٹ ویل۔

''کیا ہوا؟'' اس نے ملازم سے دریافت کیا تھا۔

''فلو اور بخار ہے...... رات حالت کچھ زیادہ خراب تھی، بخار بہت تیز تھا جس کے باعث ڈاکٹر کو کال کر کے گھر بلانا پڑا''۔ ملازم نے اطلاع دی تھی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

''رات کو؟...... اور تم لوگوں نے مجھے نہیں بتایا'' حیرت ہوئی تھی۔ یقیناً گین نے منع کیا ہوگا...... ذہن میں پہلا خیال آیا تھا۔

صاحب نے منع کیا تھا؟'' اس نے کریدا تھا۔

''نہیں جی...... وہ تو ہوش میں ہی نہ تھے...... میں آپ ساری رات ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی ہوں''۔ فاضل کی بیگم زلیخا نے اطلاع دی تھی۔

وہ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ چیئر کھینچ کر اٹھی تھی مگر عین زینے کے درمیان ہی جانے کیوں قدم رُک گئے تھے۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ وہ واپس پلٹی تھی۔ زلیخا کو گین کے ناشتے کے لیے خاص ہدایت دی تھی اور فون کی اطلاع آ گئی تھی۔ ریسیور کان سے لگا کر نمبر ملانا چاہا تھا مگر پھر ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

مائی اماں یقیناً اکلوتے بیٹے کی کیفیت پر پریشان ہو جاتیں اور یہ ٹھیک نہ ہوتا۔ یہی سوچ سوچ کر اس نے فون رکھ دیا اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ چارسُو سرخ گلاب کے پھولوں کی جیسے جھاڑ سی لگی تھی۔ مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ وہ بے ارادہ ہی چلتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔

''بی بی جی! آپ؟'' مالی اسے دیکھ کر مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میرب سیاب نے سرخ گلابوں کو بغور دیکھا تھا۔

''مجھے یہ پھول چاہئیں''۔ مدعا بیان کیا تھا۔

''بہتر بی بی جی!...... میں آپ کے لیے توڑ دیتا ہوں''۔ مالی نے عملی اقدام کرنے کو قدم اُٹھایا تھا، مگر تبھی میرب نے اسے روک دیا تھا۔

''نہیں...... میں خود کر لوں گی...... تم جاؤ یہاں سے''۔ حکم دیا تھا۔ مالی کسی قدر تشویش سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''بی بی جی!...... یہ بہتر نہیں ہے...... پھولوں کے ساتھ بہت نوک دار کانٹے بھی ہیں اور اگر آپ کو کوئی زخم لگا تو بڑی بی بی اور صاحب تو ہمیں نوکری سے چلتا کر دیں گے...... میں آپ کو پھول نکال دیتا ہوں۔ آپ صرف اشارے سے بتا دیں، کون کون سے درکار ہیں''۔

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں...... تم ہٹو یہاں سے...... جو جو چاہیئے ہوگا، میں خود نکال لوں گی اور ہاں...... کسی کو اس کے متعلق مت بتانا...... ورنہ نوکری سے نکال دوں گی''۔ دھمکی دی تھی۔ مالی بے چارہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میرب آگے بڑھی تھی اور سرخ

گلابوں کے کنج سے اپنی پسند کی ٹہنیاں نکالنے لگی تھی۔ مالی اُسے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

ایک......دو......تین......!

کتنے لاتعداد پھول ایک گلدستے کے لیے......اور کتنے زیادہ زخم ہاتھوں اور کلائیوں پر صرف ان پھلوں کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں، اس کو تب احساس نہ ہوا تھا، مگر جب تمام ٹہنیوں کا گلدستہ بنا کر پلٹی تو کلائیوں سے رِستا خون دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ وہائٹ دوپٹے کے پلو سے رگڑ کر ان خون رِستے زخموں کو صاف کیا تھا اور بکے ہاتھ میں لے کر اندر کی طرف چل پڑی تھی۔

''زلیخا! صاحب کو ناشتہ پہنچایا؟'' زینے کے آغاز پر رُک کر زلیخا کو آواز دے کر دریافت کیا تھا۔

''جی بی بی جی!......ناشتہ کرا دیا ہے......مگر وہ دوا نہیں لے رہے''۔

''اوکے......ٹھیک ہے......میں دیکھتی ہوں...... مائی کا فون آئے تو ان کو صاحب کے متعلق کچھ مت بتانا۔ ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟'' بھرپور مالکانہ انداز سے زلیخا کو دیکھا تھا۔

''جی بی بی جی!'' زلیخا نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور اس کے ہاتھوں اور کلائیوں کو بغور دیکھا تھا۔

''بی بی جی!......آپ کے ہاتھوں اور کلائیوں پر سے خون رِس رہا ہے......لائیے، میں مرہم پٹی کر دوں...... مائی کو خبر ہوئی تو بہت سخت سست کہیں گی''۔

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں جو کہا ہے تم صرف وہ کرو''۔ وہ بولی تھی اور سرعت کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کمرے تک جانے تک اس کی سانس پھول چکی تھی۔ دروازے کے باہر رُک کر اس نے چند لمحوں تک اپنی سانس بحال کی تھی پھر ہاتھ سے دروازہ ہلکے سے بجایا تھا۔ اندر سے کوئی آواز فوری طور پر نہیں آئی تھی۔ میرب نے دوبارہ دستک دی تھی۔ کوئی جواب تب بھی نہیں آیا تھا اور تب اس لمحے اس نے بہت آہستگی سے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازہ کھول دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً سو رہا تھا......کمرے میں اندھیرا تھا۔ دبیز پردے گرے ہوئے تھے اور لائٹس آف تھیں۔ میرب نے اس کے آرام کی غرض سے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ ایک قدم اندر رکھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر بائیں جانب لگے بٹن میں سے ایک بٹن دبا کر زیرو وولٹ کا ننھا سا بلب روشن کر دیا تھا۔

کمرے میں ایک مدھم سی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس روشنی سے ہوا یہ تھا کہ اب کمرے کے منظر کسی قدر غیر واضح ہی سہی مگر دکھائی ضرور دینے لگے۔ میرب سیاب بکے والا ہاتھ پشت پر کیے چند لمحوں تک یوں ہی دروازے کے قریب کھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ آنکھوں پر باز و دھرے وہ یقیناً اس لمحے سو رہا تھا۔

بقول ملازمین کے رات بھر وہ سو نہیں پایا تھا۔ وہ سوچ کر آئی تھی کہ اسے دوا کھلا دے گی۔ مگر اب اس کے آرام میں خلل نہ لانے کی غرض سے وہ اسے صرف دور سے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال کا دل بہت نرم تھا۔ دوست اور دشمن کے لیے یکساں، ایک سوفٹ کارنر رکھتا تھا۔ اس کے لیے کسی سے بھی بدظن رہنا ناممکن تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ یہی نرمی تھی کہ وہ اس روز اسے سخت سست سنانے کے بعد بہت گلٹی فیل کر رہی تھی اور کسی طرح اس کا ازالہ کرنا چاہتی تھی۔ سردار سبکتگین سے معذرت کر کے یا پھر کسی بھی طرح کا نرم رویہ یا سلوک روا رکھ کر۔ وہ یہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے کس طرح کا بی ہیو کر رہا تھا...... وہ اسے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کا ظرف تھا اور جو اس سے ہو سکتا تھا، اسے وہ کرنا تھا۔ شاید اسی کے باعث آج وہ زخمی کلائیوں اور ہاتھوں کے ساتھ پشت پر سرخ گلابوں کا بکے چھپائے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کمرے میں تھی۔ چند لمحوں تک یونہی کھڑے وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہمت کر کے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ قدم دانستہ طور پر دبے دبے سے تھے۔ وہ کوئی آہٹ اس لیے نہیں چاہتی تھی کہ کہیں وہ ڈسٹرب ہو کر اُٹھ نہ جائے۔ دبیز کارپٹ پر دبے پاؤں چلتے ہوئے انداز عجب چوروں کا سا تھا...... ہاتھ اسی طرح پشت پر باندھے وہ چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب جا رُکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو قریب سے دیکھ کر پشت پر باندھے دونوں ہاتھ آگے گئے تھے اور سرخ گلابوں کو بغور دیکھتے ہوئے ان پر اپنی چند گرم سانسوں کا لمس چھوڑا تھا اور پھر بہت آہستگی سے وہ بکے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سرہانے کے پاس رکھ دیا تھا۔ لب بھینچ کر چند لمحوں تک اس شخص کو دیکھا تھا، پھر جیسے ہی جانے کو پلٹی تھی ایک آواز نے اس کے بند اسی جگہ پر باندھ دیئے تھے۔

''آئی ہو...... اور ملے بغیر جا رہی ہو؟...... حال احوال نہیں پوچھو گی؟'' ایک بھاری آواز اُبھری تھی۔ میرب سیال نے ڈرتے ڈرتے چہرے کا رُخ پھیر کر دیکھا تھا اور دل اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

کوئی اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ پوری کی پوری توجہ اسی کی طرف تھی۔

میرب سیال نے اپنی سانسوں میں اُٹھتے زیر و بم کو واضح طور پر خود بھی محسوس کیا تھا۔ سینے میں دل واقعی بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔

آگے بڑھ جانے کی کوئی راہ نہیں تھی اور پیچھے مڑ کر دیکھنا اس کے لیے انتہائی دشوار تھا۔

''وہاں کھڑی رہو گی؟...... قریب نہیں آؤ گی؟'' ملائم لہجہ اُبھرا تھا۔

میرب سیال نے ڈرتے ڈرتے رُخ پھیرا تھا۔ نیم اندھیرے میں منظر مکمل طور پر واضح نہ تھے، مگر جس قدر واضح تھے ان سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی اس کی سمت مکمل توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال کے لیے وہاں سے بھاگ نکلنے کی جیسے کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ بہت آہستگی سے پلٹی تھی۔ نیم تاریکی میں نظر آتا چہرہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ بہت مرے مرے قدموں سے وہ آگے بڑھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر دھرے پھول اُٹھائے تھے اور کانپتے ہاتھوں سے اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔ سامنے موجود شخص کا چہرہ کسی قدر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس لمحے وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز سا تھا۔

کیا تھا...... پتہ نہیں، بیماری کا اثر تھا یا پھر کچھ اور...... سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مزاج بہت نرم ہوا تھا۔ تبدیلی حیران کن تھی۔

میرب سیاب کے لیے یہ انداز خاصا انوکھا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ دھیان بوکھلاہٹ کے ساتھ پھولوں پر جا ٹھہرا تھا۔

''آپ......آپ لے لیجئے...... یہ آپ کے لیے ہیں''۔ سانسوں کے زیروبم پر قابو پانے کی ناکام کوشش ہوئی تھی۔

''میرے لیے؟...... میرے لیے ہیں تو اتنی دور کیوں کھڑی ہو؟...... کچھ اور قریب آجاؤ''۔ دھیمے لہجے میں عجب سی درخواست تھی۔ میرب نے چار پانچ قدم کے فاصلے کو قدرے مختصر کرنے کو دو قدم مزید بڑھا دیئے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے گلدستہ آگے بڑھایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر بکے اس طرح تھاما تھا کہ میرب کے ہاتھ بھی اس کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ میرب سیال بھونچکی رہ گئی تھی۔ اقدام بہت غیر متوقع تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دا ہنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے، بائیں ہاتھ سے پھول ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی خون رِستی کلائیوں کو ہاتھوں میں لیے بغور جانچنے لگا تھا۔

میرب سیال یوں نگاہ چرا گئی تھی جیسے کوئی چور چوری پکڑے جانے پر کرتا ہے۔ عجیب مجرم سا انداز تھا۔ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ وہ اس شخص پر منکشف نہ ہو...... مگر...... ہمیشہ کوششیں ناکام ہو جاتی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس گھڑی بھی کمرے کی مدھم روشنی میں میرب سیال کی کلائیوں کے زخموں کو بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

''اتنے زخم؟...... اور وہ بھی میری خاطر؟...... یہ ہوا اچانک اُلٹی سمت کس طرح چل پڑی؟'' لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ پتہ نہیں طنز تھا یا ستائش یا پھر حیرت؟...... میرب سیال کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر وہ اپنی کلائیاں اس کے ہاتھ سے کھینچ لینا چاہتی تھی، مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت بتا رہی تھی کہ ایسا ناممکن تھا۔

''ہمدردی میں اتنی دور جایا نہیں جا سکتا اور...... مروت و اخلاص کا وہ زمانہ رہا نہیں...... پھر بھید کیا ہے، اس بات کا پتہ کیسے چلے گا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ انداز بھرپور محظوظ ہونے والا تھا۔ میرب نے کلائیاں کھینچنا چاہی تھیں مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید اس کے لیے ابھی فی الفور تیار نہ تھا۔ نظر جھکا کر بہ غور زخموں کو دیکھنے لگا تھا۔

''زخم خاصے گہرے لگے ہیں...... مرہم پٹی ضروری ہے۔ کم از کم یہی سوچ لیا ہوتا کہ مجھے تو مرہم پٹی کا بھی کوئی تجربہ نہیں''۔ لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ اقدام کسی قدر جبراً تھا۔ بیٹھ کر وہ نگاہ ملانے کا قصد نہیں کر سکی تھی۔ ایک بیڈ پر...... قربت، خاصی جان لیوا تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ کے اشارے سے اسے ''ویٹ'' کا سائن دیتا مڑا تھا اور بیڈ پر لیٹے لیٹے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر ایک فرسٹ ایڈ باکس برآمد کیا تھا اور واپس اپنی پوزیشن پر آگیا تھا۔ جس قدر وہ میرب سیال کے اقدام پر حیران تھا اسی قدر میرب سیال اس کے اقدام پر حیران تھی۔ گردن موڑے اسے تب تک بہ غور دیکھتی رہی تھی جب وہ فرسٹ ایڈ باکس برآمد کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ مڑا تھا، وہ واپس اپنی پہلی پوزیشن میں آگئی تھی۔ غالباً بیماری میں یہ تبدیلی حیران کن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا دل خاصا نرم ہو گیا تھا۔ جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔

میرب سیال اس جیسے شخص سے یہ توقع نہیں کرتی تھی۔

اتنی ہمدردی!

اتنی توجہ!

اتنی اہمیت!......اس شخص سے اگر ملتی تو یقیناً صورتِ حال اتنی ہی غیر متوقع لگتی۔

"بتایا نہیں تم نے، اتنے زخم میرے لیے کیوں؟...... پھول ہی چننے تھے تو کسی سے کہہ دیا ہوتا۔ اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟......دل میں کچھ جگہ چاہیے تھی تو کچھ اور کیا ہوتا"۔ الزام تھا یا کوئی طنز...... یا پھر کوئی تنقید؟......میرب سیال فوری طور پر سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ بیمار کا حال پوچھنے آئی تھی۔ مگر کچھ پوچھنے کی سکت ناپید تھی۔ الٹا بیمار اُس کی تیمارداری کرتے ہوئے ہوش ٹھکانے لگا رہا تھا۔

"میں......میں صرف آپ کا احوال پوچھنے آئی تھی"۔ مدھم آواز میں بالآخر وضاحت دے ڈالنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بینڈج کرتے ہوئے جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"اچانک، اتنی فکر؟......اتنی توجہ؟......اتنا خیال؟"

ایک ساتھ پتہ نہیں سوال تھے یا پھر الزام۔ میرب سیال بینڈج ہوتے ہی یک دم اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اگر بیماری میں اس شخص کا دماغ اتنا چلتا تھا تو پھر ہوش مندی یا تندرستی میں کیا عالم ہوتا ہوگا؟

"کیا ہوا؟......اتنی جلد حال احوال معلوم ہوگئے؟......میں نے ابھی تو کوئی جواب بھی نہیں دیا"۔ میرب سیال کو اندازہ ہوا تھا، اس کا ہاتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ عجب ہونق انداز میں وہ پلٹی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دوسرے ہاتھ سے ان تازہ گلابوں کے بکے کو لیتے ہوئے چہرے کے قریب لے گیا تھا۔

"ہوں......کچھ خوشبو تو ہے۔ شاید تمہاری چند سانسیں اس پر رہ گئی ہیں۔ کچھ گرمی بھی ہے۔ شاید تمہارے ہاتھ کا لمس ان شاخوں پر اب بھی باقی ہے، مگر ان کی تروتازگی مجھ سے ایک شکایت کر رہی ہے۔ جانتی ہو کیا؟......تم نے کچھ شاید چرا لیا ہے......شاید نہیں، یقیناً تم نے کچھ چرا لیا ہے"۔ مدھم سرگوشی میں جیسے کوئی جادو تھا۔ بڑا انوکھا انداز تھا۔ ایک تو کمرے کی نیم تاریکی عجب اسرار پھونک رہی تھی اس پر یہ ایک خاص آہنگ......جانے کیا چاہتا تھا یہ شخص اب اس سے!

اس کی سنگت میں تو ہر لمحہ ہی قیامت تھا۔

میرب سیال نے کسی قدر اُلجھن سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

"آپ......خدارا، میرا ہاتھ چھوڑ دیجیے"۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا اور پھر حکم کی ایسے تعمیل کی تھی جیسے وہ اس پر ہی مامور ہو۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کرتی جانا......میں ان پھولوں سے اور بہت سی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ وہ بھی جو تم نے نہیں کہی ہیں"۔

وہ پلٹی تھی جب ایک مزید دھماکہ ہوا تھا۔ میرب سیال نے گردن کا رُخ پھیر کر دیکھا تھا مگر وہ اس کی بجائے ان گلاب کے سرخ

رنگ پھولوں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔

میرب سیال پلٹی تھی اور دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سانسوں کی رفتار معمول سے کچھ ہٹ کر ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

بہت سی باتوں کے ملال نہ سونے دیتے ہیں۔ نہ ہی چین سے جینے دیتے ہیں۔

انابیہ کی جان بے حد مشکل میں پھنسی تھی۔ وہ اس وقت ایسے مقام پر تھی جس کے آگے تمام راستے بند دکھائی دے رہے تھے۔ آگے بڑھ جانے کو کوئی راہ نہ تھی اور نہ واپس مڑ جانے کو کوئی راستہ۔ ایک ایسا موڑ جس کے آگے صرف تاریکی تھی اور تاریکی میں سارے منظر تاریک تھے۔

''میں اس بند گلی میں رہنا نہیں چاہتی''۔ انابیہ بہت ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

''میں اس بند گلی میں جینا نہیں چاہتی''۔ وہ چیخی تھی اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر تک یونہی بیٹھی روتی رہی تھی۔ پھر اُٹھی تھی اور عفنان کا نمبر ملا ڈالا تھا، مگر کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ خاموش...... چپ چاپ...... بہت سا پانی آنکھوں کے کنارے سے بہتا رہا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان بھی چپ تھے۔ جانے کیوں۔

''مجھے...... مجھے آپ سے...... بات کرنی ہے''۔ انابیہ نے عرض مدعا کیا تھا۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

انابیہ فون پٹختے ہوئے چلاّئی تھی۔

''کیوں...... کیوں بات نہیں کر سکتے ہو تم مجھ سے؟...... کیوں ہمت نہیں ہے تم میں؟...... حوصلہ نہیں ہے نا، تو کیوں بن رہے ہو پھر مسیحا؟...... کیوں نبھا رہے ہو یہ رواداریاں؟...... کیوں؟ کس لیے؟'' آنسوؤں کے درمیان جو چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ ''کیوں سمیٹ رہے ہو دنیا بھر کی داد؟ کیوں کر رہے ہو یہ دکھاوے کی مہربانیاں؟...... سچ تو یہ ہے کہ تم ایک دوغلے انسان ہو عفنان علی خان! جو اندر سے کچھ ہے، باہر سے کچھ۔ کیوں نہیں سن سکتے میری؟ جب مجھ میں حوصلہ ہے تو پھر تم میں کیوں نہیں؟'' وہ چیخ رہی تھی۔

کمرے کے دروازے پر کھڑے اوزان سید نے اسے دیکھا تھا۔ وہ گھٹنوں پر سر دھرے رو رہی تھی۔ اوزان چپ چاپ پلٹا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان خاصا مضطرب دکھائی دیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' فاطمہ نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تم نے انابیہ سے بات کیوں نہیں کی؟'' فاطمہ نے بیٹے کو سخت اُلجھن میں محسوس کیا تھا۔ وہ اس لمحے اگرچہ ماں سے رُخ پھیرے کھڑا تھا مگر وہ جان سکتی تھیں کہ اس کے اندر کس قدر انتشار ہو گا۔

''عفنان! بہت سے لمحوں کے سوال، اپنے جواب اپنے اندر ہی پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان جوابوں کو جاننے کی سعی کرنا اس لمحے ضروری نہیں ہوتا۔ وقت کے ساتھ وہ آپ ہی کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اگرچہ انتظار دشوار ترین عمل ہے مگر بہت سی باتوں سے روشناسی کے لیے کبھی کبھار یہ ضروری ہو جایا کرتا ہے...... تم فی الفور خود سے اُلجھنے کی کوشش ترک کر دو...... ان باتوں سے زیادہ اور کوئی ضروری کام نہیں اس وقت''۔

عفنان علی خان پلٹا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے دھواں دھواں تھیں۔

''میں انابیہ سے اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں ماما!...... اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں میں اس سے۔ مجھے نہیں پتہ، یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟...... میں صرف ایک بات جانتا ہوں، وہ اگر اس صورتِ حال کو برداشت کر رہی ہے تو میں خوش نہیں ہوں۔ میں نے اسے پانے کے خواب ضرور دیکھے ہیں مگر ان لمحوں میں مجھے لگ رہا ہے میں شاید کسی قدر خودغرض ہو رہا ہوں۔ پتہ نہیں ماما! میں ٹھیک کر رہا ہوں یا غلط؟...... میں نہیں جانتا۔ محبت کوئی جبری عمل نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ انابیہ اس معاملے میں خود پر کوئی جبر کرے یا پھر کوئی سمجھوتہ کرے، مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ کچھ بھی نہیں۔ میں چاہتا ہوں اسے جبر نہ کرنا پڑے۔ آزاد کر دوں اسے ہر جبر سے۔ آزاد کر دوں ہر بندھن سے۔ ختم کر دوں یہ سارے جبری رشتے جنہیں ڈھونا نہ اس کے بس میں ہے، نہ میرے بس میں...... میں جانتا ہوں کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکے گا مجھ سے''۔ وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ ''یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے، کیونکہ میرے اندر وہ ہے۔ ہر جگہ وہ ہے۔ اور اسے نظر انداز کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ نہ بھولنا، نہ فراموش کرنا۔ شاید یہ خودغرضی ہے۔ مگر میں کیا کروں؟...... میں اس سے محبت کرتا ہوں، بے انتہا محبت۔ اور یہ محبت نتیجے سے بے پرواہ ہے''۔

وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ فاطمہ خان بیٹے کی کیفیت پر کٹ کر رہ گئی تھیں۔

''ساہیہ!...... میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ اذہان حسن بخاری نے مدھم روشنی میں کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' اس خواب سے ماحول میں ساہیہ نے نگاہ اُٹھا کر اذہان حسن بخاری کو دیکھا تھا۔

''شکریہ!'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ''بعض اوقات جب کوئی آپ کو بنا کہے سمجھ لیتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے ساہیہ! تم نے مجھے میرے تمام رنگوں سمیت دیکھا، جانچا اور پھر قبول کیا۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن پر اپنا آپ منکشف کرنے کو دل چاہتا ہے۔ بہت کم لوگوں کے سامنے خود کو کھولنا غیر مناسب نہیں لگتا۔ مگر تم سے مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں کہنا پڑا۔ کبھی بھی نہیں۔ ہمیشہ تم نے مجھے خاموش موسموں میں خود سے دریافت کیا۔ میں کب، کہاں تنہا ہوں، کب مجھے کسی بہت اپنے کے ساتھ کی، اس کی تسلی کی ضرورت ہے یہ تم نے ہمیشہ بنا کہے جانا''۔ بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

ساہیہ مسکرادی تھی۔

''اذہان! مجھے تمہاری یہی بات اچھی لگتی ہے۔تم خود سے زیادہ دوسروں کی فکر میں جیتے ہو۔تم نے کبھی خود اپنی فکر نہیں کی۔کبھی اپنی خوشی کے متعلق نہیں سوچا۔مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔کافی نقصان بھی ہوسکتا ہے ایسی حرکتوں سے...... بہت محتاط رہو۔دوسروں کی فکر میں جینا اچھی بات ہے مگر خود ہمارا بھی ہم پر کوئی حق ہوتا ہے، جو پورا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے''۔

''مگر تم ہونا میرا خیال رکھنے کو''۔اذہان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ساہیہ مسکرادی تھی۔

''اذہان! چلتے چلتے آگے بڑھ جانا اس زندگی کا حصہ ہے...... مگر آگے بڑھتے بڑھتے خود کو بھول جانا بہت بری بات ہے۔مرد کیئر لیس ہوتے ہیں، یہ بات میں جانتی ہوں...... مگر اتنے، اس قدر ہوتے ہیں، یہ بات تم نے جتائی ہے''۔لبوں پر مسکراہٹ تھی۔''اذہان! میں بے ترتیبی کی عادی نہیں ہوں۔مجھے زندگی میں ہر شے اپنی جگہ پر اچھی لگتی ہے۔میں ہنستی ہوں، مسکراتی ہوں، روتی بھی ہوں۔وقت ملے تو خواب بھی دیکھتی ہوں''۔ساہیہ خان کے لبوں پر بڑی دِل کش مسکراہٹ تھی۔''بڑا دلچسپ امر ہے یہ۔کبھی بے دھیانی میں بہت سی افراتفری کے درمیان آنکھیں بند کر کے ذرا دیر کو بیٹھو۔اور صرف وہ بات سوچو جو تمہیں اچھی لگتی ہے۔جس کے بارے میں تمہیں سوچنا اچھا لگتا ہے۔پھر دیکھنا تمہیں ایک لمحے میں زندگی کتنی بھلی لگے گی۔کتنی تازگی بھر جائے گی تمہارے اندر...... جینے کی ایک نئی اُمنگ......''

تم کس کے متعلق سوچتی ہو؟'' وہ روانی سے بول رہی تھی جب اذہان حسن بخاری نے بول کر اسے لمحہ بھر کو حیران کر دیا تھا۔ساہیہ اس ایک پل میں بہت ہونق لگی تھی۔اذہان حسن بخاری مسکرادیا تھا۔

''تم نے بتایا تھا،تم کس کے متعلق سوچتی ہو؟''

''بہت سی باتیں ہیں''۔ساہیہ نے گریز پائی برتی تھی۔نظر چرا گئی تھی۔

''جیسے؟''اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔جیسے وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''جیسے...... جیسے رنگ، جیسے خواب، جیسے موسم، جیسے......'' تاویل بہت غیر مناسب لگی تھی۔اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔پوری توجہ سے دیکھتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو گرفت میں لیا تھا۔

''ساہیہ! کیا مجھے یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہمیں یہاں بات کس کی کرنا ہے؟'' مدھم سرگوشی میں کئی رنگ تھے۔کسی قدر حدت تھی نظروں میں......ساہیہ خان جیسی پُر اعتماد لڑکی اس لمحے نظریں ملائے نہ رکھ سکی تھی۔

''ساہیہ! رنگ، خواب، موسم، سب زندگی کا حصہ ہیں مگر یہ سب بھی تبھی کوئی معنی رکھتے ہیں جب کوئی ہمارے ساتھ ہو۔وہ ایک، جس کی ضرورت دل محسوس کرتا ہے......جس کے ہونے سے، نہ ہونے سے بہت فرق پڑتا ہے ساہیہ! اگر وہ ساتھ زندگی کا حصہ ہو تو ہر شے میں رنگ آپ ہی آپ بھر جاتے ہیں۔ورنہ یہی موسم جان کو آجاتے ہیں اور یہی خواب آنکھوں کے لیے عذاب بن جاتے ہیں''۔اذہان حسن بخاری نے بہت کچھ جتانے کی کوشش کی تھی۔ساہیہ خان کے لبوں پر بہت دھیما سا تبسم تھا۔

''تو سمجھنے لگے ہو تم بھی زندگی کو؟''

''سمجھوں گا کیسے نہیں؟......زندگی ان دنوں میرے ساتھ جو ہے''۔اذہان حسن بخاری نے جیسے اقرار کیا تھا۔

''اذہان! زندگی واقعی بہت خوب صورت ہے''۔ساہیہ اپنی دانست میں بولی تھی۔

''ہاں......میں دیکھ رہا ہوں......تمہاری بات سے اتفاق کرنے کو دِل چاہ رہا ہے۔کیا کروں،اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں''۔اذہان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ساہیہ کسی قدر زچ ہوتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اذہان......!''

مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

لامعہ حق مسلسل اسی گھر میں تھی۔انابیہ کی شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھی۔

ماہ وش کو غالباً اس بات کا احساس تھا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔اسی خیال سے انہوں نے لامعہ کو پاس بلایا تھا۔

''لامعہ!......بچے! تم......'' کچھ کہنا چاہا تھا مگر لفظوں نے ساتھ ہی نہ دیا تھا۔لامعہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''مجھے پتہ ہے، یہاں ہر کوئی گلٹی فیل کر رہا ہے......مگر ایسا اگر نہ ہو تو بہتر ہے۔ہم سب کو حقیقت کو سمجھنے کا عادی ہونا چاہیے۔جو گزر چکا ہے اسے بھول جانا ہی مناسب ہے۔اور جو ہو رہا ہے وہی آج کی حقیقت ہے۔سب سے بڑی حقیقت''۔لامعہ کا لہجہ بہت دھیما تھا اور وہ دانستہ نظریں چرا رہی تھی۔''ویسے بھی میں بہت خوش ہوں......انابیہ میری سب سے اچھی دوست ہے۔اس کی زندگی سنوارنے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہی ہو گی۔اس نے جس طرح کی صورت حال کا سامنا کیا، وہ معمولی بات نہیں ہے۔اگر عفنان کی صورت اسے ایک کیئرنگ اینڈ لونگ ہزبینڈ مل جائے تو میں خوش کیوں نہیں ہوں گی؟ اور یوں بھی عفنان علی خان سے کسی حوالے سے میرا ابھی کوئی رشتہ تھا، ہے نہیں۔جو شے ٹوٹ جائے اس کی وقعت نہیں رہتی''۔

لامعہ اس ہجوم کے اندر سر جھکائے کھڑی تھی۔

ماہ وش نے ہاتھ بڑھا کر بہت محبت سے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

''لامعہ!......بچے! میرے لیے انابیہ میں اور تم میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا......تم جانتی ہو۔ماں کی نگاہ سے کچھ نہیں چھپ سکتا۔ہر شے دیکھ سکتی ہے یہ نظر......تم کچھ بھی کہو، مگر میں سمجھتی ہوں اس کیفیت کو تم جس سے گزر رہی ہو، میں اسے دیکھ رہی ہوں''۔

لامعہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''نہیں ماما!......ایسا کچھ نہیں ہے۔میں خوش ہوں''۔وہ مسکرائی تھی۔''میں واقعی بہت خوش ہوں۔اور خوش کیوں نہ ہوں......انابیہ کی ساری خوشیاں مجھے اتنی ہی عزیز ہیں جتنی کہ انابیہ کو خود......وہ ہنستی ہے، مسکراتی ہے تو میں کبھی خود کو اندر سے اتنا ہی خوش محسوس کرتی

ہوں۔ وہ خوش نہیں ہے تو میں بھی خوش نہیں ہوں۔ اس کا یہ درد مجھے بھی اندر سے اتنا ہی کاٹ رہا ہے۔ میں اس کے لیے دعا کر رہی ہوں، آج کے بعد اسے پھر کبھی رونا نہ پڑے۔ اُداسی کی، پریشانی کی اُس کی یہ آخری رات ہو......کل سے وہ اپنا ایک نیا جیون، ایک نئے رنگ، نئے ڈھنگ سے شروع کرے اور مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔ عفنان اسے بہت خوش رکھے گا''۔ آنکھوں کے کناروں سے نمکین پانی کے چند قطرے بہت خاموشی سے ٹوٹ کر پلکوں سے گرے تھے اور لامعہ حق تیزی سے پلٹ کر اس کمرے میں موجود ہجوم میں غائب ہوگئی تھی۔

کچھ دور فاصلے پر کھڑے ہوئے اوزان سید نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ماہ وش اُس کی سمت پلٹی تھیں۔

اوزان!......وہاں باہر لان میں لائٹنگ کروادی تم نے؟''

''جی......'' اوزان نے بہت آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ دھیان اب بھی اس طرف تھا جس طرف لامعہ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مہ وش نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا مگر اوزان سید کچھ نہیں بولا تھا۔ ماہ وش بہت افسردگی سے نظر پھیر گئی تھیں۔

''سوچتی ہوں تو مجھے خود بھی عجیب لگتا ہے۔ کل وہ تعلق لامعہ کی زندگی کا حصہ تھا اور آج......آج انابیہ اس سے جڑنے جا رہی ہے۔ سوچو تو یہ بات معمولی نہیں۔ نہ ہی نظر انداز کیے جانے کے قابل۔ لامعہ اس صورتِ حال سے بہت آرام سے نہیں گزر رہی...... یقیناً اس کے اندر کہیں بہت کچھ ہو رہا ہے، جس کا بھید وہ ہمیں نہیں دینا چاہتی۔ جب کہ یہ انابیہ کی عادت تھی۔ چپ چاپ اپنے اندر کی باتوں کو چھپانا، دبا لینا......وہ اپنی کوئی بات مجھ سے بھی کبھی ڈھنگ سے نہیں کہہ پائی۔ میں اسے خود سے سمجھتی تھی مگر لامعہ...... لامعہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر چیخ چیخ کر رونے لگتی تھی اور اٹینشن چاہتی تھی۔ جس صورتِ حال سے گزر رہی تھی سب کو بتانا چاہتی تھی، مگر آج......آج مجھے اس کے اندر ایک سکوت تیرتا دکھائی دے رہا ہے۔ اور میں جانتی ہوں اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ چپ چاپ اپنے اندر کہیں گم ہو رہی ہے۔ آج میں انابیہ کی چپ سے زیادہ اس کی چپ سمجھ رہی ہوں۔ اس خاموشی کے سارے اسباب معلوم ہیں مجھے۔ ماں ہوں نا، کسی ایک بچے کی تکلیف بھی نہیں جھیل سکتی میں۔ ایک وقت میں اپنے سارے بچوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں''۔ ماہ وش بہت جذباتی انداز میں کہہ رہی تھیں، مگر اوزی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ شاید اس وقت کچھ اور سوچ رہا تھا۔ نگاہ اب بھی اسی سمت تھی جہاں لامعہ حق گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کیمپس سے لوٹی تھی تو گھر میں غیر معمولی ہلچل تھی۔ تمام ملازم یہاں سے وہاں بھاگتے ہوئے خاصے مستعد دکھائی دے رہے تھے۔

'کہیں مائی اماں واپس تو نہیں آ گئیں؟' میرب سیال نے سوچا تھا اور آگے بڑھ آئی تھی، مگر مائی اماں کے آنے کے شواہد ناپید تھے۔

اس نے قریب سے گزرتی زلیخا کو روکا تھا۔

''زلیخا! یہ کیا ہو رہا ہے؟......مائی اماں آ چکی ہیں کیا؟''

زلیخا مسکرا دی تھی۔

''نہیں جی...... مائی اماں تو واپس نہیں آئیں، مگر ایک بہت خاص مہمان آ رہا ہے صاحب کا۔ خاص ہدایت کی جا رہی ہے۔

پورے گھر کو نئے سرے سے صاف ستھرا کرنے کا آرڈر دیا ہے۔ پورے گھر کے نوکروں کو تو جیسے پر لگ گئے ہیں'۔ زلیخا مسکرائی ہوئی کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

میرب سیال نے کسی قدر حیرت میں گھر کر سوچا تھا۔

'کون......؟' تجسس نہ ہونا عجب تھا۔ مہمان یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ تبھی تو مائی کے نہ ہونے کے باوجود وہ اتنا مستعد ہو رہا تھا۔

'مگر کون......؟' وہ سوچتی ہوئی اپنے ہی دھیان میں آگے بڑھی تھی جب کسی سے ٹکرا گئی تھی۔ سنبھل کر دیکھا تھا......نظروں کے عین سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

''کیا ہوا سویٹی؟......کہاں گم ہو؟'' اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے یوں دریافت کیا تھا جیسے وہ دنیا کا سب سے اچھا شوہر ہو۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنے کی ایک سعی کی تھی، مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ابھی اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ بہ غور توجہ سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''اتنا بے خبر اور انجان رہنا اچھی بات نہیں سویٹی!......خود کو بیدار رکھا کرو۔ اپنے خوابوں کی حفاظت کرتے رہنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے...... بہت ضروری ہے کہ تم ان خوب صورت آنکھوں کو خدشوں سے، بے کار کے واہموں سے آزاد کر دو۔ ایک خوب صورت تجربے کے طور پر ہی سہی، کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟'' مدھم لہجے میں کوئی اسم پھونکنا چاہا تھا اُس پر۔ میرب سیال اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ اس شخص کے تیور نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔

اس کے چہرے پر جھکا وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا پرابلم یہ ہے کہ تم اپنے اندر کی خبر کسی کو ہونے دینا نہیں چاہتی ہو، مگر کوئی نگاہ ان قیود کو بھی نہیں مانتی''۔ کتنی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر تھیں۔ حدت سے وہ جلنے کو تھی۔

''توڑ دو یہ فضول کی دیواریں...... یہ حد بندیاں۔ نکل کر دیکھو ان سے باہر۔ جان پاؤ گی کہ زندگی کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور جینے کا لطف کیا...... جو تمہاری طرح فکروں سے بندھے رہتے ہیں وہ دو دن بھی ڈھنگ سے جی نہیں پاتے۔ اپنے آپ کو جینے دو...... مائل کرو کہ جینا بہت ضروری ہے۔ کبھی ایک پل میں ہزاروں لمحے سمیٹ لینے کا ہنر سیکھو...... جان لو کہ ہزار لمحوں میں زندگی نہیں ہوتی کبھی۔ فقط ایک ایک لمحہ جینے کے لیے اپنے اندر کئی صدیاں رکھتا ہے۔ تجربہ کرو کبھی اور جان لو، ان شب و روز کی حقیقت کیا ہے......ایک لمحے کے لیے نہیں، ایک پل کے لیے بھی نہیں، صدیوں کے لیے۔ صدیوں کی رازوں بھری بات جان لو۔ اور مان لو کہ تم غلط ہو۔ قبول کرو کہ تم نے کبھی وہ لطف آگہی اور رمز آشنائی چکھا ہی نہیں۔ جانا ہی نہیں۔ خود کو کھوجا ہی نہیں۔ کھوج لیتیں تو جان پاتیں کہ تم بے رنگ، پھیکے رنگوں میں

جی رہی ہو اور اس زندگی کی حقیقت کچھ نہیں۔ تیار ہو جاؤ، فاطمہ پھپھو کے ہاں عفنان کی شادی کی تقریب ہے، وہاں جانا ہے۔ اس کے بعد نئے لمحوں کا سواگت ہمیں بھی اسی قدر جوش و خروش سے کرنا ہے۔ اگرچہ انتظار طویل ہے اور صبر آزما بھی"۔

مدھم سرگوشیوں میں کیسے کیسے اسرار تھے۔ کیسے بھید چھپے تھے۔ میرب سیال نے ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا یا پھر وہ ہی اب مزید حصار میں رکھنے پر مائل نہ تھا۔ گرفت ڈھیلی پڑی تھی اور ایک لمحے میں میرب اس حصار سے باہر تھی۔ اختیار ختم ہوا تھا۔

پل دو پل کی مہربانی نے اپنے پر سمیٹ لیے تھے اور وہ شخص اسی قدر گریز پائی سے پلٹا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا، مگر میرب سیال خود کو ان پُرتپش لمحوں کی گرفت میں اب تک جلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ شاہ کو سجایا سنوارا جا رہا تھا...... دُلہن کا رُوپ دیا جا رہا تھا، مگر وہ عجب بُت بنی بیٹھی تھی۔ ساکت آنکھوں میں کوئی خواب نہ تھا۔ نہ کوئی خیال۔ عجب ویرانی سی تھی۔ جیسے وہ تمام خوابوں سے اپنا ناتا توڑ چکی تھی۔ زندگی جیسے اس وجود میں تھی ہی نہیں۔

لامعہ اُسے زیورات پہناتے ہوئے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ جب انابیہ نے اچانک ہی اُس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"لامہ......!" بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

مگر لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

"لامعہ!...... مجھے تم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی تمہیں مجھ سے کچھ پوچھنے کی۔ میں جانتی ہوں تم کن کٹھن مراحل سے گزر رہی ہو۔ اگر...... اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو شاید...... شاید میں بھی ایسا ہی کرتی۔ مگر لامعہ! یہ ٹھیک نہیں کیا تم نے"۔ پُرسکوت لہجے میں انابیہ بولی تھی۔ جب لامعہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ لمحہ بھر کو اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

انابیہ چند ثانیوں کو اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"لامعہ! اپنے خواب، اپنی ہی آنکھوں میں سنبھال کر رکھنے چاہئیں۔ دان کر دیں تو آنکھیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ کائی جم جاتی ہے پلکوں کی درزوں پر۔ آنکھوں کی زمین سیم زدہ ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی جگہ جس پر پھر کبھی خواب نہیں اُگ سکتے۔ لامعہ! تم نے اپنی آنکھیں کیوں بنجر کر لیں؟...... کیوں ناتا توڑ لیا خوابوں سے؟" انابیہ کا لہجہ دھیما تھا اور لامعہ کی ساکت آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے۔

"لامعہ! کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے کیا، کیا اور کتنا غلط کیا؟...... میں کیسے جی پاؤں گی اتنے سارے بوجھ دل پر لے کر؟...... تم نے ایک پل کے لیے بھی نہیں سوچا کہ کتنی مشکل ہو جائے گی میری زندگی...... پہلے ہی آسان تو نہیں...... تم نے روکا کیوں نہیں عفنان کو؟...... ان سب کو؟...... کیسے ہونے دے رہی ہو تم یہ سب چپ چاپ؟...... لامعہ! کیوں کوشش کر رہی ہو تم اس درجہ عظیم بننے کی؟...... میں تمہارے یہ احسان لے کر کیسے جیوں گی؟...... تم نے کیا کیا لامعہ! ایسا؟...... کیوں چاہا کہ میں ایسی زندگی جیوں؟" مدھم آواز کے ساتھ کتنی خاموشی کے ساتھ آنسو آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ لامعہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"لامعہ! مجھے یہ احساس واقعی جینے نہیں دے گا۔ میں جب تک عفنان علی خان کے ساتھ جیوں گی، مجھے یہ بات مارتی رہے گی کہ میں نے تمہارا، اپنی دوست کا حق غصب کیا۔ میں نے تمہیں......لامعہ! تم......" انا بیہ شدت جذبات سے چپ ہوگئی تھی۔ لامعہ نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالا تھا اور باہر نکل آئی تھی مگر اپنے عین سامنے کھڑے اوزی کو دیکھ کر چونک گئی تھی۔

اوزی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ لامعہ نظریں چرا گئی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے بنا کچھ کہے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ لامعہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اوزی کی نظریں بدستور اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"اوزی!......تم......" لامعہ نے کسی قدر الجھن سے اسے دیکھا تھا۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟" اوزان سید نے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لامعہ حق اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں......مجھ سے شادی کرو گی؟" اوزان سید نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

لامعہ حق اب بھی اسی قدر حیران تھی۔ زبان گنگ تھی۔ جیسے اس کے پاس بولنے کو لفظ نہ تھے۔

"میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں......اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں...... بولو، کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟" اوزان سید نے اپنی بات کو آگے بڑھایا تھا۔

"یہ......یہ کیا عجیب سوال ہے؟" لامعہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ واضح انداز میں کنفیوژڈ دکھائی دے رہی تھی۔

"سوال عجیب نہیں ہے لامعہ! بہت بروقت اور مناسب ہے......تم یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی بہت جلدی کا فیصلہ ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے"۔

"مگر...... میں......اتنی جلدی......اوزی! تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟...... پاگل ہو گئے ہو تم...... یہاں انا بیہ کو لے کر اتنی ٹینشن رہی اور اب جبکہ اس کی شادی ہو رہی ہے تو تم......کہیں تم بھی سب لوگوں کی طرح یہی تو محسوس نہیں کر رہے کہ میرے ساتھ......؟" لامعہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"دیکھو اوزان سید!......میرے ساتھ ایسا ویسا کچھ غلط نہیں ہو رہا یہاں۔ اور تم......تم نے یہ کہا بھی کیسے؟......تم جانتے ہو نا، میں ایک بار پہلے بھی تمہیں انکار کر چکی ہوں۔ اور پروپوز کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟......اس طرح بیچ راہ کھڑے، اچانک افراتفری میں راستہ روک کر؟......رشتے اتنی ہی آسانی سے بنتے ہیں کیا؟......مذاق سمجھ رکھا ہے تم نے شادی کو؟" لامعہ نے سختی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں......میرے نزدیک شادی مذاق نہیں ہے لامعہ!......تبھی تو تمہیں پروپوز کر رہا ہوں۔ وقت ہے تمہارے پاس......تم مجھے سوچ کر جواب دے سکتی ہو، مگر میرا نہیں خیال کہ تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز ہوگا، پھر بھی میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گا"۔

اوزی پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ لامعہ حق کتنی دیر تک کھڑی اس سمت دیکھتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی لحہ لحہ سفر کرتی ہے اور ہر قدم اپنے ساتھ ایک نیا تجربہ لے کر آتا ہے۔ وہ تجربہ جو اس سے قبل نہیں کیا ہوتا۔ نظر وہ رنگ دکھاتی ہے جو اس سے قبل نہیں دیکھا جاتا۔

انابیہ رخصت ہو کر ایک نئی دنیا بسانے عفنان علی خان کے گھر آ گئی تھی...... یہ الگ بات تھی کہ نہ دل میں کوئی اُمنگ تھی نہ ترنگ۔ حجلۂ عروسی میں وہ بُت بنی چپ چاپ بیٹھی تھی جب عفنان علی خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔

عفنان علی خان نے دروازہ بند کیا تھا اور چند لمحوں کے لیے ایک عجب ایک تذبذب میں وہیں کھڑا رہا تھا۔ انابیہ شاہ گھونگھٹ کیے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ عفنان علی خان کے اندر داخل ہونے پر وہ چونکی نہیں تھی۔ بس چپ چاپ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رُکی تھی۔ آہستہ آہستہ سارے زیوروں سے خود کو آزاد کیا تھا اور زرتار سرخ آنچل بیڈ پر اُچھالتے ہوئے چلتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان ان اقدامات کو چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کہنے کو، بولنے کو کچھ نہ تھا۔ اور کہتا بھی کس سے؟ در و دیوار سے بات کرنے کا اُسے کوئی جنون نہ تھا۔ پاگل تھا کسی کے عشق میں...... مگر اب اتنا بھی نہیں کہ...... کیسے کیسے خواب نہ سجائے تھے۔ مگر آج تو سب دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

یہ وقت......

یہ لمحے......

جیسے کبھی خواب تھے۔

انابیہ کا ملنا...... اپنی زندگی میں آنا اُسے ناممکن لگتا تھا...... مگر آج...... آج وہ اس کی زندگی میں تھی...... ایک چھت...... ایک کمرے میں...... ایک در و دیوار کے ساتھ، اس کے ساتھ موجود تھی۔ قرب تھا، اختیار تھا۔

استحقاق جمانے کے سارے حق وہ محفوظ رکھتا تھا، مگر جیسے قدم بندھے ہوئے تھے اور دل......

شاید...... اب وہ بھی مر چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک ویسے ہی کھڑا رہا تھا۔ پھر آگے بڑھ آیا تھا۔ تبھی ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر انابیہ باہر نکلی تھی اور نظر اس پر پڑی تھی اور چونک کر رُک گئی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔ غالباً وہ اس صورتِ حال پر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کا رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا، جب انابیہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رُکی تھی۔

''تو جیت گئے تم؟...... بالآخر فاتح رہے تم۔ جو چاہا، حاصل کر لیا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر کسی کی انا مجروح ہو رہی ہو۔ کسی کو سفر کرنا پڑ رہا ہے، یا پھر کوئی بے موت مر رہا ہے یا مر مر کر جی رہا ہے۔ عفنان علی خان! تمہیں تو جیتنے کی عادت ہو چکی ہے اور اپنی اس جیت کے لیے تم کچھ بھی کر سکتے ہو...... کسی بھی حد تک جا سکتے ہو اور ایسا میں دیکھ چکی ہوں'' ۔ انابیہ کا لہجہ ٹھوس مگر دھیما تھا۔ عفنان علی خان اسے حیرت

سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا......کیا دیکھ چکی ہو تم؟......میں نہیں سمجھا......کیا دیکھا ہے تم نے؟“

”تم......تم نہیں سمجھتے ہو عفنان! کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟......تم نہیں سمجھتے ہو کہ میں کیا بات کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟“ انابیہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے چیخی تھی۔

”تم......کیا سمجھتے ہو عفنان! تم اتنا کچھ کر گزرو گے اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔کوئی عقل نہیں رکھتا تمہارے علاوہ یہاں؟......کیا سب اندھے ہیں یہاں؟......نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ ہی سمجھ سکتا ہے؟“

عفنان علی خان کے چہرے کی کیفیت متغیر ہو گئی تھی۔بہت غصے سے اس وقت انابیہ کو دیکھا تھا۔

”انابیہ! تم جو کہنا چاہتی ہو اس پر اچھی طرح سے غور کر لو......میں تمہاری کوئی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں اور میرا خیال ہے ابھی تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔میں یہیں ہوں سننے کے لیے۔تم کہتی رہنا، میں سنتا رہوں گا۔فی الحال تم آرام کرو“۔سپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ پلٹا تھا جب انابیہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رُکی تھی۔

”کیا سمجھتے ہو تم......بہت اسمارٹ ہو، بہت بڑی کھلاڑی ہو؟......جب، جس طرح چاہو گے کھیلتے رہو گے؟“

عفنان علی خان کا ضبط جواب دینے کو تھا مگر وہ سختی سے لب بھینچ گیا تھا، پھر ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر بغور دیکھا تھا۔

”انابیہ! تمہیں آرام کی شدید ضرورت ہے“۔

”کیا......کیا سمجھتے ہو تم؟......پاگل ہوں میں؟......کیا سمجھتے ہو تم، اتنی بدھو اور بے وقوف ہوں کہ تم نے جو کیا وہ سمجھ ہی نہ پاؤں گی؟“ انابیہ چیخی تھی۔

”عفنان!......زندگی تاش کا کھیل نہیں ہے کہ تم اپنی مرضی کے پتے اُٹھا اُٹھا کر اپنے ہاتھ میں رکھتے جاؤ اور جیت ہار ہر بار تمہاری ہی ہو......میں صرف تمہیں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔کیونکہ اس بار تم جیت کر بھی نہیں جیت سکو گے“۔

”کیا......کیا کہہ رہی ہو تم؟“ عفنان علی خان نے اُسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔”بولو، کیا سمجھ رہی ہو تم؟ اور کیا سمجھانا چاہ رہی ہو تم مجھے؟......کیا، کیا ہے میں نے؟......بولو، کیا کیا ہے میں نے؟......کون سی جیت کو تم میری جیت کہہ رہی ہو؟......کہاں فاتح رہا ہوں میں؟......تم یہاں اس کمرے میں میرے سامنے ہو تو کیا یہ میری جیت ہے؟......پاگل! ایسا تو میں بہت پہلے بھی کر سکتا تھا۔کیا مشکل تھا میرے لیے۔میری محبت کو میری کمزوری مت سمجھو۔اگر آج تم یہاں اس کمرے میں موجود ہو تو صرف اس لیے کہ میں نے تم سے محبت کی ہے۔کوئی احسان نہیں کیا میں نے تم پر۔کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میں خود تم سے دست بردار ہو جاتا، یہ سن کر بھی کہ تم کسی اور کے متعلق سوچتی ہو......کسی اور کو چاہتی ہو، تمہیں اپنی زندگی میں داخل کر لینا آسان نہیں تھا میرے لیے۔اور تم ہو کہ اب بھی“۔ایک جھٹکے سے اسے

چھوڑتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے رُخ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ضبط کی، برداشت کی جیسے یہ حد تھی اُس کی۔

''پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہی ہو تم...... کیا کیا الزام لگا رہی ہو لیکن میں...... میں شاید کبھی کسی شے کی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔ کسی شے کی صفائی نہیں دے سکوں گا۔ کبھی کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکوں گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے آج تک میں اپنی محبت کو تم پر ثابت نہیں کر سکا۔ ایک ایک پل، ایک ایک دن، ایک ایک رات، کس قدر، کس طرح سوچا تمہیں...... کس طرح چاہا...... مگر تم آج تک، اسی ایک بھید کو نہیں پا سکیں تو آج...... آج کیا سمجھ پاؤ گی؟'' مدھم لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔ ''تمہیں جو سوچنا ہے، سوچتی رہو...... جو الزام لگانا چاہتی ہو لگاتی رہو۔ میرے پاس کسی الزام کے لیے نہ تاویل ہے نہ کوئی وضاحت، نہ کوئی صفائی، نہ ثبوت...... جو کرنا چاہتی ہو تم کر لو۔ جرم ثابت کرنے کے لیے جو کر سکتی ہو کر لو۔ میرے پاس تب بھی یہی جواب ہوگا۔ ہر صفائی یہی ہوگی کہ میں نے تم سے پیار کرنے کا جرم کیا ہے اور وہی جرم مسلسل کر رہا ہوں۔ نہ کبھی خود کو اس سے روک سکا ہوں، نہ ٹوک سکا ہوں''۔ اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔

''بار ہا...... بار ہا سوچا...... بار ہا دیکھا تمہیں...... اور پھر سوچا، ایسا کیا ہے تم میں؟...... ایسا کیا؟...... کیوں اس قدر پاگل ہو رہا ہوں میں؟...... مگر نہیں''۔ سر نفی میں ہلاتے ہوئے نگاہ پھیر گیا تھا۔ ''کبھی نہیں سمجھ سکا۔ کبھی کوئی جواز تمہارے خلاف نہیں رہا۔ کمبخت یہ دل بھی کبھی تمہارے خلاف نہیں رہا۔ اب کیا کروں، جب میرا دل ہی میرے ساتھ نہیں تو پھر کسی اور سے کیا شکوہ کروں؟...... تم تو پھر کوئی اور ہو۔ مجھ سے الگ ہو، مجھ سے جدا۔ نہ رابطہ، نہ واسطہ، کچھ نہیں۔ صرف ایک سکوت اور سکوت کو سمجھنے کی تم کبھی کوشش نہیں کر سکتیں''۔ وہ جانے کو آگے بڑھا تھا۔

''تم اس طرح خود کو بچا کر نہیں جا سکتے ہو...... نہ ہی تم اتنے انجان ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ تم اس معاملے میں ملوث رہے ہو۔ جب کچھ اور نہ بن سکا تو یہ راہ اپنائی۔ مجھے اغواء کرایا، پھر بازیاب کرایا۔ جھوٹی ہمدردی جتائی اور موڑ توڑ کر راہ وہاں تک لا کر ختم کی کہ تمہارا سارا مطلب پورا ہو گیا۔ میرے لیے زندگی کے دروازے بند کر کے تم نے اپنے لیے زندگی کی نئی راہیں کھولی ہیں۔ تم ایک خود غرض شخص ہو۔ جو صرف اپنا مفاد دیکھتا ہے اور بس۔ اپنے فائدے کے لیے جو کچھ بھی کر سکتا ہے وہ سب تم نے کیا۔ سب کی نظروں میں ہمدردی بھی سمیٹی، مجھ پر احسان بھی کیا اور وہ سب پا بھی لیا جس کی کبھی تمنا کی تھی۔ کتنے فراڈ شخص ہو تم۔ کتنا بڑا دھوکا ہو...... یہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ صرف مجھے پانے کے لیے تم اس حد تک گر سکتے ہو، صرف ایک جسم کے لیے''۔ اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

عفنان علی خان نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما تھا۔ انداز انتہائی پُر اشتعال تھا۔ جیسے انابیہ نے اس کے اندر ایک الاؤ دہکا دیا تھا۔ آنکھوں میں سرخی سی اُتر آئی تھی۔ لب سختی سے بھینچے اُسے دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہزار ضبط کی راہ سے چپ چاپ گزر رہا تھا۔

''تم جو ثابت کرنا چاہتی ہو کرو، میں جا کر بھی یہی کہوں گا جو یہاں اس بند کمرے میں تم سے کہا۔ تم جو ثابت کرنا چاہتی ہو کر لو...... جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ۔ جو بھی گناہ ثابت کرنا چاہتی ہو کر لو۔ میں تیار ہوں''۔ مدھم لہجہ اپنے اندر جیسے ہزار ہا طوفان چھپائے ہوئے تھا۔

''تم جو کرنا چاہتی ہو، کرلو۔ شاید ایسا کر کے تم کچھ سمجھ لو جو اَب تک نہیں سمجھی ہو۔ مگر میں تم سے اپنی وضاحت کے لیے کچھ نہیں کہوں گا۔ کوئی صفائی نہیں، ایک لفظ بھی نہیں۔ پچھتا رہا ہوں آج میں۔ بہت غلط جگہ ڈوبا ہوں میں۔ صرف جسم......'' جلتی ہوئی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اُس کے آہنی ہاتھوں کی گرفت خود بہ خود ہی اس کے نازک کندھوں پر سخت ہوگئی تھی۔ شعلہ برساتی نظریں اس لمحہ انابیہ کے چہرے پر گڑھی تھیں۔

''کیا......کیا سمجھتی ہو تم؟......صرف جسم......اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ بہت چھوٹا سوچتی ہو تم۔ بہت چھوٹی عقل ہے تمہاری۔ تم یا تمہارا جسم میرے لیے پانا کبھی کوئی پرابلم تھا ہی نہیں۔ بولو، کب میں بے اختیار تھا؟ کب میں تمہیں نہیں پا سکتا تھا؟...... ہزار ہا لمحے تھے میرے پاس۔ میں ایسا جب چاہتا کرسکتا تھا۔ میرے لیے تمہیں یا تمہارے جسم کو حاصل کرنا مشکل نہیں تھا۔ تم ہی کیا، کوئی بھی لڑکی، جب چاہتا، جہاں چاہتا حاصل کرسکتا تھا، مگر صرف محبت کی مالا جپتا رہا میں......آنکھوں پر پٹی بندھ گئی تھی میری۔ اندھا ہو گیا تھا تمہاری محبت میں۔ بہت کمزور پڑ گیا تھا اپنی اس محبت کے ہاتھوں۔ تم، تمہارے خیال، تمہاری محبت سے باہر کبھی نکل ہی نہیں سکا۔ اس سے آگے کبھی کچھ سوچ ہی نہیں سکا۔ ورنہ کیا مشکل تھا میرے لیے۔ اور بقول تمہارے، تمہارا اغواء بھی میں نے ہی کیا......تو پھر کیا مشکل تھا تمہیں وہاں بھی پا لینا۔ ایسا تو میں وہاں بھی کرسکتا تھا۔ آخر تمہیں اغواء کرنے میں کچھ تو فائدہ نکلتا میرا۔ یونہی کلائیاں کاٹ کر کیوں چھوڑ دیتا؟'' انتہائی درشتی سے کہتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا۔

''کچھ نہیں سمجھتی ہو تم......کچھ نہیں......فضول ہے تم سے سر پھوڑنا۔ تم سدا اسی ڈگر پر چلتی رہو گی اور اسی طرح سوچتی رہو گی''۔ لب سختی سے بھینچ کر وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ پانیوں سے بھری آنکھوں سے اسی جگہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

کیا عذاب اُترا تھا اب کے آنکھوں پر......

نہ چین تھا، نہ قرار تھا۔

عجب مشکل میں تھی جان۔

☆......☆......☆

شادی کی تقریب میں شرکت کے بعد میرب سیال خاصی تھک گئی تھی۔ ایک خاص رشتے کے ساتھ، خاص حوالے کے ساتھ۔ یہ سب تجربے بڑے انوکھے اور نئے تھے۔ انوشے وغیرہ اسے کئی حوالوں سے چھیڑ رہی تھیں اور سوائے مسکرانے کے اس کے پاس کوئی آپشن نہ تھا۔ اتنا مسکرائی تھی کہ جبڑے تک دُکھنے لگے تھے۔

ہاتھوں سے چہرے کو دونوں طرف سے دباتی ہوئی، زینہ چڑھ رہی تھی تبھی کچھ آوازوں کے ساتھ اپنے پیچھے اُسے کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری تقریب میں اُسے تنہا چھوڑ کر کسی ضروری کام سے نکل گیا تھا۔ وہ واپس ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ غالبًا

وہی لوٹا تھا۔اُس نے کسی قدر اطمینان سے چہرے کا رُخ پھیر کر اپنے پیچھے ہال میں دیکھا تھا، مگر نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

ہال کا منظر نامہ خاصا مختلف تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں کسی کے ساتھ موجود تھا۔میرب سیال کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

دور کھڑی مسکراتی ہوئی 'گی' کو دیکھا تھا۔

گی نے اُسے دیکھ کر اپنا ہاتھ ہلایا تھا۔وہ فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہ کر سکی تھی مگر وہ اس لمحے اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔بغور توجہ سے گی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تو یہ ہے وہ خاص مہمان۔

یہ تھی وہ شخصیت جس کا انتظار اتنے جوش وولولے سے کیا جا رہا تھا۔

اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ولولہ......وہ بے قراری......وہ سب خاص تیاریاں صرف اس ایک فرد کے لیے تھیں؟

تو کیا گی اتنی اہم تھی اس شخص کے لیے؟

اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے لیے دن گن گن کر کاٹے تھے۔

وہ شوق، وہ لگن صرف اس چہرے کے لیے تھی؟......تو پھر اس سے اس کی وہ لگاوٹ، وہ توجہ کس لیے تھی؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پھر کیا پینترا بدلا تھا، ایک لمحے میں کہ اس کے لیے کہانی کو سمجھنا پہلے سے زیادہ دشوار ہو گیا تھا۔اب کیا کھیل تھا، کس طرح کھیلا جا رہا تھا؟......یہ سمجھنا اسے انتہائی دشوار لگا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھنا یقیناً آسان نہ تھا۔وہ کوششیں کر کر کے ہار گئی تھی۔اور یہ کھلا تھا کہ سب ناممکن ہے۔

کتنی پھٹی پھٹی......حیرت سے بھری آنکھوں سے وہ ساکت بُت بنی کھڑی ان دونوں کی سمت دیکھ رہی تھی۔

کیا ہو رہا تھا یہ؟

کیوں ہو رہا تھا؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا کر رہا تھا یہ؟

وہ اُس کی منکوحہ تھی، اس کی دسترس میں تھی اور وہ نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔یہی مزاج تھا اُس کا......پھر میرب کیوں نہیں سمجھی تھی؟......کیوں نہیں اسے لگا تھا کہ سب اگر ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہنا ہے تو وہ کیوں خود کو اس درجہ ڈھال رہی ہے؟ اس کے ماحول میں، کیوں رنگ رہی ہے ایک نئے ڈھنگ، نئے رنگ میں؟......کیوں سمجھوتوں کے پل باندھ رہی ہے؟ اس کے اور اپنے درمیان پڑنے والی دیواریں ڈھا رہی ہے۔

پاگل......بالکل پاگل تھی وہ۔

جو سمجھ رہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کبھی بدل بھی سکتا ہے۔ وہ ایک نئے زاویئے میں...... نئے رنگ میں ڈھل سکتا ہے۔
بالکل غلط قیاس کیا تھا اس نے۔ وہ مُڑی تھی۔ پلٹنے لگی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔
''میرب! سنو''۔ وہ رُکنا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیا ہوا تھا کہ قدم آگے بڑھ ہی نہ سکے تھے۔ اسی جگہ پر جم گئے تھے۔ کسی میکانکی انداز میں وہ پلٹی تھی۔ لبوں سے بولی کچھ نہیں تھی۔ بس چپ دیکھا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دِل کشی سے مسکرایا تھا۔
''زلیخا کو آرڈر کر کے بجھوا دو...... کچھ اچھا سا...... تم سمجھ رہی ہونا، میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' مسکراتے ہوئے بدستور نگاہ اس کے چہرے پر تھی۔ میرب سیال کسی قدر دوری پر تھی مگر اس کے باوجود وہ اس شخص کی آنکھوں کے رنگ کو پڑھ سکتی تھی اور جان سکتی تھی کہ اس گھڑی وہ کس درجہ محظوظ ہو رہا تھا اور کس درجہ سرشار تھا۔ مائی کے جانے کے بعد اس کے یہ رنگ بہت انوکھے تھے۔ آج سے پہلے کچھ بھی تھا، سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی لڑکی کو کبھی اس طرح گھر کی دہلیز پار کرا کر اندر نہیں لایا تھا مگر آج مائی کے گھر پر نہ ہونے سے وہ ساری حد بندیاں ٹوٹ گئی تھی۔ جو اُن دیکھی ایک دیوار تھی، وہ اب نہیں رہی تھی۔
''میرب!'' اُسے چپ چاپ بُت بنا کھڑا دیکھ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے پکارا تھا۔
وہ چونکی تھی۔
''جی......؟'' عجب سعادت مندانہ انداز تھا۔ جیسے وہ واقعی اُس کی خادم تھی اور اس کی خدمت پر مامور تھی۔
''پھر جاؤ''۔ عجب حکم صادر ہوا تھا۔ صوفے پر گی کے کسی قدر قریب بیٹھا وہ بہت دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ وہ پلٹی تھی جب آواز ایک بار پھر تعاقب میں آئی تھی۔
''میرب......!''
اُس کی برداشت کی حد تھی مگر کسی کے سامنے وہ کسی طرح کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ اپنا یا کسی اور کا تماشہ بنوانا مقصود نہ تھا۔ تبھی بہت سعادت مندی سے دوبارہ پلٹی تھی۔
''جی...... کچھ اور؟'' بہت ضبط سے مسکراتے ہوئے وہ یوں بولی تھی جیسے وہ اس گھر کی ملازمہ ہو۔
گی نے اس کے کان کے قریب اپنے گداز لب کر کے کچھ کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ میرب سیال اب بھی منتظر سی، تابع دار کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً اُسے وہیں روک کر بھول چکا تھا۔ میرب سیال نے کچھ دیر ضبط کے بند باندھتے ہوئے اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بول پڑی تھی۔ گین اپنی منظورِ نظر گی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی مصروف نظر آ رہا تھا۔
''سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا میں جاؤں؟'' اجازت نامہ پیش ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چونکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

میرب سیال پلٹی تھی اور آگے بڑھنے لگی تھی۔ اندر کہیں بہت سا دھواں بھر رہا تھا۔ بہت بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حد کر دی تھی۔ واقعی کسی ملازمہ کی طرح پیش آ رہا تھا اس سے۔ اپنی نظروں میں کتنی بے وقعت سی لگی تھی وہ...... تذلیل کے احساس سے آنکھیں جلنے لگی تھیں اور جل تو جانے اور بھی کیا کچھ، کہاں کہاں رہا تھا، مگر یہ جاننے کی فرصت کسے تھی۔

''مائی! آپ کیوں گئیں؟...... خدارا واپس آ جائیں''۔ زلیخا کو محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کی ہدایت خاص پہنچا کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی تو بے ساختہ دِل سے نکلا تھا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔

کیسا جیون ساتھی ملا تھا؟

جس کے ساتھ ہر لمحہ ایک نیا امتحان تھا۔ ہر لمحہ ایک نیا تجربہ تھا اور ہر تجربہ پہلے سے زیادہ مختلف تھا۔ اس مختصر سے عرصے میں اتنے نئے رنگ دیکھ لیے تھے تو جانے عمر بھر کتنے تجربوں کے رنگ دیکھنا باقی تھے۔

وہ کس سے کہتی؟...... کس سے سنتی؟...... کوئی پرسانِ حال بھی تو نہ تھا۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری نے فیصلہ کر لیا تھا، ایک نئی زندگی میں داخل ہونے کا۔ نئے رفیق، نئے ہم سفر کے ساتھ۔ سو گزشتہ عہد کی باتوں کو فراموش کر دینا بھی اتنا ہی ضروری تھا۔ اگرچہ فی الفور ایسا ممکن نہ تھا مگر وہ جانتا تھا، ساہیہ کی محبت ایسا کر دے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا۔

رات کے کھانے پر چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا اور مسکرا دی تھیں۔

''کچھ مختلف لگ رہے ہو آج۔ کوئی خاص بات؟''

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ممی! آپ وہ واحد نظر رکھتی ہیں جو میرے اندر جھانک لیتی ہے''۔

''ہاں، مگر اب مجھے لگ رہا ہے ان دنوں......'' فارحہ نے بیٹے کو چھیڑا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''مجھے معلوم تھا آپ جان چکی ہیں''۔

فارحہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ تم بتاؤ نا، معاملہ کیا ہے؟...... کوئی نیا کاروباری معاہدہ کیا ہے یا کچھ اور؟''

اذہان ہنس دیا تھا۔

''ممی! آپ بھی نا...... لڑکی دیکھ لی ہے میں نے آپ کی بہو بنانے کے لیے''۔

''اچھا.....کون ہے وہ؟'' فارحہ مسکرائی تھیں۔

''آپ کی پسند، ساہیہ خان۔ اور کون''۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے جیسے ہتھیار ڈالے تھے۔

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''تو بالآخر کسی فیصلے پر پہنچ گئے تم''۔

''ہاں ..... میں نے سوچا، اور مجھے لگا، واقعی ساہیہ وہ لڑکی ہے جو مجھے جھیل سکتی ہے، جو مجھے ایک اچھی زندگی دے سکتی ہے''۔ وہ مسکرایا تھا۔ ''اس کی رفاقت مجھے ایک نیا احساس دلا سکتی ہے''۔

''یعنی اب میں تمہارا رشتہ باضابطہ لے کر ساہیہ کے گھر جا سکتی ہوں؟'' فارحہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے سرا ثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں! ..... یہ باقی سب لوگ نظر نہیں آ رہے ..... ماہا، چاچو؟''

''فیض تو خیر تھکا ہوا ہے، اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ ماہا پڑھ رہی ہے''۔ ماہا کے نام پر فارحہ کا چہرہ کسی قدر بجھ کر رہ گیا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟ آپ اس طرح پریشان کیوں ہو گئیں؟ ..... کوئی پریشانی؟'' اذہان نے دریافت کیا تھا۔

فارحہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھیں۔ اور اذہان سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

''ممی! آپ پھر مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں''۔ جانچتی نظروں سے ماں کو دیکھا تھا۔

''نہیں ..... ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ دراصل ..... تمہارے پاپا ..... ایک رشتہ ماہا کے لیے لائے تھے۔ تم کچھ دنوں سے یوں بھی پریشان تھے کہ میں نے تمہیں پریشان کرنا ضروری خیال نہیں کیا''۔

''رشتہ ..... کیسا رشتہ؟ ..... آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کون ہے؟ ..... کیا کرتا ہے؟'' اذہان نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''تمہارے پاپا کے کوئی جاننے والے ہیں''۔ فارحہ نے دانستہ چھپایا تھا۔

''جاننے والے؟ ..... پاپا کے ایسے کون سے جاننے والے ہیں جن کے متعلق میں نہیں جانتا؟ آپ بتائیے، مجھے ضرور علم ہو گا۔ آپ نے بتایا نہیں، لڑکا کیا کرتا ہے؟''

''سعد بتا رہے تھے، اپنا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنے والا ہے ..... اُن کی دوسری بیوی کا کوئی رشتہ دار ہے''۔

''کیا .....؟'' اذہان حسن بخاری کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔ ''پاپا ایسا کر رہے ہیں؟ ..... اتنا کچھ گھر میں ہو رہا ہے اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں اور پاپا ..... پاپا ایسا کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ ..... ان کو ذرا بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں کہ ایک بار ماہا کی زندگی ان کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے۔ ان کی وجہ سے ان کی بیٹی کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں ..... وہ اس حد تک جا سکتے ہیں، مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ اور آپ ..... ممی! آپ پھر خاموشی کے ساتھ سب ہونے دینے جا رہی ہیں۔ آپ کتنی کمزور واقع ہوئی ہیں۔ پاپا آخر چاہتے کیا

ہیں؟...... جب اپنی زندگی، اپنی دُنیا الگ بسالی ہے تو پھر دوسروں کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟...... ہماری زندگی میں مسلسل دخل اندازی کیوں کر رہے ہیں؟...... پہلے میرے اور ساہیہ کے رشتے کو لے کر اور اب ماہا......'' اذہان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''وہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس گھر میں، اس گھر کے لوگ صرف انہی کے حکم پر چلیں؟''

اذہان! وہ تمہارے پاپا ہیں۔ یہ مت بھولو تم''۔ فارحہ نے ڈپٹا تھا۔

''نہیں بھول رہا ہوں...... یہی بات تو نہیں بھول سکتا کہ وہ میرے پاپا ہیں، مگر وہ جو کر رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم اس بار میں ماہا کو کوئی قربانی نہیں دینے دوں گا''۔ وہ اُٹھا تھا اور چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ فارحہ چپ چاپ بیٹھی اس کو جاتا دیکھتی رہی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان کا ذہن اب تک سلگ رہا تھا۔

رات اُس نے دوسرے کمرے میں بسر کی تھی۔ صبح جب اُٹھ کر وہاں سے نکل رہا تھا، ممی نے آلیا تھا۔ دریافت کچھ نہیں کیا تھا مگر عفنان علی خان کسی مجرم کے سے انداز میں چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''انابیہ بہت مضطرب تھی...... اس لیے میں......''

فاطمہ بیٹے کی ٹوٹی پھوٹی، شکستہ سی وضاحت پر مسکرادی تھیں۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا تھا۔

''بیٹا! تم اب اس ڈگر پر ہو جہاں اپنی زندگی کو بہت بہتر طریقے سے خود آپ سنبھال سکتے ہو۔ شادی ایک ذمے داری ہوتی ہے جسے تم اُٹھا چکے ہو اور مجھے اُمید ہے تم اب کسی گام پر نہ تھکو گے''۔ فاطمہ بیٹے کے چہرے کو تھپتھپائے ہوئے مسکرادی تھیں۔

''اپنے کمرے میں جاؤ اور جا کر تیار ہو جاؤ۔ آج شام تم لوگوں کے ولیمہ کی دعوت رکھی گئی ہے۔ انابیہ کو بھی بتا دینا۔ اسے سہ پہر میں ہی بیوٹی سیلون جانا ہوگا۔ وہیں سے گاڑی اسے لے کر ہوٹل لے جائے گی۔ جہاں ولیمہ ہے۔ میں عریشہ کو اس کے ساتھ بھجوادوں گی''۔ فاطمہ نے اطلاع دی تھی۔

عفنان علی خان سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چل پڑا تھا۔ کمرے کا دروازہ مقفل نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ کھولتے ہوئے لمحہ بھر کو ہچکچایا ضرور تھا۔

اگرچہ یہ اس کا اپنا کمرہ تھا۔ کتنے شب و روز اُس نے اس کمرے میں پورے بھرپور استحقاق کے ساتھ بسر کیے تھے مگر آج اس پر کوئی اور قابض تھا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں دھیان، اس خواب بسر ہوتے چہرے پر گیا تھا۔

سرنگ رنگ عروسی لباس میں وہ بے خبر سوئی ہوئی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ عفنان علی خان کے قدم بے ارادہ اس کی سمت بڑھے تھے۔ پاس جا کر رُک کر بغور اس چہرے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا مگر پھر یک دم ہی ارادہ ملتوی کرتے ہوئے

بڑھا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ لمحہ بھر کو اسی طرح کھڑا رہا تھا پھر کمبل بہت آہستگی سے اُٹھا کر اس پر ڈال دیا تھا اور پلٹ کر واش روم کی سمت بڑھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ نے واش روم کے بند ہوتے دروازے کی آواز سنی تھی اور بہت آہستگی سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ آنکھیں ایک لمحے میں جلنے لگی تھیں۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عفنان!......تم نے جو کیا ہے تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔ میں لامعہ حق کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کو کبھی معاف نہیں کروں گی اور مجھے اپنانے کے لیے تم نے جو راہ اختیار کی، اس پر میں تمہیں تب تک سزا دیتی رہوں گی جب تک میں اس گھر میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم نہیں جانتے، تم نے مجھے اپنا کر اپنے لیے خود اپنی سزا تجویز کی ہے۔ میں تمہاری زندگی جہنم بنادوں گی کہ تم خود مجھ سے چھٹکارا پانا چاہو گے مگر تب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی...... بہت جلد تمہیں اپنے کیے کا احساس ہو جائے گا۔ لامعہ حق کی قربانی، اس کے آنسو، مجھے تب تک چین سے جینے نہیں دیں گے جب تک میں تمہیں ایک عذاب میں مبتلا نہ کردوں اور تم دیکھنا، ایسا ہی ہوگا۔ تمہیں احساس ہوگا کہ کسی معصوم دل سے، کسی زندگی سے کھیلنا آسان نہیں۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہارا دل قدم قدم پر توڑوں گی......تمہیں اتنے گھاؤ دوں گی کہ تم تڑپو گے اور تم جتنا تڑپو گے مجھے اتنی ہی راحت ملے گی۔ بہت بڑا کھلاڑی بننے چلے تھے نا تم۔ بہت بڑا جال بُنا تھا تم نے، مگر جلد ہی خود مان جاؤ گے کہ وہ جال نہیں تم نے اپنے لیے عذاب مول لیا ہے۔ انابیہ تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ جیت اور فتح مندی کے کسی نشے میں اگر چور بھی ہو تو بہت جلد یہ نشہ ہرن ہو جائے گا، کیونکہ مجھے پا کر تم جیتے ہرگز نہیں ہو، ہار گئے ہو......اور اب ہمیشہ ہارو گے ہی۔ اب میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی...... لامعہ کے آنسو......اُس کی سسکیاں......اُس کی آہیں......سب میرے اندر پڑاؤ ڈالے بیٹھی ہیں اور یہ تب تک بیٹھی رہیں گی جب تک کہ میں ان کا کوئی حساب چکا نہ دوں۔ تمہیں اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا عفنان علی خان! ایسا ضرور ہوگا''۔

وہ کمبل ہٹا کر اُٹھی تھی، جب واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور عفنان علی خان باہر نکلا تھا۔ اُسے جاگتا دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا، پھر تولیے سے بال رگڑتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آن رُکا تھا۔ انابیہ اس کی سمت سے رُخ پھیر کر بالکل اجنبی بن گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے عکس کو آئینے میں دیکھا تھا پھر بنا کسی تمہید کے گویا ہوا تھا۔

''ممی نے بتایا ہے شام میں ولیمہ کے سلسلے میں ہوٹل میں دعوت ہے۔ تمہیں سہ پہر میں ہی عریشہ کے ساتھ بیوٹی سیلون جانا ہوگا''۔

''اس سب کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم میں کوئی رشتہ ہی نہیں؟'' انابیہ نے اسی طرح رُخ پھیرے کہا تھا۔ عفنان علی خان نے مُڑ کر اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

یہ تھی وہ لڑکی......جس سے اس کے خیال آباد تھے......دل آباد تھا اور اس نے ایک غلطی مزید کر دی تھی۔ اس کے ساتھ اپنا گھر بسانے کا خواب بھی دیکھ لیا تھا مگر یہ خواب پورا ہو کر بھی جیسے پورا نہ ہوا تھا۔ وہ آج اس کے ساتھ تھی، ہمراہ تھی، مگر یہ سب ہو کر بھی جیسے کچھ نہ

تھا۔ سارے خواب جل گئے تھے اور سارا منظر دھواں دھواں تھا۔

''رشتہ ہوتا کبھی نہیں ہے...... رشتہ بنانا پڑتا ہے، مگر تم شاید اس بات سے ناواقف ہو۔ بہت سی باتوں کی طرح تم کبھی یہ بات بھی سمجھ نہیں پاؤں گی''۔ عفنان علی خان کا لہجہ پُر افسوس تھا۔

''ایسی بات کہتا ہوا وہ شخص اچھا نہیں لگتا جو خود انجان نہ ہو۔ رشتے بہت خالص ہوتے ہیں اور خالص چیزوں کے بارے میں ہی لوگ باتیں کرتے اچھے لگتے ہیں جو خود بھی اسی قدر خالص ہوں۔ بے ایمانیوں اور دھوکے بازیوں پر رشتے قائم کرنے والے صرف جھوٹے ہوتے ہیں اور جھوٹے لوگ حق اور سچ کی بات کرنے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتے''۔

انابیہ کا لہجہ زہر خند تھا۔

عفنان علی خان جواباً اُسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''میرا آج کسی بھی طرح کی تقریب میں شرکت کرنے کا موڈ نہیں ہے...... بہت تھک چکی ہوں۔ آرام کروں گی۔ ولیمہ ملتوی کر دو''۔ انابیہ کا لہجہ ہٹ دھرمی لیے ہوئے تھا۔

''کیا؟'' عفنان علی خان حیران رہ گیا تھا۔ ''تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں......'' انابیہ کا لہجہ مطمئن اور پُر اعتماد تھا۔ ''جب کوئی رشتہ ہے ہی نہیں تو میں یہ دکھاوے بھی کیوں کروں؟''

''دکھاوے؟'' عفنان علی خان کا لہجہ بے یقینی لیے ہوئے تھا۔ جیسے اُسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ انابیہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔

''تم انہیں دکھاوے کہتی ہو؟...... یہ رشتوں کا احساس ہے۔ یہ رسمیں ہی تو ہیں جو دِلوں کو دِلوں سے باندھتی ہیں مگر میں یہ سب باتیں تمہیں کیوں بتا رہا ہوں جبکہ تمہیں اس سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا''۔ عفنان علی خان نے کسی قدر افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

انابیہ مسکرا دی تھی، جیسے وہ اس شخص کو چڑانا چاہتی تھی۔

''تمہارا ایک مسئلہ ہے عفنان!...... تم بہت جذباتی واقع ہوئے ہو۔ مردوں کو اس درجہ جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں صرف لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اگر دماغ سے کام لیتے تو آج شاید صورتِ حال تمہارے حق میں ہوتی''۔ انداز عجب تپانے والا تھا اور عفنان علی خان جیسا ٹھنڈا مزاج شخص اس لمحے انتہائی جارحانہ انداز میں اس کی سمت بڑھا تھا اور اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''عفنان علی خان کو اتنا کمزور مت جانو۔ اگر میں چپ ہوں، کچھ جھیل رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں اتنا کمزور ہوں۔ یہ میری ناکامی، یہ میری کمزوری صرف جز وقتی ہے۔ مصلحتاً ہے''۔ اس کے چہرے کو بغور گھورتے ہوئے وہ انتہائی سخت لہجے میں بولا تھا، مگر انابیہ مسکرا دی تھی۔

''اپنی کمزوریوں کو دبانے کی عادت ہو چکی ہے تمہاری۔ کبھی کسی خول تلے، کبھی کسی خول تلے۔ سچ تو یہ ہے عفنان علی خان! کہ تم مصلحتوں کے عادی ہوتے جا رہے ہو، کیونکہ تمہارے پاس اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ جو صورتِ حال کو اپنے بس میں نہ کر پائیں، وہ جھنجھلا کر

یونہی تاویلیں تلاشتے ہیں۔ بودے اور غیر موثر جواز ڈھونڈتے ہیں تا کہ اپنی ذات کی قلعی نہ کھل جائے اور بات کسی قدر بنی رہے"۔ انابیہ شاہ درشت لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان علی خان کا ہاتھ اُٹھا تھا مگر جانے کیوں ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔ اُس نے انتہائی جارحانہ انداز میں سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کی سمت دیکھتے ہوئے اُٹھا ہوا ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا اور اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ خاموشی سے دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

"یہ پہلا دن ہے...... آج کے دن کی ابتداء کے لیے یہ کافی ہے۔ شام ہو گی تو پھر سوچیں گے، کیا نفع رہا کیا نقصان...... کیا سود رہا، کیا خسارہ۔ مگر آج کی شروعات اچھی رہی۔ بیسٹ آف لک مسٹر عفنان علی خان! اگر چہ آپ کا برا وقت شروع ہو چکا ہے"۔ ایک شدید ترین کیفیت کے ساتھ لب بھینچ کر وہ اُٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

☆......☆......☆

موسم اچانک ہی بدلا تھا۔

شدید ترین بارش ہو رہی تھی۔ جب اذہان حسن بخاری کا فون بجا تھا۔ وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"جی ممی؟"

"اذہان!...... وہ ماہا...... ماہا گھر پر نہیں ہے"۔

"گھر پر نہیں ہے؟...... کہاں گئی؟" اذہان کے لیے خبر جیسے دھماکا تھی۔

"مجھے نہیں پتہ۔ شام تک اپنے کمرے میں تھی۔ فیض اُس کے پاس تھا۔ دونوں کتنی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ میں مطمئن ہو کر کچن کی طرف آ گئی تھی مگر دوبارہ جھانک کر اس کے کمرے میں دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی"۔

"فیض چاچو کہاں ہیں؟...... ان کو ماہا کے متعلق کچھ پتہ ہے؟" اذہان نے دریافت کیا تھا۔

"نہیں۔ وہ تو ہسپتال کے لیے نکل گیا تھا شام کی چائے کے بعد ہی۔ ابھی فون کیا ہے، وہ بھی واپس آ رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا، آخر وہ جا کہاں سکتی ہے؟...... اذہان! ماہا کو کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ تم جانتے ہو، تم دونوں مجھے کسی قدر عزیز ہو"۔ فارحہ دوسری طرف رونے لگی تھی۔ اذہان کے لیے صورتِ حال کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔

"ممی! آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھتا ہوں۔ وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ میری بہن ہے وہ...... میں اُسے جانتا ہوں۔ آپ خدارا حوصلہ رکھیں اور فیض چاچو آ جائیں تو مجھے اطلاع دیں۔ میں راستے میں ہوں۔ جن جگہوں کے بارے میں مجھے معلوم ہے، وہاں دیکھتا ہوں۔ آپ بھی ماہا کی دوستوں کے گھر فون کریں۔ جیسی صورت حال چل رہی تھی، اسے لے کر ایسا تو ہونا ہی تھا۔ آخر عاجز آ گئی تھی ناوہ...... پاپا کو بھی خبر کر دیجیے۔ شاید اب انہیں کچھ خیال آ جائے اور ان کی آنکھیں کھل جائیں"۔ اذہان کو رہ رہ کر سعد حسن بخاری پر غصہ پر ہا تھا۔ آخر سب کیا

دھرا اِنہی کا تو تھا...... ماہا گھر چھوڑ کر یونہی تو کہیں نہیں چلی گئی تھی۔

''بے وقوف لڑکی...... مجھ سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ بھائی کے ہوتے ہوئے، ایسے بے وقوفانہ اقدام''۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ کسی قدر جھنجھلایا تھا۔ ماہا نے یقیناً غلط کیا تھا مگر وہ اب خاصا پریشان ہو چکا تھا۔

زندگی میں پے در پے پریشانیاں اور صرف مسائل تھے۔ چین کی کوئی گھڑی اب تک نہیں آئی تھی۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے ساہیہ کا نمبر ملایا تھا۔

''ساہیہ! ماہا گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے...... تم اگینے کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔ ممی پریشان ہیں۔ تم خدارا اِن کی ہمت بندھاؤ۔ مجھے پتہ ہے ماہا کہاں گئی ہوگی''۔

مگر ماہا نے گھر چھوڑا کیوں؟...... ہوا کیا ہے؟'' ساہیہ نے کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھا۔

''بہت لمبی کہانی ہے یہ۔ اس وقت سنانا ممکن نہیں ہے، مگر بس یہ سمجھ لو، یہ اسی واقعے کی ایک کڑی ہے جس کے تحت ماہا کو پہلے بھی نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ ہمارے والد صاحب...... انہیں صرف اپنا مفاد عزیز ہے...... نہ اولاد عزیز ہے نہ گھر بار...... عجیب شخص ہیں...... پتہ نہیں کب سمجھیں گے''۔ اذہان کا انداز جھنجھلایا ہوا تھا۔

''تم پریشان مت ہو...... میں اگینے پھپھو کے ساتھ ابھی نکل جاتی ہوں۔ پریشان مت ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ بہتر ہی کرے گا۔ بس تم پریشان مت ہو''۔ ساہیہ نے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

''شکریہ''۔

''اپنا خیال رکھنا...... موسم ٹھیک نہیں ہے۔ گھر کی فکر مت کرنا۔ میں سب سنبھال لوں گی''۔ ساہیہ نے فکرمندی سے کہا تھا۔ اذہان شدید ترین ذہنی دباؤ میں تھا۔

''بہتر''۔ کہہ کر فون کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور پوری توجہ ڈرائیونگ پر مبذول کر دی تھی۔ ذہن مسلسل اُلجھ رہا تھا۔ وہ پھر ایک گرداب میں تھا۔

☆......☆......☆

نیویارک سے پاپا کا فون تھا۔ حسبِ معمول وہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپ سب کب واپس آئیں گے؟...... میں بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں''۔ میرب نے آنسوؤں کے درمیان کہا تھا۔

''تم فکر مت کرو...... ہم جلد آ جائیں گے۔ بس تمہارے پاپا کے کچھ ٹیسٹ مزید ہو جائیں۔ اگر ڈاکٹرز مطمئن ہو جاتے ہیں تو ہم واپس آ جائیں گے۔ اگر تم زیادہ اُداس ہو تو کچھ دن کے لیے چلی آؤ''۔ زوباریہ نے کہا تھا۔

وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں...... پہلے ہی پڑھائی کا بہت حرج ہو چکا ہے۔بس آپ پاپا کا خیال رکھیں''۔

''اور تم اپنا''۔زوباریہ نے اسے تاکید کی تھی۔

''ہاں، میں رکھوں گی...... مگر سچ کہوں...... آپ سب کے بغیر یہاں کچھ اچھا نہیں لگ رہا''۔وہ ضبط ہار رہی تھی۔دِل بھر بھر آرہا تھا۔

''ارے گین کے ہوتے ہوئے بھی؟''زوباریہ نے چھیڑا تھا،مگر میرب اس کے باوجود نہیں مسکرائی تھی۔فون رکھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے کو آگے بڑھی تھی جب اپنے پیچھے کچھ دبی دبی آوازیں سنائی دی تھیں۔

وہ چونک کر مُڑی تھی۔اندھیرے میں کچھ فاصلے پر کوئی تھا۔باتوں کے دبے دبے انداز بتا رہے تھے کوئی اسرار ہے...... میرب سیال دو قدم آگے بڑھی تھی۔لاؤنج کی مدھم روشنی میں منظر کسی قدر واضح لگے تھے۔

گی،سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب کھڑی تھی۔اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی تھیں اور وہ کچھ کہہ رہی تھی۔فاصلہ کچھ زیادہ تھا،لفظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔میرب دبے قدموں کچھ اور آگے بڑھی تھی اور ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''گین!...... میں کیسے اس پریشانی سے نکلوں؟...... میرے لیے تنہا ان مراحل سے گزرنا بہت دشوار ہے۔ایک تنہا،اکیلی عورت یہ سب نہیں سہہ سکتی۔تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟...... بغیر شادی کے ماں بننا اور اس کے بعد کی پیچیدگیاں سہنا آسان نہیں ہے۔میں اس وجود کو دنیا میں لانا چاہتی ہوں مگر ایک مکمل تحفظ بھرے احساس کے ساتھ۔کیا یہ اتنا ہی مشکل خواب ہے کہ جو پورا نہیں ہو سکتا؟...... کیا غلط چاہ رہی ہوں میں؟...... کیا غلط سوچ رہی ہوں؟...... ہر ماں یہی تو چاہتی ہے کہ اس کا بچہ ایک بھرپور اعتماد کے ساتھ سر اُٹھا کر جیئے،دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو اسے کوئی شرمندگی نہ ہو۔یہ کیا غلط ہے کہ اگر میں اپنے بچے کے نام کے ساتھ...... تاکہ وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ سر اُٹھا کر جیئے۔دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو اُسے کوئی شرمندگی نہ ہو۔میں اپنے بچے کے نام کے ساتھ ایک بھرپور تحفظ دیتا ہوا نام بھی جڑا دیکھنا چاہتی ہوں۔کیا یہ خواہش اتنی ہی عجیب ہے کہ پوری نہ ہو سکے؟''

آوازیں بے حد واضح تھیں اور میرب سیال کو لگا تھا اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔گی جو کہہ رہی تھی،وہ ایک کہانی تھی اور اس کہانی کا سرا صرف گی سے ہی نہیں ملتا تھا،اس کا دوسرا سرا یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جڑتا تھا۔تبھی تو وہ اس وقت رات کی تاریکی میں اس کے اتنے قریب کھڑی مدعا بیان کر رہی تھی۔

میرب سیال کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔جیسے وہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ جو اس نے سنا وہ کسی طرح سے غلط تھا یا پھر اس کی سماعتوں کا دھوکا تھا،یا پھر جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں وہی کوئی فریب تھا۔

''گین!...... بتاؤ مجھے،کیا کروں میں؟...... میں اس بچے کا گلا دُنیا میں آنے سے قبل ہرگز نہیں گھونٹ سکتی۔میں اتنی ظالم نہیں ہوں۔مگر میں اتنی بہادر بھی نہیں ہوں کہ تن تنہا اس کی ساری ذمے داریاں اُٹھا لوں،جس طرح کی بے تحفظ زندگی میں نے بسر کی،میں نہیں چاہوں گی کہ میرا بچہ بھی ویسے ہی زندگی جیئے۔میں اس کے لیے ایک الگ دنیا بنانا چاہتی ہوں۔وہ دنیا جو میری زندگی اور میری دنیا سے

مختلف ہو۔ بولو گین!...... یہ کیسے ممکن ہو سکے گا؟......تم چپ کیوں کھڑے ہو؟...... کچھ بولتے کیوں نہیں؟ کیا میں سمجھوں کہ واقعی میں اس کھلے آسمان تلے تن تنہا کھڑی ہوں اور میرے ساتھ کوئی نہیں؟''۔

''جذباتی مت بنو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بچے کی پیدائش تک یہیں میرے پاس رہو۔ میں کچھ کوشش کرتا ہوں۔ تب تک کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔ تم روؤ نہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی خواب ناک آنکھوں سے گرتے گرم گرم اشک چنتے ہوئے اسے مضبوط لہجے میں تسلی دی تھی۔

میرب سیال کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔ وہ ساکت سی کھڑی تھی۔

''گین! تم جتنا آسان لے رہے ہو معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟''

''ہاں جانو! فی الحال میرے لیے یہ تھوڑا مشکل ہے، مگر میں تمہیں اس بات کی تسلی دیتا ہوں کہ بہت جلد صورتِ حال بس میں ہو جائے گی۔ تب تک تو تم یہاں میرے پاس رہ سکتی ہو نا۔ بغیر کسی ڈر اور خوف کے''۔ گین اس کی آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ غالباً وہ گی کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا۔

مگر گی نہیں مسکرائی تھی۔

''اچھا بتاؤ...... بچے کا نام کیا رکھو گی؟'' دھیان پھیرا تھا۔

''پتہ نہیں۔ بچے کا نام تو باپ رکھتا ہے اور تم......'' گی نے اُلجھن سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اس بات کی فکر کرنے کی بھی فی الحال ضرورت نہیں۔ ابھی تو اس میں دیر ہے۔ تم خواہ مخواہ کی فکریں مول مت لو جانو! تمہیں اپنا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے''۔

''ہاں...... مگر تم......'' گی کے آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے تھے۔

''اپنی دوا لی تم نے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھرپور توجہ سے دریافت کیا تھا۔ گی نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''میں نے اس ملک کی سب سے بہترین گائنی سے بات کر لی ہے۔ کل تمہارا چیک اَپ ہے۔ ہو سکتا ہے، میرے پاس وقت نہ ہو، تم ڈرائیور کے ساتھ ضرور چلی جانا''۔ انداز خیال رکھنے والا تھا۔ میرب سیال نے اس سے قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ رویہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ گی کے لیے اور اس دنیا میں آنے والے بچے کے لیے انتہائی پریشان ہو رہا تھا۔

میرب سیال کی دنیا ایک پل میں گھومی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی جب گی کی نظر اس پر پڑی تھی۔ اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس نے رُخ پھیر کر دیکھا تھا اور میرب سیال کو کچھ فاصلے پر کھڑا پا کر چونک گیا تھا۔

میرب سیال نے اپنی سمندر بنتی آنکھوں سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مڑ کر اس کی سمت ابھی پیش قدمی کی ہی تھی کہ وہ سرعت سے مڑی تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ بند دروازے سے لگ کر وہ کتنی دیر

تک سر اُٹھائے چپ چاپ چھت کو گھورتی رہی تھی۔ پھر وہیں بیٹھتی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دروازہ بجایا تھا۔

''میرب!...... میرب!'' دو چار آوازیں بھی دی تھیں مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید مایوس ہو کر سردار سبکتگین حیدر لغاری واپس پلٹ گیا تھا۔

میرب کی سسکیاں تا دیر کمرے میں گونجتی رہی تھیں۔ جانے کتنی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی روتی رہی تھی، پھر یک دم اُٹھی تھی اور اپنا تمام ضروری سامان نکال کر ایک سوٹ کیس میں بھرا تھا اور تیزی سے بھیگتی ہوئی آنکھیں سختی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑتی ہوئی وہ سوٹ کیس اُٹھائے باہر نکل آئی تھی مگر عین سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔

''کیا تماشہ ہے یہ؟...... کیا ہوا ہے؟...... یہ کیا کر رہی ہو تم؟...... یہ سوٹ کیس...... یہ...... یہ سب کیا ہے؟''

مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھین کر دور دھکیل دیا تھا۔ میرب نے تب اکیلے ہی آگے بڑھنے کی ٹھانی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال مُڑی تھی اور اپنے نازک ہاتھوں کے کتنے ہی مکے اس کے سینے پر برسا دیئے تھے۔

کتنے ہی مکے برساتے ہوئے وہ چیخے جا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک سے ہاتھوں کو بجائے روکنے کے اس کے نازک سے وجود کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں کے حصار میں سمیٹ لیا تھا۔ میرب سیال دھواں دھار ہو رہی تھی۔

''چھوڑ دو مجھے...... چھوڑ دو''۔ میرب سیال نے اس کے آہنی حصار سے خود کو ایک جھٹکے سے آزاد کرایا تھا۔

''تم یہاں سے نہیں جا سکتی ہو''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سختی سے حکم صادر کیا تھا۔

''کون...... کون روکے گا مجھے، تم؟ کون لگتے ہو تم میرے؟...... کیا رشتہ ہے میرا تم سے؟ صرف ایک کاغذی رشتہ۔ اس کے سوا کیا حیثیت ہے میری؟...... یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔ بہت سفر کر لیا میں نے۔ اب میں اور مزید نہیں......''

''میرب! تم میری بات سنو''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

کچھ نہیں سننا چاہتی میں۔ خدارا تم میری راہ چھوڑ دو۔ ورنہ...... ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی''۔ میرب جیسے ہوش و حواس میں نہ تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کسی قدر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مائی کے آنے تک تمہیں یہیں رہنا ہو گا۔ کہیں نہیں جا سکتی تم''۔ سخت لہجے میں کہا تھا۔ میرب بھی جیسے آج کسی بپھری ہوئی شیرنی کی سی ہو رہی تھی۔ عجب طاقت کے ساتھ اسے دھکیلنا چاہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ ایک لمحہ میں اُٹھا تھا اور اس کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔

لمحہ بھر کو چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ میرب سیال نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت

دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''میں تم سے صرف ایک بات کہہ رہا ہوں۔تم نہیں جاسکتی۔تم کہیں نہیں جاؤ گی۔سن لیا؟......تم جانتی ہو، اصولوں کے معاملے میں، میں کس قدر پابند واقع ہوا ہوں۔ مجھے اپنی حکم عدولی قطعاً منظور نہیں ہے۔ کہہ دیا، سو کہہ دیا۔تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ نہ اب......نہ کل......نہ پرسوں۔سمجھ گئیں؟تمہیں یہیں رہنا ہے۔اسی گھر میں، میرے ساتھ......اپنی چیزوں سے دست بردار ہونے کی عادت نہیں ہے میری۔اب تک تم دیکھ بھی چکی ہوگی اور سمجھ بھی۔ مجھے نہ کوئی وضاحت دینا ہے نہ ہی کوئی تسلی۔تم چیخ چیخ کر رونا چاہتی ہو تو ایسا بصد شوق کر سکتی ہو۔ میں تمہیں نہ رونے سے منع کروں گا نہ ہی چیخنے چلاّنے سے۔مگر تم اس دہلیز سے پار نہیں جاسکتیں۔اس سے آگے نہیں۔تم سے میرا کیا رشتہ ہے، یہ بات مجھے بار بار سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی جتانے کی۔تم میری بیوی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔اسی طرح میں تمہارا شوہر ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ نہ تم اس حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو نہ ہی فراموش کر سکتی ہو۔حتیٰ کہ تبدیل بھی نہیں کرسکتیں۔ جو بخت میں درج ہونا تھا، ہو چکا اور ہمارے ہاں بار بار بخت نہیں لکھے جاتے۔سردار سبکتگین حیدر لغاری بار بار باتیں دہرانے کا عادی نہیں ہے۔ جتنا عرصہ ساتھ رہی ہو اس میں اتنا تو سمجھ ہی گئی ہو گی۔ مجھے دوبارہ یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہیے۔اس گھر کے کچھ قاعدے قانون ہیں۔انہیں پورا کرو۔ جو صرف تمہارے لیے وضع کیے گئے ہیں''۔

''کیوں......کیوں کروں میں ایسا؟......کس لیے؟......تم جیسے شخص کے لیے؟ کتنا بڑا دھوکا ہو تم......کیوں پابند کر رہے ہو تم مجھے اپنا؟......کس لیے؟'' میرب چیخی تھی۔

''میں نے کہا نا، کوئی وضاحت نہیں۔تم اس چار دیواری کے اندر جو کرنا چاہتی ہو کرسکتی ہو۔چیخو، چلاّؤ، روؤ، جو بھی تمہاری منشا ہے پوری کرو مگر اس گھر سے باہر نکلنا تمہارے لیے ممکن نہیں ہے''۔

''کیوں؟...... باندی ہوں میں تمہاری؟......غلام ہوں یا پھر خریدا ہے تم نے مجھے؟......کیوں مانوں میں تمہاری؟ اور کس لیے؟'' وہ آنسوؤں کے درمیان چیخی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

اس کے چہرے پر اس کے ہاتھ کا نشان اب بھی ثبت تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحہ کو عجب مجرم سے انداز میں آگے بڑھا تھا اور اس کے چہرے کو تھام کر بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے ملائمت سے چھوا تھا۔

میرب سیال آنکھیں میچ گئی تھیں۔

''مجھے خود پر سختی پر مائل مت کیا کرو ہنی! تم ایک بات نہیں جانتی ہو، تم پر جبر کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پچھتاوؤں میں مبتلا کر دیتی ہو تم مجھے۔ جیسے اب، اس لمحے۔ سمجھتی کیوں نہیں ہو تم مجھے؟......کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ......'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور

کسی قدر افسوس سے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"نظروں کے سامنے رہتی ہو تو اِک آس بندھی رہتی ہے۔ دور چلی جاتی ہو تو اور بھی اجنبی سی لگتی ہو۔ کیوں نہیں سمجھتی ہو تم یہ ساری باتیں؟...... کیا کیا سمجھاؤں میں تمہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اُلجھن بھرے انداز میں بولا تھا اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

میرب سیال وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ آنسو اب بھی متواتر پلکوں سے بہہ رہے تھے۔ بہت غلط جگہ پھنسی تھی وہ۔

فرار کی ساری راہیں مسدود تھیں۔

کوئی بہت بڑا دھوکا تھا یا پھر نظر ہی فریب کھا رہی تھی......!

مگر اب کسی شبے کی کوئی گنجائش ہی کہاں تھی؟...... سب کچھ تو صاف صاف تھا...... اگر عقل یا نظر پر کوئی پردہ تھا بھی تو وہ اب ہٹ چکا تھا اور اس وقت نگاہ جو دیکھ رہی تھی اس میں کسی دھوکے یا فریب کا عنصر باقی ہی نہ تھا۔ جو تھا، سب کچھ سچ تھا۔ نہ کوئی غلط فہمی، نہ ہی کوئی اور تاویل۔

تو کیا اسے عقل کی مان لینی چاہیے تھی؟...... اعتبار کر لینا چاہیے تھا اس نگاہ پر؟...... شاید ہاں کہ اس کے علاوہ اب چارہ ہی کیا تھا اور کس خوش فہمی میں رہتی وہ اور کتنے دھوکے کھاتی اور قیاس کرتی کہ سب ٹھیک ہے یا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ بہت تھکے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی اور دروازہ بند کر کے بیڈ پر آن گری تھی۔

☆......☆......☆

بعض اوقات کمرے کی باتیں صرف کمرے تک محدود نہیں رہتیں۔ رشتوں میں دراڑ ہو تو خبر سب کو ہو جاتی ہے۔

عفنان علی خان نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اپنے طور پر وہ بات کو سمیٹنا چاہتا تھا۔ صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا اور بات کھل چکی تھی۔ اس کی زندگی کی شروعات کچھ خوشگوار نہ تھی...... ایک بھرم تھا جسے وہ قائم رکھنا چاہتا تھا مگر ایسا شاید ناممکن تھا۔ اس کے لیے اس حقیقت پر پردہ رکھنا بہت دشوار ہو گیا تھا کیونکہ دوسرا فریق مخالفت پر مائل تھا۔ دوسری سمت سے کوئی تعاون نہ تھا اور شاید اسے اس کی اُمید رکھنا بھی نہیں چاہیے تھی۔ شاید تبھی اس رویے کی کوئی شکایت اس سے کی بھی نہ تھی، مگر انابیہ کو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں تھی کہ اس کے باعث کسی کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ درحقیقت وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ کوئی ان حالات سے گزرے۔ وہ صرف سزا دینا چاہتی تھی۔ عفنان علی خان نے اس دن کے بعد اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ایک بے نام رفاقت تھی...... ایک اَن چاہا سفر تھا اور بے نام و نشان راستے تھے اور ان راستوں پر کوئی ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں تھا۔

اس شام چائے پر پاپا نے اس کے ہاتھ دو سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹ پکڑائے تھے اور وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"جاؤ...... زندگی گزارو بھئی...... اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟...... تمہارے ہنی مون ٹرپ کے ٹکٹس ہیں یہ"۔ پاپا نے وضاحت کی تھی اور فاطمہ، بیٹے کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ انابیہ سر جھکائے چائے کے کپ کو دیکھتی رہی تھی۔

''اگر بچے اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو ٹھیک ہے۔ہمیں خواہ مخواہ اصرار نہیں کرنا چاہیے۔زندگی کی شروعات کیسے ہونی چاہیے،اس بات کا اندازہ ان کو بھی خوب ہوگا۔اب یہ اس اسٹیج پر تو یقیناً نہیں ہیں کہ ہم انہیں زندگی کے مفہوم سمجھائیں اور غلط اور صحیح کی تمیز دیں''۔فاطمہ نے بروقت بول کر جیسے صورتِ حال کو سنبھالا تھا۔''کیوں انابیہ بچے!......ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟''مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کی طرف دیکھا تھا۔انابیہ نے نظر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا اور چیئر گھسیٹ کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''انابیہ!''عفنان کو یہ لمحہ جھیلنا کسی قدر دشوار لگا تھا۔کچھ بھی تھا،اپنی بے عزتی وہ سہہ سکتا تھا مگر اپنے بزرگوں کے لیے انابیہ کا یہ رویہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

مگر انابیہ نہیں رُکی تھی......چلتی ہوئی وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ واضح ہوئی تھیں۔ایک جھٹکے سے اُٹھا تھا وہ مگر فاطمہ نے بیٹے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور مصلحت سے دیکھا تھا۔

''عفنان!......تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے۔اسے زچ نہیں کرنا ہے۔جو اس کی مرضی ہے اسے پورا کرو۔اگر وہ جانا نہیں چاہتی تو کوئی زبردستی کی ضرورت نہیں ہے......عفنان!اُسے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔وہ جس فیز سے باہر آئی ہے اس کے متعلق ہم سب بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔یہ حقیقت سب پر منکشف ہے اور تمہیں اس پر غصہ ہونے کی یا شرمندہ ہونے کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔ہم انابیہ کی کیفیت سمجھ سکتے ہیں اور تم بھی اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔تم اسے نارمل حالات میں،نارمل طریقے سے پرکھنے کی اور برتنے کی کوشش کر رہے ہو،جبکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔انابیہ کو تمہاری نرمی اور توجہ کی خصوصی ضرورت ہے۔سمجھنے کی کوشش کرو''۔فاطمہ نے نرمی سے کہا تھا اور عفنان علی خان ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''میرا خیال ہے تمہاری ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔تمہیں اس پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔انابیہ کو واقعی تمہاری بہت ضرورت ہے''۔

اور عفنان علی خان چیخ پڑا تھا۔

''نہیں ہے......نہیں ہے اُسے میری ضرورت......اُسے میری ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔آپ سب کیوں نہیں سمجھ رہے؟''

ایک جذباتی لمحے کی رو میں بہہ کر وہ چیخا تھا مگر پھر یک دم لب بھینچ کر ملامت بھرے انداز میں پلٹ کر کمرے کی طرف آگیا تھا۔دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔انابیہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کہیں جانے کی تیاری میں مصروف تھی۔خود کو آئینے میں دیکھتی ہوئی بھرپور توجہ سے لپ اسٹک لبوں پر پھیر رہی تھی۔آئینے میں عفنان علی خان کے عکس کو دیکھا بھی تھا تو نظرانداز کر دیا تھا۔عفنان علی خان کے لیے اس کے رویے کو برداشت کرنا جیسے ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا۔

وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھا تھا اور ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تھا۔انابیہ شاہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی اور نتیجتاً وہ اس کی بانہوں میں،اس کے حصار میں تھی۔خوشبو کا ایک جھونکا،ایک بادِ صبا سا وجود اس لمحے عفنان کی دسترس میں تھا......یہ وہ قربت تھی

جس کے متعلق اس نے کبھی سوچا تھا...... یہ وہ خواہش تھی جو اس کے اندر مچلتی رہی تھی...... یہ وہ خواب تھا جو ہمیشہ اس نے دیکھا تھا۔

مگر اس گھڑی، اس لمحے میں جیسے سب کچھ ہیچ تھا۔ وہ کچھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔

نہ وہ کپکپاتا ہوا جسم...... نہ وہ ایک لمحے میں اُٹھ کر جھکتی ہوئی گریزاں سی نظر...... نہ وہ لرزتے لب۔ عفنان علی خان کو اتنی قربت میں اپنے قریب کھڑے اس سراپے میں کچھ کشش محسوس نہ ہوئی تھی۔ نہ لب و رخسار میں، نہ آنکھوں میں، نہ گیسوؤں میں۔ وہ خوشبو سا بدن...... وہ بھرپور سراپا جیسے اس گھڑی اس کے لیے بے معنی تھا۔

نہ ان گرم، دہکتی سانسوں کے زیر و بم نے کوئی قیامت اُٹھائی تھی، نہ ان زلفوں کی خوشبو نے کہیں کوئی ہلچل مچائی تھی۔ عفنان علی خان اتنی قربت میں اسے عجب خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا تھا اور پھر لب بھینچ کر ایک جھٹکے سے اس کے وجود کو اپنی گرفت، اپنے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔

"انابیہ شاہ!...... زندگی کو اپنے زاویے سے دیکھو گی تو بہت پچھتاؤ گی۔ میں تمہارے سامنے وضاحتوں کے انبار نہیں لگا سکتا۔ تمہیں سوسو تاویلیں نہیں دے سکتا...... کوئی مشورہ بھی شاید نہیں کہ تم خود بہت سمجھدار ہو مگر برائے مہربانی، زندگی کو دوسروں کے زاویہ سے دیکھنا بھی سیکھ لو...... زندگی صرف وہی نہیں جسے تم دیکھتی ہو۔ زندگی وہ بھی ہے جسے دوسرے دیکھتے ہیں...... مجھے تم سے جب کوئی واسطہ نہیں تو تمہاری سمت سے بھی کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ یہی سوچ رہی ہو گی تم۔ مگر مجھے مطلب تم سے یا تمہاری سوچ سے نہیں ہے۔ مجھے اگر کچھ خیال ہے تو صرف اپنے بہت اپنوں کا۔ میں انہیں کوئی زک پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے تم چاہے جتنے بھی کچوکے لگاؤ، چاہے میرا کتنا بھی نقصان کرو...... مجھے قبول ہے مگر میرے والدین کو اگر ذرا سی بھی تکلیف تمہارے کسی غلط رویے کے باعث پہنچتی ہے تو مجھے اعتراض ہے اور اس صورتِ حال میں تم سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ تم آج جو بھی ہو، جیسی بھی ہو، اس گھر میں اگر ہو تو صرف میرے حوالے سے اور مجھے اس حوالے کو استعمال کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ دوبارہ کبھی اس طرح کی صورتِ حال پیش آئے تو اس کے متعلق ضرور سوچ لینا"۔ ہاتھ اُٹھا کر کسی قدر درشت لہجے میں اسے وارننگ دیتے ہوئے وہ پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ ساکت سی کھڑی اس سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

کوئی کتنی دیر سوگ منا سکتا ہے۔

کتنی دیر رو دھو سکتا ہے۔

کتنی دیر زندگی سے کٹ کر جی سکتا ہے۔

میرب سیال نے بھی دروازہ کھول دیا تھا اور اس بند کمرے سے نکل کر باہر آ گئی تھی مگر زندگی سے اس کا انداز عجب گریز پائی لیے ہوئے تھا...... وہ کیمپس جانے کے لیے تیار تھی۔ زینے کے آخری حصے پر قدم تھے جب نظر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ وہ نگاہ پھیر

کر، اجنبی بن کر سوجے پپوٹوں کو جھکائے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی جب اچانک ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا۔

کتنی عجب بات تھی ......نہ کوئی حق بچا تھا......نہ کوئی استحقاق تھا مگر وہ شخص اب بھی اس پر حق جتانا حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ اب بھی اسی طور پر حق جتا رہا تھا۔

میرب سیال نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا اور اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''کچھ کھا کر جاؤ''۔ حکم صادر ہوا تھا۔

مگر میرب نے سُنی اَن سُنی کر دی تھی۔ ہاتھ دوبارہ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا تھا مگر گرفت دوسری طرف اب بھی اتنی ہی مضبوط تھی۔ وہ ایک بار پھر ناکام رہی تھی۔

''میں نے کہا، کچھ کھا کر جاؤ''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ نرم مگر انداز کسی قدر بارعب تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں میں یک دم ہی آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آیا تھا۔ سوجی سوجی سرخ آنکھوں سے اُشک بہت خاموشی سے ٹوٹ کر گرے تھے اور اس کے ساتھ ہی جیسے اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

''کیا......کیا چاہتے ہو اب تم؟......کیا سبکتگین حیدر لغاری؟......مجھے قید کر دینا؟ اس چار دیواری کے اندر دفن کر دینا یا پھر اپنی عزت کے لیے میری آواز دبا دینا......بولو کیا......؟ اب کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟......اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری کوئی جاگیر یا ریاست ہوں تو مجھے ایک بار ہی جلا کر خاکستر کر دو۔ ایک بار ہی مجھے زندہ دفن کر دو......یہ بار بار کا مرنا، لمحے لمحے کی موت بہت تکلیف دہ ہے میرے لیے۔ ایک کام کرو تم، گلا گھونٹ دو میرا......تمہاری غیرت کا بھرم بھی رہ جائے گا اور تمہیں بھی کسی قدر تسلی ہو جائے گی۔ مار دو مجھے''۔ میرب چیخی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر جیسے اس کی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ بہت تسلی، بہت اطمینان کے کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا اور اسے لے کر چلتا ہوا ٹیبل کی طرف آ گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے کرسی کھینچ کر اسے بٹھایا تھا اور پھر برابر والی کرسی کھینچ کر خود اس کے قریب بیٹھ گیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر توس پر جیم لگا کر اس کی سمت بڑھایا تھا مگر میرب بھیگی آنکھوں کے ساتھ چہرے کا رُخ بھی پھیر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت لمحہ بھر کو بہ غور دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ہی اس کے چہرے کا رُخ اپنی طرف پھیرا تھا اور اپنے ہاتھ سے اسے زبردستی ناشتہ کروانے لگا تھا۔

میرب سیال کھانا نہیں چاہتی تھی۔ دو ایک بار اس کا ہاتھ بھی روکا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے کوئی بھی مزاحمت فضول تھی جیسے۔ مسلسل بھیگتی آنکھوں کے ساتھ وہ بنا اس کی طرف دیکھے، لقمے زہر مار کرتی چلی گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس کے آنسوؤں کی کوئی قدر نہ تھی۔ بنا توجہ دیئے، بنا تسلی دیئے، بنا ان آنسوؤں کو صاف کیے وہ اسے ناشتہ کروا رہا تھا......جیسے اُسے مطلق پرواہ نہیں تھی کہ وہ روئے یا جو بھی کرے۔

میرب سیال کو اپنی بے بسی پر مزید رونا آ رہا تھا۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے مگر سبکتگین حیدر لغاری کی جانب سے کوئی دلاسہ نہیں تھا۔ ناشتہ کروا کر دودھ کا گلاس اس کے لبوں کی طرف بڑھایا تھا، جسے میرب نے ہاتھ بڑھا کر خود پکڑ لیا تھا۔ جینا تو تھا......سہنا بھی تھا......تو پھر اپنے آپ سے یہ دشمنی کیوں؟...... جب سارے حالات جھیلنے تھے تو پھر توانا رہنا بھی تو اتنا ہی ضروری تھا۔ وہ نہ تو چپ کر کے بیٹھ سکتی تھی نہ وہاں مزید پڑاؤ کر کے بیٹھے رہنا چاہتی تھی۔ یقیناً اسے سوچنا تھا کسی اگلے اقدام کے بارے میں، کسی راستے، کسی موڑ کے بارے میں۔

یہ زندگی نہیں تھی......قید تھی...... جبر تھا اور وہ یہ جبر مزید نہیں سہہ سکتی تھی۔

سمجھوتہ بھی اصولوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہاں تو کوئی اصول تھا ہی نہیں۔ ایک یک طرفہ کھیل تھا بس۔ کوئی مسلسل کھیل رہا تھا اور وہ دیکھ رہی تھی۔

مسلسل ہار رہی تھی اور مسلسل رو رہی تھی۔

بالکل کسی بچے کی طرح...... جو اپنے سے زیادہ شاطر شخص کے ساتھ کھیلتا ہے اور ہر بار ہارتا ہے اور سر پٹختا ہے......وہ بھی سر پٹخ رہی تھی......حالانکہ حل یہ نہیں تھا......حل یہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے کچھ اور کرنا چاہیے تھا......اُسے کچھ اور سوچنا تھا......وہ نہ تو مسلسل سر پٹخ سکتی تھی......نہ بار بار ہارنے کی سکت تھی اُس میں......نہ ہی وہ روتے رہنا چاہتی تھی۔ اگر یہ سمجھوتہ بھی تھا تو بہت مسخ حالت میں تھا......اُسے کوئی توجیہہ قبول نہیں کرنا تھی۔ اسے جینا تھا اور زندگی سے اپنے حصے کا سکون، آرام چین لینا تھا......وہ سب کچھ جو وقت نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، اسے وہ سب واپس لینا تھا۔ وہ خود کو مزید سمجھوتوں کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بہت اپنوں نے اسے جس زندگی کے حوالے کیا تھا وہ کسی طرح سے قابلِ قبول نہ تھی۔ جھیل وہ رہی تھی۔ بھگت وہ رہی تھی۔ مسلسل رو بھی وہی رہی تھی۔ پھر جب کسی کو اس کی کیفیت کا اندازہ ہی نہیں تھا تو وہ کسی حل کے لیے بھی کسی اور کی طرف کیوں دیکھتی؟...... یا مزید سہتی بھی تو کیوں؟......وہ کسی ڈر کے خوف سے اپنے آپ کو، اپنی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی، جبکہ اس کے بہت اپنے اس کے ساتھ ایسا کر چکے تھے۔ اسے مصلحتوں کی نذر کیا گیا تھا......رشتوں میں باندھ کر قربان گاہ پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور محبت کے نام پر اسے ذبح کر دیا گیا تھا۔ یہ تھے اپنے...... بہت اپنے......وہ سوچ رہی تھی تو سبھی کچھ سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ پاپا کو اپنے فرائض کی جلدی تھی۔ زوباریہ کو اسے نمٹا دینے کی پڑی تھی اور نتیجتاً وہ گہری کھائی میں تھی اور اس بات کا اندازہ کسی کو نہیں تھا یا پھر اگر تھا بھی تو کوئی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صرف وہ جانتی تھی۔

وہ کہاں تھی اور کن حالات میں تھی۔

رشتے یوں نہیں باندھے جاتے......عمر بھر کے فیصلے بھی نہیں لکھے جاتے۔ اُس نے سر جھکا دیا اور زندگی بھر کا عذاب اپنے نام لکھوا لیا۔

اگر دنیا بھر کے والدین یونہی بیٹیوں کی شادیاں کرتے ہوتے تو شاید آج کوئی بیٹی بھی خوش نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ تھا کہ اسے ایک بوجھ کی طرح بہت جلدی میں بغیر چھان پھٹک کیے سر سے اُتار دیا گیا تھا......نمٹا دیا گیا تھا۔

ان کی بلا سے......اس کے ساتھ پھر کچھ بھی ہوتا۔ وہ کوئی بھی حالات جھیلتی...... کچھ بھی سہتی۔

ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس شخص کے متعلق پہلے سے واقف نہ ہوتا جبکہ یہ زوباریہ کے رشتے داروں میں سے تھا اور یہ رشتہ بھی زوباریہ نے ہی کروایا تھا۔ جب زوباریہ ان لوگوں سے واقف تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طبیعت، اس کے مزاج سے کیسے نہ آشنا ہو گی؟...... یقیناً وہ سب جانتی تھی اور پاپا کی بیماری ایک دلچسپ بہانہ تھا جو زوباریہ کے ہاتھ لگا تھا اور میرب سیال کی تقدیر بدل گئی تھی۔

کتنے آنسو چپ چاپ آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور وہ ساکت نظروں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھ رہی تھی۔

تو یہ تھی اس کی سزا۔

ایک عمر بھر کی طویل جبری میں ایک غلط جگہ اعتبار کر کے اپنی اکلوتی بیٹی کو کھائی میں خود اپنے ہاتھوں دھکیل چکے ہیں؟

یقیناً نہیں......!

مگر وہ جانتی تھی اب اسے کیا کرنا تھا۔

ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو سختی سے رگڑ کر وہ اُٹھی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال کو اپنے جسم کے اس حصے پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ایک شدید ترین کراہت کا احساس ہوا تھا اور اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس سے چھڑا لیا تھا اور لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''دوبارہ نہیں......کبھی بھی دوبارہ مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔ بہت برا احساس ہوتا ہے مجھے۔ کراہت آتی ہے۔ گھن آتی ہے تم سے بھی اور......اپنے آپ سے بھی''۔ کتنا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شدتِ جذبات سے وہ کسی کمزور پتے کی طرح کانپ رہی تھی اس گھڑی۔ اور لفظ تھے کہ ساتھ ہی نہ دے رہے تھے۔ آنسوؤں کا کوئی پھندا اس گھڑی گلے میں تھا......دوبارہ کئی آنسو روانی سے چہرے کو بھگو گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اُٹھا تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے خود کے قریب کر لیا تھا۔ چند ثانیوں تک اس کے بھیگتے چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔ میرب سیال ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہارے قریب آنا، تمہیں چھونا میرا حق ہے......اور تم مجھے اس حق کو استعمال کرنے سے نہیں روک سکتیں۔ تمہارے کتنے قریب آ سکتا ہوں یا آنا چاہتا ہوں یا پھر نہیں اس کا فیصلہ اور یقین صرف مجھے کرنا ہے، تمہیں نہیں۔ اس سے متعلق نہ تو کوئی قیود تم لگا سکتی ہو نہ ہی کوئی حدود تم مقرر کر سکتی ہو۔ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس کے متعلق سوچ کر اپنی انرجی ضائع مت کرو۔ تم صرف وہ سوچو جو تمہیں کرنا ہے۔ ایک اچھی بیوی بننے کی کوشش۔ ایک بہترین شریک سفر بننے کی تگ و دو اور مجھے سمجھنے کی خواہش اپنے اندر پیدا کرو سویٹی! ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی۔ انڈرسٹینڈ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت فیصلہ کن انداز سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ میرب سیال کے لیے وہ لمحہ ناپسندیدہ ترین تھا۔ سانسوں سے ٹکرائی اس کی سانسیں بے حد ناگوار لگی تھیں اور وہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

''خواہشوں کو مارنے کی عادت ترک کر دو ہنی!......تم جانتی ہو ابھی زندگی شروع ہونے کو ہے اور ختم ہونے کو ابھی عمر پڑی ہے۔

لاتعداد لمحے ہیں ہمارے پاس جو ہمیں صرف ایک دوجے کے ساتھ، ایک دوجے کی سنگت میں، ایک دوجے کی محبت کا دم بھرتے ہوئے اور قرب کی خواہش کرتے ہوئے بسر کرنے ہیں۔ سو ابھی سے ہاتھ مت کھینچو۔ ابھی تو سلسلہ شروع بھی نہیں ہوا اور تم اسے ختم کر رہی ہو"۔ لبوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ تھی۔ جس کے بھید میرب سیال یقیناً نہیں سمجھ سکتی تھی۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا خواہشوں پر پہرے بٹھانا...... تم بھی یہ بیگانگی ترک کر دو۔ شرائط دلوں کے تعلقات میں اچھی نہیں لگتیں اور جبر رکھنا روا نہیں لگتا۔ سو یہ درمیان دیواریں اُٹھانا بند کر دو اور صرف وہ کرو جو مجھے اچھا لگتا ہے۔ جو ہم دونوں کو اچھا لگتا ہے۔ ایک شاندار کپل...... ہمیں ایک اچھا شادی شدہ جوڑا بننا ہے اور ابھی اس کے لیے کافی وقت پڑا ہے۔ ابھی تک تو میں نے تمہیں ڈھنگ سے دیکھا بھی نہیں اور تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"بہت بری ہو تم...... بالکل بھی اچھی نہیں...... ایک اچھی بیوی بنو، اگر نہیں ہو تو کوشش کرو۔ تم بن سکتی ہو۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ شاباش، اِدھر اُدھر کی فضول باتوں کو سوچنا ترک کر دو اور صرف اپنے اور میرے بارے میں سوچو"۔ لہجہ مدھم تھا اور انداز لگاوٹ سے بھرپور۔

"زندگی ان اُلجھنوں کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ یقین کرو، بہت حسین اور دِل فریب۔ سوچو، غور کرو۔ اس "کچھ نہیں" کے علاوہ "کچھ" ہے۔ شاید بہت کچھ۔ جو شاید تم نہیں جانتی ہو یا جسے جاننا نہیں چاہتی ہو، مگر وہ رد کیے جانے کے قابل نہیں ہے۔ نظر انداز مت کرو۔ نہ خود کو، نہ مجھے، نہ اس زندگی کو۔ سب کچھ ضروری ہے اور بہت ضروری ہے۔ اپنے دل کی انگلی تھامو اور صرف اس کے ساتھ چلو اور باقی سب بھول جاؤ۔ عقل و خرد ورغلانے والے جزو ہیں اور آنکھ و دل حقیقت منکشف کرنے والے عضو۔ سو نگاہ سے دیکھو اور دل سے فیصلہ کرو، تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں...... یہ تمہاری آنکھیں بھی جانتی ہیں اور تمہارا دل بھی"۔

مدھم لہجہ کوئی بھرپور احساس رکھتا تھا مگر میرب سیال ایک جھٹکے سے اس حصار سے نکلی تھی اور بیگ اُٹھا کر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی، مگر گیٹ پر کھڑے چوکی دار نے تب تک دروازہ نہیں کھولا تھا جب تک سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ نفس نفیس خود باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دوسری طرف کا دروازہ اس کے لیے کھولا تھا اور میرب سیال کو مجبوراً پیش قدمی کرنا پڑی تھی۔

"یہ مت سمجھو کہ تم پر کوئی قیود لگائی جا رہی ہیں یا کوئی جبر کیا جا رہا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تم فی الحال عقل سے کام نہیں لے رہی ہو...... اطمینان سے سوچ نہیں رہی ہو۔ اس جذباتیت میں تمہیں اپنا خیال نہیں ہے مگر مجھے ہے اور یہ سارے اقدامات تمہیں محفوظ رکھنے کو ہی ہیں۔ ورنہ تم کسی قید میں نہیں ہو، صرف ایک پناہ میں ہو"۔ اس کے بیٹھنے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے واضح کیا تھا اور گاڑی ریورس گیئر میں ڈال کر گیٹ سے نکالی تھی اور راستے پر ڈال دی تھی۔

میرب سیال کیمپس آنے تک کچھ نہیں بولی تھی۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری بہن کے سامنے بیٹھا تھا جو خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

اذہان نے کچھ دیر تک یونہی اسے دیکھا تھا اور آہستگی سے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

''ایسا کیوں کیا ماہا؟...... کیا مجھ پر اعتبار نہ تھا؟...... اپنے بھائی پر یقین نہیں تھا؟...... بہت برا ہوں نا میں۔ بھائی ہی کیا، میں شاید اچھا بیٹا بھی نہیں ہوں...... اگر اچھا بیٹا ہوتا تو آج ممی اتنی بری زندگی بسر نہ کر رہی ہوتیں۔ اور تم ماہا!...... گڑیا! یہ کیا بچگانہ پن ہے؟...... کوئی شکایت تھی، شکوہ تھا یا کوئی بات بری لگی تھی تو مجھ سے کہا ہوتا...... یوں اچانک گھر چھوڑنے کی کیوں ٹھانی؟...... کیا اعتبار نہیں تھا اپنے بھائی پر؟...... تمہیں بھی لگا تھا میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا؟...... جس طرح کہ ممی کے لیے کچھ نہیں کر سکا؟'' اذہان حسن بخاری کا مدھم لہجہ مجرمانہ سا تھا۔

ماہا نے سر اُٹھا کر بھائی کی طرف دیکھا تھا اور نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''نہیں بھائی!...... مجھے آپ پر بھی اعتبار تھا اور ممی پر بھی، مگر میں مزید کوئی ایشو اُٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ ہمارا گھر، اس کا سکون اب پہلے جیسا نہیں رہا ہے اور میں اس معاملے کو اُٹھا کر گھر کی فضا کو مزید بوجھل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں آپ سے کہتی تو کیا ہوتا؟ آپ پھر پاپا کے مقابل تل جاتے اور پاپا کو پھر اپنی ایگو ہرٹ ہوتی لگتی اور وہ آپ کے مخالف اور بھی تن کر کھڑے ہو جاتے۔ وہ آپ کو اپنے بیٹے کی نظر سے کم اور کسی حریف کی نظر سے زیادہ دیکھتے اور یہی میں نہیں چاہتی تھی''۔ ماہا نے اپنے خدشے کو بھائی کے سامنے رکھا تھا۔ اذہان نے بہن کو تھام کر ساتھ لگا لیا تھا اور سر پر پیار کیا تھا۔

''کبھی کبھی جس طرح ہم مسئلے کا حل سوچتے ہیں وہ غلط بھی ہو سکتا ہے...... جانتی ہو تمہاری اس نادانی کی وجہ سے ممی کتنی پریشان ہیں؟...... چاچو کتنے پریشان ہیں؟ اور میں...... میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ کم از کم مجھے ہی بتا دیا ہوتا کہ معاملہ یہ ہے اور مجھے اس سے اختلاف ہے اور اختلاف کی بات بھی جب ہوتی جب ہم اس کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ممی، چاچو، ہم تو خود اس کے مخالف تھے۔ تم کیا سمجھتی ہو، پاپا اگر تمہیں کسی کھائی میں دھکیلنا چاہتے تو ہم انہیں دھکیلنے دیتے؟'' اذہان بھرپور طریقے سے اسے سمجھانا چاہتا تھا۔

مگر ماہا بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''میں نے یہ قدم بہت سوچ کر اُٹھایا ہے۔ شاید اس طرح پاپا کو اپنی کسی غلطی کا اندازہ ہو جائے۔ بھائی! میں اجنبی جگہ پر نہیں ہوں...... اپنی ننھیال میں ہوں...... نانی کے گھر ہوں...... آپ فکرمند نہ ہوں، ممی کو بھی سمجھائیے...... میں آپ سب سے بہت زیادہ دور نہیں ہوں...... نہ ہی میں نے کوئی بغاوت کی ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ پاپا کسی قدر جان سکیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کتنا غلط کر رہے ہیں۔ ہم سب کی زندگیوں سے کھیلنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے...... پہلے میرے ساتھ، پھر ماما کے ساتھ، پھر آپ کے ساتھ...... اور اب پھر۔ بھائی! یہ ضروری تو نہیں کہ پاپا ہمیشہ وہ ہی ہوتے دیکھیں جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں...... پاپا کو وہ بھی تو دیکھنا چاہیے جو ہو رہا ہے اور وہ سمجھ نہیں پا رہے۔ بعض اوقات ہم کتنا غلط کر رہے ہوتے ہیں، مگر ہمیں خود اندازہ نہیں ہوتا اور جب اس بات کا احساس ہمیں کوئی دوسرا دلاتا ہے یا کوئی مختلف

صورتِ حال دیکھ کر ہمیں خود جو اندازہ ہوتا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ہر دفعہ بچے ہی غلط نہیں ہوتے......کبھی کبھی والدین بھی غلط ہوتے ہیں۔ اسی بات کا احساس میں پاپا کو کروانا چاہتی ہوں"۔

"لیکن انہیں پتہ چل جائے گا کہ تم یہاں ہو۔ پھر اس سے کیا فرق پڑے گا؟......اس سے بہتر ہے تم گھر چلو۔ اپنے گھر میں ہم سب کے درمیان تم زیادہ محفوظ ہو"۔

"بھائی! میں جانتی ہوں میں اپنے گھر میں زیادہ محفوظ ہوں۔ آپ سب کے درمیان زیادہ سیکیور رہوں مگر اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ پاپا کو جانتے ہیں......وہ ایسے نہیں تھے......مگر یہ اچانک جو بدلاؤ ان کے اندر آیا ہے، اس کو ختم کرنے کے لیے کسی ایسے ہی چونکا دینے والے واقعے کی ضرورت ہے۔ آپ بے فکر رہیے، میں محفوظ ہوں یہاں۔ مجھ پر اعتبار نہیں تو نانو سے پوچھ لیجئے......کتنے لوگ ہیں یہاں میرا خیال رکھنے کے لیے"۔ ماہا بھائی کو مطمئن رکھنے کو مسکرائی تھی اور اذہان کی پشت پر کھڑی نانو کو دیکھا تھا۔ اذہان نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ نانی ملائمت سے مسکرائی تھیں اور اذہان کے شانے پر محبت سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تمہیں یا فارحہ کو اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا خیال رکھنے کو ہم سب ہیں......ماہا کسی غیر یا اجنبی جگہ پر نہیں ہے۔ تم یوں بھی تو سمجھ سکتے ہو کہ یہ اپنی چھٹیاں گزارنے اپنی ماں کی ماں کے گھر آئی ہے......جس طرح کہ اور بہت سے بچے آتے ہیں"۔ نانی مسکرائیں۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے نانو!......مگر ممی سے بات کر کے آپ انہیں سنبھال لیجئے گا۔ آپ کو پتہ ہے وہ کتنی جلد پریشان ہو جاتی ہیں"۔

"ہاں، جانتی ہوں......اس کی ماں ہوں۔ کیا اس کو نہیں سمجھوں گی؟" نانی مسکرائی تھیں اور اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

"بچے! کبھی کبھی اُلجھی ڈور کو سلجھانے کے لیے بہت سے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ ماہا جو کر رہی ہے، اگرچہ اس سے پریشانی ہو سکتی ہے فارحہ کو بھی اور سعد کو بھی، مگر اُلجھی ہوئی گتھی اس طریقے سے سلجھ سکتی ہے تو کوئی حرج نہیں"۔

اذہان نے کچھ سوچتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

"نہیں نانو!......مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔ ماہا شاید بہت خوف زدہ ہے اور ہم پر دوسری بار بھروسہ کرنا بھی نہیں چاہ رہی......شاید یہ ٹھیک ہے، حق پر ہے......اور میں واقعی نہیں چاہوں گا کہ یہ دوسری بار بھی اپنی زندگی کو ہمارے حوالے کرے۔ ایک تجربہ ہم بھگت چکے ہیں......تب نہ میں کچھ کر سکا نہ ہی کوئی اور۔ کم از کم دوسری بار ہم کسی پچھتاوے میں مبتلا ہونا نہیں چاہیں گے......میں تو بالکل بھی نہیں۔ اس لیے میں اس بار ماہا کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہتا ہوں، جو اسے مناسب لگتا ہے اسے وہی کرنا چاہیے لیکن جب اسے کوئی خطرہ ہوگا، تب میں دور نہیں رہوں گا۔ اس کے قریب پہنچنے والا میں پہلا فرد ہوں گا......مجھے اپنی گڑیا بہت پیاری ہے"۔ ماہا کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

"نانو! آپ خیال رکھئے گا اس کا......میں آتا جاتا رہوں گا"۔ اذہان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بیٹھو نا......کھانا کھا کر جانا"۔ نانو نے کہا تھا مگر وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

زندگی ہر گھڑی ایک امتحان تھی اور کچھ نہیں تھا......

ایک گہری سانس خارج کر کے گاڑی اسٹارٹ کی تھی، تبھی اس کا سیل بجا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے سیل فون کان سے لگایا تھا۔

''ہاں ساہیہ!......ایوری تھنگ اِز اوکے......سب کچھ ٹھیک ہے یہاں......پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے''۔

''ماہا مل گئی؟......کہاں ہے وہ؟''

''یہیں......اسی شہر میں......نانو کے پاس۔ تم ممی کو بتا دو، پریشان نہ ہوں۔ ماہا نے پریشانی کو اپنے طور پر حل کرنے کا یہ راستہ نکالا ہے جو اس کے خیال میں مناسب ترین ہے''۔

گاڑی کو سڑک پر ڈالا تھا۔

''اور تم اذہان؟......تم نے اسے اس کی مرضی کرنے دی......کیا یہ واقعی ٹھیک ہے؟'' ساہیہ دوسری طرف بہت فکر مند دکھائی دی تھی۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''سچ کہوں......مجھے خود پتہ نہیں، مگر اس بار کوئی پچھتاوا اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ کم از کم میں اپنے ہاتھ دھو لینا چاہتا ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ماہا سے لاتعلق ہو گیا......میں اسے ہر ممکن طور پر سپورٹ کرنے کی کوشش کروں گا''۔

''اذہان!......تم اپنا خیال رکھو......کسی طرح کی کوئی ٹینشن مت لو......خدا سب ٹھیک کر دے گا۔ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ نہیں ہو گا۔ یہ کہنا غلط ہو گا......سعد انکل شاید بہت غصہ کریں مگر تمہیں بہت تحمل اور خوش مزاجی سے اس صورتِ حال کو سدھارنا ہے......ماہا کی زندگی کا معاملہ اس بار تمہارے ہاتھ ہے اور میں تمہیں شرمندہ دیکھنا نہیں چاہوں گی''۔ ساہیہ بہت کیئرنگ انداز میں تشویش کے ساتھ بولی تھی تو اذہان جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ! شاید پاپا اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم انہیں جان رہے ہیں......میں نے ہمیشہ انہیں رول ماڈل کے طور پر لیا ہے۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ایک بیٹے کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے کہ وہ باپ کے نقشِ قدم پر چلے اور میں نے یہ سارے مراحل طے کیے......مجھے پاپا سے بڑھ کر اور پاپا کو مجھ سے بڑھ کر کوئی عزیز نہ تھا مگر اچانک رشتوں میں ایک دراڑ آ گئی اور سب کچھ پہلے جیسا نہیں رہا۔ مگر میں آج بھی پاپا کی اتنی ہی رسپیکٹ کرتا ہوں......انہیں آج بھی اسی درجہ بلندی پر دیکھتا ہوں۔ میں اب بھی اپنے باپ سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں اور اب بھی انہی جیسا بننا چاہتا ہوں مگر یقیناً سب باتوں میں نہیں......یہ لڑائی نظریاتی نہیں، یہ اختلاف رشتوں میں اُٹھا ہے اور جہاں پاپا نے ہاتھ کھینچ لیا وہاں میں سب کچھ چھوڑ کر اجنبی نہیں بن سکتا۔ میں گھر پہنچ رہا ہوں، تم فکر مت کرو''۔ اذہان ملائمت سے مسکرایا تھا۔

''ٹیک کیئر اذہان!'' ساہیہ نے دوسری طرف سے کہا تھا اور اذہان نے مسکراتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

کچھ بھی تھا، وہ پاپا کو اس حد تک غلط قرار نہیں دے سکتا تھا۔ ان کی غلطی ضرور تھی مگر پتہ نہیں کیا غلط تھا اور کیا صحیح......کبھی کبھی وہ بالکل سمجھ نہیں پاتا تھا۔ سوچتا بھی تھا تو ذہن اُلجھنے لگتا تھا۔ شاید وہ سید حسن بخاری سے اس درجہ نفرت کر نہیں سکتا تھا، کر نہیں پاتا تھا۔

چاہنے کے باوجود......!

یا پھر رشتوں میں آئی دراز صرف دکھاوے کو تھی اور یہ لڑائی صرف نظریاتی اور وقتی تھی۔

اذہان حسن بخاری خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا مگر ایک سکوت اپنے اِرد گرد اسے محسوس ہو رہا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا۔

☆......☆......☆

باہر شدید بارش ہو رہی تھی مگر عفنان علی خان کو اپنے اندر سکوت اور بہت بوجھل پن لگ رہا تھا۔ بے حد حبس اور گھٹن۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دیر تک آفس میں مصروف رہنے کے بعد کچھ فائلیں گھر پر بھی اُٹھا لایا تھا اور اب جھکا انہی کو دیکھ رہا تھا۔

انابیہ باتھ لے کر فریش سی واش روم سے نکلی تھی۔ بالوں سے ٹاول ہٹا کر بالوں کو جھٹک کر پشت پر ڈالا تھا۔ ننھے منے پانی کے قطرے عفنان علی خان کے چہرے اور فائل پر آن پڑے تھے۔ عفنان نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا...... نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی۔ ایک نئی نویلی دُلہن کے بالوں کی شبنم فضا میں بکھری ہوئی تھی۔ اُس کا دُھلا دُھلا چہرہ بہت تر و تازہ لگ رہا تھا۔ عفنان علی خان کے وجود میں ایک لمحے میں کئی خواہشوں نے سر اُٹھایا تھا۔ فائلز ایک طرف رکھ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا تھا اور چلتا ہوا انابیہ شاہ کے پاس جا رکا تھا۔ انابیہ اُسے کسی قدر تذبذب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھی تھی غالباً اس کی اس بے اختیاری حرکت نے عفنان نے ڈسٹرب کیا ہے یا پھر اس کے کام میں خلل واقع ہوا ہے یا پھر وہ واقعی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اسی لیے ساکت سی، تکتی ہوئی چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ عفنان نے دو قدم کے اس فاصلے کو بہت آہستگی سے اور بھی سمیٹ دیا تھا۔ انابیہ شاہ کے لیے اس کا انداز، اس کے تیور کسی قدر تشویش کا باعث تھے۔

"آئی ایم......سوری...... مجھے اندازہ نہیں تھا...... پانی کے قطرے آپ پر اور...... فائل پر......" کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے اسے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔

انابیہ ایسا کچھ تصور نہیں کر رہی تھی۔ شاید اسی لیے اس لمحے کسی قدر کنفیوژڈ دکھائی دی تھی۔ پلکوں کی لرزش بہت واضح تھی۔ اُلجھن میں اس نے پردہ کھینچ دیا تھا۔ باہر بھیگتا ہوا منظر دِل فریب لگ رہا تھا...... اس نے جانے کیوں کھڑکی کے شیشے بھی کھول دیئے تھے...... تیز ہوا اور تیز بوچھاڑ آنے لگی تھی۔

"باہر بارش ہو رہی ہے"۔ جانے کون سا تاثر زائل کرنے کو وہ بولی تھی۔ عفنان علی خان جیسے ایک لمحے میں بیدار ہو گیا تھا۔ ایک لمحے میں رُخ موڑا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دونوں ہاتھ بالوں کی طرف لے گیا تھا۔

"کیسے کہوں تم سے کہ یہ خواب دکھانا بند کر دو مجھے......اب نہ ان کی ضرورت ہے نہ ہی خواہش"۔ مدھم لہجہ خود کلامی کا سا تھا۔ انداز ایک اُلجھن بھرا تھا۔

انابیہ نے اس کی چوڑی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ غالباً وہ کچھ سُن نہیں پائی تھی، عفنان کیا بولا تھا۔ وہ اسی طرح کھڑی تھی جب

اچانک بجلی چمکی تھی اور لائٹ بھی چلی گئی تھی۔ انابیہ نے ایک لمحے میں بالکل غیر ارادی طور پر اپنے سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑے شخص کی جانب پیش قدمی کی تھی اور اس مضبوط وجود سے لپٹ گئی تھی۔ بڑی ہی فطری حرکت تھی یہ۔ ایک طرف تو وہ عفنان علی خان سے بدظن تھی۔ اس کے خلاف محاذ آرائیاں کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ اس کے وجود میں پناہ تلاش کر رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے میں عیاں کر دیا تھا کہ وہ کتنی بہادر تھی اور کتنی مضبوط۔

عفنان علی خان پلٹا نہیں تھا، جس طرح کھڑا تھا اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ غالباً وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اور اسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا، انابیہ زیادہ دیر تک اس کیفیت میں نہیں رہے گی اور جلد دوبارہ اپنے پہلے والے خول میں لوٹنا چاہے گی، جس میں وہ خود کو مضبوط بھی خیال کرتی ہے اور محفوظ بھی۔ اور یہ بھی کہ یہ حرکت جتنی اچانک اور فطری طور پر سرزد ہوئی ہے، انابیہ کے لیے وہ اسی قدر شرمندگی کا باعث ہوگی اور شاید وہ انابیہ کو اس لمحے شرمندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی اسی طرح رُخ پھیرے کھڑا رہا تھا اور انابیہ اس کی پشت سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

عفنان نے جیب سے لائٹر نکال کر جلایا تھا اور اسی طرح کھڑے کھڑے، ہاتھ قدرے بلند کر دیا تھا کہ روشنی انابیہ تک پہنچ جائے اور اس کا خوف اس درجہ برقرار نہ رہے۔

انابیہ نے روشنی کی ایک لیئر اندھیرے میں پھوٹتے دیکھ کر بہت آہستگی سے سر اُٹھایا تھا اور تب نگاہ اپنے سامنے کھڑے مضبوط شخص پر پڑی تھی جس کی چوڑی مضبوط پشت سے وہ اب تک سر ٹکائے کھڑی تھی۔ یقیناً غلطی سرزد ہوئی تھی اور اس گھڑی وہ شرمندہ بھی دکھائی دی تھی۔ بہت آہستگی سے اس مضبوط شانے پر اب تک رکھا ہوا اپنا نازک سا ہاتھ اُٹھایا تھا اور دو قدم پیچھے سرک گئی تھی۔ مدھم لو میں چہرہ اور اس کے تاثرات چھپانا کسی قدر آسان تھا اور اس ضمن میں تو اور بھی جب کوئی آپ کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

انابیہ کو اس شخص کا اپنی طرف نہ دیکھنا اس لمحے غنیمت لگا تھا۔ یعنی بھرم رہ گیا تھا، اس کی انا کا، وقار کا اور خودداری کا۔

شاید وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی دانستہ اسے ان لمحوں سے بچا رہا تھا۔

انابیہ اس مدھم سی لو میں اس شخص کی پشت کو تکتی ساکت سی کھڑی تھی جب عفنان نے آگے بڑھ کر بنا اس کی سمت متوجہ ہوئے سائیڈ ٹیبل سے کینڈل برآمد کر کے جلا کر ایسے مقام پر رکھ دیا تھا کہ کمرے میں روشنی کی ترسیل برابر ہو سکے۔ لائٹر بجا کر جیب میں ڈالتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔ غالباً باہر نکل جانا چاہ رہا تھا مگر تبھی غیر ارادی طور پر انابیہ نے اسے پکار لیا تھا۔

"عفنان......!"

عفنان علی خان رُک گیا تھا مگر مُڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

انابیہ پکارنے کے فوری بعد کچھ کہنے کی ہمت اپنے اندر محسوس نہیں کر رہی تھی۔ عفنان علی خان منتظر کھڑا تھا جب بہت سی ہمت مجتمع کرتے ہوئے اظہارِ مدعا آخر کار کر دیا تھا۔

''عفنان!......پلیز، مت جاؤ۔ مجھے ڈر لگتا ہے''۔ انداز کسی درجہ خوف زدہ اور آواز بیٹھی ہوئی سی تھی۔ عفنان علی خان پلٹا تھا اور بنا اس کی سمت دیکھے چلتا ہوا واپس کاؤچ پر آن بیٹھا تھا۔ پھر جیب سے سیل فون برآمد کیا تھا اور کوئی نمبر ملا کر ہدایت کرنے لگا تھا۔

''جنریٹر آن کروا دو''۔ صرف ایک جملہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ انابیہ اسی طرح وہیں کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔

''یہاں آ کر بیٹھ جاؤ......تھوڑی دیر میں جنریٹر آن ہو جائے گا''۔ اُسے کہہ کر دوبارہ فائل اُٹھائی تھی اور مدھم کینڈل لائٹ میں فائل کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

انابیہ نے ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ چپ چاپ وہیں کھڑکی کے ساتھ لگی اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔

عفنان علی خان نے دوبارہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اس مدھم روشنی میں فائل پر جھکا ہوا تھا۔ انابیہ اُس کی سمت تکتی رہی پھر لب بھینچ کر نگاہ پھیری تھی اور کھڑکی سے باہر برستی بارش کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

کلاسز کے بعد وہ خواہ مخواہ لائبریری میں گھسی کتاب پر سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ گھر کا کوئی تصور اس کے پاس نہ تھا اور واپسی کے راستے بے حد دشوار تھے۔

گھر......اپنا گھر......ایک خیال اس کے اندر لپکا تھا اور وہ فوراً بیگ لے کر اُٹھی تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کتنے دن ہو گئے تھے وہ در و دیوار دیکھے۔

وہ گھر، وہ کمرہ، وہ دالان دیکھے۔

کیب اس کے اپنے گھر کے باہر رُکی تھی اور وہ کتنی ہی دیر ساکت سی کھڑی گیٹ کو اور باہر کے در و دیوار کو تکتی رہی تھی۔ پھر بیگ سے چابی ڈھونڈ کر برآمد کی تھی جو ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی۔ گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی تو ہر شے کو اسی طرح پایا تھا۔ گھر کی دیکھ بھال گارڈز اور نوکروں کے ذمے تھی اور وہ یقیناً متواتر اس گھر کی دیکھ بھال بھی کر رہے تھے۔ لان میں سارے پودے تر و تازہ تھے......گھاس ہموار اور برابر تھی۔ پودوں کو صبح ہی پانی دیا گیا تھا۔ گلاس ڈور تک جاتی راہ داری صاف و شفاف تھی۔ وہ قدم قدم چلتی اندر بڑھ آئی تھی۔

ایک شہر......ایک مقام اور اتنے دنوں کی دوری۔ وہ اپنے محور کے بغیر کتنے دن تک سرگرداں رہی تھی......اتنی دوری نہ تھی اور پھر بھی وہ دور رہی تھی۔

یہ قصداً کیے گئے فیصلے بعض اوقات کتنا دُکھ دیتے ہیں۔ اس نے خود اپنے ساتھ کس درجہ ناانصافی کی تھی۔ ایک ایک شے کو چھوتے ہوئے کتنی یادیں اس کے اندر جاگ رہی تھیں اور آنکھیں کتنی دھندلا رہی تھیں۔

یہ وہ گھر تھا جہاں اس نے آنکھ کھولی تھی، جہاں پاؤں پاؤں چلی تھی، جہاں ہنسی تھی......کھیلی تھی......روئی تھی اور آج جب بہت شکست تھی تو اپنا غم ان در و دیوار سے بانٹنے چلی آئی تھی۔ اپنے گھر کی ہر ہر شے کتنا اپنا پن دے رہی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہارے لیے میں نے کیا کچھ تیاگ دیا...... کتنا کچھ گنوادیا، چھوڑ دیا۔ تم نے اپنے نام کی مہر لگا کر میرے لیے میرے سارے حوالے پرائے اور غیر معتبر کر دیئے۔ سارے احساس مٹا دیئے اور پھر بالآخر مجھے بھی مٹا دیا۔

کیسے شخص ہو تم؟

اپنی ہی چیزوں کو توڑتے ہوئے تمہیں دکھ نہیں ہوتا...... کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا...... کوئی تکلیف نہیں ہوتی تمہیں......

کتنے بے درد شخص ہو تم...... اور اس سے زیادہ بے حس میں ہوں جو تمہارے ساتھ ہوں"۔ اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے ایک ایک شے کو چھو کر دیکھتے ہوئے وہ جیسے ضبط ہار رہی تھی۔

"کیوں...... کیوں ہوں میں تمہارے ساتھ، جب میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں ہوں۔ کیوں چنا میں نے تمہیں اپنے لیے اگر تم غلط ترین انتخاب تھے...... کیوں سر پھوڑ رہی ہوں متواتر اگر تم پتھر ہو اور تمہیں میری بات سمجھنا ہی نہیں...... کیوں؟...... کس لیے؟ کس لیے شب و روز کا یہ سفر ہے؟ جب رائیگانی ہے تو میں کیوں رُک نہیں جاتی؟ کیوں ہوں تمہارے ساتھ اگر تم میرے ہو ہی نہیں اور کبھی ہو بھی نہیں سکتے۔ تو پھر یہ میرے یک طرفہ سمجھوتے بھی کیوں؟...... کیوں رہوں میں تمہارے ساتھ جب تمہیں قدم قدم میرے ساتھ چلنا ہی نہیں؟...... کس لیے یہ رشتہ بھی، جب ہمیں ایک ساتھ بسر ہونا ہی نہیں...... کیوں...... کس لیے......؟"

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی اسی طرح بیٹھے۔ روتے روتے...... سسکیاں مدھم پڑی تھیں تو اس نے تھک کر سر اُٹھایا تھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی وہاں اس کے سامنے موجودگی یقیناً اس قدر حیرت کا باعث تھی۔ یقیناً یہ اس کا وہم تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری...... اُس کا خوف، اس پر اس درجہ سوار تھا کہ اسے ہر جا وہی دکھائی دے رہا تھا۔ حالانکہ وہ یہاں کہاں آ سکتا تھا؟...... اُسے تو خبر بھی نہیں تھی۔ جو وقت واپسی کے لیے اُسے دیا تھا، ابھی اس میں خاصی دیر تھی اور اسے تو کیمپس سے ہی پک کرنا تھا......!

ہاں، یقیناً یہ ہیولہ تھا۔ کوئی تصور تھا اُس کا۔ وہ با آواز بلند شکوے کر رہی تھی اس سے...... اور اب اُسے لگا تھا وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

میرب نے ہاتھ بڑھا کر اس ہیولے کو چھوا تھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی جب اس ہیولے میں حرکت ہوئی تھی اور اس کے نازک ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔ میرب سیال کی حیرت کی واقعی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ کس درجہ پاگل ہو رہی تھی وہ...... کس درجہ ذہنی توازن بگڑ رہا تھا اُس کا۔ وہ جو دیکھ رہی تھی اس پر یقین نہیں کر رہی تھی اور جس پر یقین کر رہی تھی، اسے دیکھ نہیں رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی شخصیت کو کتنے انتشار سے دوچار کر دیا تھا اور اب اس کے عین سامنے۔

مگر یہ کس طرح ہوا تھا؟...... باہر کا گیٹ تو وہ خود بند کر کے اندر آئی تھی، یا پھر یہاں بھی اس سے کوئی غلطی ہوئی تھی...... کس درجہ ذہنی توازن بگڑ رہا تھا اُس کا۔ مسلسل ٹینشن...... مسلسل جاگنا، رونا، دھونا اور سوچنا اور کوئی حل نہ پانا...... یہ ذہنی انتشار اسے کہاں لے جا رہا

تھا۔ وہ آپ حیران تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے بیٹھا اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی مضبوط گرفت میں تھے اور وہ ساکت بیٹھی تھی۔

''کیوں جینے نہیں دے رہے ہو مجھے؟...... کس لیے؟...... جب میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے تو پھر یہ سب کیوں؟...... تم کیوں کر رہے ہو یہ سب؟ کوئی اچھی بات تو نہیں سارے ثواب اپنے حصے میں لکھ لینا اور عذاب کسی اور کے خانے میں ڈال دینا...... تم میرے نام وہ سزائیں کیوں لکھ رہے ہو جن کے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہی نہیں؟...... کیا خود غرضی نہیں یہ؟ ہزار بار سوچا، شکوہ نہ کروں تم سے...... کوئی شکایت نہ کروں۔ چپ چاپ سمجھوتے کی چادر اوڑھ لوں۔ تمہارے ساتھ قدم قدم چلوں۔ تمہیں سوچوں، تمہیں چاہوں اور بس تمہیں دیکھو۔ اور میں نے ایسا کیا بھی۔ ایسا ہی کیا میں نے۔ نہیں چاہا تھا اگرچہ کبھی بھی، نہیں چاہا تھا تمہیں۔ مگر خود کو مار دیا...... تمہارے لیے فنا کر دیا...... ڈھال دیا تمہارے سانچے میں خود کو۔ رنگ دیا تمہارے رنگ میں۔ تمہیں جو شے اچھی لگتی صرف اسے دیکھتی، اسے سوچتی، پہروں تنہا بیٹھ کر...... تمہاری اِک اِک شے کے متعلق غور کرتی۔ آٹھ مہینے چھبیس دن سات گھنٹے تمہارے ساتھ رہی...... تمہارے نام کے ساتھ رہی۔ ایک ایک لمحہ لکھ دیا تمہارے نام۔ ایک ایک پل۔ اور تم...... تم نے کیا صلہ دیا مجھے؟...... جانتی تھی، ہرجائی ہو تم۔ وفا نہیں ہے تم میں۔ کبھی میرے ہو کر رہ بھی نہ سکو گے۔ ہر رات تمہاری سنگت ایک نئے چہرے، نئے نام کے ساتھ بسر ہوتی ہے مگر اس طرح تو نہیں''۔ سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم ایسا بھی کرو گے...... پتہ نہیں کیوں میں تم پر اعتبار کرنے لگی تھی۔ حد درجہ اعتبار...... مجھے لگنے لگا تھا میں تمہیں بدل سکتی ہوں اور میں تمہیں آج کے دن بدل دوں گی۔ تمہیں نہ نئے چہروں سے آشنائی کا شوق رہے گا نہ نئے ناموں سے کچھ رغبت رہے گی...... تمہاری زندگی میں ایک دن ایسا سورج ضرور طلوع ہو گا جب تمہاری تلاش صرف مجھ سے شروع ہو گی اور صرف مجھ تک ختم ہو گی۔ میں کسی ایسے دن کی منتظر تھی، پُر اُمید تھی میں۔ مگر تم...... تم نے میرے سارے ارادوں کو ایک پل میں ڈھیر کر دیا...... ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تم نے وہ کیا جس کے متعلق میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ جیسے تم ہو، جیسے کھیل تم کھیلتے ہو اور جس طرح کے افعال سرانجام دیتے ہو اسے دیکھ کر تو مجھے تم سے ہر بات کی اُمید رکھنا چاہئے تھی، مگر جانے کیوں میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ مجھے لگا تمہارے لیے زندگی کی حقیقی تلاش صرف میں ہوں...... صرف میں۔ تم نے جو بھی سلوک مجھ سے روا رکھا، جو بھی تم کرتے رہے، میں نے کبھی کسی بات کے لیے تمہیں موردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔ کیونکہ میں جانتی تھی اگر یہ رشتہ میرے لیے سمجھوتہ ہے تو تمہارے لیے بھی یقیناً کسی خوشی کا باعث نہیں ہے۔ یہی جان کر میں نے تمہاری ہر غلطی معاف کی۔ ہر غلط سلوک درگزر کیا۔ ہر قصور کو بھلا دیا مگر تم...... تمہیں ذرہ برابر شرمندگی نہیں کہ تم نے کیا کِیا۔ ایک دوسری عورت کو اُٹھا کر گھر میں لے آئے جب کہ تمہاری منکوحہ میں تھی۔ جب مجھے تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنا تھی اور تمہیں میرے خواب دیکھنے تھے تو پھر یہ سب کیونکر ہوا؟...... تم نے اتنی بڑی غلطی کیسے کر دی؟...... کیسے؟'' مدھم تھکے ماندے لہجے میں پوچھتے ہوئے کتنے آنسو آنکھوں سے رواں تھے۔ کس درجہ شکستہ لگ رہی تھی وہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور پھر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

میرب سیال اب بھی نہیں چونکی تھی۔ چونکہ اب بھی یہ کوئی خیال تھا اس کے لیے۔

''اگر یہ پناہ میری تھی......تو تم نے اس میں کسی اور کو کیوں حصے دار بنایا؟......تم تو عادی تھے نا نئی فضاؤں کے......نئی ہواؤں کے......نئی جہت...... نئے خوابوں سے عشق تھا تمہیں۔ تمہاری ترجیحات جب یہی تھیں تو پھر مجھے خواب دیکھنا کیوں سکھائے تم نے؟ مجھے اپنے ساتھ کیوں کیا؟ جب ہمارے راستے جدا تھے......ہمیں ایک ساتھ چلنا ہی نہیں تھا تو پھر مجھے قدم قدم اپنے ساتھ چلنے کا عادی کیوں بنایا؟......کیوں سکھایا اپنے زاویے سے زندگی کو دیکھنا، پرکھنا اور برتنا؟......مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ہم قدم کیوں کیا؟'' میرب کتنے مدھم لہجے میں شکوے کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے سر پر اپنا چہرہ جھکا دیا تھا۔ مگر یہ کیا، وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

''میرب!......میرب!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑا تھا مگر اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک وجود کو ایک لمحے میں اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھایا تھا اور تیزی سے لے کر گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر اسے ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور گاڑی ہواؤں سے باتیں کرنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ بے تاثر تھا۔

☆......☆......☆

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں خبر نہ ہو؟......فارحہ! تم یقیناً جانتی ہو کہ ماہا کہاں ہے مگر تم اسے صرف مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ مگر تم نہیں جانتی ہو کہ تم ایسا کر کے کتنا غلط کر رہی ہو''۔ سعد حسن بخاری کس قدر درشت لہجے میں کہہ رہے تھے جب اذہان نے قدم اندر رکھا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پاپا!......ممی ہی نہیں، میں اور چاچو، ہم سب جانتے ہیں کہ ماہا کہاں ہے اور کیوں ہے۔ بہتر ہو گا آپ بھی جان لیجئے کہ اگر ماہا نے ایسا کیا تو کیوں کیا۔ صرف اور صرف آپ کے خوف سے''۔

''مجھے یقین تھا''۔ سعد حسن بخاری نے سر ہلایا تھا۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم سب اس حقیقت سے واقف ہو گے اور ماہا کو تم لوگوں نے جان بوجھ کر کہیں چھپا دیا ہے''۔

''چھپایا نہیں ہے پاپا! وہ نانو کے گھر ہے اور اپنی مرضی سے ہے۔ اسے وہاں سے ہم تو کیا شاید آپ بھی نہیں لا سکتے۔ عاقل و بالغ ہے وہ ایک بالغ بچہ اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس کے لیے نہ اسے قانون روک سکتا ہے نہ ہی ہم جیسے سو کالڈ رشتے۔ بجائے یہ جانچنے کے کہ ماہا کدھر ہے آپ یہ سوچیے کہ وہ ادھر کیونکر ہے؟......ایک باپ کے خوف سے جو دوسری بار اس کی زندگی کو اپنے ایک غلط فیصلے کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ پاپا! آپ کب یہ سمجھیں گے کہ ماہا آپ کی وہی ننھی پری ہے جس کی ایک ذرا سی تکلیف پر آپ خود بھی رو دیا کرتے تھے اور آج......آج آپ کس درجہ سنگ دل ہو چکے ہیں۔ کیا آپ وہی ایک لبرل باپ ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو ایک نئی سوچ کے ساتھ جینا

سکھایا، سوچنا سکھایا اور جب وہ سوچنا اور جینا سیکھ گئے تو آپ ان کے پَر کاٹ دینا چاہتے ہیں اور ان کے ذہن مفلوج۔ پاپا! یہ کیا ہے؟...... کیا آپ نے ایمان داری سے خود ایک بھی بار سوچا ہے کہ آپ ماہا کے لیے یہ فیصلہ کیونکر لے رہے ہیں؟...... صرف اس لیے کہ کوئی اور ایسا چاہتا ہے...... پاپا! آپ اپنے بچوں کی زندگیاں کسی اور کے فیصلے کی نذر کر دینا چاہتے ہیں؟'' اذہان بہت حد تک جذباتی نظر آیا تھا۔

فیض چاچو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے جیسے روک دیا تھا۔ سعد حسن بخاری فارحہ کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''تم سے صرف ایک مدعا بیان کیا تھا فارحہ! تم نے تو رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ میرے بچوں کو میرے خلاف کرنے میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ میں نے ماہا کا رشتہ طے نہیں کر دیا تھا، صرف ایک پروپوزل سامنے رکھا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ ہم ماہا کی شادی وہیں کرتے، مگر تمہاری عادت ہو گئی ہے واویلا کرنے کی''۔ سعد حسن بخاری کہہ کر رُکے نہیں تھے...... وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا اور پھر قریب جا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ڈونٹ وری ممی!...... آپ فکر نہ کریں۔ ماہا کے ساتھ اب میں کچھ غلط ہونے نہیں دوں گا''۔

''بیٹا! تم نے ماہا کو سیف کرنے کے لیے جو بھی کیا ٹھیک کیا، مگر بھائی کو سمجھانا ذرا مشکل ہے۔ وہ نظریاتی اختلاف کو دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت انہیں صرف یہ لگ رہا ہے کہ وہ ٹھیک ہیں باقی سب غلط۔ جب وہ ذرا ٹھنڈے ہوں گے تو میں خود بات کروں گا...... ماہا ہم سب کو عزیز ہے، مگر بہتر ہوگا ہم ماہا کو واپس اس گھر میں لے آئیں''۔ فیض چاچو نے صلاح دی تھی۔

''چاچو! آپ یہ کہہ رہے ہیں، جبکہ آپ پاپا کو اچھی طرح جانتے ہیں...... جانے کیسے ہو گئے ہیں وہ۔ کتنا بدل کر رکھ دیا ہے اس عورت نے انہیں۔ انہیں اپنے بچے، اپنا گھر کچھ دکھائی نہیں دے رہا...... سب غلط لگ رہا ہے اور رہی ماہا کی بات، تو ماہا اپنی مرضی سے وہاں گئی ہے اور اسے وہاں سے نہ تو میں واپس لا سکتا ہوں نہ ہی آپ۔ کیونکہ وہ خود یہاں آنا نہیں چاہتی اور چاچو! وہ حق پر بھی ہے۔ جس گھر میں رہنے والوں کو تحفظ نہ ملے اور انہیں باہر بھاگنا پڑے وہ گھر نہیں ہوتا۔ پاپا نے اپنے منفی رویے سے اس گھر کو گھر نہیں، ایک اکھاڑا بنا دیا ہے...... جہاں ہر روز ایک نئے اختلاف کو لے کر اپنے اپنے اصولوں کے موقف پر سختی سے ڈٹا رہا جاتا ہے اور بے قصوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ پاپا کو عادت ہو گئی ہے دوسروں سے قربانی کی مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا''۔ اذہان حسن بخاری کا لہجہ اور انداز دونوں ہی اَٹل تھے۔

☆......☆......☆

مسلسل پریشانی اور سوچوں نے اُسے اس نہج پر لا کھڑا کیا تھا جہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

اُس کا بی پی خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا جسے نارمل کرنے کے لیے ڈاکٹرز مسلسل کوشش کر رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچ رہا تھا۔

ایک بار پہلے بھی اس کی یہی حالت ہوئی تھی۔ جب وہ نیویارک میں تھی اور اس کے پاپا کی سرجری ہوئی تھی۔ تب بھی سردار

سبکتگین حیدر لغاری نے ہی اسے سنبھالا تھا اور اب بھی۔

"آپ ان کے ہزبینڈ ہیں؟" تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کی شادی کو؟"

"آٹھ مہینے...... چھبیس دن...... اور سات گھنٹے"۔ اندر کوئی مدھم آواز اُبھری تھی۔

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا...... مگر تشویش کی بات کیا ہے؟...... ہاؤ اِز شی ناؤ؟...... اب کیسی ہے وہ؟ کیا سب کنٹرول میں آ رہا ہے؟...... بی پی کیسا ہے؟...... نارمل ہے یا......؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کئی سوال ایک ساتھ کر دیئے تھے۔

ڈاکٹر مسکرا دیا تھا۔

"جب اتنا لِونگ اینڈ کیئرنگ ہزبینڈ ہو تو پھر پرابلم کیا ہو سکتی ہے کہ بی پی اس حد تک پہنچ جائے؟" ڈاکٹر کو تشویش ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی کے ساتھ میرب سیال کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ ڈاکٹر اس کا بی پی دوبارہ لینے لگا تھا۔

"آپ انہیں بروقت لے آئے، ورنہ بات اختیار سے باہر بھی ہو سکتی تھی۔ برین ہیمبرج...... پیرالائزڈ...... یا پھر ہارٹ فیل...... ایکچوئیلی اتنی سی عمر میں اتنا زیادہ بی پی ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ اتنی کم عمری میں عموماً اتنا ہائپر ٹینشن ہوتا نہیں، مگر جب ہوتا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے۔ مگر اتنے ہائی پریشر سے دل، گردے، دماغ کچھ بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ مجھے تو وجہ صرف وقتی ٹینشن اور اسٹریس ہی لگ رہی ہے، مگر ہو سکتا ہے وجہ کوئی اور بھی ہو۔ میں کچھ ٹیسٹ لکھ دیتا ہوں۔ آپ وہ کروا لیجئے۔ عموماً کڈنیز کے باعث بھی یہ پرابلم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے کڈنیز میں کوئی خرابی ہو"۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے...... یہ صرف وقتی اسٹریس ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے فوری طور پر جواب دیا تھا۔

"سمجھدار ہیں آپ، مگر آپ کو اپنی وائف کی ایکسٹرا کیئر کی ضرورت ہے...... بے حد خیال رکھنے کی۔ اگر انہیں کوئی پریشانی ہے بھی تو اسے فوری طور پر بانٹئے اور انہیں تنہا مت چھوڑیئے۔ تنہائی میں اِدھر اُدھر کے خیال اور سوچیں زیادہ پریشان کرتی ہیں"۔ ڈاکٹر نے مخلصانہ رائے دی تھی۔ "آپ دونوں پیئر بہت اچھا ہے۔ دعا ہے جوڑی سلامت رہے...... مجھے اُمید ہے کہ آپ کی وائف دوبارہ اگر ہاسپٹل میں آئیں گی تو اس کا کاز یہ ہائپر ٹینشن نہیں ہو گی"۔ ڈاکٹر مسکرایا تھا۔ "ویسے اب ان کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ بی پی اِز انڈر کنٹرولڈ...... میں کچھ ٹانکس اور دوائیں لکھ دیتا ہوں، انہیں ضرور دیں۔ انشاءاللہ شی وِل بی فائن"۔ ڈاکٹر نے پرچہ لکھ کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔

میرب سیال نے بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری فوری طور پر اس کی سمت بڑھا تھا۔

"میرب! اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟...... آر یو آل رائٹ؟" کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھا مگر میرب نے کوئی جواب

نہیں دیا تھا......خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر اسی آہستگی سے چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔

☆......☆......☆

اس شام وہ لوگ ماہ وش بخاری کے گھر تھے۔اوزی چائے کے ساتھ مسلسل چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

''کب تک بوریا بستر ڈال کر بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟......اپنی راہ لو۔ورنہ شادی کر کے گھر بسالو''۔انابیہ نے اسے چھیڑا تھا اور اوزی ہنس دیا تھا۔

''ہاں...... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں...... بلکہ سوچ چکا ہوں۔بس تم سے بات کرنا باقی تھا۔تم لڑکی کی رضا مندی لے لینا۔دراصل وہ مجھے بتانے سے گریزاں ہے شاید۔مشرقی لڑکی ہے نا۔شرماتی بہت ہے''۔اوزی مسکرایا تھا۔عفنان علی خان چپ چاپ بیٹھا تھا۔

''کون ہے وہ؟......کیا میں اُسے جانتی ہوں؟''انابیہ نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں......بہت اچھی طرح''۔اوزی مسکرایا تھا۔

''ایکسکیوزمی!......''عفنان علی خان اُٹھا تھا اور چلتا ہوا دادا ابا کے پاس جا بیٹھا تھا۔انابیہ نے اور بطور خاص اوزی نے اسے دیکھا تھا۔

''انابیہ!ایک بات بتاؤ گی؟''

''ہوں''۔

''سچ سچ......ایک اچھا دوست سمجھ کر......''

''ہوں''۔

''تم عفنان کو جان بوجھ کر اِگنور کر رہی ہونا؟''اوزی نے اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ دھرا تھا۔انابیہ چپ ہو کر ایک لمحے میں اجنبی ہوگئی تھی،جیسے وہ اس سوال کا کوئی جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔

''انابیہ!تم اب بھی عفنان کو قصوروار سمجھتی ہو،جبکہ اس نے تمہارے لیے اتنا کچھ کیا جتنا شاید ہم سب بھی نہیں کر سکے''۔اوزی نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر انابیہ جواباً ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

''انابیہ!تمہیں لگتا ہے،عفنان جیسا شخص کچھ غلط کر سکتا ہے؟......وہ جو صرف ایک حساس دل رکھتا ہے اور صرف محبت کرنا جانتا ہے۔تم سمجھتی ہو کہ وہ کچھ ایسا بھی کر سکتا ہے جس کو نہ عقل تسلیم کرتی ہو اور نہ دل؟''اوزان سید نے سنجیدگی سے بہن کی طرف دیکھا تھا اور انابیہ بے تاثر دکھائی دے رہی تھی۔

''انابیہ!یہ ٹھیک نہیں ہے۔عفنان کو اس جُرم کی سزا مت دو جو اس نے کیا ہی نہیں۔تم لامعہ کو لے کر کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی

ہو...... یہ ٹھیک نہیں ہے"۔

"تمہیں کیا پتہ کہ میں لامعہ کو لے کر جذباتی ہو رہی ہوں۔ میں نے تو تم سے ایسا کچھ نہیں کہا"۔انابیہ نے اس کی سمت حیرت سے دیکھا تھا۔اوزی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بغور توجہ سے دیکھا تھا۔

"انابیہ! تم مجھ سے کچھ بھی نہیں کہو گی تب بھی میں وہ بات جان جاؤں گا جو تمہارے دل میں ہے۔تمہیں مجھے کچھ کہنے کے لیے لفظوں کے سہارے لینے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات میں اب سے نہیں جانتا ہوں، جب تمہاری شادی ہو رہی تھی تب بھی جانتا تھا تم عفنان کی طرف سے بدظن ہو مگر میں سمجھا تھا وقت کے ساتھ تم اس حقیقت کو انڈر اسٹینڈ کر لو گی مگر تم...... انابیہ! اپنی زندگی کو کسی بے وقوفی کی نذر مت کرو۔تم مانتی ہو نا یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔تم تو اتنی سمجھ دار تھیں۔ مجھے سمجھایا کرتی تھیں۔ پھر اب کیا ہوا؟...... یاد ہے جب لامعہ حق نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا تو تم نے مجھے سو سو دلاسے دیئے تھے اور آج...... آج تم خود اس حقیقت سے منحرف ہو رہی ہو کہ تقدیر نامی کوئی شے اس دنیا میں کسی انسان کے پاس ہوتی بھی ہے...... انابیہ! تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہی ہو کہ عفنان، لامعہ کے لیے نہیں تھا۔ اگر وہ لامعہ کے لیے ہوتا تو اسی کے ساتھ رہتا۔مگر تم جانتی ہو وہ اس کے ساتھ رہ کر بھی اس کے ساتھ نہیں رہا۔کیوں؟...... جانتی تھیں نا تم وہ تمہیں چاہتا تھا۔بس یہی ایک غلطی ہوئی ہے اس شخص سے۔اس نے ایمان داری سے تمہاری خواہش کی ہے......"

"اوزی! تم اسے فیور مت کرو...... یہ ٹھیک ہے وہ تمہارا بہترین دوست ہے مگر تم یہ مت بھولو کہ تم میرے بھی بھائی ہو"۔انابیہ نے اسے جھٹلایا تھا۔

"ہاں...... بھائی ہوں...... تبھی تو چاہتا ہوں تم اپنے گھر خوش رہو، آباد رہو۔سنو انابیہ! ماہ وِش ماں کو پتہ چلے گا تو انہیں بہت دُکھ ہو گا اور لکھ کر رکھ لو تم...... تم اس حقیقت کو زیادہ دِنوں تک چھپا نہیں سکو گی اور آہستہ آہستہ یہ بات سب کو پتہ چل جائے گی"۔

"کیا بات سب کو پتہ چل جائے گی بھئی؟" ماہ وش شاہ ملازم کے ساتھ ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی تھیں۔اوزی مسکرا دیا تھا۔

"کچھ نہیں ماما!...... یونہی انابیہ سے ہنسی مذاق کر رہا تھا۔بہت دِنوں بعد فرصت سے بیٹھے ہیں نا"۔اوزی نے بات بنائی تھی۔

"ہاں...... یہ تو ہے۔مگر انابیہ! یہ کیا سن رہی ہوں میں؟...... تم ہنی مون پر نہیں جا رہی ہو؟ بری بات بیٹا!...... فاطمہ سے بات ہوئی تھی۔وہ بتا رہی تھیں کہ تم منع کر رہی ہو...... جان! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں زندگی میں اور پھر یہی دن تو ہنسنے کھیلنے کے ہوتے ہیں۔اس کے بعد تو ذمہ داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔بائے دی وے، یہ عفنان وہاں کیا کر رہا ہے؟...... تم لوگ کمپنی نہیں دے رہے ہو اسے؟" ماہ وش نے کہہ کر عفنان کو آواز دی تھی۔

"عفنان بیٹے!...... یہاں آجاؤ...... اور ابا جی! آپ بھی آجایئے...... چائے تیار ہے"۔

عفنان علی خان اُٹھ کر اس طرف چلا آیا تھا۔ماہ وش جہاندیدہ تھیں۔ایک عجب طرح کا کھنچاؤ دونوں کے بیچ محسوس کئے بنا نہیں رہ سکیں تھیں مگر وہ جانتی تھیں قصور ان کی اپنی بیٹی کا ہو گا، تبھی ہدایت خاص کرتے ہوئے اندر بڑھ گئی تھیں۔

''انابیہ! چائے سے فارغ ہونے کے بعد مجھے ضرور ملنا۔ بہت ضروری بات کرنی ہے''۔

''جی''۔ انابیہ نے سر ہلایا تھا۔ وہ جانتی تھی کیا بات ہوگی۔ اوزی کی طرح ماما بھی اس کی کلاس لیں گی۔ اسے سمجھائیں گی۔ جانے کیوں سب کو قصور اسی کا دکھائی دے رہا تھا۔ غلطی اسی کی لگ رہی تھی۔ حالانکہ اگر کوئی اس کی سنتا اور پوچھتا تو صاف صاف بتا سکتی تھی کہ غلطی کس کی تھی۔ عفنان علی خان اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ وہ اس کے پیرنٹس کے سامنے جتنا ہارش بی ہیو کرتی تھی وہ اتنا ہی رکھ رکھاؤ قائم کیے ہوئے تھا۔ وہ جتنا بات کو بگاڑتی تھی وہ اتنی ہی بات کو بنائے رکھنے کی کوشش میں تھا۔ انابیہ نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔ اگر ان کے درمیان سب کچھ ٹھیک نہیں تھا تو اس کی خبر یقیناً سب کو ہونا چاہیے تھی۔ عفنان اس معاملے میں سبقت لے گیا تھا اور وہ اس گھڑی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی مگر وہ اپنی غلطی ماننا نہیں چاہتی تھی۔ اوزان، عفنان سے بات چیت کر رہا تھا۔ انابیہ اُٹھ کر ماما کے کمرے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

جب واپس لوٹی تھی تو عفنان اس کا منتظر تھا۔ انابیہ ناچار اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

دھیمی دھیمی پھوار پڑ رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے اچانک لان میں رُک گئی تھی۔ عفنان علی خان جو اس سے ایک دو قدم کے فاصلے پر تھا، یک دم مڑا تھا۔ وہ سر آسمان کی طرف اُٹھائے بارش سے محظوظ ہوتی ہوئی بڑی بھلی لگی تھی مگر یہ استحقاق، یہ حقوق......شاید اس کے نام نہیں تھے۔ وہ دیکھتے رہنے کی خواہش کرتے ہوئے بھی مسلسل اس کی سمت نہیں دیکھ سکا تھا اور چلنے کے لیے مڑ کر قدم اُٹھا دیا تھا۔

''عفنان!'' ایک صدا بازگشت بنی تھی۔ عفنان علی خان کسی قدر حیرت سے چونک کر مڑا تھا۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ تھی۔

''کیا تھوڑی دیر رُک نہیں سکتے ہو؟'' کیا تھا اس لہجے میں......کوئی درخواست، کوئی خواہش، یا پھر بس ایک رکھ رکھاؤ والی بات......صرف ایک جملہ......

''بارش تو تمہیں بھی اچھی لگتی تھی نا؟'' جانے کس زمانے کی بات یاد دلائی تھی۔ عفنان کو ایک بار پھر حیرت ہوئی تھی مگر وہ بے تاثر بن گیا تھا۔

''ہاں......مگر اب اچھی نہیں لگتی۔ تم ٹھہرنا چاہتی ہو تو ٹھہر جاؤ، میں انتظار نہیں کر سکتا۔ جانا ہے''۔ وہ مڑا تھا۔ انابیہ نے ایک لمحہ کو دیکھا تھا......پھر چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔ عفنان گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب وہ چلتی ہوئی گاڑی کے پاس جا رُکی تھی۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی تھی''۔

''کیا؟'' عفنان بے تاثر انداز میں گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا تھا۔ بارش تیز ہو رہی تھی۔ انابیہ بھی تیزی سے بھیگنے لگی تھی، تبھی دروازہ کھولا تھا اور فرنٹ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''میں سوئٹرز لینڈ جانے کو تیار ہوں......مگر میری ایک شرط ہے''۔

عفنان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تم اپنی شرائط ماما کو بتا دینا......غالباً وہ پندرہ بیس دنوں میں سوئٹرز لینڈ جا رہی ہیں......اگر ان کو تمہاری شرائط منظور ہوں گی تو وہ

تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گی''۔

انابیہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

''کیوں...... کیا ہم سوئٹزر لینڈ نہیں جا رہے؟''

''نہیں''۔ عفنان علی خان نے حتمی انداز میں کہا تھا۔ ''تمہیں گھر جانا ہے یا کہیں اور ڈراپ کر دوں؟ ایکچوئیلی مجھے کہیں اور بھی جانا ہے''۔ عفنان کا رویہ عجب سرد مہر ہو رہا تھا۔

انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اگر تمہیں زیادہ جلدی ہے تو میں کیب لے لیتی ہوں''۔ ایک مشورہ دیا تھا مگر عفنان علی خان نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میرے خیال میں یہ زیادہ مناسب ہے''۔ گاڑی سائیڈ پر روک کر ایک کیب ہائر کی تھی اور پھر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔ انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ عفنان اس حد تک غیر ذمے دار ہو سکتا تھا...... رات کے اس لمحے وہ اسے...... اپنی بیوی کو تنہا...... اکیلے ایک کیب میں سفر پر مائل کر رہا تھا مگر...... یہ تجویز تو خود اس کی اپنی تھی۔ عفنان علی خان کو دیکھا تھا، وہ اس کا منتظر تھا۔ تب وہ چپ چاپ گاڑی سے اُتر کر کیب میں بیٹھ گئی تھی۔ عفنان علی خان اس درجہ بے مروت ہو گا، وہ نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان کی گاڑی کو زن سے آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے سوچا تھا اور پھر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ جانے کیوں اپنی تذلیل کا احساس بھرپور انداز میں ہوا تھا...... عفنان کیا جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا؟

☆......☆......☆

اصولاً تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کوئی اقدام کرنے چاہئیں تھے مگر میرب کو گھر لانے کے بعد اس میں کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دی تھی۔ ہنوز اسی گھر میں موجود تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اُسے نہ تو اِگنور کر پا رہا تھا اور نہ ہی اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ پا رہا تھا...... اُس کی فراغت کے کئی لمحے اب بھی اس کے ساتھ ہی بسر ہوتے تھے۔ میرب سیال کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا کچھ روا رکھتا تھا اور کیا کچھ نہیں۔ اُسے اس شخص سے بھی کوئی سروکار نہیں تھا، وہ کہا اس کے ساتھ اپنی شامیں بتاتا یا پھر اپنی پوری لائف۔

اُسے اس سے مطلق کوئی سروکار نہ تھا۔

اُسے جو کرنا تھا، وہ سوچ چکی تھی۔ شام میں پاپا سے بات ہوئی تھی پھر اس کے فوراً بعد مائی کا فون بھی آ گیا تھا۔ کتنے دنوں بعد ان سے بات ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف سے سخت تشویش میں تھیں۔ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں اس کی گزشتہ روز کی کیفیت کے متعلق مفصل رپورٹ دے دی تھی۔ اس نے بات کر کے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ ان کے آنے میں ابھی کچھ دن تھے مگر وہ میرب کو بار بار اپنا خیال رکھنے کی تلقین کر رہی تھیں۔ میرب جانتی تھی مائی اماں اس سے کس درجہ محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کے لیے واقعی ایک بیٹی جیسی تھی۔ وہ

بھی مائی اماں کو اتنا ہی مِس کر رہی تھی۔

شاور لے کر فریش ہونے کے بعد وہ الماری کھول کر اپنی تمام چیزوں کو نکال کر بیڈ پر ڈال رہی تھی۔ ساتھ ہی دو تین ملازم خواتین کو متواتر ہدایت کر رہی تھی کہ کون سا سامان کس سوٹ کیس میں رکھیں۔ بہت ریلیکسڈ موڈ میں اپنا سیل اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ''ٹیکسٹ'' کیا تھا اور اسی قدر اطمینان سے چلتی ہوئی دوبارہ الماری کے پاس آن رُکی تھی۔

''ارے...... یہ کیا کر رہی ہو؟...... یہ اوور کوٹ اس بلیک سوٹ کیس میں رکھو اور یہ جوتے وہاں گرے بیگ میں ڈالنے ہیں''۔ ہدایت دے کر وہ مُڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے پیچھے کھڑے پایا تھا۔ وہ اتنی جلد پہنچ جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ بہت اطمینان سے ایک سانس خارج کرتے ہوئے پُر اعتماد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں حد درجہ حیرت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اسے اور اس کے کمرے کے ماحول کو کسی قدر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میرب کو بازو سے تھام کر کسی قدر غصے سے دریافت کیا تھا مگر میرب اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑاتی ہوئی اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''پاپا کا فون آیا تھا...... مائی سے بھی بات ہو گئی ہے میری۔ تم جانتے ہو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں کچھ دنوں کے لیے ان تمام کاموں سے چھٹی لینا چاہتی ہوں۔ ایگزیمز بھی نمٹ چکے ہیں اور اگلا سمسٹر ہو سکتا ہے میں ڈراپ کر دوں اور نیکسٹ سمسٹر جوائن کروں۔ خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور تمہیں یقیناً اس میں کچھ خاص انٹرسٹ بھی نہیں ہوگا...... خاص بات یہ ہے کہ میں تمام کاموں سے فراغت لے کر چھٹیاں گزارنے پاپا کے پاس جا رہی ہوں۔ مائی نے بھی اس فیصلے کو خوشی خوشی قبول کیا ہے۔ آف کورس انہیں میرا بہت خیال ہے۔ بیٹی ہوں نا اُس کی......''

وہ ابھی کچھ اور بھی بول رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا تھا۔

''کیا...... یہ کیا ہو رہا ہے؟...... کیا کہہ رہی ہو تم؟...... ہوش میں تو ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی درجہ برہم دکھائی دیا تھا مگر میرب نے اس کا شانہ بجاتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ریلیکسڈ...... بی ریلیکسڈ...... ٹینشن لینا تمہارے لیے اچھا نہیں۔ اور یہ تو یوں بھی ایک ٹینشن فری نیوز ہے تمہارے لیے۔ میرے جانے کے بعد غالباً تمہیں گی کے ساتھ اور بھی اچھا وقت گزارنے کا موقع مل جائے گا اور تم بھی اچھی طرح سے اس کا خیال رکھ پاؤ گے''۔ وہ مسکراتے ہوئے غالباً کو طنز کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے اس لڑکی کا یہ روپ بہت نیا تھا۔ کل تک جو اس کی کیفیت تھی اسے دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ اس فیز سے باہر بھی نکلے گی اور کہاں وہ آج اچانک اتنے چل (Chill) موڈ میں تھی۔

''میرب! تم نہیں جا سکتی ہو...... میں نے کہا، تم نہیں جاؤ گی۔ مائی اماں تمہیں کیسے اجازت دے سکتی ہیں؟...... میں رد کرتا ہوں اسے۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی''۔ جنونی انداز میں اسے شانوں سے تھامتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تھا مگر میرب مسکرا دی تھی۔

''لگتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہیں اپنی بیوی سے محبت نہیں۔اس کی اس درجہ خراب کیفیت کے باوجود تم اسے یہاں دیکھنا چاہتے ہو۔سنا نہیں تھا ڈاکٹر نے کیا ہدایت کی تھی...... تمہیں میرا خیال رکھنا چاہیے اور میں کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔صرف چھٹیاں گزارنے جا رہی ہوں...... تمہیں اگر گی کو چھوڑ کر آنے میں کوئی پرابلم نہ ہو تو تم بھی میرے ساتھ چلو۔دونوں مل کر انجوائے کریں گے۔وہ کیا کہتے ہیں...... ایک سے بھلے دو'۔ وہ اطمینان سے مسکرائی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حیرت سے دیکھا تھا پھر شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو تم...... میں نے کہا نا، کہیں نہیں جاؤ گی تم۔یہیں رہو گی میرے پاس''۔حکم صادر ہوا تھا مگر میرب مسکرا دی تھی۔

''تم نے وہ امریکی کہاوت نہیں سنی شاید جس کے پاس کیک ہوتا ہے اسے چیریز بھی لازمی درکار ہوتے ہیں۔تمہارا بھی یہی پرابلم ہے''۔عجب طنز تھا۔وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔''میں واقعی جا رہی ہوں...... اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے...... مجھے جانا ہی ہے۔اگر کسی اور کو میرا کوئی خیال نہیں ہے تو ضروری نہیں کہ میں خود بھی اپنا کوئی خیال نہ کروں۔میں نے اپنے سوچنے کا انداز بدل دیا ہے۔اب میں زندگی کو اس طرح سے دیکھنے لگی ہوں جس طرح سے بہت سے دوسرے لوگ دیکھتے ہیں۔اب میرے لیے کوئی شے زندگی سے بڑی یا بڑھ کر قطعاً نہیں ہے۔میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے نا؟'' میرب نے کسی قدر توجہ سے سر اُٹھا کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری عجب تذبذب سے اسے دیکھ رہا تھا۔نظروں میں حیرت بے حد واضح تھی۔

وہ واقعی بے حد حیران تھا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی...... انڈر اسٹینڈ؟...... تم میری بیوی ہو اور تمہیں روکنے کے سارے حقوق میرے پاس ہیں۔اس سے زیادہ نہ تم کچھ کہو گی نہ ہی میں سنوں گا۔رائٹ؟''

دونوں شانوں سے اسے تھام کر یک دم وہ سختی سے بولا تھا جب میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''اوہ مسٹر ہزبینڈ!...... شاید آپ بھول رہے ہیں ابھی ہمارا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی نہیں۔مشرق میں شادی کو صرف تبھی شادی کہا جاتا ہے جب لڑکی دُلہن بن کر اپنے ہزبینڈ کے گھر آ جائے اور میں صرف آپ کی منکوحہ ہوں...... ہمارا صرف نکاح ہوا ہے، شادی نہیں''۔اس کے خیال میں اس کی دلیل انتہائی ٹھوس تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بالکل ایسے تھپتھپایا تھا جیسے اس گھڑی وہ اس کے سامنے کوئی بچی ہو۔

''سوئٹی!...... یہ جو گز بھر کا فاصلہ ہے نا، اسے یونہی قائم رہنے دو۔ورنہ یہ جو چھوٹی موٹی دیواریں ہیں نا، ان کے گرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔نہ تو ابھی حوصلہ ہارا ہے نہ ہی ہمت۔معمولی سا فرق جو نظر آ رہا ہے فقط دانستہ ہے۔ورنہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ناممکن...... اوں، ہوں......'' مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔''ایسا کوئی لفظ اس شخص کی زندگی میں نہیں ہے''۔ دھیما لہجہ بہت کچھ باور کراتا ہوا تھا۔میرب سیال کو اپنے حوصلے ایک لمحے میں پست ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

"تم میری کیا ہو؟ یہ بتانا تمہیں ضروری نہیں ہے۔ آئی نوٹ ڈیٹ...... جانتا ہوں میں۔ اس گھر میں ہو، میرے اختیار میں ہو، بار بار یاد دہانی کرانے کی ضرورت باقی ہے کیا؟...... پاگل ہو تم...... سچ، بالکل پاگل...... کچھ بھی نہیں سمجھتی ہو۔ چھوٹی چھوٹی لکیروں کو مٹانا دشوار نہیں ہوتا ہنی! چھوٹی چھوٹی باتوں پر جلنا کڑھنا چھوڑ دو۔ بہت فکر رہتی ہے تمہاری۔ بہت ستاتی ہو تم"۔ مدھم سرگوشی میں عجب شکایت تھی۔ میرب سیال متواتر اس کی طرف دیکھ نہ سکی تھی۔ نظریں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں سے تھامتے ہوئے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چہرے کو قدرے اوپر اُٹھایا تھا۔

"رشتوں کے نبا ہنے میں اور رشتوں کے بنانے میں بہت فرق ہوتا ہے میرب!...... اپنے اختیار، اپنے استحقاق سے میں واقف ہوں۔ سو اپنی طرف سے تم بھی یہ یقین کر لو کہ تمہارے لیے تمہاری پہلی اور آخری راہ میں ہی ہوں۔ نہ تم کو میرے علاوہ کہیں اور دیکھنا ہے نہ ہی سوچنا ہے، کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ بندھا ہوا ہے، اسے میں نبھانا چاہتا ہوں۔ نہ کوئی اور راہ نہ کوئی تاویل۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی دلیل بھی نہیں ہے ہنی!...... سو تم بھی خواہ مخواہ کی یہ من مانیاں ترک کر دو۔ اچھا نہیں لگتا بار بار تم پر یہ جتانا کہ تم بے حد کمزور ہو اور میں کس قدر با اختیار"۔ بچوں کی طرح اسے پچکارتے ہوئے کتنی نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال اپنے اندر بہت کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ بہت سی ہمتیں شاید چپ چاپ جواب دے رہی تھیں۔

وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب اِرد گرد کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میرب نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تھا۔ قدرے فاصلے پر گی کھڑی تھی۔ جو اَب چلتی ہوئی قریب آ گئی تھی۔

"آئی ایم سوری!...... یہ سب میری وجہ سے ہے نا۔ دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم گین سے اس ناتے سے وابستہ ہو"۔ گی شستہ انگریزی میں کہتے کہتے لمحہ بھر کو رُکی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر میرب کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے...... اگر کسی کو جانا ہے تو شاید وہ میں ہوں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تمہیں میرے متعلق اس قدر دھچکا لگے گا۔ میں تو تم دونوں کے متعلق ٹھیک سے جانتی بھی نہیں تھی۔ گین سے کبھی پوچھا بھی نہیں اور اس نے کبھی بتایا بھی نہیں۔ میں ہمیشہ سمجھتی تھی تم شاید اس کی کوئی دوست ہو یا پھر کوئی ریلیٹو۔ دراصل رشتے کی اس نہج کا مجھے کوئی اندازہ نہ تھا مگر کل رات جب پتہ چلا تو واقعی بہت افسوس ہوا۔ مسز گین!...... یو مسٹ بی اے لکی گرل۔ تمہارے اختیار میں وہ بندہ ہے جس کے اختیار میں آنے کے لیے کئی دِل خود سے خواہش کرتے ہیں۔ ان کئی دلوں کے ساتھ خاصا برا کیا ہے آپ نے"۔ شاید بات کو کسی قدر ثقیل ہونے سے بچانے کے لیے وہ مسکرائی تھی مگر میرب پر اس کی حسِ مزاح کا کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ کھڑی رہی تھی۔

"میرب! تم بہت خوب صورت ہو۔ یقیناً تمہارا دل بھی بہت خوب صورت ہوگا مگر میں اس دل میں رہنے کی گنجائش ہرگز نہیں ڈھونڈوں گی، نہ ہی ایسی کوئی اجازت طلب کروں گی کیونکہ اس دل میں اگر کسی کو رہنا ہے تو وہ صرف گین ہی ہے...... میں نہ تو تم سے گین کو چھیننے آئی ہوں نہ ہی تمہیں خوف زدہ کرنے۔ اگر تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں اس کے لیے معذرت کروں گی۔ ساتھ ہی

اس بات کا یقین بھی دوں گی کہ تمہیں مزید تکلیف نہیں اُٹھانا پڑے گی، کیونکہ صبح میں یہاں سے چلی جاؤں گی اور......"

"گی!......تم کہیں نہیں جاؤ گی"۔ وہ بول رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ یک دم تھام کر کہا تھا۔ انداز دو ٹوک تھا اور میرب جو اس لمحے سامنے کھڑی تھی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر نگاہ پھیر کر دوبارہ گی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"دوبارہ ایسی بات مت کہنا۔ آئی کانٹ ہیئر دیٹ۔ تم یہیں رہو گی......یہیں، میرے پاس۔ چاہے یہ کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ آئی ڈونٹ کیئر"۔ اس قدر حتمی انداز۔ اس قدر حتمی ٹھوس لہجہ۔

میرب سیال نے کسی قدر بے یقینی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ خالی خالی آنکھوں میں یک دم ہی نمی تیرنے لگی تھی۔ اس کے قدم یک دم ہی اُٹھے تھے اور وہ چلتی ہوئی وہاں سے نکلنے لگی تھی۔

اندر باہر......ہر طرف ایک سناٹا تھا۔

کتنی آوازیں اندر ہی اندر دم توڑ رہی تھیں مگر وہ چپ چاپ چلتی جا رہی تھی۔ جانے کہاں جا کر یہ سفر ختم ہونا تھا۔

☆......☆......☆

اُس روز لامعہ گھر میں آئی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان گھر میں داخل ہوا تو ماحول خاصا خوش گوار ملا تھا۔ انابیہ کی ہنسی کی آواز کتنے دن بعد گھر میں گونجی تھی۔

وہ سن کر رُک گیا تھا، حالانکہ ارادہ اندر بڑھ جانے کا تھا۔

"کیسے ہو تم؟" لامعہ نے اس کی سمت خاص توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ جو کسی بات پر اب سے پہلے بہت کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اس وقت اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ انوشے مہمان کی خاطر مدارات میں پیش پیش تھی۔

"بھائی! آپ چائے لیں گے؟"

"نہیں"۔ عفنان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور بغور توجہ سے اس سامنے موجود چہرے کو دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں اور تم؟...... بہت دنوں بعد چکر لگایا، کہاں تھیں؟" لامعہ سے بات کرتے ہوئے انداز بہت عام تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ شاید کسی فطری کرٹسی کے باعث تھی۔ انابیہ اس لمحے جیسے کنی کترا رہی تھی۔ لامعہ حق کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

"تو تم مجھے مس کر رہے تھے؟"

عفنان نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ نظریں اس سامنے بیٹھے چہرے سے کہیں زیادہ اس چہرے کو پڑھ رہی تھیں جو اس لمحے کسی قدر اجنبی بنا کنی کترا رہا تھا۔ عفنان علی خان اس لمحے کی گرفت سے باہر نہیں رہ سکا تھا اور لبوں پر ایک دِل فریب تبسم پھیلنے لگا تھا۔

"تیرے ایوانوں میں پُرزے ہوئے پیماں کتنے

کتنے وعدے جو نہ آسودۂ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بدخواہوں کی
خواب کتنے تری شہ راہوں میں سنگسار ہوئے
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا جو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
لہو کے داغ تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
ہم تو مجبورِ وفا ہیں مگر اے جانِ جہاں
اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے
تیری محفل کو خدا رکھے ابد تک قائم
ہم تو مہماں ہیں گھڑی بھر کے ہمارا کیا''

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے نگاہوں میں اضطراب کی کوئی خاص کیفیت تھی اور لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔ٹیبل کے اس طرف بیٹھی لامعہ نے فوراً ٹوکا تھا۔

''خدانخواستہ...... یہ کیا بات ہوئی؟......انابیہ! دیکھو ذرا......تمہارے مسٹر ہزبینڈ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔اچھی اچھی باتیں کریں بھئی۔ابھی تو آپ کی زندگی کی شروع ہوئی ہے۔ابھی تو آپ نے دودھوں نہانا ہے اور پوتوں پھلنا ہے۔میں نے مثال صحیح دی ہے نا انابیہ!'' لامعہ نے شرارت سے اسے دیکھا تھا مگر انابیہ پر اس لطیف سے شرارت کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔نظر خاص اس چہرے پر تھی۔خدوخال پر تھی۔

''لامعہ! تمہاری یہی بات مجھے بہت پسند ہے۔تم زندگی کو بہت لائٹ لیتی ہو۔کاش میں نے تمہارا ہی ہاتھ تھاما ہوتا تو زندگی آج کسی اور ڈگر پر ہوتی''۔دل میں اچانک جانے کیا آن سمائی تھی کہ مسکراتے ہوئے اِردگرد کے ماحول کو نظر انداز کرتے ہوئے لامعہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔لامعہ غالباً اس کے موڈ سے واقف تھی تبھی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''انابیہ! سنبھالو اپنے شوہر کو بھئی۔تمہاری نظروں کے سامنے یہ کیسی کیسی خواہشوں کا اظہار ہو رہا ہے۔آئی تھنک یو شڈ ٹیک نوٹس فرسٹ...... یہ کوئی اچھا سائن نہیں ہے''۔لامعہ نے چھیڑا تھا۔انابیہ نے ایک نظر بطور خاص اپنے مسٹر ہزبینڈ کو دیکھا تھا۔نظریں تیر، تلوار شاید سبھی کچھ تھیں مگر عفنان جیسے ہر بات کو رد کرتا مسکرا دیا تھا۔

''اوں ہوں...... مذاق نہیں کر رہا ہوں میں۔ڈونٹ ٹیک می رونگ۔مجھے واقعی اندازہ نہیں ہو رہا ہے کہ زندگی میں جذباتی فیصلوں کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔آئی فِیل گلٹی......شاید میں نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔تمہارا دل ضرور دُکھا ہو گا۔تبھی تو''۔

چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر عفنان کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

لامعہ نے مسکراتے لب بھینچ کر انابیہ کی طرف دیکھا تھا اور پھر عفنان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا تھا۔

''میں چلتی ہوں''۔

''لامعہ! کچھ دیر اور تو بیٹھو۔ آج تمہاری وجہ سے مجھے بہت سی ناپسندیدہ چیزیں بھی اچھی لگ رہی ہیں''۔ ایک نگاہ انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔

انابیہ اس لمحے ایسے بیٹھی تھی جیسے اس سارے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ بالکل اجنبی ہو یا پھر وہ واقعی بہت حیران تھی۔

عفنان جو کر رہا تھا وہ واقعی اس سے ایسا ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔

''عفنان! کم آن...... بہت مذاق ہو گیا۔ تمہارا تو کچھ نہیں لیکن میں انابیہ کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ اس گھر میں میرا داخلہ سرے سے بند کر دے گی۔ ہے نا انابیہ؟'' لامعہ نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ کے چہرے پر بہت مروت بھری مسکراہٹ پل بھر کو اُبھری تھی اور معدوم بھی ہو گئی تھی۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''کیسی بات کہہ دی تم نے......درد یاد آ گئے...... پتہ نہیں کتنے پرانے زخم ادھیڑ دیئے تم نے۔

آ گے جو بلا آتی تھی، سو دل پہ تلی تھی

اب کے تو میری جان ہی پہ آن بنی ہے

اے درد! کہوں کس سے بتا، رازِ محبت

عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے''

عفنان علی خان جانے کس جذبے کے زیرِ اثر تھا۔ آج تو رنگ ہی الگ تھا۔ انابیہ کی نظریں حیرت سے بھری تھیں مگر وہ اس کی جانب دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں تھی جبکہ لامعہ ہنس دی تھی۔

''عفنان! بہت ہو گیا...... آج آفس اور میٹنگ کی جگہ مشاعرہ اٹینڈ کر کے آئے ہو۔ کبھی فیض تو کبھی درد...... اس سے قبل کبھی ایسے رنگ تو نہ تھے تمہارے''۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......اس سے قبل ایسا درد بھی تو نہ ہوا تھا''۔

لامعہ سر نفی میں ہلاتی ہوئی مسکراتی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''انابیہ! اسے باندھ کر رکھو۔ بیویوں والے سارے گُر آزمانا شروع کر دو۔ موصوف خاصے مشکوک لگ رہے ہیں''۔ پرس شولڈر پر ڈالتے ہوئے لامعہ نے خاص ہدایت کی تھی۔

انابیہ تو کیا ہی کوئی ردعمل دیتی اس سے قبل ہی موصوف بول اُٹھے تھے۔

"کل کا کیا پروگرام ہے تمہارا...... فارغ ہو یا......؟"

"عفنان! اب بس بھی کرو۔ دیکھو انابیہ کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے"۔ لامعہ کو اپنی دوست کا مکمل خیال تھا۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"یہ چہرہ کتنے رنگ بدل سکتا ہے یہ شاید تم بھی نہیں جانتی ہو ابھی۔ فقط صورت پر مت جاؤ۔ بھولی بھالی ادائیں کبھی کبھی بڑے گہرے وار کرتی ہیں"۔ لبوں پر بظاہر مسکراہٹ لیے، جانے وہ کون سی کہانی بیان کر رہا تھا۔ لامعہ، انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کم آن عفنان!...... بہت ہو گیا۔ اب تو میری دوست کو زیادہ ٹیز مت کرو۔ جانتے ہو کتنے پاپڑ بیلے ہیں اسے حاصل کرنے کے لیے تم نے۔ کل تک تو تم ان لب و رخسار کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے اور آج...... میرے سامنے اسے اس قدر ستا رہے ہو"۔ لامعہ نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی بھرپور طرف داری کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ ساتھ ہی ہاتھ اُٹھا کر وارننگ دی تھی۔

"اگر تم نے انابیہ کو دوبارہ ستایا تو دوست میں تمہاری بعد میں بنوں گی، پہلے میں انابیہ کی ہوں کیونکہ انابیہ کی دوست کم بہن زیادہ ہوں۔ بہن سمجھتے ہو نا...... میں آپ کی سالی۔ اور سالی بہت خطرناک ہوتی ہے"۔ لامعہ نے مسکراتے ہوئے بھرپور احساس دلایا تھا۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"ہاں...... خطرناک بھی ہوتی ہے اور آدھے گھر کے حقوق کی مالک بھی۔ تو پھر کیا حرج ہے کہ آدھے حقوق اسے سونپ بھی دیئے جائیں"۔

"شٹ اَپ عفنان!" لامعہ کا قہقہہ بہت فطری تھا۔ "تمہارے مذاق میری پیاری سی انابیہ کی جان ایک دن ضرور لے لیں گے۔ میری بہن کا خیال رکھو، رائٹ؟ آئندہ شکایت نہیں سنوں گی"۔

انابیہ کے سر پر پیار کرتے ہوئے لامعہ ہاتھ ہلاتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

کچھ کہنے...... کچھ پوچھنے کی ہمت ناپید تھی۔

عفنان علی خان نے براؤنیز کا پیس اُٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا اور پھر اُٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

انابیہ کی جھکی آنکھوں سے کتنے گرم گرم قطرے ٹیبل کی سطح پر گر رہے تھے۔

☆......☆......☆

تنہا تنہا......

بے کل بے کل......

میری راتیں پاگل پاگل......

خالی دل ہے......

خالی نظریں......

موسم بھی چپ چاپ کھڑا ہے!

سیفی کا فون تھا مگر اس میں بات کرنے کی ہمت بالکل ناپید تھی۔

''کیا ہوا؟......تمہارے پرنس آف ویلز نے کیا تمہاری زبان بندی کروادی ہے؟''سیفی مسکرایا تھا مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں''۔لہجہ بہت نیم جاں تھا۔

''نہیں...... یہ تمہاری آواز بکری جیسی اتنی منمناتی ہوئی سی کیوں ہو رہی ہے؟......کیا معاملہ ہے؟......اپنے احکامات سے ان موصوف پرنس نے تمہیں بکری تو نہیں بنا دیا؟ یار! اگر ایسا ہوا ہے تو بہت برا ہوا ہے۔اب میں دیکھوں گا تو پہچانوں گا کیسے؟......اور بالفرض تمہیں پہچان بھی گیا تو تم سے بات کیسے کروں گا؟ مجھے تو بکروں کی طرح، میں میں کرنے کا کوئی تجربہ نہیں''۔سیفی کی حسِ مزاح اس وقت کمال عروج پر تھی۔

میرب سیال کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اُتری تھی۔

''سیفی! تم بھی نا...... اتنے دنوں بعد کیوں فون کیا؟......کہاں غائب تھے؟ نانو سے بات ہوئی تھی، بتا رہی تھیں تم بزنس اسائنمنٹ پر بزی ہو آج کل ماموں کے ساتھ۔ یہ اتنی جلد بزنس میں کیونکر ہاتھ ڈال دیا؟ فی الحال تو تمہیں اپنی اسٹڈی پر کونسنٹریٹ کرنے کی ضرورت ہے نا، اور تم......''

''ہاں......مگر کونسنٹریٹ کرنے کی ضرورت تو تمہیں بھی کہیں اور ہے لیکن خیر چھوڑو، تم......''سیفی نے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''اتنے روز سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟......سسرال میں بہت جی لگ گیا کیا؟'' بھرپور شکوہ ہوا تھا۔میرب کی آنکھوں سے خاموشی سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔

''سیفی! مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے''۔بے ہمت آواز اور لہجہ اس کی کمزوری کا بھرپور ترجمان تھا۔

''کیا؟''سیفی کو تشویش ہوئی تھی۔

''آئی ایم ناٹ ہیپی''۔

''کیا؟......کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''ہاں......میں واقعی خوش نہیں ہوں''۔

''کس سے؟''سیفی سمجھ نہ سکا تھا۔

''اس زندگی سے......اپنے آپ سے......اور شاید کسی سے بھی نہیں''۔ میرب نے تمام ہمتوں کو مجتمع کیا تھا۔

''اور مسٹر لغاری سے......؟''سیفی نے دریافت کیا تھا اور میرب کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا تھا۔

''بولو میرب!...... بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟......تم رو کیوں رہی ہو؟......کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا؟......اوکے، میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔خود کو اتنا کمزور مت سمجھو۔تم تنہا نہیں ہو''۔سیفی نے حوصلہ بندھایا تھا۔

میرب نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔

''سیفی!اس کی ضرورت نہیں ہے۔آئی ایم اسٹرونگ۔میں خود کو ڈی فنڈ کر سکتی ہوں اور سیف بھی''۔

''تو پھر......؟''

''کچھ نہیں''۔یک دم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میرب!تم خوش نہیں ہو،تمہیں یہ بات کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔جب سے تم اس شخص کے تعلق میں بندھی ہو،تمہارا چہرہ اور تمہاری آنکھیں یہ کہانی صاف کہتے ہیں''۔

میرب کچھ نہیں بولی تھی۔سیفی اس کا وہ دوست تھا جس سے شاید وہ کچھ بھی چھپا نہیں سکتی تھی۔

''میرب!میں یہ سن کر خوش نہیں ہوں کہ تم خوش نہیں ہو،مگر یہ اختیار میرے ہاتھ نہیں ہے۔کاش میں تمہیں خوش رہنے کی کوئی ترکیب دے سکتا''۔سیفی اس کے لیے افسردہ تھا۔''تمہیں لینے آؤں میرب؟کچھ دن یہاں رہو گی تو طبیعت بہل جائے گی''۔

''کیا فائدہ؟......واپس تو یہیں آنا ہے''۔میرب کا لہجہ نیم جاں تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا تم نے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا؟......مجھے چنا ہوتا تو آج ایسی نوبت نہ آتی''۔شاید اس کا موڈ بحال کرنے کو سیفی بولا تھا مگر میرب مسکرائی نہیں تھی۔

''سیفی!میں رونا نہیں چاہتی،کمزور پڑنا بھی نہیں چاہتی مگر میں کیا کروں،میں مضبوط نہیں ہوں''۔کوئی کوئی اپنا ایسا ہوتا ہے جس کے سامنے کوئی خول خود پر چڑھائے رکھنا اچھا نہیں لگتا۔سیفی بھی شاید ایسا ہی کوئی اپنا تھا۔

''میں آجاتا ہوں میرب!''سیفی نے حتمی انداز میں کہا تھا۔

''نہیں......تم مت آنا''۔میرب کسی خوف کے زیرِ اثر بولی تھی۔

''کیوں......تمہارا وہ حاکم وقت مجھے جادو سے مکھی بنوا دے گا؟''سیفی مسکرایا تھا۔''میرب!نہ تو تم اس کی قیدی ہو،نہ ہی میں کوئی رعایا ہوں۔تم نے خواہ مخواہ اس شخص کو ہوا بنا رکھا ہے۔خواہ مخواہ ڈرتی رہتی ہو۔اسے صرف ایک انسان سمجھو،تمہاری پرابلمز خود بخود ختم ہو جائیں گی''۔سیفی نے سمجھایا تھا۔میرب نے سر ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

پلٹی تھی تو چونک پڑی تھی۔پیچھے وہی''حاکم وقت''کھڑا تھا۔

میرب کو پتہ تھا، جانتی تھی وہ اس کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کسی ردِعمل کے لیے تیار کر رہی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''کیسا محسوس کر رہی ہو اب؟...... ایک اچھا فیصلہ لے کر یقیناً تمہیں بہت اطمینان محسوس ہو رہا ہو گا نا''۔ کتنا ہمدرد بنا وہ دریافت کر رہا تھا۔ میرب خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

اس حقیقت کو سمجھنے میں لٹایا کیا کچھ

میرا دشمن، میرا غم خوار نہیں ہو سکتا

تیرگی چاہے ستاروں کی سفارش لائے

رات سے مجھ کو سروکار نہیں ہو سکتا

''کیا ہوا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر ملائمت سے دریافت کرتے ہوئے اسے بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ میرب نے اس کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے چہرے کا رُخ پھیر لیا تھا۔

''آئی ہیٹ یو''۔ نفرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور اُلٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی تھی اور دیوار سے جا لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ردِعمل پر یوں مسکرایا تھا جیسے کوئی کسی بچے کے روٹھنے پر محظوظ ہوتا ہے۔ اس کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

''بہت ضدی ہو تم...... اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی سویٹ! یو شُڈ انڈرا سٹینڈ۔ سمجھ داری سے کام لینے کی ضرورت ہے تمہیں صرف۔ یہ خدشے، وسوسے، اوہام سب فضول ہیں۔ ایک دم بے کار۔ نہ تو کسی کی کوئی حقیقت ہے نہ ہی کوئی منطق۔ اگر کبھی ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو ساری بات بھی اپنے آپ ہی سمجھ میں آجائے گی۔ تم تیار ہو جاؤ۔ اب یہ مت پوچھنا کہ کہاں جانا ہے۔ آف کورس، کہیں جانا ہی ہے''۔ ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

میرب کی آنکھوں میں بے بسی کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا۔ تبھی میرب نے پکارا تھا۔ وہ رُک گیا تھا، پھر بہت آہستگی سے پلٹ کر بھرپور توجہ سے اسے دیکھا تھا۔ میرب کو مدعا بیان کرنا انتہائی دشوار لگا تھا۔ کسی قدر ہیزی ٹیٹ ہو کر وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پوری توجہ سے منتظر کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ میرب نے بالآخر ہمت کر کے سر اُٹھایا تھا۔

''سبکتگین!''

''اوں، ہوں، گین...... صرف گین تمہارے لبوں سے اچھا لگتا ہے''۔ سرگوشی بہت دِل رُبا تھی۔ کتنا جادو اِردگرد پھیلا تھا۔ اس کے دھیمے لبوں کی مسکراہٹ ایک اسرار رکھتی تھی۔ میرب کی ساری ہمتیں ایک بار پھر ڈھیر تھیں۔

''تم کچھ کہہ رہی تھیں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس جیسے فرصت ہی فرصت تھی مگر میرب کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں اور وہ بے ہمت سی سر جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس پر رحم آ گیا تھا...... آگے بڑھا تھا اور اس کے

چہرے کو بھرپور وارفتگی سے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''معاملہ کیا ہے سوئٹی؟...... کس بات کی اُلجھن ستا رہی ہے تمہیں؟'' مدھم لہجے میں جیسے کوئی اسم تھا۔ میرب کو اپنا سارا وجود اس کے زیرِ اثر لگا تھا۔ وہ سر اُٹھا کر اس انتہائی مضبوط جسامت کے مالک شخص کو پانیوں سے بھری آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔ کتنا بھرپور سراپا تھا۔ کیسا گھنا سایہ تھا۔

اور وہ پھر بھی جلتی دھوپ میں کھڑی تھی۔

شدتِ کرب سے وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ پانی کے کئی قطرے ان بند پلکوں سے ٹوٹ کر رُخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے یہ منظر انتہائی توجہ کا باعث تھا۔ نظر جیسے بندھ کر رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی میں گرفت میں لینے والے لمحے بہت تھوڑے آئے تھے۔ بہت کم ایسا ہوا تھا کہ وہ اپنے جذبات کے زیرِ اثر ہوا ہو۔ اِک جادو سا جیسے فضا میں گھلا تھا یا پھر وہ چہرہ ہی اس گھڑی ایسی کشش لیے ہوئے تھا کہ سارا عالم عجب فسوں ساز ہو رہا تھا۔ ہر شے اسی رنگ میں رنگی لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس پیکر کو تھاما تھا اور تمام تر استحقاق کرتے ہوئے اس کے رخساروں پر سے وہ موتی چن لیے تھے۔ میرب سیال کو جیسے شعلوں نے چھو لیا تھا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تھا، نظر تحیر میں گھر گئی تھی۔

وہ سدا کا نامہربان، بے مہر ماں، اس لمحے کس درجہ عنایت پر مائل تھا۔ آنکھوں میں وارفتگی تھی۔ میرب سیال کو اپنا چہرہ جلتا ہوا لگا تھا۔ وہ نظر جھکا گئی تھی۔ گین نے اس چہرے کو ہاتھ بڑھا کر قدرے اوپر اُٹھایا تھا اور بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

''کاش...... کاش میں اس چہرے کو کل علم اور بھیدوں سے پڑھ پاتا۔ کاش اس نگاہ کو پڑھ پاتا کہ کیا سوچتی ہے...... کسی اسم اعظم سے واقفیت ہوتی میری تو شاید اس چہرے پر سوچوں کا یہ پہرہ دکھائی نہ دیتا۔ اس نگاہ میں یہ تیرے پانی مجھے صاف بتا دیتے کہ کہانی کیا ہے؟...... کیسی کیسی خواہشیں پلتی ہیں اس میں۔ کیسے کیسے خواب!''

کیسی مدھم سرگوشیاں تھیں۔ ماحول ساکت تھا۔

''کاش میں جان پاتا تو شاید تمہاری فکریں اس قدر بڑھنے نہ پاتیں۔

کاش جان پاتا کہ تمہیں کیا شے ستاتی ہے تو شاید کبھی اس کی نوبت نہ آنے دیتا۔ کچھ اور نہیں تو...... تو جگنو ہی دیتا۔ ان پانیوں کی جگہ کچھ اپنے سے وابستہ خواب! مجھے خبر تو کر دیتی کہ تم کیا سوچتی ہو، کیا چاہتی ہو، میں اس قدر انجان تو نہ رہتا''۔

سارے منظر میں عجب اِک نغمگی سی تھی۔ جیسے سارے رنگ اسی ایک رنگ میں رنگ گئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیا اسم پھونکا تھا یک دم کہ سب کچھ اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔

''سچ کہوں، مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے''۔ مدھم لہجے میں وہ اعتراف کر رہا تھا۔ ''ٹرسٹ می...... مجھے واقعی کوئی ہنر نہیں آتا۔ آج تک

کبھی ایسا لمحہ گزرا ہی نہیں کہ سیکھ پاتا۔ مگر اب دل چاہتا ہے سیکھوں، وہ تمام گر، وہ تمام اسلوب جو دل کو دل سے قریب کر سکیں۔ کچھ اور نہیں تو دستکوں کا ہُنر ہی سیکھ لوں''۔ سرگوشی کرتے ہوئے اس چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔

''سچ بتاؤ...... تمہیں آتا ہے وہ ہنر؟...... میں تو کورا ہوں...... سچ، بالکل کورا۔ تمہیں تو آدابِ محبت آتے ہوں گے۔ کبھی سوچا نہیں، قرینے برتو اور اپنے بس میں کرلو۔ کوئی وار کرو تو ہوش اُڑا دو۔ کچھ تو...... کچھ تو ایسا آتا ہوگا۔ سکھا نہیں سکتی ہو مجھے؟...... جانتی ہو تو پڑھا دو وہ سبق۔ سچ کہتا ہوں، ان آنکھوں کی تمام روشنی کی قسم کھا کر۔ جو چاہو گی تمہارا ہوگا۔ جیسا چاہو گی سب ویسا...... ویسا ہوگا۔ مجھے اپنے جادو کے زیر کرلو۔ جیت لو، میں ہار جانا چاہتا ہوں''۔ مدھم لہجے میں کیسی کہانیاں تھیں۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

''بیلیو می!...... شکست و ریخت کا لطف کبھی نہیں چکھا میں نے۔ مجھے سکھا دو یہ سارے اسلوب۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں اس خواب سے آگے کا سفر کیسا ہے۔ جو اِک موڑ ہے، اس موڑ سے آگے کیا ہے؟ تمہاری آنکھوں کی تمام تر روشنی دِل فریب ہے۔ اس روشنی سے آگے کا سفر کیا ہے؟...... اس کے آگے کے منظر کتنے دِل پذیر ہیں۔ جاننا چاہتا ہوں میں۔ بتاؤ گی تم مجھے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت جنونی تھی اور انداز بے خودی کے زیر۔

میرب سیال کا سارا وجود کسی پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ یک دم وہ اس گرفت سے نکلی تھی اور چلتی ہوئی تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

دھڑکنوں میں ایک ارتعاش تھا۔

وہ اس خواب خواب موسم کی گرفت سے نکلنے کے بعد بھی جیسے انہی لمحوں کی گرفت میں قید تھی۔ وہ سارا جادو اب بھی اسے اپنے اندر باہر دوڑتا بھاگتا محسوس ہو رہا تھا۔ کتنی دیر وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کے جتن کرتی رہی تھی

☆......☆......☆

کھڑکیاں بند ہیں، دیواروں کے سینے ٹھنڈے
پیٹھ پھیرے ہوئے دروازوں کے چہرے چپ ہیں
میز کرسی ہیں کہ خاموشی کے دھبے جیسے
فرش میں دفن آہٹیں سارے دن کی
سارے ماحول پہ تالے سے پڑے ہیں چپ کے
تیری آواز کی اِک بوند جو مل جائے کہیں
آخری سانسوں پہ ہے رات
یہ بچ جائے گی!

عفنان علی خان ٹیرس پر تھا۔ موسم پُر لطف تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور تاریکی میں ایک خاموشی کے ساتھ یہ تسلسل کسی قدر بھلا لگ رہا تھا۔

شاید اس لیے بھی کہ یہ خاموشی اندر کی طویل خاموشی کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔ باہر کے ماحول کا اندر کے ماحول کے ساتھ ٹرانزیشن تھا۔ انوشے بہن ہونے کے سارے فرائض بہ خوبی نباہ رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر قبل اسے کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ دینے کے ساتھ وہ اچھی خاصی کمپنی بھی دے گئی تھی مگر اس کے جانے کے بعد ماحول اسی سکوت میں گھر گیا تھا۔

اگر یہی تنہائی اس کی ذات کا حصہ بنی تھی تو اس نے وہ راستہ چنا ہی کیوں؟ اپنے فیصلے پر از سر نو سوچتے ہوئے کافی کا ایک سپ لیا تھا جب اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سے چونک گیا تھا۔ گردن کا رُخ موڑ کر دیکھا تھا۔ انابیہ کچھ ہی فاصلے پر ہاتھوں میں دو کپ کافی کے لیے کھڑی تھی۔

عفنان کے مڑ کر دیکھنے پر قریب آ گئی تھی۔

''اوہ......تو تم پہلے ہی کافی لے چکے ہو''۔ اس کے ہاتھ میں بھاپ اُڑاتا کپ دیکھ کر انابیہ کو شاید زیادہ اچھا نہیں لگا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......تم نے دیر کر دی''۔ انداز ذو معنی تھا۔

انابیہ کی نظروں میں ایک گہرا سکوت آن رُکا تھا۔

''شاید......''لب بہت آہستہ سے وا ہوئے تھے اور پھر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔ عفنان نے ایک نظر بھرپور انداز میں اس پر ڈالی تھی پھر دانستہ نگاہ پھیر گیا تھا۔

''تمہیں اچھا لگا شاید''۔ انابیہ نے گرم کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

''کیا......؟''عفنان چونکا تھا۔ وہ یقیناً نہیں سمجھ پایا تھا کہ انابیہ کس بابت اس سے وہ سوال کر رہی ہے۔ انابیہ بجائے جواب دینے کے یا وضاحت دینے کے کافی کا سپ لے کر سر جھکا گئی تھی اور شاید غیر دانستہ طور پر اپنی ہتھیلی پھیلا کر اس پر پانی کے برستے قطرے جمع کرنے لگی تھی۔

''تمہیں بُرا لگا؟''عفنان علی خان بغور اسے پڑھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

انابیہ نے نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر اپنی بھیگتی ہتھیلی کو سمیٹ لیا تھا۔ عفنان علی خان نے بوندوں سے بھیگتے اس چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ اگرچہ وہ نظریں خاموش تھیں اور اس سے گریزاں بھی تھیں مگر ان میں لکھی تحریر وہ واضح طور پر پڑھ سکتا تھا۔

''لامعہ بہت دنوں بعد آئی۔ کہیں گئی ہوئی تھی یا تم نے دانستہ اسے فراموش کر دیا تھا؟'' بالآخر وہ بات زبان زد ہوئی تھی جس کا چرچا اب تک ''پس پردہ'' چل رہا تھا۔ انابیہ اس ذکر پر چونکی ضرور تھی مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

''اچھا لگا اس کا آنا''۔ عفنان نے برملا اظہار کیا۔ بہت مختلف لڑکی ہے وہ۔ بالکل اس کافی کے کپ جیسی''۔ عفنان اس کی تعریف کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔''ایک سپ تلخ......ایک سپ شیریں''۔

انابیہ کے لیے یہ تعریف یقیناً حیران کن تھی۔

''یعنی تمہیں لامعہ سے مل کر واقعی اچھا لگا؟'' وہ کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

''ہاں......مگر میں اس سے پہلی بار تو نہیں ملا۔ ہم ایک عرصہ تک اچھے دوست رہ چکے ہیں اور فیانسی بھی۔ مگر میں یہ بات تمہیں کیوں بتا رہا ہوں۔ میرا نہیں خیال کسی طرح کی کوئی وضاحت دینے کی مجھے کوئی ضرورت ہے''۔

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ چہرے کا رُخ پھیرے وہ کھڑی رہی تھی۔ وہ بارش کی بوندوں کو اس کے چہرے پر کہانی لکھتے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔ پھر یک دم مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں جیلسی فِیل ہوئی؟''

انابیہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر یک دم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''مجھے جیلسی کیوں فِیل ہوگی؟''

عفنان اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتہ...... یو بیٹر نو......شاید تم نادانستہ طور پر اپنے اور میرے رشتے کو لے کر اور پوزیسیو ہو رہی ہو۔ تم سمجھ رہی ہو اگر تم بیوی ہو تو مجھ پر سارا کا سارا حق صرف تمہارا ہی ہے۔ ویری ٹپیکل اپروچ''۔ لہجے میں افسوس سے زیادہ طنز شامل تھا۔ انابیہ کو اس شخص کے سامنے اس لمحے بہت سبکی محسوس ہوئی تھی۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو کہ مجھے کوئی فرق پڑتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم چاہے لامعہ کو کوئی اہمیت دو یا پھر کسی اور کو......آئی ڈونٹ کیئر''۔ کسی قدر تلملا کر کہتی ہوئی وہ پلٹی تھی مگر دوسرے ہی لمحے وہ واپس مڑی تھی۔

''اور تم یہ بھی غلط سمجھ رہے ہو کہ میں تم پر کوئی غاصبانہ حقوق جتا رہی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جو رشتہ تمہارے اور میرے مابین سرے سے ہے ہی نہیں اسے لے کر میں تم پر کیسا حق جتاؤں گی؟ جبکہ اس رشتے کو رد بھی میں ہی کر رہی ہوں''۔ انتہائی زہر خند لہجے میں جتاتی ہوئی وہ کہہ کر مڑنے لگی تھی جب عفنان نے اس کا ہاتھ ایک لمحے میں تھام لیا تھا۔ نظروں میں کسی قدر غصہ تھا۔ انابیہ کی بات نے یقیناً اسے مشتعل کر دیا تھا۔ بوندا باندی تیز بارش کا روپ اختیار کرنے لگی تھی۔ دونوں بری طرح بھیگنے لگے تھے مگر جیسے عفنان علی خان کو سرے سے پرواہ نہ تھی۔

''رد تم نے مجھے نہیں کیا انابیہ! رد تم نے اپنی خواہشوں کو کیا ہے۔ نہ تو تم مجھے کبھی رد کر سکی ہو نہ ہی کر سکو گی۔ تمہاری آنکھوں میں اس لمحے کیا ہے؟......کیا میں نہیں جان سکتا؟ تم مجھ سے کیا چھپانا چاہ رہی ہو، کیا مجھے معلوم نہیں؟ انابیہ! تم کیا چاہتی ہو؟ یہ بات تم خود اپنے آپ

سے پوچھو، تاویلیں زمانے کو دینے سے بہتر ہے۔تم ایک بند کمرے میں خود اپنے آپ سے صرف ایک بات کی وضاحت مانگو۔آسان سی بات ہے،تم یہاں ہو اور کس لیے ہو؟......اگر تم مجھے رد کر رہی ہو تو پھر کس ناتے سے یہاں ہو؟ ریزن کیا باقی بچتا ہے پھر؟......کچھ نہیں جانتی ہو تم''۔عفنان نے اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا۔

''کچھ نہیں جانتی ہو اور جاننا بھی نہیں چاہتی ہو''۔اسے اسی بارش میں بھیگتا چھوڑ کر وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

انابیہ کتنی دیر تک اس بارش میں بھیگتی اس سمت خالی خالی نظروں سے تکتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

ایک پرواز دکھائی دی ہے
تیری آواز سنائی دی ہے
آگ میں رات جلا ہے کیا کیا
کتنی خوش رنگ دکھائی دی ہے

''تو کیا سوچا ہے پھر تم نے؟''فیض چاچو نے اسے کافی کا کپ تھماتے ہوئے اس کے قریب اسٹیئرز پر جگہ سنبھالی تھی۔اذہان چونکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''کس کے متعلق؟''

فیض چاچو مسکرا دیئے تھے۔

''سوچنے کے لیے یہ بھی اچھا سوال ہے مگر فی الحال جو ہے صرف اس کے متعلق سوچنا زیادہ بہتر ہوگا''۔فیض چاچو کی بات پر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''چاچو! آپ نے خود کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا؟''سوال میں کئی معنی پنہاں تھے مگر فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔

''کیا؟......کیا سوچوں؟''اذہان کے لیے یہ سوال اگرچہ غیر متوقع نہیں تھا مگر وہ چند لمحوں کے لیے چپ ہو کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''چاچو! کیا آپ اسے بہت چاہتے تھے؟''اذہان حسن بخاری بولا تھا تو فیض بخاری کو ساکت کر گیا تھا۔کچھ دیر وہ یونہی نظر پھیرے بیٹھے رہے تھے پھر مسکرا دیئے تھے۔

''کس کی بات کر رہے ہو تم؟''ٹالنے کا انداز خوب تھا۔

''وہی جو آپ کے ساتھ ہے اور نہیں بھی ہے''۔اذہان حسن بخاری نے ملائمت سے کہا تھا۔

فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔

''یہ جو زندگی ہے نا، بہت عجب شے ہے یہ۔کسی سے بھی پوچھ کر دیکھ لو۔کوئی بھی یہاں زندگی سے خوش نہیں ہے۔ہزار ہا شکوے

شکایات ہیں سب کو مگر کبھی کسی نے زندگی سے نہیں پوچھا، وہ ہم سے کیا چاہتی ہے؟'' بہت اُلجھا ہوا سا سوال تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''چاچو! زندگی نے کبھی تو، کسی موقع پر تو کچھ ایسا دیا ہو گا جس نے دل کو راحت بخشی ہو گی''۔

''ہاں......مگر وہ جتنے حسین تھے، اسی قدر روح فرسا بھی ہیں۔ سوچنے بیٹھو تو کوئی ایک رنگ بھی ہاتھ نہیں لگتا۔ سب اس کے سنگ ہو گئے۔ جب موسم خواب ہو گئے تو پھر......پھر باقی کیا بچتا ہے؟'' بہت کمزور سا انداز تھا۔ فیض بخاری نے مسکرا کر جیسے خود کو دھوکا دیا تھا۔

''چاچو! موسم کیا کبھی دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے؟''

اذہان حسن بخاری نے مدھم لہجے میں عجب سوال داغ دیا تھا۔ فیض بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں......کبھی ایسا ہوتے دیکھا نہیں۔ صرف سنا ہے۔ جو موسم گزر گئے، جو اپنے ساتھ لے گئے، سو لے گئے۔ واپس نہ لمحے آتے ہیں نہ ہی گزرے موسم''۔

''کوشش کریں تب بھی نہیں؟'' اذہان حسن بخاری کی سرگوشی سے عجب اضطراب جھلک رہا تھا۔

''پتہ نہیں''۔ فیض بخاری نے اس کی طرف سے چہرے کا رُخ پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اذہان حسن بخاری کچھ لمحے خاموش رہا تھا پھر اسی مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''میں جانتا ہوں چاچو! ایسا کچھ ہونا ممکن نہیں۔ نہ تو موسم دوبارہ لوٹ کے آسکتے ہیں نہ ہی دل دھڑکنا سیکھ سکتا ہے۔ مگر جانے کیوں سوچتا ہوں کبھی کبھی اگر ایسا ہو سکے تو کیسا ہو۔ شاید......شاید ساری خلش مٹ جائے یا پھر کچھ اور بھی بڑھ جائے''۔ اذہان کا انداز کھویا کھویا تھا۔

''موسموں کا تسلسل شاید کل اور آج کی کہانی کو نہیں بدل سکتا۔ یہ المیہ سہی، مگر یہی سچائی ہے اور اسی سچائی کو میں قبول کرنا چاہتا ہوں''۔

''تم ہی نہیں اذہان! شاید ہم سبھی اس سچائی کو قبول کرنا چاہتے ہیں مگر کر نہیں پاتے''۔ فیض بخاری یک دم مسکرا دیئے تھے۔ ''خیر چھوڑو تم اس فلاسفی آف لائف کو۔ تم نے ساہبہ کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

''ساہبہ؟......اس کے متعلق کیا سوچنا ہے؟ جو سوچنا تھا سوچ لیا''۔ اذہان کافی کے کپ کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ''شی اِز اے نائس گرل۔ ویری انڈراسٹینڈنگ اینڈ کیئرنگ''۔ تسلیم کیا تھا۔ فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔

''ہاں......وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ اسے کبھی جانے مت دینا۔ زندگی میں رنگ بھرنے والے ہاتھ بہت تھوڑے ہوتے ہیں''۔ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جتایا تھا۔ اذہان لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔ تبھی مین گیٹ کھلا تھا اور پورچ میں گاڑی آ کر رُکی تھی۔ ساہبہ اور اگینے ایک ساتھ برآمد ہوئے تھے۔

''لو......تمہاری زندگی کی بہار تو آ گئی''۔ چاچو اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔ اذہان بھی مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟......آج کیا گھر والوں نے تم دونوں کو گھر سے باہر کر دیا ہے؟'' اگینے ان کی طرف آتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''نہیں......ہم تو زندگی کے نکالے ہوئے ہیں''۔فیض چاچو نے سخن وری کی حد کر دی تھی۔ اگینے مسکرا دی تھیں۔

''زندگی کو الزام دینے والے ڈرپوک اور بزدل ہوتے ہیں۔شاید سنا نہیں ہے آپ نے''۔

''مجھے اختلاف نہیں ہے''۔فیض چاچو مسکرا دیئے تھے۔

''ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے ہوں گی یا ہمیں اندر بھی مدعو کریں گے؟'' اگینے نے شکوہ کیا تھا۔

''آپ کا اپنا گھر ہے۔کیا اجازت کی ضرورت ہے آپ کو؟'' فیض چاچو نے نہ صرف اگینے کے لیے راستہ چھوڑا تھا بلکہ بہ نفس نفیس خود انہیں لے کر اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

ساہیہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب دیکھنے لگی تھی پھر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''اگینے پھپھو کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زندگی میں کتنے بڑے کرائسس جھیل رہی ہیں۔میرے خیال میں اگر ہمیں جینے کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو ان سے رجوع کرنا چاہیے''۔

''کیوں، کیا ہوا؟......میرا تو خیال ہے شی اِز کمپلیٹلی اے ونڈر فُل وومن۔خاصی خوش باش ہیں وہ۔اور ایک اچھی زندگی بھی بسر کر رہی ہیں''۔

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''ایسا نہیں ہے اذہان!......شی اِز ناٹ اے ہیپی وومن۔ان کو دیکھ کر مجھے زندگی سے کبھی کبھی ڈر لگنے لگتا ہے۔یہاں کوئی بھی اپنی زندگی سے خوش نہیں ہے مگر اگینے پھپھو کی زندگی میں کہیں کوئی رنگ نہیں ہے مگر وہ پھر بھی کوئی شکوہ نہیں رکھتیں۔نہ اپنے آپ سے......نہ زندگی سے نہ ہی لوگوں سے۔اذہان! ان کی زندگی سفر کر رہی ہے۔ان کے ہزبینڈ انہیں چھوڑ چکے ہیں مگر وہ یہ بات صرف اپنے تک محدود رکھے ہوئے ہیں۔انہوں نے کوئی اچھی میری لائف نہیں گزاری۔اس کے باوجود وہ نباہتے رہنا چاہتی تھیں مگر ایک دن یہ سلسلہ بھی ٹوٹ گیا۔وہ واپس لوٹ آئیں اور کسی سے کچھ نہیں کہا۔کسی سے کوئی شکوہ نہیں انہیں۔اور وہ خوش ہیں۔اذہان! بعض اوقات سب کو خوش رکھنے کے چکر میں خود کا کتنا نقصان ہو جاتا ہے نا''۔ساہیہ نے افسردہ لہجے میں کہا تھا اور اذہان اس کی سمت مسلسل دیکھتا نہ رہ سکا تھا۔

''اذہان! مجھے ڈر لگتا ہے''۔

''کس بات سے؟'' اذہان نے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

''تم سے،خود سے اور شاید سب سے''۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' اذہان اس کا دل رکھنے کو مسکرایا تھا۔

ساہیہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں اذہان! میں غلط نہیں کہہ رہی۔مجھے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔کہیں میں خالی ہاتھ نہ رہ جاؤں''۔ساہیہ جیسی زندگی سے بھرپور

لڑکی ایسا خدشہ ظاہر کرتی بہت عجیب لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''لاؤ، دیکھوں تو ذرا، اس ہاتھ میں بھلا کتنے رنگ ہیں''۔اس کی ہتھیلی کو پھیلائے ہوئے بغور دیکھا تھا۔''فیض چاچو ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارا ذکر کرتے ہوئے بڑی مزے دار بات کہہ رہے تھے''۔اذہان حسن بخاری نے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''پوچھو گی نہیں کیا؟''اذہان مسکرا رہا تھا۔مگر ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔اذہان مسکرا دیا تھا۔

''زندگی میں رنگ بھرنے والے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں۔سچ کہا تھا انہوں نے''۔

''اذہان! اگر میں تنہا رہ گئی تو؟'' ساہیہ کے خدشات نہ ختم ہونے والے تھے۔لمحہ بھر کو اذہان کچھ نہیں کہہ سکا تھا پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''پاگل ہو تم ...... یہ بھلا کیا سوچ ہوئی؟ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟'' براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''ساہیہ! ٹرسٹ می۔ میں مانتا ہوں میرے پاس اتنے رنگ نہیں ہیں۔نہ ہی اتنے خواب کہ تمہیں جواباً لوٹا سکوں مگر میں اس اعتبار کی بنیاد ضرور رکھ سکتا ہوں جسے لے کر ایک اچھی اور بھرپور زندگی گزاری جا سکتی ہے''۔اذہان نے بھرپور انداز میں یقین دلایا تھا۔

ساہیہ اسے کچھ دیر یونہی دیکھتی رہی تھی پھر نظر پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

''ماہا کا کیا ہوا؟......معاملہ کچھ سلجھا یا کہ نہیں؟''

''ہوں...... کسی قدر...... پاپا نے ضد وقتی طور پر چھوڑ دی ہے مگر ماہا فی الحال نانو کے ہاں ہی ہے۔شاید وہ کسی قدر خوف زدہ ہے......ساہیہ! ممی کل انگیج منٹ کی بات کر رہی تھیں''۔

''کس کی انگیج منٹ کی بات؟'' ساہیہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

''تمہاری اور میری انگیج منٹ کی بات''۔

''ساہیہ خان کی آنکھوں میں کچھ خاص رنگ اُترے تھے اور پلکیں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔اذہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور یقین دلاتے ہوئے بھرپور انداز میں بولا تھا۔

''مجھے یقین ہے تم میرے ساتھ خوش رہو گی۔ٹرسٹ می۔ میں تمہیں کبھی دُکھی نہیں کروں گا''۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی سمندر کی گیلی ریت پر روک دی تھی اور اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے ہاتھ تھام کر باہر نکال لیا تھا۔

میرب سیال ایک میکانکی انداز میں اس کے ساتھ کھینچتی چلی گئی تھی۔ اس شخص کے تیور ہمیشہ اس کی سمجھ میں نہ آنے والے تھے۔ وہ کبھی بھی اسے سمجھ نہیں پائی تھی اور اب تو اور بھی سب کچھ اُلجھا اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

آسمان پر سیاہ کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بونداباندی ہو رہی تھی۔ موسم کسی بھی وقت خطرناک صورتِ حال اختیار کر سکتا تھا۔ مون سون کی ہواؤں کا زور تھا۔ میرب کا آنچل دور تک لہرا رہا تھا۔ موسم میں واضح انداز میں خنکی تھی۔ وہ کپکپا رہی تھی مگر اتنی ہمت ناپید تھی کہ اس شخص سے کچھ کہہ سکتی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لہروں کے بیچوں بیچ لے جا کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تھا اور اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لیے اس کا رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ قطعاً نہیں سمجھ پائی تھی کہ وہ ایساری ایکٹ کیوں کر رہا تھا۔ پیروں سے کئی لہریں آ کر ٹکرا رہی تھیں۔ ریت کئی بار پیروں کے نیچے سے سرکتی محسوس ہوئی تھی۔ تیز ہوائیں جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔ وہ واضح انداز میں کپکپا رہی تھی۔ گداز ہونٹ لرز رہے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے اس طرح دیکھتا رہا تھا۔ پھر ایک دم سے اسے کھینچ کر ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''کیوں کرتی ہو تم ایسا؟...... کیوں کیا تم نے ایسا؟...... چاہتا ہوں، نہ کچھ کہوں تمہیں۔ کوئی شکوہ نہیں، نہ شکایت۔ مگر تم...... میں تمہیں سزائیں دینا نہیں چاہتا سویٹ! پھر کیوں تم......'' اس کے بھیگے گیسوؤں پر اپنے لب رکھ کر وہ کتنے مدھم انداز میں کہہ رہا تھا اور میرب اس کے مقابل ساکت سی کھڑی تھی۔

ان سنسناتی ہواؤں میں تنہا کھڑے وجود کو، وہ حرارت سے پُر حصار کچھ عجب نہیں لگا تھا۔ اسے خود میں ضم کر لینا نامعتبر نہ لگا تھا۔ اپنا بے حد کمزور ہونا بُرا نہ لگا تھا۔ اس کا خود پر جارحانہ انداز میں حق جتانا برا نہ لگا تھا۔

شاید کچھ اچھا لگا تھا۔

شاید وہ موسم!

شاید وہ بارش!

شاید وہ جادو جو اس لمحے وہ اپنے اردگرد پھیلتا محسوس کر رہی تھی۔ یا پھر وہ وسیع سمندر۔

وہ خاموش ماحول۔ جس میں نہ کوئی آہٹ تھی نہ کوئی دوجی آواز۔

دور تک خاموشی تھی اور اس خاموشی میں گونجتی ایک ایک آواز وہ اس گھڑی بغور سن رہی تھی۔

شوریدہ سر سمندر کی آواز۔

لہروں کا شور۔

بارش کی آواز۔

بوندوں کی ایک انوکھی نغمگی۔

موسم میں رچا ایک الوہی احساس

اس پُرتپش حصار میں سینے میں دھڑکتے دل کی آواز۔

ان دھڑکنوں کا شور اور خود اس کے اپنے دل کا ارتعاش!

کتنا انوکھا تجربہ تھا۔ کس قدر نیا احساس۔ جو شاید اس سے قبل نہ تو اس نے محسوس کیا تھا نہ ہی اس سے پہلے اس کو برتا تھا۔ وہ چند لمحوں پر محیط پل اسے کئی خواب دیکھنے پر اُکسانے لگا تھا۔ وہ قربتوں کا پل دو پل کا کھیل اسے خود سے جدا کرنے کے جتن کرنے لگا تھا۔

وہ سارا شہر جیسے اس وقت ایک طلسم کدہ تھا اور وہ اس سحر سے جکڑے ماحول کا حصہ تھی۔ عجب فسوں ساز تھا وہ شخص...... عجب بھید بھری چپ تھی۔

کتنی دوری پر تھی وہ۔ اپنے ساز و آہنگ سے جینے کی قائل۔ نہ دل کا پتہ نہ درون جاں کا۔ اور کیسے ایک پل میں اس شخص نے سارے کے سارے منظر بدل ڈالے تھے۔ عجب حاشیئے کھینچے تھے اس کے اِردگرد کہ سارے کے سارے زاویے بدل دیئے تھے۔

فسوں گری کی حد تھی۔

اسم گری کی انتہا تھی کوئی...... لمحہ دو لمحہ کو تو وہ بھی کھو گئی تھی۔ مگر نہیں۔

وہ یک دم جیسے اس خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ بہت آہستگی سے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

جان میں پھیلا افسوں اپنا اثر کھونے لگا تھا۔

وہ رگوں میں دوڑتا اضطراب سمٹنے لگا تھا۔ وہ ایک پل میں حقیقت کے کھلے آسمان تلے تھے۔ وہ جادونگری اپنے پیر سمیٹ چکی تھی۔

وہ سارا کا سارا پھونکا گیا جادو اُڑن چھو تھا۔

وہ کھینچا گیا حصار بہت آہستگی سے اپنے گرد سے ہٹا چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ طلسم بھی ٹوٹ چکا تھا۔ مگر جان میں دم توڑتی ایک ہلکی سی ہلچل اب بھی باقی تھی۔

گریزاں سی نظر اُٹھی تھی مگر قدم کچھ پرے سرک گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تیزی سے بوندوں سے بھیگتے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''میرب! پلیز، ڈونٹ ڈو دِس ٹو می''۔ خاموش، ساکت فضا میں ایک مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔ انداز ملتجی سا تھا۔

میرب سیال کا دِل چاہا تھا وہ آنکھیں بہت زور سے میچے اور اس ماحول سے بھاگتی ہوئی کہیں دور جا نکلے، مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔

نہ تو قدموں میں اتنی ہمت تھی، نہ جاں، نہ کوئی اقدامِ بغاوت۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ سر جھکائے، کسی حکم کے پابند، کسی منشا کے زیر۔

''تمہیں کہا تھا نا، مجھے اچھا نہیں لگتا تم پر رعب جماؤں، اپنا حق جتاؤں یا تمہیں مرعوب کروں۔ مجھے بار بار باتوں کو دہرانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ پھر کیوں...... کیوں کیا تم نے ایسا؟...... مسٹر سیال کو یہاں آنے کے لیے کیوں کہا؟...... فون پر بات ہوئی ہے میری۔ پتہ چلا

وہ تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ کہا تھا نا...... منع کیا تھا نا کہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ پھر کیوں؟...... وائے میرب؟...... وائے؟؟''

کس قدر سخت لہجے میں وہ دریافت کر رہا تھا۔

آسمان سے برستا ہوا پانی انہیں تیزی سے بھگونے لگا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس قدر جنونی ہو رہا تھا کہ اسے کسی بات کا ہوش نہ تھا۔

''میں خود نہیں جانتا میرب سیال! میں اتنا قدامت پرست بھی کبھی نہیں رہا۔ مگر تمہارے معاملے میں جانے کیوں دست بردار نہیں ہو سکتا۔ ڈونٹ گٹ می رونگ۔ اوں ہوں''۔ بہت آہستگی سے ہاتھ اُٹھا کر سر نفی میں ہلایا تھا۔

''میں تمہیں کسی قید کا پابند کرنا نہیں چاہتا مگر تمہیں آزاد چھوڑ کر میں کوئی رسک بھی لینا نہیں چاہتا۔ جانتا ہوں میں، میری پناہ تمہیں اچھی نہیں لگتی۔ مگر کیا کروں، میری عادت نہیں ہے دست بردار ہونے کی۔ جانتا ہوں، مانتا ہوں، تم جیتا جاگتا وجود ہو۔ سانس لیتا ایک حساس وجود۔ جو سوچتا ہے، دیکھتا ہے، جانتا ہے مگر شاید وہ نہیں جو چاہیے۔ کسی قدر نادان ہوا اور اسی بات کا ملال ستاتا ہے مجھے۔ کہیں بے دھیانی میں اپنا کوئی عظیم نقصان نہ کر بیٹھو۔ جانتا ہوں، تمہیں ناصح کی ضرورت نہیں۔ میں راہبر بھی بننا نہیں چاہتا۔ چاہتا ہوں تو صرف وہ، جو تم شاید سمجھ ہی نہیں رہی ہو''۔

انداز کسی قدر افسوس ناک تھا جیسے وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔

''میری مجبور دیکھ رہی ہو تم۔ اپنے اصولوں کے خلاف جا رہا ہوں۔ نہ بات دہرانے کا عادی تھا، نہ حکم عدولی سننے کا۔ مگر تمہارا معاملہ عجب ہے۔ رعایت دینا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے میرے اصولوں سے بغاوت پر اُکسا رہی ہو تم۔ مگر کیا کروں، تمہارا کچھ نہیں کر سکتا میں۔ مگر پلیز، مجھے اور آزمانا بند کر دو۔ اعتبار پر تو تم مائل نہیں ہو، ستانا تو بند کر سکتی ہو نا؟'' اس کا چہرہ اوپر اُٹھا کر اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''مسٹر سیال آئیں تو انہیں منع کر دینا۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ اس سے زیادہ نہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں نہ ہی سننا''۔ یک دم ٹوک فیصلہ سناتا وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک زمین کے مضبوط سینے پر چلتے اس بے حد مضبوط جسامت والے مضبوط سے شخص کو دیکھتی رہی تھی۔ دھند میں لپٹے منظر بہت پُرسکوت تھے۔

وہ بارش بھی بہت چپ چاپ سی تھی اور لہروں کی طغیانی۔ اور تو کچھ یاد نہ تھا...... ہاں اندر وجود کے کسی علاقے میں کہیں، کسی قدر کچھ ارتعاش سا ضرور برپا محسوس ہوا تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص حتمی انداز میں فیصلہ سنا کر اس کھڑی گاڑی کا دروازہ کھولے اس کی جانب متوجہ کھڑا اس کا منتظر تھا۔ کتنی آہستگی سے میرب نے اس کی سمت اپنے بے جان قدم اُٹھائے تھے۔ کیسا میکانکی سا انداز تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی، وہ قدم اُٹھا رہی تھی یا قدم خود بخود اُٹھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری گھر میں داخل ہوا تھا تو ماحول خاصا مختلف ملا تھا۔ لمحہ بھر کو تو وہ ٹھٹک کر رُک گیا تھا۔ ’گھر اپنا ہی ہے نا؟‘ یقین کرنے کو اس نے ایک بار درودیوار کو بہ غور دیکھا تھا۔

’’کیا کر رہے ہو میاں!...... چلے آؤ۔ یہ محفل جو آباد ہوئی ہے آپ ہی کے سبب ہوئی ہے‘‘۔ عزیز نے اسے دیکھتے ہی ہانک لگائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے کسی قدر حیرت سے اس غول کے غول کی طرف دیکھا تھا۔ ڈھولکی کی زوردار آواز...... گانا بجانا، انتہائی بے سُرے راگ الاپنا......اور وہ بھی اس کے گھر سے اندر۔ ایک عجب طوفانِ بدتمیزی، بھانت بھانت کی بولیاں۔

’’کیا ہو رہا ہے یہ؟‘‘ اذہان حسن بخاری نے کسی قدر حیرت سے پہلے ان سب کی طرف اور پھر فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ملائمت سے مسکرادی تھی۔ عزیر اس کا ہاتھ تھام کر بھنگڑے کے سے انداز میں اسے گھمانے لگا تھا۔

’’مہندی کی خوشبو سے

سانسوں پہ چھا جائے

آ جان من!

ہم آئے...... تجھ کو لینے!

نذرانہ دل کا دینے

ہم تیرے ہو جائیں گے

یہی......!

ہے لیکن!‘‘

اذہان حسن بخاری کی نظر ہجوم میں گھری بیٹھی ساہیہ پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتی مسکرا رہی تھی۔

’’یہ کیا ہو رہا ہے؟‘‘ اذہان اب بھی نہ سمجھا تھا۔

’’سو سمپل یار!...... تیری آزادی ختم ہونے کا جشن منایا جا رہا ہے‘‘۔ دوست فاران نے ہاتھ سے اس کی گردن کے قریب چھری پھیرنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

’’یعنی خدا تمہارا حامی و ناصر ٹھہرے۔ کشتی طوفان میں گھرنے کو ہے‘‘۔ ایک اور کزن نے چٹکلا چھوڑا تھا۔

’’سیدھی سی بات ہے یار! ہم گرتی دیوار کو ایک دھکا اور دینے آئے ہیں‘‘۔

’’تجھے چپو چلانا تو آتا ہے نا؟...... ویسے اس سمندر میں کشتی چلانے کا کوئی لائسنس ابھی تک جاری نہیں ہوا۔ صرف کچھ سنس استعمال کرنے چاہئیں‘‘۔ عبید نے انکشاف کیا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

’’ہاں...... جیسے کامن سانس، لائے سنس، سنس آف ہیومر اور اسی جیسے اور بہت سے سنس......بس تجھے تھوڑا سا انڈراسٹینڈنگ

ہونا پڑے گا اور ساتھ ہی حاضر دماغ بھی''۔عزیز نے ابھی سے وارننگ دے دی تھی۔

''ماجرا کیا ہے؟''اذہان نے بہت سکون سے دریافت کیا تھا۔کمرے میں قہقہوں کی بہار آ گئی تھی۔

''یار! یہ اب بھی نہیں سمجھا''۔نعمان نے اس کی عقل پر بھرپور ماتم کیا تھا۔

''کیسے سمجھائیں اسے اب؟''عزیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''تُو نے تیسری جنگ عظیم کے متعلق کبھی سوچا ہے؟''عبید نے اسے کریدا تھا۔

''چلو، یہ تو دور کی بات ہے۔ یہ بتا دو، دوسری عالمی جنگ کے متعلق ضرور سنا ہوگا۔بس سمجھ لے، تیری زندگی میں بھی ویسا ہی انقلاب برپا ہونے والا ہے''۔لبوں پر مسکراہٹ لیے نعمان شرارت سے بولا تھا۔''اب تو سمجھ جا میرے یار!''

''میرے خیال میں اسے کچھ کچو کے مزید لگانے ہوں گے۔شاید فوری طور پر مدعا بیان کرنے سے دماغ پر تھوڑا اثر پڑا ہے''۔عبید نے فتویٰ جاری کیا تھا۔اذہان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''ہٹو، ہٹو۔میرے پیارے سے بھائی کو تنگ مت کرو۔ابھی تو رات گئے تک یہ غل غپاڑا چلنا ہے''۔ماہا ہجوم کو چیرتی ہوئی اپیل جوس لیے آگے بڑھی تھی۔

''بھائی! پلیز، آپ بیٹھ جاؤ''۔ماہا نے محبت سے کہا تھا۔

''چکر میں مت آنا اذہان بابو! مرغے پر چھری پھیرنے سے پہلے کی تیاری ایسی ہی ہوتی ہے''۔عبید نے جملہ اُچھالا تھا۔

''مرغا نہیں، بکرا کہو بے وقوف!......دیکھا نہیں ہمارے اذہان میاں ماشاءاللہ سے کیا غضب کا ڈیل ڈول رکھتے ہیں''۔نعمان نے تصحیح کی تھی۔قہقہوں کا طوفان آ گیا تھا۔

اذہان نے جوس کا گلاس تھام لیا تھا اور مسکراتے ہوئے ان سب کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟......یہ ساری ٹیم کیا آج ہی پاگل خانے سے باہر آئی ہے؟''

''ہاں...... تجھے صرف یہ بتانے میرے بھائی! کہ بہت جلد تُو بھی وہاں جانے والا ہے''۔عزیر نے ایک آنکھ دبا کر کہا تھا۔زبردست قہقہے پڑے تھے۔

''ارے میرے یار!......تیرے''حضرت میاں''بننے کی پہلی قسط ادا ہونے جا رہی ہے یعنی کہ پہلی اسٹیج پر تُو نے بالآخر قدم رکھ دیا ہے۔یار! خوش نصیب ہے۔ہم تو نجومیوں کے پاس چکر ہی لگاتے رہ گئے۔نہ محبوب قدموں میں آیا نہ کوئی چاند کھڑکی سے طلوع ہوا۔سر کا چاند ضرور طلوع ہو گیا''۔نعمان کو اپنے تیزی سے کم ہوتے بالوں کا قلق ہوا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے یار!......ہم سب کا دکھ مشترکہ ہے۔مگر تُو وہ واحد خوش نصیب ہے جو ہم نوجوانوں کی انجمن سے خارج ہونے جا رہا ہے''۔عبید نے بھرپور رشک کیا تھا۔

''کم آن یار! ابھی صرف منگنی کی ڈیٹ فکس ہونے جا رہی ہے۔ ڈونٹ بی فنی''۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے جان چھڑائی تھی۔

''خوشیوں کے پل جتنے بھی ہاتھ لگیں انہیں مٹھی میں بند کر لینا چاہیے اور یہ خوشی اتنی معمولی بھی نہیں ہے۔ آخر کو میرے اکلوتے بھائی کی انگیج منٹ ڈیٹ فکس ہونے جا رہی ہے۔ اِٹس اے گریٹ ٹائم ٹو سیلی بریٹ''۔ ماہا نے بھائی کے ساتھ لگتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے بہن کے گرد بازو پھیلا تھا اور اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تو تم نے اس سارے غول کو یہاں اکٹھا کیا ہے؟'' بہن سے دریافت کیا تھا۔

''کیا بات کرتا ہے یار؟...... ہم آ گئے ہیں، احسان مان۔ ورنہ تو ہم اس کی بھی فیس چارج کرتے ہیں''۔ عبید نے مطلع کیا تھا۔

''اگر اجازت ہو تو ممی سے مل لوں؟'' اس گھیرے ہوئے غول کی طرف دیکھا تھا اور اجازت ملنے پر فارحہ کی طرف چلا آیا تھا اور ساہیہ کے ماما پاپا، اگینے اور دیگر خاندان کی بڑی شخصیات کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ فارحہ نے اُٹھ کر بیٹے کو گلے لگایا تھا۔ اذہان نے انہیں بہ غور دیکھا تھا۔

''آپ خوش ہیں نا؟''

''ہوں...... بہت۔ اور تم؟'' محبت سے بیٹے کے بال بکھیرے تھے۔

''میں بھی''۔ اذہان مسکرایا تھا۔ ''ممی!...... پاپا؟'' بہت مدھم لہجے میں دریافت کرنا چاہا تھا۔

اس اہم ترین موقع پر یقیناً وہ اس اہم ہستی کو اپنی زندگی میں شامل دیکھنا چاہتا تھا۔ ممی نے چہرے کے اشارے سے اسے مڑ کر دیکھنے کو کہا تھا۔ اذہان مڑا تھا اور اپنے پیچھے سعد حسن بخاری کو کھڑے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''مبارک ہو مائی سن!'' پاپا نے کہتے ہوئے اسے ساتھ بھینچا تھا۔ اذہان حسن بخاری کی زندگی کا یہ خوب صورت ترین دن تھا۔

''تھینکس، اینڈ......'' اذہان لمحہ بھر کو ہیزی ٹیٹ ہو کر رُکا تھا۔ ''اینڈ آئی لو یو پاپا!...... آئی لو یو سو مچ''۔ مدھم لہجے میں کتنے عرصے بعد اظہار ہوا تھا۔

سعد حسن بخاری نے بیٹے کو دیکھا تھا اور پھر اسے دوبارہ اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''آئی لو یو ٹو مائی سن!'' مدھم لہجے میں کتنے دِنوں کی تھکن تھی۔

فارحہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''سعد بھائی! پلیز، آیئے۔ وقت گزرا جا رہا ہے۔ بزرگوں کی مجلس تاریخ طے کرنے کو آپ کی منتظر ہے''۔ فیض بخاری نے آ کر ان کو مطلع کیا تھا۔ سعد بخاری، فارحہ اور فیض کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے۔

اذہان حسن بخاری کتنی دیر وہاں کھڑا رہا تھا۔ اس کمرے میں اب بھی اتنا ہی ہنگامہ تھا۔

اکھیاں ملا لے ساڈے نال کُڑیئے!

بھنگڑا تو پا لے ساڈے نال کُڑیئے!

عبید، نعمان، عزیز سبھی کزنز اور دوست پیش پیش تھے۔ لڑکیاں الگ ساہیہ کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت متوجہ تھی۔

عبید، نعمان، عزیز سبھی بھنگڑا کرنے میں مصروف تھے۔ لڑکیاں بھی تالیاں بجاتے ہوئے اپنا حق ادا کر رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے ساہیہ کے قریب رُک کر مسکراتے ہوئے اس کی سمت ہاتھ بڑھایا تھا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

ساہیہ توازن بحال کرتی ہوئی اسے گھورنے لگی تھی۔

''مسٹر! ابھی رائٹس آپ کے نام ریزروڈ نہیں ہوئے۔ کچھ خیال کیجئے''۔ جتایا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''خیال؟...... کس بات کا خیال؟'' یکسر انجان پن سے دریافت کیا تھا۔ ''ہم تو آپ کو صرف تھینکس کہنا چاہتے ہیں''۔

''بہانہ اچھا ہے''۔ ساہیہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ اُتری تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''یار اِٹس ناٹ اے جوک۔ یہ بات بھی تھی مگر......'' بات مکمل ہونے سے قبل ہی ساہیہ مسکرا دی تھی۔ اذہان چوری پکڑے جانے پر بنا خجل ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''سو وہاٹ؟...... یار! فیانسی ہونے جا رہا ہوں تمہارا۔ اب اتنا تو حق بنتا ہے میرا۔ میں واقعی تمہیں تھینکس کہنا چاہتا ہوں''۔

اذہان نے مسکراتے ہوئے بہ غور اسے دیکھا تھا۔

''مگر کیوں؟'' ساہیہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''ساہیہ!...... تم نے مجھے زندگی کا وہ سُکھ دیا ہے جس کے بارے میں، میں صرف سوچ سکتا تھا۔ یہ گھر، اس کی خوشیاں لوٹانے میں یقیناً سارا کا سارا ہاتھ تمہارا ہے۔ ممی کے چہرے کی راحت اور سکون، میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا چیلنج تھا، پاپا کا فیملی کی طرف لوٹ آنا، تمہارے باعث، سب کچھ واپس لوٹ آیا ہے۔ آئی ایم ریئیلی ہیپی وِدیو۔ تم نے مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے''۔ اذہان اس کا ہاتھ تھام کر عقیدت سے لبوں تک لے جاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ساہیہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ پھر مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''اذہان! تمہاری خوشیاں، میری خوشیوں سے الگ نہیں ہیں۔ نہ ہی میری خوشیاں تمہاری خوشیوں سے۔ اب ہمیں اِک دوجے کے لیے ہی جینا ہے۔ اور رہی بات یہ کہ یہ سب میرے باعث ہے تو ایسا صرف تم سوچتے ہو۔ ورنہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں کوئی جادو نہیں ہے کہ چھڑی گھماؤں اور سب اچھا ہو جائے''۔ ساہیہ مسکرائی تھی۔

اذہان کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔ ساہیہ نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''اذہان!''

''ہوں؟'' وہ جیسے چونکا تھا۔

"تم خوش ہو؟" بہت عجیب سوال تھا۔اذہان چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"آف کورس یار!......بھور کے لڈو کھانے جا رہا ہوں۔سنا ہے بہت لکی ہوتے ہیں جو لوگ ان لڈوؤں کو ٹیسٹ کرتے ہیں"۔

لبوں پر مسکراہٹ مطمئن کرنے کو کافی تھی مگر ساہیہ اسے متواتر تشویش سے دیکھتی رہی تھی۔اذہان سیل نکال کر کوئی نمبر ملانے لگا تھا۔

"پچھتاؤ گے تو نہیں؟" خدشہ بر ملا تھا۔ساہیہ کی تمام توجہ اس پر تھی۔

"کم آن یار! فضول کی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو تم"۔

"ایکسکیوز می"۔اذہان کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

عزیر، فیض چاچو اور ماہا مٹھائی لے کر آن وارد ہوئے تھے۔

"مبارک ہو......تاریخ طے ہو گئی منگنی کی۔یعنی آدھی قید کا آغاز ہوا ہی چاہتا ہے۔ٹھیک بیس دن بعد"۔ماہا نے کہتے ہوئے گلاب جامن اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔

"بھائی کہاں ہیں؟"

"وہاں، ٹیرس پر۔سیل پر کسی سے بات کر رہے ہیں"۔ساہیہ کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔اِرد گرد ہجوم نے اسے گھیر لیا تھا۔کوئی اس کے اندر کا سکوت محسوس نہیں کر سکا تھا۔ماہا بھی مٹھائی ہاتھ میں لیے بھائی کی طرف پیش قدمی کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ سیل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔عفنان علی خان اندر داخل ہوا تھا اور تبھی اس نے وہ سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عفنان اس کی جانب مطلق کوئی توجہ دیئے بغیر جھک کر دراز میں سے کچھ تلاشنے لگا تھا۔

"عفنان!" انابیہ نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا مگر اس کے تلاشتے ہاتھ تھم گئے تھے۔اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس کی بات سننے پر مائل تھا اور پوری توجہ اس لمحے اس کی جانب مبذول کیے ہوئے تھا۔

انابیہ کو فوری طور پر مدعا بیان کرنا مشکل لگا تھا۔شاید اسی لیے وہ رُخ پھیر کر چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رُکی تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے"۔دھیما لہجہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔پھر پُر خیال انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

"مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے"۔

انابیہ چونکی نہیں تھی۔صرف مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

عفنان علی خان کسی گہری سوچ میں گم تھا۔غالباً وہ کسی اہم نقطے پر سوچ رہا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ''۔حکم صادر کرتا ہوا وہ چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑی اس سمت تکتی رہی تھی پھر چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔

عفنان پورچ میں گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔وہ بھی چلتی ہوئی گاڑی کے پاس جا رُکی تھی۔عفنان علی خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

انابیہ نے بیٹھ کر اپنی طرف کا دروازہ بند کیا تھا اور عفنان علی خان نے گاڑی آگے بڑھانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔گاڑی میں کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی تھی۔نہ انابیہ کچھ کہہ سکی تھی نہ ہی عفنان علی خان۔شاید دونوں ایک دوسرے کی طرف سے بولنے کے منتظر تھے۔

''آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں''۔عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پہلا موقع اسے دیا تھا۔انابیہ چونکی تھی مگر فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''آپ......آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟''انابیہ جانے کیوں اُلجھن کا شکار نظر آئی تھی۔عفنان علی خان کسی قدر لاتعلقی سے ایک نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ ونڈ اسکرین کی سمت متوجہ ہو گیا تھا،تبھی اس کا سیل بج اُٹھا تھا۔عفنان نے اسکرین پر چمکتا ہوا نام دیکھا تھا اور کال ریسیو کر لی تھی۔

''اوہ......آئی ایم سوری یار!میں بھول گیا۔تمہارا ٹیکسٹ مورننگ میں ملا تو تھا مگر پھر دن بھر اتنی مصروفیت رہی کہ یاد ہی نہیں رہا۔تم بتاؤ،اس وقت کہاں ہو؟کہیں ریسٹورنٹ میں بیٹھی میرا انتظار تو نہیں کر رہیں؟''تخاطب توجہ کا باعث بنا تھا۔

جواباً پتہ نہیں دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا کہ عفنان علی خان کا قہقہہ گاڑی میں گونج گیا تھا۔

''کیا کروں......ایسا ہی ہوں۔اگر انتظار نہیں کر سکتیں تو لوٹ جاؤ۔میں یہ جھیل سکتا ہوں''۔مسکراتے ہوئے مدعا بیان کیا تھا۔

انابیہ چہرے کا رُخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''عفنان علی خان کے دِل کو ابھی جانا ہی کہاں ہے آپ نے......نہیں،رفوگری کا کوئی اتنا زیادہ کام نہیں۔معمولی مرمت اور ٹیوننگ کی ضرورت ہے۔کوئی زیادہ ٹوٹ پھوٹ نہیں ہے''۔مسکراتے ہوئے ایک دلچسپ وضاحت کی تھی۔جانے کس سوال کے جواب میں۔

انابیہ رُخ پھیرے مکمل لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

موصوف کی گفتگو طول پکڑتی جا رہی تھی۔

انابیہ نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا تھا۔سروساز چار اطراف پھیلنے لگے تھے۔

بے بسی نہیں ہے یہ بے جواز!

خاموشی میرے دل کا ہے سوال!

بے رُخی ہی سہی پر ہے تو سہی بہار
وہ نظر جو تھی اپنی مثال
دل میرا کرتا ہے تمہیں تلاش
تم صنم ہو میرا سوال
فاصلے......گرہوں کے درمیاں
مل نہ سکیں گے ہم......
فاصلے......!
گرہوں کے درمیان
مل نہ سکیں گے ہم......!

عفنان علی خان نے کسی قدر ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر دیا تھا۔انابیہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ تبھی وہ اس کے چہرے کے ناپسندیدہ تاثرات نہیں جان پائی تھی۔عفنان علی خان دوبارہ گفتگو میں مصروف ہو چکا تھا۔

''اوکے یار!......غصہ ٹھنڈا کرو......اور آج کی ملاقات کا وقت کچھ آگے بڑھا دو...... یار! ٹائم آگے بڑھانے کے لیے کہہ رہا ہوں۔میٹنگ پوسٹ پونڈ نہیں کر رہا''۔

''اوکے......رائٹ''۔دوسری طرف سے شاید گرم جوشی کا اظہار ہوا تھا۔عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اوکے......سیم ہیئر!......سی یو سون''۔

عفنان علی خان نے سلسلہ منقطع کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔انابیہ اس کی سمت قطعاً متوجہ نہیں تھی۔

'' کہیے، کیا کہنا تھا آپ کو؟'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے خاطر خواہ توجہ اسے دی تھی۔انابیہ نے اس کی طرف دیکھنے سے مکمل اجتناب برتا تھا۔

''لامعہ تھی؟'' پتہ نہیں کیا سوچ کر سوال داغا گیا تھا۔

''عفنان علی خان لحہ بھر کو حیران ہوا تھا۔پھر لاتعلقی سے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''ڈیٹس ناٹ یور کنسرن۔یہ آپ کا کنسرن نہیں ہے انابیہ شاہ!......میرا نہیں خیال کہ مجھے کسی کو جواب دہ ہونا ہے یا میں کسی طور پر کسی کا پابند ہوں''۔بہت کھردرے انداز میں جواب سے نوازا گیا تھا۔انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''کیوں؟......اچھا نہیں لگا آپ کو؟اس لیے، یہ میرا کنسرن نہیں؟'' جواباً کہا تھا،مگر عفنان نے جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

''آخر کیا کر رہے ہیں آپ؟...... یہ کیا نیا چکر ہے؟......اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ اس ٹپیکل انداز سے آپ میرے دل میں کوئی

جگہ پالیں گے تو یہ بالکل غلط ہے۔ خام خیالی ہے آپ کی۔ بالکل غلط سوچ رہے ہیں آپ۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بہت بوگس طریقہ ہے یہ کسی کی بھی توجہ پانے کا۔ آئی ایم رئیلی ناٹ امپرسڈ بائے ڈیٹ‘‘۔

عفنان علی خان نے گاڑی سڑک کے ایک جانب روک دی تھی اور بے حد جارحانہ انداز سے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

’’کیا سمجھتی ہیں آپ؟...... میں صرف آپ کے لیے جیتا اور مرتا ہوں؟...... میری زندگی صرف آپ سے شروع ہو کر آپ تک ختم ہوتی ہے؟...... صرف آپ ہی ایک اہم ترین ہستی ہیں اس دنیا میں؟...... اگر آپ ایسا سوچ رہی ہیں تو آپ خود کو بے حد اہمیت دینے کی عادت ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے، کیونکہ مجھے آپ کی کوئی فکر نہیں ہے۔ آپ کچھ بھی سوچیں، کچھ بھی کریں، آئی رئیلی ڈونٹ کیئر۔ آپ عادی ہو چکی ہیں الزامات لگاتے رہنے کی۔ کبھی اپنے کڈنیپ کا الزام، کبھی کسی اور سے انوالومنٹ کا دعویٰ۔ مجھے تو سمجھ میں یہ نہیں آتا آپ میرے ساتھ بھی کیوں ہیں؟ جبکہ آپ پہلے ہی دن یہ باور کرا چکی ہیں کہ آپ سے زیادہ مجھ پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ لامعہ کا ہے۔ میں نے آپ کو اپنا کر غلطی کی ہے تو پھر مجھے اس غلطی کو سدھارنے کیوں نہیں دیتیں آپ؟...... میں واقعی کنسیڈر کرتا ہوں۔ رئیلائزڈ کیا ہے میں نے۔ یس، آئی میڈ مسٹیک ...... اے بِگ مسٹیک۔ مگر اب میں اپنی غلطی کو واقعی سدھارنا چاہتا ہوں۔ یس، آئی وانٹ ٹو بیک مائے لائف فرام یو‘‘۔

عفنان علی خان قطعی انداز میں بولا تھا اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھتی رہ گئی تھی۔

نہ مدعا یاد تھا اپنا...... نہ کوئی سوال۔

کس قدر ہتک محسوس ہو رہی تھی اس گھڑی۔

اپنی غلطی کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

اسے یقیناً عفنان علی خان سے ایسے سوال نہیں کرنے چاہئے تھے۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی۔

دل چاہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں جا سمائے مگر افسوس، نہ اس وقت قدموں تلے زمین تھی نہ سر کنے کو کوئی مہربان آسمان...... وہ خالی ہاتھ تھی اور...... گنوانے کو شاید اس کے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔

نہ کوئی حق جتانے کو تھا۔

نہ کوئی حرف منانے کو اور......

چہرہ پھیرتے ہوئے اس نے یک دم ہی ہاتھ دروازے پر رکھتے ہوئے کھولنے کی سعی کی تھی مگر تبھی گاڑی کو تیزی سے بریک لگاتے ہوئے عفنان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

’’یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟...... پاگل پن دکھانے کی عادت ہو چکی ہے آپ کو‘‘۔ ایک الزام بروقت دھرا تھا۔

انابیہ شاہ کی جھکی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر ہاتھوں پر گرے تھے۔ عفنان علی خان نے بغور اس چہرے کو دیکھا تھا اور پھر کسی قدر احساسِ جرم سے چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''آئی ایم سوری!'' بہت آہستگی سے لبوں سے برآمد ہوا تھا۔ معذرت کے لفظوں میں کسی پچھتاوے کی ہلکی سی بازگشت تھی۔ جیسے وہ اپنے کیے پر کسی قدر پشیمان تھا۔

انابیہ بنا کچھ کہے، بنا اس کی طرف دیکھے چہرے کا رُخ پھیرے بیٹھی رہی تھی۔ پھر یک دم ہاتھ بڑھا کر دروازہ دوبارہ کھولنے کی سعی کی تھی مگر اب کے عفنان علی خان پہلے سے زیادہ مستعد تھا۔ ہاتھ بڑھا کر سرعت سے اس کے نازک ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے بھیگی آنکھوں سے کسی قدر برہمی سے اسے دیکھا تھا۔

''ہاتھ چھوڑیئے میرا''۔ حکم صادر ہوا تھا، مگر عفنان علی خان نے اس کی حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ اس کا بھاری ہاتھ جوں کا توں اس کے ہاتھ پر موجود رہا تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑیئے''۔ برہمی کسی قدر بڑھی تھی مگر عفنان علی خان نے مطلق کوئی پرواہ کیے بغیر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جہاں جانا ہے، وہاں تمہیں میں چھوڑ دوں گا۔ بار بار بچوں والی حرکتیں مت کرو۔ تمہیں ہمیشہ اپنی پرواہ ہوتی ہے۔ ہمیشہ اپنے بارے میں سوچتی ہو تم۔ ہر بات میں صرف اپنا فائدہ چاہتی ہو اور ایسا فوری طور پر چاہتی ہو''۔ بہت سارے الزامات ایک ساتھ لگاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کی نظریں غالباً کسی الزام کی وضاحت چاہ رہی تھیں مگر عفنان علی خان بنا کسی الزام کی تردید کیے ونڈ اسکرین کی سمت نگاہ جمائے ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ گاڑی کا رُخ گھر کی جانب تھا۔

''مجھے گھر نہیں جانا ہے''۔ انابیہ نے جتانے والے انداز میں کہا تھا، مگر عفنان علی خان نے سُنی اَن سُنی کر دی تھی۔ انابیہ شاہ کا غصہ بڑھ گیا تھا۔

''آئی سیڈ، مجھے گھر نہیں جانا ہے''۔ وہ چیخی تھی۔ مگر عفنان علی خان پر اس کے غصے کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ بہت اطمینان اور رسانیت سے اسے دیکھا تھا اور بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد تم جہاں چاہے چلی جانا۔ میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گا''۔ انداز حتمی تھا۔ انابیہ شاہ اس شخص کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی، پھر عجیب خفگی سے پُر انداز میں چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان کو غالباً اس خفگی کی پرواہ ہرگز نہیں تھی۔ تبھی وہ بنا اس کی طرف دیکھے پوری توجہ سے ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

''تم مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی تھیں؟'' قدرے توقف سے گاڑی میں بھاری آواز اُبھری تھی۔ مخاطب یقیناً وہی تھی مگر وہ اس لمحے مکمل طور پر اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔ نہ تو پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا نہ ہی کوئی جواب دیا تھا۔

''بات اگر فیصلہ کن یا نتیجہ کن ہے تو تمہیں مجھ سے ضرور شیئر کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے ان تمام اُلجھنوں کا اختتام ممکن ہو سکے جو میرے اور تمہارے درمیان بدستور بڑھتی چلی جا رہی ہے''۔ عفنان علی خان نے ایک معقول مشورہ دیا تھا مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب

نہیں دیا تھا۔ چہرے کا رُخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب ایک نگاہ ڈالی تھی اور پھر کھڑکی پر کہنی ٹکا کر بھرپور توجہ کے ساتھ ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ چہرہ اگرچہ بے تاثر تھا مگر نگاہوں کی اُلجھن کسی قدر بڑھ رہی تھی جو اس بات کا پیش خیمہ تھی کہ اس کے اندر یقیناً بہت سے طوفانوں کی طغیانیوں کا ڈیرہ تھا مگر اسے اپنے جذبات واحساسات کو بھرپور انداز میں مخفی رکھنے پر گویا دسترس حاصل تھی۔

☆......☆......☆

کسی کے حکم نامے میں اتنی تاثیر تھی یا وہ واقعی مرعوب ہوگئی تھی......اندر کی خوف کی لہر تھی یا پھر کوئی انجانا ڈر!

اُس شام وہ ریسیور کان سے لگائے پاپا سے بات کرتے ہوئے انہیں یقین دہانی کرارہی تھی کہ وہ یہاں بہت خوش ہے اور انہیں اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ واضح طور پر تو انہیں منع نہیں کرسکتی تھی کہ یہاں مت آئیں مگر اپنی طبیعت کے متعلق کنسرن ہو کر فی الحال انہیں آنے سے روک دیا تھا۔ ایسا اس نے کیوں کیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ نہ تو وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی اطاعت کرنا چاہتی تھی نہ اپنے کسی اقدام سے اسے خوش کرنا، مگر جانے کیوں، جیسے یہ عمل کسی میکانکی انداز میں خود بخود ہی انجام پا گیا تھا۔

فون رکھ کر وہ مڑی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے پیچھے کھڑا پایا تھا۔ وہ نہ تو چونکی تھی نہ ہی حیرت کا کوئی اظہار کیا تھا۔ چپ چاپ چلتے ہوئے اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شاید اسے داد دینا مقصود تھا جس نے بہت چپکے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

میرب سیال نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ایسی لاتعلق سی کھڑی رہی تھی۔ نہ نگاہ اس کی سمت مائل تھی نہ کسی تیور میں کرم کا کوئی گمان تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک قدم کا درمیانی فاصلہ عبور کرتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف سے گریزاں چہرہ اپنی جانب مائل بہ کرم کرنے کی ٹھانی تھی مگر میرب سیال نے نگاہ اُٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''کیا بات ہوئی مسٹر سیال سے؟'' بنا کسی تمہید کے وہ اصل مدعا پر آیا تھا۔ میرب سیال جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے یہاں روکنے کا مقصد فقط یہی جاننا تھا تبھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''ہاں، میں نے منع کر دیا ہے''۔ مثبت جواب جان کر یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کی انا کو بہت تسکین ملے گی، وہ جانتی تھی اور یہی تاثر وہ اس لمحے اس شخص کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

''تھینکس!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں کی چمک میں کسی قدر اضافہ ہوتا دکھائی دیا تھا۔ اب طے کردہ نتائج کے مطابق نتیجہ دیکھ کر یقیناً اسے خوش ہی ہونا چاہیے تھا۔ نتیجہ میرب کی توقع کے بھی برعکس نہ تھا۔ دانستہ نادانستہ وہ اس شخص کو خوشی سے ہمکنار کر چکی تھی۔ یہی وہ چاہتا تھا کہ اس کا بول بالا ہو جو کہے اس کو ٹھیک کہا جائے۔ جو حکم ہو اس پر فوری طور پر عمل پیرا ہوا جائے۔

وہ دن کو دن کہے......تو کوئی دن کہے۔

اور اگر وہ رات کہے تو مقابل موجود اسے رات کہے۔ یہی کیفیت حالت امن قائم رکھنے کی تھی۔ بصورت دیگر نتیجہ اس کے برعکس ہوسکتا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت اگر خوش یا پُر اطمینان دکھائی دے رہا تھا تو صرف اس لیے کہ اس کے کہے پر بنا سوچے سمجھے مہر تصدیق ثبت کر دی گئی تھی۔ میرب سیال کو اس لمحے وہ اپنے مقابل کھڑا شخص کسی قدر خود غرض دکھائی دے رہا تھا جسے صرف اپنی فکر تھی اور صرف اور صرف اپنی غرض عزیز تھی۔

اس کی بلا سے کوئی جیئے یا مرے، اسے قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی اور اس نے اس شخص کو خوشی دی تھی۔

اسے اطمینان بخشا تھا۔ اس کی محکوم ہوئی تھی۔ بنا سوچے سمجھے، آنکھیں بند کر کے اس کی تائید کی تھی اور کیوں کیا تھا اس نے ایسا؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

''غصہ تو نہیں ہوئے وہ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''گڈ''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سراہا تھا۔ ''ڈیٹس لائک اے گڈ گرل''۔ بھرپور تعریف کی تھی مگر میرب سیال کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ اُبھرا تھا اس ستائش پر۔ اس کرم پر وہ کچھ خاص خوش بھی دکھائی نہ دی تھی۔

''سو اب کیا کرنا ہے؟...... میرا خیال ہے سب سے پہلے وہ پیک سامان کھولنا شروع کر دو جو تم نے اپنی جانے کی تیاری میں باندھ کر اب تک رکھا ہوا ہے۔ وہ سامان کھل جائے گا تو ساتھ ہی اور بھی بہت سی گرہیں کھل جائیں گے جو اب تک دکھائی بھی نہیں دے رہیں۔ بیلیو می!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کس بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا تھا، میرب سیال نہیں جانتی تھی۔ شاید اسی لیے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں، بعض گرہیں کھلیں یا اور بھی گہری پڑ جائیں گی''۔ خدشہ بلا جواز نہ تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا رہا تھا۔

''یہی بات تو سمجھانا چاہ رہا ہوں تمہیں۔ گرہیں کھولنا شروع کرو، باندھنا نہیں۔ باندھو گی تو ہر گرہ گہری ہوتی چلی جائے گی اور پھر شاید تم سے وہ کبھی کھل ہی نہ سکے''۔ ملائمت سے کہتے ہوئے اسے کسی قدر توجہ سے دیکھا تھا۔

''گرہیں کئی طرح کی ہیں سوئٹی! غور کرو تو ساری بات اپنے آپ سمجھ میں آجائے گی۔ ابتداء اپنے باہر سے کرو۔ بہت سی گرہیں تمہارے اِرد گرد بھی ہیں۔ خود کو ان سے آزاد کرانے کی چھوٹی سی کوشش کرو۔ ہنی! میں اتنا جانتا ہوں ابتداء اگر جلد کرو گی تو دل تک کا سفر بہت جلد طے ہو جائے گا۔ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہیں۔ جہاں تک میری نگاہ کی رسائی ہے شاید تمہاری نگاہ کا وہاں تک دیکھنا ممکن ہی نہیں''۔ مدھم لہجے میں بہت کچھ باور کرانے کی کوشش میں تھا۔

''تمہارا دل کئی طرح کی گرہوں میں مقید ہے سوئٹی! اسے آزاد کرو۔ دل کھلا ہو تو عاقل، بندھا ہو تو نابلد تصور ہوتا ہے۔ آزاد ہو تو عاقل، قید ہو تو معمول کہلاتا ہے۔ تمہیں کس بات کی فکر ستاتی ہے؟ کیوں اتنے خدشوں میں گھری کھڑی ہو؟ دل ہی تو ہے، اُڑنے دو۔ آزاد پنچھی سا، جائے گا کہیں نہیں۔ لوٹے گا تو واپس وہیں آئے گا جہاں آنا چاہے گا......'' مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس ساکت سے چہرے کو ہولے سے چھوا تھا۔

''مان لو سوئٹی! یہ عرصہ اس کے ادراک کا لمحہ ہوگا۔ اس چھوٹی سی اُڑان میں یہ ننھا سا دل وہ بھید پا کے آئے گا جو اس نے صدیوں میں بھی نہ جانے ہوں گے۔ ایک بار آزاد کر کے تو دیکھو، گرہیں کھولنے کا قصد تو کرو، تیاری تو پکڑو، پھر دیکھو کیسی کرشمہ سازیاں ہوتی ہیں۔ آزمالو، یقین کرنے کی یہ صورت بہت مفید ثابت ہوگی۔ بہت سی اُلجھنیں اپنے آپ سلجھ جائیں گی۔ اُڑان بھر کے آنے والا دل وہ اسمِ اعظم اپنے ساتھ لائے گا جس کے پڑھنے کی بھی نوبت نہیں آئے گی اور ہر درد خود بخود دوا ہوگا۔ حقیقتیں منکشف کرنے کا اس سے زیادہ اچھا راز نہ کبھی ہاتھ لگا ہے نہ لگے گا۔ ٹرسٹ می''۔ لہجہ یقین کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

مگر میرب سیال اس شخص پر مزید اعتبار کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''میں حقیقتوں اور سرابوں کے مابین فاصلوں کی لکیروں سے واقف ہوں سبکتگین حیدر لغاری! مجھے بلند فضاؤں میں اُڑان بھرنے کے نقصانات بھی معلوم ہیں۔ مجھے چھپے ہوئے بھیدوں سے بھی کسی قدر واقفیت ہے۔ مجھے درونِ جاں اور بیرونِ جاں کے معاملات سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ میں جانتی ہوں کتنی گرہیں کھلنے سے کیا کرشمہ سازی واقع ہوسکتی ہے۔ مجھے نفع اور نقصان کا مکمل ادراک ہے۔ سوان باتوں کی حقیقت ثانوی ہو کر رہ جاتی ہے''۔ لہجہ دھیما مگر کسی قدر مدلل اور پُر اعتماد تھا۔

''دل کی، جذبات کی، احساسات کی باتیں آپ مت کیا کریں۔ بہت جھوٹی لگتی ہیں۔ لگتا ہے آپ دونوں پاؤں جوڑ کر جھوٹ بول رہے ہیں''۔ میرب سیال کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ گہرا طنز تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ بہت برجستہ تھا۔

''اچھا...... اتنے غور سے سننے لگی ہو مجھے کہ سچ اور جھوٹ ایک پل میں علیحدہ علیحدہ پیمانوں پر اپنا بھرپور تاثر چھوڑ جاتے ہیں۔ بہت جینئس ہو تم تو۔ پل میں کیا سے کیا کرنے کے سارے گُر ازبر ہیں تمہیں۔ جب نگاہ اتنی گہری ہے تو ڈر کس بات کا ہے؟'' اپنے طور پر چیلنج دیا تھا۔ میرب سیال نے لب بھینچ کر سر نفی میں ہلایا تھا۔

''نہیں، ڈر نہیں ہے۔ اسے حفظ ماتقدم کہتے ہیں۔ ڈرنے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا سوائے خوف کے۔ مگر حفظ ماتقدم کے تحت کیے جانے والے بہت سے اقدامات، ان خوف کے اثرات کو بہت حد تک کم کر دیتے ہیں''۔ میرب سیال کا ٹھوس لہجہ اس کے اندر کی بھرپور ترجمانی کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''بہت سیانی ہو تم۔ ہار اور جیت کے سارے اسباب جانتی ہو، تم پھر بھی اتنی اپری ہنسیو رہتی ہو۔ تمہیں تو کھل کر کھیلنا چاہیے۔ یہ چھپ چھپ کر وار کرنا کچھ غیر مناسب نہیں لگتا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سامنے کھڑی دکھان پان سی لڑکی کی ذہانت سے یقیناً مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بہت محظوظ ہو رہا ہے اس لمحے۔

''گوریلا وار کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، نہ ہی مجھے چھپ چھپ کر وار کرنا پسند ہے۔ میں ایسے مخفی کھیلوں کی قائل نہیں جن کی شہ اور مات کا اندازہ بھی نہ ہوسکے''۔ میرب سیال کا جواب بہت دلیری کا ثبوت دے رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''تو پھر کس بات کی قائل ہو تم؟'' پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بولا تھا۔

''میرب! تمہارے متعلق ایک بات ہمیشہ بہت دلچسپ اور چونکا دینے والی لگتی ہے مجھے۔تم پرت در پرت کھلتی ہو اور پھر بھی نہیں کھلتیں۔تمہاری یہی بات مجھے مزید جاننے پر اُکساتی ہے۔سچ بتاؤ اور کتنے روپ ہیں تمہارے جن کے متعلق میں اب تک سرے سے جانتا ہی نہیں؟......جن تک اب تک میری رسائی ممکن نہیں ہو سکی؟......تمہارے اندر کی وہ دنیا کیسی ہو گی؟......سچ،تم بہت سویٹ ہو ہنی!''اسے جاننے کے جتن کرتا ہوا وہ یک دم مسکرایا تھا۔

''چلو،آج کی اس بحث کا انجام بغیر شہ اور مات پر کرتے ہیں۔تم سے جیتنے کا دعویٰ یوں بھی بودا ہو گا۔حُسن سے آج تک کوئی جیت پایا ہے؟''لبوں پر اُبھرنے والی مسکراہٹ دل فریب تھی۔

بھرپور توجہ سے اس چہرے کو تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کا چہرہ تھپتھپایا اور چلتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔میرب سیال کے لیے اپنے قدموں کی متزلزل عمارت پر مزید کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تھا۔وہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ گئی تھی۔کتنا عجیب تھا یہ شخص۔

شاید وہ اسے کبھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔عجیب ریاضی کے سوالوں کی طرح اُلجھا ہوا سا شخص تھا۔

کب کیا چاہتا تھا اسے خود بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔

کیا،کیوں،کس لیے کرتا تھا۔شاید وہ خود بھی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا تھا۔وہ گنجلک سا شخص اس کی ساری زندگی گنجلک کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''دیکھو،یہ سیٹ کیسا ہے؟''سامنے میز پر زیورات کے بہت سے ڈبے پھیلائے فارحہ نے ایک سیٹ کی طرف اذہان حسن بخاری کی توجہ چاہی تھی۔وہ مسکرا دیا تھا۔فیض چاچو اور ماہا ہنس پڑے تھے۔اذہان خجل سا ہو گیا تھا۔

''کم آن ممی! مجھے ان باتوں کی تمیز کہاں ہے؟''

''سیکھو گے تو آئے گی نا''۔فارحہ نے مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

''ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی! بزنس کی تمام مصروفیات چھوڑ کر فوری طور پر ممی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جایئے۔یہ سب سیکھنا بہت ضروری ہے آپ کے لیے۔آخر کو شادی کے بعد بھی تو یہ تمام کام آپ کو ہی کرنا ہے''۔ماہا نے شرارت سے چھیڑا تھا۔

''کیوں چاچو؟''

''ہاں بھئی،ماہا کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔واقعی اگر کامیاب زندگی گزارنا ہے تو بھابی کی بات مان کر یہ سب تو سیکھنا ہی پڑے گا''۔فیض چاچو نے بھی تائید کر دی تھی۔اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''اگر صرف انگیج منٹ ہونے پر یہ حال ہے تو شادی کی تیاریوں میں تو مجھے تمام مصروفیات چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے گھر بیٹھنا پڑے گا''۔

''ان سب باتوں کو چھوڑو،یہ سیٹ دیکھ کر بتاؤ کیسا ہے؟''ممی مدعا اسی جگہ پر واپس لائی تھیں۔اذہان سیٹ دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''آئی تھنک،اچھا ہی ہے''۔

''صرف اچھا؟......بہت اچھا کیوں نہیں؟'' ماہا نے چھیڑا تھا۔

''کیونکہ بہت اچھا یہ صرف تب ہو سکتا ہے جب اسے کوئی پہننے والا بھی موجود ہو''۔ اذہان بولا تھا اور ماہا مسکرا دی تھی۔

''تو یوں کہیئے نا کہ معاملہ یہ ہے۔ اتنی دیر سے ممی کو تنگ کیوں کر رہے تھے آئیں بائیں شائیں کر کے؟'' ماہا بولی تھی تو فارحہ کو یاد آ گیا تھا۔

''ساہیہ کو فون کیا تو تھا کہ آئے اور پہن کر دیکھ لے۔ ابھی تک آئی نہیں۔ ماہا! ذرا فون تو کرنا۔ اور اذہان، بچے! وقت نکال کر تم ساہیہ کو انگیج منٹ کی کچھ شاپنگ ہی کروا دو۔ ہم تو کر رہے ہیں مگر تم بھی اس کارِ خیر میں کچھ حصہ لو تا کہ تمہیں بھی پتہ چلے یہ کام کچھ اتنا آسان نہیں ہے''۔ ممی نے کہا تھا۔ اذہان کا منہ بہت عجیب سا بنا تھا۔ فیض چاچو ہنس دیئے تھے۔

''بھور کے لڈو کھانے جا رہے ہو میاں! خوش نصیب ہو۔ تمہیں تو واقعی خوشی خوشی ان کاموں میں حصہ لینا چاہیے''۔

ماہا ابھی نمبر ملا رہی تھی جب ساہیہ، اگینے اور عزیر کے ساتھ وہاں آ گئی تھی۔

''لیجیئے، جس کا تھا انتظار، وہ شاہکار آ گیا''۔ ماہا نے ساہیہ کو دیکھ کر بھائی کی طرف آ کر شرارت سے نعرہ لگایا تھا۔ اذہان حسن بخاری، ساہیہ کی سمت بغور دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ارے بھابی! آپ تو پورا کا پورا بازار اُٹھا لائیں......اتنے زیورات ایک ساتھ''۔ اگینے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''ارے یہ تو کچھ نہیں......میں تو ابھی پانچ سیٹ مزید رکھوا آئی ہوں۔ ساہیہ، اذہان کے ساتھ جا کر خود منتخب کرے گی''۔ فارحہ نے کہا تھا۔ عزیر، اذہان کے پاس آن بیٹھا تھا۔

''کیوں اذہان میاں! تیاریاں ٹھیک چل رہی ہیں؟'' اذہان مسکرا دیا تھا۔

''یار! اب تم تو بخش دو۔ دوست ہو میرے۔ تم سے تو کم از کم ایسی کوئی اُمید نہیں تھی مجھے''۔ عزیر مسکرا دیا تھا۔

''بھول جاؤ سب کچھ......اس وقت میں تمہارا اسرالی ہوں اور بس''۔ ساہیہ زیورات پہن پہن کر دیکھنے لگی تھی۔

''ماشاءاللہ، بہت خوب صورت لگ رہا ہے''۔ فارحہ نے بھرپور تعریف کی تھی۔

اگینے نے بھی تائید کی تھی۔

''ارے آپ ساری تعریف خود ہی کیے جائیں گے یا کوئی اذہان بھائی سے بھی پوچھے گا؟'' ماہا نے ایک اہم ترین فرد کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اذہان کی طرف دیکھا تھا۔

''میرا خیال ہے اب آپ بھی رائے دے ہی دیجئے۔ ساہیہ زبان سے پوچھ نہیں سکتیں، مگر ہم ان کی ترجمانی تو کر سکتے ہیں نا؟''۔ ماہا نے بھائی پر زور دیا تھا۔

''ابھی تم سب رائے دینے کی بات کر رہے ہو۔ تھوڑی دیر بعد کسی اور شے کی فرمائش کر دو گے۔ بھئی اذہان میاں دولہا ہیں...... اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ دولہا بھی انسان ہوتا ہے''۔ عزیر نے بر وقت چھیڑا تھا۔ سب ہنس پڑے تھے۔ اذہان نے ایک مُکا کھینچ

کرا سے رسید کیا تھا جس سے بچاؤ کے لیے عزیر نے آگے کشن کر دیا تھا۔

''چلئے بھائی! اب رائے دے ہی دیں۔ساہیہ پر یہ سیٹ کیسا لگ رہا ہے؟''

''آئی تھنک، پہلے والا زیادہ اچھا لگ رہا تھا''۔

''اوہ......!''سب نے ایک مشترکہ آواز کسی تھی۔

''ابھی تو کہہ رہے تھے جناب کہ ہمیں ان باتوں کی کوئی تمیز نہیں اور اب''۔فارحہ نے خبر لی تھی۔

''میرا خیال ہے میں چلتا ہوں''۔اذہان اُٹھنے لگا تھا۔عزیر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کہاں یار! یہ محفل کی رونق آپ کے ہی تو دم سے بنی ہے بلکہ یہ ساری کی ساری محفل آباد ہی آپ کے نام پر ہوئی ہے''۔اذہان پھر بیٹھ گیا تھا۔

''عزیر چاچو! آپ مجھے نانو کے گھر چھوڑ دیں گے؟''ماہا نے بھائی کی خلاصی کرانے کا ایک حل یہ ڈھونڈا تھا۔

''کیوں نہیں یار! مگر یہ تمہیں صرف اپنے بھیا جان پر ترس آ رہا ہے یا واقعی جانے کا موڈ ہو رہا ہے؟''عزیر نے اذہان کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔مجھے واقعی جانا ہے۔نانو انتظار کر رہی ہوں گی''۔ماہا بھائی کی انگیج منٹ کے باعث چکر ضرور لگا رہی تھی مگر قیام اب بھی نانو کے ہی گھر تھا۔

''ہاں، ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے عزیر! تمہارے پاس وقت ہو تو ذرا چھوڑ دو اسے۔تمہارے آنے تک میں تمہاری پسند کا فروٹ ٹرائفل بناتی ہوں''۔فارحہ نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

''گویا رشوت۔بھابی! آپ سے ایسی اُمید نہیں تھی۔آپ مجھے یہاں سے بھگانا چاہ رہی ہیں؟ بیٹا زیادہ عزیز ہو گیا، دیور نہیں؟''شرارت بھرے انداز میں شکوہ کیا تھا۔فارحہ اسے ایک چپت لگاتی ہوئی مسکرادی تھیں۔

''ایسی بات مت کرو......مجھے تم دونوں ایک جتنے عزیز ہو۔کوشش کر رہی ہوں کوئی لڑکی تمہارے لیے بھی مل جائے، انہی دنوں تو دونوں دوستوں کے معاملات ایک ساتھ نمٹ جائیں''۔

''لیجئے، آپ تو اُلٹا پھنسانے کی بات لے بیٹھیں......یہ دیکھیں''۔دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔''مجھے تو فی الحال معاف ہی رکھیں۔اس سے بہتر ہے میں ماہا کو چھوڑ آؤں۔چلو ماہا! ہم چلتے ہیں''۔عزیر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جا رہے ہو تو واپسی میں کھانے کو کچھ لیتے آنا۔بھابی! گھر میں کیا پکا ہے؟''آگینے نے دریافت کیا تھا اور ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''عزیر! دو لارج پیزا ٹھیک رہیں گے۔ذرا جلدی آنا۔بہت بھوک لگ رہی ہے''۔

’’ارے، پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کھانا تو شاید بن رہا ہے۔ چلو میں پہلے تمہارے لیے کچھ بنا دوں‘‘۔ فارحہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔فیض چاچو پہلے ہی اُٹھ کر جا چکے تھے اور اب اگینے کے جانے کے بعد وہ دونوں وہاں کمرے میں اکیلے رہ گئے تھے۔ساہیہ نے کلائی میں کنگن گھماتے ہوئے اذہان کی سمت دیکھا تھا جو اسے اس لمحے ایک خاص توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

’’کیا ہوا؟......اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟......کیا پہلی بار دیکھا ہے؟‘‘ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے ننھے منے سے ٹیکے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ارادہ اتارنے کا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ یک دم ہی تھام لیا تھا۔

’’اوہوں، ابھی نہیں۔رہنے دو، اچھا لگ رہا ہے‘‘۔

’’کیا اچھا لگ رہا ہے؟‘‘ ساہیہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔اذہان مسکرا دیا تھا۔

’’سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔تم اچھی لگ رہی ہو۔ یہ لمحے اچھے لگ رہے ہیں۔آئی رئیلی فِیل مائے سیلف لکی۔اس گھر میں بہت اچھا سا موسم محسوس کر رہا ہوں اور وہ موسم خوشی کا ہے۔آئی وِش کہ یہ موسم یونہی ٹھہر جائے اور اس کے بعد کوئی اور موسم نہ آئے‘‘۔بہت سے جملے تھے مگر ان جملوں میں کوئی ایک جملہ بھی پرسنلی ساہیہ کے لیے نہ تھا۔وہ کنسرن تھا، صرف اپنی فیملی کے لیے یا پھر اپنے گھر کے لیے۔ اس کے لیے شاید نہیں۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر کلائیوں میں موجود کنگن واپس اُتارنے کو کلائی پر ہاتھ دھرا تھا جب ہاتھ کسی دوسرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ساہیہ نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔اس وقت اس کا ہاتھ اذہان حسن بخاری کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

’’ساہیہ!تم میرے لیے اہم ہو......سب سے زیادہ اہم۔ کیونکہ تم نے مجھے رنگ دیئے ہیں، خواب دیئے ہیں۔ مجھے زندگی کا حقیقی مفہوم دیا ہے، مجھے جینا سکھایا ہے۔جب میں بہت اندھیروں میں تھا تب مجھے تمہاری مسکراہٹ نے بتایا کہ زندگی روشنی بھی ہے۔ تمہاری آنکھوں نے بتایا کہ زندگی خواب بھی ہے۔تمہارے ان ہاتھوں نے مجھے رنگ دیئے......میری بے جان زندگی کو ایک نئی زندگی دی۔ ایک نئی راہ پھونکی۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو‘‘۔مدھم لہجے میں بولتے بولتے بہت آہستگی سے سر اُٹھا کر ایک میٹھی سی سرگوشی کی تھی۔

’’ہاں...... مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو ساہیہ!اس لیے نہیں کہ تم مجھے کچھ دے رہی ہو، بلکہ اس لیے کہ تم میرے ساتھ ہو اور میں یہ ساتھ ہمیشہ چاہتا ہوں۔تمام عمر کے لیے‘‘۔انداز بھرپور یقین دلانے والا تھا۔ساہیہ مسکرا دی تھی۔

’’مجھے تمہاری طرف سے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اذہان!......ہم تب بھی ساتھ تھے جب ہمیں لفظوں کے مفہوم بھی معلوم نہ تھے۔جب ہمیں خبر ہی نہ تھی کہ جذبات کیا ہوتے ہیں۔ہم تب بھی ایک دوسرے کی اتنی ہی کیئر کرتے تھے......تمہیں یاد ہوگا جب تم بچپن میں کھیلتے کھیلتے گر جاتے تھے تو میں تب بھی تمہاری اس چوٹ کو اسی شدت سے محسوس کرتی ہوئی اس پر مرہم رکھتی تھی۔حالانکہ تب ہمیں نہ لفظوں کے معنی پتہ تھے، نہ جذبوں سے کوئی روشناسی تھی اور اب تو......‘‘۔وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

’’اذہان! ہمارے درمیان جو ہے وہ کچھ اور ہے جسے جتانے کی یا بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ محبت نہیں ہے‘‘۔مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔’’میں جانتی ہوں یہ بات اور تم بھی جانتے ہو۔ یہ محبت واقعی نہیں ہے مگر جو ہے وہ بہت خاص ہے۔ درحقیقت

ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کا بھرپور احساس ہے اذہان! ہم ایک دوسرے کی ہر طرح سے کیئر کرتے ہیں، خیال رکھتے ہیں، بھرپور توجہ دیتے ہیں، ایک دوجے کے کہے بنا ایک دوجے کی پرابلمز جان لیتے ہیں، ایک دوجے کا مورال بڑھاتے ہیں، جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں ساتھ دیتے ہیں۔ جب اتنا کچھ ہے تو کسی اور شے کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے، جو ہمارے درمیان ہے اگر اسے نکال دیا جائے تو ہمارے رشتے میں باقی کیا بچے گا؟ کبھی سوچا ہے تم نے؟'' گداز لب بہت ہولے سے مسکرائے تھے۔اذہان حسن بخاری اسے بغور تکتا رہا تھا۔ساہیہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''شاید کچھ نہیں۔ محبت اگر نہیں ہے تو نہ سہی۔ مگر جو محبت نکال کر باقی بچ رہا ہے وہ زیادہ اہم ہے کیونکہ فقط محبت کے نکل جانے سے وہ فرق نمایاں نہیں ہو رہا جو فرق باقی سب نکال دینے سے پڑ رہا ہے۔ باقیات کی اہمیت کا اندازہ مجھے خوب ہے اذہان! اس لیے میں اصل میں ان کی قدر کرتی ہوں۔ جو نہیں ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے مگر جو ہے وہ اہم ترین ہے۔ یقین کرو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ جو ہمارے درمیان نہیں ہے، میں تم سے وہ مانگ بھی نہیں رہی۔ ہم میں دوستی ہے، ایک انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ بنا کہے جب ہم ایک دوسرے کے دل کی بات جانتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟'' ساہیہ کے لہجے کا ٹھہراؤ بتا رہا تھا، اس کے اندر کتنی طمانیت تھی......اس کی آنکھوں میں وہی شفاف رنگ تھے جو کسی کے بھی اندر کو ظاہر کر سکتے ہیں۔

اذہان حسن بخاری بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

''آئی ایم سو لکی ساہیہ! اگر تم میری زندگی میں نہیں آتیں تو شاید بہت بڑی کمی رہی جاتی''۔

''میں تو تمہاری زندگی میں ہمیشہ سے تھی اذہان! میں کیسے تمہارے ساتھ نہ ہوتی؟'' ساہیہ کے گداز لبوں پر بہت دل کش مسکراہٹ اُتری تھی۔

''لوگ پل دو پل کو ملتے ہیں، بچھڑ جاتے ہیں۔ ہم تو بچپن سے ساتھ ساتھ ہیں۔ کچھ عرصے کو دور ضرور ہوئے تھے مگر اس عرصے میں بھی دل شاید دور نہ ہوئے تھے۔ ورنہ آج میں تمہیں اتنے اچھے انداز سے جان نہ رہی ہوتی۔ نہ تم مجھے سمجھ رہے ہوتے''۔ ساہیہ کی آنکھیں واقعی بہت شفاف تھیں۔ اس لمحے بھی ان میں جو چمک تھی وہ واضح سمجھ میں آ رہی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو ساہیہ!'' اذہان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو آہستگی سے چھوا تھا۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

''اذہان! اگر میں تم سے درمیانی عرصے میں دور نہیں جاتی تو مجھے یقین ہے تم صرف مجھ سے محبت میں گرفتار ہوتے''۔ شگفتہ سی بات اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ لے آئی تھی۔

''جب تم چھوٹی تھیں تو اتنی خوب صورت نہیں تھیں نا۔ ورنہ شاید میں تب بھی صرف تمہی سے محبت کرتا''۔

ساہیہ نے اس کے شانے پر ایک مُکا مارا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''تب تم واقعی خوب صورت نہیں تھیں۔ ہر وقت ریں ریں، بہتی ناک، ہر وقت بے وجہ ضد، لڑکی کم اور آفت زیادہ تھیں اور اس وقت تمہاری ناک بھی کتنی چپٹی تھی نا''۔ شرارت سے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''اذہان! میں تب بھی بہت اچھی تھی۔ ورنہ نہ تمہیں جھیلنا تب آسان تھا اور نہ اب۔ مگر یہ میرے لیے آسان ہے۔ کیونکہ مجھے مشکل کام ہمیشہ اچھے لگتے ہیں''۔

''اور تمہیں میں بھی اچھا لگتا ہوں''۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اس لمحے بچوں جیسی بے فائدہ باتیں کرتے ہوئے شاید کسی قدر اچھا لگا تھا۔ ''بڑا ہونا شاید بہت نقصان دیتا ہے کسی قدر''۔

ساہیہ مسکرا دی تھی اور پھر سر جھکا کر اقرار کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ہاں...... مجھے تم بھی اچھے لگتے ہو۔ اپنی بہت سی باتوں کی طرح''۔ اذہان حسن بخاری چند لمحوں تک خاموشی سے اس کی سمت دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

بڑھتی ہوئی خاموشیاں
جاگتی راتیں، لمبے دن
آنکھوں میں کچھ خواب ادھورے......
ہونٹوں پر آدھی بات......
آدھی بات بھی اُلجھی سی......
اُلجھی باتوں کے بھید نرالے
سمجھے کون، بتائے کون
اُلجھاوؤں میں رستے گم ہوں
دل سے دل تک
آئے کون؟

انابیہ شاہ تیزی سے اپنا سامان الماری سے نکال کر پیک کر رہی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بات کہنی تھی، وہ کہہ نہیں پائی تھی مگر اس لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ہونٹوں پر چپ تھی۔ عفنان علی خان اندازہ لگانے میں ماہر نہیں تھا مگر جب وہ اندر داخل ہوا تھا تو پہلی فرصت میں اس کے متحرک وجود کو تھامتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھما سامان پکڑا تھا اور بیڈ پر اُچھال دیا تھا۔

''یہ کر کیا رہی ہو تم؟'' ڈپٹتے ہوئے دریافت کیا تھا مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب دیئے بغیر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔

''لیومی......!''

مگر عفنان علی خان نے جیسے سنی اَن سنی کر دی تھی۔

''آئی سیڈ، لیومی!'' سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ انداز درشت تھا مگر عفنان علی خان نے اس کے حکم پر کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ اسی جارحانہ گرفت میں اسے تھام کر پہلے سے کچھ زیادہ قریب کر لیا تھا۔ اقدام ایسا تھا کہ انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ایک خاص چمک ہویدا تھی۔ اتنے دن کی لاتعلقی کے بعد یہ استحقاق عجیب تھا۔ جبکہ انابیہ اس کی سمت سے ایسی کوئی توقع سرے سے کر ہی نہیں رہی تھی۔ قبل از وقت کوئی حکمت عملی مرتب نہیں کی تھی۔ اس لمحے کی حیرت قابلِ دید تھی۔ نظریں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔

''تم کیا سمجھتی ہو انابیہ! میرے تم سے لاتعلق رہنے میں تمہاری طرف سے کوئی قدغن ہے؟ یا میں صرف تم تک آنے کی کوئی سعی اس لیے نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی خوف لاحق ہے؟'' اس کا جھکا چہرہ اُٹھا کر بغور دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''انابیہ! تم اندازے لگانے میں ماہر ہو۔ مگر ہر بار ہر اندازا ایکوریٹ رزلٹ دے، یہ ضروری نہیں۔ تم سمجھ رہی تھیں اگر میں تم سے اس وقت بھی لاتعلق رہوں گا تو ایسا نہیں ہوگا۔ آئی وِل ٹیک نوٹس۔ میں اس صورتِ حال کو بس میں ضرور کر لوں گا انابیہ! کیونکہ اگر اب بس میں نہ کیا تو شاید ہر شے پہلے سے زیادہ غیر منظّم ہو جائے گی'' ۔ انداز جتانے والا تھا۔ انابیہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی وہ کس بابت بات کر رہا تھا۔ شاید اسی لیے وہ اس کی طرف اس قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے صورتِ حال کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی۔

''تم سمجھ رہی ہو نا۔ میں تمہیں جانے دوں گا اور تم اب تک جو من مانی کرتی آئی ہو اب بھی کر سکو گی تو یہ غلط ہے۔ جب تمہیں میری خوشیوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو مجھے بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میری طرف سے تم نہ تو کسی رعایت کی اُمید رکھنا نہ ہی کسی ستائش کی۔ اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں جانے دوں گا کہ تم جا کر اپنی زندگی اپنی پسند اور منتخب انداز میں گزار سکو تو ایسا بالکل نہیں ہوگا۔ جب میں اس زندگی کو ایک سمجھوتے کی طرح گزار رہا ہوں تو تمہیں بھی یہ سمجھوتہ اسی طرح نبھانا ہوگا۔ اس سمجھوتے میں نفع اور نقصان برابر کا ہوگا۔ اگر میرا نقصان تو تمہارا بھی اتنا ہی نقصان۔ رائٹ؟'' دوٹوک لہجے میں کہتا ہوا وہ اس لمحے کسی قدر سفاک لگا تھا۔ کہیں سے بھی وہ پہلے والا محبت کرنے والا نہیں لگ رہا تھا، یہ تیور ان تیوروں سے کتنے مختلف تھے۔ انابیہ اسے سر اُٹھائے کھڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی سوچوں کو پڑھتے ہوئے بولا تھا۔

''تم کیوں سمجھتی ہو کہ تمہارے ہر رویے کے جواب میں مجھے پہلے جیسا ہی رہنا چاہیے؟......تم اگر پتھر پھینکو تو مجھے تمہاری طرف پھول پھینکنا چاہیے؟ میری محبت اور رعایت کی عادی ہو چکی ہو تم۔ مگر میں تمہیں یہ جتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ وہ دور خواب ہوا عفنان علی خان پاگلوں کی طرح صرف تمہارے نام کی مالا جپا کرتا تھا اور دن رات خواب دیکھا کرتا تھا۔ میری نیند ٹوٹ چکی ہے اور میں بیدار ہو چکا ہوں۔ مکمل طور پر۔ اب نہ تو نیند باقی ہے نہ ہی وہ پہلا سا خمار۔ میری آنکھیں مکمل طور پر کھل چکی ہیں اور ہر شے مجھے صاف صاف دکھائی دے رہی ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں، یہی چاہتی ہو نا تم؟ تا کہ تم جا کر اس شخص کے ساتھ سہانے خواب دیکھ سکو جس سے تم

محبت کرتی ہو۔اوں ہوں، عفنان علی خان اب اتنا پاگل نہیں رہا انابیہ شاہ! اب یہ دل اس طور تمہارا بیمار نہیں رہا۔اب نہ تو میں دیوانہ وار آنکھیں بند کر کے تمہارے لب و رخسار کی تعریف کر سکتا ہوں، نہ گیسو اور پلکوں کی چلمن کے لیے زمین و آسمان کے قلابے ملا سکتا ہوں مگر میں ایک کام کر سکتا ہوں۔تمہیں اس رشتے کی حقیقت سمجھا سکتا ہوں۔میرا تم پر کیا حق بنتا ہے، وہ بتا سکتا ہوں اور......'' بات ادھوری چھوڑ کر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔چہرہ اس کے چہرے کے قدر قریب کیا تھا۔

''تم نے ایک بار ٹھیک کہا تھا کہ میں تمہیں صرف پانا چاہتا تھا......صرف جسمانی طور پر حاصل کرنا چاہتا تھا تو اب ذہنی طور پر اس کی تیاری کر لو۔میں اپنا یہ حق وصولنا چاہتا ہوں۔تمہیں پانا اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔ازحد ضروری'' ۔اس کے ساکت چہرے کو بغور تکتے ہوئے مسکرا کر بہت آہستگی سے تھپتھپایا تھا اور پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ کے قدموں تلے سے جیسے زمین سرک گئی تھی۔وہ چلتا ہوا فقط گیا نہیں تھا، ساتھ ہی اس کا سکون بھی سنگ لے گیا تھا۔

دھک......دھک......دھک......!

دل کے دھڑکنے کی صدا شاید کہیں قریب سے ہی آرہی تھی۔یہ شور بہت دور نہیں تھا۔

یہ ہنگامہ کہیں آس پاس ہی ہوا تھا۔

یہ طوفان زیادہ فاصلے پر تو نہ تھا۔شاید کہیں اندر ہی اُٹھا تھا۔وجود کے سارے علاقے میں جو ہلچل تھی تو بلا جواز نہ تھی۔یہ جو دائیں بائیں آگ سی جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی یہ سچ ہی تھا۔الاؤ پورے علاقے کو گھیر چکا تھا۔راستے اگر بند نظر آرہے تھے تو یہ نظروں کا دھوکا نہ تھا۔جاں واقعی مشکل میں گھر چکی تھی۔

وہ کسی بت کی طرح وہیں بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی۔وجود اب بھی پتھر سا تھا اور آنکھیں کسی سکتے سے گویا پتھرائی ہوئی سی تھیں۔

دھڑکنوں کی رفتار کتنی تیز تھی۔دل جیسے کان پھاڑ کر باہر آنے کو تھا۔عفنان علی خان کہہ گیا تھا تو کیا وہ واقعی بے بس تھی؟......

دھڑکنوں کا ارتعاش اگر خوف کے پیشِ نظر تھا تو وہ اس خوف سے کیسے بچ کر نکل سکتی تھی؟

ذہن اس قدر مفلوج تھا کہ نہ تو کوئی سوچ ذہن میں تھی نہ ہی دوجی کوئی بات!

گویا عفنان علی خان ایک پل میں اس کے لیے کھلے ہوئے تمام راستے بند کر گیا تھا۔وجود کے سارے علاقے کو جنگل بنا کر عجب ایک الاؤ دہکایا تھا اور پل میں تپش جھلسانے کو تھی۔کتنا مختلف سمجھتی تھی وہ عفنان علی خان کو۔شاید کسی قدر فائدہ بھی اُٹھایا تھا اس کی رعایتوں سے۔مگر اب وہ کیسا سفاک نظر آرہا تھا۔کیا کر سکتی تھی۔سوچ سوچ کر تھک گئی تھی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔عفنان علی خان اسے واقعی مشکل سے دوچار کر گیا تھا۔سارا سکون غارت کر گیا تھا اور خود وہ یقیناً اسی قدر اطمینان میں تھا۔سکون میں تھا۔

☆......☆......☆

کتنے دنوں بعد وہ سیفی سے ملی تھی۔کتنی دیر تک بنا کچھ کہے اس کے شانے پر سر رکھ کر روتی رہی تھی۔

سیفی نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔شاید وہ اس کے کہے بغیر جانتا تھا کہ اس کے دل میں کیا کیا ہے۔اسے لفظوں میں کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔سیفی واقعی اس کا ایک اچھا دوست تھا،تبھی تو وہ اس لمحے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے چھیڑتا ہوا مسکرایا تھا۔

''ساری شرٹ خراب کردی۔اماں دھوئیں گی تو پھر باتیں سنائیں گی۔ایریل کا خرچ ڈبل کرواد وگی تم تو۔سارے پیسے میری جیب سے کٹیں گے''۔اپنے سفید بھیگے ہوئے شانے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر اپنا رومال اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

''لو.....اب ناک بھی پونچھ لو۔یا وہ بھی اس شرٹ کی آستین سے صاف کروگی؟'' جملے میں شگفتگی تھی اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''تم نے انکل کو کیوں آنے سے روک دیا؟......تمہیں انہیں آنے دینا چاہیے تھا۔مجھے لگتا ہے اس سب کچھ میں جو ہو رہا ہے، گین سے زیادہ غلطی ان لوگوں کی ہے۔نہ وہ تمہیں اس طرح بے یارومددگار اس کے حوالے کرتے نہ وہ اس طرح تمہیں ہرٹ کرنے کی کوشش کرتا۔تم اگر آفینڈ ہو رہی ہو تو صرف اپنے پیرنٹس کی غلطی کے باعث''۔سیفی نے کہا تھا اور وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

''سیفی! میں نہیں جانتی کہ قصوروار کون ہے،مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ میرا بہت نقصان ہو رہا ہے اور اس نقصان کا کوئی ازالہ نہیں ہے''۔

''تم نے اس شخص کی بات مانی کیوں؟......جب انکل نے کہا تھا کہ وہ آرہے ہیں تو تم نے پھر فون کر کے انہیں منع کیوں کر دیا؟......تم اس قدر ڈرتی ہو اس شخص سے؟اس قدر سوار ہے وہ تمہارے حواسوں پر؟''سیفی ڈپٹ رہا تھا۔

''میں خود نہیں جانتی سیفی! کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟......میں اسے کوئی طمانیت یا خوشی دینا ہرگز نہیں چاہتی تھی مگر اس شام پاپا سے بات ہوئی تو میں اس شخص کے حسب منشاء کر گزری۔پتہ نہیں کیوں؟'' انداز میں ایک پچھتاوا تھا اور سیفی نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کیوں؟......کیوں کیا تم نے ایسا؟......کہیں محبت تو نہیں ہوگئی تمہیں اس شخص سے؟''

میرب سیال نے چونکتے ہوئے سر اُٹھایا تھا۔سیفی کے لبوں پر بہت شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔میرب نے ہاتھ کا مُکا بنا کر اسے دے مارا تھا۔سیفی ہنس دیا تھا۔

''بھئی اتنی تابع داری تو صرف محبت میں ہی ممکن ہے۔تاریخ بھی گواہ ہے۔ایک بار کا ذکر ہے، بی بی سوہنی نے حضرت مہینوال سے مچھلی کھانے کی فرمائش کردی۔بے چارے حضرت مہینوال سارا دن فش کوٹنگ کے لیے کانٹا لگائے بیٹھے رہے مگر قسمت بری تھی جو ایک مچھلی بھی کانٹے میں نہ پھنسی۔مگر مرتا کیا نہ کرتا۔کچھ محبت تھی کچھ مجبوری۔سو حضرت مہینوال نے تن وار دیا اور اپنی ران کا گوشت نکال کر بھون کر بی بی سوہنی کی نوش کرنے کے لیے پیش کر دیا۔تو محبت ایسی ایسی کرشمہ سازیاں بھی دکھاتی ہے۔آج کے دور میں کسی نے ایسا کیا ہوتا تو سرجیکلی بہت سی مشکلات درپیش آسکتی تھیں۔اینٹی سپٹک ہوسکتا تھا۔خدانخواستہ حضرت مہینوال اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتے تھے مگر کیا سہانا دور تھا کہ محبت کے ساتھ ساتھ ہر شے بھی خالص اور پیور تھی۔بالکل ماں کے پیار کی طرح''۔

سیفی کی یہی بات اچھی تھی۔وہ برے سے برے موڈ کو بھی لمحوں میں اچھا کرنا جانتا تھا۔میرب سیال جو چند لمحے قبل دھواں دھار

رو رہی تھی اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

''ماں کا پیار تو اب بھی اتنا ہی خالص ہے ڈفر! ہاں، باقی محبتوں کی کوئی گارنٹی نہیں۔ جانے کون، کب، کہاں نظر بدل جائے یا راہ بدل جائے۔ آج کے دور میں اجنبی ہوتے دیر نہیں لگتی۔ محبت کا لفظ متروک ہوتا جا رہا ہے بلکہ کسی قدر نایاب۔ مجھے یقین ہے اگلے کچھ دنوں میں یہ بالکل ناپید ہو جائے گا اور پھر اسے کوئی کولمبس بھی دریافت نہیں کر سکے گا۔ گمشدہ چیزیں کبھی کبھی بالکل واپس نہیں ملتیں''۔ میرب سیال پر اسی کا رنگ غالب آنے لگا تھا۔ سیفی ہنس دیا تھا۔

''ڈیٹس لائک اے گڈ گرل۔ لائک اے مائے فرینڈ۔ دنیا کو مارو گولی۔ ورنہ دنیا آپ کو جینے نہیں دے گی۔ جس کو جتنی امپورٹنس ملتی ہے وہ آپ کے لیے اتنا ہی بڑا خطرہ بنتا ہے۔ دوسرے معنوں میں آپ اسے امپورٹنس نہیں خود کو زک پہنچانے کا سرٹیفکیٹ جاری کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل ایک انسٹیٹیوٹ ہے سو اس کی ایڈ امن اور ڈین کو اس بات کا تعین آنکھیں کھول کر کر لینا چاہیے کہ کسے یہ مراعات دی جائیں اور کسے نہیں۔ کوئی اس اہلیت کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ بعض اوقات بہت سے نامعقول اس رعایت کا فائدہ اُٹھا جاتے ہیں کیونکہ دل کی ایڈ امن بہت نرم واقع ہوئی ہے۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ دل اپنی آنکھیں کھولے اور اپنے قاعدے قانون بدلے اور ایسے تمام دھوکے بازوں سے ہوشیار رہتے ہوئے ''نو انٹری'' کا بورڈ لگا دے۔ تم دل کی انتظامیہ کی اونر ہو میرب! اپنے دل کے قاعدے قانون بنانے کا حق رکھتی ہو تم۔ اپنا یہ حق استعمال کرو۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کو لاگو کر کے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ بعد میں رونے دھونے اور واویلا کرنے سے بہتر نہیں کہ پہلے اپنا قبلہ کعبہ کو ہی دسترس میں رکھا جائے۔ دوسروں سے شکایت کرنے کی بجائے دوسروں کو شکایت کا موقع فراہم ہی نہ کیا جائے''۔ مسکراتے ہوئے سیفی کا انداز ہلکا پھلکا تھا مگر بظاہر ان مذاق کی کئی باتوں میں بہت سے سوچ کے پہلو نکلتے تھے۔ سیفی کی یہی اچھی بات تھی۔ وہ ایک ایسا دوست تھا جو نہ اسے اس کی غلطیوں پر ڈپٹتا تھا، نہ ناصح بن کر بھاری ثقیل لیکچر دیتا تھا مگر وہ ہنستے ہنستے ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جو ''Key'' کا درجہ رکھتی تھیں۔ ایسی Keys جو بہت سے بلند تالوں کو بڑے آرام سے کھول سکتی تھیں۔ میرب سیال کا دل جو چند لمحے پہلے تک بوجھل تھا، اب کسی قدر ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ کچھ نہ کہہ کر، کچھ نہ بتا کر بھی اسے بہت راحت ملی تھی۔

''سیفی! شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بعض اوقات اپنے ہاتھوں سے دی گئی رعایتیں بہت تکلیف دیتی ہیں مگر وہ رعایتیں اس وقت کی ضرورت ہوتی ہیں سیفی! میرے پاس بھی کوئی اور راستہ نہیں تھا''۔ کسی قدر تاسف سے کہہ کر وہ سر جھکا گئی تھی۔

سیفی نے مسکراتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

''کم آن یار! انسان ہی ہے نا، اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟...... کم از کم جتنی دیر یہاں ہو اتنی دیر تو بے خوف محسوس کرو۔ ویسے تم اس سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟...... دیکھنے میں وہ اتنا خوفناک دکھائی تو نہیں دیتا''۔ اس کا موڈ تبدیل کرنے کو وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

''سیفی! کسی کے خوف زدہ کر دینے کے لیے صرف ظاہری طور پر خوفناک ہونا ضروری نہیں ہے''۔

''میں بتاتا ہوں تمہیں...... تمہارا یہ خوف ختم ہو سکتا ہے۔ تم ایک کام کرو''۔

''کیا؟'' میرب چونکی تھی۔

''تم اس شخص سے محبت کرنا شروع کردو'' سیفی کا قہقہہ فطری تھا۔ میرب مسکرادی تھی۔ پھر سر جھکاتی ہوئی آہستگی سے بولی تھی۔

''اس سے محبت ممکن نہیں ہے سیفی!...... جو شخص کسی سے محبت نہیں کرتا اس سے کوئی دوسرا محبت کیسے کرسکتا ہے؟ وہ محبت جیسے لفظ کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں۔ دل، جذبات، احساسات، اس کے نزدیک سب فضول کی چیزیں ہیں۔ وہ صرف اصولوں سے بنا ہے۔ بلا کا خود پرست ہے، خود پسند ہے۔ اسے صرف وہ اچھا لگتا ہے جو اسے پسند ہے۔ دوسروں کی پسند، ناپسند کیا ہے، یہ جاننے کی کبھی اس نے کوشش ہی نہیں کی۔ اسے دوسروں کو جاننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی پرواہ کریں۔ اسے خوش کرنے کے جتن کریں۔ وہ صرف دہکتا الاؤ ہے جو صرف جلانا جانتا ہے۔ جو اس کے قریب جاتا ہے، اسے چھونے کی کوشش کرتا ہے وہ خاک بن جاتا ہے۔ وہ نہ سمجھ میں آنے والا معمہ ہے۔ اسے سمجھنے والا سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے خود اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ وہ بہت عجیب ہے سیفی! اتنا عجیب کہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو خود آپ زک پہنچاتا ہے۔ حاسد ہے بلا کا۔ ہواؤں سے بھی بیر ہے اُسے۔ اپنی شے کے متعلق اتنا کنسرن ہے کہ پرایا سایہ بھی برداشت نہیں اور خود اپنے لیے اس کے قانون قاعدے سب بہت مختلف ہیں۔ وہ سمجھتا ہے جینے کے رائٹس صرف اس کے پاس ہیں۔ باقی سب فضول ہے۔ مجھے وہ اس دنیا کا شخص لگتا ہی نہیں'' ۔ میرب کا لہجہ دھیما تھا۔

سیفی مسکرادیا تھا۔

''تم نے شیر کو دیکھا ہے؟''

''تم سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اقدامات کو سراہ رہے ہو؟...... اُسے داد دے رہے ہو؟'' میرب سیال کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

''نہیں'' ۔ سیفی مسکرادیا تھا۔ ''ایک بہت پرانی روسی کہانی ہے۔ سن لو، شاید کچھ کام کی شے ہاتھ لگ جائے۔ ایک خاتون تھی۔ بے حد خوب صورت، دل فریب، شائستہ، تہذیب یافتہ، بالکل تمہاری طرح۔ ایک ہزبینڈ تھا بے تہذیب، اکھڑ، بالکل جنگلی، بالکل تمہارے میاں کی طرح۔ وائف اپنے اس ہزبینڈ سے بہت پریشان تھی۔ قریب ہی ایک جنگل میں ایک بہت پہنچا ہوا عظیم بزرگ رہتا تھا۔ اس کی شہرت دور دور تک تھی، وائف کو خبر ملی۔ وہ اپنے ہزبینڈ کو سدھارنے کی کوشش میں اس کے پاس جا پہنچی۔ بابا نے ساری روداد سنی اور بہت سوچ بچار کے بعد حل تجویز کیا کہ اس کا علاج صرف ایک شیر کے بال سے ممکن ہے۔ بال بھی مونچھوں کا۔ اب مونچھ کا بال حاصل کرنا آسان نہیں، وہ بھی حضرت شیر کا۔ خاتون کچھ پریشان تو ہوئی مگر بابا کا حکم تھا کہ جب تک شیر کا بال نہیں آجاتا، علاج ممکن ہی نہیں۔ وہ خاتون جائے اور شیر کی مونچھ کا وہ بال لے آئے۔ ساتھ ہی بابا نے یہ بھی بتادیا کہ قریب ہی جنگل میں خاتون کو ایسا کوئی شیر مل بھی سکتا ہے۔ خاتون پریشان تو ہوئی مگر اُٹھ کر گھر چلی آئی۔ بہت سوچ بچار کے بعد بابا کی بات ماننے کی ٹھانی۔ اپنے ہاتھوں سے شیر کے لیے طعام تیار کیا اور جنگل کی راہ لی۔ شیر کے قریب جانا بہت مشکل تھا۔ دوسرے معنوں میں اپنی موت کو خود دعوت دینا تھا، مگر خاتون اپنے شوہر کو سدھارنے کے لیے کچھ بھی کرسکتی تھی۔ سو پہلے تو شیر کو دور بیٹھا دیکھ کر کسی قدر خوف زدہ ہوئی۔ قدم ٹھٹک کر رُک گئے مگر پھر جی کڑا کر کے قدم آگے

بڑھائے اور قدرے فاصلے پر طعام رکھ کر تیزی سے مڑی اور کسی قدر فاصلے پر محفوظ مقام پر جا رُکی جہاں سے وہ شیر کی حرکات وسکنات جانچ سکتی۔ حضرت شیر اُٹھے اور اس طعام تک گئے جو خاتون نے اپنے ہاتھوں سے ان کے لیے تیار کیا تھا۔ سونگھا اور پھر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گئے۔ خاتون کی ڈھارس بندھ گئی۔ دوسرے روز پھر یہی ہوا۔ تیسرے روز بھی اور پھر اس سے اگلے روز بھی۔ خاتون ہر روز کھانا لا کر رکھتی رہی اور اس کے ساتھ ہی ہر قدم خود بھی آگے بڑھتی رہی، یعنی ہر نئے دن کے ساتھ ہمت بھرا ایک اور قدم آگے بڑھتا رہا۔ شیر اسے دیکھ کر نہ تو دھاڑتا، نہ اس کی طرف کوئی پیش قدمی کرتا۔ نگاہوں میں سختی کی جگہ نرمی ہوتی اور خاتون خوف کھانے کے بجائے نڈر ہو کر اس کے پاس بیٹھ کر اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانے لگی۔ ساتھ ہی اسے محبت سے سہلاتی اور باتیں بھی کرتی اور ایک دن وہ اس قابل ہو گئی کہ باتوں ہی باتوں میں محبت سے اسے سہلاتے ہوئے حضرت شیر کی مونچھ کا بال ان کی اجازت سے حاصل کر لیا اور فوراً بابا کی طرف رُخ کیا۔ بابا خاتون کی اس ہمت اور دلیری کے قائل ہو گئے۔ بال ہاتھ میں لیا تو گویا یقین نہ ہوا۔ مسکراتے ہوئے خاتون کو بھرپور داد دی۔

خاتون نے دریافت کیا۔ بابا! کیا اب میرے شوہر راہِ راست پر آجائیں گے؟ تو بابا مسکراتے ہوئے بولے۔ کیوں نہیں۔ جب تم اتنا مشکل اور ناممکن کام کر سکتی ہو تو یہ کام کیسے ممکن نہیں ہو سکتا؟ تم نے کچھ دنوں میں انتہائی خون خوار جانور کو اپنی توجہ اور محبت سے سنوار اور سدھار لیا اور اس کی مونچھ کا بال حاصل کر لیا۔ وہ جانور، جس سے لوگ کوسوں دور سے ہی خوف کھاتے ہیں، تم نے اسے بخوشی اس کام کے لیے آمادہ کر لیا تو پھر تم اپنے شوہر کو کیسے نہیں سنوار سکتی ہو؟ اسے بھی اسی توجہ اور محبت کی ضرورت ہے۔ تم اسے اسی محبت سے سنوار سکتی ہو۔ ایسا بابا نے کہا۔ میرب! میں بھی تمہیں یہ مشورہ دوں گا۔ تم ایسا کر سکتی ہو میرب! تمہیں اسے وہ کیئر دینا ہو گی، وہ توجہ دینا ہو گی۔ محبت سے جانور بھی سدھر سکتا ہے تو پھر انسان کیوں نہیں؟ کیا سبکتگین اس جنگلی شیر سے بھی بڑا جنگلی ہے؟'' اس نے میرب کا چہرہ اوپر اُٹھا کر مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا مگر میرب مسکرا نہیں سکی تھی۔

تبھی شرجیل وہاں آ گیا تھا۔

''میرب! کوئی تمہیں لینے آیا ہے''۔

''کون؟'' میرب چونکی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا تھا۔ قدرے فاصلے پر دروازے کے بیچوں بیچ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔

''لو......تمہارے حضرت شیر آ گئے''۔ سیفی نے مسکراتے ہوئے جھک کر مدھم سی سرگوشی کی تھی مگر کوئی مسکراہٹ میرب کے لبوں پر نہ آ سکی تھی۔ وہ اُٹھی تھی اور شرجیل کے پاس سے گزرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے قریب جا رُکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''چلیں؟'' توجہ قابلِ دید تھی۔ میرب کو جانے کیوں لگ رہا تھا کہ وہ شخص کافی دیر سے یہاں موجود تھا اور انہیں بہت حد تک سن چکا تھا یا شاید بالکل بھی نہیں۔

میرب سیال نے سر اُٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
''میں نانو سے مل کر آتی ہوں''۔ میرب اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

تم اس درد سے گزرے ہونا؟
وہ شب جس میں جل جاتی ہیں آنکھیں
تم پر بھی گزری ہے
وہ شب جو مہتاب سے ٹپکے
آنسو آنسو، شبنم شبنم وہ شب
مجھ پر بھی اُتری ہے
وہ دن جب گھڑیاں سو جائیں
لمحے پتھر کے ہو جائیں
وہ دن تم نے بھی کاٹا ہے
دونوں کے جسموں، روحوں میں
یکساں دُکھ کا سناٹا ہے
پھر کیوں مجھ سے پوچھتے ہو تم؟

ساہیہ بہت خاموش سی بیٹھی تھی۔ آنکھوں سے بہت چپکے چپکے آنسو ٹوٹ کر بے وقعت ہو رہے تھے۔ اگینے چلتی ہوئی اس کے پاس آن بیٹھی تھی۔ ساہیہ نہیں چاہتی تھی اس کے اندر کی خبر کسی کو ہو مگر یہ وہ لمحہ تھا جب اگینے اس کے راز سے واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ ساہیہ کسی قدر شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ نظریں اُٹھائے بغیر چہرے کا رُخ پھیرا تھا اور ہاتھ اُٹھا کر آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ اگینے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ نہ فوری طور پر کچھ پوچھا تھا نہ کچھ کہا تھا۔ ساہیہ کمزوری کے ان لمحوں کا ادراک کسی کو دینا نہیں چاہتی تھی مگر اس لمحے وہ بے نقاب تھی اور پردہ سارے بھید چاک کر گیا تھا۔
''ساہیہ! تم خوش نہیں ہونا؟'' اگینے نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔ اگینے نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو محبت سے اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔
''ساہیہ!...... بچے! یہ کیوں؟...... کس لیے؟...... اگر تم خوش نہیں ہو تو......''

ساہیہ نے بنا ان کی طرف دیکھے انکار میں سر ہلایا تھا۔

''نہیں......میں خوش ہوں۔ بہت خوش''۔

اگینے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''خوش ایسے ہوتے ہیں؟'' انداز سوالیہ تھا۔

ساہیہ غالباً انہیں مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔

''پھپھو! آپ تو بس۔ آئی ایم ویری ہیپی۔ میری زندگی میں ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو مجھے ناخوش کر سکے''۔

''تم یہ بات اب مجھ سے بھی چھپاؤ گی؟'' اگینے جیسے اسے سطر سطر پڑھ رہی تھی۔ ساہیہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ اگینے نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

''ساہیہ! جس کام کو کر کے آپ کا اندر مطمئن نہ ہو اسے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ رشتوں کو رشتوں کی طرح بنانا اور نباہنا چاہیے۔ انہیں بوجھ نہیں بنانا چاہیے، جو تعلقات بوجھ بن جاتے ہیں وہ انسان کو تھکا دیتے ہیں اور یہ تھکن بہت بری ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم بہت سمجھ دار ہو''۔ اسے خود سے الگ کر کے اس کی آنکھوں کو پونچھا تھا۔

''تمہیں زندگی کا ادراک ہم سے زیادہ ہے۔ اسی لیے بھائی نے، بھابی نے اور ہم سب نے یہ فیصلہ تمہارے سر چھوڑ دیا تھا لیکن اب بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم نے کوئی غلط قدم غلط سمت میں اُٹھا لیا ہے اور تم ایسا کر کے خوش نہیں ہو تو تم اپنا وہ قدم واپس لے سکتی ہو۔ ابھی دیر نہیں ہوئی ہے''۔ مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ میں اس سے پہلے کبھی اتنی مطمئن نہیں تھی''۔ جھکا ہوا سر بہت سے بھید بنا کہے بتا رہا تھا۔

اگینے گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

''ساہیہ! جب کوئی خوش اور مطمئن ہوتا ہے نا، اسے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مجھے لگتا ہے تم یہ فیصلہ صرف اس لیے کر رہی ہو کہ اس سے اذہان حسن بخاری کو کچھ مثبت نتائج مل سکیں''۔

''نہیں......ایسا نہیں ہے''۔ ساہیہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ایسا ہی ہے......ایسا ہی ہے ساہیہ! تم ایسا اس لیے کر رہی ہو کہ تم اذہان حسن بخاری کی بہترین دوست ہو۔ تم جانتی ہو وہ تم سے محبت نہیں کرتا اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ تم اس سے کتنی شدید محبت کرتی ہو''۔ ایک لمحے میں اگینے نے اسے جتایا تھا۔ ساہیہ ساکت سی تکتی رہ گئی تھی جب اگینے اس کا شانہ تھام کر بولی تھی۔

''ساہیہ! محبت کی ایک عادت بہت بری ہوتی ہے۔ کسی قدر خود غرض ہوتی ہے۔ یہ جتنا دیتی ہے جواب میں اتنا ہی ٹرن بھی

مانگتی ہے اور جب ایسا جواباً نہیں ہوتا تو بہت دُکھ ہوتا ہے"۔

"نہیں......ایسا کچھ نہیں ہے۔میں اذہان سے کچھ بھی ری ٹرن نہیں چاہتی۔میری نظر میں محبت صرف دینے والا ہاتھ ہے۔پھیلا ہوا ہاتھ نہیں۔محبت صرف نوازنا جانتی ہے۔صرف دینا اور دینا جانتی ہے،لینا نہیں۔واپسی کی اُمید نہیں رکھتی محبت۔مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اذہان کی زندگی میں کون تھا۔وہ کسے محبت کرتا تھا۔میں صرف یہ جانتی ہوں کہ میں اذہان سے بہت محبت کرتی ہوں۔مجھے وہ اچھا لگتا ہے۔اس کے دُکھ سکھ،سب مجھے اپنے لگتے ہیں۔میں اسے خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتی ہوں۔میں اگر اس کے لیے کوئی زبردستی کا بوجھ ہوتی تو شاید میں کبھی اس کی زندگی میں شامل نہ ہوتی۔مگر اس کی زندگی میں اگر میں ہوں تو صرف اس لیے کہ وہ میرا ساتھ چاہتا ہے۔اسے میری ضرورت ہے"۔

"اسے تمہاری ضرورت ہے تو کیا تمہیں اس کی ضرورت نہیں؟......ساہیہ!کبھی سوچا ہے تم نے،تم اس بہت سے خانوں میں بٹے ہوئے شخص کے ساتھ کیسے جیوگی؟تمہاری یہ حالت،یہ آنسو۔ایمان داری سے بتاؤ ساہیہ!کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ وہ بھی تمہیں اسی طرح چاہے،تمہاری خواہش اسی طرح محسوس کرے؟مان لو،یہ ٹھیک ہے،مان لو تم کچھ غلط نہیں کر رہی ہو اور مان لو یہ کوئی خودغرضی بھی نہیں ہے۔تو کیا پھر بھی تم سوچتی ہو کہ تم جو کر رہی ہو وہ ٹھیک ہے"۔اگینے نہیں چاہتی تھی جو خلا اس کی زندگی میں آیا ویسا ہی کوئی خلا ساہیہ کی زندگی میں بھی آتا۔وہ متفکر سی اسے دیکھتے ہوئے کسی سدباب کے متعلق سوچ رہی تھی۔جب ساہیہ بولی تھی۔

"میں نے محبت کو دیکھا ہے۔میں جانتی ہوں محبت کیا ہے۔بہت قریب سے دیکھا ہے میں نے اسے۔یہ اپنے سارے سدباب خود کرتی ہے۔اپنے تمام خدشوں کا تدارک آپ کرتی ہے۔اس کے درد کا مداوا اسی کے پاس ہے۔اپنے ازالے یہ آپ کرتی ہے۔یہ خلاؤں کو بھرتی ہے پھپھو!خلا پیدا نہیں کرتی۔میری اُمید ہے یہ،میرا ایمان بھی یہی ہے۔میں نہیں جانتی کہ میں جو کر رہی ہوں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔مجھے نتائج کی پرواہ نہیں،کیونکہ میں جانتی ہوں محبت کا خسارہ بھی خسارہ نہیں ہے۔اس خسارے میں کئی نفعے نکل ہی آتے ہیں اور میں تو اس معاملے میں بھی نفع میں ہوں کہ میں اس کے ساتھ ہوں گی ہر صورت میں۔چاہے وہ مجھے چاہے یا نہ چاہے،اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا۔چاہے میں اس کی سوچوں میں کہیں نہ بھی ہوں۔ہم ساتھ ہوں گے"۔ساہیہ کا یقین محکم تھا۔اگینے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی جب ساہیہ کی ممی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟......یہ تم دونوں اس طرح سر جوڑے کیوں بیٹھی ہو؟اور ساہیہ!تم......تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟تم روئی ہو؟"کسی قدر تشویش سے وہ آگے بڑھی تھیں جب اگینے نے بات کو سنبھال لیا تھا۔

"ساہیہ عام لڑکیوں کی طرح ہمیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی بھابی!اگرچہ فی الحال انگیج منٹ ہو رہی ہے مگر بالکل پاگل ہو گئی ہے یہ۔بھلا ہم کون سا بہت دور ہیں۔یہیں قریب ہی تو ہوں گے اور ابھی تو شادی میں کافی عرصہ پڑا ہے"۔مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔ممی کو کچھ اطمینان ہوا تھا۔

"وہ نیچے اذہان آیا ہوا ہے......تم دونوں کو شاپنگ کے لیے جانا تھانا"۔

"جی ممی!......میں تو بھول ہی گئی تھی۔آپ پلیز اسے بٹھائیے۔میں تیار ہو کر تھوڑی دیر میں پہنچتی ہوں"۔سا ہیہ کہہ کر اُٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ممی پلٹ گئی تھیں۔اگینے بھی ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

پتہ نہیں سیفی نے ٹھیک بھی کہا تھا یا کہ نہیں۔پتہ نہیں اسے ایسا کہنا بھی چاہیے تھا کہ نہیں۔

اس شخص کے ساتھ متواتر رہنا اور اس کی تمام اچھی اور بری باتوں کو قبولنا آسان تو نہ تھا۔وہ ایک بار معاف کر سکتی تھی،دوسری بار بھی۔مگر کیا بار بار۔

اتنی رعایت تو کوئی محبت میں بھی نہیں دیتا۔

اور اسے تو شاید اس شخص سے محبت تھی بھی نہیں۔پھر کس بل بوتے پر وہ اسے اتنے مواقع فراہم کرتی؟اور پھر کیا گارنٹی تھی کہ وہ واقعی سدھر جاتا اور دوبارہ ایسی غلطی نہ کرتا۔اسے ہرٹ نہ کرتا۔اور یہ سب تو وہ اپنے طور پر اخذ کر رہی تھی۔اپنے طور پر سوچ رہی تھی۔گیسز لائک اے فول......اقدامات تو تب ممکن ہوتے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوتا یا وہ معذرت طلب بھی کرتا۔ایسا تو کچھ تھا ہی نہیں۔

نہ تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنی غلطی کا کوئی احساس تھا نہ ہی اس نے کبھی کوئی معذرت طلب کی تھی۔وہ تو صرف دھونس جمانے کا عادی تھا۔یعنی ایک تو چوری اس پر سینہ زوری۔نہ تو اپنی غلطی تسلیم کرتا تھا،نہ پھر دہرانے کی گارنٹی دیتا تھا۔جب اسے کوئی احساس تھا ہی نہیں،کبھی کوئی ریگرٹ محسوس ہی نہیں کی تھی تو پھر اس کو رعایت دینے کا مطلب صرف یہ تھا،آ بیل مجھے مار۔

پول کے کنارے چلتے چلتے وہ رُکی تھی۔پھر جھک کر بیٹھی تھی اور پاؤں پول کے پانی میں ڈبو دیئے تھے۔تبھی اس لمحے نگاہ اُٹھی تھی۔اوپر ٹیرس پر سردار سبکتگین حیدر لغاری،گی کے ساتھ موجود تھا۔دونوں باتیں کر رہے تھے۔شاید اپنے آنے والے وقت کے لیے کوئی اسٹریٹجی پلان کر رہے تھے یا پھر وہ گی کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔کچھ بھی تھا وہ دونوں قریب تھے۔

وہ دھیان ہٹا نہیں سکی تھی۔

کیا سوچ رہی تھی وہ؟

اور اصل صورتِ حال کیا تھی؟

وہ کیسے معاف کرتی اس شخص کو جو اس کی نگاہ کے سامنے اپنی دُنیا آباد کیے ہوئے تھا۔اپنے ایک ناجائز تعلق کے ساتھ دھڑلے سے جی رہا تھا اور شرمندہ تک نہ تھا۔اسے کیسے معاف کرتی وہ۔

اُسے محبت کرنا سکھاتی؟

اُس شخص کو جو شاید رشتوں کے احساس سے بھی واقف نہ تھا۔ اُسے تو محبت کے ہجے بھی نہیں آتے تھے اور وہ اس پر اپنی محنت صرف کرتی۔ اسے اپنے جذبات سونپتی تاکہ وہ اس کے دل کے ساتھ کھیل سکتا۔

پہلے تو وہ صرف اپنے احساسات کے ہرٹ ہونے پر روتی تھی، پھر شاید دل ٹوٹنے کا واویلا کرتی۔ اس شخص سے کیا بعید تھا اور سیفی کہہ رہا تھا اسے محبت کرنا سکھاؤ، اس سے محبت کرو۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی۔ سو فی صد یقین تھا اسے۔ محبت سے کوئی جانور ضرور سدھر سکتا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ہرگز نہیں۔

کوئی خدشہ نہیں تھا یہ۔ کوئی خوف نہیں تھا۔ صرف ایسا ہونے کے صدفی صد چانسز تھے کہ وہ قدم بڑھاتی اور دُکھ اُٹھاتی۔ کیونکہ وہ شخص صرف دکھ دینا جانتا تھا۔

وہ سر اُٹھائے ساکت سی دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری، گی کے ساتھ بات کرتے کرتے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ گی بھی غالباً تبھی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ ہلایا تھا۔ میرب کوئی ردِعمل نہیں دے سکی تھی۔ نہ تو مسکرائی تھی نہ ہی ہاتھ ہلایا تھا۔ بس نگاہ ہٹا گئی تھی۔ اسے اُمید نہیں تھی دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے پاس ہوگا۔ وہ سوچوں کے جال میں اُلجھی ہوئی پول کے شفاف پانی پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا آیا تھا اور پول کے پانی میں پاؤں ڈبو کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''موسم اچھا ہے نا؟'' مسکراتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا باتیں کرنے کے لیے موسم کا تذکرہ کامیاب ترین گر ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید وہ گفتگو کے اس سلسلے کو آگے بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

''ہوا اچھی چل رہی ہے لیکن آسمان پر جتنے بادل ہیں، لگتا ہے بارش ضرور ہوگی''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گفتگو پہلے سے کہیں مختلف تھی۔ میرب اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''میرب! تمہارا کزن بہت سمجھدار لڑکا ہے۔ اس کی باتوں میں دم ہے۔ سچ کہوں، میں اسے بہت بے وقوف لڑکا سمجھتا تھا۔ مگر وہ حیران کن ہے۔ تمہیں اس کی باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مصالحت کی راہ بہترین ہے۔ ماحول سازگار کرنے میں بھی بہت حد تک معاون ہوسکتا ہوں''۔

وہ حیران، ساکت سی دیکھ رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق اس کا قیاس درست تھا۔ وہ ان کے مابین ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ تو یہ مصالحت کی کوشش تھی۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ وہ اس پر اپنا وقت صرف کرے۔ میرب خاموش تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر میرب کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''میرب! اگر سمت صاف نظر آ رہی ہو تو قدم اُٹھانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ دو چار قدم صحیح سمت میں اُٹھ جائیں، یہ زیادہ بہتر

ہے اس کے کہ بے سمت چلتے ہوئے عمر گزار دی جائے‘‘۔ اپنی دانست میں بہترین بات کی تھی مگر میرب سیال نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

’’سردار سبکتگین حیدر لغاری! آپ کی زبان سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ عجیب متضاد انداز ہے آپ کا۔ آپ صرف دوسروں سے ہی کیوں اُمید رکھتے ہیں؟ خود تو آپ غلط کو بھی صحیح سمجھ کر کرنے کے عادی ہیں اور دوسروں سے مصالحت کی اُمید رکھتے ہیں‘‘۔

’’مصالحت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تم انڈر اسٹینڈ کر لو‘‘۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً آج خوشگوار موڈ میں تھا۔ نہ صرف اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں مسکرا رہا تھا بلکہ مزید گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھا۔

’’میرب! آپ کی ایک بات اچھی نہیں ہے۔ آپ سوچتی اور سمجھتی بہت کم ہیں۔ یہ جو دماغ ہے اسے سمجھنے کی عادت ڈالیں۔ کچھ سوچنے کا کام سونپیں۔ فارغ مت چھوڑیں۔ فضول سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ آپ کا پرابلم صرف یہ ہے کہ آپ ایک نقطے کے آگے سوچنا ہی نہیں چاہتی ہیں۔ نہ کچھ دیکھتی ہیں نہ جانچتی ہیں۔ جو ذہن میں پہلی سوچ آتی ہے اسے لے کر آگے بڑھتی ہیں اور سوچ کے گھوڑے دوڑائے جاتی ہیں۔ ان بے لگام گھوڑوں کو روکنے اور بس میں کرنے کی عادت ڈالئے۔ فائدے ہوں نہ ہوں مگر آپ نقصان سے ضرور بچ جائیں گی۔ ضروری نہیں کہ کسی بات کی جانچ پڑتال کیے بغیر اسے حتمی مان لیا جائے، صرف اس لیے کہ صرف آپ کا دل یا صرف آپ کا دماغ ایسا کہہ رہا ہے۔ کبھی کبھی دوسروں کی بات مان لینا بھی اچھا ہوتا ہے۔ ہمیشہ نقصان ہی ہو تو ضروری نہیں، دوسرے صرف آپ کے دشمن ہی ہوں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ دوسرے آپ سے کسی قدر مخلص ہوں۔ شاید آپ سے کچھ زیادہ مخلص۔ آپ یہ کیوں سوچتی ہیں کہ سبھی کچھ آپ کے خلاف ہے اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں‘‘۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

میرب سیال کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

’’آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ میں آپ کی مخالف سمت پر ہوں؟ میں آپ کے ساتھ بھی تو ہو سکتا ہوں‘‘۔ خفیف انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

یہ تیور کچھ نئے تھے۔ پہلے سے کچھ مختلف!

کیا پھر کوئی نیا جال؟

پھر کئی نئی چال؟

میرب سیال اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ اس شخص کی عادت ہو چلی تھی، دھوکا دینے کی۔ وہ ماہر تھا اور اب تو اس کے ہاتھ پھر سیفی کا انوکھا مشورہ بھی لگ چکا تھا۔ گویا ایک نیا طریقہ اسے اسکیپ گوٹ بنانے کا، اس کا اپنا دوست اس کے ہاتھ سونپ چکا تھا۔ ایک بار پھر وہ اس کے احساسات سے کھیلنے چلا تھا۔ ایک بار پھر ایک قاتل منصف بننے چلا تھا۔

بہت آہستگی سے وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

’’ٹرسٹ می!‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں باور کراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب سیال اس کی آنکھوں میں اس کی سچائی

جاننے کی کوشش میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ٹرسٹ می!'' میرب سیال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ سننے والی سماعتیں ایک لمحے میں ہار جاتیں۔

آنکھوں میں وہ رنگ تھے، وہ چمک تھی کہ اعتبار کے سوا کوئی صورت نہ رہتی۔ وہ دل جیتنے کے فن سے واقف تھا۔ اسے علم تھا تیر کب چلانا ہے اور کب وار کرنا ہے۔ کون سی گھڑی سود مند ہے اور کس لمحے حالات کو اپنے بس میں کرنا ہے۔ اسے سب گُر آتے تھے۔ وہ تمام اسلوب سے واقف تھا۔ اسے توجہ سونپنی آتی تھی۔ اپنا اسیر کرنا آتا تھا۔ وہ جانتا تھا کب اسے لگاوٹ کا مظاہرہ کرنا تھا اور کب اجنبی بن جانا تھا۔

وہ جانتا تھا۔ اسے از بر تھے سارے ڈھنگ۔

وہ جیتنے کے سارے پہلو جانتا تھا سو وہ کبھی ہارا نہیں تھا۔

وہ کھیلنا جانتا تھا۔ شاطر دماغ تھا۔ اسے معلوم تھا کہاں، کون سا ہنر آزمانا تھا۔ سو وہ اس گھڑی اس کے سامنے تھا۔

''ٹرسٹ می!'' ہزار ہا اَن کہی باتوں کو جتاتے ہوئے وہ بھرپور زور دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا اس وقت۔ وہ سدا کا ناقابلِ اعتبار شخص اس کا اعتبار چاہ رہا تھا۔

میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ فقط چپ چاپ اس کی آنکھوں میں تکتی رہی تھی۔ شاید وہ سچائی کے کچھ رنگ جانچنا چاہتی تھی ان آنکھوں میں۔ مگر وہ کچھ جان نہ پائی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''تمہیں مجھ پر اتنا اعتبار تو ہونا چاہیے کہ اگر میں کہوں کہ یہ دن نہیں رات ہے تو تم کہو ہاں رات ہے۔ تمہیں تو میری بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرنا چاہیے''۔ وہ مسکراتے ہوئے اس سے اس کا اندھا اعتماد چاہ رہا تھا۔ بلائنڈ ٹرسٹ مانگ رہا تھا۔

واہ!...... کیا دیدہ دلیری تھی۔

میرب سیال چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور تکتا رہا تھا۔

''تم سردار سبکتگین حیدر لغاری پر اعتبار نہیں کر رہی ہو۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ دُنیا کو دیکھنے کا میرا تجربہ بہت زیادہ ہے۔ تمہاری نظر وہاں تک سوچ بھی نہیں سکتی جہاں تک میری نگاہ دیکھ سکتی ہے۔ تم اس پہلو کو جانتی ہی نہیں ہو جس سے میں زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ تمہارے ذہن کے وہ گوشے وا ہی نہیں ہیں جہاں سے میں ایک جہاں کو کھوج سکتا ہوں اور تم مجھ پر ٹرسٹ نہیں کر رہی ہو''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر نرمی سے مسکرایا تھا۔ میرب سیال کی نظروں میں اعتبار کے رنگ پھر بھی نہ اُبھرے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''اب یہ مت کہہ دینا کہ میں اعتبار کے قابل ہی نہیں ہوں۔ اگر چہ میں تمہاری طرف سے ایسی باتوں کی اُمید رکھتا ہوں۔ بہت سیانی ہو تم۔ اپنے فائدے کی باتوں کو خوب سمجھتی ہو مگر کوئی رسک لینا نہیں چاہتی ہو۔ مگر رسک تو لینا پڑے گا۔ رسک تو لینا ہی ہوتا ہے سوئٹی!''

انداز جتانے والا تھا۔" دنیا میں یہ بہت ضروری ہے۔ زندگی میں اس کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔ کوئی نہ کوئی، کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی پر تو اعتبار کرتا ہی ہے۔ اسی سے زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی ہے۔ اعتبار نہ ہو تو ایک سکے کا بھی کاروبار ممکن نہیں اور ہم تو بات رشتوں کی کر رہے ہیں سوئٹی! سوچو، پرکھو، جانچو۔ زندگی یوں نہیں چلتی ہے۔ اس طرح نہیں ہوتا ہے۔ اپنے دماغ کو کھولو۔ کام لینا سیکھو اس سے۔ تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہارا مخالف ہوں، ساتھ نہیں ہوں۔ آزما کر تو دیکھو، تم جان جاؤ گی کہ حقیقت کیا ہے، سچ کیا ہے"۔ اس کی منجمد آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔ یک دم موسم نے کروٹ لی تھی اور بادلوں سے بوندوں کا ایک تسلسل شروع ہو کر زمین کی طرف آنے لگا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا تجزیہ صدفی صد درست رہا تھا۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ بارش شروع ہو چکی تھی۔ میرب سیال نے بھیگنے کے خوف سے یک دم اُٹھ جانا چاہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یک دم اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ فرار کے اس لمحے کو پا نہیں سکی تھی۔ بے بسی سے سر اُٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ لبوں پر خفیف سا تبسم لیے وہ جتانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"مان لو، میرا تجزیہ تم سے بہتر ہے اور اندازہ تم سے کئی گنا درست۔ تمہاری نگاہ وہاں تک نہیں جا سکتی جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں"۔ لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی اور آنکھوں کی چمک دوگنی۔

"تبھی کہتا ہوں میرے تجربے سے کچھ سبق لو۔ کچھ سیکھو۔ میرا تجربہ تم سے کہیں زیادہ اور بھرپور ہے۔ نہ تو میرا مشاہدہ غلط ہو سکتا ہے نہ تجربہ۔ آزما کر دیکھ لو"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے برستی بارش میں اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی۔ بھلے ہی زندگی کے لیے تمہارا تجربہ مجھ سے زیادہ بھرپور سہی مگر میں نے تمہیں دیکھ کر زندگی کو جانچنا سیکھا ہے۔ میری کیلکولیشن کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ تم پر اعتبار کا مطلب ہے خود اپنی شامت کو آواز دینا۔ اپنے نقصان کو خود آپ دعوت دینا۔ ایسا کئی بار ہو چکا ہے اور اب ان سب باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ میں ایسا بارہا کر کے دیکھ چکی ہوں اور اب مزید نہیں کر سکتی۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو چت بھی اپنی چاہتے ہیں اور پٹ بھی۔ تمہیں جیتنے کا جنون ہو چلا ہے بلکہ خبط۔ مگر صرف تمہاری انا کو تسکین دینے کے لیے میں اپنا بھرپور نقصان نہیں کر سکتی۔ تم اعتبار کی بات کر رہے ہو، گی کو اپنے ساتھ رکھتے ہوئے؟...... مجھے بتاؤ یہ اعتبار کی کون سی صورت ہے؟ تمہارا پول کھل چکا ہے۔ سارا معاملہ سامنے آ چکا ہے اور تم بنا شرمندہ ہوئے اپنی ٹھونسے جا رہے ہو۔ مان کیوں نہیں رہے کہ غلطی ہوئی ہے تم سے۔ قصور ہے تمہارا اور ایک بار بھی نہیں کئی بار۔ تم نے جو کیا، ایمان داری سے بتاؤ کیا وہ معاف کیے جانے کے قابل ہے؟" بھرپور اعتماد سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی وہ بولی تھی۔ بارش کا زور بڑھ چکا تھا۔ دونوں تیزی سے بھیگ رہے تھے مگر دونوں کو ہی پرواہ نہیں تھی۔

"ہاں...... میں مانتا ہوں۔ سارا کا سارا قصور میرا ہی تھا۔ جو بھی غلط کیا میں نے ہی کیا۔ تمہاری کبھی کہیں کوئی غلطی نہیں رہی۔

ساری کی ساری غلطیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ سارا قصور میرا ہی تھا''۔ اس کے جارحانہ انداز میں اس کا لہجہ ملائم اور ٹھہرا ہوا تھا مگر میرب سیال کے انداز میں اعتبار کے کوئی موسم نہ تھے۔ وہ اب بھی اتنی ہی خفگی لیے ہوئے، برہم دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر اپنا ہاتھ چھڑا کر اُٹھی تھی مگر عین اسی لمحے بارش کے پانی کے پھسلن کے باعث سنگ مرمر کے بنے اس فرش پر اس کے پاؤں کا توازن برقرار نہیں رہ سکا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ پول کے پانی میں تھی۔ سوئمنگ تو درکنار وہ کبھی پانی کے قریب بھی نہیں جاتی تھی۔ آج بھی پتہ نہیں کون سی دُھن تھی کہ چلتی ہوئی پول کے پاس آ گئی اور پھر پاؤں ڈبو کر بیٹھ بھی گئی تھی اور اب وہ ڈوبتی ہوئی خود کو بچانے کی کوشش میں بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ وہ چیخ نہیں رہی تھی۔ غالباً وہ اس کی مدد لینے کو تیار نہیں تھی مگر سردار سبکتگین حیدری لغاری نے اس کے پیچھے کودنے میں دیر نہیں لگائی تھی مگر پانی کے خوف کے باعث وہ ہاتھ پیر مارنا چھوڑ چکی تھی۔ اس کا وجود پول کی سطح کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اسے تیزی سے لے کر پول کی اوپری سطح پر آیا تھا اور اسے سائیڈ پر ڈالا تھا مگر اس کے باوجود اس میں کوئی حرکت نہ تھی۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

''میرب!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا مگر جواب ندارد تھا۔

''میرب!'' دیوانہ وار پکارتے ہوئے وہ اس پر جھکا تھا۔ نبض ٹٹولی تھی۔ اس سرد پڑتے وجود میں جیسے حرارت کا ایک قطرہ نہ تھا۔ وہ ساکت پڑی تھی۔

''میرب!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟...... ہم تو غالباً شاپنگ کے لیے جانے والے تھے نا؟'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ گاڑی اذہان حسن بخاری کے پورچ میں رُک چکی تھی۔ اذہان نے اُتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور اسے لے کر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

''ہاں...... ہم شاپنگ پر جانے والے تھے۔ مگر اس کام سے ضروری بھی کوئی کام ہے۔ سوچا پہلے اسے سرانجام دے لیا جائے''۔ وہ مسکرایا تھا۔

''کیا؟'' وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چونکی تھی۔

''ابھی بتاتا ہوں''۔ وہ بغور توجہ سے تکتا ہوا مڑا تھا۔ زینے کے اختتام پر فارحہ کھڑی تھیں۔

''تم لوگ شاپنگ کے لیے نہیں گئے؟'' آواز میں حیرت تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ممی! دراصل مجھے کچھ ضروری کام یاد آ گیا تھا۔ دوسرے ساہیہ سے کچھ ضروری بات بھی کرنا تھی۔ سو ارادہ بدل دیا۔ ہم کل چلے جائیں گے''۔

''خیریت؟......ایسی کیا ضروری بات آن پڑی اچانک جو شاپنگ ملتوی کر دی؟'' فارحہ متفکر ہوئی تھی۔

''ارے ممی! ہم فیانسی تو اب ہونے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل تو ہم اچھے دوست تھے اور اب بھی ہیں۔ ہزار باتیں ہیں، ہزار راز ہیں۔ اب سبھی کچھ تو نہیں بتایا جا سکتا نا۔ آپ چائے بھجوا دیجئے۔ ساہیہ! چائے لو گی یا کافی؟''

''کافی''۔ ساہیہ مسکرائی تھی۔ اذہان ماں کی طرف مڑا تھا۔

''ممی! دو کافی پلیز''۔

''ابھی تھوڑی دیر قبل تیری چوائس چائے تھی''۔ ممی نے چھیڑا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ساری زندگی اب تو جھیلنا ہی ہے۔ سوچا ابھی سے اثر پذیری قبول کر لوں''۔ اذہان مسکراتے ہوئے مڑا تھا اور ساہیہ کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

''کیا بات ہے؟......کوئی سیکرٹ ڈسکس کرنا ہے جو یہاں لے آئے ہو؟'' ساہیہ نے ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا پھر آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔ وہ سیکرٹ جو تم سے ڈسکس کرنا ہے، بے حد ضروری ہے''۔

''کیا مطلب؟......تم واقعی کوئی سیکرٹ مجھ سے شیئر کرنا چاہ رہے ہو؟'' ساہیہ بات مذاق میں ٹالتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان نے اس کی جانب تکتے ہوئے اقرار میں سر تسلیم خم کیا تھا۔

''مجھے واقعی تم سے ایک بہت ضروری بات شیئر کرنا ہے''۔

''کون سی بات؟......کہیں تمہیں مجھ سے پیار تو نہیں ہو گیا؟'' ساہیہ نے شرارت سے چھیڑا تھا۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''ہاں، یہ بھی۔ مگر کوئی اور بات بھی ہے''۔

''ارے کیا واقعی؟......قسم کھاؤ، کیا تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟'' وہ شرارت سے ہنسی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے جواباً مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بغور دیکھنے لگا تھا۔

''یہ تم ایسا کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ چونکی تھی۔ انداز سنجیدہ نہ تھا۔ وہ جیسے اس کی سب باتوں کو مذاق میں ٹال رہی تھی مگر اذہان مکمل سنجیدگی سے اسے اس گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کے اس انداز کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''اے اذہان! کیا ہوا؟......کیا بات ہے؟'' وہ کسی قدر سنجیدہ ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''بتاتا ہوں''۔ بہت آہستگی سے اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا تھا۔ ''ساہیہ! ہم زندگی کا اہم ترین سفر شروع کرنے جا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس سے قبل کہ ہم اس راہ پر قدم دھریں سب باتیں پہلے ہی طے پا جائیں۔ جو اُلجھن دیتی ہے، وہ فقط بات نہیں پھانس ہوتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کل کو اس پھانس کو لے کر تمہارا دم گھٹے یا تم مجھ سے کوئی شکوہ کرو۔ میں تم سے اپنی

زندگی کا ایک ایک مخفی گوشہ ڈسکس کر دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں ہر بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کب کیا کیا، کیوں کیا، کس لیے کیا، سب کچھ۔ میری گزشتہ گزری ہوئی زندگی کا ایک ایک ورق، ایک ایک حرف تمہارے سامنے ہوگا۔ آج تم مجھ سے جتنے چاہو سوال پوچھ سکتی ہو مگر آج کے بعد صرف اعتبار ہوگا۔ تمہارے اور میرے بیچ صرف پیار ہوگا''۔ مدھم لہجے میں کی گئی بات کسی خاص سمت اشارہ کر رہی تھی۔ ساہیہ چونک گئی تھی۔

''اس کی......اس کی کیا ضرورت ہے؟'' لہجہ مدھم اور کمزور تھا۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ضرورت ہے......ضرورت ہے ساہیہ! کیا تمہیں میرے پیار کی ضرورت نہیں؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے پوچھا تھا۔ ''تم نہیں جاننا چاہو گی وہ کون تھی، کیسا روپ تھا اس کا، میں کیسے اُسے چاہتا تھا، کیسے تکتا تھا، وہ کیسے رنگوں میں کھلتی تھی، کیسی دِکھتی تھی، جاننا نہیں چاہو گی تم، وہ خواب سی مسافت کیا ہوئی، وہ کیسے خواب سی ملی اور خواب سی جدا ہوئی، جاننا نہیں چاہو گی تم؟ میں اب اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوں، میرا دل کیا چاہتا ہے، کیا کہتا ہے، کوئی راہ اب بھی تکتا ہے یا کہ نہیں۔ میرے دل میں ان دھڑکنوں کے لیے میرا پیار باقی ہے کہ نہیں۔ کیا جاننا نہیں چاہو گی تم؟ میں کیا چاہتا ہوں اب؟ کیا سوچتا ہوں؟'' سرگوشی مدھم تھی۔ اس کے قریب رُک کر اس کے جھکے چہرے کو اوپر اُٹھاتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا۔ ساہیہ اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ ان آنکھوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔

☆......☆......☆

ملگجی سی شام میں عفنان علی خان نے کمرے میں قدم رکھا تو انابیہ شاہ کی سانسیں اُلجھنے لگی تھیں۔

سینے میں دل نے ایسا شور مچایا تھا کہ وہ خود حیران رہ گئی تھی۔ ہر طرف ایک ارتعاش سا تھا۔ دھڑکنوں کا شور کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی مگر کان ان قدموں کی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ بھاری قدم لحہ بہ لحہ اس کی طرف بڑھے تھے اور انابیہ شاہ کے سینے میں موجود دل نے جیسے دھڑکنے کا مزید ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ دل جیسے بند ہونے کو تھا۔ عفنان علی خان نے قریب رُک کر اسے بغور دیکھا تھا پھر شانوں سے تھام کر اسے مقابل کھڑا کیا تھا اور بغور اس چہرے کو تکنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ چہرہ اس کے قریب کر دیا تھا۔ نگاہ سے نگاہ کی دوری بہت مختصر سی تھی۔

اس کی نگاہوں کی تپش، اس کی گرم سانسوں کی حرارت، اس کی قربت......انابیہ شاہ کے لیے کچھ بھی سہنا آسان نہیں تھا۔ نہ تو ان نگاہوں میں دیکھنے کا یارا تھا نہ ان قیامتوں کو جھیلنے کا کوئی تجربہ۔

عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس چہرے کو چھوا تھا۔ انابیہ کی جان جیسے ہوا ہونے لگی تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے کو سرکی تھی مگر عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

''کہا تھا نا، ذہنی طور پر خود کو تیار کرنا شروع کر دو۔ تم اپنے پاس میری امانت ہو اور امانت جتنی بھی دیر رکھی جائے اسے بہر حال سونپنا ہی ہوتا ہے۔ آج، کل یا پرسوں تمہیں اپنا آپ میرے سپرد کرنا ہی ہوگا۔ ہم ہزبینڈ وائف ہیں۔ شادی ہوئی ہے ہماری۔ جب خدا نے ہمیں

ایک کر دیا ہے تو پھر یہ فرضی لکیریں بھی درمیان کیوں رہیں۔دوریاں اچھی ہیں، پاس آنے کی خواہشوں کو اُبھارتی ہیں مگر اب وقت آ گیا ہے کہ ان دوریوں کو سمیٹ دیا جائے''۔اس کے گرد اپنے حصار تنگ کرتے ہوئے عفنان علی خان کہہ رہا تھا اور انابیہ شاہ کی جان نکلنے کو تھی۔

''تمہاری دوری مجھے اچھی لگتی ہے۔یہ گریز اچھا لگتا ہے۔تمہارا مجھ سے یوں نظر چرانا اچھا لگتا ہے۔تم اچھی لگتی ہو مگر تم بالکل اچھی نہیں ہو''۔مدھم سرگوشی میں شکوہ کرتے ہوئے اپنا سر اس کے سر کے ساتھ ٹکایا تھا۔گرم سانسوں کی تپش سے انابیہ شاہ کو اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا۔وہ آنکھیں زور سے میچ گئی تھی اور عفنان علی خان سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

''ہاں......تم بالکل بھی اچھی نہیں ہو......میرا بالکل بھی کوئی خیال نہیں ہے تمہیں۔بالکل بھی نہیں سوچتی ہو تم میرے بارے میں۔ یہ ادراک، یہ ڈھنگ، یہ رنگ، سب سیکھ لو اب''۔

''عفنان......!'' وہ کمزور سا احتجاج کرتی ہوئی تھی۔آنکھیں میچی ہوئی تھیں جیسے کسی ممکنہ خطرے سے بچنا چاہتی ہو۔عفنان اپنی دُھن میں بول رہا تھا۔

''تم سیکھ لو ساری باتیں جو تمہیں مزید دِل کشی دے سکیں۔کئی ڈھنگ تو پہلے بھی از بر ہیں تمہیں۔کئی رنگ تو پہلے بھی نمایاں ہیں''۔

''عفنان!......عفنان! پلیز''۔مدھم لہجے میں جیسے منت کی تھی۔

عفنان نے سنی اَن سنی کر دی تھی۔اس کی گرفت میں وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

''اپنی آنکھیں کھولو۔دیکھو میری طرف۔میں رنگ دیکھنا چاہتا ہوں آج ان کے۔بغور پڑھنا چاہتا ہوں۔آج ان آنکھوں کی سطر سطر میرے لیے ہوگی۔میرے ذکر سے آباد ہوگی۔ان دھڑکنوں کا دھڑکنا صرف میرے لیے ہوگا اور......'' وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''عفنان!......پلیز میری بات سنو۔میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔پلیز، پہلے میری بات سن لو''۔انابیہ شاہ نے کپکپاتے لبوں سے کہتے ہوئے اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنا چاہا تھا۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''کہنے سننے کو اب عمر پڑی ہے جان! یہ سب باتیں تو ہوتی رہیں گی''۔

انابیہ شاہ کی جان پر بن آئی تھی۔

صورتِ حال بس سے باہر ہونے کو تھی۔سب کچھ اختیار سے باہر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔سدِ باب کیا ہوتا ہے، کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔فوری طور پر ذہن ماؤف تھا اور وہ شخص......

کیسی پریشان کن صورتِ حال اس کے لیے پیدا کر چکا تھا۔اس کی کیفیت وہ تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔اس لمحے بہت خوف زدہ نظروں سے وہ عفنان علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی۔آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔اس کی حالت دگرگوں تھی مگر مقابل کو اس پر

ترس آتا تھا یا نہیں، اس کا کوئی اندازہ نہ تھا۔

اسی خوف زدہ انداز میں چلتی ہوئی وہ دیوار سے جا لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی اور دیوار پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے فرار کے سبھی راستے مسدود کر دیئے تھے۔

اس چہرے، ان آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چہرے پر آئے ہوئے ان گیسوؤں کو ہٹانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

کبھی کبھی

میرے دن میں خیال آتا ہے

کہ زندگی

تیری نرم زلفوں کی نرم چھاؤں میں

گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی۔

مگر......

یہ ہو نہ سکا اور......

اور اب یہ عالم ہے

کہ تُو نہیں......

تیری جستجو بھی نہیں......!

چہرے کو چھوتے ہوئے لبوں پر بہت دھیما سا تبسم تھا۔ مدھم سرگوشی میں کوئی کسک سی تھی۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ نگاہ جھکی ہوئی تھی مگر وہ پُرتپش نگاہ اس چہرے پر بدستور پہرہ دے رہی تھی۔ تاثر بھرپور تھا۔ قربت تھی، پسپائی تھی۔

عفنان علی خان کا اس کے نازک شانے پر دھرا ہوا ہاتھ ہٹا تھا۔ نگاہ ایک دم بے تاثر ہوئی تھی۔ پھر بے گانہ ہو کر اس چہرے پر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ یک دم پلٹا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ انابیہ شاہ اس اقدام پر ساکت سی اس جانب تکتی رہ گئی تھی۔

یہ اچانک کایا پلٹ کیسے ہوئی تھی......؟

الاؤ سرد کیسے پڑا تھا......؟

آتش تھا تو بجھ کیسے گیا تھا......؟

وہ کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ شاید یہ فقط اسے زچ کرنے کا انداز تھا یا پھر واقعی......

☆......☆......☆

بعض اوقات جن سے محبت کی جاتی ہے وہ بہت گہرے دُکھ سے دوچار کرتے ہیں۔ ساہیہ کے پاس اس وقت کوئی دوسری راہ

نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ وہ وہاں رُکے اور اذہان حسن بخاری کی ساری باتوں کو سنے۔ حالانکہ نہ تو اس میں ہمت تھی نہ ہی حوصلہ۔ اس کے وجود کی عمارت گرنے کو تھی۔ مگر وہ کھڑی تھی اور اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھ رہی تھی، جیسے شاید اس کی کوئی پراوہ نہیں تھی یا پھر بہت زیادہ تھی، جو وہ تمام حقائق اس کے سامنے پیش کرنا چاہ رہا تھا۔ شاید وہ اس کی ضرورت بہت زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ اسے کیسے سمجھاتی کہ وہ یہ سب سننا نہیں چاہتی ہے۔

وہ یہ سب نہیں سن سکتی ہے۔

اس میں حوصلہ نہیں ہے۔

اور شاید ہمت بھی نہیں۔

مگر یہ بات وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔

کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ دُکھ کی گہرائیاں اتھاہ ہوتی ہیں اور نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔

"ساہیہ! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ......" ساہیہ نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا تھا اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں اذہان! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے کل سے مجھے کچھ سروکار نہیں ہے۔ اگر تمہارے دل میں کوئی خلش ہے تو اس کا سدباب کرو۔ مجھے ان وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو میرا نہیں وہ میں نہیں لے سکتی۔ جو میرا ہے مجھے وہ چاہیے۔ مجھے تمہارا کل نہیں، آج چاہیے اذہان! میں تمہارے آج کے دُکھ سکھ بانٹنا چاہتی ہوں۔ جو کل تم نے بتا دیا وہ بتا دیا۔ میں نہیں جانتی تم ایسا کیوں چاہتے ہو۔ مگر مجھے اس سب کو سننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مگر مجھے فرق ضرور پڑے گا اگر تم اپنے کل سے کبھی آزاد ہی نہ ہو سکو"۔

"یہی تو ساہیہ!...... یہی تو میں نہیں چاہتا ہوں...... میں خود کو اپنے کل سے آزاد کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ میرے کل کی پرچھائیاں کہیں تمہیں میرے آنے والے کل میں مجھ سے بدگمان نہ کر دیں۔ کہیں وہ دل جو آج میری چارہ گری کر رہا ہے، میری دل جوئی کر رہا ہے وہ کل کسی دُکھ سے دوچار نہ ہو جائے۔ اسی لیے...... اسی لیے میں چاہتا ہوں ساہیہ کہ تم سب باتیں جان لو"۔

ساہیہ بہت کرب سے مسکرائی تھی۔

"تم مجھے ایک شکی لڑکی تصور کر رہے ہو؟"

مگر اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"گزری باتیں صرف دُکھ دیتی ہیں اذہان! صرف دل دُکھاتی ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے باعث دکھی ہوں؟" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ملائمت سے مسکرائی تھی۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تو پھر اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔ دبی راکھ میں چنگاریاں اگر ہیں بھی تو وہ بجھ جائیں گی اذہان! مگر اس راکھ کو کریدنے سے شاید دبی ہوئی چنگاریاں بھی شعلہ بن جائیں"۔

''تم خوف زدہ ہو ساہیہ؟'' پتہ نہیں وہ کیا سوچ کر بولا تھا۔

ساہیہ کے پاس اس سوال کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔ جہاں وہ خاموش رہی تھی، وہیں اذہان بولا تھا۔

''ساہیہ! میں یہی ڈر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اسی خوف کو مٹانا چاہتا ہوں''۔

''مگر میرے اندر کوئی ڈر نہیں ہے اذہان!'' ساہیہ کے لبوں پر بہت دم توڑتا تبسم تھا۔ جیسے وہ اپنے اندر ہونے والے انتشار پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ایک بات پوچھوں اذہان؟''

''ہوں''۔

''کیا تم اب بھی اس سے محبت کرتے ہو؟'' ساہیہ نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا اور اذہان حسن بخاری ایک لمحے میں ساکت رہ گیا تھا۔ کوئی جواب نہیں تھا اس کے پاس اس سوال کا۔ اور ساہیہ کو شاید اسی کی توقع تھی، اسی لیے وہ مسکرا دی تھی۔

''ایک مشورہ دوں اذہان! اپنے آپ کو کچھ وقت دو۔ اس دل کو کچھ وقت دو اور شاید اس محبت کو بھی۔ اس لمحے کا انتظار کرو جب محبت اپنی جڑیں تمہارے اندر سے نکال کر باہر کرے یا پھر اور پھیلا لے۔ شاید ایسا مشورہ تمہیں کوئی اور نہ دے سکے۔ مگر میں دے رہی ہوں۔ کیونکہ میں سب سے پہلے تمہاری دوست ہوں۔ اور اذہان! میں اس لمحے تمہاری آنکھوں کو پڑھ رہی ہوں۔ اس چہرے کو پڑھ رہی ہوں۔ مجھے کچھ اور جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی صرف ایک بار جینے کے لیے ہے اذہان! اسے فضول کے سمجھوتوں کی نذر مت کرو جن کو کر کے تم خوش نہ رہ سکو''۔ ساہیہ بہت کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ساہیہ! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اس راہ پر واپس جانے کے لیے کوئی لمحہ نہیں ہے''۔

''تم ایسا اس لیے کر رہے ہو کہ تم اپنی فیملی کے لیے بہت زیادہ جذباتی ہو؟...... خود سے زیادہ ان کے لیے سوچتے ہو؟'' وہ فوری طور پر بولی تھی اور اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''اذہان! سچ بتاؤ۔ کیا تمہارا دل اب بھی وہ خواب نہیں دیکھتا؟ نظریں اس چہرے کو دیکھنے کی ضد نہیں کرتیں؟...... یا یہ سب جھوٹ ہے؟ تمہیں اب بھی کوئی جادوئی چھڑی ہاتھ لگے تو کیا تم اس زندگی کو واپس موڑ کر وہیں سے شروع کرنا نہیں چاہو گے، پھر اسی موڑ سے...... اسی مقام سے؟'' ساہیہ اسے حیران چھوڑ گئی تھی۔ اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''اذہان! کچھ وقت اور دو محبت کو۔ خود کو...... اس حد تک کہ یا تو تم اسے بھول جاؤ یا پھر اس دائرے سے باہر آ جاؤ یا پھر اس تک پہنچ جاؤ''۔

اذہان مسکرا دیا تھا پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ!...... بالکل غلط۔ اگر میں نے کوئی فیصلہ لینا ہوتا تو لے چکا ہوتا۔ مجھے جو کرنا تھا میں کر چکا ہوں۔ تم اگر یہ سمجھ رہی ہو کہ میں اس رشتے کو نباہ نہیں پاؤں گا تو تمہارے یہ سارے قیاس بے بنیاد ہیں۔ میں نے تم سے بندھن باندھنے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے لیے مجھے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری انگیج منٹ اپنے وقت پر ہی ہوگی"۔ اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے میں فیصلہ لیا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

ساہیہ اپنے خدشات کے ساتھ وہاں کھڑی اس خالی خالی منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ اسے ٹھیک طور پر سمجھا بھی پا رہی تھی کہ نہیں یا وہ سمجھتے ہوئے نہیں سمجھ رہا تھا۔

وہ اپنے لیے نہیں، صرف اور صرف اس کے لیے پریشان تھی مگر یہ بات وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ اپنا نقصان سہہ کر بھی صرف اس کا فائدہ چاہتی ہے۔

☆......☆......☆

ردائے زخم تازہ
اوڑھ کر میں بھی
سرِ شہرِ تمنا
طاقِ دل پر
اِک دیا اپنے لہو سے
اور روشن کر رہا ہوں
سنا ہے غم گساری کا کوئی موسم
میری دہلیز تک بھی
آنے والا ہے

اُسے نہیں اُمید تھی کہ وہ بچ جائے گی یا وہ اسے بچا لے گا...... مگر ایسا ہو چکا تھا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لیے مکمل توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"میرب!...... آر یو آل رائٹ؟" میرب کے دیکھنے پر اس نے یوں دریافت کیا تھا جیسے اس کی بہت پرواہ ہو۔ کتنا بڑا ڈرامہ تھا یہ شخص...... تاثرات بدلنا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔ وہ کسی بھی سانچے میں ڈھل سکتا تھا، کوئی بھی روپ اختیار کر سکتا تھا مگر اس کے باوجود وہ میرب سیال کے دل میں گھر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اسے سمجھ گئی تھی۔ بارہا اعتبار کر کے دیکھ چکی تھی اور اب...... شاید مزید اعتبار کی کوئی صورت نہ تھی۔ وہ اس کے باعث کوئی اور نقصان نہیں اُٹھا سکتی تھی، اس لیے اُٹھنا چاہا تھا مگر سر بری طرح چکرایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر

لغاری نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا تھا۔بھیگے ہوئے اس موسم میں جیسے اسے شعلوں نے چھولیا تھا۔وہ ایک لمحے میں واپس پیچھے ہٹی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اس آہنی حصار سے آزاد نہیں کیا تھا۔

وہ بدستور ان بازوؤں کے گھیرے میں تھی۔

دل کی دھڑکنوں کا ارتعاش کچھ بڑھا تھا۔

درونِ جان کوئی جادو سا پھیلا تھا۔

کوئی ان جانا احساس۔

پتہ نہیں یہ جادو موسم کا تھا یا اس کے اندر ہی کوئی لہر اُٹھی تھی۔

کوئی فسوں سا اس کے اندر دوڑتا بھاگتا محسوس ہوا تھا۔

نگاہ ایک پل میں گریز پائی برتنے پر مجبور ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کمزور پتے کی سی مانند کانپتے وجود کو بغور دیکھا تھا۔نگاہ گرمئ شوق لیے ہوئے تھی۔بارش انہیں تیزی سے بھگو رہی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے احساس تک نہ تھا۔وہ واضح انداز میں کانپ رہی تھی مگر وہ جیسے کسی بے خود کے زیر اثر تھا۔

نہ کوئی دوسری بات سوچ رہا تھا نہ سمجھ رہا تھا......شاید وہ کسی ایسے ہی احساس کے زیر خود کو محسوس کر رہا تھا۔شاید کوئی جادو سا دبے پاؤں اس کے اندر بھی پھیل رہا تھا۔

شاید کوئی ان چھوا احساس اس کے دل کو بھی اپنے حصار میں لے رہا تھا۔میرب سیال کی نگاہ اُٹھ نہ رہی تھی کہ مقابل دیکھنے والی نگاہ میں تپش ہی اس قدر تھی۔اس بھیگتے موسم کی خنکی بھی جیسے ایک لمحے میں اڑنچھو تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔شاید وہ ان ٹھہرے لمحوں میں کوئی نئی کہانی لکھنا چاہ رہا تھا یا پھر کوئی نیا تجربہ کرنے کے درپے تھے۔وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھا کہ مقابل کھڑی اس نازک سی لڑکی کی جان کس درجہ قیامت میں گھری ہوئی تھی۔وہ مکمل طور پر بے خبر تھا شاید......یا پھر جانتے بوجھتے ان فسوں خیز لمحوں کی رفاقت کو بڑھانے کے درپے تھے۔

وہ گہری تپش نگاہ جیسے کچھ کہہ رہی تھی۔خاموشی ہی جیسے بول رہی تھی۔فضا میں عجب ایک آہنگ سا تھا۔ہوا کا لہجہ بھی پُر فسوں تھا۔

وصال موسم

تمہارے ابرو کے اِک اِک اشارے کا منتظر ہے

نظر اُٹھاؤ

اور اپنے رستوں پہ کھلنے والے

گلاب دیکھو

سماعتوں سے کہو، خموشی

نگاہ اور آئینے کے مابین

سخن کا آغاز کر رہی ہے

ہوا سے پوچھو

وہ کس بدن کی مہک سے پیہم اُلجھ رہی ہے

سنو یہ موسم وصال کا ہے

سواس کو یوں رائیگاں نہ جانو......

کچھ تھا

اس فضا میں

ہوا میں......

کوئی الوہی احساس

شاید نغمگی

یا پھر کوئی اسم

یا شاید نشہ

کچھ تھا......کہ سارا منظر خواب نگر کا سا تھا

نگاہ کو جو بھی......جہاں تک بھی دکھائی دے رہا تھا

حد نگاہ تک......صرف جادو ہی جادو تھا

اس لمحے کے زیر شاید دل بھی تھے

صرف وہی نہیں

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی غالباً اسی ماحول کے تابع تھا۔اس کی خود کی نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر وہ ان نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ان نگاہوں کی وارفتگی وہ دیکھ نہیں رہی تھی۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے خودی کے احساس سے چور اس کے چہرے پر اپنا چہرہ جھکایا تھا......اور یہی وہ لمحہ اس خواب سے جاگنے کا تھا۔اس سارے طلسمی ماحول سے باہر آنے کا تھا۔وہ ایک لمحے میں اپنے گرد بنے اس حصار کو توڑ کر باہر نکلی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ جادوئی لمحہ اپنے رنگین پَر سمیٹ کر خواب نگر کی سمت واپس لوٹ گیا تھا۔ اُلٹے قدموں واپس چلتے ہوئے اپنے عین سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا جس کی گرم سانسوں کی تپش اب بھی وہ اپنے

چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

جس کا لمس اس کے ارد گرد حصار بنا اب بھی لپٹا ہوا تھا۔

اور جو کھڑا اب بھی اس کی سمت اس ایک خاص تاثر سے متوجہ تھا

وہ یک دم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی اس ماحول سے دور نکلنے لگی تھی۔

یہ دنیا اس کی نہیں تھی۔

خواب بھی اس کے نہیں تھے۔

یہ نگر اس کے لیے نہیں تھا۔

سب کچھ بے پناہ دل کش تھا۔

دل فریب تھا۔

مگر فقط دھوکا تھا۔ صرف فریب......

اور وہ بار بار یہ فریب کھانا نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

خواب کچھ بکھرے ہوئے سے خواب ہیں

کچھ ادھوری خواہش

تشنہ لب آوارگی کے روز و شب

ایک قدموں سے تھکن لپٹی ہوئی

ایک گہری بے یقینی کے نقوش

جانے کب سے دو دلوں پر ثبت ہیں

رات ہے اور وسوسوں کی یورشیں

یہ اچانک

طاق پہ جلتے دیے کو کیا ہوا

صبح ہونے میں تو خاصی دیر ہے

آئینے اور عکس میں دوری ہے، کیوں

روح پیاسی ہے ازل سے

درمیاں تاخیر کا اِک دشت ہے
ناگہاں پھر ناگہاں......
یہ وہی دستک، وہی آہٹ تو ہے
ہاں! گلدان دوریوں، مجبوریوں کے درمیاں
کون آئے گا چلو پھر چلیں
شاید اس کو یاد آئے کوئی بھولی بسری بات
وہ دریچہ بند ہے تو کیا ہوا
چاند ہے اس بام پہ جاگا ہوا

عفنان علی خان سر جھکائے بہت چپ چاپ سا بیٹھا تھا جب لامعہ حق نے اس کے قریب آ کر رُکتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کیا ہوا؟......بہت ڈسٹرب لگ رہے ہو؟''

عفنان علی خان نے بنا اس کی سمت دیکھے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور لامعہ حق اس کی طرف دیکھتی ہوئی جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

یکطرفہ محبت بہت تکلیف دیتی ہے نا؟......دردنا قابلِ برداشت ہوتا ہے نا؟......تو پھر یہ عمل جاری کیوں رہتا ہے؟......ہم ایسا کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

اس کے قیاس پر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''محبت یکطرفہ ہو یا دوطرفہ......دونوں ہی طرح سے تکلیف دیتی ہے۔اس کا ہونا بھی تڑپ ہے اور نہ ہونا بھی کسک......یہ ہر طرح سے جلاتا، تڑپاتا احساس ہے۔مگر......یہی راحت بھی ہے''۔

''ایک بات پوچھوں؟''لامعہ حق نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولی تھی۔''اگر انابیہ کے ساتھ وہ صورتِ حال پیش نہ آتی تو کیا تب بھی تم اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیتے؟......یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتی؟''

لامعہ حق کا سوال بہت کڑوا تھا۔اس کے ہاتھ میں موجود کڑوی کسیلی اس کافی سے بھی زیادہ تلخ۔مگر اس میں حقائق موجود تھے۔وہ حقائق جن سے شاید وہ خون بھی بھاگنا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی......کر بھی نہیں سکتی تھی۔اس کی زندگی میں کوئی اور تھا......کوئی دوسرا......جس کی جگہ اس کے دل میں پہلے سے موجود تھی۔جسے وہ پتہ نہیں کب سے چاہتی تھی اور وہ......جانے وہ کیوں دیوانہ ہو گیا تھا۔

کیوں اسے دیکھتے ہی بے خود ہو گیا تھا۔

کچھ یاد ہی نہ رہا تھا۔

اور جب جاگا تھا......تو وہ نہ رہا تھا۔

اور تب کیا ہو سکتا تھا۔

اب بھی جو اس نے کیا تھا، وہ خود نہیں جانتا تھا اس نے کیوں کیا تھا۔ اس فیصلے کو لینے کی تمام تر ذمہ داری اس کے سر تھی۔ وہ اپنے خاندان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے کے لیے اس نے صرف اپنی من مانی کی تھی۔ ماما، پاپا نے یہ جان کر نہ ٹوکا تھا کہ شاید اس میں اس کی خوشی ہے اور اس کی خوشی کہاں تھی؟

کیا وہ خوشی حاصل کر پایا تھا؟......اس تعلق کو جوڑ کر ایک دن بھی سکون سے سو پایا تھا؟

اس نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''پتہ نہیں، شاید میں نے ایسا کبھی سوچا نہیں''۔ عفنان علی خان کا لہجہ ایسا مدھم تھا جیسے آواز کسی کنویں سے آ رہی ہو۔

''لامعہ! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں''۔

''کیا تم جانتی ہو وہ کون ہے؟'' نگاہوں میں عجیب ایک کرب سا تھا۔

''کون؟......کس کی بات کر رہے ہو؟'' لامعہ چونکی تھی۔

''وہی، جس سے انابیہ محبت کرتی ہے''۔ جملہ میں شاید پھانس تھی جو حلق میں کہیں اٹکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ لامعہ حق نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات ڈسکس نہیں ہوئی۔ انابیہ نے مجھے غالباً کبھی نہیں بتایا کہ وہ کسی سے اس طور انوالو بھی ہے۔ حالانکہ میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے چھپا نہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ بات وہ مجھ سے ڈسکس کرنا مناسب نہ سمجھتی ہو......ہوتا ہے ایسا بھی......بعض اوقات بہت سی باتیں دوستوں میں بھی کھل نہیں پاتیں۔ اور محبت......شاید یہ کوئی ایسا ہی نجی معاملہ ہے''۔

''تو تم بھی اسے نہیں جانتی ہو''۔

عفنان علی خان سر نفی میں ہلاتا ہوا درمیان میں نظر پھیر گیا تھا۔ عجیب منتشر سا انداز تھا۔ لامعہ حق اس کے انداز سے سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کیا چاہ رہا تھا......اگر اُسے اس شخص کے متعلق علم ہو بھی جاتا تو وہ کیا کرتا۔ کیا اس کا جاننا ضروری تھا کہ وہ کون تھا؟

''تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو عفنان! کہ وہ کون ہے؟......کیا اس کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے تمہارے لیے؟''

''اوں......ہوں......میرے لیے نہیں......انابیہ شاہ کے لیے''۔ سر انکار میں ہلاتے ہوئے فوراً وضاحت دی تھی۔ ''وہ جو کوئی

بھی ہے، اس کا ہونا یا نہ ہونا انابیہ کے لیے ضروری ہے''۔

''فرض کرو، تمہیں اس شخص کے متعلق پتہ چل جائے تو کیا تم انابیہ کا ہاتھ اسے سونپ دو گے؟'' لامعہ حق نے کریدا تھا۔ عفنان علی خان ہنس دیا تھا۔

''گولی مار دوں گا اسے۔ ہماری زندگی کوئی فلمی کہانی نہیں ہے لامعہ! جس میں لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کو میں اپنی بیوی کا ہاتھ اس کے عاشق کے ہاتھ میں سونپ دوں گا''۔ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور دوبارہ ہنس دیا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا...... ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ زندگی کوئی فلم نہیں ہے۔ رئیل لائف میں رئیل پرابلم ہوتا ہے۔ مجھے تو یہ احساس بھی سونے نہیں دیتا کہ اس کے دل میں کوئی اور ہے اور وہ جن حالات سے بھی گزری، جس طرح بھی مجھ تک پہنچی، میرے لیے وہ قابلِ قبول ہے۔ مگر وہ کسی اور کو چاہتی ہے...... محبت کرتی ہے...... یہ قبول نہیں کر پا رہا ہوں میں''۔ مدھم لہجے میں کانچ ٹوٹنے کی صدا تھی۔ سر جھکائے بیٹھا بولتا ہوا وہ اس لمحے بہت کمزور، پسپا اور شکست خوردہ لگ رہا تھا۔

''میں ہار چکا ہوں...... مکمل طور پر ہار چکا ہوں...... میں تب بھی نہیں ہارا، جب وہ اچانک کڈنیپ ہو گئی...... تب بھی نہیں ہارا جب وہ چوبیس گھنٹوں تک نہیں ملی...... تب بھی نہیں ہارا جب اس کے زندگی سے خالی وجود کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر ہاسپٹل کی طرف بھاگا تھا۔ میں تب بھی نہیں ہارا جب وہ اپنی زندگی ہار چکی تھی، اس کی سانسیں ختم چکی تھیں۔ جب میں دل ہی دل میں گڑگڑا کر اس کے لیے دیوانہ وار زندگی کی دعا مانگ رہا تھا...... میں تب بھی نہیں ہارا جب وہ مسلسل مجھے ریجیکٹ کرتی رہی۔ میری محبت کو نظر انداز کرتی رہی۔ میں تب بھی نہیں ہارا۔ مگر میں ہار گیا جب اس نے کہا کہ اس کے دل میں کوئی اور ہے...... اس کی ساری محبت کسی اور کے لیے ہے...... میں ہار گیا، ایک دم ہار گیا۔ میرے اندر کی تمام توانائیاں ایک لمحے میں ختم ہو گئیں اور مجھے لگا میں اب کبھی نہیں لڑ سکوں گا۔ وہ نہیں جانتی لیکن اس نے میرے جینے کا جواز ختم کر دیا ہے۔ مجھے ختم کر دیا ہے۔ میں دن رات سوچتا ہوں، کیسا ہے وہ شخص جسے وہ سوچتی ہے؟...... جانتی ہے...... چاہتی ہے...... کیا وہ اسے مجھ سے زیادہ چاہتا ہے؟...... کیا مجھ سے زیادہ اس کی فکر کرتا ہے؟...... کیا مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے؟...... میں سوچتا ہوں اور کوئی جواب نہیں پاتا۔ شاید اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے...... اس کے پاس ہے۔ مگر وہ مجھے بتاتی نہیں ہے اور میں اس سے سننے کا منتظر ہوں۔ کیونکہ یہ ہار بہت عجیب ہے...... بہت پسپا کر دیا ہے مجھے اس نے۔ مگر اب بھی کہیں اندر سے اک آواز مجھے اُکساتی ہے اور میرا دل چاہتا ہے، میں چیخ کر کہوں کہ نہیں...... میں ہارا نہیں ہوں...... کیونکہ میں جی رہا ہوں ابھی۔ مگر میں جانتا ہوں یہ جھوٹ ہے۔ اُس نے مجھے مار دیا ہے۔ مگر وہ جانتی نہیں۔ تم اسے بتاؤ نا...... سمجھاؤ اسے۔ کہو اس سے کہ عفنان علی خان کا جینا اور اس کے بغیر جینا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے...... اور میں واقعی جی نہیں پا رہا ہوں۔ شاید واقعی ہار چکا ہوں۔ مگر ماننا نہیں چاہتا۔

یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے

میں ہارا ہوں

پر مانوں کیوں؟

یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے

جیسے اندر ٹوٹے کچھ

میں ہارا ہوں پر مانوں کیوں؟

یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے

یہ ہار واقعی بہت عجیب ہے لامعہ حق!''لبوں پر ایک دم توڑتا تبسم تھا۔

محبت کیا واقعی اتنی عجیب اور انقلابی نوعیت کی ہوتی ہے؟ سدا کے زندگی سے بھر پور عفنان علی خان کو دیکھتے ہوئے لامعہ حق سوچ رہی تھی۔ ایسا اور کیا تھا اس میں جس نے عفنان علی خان جیسے شخص کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی لیکن اپنے طور پر کوئی جواب نہیں پا رہی تھی۔ شاید محبت ایسے ہی کسی خاموش، کسی ساکت لمحے میں وقوع پذیر ہوتی تھی۔ اتنی خاموشی سے کہ خود کو بھی خبر نہ ہو سکے۔ وہ خود بھی تو اسی محبت کے زیر تھی۔ سامنے بیٹھا شخص اس لیے بھی حد درجہ اہم تھا...... کیوں تھا؟ کس لیے تھا؟ کب سے تھا؟ وہ کچھ نہیں جانتی تھی مگر اس کے بناء کچھ دشوار سا تھا۔ اور یہ بات وہ اسے بتانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ اس کی شکست پر خود کو بھی اسی قدر شکست خوردہ محسوس کر رہی تھی۔ غالباً وہ اس کی وہ پسپائی، وہ تھکن لے لینا چاہتی تھی، تبھی ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟...... کیا میری کہانی اتنی دردناک ہے؟'' پھر یک دم ہنس دیا تھا۔ ''یہ ساری محبت کی کہانیاں اتنی دردناک کیوں ہوتی ہیں؟ سوہنی مہینوال...... ہیر رانجھا...... اور میں بھی...... شاید تم تو نہیں ہونا''۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''دیکھو، سب کام کرنا...... بس محبت مت کرنا...... اچھی دوست ہو میری، اس لیے بہت پتے کی صلاح دے رہا ہوں...... بہت اچھی ہو تم...... میں نہیں چاہتا کہ تم بھی ایسے ہی کسی درد سے دوچار ہو۔ یہ درد جھیلنا آسان نہیں ہے...... میں بہت برا ہوں...... مجھے یاد ہے، ایک بار میں نے بھی تمہارا دل دُکھایا تھا، تم سے اپنی انگیج منٹ ختم کر کے...... مگر میں تمہیں تب بھی اس درد سے بچانا چاہتا تھا۔ شاید اس درد سے بھی اور اس کے بعد آنے والے درد سے بھی...... زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے لامعہ! جب محبت نہ ملے۔ مگر تب زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب پتہ چلے کہ وہ آپ کا نہیں ہے جو آپ کے ساتھ ہے۔ جسے آپ اپنا سب کچھ جان رہے ہیں، آپ اس کے لیے کچھ نہیں ہیں...... نو باڈی''۔ مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ اُٹھا تھا اور پھر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

لامعہ کی آنکھیں اب بھی متواتر بھیگ رہی تھیں۔ وہ اس شخص کے دکھ میں رو رہی تھی جو کسی اور کی محبت میں مبتلا تھا۔ وہ اس کے دکھ پر رو رہی تھی جو اس کے درد سے سرے سے واقف ہی نہ تھا۔

☆......☆......☆

تمہاری یادوں کے نرم جھونکے
اُداس شاموں کے زرد ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
سفر سے لوٹے
تو میں نے دیکھا شکستہ گھر کا اُجاڑ آنگن
مہک اُٹھا ہے
عذاب جاں کے جو سلسلے تھے وہ ٹل گئے ہیں
ہوائے ہجراں سمٹ گئی ہے
درون دل پھر
تمہارے قدموں کی دھیمی دھیمی سی چاپ اُبھری
تو میں یہ سمجھا وصال کی شبھ گھڑی
بس آیا ہی چاہتی ہے
مگر یہ وہم و گماں کی رت ہے
عجب نہیں کہ تمہارے لمس بدن کا نشہ
جو میری آنکھوں کی نیم خوابی سے کھیلتا ہے
سراب نکلے
اور اس سے گہرا عذاب نکلے
جو میں نے اب تک نہیں سہا ہے

میرب سیال نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل یک دم ہی نئے طور پر مرتب کر لیا تھا اور وہ تمام گزشتہ مصروفیات ترک کر دی تھیں جو اسے اس گھر میں انوالو رکھنے پر مجبور کرتے ہوئے مزید زک دے رہی تھیں۔ اس نے اپنے طور پر نئی مصروفیات ڈھونڈ کر خود کو کچھ اس طرح مصروف کرنا چاہا تھا کہ نہ تو اس شخص سے کوئی سامنا ہو، نہ واسطہ باقی رہے۔ کچھ اور اس کے بس میں نہیں تھا۔ مگر اس کے بس میں تھا کہ وہ اپنے طور پر اقدامات کر سکتی تھی۔ سو کر لیے تھے۔ ابھی بھی وہ کیمپس سے لوٹنے کے بعد ایک سائٹ سے انفارمیشن کولیکٹ کر رہی تھی جب وہ چلتا ہوا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ جو ایک انہماک سے مصروف تھی اس لمحے میں سارا کونفیڈنس سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ نظریں اس کی طرف متوجہ ضرور ہوئی تھی مگر وہ اس کی طرف زیادہ دیر دیکھ نہیں سکی تھی۔

جانے کیا تھا...... کیا ہوا تھا اسے۔

کیا تھا اس شخص کی نظروں میں...... کہ وہ پہلی سی رہی ہی نہیں تھی۔

کیا تھا اس لمحے میں کہ......اس کا سارا اعتماد اُڑنچھو ہو گیا تھا۔

وہ اس شخص سے کنی کترانے لگی تھی۔

نظر چرانے لگی تھی۔

راہ بدل کر گزرنے لگی تھی۔

کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معمہ تھا۔

وہ نظریں جھکائے، عجیب کنفیوژڈ انداز میں ہونق سی بیٹھی تھی۔ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھ پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا ہاتھ دھرا تھا اور اس کی جان ایک پل میں مشکلوں سے دوچار کر دی تھی۔وہ نگاہ اُٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھ نہ سکی تھی۔فرار کی متلاشی نگاہ اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو تھاما اور اس کے چہرے کو قدرے اوپر اُٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بھرپور دلچسپی سے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"یہ نگاہ اتنی گریزاں سی کیوں ہے؟......محبت ہو گئی ہے کیا؟" وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا ہوا بھرپور لطف لے رہا تھا۔

"یہ جھکی جھکی سی پلکیں...... یہ اندازِ بے نیازی...... یہ چہرے کا تغیر......نگاہ کا اُٹھنا اور جھک جانا...... دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھنا اور نہ دیکھتے ہوئے بھی برابر خبر رکھنا...... یہ سارے تیور تو محبت والے ہی ہیں۔کہیں دل تو نہیں ہار گئیں؟" کتنی دلچسپی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہیں میرب سیال کے چہرے کو سطر سطر پڑھ رہی تھیں اور وہ حیران رہ گئی تھی۔نظر اُٹھا کر اپنے بے حد قریب کھڑے اس شخص کو دیکھا تھا جو شاید محبت جیسے لفظ کے ہجے بھی ٹھیک طرح سے نہ جانتا تھا۔اور کیسے کیسے انکشافات کر رہا تھا۔

"محبت ہو گئی ہے نا؟......مجھ سے محبت۔دریاؤں، سمندروں سے بھی گہری، بہت گہری محبت۔تمہارا دل وہ گہرے سبز سمندر کی تہہ میں چھپا ہوا سیپ تھا نا جو بارشوں سے واقف تھا نہ موسموں کی تمازتوں سے، نہ لطف بہار کا تجربہ رہا نہ خزاؤں سے واسطہ۔تو پھر اس سیپ میں گہر کیسے بنا سویٹ؟......سچ کہو، کب سے یہ راز دل میں دبائے بیٹھی ہو؟......کب سے بادلوں سے بوندیں سمیٹ رہی ہو اور ہواؤں کو خبر تک نہیں ہونے دے رہیں مگر ایک بات کہوں"۔مدھم سرگوشی میں عجب جنوں خیزی تھی۔نگاہ میں وارفتگی سی تھی۔

"تمہارے بنا کہے بھی میری نگاہ وہ بھید پا گئی ہے......تمہارے دل کی دھڑکنوں نے جو راز اپنے اندر دبا رکھے تھے وہ گہرے راز میرے میرے دل تک پہنچ گئے ہیں۔تمہاری اَن کہی کے بھید میں پا رہا ہوں۔ان نگاہوں کو پڑھ رہا ہوں......تمہاری ان قربتوں کی مہک بھی بتا رہی ہے کہ تمہیں محبت ہو چکی ہے۔بہت چالاک ہو تم......نظر بچا کے گزرنے لگی ہو، راہ بدلنے لگی ہو مگر فضاؤں میں پھیلتے اس احساس کو چھپا کر نہیں روک سکیں۔چھپاتیں بھی کیسے؟......خوشبو ہی تھی۔پھیلنا تھی، ہر سُو پھیل گئی......میرے دل تک پہنچنا تھی، سو پہنچ گئی"۔

اس کا مدھم لہجہ فضاؤں میں بھی الاؤ دہکا سکتا تھا۔توجہ قابلِ دید تھی۔دعوے بلا کے تھے۔

مگر میرب سیال کی منزل یہ نہیں تھی، وہ جانتی تھی۔ تمام تر دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے وہ چیئر کھینچ کر یک دم اُٹھی تھی۔ ارادہ وہاں سے فرار کا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے زچ کرنے کا کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ شاطر تھا۔ جانتا تھا کون سا لمحہ وار کا ہے، کون سا لمحہ پسپائی دے سکتا ہے اور کون سا لمحہ فاتح بنا سکتا ہے۔ میرب سیال کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور ایک مدھم سرگوشی اس کے گرد چپکے چپکے اپنا حصار باندھ رہی تھی۔

''شکست خوردہ ہو، پسپا ہو، دل اختیار سے باہر ہو رہا ہے، سننے کے لیے تیار ہوں''۔ اس لہجے میں بھرپور یقین تھا۔

''کہو کہ میرے بنا دل نہیں لگ رہا...... دھڑکنوں میں ہلچل ہے۔ کوئی خاص بات ہے، تم کہہ دو، میں آنکھیں بند کر کے یقین کر لوں گا۔ کیا کروں، اعتبار کے سوا کوئی چارہ جو نہیں۔ تم نے عجب اک حصار کھینچا ہے۔ فرار کی کوئی راہ چھوڑی ہی نہیں...... آج اگر تم جو مشکلوں میں گھری قیامتوں کے زیر کھڑی ہو تو قصور کس کا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اس کا چہرہ نہ تھا اور وہ صد شکر کرتی ہوئی آنکھیں میچ گئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اسے مشکلات میں گھیر ڈالنا اچھا لگتا تھا۔ تبھی وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آن رُکا تھا۔ نگاہ کی دیوانگی قابلِ دید تھی۔ وہ میرب سیال کو اس طرح پُرشوق انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے آج سے قبل کبھی نہ دیکھا ہو۔

''اس دل کا نا......؟'' بغور اسے دیکھتے ہوئے شہادت کی اُنگلی اس کے دل پر رکھی تھی۔ میرب سیال ساکت سی نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''یہی دل ہے نا...... جو اَب تمہارا نہیں رہا۔ پریشان ہو کہ پرایا ہو گیا''۔ مسکراتے ہوئے پتہ نہیں کیوں اس نے سرنفی میں ہلایا تھا اور پھر یک دم ہنس دیا تھا۔ میرب سیال اس شخص کی بدلتی کیفیات کی عادی تھی مگر اس لمحے وہ اس سے اس قدر قطعاً ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔ تبھی بہت حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اوہ، تو وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔ اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ اس کے جذبات و احساسات کو ٹھوکروں میں رکھ رہا تھا۔ مٹی میں رول رہا تھا، تو ٹھیک سوچا اس نے۔ اگر وہ یا اس کا دل مبتلا ہو جاتا تو وہ یقیناً اس کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کرتا۔ وہ اس کج ادا سے واقف تھی۔ بھرپور انداز میں جانتی تھی اسے۔ تبھی اس لمحے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا۔

''تمہیں خوش فہمیوں میں جینے کی عادت ہو چلی ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری!...... اگر تم اپنی اس احمقوں کی جنت میں خوشی خوشی رہنا چاہتے ہو تو شوق سے رہو کیونکہ نہ تو میرا تمہیں بیدار کرنے کا کوئی ارادہ ہے نہ ہی حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی کوئی کوشش میں کرنے والی ہوں''۔ وہ کسی قدر کھردرے لہجے میں بولی تھی۔

اندازہ تھا کہ وہ اس خواب سے بیدار ہو جائے گا اور اس کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ مگر یہ کیا...... وہ شخص تو ہنس پڑا تھا۔

''تو سو رہا ہوں میں، وہ بھی احمقوں کی جنت میں''۔ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ ''انٹرسٹنگ''۔ ستائش کا انداز خوب تھا۔ ''تو خواب ہی دکھا دو کوئی''۔ ایک خاص پیش کش ہوئی تھی۔ ''دیوانہ ہوں تو اور دیوانہ بنا دو...... کچھ اور پاگل کر دو۔ کیا حرج ہے اگر کچھ لمحے اور عالم مدہوشی میں بسر ہو جائیں۔ جنوں خیزی کی حدوں کو چھونے کی سعی تو کی جا سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ساجد کے پہلی ہی بار کے سجدے

مسجود کو پالیں۔ ریاضتوں کو عمریں بھی تو درکار ہوتی ہیں۔ اگر بے صبری کا یہی عالم ہے تو ریاضتوں کے رائیگاں جانے کا احتمال جینے نہیں دے گا کیونکہ یہ نقصان فقط دل کا ہی نہیں جاں کا بھی ہوگا۔ سوا تنا بے خبر نہ جانو، نہ رائیگاں جانو...... کہ سو رہا ہوں تو سونے دو۔ اسی طور جینے دو"۔ اس شخص کے لبوں پر گہری ہوتی مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں سے ہویدا چمک کوئی پیغام لیے ہوئی تھی مگر میرب سیال نے ڈٹے رہنے کی ٹھان لی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! بہت شاطر شخص ہو تم۔ تمہیں ڈور چھوڑ کر ڈھیل دینا بھی آتا ہے اور یک دم ڈور کھینچنا بھی۔ تم ہزار ہا طریقوں سے واقف ہو...... ہزار روپ ہیں تمہارے۔ کبھی سمجھ میں آتے ہو، کبھی بالکل نہیں آتے۔ مگر ایک بات صاف میری سمجھ میں آتی ہے"۔

"کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے یک دم اس کی بات کاٹ کر براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا اس کی جان مشکل میں ڈال گیا تھا۔

"یہ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے"۔ وہ پھر اسم گری آزما رہا تھا۔ اپنے ڈھنگ دکھا رہا تھا۔ میرب سیال اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"تم صرف دھوکا ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری! اور یہ بات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم صرف کانٹے کی طرح چبھن دینا جانتے ہو اور مجھے زخم زخم ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے"۔

"اوں ہوں......" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا چہرہ ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف پھیرتے ہوئے سر انکار سے ہلایا تھا۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں۔ تمہارے قیاس بہت منفی انداز کے ہیں۔ بالکل تمہاری طرح بودے اور کھوکھلے۔ میں زخموں پر مرہم رکھنا بھی جانتا ہوں۔ کبھی آزمانا چاہو تو آزما لینا...... مجھ سے بہتر مونس اور غم خوار نہیں پاؤ گی"۔ وہ بدستور مسکراتے ہوئے اس کے حوصلے آزما رہا تھا۔ میرب سیال نے اس سے اُلجھنا مناسب نہیں جانا تھا۔ اس لیے اس چہرے پر سے اپنی مزید توجہ ہٹا کر پلٹی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ شاید اس کا پلڑا اس بار بھی بھاری رہا تھا اور اب تک کا فاتح پھر وہی تھا۔ کسی کو شکست خوردہ دیکھنے کا لطف حد سے سوا تھا۔

وہ واقعی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

تمہاری یاد کے جگنو

پسِ شام خزاں

پھر جگمگا اُٹھے

درِ دل پر چراغ کے جلنے سے کچھ پہلے

گزشتہ عمر کے

کچھ بھولے بسرے وعدہ و پیاں
تمہارے لمس کی پرچھائیاں اوڑھے
طواف دل کو آ نکلے
خیال و خواب کے درپن میں جھلکیں
تمہاری خواب ناک آنکھیں
تمہاری حشر ساماں مسکراہٹ
اور تمہارے قرب کی خوشبو
وہ اس خوشبو میں لو دیتا ہوا
اک ادھورے وصل کا امکان
مگر میں تو بہت مدت سے
اپنی رنج ساماں اور لہو روتی ہوئی
تنہائی کی زد پر
کتابِ زیست کے سب منتشر اوراقِ جاں کو
اک نئی ترتیب دینے میں مگن تھا
کہ ایسے میں
تمہاری یاد کے جگنو
پس شامِ خزاں
پھر جگمگا اُٹھے!

بعض چیزیں، بعض باتیں، بعض یادیں نہ کبھی زندگی سے خارج ہو پاتی ہیں نہ ہی دماغ سے۔ان چیزوں کے لیے کس کس خانے میں کوئی ''ٹریش'' بھی موجود ہیں جن میں دانستہ انہیں ڈال دیا جائے اور یہ باقی ماندہ جگہ نہ گھیریں۔

اذہان حسن بخاری نے تجزیہ کیا تھا تو ہر شے کو اسی مقام پر پایا تھا۔

ساہیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔وہ اب کہیں بھی اس کے اندر تھی۔

مگر وہ غلط تھی۔

کہیں نہیں......وہ ہر جگہ تھی۔وہ وقت دے بھی لیتا خود کو تو شاید وہ اس کے اندر سے باہر نہ آتی۔اس کی یادوں کے، باتوں کے

رنگ بہت گہرے تھے۔ اس کے سبھی نقش بہت گہرے تھے...... اس کے بعد بارہا بارشیں برسی تھیں۔ کئی لمحے دبے پاؤں سر کے تھے مگر وہ معدوم نہیں ہوئی تھی۔

اور شاید ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا...... اپنے اندر جھانکنے کے بعد اسے ایک بار پھر سب ناممکن ہوتا دکھائی دیا تھا۔ غالباً اب تک وہ بڑا ''پری ٹنڈز'' رہا تھا۔ اپنے طور پر اخذ کرتا رہا تھا کہ ''صورتِ حال'' اختیار میں ہے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

وہ ساہیہ کی طرف بڑھ رہا تھا...... اسے تھامنے کو ہاتھ بڑھا رہا تھا اور اس کے لیے اس کے اندر کہیں جگہ ہی نہیں تھی۔ تو پھر کیوں تھی یہ جہت مسلسل۔

گر وہ بھول نہیں سکتا تھا تو پھر کیوں تھی یہ زندگی بھی؟...... جب وہ نہیں تھی، شب رائیگاں ہی تھی۔ سب رائیگاں ہی تھا تو پھر یہ مسلسل ہاتھ پیر مارنا کیا معنی رکھتا تھا۔

وہ کیا چاہتا تھا؟ شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا...... محبت نے اسے جس مقام پر چھوڑا تھا وہ موڑ بہت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ اب تک اسی تاریکی میں کھڑا تھا۔ نہ اس کے اندر روشنی تھی نہ کوئی زندگی کی رمق۔ اس نے خود کو غور سے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ مگر وہ شاید وہ پتھر کا ہو چکا تھا۔ اس مقام سے آگے بڑھتا تو کیسے بڑھتا؟

سب بہلاوے تھے...... دھوکا تھا...... فریب تھا...... جو وہ اب تک خود کو دیتا آیا تھا۔ شاید اسے خود سے بھی زیادہ ضرورت دوسروں کو یہ بتانے کی تھی کہ وہ جی رہا ہے۔ شاید ضرورت دوسروں کو زیادہ جتانے کی تھی کہ وہ جی سکتا ہے اور اسی کوشش میں وہ مزید ٹکڑوں میں بٹ رہا تھا۔

وہ بہت دیر سے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا جب اس کے پیچھے آہٹ سی ہوئی تھی۔ پلٹ کر دیکھا تھا۔ ساہیہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ چونکا نہیں تھا اور ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''مجھے لگا تمہیں میری ضرورت ہوگی...... سو چلی آئی''۔

اذہان حسن بخاری ان تمام لمحوں سے واپس باہر آتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ایسا تمہارے دل نے کہا؟''

''اوں...... ہاں''۔ ساہیہ ہنس پڑی تھی۔ ''ویسے مزے کی بات بتاؤں...... میرا دل اکثر مجھے غلط سگنلز ہی دیتا ہے۔ اکثر پتہ نہیں چلتا کہ یہ چاہتا کیا ہے اور کیوں چاہتا ہے۔ خیر تم بتاؤ''۔ وہ مکمل طور پر دوستانہ انداز میں چھیڑتی ہوئی مسکرا رہی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''شاید''۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے شانے اُچکا دیئے تھے۔ ''اگر جھاڑ پر چڑھانے والی خوب صورت لڑکی تم ہوتیں''۔ جواب خلافِ توقع تھا، ساہیہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تم ہاکی اور باسکٹ بال ایک ساتھ کھیل رہے ہو''۔ اطلاع دی تھی۔

''اچھا، تبھی میں کہہ رہا تھا کہ گول ہونے میں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے۔ وہ چونکتا ہوا حیرت سے بھرپور ایکٹنگ کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ ساہیہ نے اس کے شانے پر اپنے نازک سے ہاتھ کا مُکا دے مارا تھا۔

''سدا کے ڈفر ہو تم......کھیلنا تمہیں بالکل بھی نہیں آتا''۔

''ہاں......شاید تبھی ہار رہا ہوں''۔ اذہان کے لبوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔ ساہیہ مسکرادی تھی۔ پھر حوصلہ بندھاتی ہوئی بولی تھی۔

''تم جیت بھی سکتے ہو......اگر تم یہ تعین کرلو کہ تمہیں درحقیقت کھیلنا کیا ہے۔ ہاکی یا پھر باسکٹ بال؟'' لہجے میں شگفتگی ناپید تھی مگر وہ اس کے باوجود کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ ''تمہیں یاد ہے تم جب چھوٹے تھے تو باسکٹ بال کے کتنے برے کھلاڑی تھے۔ تمہیں کھیلنا تب بھی بالکل نہیں آتا تھا۔ یاد ہے فیض چاچو اکثر تمہیں بال ہاتھ میں تھما کر بازوؤں میں اُٹھا کر گول کروانے کے لیے اور دوسرے معنوں میں تمہارا دل خوش کرنے کے لیے بال باسکٹ میں ڈلوایا کرتے تھے''۔ ساہیہ نے یاد دلایا تھا اور اذہان نے ایک گہرا کش لیتے ہوئے سر جھکا کر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ساتھ ہی مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......مجھے تب بھی کھیلنا نہیں آتا تھا''۔ کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔

''اور تمہیں اب بھی کھیلنا نہیں آتا''۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے بھرپور تجزیہ کیا تھا۔

''ہاں......اب بھی نہیں آتا''۔ اذہان حسن بخاری نے ایک بار پھر کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔

''سو ہارنے کا یہ سلسلہ کب تک جاری رکھو گے؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان چند ثانیوں تک یوں ہی اس کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا......پھر مسکرا دیا تھا۔

''ہو اِز آسکنگ؟ مائی فرینڈ، اور فیانسی؟''

''فرینڈ......جسٹ فرینڈ''۔ ساہیہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم پھر باسکٹ بال اور ہاکی ایک ساتھ کھیلنے کی کوشش کررہے ہو''۔ ساہیہ جتاتی ہوئی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اذہان بھی ہنس دیا تھا۔

''ہاں شاید''۔ پھر قدرے توقف سے پوچھا تھا۔ ''تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ اس وقت میں تنہا ہوں اور مجھے کسی اچھے دوست کی ضرورت ہے؟''

''سچ کہوں؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ''میرے دل نے......اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرا دل کبھی غلط سگنلز نہیں دیتا''۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس لمحے ساہیہ کے لبوں پر تھی اور اذہان حسن بخاری اس کی جانب سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ نے اس ساکت ماحول میں بہت آہستگی سے پتھر پھینکا تھا۔

''ہوں''۔

''اگر تمہیں اختیار دیا جائے تو تم اپنی زندگی کو کس رُخ پر موڑنا چاہو گے؟......آگے کی طرف یا پھر پیچھے کی طرف؟'' پتہ نہیں کیا جاننے کی خواہش میں وہ بولی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''مجھے احمقوں کی جنت میں رہنے کا کوئی خاص تجربہ نہیں۔ ورنہ اس سوال کا جواب بہت پرفیکٹ بتاتا''۔ اس نے یکسر مذاق میں ٹالا تھا۔ وہ اس لمحے کوئی ثقیل بات افورڈ نہیں کر سکتا تھا اور ساہیہ غالباً اس کی ہر بات کہنے سے قبل جانتی تھی۔ تبھی مسکرا دی تھی۔

''ساہیہ! چلیں؟'' اذہان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کہاں؟'' وہ چونکی تھی۔

''آئس کریم کھانے۔ کیوں، تمہارا موڈ نہیں ہے؟'' اس کی حیرت بھری آنکھوں میں جھانکا تھا اور اگرچہ اس کا موڈ نہیں تھا مگر وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک کر رہی تھی یا غلط......نہیں جانتی تھی وہ۔ مگر اس کی دل جوئی کی ضرورت اس وقت ایک دوست کو تھی اور وہ ہاتھ نہیں کھینچ سکتی تھی۔

ایسا اس کے لیے ممکن بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

مائی اماں کا فون تھا۔ مگر وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔ غالباً مائی اماں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس آنے والے ''مہمان'' سے آگاہ تھیں۔ اس نے اپنے طور پر کوئی تذکرہ نہیں چھیڑا تھا۔ معمول کے انداز کی بات کی تھی۔ مائی اماں حسب معمول اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر رہی تھیں اور اس نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔ چلتی ہوئی لاؤنج میں آ بیٹھی تھی۔ انداز اتنا کھویا کھویا تھا کہ گی کے وہاں آنے اور اپنے قریب بیٹھنے کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ جب دھیان پڑا تھا تو گی اس کی طرف دوستانہ انداز میں دیکھتی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ میرب سیال کو اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت معلوم نہ تھی لہٰذا اس بات کا اندازہ بھی نہیں کر سکی تھی کہ اس کے ساتھ اس کے تعلقات کی نہج کیا ہونا چاہیے۔ شاید اس لیے وہ کسی مروت کا مظاہرہ تک نہ کر سکی تھی۔

''مائی اماں کا فون تھا؟'' گی نے شاید کوئی موضوع گفتگو ڈھونڈا تھا۔ مگر میرب کو اس کا انداز جانے کیوں کسی بھرپور تفتیش کا سا لگا تھا۔

''ہاں......تم مائی اماں کے متعلق جانتی ہو؟'' میرب نے شستہ انگریزی میں دریافت کرتے ہوئے اسے کسی قدرت حیرت سے دیکھا تھا۔

گی مسکرا دی تھی۔

''ہاں......گین نے سب کے متعلق بتا رکھا ہے''۔

''سب کے متعلق؟'' حیرت قابلِ دید تھی۔

"ہوں"۔ گی نرمی سے مسکرائی تھی۔ میرب مکمل طور پر امپرسڈ دکھائی دی تھی یعنی وہ سردار سبکتگین حیدری لغاری کے اس درجہ قریب تھی کہ......

"مگر تم غالباً میرے متعلق نہیں جانتی تھیں۔ ایسا تم نے خود کہا تھا"۔ میرب نے کھردرے لہجے میں مسکرا کر جیسے کوئی گہرا طنز کیا تھا۔ گی لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی۔

"ہاں۔ میں واقعی نہیں جانتی تھی مگر اس میں بھی قصور میرا نہ تھا شاید۔ نہ میں کوئی قیاس کر پائی۔ کبھی کوئی اندازہ اور......"

"رشتہ اپنے اصل خدوخال میں نہ تھا نا؟" میرب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ گی نے اسے دیکھا تھا۔ اس کے لبوں پر بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ شاید اس کی آنکھوں میں نمی بھی آن ٹھہری تھی۔ گی کو "صورتِ حال" کا کسی طور اندازہ ہوا تھا۔ گی بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔

"تم گین سے محبت کرتی ہو؟" کیسا عجب سوال تھا۔ ایک دوسری لڑکی اس کے رشتے کی وضاحت چاہ رہی تھی جو اس کے وابستہ رشتے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی مگر شاید بہت خاص تعلق رکھتی تھی۔

میرب نے سرد مہری سے گردن پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں...... میں گین سے محبت نہیں کرتی۔ میں صرف اس سے وابستہ ہوں۔ کب تک، کتنے دنوں تک؟...... یہ نہیں جانتی۔ مگر اس رشتے کی معیاد کا تعین نہ ہوتے ہوئے بھی اتنا یقین ہے کہ اس کی عمر فقط چند روزہ ہے۔ کیونکہ ریت پر بنے گھر ناپائیدار ہوتے ہیں اور ہمارے رشتے کی بنیاد بھی بہت گہری نہیں پڑی"۔ بہت سرسری انداز میں مطلع کرتے ہوئے میرب سیال یوں مسکرا رہی تھی جیسے کوئی معمول کی بات ہو رہی ہو۔ گی کو اس کے انداز پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ یا تو اس کا حوصلہ بہت زیادہ تھا۔ یا پھر وہ واقعی ایک باہمت لڑکی تھی۔

"تم گین سے اس درجہ بدگمان ہو؟"

"بدگمان؟" وہ حیرت سے چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ "بدگمان نہیں ہوں میں۔ بدگمانی تو غالباً وہاں ہوتی ہے نا جہاں کوئی تعلق اپنے اصل خدوخال کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا ہو۔ اور ہمارے درمیان رشتے کی تو کوئی ہیئت ہے نہ کوئی وقعت۔ تمہیں پریشانی کی ضرورت نہیں کیونکہ میرب سیال یقیناً تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے"۔ مسکراتے ہوئے یقین دہانی کروائی تھی۔ گی فوری طور پر کچھ بولی نہیں تھی۔ خاموشی سے دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔ شاید وہ کسی قدر شرمندہ ہو گئی تھی مگر میرب اس درجہ لاتعلق تھی کہ وہ اس طرح کی کسی بات کا اندازہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود جن حالات سے گزر رہی تھی اس کے ہوتے ہوئے وہ دوسروں کے احساسات کا خیال کرنا بھول رہی تھی۔ یا پھر اسے رشتوں کو برتنا اب آ رہا تھا۔ وہ ڈھنگ سیکھ رہی تھی، کس تعلق کو کس نہج پر رکھنا چاہیے، آ گیا تھا اسے۔ اور گی کے ساتھ غالباً اس کا رویہ اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔

وہ اس سے حسد محسوس نہیں کر رہی تھی، نہ ہی کوئی خوف...... حالانکہ وہ اس شخص کے انتہائی قریب واقع ہوئی تھی۔

"میں یہاں قیام نہیں کرنا چاہتی تھی مگر گین...... وہ مانا ہی نہیں"۔ گی پتہ نہیں کیوں اپنے طور پر وضاحت دے رہی تھی۔ حالانکہ

میرب نے تو ایسا کوئی سوال دریافت بھی نہیں کیا تھا۔شاید اسی لیے وہ اس لمحے مسکرادی تھی۔

''اگر گین ایسا چاہتا ہے تو کچھ سوچ کر ہی چاہتا ہوگا۔اس کے فیصلے اکثر بہت ایتھنٹک ہوتے ہیں۔وہ جانتا ہے اسے کیا کرنا ہے......شاید اسی لیے وہ نقصان نہیں اُٹھاتا''۔میرب نے اس کے کئی خصائل ایک ساتھ اس کے سامنے پیش کر دیئے تھے اور گی جانے کیوں مسکرادی تھی۔

''تم گین سے بہت ناراض لگتی ہو''۔

''ناراض؟......نہیں،تم پھر غلط سمجھ رہی ہو۔ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے ناراض ہوسکیں''۔

''مگر گین تو کہہ رہا تھا کہ تم دونوں قانونی طور پر ہزبینڈ وائف ہو۔اگرچہ عملاً تمہاری آمد اس گھر میں نہیں ہوئی مگر تم حق تو محفوظ رکھتی ہونا''۔گی جانے اسے کیا جتانا چاہتی تھی۔یا پھر وہ اس سے اس رشتے کے باعث کسی قدر خوف زدہ تھی۔

میرب کسی نتیجے پر پہنچتی ہوئی اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''تو تم مجھ سے خوف زدہ ہو''۔بہت اطمینان بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

مگر گی ہنس دی تھی۔

''نہیں......شاید نہیں......بالکل بھی نہیں''۔ایک لمحے میں گی کی مسکراہٹ اس کا منہ چڑا رہی تھی اور اس کا سارا بھرم ایک لمحے میں جاتا رہا تھا۔بھلا اسے خوف زدہ ہونے کی ضرورت کیا تھی،سردار سبکتگین حیدر لغاری جب اس کے ساتھ تھا۔غالباً خوف زدہ ہونے کی ضرورت تو اسے تھی اور وہ......

وہ ایک دم اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔غالباً ان نامساعد حالات کا سامنا کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔

گی سے ملنا......اس کے ساتھ بیٹھنا......بات کرنا۔

اسے تو یہ سوچ کر بھی گھن آتی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے اس طور وابستہ تھا۔اس سے اور نہ جانے کس کس سے۔یہ ایک نشانی عملاً اس کے سامنے تھی......جانے اور کتنی دعوے دار بن کر آجائیں اور وہ کس کس سے لڑتی۔جس انداز میں سردار سبکتگین حیدر لغاری راہ و رسم بڑھانے کا عادی تھا،اس پر تو کئی ایسے ناقابلِ برداشت رشتے سامنے آسکتے تھے۔فقط گی پر ہی کیا موقوف تھا اور اگر گی یہاں تھی تو سبب کون تھا؟

وہی شخص نا۔

اس کی اجازت تھی......اس کے باعث وہ یہاں تھی نا......اور یہی بات ثابت کرتی تھی کہ قصوروار وہ تنہا نہیں تھی۔کوئی اور بھی اس کے ہمراہ تھا۔

وہ جو ہر بات پر قادر رہتا تھا......وقت کی رفتار جس کے ہاتھ میں تھی......اور جو خود کو حاکم وقت خیال کرتا تھا۔

''آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری!......نفرت ہے مجھے تم سے''۔تمام تر غصہ کمرے کے دروازے پر نکالتی ہوئی وہ بیڈ پر گر گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ آفس میں تھا۔حالانکہ آفس ٹائم کب کا ختم ہو چکا تھا مگر وہ کچھ اور ٹائم وہاں قیام کرنا چاہتا تھا مگر ماما کا فون آ گیا تھا، گھر میں کچھ مہمان آ گئے ہیں......وہ چلا آیا تھا کہ ماں کی بات ٹال نہیں سکتا تھا۔مگر گھر آ کر پتہ چلا تھا کہ مہمان بھی اس سے وابستہ تھے جس سے وہ بھاگ رہا تھا......اوزی اور ممی......مگر وہ انابیہ شاہ کی بے حسی کا بدلہ ان لوگوں سے نہیں لے سکتا تھا۔اس لیے وہ اسی طور ان سے ملا تھا۔اوزی بھرپور شکوہ کر رہا تھا۔

''یار! تم تو دوست ہی زیادہ بھلے تھے......یہ رشتہ کچھ زیادہ راس نہیں آیا۔ہر روز دور سے دور تر ہوتے جا رہے ہو۔کہیں یہ انابیہ تو تمہیں منع نہیں کرتی؟ خود تو ادھر کا رُخ کرتی نہیں، تمہیں بھی آنے نہیں دیتی۔بزرگ صدفی صد درست فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد بندہ دوستوں سے تو جاتا ہی ہے، خود سے بھی جاتا رہتا ہے''۔

عفنان علی خان کے پاس مسکرانے کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔انابیہ شاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی اپنی ماں سے کچھ بات چیت کر رہی تھی۔عفنان علی خان کے متوجہ ہونے پر نگاہ لمحہ بھر کو اس سے ملی تھی اور دوسرے ہی پل وہ اجنبی بن گئی تھی۔

ماہ وش بخاری نے داماد کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور محبت سے بولی تھیں۔

''بیٹا! تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔پہلے تم فریش ہو جاؤ۔باتیں تو ہوتی رہیں گی''۔انابیہ شاہ نے دیکھا تھا۔وہ واقعی اس لمحے کسی قدر تھکن سے چور نظر آ رہا تھا۔گویا اس لمحے ان کے گرد قیام پذیر ہونا فقط اس کی مروت اور کرٹسی ہی تھی۔عفنان علی خان نے وہ احسان مندی سے جھکا ہوا سر دیکھا تھا اور سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔میں تو شرمندہ ہوں کہ اتنے روز تک آپ کی طرف آ نہیں سکا''۔

''بس یار! اب بہانے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ہم جانتے ہیں تُو کتنا مصروف ہے۔اسی لیے ہم خود آ گئے''۔اوزی بولا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''تُو سنا......جا نہیں رہا واپس؟......سنا ہے کوئی لڑکی وڑکی دیکھ لی ہے......شادی کا ارادہ باندھ لیا ہے کیا؟''اوزی ہنس دیا تھا۔

''ہاں......سوچا تو تھا۔مگر تیرا حال دیکھ کر ہمت نہیں پڑ رہی۔سوچ رہا تھا۔مگر پھر کچھ مصروفیات آڑے آ گئیں''۔

''مصروفیات آڑے آ گئیں یا اس لڑکی نے ہری جھنڈی دکھا دی؟''عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔اوزی ہنس دیا تھا۔

''ہاں......یہ وجہ بھی خاصی معقول ہے۔مگر اس سے بھی بڑی وجہ پاپا نے یہاں بزنس کی ذمے داری سونپ کر پیدا کر دی۔اب کچھ ہنر آزما لوں تو پھر سوچتا ہوں۔یوں بھی جب تک لڑکی راضی نہیں ہو گی، کچھ نہیں ہو سکتا۔میں اس کے سفید جھنڈی دکھانے کا انتظار کر رہا ہوں''۔

''ایسی غلطی مت کرنا......یہ انتظار بہت مہنگا پڑے گا تجھے۔کیونکہ اس قوم کا کچھ پتہ نہیں۔اس کے چکر میں تُو نہ ہی پڑ تو بہتر

ہے''۔عفنان علی نے نادر مشورے سے نوازا تھا اور اوزی ہنس پڑا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے تُو۔مگر کیا کروں کمبخت اس دل کا...... مانتا ہی نہیں''۔

''انابیہ شاہ ان کی گفتگو سے انجان نہ تھی۔

''منالو اُسے......اسی میں تمہارا فائدہ ہے اور تمہارے اس دل کا بھی''۔مسکراتے ہوئے اس کے سینے پر ایک محبت بھرا پنچ مارا تھا اور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔ایکسکیوز می!'' وہ اُٹھا تھا۔

''انابیہ بیٹا! دیکھو عفنان کو کسی شے کی ضرورت ہو گی''۔ماہ وش نے بیٹی کو جیسے گہری نیند سے بیدار کیا تھا اور انابیہ شاہ کے لیے اُٹھنا جیسے ناگزیر ہو گیا تھا۔وہ ناچار اُٹھی تھی اور قدم اس شخص کے تعاقب میں ڈال دیئے تھے۔یہ مجبوریاں بھی کبھی کبھی کیا کرواتی ہیں۔ممی اگر نہ کہتیں تو غالباً وہ اس شخص کا سامنا بھی نہ کر پاتی کہ وہ اس کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔آگے بڑھتے قدموں میں کچھ لرزش سی تھی۔وہ کمرے میں پہنچی تو وہ کوٹ اُتار کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔انابیہ شاہ دروازے کے پاس رُک گئی تھی۔نگاہ اُٹھی ہی نہ تھی۔اس شخص سے ملی ہی نہ تھی۔

وہ جیسے اس کی سمت دیکھنے کی ہمت بھی اپنے اندر نہیں پاتی تھی۔

عفنان علی خان نے اسے بت بنے کھڑا دیکھا تھا۔شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے ہاتھ لمحہ بھر کو رُکے تھے پھر جانے کیوں پیش قدمی کر دی تھی۔وہ اس کی جان مشکل میں کرنا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔مگر اس حالت میں اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر انابیہ شاہ کی جان ہوا ہو گئی تھی۔سفید شرٹ کے کھلے بٹنوں کے باعث فراخ سینہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔انابیہ شاہ لرزتی جان سمیٹ کر ایک قدم اُلٹا ہٹاتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی۔نگاہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟......اینی پرابلم؟''عفنان علی خان اس کے خوف کے اسباب جانے بغیر اس کی جانب دیکھنے لگا۔انداز سرسری تھا۔لگاوٹ کا کوئی مظاہرہ نہ تھا۔نہ توجہ قابلِ دید تھی۔مگر انابیہ شاہ کو جانے کیوں پھر بھی دوسری جانب سے ''خطرہ'' محسوس ہو رہا تھا۔

''میں نے پوچھا کوئی مسئلہ ہے؟''عفنان علی خان نے اس کے جواب نہ دینے پر جھنجلا کر دوبارہ دریافت کیا تھا۔انداز میں کسی درجہ اُکتاہٹ سی تھی۔

انابیہ نے فوری طور پر سر انکار میں ہلاتے ہوئے ایک نگاہ اسے دیکھا تھا۔

''تو؟''اس کے وہاں موجود ہونے پر جواز تلاشا تھا۔انابیہ شاہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔کوئی جواز اس کے پاس تھا نہیں۔مگر وہ اپنی سبکی نہیں چاہتی تھی۔تبھی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

''میں جانا چاہتی ہوں''۔

عفنان علی خان کچھ بولا نہیں تھا مگر آنکھوں میں تیرتی واضح حیرت یقیناً اس جملے کی وضاحت چاہتی تھی۔

"کچھ...... کچھ دنوں کے لیے...... ممی کے گھر"۔ انابیہ شاہ نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ عفنان علی خان چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر شرٹ اُتار کر بیڈ پر اُچھال دی تھی۔ انابیہ شاہ کے لیے یہ اقدام قدرے تشویش کا باعث بنا تھا۔

ایک...... دو...... تین۔ درمیان کا گز بھر کا فاصلہ ایک لمحے میں سمیٹا تھا اُس شخص نے۔ اور انابیہ شاہ کی جان قیامتوں کی نذر کر دی تھی۔ ایک خوف سے بھری نگاہ اُٹھی تھی اور دوبارہ جھک گئی تھی۔ عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اُٹھایا تھا اور بہ غور تکتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تھا۔

"نو"۔

انابیہ شاہ نے کسی درجہ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"لیکن......" کچھ بولنا چاہا تھا مگر عفنان علی خان نے ہاتھ اس کے گداز لبوں پر رکھ دیا تھا اور سر نفی میں ہلاتا ہوا بولا تھا۔

"آئی سیڈ نو...... نو مین جسٹ نو"۔ انداز فیصلہ کن تھا اور وہ استفسار کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی استفسار نہ کر سکی تھی۔ کرتی بھی کیسے۔ اس لمحے کیفیت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو تک نہیں۔

وہ شخص اس قدر قریب تھا...... بظاہر سرد مہر تھا مگر سرد مہری کے باوجود شعلوں کی ایک لپک جو آنکھوں سے ہویدا تھی وہ دھڑکنوں میں زیر و بم بپا کرنے کو کافی تھی۔ انابیہ شاہ کے لیے ان لمحوں کو جھیلنا مشکل ترین تھا۔

"اینی تھنگ ایلس......؟" بہت ہی گرم، دہکتی، پُر تپش سانس اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ کی جان پر بن آئی تھی۔

یہ لمحے جو گزر رہے تھے...... "عنایتوں سے بے نیاز" گزر رہے تھے۔

اور جو ان لمحوں پر کوئی "کرم" کی "مہر" ثبت ہو جاتی تو کیفیت کیا ہوتی۔

یہ تپش...... یہ الاؤ...... ابھی اس طور تھا تو "نیاز مندی" کے موسموں کی کیفیت کیا ہوتی؟

"کچھ مزید......؟" مزید دریافت کیا گیا تھا۔ لہجہ اس قدر مدھم تھا مگر سرد مہری اسی طور غالب تھی۔ انابیہ شاہ نے نگاہ اُٹھا کر اس "بے نیاز" شخص کو دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"شیور؟" عفنان علی خان کو جانے کیوں اس کی یقین دہانی مقصود تھی۔ شاید وہ اس چہرے کو، ان آنکھوں کو بغور پڑھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ ایک اُلجھن متواتر اسے ستا رہی ہے۔ انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور پلٹنا چاہا تھا مگر عفنان علی خان نے اس سے قبل ہی ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے فرار کے راستے ایک لمحے میں مسدود کر دیئے تھے۔ انابیہ کا دِل اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

کیا......

کیا چاہ رہا تھا یہ شخص......؟

ارادے کیا تھے اس کے......؟

ایک حشر برپا تھا جان میں......ایک قیامت کے زیر تھی روح۔ مگر مقابل کھڑا وہ شخص اس قدر پُرسکون تھا۔ ایک بار پھر اس کا جھکا چہرہ اُٹھا کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟'' پتہ نہیں وہ اس کی اُلجھنوں کو بڑھانا چاہتا تھا یا کہ گھٹانا۔ وہ قطعاً سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر وہ اس وقت نارمل کیفیات کے زیر قطعاً نہ تھی اور یہ بات وہ اسے سمجھا نہیں سکتی تھی۔ بنا شرٹ کے وہ اس لمحے اس کے مقابل تھا۔ اس کی اسکیچر باڈی نمایاں تھی۔ انابیہ دیکھنا تو کجا، سانس تک نہیں لے پا رہی تھی۔

''میں نے پوچھا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟'' کسی قدر جھنجلا کر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔ انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نن......نہیں''۔ اور اس کے انکار پر مقابل کھڑے شخص کو حیرت ہوئی تھی۔

''تو پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے؟'' بغور تجزیہ کیا تھا۔

''کیا؟'' وہ جانتی تھی اس کی خاموشی سے اس کو وحشت ہو رہی ہے۔ غالباً انابیہ نے بولنا مناسب خیال کیا تھا مگر لہجہ کانپتا ہوا سا تھا۔ شاید آواز ہی نہیں، وہ خود بھی کسی شاخ کی مانند کانپ رہی تھی۔ پتہ نہیں عفنان علی خان کو ''صورتِ حال'' کا اندازہ تھا کہ نہیں۔ وہ اس لمحے بہ غور اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتی کہ تم اس رشتے کو نباہتے نباہتے عاجز آ چکی ہو اور مزید کوئی جبر نہیں سہہ سکتی؟'' اس کی گرم گرم سانسیں اسے اپنے چہرے سے ٹکراتی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ آنکھیں سختی سے میچ کر جیسے ان قیامتوں سے گزرنے کے جتن کر رہی تھی مگر یہ جھیلنا اس کے لیے دشوار ترین تھا۔

''مگر ابھی تم نے کچھ جھیلا ہی کہاں ہے......سہا ہی کہاں ہے کچھ؟......ابھی تو سلسلہ آغاز بھی نہیں ہوا۔ پھر انجام کیسے ممکن ہے؟......پہلے آغاز تو ہو لینے دو، پھر انجام کی بات بھی کر لینا۔ فی الحال یہ قبل از وقت ہے۔ سو ضد نہ کرو۔ کوئی ایسی ضد جو میں پوری نہ کر سکوں۔ تمہیں ملال ہو اور میں بھی افسردہ ہوں کہ تمہاری خوشی کو مقدم نہیں جان سکا''۔ مدھم لہجے میں نہ سمجھ میں آنے والے بھید تھے۔ نگاہ اس چہرے پر جمی ہوئی تھی اور انابیہ کا سارا وجود جیسے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ وہ اسی طرز پر اظہارِ مدعا کر رہا تھا۔

''تمہاری خوشی بھی پوری ہوگی''۔ سرگوشی ایک نئی نوید سنا رہی تھی۔ ''مگر......میری مرضی پوری ہونے کے بعد''۔ مضبوط لہجہ اتنا ہی پُرعزم تھا۔

''نہیں چاہتا کہ کوئی گلہ رہے تمہیں......تم بھی میرا پوری طرح خیال رکھو......جب تک ہو، ہم دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی

شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ رہنا شرط ہے بالکل جینے کی طرح۔ سوان لمحوں کو جینے کی عادت ڈالو۔ شاید اچھا لگے۔ تمہیں بھی اور مجھے بھی"۔ بہت سی باتوں کو باور کراتے ہوئے وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا اور بہت سی گرم گرم پُرتپش سانسوں کو اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے واپس پلٹ گیا تھا۔

انابیہ شاہ کی کیفیت کسی بُت کی سی تھی۔ غالباً نہیں......وہ اس لمحے حقیقتاً پتھر ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

"کیا ہوا؟......ساہیہ بتا رہی تھی کہ تم انگیج منٹ پوسٹ پون کرنا چاہتے ہو؟" فارحہ نے دریافت کیا تھا اور وہ کسی قدر حیران رہ گیا تھا۔ ساہیہ اس وقت وہیں تھی اور ماما کے ساتھ فیشن سے متعلق میگزین پھیلائے غالباً تقریب کے لیے بنائے جانے والے ڈریسز کے لیے ہیلپ آؤٹ کر رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ غالباً فارحہ کو یہ باور کرانے کے لیے کہ صورتِ حال "انڈر کنٹرول" ہے۔

"ایسا آپ سے ساہیہ نے کہا؟"

"ہاں"۔ فارحہ نے مہر ثبت کی تھی۔ "کیوں، کیا واقعی اس میں صداقت ہے کوئی؟" ساتھ ہی یقین بھی چاہا تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"بڑی عجیب ہے یہ لڑکی بھی۔ مجھے بھی کچھ ایسے ہی کہہ رہی تھی کہ وہ ابھی اس کے لیے تیار نہیں اور یہ کہ انگیج منٹ کی ڈیٹ پوسٹ پون کر دی جائے"۔ نظروں میں شرارت چمک رہی تھی۔

فارحہ چونکی تھیں۔

"ساہیہ؟......بھلا اُسے کیا پرابلم ہے؟......ابھی پوچھتی ہوں"۔ پلٹ کر آواز دی تھی۔ "ساہیہ!"

"جی آنٹی......!"

"ذرا ادھر آؤ"۔ فارحہ نے کہا تھا اور ساہیہ اُٹھ کر چلتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔ اذہان مسکراتے ہوئے بھرپور انداز میں ساہیہ خان کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ ماہا کی بچی بھی عجیب ہے......ایک طرف دیپک پروانی سے آؤٹ فٹ ڈیزائن کروا رہی ہے اور دوسری طرف قسم قسم کے فیشن میگزین میں سر کھپا رہی ہے۔ یہ لڑکیوں کو بھی فیشن کا عجیب بخار چڑھا ہے۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں"۔ وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے وہ خود نہ تو اس تقریب سے کوئی واسطہ رکھتی ہو نہ اس کا حصہ ہو۔ فارحہ ہی نہیں، اذہان بھی مسکرا دیا تھا۔

"بیٹا!......آج کل کی بچیوں میں آپ بھی شامل ہوتی ہیں۔ بول تو آپ ایسے رہی ہیں جیسے دادی اماں آپ ہی ہوں۔ سر جھاڑ......منہ پہاڑ......آج تک کسی دُلہن کو اس طرح پھرتے ہم نے بھی نہیں دیکھا"۔

اذہان ہنسے بغیر نہیں رہ سکا تھا اور ساہیہ اس ڈپٹ پر اسے گھورے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

فارحہ نے محبت سے اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

''بیٹا! سب کچھ ماہا سے ہے اور اس کی دوست سے۔ کتنے تھوڑے دن رہ گئے ہیں انگیج منٹ میں اور تم نے ابھی تک یہ ہی ڈیسائیڈ نہیں کیا کہ تم پہنو گی کیا؟......اذہان! میں نے اگینے کو بلوالیا ہے۔ اسے بہت سے اچھے ڈیزائنرز کے متعلق پتہ ہے۔ اسے ساتھ لے لو اور ساہیہ کو بھی۔ اور آج ہی انگیج منٹ کا ڈریس ڈیزائن ہونے کے لیے دے دو......آخر دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ اور ماہا! تم بھی کچھ شرم کرو۔ اپنے لیے اتنی مصروف ہو اور بھابی کے لیے نہیں۔ تمہاری دوست آن لائن مشورہ دے رہی ہے...... یہ نہیں ہوسکا کچھ مشورے بھابی کے لیے بھی لے ڈالوں''۔ فارحہ کی ڈانٹ میں بھی محبت تھی۔ ماہا اور ساہیہ ہی نہیں، اذہان بھی مسکرا رہا تھا۔

''ممی!......ایک بات کہوں؟ آپ کو ڈانٹنا بالکل نہیں آتا۔ ابھی سے ہاتھ کھینچ کر رکھئے۔ بعد میں شکایت مت کیجئے گا، بہو ہاتھ میں نہیں رہی''۔ وہ جلتی پر تیل چھڑک رہا تھا۔ فارحہ نے اس کا کان پکڑا تھا۔

''خبر تو مجھے تیری بھی لینی ہے۔ مجھے میری بیٹی کے خلاف اُکسا کر تُو صاف بچ نکلنا چاہتا ہے''۔ فارحہ نے محبت سے ڈپٹا تھا۔

اذہان نے ہنستے ہوئے سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

''سب چلے گا......مگر کبھی اپنی بہو کو برتری مت دیجئے گا اس بیٹے پر۔ ابھی سے جلن محسوس ہونے لگی ہے مجھے تو اس سے۔ کہیں یہ میری ماں نہ چھین لے مجھ سے''۔ مسکراتے ہوئے ایک آنکھ دبا کر ساہیہ کو دیکھا تھا۔ ساہیہ نے جواباً خطرناک تیوروں سے گھورا تھا۔ اذہان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''ممی! آپ بھول گئیں......اس سے پوچھئے نا، یہ کیا کہہ رہی تھی......وہ......انگیج منٹ والی بات''۔ یاد دلایا تھا۔

''میں پوچھ لوں گی اس سے......تم فی الحال جاؤ یہاں سے۔ مجھے بہت سی ضروری باتیں کرنا ہے اپنی بیٹی سے''۔ فارحہ نے ساہیہ کو ساتھ بھینچا تھا۔ اذہان مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جاتے جاتے اطلاع دینا نہیں بھولا تھا۔

''میں باہر گاڑی میں ہوں......ممی سے بات مکمل ہو جائے تو آجانا۔ ورنہ پھر شکایات کا دفتر کھول کر بیٹھ جاؤ گی کہ کہیں لے کر نہیں جاتا''۔ کہہ کر فوراً پلٹ گیا تھا۔ فارحہ اور ساہیہ مسکرا دی تھیں۔

''تم خوش ہونا......؟'' فارحہ نے محبت سے ساہیہ کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں''۔ سر جھکا کر جواب دیا تھا۔

''مجھے علم تھا......اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ یہ پوسٹ پون کرنے والی بات بھی صرف مذاق ہے جو اذہان ہی پھیلا رہا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایسا ہے نا؟'' فارحہ نے دریافت کیا تھا۔ مگر ساہیہ اس بار کوئی جواب نہیں دے سکی تھی اور فارحہ اس کے چہرے

کو محبت سے تکتے ہوئے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”میں اذہان کی ماں ہوں......اور میں کہتی ہوں کہ میں نے آج سے قبل کبھی اسے اتنا خوش نہیں دیکھا۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن ہے اور قائم بھی۔ باقی سب تو ہنسی مذاق ہے...... جو چلتا رہتا ہے۔ مجھے ایک بات کا یقین ہے اور وہ یہ کہ تم وہ لڑکی ہو جو اذہان کو بہت خوش رکھ سکتی ہے۔ جو اسے جانتی ہے، سمجھتی ہے اور اس کے اندر جھانک سکتی ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی اور شاید اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تم سمجھ دار ہو، میری توقع سے زیادہ۔ جاؤ...... وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ جانے سے قبل اس بات کا یقین کرلو، میرا یقین کامل ہے۔ تم بھی اپنا دل اس یقین سے بھر لو...... جاؤ شاباش“۔

ساہیہ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی اس شخص کی جانب بڑھنے لگی تھی جو غالباً اس وقت اس کا منتظر تھا۔ فارحہ کہہ رہی تھی کہ وہ اپنا دل یقین سے بھر لے...... مگر وہ جانتی تھی فی الفور یہ ممکن نہیں تھا۔

اور ممکن تو یہ بھی نہیں تھا کہ وہ یہ تعلق باندھ لیتی۔ کتنی مشکلوں سے نبرد آزما تھی وہ۔ مگر وہ ان سب کو کیسے بتاتی؟ سب کو اس سے توقعات تھیں۔ مگر وہ اپنے اندر کا کیا کرتی...... خود کا کیا کرتی۔

ایک دل اس کے پاس تھا۔

وہ کیا چاہتا تھا، وہ جانتی تھی۔

مگر یہ ان خواہشات کا راستہ نہیں تھا۔

مگر اس کے باوجود وہ ان راستوں پر چل پڑی تھی۔ کبھی کسی کی خاطر...... تو کبھی کسی کی......

”کیا ہوا؟...... کیا کہا ممی نے؟“ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اپنی طرف کا دروازہ بند کر کے بیٹھی تھی جب اذہان نے اسے کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔ وہ چونکی تھی اور مسکرا دی تھی۔

”نہیں...... کچھ نہیں۔ تم گاڑی چلاؤ۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے نا...... جیولر کی دُکان بند ہو جائے گی“۔ اس کی بے خبری اور بات بنانے کی ادا پر اذہان نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ کسی قدر کھوئی کھوئی سی دکھائی دے رہی تھی، یا شاید کسی گہری سوچ میں تھی۔

”ہم جیولر کے پاس نہیں، ڈیزائنر کے پاس جا رہے ہیں...... تمہاری انگیج منٹ کی آؤٹ فٹ ڈیزائن کروانے۔ ہیو یو اینی ڈاؤٹ؟“ بیدار کرتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

”آں...... ہاں...... یاد آیا...... غالباً ڈیزائنر کے پاس ہی...... بائے دی وے، اگینے بھی آنے والی تھیں نا۔ ممی بتا رہی تھیں تمام ڈیزائنرز کی انفارمیشن تو انہی کے پاس ہے“۔ بات بناتے ہوئے وہ مسکرائی تھی اذہان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اسے ایک نظر بغور دیکھا تھا اور ایک دھیما سا تبسم اس کے لبوں پر کھیل گیا تھا۔

”ساہیہ!...... تم جھوٹ بولنے کی صلاحیت سے واقف نہیں ہو۔ سو پلیز ٹرائی بھی مت کیا کرو۔ صاف پکڑی جاتی ہو۔ تم دوست

ہو میری۔اور یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو حد سے زیادہ جانتے ہیں"۔ جتانے کا انداز لاجواب تھا۔ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔یعنی وہ صاف پکڑی جا چکی تھی۔خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اذہان! ان لمحوں کو روک دو اذہان!...... مجھے ڈر لگ رہا ہے......سارے لمحے خواب سے لگ رہے ہیں۔اور لگتا ہے جیسے ایک پل میں یہ سارا خواب ٹوٹ جائے گا۔پلیز، ٹرائے ٹو اسٹاپ ڈیٹ آل ہیپن...... جو ہو رہا ہے اسے روکنے کی کوشش کرو"۔ساہیہ کی آواز میں خدشے تھے مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

"پاگل مت بنو......ٹرسٹ می ڈیم اِٹ...... کسی اور پر نہیں تو ایک دوست پر تو اعتبار کر سکتی ہو نا۔ٹرسٹ می......آئی ول نیورلٹ یو ڈاؤن...... اعتبار کرو میرا"۔مدھم لہجہ اعتبار سے بھرا تھا اور ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اسے لگا تھا اس نے غلط کیا تھا۔

پاپا کو آنے سے اسے نہیں روکنا چاہیے تھا۔تمام صورتِ حال ان کے گوش گزار کر دینا بہت ضروری تھا۔پھر وہ چاہے جو بھی فیصلہ کرتے......کم از کم اس کے دل پر جو ایک بوجھ سامنوں کے حساب سے پڑا تھا، وہ تو باقی نہ رہتا۔

پاپا اس کے دشمن تو نہ تھے۔کون باپ چاہے گا اس کی اولاد دوزخ کی آگ میں جلے...... پاپا کیسے اس کا برا چاہ سکتے تھے؟......

اگر انہیں تمام صورتِ حال پتہ چل جاتی تو شاید وہ اسے یہاں تنہا اس طرح بے یارو مددگار بھی نہ چھوڑتے۔اس تعلق سے چھٹکارا ملتا یا نہیں، مگر وہ اپنوں کی پناہ میں تو چلی جاتی۔زندگی یوں بے تحفظ تو نہ رہتی۔

تو کیا اسے واقعی پاپا کو سب بتا دینا چاہیے تھا؟

اس نے سوچا تھا۔

اب تک اگر وہ چپ تھی تو صرف ان کی بیماری کے خیال سے۔

وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ان کے لیے یہ انکشافات یقیناً کسی دھچکے سے کم نہ تھے اور خدا جانے یہ دھچکا کیا صورتِ حال دکھاتا۔

وہ سمجھی تھی کہ وہ حالات کو اپنی مرضی سے سدھار لے گی مگر افسوس، اس کے ہاتھ جادو کی کوئی چھڑی نہ تھی اور وقت بھی اس پر مہربان نہ تھا۔سو وہ سوکھی شاخ کی مانند ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

سوکھے......خزاں رسیدہ پتوں پر چلتے چلتے وہ سنگی بنچ پر بیٹھی تھی اور از سرِ نو حالات کا جائزہ لیتے ہوئے سدباب کے متعلق غور کرنے لگی تھی۔وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ کب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا وہاں آیا، کب اس کے پاس بیٹھا وہ جان ہی نہ پائی تھی۔بنچ کی سطح پر رکھے اس نازک سے ہاتھ پر بہت آہستگی سے اس نے اپنا ہاتھ دھرا تھا اور وہ چونکتے ہوئے اسے یوں دیکھنے لگی تھی جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

''کیا ہوا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ ہی نہیں، انداز بھی ملائم تھا۔ بھرپور خیر خواہوں کا سا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ خالی خالی نظروں سے اسے یوں ہی دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اسے شانوں سے تھاما تھا اور نرم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا ہوا؟...... مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' توجہ قابلِ دید تھی۔ کرم تھا تو انتہا تھی کوئی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ محبت جتانے کا کوئی خاص انداز تھا یا حق ادا کرنے کی کوئی ادا۔ میرب سیال کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ نہ ہی وہ دبے پاؤں گزرتا وقت...... ہاں کچھ ساکت سا منظر...... وقت بھی شاید حیراں تھا...... لمحے مجسم تھے...... مگر یہ کوئی طلسماتی کہانی نہیں تھی...... یہ منظر حقیقت تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک ہمدرد کی صورت اس کے سامنے تھا...... قریب تھا...... اور اس کی بھرپور دل جوئی کے جتن کر رہا تھا۔

تو کیا اسے احساس ہو گیا تھا؟

اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے آ گیا تھا وہ؟

کیا اپنے کیے پر پشیمان تھا؟

لبوں پر لفظ نہ تھے۔

لمحوں کی طرح وہ بھی خاموش تھا۔

بس ایک لمس تھا...... ایک بھرپور تحفظ تھا...... ایک بھرپور حصار تھا...... ایک اختیار میں لینے والی گرفت تھی اور اندر تک سرشار کر دینے والی گرم جوشی۔

میرب سیال کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے شفاف پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کوٹ کے شانے میں کہیں جذب ہو گئے تھے۔ اس کے شانے پر اپنی مٹھی کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے وہ آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''جب جانتی ہو پناہ یہی حصار ہے تو خود کو اس قدر اذیت کیوں دیتی ہو؟...... جب علم ہے کہ کوئی اور راستہ ہی نہیں تو پھر یہ راستہ بدل بدل کر چلنا بھی کیوں؟...... جب اتنے سارے اسباب دل کے ساتھ ہیں تو پھر دل سے ہی دشمنی کیوں؟...... بغاوت ہی کرنا چاہتی ہو تو اپنے اندر کے اس منفی احساس سے کیوں نہیں کرتیں؟...... جانتی ہو، جب وقت، یہ لمحے، یہ سارے پل تمہارے اختیار میں ہیں تو انہیں اپنے بس میں کیوں نہیں کر لیتیں؟...... بھول کیوں نہیں جاتیں سب کچھ؟...... کیوں فراموش نہیں کر دیتیں؟...... کڑوی باتیں جب دُکھ دیتی ہیں تو تم ان میٹھی باتوں پر غور کیوں نہیں کرتیں جو تمہیں راحت دے سکتی ہیں؟...... ان میٹھے لمحوں کے متعلق کیوں نہیں سوچتیں جو تمہاری زندگی میں نئے ذائقے بھر سکتا ہے۔ تمہیں رنگوں سے بیر کیوں ہو چلا ہے میرب؟...... جب آس پاس اتنے پھول ہیں تو تم ان سب سے ہٹ کر صرف کانٹوں کے متعلق ہی کیوں سوچتی ہو؟...... تم شبنم سے تر نرم احساسات سے بھرپور پھولوں کو کس طرح نظر انداز کر پاتی ہو جو تمہارے شب و روز کو معطر

کر سکتے ہیں۔تم ان لمحوں کو کیسے پیچھے چھوڑ دیتی ہو سویٹ! جن کی اُنگلی تھام کر تم وقت کی نبضوں کو بھی روک سکتی ہو۔تم چاہو تو کیا کچھ نہیں کر سکتیں ہنی!......تم خود کو بے اختیار کیسے کہتی ہو؟......کیسے سمجھتی ہو خود کو بے بس؟......چاہو تو تمہارے اختیار میں کیا نہیں۔

یہ وقت

یہ لمحے

یہ رنگ

یہ موسم

یہ خواب

سب تمہاری انگلی کے ایک اشارے کے منتظر ہیں ہنی!......انہیں فقط ایک اشارہ دو......اور اس منظر کو بدل دو...... یہ تمہارے اختیار میں ہے......ٹرسٹ می...... یہ سب تمہارے اختیار میں ہی ہے"۔

اس کے شانے پر سر دھرے وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی اور وہ بول رہا تھا۔

"ادراک کا کوئی لمحہ گرفت میں لو سویٹ! نئے رنگ، نئے خواب تمہارے منتظر ہوں گے۔ یہ تمازتیں جو تمہیں جلا رہی ہیں، فقط تمہارے اپنے سبب ہیں......تم ان تمازتوں سے نکل سکتی ہو تو نکلتی کیوں نہیں؟ شبنموں، بارشوں سے تمہیں گلہ کیوں ہے؟ کچھ بھی تو تمہارے خلاف نہیں......جب سب تمہارے ساتھ ہیں تو تم اتنا تنہا محسوس کیسے کر سکتی ہو؟" مدھم سرگوشی میں کوئی بھرپور احساس تھا۔"یو آر ناٹ الون ہنی! یو آر ناٹ الون......" بھرپور یقین دہانی تھی مگر میرب بہت آہستگی سے آنکھیں کھولتی ہوئی اس حصار سے باہر نکلی تھی۔ چند ثانیوں تک اس شخص کے سامنے بیٹھی اسے تکتی رہی تھی پھر اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی پُرعزم قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

گویا وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

اُٹھتے قدم اس کے مضبوط ارادوں کو ظاہر کر رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دور سنگی بینچ پر بیٹھا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس لمحے نہ سمجھ میں آنے والا معمہ تھی۔

اس کے انداز، تیور سبھی پہلے سے بہت مختلف تھے۔

میرب سیال فیصلہ کر چکی تھی......حتمی فیصلہ۔

تمام سلسلے کو وہیں ختم کر دینے کا فیصلہ......ٹھان لی تھی اس نے، اب اور نہیں۔

تو پھر آنکھوں سے آنسو بھی کیوں بہہ رہے تھے؟

سوچ لیا تھا کہ نہیں جینا، نہیں رہنا اس شخص کے ساتھ تو دور جاتے قدم اتنے تھکن سے چور کیوں تھے؟

جب اقدامات صحیح تھے تو یہ بے کلی سی کیوں تھی؟

اس نے پاپا سے بات کرنے کو فون اُٹھایا تھا مگر ریسیور کان سے لگانے سے قبل ہی ہاتھ کسی کے مضبوط ہاتھ میں آ چکا تھا۔ دھندلائی آنکھوں سے اس نے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہونٹوں پر چپ کے تالے لگائے، خاموشیوں کے ساتھ وہ کون سے پیغام اس کی سمت فقط آنکھوں سے بھیج رہا تھا۔ کیا تھا اس کی نگاہوں میں جو اس سے قبل نہ تھا۔

میرب کی پانیوں سے بھری آنکھیں دھند میں لپٹا وہ چہرہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ کہے بغیر اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ریسیور لے کر اس کے ہاتھ سے رکھا تھا اور اس کے ہاتھ کو بہ غور دیکھتے ہوئے اپنے لبوں تک لے گیا تھا۔

”شڈ آئی سے ڈیٹ۔ آئی نیڈ یو؟“ مدھم لہجہ فضاؤں کو اپنے ساتھ باندھ رہا تھا۔

”شُڈ آئی نیڈ ٹو ٹیل یُو ڈیٹ ہاؤ مچ آئی کیئر اباؤٹ یو؟“ وہ کوئی بازی گر تھا۔ بہت آرام سے موسموں کو اپنے بس میں لے رہا تھا۔ میرب سیال کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کی سمت نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکتی یا پلٹ کر کوئی بات کہہ سکتی۔

بہت آہستگی سے ان آنکھوں سے آنسو ٹوٹے تھے اور چہرے پر پھسلتے چلے گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا اجازت لیے ہاتھ مکمل استحقاق سے اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا اور ان تمام موتیوں کو اپنی پوروں پر لے لیا تھا۔

”خوابوں سے ناتا توڑ لو گی تو جیو گی کیسے؟“ اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا مگر سر جھکائے کھڑی میرب سیال کے پاس اس وقت کوئی جواب نہ تھا۔

”کیسے جیو گی میرے بغیر؟...... اتنی دوریاں بڑھا دو گی تو یہ فاصلے سمیٹو گی کیسے؟“ مقابل کھڑے شخص کے لبوں پر کئی سوال تھے۔ مگر وہ قطعاً اس کی سمت سے توجہ ہٹائے منہ پھیرے کھڑی تھی۔

”لک میرب!...... لک ایٹ می! دیکھو میری طرف۔ کس چیز سے بھاگ رہی ہو تم؟...... کس بات سے؟...... کس خوف سے؟“ اسے بغور دیکھتے ہوئے شانوں سے ہاتھ تھام کر اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

”محبت کرنے لگی ہو مجھ سے، اس لیے؟“ اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے وہ دھیمے لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔

”ہار رہی ہو تم...... ہار جاؤ گی اس لیے جی نہیں پا رہی ہو۔ جی نہیں سکو گی میرے بن، اس لیے؟ ہاں، کس لیے؟ یہ محبت آسان نہیں لگ رہی اس لیے؟ مشکل میں گھر گئی ہے جان اس لیے؟...... بتاؤ کس لیے؟...... محبت ہو گئی تو کیا مر جاؤ اس خوف سے؟...... بتاؤ، کیا ہاں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ پھر عجب اِک دیوانگی سے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا اور عجب ہارے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"تو کیا میرب! محبت ہی تو ہے...... اگر ہو گئی ہے تو کیا؟ کب تک خود پر یہ جبر کرتی رہو گی؟...... تم ایک کام کرو، مار دو مجھے۔ تم مار دو۔ مگر یہ خوابوں سے بھاگنا ترک کر دو۔ محبت کوئی ناخوشگوار حادثہ ہے نا۔ ناخوشگوار واقعہ۔ تجربہ کرو گی تو اتنا برا بھی نہ پاؤ گی۔ محبت یوں اچھی چیز نہیں ہے میرب! تم شراروں کو مزید ہوا دے رہی ہو۔ دبانے سے یہ الاؤ مدھم نہیں پڑیں گے، اُلٹا تمہیں جلا دیں گے اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ نہیں چاہتا میں ایسا"۔ اسے اپنے ساتھ بھینچے وہ عجب دیوانگی سے گویا ہوا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں سے بہت چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔

"محبت ہو گئی تو کیا میرب! کیا کرو گی تم؟...... اپنے آپ کو سزائیں دینا بند کر دو۔ اس طرح خود کو دھوکا مت دو"۔ کوئی خواب تھا، نہ کوئی خیال، نہ گمان، نہ کوئی وہم۔ وہ اس لمحے اسے باور کرانے کے درپے تھا۔ وہ حقیقت جس سے وہ خود اب تک بچتا آیا تھا۔ وہ حقیقت جس کے لیے اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں تھی۔

وہ سچ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سچ جسے وہ خود صرف بے وقوفی فرض کرتا تھا۔ بقول اس کے اس نے یہ بے وقوفی کبھی نہیں کی تھی۔ وہ خود ایسی بے وقوفی شاید کبھی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

میرب سیال نے اپنے گرد سے یک دم اس کے بازوؤں کا وہ گرم حصار ہٹا دیا تھا اور تقریباً چیختی ہوئی بولی تھی۔

"نہیں ہے مجھے محبت...... میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ میں نے تم سے محبت کبھی بھی نہیں کی۔ ایک پل کے لیے بھی نہیں...... ایک لمحے کے لیے بھی نہیں...... کبھی بھی نہیں"۔ بھیگی آنکھوں سے سر انکار میں ہلاتے ہوئے وہ بولی تھی۔ "نہیں کرتی میں تم سے محبت...... بالکل بھی نہیں۔ کس خوش فہمی میں ہو تم، ہاں؟...... کس خوش گمانی میں گم ہو؟...... کیا تم خود کو کسی محبت کا اہل سمجھتے ہو؟ کیا سمجھتے ہو تم، محبت ایسے ہی ہو جاتی ہے؟ یونہی چلتے پھرتے؟ اور ہے کیا تم میں ایسا سردار سبکتگین حیدر لغاری! جس سے محبت ہو سکے؟...... بتاؤ مجھے، میں اگر محبت کروں تم سے تو تمہاری کس بات سے؟...... تمہاری کون سی عادت دل جیت سکتی ہے؟ اور سب سے بڑی بات کیا تم اس قابل ہو کہ تم سے محبت کی جا سکے؟ دھوکا ہو تم، صرف دھوکا۔ بہت کھوکھلے ہو تم۔ اور محبت کھوکھلے لوگوں کے اندر کبھی گھر نہیں کرتی۔ اسے زرخیز زمین درکار ہوتی ہے اور وہ تم نہیں ہو...... سردار سبکتگین حیدر لغاری! جو شخص خود محبت جیسے لفظ کا مطلب نہ جانتا ہو اسے دوسروں سے اس کے متعلق بات کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ جتنے دن میں نے تمہارے ساتھ گزارے ہیں ان میں ایک پل بھی ایسا نہیں رہا جب میں نے تم میں کوئی خوش آئند تبدیلی دیکھی ہو۔ تم خود کو نہیں بدل سکتے، نہ بدلنا چاہتے ہو۔ مگر تم چاہتے ہو صرف ایک بات، تمہارے لیے سب کچھ ایک پل میں بدل جائے۔ جیسا جیسا تم چاہتے ہو سب ویسا ویسا ہو جائے۔ سارے رنگ تمہارے، سارے خواب تمہارے، سارے فیصلے تمہارے۔ اور دوسروں کا کیا سردار سبکتگین حیدری لغاری! صرف ہار۔ تم دوسروں کی ہار سے کس طرح کا لطف لینا چاہتے ہو؟...... صرف اس بات کا اطمینان کرنے کے لیے تم جیت گئے ہو، تم دوسروں کو خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو۔ اپنی مرضی، اپنے نظریئے، اپنے فیصلے۔ اور دوسروں کا کیا، تمہارا دل اہم ہے۔ اس کی مرضی اہم ہے۔ اور دوسروں کے لیے تم کیا سوچتے ہیں، وہ بے جان ہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ تم کہانی کو ختم کرنا چاہتے ہو تو صرف

اپنے ڈھنگ سے۔ تمہیں دوسروں کا طے کردہ انجام ناپسند ہے تو صرف اس لیے کہ تم اپنا آپ عزیز رکھتے ہو۔ اس حد تک کہ انجام بھی اپنی مرضی کا طے کردہ چاہتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے، تم نہیں نباہ سکتے یہ تعلق۔ تم نہیں نباہ سکو گے یہ قید و بند۔ نفرت ہے تمہیں ان بندھنوں سے۔ اُلجھن دیتی ہے تمہیں یہ رشتوں کی بیڑیاں...... تم توڑنا چاہتے ہو، آزاد بھی ہونا چاہتے ہو مگر اپنے طریقے سے۔ تمہیں کسی اور کا طریقہ ناپسند ہے۔ کسی اور کا فیصلہ قبول نہیں۔ میں چھوڑ دوں گی تمہیں، یہ ڈر تمہیں لاحق ہے۔ تم نہیں چاہتے میں جاؤں، تمہیں چھوڑوں۔ تمہاری اندر کی انا ہرٹ ہوگی نا۔ تو اسے تسکین دینے کے لیے کیا کرو گے؟ میرا گلا دبا دو گے، میری جان لے لو گے؟...... لو، لے لو۔ لے لو یہ جان بھی۔ مگر میں تمہاری مرضی کا کوئی انجام اپنی زندگی میں نہیں چاہتی"۔ سر انکار میں ہلاتے ہوئے وہ پُرعزم تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے ساکت کھڑا دیکھ رہا تھا۔

"تم ہارنا نہیں جانتے...... تم ہارنا چاہتے بھی نہیں۔ سو راہیں روکو گے میری، جانے نہیں دو گے۔ میں چھوڑ کر چلی بھی گئی تو حیلوں بہانوں سے واپس بلاؤ گے اور واپس بلا کر اپنی مرضی کا انجام لکھو گے۔ جانتی ہوں میں، چھوڑ دو گے ایک دن تم مجھے۔ مگر توڑنے کے بعد...... چھوڑ دو گے مجھے۔ مگر انا کا پندار توڑنے کے بعد۔ میرا وقار، میرا غرور، میرا مان توڑنے کے بعد...... چھوڑ دو گے مجھے جب تمہاری انا کا پرچم تمہیں سر بلند دکھائی دے گا۔ کوئی ملال نہیں ہوگا تب تمہیں کہ ہارے ہوئے نہیں ہو گے۔ اپنی ہار سے ڈر لگتا ہے تمہیں۔ اپنی ہار سے ڈرتے ہو تم۔ روک لو گے مجھے ہر ایک بار۔ روک لو گے ہر بار۔ میں رُک بھی جاؤں گی مگر تمہیں جیتنے دینے کے لیے نہیں۔ کوئی چیلنج دے کر میں تمہیں جیت پر اُکسانا نہیں چاہتی۔ تمہیں شاید جیتنا ہی ہے مگر اس طرح نہیں۔ پلیز، بند کر وا دو ایسا کھیل"۔ میرب سیال کہہ کر پلٹی تھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

مجھ میں یہ انتشار خواب و خیال
اس کی باتوں کے پیچ و خم سے ہے
جز تمہارے بیاں کریں کس سے
وہ شکایت جو ہم کو ہم سے ہے

اندر ایک عجب انتشار تھا۔ کچھ بھی اپنی جگہ نہ تھا۔ بہت دگرگوں سی حالت میں وہ شیشے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر قبل عفنان علی خان دروازے کے اندر سر ڈال کر اسے تیار ہونے کے لیے حکم دے گیا تھا۔ غالباً کہیں جانا تھا۔ وہ ٹھیک سے سن تک نہ پائی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت سے شاید وہ واقف تھا تبھی اس کی مدد کے لیے عریشہ کو اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ عریشہ نے اس کے لیے مناسب ترین آؤٹ فٹ کے ساتھ میچنگ سینڈل اور دیگر چیزیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دی تھیں اور مسکراتی ہوئی اس کا چہرہ تھپتھپا کر وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اپنے لیے منتخب کردہ چیزوں کی طرف آئی تھی۔

ساڑھی۔ بڑی حیرت سے فان کلر کی اس شیفون کی ساڑھی کو دیکھا تھا۔ عفنان علی خان کی طرف سے اسے مشکل میں ڈالنے کا صرف ایک بہانہ تھا۔ اس نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی تھی۔ ہاں، ممی کو پہنتے ضرور دیکھا تھا مگر خود پہننا اور کیری کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ جانتی تھی۔ آج ضرور وہ اسے کسی مشکل میں گھرا دیکھنا چاہتا تھا۔

''بھابی! آپ کو کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہے؟'' عریشہ نے سر اندر ڈال کر جھانکا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر ساڑھی باندھنے لگی تھی پوری ساڑھی زمین پر گرائے وہ چنٹ ڈال رہی تھی جب دروازہ کھلا تھا۔

''کیا عریشہ! کہا نا، تمہاری مدد کی ضرورت نہیں''۔ کسی قدر ناگواری سے کہتے ہوئے وہ مڑی تھی۔ ''میرے لیے یہ کام مشکل ہے نا......''

باقی کا جملہ زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ وہاں عریشہ نہیں، عفنان علی خان کھڑا تھا۔ جہاں وہ بت بنی تھی، وہیں نظریں جھکتی چلی گئی تھیں۔ فوری طور پر اتنی ہمت تک نہ تھی کہ زمین پر پڑی ساڑھی کا آنچل پکڑ کر خود پر ڈال سکتی۔ ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے تھے۔ وہ جہاں تھی، وہیں جم گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت پیش قدمی کی تھی۔ وہ بُت سا وجود اس لمحے فوری طور پر کوئی حرکت نہیں کر سکا تھا مگر ان نظروں میں ایک لمحے ایک خوف واضح دکھائی دیا تھا۔

ایک......

دو......

تین......

جتنا فاصلہ درمیان تھا، عفنان علی خان کے قدم وہ فاصلہ سمیٹ چکے تھے۔

انابیہ شاہ کے اندر ہمت ناپید تھی کہ اپنے اتنے قریب اس شخص کو نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکتی اس کے اندر کی حالت پہلے سے بھی زیادہ دگرگوں تھی۔ عفنان علی خان اس کے بے حد قریب کھڑا اسے چند ثانیوں تک یونہی مبہوت سا تکتا رہا تھا۔ نظارہ کسی قیامت کا سا تھا۔ نظر کیسے نہ جمتی۔ توجہ کے کئی پہلو نکلتے تھے اس منظر سے۔ کوئی بے خبر رہتا بھی تو کس درجہ؟...... انابیہ اس لمحے جیسے دم سادھے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ شہادت کی اُنگلی ایک صراط بناتی ہوئی اس کے گداز لبوں پر آن ٹھہری تھی۔ وہ کسی پتے کی طرح کانپ گئی تھی۔ اندر ایک قیامت سی اُٹھی تھی جیسے۔ جھکتی نظر زمین میں گڑ جانے کو تھی مگر مقابل جو نگاہ تھی اس قدر پُر شوق تھی۔ نہ توجہ کم ہوئی تھی، نہ دیکھنے میں کوئی تعطل واقع تھا۔

''پرہیز گاری کے سارے اصولوں سے واقف ہوں۔ مگر توبہ ٹوٹ جانے پر کوئی جواز پیش نہیں کر سکوں گا''۔ سامنے دیکھتی نگاہ جہاں مبہوت تھی وہیں لہجہ بھی کھویا کھویا سا تھا۔

''کوئی گلہ کرو گی تو عبث ہوگا اگر دیکھ پاؤ تو جان جاؤ کہ اختیار قائم رکھنا آسان نہیں۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہوں۔ خردمندی کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ عجب پاگل ہوں نا...... حشر کا سا عالم ہے اور میں اب بھی انکاری ہوں۔ کتنا بے ایمان ہوں میں''۔ لبوں پر خفیف سی

مسکراہٹ بڑی دل فریب تھی۔ انابیہ شاہ کی جھکی نگاہ اُٹھی نہ تھی۔ چہرے کی کیفیت وہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ عجب بت بنی وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی جلتی نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا۔

''حسین، تراشیدہ خدوخال، یہ ایمان گنوانے پر مائل کرتے تیور، میں خود میں قائم ہوں تو شاید بھرم باقی رکھنے کی کوئی صورت ہی ہوگی۔ جو نام دینا چاہو دے لو''۔ مدھم سرگوشی۔ اس کے سارے وجود کو جیسے کسی الاؤ کا سامنا تھا۔

شاید وہ نظر بہکی ہوئی تھی۔

وہ لہجہ بے راہ رو تھا۔

مقابل شاید اپنے آپ میں نہ تھا۔

شاید آج کچھ ہونے کو تھا۔

کوئی قیامت آنے کو تھی یا پھر آ چکی تھی۔

وہ چاہتی بھی تو شاید روک نہ پاتی۔

قدم بڑھتے تو تعرض کی کوئی وجہ اس کے پاس نہ ہوتی اور......

انابیہ شاہ قیامتوں کے اندر گھری کھڑی سوچ رہی تھی جب وہ جھکا تھا۔ انابیہ شاہ کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہ اس کی ساڑھی کا آنچل اُٹھا رہا تھا۔

شاید وہ گھڑی آنے کو تھی جب قیامت اس کے مقابل ہوتی۔ وہ لمحہ سر پر تھا جب شاید وہ بے بسی کی آخری حد پر کھڑی ہوتی۔ وہ پل اس کے سامنے کھڑا صاف دکھائی دے رہا تھا جو اس سے اس کا سکھ، چین سب کچھ چھین لینے کو تھا۔

وہ اس قیامت سے بچنے کو آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔

شاید یہ لمحہ کبوتر بن جانے کا تھا۔ وہ خطرات سے نمٹنا نہیں جانتی تھی۔ نمٹ نہیں سکتی تھی سوان سے بچنے کو وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ مگر......

کسی ہاتھ نے اس کے شانے کو تھاما تھا۔ ایک ہاتھ کا لمس اس کے شانے پر تھا اور وہ زیادہ دیر اس کبوتر لمحے کی گرفت میں نہ رہ سکی تھی۔ آنکھیں جھٹ سے کھولی تھیں۔ لرزتی پلکیں اُٹھی تھیں۔ مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا اور نظریں ساکت رہ گئی تھیں۔ وہ ہاتھ اس کے شانے پر آنچل رکھ رہا تھا۔ اس کے وجود کو ڈھانپ رہا تھا۔ وہ حیرت سے پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''چیز اپنی ہو تو نہ چرانے کی نوبت آتی ہے نہ لوٹ کھسوٹ کی۔ مجھے جب حاصل کرنا ہوگا، تمہیں تم سے مانگ کر، تمہاری اجازت سے حاصل کروں گا۔ تم خوف زدہ تھیں؟'' وہ جیسے محظوظ ہوتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ ''مجھ سے خوف زدہ ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ بہت اصول پرست اور حق پرست انسان ہوں میں۔ ایمان داری کی آج چھوٹی سی مشق تو دیکھ لی تم نے۔ آئی تھنک، کچھ زیادہ باور کرانے کی

ضرورت باقی نہیں رہی ہوگی‘‘۔ان چمکتی نظروں میں کوئی خاص بات تھی۔انابیہ شاہ کے اس طرح دیکھنے پر وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

’’یہ سچ ہے......میں فرشتہ نہیں ہوں مگر انسان بننے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔سچ کہوں، ایمان لمحہ بھر کو ڈگمگایا ضرور تھا مگر قدم ثابت رہے۔اس ثابت قدمی کی مثال بننے کو کتنی قیامتیں جان پر گزر گئیں، یہ بات کوئی نہیں جانتا۔آئندہ احتیاط برتنا۔دوبارہ ثابت قدمی کا دعویٰ کر سکوں گا نہ ایمان کی مضبوطی کا۔آخر کو بندہ بشر ہوں۔دل بھی رکھتا ہوں اور جذبات بھی‘‘۔شاید اس کے تاثرات سے حظ اُٹھانے کی یہ کوئی صورت تھی۔وہ اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہوا تھا۔انابیہ شاہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔اس سے قبل کہ وہ جاتا، اس نے اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر پلٹنے کی سعی کی تھی مگر وہ سعی مزید گلے آن پڑی تھی۔وہ لڑکھڑائی تھی۔توازن برقرار نہ رہا تھا۔بے ترتیب پڑا آنچل غالباً سب سے بڑی وجہ رہا تھا اور دوسرے ہی پل وہ عفان علی خان کی بانہوں میں تھی۔عفنان اس چہرے کو بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔اس لمحے میں نظروں کی چمک کچھ بڑھی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔انابیہ شاہ ایک لمحے میں توازن برقرار رکھ کر اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان مسکراتا ہوا اسے دیکھتا ہوا پلٹا تھا اور چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔وہ جو اَب تک یوں ہی کھڑی تھی، ایک عجب اثر دیتی ہوئی پلٹنے کو تھی جب وہ مڑا تھا۔

’’جلدی تیار ہو جایئے......ورنہ مجھے سب کچھ منسوخ کرنا پڑے گا۔آپ تیار ہو رہی ہیں نا......؟‘‘اس کی جان قیامت میں ڈالنے کا وہ کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ نے تمام تر غصے کو اپنے اندر کہیں دباتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

’’میری مزید کوئی ضرورت تو باقی نہیں؟ آئی مین اگر آپ کہیں تو عریشہ کو بھجوا دوں، وہ آپ کی ہیلپ کر دے گی‘‘۔

’’نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے‘‘۔وہ نظروں کی مزید تاب نہ لا کر ہیل کو وہیں اُتار کر ساڑھی کے تمام آنچل کو ہاتھوں سے سمیٹ کر پلٹی تھی اور ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی۔

عفنان علی خان مسکراتا ہوا واپس پلٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

’’ایک بات پوچھوں اذہان؟‘‘ آئس کریم کھاتے ہوئے ساہیہ خان مسکرائی تھی۔اذہان حسن بخاری نے اسے پیشگی اطلاع دیتے ہوئے دیکھا تھا۔

’’شیور!......مگر بات ڈھنگ کی ہونا شرط ہے‘‘۔

’’کیا مطلب؟......ساری بے ڈھنگی باتیں ہی میں کرتی ہوں؟‘‘ ساہیہ خان نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

’’نہیں......کچھ بے ڈھنگی باتیں میں بھی کرتا ہوں۔کچھ ہم دونوں مل کر کرتے ہیں جیسا کہ ابھی اس گھڑی کر رہے ہیں‘‘۔اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''اتنے خوب صورت لمحوں کو ضائع کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے، ہاں؟''

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''تم مرد کثرت سے ڈائیلاگ مارنے کے عادی کیوں ہوتے ہو؟...... جانتے ہو نا عورت بے چاری ٹھہری سدا کی بے وقوف۔ دو چار چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے رام کیا جا سکتا ہے تو پھر یہ گر آزمانے میں دیر کیوں کی جائے؟''

اذہان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

''تم ایسا سوچتی ہو؟'' اس کے آئس کریم فلیور میں سے آئس کریم لے کر منہ میں رکھی تھی۔

''میں ایسا سوچتی نہیں ہوں بلکہ سمجھتی ہوں''۔ ساہیہ نے اپنی آئس کریم اس کے آگے سے ہٹاتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''خود کو پوز کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے تمہیں۔ ہر جگہ خود کو ہر کولیس ثابت کرنا چاہتے ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں خود کو تیس مار خان ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ اِیون آئس کریم فلیور لیتے وقت بھی۔ تمہیں اسٹرابری درکار نہیں تھی نا تو اب کیوں؟'' ساہیہ خان تپ کر بولی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''یہ آج کیا ہو گیا ہے تمہیں ساہیہ؟...... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟...... تمہیں اچانک اتنی شکایتیں کیونکر ہو گئیں مجھ سے؟...... اذہان حسن بخاری سے؟'' لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ ''آئی نو، آئی ایم اے کمپلیٹ پیکیج آف ہزبینڈ۔ شکر کرو اتنے آرام سے دستیاب ہوں۔ ورنہ آج کل کے دور میں کہاں ملتا ہے اتنا اوبیڈ ینٹ قسم کا ہزبینڈ''۔

ساہیہ خان نے کسی قدر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ایکسیوز می! تم اور اوبیڈ ینٹ ہزبینڈ''۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''آئی تھنک، یہ اس صدی کا سب سے بڑا جوک ہے...... گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ سے کونٹیکٹ کیجئے۔ آپ نے واقعی اس صدی کا سب سے بڑا جوک مارا ہے''۔

اذہان ہنس دیا تھا۔

''یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیا سارا جھگڑا آج ہی کر لو گی؟...... کہیں تم پرفیکٹ وائف بننے کی پیشگی مشق تو نہیں کر رہیں؟'' اذہان بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''ڈونٹ ٹرائی ٹو بی اوور اسمارٹ ہاں...... اب تم میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے چکنی چپڑی باتوں کا استعمال مت کرو۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں میں تم آدمیوں کی سائیکالوجی''۔ بہت دنوں بعد وہ پہلے والی ساہیہ لگ رہی تھی۔ ترکی بہ ترکی بولنے والی۔ نہ ڈرنے والی، نہ جھکنے والی۔ بے ساختہ ہر بات کہہ دینے والی۔

اذہان اُسے بغور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اچھا، تو میں چکنی چپڑی باتوں کا استعمال کر رہا ہوں۔ بائی دی وے، تم جانتی کیا ہو ہم مردوں کی سائیکالوجی کے بارے میں؟...... بتاؤ، کیا خرابی ہوتی ہے ہم میں؟ اچھے خاصے وفادار ہوتے ہیں ہم لوگ یار! تم لوگ دن کو دن کہنے کے لیے کہتے ہو تو ہم کہتے ہیں۔ جہاں کھڑا ہونے کے لیے کہتی ہو ہم اچھے بچوں کی طرح گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں۔ اور کیا کریں، بتاؤ؟ اپنی پوری زندگی اتنی لمبی طویل رنگین زندگی جسے مزید رنگین کر کے گزارا جا سکتا ہے، ہم تم لوگوں کے لیے، فقط ایک چہرے، ایک دل، ایک نظر سے وابستہ ہو کر دن رات تمہیں دیکھتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اور کیا ہاں؟ اور کیا ایکسپکٹ کرتی ہو تم خواتین ہم سے، بتاؤ''۔ اذہان حسن بخاری نے صورتِ حال سے بھرپور لطف لیا تھا۔

''ایکسکیوزمی! کیا کہا آپ نے؟...... ایک چہرے کو، ایک دل کو، ایک نظر کو دیکھتے ہوئے تم ساری زندگی گزار دیتے ہو۔ تم لوگ جو جنگل میں بھی منگل کرنا جانتے ہو، ان کونوں کھدروں میں، چھوٹی چھوٹی درزوں میں بھی تم انجوائے منٹ کے بہانے خوب ڈھونڈ لیتے ہو۔ ایک نظر کو دیکھتے ہوئے تم نظروں کو اور بہ غور دیکھ لیتے ہو۔ چور چوری سے جا سکتا ہے، ہیرا پھری سے نہیں۔ تم اپنی زندگی کو رنگین بنانا بخوبی جانتے ہو۔ ورنہ آپ کا دم گھٹ جائے۔ آپ مر نہ جائیں؟'' ساہیہ کی طرف سے بھرپور جوابی ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ کسی قدر حیران تھی مگر وہ پوری توجہ سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں...... واقعی، ہم تو مر جائیں اگر کوئی آپ جیسا ہماری زندگی میں نہ ہو۔ واقعی مر تو جائیں اگر آپ سا ہاتھ، ہاتھ میں نہ ہو''۔ اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے اس نے بہت بڑا ڈائیلاگ مارا تھا۔ ساہیہ نے اسے دیکھا تھا اور مسکرادی تھی۔

''اُتر آئے نا اپنی اصلیت پر۔ یہ تم لوگوں کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ تیر اچھا ہے اور بروقت بھی۔ مگر میں یقین کیسے کروں اذہان حسن بخاری! جبکہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی نظریں مجھے کم اور میرے پیچھے والی میز پر بیٹھی لڑکی کو زیادہ دیکھ رہی ہوں۔ وہی کونوں کھدروں سے رنگ ڈھونڈنے والی بات ہوگئی نا''۔ جتاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہارا جواب نہیں ساہیہ!...... سیانے ٹھیک کہتے ہیں۔ بے وقوف محبوبہ زیادہ بہتر ہوتی ہے بجائے ایک عقل مند بیوی کے۔ بٹ ٹرسٹ می، آئی وِل بی آل ویز یور۔ پوری سچائی سے، ایمان داری سے۔ یقین کرلو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہوگا۔ مجھ سمیت۔ ایمان، اُمید، محبت، سب کچھ...... کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ دو چار سالوں بعد جب تم اتنی خوب صورت بھی نہیں رہو گی تب بھی نہیں۔ اور دس سالوں بعد جب کچھ موٹی ہو جاؤ گی تب بھی نہیں۔ اور کچھ سالوں بعد بھدی ہو جاؤ گی تب بھی نہیں''۔

ساہیہ نے اسے گھورا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''کم آن یار! شہر میں اتنے سارے سلمنگ اور فٹنس کلب کس لیے ہیں؟ اور بیوٹی سیلون کس دن کام آئیں گے؟''

''اذہان!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔''اٹس ٹو مچ ہاں''۔ ہاتھ اُٹھا کر اسے وارننگ دی تھی مگر اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو بہت گرم جوشی سے اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''ساہیہ! مجھے واقعی تمہاری بہت ضرورت ہے۔ ایک دو قدم کے لیے نہیں، تمام عمر ساتھ چلنے کے لیے۔ ایک دو لمحوں کے لیے نہیں، تمام عمر ساتھ رہنے کے لیے۔ مجھے واقعی تمہاری ضرورت ہے''۔ لہجہ خالص اور بھرپور تھا۔ یہ نہ تو کوئی مذاق تھا نہ کوئی روایتی جملے۔ وہ اس وقت واقعی دل سے یہ سب کہہ رہا تھا۔ ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''بہت ڈرنے لگی ہوں اذہان!...... بہت زیادہ خوف زدہ رہنے لگی ہوں۔ سب خواب جیسا لگتا ہے۔ ڈرتی ہوں آنکھ کھلے تو خود کو کسی گمان میں نہ پاؤں۔ ابھی جو خود کو ہواؤں میں اُڑتا ہوا، رُوئی کی طرح تیرتا محسوس کرتی ہوں، کل کہیں اپنے پیر تپتی ریت پر نہ پاؤں''۔ مدھم لہجے میں عجب خدشے سے تھے۔ جھکی نظر جانے کس خوف کے تحت کانپ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اوہ، کم آن یار!...... ٹرسٹ می۔ ہماری زندگی میں کہیں دور تک بھی کوئی ولن نہیں ہے۔ بلیومی، اِٹس اے ہیپی لو اسٹوری جو ایک اچھے اینڈ کے ساتھ ختم ہونے جا رہی ہے''۔ یقین دلانے کا انداز بہت دلچسپ تھا مگر ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔

''ختم ہونے نہیں، آغاز ہونے۔ ہماری ہیپی لائف شروع ہونے جا رہی ہے''۔ اس نے جتایا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں۔ آغاز ہونے جا رہی ہے اور یہ تم ٹیپیکل وائف کیوں بننے لگی ہو ابھی سے؟...... بالکل ماؤں کی طرح ٹریٹ کرنے کا انداز ہوتا ہے تم عورتوں کا''۔

ساہیہ نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ دبا نہیں سکی تھی۔ تبھی جب وارننگ دینے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تھا تو لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''اذہان! ناٹ اَگین ہاں۔ ہم بہت فضول بحث کر چکے...... اب اُٹھو۔ بہت سے کام نمٹانے ہیں''۔ ساہیہ نے تحکم بھرے انداز میں کہا تھا۔

''کیا ہے یار! تم بھی نا۔ کتنے دنوں بعد ہم ٹینشن فری ماحول میں مل کر بیٹھے تھے۔ بات کرنا اچھا لگ رہا تھا اور تم......'' اذہان نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا تھا۔ ویٹر آیا۔ اس نے والٹ سے پیسے نکال کر ٹیبل پر رکھے اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ساہیہ کی طرف دیکھا تو مسکرایا۔

''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟...... اوکے یار! شادی کے بعد گھر کا بجٹ تم بنایا کرنا۔ جب تک میں آزاد ہوں، اپنے ڈھنگ سے جی لینے دو''۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''تم تو بعد میں آنے والی زندگی کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہو جیسے تم بہت معصوم چوزے ہو اور میں کوئی جلاد، ہاتھ میں خوف ناک ہتھیار لیے میں تمہارے پیچھے ہوں گی اور تم میرے آگے آگے''۔

”بالکل ٹام اینڈ جیری کی طرح۔ ہے نا؟“ اذہان حسن بخاری نے اس کے کھینچے گئے نقشے کو مکمل کیا تھا اور ہنس دیا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

”انٹرسٹنگ نا۔ ویسے مجھے ٹام اینڈ جیری واقعی بہت پسند ہیں۔ اچھا شوہر میں ہوں یا نہیں مگر اچھا باپ ضرور ہوں گا۔ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کارٹون دیکھا کروں گا۔ اگر تمہارا دل چاہے تو تم بھی ہمیں کمپنی دے سکتی ہو۔“

ساہیہ نے اسے گھورنا چاہا تھا مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ بہت فطری انداز میں کئی رنگ اس کے چہرے پر پھیل چکے تھے اور وہ گھورنا تو درکنار اس گھڑی ڈھنگ سے اس کی سمت دیکھ تک نہ سکی تھی۔ اگر دیکھ سکتی تو جان پاتی کہ اذہان حسن بخاری اسے کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ریسٹورنٹ سے نکلنے سے گاڑی میں بیٹھنے تک وہ اپنا دھیان پھیرے رہی تھی۔

”کتنی مزے دار لائف ہو گی نا۔ مجھے تو ابھی سے سوچ کر ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے“۔ چابی اگنیشن میں لگاتے ہوئے اذہان حسن بخاری نے بدستور شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

”ہم اپنے بچوں کے نام بھی ٹام اینڈ جیری رکھیں گے لیکن اگر دو سے زیادہ ہوئے تو......؟“ خدشے کے پیش نظر اس نے ساہیہ کو دیکھا تھا۔

”شٹ اَپ اذہان!...... گاڑی چلاؤ۔ آئی ایم گیٹنگ لیٹ“۔ اس کی سمت بنا دیکھے اسے ڈپٹا تھا۔ اذہان حسن بخاری اس لمحے کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

☆......☆......☆

کب تک بام و در سے اُلجھیں
وحشت ہے تو گھر سے نکلیں
جاگی ہوئی ان گلیوں میں
رات گئے تک تنہا گھومیں
بھولے بسرے سے دو نیناں
آتے جاتے رستہ روکیں
پیار سے کوئی حال جو پوچھے
سر اس کے کاندھے پر رکھ دیں
ایسا نہ ہو جی بیٹھ ہی جائے
کب تک چڑھتے چاند کو دیکھیں

پاپا کا فون آیا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ کمزور پڑنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر آنکھوں سے خود بخود آنسو بہہ رہے تھے۔

''تم پریشان ہو میرو!'' پاپا جانے کیسے جان گئے تھے۔

''نہیں پاپا! بس آپ سب کو بہت مس کر رہی ہوں'' ۔اس نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا تھا۔

''اب تمہیں ہمیں مزید مس نہیں کرنا پڑے گا۔آئی ایم کمنگ''۔پاپا نے اطلاع دی تھی۔

وہ اس لمحے خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔کہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تو کوئی شکایت نہیں لگا دی؟ اس سے قبل فون کر کے ساری باتیں گوش گزار تو نہیں کر دیں کہ سارا الزام اگر آئے تو اس کے سر آئے اور وہ خود صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔

میرب سیال نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تھا۔سردار سبکتگین حیدری لغاری اس کے خیالوں کے برعکس بہت اطمینان سے اسٹیئرز اتر رہا تھا مگر میرب کی سوچ اور نگاہ اسی شخص سے بندھ گئی تھی اور پاپا کہہ رہے تھے۔

''میں تمہیں ابھی بزنس کے جھمیلوں میں اُلجھانا نہیں چاہتا تھا۔سو سارا بزنس اور اس کی دیکھ بھال شمسی کے حوالے کر دی تھی مگر اس نے بہت سی جگہوں پر اس بات کا ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے اور ہماری کاروباری ساکھ کو خاصا دھچکا لگایا ہے۔اس کی لوٹ کھسوٹ کی ایک لمبی فہرست ہمیں وقتاً فوقتاً ملتی رہی ہے۔مگر اب بات برداشت سے باہر ہو چکی ہے۔ہم نے اس پر اعتبار کر کے بہت بڑی غلطی کی''۔پاپا بڑے افسوس بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''لیکن پاپا! شمسی انکل تو آپ کے بہت اعتماد کے بندے تھے......یوں وہ کئی بار مجھ سے بھی سائن لینے آئے تو مجھے ان کے رویے میں کہیں کوئی تبدیلی دکھائی نہیں دی۔پاور آف اٹارنی تو میرے نام تھا پھر یہ سب کیسے ہوا؟'' وہ حیران تھی۔

پاپا مسکرا دیئے۔

''بیٹا! رشتوں کو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے اور کاروبار کو ہمیشہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے۔اعتبار کی صورت تبھی نکل سکتی ہے۔آپ ابھی بہت چھوٹی ہو۔کاروباری اُلجھنیں اور داؤ پیچ نہیں سمجھ سکتیں۔شمسی کو تو میں آ کر دیکھ لوں گا۔جو نقصان ہوا وہ اتنا بڑا پھر بھی نہیں ہے۔مگر بروقت ہمیں اطلاع مل گئی تو قابو پانا آسان ہے۔اینی ہاؤ، آپ اپنا خیال رکھو''۔

''جی پاپا!'' اس نے فون رکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا جو اُب اس کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔

''رشتوں کو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے اور کاروبار کو ہمیشہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے۔اعتبار کی صورت تبھی نکل سکتی ہے''۔پاپا کی آواز اس کے اندر کہیں سے اُبھری تھی مگر اس نے سر جھٹک کر دوبارہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا۔وہ غالباً نہیں، یقیناً آفس جانے کے لیے تیار تھا۔

''پاپا سے آپ کی بات ہوئی تھی؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں''۔

''تو آپ نے ان سے کیا کہا؟''

''میں نے؟...... مجھے ان سے کچھ کہنا تھا کیا؟'' اکھڑے لہجے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُلٹا اسی سے سوال کر دیا۔

''بنئے مت۔آپ نے ان سے کچھ تو کہا ہوگا''۔میرب سیال اپنی بات پر سختی سے جمی نظر آئی۔جواباً اسے بہت اطمینان بھری نظروں سے دیکھا گیا۔

''کیا کہوں گا ہاں، کیا کہوں گا میں ان سے؟...... تمہارے خلاف کان بھروں گا، کیا؟ یا پھر اپنے ہی خلاف محاذ کھڑا کروں گا کیا؟ ہاں، بولو کیا؟...... بقول تمہارے کوئی ایک گن بھی مجھ میں نہیں تو انہیں کس بل بوتے پر قائل کروں گا؟ تم سمجھ کیا رہی ہو، میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے، کوئی اور کام نہیں کہ بیٹھا تصور جاناں کیے ہوئے تمہیں سوچتا رہوں یا پھر تمہارے خلاف محاذ آرائیاں کرتے ہوئے اپنا وقت برباد کرتا رہوں۔تم سمجھ کیا رہی ہو ہاں؟ کیا سمجھ رہی ہو تم خود کو...... بہت اہم ہو تم؟...... بہت خاص ہو؟ تمہیں دیکھنے، تمہیں سوچنے، تمہارے آگے پیچھے بھاگتے رہنے کے علاوہ میرے پاس کوئی کام نہیں؟ کیا ایکسپکٹ کر رہی ہو تم مجھ سے؟ میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے؟ چھوڑ دوں سب کچھ، تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جاؤں؟ بولو کیا کروں؟'' وہ جیسے ایسے ہی کسی لمحے کی تلاش میں تھا جو اس کے اندر کے غبار کو باہر نکال سکتا۔وہ اس لمحے پھٹ پڑا تھا۔

میرب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''رات تمہارے باپ سے بات کیا کر لی تم نے الزام لگانے شروع کر دیئے۔تم سو رہی تھیں تو کیا اس میں میری غلطی ہے؟ ان کا فون وہاں امریکہ سے آ گیا تو میری غلطی ہے؟ میرا گھر ہے، میرے گھر کا فون ہے۔بجا، میں نے اُٹھا لیا تو کیا جرم کر دیا؟ تم اس وقت موجود نہیں تھیں۔خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھیں تو کیا میرا قصور ہے؟ میں نے اپنے گھر کا فون اُٹھایا۔ان سے تمیز سے بات کی۔کہہ دیا کہ آپ سو رہی ہیں تو کیا غلط کیا؟ کیا مجھے آپ کو اس وقت اُٹھانا چاہیے تھا، بازوؤں میں لا کر یہاں فون پر کھڑا کرنا چاہیے تھا یا پھر آپ کے لیے کوئی اہم ترین میسج ڈائری میں نوٹ کر لینا چاہیے تھا؟ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا محترمہ میرب سیال صاحبہ؟'' انتہائی غصے سے وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

میرب سیال جواباً کچھ نہیں بول سکی تھی اور وہ ہاتھ اُٹھا تا اسی درشت انداز میں گویا ہوا تھا۔

''میں آپ کا ملازم نہیں ہوں۔نہ ہی آپ کا پی اے ہوں۔آپ کو حکم جمانے کا زیادہ شوق ہو تو آپ ملازم رکھ لیجیے۔یہ گھر اور اس کی ایک ایک اینٹ، ایک ایک چیز میری ہے۔اس گھر میں جو بھی ہے وہ سب میرا ہے اور اپنی چیزوں کو استعمال کرنے کا ڈھنگ میں بخوبی جانتا ہوں۔نہ تو مجھے اس کے لیے کسی کی صلاح کی ضرورت ہے نہ کسی مشورے کی اور نہ ہی کسی حکم نامے کی۔آئی ایم دی آنر بائے مائی سیلف۔مجھے حکم دینے کی عادت ہے۔سننے یا لینے کی نہیں۔آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے احتیاط برتئے گا۔اپنی طرف سے مخالف سمت جاتے تمام

راستوں کو اپنی سمت موڑنے کا ڈھنگ سردار سبکتگین حیدر لغاری بخوبی جانتا ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً وہ نہیں ہے جو تم اسے سمجھی ہو۔ کیپ دی لمٹ"۔ وہ ہاتھ اُٹھا کر اسے وارننگ دے کر پلٹا اور چلتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ صبح صبح اس کا لہجہ کیسی آگ اُگل رہا تھا۔

وہ لچک پذیری، وہ نرمی، وہ لہجے کی گرمی!

سب ناپید تھا۔ ایک لمحے میں دوبارہ وہی سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔ ایک لمحے میں وہی دوری تھی اور پھر وہی تفاوت۔

لگتا ہی نہ تھا کہ درمیان میں کوئی نرم موڑ آیا بھی تھا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کوئی ایک نہیں، کئی خوشگوار لمحے خاموشیوں کی ڈور سے بندھے ان کے درمیان فاصلے سمیٹتے رہے تھے۔ لگتا ہی نہ تھا......

تو یہ ردِعمل تھا۔

میرب سیال کے کل شام کے رویے کے بعد کا یہ نیا لائحہ عمل تھا۔

میرب سیال سر جھکائے کھڑی تھی۔ جانے کب گی چلتی ہوئی اس کے پاس آن رُکی تھی۔ اک عجب سا نور اس کے چہرے پر تھا۔ شاید وہ جنت اپنے قدموں میں لینے جا رہی تھی۔ یہ اسی بات کا اعجاز تھا۔ میرب نے گی کو پہلے بھی دیکھا تھا مگر ان دنوں کی تازگی پہلے جیسی نہیں تھی، اس سے کچھ بڑھ کر تھی۔ مگر بات ایک اہم مسند پر فائز ہونے سے بھی کچھ زیادہ کی تھی۔ شاید وہ گین کے قریب تھی۔ اس کے پاس تھی اور یہی خوشی اس کے اندر کو مہکانے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کا گھیراؤ بھی کر رہی تھی۔ میرب نے نگاہ اُٹھا کر اپنے سامنے کھڑی بے حد خوب صورت نظر آتی، دُنیا کی سب سے زیادہ خوش نصیب عورت کو دیکھا تھا۔ وہ ایسا نہ بھی سمجھتی تو ایک خاص احساس اس لمحے گی کو بہت خاص ثابت کر رہا تھا۔

وہ جیت چکی تھی۔

ایک خاص ترین شخص کا دل۔

وہ اس کے بچے کو جنم دینے جا رہی تھی۔

وہ شخص جو عورت کو ایک کھلونے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا، وہ گی کو ایک اہم ترین مسند پر فائز کر رہا تھا تو کچھ تو خاص بات تھی اس میں۔ وہ اگر اس کے گھر میں تھی تو ضرور دل میں بھی تھی۔ اور وہ......! دھیان اپنی طرف آیا تھا۔

اس کے لیے اس کا پیار، محبت، توجہ، نرمی، لچک پذیری سب دھوکا تھا۔ وہ ایک ساتھ دو دو محاذوں پر فتح یاب ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں کامیاب بھی ہونا چاہتا تھا۔

میرب اس کے لیے ایک چیلنج سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ وہ کبھی نہیں ہارا تھا۔ شاید اسی لیے اس کا جیتنے کا جنون بڑھ چلا تھا۔

کئی آنسو چپ چاپ بے قدر سے پلکوں کی باڑ پھلانگ کر چہرہ بھگو گئے تھے۔ گی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا......؟" پوچھنے کے ساتھ بہت دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ بھی دھرا تھا۔ شاید اس کا دل بہت بڑا تھا یا پھر وہ

سمجھوتہ کرنا چاہتی تھی یا پھر یہ بھی تھا کہ وہ اس کی حیثیت گین کی زندگی میں جانتی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ گین کی زندگی میں کتنی جگہ رکھتی ہے اور کتنی وقعت!

گی یقیناً سمجھدار تھی اور وہ......؟ اپنی آنکھیں سختی سے رگڑتی ہوئی میرب نے گی کو بغور دیکھا تھا۔

''میرا دل تمہاری طرح بڑا نہیں ہے گی!......آئی کانٹ ایکٹ لائک یو'' نفی میں سر ہلاتی ہوئی وہ عجیب گنجلک انداز میں بولی تھی۔ گی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''وہاٹ ڈز اِٹ مین؟ وہاٹ پریوسینگ؟'' وہ غالباً اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔

''گین نے کچھ کہا؟......تم رو رہی ہو؟'' شستہ انگریزی میں کہتے ہوئے گی نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلایا تھا مگر میرب نے اس کھوکھلے سہارے کو دوسرے ہی لمحے جھٹک دیا تھا اور غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی درشت انداز میں بولی تھی۔

''مجھے تمہاری یا تمہارے اس گین کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ سنا تم نے، میں کمزور نہیں ہوں۔ نہ ہی کبھی کمزور پڑوں گی۔ تم ابھی گین کو نہیں جانتی ہو۔ میں جانتی ہوں۔ عورت اس کے لیے کھلونے سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ تم سے کھیل چکا ہے۔ کچھ دیر اور کھیلے گا اور بالآخر اپنی زندگی سے باہر کر دے گا۔ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ وہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ وہ کبھی نہیں بدلے گا۔ بندھن اس کے لیے بیڑیاں ہیں۔ رشتے اس کے لیے مذاق ہیں۔ تم جس حالت میں اس کے ساتھ رہ رہی ہو شاید کچھ عرصہ مزید رہ سکتی ہو۔ مگر جب تم رشتے کے متعلق کہو گی تو وہ تم سے کوئی بندھن نہیں باندھ سکے گا۔ کیونکہ اسے زنجیروں سے بندھنا بالکل پسند نہیں ہے۔ اس کی نفسیات یہی ہے۔ جو شے اس سے جتنی دوری پر ہے اسی قدر اٹریکٹو ہے۔ جتنی قریب ہے، اتنی ہی بے وقعت ہے۔ اگر تم اس کی زندگی میں کوئی جگہ باقی رکھنا چاہتی ہو تو اس کشش کو قائم رکھو۔ اس سے دوری پر چلی جاؤ۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے آ جائے گا۔ شاید اپنا بھی لے۔ مگر زیادہ مدت کے لیے نہیں۔ ایسا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ وہ ایسا ہی ہے۔ وہ گلابوں سے عشق کرتا ہے۔ پھول اس کی توجہ کا مرکز ہیں۔ مگر خود وہ ایک تھیرون ہے۔ یس، ہی اِز لائک اے تھیرون!......وہ ایک کانٹا ہے جو چبھتا ہے اور صرف درد دیتا ہے'' آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ وہ کہتی ہوئی پلٹی تھی اور سیڑھیاں پھلانگ گئی تھی۔

گی حیرت سے کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ بہت کچھ اُردو میں اور ایک آدھ جملہ انگریزی میں۔ وہ مفہوم زیادہ تو نہیں جان پائی تھی مگر اس کا انداز اور کچھ جملے اسے سمجھا گئے تھے کہ وہ بہت ڈپریس ہے اور شاید گین سے کسی حد تک خفا بھی اور یہ برہمی بھی شاید اس لیے تھی کہ وہ یہاں تھی۔ اب جب اس نے اس سے بات کی تھی تو اسے لگا تھا کہ وہ ان دونوں ہزبینڈ وائف کے درمیان انٹرفیئر ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اسی طرح کھڑی تھی جب اس کا سیل بجا تھا۔ اسکرین پر ''گین'' روشن تھا۔

اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''کہو گین!''

''میں نے تمہیں یاددہانی کے لیے فون کیا ہے۔آج تمہارا ریگولر چیک اَپ ہے۔ڈاکٹر رابعہ قمر کے پاس''۔

''تھینکس! میں جانتی تھی''۔گی چونکتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''تم تیار رہنا۔میں چار بجے تمہیں پک کرلوں گا''۔گین نے کہا مگر اس نے فوراً سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں گین! اس کی ضرورت نہیں ہے۔میں خود چلی جاؤں گی''۔اس نے تردّد کیا۔گین دوسری طرف متفکر دکھائی دیا۔ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی مکمل توجہ گی کی سمت تھی۔

''آر یو شیور؟''

''یس! آئی ول مینج''۔گی نے اسے مطمئن کرنے کو کہا تھا۔

''پھر بھی اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے فون کر لینا۔میں میٹنگ میں ہوں گا مگر تمہاری کال ریسیو ہو جائے گی''۔اس کے تعرض کے باوجود سبکتگین حیدر لغاری اس کے لیے متفکر دکھائی دیا۔

گی مسکرادی۔

''تم فکر مت کرو۔بائی دے وے، تھینکس فور دی کیئر''۔

''میں نے ڈاکٹر رابعہ سے بات کرلی ہے۔ان کے نزدیک کوئی کمپلی کیشنز فی الحال نہیں ہے۔مگر پھر بھی چیک اَپ کے بعد مجھے کال کر کے ضرور بتا دینا۔ورنہ ڈاکٹر رابعہ سے مجھے خود بات کرنا پڑے گی''۔وہ اس کے لیے مکمل طور پر کنسرن تھا۔گی کے لیے اس کی فکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''میں تمہیں بتا دوں گی''۔گی نے اطمینان دلایا۔

''میں دوبارہ فون کروں گا''۔

گی نے مسکراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆......☆......☆

سمٹ جانے سے پہلے کچھ بکھر کے دیکھ لیتے ہیں
ہوا کی لے پہ رقص شام کر کے دیکھ لیتے ہیں
بہت دن آگہی کے نام پر دُنیا نے بھٹکایا
سو کچھ دن کنج غفلت میں ٹھہر کے دیکھ لیتے ہیں
جہاں پر تھا غرور کج کلاہی کا بھرم ہم سے
اسی رہ سے شکستہ پا گزر کے دیکھ لیتے ہیں

بہت دن بعد وہ لامعہ کے ساتھ بیٹھی کسی بات پر بے ساختہ ہنس رہی تھی۔ لامعہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا اور مسکرادی تھی۔

''کیا ہوا؟......ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' انابیہ شاہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا پھر ہاتھ آنکھوں کی سمت بڑھا کر پانی کے وہ ننھے منے قطرے صاف کرنے لگی تھی جو کھلکھلا کر ہنسنے کے باعث اس کی آنکھوں میں جمع ہو کر رخساروں ہو کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ وہ بہت کم کم ہنستی تھی۔ سو یہ مواقع بھی بہت کم کم دیکھنے میں میسر آتے تھے۔ اپنی طرف دیکھتے پا کر لامعہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور اس کے چہرے سے نگاہ پھیرتی ہوئی مسکرادی تھی۔

''بہت کم لوگ ہنستے ہوئے خوب صورت لگتے ہیں''۔

''جھوٹ''۔ انابیہ شاہ نے بلاتردّد اسے دیکھا تھا۔ لامعہ نے چونک کر دیکھا تھا تبھی وہ مسکراتی ہوئی وضاحت دیتی بولی تھی۔

''ہنستے ہوئے سبھی لوگ اچھے لگتے ہیں۔ ہاں، روتے ہوئے بہت کم لوگ خوب صورت لگتے ہیں''۔ انابیہ کی بات میں لاجک تھی۔ لامعہ مسکرادی تھی۔

''یو آر رئیلی اے لکی گرل۔ عفنان بہت محبت کرتا ہے تمہیں۔ شاید یہ بات تم نہیں جانتی ہو''۔ لامعہ کی بات پر انابیہ کے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ لامعہ پر سے نگاہ ہٹانے کے ساتھ ہی وہ اس کی سمت سے اپنا چہرہ بھی پھیر گئی تھی۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی مگر لامعہ جانے کیوں بضد دکھائی دی تھی۔

''انابیہ! تمہیں برا لگے گا اور شاید لگنا بھی چاہیے۔ آئی ایم دی تھرڈ پرسن۔ اور مجھے کوئی رائٹ نہیں ہے تم لوگوں کے تعلق کو لے کر کچھ ڈسکس کرنے کا یا انٹرفیئر کرنے کا۔ مگر انابیہ! میں تمہیں ایک بہت چھوٹی سی بات کہنا چاہتی ہوں۔ محبت جب دستکیں دے تو اپنے دل کے دروازے وا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ دستکیں کھو جاتی ہیں اور دل کے دروازے کی سمت آتے قدم اور ان کی آہٹیں خواب و خیال ہو جاتی ہیں''۔

لامعہ کا لہجہ اس کے لیے مخلص تھا مگر وہ بہت سرسری انداز میں اس کی طرف دیکھ کر نگاہ دوبارہ پھیر گئی تھی۔

''محبت......تم کیا جانتی ہو محبت کے بارے میں؟'' انابیہ کا لہجہ بہت سرسری سا تھا جیسے وہ کوئی معمول کا واقعہ ڈسکس کر رہی ہو۔ لامعہ نے اس کی جانب دیکھا تھا اور بنا کوئی وضاحت یا جواب دیئے اپنی نگاہ پھیر گئی تھی۔ انابیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور بہت نرمی سے مسکرادی تھی۔

''غالباً وہ کسی کی بھی محبت ڈیزرو نہیں کرتا۔ تمہیں اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ تم اسے فیور کر رہی ہو۔ کیونکہ تم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو یا پھر جان کر بھی نظر انداز کرنا چاہتی ہو۔ لامعہ! یہ جو محبت ہے نا، بہت بری شے ہے۔ یہ کبھی اپنی مخالف سمت سوچنے ہی نہیں دیتی۔ تم بھی عفنان علی خان کی مخالف سمت سوچ نہیں پا رہی ہو۔ شاید کبھی تم نے بھی تو محبت کی تھی نا اس سے۔ تمہیں عفنان علی خان غلط نظر نہیں آئے گا، کیونکہ تم اسے ٹھیک طریقے سے دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ دل کی نظر سے ہٹ کر اگر صرف باہر کی آنکھ سے جانچ کر دیکھو تو وہ مجرم تو ہے''۔

''مجرم؟......کیا کِیا ہے اس نے؟'' لامعہ چونکی تھی۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''دل......دل توڑا ہے اس نے۔اور دل دُکھانا سب جرموں سے بڑا جرم ہے اور وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہے''۔

''دل؟......کس کا دل؟......کیا اس نے تمہیں ہرٹ کیا؟'' لامعہ اس لمحے شدید ترین اُلجھن کا شکار دکھائی دی تھی۔شاید وہ تصویر کا ایسا رُخ دیکھنے جا رہی تھی جو اس سے قبل اس نے نہیں دیکھا تھا یا پھر نہیں جانا تھا۔

انابیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''جانے دو لامعہ! بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔میں جو کر رہی ہوں مجھے کرنے دو۔جس دن سب کچھ صاف ہو جائے گا تمہاری سمجھ میں بھی آ جائے گا۔فی الحال سب کچھ بہت اُلجھا ہوا بھی ہے اور پیچیدہ بھی''۔انابیہ شاہ کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

لامعہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

''تم کر کیا رہی ہو؟......پاگل ہو گئی ہو؟ اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے کمپلی کیٹڈ کر رہی ہو اور تمہیں اپنی حماقت کا اندازہ تک نہیں ہے۔عفنان علی خان تمہیں بہت چاہتا ہے۔تم جانتی ہو یہ بات۔میں جانتی ہوں۔پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایک اُلجھی ہوئی زندگی گزارنے پر تلی ہوئی ہو؟''

''میں نے کہا نا، تم نہیں سمجھو گی''۔لامعہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''انابیہ! تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' لامعہ کا سوال شاید بہت غیر متوقع تھا۔انابیہ کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں معدوم ہو گئی تھی۔غالباً اب تک پوچھا جانے والا یہ ناپسندیدہ ترین سوال تھا جس کا جواب انابیہ دینا ضروری نہیں سمجھتی تھی۔اس کے چہرہ پھیر لینے پر غالباً لامعہ کو تو یہی لگا تھا۔

''لامعہ! تم مجھ سے کیا ایکسپکٹ کر رہی ہو؟ کیا لگتا ہے تمہیں، میں تمہیں کیا جواب دوں گا؟'' اس کی طرف سے چہرہ پھیرے انابیہ مسکراتی تھی۔لامعہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں انابیہ! بٹ آئی نو ون تھنگ''۔

''وہاٹ؟'' انابیہ مسکرائی تھی۔

''آئی جسٹ جیلس آف یو''۔لامعہ بولی تھی اور انابیہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''اگر یہ مذاق ہے تو اچھا ہے۔لیکن اگر تم سنجیدہ ہو تو پھر مجھے سیریس ہونا پڑے گا۔نہ صرف سیریس ہونا پڑے گا بلکہ کوئی نوٹس لینے کے ساتھ کوئی اسٹریٹجی بھی تمہارے لیے بنانا پڑے گی۔صاف صاف بات ہے اگر تم میرے شوہر پر نظر رکھو گی تو مجھے برا تو لگے گا نا۔نہ صرف برا لگے گا بلکہ مجھے کچھ کچھ غصہ بھی آئے گا''۔وہ متواتر مسکرا رہی تھی۔غالباً اس موضوع کو سرے سے مذاق میں اُڑا دینا چاہتی تھی اور لامعہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔انابیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور توجہ سے اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''لامعہ! تم سب کے متعلق سوچ رہی ہو۔ کچھ اپنے متعلق بھی سوچا ہے؟''

''ہاں، سوچتی ہوں اپنے بارے میں بھی''۔ سر جھکا کر بجھے بجھے سے انداز میں جواب دیا تھا۔

''پھر؟'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کچھ اچھا نہیں لگتا انابیہ! بعض اوقات۔ جو بات کوئی نہیں جانتا، وہ دل جانتا ہے اور دل جینے نہیں دیتا''۔

انابیہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''لامعہ! ایسے جیا نہیں جاتا''۔

''اور جو تم جی رہی ہو وہ جینے کا طریقہ ہے یا زندگی ہے؟'' لامعہ نے اس کی طرف جواباً دیکھا تھا۔ انابیہ کے پاس اس وقت شاید کوئی جواب نہ تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چند ثانیوں بعد انابیہ گویا ہوئی تھی۔

''زندگی ایک مسئلہ ہے لامعہ! اور محبت ایک لایعنی مسئلہ ہے۔ محبت اور زندگی کے مابین اگر کوئی شے کامن ہے تو وہ صرف مسئلہ ہے۔ میں اسے سلجھانا چاہتی ہوں۔ کوشش کر رہی ہوں۔ جانتی نہیں کیا ہوگا۔ اور......'' بولتے بولتے سر اُٹھا کر دیکھا تو عفنان علی خان نظروں کے عین سامنے کھڑا تھا۔ انابیہ نگاہ پھیر گئی تھی جبکہ لامعہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''کہئے عفنان! کیسے ہو تم؟''

''پرفیکٹ۔ تم کیسی ہو؟ بہت دنوں بعد صورت دکھائی''۔

''ہاں...... میں چاند پر تھی''۔ لامعہ مسکرائی تھی۔

''اچھا...... بتایا ہوتا تو ہم بلوا لیتے یا خود چلے آتے''۔ عفنان نے مسکراتے ہوئے نظر اور سر جھکائے بیٹھی انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک خوشگوار جملہ اُچھالا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔

''چاند پر لوئل ہزبینڈ کا داخلہ ممنوع ہے''۔

''اوہ...... تب تو میں بڑے آرام سے داخل ہو سکتا ہوں۔ اچھا ہوا تم نے بتا دیا''۔ عفنان علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں گہری شرارت۔ لامعہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''انابیہ! کیا کرتی ہو یار؟ تم اپنے ہزبینڈ پر قابو کیوں نہیں رکھتی ہاں؟ بی آ اسٹرونگ وومن یار! بندہ ہاتھ سے نکل گیا تو سر پیٹتی رہ جاؤ گی''۔ اس نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی طرف دیکھا تھا مگر انابیہ نے سوائے خاموشی سے اس شخص کی جانب دیکھنے کے کوئی اور عمل سر انجام نہیں دیا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی طرف ایک نگاہ خاص کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

''تم اسے پٹیاں مت پڑھاؤ۔وہ آل ریڈی جانتی ہے اسے کیا کرنا ہے۔غالباً تم سے زیادہ سمجھ بوجھ ہے اس کے پاس اور تم سے زیادہ عقل ہے۔ لہجے میں ہی نہیں اس وقت اس کی نظروں میں بھی ایک کاٹ تھی۔انابیہ نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔لامعہ نے ان دونوں کے درمیان کشیدگی دیکھی تھی اور مسکراتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں''۔پھر انابیہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔''انابیہ!تم ایک چکر لگا لینا۔مام بہت دنوں سے تمہیں پوچھ رہی تھیں''۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میری طرف سے بھی ان کو پوچھ لینا''۔

''اوکے''۔لامعہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور باہر کی طرف قدم بڑھانے لگی تھی۔انابیہ اُٹھی تھی۔ارادہ وہاں سے نکل جانے کا تھا مگر عفنان علی خان اس کے سامنے آن رُکا تھا۔انابیہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر دھیان پھیر لیا تھا۔غالباً اب وہ مدعا سننے کی منتظر تھی۔ عفنان علی خان اسے اسی طرح دیکھتا رہا تھا۔

ایک......

دو......

تین......

کتنے ثانیے چپ چاپ دبے پاؤں گزرے تھے۔عفنان علی خان کی سمت سے عرض مدعا نہ ہوا تھا۔انابیہ نے نگاہ دوبارہ ڈالی تھی۔وہ اب بھی اس کی طرف اسی طرح بغور دیکھ رہا تھا۔نگاہ میں کچھ تھا۔وہ زیادہ دیر دیکھ نہیں سکی تھی اور نگاہ پھیر لی تھی۔عفنان نے بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے شانوں پر دھرے تھے اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''کیسا تھا وہ؟......کیا وہ تمہیں مجھ سے بھی زیادہ چاہتا تھا؟''

مدھم سرگوشی میں ایک گہرا شکوہ تھا۔انابیہ شاہ کی جان یک دم ہی قیامتوں سے گھری تھی۔وہ نگاہ اُٹھا کر اس کی سمت دیکھ نہ سکی تھی۔عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا جھکا چہرہ اوپر اُٹھایا تھا اور بھرپور توجہ سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''کیا مجھ سے زیادہ توجہ؟......مجھ سے زیادہ پیار؟......مجھ سے زیادہ اعتبار؟......کس معاملے میں وہ مجھ سے زیادہ بہتر تھا کہ تم اسے بھول نہیں پا رہی ہو؟ کیا مجھ سے زیادہ دیوانہ تھا وہ؟ کیا مجھ سے بھی کچھ زیادہ پاگل تھا؟''عفنان علی خان کے مدھم لہجے میں کئی شکایتیں تھیں مگر انابیہ کے پاس کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا نہ کوئی وضاحت۔

''میں نے تمہیں چاہا تو کوئی حد ہی نہیں چھوڑی۔کوئی کسر نہیں چھوڑی۔بے حد،بے حساب،دیوانہ وار،حد سے سوا چاہا تمہیں۔ چاہا تو کچھ اور نہ دیکھا۔ہر طرف سے نگاہ بند کر لی۔کان بند کر لیے۔دیکھا تو صرف تمہیں۔سنا تو صرف تمہیں۔کہاں کمی رہ گئی انابیہ! بتاؤ کہاں کچھ کم رہا؟''اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ اسے بغور تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔آنکھوں کی تپش انابیہ کے چہرے کو سرخ کر رہی تھی۔

مگر وہ اس کی طرف دیکھنے مکمل گریزاں تھی۔ عفنان اسے متواتر خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ اطمینان کے ساتھ، صبر کے ساتھ اور پھر یک دم مسکرا دیا تھا۔

"دیوانہ ہوں نا...... دیوانگی کی باتیں کرتا ہوں۔ ہنسی تو آتی ہوگی تمہیں۔ ہنستی بھی ہوگی اکیلے میں۔ ارے یار، کیسا بے وقوف بندہ ہے۔ اس کی بیوی ہوں، کسی اور کی طلب گار ہوں اور یہ پھر بھی اسی پاگل پن سے مجھے چاہتا چلا جا رہا ہے۔ ہے نا بدھو"۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"ہاں، بدھو ہوں میں...... بے حد بدھو...... پاگل، تمہارا پاگل...... تمہاری اس نگاہ کا دیوانہ جو تم نے مجھ پر کبھی ڈالی ہی نہیں۔ تمہاری اس بات کا دیوانہ جو میرے لیے تھی ہی نہیں"۔ سر نفی میں ہلاتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

"کچھ نہیں تھا میرے لیے...... مگر کچھ ہے جو میرے لیے ہے اور وہ تم سے میرا رشتہ ہے۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔ اس رشتے سے کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ مجرم ہو تم میری۔ اس دل کو بہت دُکھایا ہے تم نے۔ تمہیں میرا نقصان سود سمیت پورا کرنا ہوگا"۔ اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر وہ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ لب بھینچے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

"اذہان! ایک بات بتاؤ"۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو ساہیہ نے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دونوں جیولر کے پاس انگیج منٹ رِنگ لینے جا رہے تھے۔ اذہان اس کے سوال کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تم مجھے کنجوس سمجھ رہی ہو۔ یار! تم جتنی مہنگی رِنگ چاہو اپنے لیے منتخب کر سکتی ہو۔ میرے کریڈٹ کارڈ میں خاصی بڑی رقم ہے۔ ٹرسٹ می"۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تھینکس۔ اب میں سب سے قیمتی رِنگ پر ہاتھ رکھوں گی۔ مگر اس وقت میری توجہ اس رِنگ پر یا اس کی پرائس پر نہیں تھی"۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"تھینک گاڈ! ورنہ مجھے یقین ہو چلا تھا میری ساہیہ کی سائیکالوجی عام خواتین سے الگ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے غلط ثابت کیا ہے ساہیہ! اور اس کے لیے مجھے کوئی افسوس بھی نہیں ہے"۔

"اذہان! ہم پہلی بار منگنی کرنے جا رہے ہیں"۔

"اچھا...... لوگ کیا دو تین بار منگنی کرتے ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ساہیہ نے اسے گھورا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ! تم دل کھول کر شاپنگ کر سکتی ہو۔ تمہارا ہونے والا ہزبینڈ کنجوس نہیں ہے۔ غالباً ٹوٹل فدا ضرور ہے تم پر"۔ ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''اذہان! تم بات بدلنا بہت اچھی طرح جانتے ہو''۔

''ہماری سوچ اتنی ملتی ہے کہ ہم ایک دوجے کے دل کی بات کہے بنا ہی جان جاتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ شادی کے دس سال بعد ہماری شکلیں بھی اس خطرناک حد تک ملنے لگیں گی کہ لوگ ہمیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ اوہ، اچھا تو آپ دونوں ہزبینڈ وائف ہیں''۔

اذہان حسن بخاری نے دلچسپ بات کی تھی۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''اذنٹ سوفنی۔ تم تو ابھی سے اسٹریٹیجی پلان کیے بیٹھے ہو۔ مگر یہ سب کچھ ایسا دلچسپ نہیں ہے۔ شادی کے دس سال بعد اگر ہماری شکلیں نہ ملیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی''۔

''ایسا میں نہیں کہتا ساہیہ! ایسا سبھی سمجھدار لوگ کہتے ہیں۔ شادی کے دس سال بعد ہزبینڈ وائف کی شکلیں خطرناک حد تک ملنے لگتی ہیں''۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ہاں۔ ہوتا ہوگا۔ مگر ہمارے معاملے میں ایسا نہیں ہوگا۔ انڈراسٹینڈ ڈیٹ''۔

''اچھا...... تو کیا تمہارا ارادہ کاسمیٹکس سرجری کا بھی ہے''۔ اذہان نے اسے بھرپور شرارت سے دیکھا تھا۔ 'دیار! تم تو بہت خرچہ کروادوگی''۔

''اذہان!'' ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔

''کامن سنس کی بات ہے یار! شکلیں تو اسی صورت میں نہیں ملیں گی جب تم سرجری کروالوگی۔ کیونکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے، خاصا ہینڈسیم ہوں میں۔ ہاں، تمہاری ناک بس ذرا چپٹی ہے۔ اسے ٹھیک کروالینا۔ میری ناک کے سامنے......'' وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کرسکا تھا۔ ساہیہ نے اس کے بازو پر ایک مُکا مارا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''سچ کہوں، مجھے اینجلینا جولی جیسی لڑکی درکار تھی۔ ممی سے بھی کہہ دیا تھا، ویسی کوئی ڈھونڈ لاؤ تو آنکھیں بند کر کے ہاں کردوں گا۔ مگر ہائے یہ نصیب۔ آپ ہمارے نام لکھ دی گئی تھیں اور لکھا ہوا ہم جھٹلا نہیں سکتے''۔

''جھٹلا سکتے تو کیا اپنی زندگی سے خارج کردیتے؟'' ساہیہ نے اسے آہستگی سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اذہان اس سوال کے اندر در پردہ سوال کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ تبھی لب بھینچ کر ونڈ و اسکرین کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''کیسی تھی وہ؟ کیا تم اسے بہت چاہتے تھے؟'' سوال نہیں، باؤنسر تھا۔

''کڈنگ ساہیہ! آئی واز جسٹ کڈنگ''۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھے بغیر مسکرا کر اس سوال کو ٹالا تھا۔ مگر ساہیہ نے اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹائی تھی نہ ہی نگاہ۔

''کوئی بات تو اچھی نہ ہوگی اس کی۔ شاید تمہیں ہر بات اچھی لگتی ہوگی اس کی۔ ہے نا؟'' بدستور اسی لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ساہیہ!'' مسکراتے ہوئے وہ بنا اس کی طرف دیکھے اس سوال سے صاف بچتا نظر آیا تھا۔ انداز میں اُلجھن نہ تھی مگر وہ مطمئن بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

''ان بھاگتے دوڑتے دنوں میں اچانک ہی کسی روز یونہی اچانک وہ چلتی ہوئی تمہارے سامنے آن کھڑی ہوئی تو تم کیا کرو گے؟''

''ساہیہ!'' وہ بھرپور اطمینان سے مسکرانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ نگاہ اس کی سمت نہ تھی۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''چلو فرض کرو وہ آجاتی ہے واپس تمہاری زندگی میں، یونہی چلتے چلتے......اچانک، کسی روز۔ تو تم کیا کرو گے؟''

گاڑی کے ٹائر یک دم چرچرائے تھے اور گاڑی رُک گئی تھی۔ ساہیہ غالباً اس کے تاثرات جاننے کے لیے اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''میں وقت کو روک دوں گا ساہیہ!'' مدھم لہجہ جنون سے پُر تھا۔

ساہیہ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی مگر اذہان کی آنکھوں کی چمک کچھ سوا ہو گئی تھی۔

''میں وقت کی نبضیں تھام لوں گا ساہیہ! مگر صرف تمہارے لیے''۔ مدھم سرگوشی میں جتانے کو، سمجھانے کو بہت کچھ تھا۔ ساہیہ جواب تک دم سادھے خاموش بیٹھی تھی، مسکرا دی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو نا؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں...... بولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کم آن یار! شک مت کرو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو جب سے میری زندگی میں تم ہو، صرف تم ہی ہو۔ کسی اور کیلئے جگہ ہی نہیں چھوڑی تم نے۔ تمہارا وزن کچھ زیادہ تیزی سے نہیں بڑھ رہا؟''

ساہیہ نے اسے ایک پنچ رسید کیا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''آئی ایم کڈنگ ہاں۔ تمہارا وزن واقعی پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اب یہ مت کہنا ایسا خوشی کے مارے ہے۔ مجھے غور سے دیکھو، کتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ ہوں نا۔ ایمان داری سے، خود بتاؤ میرے ساتھ غبارے کی طرح پھولی ہوئی کوئی لڑکی اچھی لگے گی؟'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے گھورنا چاہا تھا اور خود بھی ہنس دی تھی۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''مجھے ایک ایسی ہی لڑکی چاہئے تھی۔ پیاری سی، اچھی سی۔ جس کا دل بھی اسی کی طرح صاف اور خوب صورت ہو۔ جو مجھے نظر سے نہیں دل سے دیکھے اور سمجھے۔ میری زندگی میں آئے تو یہاں سے وہاں تک روشنی سی بھر دے۔ تمہیں یاد ہے ساہیہ! جب تم مجھے پہلی بار ملی تھیں تو تم ٹیرس پر دیے جلا رہی تھیں۔ تم نہیں جانتی ہو مگر تب تمہارے ان خوب صورت ہاتھوں نے دیے اس تاریک ٹیرس پر ہی نہیں، بہت سے دیے میرے دل میں بھی روشن کر دیئے تھے۔ ڈومی اے فیور! تم جیسی ہو، ہمیشہ ویسی ہی رہنا۔ خود کو مت بدلنا۔ تم جیسی ہو، بہت اچھی

ہو۔ میں آج سے دس سال بعد نہیں، بیس اور تیس سال بعد بھی تمہیں اسی طرح دیکھنا چاہوں گا‘‘۔ وہ آنکھوں میں تپش لیے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

ساہیہ اس کی طرف سے دھیان پھیرتی ہوئی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتی ہوئی مسکرادی تھی۔

’’گاڑی چلاؤ اذہان!...... غالباً ہم جیولر کے پاس اپنی انگیج منٹ رِنگ منتخب کرنے جا رہے تھے‘‘۔ اسے یاد دلایا تھا۔ اذہان مسکراتا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

’’کتنی مشکل سے موڈ بنایا تھا مگر تم نے رومانس کا سارا بیڑہ غرق کر دیا۔ میرے اندر سے پھوٹتی محبت کا تم نے ایک لمحے میں قتل عام کیا ہے۔ کہیں تم کسی زمانے میں ٹیچر تو نہیں تھیں؟‘‘ اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ مسکرادی تھی۔

’’نہیں...... ہم لیلیٰ مجنوں تھے۔ تم شاید بھول رہے ہو ہم اپنی داستانِ محبت دوبارہ مکمل کرنے آئے ہیں۔ کوئی ڈھنگ کی بات کرو‘‘۔ ساہیہ اکتائے ہوئے انداز میں کہہ کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

’’دس، بیس، تیس سال کی چھوڑو، مجھے یقین ہے شادی کے دس روز بعد بھی میں مرگئی تو تم میری قبر پر بیٹھ کر مٹی سُکھانے والے پہلے شخص ہو گے۔ مردوں کی خصلت کو کون نہیں جانتا‘‘۔

’’نہیں، میں اے سی لگوا دوں گا‘‘۔ اذہان ہنسا تھا۔ ’’کم آن یار! کیسی بری باتیں کر رہی ہو؟...... ہم اتنے خوب صورت بندھن میں بندھنے جا رہے ہیں اور تم اچھا نہیں بول سکتی ہو تو برا بھی مت بولو۔ بتاؤ مجھے، اتنے شکوے گلے کیوں ہیں تمہیں مجھ سے؟...... اتنا بے چارہ سا بندہ ہوں میں۔ تمہارا اتنا خیال رکھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔ اور کیا کروں‘‘۔

’’محبت...... اذہان!‘‘ اس کی طرف پلٹتی ہوئی ساہیہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ اذہان نے ایک خاموش نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور دوبارہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس لمحے یکسر بے تاثر دکھائی دیا تھا۔ شاید ساہیہ نے بہت اچانک وہ ذکر چھیڑا تھا اس لیے۔ ساہیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔

’’دس، بیس یا شاید تیس برس...... اور میں ان برسوں میں سے کسی ایک دن کے انتظار میں ہوں اذہان! جو تمہیں دل سے میرا کر دے‘‘۔ ساہیہ کی طرف سے کی گئی خود کلامی تھی۔ جسے شاید اذہان نے نہیں سنا تھا۔ یا پھر اگر سنا بھی تھا تو اس کے پاس کوئی معقول جواب تھا نہ کوئی جواز۔

☆......☆......☆

چاروں جانب بکھر رہی تھی

ایک ادھوری تنہائی

ہوا نے رُک کر ہم دونوں کو

مُڑتے دیکھا تو گھبرائی

پت جھڑ کی دہلیز پہ اُس نے

پیڑ سے کچھ سرگوشی کی

اس کے بعد اس راہ گزر پر

دُور تک خاموشی تھی

''کیا ہوا؟......تم ٹھیک تو ہو؟'' مائی اماں نے دوسری طرف سے دریافت کیا تھا۔ میرب نے سر بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی مائی اماں! میں ٹھیک ہوں''۔ آواز صاف چغلی کھا رہی تھی۔

''ٹھیک ہو تو آواز ٹھیک کیوں نہیں؟''

''مجھے فلو ہے مائی! موسم کا اثر ہے''۔ میرب نے بہانہ گھڑا تھا۔

''یہ موا موسم بھی نا۔ خیال نہیں رکھ رہی ہو اپنا۔ اور یہ سبکتگین حیدر کہاں ہے؟......وہ خیال نہیں رکھ رہا تمہارا۔ کتنی سختی سے ہر بار فون پر تاکید کرتی ہوں مگر اس کے باوجود وہ بے احتیاطی برت رہا ہے تمہارے معاملے میں''۔ مائی اماں اس کے لیے فکر مند تھیں۔

''نہیں مائی اماں! وہ خیال رکھ رہے ہیں میرا''۔ نظر بھٹکتی ہوئی سامنے گئی تھی۔ کچھ فاصلے پر محترم صاحب جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

''بات کراؤ میری، ابھی کان کھینچتی ہوں''۔

''مائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرا خیال رکھ رہے ہیں۔ اس وقت وہ کچھ بزی ہیں۔ بات نہیں کر سکتے۔ میں انہیں کہہ دوں گی، وہ آپ سے بات کر لیں گے۔ آپ کیسی ہیں؟......واپس کب آ رہی ہیں؟ میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں''۔ نظر بھٹکتی ہوئی پھر اس منظر پر جا ٹھہری تھی۔

آسمان پر بادل تھا اور اس میں تارے سمٹے تھے

ہم دونوں کے قدموں سے کچھ سوکھے پتے لپٹے تھے

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔ مگر بہت جلد وہ نظرا جنبی ہو گئی تھی۔ نظر واپس پلٹی تھی اور قریب بیٹھی گی پر مرکز ہو گئی تھی۔

''مائی! آپ کی واقعی بہت یاد آ رہی ہے''۔ اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ اس شخص کے یک دم بدلتے رویے پر دل جانے کیوں اتنا کٹ رہا تھا، حالانکہ وہ تو اس کی واقف تھی۔ اس کا مزاج جانتی تھی۔

وہ آوارہ بادل تھا۔

کس دیس کا تھا۔ کس زمین کا۔

شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

پھر وہ کیوں اس کے متعلق سوچ کر اتنا ان فیر یئر فیل کر رہی تھی۔

ساتھ جب نام کا تھا تو وہ سمجھ کیوں نہیں پا رہی تھی۔

چند روزہ تھا تو وہ اندر تک اتنی کیوں بکھرتی جا رہی تھی۔

''میرب! تم میرے پاس آ جاؤ''۔ دوسری طرف مائی اماں کہہ رہی تھیں'' ۔میں کوشش کر رہی ہوں کہ کام جلد نمٹ جائے تو لوٹ آؤں مگر یہ بکھیڑے بہت وقت لیتے ہیں۔ مجھے تیری بھی بہت فکر ہے۔ میں گین کے متعلق جانتی ہوں۔ سدا کا کیئر لیس ہے۔ اس کی فکر تو خود مجھے کرنی پڑتی ہے۔ وہ کسی کا کیا خیال رکھے گا۔ میں گین سے کہتی ہوں، وہ تجھے میرے پاس بھجوا دے''۔ مائی اماں نے اس کی فکر کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں رُکا پانی بہت خاموشی سے بند توڑ کر رخساروں پر بہہ نکلا تھا۔ نگاہ پھر اس منظر پر تھی مگر وہ منظر خاموش تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ میرب نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔

''جی مائی اماں! میں سوچتی ہوں...... پاپا کا فون بھی آیا تھا۔ وہ بھی آ رہے ہیں''۔ اطلاع دی تھی۔ ساری توجہ جانے کیوں اب بھی وہیں تھی۔ جانے کیوں وہ اپنی نگاہ اس منظر سے ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

''ہاں، مظہر سیال صاحب کا ہماری طرف بھی فون آیا تھا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ صحت یاب ہو چکے ہیں اور کاروبارِ زندگی کو سنبھالنے واپس لوٹ رہے ہیں۔ انشاء اللہ اب ہماری مراد بھی پوری ہو سکے گی۔ بھائی صاحب کے آتے ہی تمہاری رخصتی کی بات سامنے رکھ دوں گی۔ اب میں اور دیر نہیں کروں گی۔ چاند کی اصل جگہ آسمان ہے اور تمہاری جگہ گین کا دل ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم دونوں کو ایک کر دیا جائے''۔ مائی اماں دوسری طرف مسکرا رہی تھیں۔ میرب کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا تھا۔ وہ منظر دیکھ رہی تھی۔ گی غالباً افسردہ تھی۔ غم زدہ ہو کر رو رہی تھی۔ گین نے پوری توجہ سے اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ میرب نے آنکھیں سختی سے میچی تھیں اور ساتھ ہی اپنا رُخ بھی اس طرف سے پھیر لیا تھا۔ مائی اماں پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھیں۔ انہوں نے جانے کیا کچھ مزید سوچ رکھا تھا۔ وہ کتنا کچھ سہہ رہی تھیں اور وہ خود...... اپنی دگرگوں ہوتی کیفیت کو سنبھالنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی اور غالباً وہ سننے کی بھی جو مائی اماں اس گھڑی کہہ رہی تھیں۔

''میری بہت تمنا ہے اپنے گین کا گھر بسا دیکھ لوں۔ اس کے بچوں کو گود کھلا لوں۔ پھر چاہے مر جاؤں، غم نہیں ہو گا۔ میری جان ہے گین۔ مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ وہ بھی جانتا ہے۔ تبھی میری کوئی بات رد نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے میں اس کے لیے سب سے بہتر سوچوں گی، تبھی آنکھیں بند کر کے اس نے شادی کا معاملہ بھی مجھ پر ڈال دیا اور میں نے اس کے لیے ایک ہیرا ڈھونڈ نکالا۔ ایک چمکتا تارہ۔ جو اس کی پوری زندگی کو روشن کر دے گا اور......''

''مائی! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ میرے سیل پر پاپا کی کال آ رہی ہے''۔ اس کے لیے مزید بات کرنا دشوار ہو رہا

تھا اس لیے اس نے بروقت بہانہ کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ مگر فرار کی راہیں تب مسدود ہوتی دکھائی دی تھیں جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز نے اس کے اُٹھتے قدم وہیں باندھ دیئے تھے۔

''مائی کا فون تھا؟'' میرب پلٹ کر دیکھنا چاہتی تھی نہ اس سے بات کرنا۔ مگر اس وقت یہ دونوں ہی باتیں ناممکن ہوتی دکھائی دی تھیں۔

''ہاں''۔ اس نے پلٹے بغیر جواب دیا تھا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ انداز سرسری تھا۔ نگاہ میں بھی کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ میرب سیال نے گردن موڑ کر ترچھی نظروں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

''آپ ان سے بات کر لیں۔ وہ غالباً آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں''۔ مائی کا پیغام مکمل طور پر منتقل نہ کر سکی تھی مگر اطلاع پہنچا دی تھی۔

''کس سلسلے میں؟...... کہیں تم نے کوئی اُلٹی سیدھی بات تو نہیں کہہ دی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے کسی قدر درشت لہجے میں کہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے مڑی تھی۔

''میں...... میں کیا اُلٹی سیدھی کہوں گی اُن سے؟ آپ جو کر رہے ہیں میں جانتی ہوں۔ سو آپ کیوں غلط سلط قیاس کر رہے ہیں؟''

''مائی سے رات کو میری بات ہوئی تھی۔ وہ تمہیں وہاں بلانا چاہ رہی ہیں۔ تم جانا چاہتی ہو تو جا سکتی ہو۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ ویسے بھی میں کل رات کی فلائٹ سے نیویارک جا رہا ہوں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف سے دو اطلاعات ایک ساتھ آئی تھیں۔ میرب سیال اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''آپ جا رہے ہیں...... کیوں؟'' وہ اس کے اتنے اجنبی انداز کے باوجود پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''ہوں...... کچھ کام ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں ہی نہیں لب ولہجہ بھی سرد ترین تھا۔

''تم مائی کے پاس جانا چاہتی ہو؟'' غالباً جانے سے قبل وہ اسے ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ میرب فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

''ایسے کیا کھڑی ہو؟ تمہیں جانا ہے یا نہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس کی خاموشی سے حد درجہ اُلجھن ہوئی تھی۔ میرب سیال نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''ابھی فی الحال میں نے کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا۔ میرے پاپا آ رہے ہیں اور ان سے میرا ملنا زیادہ ضروری ہے۔ وہ آ جائیں تو اس کے بعد سوچوں گی''۔ اس کی جانب سے نظریں ہٹاتی ہوئی وہ بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے تاثر انداز میں شانے اُچکا دیئے تھے۔

''تمہاری مرضی''۔ وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب لب بھینچے کھڑی اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔ مضبوطی سے قدم اُٹھاتا وہ شخص قدم قدم چلتا ہوا اس سے دور جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سرسراتی ہواؤں کے بیچ کھلے آسمان کے نیچے اس تاریکی میں عفنان علی خان تنہا کھڑا تھا۔

خنک موسم کے کئی رنگ اس کی آنکھوں سے جھانک رہے تھے۔ٹیرس پر اس لمحے کھڑا وہ بے حد مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔
اس کا بے تاثر چہرہ، سرد نگاہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔خزاں کے اس موسم میں اسے اپنا وجود بھی کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لگا تھا۔

اپنی مسافت اسے اتنی ہی بے وقعت اور اپنے خواب اتنے ہی دھواں دھواں دکھائی دیئے تھے۔

سارا قصور اس کا تھا شاید۔اس نے ہی زندگی کو غلط رنگ اور غلط زاویئے سے دیکھا تھا۔

انابیہ کے ساتھ اس کا ملنا، ایک تعلق کا بندھنا۔

ایک لمحے میں سوچا تھا تو سب ایک بودا مذاق لگا تھا۔

ایک یک طرفہ راہ...... یک طرفہ سفر اور صرف خسارہ......

آج اتنے سفر کے بعد اگر آج اپنے ہاتھ وہ پھیلا کر دیکھتا تو انہیں خالی پا رہا تھا۔خسارہ......صرف خسارہ۔

وہ خود کو ہارا ہوا پا رہا تھا اور یہی ہار اسے جینے نہیں دے رہی تھی۔اس کا سانس گھٹ سا رہا تھا۔

کتنی دیر سر آسمان کی طرف اُٹھائے بالوں کو مٹھیوں سے بھینچے وہ گہرے گہرے سانس لیتا رہا تھا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا تھا اور تب وہ چلتا ہوا اندر آ گیا تھا۔فریج کھول کر سوفٹ ڈرنک کا کین نکالا تھا۔کھول کر لبوں سے لگایا تھا۔تبھی دھیان اس کی طرف گیا تھا۔وہ اس کی طرف سے رُخ پھیرے لیٹی تھی۔

عفنان علی خان چلتا ہوا انابیہ کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

ایک......دو......تین......

درمیان کے جتنے قدم تھے وہ بالآخر لمحے ہو گئے تھے۔فاصلہ مٹا تھا اور وہ اس کے قریب کھڑا نظر آیا تھا۔چند لمحوں تک اس کے قریب کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا پھر جھک کر اس کا شانہ بہت آہستگی سے ہلایا تھا۔وہ غالباً نیند میں جانے کو تھی، ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔

''تم......کیا ہوا......؟''اس کی بے تاثر نظر سے وہ کچھ اخذ نہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان علی خان اسی بے تاثر انداز میں اس کی طرف دیکھتا چلا گیا تھا۔پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت ملائمت سے چھوا تھا۔

''ڈراپ سین!''لہجہ مدھم تھا۔

انابیہ کچھ اخذ نہ کر سکی تھی اسی لیے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کیا......کیا مطلب؟''

''ڈراپ سین......میں اپنے اور تمہارے رشتے کو ایک حتمی موڑ دینا چاہتا ہوں۔تمہیں اس روز بتا دیا تھا جس روز حاصل کرنا ہو گا تمہیں تمہاری اجازت سے حاصل کر لوں گا۔ٹوڈے آئی وانٹ میک لو ٹو یو'۔

''کیا......؟'' وہ حیرت سے اپنی جگہ بُت بن گئی تھی۔ شاید یہ کوئی خواب تھا۔ شاید وہ بدستور نیند میں تھی۔

شاید وہ کسی بھولے بھٹکے خواب میں تھی اور......

ہاتھ بڑھا کر عفنان علی خان کے چہرے کو چھوا تھا۔ ارادہ یقین کر لینے کا تھا مگر عفنان شاید اس کی سمت سے اس کو ''اجازت نامہ'' سمجھا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بغور توجہ سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

آج اس کی نگاہ میں کوئی جنوں خیزی نہ تھی۔

اس کے سارے خواب جیسے سرد خانوں میں مقید سرد جامد پڑے تھے۔

کوئی گرم جوشی اس کے رویے میں نہ تھی۔

انابیہ شاہ حیرتوں سے بھری نظروں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا کرے؟

کیا ہونا چاہیے تھا؟

سدباب کے طور پر کچھ ازبر نہ تھا۔

یہ کوئی حقیقت تھی یا وہ واقعی خواب میں تھی؟ ساکت نگاہ سمجھ نہ پائی تھی۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری نے گاڑی چلاتے ہوئے گھر سے آئی ہوئی کال ریسیو کی تھی۔

''جی ممی! کہیے''۔

''اذہان! اماں کے ہاں سے ماہا کو لیتے آنا۔ کچھ شاپنگ کے لیے جانا ہے''۔ امی نے حکم دیا تھا۔ اُس نے بلاتردّد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''بہتر ممی! کچھ اور؟''

''فی الحال یہی۔ تم گھر آؤ پھر باقی بات کرتے ہیں''۔ ممی نے مسکراتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اذہان نے گاڑی نانی کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ وہاں تھا۔ معمول کے مطابق ہارن دیا تھا۔ چوکی دار نے گیٹ کھولا تھا۔ اس نے گاڑی پورچ میں روکی تھی۔ تبھی ساہیہ کا فون آیا تھا۔ وہ بات کرتا گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

''ساہیہ! میں آ رہا ہوں۔ بس یہاں سے ماہا کو لینا ہے اور......'' وہ اپنے دھیان میں بات کرتا ہوا آگے بڑھا تھا تبھی کسی سے ٹکرا گیا تھا۔ سنبھل کر دیکھا تو نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

''ان بھاگتے دوڑتے دنوں میں اچانک ہی کسی روز یونہی اچانک وہ چلتی ہوئی تمہارے سامنے آن کھڑی ہوئی تو تم کیا کرو

گے؟'' ساہیہ کا لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا تھا۔ وہ ساکت سا اپنے سامنے موجود چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''چلو فرض کرو وہ آ جاتی ہے واپس تمہاری زندگی میں، یونہی چلتے چلتے اچانک کسی روز، تب تم کیا کرو گے؟''

ساہیہ بضد تھی۔

''ساہیہ! میں وقت کو روک دوں گا۔ میں وقت کی نبض تھام لوں گا''۔ اپنی آواز بھی اس کے کہیں آس پاس تھی۔

وہ چہرہ خواب نہ تھا۔

خیال نہ تھا۔

جیتا جاگتا احساس تھا۔

زندہ لمحے کے سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکنیں اس وقت بھی سن رہا تھا۔

لمحے اگرچہ ٹھہر چکے تھے۔ نظریں جم گئی تھیں۔

مگر سینے میں موجود دل اب بھی دھڑک رہے تھے۔

دھک......دھک......دھک......

اذہان حسن بخاری کی نگاہ یوں ساکت تھی جیسے کوئی خواب کا سا عالم ہو۔ جیسے سارے لمحے نیند والے ہوں اور دکھائی دینے والا ہر منظر خواب خواب۔

اس کے سامنے کھڑے وجود میں بھی کوئی حرکت نہ تھی۔ اس کی طرف دیکھتی وہ نگاہ بھی اسی قدر ساکت تھی۔ جیسے یقین اس طرف بھی نہ تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اپنے قدم اس کی طرف بڑھائے تھے اور اس کے مقابل آن رکا تھا۔

اس کی جانب تکتی نگاہ پانیوں سے بھر گئی تھی۔

''میرب!'' اذہان حسن بخاری نے جیسے یقین کرنے کو اسے آہستگی سے چھو کر دیکھا تھا۔ میرب سیال کے پتھر سے وجود میں حرکت ہوئی تھی اور وہ بے اختیاری میں اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

اگر کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور لمحہ ہوتا تو شاید صورتِ حال مختلف ہوتی۔ مگر یہ وہ لمحے تھے جب میرب سیال بے حد شکستگی کے عالم میں تھی۔ دل جس دور سے گزر رہا تھا اس میں اختیار رہ ہی نہ پایا تھا اور آنکھیں بھیگتی چلی گئی تھیں۔

اذہان حسن بخاری اپنے شانے پر دھرے اس کے سر کو دیکھتا ہوا اب بھی اسی قدر حیران تھا۔ نہ ہاتھوں نے بڑھ کر اسے گرفت میں لیا تھا، نہ کوئی حصار باندھا تھا۔ وہ ایک عالم حیرت میں تھا اور ساکت کھڑا تھا۔

وقت چپ چاپ دبے پاؤں گزر رہا تھا۔ لمحوں میں کوئی آہٹ نہ تھی۔ کوئی ہلچل نہ تھی۔

وہ وقت کی نبض کو نہیں تھام سکا تھا۔

میرب سیال اپنے اندر کا بہت سا غبار اس کے شانے پر بہا کر دور ہوئی تھی۔ چند لمحے یوں ہی سر جھکائے چپ چاپ شرمندہ سی کھڑی رہی تھی۔ انداز میں ایک واضح جھجک مانع تھی۔ ایک بے ساختہ لمحے کی گرفت کے بعد کا عالم تھا یہ۔

اذہان چپ چاپ کھڑا عجب بے بسی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی۔ بہت دیر بھی نہ ہوئی تھی۔

ابھی کل کی بات لگتی تھی۔

دل کا بے وجہ قیامت کرنا۔ ہلچل مچانا۔ شور کرنا۔

وہ ساری آوازیں آج اتنی دبی دبی سی کیوں تھیں؟ یا پھر سماعتوں کا ہی کوئی قصور تھا۔

دل دھڑک رہا تھا تو آواز کیوں نہ آ رہی تھی؟ یہ لمحے اتنے چپ چاپ، اجنبی بنے کیوں گزر رہے تھے؟ وہ جو آشنا تھا، آج اجنبیوں کی طرح ایک دوجے سے نگاہ پھیرے چپ چاپ سے کیوں کھڑے تھے؟

میرب سیال بنا اس کی طرف دیکھے مڑی تھی غالباً وہ اس منظر سے چپ چاپ جدا ہونا چاہتی تھی۔ جب اذہان حسن بخاری نے اسے پکار لیا تھا۔

''میرب!'' پڑھنے والے نے جیسے کوئی اسم اعظم پھونکا تھا۔ میرب سیال کے قدم وہیں پتھر ہو گئے تھے۔ وہ پلٹی نہیں تھی مگر وہیں اس جگہ جیسے جم گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے چلتے ہوئے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی اور چلتے چلتے اس کے مقابل جا رُکا تھا۔

چپ چاپ اس کے چہرے کو تکتا رہا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش کی تھی مگر کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ چپ چاپ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ انداز میں بے بسی سی تھی۔

''کیسی ہو تم؟'' اذہان حسن بخاری کو اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔ میرب سیال نے اس کی طرف چہرہ پھیرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور مسکرا دی تھی۔ مگر بہت مصنوعی مسکراہٹ تھی۔

''اور تم......تم کیسے ہو؟'' نگاہ ملانے کی ہمت دونوں میں ناپید تھی۔ اذہان حسن بخاری کو اپنا آپ بے حد شکستہ لگا تھا۔ مگر اس نے میرب کی تقلید کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں......میں بھی ٹھیک ہوں''۔ مدھم لہجے میں کچھ ٹوٹنے کی صدا تھی۔ میرب اس کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکی تھی وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرب کے انداز میں ہی نہیں، نگاہ میں بھی گریز پائی تھی۔

''خوش......خوش ہو تم؟'' اذہان کی نگاہوں نے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"اور تم؟" جواباً پوچھنا جیسے اس کے لیے فرض ہو گیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

"تم سے بچھڑ کر جیتا ہوں!

تیری طرح میں بھی جھوٹا ہوں"

میرب اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔ توجہ پھر بٹ گئی تھی۔

"مظہر انکل کیسے ہیں؟......زوباریہ آنٹی، فانی......؟"

"سب ٹھیک ہیں"۔ میرب نے مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔

"نانو سے پتہ چلا تھا انکل مظہر کے بارے میں۔ پوچھنا بھی چاہتا تھا مگر......" اس کے آگے وہ نہیں بول سکا تھا۔

"فارحہ آنٹی کیسی ہیں؟" میرب نے خاموشی کے اس تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ شاید خاموشی میں اُبھرتے جو سوال تھے ان کا سامنا کرنے کی ہمت دونوں میں ناپید تھی۔

"ٹھیک ہیں وہ بھی۔ ماہا نے تو یہیں ڈیرہ جمایا ہوا ہے اِن فیکٹ، حالانکہ گھر میں کئی کام ہیں مگر وہ بہت ضدی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر روٹھ جائے تو منانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پاپا سے اس کی کچھ ٹھن گئی تھی۔ سو وہ......"

"انگیج منٹ ہو رہی ہے تمہاری؟" وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا جب میرب نے بول کر اس کا سارا بھرم توڑ دیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ لب بھینچ لیے تھے اور بہت آہستگی سے اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ عجب مجرمانہ سا انداز تھا۔

"جینے کی رسمیں نبھانا پڑتی ہیں میرب! سو رسم نبھا رہا ہوں"۔ وہ بہت آہستگی سے مسکرایا تھا۔ "نانو بتا رہی تھیں تمہاری رخصتی بھی عمل میں آنے والی ہے۔ مظہر انکل واپس آ رہے ہیں اور......"

"ہاں، ٹھیک سنا تم نے۔ پاپا واپس آ رہے ہیں...... اینڈ آئی ایم سو میچ ہیپی"۔ لبوں پر مسکراہٹ لیے "پری ٹنڈ" کرنے کا انداز بہت خوب تھا۔

"ہیپی؟......انکل کے آنے کے لیے یا اپنی رئیل میرج کے لیے؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب نے مسکراہٹ کا سہارا لیا تھا۔

"دونوں کے لیے۔ اپنی انگیج منٹ میں بلاؤ گے نہیں؟" پتہ نہیں امتحان لینا مقصود تھا اس کا؟ وہ پُر اعتماد نظر آنے کی حتیٰ الامکان کوشش کر رہی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کیسے بلاتا؟ تم خفا تھیں نا مجھ سے"۔ اذہان کی جان کئی قیامتوں کے زیر تھی۔

"سبھی تعلق توڑ لیے۔ کیا اچھا کیا تم نے؟" میرب سیال نے دوستانہ انداز میں شکوہ کیا تھا۔ دونوں صورتِ حال کو یوں بس میں

ظاہر کرنا چاہ رہے تھے جیسے سب کچھ اپنے اختیار میں ہو۔مگر بکھرنے کا یہ عمل بہت واضح تھا۔

''اوں، ہوں......اچھا نہیں کیا شاید''۔مدھم سرگوشی میں افسوس نمایاں تھا۔نگاہ بغور اس کے چہرے کو جو دیکھ رہی تھی۔''بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔مگر کیا کروں، تم تو جانتی ہو مجھے۔سدا کا بھلکڑ ہوں''۔اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''مجھے بھول گئے؟''میرب سیال کی آواز ہی نہیں، نگاہ بھی شکوہ کر رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔جیسے اس لمحے اس کے پاس کوئی لفظ تھے نہ جواز۔وہ چپ چاپ نگاہ پھیر گیا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''کیسے دوست ہو؟ کبھی یاد نہیں آئی تمہیں میری؟ مجھے تو لگا تم مجھے بھولے ہی نہیں ہو گے۔بہت ستاتی تھی نا میں تمہیں؟''

''ہاں، بہت''۔عجب اک رکھ رکھاؤ میں وہ بھی مسکرایا تھا۔''مگر تم نے جاتے ہوئے منع کر دیا تھا نا، تمہیں کبھی اپنی صورت نہ دکھاؤں''۔

''میں نے کہا اور تم نے مان لیا؟''میرب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تمہاری کوئی بات ٹالی ہے کبھی؟''اذہان نے مسکرا کر خود کو معمول پر ظاہر کرنا چاہا تھا۔بے بسی صاف نمایاں تھی اس کی آنکھوں میں۔میرب مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔

''اور تم......؟''اذہان نے اس کے خاموشی سے نگاہ پھیر لینے پر اسے بغور دیکھا تھا۔

''ہاں......بہت خوش ہوں''۔مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔غالباً خود کو کمزور ظاہر کرنا مقصود نہ تھا۔مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

''کس لیے؟......شادی کر رہی ہو اس لیے؟''

''ہاں......اس کے لیے بھی۔مگر پاپا واپس آ رہے ہیں اس لیے بھی۔بہت تنہا پڑ گئی تھی۔ان کے بنا۔تم نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں پوچھا۔کتنے بے مروت رشتے دار ہو میرے۔کتنے تعلق تھے ہمارے مابین مگر تم کوئی ایک بھی نہ نبھا سکے''۔مسکراتے ہوئے ایک مزید شکوہ ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا رہا تھا۔

''ڈر تھا''۔

''کس بات کا؟''چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہارا ہزبینڈ بہت برا پیٹتا نا مجھے؟''اذہان مسکرایا تھا۔''سیفی بتا رہا تھا، موصوف خاصے خوف ناک ہیں۔تم نے ہزبینڈ ہی ڈھونڈنا تھا تو ڈھنگ کا ڈھونڈا ہوتا۔یہ جلاد ڈھونڈنے کی کیا ٹھانی؟''معمول پر ظاہر کرنے کے لیے کیسے کیسے ضبط درکار تھے، اس کا اندازہ اذہان کو ہو رہا تھا۔نہ مسکرانا آسان تھا نہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر ایسی معمول کی بات چیت کرنا۔مگر اسے ایسا کرنا تھا۔کیونکہ یہ منشا تھی

اس وقت کی۔ وقت کو وہ پہلے بھی نہیں ٹال سکا تھا اور اب بھی نہیں۔

میرب اس کے مذاق پر مسکرا دی تھی۔

''سیفی نے اتنا کچھ بتا دیا تمہیں؟''

''نہیں۔ بہت کچھ اس نے نہیں بھی بتایا''۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟'' میرب نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

''یہی کہ تم بہت خوش ہو''۔ اذہان اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ میرب زیادہ دیر مسکرا نہیں سکی تھی اور نگاہ پھیر گئی تھی۔ اذہان اسے دیکھتا ہوا دھیان پھیر گیا تھا۔

''تم کبھی آئی ہی نہیں۔ ممی کو بھی اپنی بھانجی سے ملنے کا بہت اشتیاق رہا۔ کئی بار پوچھا بھی انہوں نے مگر......''

''تم ٹال گئے ہو گے''۔ میرب نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں، بتایا تھا میں نے انہیں''۔ اذہان نے اقرار کیا تھا۔

''کیا؟'' اپنی آواز بہت مدھم اور نیم جاں لگی تھی میرب کو۔

''یہی کہ سارا قصور میرا تھا''۔ اذہان نے فراخ دلی سے سارا الزام اپنے سر لیا تھا۔ میرب کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ وہ دونوں ایک دوجے سے نگاہ پھیرے چپ چاپ سے کھڑے تھے جب ماہا نے وہاں آکر دونوں کو متوجہ کیا تھا۔

''اذہان بھائی! کب آئے آپ؟...... میرب آپی سے مل لیے۔ چلو اچھا ہوا۔ ورنہ مجھے یقین تھا اگر ان کے جانے کے بعد میں آپ کو بتاتی کہ میں نانو کے یہاں میرب آپی سے ملی تھی تو یقیناً آپ بہت گلہ کرتے کہ مجھے کیوں نہیں ملوایا''۔ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ ان دونوں کی کیفیات سے قطع نظر۔

اس کی بات پر دونوں مسکرا دیئے تھے۔

''کتنی عجیب بات ہے نا...... ہم کزن ہیں مگر اس کے باوجود اِک دوجے کی حال احوال کی خبر تو دور کی بات، شکلیں بھی حادثتاً اور اتفاقاً دیکھتے ہیں۔ جب کبھی وقت اچانک ہمیں ملا دیتا ہے۔ ہے نا میرب آپی؟'' ماہا نے مسکراتے ہوئے کسی قدر حقیقت بیان کی تھی۔

میرب نے سرا ثبات میں ہلا دیا تھا۔

''دلوں کی دوریاں ایسی ہی ہوتی ہیں ماہا! بعض اوقات دور ہو کر بھی کوئی متواتر یاد رہتا ہے اور بعض اوقات ایک شہر میں، ایک علاقے میں رہتے ہوئے کبھی یاد بھی نہیں آتا''۔

''ارے، یہ کیسی بات کر دی آپ نے۔ ممی نے سنا تو انہیں بہت برا لگے گا۔ آخر کو سگی ماسی ہیں وہ آپ کی۔ ماسی مین ماں...... سی۔ ہم سے زیادہ آپ سے پیار کرتی ہیں وہ۔ مگر آپ بھی نا۔ آخری بار میری شادی کی رسم تک میں شرکت نہ کی۔ مایوں والی شام آئیں بھی تو کھڑے

کھڑے واپس لوٹ آئیں اور تو اور ہمیں اپنے نکاح تک میں نہ بلایا۔ انکل بیمار پڑے، باہر چلے گئے، آپ نے بتایا تک نہیں۔ میری شادی ٹوٹ گئی مگر آپ نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ ایسے ہی اجنبی ہو گئے تھے ہم آپ کے لیے؟ جانتے ہیں ہم، آپ کے پاپا کو اپنی سسرال یعنی ہماری ساری فیملی سے پرابلم ہے۔ نانو سے، ماموں سے، ہم سے بھی۔ مگر آنٹی کے گزر جانے کے بعد تو انہوں نے بالکل ہی دور کر دیا ہم سے۔ اور اب تو حد ہو گئی۔ آپ کی رخصتی ہونے والی ہے یعنی شادی۔ اور ادھر اذہان بھائی کی انگیج منٹ۔ مگر نہ آپ کی ہمیں کوئی خبر ہے نہ آپ کو ہماری'' ۔ ماہا متواتر شکوہ کر رہی تھی۔ میرب بہت سی باتوں کے اسباب جانتی تھی اور بہت سی باتوں کے نہیں۔ خاموشی ہی بہتر تھی۔ اس لمحے بہت سی باتوں کے بھید شاید تبھی پردے کے پیچھے چھپے رہ سکتے تھے۔ وہ آگے بڑھی تھی اور ماہا کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر ماتھے پر پیار کیا تھا۔

''فارحہ آنٹی کو میری طرف سے ضرور پوچھنا'' ۔ اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ جب ماہا اس کا ہاتھ تھام کر مسکرا دی تھی۔

''پھر کب ملیں گے ہم؟ کہیں پھر اتفاقاً یا......'' اس کی شرارت پر وہ مسکرا دی تھی۔

''لٹ سی ماہا! آئی رئیلی ڈونٹ نو'' ۔ اسے محبت سے دیکھ کر اذہان کی طرف دیکھا تھا اور اسی رسمی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''چلتی ہوں میں'' ۔

اذہان نے بھی رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ کیا تھا۔ میرب سیال مڑی تھی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کی نگاہیں بہت سے اضطرابوں سے بھر گئی تھیں۔ تادیر اس منظر پر جمی رہی تھیں جب تک گاڑی گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی تھی۔ ماہا نے بھائی کی جانب بہ غور دیکھا تھا اور بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''بھائی! آپ نے وقت گنوا دیا نا'' ۔ اس ایک جملے میں جتانے کو بہت کچھ تھا۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ بہت ہارے ہوئے انداز میں مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ماہا کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''بھائی! اگر آپ اس وقت کوئی اسٹینڈ لیتے تو آج میری آپی آپ کے ساتھ ہوتیں نا۔ آپ نے تب کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لیا......؟'' ماہا نے بھائی کی کیفیات کے پیشِ نظر کہا تھا اور وہ کچھ بھی کہے بغیر چہرہ پھیر گیا تھا۔

''آپ فیملی کرائسس میں اُلجھے رہے۔ ممی کا گھر بچانے کے جتن میں آپ نے اپنا دل نہیں دیکھا۔ اگر دیکھ پاتے تو آج صورتِ حال مختلف ہوتی۔ کیا پایا بھائی! کیا پایا ہم دونوں بہن بھائیوں نے؟ وہ وقت ہم دونوں سے بہت کچھ چھین کر لے گیا نا۔ آپ سے چپ چاپ اور مجھ سے واضح طور پر۔ آپ نے ہماری بجائے خود اپنی فکر کیوں نہیں کی بھائی؟...... میری مایوں کے روز جب میرب آپی گھر آئی تھیں تو وہ آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں وہ۔ آنکھوں میں اُلجھن تھی۔ وہ آپ کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ میں تب نہیں جانتی تھی، صورتِ حال ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ وقت انہیں لیے آپ سے اتنا دور بھی لے جا سکتا ہے۔ میں اس روز نہیں جانتی تھی، آپ ان سے ملے یا نہیں۔ اگلے دو چار دنوں میں جو قیامت ہمارے گھر پر ٹوٹی تھی اسے لے کر نہ ہم کچھ سوچ سکے نہ دیکھ سکے۔ مگر کچھ عرصے بعد جب مجھے سیفی سے میرب آپی کے نکاح کے متعلق پتہ چلا تو خوشی نہیں ہوئی مجھے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ انہیں اپنی بھابی کے روپ میں

دیکھا تھا۔ مگر...... بھائی! آپ کو پتہ نہیں احساس ہے یا نہیں مگر ہم دونوں کے مجرم پاپا ہیں۔ انہوں نے ممی کو ہی نہیں، اپنے بچوں کو بھی نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ مجھے آج پتہ چلا ہے کہ میرب آپی اپنے اچانک طے کردہ رشتے کو لے کر اس وقت پریشان تھیں جب ہمارے گھر آئیں۔ وہ یقیناً کوئی حل چاہتی تھیں اور حل نکل بھی آتا اگر آپ نے اس وقت کو اپنی گرفت میں لیا ہوتا۔ پاپا کے گھر کو بچانے کی بجائے اپنے دل کو دیکھا ہوتا۔ میرب آپی آپ کا ساتھ چاہتی تھیں نا۔ اس وقت اگر آپ نے ان کا ساتھ دیا ہوتا تو آج آپ اتنے شکستہ اور ادھورے دکھائی تو نہ دے رہے ہوتے۔ آپ نے کیوں اسٹینڈ نہیں لیا اس وقت؟ کیوں اُلجھے رہے ہمارے الجھاوؤں میں؟ کیوں اپنے دل کو نہیں دیکھا؟ کیوں گنوا دیا اتنی اچھی لڑکی کو؟ کیوں توڑ دیا اس کا دل جو آپ کا دل آباد کیے ہوئے تھی؟ آپ کو نہیں لگتا، خود کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کے ساتھ بھی برا کیا ہے۔ خود کو تو نقصان پہنچایا ہی ہے، اسے بھی تکلیف دی ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے وہ خوش ہے؟''

ماہا کا مدھم لہجہ بہت سے سوالوں سے پُر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت آہستگی سے بھیگ رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے سر بہت آہستگی سے ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں کو پونچھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں تھے گڑیا!...... ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں تھے۔ تبھی وقت نے ہماری مخالفت کی۔ میں نے کوئی قربانی نہیں دی۔ میں نے اس وقت جو بھی اپنی فیملی کے لیے کیا وہ اس وقت کی ضرورت تھا۔ میری فیملی کو میری زیادہ ضرورت تھی ماہا! آج وہ بھی اپنی زندگی میں نئی خوشیاں سمیٹنے جا رہی ہے اور میں بھی نئے راستوں کی سمت گامزن ہوں۔ جو ہو چکا ہے اس کا ملال کرنے کی ہم دونوں کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت۔ پھر تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو؟ اور کیا ہم ساری باتیں آج یہیں کھڑے کھڑے کر لیں گے؟ بھول گئیں تم، تمہارے اس ہینڈسم سے، ڈیشنگ سے بھائی کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے کل۔ تم یوں اِدھر اُدھر کی سوچ کر وقت برباد کر رہی ہو۔ تیاری نہیں کرنا ہے؟ ویئر اِز یور ا یکسائٹمنٹ ہاں؟ آئی ایم مسنگ ڈیٹ آن یور فیس''۔ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''ممی نے مجھے تمہیں لانے کے لیے کہا تھا۔ تم اپنا سامان لے آؤ۔ میں یہیں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کرتا ہوں''۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟...... نانو کو خبر ہوئی کہ آپ یہاں پورچ میں ہی کھڑے ہو کر واپس لوٹ گئے ہیں تو بہت خفا ہوں گی''۔ ماہا نے خدشہ بیان کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم فکر مت کرو۔ میں سمجھا دوں گا انہیں۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔ جلدی سے سامان لے کر آؤ''۔ مدھم لہجے میں کہہ کر اس کا گال تھپتھپا کر وہ پلٹا اور گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔

ماہا نے بھائی کو بغور دیکھا تھا۔ دُھند میں لپٹی اس خنک سی شام کے سارے منظر اسے بہت خنک، سرد اور جامد لگے تھے۔ وہ پلٹی تھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری بے تاثر چہرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا بہن کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اپنے کانپتے وجود کو سنبھالنا انابیہ کو بے حد دشوار لگا تھا۔عفنان علی خان کی پیش قدمی پر وہ بہت آہستگی سے قدم قدم پیچھے ہٹی تھی۔سردی کے موسم میں اس کا چہرہ پسینے سے تر بہ تر تھا۔آنکھوں میں خوف واضح تھا۔مگر عفنان علی خان کے اس کی جانب بڑھتے قدم نہیں رُکے تھے۔

''نہیں......'' بہت آہستگی سے اس نے سرنفی میں ہلایا تھا۔مگر عفنان علی خان نہیں رُکا تھا۔

''نہیں......'' وہ چیخنے کی خواہش میں چیخ نہیں سکی تھی۔آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔

اس کی آنکھ ایک دم کھلی تھی اور وہ اُٹھ بیٹھی تھی۔

گہرے گہرے سانس خارج کرتی ہوئی وہ چند لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔پھر حواس کچھ بحال ہوئے تھے تو ہاتھ بڑھا کر لیمپ جلایا تھا۔کمرے کا منظر بے حد واضح ہو کر اس کے سامنے تھا۔سامنے نگاہ گئی تھی جہاں عفنان علی خان صوفے پر سویا ہوا تھا۔اتنی بے خبر نیند تھی کہ اپنے اوپر سے کمبل سرک جانے کا بھی احساس اسے نہ ہوا تھا۔سردی کی شدت کا اسے کوئی احساس نہ تھا۔انابیہ کا ہاتھ اپنی پیشانی کی طرف گیا تھا۔پیشانی ہی نہیں، سارا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ہاتھ پر کئی قطرے لے کر اس نے اپنے ہاتھ کو اور پھر عفنان علی خان کو دیکھا تھا اور ساری حقیقت خود بہ خود واضح ہو گئی تھی۔یقیناً خواب تھا وہ۔

مگر کس قدر دل دہلا دینے والا تھا۔

''تھینک گاڈ''۔ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اپنے چہرے کو صاف کیا تھا۔

عفنان علی خان اور اس کے درمیان تفاوت اسی طور پر قائم تھی۔اور یہ بات دل کی تسلی کو کافی تھی۔وہ کمبل ہٹا کر اُٹھی تھی۔بیڈ سے نیچے اُتری تھی۔چلتی ہوئی بے ساختہ ہی عفنان علی خان کی سمت آئی تھی۔زمین پر گرے ہوئے کمبل کو اُٹھا کر بہت آہستگی سے اس پر ڈالا تھا اور اسی قدر آہستگی سے مڑ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔بہت سے چھپاکے منہ پر مارنے کے بعد وہ ٹاول سے چہرہ پونچھتی ہوئی باہر آئی تھی۔دھیان کلاک کی سمت گیا تھا۔صرف دو بجے تھے ابھی۔بستر میں جانے کی بجائے بیڈ کی طرف آ کر ڈائری نکال کر رائٹنگ ٹیبل پر آ گئی تھی۔مگر اس سے قبل وہ کمرے کی لائٹ بند کرنا نہیں بھولی تھی۔ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس نے ڈائری کو کھولا تھا اور پچھلے لکھے صفحات کو اُلٹ کر سرسری انداز میں دیکھا تھا اور پھر صفحے اُلٹتے ہوئے آگے بڑھی تھی اور قلم کھول کر تیزی سے کچھ لکھنے لگی تھی۔تنہائی تھی۔سکون تھا۔آس پاس کے ہر احساس سے ماورا وہ بہت روانی سے لکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

اے افسونِ جاں، افسونِ انتظار

کیا کہیں کہ بسر ہوتے ہیں روز و شب کیسے

کیسے اُٹھتی ہے روح میں قیامت کوئی......!

کیسے کٹتی ہے بار گراں سانس کوئی

کیسے آتا ہے کسی بیمار کو بے وجہ قرار

اے افسونِ جاں، افسونِ انتظار

اذہان حسن بخاری نے گھر میں قدم رکھا تھا۔ایک چہل پہل تھی۔تیاریاں عروج پر تھیں۔وہ تھکے ماندے سے قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ ''مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے''۔فارحہ سے اس کا سامنا ابھی تک نہیں ہوا تھا اور فی الحال وہ ان سے سامنا کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔کچھ وقت تنہائی میں خود اپنے ساتھ خاموشی میں گزارنا چاہتا تھا۔سو وہ آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹ گیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو تم؟''اس کی آواز اس کے اندر گونجی تھی۔

''ایک بات''۔میرب سیال جواباً بہت دل کشی سے مسکرائی تھی۔

''کیا؟''وہ چونکا تھا۔

''یہی کہ تمہیں اگر زندگی میں سے اور مجھ میں سے انتخاب کرنا پڑے تو تم کسے چنو گے؟''وہ شرارت کے موڈ میں تھی۔وہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ بھی کوئی سوچنے والی بات ہے؟......میرے لیے تم زندگی سے زیادہ اہم ہو۔ہر ایک شے سے زیادہ اہم ہو''۔

''اوں، ہوں......بناؤ مت''۔

''تو پھر کیا کروں؟......کود جاؤں اس چیئر لفٹ سے؟''وہ ہنسا تھا۔

''ڈونٹ بی اوور اسمارٹ۔یہاں سے کودنا تم جیسے بندے کے لیے مشکل بھی نہیں ہے۔کوئی بھی اسٹنٹ آرام سے کر جاؤ گے تم۔پھر میں تم سے ایسی کوئی فرمائش ہی کیوں کروں؟''

''تو پھر؟''وہ مسکرایا تھا۔

میرب کچھ دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''کچھ نہیں''۔

''کچھ نہیں؟''وہ حیران ہوا تھا۔

''ہوں''۔

''شیور؟''اس کی اپنی تسلی نہ ہوئی تھی۔

''سنٹ پرسنٹ''۔وہ مسکرائی تھی۔''میرے لیے تمہاری محبت سب سے اہم ہے''۔

''اور میرے لیے تم''۔وہ مسکرایا تھا۔

''جانتی ہوں میں''۔

''تو پھر پوچھ کیوں رہی تھیں؟'' مصنوعی غصے سے گھورا تھا۔

''تسلی کر رہی تھی''۔ وہ ہنس دی تھی۔

''یقین کرلو۔ ہماری لو اسٹوری میں کہیں دور دور تک بھی کوئی ولن نہیں ہے جو ہمیں ملنے سے روک سکے۔ آج ممی کو انفارم کروں گا تو کل تم دُلہن بنی میرے گھر پر ہوگی''۔ اذہان کا لہجہ پُر یقین تھا۔

''اچھا...... اتنا آسان ہے کیا سب کچھ؟'' میرب نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔ ''گھر سے باہر پڑی ہوں کیا، یا پھر بوجھ ہوں اپنے گھر والوں کے لیے؟''

وہ ہنس دیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ جانتا ہوں میں۔ مگر مجھے اپنی محبت کی سچائی کا یقین دلانے کے لیے کوئی بڑھک تو مارنا تھی۔ سو......'' مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ میرب مسکرادی تھی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''اذہان! کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟''

''کیوں، تمہیں نہیں لگتا؟'' وہ اس کے خدشے کو کوئی نام نہ دے سکا تھا۔

''پتہ نہیں''۔ اس نے شانے اُچکا دیئے تھے۔ ''جب سے بڑے ماموں کی ڈرائیونگ سے ممی اس دنیا سے گئی ہیں پاپا کا رویہ ممی سے وابستہ ہر رشتے کے لیے سرد ہو گیا ہے۔ وہ بڑے ماموں کو اس حادثے کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ یہ بات صاف نظر آتی ہے۔ مگر کہیں کوئی اور بات بھی ہے اذہان! مجھے اس سے پہلے بھی پاپا کا رویہ اپنی ننھیال کے لیے پُر جوش اور گرم جوش نہیں لگا۔ فارحہ آنٹی کے لیے تو کبھی بھی نہیں۔ مگر اپنے پاپا کو میں کچھ نہیں سمجھ سکی۔ کبھی ان سے پوچھ بھی نہیں سکی۔ مگر ان کو کہیں نہ کہیں میری ننھیال سے کوئی پرابلم ضرور ہے۔ ممی سے وہ بہت محبت کرتے تھے۔ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مگر......''

''کہیں کچھ نہیں ہے میرب......!'' اذہان نے اسے جھٹلا دیا تھا۔ ''سب کچھ ٹھیک ہے اور رہی مظہر انکل کی بات تو آئی ایم شیور، انہیں اپنی بیٹی کے لیے مجھ سے اچھا لڑکا کہیں نہیں ملے گا۔ وہ مجھے لوز کرنا ہرگز نہیں چاہیں گے''۔ اسے تسلی دینے کو وہ مسکرایا تھا۔ انداز مذاق میں اُڑانے والا تھا اور میرب سیال مسکرادی تھی۔

''تم صرف میرے لیے ہو میرو؟ تمہیں نہ کوئی چرا سکتا ہے نہ چاہ سکتا ہے۔ اگر کوئی ہوا تو......'' مسکراتے ہوئے یقین دلانا چاہا تھا۔ وہ مسکرادی تھی۔

''کچھ زیادہ ہی بڑے ڈائیلاگ نہیں مار رہے آپ اذہان صاحب؟''

''ہاں، تو پھر؟'' وہ خجل سا ہو کر مسکرایا تھا۔

میرب سیال ہنستی چلی گئی تھی۔

''اذہان!'' وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا جب فارحہ نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

''اذہان! کیا ہوا؟......اس طرح کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' فکر مندی سے جھک کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا اور اسی لمحے وہ آنکھیں کھولتا ہوا اُٹھ بیٹھا تھا۔

''اذہان بیٹا! کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح اپنے کمرے میں کیوں آ گئے؟''

''کچھ نہیں ممی! ٹھیک ہوں میں''۔ اذہان حسن بخاری نے مسکرا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا مگر وہ پھیکی سی مسکراہٹ فارحہ کو زیادہ مطمئن نہیں کر سکی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' اذہان رشتوں میں اتنی ایمان داری کا قائل تھا کہ کچھ بھی چھپا نہیں سکا تھا۔ فارحہ کی طرف دیکھا تھا اور بہت آہستگی سے بولا تھا۔

''میں میرب سے ملا آج''۔

فارحہ حیران رہ گئی تھیں۔

''کہاں؟''

''نانو کے گھر۔ وہ بھی غالباً ان سے ملنے آئی تھی۔ میں آپ کے کہنے پر ماما کو لینے گیا تھا تبھی اچانک وہ میرے سامنے آ گئی''۔ کہہ کر وہ لب بھینچ کر سر جھکا گیا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کی کیفیت جاننے کے لیے فارحہ کے لیے اسے آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے بھی اسے دیکھتیں تو جان سکتی تھیں اس کے دل میں کیا تھا......اس لمحے وہ کس کیفیت کے زیر تھا۔ وہ جانتی تھیں تبھی شاید وہ کچھ نہیں بولی تھیں اور وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''میری زندگی کا بہت کڑا لمحہ تھا وہ...... میں جی نہیں پایا۔ مر گیا، لمحہ بھر کو۔ میرا اندر میری روح سے خالی ہو گیا اور میں خالی خالی آنکھوں سے چپ چاپ تکتا رہا ان آنکھوں کو، اس چہرے کو جو کبھی میرے لیے سب سے خاص تھا اور آج شاید کچھ بھی نہیں''۔ اذہان حسن بخاری ماں کے سامنے وہ سب بول رہا تھا جو شاید وہ دُنیا میں کسی کے سامنے نہیں بول سکتا تھا۔ سر جھکائے اس لمحے وہ بے حد شکست خوردہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ وہ دُنیا میں اگر کسی کے سامنے کمزور پڑ سکتا تھا تو وہ صرف اس کی ماں تھی۔ فارحہ چپ چاپ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ہم اجنبیوں کی طرح ملے۔ رسمی بات چیت کی اور بالکل اجنبی لوگوں کی طرح کنی کتراتے ہوئے اِک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کہانی ختم ہو گئی۔ اس لمحے مجھے وہ سارے لمحے خواب لگے جب ہم ملے تھے اور بار بار ملے تھے۔ تب اس لمحے کی پہچان مجھے لمحہ بھر کی لگی۔ شاید ہم کسی غلط وقت کے غلط لمحے میں ملے۔ شاید ہمیں اب بھی نہیں ملنا چاہیے تھا۔ میں نہیں بتا سکتا آپ کو، اسے بھی نہیں اور شاید خود کو بھی نہیں۔ میں اس سے دل سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ کبھی بھی دوبارہ نہیں۔ میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ ہم دوبارہ کبھی کہیں ملیں گے بھی۔

مگر وقت نے ہمیں ایک بار پھر ایک دوسرے کے مقابل کر دیا۔ ہم ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ بول رہے تھے تو صرف جھوٹ بول رہے تھے۔ رسمِ دُنیا نبھا رہے تھے۔ مگر میری نگاہوں نے اسے پڑھ لیا اور اس نے مجھے۔ میں جان گیا کہ وہ خوش نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں درج تھا۔ کتنی بے سکونی ہے اس کے اندر۔ مجھے گمان ہے میری آنکھوں نے بھی اسے وہ سب نہ بتا دیا ہو جو میں اس سے چھپانا چاہتا تھا"۔ مدھم لہجہ بے حد کمزور تھا۔

فارحہ بیٹے کی کیفیت چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔ آنسو صرف اذہان کی آنکھوں سے ہی رواں نہ تھے، ان کی اپنی آنکھیں بھی چپ چاپ بھیگ رہی تھیں۔

"میں اپنا ہر رشتہ پوری ایمان داری سے نباہنا چاہتا ہوں۔ پھر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟ مجھے وقت مجرم کیوں بنا رہا ہے؟ اب جبکہ میں ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے جا رہا ہوں اور وہ بھی ایک نئے سفر کی سمت گامزن ہے۔ ہم ایک دوجے کے مقابل کیونکر آن رُکے؟ کچھ دن اور چپ چاپ کیوں نہ گزر گئے؟ ہم دُنیا کے کسی کونے میں یونہی ایک دوسرے سے بے خبر ہو کر، انجان بن کر گزار لیتے تو آج وہ سب تو نہ کھلتا جو کھلا۔ وہ سب تو نہ ہوتا جو ہوا۔ ایسا کیوں ہوا ممی؟" اذہان بچوں کی طرح ان سے دریافت کر رہا تھا۔ فارحہ نے اسے تھام کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

"جھوٹ ہیں...... بہلاوے ہیں سب ممی! جھوٹے دعوے ہیں۔ کچھ نہیں بھول سکا۔ میں بھولنا چاہتا ہوں اُسے۔ اُس سے وابستہ ہر بات کو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں یہ ضروری ہے اس کے لیے بھی اور میرے لیے بھی"۔

اذہان حسن بخاری کا لہجہ شکستہ اور نیم جاں تھا۔ فارحہ بھیگتی آنکھوں سے بیٹے کے چہرے کو چپ چاپ تکتی رہی تھیں۔

ساہیہ نے جو کسی کام سے وہاں آئی تھی، سب سنا تھا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے دبے پاؤں واپس لوٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

جاں مژگاں میں جو جلتا ہے الاؤ کوئی......!
دن نکلنے کی نکلتی نہیں صورت کوئی......!
نگاہِ پُر شوق کا عالم ہے چاند ہاتھ میں ہو
اور سرِ طاقِ جاں نہیں جینے کا لمحہ کوئی
پھر اے میرے چارہ ساز بتا......!
کوئی رات بسر کیسے ہو
نہ ہو آنکھ میں کوئی خواب تو بات کیسے ہو

"کیا ہوا؟......وائے آر یو لکنگ سو اَپ سیٹ؟" سردار سبکتگین حیدر نے ڈرنک کا سپ لے کر گی کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ گی

متفکر سی اسے دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے گین!''

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''کیا؟......کیا ٹھیک نہیں ہے؟'' استفسار عجب تھا۔

''وہی جو سب ہو رہا ہے۔ گین! پلیز، تم یہ سب مت کرو۔ مجھے گلٹی فیل ہو رہا ہے......مجرم لگ رہی ہوں میں خود کو۔ میں تمہاری زندگی قطعاً بھی ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی گین! تم اگر میرے خیر خواہ ہو تو میں تمہاری زندگی سے کیسے کھیل سکتی ہوں؟'' گی اپنی جگہ عجیب مجرم سی دکھائی دے رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ویٹر کو بلا کر ایک نیا آرڈر کرتا ہوا بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''چھوڑ دو سب گین!......یہ ٹھیک نہیں ہے''۔ گی کو سخت رنج تھا۔

''اور؟'' گین مکمل اطمینان سے مسکرایا تھا۔

''میں تم دونوں کی زندگی سے جا رہی ہوں۔ جو کچھ ہو رہا ہے اسے روکنا ضروری ہے گین! دیر ہو گئی تو کچھ باقی نہیں بچے گا''۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ ڈیٹس مائی آرڈر۔ یہیں رہو گی، جب تک کہ تمہارا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ تمہیں سپورٹ میں کر رہا ہوں۔ جب مجھے ایسا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے تو کسی اور کو کیونکر ہو گا؟''

''مگر ایسا ہونے سے جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو گین؟'' وہ زچ ہو گئی تھی۔ سمجھانے کی ساری کوشش رائیگاں تھی۔ وہ اسی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''آئی ڈونٹ کیئر۔ جو ہوتا ہے ہو جانے دو۔ مگر تمہارے لیے جو ذمہ داری میں نے اُٹھائی ہے وہ پوری کر کے رہوں گا۔ پرامس کیا ہے تم سے، پورا کروں گا''۔ وہ ارادوں میں اٹل دکھائی دیا تھا۔ گی کی اُلجھن بڑھ گئی تھی۔

''کیوں گین؟......کیوں کر رہے ہو ایسا؟ سزا دے رہے ہو خود کو؟ محبت کرتے ہو نا اس سے؟''

''محبت؟'' وہ چونکا تھا۔ پھر ہنس دیا تھا۔ ''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا گی؟'' اس کا انداز مذاق اُڑانے والا تھا۔ گی اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ غلط نہیں کہہ رہی میں۔ تمہاری آنکھوں میں صاف پڑھا جا رہا ہے، تمہارے لیے وہ کتنی خاص ہے۔ یہ بات کیا تم خود سے بھی چھپانا چاہتے ہو؟ جھوٹ بولنا چاہتے ہو خود سے بھی؟'' گی بضد تھی۔

''ایکسکیوز می! ایسا کچھ نہیں ہے۔ گین ایسے ڈرامائی قصوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ محبت کے کاغذی گھوڑے گین کی دُنیا میں نہیں چلتے۔ خوابوں کے دیس کی باتیں کرنے والوں میں سے میں نہیں ہوں'۔ وہ سر نفی میں ہلاتا ہوا مسکرایا تھا۔ گی اس کی کیفیت پر مسکرا دی تھی۔

''ہاں......صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تم کس درجہ بے وقوفی کر سکتے ہو؟ تم محبت کو حماقت سے زیادہ تصور نہیں کرتے نا''۔

''محبت حماقت کے سوا کچھ ہے؟'' وہ محظوظ ہو کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ ''ہمارے یہاں ایک بہت عظیم شاعر چچا غالب ہوتے ہیں۔ان کا فرمان ہے۔'' ''کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا''۔تم سمجھتی ہو کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دماغ میں ایسا کوئی خلل واقع ہو چکا ہے تو تم بڑی حماقت کر رہی ہو۔ بہت پریکٹیکل بندہ ہوں میں...... یہ پیار، محبت میرے لیے نہیں ہے''۔ ایک بھرپور انداز میں جھٹلایا تھا۔

''ایسا ہے تو اسے خود سے دور جانے کیوں نہیں دیتے؟......تمہاری آنکھوں میں اتنی بے چینی کیوں بھر جاتی ہے جب وہ تمہارے سامنے نہیں ہوتی۔اب اس لمحے تم خود کو کس بات کی سزا دے رہے ہو گین؟ اس سے دور ہو، اسے مدعا سنا نہیں پا رہے ہو، بتا نہیں پا رہے ہو تو کیا کیفیت ہے تمہاری؟......کیا میں کچھ غلط دیکھ رہی ہوں یا غلط سمجھ رہی ہوں؟''

سردار سبکتگین حیدری لغاری ہنستا چلا گیا تھا۔

''یہ سب باتیں اس کے سامنے بھولے سے بھی مت کہنا...... سچ مان جائے گی''۔وہ بات کو مذاق میں اُڑا دینا چاہتا تھا۔

''مان جائے گی تو کچھ غلط تو نہیں کرے گی۔ بیوی ہے وہ تمہاری......تم کیوں کر رہے ہو اس کے ساتھ ایسا؟......یقین دلانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اسے؟'' گی نے اسے سمجھانے کی ٹھان لی تھی۔

''کہتا ہوں، سب جھوٹ ہی لگتا ہے''۔وہ مسکرایا تھا۔

''یقین کہاں کرتی ہے وہ؟'' لہجے میں ایک افسوس سا تھا۔گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔اس لمحے اس شخص کی آنکھوں میں عجب ایک ویرانی سی تھی۔گی کے لیے اس کی یہ کیفیت نا قابلِ برداشت تھی۔

''اس بات کا یقین دلا دو اسے کہ اس کے بنا تمہاری آنکھوں میں کس درجہ ویرانی ہے''۔

''اور وہ یقین کر لے گی؟''مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے وہ اس کے مشورے سے حد درجہ محظوظ ہوا تھا۔

''ہاں''۔گی نے یقین کو پختہ کیا تھا۔

''ٹھیک ہے......کہہ دوں گا''۔سعادت مندی کی حد تھی۔گی جانتی تھی وہ سیریس نہ تھا۔اس کی بات کو سنجیدہ نہیں لے رہا تھا۔

''گین! اسے سب کچھ صاف صاف بتا دو۔تم اگر ایسا نہیں کر سکتے تو میں کر دوں گی''۔دھمکی دی تھی مگر وہ اسی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے گی! وہ یقین نہیں کرے گی۔اسے کسی بات کا یقین نہیں ہے۔کچھ بھی کہہ کر دیکھ لو، وہ اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد سے باہر نکلنے والی نہیں۔جہاں تک میری بات ہے، وہ بہت بدظن ہے مجھ سے۔میری کہی کسی بات کا یقین کرنا ناممکن ہے اور تمہیں بھی اس میں حماقت کی اجازت نہیں دوں گا''۔

''تم میری خاطر خطرہ کیوں مول لے رہے ہو گین؟ اتنے سارے الزامات کیوں لے رہے ہو اپنے سر؟ وہ اگر کچھ غلط بھی سمجھ

رہی ہے تو غلط فہمی دور کیوں نہیں کر دیتے اس کی؟ کیا یہ اتنا مشکل ہے؟ میں ایک غیر عورت ہو کر تم پر یقین کرتی ہوں تو پھر وہ کیوں نہیں؟ تم اس سے کہہ کر تو دیکھو۔

"تم کیوں یقین کرتی ہو، اور وہ کیوں نہیں؟ یہ میں بالکل نہیں جانتا گی! ٹرسٹ می۔ بٹ آئی نو ون تھنگ۔ یقین بہت اندر کی چیز ہوتی ہے اور یہ خود بخود جنم لیتا ہے۔ کوئی زبردستی اسے آپ کے اندر نہ ٹھونس سکتا ہے نہ آپ کو گھول کر تعویذ کی طرح پلا سکتا ہے۔ یقین کے لیے کہیں کوئی جادو منتر نہیں ہے۔ ٹرسٹ می! وہ مجھ پر یقین نہیں کرتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے...... میں اسے صاف صاف بتا دیتی ہوں۔ شاید وہ کام میرا سچ کر دے جو دُنیا میں کوئی اور نہیں کر سکتا"۔ وہ پُرعزم تھی۔ گین مسکرا دیا تھا۔

"پاگل ہوئی ہو تم۔ سب بے کار رہے گا۔ مجھے پتہ ہے اس کا وہ یقین نہیں کرے گی۔ سوا سے کچھ بتا کر لفظ ضائع کرنے والی بات انتہائی فضول ہے"۔ گی کو سمجھانا بے کار گیا تھا۔ وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"کل میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی۔ خود کو مزید مجرم تصور نہیں کر سکتی میں۔ نہ تمہاری زندگی کو مزید ڈسٹرب کر سکتی ہوں۔ کس بات کی سزا جھیلو تم جبکہ تمہارا مجھ سے نہ کوئی واسطہ ہے نہ رشتہ۔ تم اسے نہیں بتا سکتے تو میں تو بتا سکتی ہوں۔ آئی ایم پریگنٹ وِد یور کڈ...... یہی سمجھتی ہے نا وہ؟ میں اسے بتاؤں گی وہ کتنی غلط ہے۔ ضرورت پڑی تو میں اسے ڈی این اے ٹیسٹ سے بھی ثابت کر کے دکھا دوں گی۔ یور آر ناٹ دی فادر آف مائی چائلڈ۔ ہاں، جو ہے اسے ڈھونڈنے میں تم میری مدد ضرور کر رہے ہو"۔ گی روانی سے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"کوشش کر کے دیکھ لو...... کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بائے دی وے، ہم کچھ زیادہ امپورٹنس نہیں دے رہے ان محترمہ کو؟ ذکر کچھ حد سے سوا ہو چلا ہے۔ بہت بور کر رہی ہو تم مجھے"۔ مسکراتے ہوئے اشارہ کر کے ویٹر کو بلایا تھا۔ گی نے اس کی کیفیت کو دیکھا تھا اور ہاتھ اُٹھا کر ویٹر کو منع کرتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اسے اُٹھایا تھا اور زبردستی لے کر ریسٹورنٹ سے باہر نکلنے لگی تھی۔

"تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو...... تم نے سارا موڈ خراب کر دیا"۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ گی کچھ نہیں بولی تھی۔

"تم اسے کچھ نہیں کہو گی۔ کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اسے یقین کرنا ہو گا تو وہ خود کرے گی۔ اور جہاں تک رہی بات محبت کی تو مجھے اس سے کوئی محبت نہیں ہے۔ ہاں وہ میری بیوی ضرور ہے اور یہ ایک سانحہ ہے صرف یا پھر تم اسے حادثہ بھی کہہ سکتی ہو اور اتفاق بھی"۔ اسے باور کراتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"میں سچا ہوں یا نہیں مجھے یہ باور کرانے کی نہ کسی کو ضرورت ہے نہ ثابت کرنے کی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کسی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی اچھائی کے سٹوفکیٹ کی ضرورت ہے۔ میں اچھا ہوں یا برا ہوں خود اپنے لیے ہوں"۔ وہ بولا تھا اور گاڑی آگے

بڑھا دی تھی۔

گی کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔اسے صرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''بہت محدود سوچ ہے اس کی۔بہت محدود سوچتی ہے وہ۔اس کے لیے ساری باتوں کے مفہوم ایک جیسے ہیں۔تم سے میرا تعلق نہ وہ کبھی سمجھی تھی، نہ سمجھے گی۔سو چپ رہنے میں ہی عافیت ہے۔میری فکر مت کرو۔اپنی فکر کو میں آپ ہی کافی ہوں۔تمہاری وجہ سے میری زندگی ڈسٹرب نہیں ہو رہی۔نہ تمہارے جانے سے کوئی انقلاب آئے گا۔سو تم یہیں رہو۔جب تک جانے کو میں نہ کہوں''۔اس کی جانب دیکھے بغیر ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ بولا تھا اور گی خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ لکھتے لکھتے وہیں ٹیبل پر سو گئی تھی۔

عفنان علی خان صبح اُٹھا تھا تو اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔کچھ کہنے کا ارادہ تو نہ تھا مگر اُٹھا تھا تو قدم خود بخود اس کی جانب اُٹھ گئے تھے۔بہت آہستگی سے اس کا زمین پر جھولتا شال اُٹھایا تھا اور اس کے شانوں پر دھرا تھا۔جب اچانک وہ نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔بے حد چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔پھر شال درست کیا تھا اور ڈائری فوراً اُٹھا کر ساتھ بھینچتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان نے پہلے اسے اور پھر اس کی ڈائری کو دیکھا تھا۔

''وہ......میں لکھتے لکھتے یہیں پر......'' انابیہ شاہ جانے کیوں وضاحت دینے لگی تھی۔وہ اسی طرح چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا جب فاطمہ خان نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

''جاگ گئے تم دونوں؟'' مسکراتے ہوئے دونوں بچوں کو دیکھا تھا۔

''جی ماما!'' عفنان مسکرایا تھا۔''کوئی کام تھا تو مجھے بلوا بھیجا ہوتا''۔ان کے زحمت کرنے پر بولا تھا۔فاطمہ مسکرا دی تھیں۔

''ہاں......کام تھا۔گین کا فون آیا تھا۔شام میں انوائٹ کیا ہے اس نے۔نیویارک جا رہا ہے وہ''۔مطلع کیا تھا۔

''خیریت؟'' عفنان چونکا تھا۔''بھابی کے ساتھ یا......اور یہ پارٹی کس خوشی میں؟ کہیں یہ نئے ہنی مون کی تیاری تو نہیں؟'' وہ مسکرایا تھا۔فاطمہ بھی مسکرا دی تھیں۔

''نہیں......غالباً ایسا نہیں ہے۔کوئی آفیشل پارٹی ہے۔تمہارا سیل ٹرائے کر رہا تھا وہ۔غالباً رسپانڈ نہیں کر رہا تھا۔تم نے سوئچ آف کر دیا ہوگا۔میں نے سوچا بتا دوں۔کہیں تم کسی اور اپائنٹمنٹ میں نہ اُلجھ جاؤ۔آج کا وقت فارغ رکھنا۔ورنہ گین کو تم جانتے ہو، وہ تمہیں آ کر اُٹھا لے جانے سے بھی گریز نہیں کرے گا''۔فاطمہ نے مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تھی۔عفنان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......جانتا ہوں میں اسے۔آپ فکر نہ کریں''۔یقین دلایا تھا مگر فاطمہ خان نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے چپ کھڑی ہوئی انابیہ کو دیکھا تھا۔

''ہاں، مگر تمہیں تنہا نہیں جانا ہے۔انابیہ کو بھی تمہارے ساتھ جانا ہے''۔فاطمہ خان نے بہت محبت سے اپنی اکلوتی بہو کا چہرہ ہاتھ میں لیا تھا۔انابیہ مسکرا دی تھی۔عفنان علی خان اس کی طرف اک نگاہ بے تاثر ڈالتا ہوا مڑا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔فاطمہ بیٹے کو دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔''عفنان کی باتوں کو لے کر آپ سیٹ مت ہوا کرو۔اسے جانتی ہوں میں۔بہت چاہتا ہے وہ تمہیں۔اس سے پہلے میں نے اسے نہ کسی لڑکی میں انوالو دیکھا نہ کسی کے لیے اتنا سنجیدہ دیکھا''۔فاطمہ نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔انابیہ ایک بار پھر مسرت سے مسکرا دی تھی۔

''ارے میں بھی کتنی پاگل ہوں۔نیچے تمہارے پاپا ناشتے کے لیے کہہ رہے تھے اور میں یہاں آ کر بالکل ہی بھول گئی انہیں...... پہلے ہی شکوہ رہتا ہے، میں ان سے زیادہ عفنان کا خیال رکھتی ہوں۔یہی شکوہ تم سے کچھ سال بعد عفنان بھی کرے گا۔باپ بیٹے میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے''۔فاطمہ مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔فاطمہ نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔

''تم فریش ہو کر آ جاؤ...... میں ٹیبل لگاتی ہوں''۔

فاطمہ واپس پلٹ گئی تھیں۔انابیہ کچھ دیر یوں ہی کھڑی دیکھتی رہی تھی۔پھر چلتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف آئی تھی۔دروازہ کھولا تھا اور ڈائری اس میں ڈال کر دراز بند کر دی تھی۔جب عفنان علی خان واش روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔نگاہ اسے دیکھ کر کچھ چونکی ضرور تھی مگر وہ کچھ جتائے بغیر ٹاول سے بال رگڑتا ہوا شیشے کے سامنے آن رُکا تھا۔

''رات ماما کا فون آیا تھا...... دادا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔انہوں نے مجھے آنے کے لیے کہا تھا''۔اس نے پلٹ کر مطلع کیا تھا۔عفنان نے اسے آئینے میں ایک نگاہ سرسری انداز میں دیکھا تھا اور جیل سے بالوں کو اسپائس لک دینے لگا تھا۔

''یعنی تم پارٹی میں جانا نہیں چاہتی ہو''۔لبوں پر خفیف سے تبسم میں ایک طنز تھا۔انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔اپنی صفائی میں اسے کچھ کہنا مقصود نہ تھا۔

''پچھلی بار بھی جب گین نے انوائٹ کیا تھا تب بھی تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہی پرابلم تھا''۔عفنان جتائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔صبح صبح کی یہ بدمزگی وہ نہیں چاہتی تھی۔تبھی بہت رسانیت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ سمجھ رہے ہیں میں بہانے گھڑ رہی ہوں۔جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔آپ فون کر کے ماما سے بات کر سکتے ہیں''۔اس کے شک کے پیش نظر کہا تھا۔

''مجھے کسی انویسٹی گیشن کی ضرورت نہیں ہے''۔وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر اُٹھ کر چلتا ہوا الماری کی طرف بڑھا تھا۔

''ٹھیک ہے...... میں تیار ہو جاؤں گی۔آپ پارٹی سے واپسی پر مجھے وہاں چھوڑ دیجیے گا''۔انابیہ الجھے بغیر پلٹی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔عفنان علی خان اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

میرب پارٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ابھی ابھی وہ دروازہ کھول کر اسے آرڈر دے گیا تھا۔جب تک وہ یہاں تھی،اس کے ''احکامات'' کی تعمیل کرنا فرض تھا اس پر۔وہ کوئی بات ٹال کر کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔تیار ہونے کے بعد وہ کانوں میں ایئر رِنگز پہن رہی تھی جب اس کا پرسنل سیل بجا تھا۔میرب نے اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔کوئی انجان مس نمبر وہ اُٹھاتی نہیں تھی مگر اس لمحے جانے کیوں کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا لیا تھا۔

''ہیلو......!''

''ہیلو میرب!'' دوسری طرف اذہان حسن بخاری تھا۔وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔وہ کہہ رہا تھا۔

''ممی کو تمہارے متعلق بتایا۔بات کرنا چاہتی تھیں وہ...... ماما نے تمہارا ڈیبجٹ دیا۔کیسی ہو تم؟'' وضاحت پیش کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرادی تھی۔

''ٹھیک ہوں میں...... بات کراؤ آنٹی سے...... بائے داوے،ایسا کیا بتا دیا تم نے انہیں میرے متعلق؟ کچھ اچھا ہی بتایا ہے نا؟'' وہ عام تاثر سے بات کرتی ہوئی مسکرادی تھی۔

''تم بات کرو ممی سے''۔اذہان حسن بخاری نے فون فارحہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''ہیلو میرب!...... میری جان! کیسے ہو آپ؟'' فارحہ آنٹی نے بالکل ممی والے انداز میں دریافت کیا تھا۔میرب کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''ٹھیک ہوں میں۔آپ کیسی ہیں آنٹی؟'' آواز کوشش کے باوجود بھرا گئی تھی۔فارحہ دوسری طرف اس کی کیفیت بھانپ گئی تھیں۔ان کی خود کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''ایسے غیر ہو گئے تھے ہم...... پلٹ کر پوچھا تک نہیں...... مظہر بھائی نے تو خیر کبھی بھی ہمیں اپنا نہیں سمجھا،تم نے بھی پرایا کر دیا پل میں؟'' ان کا شکوہ بجا تھا۔میرب کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہنے لگے تھے۔

''وقت اجنبی ہو گیا آنٹی!...... پاپا کی بیماری،پھر علاج کے لیے نیویارک جانا،میرا نکاح......سب اس قدر اچانک ہوا کہ وقت ہی نہیں ملا''۔

''اور اس کے بعد؟......اس کے بعد بھی ہماری یاد نہیں آئی؟......آپا کے بعد تم نے بھی یہی سمجھ لیا کہ ہم سے تمہارا ہر رشتہ ختم ہو گیا؟'' فارحہ کی بات کا اس کے پاس کوئی جواب تھا نہ وضاحت۔اور فارحہ آنٹی کہہ رہی تھیں۔

''میرب بیٹا!تم نے مجھ سے کچھ کیوں نہیں کہا؟...... ماہا کی مایوں والے دن اگر تم مجھ سے یہ بات شیئر کر دیتیں کہ مظہر بھائی تمہارا رشتہ کہیں اور طے کر رہے ہیں اور میں کچھ بھی کر کے ان سے تمہیں مانگ لیتی۔آج میرا بیٹا ایک ادھوری زندگی نہیں جی رہا ہوتا۔پاگل ہے وہ تو...... فیملی

کے سوا اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اگر اس نے اپنی زندگی کو اہم جانا ہوتا تو آج مجھے اتنا دُکھ نہ ہوتا''۔ فارحہ آنٹی دوسری طرف رو رہی تھیں۔

''ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں ہے آنٹی!'' میرب کی آواز مدھم تھی۔ کہتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں کو پونچھا۔

''ہاں، شاید...... ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں...... وقت گزرتا رہے تو اپنے پیچھے صرف پچھتاوے چھوڑ جاتا ہے مگر ان پچھتاوؤں کے ساتھ جینا آسان نہیں ہوتا''۔

میرب جواباً کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''کچھ فاصلے پر دوسرے لینڈ لائن پر مسلسل کوئی کال آرہی تھی۔ بیل ہورہی تھی مگر میرب اتنی محو تھی...... اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ اُٹھ کر دیکھ تک نہ سکی تھی۔ شاید اسے احساس تک بھی نہ تھا۔

''تم آؤ گی نہیں مجھے ملنے؟'' فارحہ نے پوچھا تھا۔

''آپ بلائیں گی تو ضرور آؤں گی آنٹی!'' اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''تو آجاؤ پھر''۔ فارحہ آنٹی نے فوری فرمائش کی تھی۔

''آج؟'' وہ چونکی تھی۔ ''آج تو ممکن نہیں ہے...... گھر میں یہاں ایک پارٹی رکھی گئی ہے۔ میں وقت نکال کر کسی روز آؤں گی۔ پاپا اور زوباریہ بھی آنے والے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ساتھ آئیں۔ اذہان کی انگیج منٹ ہونے جارہی ہے۔ انوائٹ نہیں کریں گی آپ مجھے؟'' مسکراتے ہوئے وہ تمام حالات معمول پر ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

فارحہ دوسری طرف بہت دل گرفتہ دکھائی دی تھی۔ لبریز آنکھوں سے اذہان کی طرف دیکھا تھا جو کچھ فاصلے پر ماما سے کوئی بات کررہا تھا۔

''تمہاری آنٹی کے گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے ہیں بیٹا! جب چاہو آجاؤ''۔

''تو ٹھیک ہے...... پھر میں بنا بتائے کسی بھی دن آجاؤں گی مگر آپ کو ممی کی طرح مجھے آلو کے پراٹھے بنا کر اپنے ہاتھوں سے کھلانا ہوں گے''۔

''کھلاؤں گی''۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی تھیں۔ ''تمہارا دُلہا کیسا ہے؟...... ماما بتارہی تھی کہ تمہاری بھی رخصتی ہورہی ہے''۔

''ہاں''۔ وہ بجھے بجھے سے انداز میں بولی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اندر قدم دھرا تھا اور چلتا ہوا اس کے مقابل آن رُکا تھا۔ میرب نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''آنٹی!...... میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں''۔ سلسلہ منقطع کر کے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کسی قدر خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بہت ضروری کال تھی؟'' نظریں اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں''۔ میرب نے آہستگی سے جواب دے کر سیل ڈریسنگ ٹیبل پر دھرا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا اور بولا تھا۔

''کوئی اس سے ضروری فون کال اس لینڈ لائن پر بھی تھی...... مائی تم سے بات کرنا چاہتی تھیں''۔ احساس دلایا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا کر کلائی میں قیمتی بریسلٹ پہننے لگی تھی۔

''سوری!...... مجھے دھیان نہیں رہا''۔ وہ دانستہ اپنی بھیگی پلکیں چھپا رہی تھی۔

''دھیان نہیں رہا...... یا تم نے دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا؟'' وہ وضاحت چاہ رہا تھا مگر میرب سیال نے اسے کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کیا کہہ رہی تھیں وہ؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شدید ترین حیرت نے آن گھیرا تھا۔ میرب نے اس سے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا۔

''پارٹی کے لیے مہمان آ گئے؟'' بات یکسر بدل دی تھی اور یہ بات سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بہت ناگوار گزری تھی۔

''تمہارے لیے مائی کی بھی اب کوئی اہمیت نہیں ہے؟''

''پوچھ تو رہی تھی۔ آپ نے بتایا نہیں تو کیا کروں؟...... زبردستی تو آپ سے اُگلوا نہیں سکتی اور ایسا کوئی علم مجھے نہیں آتا کہ آپ کا دماغ پڑھ سکوں''۔ بے تاثر انداز میں کہہ کر پرفیوم خود پر اسپرے کیا تھا۔

''تم میں ایسی کوئی صلاحیت اگر ہوتی تو صورتِ حال یقیناً اس سے بہت مختلف ہوتی میرب سیال! یہی تو پرابلم ہے۔ دماغ کا استعمال تمہیں کرنا بالکل بھی نہیں آتا''۔ وہ اس کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے بولا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ مگر دروازے کے پاس جا کر جانے کیوں دوبارہ رُک گیا تھا۔ پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''مائی کا خیال تھا تم ان کے پاس کچھ دن گزار لو مگر شاید اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پارٹی کے بعد میں نیویارک فلائی کر جاؤں گا۔ تم یہاں رہنا چاہتی ہو یا کہیں اور، اس کا فیصلہ تم کر سکتی ہو''۔ بہت بے تاثر انداز میں کہتا ہوا وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال کچھ لمحوں تک اسی طرح بیٹھی اس سمت تکتی رہی تھی پھر اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ عفنان اور انابیہ اسے رستے میں ہی مل گئے تھے۔

''واہ بھابی! یو آر لکنگ سو فیبلس۔ میں تو گین سے واقعی جیلسی فِیل کرنے لگا ہوں۔ آج پتہ لگا، ارینج میرج کے کتنے فائدے ہوتے ہیں''۔ کن انکھیوں سے انابیہ کو دیکھا تھا۔ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا انداز بہت خوب تھا۔ میرب سیال مسکرائی تھی۔

''لو میرج ہو یا ارینج میرج...... شادی دونوں صورتوں میں ایک جوا ہے عفنان! اس کا اندازہ تمہیں ابھی نہیں، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہوگا۔ ابھی تو نئی نئی رتوں کا خمار دل فریب ہوگا''۔ میرب نے مسکراتے ہوئے کچھ فاصلے پر سیل فون پر بات کرتے ہوئے گین کو دیکھ کر طنز کا تیر اُچھالا تھا۔ عفنان ہنس دیا تھا۔

''کاش ایسا کچھ ہوتا بھابی! بٹ آئی ایم ناٹ لکی۔ اِن فیکٹ سب گین صاحب کی طرح کا نصیب تو نہیں رکھتے نا''۔

انابیہ کو سخت اُلجھن ہونے لگی تھی مگر وہاں ٹھہرنا اس کی مجبوری تھی۔

''شادی ایک جوا ہو نہ ہو، ایک بلا ضرور ہے جو گلے پڑتے ہی گلا دبا دیتی ہے...... بندہ کسی وبائی مرض سے بچ سکتا ہے...... کسی بہت بڑے خطرے سے بھی صحیح سلامت گزر سکتا ہے۔ مگر شادی کے بعد امپاسبل۔ عفنان نے تہیہ کر لیا تھا ساری کسر آج ہی پوری کر دے گا۔

میرب، انابیہ کو اپنے ساتھ لگاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''اتنی تو خوب صورت وائف ہے تمہاری۔ تمہیں کس بات کا قلق ہے؟''

''کوئی ایک ہو تو بتاؤں بھی۔ یہاں تو ہزاروں شکوے ہیں۔ کیا کیا سناؤں؟'' عفنان مسکرا دیا تھا۔ میرب بھی مسکرائی تھی۔ تبھی گین چلتا ہوا ان کے قریب آن رُکا تھا۔

''کیا ہوا؟...... کس کو کس سے شکوہ ہے یہاں؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''یہ پوچھو کس کو کس سے شکوہ نہیں ہے۔ مجھے تو تم سے بھی ہزاروں شکوے ہیں بھائی میرے کہ ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی مہینوں نہ شکل دکھاتے ہو نہ دیکھتے ہو۔ بائے داوے کل شام تم اس ریسٹورنٹ میں کیا کر رہے تھے ان خاتون کے ساتھ؟''

میرب نے چونکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا مگر وہ بہت بے تاثر انداز میں اس کی طرف سے نگاہ پھیرتا ہوا پُرسکون لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کون خاتون؟...... گی ہے وہ...... شی اِز مائے فرینڈ...... آج کل وہ یہیں میرے پاس رہ رہی ہے''۔ مطلع کرتے ہوئے میرب کو یکسر نظر انداز کیا تھا اور مسکراتے ہوئے اس جوڑے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''بائے داوے، تم ابھی تھوڑی دیر قبل ایک دوسرے سے کیا شکوے شکایات کرتے دکھائی دے رہے تھے؟ انابیہ! جانتی ہو تم، یہ بندہ پاگل ہے تمہارے لیے۔ تم نے اسے نہیں دیکھا...... میں نے دیکھا ہے۔ جب کڈنیپ کے بعد تم ہاسپٹل میں تھیں اس وقت اس کی حالت دیکھنے والی تھی۔ مجھ جیسے شخص کو جسے پیار محبت پر سرے سے کوئی یقین ہی نہیں، ماننا پڑا کہ محبت شاید کہیں نہ کہیں ہے...... اور بہت ٹھوس شواہد کے ساتھ موجود ہے۔ وہ جب چاہے اپنا آپ منوا سکتی ہے۔ میں اس لمحے کو کیپچر (Capture) کر سکتا تو تمہیں ضرور دکھاتا۔ یو آر رئیلی اے لکی گرل۔ تم نے اس کے اندر محبت جگائی۔ کوئی تو خاص بات ہو گی تم میں۔ اس لمحے میں نے شدت سے تمہیں اس سے ملنے کی دعا مانگی تھی اور دیکھو وہ پوری بھی ہو گئی۔ آج تم دونوں ساتھ ہو۔ اینوی ایبل کپل۔ آئی مسٹ سے''۔ وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انابیہ زبردستی مسکرائی تھی جبکہ عفنان ہنس دیا تھا۔ گین نے اس کے ہنسنے سے قطع نظر انابیہ کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے صلاح دی تھی۔

''سب لوگ عورت کو کمزور کہتے ہیں...... سمجھتے ہیں۔ مگر میں تو اس مقولے کو سرے سے رد کرتا ہوں۔ عورت چاہے تو کچھ بھی کر

سکتی ہے۔ جو مرد جیسی چیز کو ''کمپلیٹ'' کرتی ہے، وہ خود کمزور کیسے ہو سکتی ہے؟ عفنان کی قدر کرنا...... یہ صرف تمہارے خدوخال سے محبت نہیں کرتا۔ کوئی بھی مرد صرف ایک عورت سے محبت نہیں کرتا۔ اس کے لیے اس کے خواص زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ بہت راز کی بات بتا رہا ہوں میں۔ ہاں یہ البتہ ہم مرد نہیں جانتے کہ ایک عورت مرد کی کس بات سے محبت کرتی ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا اور انابیہ مسکرا دی تھی۔

''ایک عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے۔ یہ بھی ایک گہرا راز ہے جو میں آج کھول رہی ہوں''۔

''اوہ، رئیلی۔ ایک عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے؟...... ویری انٹرسٹنگ...... یعنی اگر میں کسی عورت سے محبت کرتا ہوں تو میری بیوی اس عورت سے محبت کرے گی...... ہے نا؟...... یہی مطلب ہے نا تمہارا؟'' گین نے شرارت سے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔

انابیہ نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔ میرب چپ چاپ کھڑی تھی۔

''اچھا...... میں تو یہی سمجھا تھا...... ہے نا عفنان!...... تم بھی یہی سمجھے تھے نا؟'' عفنان کو اپنا ہم خیال کرنا چاہا تھا۔ عفنان نے شانے اچکا دیئے تھے۔

''پتہ نہیں بھائی! وہاں امریکہ میں تو لڑکیاں جس مرد سے محبت کرتی ہے اس کے کتے سے بھی محبت کرتی ہیں۔ انہیں ان کا کتا بھی اتنا ہی عزیز ہوتا ہے۔ مگر پاکستانی عورتوں کا کوئی پتہ نہیں''۔ عفنان بولا تھا اور وہ دونوں بھائی ہنس دیئے تھے۔

میرب کو اپنا وجود وہاں بہت مس فٹ لگ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ جانے کو تھی جب گین نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا تھا اور عفنان سے بات جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''پاکستانی لڑکیوں کا واقعی کچھ پتہ نہیں...... بہت گہرے راز جیسی گہری ہوتی ہیں یہ۔ نہ کھلتی ہیں نہ کھلنے دیتی ہیں...... اینی ہاؤ...... لٹس انجوائے دی پارٹی۔ آئی ول جوائن یو لیٹر''۔ عفنان اور انابیہ سے کہا تھا۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکراتے ہوئے انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ میرب سیال کا ہاتھ اب بھی ہاتھ میں تھا۔ میرب سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی منتظر تھی اس کی جب وہ ان دونوں کو سراہتا ہوا بولا تھا۔

''گڈ کپل نا؟ انہیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے، محبت کرنے والے بے وقوفوں کی دُنیا میں کچھ کمی نہیں۔ اب بھی کثرت سے مل جاتے ہیں''۔ پتہ نہیں وہ کیا کہنے جا رہا تھا جو اس طرح کا انداز اختیار کر رہا تھا۔ میرب اس کی طرف دیکھتی ہوئی چپ چاپ منتظر تھی۔

''تم نے ڈیسائیڈ کر لیا؟...... مائی تمہیں لے کر بہت پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔ ان کا بس چلے تو اُڑ کر یہاں پہنچ جائیں۔ زیادہ دنوں کے لیے نہیں جا رہا۔ مگر ان کی فکر سمجھ میں آنے والی ہے۔ اتنی فکر تو انہوں نے کبھی میری بھی نہیں کی۔ تم تو میرے رشتوں کو بھی میرا نہیں چھوڑ رہی ہو''۔ شکوہ نہیں، غالباً طنز تھا کوئی۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے آزاد کرتے ہوئے وہ مزے سے بولا تھا۔

''مظہر سیال صاحب سے بات ہوئی تھی میری۔ غالباً وہ آج کل میں آ رہے ہیں۔ اگر وہ آ جاتے ہیں تو اچھی بات ہے۔ ورنہ تم

مائی کے پاس چلی جانا۔ مسٹر چاولہ یہیں ہوں گے۔ وہ آپ کو مائی کے پاس بحفاظت پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ مزید کچھ کہنے جا رہا تھا جب گی نے اسے پکارا تھا۔

''گین......!''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا اور بہت رکھ رکھاؤ سے ''ایکسکیوزمی'' کہتا ہوا اس کی جانب بڑھ گیا تھا۔ میرب کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان انابیہ کی خواہش کے پیش نظر اس کے میکے میں چھوڑ کر گھر آ گیا تھا۔

زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے اس کی سنگت کو مگر اس کے بنا اپنا یہ کمرہ بہت حد تک خالی سا لگا تھا۔ وہ باتھ لے کر کتنی دیر تک کھڑا کمرے کے سناٹے میں اسے ''مس'' کرتا رہا تھا۔ پھر قدم بہت آہستگی سے بیڈ کی طرف بڑھائے تھے۔ آج بہت دنوں بعد وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر تھا۔ ورنہ ''حفظ ماتقدم'' کے طور پر یہ ''علاقہ ممنوعہ'' ہو چکا تھا اس کے لیے۔ جب سے انابیہ اس گھر میں تھی، وہ صوفہ ہی اس کا بیڈ تھا۔ نرم نرم بستر پر لیٹا تھا تو دن بھر کی تھکن کا احساس ہوا تھا۔ غالباً سر میں بھی درد تھا۔ اس نے سائیڈ دراز کھولا تھا ٹیبلٹ ڈھونڈنے کے خیال سے، تبھی ہاتھ انابیہ کی ڈائری سے ٹکرایا تھا۔ جانے کیوں اس کی ڈائری کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔

تھا تو ''خلافِ قانون'' مگر وہ اس لمحے رہ نہیں سکا تھا۔ آج تک کوئی ''بے ایمانی'' نہیں کی تھی مگر اس لمحے جانے کیوں کچھ بغاوت کرنا بھلا لگا تھا۔ فطری تجسس عود کر آیا تھا اور عفنان علی خان اس ڈائری کے صفحے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

18 جنوری

آج بہت افسوس ہوا لیکن سب کچھ لامعہ کی بچی کی وجہ سے ہوا۔ ایک تو رات دیر تک اس کا اور پھر اپنا اسائنمنٹ تیار کرنے میں لگی رہی اور صبح جب کیمپس میں پہنچی تو لامعہ نے راہ داری میں روک کر ہی بتا دیا کہ آج کلاس نہیں ہو رہی...... لٹس موو ٹو کیفے...... ہم دیر تک بیٹھے ٹیبل بجا کر گاتے رہے اور جب باہر نکلے تو پتہ چلا کہ سر ہاشمی کلاس لے کر جا چکے ہیں...... میں نے وضاحتی نظروں سے لامعہ کو دیکھا مگر وہ شانے اُچکا کر بے نیاز بن گئی۔ مگر اس کی مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ شرارت کر چکی ہے۔ اسٹوپڈ، آج اس کی وجہ سے کلاس بھی مِس کرنا پڑ گئی۔ لان میں وہ آگے آگے تھی اور میں پیچھے پیچھے۔ مگر میری خجالت دور نہیں ہو رہی تھی اور وہ ہنس رہی تھی۔ یہ پہلی شرارت نہیں ہے اس کی۔ ایسی شرارتیں وہ روز کرتی ہے مگر...... ایک بات ہے۔ اس کے باوجود وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ میں بہت اچھی طرح سے اسے جانتی ہوں۔ وہ بچپن سے ہی ایسی ہے۔

20 جنوری

آج دادا جی کا ریگولر چیک اَپ تھا۔ مگر میں غازی کی وجہ سے اتنی اَپ سیٹ تھی کہ انہیں ہسپتال لے کر جانا تو دور کی بات اپنے

کمرے تک سے نہ نکل سکی تھی۔

کتنے برس ہو گئے غازی کو گئے......مگر میں آج بھی، جب اس کی برسی ہوتی ہے......اسے اپنے آس پاس محسوس کرتی ہوں...... اپنے بھائی کی صورت میرے سامنے ہوتی ہے......اور مجھے وہ ایک ایک لمحہ یاد آتا ہے جب ہم دونوں ساتھ تھے۔ پتہ نہیں کیوں؟...... میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جو شے میری مطلوب ہوتی ہے تو مجھے اس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ وہ شے میری دسترس سے دور ہو جاتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی......اور مجھے اسے بھولنا شرط لگتا ہے۔ آج بھی حسب معمول ممی دادا کو ہاسپٹل لے کر گئیں اور ہمیشہ کی طرح اوزی کا فون بھی آیا۔ اوزی میرے لیے غازی جیسا ہے۔ میں روتی ہوں تو وہ مجھے رونے نہیں دیتا۔ کہتا ہے میں تمہارا غازی ہوں......تمہارے دو بھائی تھے......ایک چلا گیا......ایک تمہارے پاس ہے۔ جو تمہارے پاس ہے تم اس کے بارے میں سوچا کرو......میں چپ ہو جاتی ہوں مگر میں اسے نہیں بتا سکتی......میں غازی کو نہیں بھول سکتی۔

21 جنوری

لامعہ بہت عجیب ہے اور بدتمیز بھی۔ سمجھتی ہی نہیں۔ اوزی بہت چاہتا ہے اسے۔ اور یہ بات وہ جانتی ہے۔ مگر مانتی نہیں۔ پتہ نہیں لامعہ کے دل میں کیا ہے مگر اوزی کے دل میں صرف لامعہ ہے۔ مجھے اپنے بھائی کے لیے وہ ''پرفیکٹ میچ'' لگتی ہے مگر بات ایسے تو نہیں بنتی۔ ایک نہیں......دو نہیں......کئی بار اوزی اپنی توجہ کا اظہار لامعہ سے کر چکا ہے۔ مگر لامعہ سنجیدہ نہیں۔ آج شاید دل برداشتہ ہو کر اوزی واپس لوٹ گیا......اور سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا۔ میرا دوسرا بھائی بھی مجھ سے دور ہو گیا۔ مگر میں لامعہ کو اس کا قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی۔ دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں۔ زبردستی نہیں جڑتے۔ میں یہ بات جانتی ہوں''۔

25 جنوری

لامعہ سوچتی ہے میں بے وقوف ہوں اور مجھ جیسی ایڈیٹ، اسٹوپڈ لڑکی اس ساری دُنیا میں نہیں ہے۔ اس کے خیال میں مجھ میں لڑکیوں والی کوئی بات نہیں ہے......نہ سجنا......نہ سنورنا......نہ اس کی طرح ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کرنا......نہ یہ، نہ وہ......مجھے اختلاف نہیں......مگر میں چاہ کر بھی اس جیسی نہیں ہو سکتی۔ وہ بہت پیاری ہے۔ ہم دونوں میں تضاد سہی مگر ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ آج خلافِ معمول یہ ہوا کہ لامعہ نے مجھے بہت سی شاپنگ کروائی......میری مہینے بھر کی پاکٹ منی ایک دن میں اُڑا دی۔ مجھے بہت سے شوخ رنگوں کے ڈریسز دلوائے اور پتہ نہیں کیا کچھ۔ پتہ نہیں اچھا ہوا یا برا......مگر مجھے ایک مہینے کی پاکٹ منی جانے کا واقعی افسوس ہے۔ مگر لامعہ کا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

28 جنوری

آج لامعہ نے اچھی خبر سنائی ہے۔ اس کی انگیج منٹ ہو رہی ہے۔ اس کی خوشی ہمیشہ مجھے بہت خوش کرتی ہے۔ مگر دل میں جانے کیوں ایک خیال یہ بھی آیا......کیا ہوتا اگر لامعہ نے میرے بھائی کو اپنے لیے چنا ہوتا۔ خیر اتنی خوشی کے موقع پر مجھے کچھ عجیب نہیں سوچنا

چاہیے۔شاید اوزی کے لیے کہیں خدا نے بہت خوب صورت لڑکی رکھی ہوگی۔شاید ہم سب کے لیے کہیں نہ کہیں،کوئی نہ کوئی ہے۔جیسے لامعہ کو اپنا من پسند جیون ساتھی ملنے پر خوشی ہے،ایک دن اوزی بھی خوش ہوگا اور میں کس لیے ہوں......اپنے بھائی کے لیے خوب صورت سی لڑکی ڈھونڈوں گی ایک دن......!

عفنان علی خان نے دو چار صفحے ایک ساتھ اُلٹ دیئے تھے۔

7فروری

لامعہ نے اپنا ہم سفر چن لیا ہے۔آج اس کی انگیج منٹ تھی۔لامعہ کا خیال ہے اب مجھے بھی ٹھکانے لگ جانا چاہیے۔مجھے بھی کسی کو ڈھونڈ لینا چاہیے۔مگر میرا خیال ہے کہ جسے مجھے ڈھونڈنا ہوگا وہ میری کھوج میں خود آئے گا۔میں ایسے تردّد کرنے والی نہیں۔لامعہ اگر انابیہ جیسی لڑکی سے ایسا کچھ ایکسپکٹ کر رہی ہے تو یقیناً وہ حماقت کے دہانے پر ہے۔مجھے پتہ ہے اگر وہ لائنز پڑھے گی تو مجھے بے وقوف گردانے گی۔مگر کیا کروں......میں ایسی ہی ہوں۔

لامعہ کی انگیج منٹ سیریمنی اچھی رہی۔اس کا ہونے والا ہزبینڈ اچھا ہے۔مجھے جوڑی اچھی لگی ہے۔خدا کرے لامعہ ہمیشہ خوش رہے۔

14فروری

یہ محبت کرنے والوں کا دل بھی عجیب ہے۔کوئی یادگار بناتے ہیں،کوئی یادگاریں مناتے ہیں۔کوئی تجدید عہد و وفا کرتے ہیں۔کوئی محبت سونپتے ہیں۔حالانکہ محبت کرنے کے لیے نہ دن کی قید ہونا چاہیے نہ وقت کی۔مجھے محبت کے متعلق کچھ خاص پتہ نہیں۔مگر آج اوزی سے بات ہوئی۔وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔اسے اس کیفیت میں دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگا۔وہ لامعہ کو مس کر رہا تھا اپنی زندگی میں......ایسا اس نے کہا نہیں۔مگر میں اپنے بھائی کی آواز سے جان سکتی ہوں۔میرا یقین ہے دنیا کی کوئی بھی سب سے اچھی لڑکی جہاں کہیں بھی ہے وہ صرف میرے بھائی کے لیے ہے۔خدا میرے بھائی کو بہت سی خوشیاں دے۔

آج لامعہ کے فیانسی سے بھی ملاقات رہی۔میں باہر لان میں تھی جب وہ آیا۔بہت دلچسپ گفتگو کرنے کا عادی ہے۔اس کا سنس آف ہیومر کمال کا ہے۔بالکل لامعہ کی طرح۔خدا لامعہ کو بھی خوش رکھے۔لامعہ میرے لیے بضد تھی اور میں نے اسے لڑکا دیکھنے کے لیے کہہ دیا ہے۔اسے مطمئن کرنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ورنہ وہ جان کہاں چھوڑتی ہے......!

عفنان علی خان نے کچھ صفحے تیزی سے پلٹے تھے۔جتنا بڑا معمہ وہ اسے ہمیشہ لگی تھی غالباً اتنی ہی تھی۔اس کی پرسنل ڈائری میں کچھ بھی اس کا پرسنل نہ تھا۔خود سے زیادہ لوگوں کی باتیں تھیں......دوسروں کے حوالے تھے......یعنی وہ زندگی میں خود کو اہمیت دینے کی کبھی قائل نہیں رہی تھی یا پھر اسے پتہ ہی نہیں تھا،خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کس قدر اہم ہے۔عفنان علی خان کو اب تک ایسا کچھ نہیں ملا تھا جو اسے حیران کر پاتا۔یہ تمام باتیں وہ تھیں جنہیں وہ جانتا تھا۔جن کی اسے خبر تھی۔کیا تھی انابیہ شاہ؟ کیا وہ واقعی اس کی کھوج میں تھا؟

25 مارچ

رابطوں میں......واسطوں میں ایک لاجیکل پوائنٹ ہوتا ہے۔ میں ٹھیک طور پر کچھ اخذ نہیں کر سکی مگر ایک رابطہ مجھے اچھا لگ رہا ہے اور وہ ہے عفنان علی خان کا مجھ تک آنا......مختلف حیلوں سے، بہانوں سے......اور زاویوں سے مجھے تکنا......میری طرف بڑھنا!
شاید وہ جانتا ہو جو وہ کر رہا ہے۔ میں صرف ایک بات جانتی ہوں......میں ایک لڑکی ہوں اور لڑکی کی حسیات مرد سے بھی کہیں زیادہ شارپ ہوتی ہیں......بہت سی مخفی باتوں کا ادراک مجھے بھی اس طور جلد ہو جاتا ہے جس طرح کہ عام لڑکیوں یا خواتین کو ہوتا ہے۔
عفنان علی خان کا مسلسل مجھ سے ٹکرانا......حیلوں بہانوں سے مجھ سے ملنا......میرے گھر آنا......دادا جی سے دوستی گانٹھنا......بے معنی کچھ بھی نہیں۔ شاید وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ مگر میں چاہتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے......لامعہ میری بہترین دوست ہے اور مجھے اسے کسی بھی طرح ہرٹ ہونے سے بچانا ہے۔

5 اپریل

اوزی واپس آ گیا ہے۔ مجھے خوشی ہے، وہ کسی طور سنبھل گیا ہے اور زندگی کی طرف واپس لوٹ آیا ہے۔ لامعہ کو بھولنا یقیناً اس کے لیے آسان نہیں رہا ہوگا۔ مجھے محبت سے کبھی واسطہ نہیں رہا......اس لیے شاید میں اس کی کیفیت اس طور نہیں سمجھ سکتی۔ مگر میں جانتی ہوں، سب کچھ بھول کر وہ اپنی زندگی ایک معمول کی طرف لائے۔

15 اپریل

آج جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عفنان علی خان کی حوصلہ افزائی میں نے کبھی نہیں کی۔ مگر وہ اپنے بڑھتے ہوئے قدم کبھی نہ روک سکا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں اسے کیسے سمجھاؤں اور باز رکھوں......کئی بار سختی سے بات کر کے دیکھی......مگر وہ عجب دیوانگی کے بخار میں مبتلا ہے......سمجھتا ہی نہیں۔ اور آج تو حد ہو گئی......اس نے اپنی محبت کا برملا اظہار کر دیا اور میں ساکت رہ گئی۔ جانے کیوں کچھ نہ کہہ سکی۔ کیا کروں اس شخص کا......کچھ سمجھ میں نہیں آتا......میں اس کی فارم ہاؤس کی اس پارٹی میں سرے سے جانا ہی نہیں چاہتی تھی مگر ممی اور دادا ابا اور پھر اوزی کے ان سسٹ کرنے پر چلی گئی اور یہ سانحہ ہو گیا۔
کیا کر رہا ہے وہ؟......کیا وہ نہیں جانتا؟......لامعہ سے اس کا رشتہ اور مجھ سے اس طرح کی حرکتیں اسے زیب نہیں دیتی ہیں۔ مجھے پریشان کر کے، اس طرح ڈسٹرب کر کے اسے کیا مل رہا ہے؟
میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آ رہا۔ کیا کروں اس کا......اگر لامعہ کو ایسا کچھ پتہ چل گیا تو......میری کوئی غلطی کہیں نہیں۔ مگر کہاں میں گواہیاں دیتی پھروں گی......اس شخص کو اپنے امیج کی کوئی فکر نہیں مگر اسے میرا تو کچھ خیال کرنا چاہیے......مجھے اس شخص سے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔
زندگی میں کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا......کوئی میرے قریب نہیں آیا......کبھی کسی کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ پھر اب کیسے؟ میری سختی، سرد مہری اور ہارش بی ہیویئر کے باوجود وہ کیوں دیوانہ بنا بیٹھا ہے؟

30 مئی

"یہ کیا ہوا ہے؟...... میری سمجھ میں نہیں آرہا...... لامعہ کی انگیج منٹ ٹوٹ گئی ہے۔ آج وہ آئی تھی اور میرے شانے پر سر رکھ کر تادیر روتی رہی۔

عفنان علی خان نے اسے کہا ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس لیے وہ اس کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ رشتہ توڑ دیا ہے اس نے کہ رشتے کی کوئی وقعت نہ تھی۔ یہ کیا ہوا؟...... ایسا تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ لامعہ...... میری عزیز دوست...... میرے کاندھے پر سر رکھے تادیر روتی رہی اور اس کے آنسو قطرہ قطرہ میرے دل پر گرتے رہے۔ میں جو کسی غیر، کسی اجنبی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، ایک چیونٹی تک کو نہیں مار سکتی، اپنی دوست کا درد چپ چاپ سہہ رہی ہوں...... اور درد بھی وہ جو اس کی اپنی ذات کا دیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی عفنان علی خان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا، میری محبت کی جڑیں اس کے اندر اتنی گہری کیسے ہوگئیں کہ اس نے اتنا انتہائی قدم لے لیا۔ کیا کروں میں...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... میں اپنی دوست کی مجرم کیسے بن گئی؟

9 جون

پاگل ہے وہ شخص۔ ادھر لامعہ سے انگیج منٹ توڑی ادھر مجھے پر پوز کر دیا۔ رشتے کیا ہیں اس کے لیے؟ تعلق کیا معنی رکھتے ہیں؟...... محبت کرنے کا دعوے دار ہے وہ۔ محبت ایسی نہیں ہوتی۔ اتنی خودغرض، اتنی بے درد...... اس نے لامعہ کا دل توڑ دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا...... لامعہ نے اوزان سید کا دل توڑ دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی اور میں...... میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے ہمیشہ سب کی خیر خواہی چاہی...... بھلا چاہا...... پھر ایسی مشکل صورتِ حال سے میرا واسطہ کبھی نہیں پڑا۔ شاید اس وقت میں ہی وہ واحد ہستی ہوں جو کوئی حتمی فیصلہ لے کر سب کچھ بدل سکتی ہوں۔ میں نے انکار کر دیا ہے اور دادا ابا اور ممی نے بھی میرے فیصلے کو سراہا ہے۔ میں عفنان علی خان سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی، نہ ہی کوئی رشتہ استوار کرنا...... اس کا کہنا ہے کہ وہ شدید ترین محبت میں مبتلا ہے مجھ سے...... اس کا کہنا ہے محبت دیوانگی ہے اور وہ میرے لیے دیوانہ ہے۔ مگر میں جانتی ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ عشق دماغ کا صرف خلل ہے۔ اور بہت جلد وہ مجھے بھول جائے گا۔ محبت کسی بھی دیوانگی سے پُر کیوں نہ ہو، کتنی بھی بے بس کر دینے والی اور شدید کیوں نہ ہو، کسی کو دُکھ نہیں پہنچا سکتی۔ جو دوسروں کو تکلیف دے کر خود راحتیں ڈھونڈے وہ محبت نہیں ہو سکتی...... یہ بات مجھے عفنان علی خان کو باور کرانا ہے۔

23 اگست

سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں۔ کیا کروں، فیصلہ نہیں ہوتا۔

لامعہ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ شاید مجھے اسے سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ وہ نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کون ہے جس کے لیے عفنان علی خان نے اسے چھوڑا۔ مگر میں جانتی ہوں اور میں کوئی بوجھ دل پر لے کر جینا نہیں چاہتی۔

29 اگست

آج جب لامعہ مجھے گھر چھوڑنے آئی تھی، میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید اس گلٹ کے ساتھ ہی مر جاتی۔ میرا دل بند ہو جاتا۔ مجھے عفنان علی خان سے نفرت ہونے لگی ہے۔ اپنے آپ کو ایک تعلق کے بوجھ سے آزاد کرنے کے بعد وہ خود کو کسی قدر آزاد محسوس کرنے لگا ہے۔ اب وہ اور بھی دیدہ دلیری سے مجھ سے اپنی محبت کا دم بھرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ میرا دل جیت لے گا اور میں جانتی ہوں وہ صرف اور صرف خوش فہمی میں جی رہا ہے۔ دل ایسے نہیں جیتے جاتے، یہ بات اس کی سمجھ میں بھی جلد آجائے گا۔

1 ستمبر

ابھی تھوڑی دیر پہلے عفنان علی خان کا فون آیا تھا...... پتہ نہیں کیوں، یہ شخص سمجھتا ہی نہیں کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ کر بھی نہیں سکتی۔ لامعہ کے خوابوں کو مسمار کر کے میں ان پر اپنا محل کھڑا نہیں کر سکتی۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں دُنیا میں کسی کے ساتھ بھی کوئی تعلق باندھوں گی تو اور کوئی بھی ہو، عفنان علی خان ہرگز نہیں ہوگا۔ لامعہ مجھے بے حد عزیز ہے اور میں اسے کوئی تکلیف نہیں دے سکتی۔ عفنان علی خان اپنی محبت میں اندھا ہو سکتا ہے، میں نہیں۔ مجھے اس کی محبت کسی صورت قبول نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی محبت میں سچا ہے۔ رشتے کو اونسٹی سے نباہ نہیں پایا سو توڑ دیا۔ لامعہ کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا سو تعلق توڑ لیا۔ اس نے ایمان داری سے کام لیا...... اچھا کیا...... ایسا وہ سمجھتا ہے۔ جتنا وہ مجھے چاہتا ہے اس ساری دُنیا میں، کائنات میں کوئی نہیں چاہ سکتا۔ ایسا وہ سمجھتا ہے۔ مگر میں کیا کروں؟ میں ایسا نہ سمجھتی ہوں نہ خیال کرتی ہوں۔ میری زندگی میں میرا ہم سفر کوئی بھی ہو سکتا ہے، عفنان علی خان نہیں۔

سو میں نے اسے کہہ دیا ہے، میں اس سے محبت نہیں کرتی...... کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔ میری زندگی میں کوئی اور ہے جسے میں چاہتی ہوں۔ محبت کرتی ہوں۔ کون؟ یہ بات نہ اس کے لیے اہم ہونی چاہیے نہ ضروری۔ میں جانتی ہوں اس بات نے اسے برہم کیا ہوگا...... بہت زیادہ طیش دلایا ہوگا مگر یہ ضروری تھا اس کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لیے...... مجھ سے دور جانے کے لیے۔

بہت تھک چکی ہوں میں...... صبح کیمپس جانے کا موڈ بالکل بھی نہیں۔ مگر لامعہ کا فون آیا ہے۔ وہ بضد ہے کہ میں ضرور آؤں۔ ادھر اوزی جا رہا ہے۔ وہ بھی منع کر رہا ہے کہ میں کیمپس نہ جاؤں۔ مگر لامعہ کو میں نہیں ٹال سکتی...... سو صبح ضرور جانا ہے...... ہاں جلد لوٹ آؤں گی...... اوزی کو بھی تو ناراض نہیں کر سکتی نا!...... بھائی کی حیثیت اپنی جگہ ہے۔

21 ستمبر

زندگی میرے لیے اپنا مفہوم بدل چکی ہے...... سب کچھ بدل چکا ہے...... میں نے ایسا زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا جو میرے ساتھ ہوا...... اپنی انا، اپنا وقار، اپنا پندار سدا عزیز رہا مجھے۔ کبھی وہ اقدام نہیں کیا جس سے کوئی حرف آئے۔ پھر میرے ساتھ ایسا کیونکر ہوا؟...... میں، میں نہ رہی...... میری انا نہ رہی...... میرا غرور نہ رہا...... میرا سدا اُٹھا ہوا سر جھک گیا۔

سوچتی ہوں تو یقین نہیں ہوتا۔ میں اغواء کر لی گئی...... اس شہر میں، ان گلیوں سے...... جن پر میں ساری زندگی چلی...... اچانک کیسے ہو گیا یہ؟...... سوچتی ہوں اگر لامعہ کے اصرار پر اس روز کیمپس نہ گئی ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوا ہوتا...... پھر سوچتی ہوں...... ایسا ہونا ہوتا تو گھر پر بیٹھ کر بھی ایسا ہو جاتا۔ پتہ نہیں کون لوگ تھے۔ کس نے کیا یہ؟ میں سمجھ نہیں پائی...... آنکھ کھلی تو میں ایک ویران گھر میں تھی اور وہاں کوئی نہ تھا۔ میں چیختی رہی...... روتی رہی...... رات گئے کوئی آیا۔ میں کرسی کے ساتھ بندھی ہوئی تھی...... سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا...... صرف قدموں کی آہٹ تھی۔ میں صورت نہ دیکھ سکی۔ میرے ناک پر ایک بار پھر کلوروفارم والا رومال رکھ دیا گیا...... اور میں ہوش و خرد سے ماورا ہو گئی...... پھر کیا ہوا؟...... مجھے خبر نہیں۔ جب میں ہوش میں آئی تو میں ہاسپٹل کے بستر پر تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ میں موت کو شکست دے کر لوٹی ہوں...... اپنے کڈنیپ کے صرف چوبیس گھنٹے میں، میں بازیاب کروالی گئی تھی اور ایسا عفنان علی خان نے کیا تھا۔ میری زندگی کو بچانے میں اس نے کلیدی کردار ادا کیا تھا کیونکہ وہ مجھ سے شدید محبت کرتا تھا۔ شدید ترین محبت!...... سو اس نے مجھے بچا لیا مگر میں جینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر میں مر گئی ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔ نظریں نہیں ملا پارہی تھی میں سب سے اور اپنے آپ سے...... میری غلطی کہیں نہیں تھی...... مگر میں اپنا سر بہت جھکا ہوا محسوس کر رہی ہوں...... عفنان میرے آس پاس ہے۔ اس نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، مجھے بچایا ہے، میری زندگی بچائی ہے۔ مگر میرے دل میں اس کے لیے کچھ نہیں...... کہیں بھی نہیں!...... اگر اس نے میرے دل میں جگہ حاصل کرنا چاہی تھی تو وہ ناکام رہا ہے۔ وہ ایسا کر کے بھی میرے دل میں جگہ نہیں بنا پایا۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ دنیا کو دیکھتی ہوں تو سب کچھ اپنے مقام پر لگتا ہے۔ سب مجھے جینے پر اُکساتے ہیں۔ زندگی کے مفہوم بتاتے ہیں، سمجھاتے ہیں۔ مگر کوئی میری نظر سے مجھے نہیں دیکھتا۔ میں پہلے جیسی انا بیہ نہیں رہی...... کوئی یہ بات کیوں نہیں سمجھتا......!

عفنان علی خان کی آنکھیں مجھے اب بھی ویسے ہی دیکھتی ہیں۔ ان میں اب بھی ویسی ہی دیوانگی ہے مگر مجھے اس کی دیوانگی سے وحشت ہوتی ہے۔

کیسے چاہ سکتا ہے وہ مجھے اس قدر...... اس طرح!

کیسے اس کا دل اتنا وسیع ہو سکتا ہے...... ایک لڑکی جو کڈنیپ ہو چکی ہے اس کے لیے وہ اب بھی ویسا ہی سوچتا ہے۔

یا تو وہ بہت عظیم بننے کی کوشش کر رہا ہے...... یا......!

23 ستمبر

میرے پاس سے لفظ کھو چکے ہیں...... کچھ بولنا نہیں چاہتی...... کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ کسی کو دیکھنا نہیں چاہتی۔

مگر وہ شخص...... میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس نے ایک بار پھر میری زندگی میں ہلچل مچا دی ہے مجھے ایک بار پھر پرپوز کر کے۔

عفنان علی خان اتنا وسیع القلب کیسے ہو سکتا ہے؟...... کہیں یہ سب اس نے تو نہیں کروایا؟...... مجھے حاصل کرنے کے لیے؟

جب ہر طرف سے میرا حصول ناممکن ہو گیا تو میرے لیے ایسی صورت حال کری ایٹ کر دی کہ انکار کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔

نہ میرے لیے، نہ میرے گھر والوں کے لیے......!

سب جس طرح مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں، مجھے عفنان علی خان کا خواب سچ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ یقین نہیں ہوتا، کیا کوئی اس قدر، اس طرح گر سکتا ہے؟ ایسا کچھ کر سکتا ہے؟......اس لڑکی کے لیے، جسے وہ بے حساب چاہتا ہو......؟

29 ستمبر

میں نے ہاں کہہ دی ہے۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ دانستہ نادانستہ یا مجبوری میں۔ عفنان علی خان کی خواہش پوری کر دی ہے۔ میں اس کی ہونے جا رہی ہوں مگر میں خوش نہیں ہوں۔ مر رہی ہوں۔ مر چکی ہوں۔ شاید اس روز ہی مر گئی تھی جب میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا تھا۔ میں مر گئی تھی۔ عفنان علی خان اگر مجھے حاصل کرنے پر خوش ہو رہا ہے یا جشن منا رہا ہے تو میں اسے احمق گردانتی ہوں۔ صرف ایک لاش سے تعلق باندھ رہا ہے وہ۔ ایک سرد مُردہ جسم سے جس کے اندر حرارت یا زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں......اس کی جنوں خیزی اسے کچھ نہیں دے گی سوائے پچھتاوے کے۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اسے اس کی قیمت چکانی ہوگی۔ میرے ساتھ اس کا ہر ہر لمحہ عذاب ہوگا......میری انا، میری عزت، میرے وقار کی قیمت اتنی کم نہیں...... یہ احساس اسے میں دلا کر رہوں گی۔ ہی از سو مچ پوزیسو اباؤٹ می۔ میرے لیے جنوں خیز ہے وہ اور میں اس کی اسی جنوں خیزی کو اس کے خلاف استعمال کروں گی۔

27 اکتوبر

عفنان علی خان کا میرے ساتھ زندگی جینے کا خواب پورا ہو رہا ہے مگر وہ ان لمحوں میں نہ جی رہا ہے نہ خوش ہے۔ میں نے اسے باور کرا دیا ہے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں۔ اس کی نہیں ہوں۔ میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔ یہ بات وہ برداشت نہیں کر پا رہا۔ میں دن بہ دن نفسیاتی طور پر اسے کمزور کر رہی ہوں اور کمزور کر دوں گی...... جینے نہیں دوں گی اسے۔ اس نے مجھ سے میرا غرور چھینا تھا۔ مجھے دوسروں سے نظر ملانے کے لائق نہیں رکھا تھا۔ میں بھی اسے خوشی کے نام سے اور زندگی سے بیزار کر دوں گی۔

کہیں کوئی نہیں میری زندگی میں...... کہیں کوئی بھی نہیں......نہ میرے خوابوں میں نہ خوالوں میں......آج تک میری زندگی میں کیا خوابوں تک میں کسی کا گزر نہیں ہوا......نہ میں نے کسی کو چاہا نہ کوئی اور مجھے میری نظروں میں اس طرح جچا۔ مگر کوئی ہے جو اَب میری زندگی میں ہے۔ ''کوئی'' وہ جو عفنان علی خان کی جنوں خیزی کو بڑھاوا دینے اور اسے کمزور کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اسے نفسیاتی طور پر کمزور کرنے اور شکست خوردہ کرنے کے لیے یہ ''کوئی'' میرا خود کا تراشیدہ ہے۔

12 نومبر

میں صرف چاہتی ہوں......عفنان علی خان اپنی غلطی تسلیم کر لے۔ اس نے جو بھی کیا غلط کیا۔ اسے میرے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ نہ میرے ساتھ نہ لامعہ کے ساتھ۔ وہ جس روز اپنی غلطی کا اعتراف کر لے گا میں اسے چھوڑ دوں گی۔ میں دل سے چاہتی ہوں وہ لامعہ کو اپنا لے۔ لامعہ اس سے بہت محبت کرتی ہے اور میں عفنان کے ساتھ رہ کر خود کو لامعہ کا مجرم تصور کرتی ہوں۔ یہی عفنان کا ازالہ ہوگا۔ میں صرف اس قیمت پر اسے معاف کر سکتی ہوں۔

17 نومبر

عفنان علی خان سے میں اپنی نفرت برقرار نہیں رکھ پا رہی۔ اس سے ہی کیا، میں کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔ یہ میرا مزاج نہیں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے عفنان بھی مجرم نہیں ہے...... مگر میں اس سے ہٹ کر سوچ نہیں سکتی۔ اگر میرے کڈنیپ سے کسی کا فائدہ ہو سکا تھا تو وہ صرف عفنان تھا۔ یہ ایک پلینڈ گیم تھا جو اس نے میرے ساتھ کھیلا۔ صرف مجھے حاصل کرنے کے لیے۔ کوئی کسی سے اتنی دیوانہ وار محبت بھی کر سکتا ہے، اتنی جنوں خیزی کے ساتھ؟ یقین نہیں ہوتا۔ مگر اب مجھے یقین کرنا پڑ رہا ہے۔ میں لمحہ لمحہ اس کے ساتھ ہوں اور اسے دیکھ رہی ہوں۔ وہ واقعی میرے لیے پاگل ہے۔ مگر میں اسے اب پاگل کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے ترس آتا ہے اس پر۔ میں ایسا نہیں کر سکتی عفنان صرف مجھ سے وابستہ فرد نہیں ہے، وہ اس گھر کا، اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اہم ترین ہے وہ...... اس گھر کے لیے، اپنوں کے لیے۔ مجھے لگتا ہے میں اس کے ساتھ ایسا سب کر کے غلط کر رہی ہوں۔ صرف اپنے کڈنیپ کا ری وینج (Revenge) لینے کو میں اسے پاگل نہیں کر سکتی۔ میرے لیے یہ بہت مشکل ہو رہا ہے۔ ہم ایک کمرے میں...... ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اس نے کبھی کسی موقع پر فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

اگر وہ چاہتا تو ساری ''دیواریں'' گرا سکتا تھا مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

کیا چاہتا ہے وہ۔

کیا واقعی اس کے لیے میرا دل اہم ہے؟...... میری محبت اہم ہے؟

29 نومبر

میں کمزور نہیں پڑ رہی۔ پڑنا بھی نہیں چاہتی۔ مگر وہ شخص مجھے زچ کر رہا ہے۔ مسلسل کمزور۔ بے بس کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور میں ہارنا نہیں چاہتی۔ میں اسے چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔ چاہتی ہوں وہ لامعہ کو اپنا لے۔ اب تک جو بھی کیا میں نہیں جانتی وہ ٹھیک تھا یا غلط۔

مجھے اگر پچھتاوا ہے تو اس لیے نہیں کہ مجھے عفنان غلط نظر نہیں آتا یا میں اسے غلطی پر نہیں سمجھتی یا میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگر ایسا کوئی پچھتاوا میں محسوس کر رہی ہوں تو صرف اس لیے کہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا۔ میں کسی کے ساتھ کچھ برا روا نہیں رکھ سکتی۔

5 دسمبر

عفنان نے کتنا غلط کیا اس کا اندازہ ہر بار مجھے لامعہ سے مل کر ہوتا ہے۔ وہ روتی ہے تو اس کے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں۔ عفنان کو اپنے کیے کا ازالہ کرنا ہوگا۔ اسے لامعہ کی طرف واپس لوٹنا ہوگا۔ ہر صورت میں۔

11 دسمبر

اول روز سے اب تک وہ اپنی محبت مجھ پر منکشف کر دینے کا متمنی ہے۔ چاہتا ہے میں یقین کر لوں۔ مگر میرے لیے یہ ناممکن

ہے۔کل بھی تھا اور آج بھی......اور کل بھی یقیناً ایسا ہی رہے گا۔

میں اس قدر سنگ دل نہیں...... کسی کا دِل نہیں دُکھا سکتی۔ترس آتا ہے کبھی کبھی اس بندے پر۔کوئی اس طرح بھی کسی کو چاہ سکتا ہے؟......اس قدر......اتنا زیادہ......اتنا بے حساب......اتنی دیوانگی کے ساتھ......پاگل ہے یہ بندہ......کیا کہوں اسے......میرے پاس نہ اس کو دینے کو کوئی سزا ہے نہ جزا۔شاید اس کی دیوانگی کا میرے پاس کوئی حل بھی نہیں ہے کیونکہ میرے کہنے سے نہ وہ مجھے چاہنے سے خود کو روک سکا ہے، نہ روک سکے گا۔نہ ہی کبھی بدل سکے گا خود کو۔مگر میں چاہتی ہوں دل سے بدل دے وہ خود کو......سوچ تو صرف لامعہ حق کے لیے، کیونکہ لامعہ اس کے لیے ضروری ہے۔بہت ضروری۔

کیونکہ وہ لامعہ کے لیے ضروری ہے۔مگر یہ بات مجھے اسے باور کرانے کو وقت لگے گا شاید۔

18 دسمبر

بہت برا خواب دیکھا ابھی کچھ دیر قبل۔پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔عفنان علی خان نے مجھے پانے کی خواہش کی تھی۔اس کی بات نے مجھے جانے کیوں حد سے سوا خوف زدہ کر دیا۔مجھے لاشعوری طور پر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے یا شاید میں کر چکی ہوں یہ تسلیم کہ وہ صرف لامعہ کا ہے اور مجھے ہر قیمت پر واپس لامعہ کو لوٹانا ہے......میں اسے اپنے پاس صرف امانت کی طرف رکھنا چاہتی ہوں اور اس سے زیادہ اس سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی۔اچھا ہوا وہ صرف خواب تھا۔اس خواب میں عفنان کی خواہشوں کی تکمیل کا ڈیرہ تھا اور شکر ہوا کہ آنکھ بروقت کھل گئی اور سب خواب رہا۔میں اُٹھی تو وہ صوفے پر ہمیشہ کی طرح تفاوت برقرار رکھے سو رہا تھا مگر اس خواب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔اس کے بعد دیر تک میں سو نہیں سکی۔

خوف زدہ نہیں تھی میں اس سے......کبھی بھی خوف زدہ نہیں ہوئی۔جانے کیوں اس سے مجھے کبھی کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔اگر وہ برا ہے......اس نے کچھ برا کیا ہے تو مجھے اس سے خوف تو ضرور محسوس ہونا چاہیے تھا مگر جانے کیوں، ایسا کچھ نہیں۔

اس نے اس روز کہا تھا۔"وہ مجھے جب بھی حاصل کرے گا، مجھے میری اجازت سے حاصل کرے گا۔اگر اس کے لیے میری "اجازت" اہم ہے تو یقیناً اس کی خواہش اس پر غالب نہیں۔اگر وہ اپنی خواہشوں سے اس درجہ مغلوب نہیں تو وہ یہ سب کیسے کر سکتا ہے؟

میں اس کے سامنے ہوں۔روبرو ہوں۔بے حد قریب ہوں۔ہاتھ بڑھا کر وہ جب چاہے مجھے "حاصل" کر سکتا ہے۔زور آور ہے وہ......پھر اس کے لیے میری اجازت ہی کیوں اہم ہے؟

کیا واقعی میں اس کی خواہش سے زیادہ زور آور ہوں؟

زیادہ اہم ہوں؟

اس سوال سے آگے کے کئی صفحات خالی تھے، یعنی یہ کل رات کی آخری روداد تھی جو نابیہ نے لکھی تھی اور عفنان نے پڑھی۔بہت آہستگی سے اس نے ڈائری بند کر دی تھی۔کچھ دیر یوں ہی خاموش بیٹھا رہا تھا پھر ڈائری واپس اس جگہ پر رکھ دی تھی۔اِک جرم اس سے

سرزد ہوا تھا مگر بہت سے رازوں سے پردہ ضرور ہٹ گیا تھا۔

اگر آج اس نے یہ چھوٹا سا جرم نہیں کیا ہوتا تو وہ انابیہ کو کبھی اتنے اچھے طریقے سے جان نہ پاتا۔ آج وہ اتنا کچھ جان کر انابیہ سے محبت کرنا بند نہیں کر سکتا تھا۔ شاید وہ محبت کہیں اندر اور بھی بڑھ گئی تھی۔ پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

سب سے بڑا اطمینان یہ کافی تھا کہ انابیہ کی زندگی میں کہیں ''کوئی اور'' نہ تھا۔ جو سوالیہ نشان ہمیشہ اسے پریشان کرتا رہا تھا اب وہ باقی نہ رہا تھا۔ انابیہ کی زندگی میں اب بھی کئی سوالیہ نشان باقی تھے مگر وہ انہیں ختم کرنے کی کوشش کرتا بھی تو شاید ختم نہیں کر سکتا تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری چلا گیا تھا اور جانے سے قبل اس سے مل کر بھی نہیں گیا تھا۔ مگر اس کے سیل پر جانے سے قبل ٹیکسٹ کر کے تاکید ضرور کر گیا تھا کہ اسے مائی اماں کے پاس جانا ہے مگر اس سوچ سے قبل ہی کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل کرے یا نہ کرے، پاپا کا فون آ گیا تھا۔ وہ لوگ پاکستان پہنچ چکے تھے۔

''پاپا!...... آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں، آپ لوگ آ رہے ہیں؟ میں آپ کو ایئر پورٹ پر لینے آ جاتی''۔ اس نے شکوہ کیا تھا۔

''سرپرائز بیٹا!...... سوچا تمہیں خوشی کے ساتھ کچھ حیران بھی کر دیا جائے۔ سبکتگین کا فون آیا تھا۔ وہ نیویارک چلا گیا تھا۔ میں تمہیں لینے آ رہا ہوں''۔

''نہیں پاپا! میں خود آ جاتی ہوں۔ زوباریہ اور فانی بھی آئے ہیں ساتھ؟''

''ہاں...... گھر آباد ہو گیا ہے پھر سے...... آ کر دیکھو...... تمہیں سب کچھ پہلے جیسا لگے گا۔ بس اپنے بچے کے بغیر فیملی کچھ نامکمل لگ رہی ہے''۔ پاپا بولے تھے۔

اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ سب کچھ یقیناً پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ ویسی نہیں رہی تھی۔ سب سے بڑی تبدیلی وقت نے یہی کی تھی۔

''میں آ رہی ہوں پاپا! اپنی کمپلیٹ فیملی کے ساتھ، اپنے کمپلیٹ گھر کو دیکھنے''۔ اس نے فون رکھ کر اپنا تمام سامان پیک کیا تھا اور ایک اختتام نگاہ اس گھر پر ڈال کر چلتی ہوئی باہر نکلی تھی۔

لاؤنج میں لگی اس کی تصویر نے لمحہ بھر کو قدم روکے تھے۔ وہ رُک گئی تھی مگر ڈبڈبائی نگاہ زیادہ دیر اس منظر پر ٹھہر نہ سکی تھی۔ آنکھیں رگڑتی ہوئی وہ پلٹی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔

گھر میں واقعی سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ پاپا کے شانے پر سر دھرے وہ بہت دیر تک روتی رہی تھی۔

''خوشی کے موقع پر روتے نہیں میرب! ہم سب اکٹھے ہیں...... ہمیں اس کے لیے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے''۔ زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

وہ آنکھیں پونچھتی ہوئی مسکرادی تھی۔

''ہاں......ہم سب اکٹھے ہیں اوراب بہت جلد ہم دوبارہ میرب کو چلتا کردیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے''۔ پاپا مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے تھے مگر وہ مسکرا نہیں سکی تھی۔ جھک کر فانی کو گلے لگا کر پیار کرنے لگی تھی۔

''آپ کی آپا نے آپ کو بہت مس کیا فانی!...... بہت زیادہ یاد آئی آپ کی۔ کیا آپ کو ہماری یاد نہیں آئی؟'' بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ پوچھ رہی تھی۔ فانی چھوٹا تھا مگر اس کی آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''اب میں آگیا ہوں واپس۔ آپ کو نہ مجھے یاد کرنے کی ضرورت ہے نہ رونے کی۔ آپ کو پتہ ہے میں آپ کے لیے کیا لایا ہوں۔ ڈھیر سارے چاکلیٹ''۔ ہاتھ کے اشارے سے فانی نے بتایا تھا۔ وہ مسکرادی تھی۔

''میں بھی آپ کے لیے بہت سے چاکلیٹ لائی ہوں''۔ میرب نے بیگ سے چاکلیٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے تھے، تبھی زوباریہ بولی تھی۔

''تم فریش ہو جاؤ میرو! میں ٹیبل لگاتی ہوں اور یہ آپ فون پر شروع بھی ہو گئے۔ کچھ ریسٹ کر لیجیے، پھر کام ہی کام کرنا ہے۔ میرو گھر آئی ہے۔ کتنے عرصے بعد ہم سب مل کر بیٹھے ہیں۔ کچھ تو خیال کیجیے''۔ زوباریہ پاپا سے بولی تھی۔ وہ اپنے سیل پر کوئی نمبر ملاتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

''میرو بچے!......میرا خیال ہے ایک کلاس مزید ہونے سے پہلے آپ فریش ہو کر آ جایئے۔ ہم کھانا ساتھ کھائیں گے۔ اس کے بعد باہر جائیں گے''۔ پاپا نے خیال ظاہر کیا تھا مگر زوباریہ کچن کی طرف جاتی رُک کر بولی تھی۔

''کوئی کہیں نہیں جائے گا...... پہلے کھانا، پھر آرام......کل دیکھیں گے کسے کیا کرنا ہے۔ عرصہ بعد گھر کا ماحول دیکھا ہے۔ کچھ محسوس تو کرنے دیں، ہم سب تو خیر ساتھ تھے مگر میرب......اس کے بارے میں بھی تو سوچیے......وہ تو وقت گزارنا چاہتی ہوگی ہمارے ساتھ۔ اور میرب! تم اس طرح کیوں کھڑی ہو؟ کیا اپنے ہی گھر میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہی ہو؟......بھئی وہی گھر ہے، وہی ہم سب ہیں''۔ زوباریہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں......مگر میں وہ نہیں ہوں''۔ اس کے اندر سے آواز اُبھری تھی مگر وہ بولی نہیں تھی۔ مسکراتے ہوئے اس سارے ماحول کو دیکھا تھا۔ ایک کمپلیٹ ماحول تھا، کمپلیٹ گھر کا......ایک کمپلیٹ فیملی تھی۔ کتنے عرصہ بعد وہ یہ سب دیکھ رہی تھی...... یہ مسکراتے چہرے...... بہت اپنے نظر آتے فرد......سب کچھ کیسا خواب خواب سا لگ رہا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ایک ایک شے وہیں تھی جہاں آج سے آٹھ نو ماہ پہلے تھی۔ سب کچھ ویسے کا ویسا تھا۔ ہر شے اپنے ٹھکانے پر ملی تھی اسے۔ مگر اسے جانے کیوں سب کچھ بہت اجنبی محسوس ہو رہا تھا......ایک ایک شے کو چھو کر وہ جیسے یقین کر رہی تھی۔ کمرہ......بستر......الماری......آئینہ......سب اسے حیرت سے تکتے ملے تھے۔ اسے لگا جیسے سب پوچھ رہے ہوں۔

''میرو! تم پہلے جیسی کیوں نہیں لگ رہیں؟''

کتنا بدل دیا تھا اسے وقت نے۔ کتنی آزمائشیں لی تھیں وقت نے۔ اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری۔

ایک عجیب سا رشتہ...... ایک عجیب سا نام۔ نہ تعلق اسے سمجھ پایا نہ وہ اس تعلق کو۔ ایک سوچ تھی جو آنکھیں نم کر گئی تھی مگر اس نے ہاتھ کی پشت سے سختی سے آنکھوں کو رگڑ دیا تھا جیسے وہ اب مزید رونا نہیں چاہتی تھی۔

ارادہ کر لیا تھا اس نے اب اور نہیں روئے گی۔ پُرعزم تھی وہ۔ پاپا اس کے ساتھ تھے۔ اس کی فیملی اس کے ساتھ تھی۔ اب تنہا نہیں تھی وہ۔

کسی کے رحم وکرم پر نہ تھی۔

اپنے گھر میں تھی۔ اپنوں کے درمیان۔

جس صورتِ حال سے وہ گزری تھی اسے مزید سب کو اس سے غافل نہیں رکھنا تھا۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، جو کچھ زندگی نے اس کے ساتھ برتا تھا اسے سب کو بتانا تھا۔ اپنے ان اپنوں کو جو اس کے تھے، جن کے لیے وہ اہم تھی۔

وہ کن پریشان کن تکلیفوں سے گزری...... کیسے حالات سے نبرد آزما رہی...... اگر پاپا کو پتہ چل جاتا تو وہ کوئی بھی اقدام کرنے میں دیر تو نہ لگاتے۔ اس نے خود انہیں مطلع نہیں کیا تھا۔ وقت مناسب نہ تھا مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا۔

پھر صورتِ حال بھی اختیار سے باہر کیوں رہتی۔

ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی وہ اطمینان سے پلٹی تھی۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔

اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو...... جی، میرب ہی بات کر رہی ہوں...... کیا......؟''

☆......☆......☆

میرب سیال کے لیے خبر پریشان کن تھی۔ مائی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ مسٹر چاولہ نے فوری طور پر انہیں ہاسپٹلائز کروا کر اسے خبر دینا ضروری خیال کیا تھا۔

''مائی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ آپ کہیں تو آنے کے انتظامات کر دوں؟'' مسٹر چاولہ پوچھ رہے تھے۔ اسے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ ابھی ابھی وہ اپنے گھر میں اپنوں کے بیچ آئی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اب فوراً ہی واپس بھی......

''مائی کو بتا دوں کہ آپ نہیں آنا چاہ رہیں؟'' مسٹر چاولہ نے اس کی خاموشی پر دریافت کیا تھا اور تب وہ فوری طور پر بولی تھی۔

''نہیں...... میں آ رہی ہوں''۔ وہ پلٹی تھی۔ پتہ نہیں اس نے درست فیصلہ کیا تھا یا کہ نہیں لیکن وہ اب اتنی اُلجھن میں نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟...... کس کا فون تھا؟'' پاپا جو اس کے پیچھے کھڑے تھے اسے سوچ میں اُلجھا دیکھ کر دریافت کیا تھا۔

''مسٹر چاولہ کا...... مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں''۔

''سو، وہاٹ ہیپنڈ؟ تمہیں فوراً جانا چاہیے، جبکہ سبکتگین بھی یہاں نہیں ہے، انہیں تمہاری زیادہ ضرورت ہے''۔ پاپا نے بلا تردّد کہا تھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی...... مجھے پتہ ہے۔ اس لیے میں نے اپنے آنے کے متعلق انہیں انفارم کر دیا ہے''۔ ایسا کہتے ہوئے اس کا انداز اُلجھن سے پُر تھا۔

مظہر سیال نے مسکراتے ہوئے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے دیکھا تھا۔

''بعض موقعوں پر کچھ ضروری کاموں کو کرنا زیادہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ ہم یہاں ہیں، تمہارے پاس ہیں مگر سبکتگین کی مائی کو اس وقت تمہاری زیادہ ضرورت ہے''۔ پاپا نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''جانتی ہوں پاپا! لیکن طویل وقت کے بعد آپ سب کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا تھا۔ میں آپ سب کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی تھی''۔ دل کی بات کہی تھی۔ پاپا جانتے تھے۔ مسکرا دیئے تھے۔

''میں جانتا ہوں۔ مگر اب ہم سے زیادہ حق ان کا ہے تم پر۔ اب تم ان کی بیٹی زیادہ ہو۔ اور کتنا خیال رکھتی ہیں وہ تمہارا۔ ہم سے تو زیادہ پیار کرتی ہیں تمہیں۔ ہم یہاں نہیں تھے تو انہوں نے جس طرح تمہارا دھیان رکھا، وہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی تم اپنا ضروری سامان پیک کر لو۔ ہو سکے تو سبکتگین سے کونٹیکٹ کر کے اسے بھی بتاؤ۔ بیٹا! یہ چھوٹے چھوٹے لمحے ہوتے ہیں جو زندگی کو زندگی سے جوڑ کر رکھتے ہیں۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہم تنہا اور کمزور نہیں ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟''

''جی پاپا!'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔ وہ سب اب بھی نہیں کہہ سکتی تھی جو کہنا چاہتی تھی۔ جو دل کی تھی، دل میں ہی تھی اب تک۔ نہ وقت ملا تھا نہ موقع اور نہ شاید ہمت تھی اس میں۔ پاپا کہنے کے بعد اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے ''سویٹ ڈریم'' کہہ کر کمرے میں چلے گئے تھے اور میرب سیال اپنی سوچوں سے اُلجھنے کو اکیلی رہ گئی تھی۔

سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اپنا گھر، اپنا آپ، سب بہت عجیب، جیسے کسی اور بات کی عادت سی ہو چلی تھی۔

دن بھر میں پہلی بار اس شخص کا خیال آیا تھا۔

وہ کج روش، کج ادا، جس سے اس کا تعلق بہت گہرا جڑا تھا۔

پاپا نے کہا تھا۔ ''اس سے بات کر لو''۔ کیا بات کرتی وہ اس سے؟ کہنے سننے کو باقی کیا تھا بھلا؟

اس کی سوچ سے بھی زیادہ ان پری ڈکٹیبل شخص تھا وہ۔ جب بھی، جو بھی اس کے بارے میں سوچا تھا کچھ درست ثابت نہ ہوا تھا۔ کوئی غلط فہمی نہیں تھی اسے۔ مکمل یقین تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا تھا اسے ویسا ہی رہنا تھا۔ نہ بدلا تھا نہ اسے کبھی بدلنا تھا۔ وہ سوچتی تھی تو وہ اسے مکمل طور پر اپنے مخالف سائیڈ پر کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ اس میں اور خود میں اسے کوئی ایک بات بھی مشترک دکھائی نہ دیتی تھی۔ پھر ''ایک'' ہونے کا کوئی اور سبب کیا ہو سکتا تھا اور قدرِ مشترک ڈھونڈنا تو پھر بھی دور کی بات تھی۔ وہ جو سرے سے اسے سمجھا نہ تھا۔

وہ کیا سوچتی ہے؟

کیا چاہتی ہے؟

کیوں چاہتی ہے؟

اس سے یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کوئی سروکار نہ تھا۔ اپنی دُنیا تھی اس کی۔ اپنا دیس تھا اور اپنا بھیس۔ قصور اُس کا تھا۔ وہ اس کی دُنیا میں نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اپنی دُنیا جیسا دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے خوابوں جیسا......اپنے خیالوں جیسا۔ اور وہ شخص تو سرے سے خوابوں کی حقیقت پر بھی یقین نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی جانے کیوں سوچ رہی تھی وہ اسے۔

یک دم وہ چونکی تھی۔ سیل فون جانے کب سے بج رہا تھا۔ وہ اتنی محو تھی کہ اندازہ ہی نہ ہوا۔ اب ہوا تو فوراً کال ریسیو کر کے سیل کان کے قریب کیا تھا۔ دوسری طرف وہی تھا جس کا گزر اس کی سوچوں میں تھا۔

''مسٹر چاولہ کا فون آیا تھا...... مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ انہوں نے کہا تم جانا نہیں چاہتیں؟'' اجنبی لہجے میں لگایا گیا ایک الزام اسے حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''کچھ غلط سنا ہے آپ نے......میں جا رہی ہوں''۔ اس نے باور کرانے کو زور دیا تھا۔

''کہاں؟'' وہ چونکا تھا۔

''مائی کے پاس''۔ میرب نے جتایا تھا۔

''مجھے تم پر زور زبردستی یقیناً روا نہیں لگتی۔ تمہیں اپنے معاملات میں اُلجھانا نہیں چاہتا۔ مائی کی تیمارداری کرنا یقیناً تمہارا دردِ سر نہیں ہے......اس لیے اگر تم نہ چاہو تو تمہیں اجازت ہے''۔ وہ دوسری طرف اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

میرب سیال کو غصہ آئے بغیر نہیں رہا تھا۔ سو درشت لہجے میں بولی تھی۔

''اگر آپ سے اجازت طلب کرنا ہوتی تو مسٹر چاولہ کے فون کے بعد فوراً آپ کو فون کر لیا ہوتا۔ اپنے اور میرے اختلافات کے بیچ آپ مائی کو لانے کی کوشش مت کریں۔ میں جانتی ہوں اس وقت مجھے کیا کرنا ہے''۔

''بہت اچھی بات ہے، اگر آپ جانتی ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ میرا مقصد صرف یہ باور کرانا تھا کہ اپنے رشتوں کا کوئی بوجھ میں آپ پر ڈالنا نہیں چاہتا جسے آپ سہار نہ سکیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مائی میری ذمے داری ہیں''۔ دوسری طرف وہ جتاتے ہوئے اجنبی لہجے میں گویا تھا۔ میرب جانتی تھی۔ واقف تھی اس کے مزاج سے۔ سو باور کراتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ پر یقیناً کوئی احسان نہیں کر رہی...... مائی میرے لیے بہت معتبر ہیں اور انہیں میں آپ کے حوالے سے ہٹ کر سوچتی اور دیکھتی ہوں۔ یوں بھی مائی میرے اور آپ کے درمیان حائل مسئلے کا حصہ نہیں ہیں۔ وہ میرے لیے بھی ماں جیسی ہیں''۔ میرب نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف موجود سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ میں موجود فون کو چند ثانیوں تک دیکھتا رہ گیا تھا۔ پُر خیال نظروں سے سیل فون

کو دیکھتے ہوئے بہت اُلجھن سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر دوبارہ اس کا نمبر ملا دیا تھا۔ مگر پھر جانے کیا ہوا تھا کہ ایک دو بیل جانے کے بعد اچانک ہی سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور اس ایک لمحے میں گی کی آواز اس کے گرد گونجی تھی۔

''محبت کرتے ہونا اس سے؟''

وہ چونکا تھا بلکہ حد سے سوا حیران ہوا تھا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا فون پٹخنے والے انداز میں سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔

''حماقت......'' با آواز بلند ڈپٹا تھا۔

''محبت حماقت کے سوا کچھ ہے؟'' اس کے احتجاج پر گی کی ایک اور سرگوشی اُبھری تھی۔

''ربش''۔ با آواز جھٹلانے کا انداز بہت خوب تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے دوبارہ فون اُٹھا لیا تھا۔ ارادہ مسٹر چاولہ سے بات کرنے کا تھا مگر اس سے قبل ہی فون بج اُٹھا تھا۔

''ہیلو''۔ دوسری طرف گی تھی۔

''بولو، گی!'' تمام سوچوں کو جھٹکتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... مسٹر چاولہ کا فون آیا تھا''۔

''ہاں جانتا ہوں میں۔ مسٹر چاولہ نے مجھے اطلاع دے دی تھی۔ میں واپس آ رہا ہوں''۔

''میں چلی جاتی ہوں مائی کے پاس...... تم اپنا کام چھوڑ کر مت آؤ۔ مسٹر چاولہ بتا رہے تھے کہ اب وہ پہلے سے بہتر ہیں''۔

''شی اِز مائے مدر گی!...... ان کے لیے میں کسی قسم کی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا اور تم صرف گھر میں رہ کر آرام کرو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ ضروری ہے۔ میرب سے بات ہوئی تھی میری۔ وہ جا رہی ہے ان کے پاس''۔ اطلاع دی تھی۔

''اتنا یقین ہے تمہیں اس پر؟'' دوسری طرف گی نے مسکرا کر جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

''گھر بہت سُونا ہو گیا ہے گین!...... میرب کے یہاں سے چلے جانے کے بعد جو ویرانی یہاں آئی ہے شاید تم یہاں آؤ تو تم بھی اسے محسوس کرو''۔ گی مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے خوابوں کی دُنیا میں رہنے والی کوئی مخلوق لگی تھی۔

گی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''سارا گھر جیسے اسے تلاش کر رہا ہے گین!...... تم یہاں نہیں ہو، مجھے جانے کیوں یقین ہے تمہارا احساس، یہاں وہاں اُسے کہیں ڈھونڈ رہا ہے''۔ گی کی باتیں جیسے واقعی خیالی ہوائیں تذکروں سے بھری ہوئی تھیں۔ اتنی ٹینشن میں ہونے کے باوجود وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہارا جواب نہیں گی ژیانگ! باتیں واقعی دلچسپ کرتی ہو مگر تھوڑی بہت بے وقوفی سے بھری۔ سچ بتاؤں، تمہیں اس بندے نے اگر دھوکا دیا تو اس کا سبب صرف یہی تھا۔ تم حد سے سوا رعایت دینے کی قائل ہو''۔

''گی ژیانگ کو کسی نے کیوں دھوکا دیا، یہ ایک الگ معاملہ ہے گین! مگر اس وقت جو گی ژیانگ کہہ رہی ہے وہ اِگنور کیے جانے کے

لائق نہیں ہے۔تم جو کہہ رہے ہو وہ میں سمجھ رہی ہوں گین! جو تمہارے اندر ہے میں وہ بھی جانتی ہوں''۔اسے جھٹلاتے ہوئے گی کہہ رہی تھی۔

''اسے جانے مت دینا گین!......جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا''۔

''اور تمہیں میرے نقصان کی اتنی پرواہ ہے کہ تم اپنے نقصان کو بھی نہیں دیکھ رہی ہو؟''مسکراتے ہوئے جتایا گیا۔''گی!......اگر تم اپنی زندگی کی فکر کرو تو یہ زیادہ ضروری ہوگا۔مجھے،میری زندگی کو میرے حال پر چھوڑ دو۔میرا ایمان ہے،جو ہونا ہے سو ہونا ہے۔اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں کہنا۔مائی کے متعلق جاننا اور باخبر رہنا۔فی الحال یہ زیادہ ضروری ہے میرے لیے۔میں واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

''اسے جانے مت دینا گین!''گی ژیانگ کی سرگوشی اس کے آس پاس گونجی تھی۔

''جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا''۔گی کے خدشے اس کے ارد گرد گونجتے رہے تھے مگر وہ جیسے کان بند کر کے اُٹھا تھا اور گاڑی کی چابی اُٹھا کر باہر آ گیا تھا۔کرنے کو کوئی ضروری کام اور بھی تھے۔

☆......☆......☆

میرب سیال نے پیکنگ مکمل کی تھی اور مسٹر چاولہ کو فون کر کے پلٹی تھی جب پاپا کو اپنے قریب کھڑے دیکھا تھا۔

''میں جا رہی ہوں پاپا!''

پاپا نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔مظہر سیال نے بیٹی کے اقدام کو سراہا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''آپ مجھ پر ٹرسٹ کرتے ہیں پاپا؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟''پاپا کچھ حیران ہوئے۔''آف کورس،آئی ٹرسٹ یو''۔پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''کچھ کہنا چاہتی ہو تم...... مجھے لگتا ہے بیٹا! کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔اگر ایسا ہے تو کہہ دو۔ہو سکتا ہے اس بات کا کوئی حل ہاتھ لگ جائے۔کبھی کبھی بہت اُلجھی ہوئی ڈور کو جب دو لوگ مل کر سلجھاتے ہیں تو وہ بڑے آرام سے سلجھ جاتی ہے''۔

''مگر کبھی کبھی وہ ڈور اور بھی اُلجھ جاتی ہے پاپا!''اس کے جواب نے پاپا کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''کیا مطلب؟......کیا ہوا؟''پریشانی سے پوچھا تھا مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور انہیں مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔

''کچھ نہیں پاپا!......آپ سے دور رہی نہیں کبھی۔بہت زیادہ مس کیا آپ کو......اور اب بھی''۔کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔پاپا نے تھام کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''میرا بچہ!''محبت سے سر پر پیار کیا تھا۔''پاپا آپ سے دور تھوڑی ہیں۔آپ جب چاہیں اپنے پاپا سے فون پر بات کر سکتی ہیں۔

فی الحال تو آپ اپنی مدرِ ان لاء سے ملنے جا رہی ہیں۔ جب سچ مچ کی رخصتی ہو گئی تو پھر کیا کریں گی آپ؟'' پاپا نے مسکراتے ہوئے کسی قدر شرارت سے دیکھا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''گڈ گرل''۔ پاپا نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔'' پاپا کے شیر بچے ہو......ایک دم اتنا کمزور کیسے پڑ سکتے ہو؟'' پاپا بولے تھے مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتی، باہر گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ جو بات وہ بتانا چاہتی تھی وہ دل میں ہی رہ گئی تھی۔

''مسٹر چاولہ آ گئے ہیں شاید''۔ وہ بولی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا!''

''جی پاپا!'' اپنا سفری بیگ اُٹھا کر وہ چل پڑی تھی۔ پھر ان ہی راستوں پر......اسی سمت......جانے ایسا کیوں تھا جب بھی وہ ان راستوں سے اپنے قدم اُٹھاتی تھی...... بھاگتی تھی......وہ راستے پھر سے اس کے سامنے آ رُکتے تھے۔ قسمت کیسا کھیل کھیل رہی تھی اس کے اتھ، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

☆......☆......☆

ساہیہ خان چپ چاپ کھڑی تھی۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رُکا تھا۔ ساہیہ آہٹ یا قدموں کی چاپ پر پلٹی نہیں تھی۔ نہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا۔ اذہان حسن بخاری فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

خاموش نظروں سے اس کی پشت کو بس چپ چاپ دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

ساہیہ نے گردن موڑ کر اس مضبوط ہاتھ کو اپنے شانے پر دھرا صرف دیکھا تھا۔ بولی تب بھی کچھ نہیں تھی۔

''ساہیہ!'' اذہان حسن بخاری نے بہت ہولے سے پکارا تھا مگر ساہیہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا اور اس کا رُخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

''اس طرح چپ مت رہو ساہیہ!...... مجھے اپنے اور تمہارے بیچ یہ چپ بالکل اچھی نہیں لگتی۔ جب تم چپ ہوتی ہو تو فاصلے بہت بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ تم سے دور جانا نہیں چاہتا ساہیہ!'' اس کی آنکھوں میں بھرپور اعتماد سے دیکھتے ہوئے کہا تھا مگر ساہیہ تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

ساہیہ! رشتوں میں ایک شے بہت ضروری ہوتی ہے، اعتبار...... اعتبار بہت ضروری ہوتا ہے ساہیہ!......ایک بات پوچھوں؟ مجھ پر اعتبار کرتی ہو تم؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ ساہیہ کی آنکھوں میں یک دم بہت سا پانی ٹھہرا تھا اور ایک لمحے میں پلکوں کی باڑ پھلانگ کر باہر بہہ نکلا تھا۔

''اعتبار کرتی ہو مجھ پر ساہیہ؟'' اذہان حسن بخاری نے ٹھوڑی سے اس کے چہرے کو تھام کر دیکھتے ہوئے سرگوشی میں دریافت کیا

تھا۔ساہیہ نے سرا ثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں''۔پانیوں سے بھری آنکھوں سے اس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کران آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھ پر لے لیا تھا۔

''اگر اعتبار ہے تو پھر یہ آنسو کیوں ہیں ساہیہ؟...... جہاں اعتبار ہوتا ہے وہاں آنسو نہیں ہوتے ساہیہ!'' مدھم لہجے میں باور کرایا تھا۔

''ضروری تو نہیں ہے کہ جہاں اعتبار ہو وہاں کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے''۔ساہیہ خان نے جواباً شکوہ کیا تھا۔

''مگر یہ بھی تو نہیں ساہیہ! کہ بنا کچھ پوچھے الزام عائد کر دیئے جائیں۔کیا ٹھیک ہے یہ؟'' اذہان حسن بخاری نے کچھ زیادہ نہ کہہ کر بھی بات واضح کر دی تھی۔

''میں نے کوئی الزام عائد نہیں کیا اذہان!''

''تو پھر کیا، کیا ہے ساہیہ؟......اعتبار کیا......الزام نہیں لگایا تو پھر یہ آنسو بھی کیوں ہیں؟ تم اپنی یا میری آزمائش کرنا چاہتی ہو؟''

اذہان حسن بخاری نے وضاحت چاہی تھی۔ساہیہ نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے اذہان! مجھے تم پر اعتبار ہے۔بس مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔سر جھکا کر کسی خوف زدہ بچے کی طرح وضاحت دی تھی۔

''ڈر؟...... جہاں اعتبار ہوتا ہے وہاں ڈر ہوتا ہے ساہیہ؟'' اذہان نے کسی قدر چونکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال داغا تھا مگر ساہیہ اس کی طرف سر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکی تھی۔

''تم شاید نہ مانو اذہان! مگر کبھی کبھی کوئی خوف کہیں نہ کہیں سے نکل کر سامنے آجاتا ہے تو بہت ڈراتا ہے......مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اعتبار ختم ہو گیا۔اس ڈر کا کوئی جواز ہو، یہ ضروری نہیں ہے۔میں تمہیں نہیں بتا سکتی مگر میں واقعی ڈر گئی تھی''۔

''بتا نہیں سکتیں مگر جتا تو سکتی ہو نا کہ تم کیا محسوس کرتی ہو''۔اذہان حسن بخاری جتانے والے انداز میں بولا تھا۔ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی اور وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بھرپور توجہ سے دیکھتا ہوا آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

''میرے لیے یہ جاننا، سمجھنا بہت ضروری ہے ساہیہ! کہ تم کیا سوچتی ہو، کیوں سوچتی ہو۔تمہیں کس بات سے خوشی ملتی ہے؟ کس بات سے تکلیف؟ میرے لیے یہ جاننا اہم ہے ساہیہ! بہت ضروری ہے یہ میرے لیے، کیونکہ میرے لیے تم ضروری ہو ساہیہ!'' لہجہ بھرپور اعتماد دلاتا ہوا تھا۔نظریں بہت سا اعتبار سونپتی ہوئی تھیں۔اس کی قربت، احساسِ تحفظ دیتی ہوئی تھیں۔تو پھر وہ کیوں ڈر رہی تھی؟......

ساہیہ خان نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا تو اپنے اندر کے سارے خدشات بے وجہ اور بے بنیاد لگے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔

''اعتبار رشتوں کے لیے ضروری ہے ساہیہ! کیونکہ اعتبار رشتے بناتا ہے، جوڑتا ہے مگر یقین اس سے بھی زیادہ ضروری ہے ساہیہ! کیونکہ یقین اس رشتے کی مضبوطی کو اور بھی بڑھاتا ہے۔یقین تمام ڈر اور وسوسے مٹا دیتا ہے۔ایک کام کرو ساہیہ! تم یقین کو دل میں جگہ دو۔کوئی حکم نامہ نہیں ہے یہ، صرف درخواست ہے۔یقین کر کے دیکھو ساہیہ!...... یہ آنسو جو آج تمہاری آنکھوں میں دکھائی دے رہے

ہیں، دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔ مجھ پر یقین کرو‘‘۔ اذہان حسن نے بھرپور یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔

’’میرا تم پر یہ یقین کمزور نہیں ہے اذہان! اور یہ یقین کبھی کمزور پڑے گا بھی نہیں‘‘۔ ساہیہ نے اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا تھا۔ ’’جانتی ہوں...... تمہیں اپنی چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھنے کی عادت ہے۔ تم بچپن میں اپنے کھلونوں کے لیے بھی بہت کنسرن تھے۔ کوئی ایک کھلونا بھی میں نے تمہیں توڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ تبھی تو سب آج بھی اس چھوٹے سے کمرے میں موجود ہیں جسے تم بچپن میں استعمال کرتے تھے۔ جب تمہارے لیے چھوٹی چھوٹی، بے جان چیزوں کی اتنی وقعت ہے تو پھر میرا دل کیسے توڑ سکتے ہو؟ تم یقیناً ایسا نہیں کرسکو گے۔ کیونکہ میرا دل ان کھلونوں سے تو پھر بھی بہت قیمتی ہے‘‘۔

’’جب اتنا سب کچھ جانتی ہو تو پھر وہ پاگل پن کس لیے تھا؟ کیا تم ان باتوں پر اعتبار کرنے لگی ہو کہ آنسوؤں سے مردوں کا دل جیتا جاسکتا ہے؟‘‘ اذہان حسن بخاری نے اس کی چھوٹی سی ناک دباتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکرادی تھی۔

’’تم ٹھیک سمجھیں ساہیہ! میں تمہارا دل واقعی نہیں توڑ سکتا۔ کیا کروں، میرا اپنا دل ٹوٹا ہوا ہے نا‘‘۔ وہ مسکرایا تھا۔ انداز میں کسی قدر تازگی تھی۔ یقیناً یہ مذاق کا کوئی انداز تھا۔ ساہیہ مسکرادی تھی۔

’’کیا میں تمہارا دل جوڑ سکتی ہوں؟‘‘ بہت دھیمے لہجے میں اجازت چاہی تھی۔

’’ہوں‘‘۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بائیں طرف سینے پر عین دل کے اوپر رکھا تھا۔

’’جوڑ دو‘‘۔ اجازت ہی چاہی تھی۔

’’تمہیں لگتا ہے میں ایسا کرسکتی ہوں؟‘‘ ساہیہ نے کسی قدر حیرت سے گھورا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بھرپور یقین ظاہر کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

’’کیسے؟‘‘ اس طرف سے جواز طلب ہوا تھا۔ نازک ہاتھ بدستور اس کے فراخ سینے پر تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھ کے نیچے دبا ہوا...... اذہان حسن بخاری نے اس کے ہاتھ کو تھاما تھا اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہوا چہرے کے قریب لے گیا تھا اور بہت آہستگی سے سر جھکا کر لب اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے تھے۔

’’ایسے، بھرپور محبت سے، اپنے ہونے کے بھرپور احساس سے...... اپنی حدت سے‘‘۔ اذہان حسن بخاری جیسے ارادہ کرکے آیا تھا کہ آج یقین کی صورت بنا کر ہی لوٹے گا۔ ساہیہ خان اس کی سمت تکتی رہ گئی تھی۔ نگاہوں میں حیرت حد سے سوا تھی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔

’’تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں ساہیہ!‘‘ انداز سرسری تھا۔ ساہیہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس سے کیا کہنے جارہا ہے۔

’’کل میرب سے ملا تھا میں‘‘۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے اس نے اقرار کیا تھا اور اس اطلاع پر وہ مزید حیران رہ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کی طرف سے ازخود ’’اطلاع‘‘ دیئے جانے کی اُمید نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے مزید اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ہاں...... ملا میں اس سے۔ مگر بہت عام سے موقع میں۔ بہت عام سے انداز میں۔ بہت سے عام لوگوں کی طرح۔ ایسے ہی جیسے کوئی اچانک سرِ راہ چلتے چلتے کسی دوسرے سے ملتا ہے۔ اس کی بھی رخصتی ہو رہی ہے۔ خوش تھی وہ بھی۔ اور میں بھی نئی راہوں پر قدم رکھنے جا رہا ہوں، سو میں بھی خوش ہوں۔ جب ہم دونوں ناخوش نہیں ہیں تو پھر باقی کیا بچتا ہے۔ ہم ملے، حال احوال پوچھا، دو چار باتیں کیں اِدھر اُدھر کی اور اپنی اپنی راہ پر چل دیئے۔ نہ گزرے وقت کی کوئی پرچھائیں ہمارے درمیان آئی نہ ہم نے اس گئے وقت کو سوچا، نہ اک دوسرے سے کوئی گلہ کیا۔ ہم نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ساہیہ!'' اس نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا...... شاید ہم دونوں جانتے ہیں کہ گزرے وقت کا پلٹ آنا ممکن نہیں۔ ہم اپنی اپنی زندگیوں میں اپنے اپنے نئے خوابوں کے ساتھ خوش ہیں ساہیہ! اور ہمیں وقت سے واقعی کوئی گلہ نہیں ہے''۔

''یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو اذہان؟'' ساہیہ نے سوال کیا تھا۔

''اس لیے کہ میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں''۔

''کیوں؟...... اعتبار دلانے کی یہ بھی کوئی شرط ہے؟''

''نہیں...... یہ اعتبار دلانے کی ایک رسم ہے۔ میں رسم نباہ رہا ہوں۔ ساہیہ! میں تمام رشتے داری ایمان داری سے نباہنے کا قائل ہوں۔ میں نہیں چاہتا ہمارے درمیان کبھی کچھ بھی غیر واضح اور چھپا راز بن کر رہے''۔

''میں جانتی ہوں اذہان! اس شام جب تم فارحہ آنٹی کو سب بتا رہے تھے تو اتفاق سے میں نے بھی سب سن لیا تھا''۔ اس نے اقرار کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''اور تم نے قیاس کیا تھا کہ میں یہ سب تمہیں نہیں بتاؤں گا''۔

''نہیں...... ایسا میں نے کچھ نہیں سوچا تھا''۔

''تو پھر وہ آنسو کس لیے تھے؟''

''صرف اس لیے کہ میں ڈر گئی تھی''۔ بات بنائی تھی۔

''اور وہ ڈر یہ تھا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا''۔

''نہیں''۔ بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا اور بھرپور اعتماد سے بولی تھی۔ ''مجھے صرف یہ ڈر تھا کہ اب میں تم سے قریب نہیں رہ سکوں گی''۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا تھا۔ ساہیہ کچھ لمحوں کو چپ رہی تھی۔ پھر بھرپور اعتماد سے بولی تھی۔

''اذہان! زندگی کے راستے گم نہیں ہوتے۔ ہم ان لوگوں سے دوبارہ بھی مل سکتے ہیں جن سے کبھی کہیں بچھڑ گئے تھے۔ حادثہ یوں ہی رونما نہیں ہوا اذہان! وقت کا ایک اشارہ ہے یہ۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ یوں ہی تمہارے سامنے دوبارہ نہیں آئی۔ یہ بات سرسری نہیں ہے کہ تم ایک موڑ پر اچانک ملے۔ یہ دوبارہ ملنا معمولی بات نہیں ہے اذہان! مت پرواہ کرو۔ نہ میری، نہ دنیا کی، نہ کسی اور کی۔ اس

موقع کو مت گنواؤ اذہان!''

اذہان حسن بخاری نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ پھر کسی قدر برہمی سے اسے شانوں سے دبوچا تھا۔ ناگوار نظروں سے دیکھا تھا مگر فوری طور پر کچھ کہہ نہ سکا تھا۔ اس کی گرفت میں کھڑی وہ کہہ رہی تھی۔

''کوئی دوبارہ نہیں ملتا اذہان! یہاں کوئی بھی دوبارہ نہیں ملتا۔ زندگی تمہیں موقع دے رہی ہے تو خود کو خواہ مخواہ کی رسموں کا پابند مت کرو...... تم نے اسے کہا کہ تم خوش ہو...... اس نے تم سے کہا کہ وہ خوش ہے۔ تم دونوں نے اک بار بھی نہیں سوچا کہ جو خوش ہوتے ہیں انہیں یہ بتانے کی نوبت کبھی نہیں آتی کہ وہ خوش ہیں۔ وہ خوش دکھائی دیتے ہیں اذہان!...... کیا وہ تمہیں خوش دکھائی دی تھی؟'' ساہیہ نے پوچھا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے اس ضمن میں کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اسے خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈپٹا ضرور تھا۔

''شٹ اَپ ساہیہ!''

''شٹ اَپ وہاٹ؟...... اذہان! تم کب تم دوسروں کے لیے جیو گے؟ کم از کم یہ میں نہیں چاہوں گی کہ اس بار تم میرے لیے کوئی قربانی دو''۔

''پاگل ہو گئی ہو تم؟'' اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔

''پاگل میں تب ہوئی ہوتی جب میں اپنے انٹرسٹ کی، اپنے فائدے کی بات کرتی۔ یہی ٹھیک ہے اذہان! جو میں کہہ رہی ہوں''۔ وہ رسانیت سے بولی تھی۔

''شٹ اَپ ساہیہ! تمہاری ہی کیا، مجھے کسی کی بھی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میری زندگی میں کب کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری ہے؟ اس کا فیصلہ مجھے کرنا ہوگا''۔

ساہیہ کی بات ہی ایسی تھی کہ اسے کسی قدر کھردرا لہجہ اختیار کرنا پڑا تھا۔ اپنے بہت سارے غصے کو دباتے ہوئے اس نے ساہیہ کو اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

ساہیہ بھیگی آنکھوں سے اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی تھی۔

''یہ ضروری ہے اذہان!...... دوسری بار اتفاقاً ملی ہے وہ تمہیں۔ تیسری بار یقیناً نہیں ملے گی۔ اتنی سی بات تم سمجھ کیوں نہیں پا رہے؟...... اپنی دوست پر اعتبار نہیں کر رہے ہو تم۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارا برا چاہ رہی ہوں؟'' باآواز بلند وہ اس سے شکوہ کر رہی تھی مگر اسے جواب دینے کو وہ پاس نہ تھا۔ بہت دور جا چکا تھا۔ اور وہ اسے خود سے اور بھی پرے دھکیل دینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ کیا سن رہی ہوں میں؟...... تم دونوں نے شادی اور رشتوں کو مذاق بنا لیا ہے؟...... کبھی تم انکار کرتے ہو تو کبھی وہ۔ شادی نہ ہوئی گڈے گڑیا کا کھیل ہو گیا''۔ فارحہ نے اس کی طرف آتے ہوئے کسی قدر سختی سے اسے ڈپٹا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کچھ سمجھ میں نہ آتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ میں سمجھ نہیں پارہا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں''۔معذرت کرتے ہوئے جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''کیا ہوا؟''

فارحہ نے فون صوفے پر پٹختے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم نے کچھ کہا ہے ساہیہ سے؟''

''ساہیہ سے؟......ساہیہ سے میں کیا کہوں گا؟''وہ چونکا تھا۔

''یعنی تم اس سے نہیں ملے اب تک؟''

''نہیں......میں ملا ہوں آج شام اس سے''۔کسی مجرم کی طرح وہ نظر پھیر گیا تھا۔

''اور کیا کہا تم نے اس سے ایسا کہ اس نے انگیج منٹ سے انکار کر دیا ہے؟''

''ساہیہ نے انگیج منٹ سے انکار کر دیا؟''وہ اگرچہ اس کی طرف سے ایسی ہی کسی حماقت کی توقع کر رہا تھا مگر ایسا پھر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلدی ایسی بے وقوفی کا مظاہرہ کرے گی۔

''اس نے فون کیا تھا؟''اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا۔

''نہیں......میں نے فون کیا تھا۔جیولری کے کچھ سیٹ دکھانے تھے اسے کہ وہ کل کیا پہننا چاہتی ہے۔مگر وہاں سے سننے کو کچھ اور ہی ملا۔اذہان! کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے اسے کیا کہا؟''فارحہ نے غصے سے دریافت کیا تھا۔

''کیا کہا میں نے؟......آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر رہی ہیں؟''

''میں تم پر اعتبار کرتی ہوں یا نہیں، یہ بعد کی بات ہے اذہان! اہم بات فی الحال یہ ہے کہ سب تیاریاں ہو چکی ہیں۔کارڈ تک بٹ چکے ہیں۔کل گیسٹ آئیں گے تو ہم کیا کہیں گے، کچھ سوچا ہے تم نے؟ کیا مذاق ہے اذہان؟ مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی، تم جیسا سمجھ دار لڑکا ایسا بھی کر سکتا ہے۔اپنی فیملی کی رسپیکٹ کا کچھ خیال ہے تم کو؟''

فارحہ نے بنا سوچے سمجھے سارا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھا تھا اور وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''واقعی ممی! مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔کوئی وضاحت میرے پاس نہیں ہے۔مگر صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔میں وہاں شام ساہیہ سے ملنے گیا تھا اور میرا ارادہ کسی بھی طرح اس انگیج منٹ کو ملتوی کرنے کا نہ تھا''۔یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔گاڑی میں بیٹھا تھا اور باہر نکالتے ہوئے گاڑی اس کے گھر کے راستوں پر ڈال دی تھی۔

کچھ ہی لمحوں میں وہ اس کے سامنے تھا۔ساہیہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟''

مگر اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

''اذہان! کیا ہوا ہے؟......کیا تم مجھے بتاؤ گے؟''

"تم گاڑی میں بیٹھو۔ بتاتا ہوں تمہیں"۔ فرنٹ ڈور کھول کر اسے بٹھایا تھا اور خود سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

"ہوا کیا ہے؟"

"تم چپ ہو کر بیٹھ سکتی ہو؟" ہمیشہ سے پُرسکون نظر آنے والا بندہ اس لمحے بہت مختلف لگا تھا۔ ساہیہ نے غالباً اس سے پہلے اسے کبھی اس کیفیت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لمحے اس کے ذہن میں بالکل نہیں تھا کہ یہ کسی طرح کا کوئی ری ایکشن ہے۔ شام میں جب وہ گیا تھا اس کے ذہن میں صرف وہ یادداشت محفوظ تھی اور اس سے آگے کچھ نہیں تھا۔

"ہوا کیا ہے اذہان؟...... کیا تم مجھے بتاؤ گے؟ فارحہ آنٹی تو ٹھیک ہیں نا؟ انہیں تو کچھ نہیں ہو گیا؟" اس نے تشویش سے دریافت کیا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے ونڈ اسکرین سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

"اذہان! کیا ہو رہا ہے یہ؟ کچھ بتاؤ گے تم مجھے؟" وہ چیخی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے...... کل ہماری انگیج منٹ ہے اور میں تمہیں بھگا کر لے جا رہا ہوں"۔ رسانیت سے اطلاع دی تھی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

"وہاٹ؟...... وہاٹ آر یو سیئنگ؟ کیا کہا تم نے؟"

"اور کیا کروں؟...... اس کے سوا تم نے کوئی راہ چھوڑی نہیں"۔ اذہان حسن بخاری کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

"اذہان......!" اُسے متوجہ کرنا چاہا تھا مگر اس نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"اذہان! کیا تم میری طرف دیکھو گے ایک بار؟" توجہ چاہی تھی۔

"کیا اپنا گرویدہ بنا لینا چاہتی ہو؟...... ارادہ کیا ہے؟" جواب اس کے قیاس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ چونکتی نہ تو اور کیا کرتی۔

"یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے اذہان! کہ ارادہ کیا ہے؟...... آخر یہ سب کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟...... کیا مذاق ہے یہ؟" وہ درشت لہجے میں بولی تھی۔

"مذاق نہیں ہے کوئی...... میں واقعی تمہیں گھر لے جا رہا ہوں اور کل کی تقریب تک تم وہیں اپنی سسرال میں رہو گی...... ہاں، انگیج منٹ کے بعد تم واپس آ سکتی ہو۔ اگر تمہارا دل چاہے تو"۔ وہ پہلی بار مسکرایا تھا۔

"تم دھونس جما رہے ہو مجھ پر؟"

"اور کیا کروں؟...... تم نے دوسری کوئی راہ چھوڑی نہیں۔ ممی کو انکار کر کے تم نے توپ کا جو رُخ میری طرف موڑا ہے اس کے جواب میں اپنا دفاع مجھے ضروری لگا ہے۔ اگر تم زیادہ من مانی کرو گی تم مجھے اپنا فیصلہ بدلنا ہو گا"۔ ایک نئی دھمکی دی تھی۔

"کیسا فیصلہ؟...... یہ کیا دھمکیاں دے رہے ہو تم مجھے؟" وضاحت چاہی تھی۔

"دھمکیاں نہیں ہیں...... اتنا سب کچھ کیا...... عین موقع پر یہ سب ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ تو ٹھان لی ہے۔ اگر تم انگیج منٹ سے دوبارہ انکار کرو گی تو نکاح پکا۔ رخصتی ہم دو چار مہینوں بعد بھی کروا لیں گے۔ ویسے کیا خیال ہے، ڈائریکٹ شادی ہی نہ کر لیں؟ دو چار اچھے نکاح

رجسٹرار لنک میں ہیں میرے۔ گھر والے نہ مانے تو کورٹ میرج بھی ہوسکتی ہے"۔

اگر یہ مذاق تھا تو سنگین ترین تھا۔ ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تم ایک سمجھدار آدمی ہو......" وہ کہنے جارہی تھی مگر اذہان حسن بخاری نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔

"کیوں، سمجھدار آدمی کا دل نہیں ہوتا؟" وہ اطمینان سے مسکرایا تھا۔

"میں تم سے پوچھتی ہوں اذہان! کیا بچپنا ہے یہ؟"

"کم آن ساہیہ! شادی کا ڈی سی ژن لینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ میں کتنا سمجھدار ہوں"۔ پتہ نہیں وہ سنجیدگی ظاہر کیوں نہیں کر رہا تھا۔ ساہیہ کو اس کے انداز سے بہت اُلجھن ہوئی تھی۔

"اذہان! گاڑی روکو۔ میں واپس جارہی ہوں"۔ اس نے ایک لمحے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے میں بنا سوچے سمجھے اس کا فیصلہ رد کر دیا تھا۔

"میں واقعی مذاق نہیں کر رہا ہوں ساہیہ!...... میں نے بچپن میں بچکانہ فیصلہ کبھی نہ کیا تھا تو پھر اس عقل مندی کی اسٹیج پر کوئی اچور ڈی سی ژن کیسے لے سکتا ہوں؟...... تم سے تعلق بنانے کا فیصلہ میرا اپنا تھا اور ایسا میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا"۔

"مگر تم ایسا کیسے کر سکتے ہو اذہان؟...... میں تم سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی، مگر کم از کم تم خود کو وقت تو دو۔ اس لڑکی کے متعلق سوچو تو سہی۔ تم خود سے بھاگ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو اذہان؟"

"تمہیں لگتا ہے میں خود سے بھاگ رہا ہوں؟" اذہان نے سنجیدگی سے وضاحت چاہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ایسا ہی ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہ تم ہار جاؤ گے"۔

"مجھے ایسا نہیں لگتا"۔ مضبوط لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کی جانب بالکل بھی متوجہ نہ تھا۔

"مگر ایسا ہے اذہان! اور اب تم چپ چاپ گاڑی واپس موڑ دو اور مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ۔ کوئی مذاق نہیں ہے یہ اذہان! میں تنہا نہیں ہوں...... گھر ہے میرا...... گھر سے وابستہ افراد ہیں میرے...... تمہیں میری فیملی پرسٹیج کا خیال کرنا چاہیے"۔

"مجھے اس کا بھرپور خیال ہے...... احساس ہے...... بے فکر رہو، میں نے اگینے اور آنٹی انکل سے بات کر لی تھی، تبھی تو تمہیں جب بازو سے پکڑ کر لا رہا تھا، کسی نے روکا نہیں"۔ وہ تمام منصوبہ بندی پہلے سے کیے بیٹھا تھا۔ ساہیہ حیران رہ گئی تھی۔ پھر اسے سمجھاتے ہوئے نرمی سے بولی تھی۔

"اذہان!...... ایسا مت خیال کرو کہ میں تمہاری دشمن ہوں۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں میں اس وقت اپنی سب سے بڑی خیر خواہ لگوں گی۔ میں کہیں بھاگ نہیں رہی ہوں۔ میں ہوں تمہارے پاس۔ مگر یہ رشتے مذاق نہیں ہیں اذہان!...... میں نہیں چاہتی ہوں کہ کل تم

کوئی ریگرٹ فیل کرو۔ اس وقت تم اس نہج پر نہیں سوچ رہے ہو۔ تمہیں گھر والوں کا خیال ہے، معاشرے کا خیال ہے، اپنی فیملی کا پرسٹیج کا خیال ہے۔ ان سب باتوں کے بیچ تم خود کہاں ہو؟''

اذہان نے بہت اطمینان سے گاڑی گھر کے وسیع پورچ میں روکی تھی اور اُتر کر دروازہ کھول کر اسے ہاتھ سے تھام کر باہر نکالا تھا۔

''میں یہاں ہوں...... تمہارے ساتھ''۔ جواب بہت دِل کش تھا۔ مگر وہ محظوظ نہیں ہوسکی تھی۔ بہت اُلجھن کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔

''تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے ہو اذہان!...... ابھی بھی وقت ہے۔ کچھ دنوں کے لیے...... صرف کچھ دنوں کے لیے یہ سب ملتوی کر دو...... اپنے بارے میں سوچو اذہان!'' درخواست کی تھی۔

''سوچ لیا ہے''۔ تسلی سے کہہ کر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر وہ اندر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ سوائے خاموشی کے ساتھ قدم اس کے ساتھ اندر کی جانب بڑھانے کی۔

فارحہ انہیں دیکھ کر چونکی تھی۔

''لیجئے، حاضر ہے آپ کی بہو...... سنبھال لیجئے...... اب کہیں مت بھاگنے دیجئے گا۔ اگر اب یہ یہاں سے جاتی ہیں تو یقیناً ذمہ دار میں نہیں ہوں گا''۔ رسانیت سے کہتے ہوئے باقاعدہ اس کا ہاتھ فارحہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

فارحہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا مگر وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''بہت تھک گیا ہوں...... کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں...... آپ اپنی بہو کے ساتھ ضرور پلاننگ کر سکتی ہیں''۔ اطمینان سے کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ فارحہ نے ساہیہ کی طرف دیکھا تھا اور ساہیہ کچھ کہے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

☆......☆......☆

دادا ابا کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔ انابیہ شاہ شام کی چائے انہیں اپنے ہاتھوں سے پلا رہی تھی۔ اوزان سید قریب ہی بیٹھا مسلسل بول رہا تھا۔

''شادی سے پہلے کتنا واویلا مچا رہی تھیں نا تم...... اور شادی کے بعد یکسر ہم سب کو بھول ہی گئی ہو۔ کئی فون کیے...... کتنی بار کہا...... تب کہیں جا کر آئی ہیں یہ محترمہ۔ مام! دیکھ رہی ہیں آپ، کتنا بدل گئی ہے یہ؟''

ماہ وش مسکرا دی تھیں۔ انابیہ کان بند کیے اپنی ساری توجہ دادا ابا کی طرف مبذول کیے ہوئے تھی۔

''سسرال میں جب زیادہ محبت ملتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے''۔ ماہ وش نے مسکراتے ہوئے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تم یہ کباب لو نا...... چکن کے بنائے ہیں...... تمہیں میٹ، بیف پسند نہیں ہے نا''۔

''جی ممی! لے رہی ہوں میں''۔ انابیہ نے جواب دیا تھا۔

''واہ...... ان کے لیے اتنا خیال کیا جا رہا ہے اور ہماری کچھ پرواہ ہی نہیں ہے۔ مام! آپ بھی لگتا ہے صرف بیٹی کی ہی ماں

ہیں...... بیٹے کا کچھ خیال نہیں۔ حالانکہ عموماً مائیں بیٹوں سے زیادہ محبت کرتی ہیں'' ۔اوزان سید نے شکوہ کیا تھا اور ماہ وش مسکرا دی تھیں۔

''میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں...... میرے لیے بیٹے بیٹیاں ایک جیسے ہیں۔ تمہارا ابھی تو اتنا ہی خیال رکھتی ہوں۔ اب ماں سے شکوے گلے ہو گئے تمہیں؟''

اوزان سید نے اُٹھ کر بازو ان کے گرد حائل کر دیئے تھے۔

''ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔

''ہاں، مذاق کر رہا تھا...... جانتا ہے نا، لڑکی تو آخر ماں، بہن کو ہی دیکھنی ہے'' ۔انابیہ نے جواباً حملہ کیا تھا۔ اوزان ہنس دیا تھا۔

''ارے یار!...... کیا رِستے زخم پر ہاتھ دھرا ہے۔ درد تازہ ہو گیا ہے۔ کبھی کچھ سنجیدگی سے سوچو نا یار!...... کیسی بہن ہو؟ لڑکی بتا دی، دکھا دی، نام تک بتا دیا اور اس پر بھی اتنی دیر؟...... کیسی بہن ہو تم؟'' مسکراتے ہوئے تیر داغا تھا۔ انابیہ مسکرا دی تھی۔

''ایسی ہی بہن ہوں میں...... تم نے بھی تو توپ پسند کی۔ کوئی لڑکی پسند کی ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔ اسے راضی کرنا آسان کہاں ہے؟''

''کیوں...... تمہارے لیے بھی مشکل ہے یہ؟ بیسٹ فرینڈ ہے وہ تمہاری'' ۔

''کس کی بات کر رہا ہے یہ؟'' ماہ وش نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اسی کی جس کے سحر سے یہ موصوف آج تک نکل نہیں پائے۔ لامعہ حق'' ۔

''لامعہ؟...... تو کیا برا ہے اس میں؟...... اچھی خاصی لڑکی ہے وہ تو۔ سب سے بڑی بات عرصہ دراز کا تعلق ہے۔ یہ کون سی مشکل بات ہے......؟'' ماہ وش مسکرائی تھیں مگر انابیہ نے درمیان ہی میں ٹوک دیا تھا۔

''مشکل ہے ممی!...... اوزی تو ریڈی ہے مگر لامعہ ریڈی نہیں ہے'' ۔فوری طور پر وہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی۔ نہ سمجھا سکتی تھی۔ اس لیے مختصراً کہہ کر بات سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔

''اگر اوزان کو پسند ہے تو کیا حرج ہے؟...... ہم لامعہ کی فیملی سے بات کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ کیوں ابا؟...... ٹھیک کہا نا میں نے؟...... آپ کو کیا لگتا ہے، اوزی نے ٹھیک سوچا ہے؟'' ماہ وش نے دادا ابا کی رائے چاہی تھی۔

''ہاں...... سوچا تو بہتر ہوگا۔ یہ نہ ہو کل کو عامرہ ہم پر کوئی کلیم کر دے۔ آخر بیٹا تو اسی کا ہے اور اپنی بیٹی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں'' ۔

''آپ اس کی فکر مت کیجئے ابا جی!...... عامرہ اور نوید بھائی سے بات میں کر لوں گی لیکن ایک بات کی داد دینا پڑے گی۔ ہمارے اوزان سید کی پسند ہے اچھی...... لامعہ بھی مان جائے تو بہت اچھی جوڑی بن جائے گی۔ شاید یہی ہے خدا کا پوشیدہ فیصلہ۔ انابیہ کی شادی کے بعد میں خود بہت گلٹی فیل کر رہی تھی لامعہ کو لے کر لیکن اگر میرے بیٹے سے اس کی شادی ہو جاتی ہے تو یہ ایک پرفیکٹ میچ ہوگا۔ ٹھیک کہتے ہیں...... خدا نے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کو، کسی نہ کسی کے لیے ضرور رکھا ہے'' ۔ماہ وش خوش دکھائی دی تھیں۔

"ہاں......مگر لامعہ کے معاملے میں فی الحال یہ قبل از وقت ہے۔ فی الحال وہ اس کے لیے تیار نہیں ہے"۔ انابیہ شاہ مسلسل انکاری تھی۔

"یہ تم بہن ہو کر کس قسم کی باتیں کر رہی ہو یار؟......کہیں تم اس کے لیے خود تو جگہ چھوڑنے والی نہیں؟" اوزان سید مسکرا دیا تھا۔

"شٹ اَپ اوزی!" انابیہ شاہ نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔ مگر لمحہ بھر کو چہرے کی کیفیت متغیر ضرور ہو گئی تھی۔ اس کے دل کی بات اوزان سید نے کیسے جان لی تھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہوئے تم اوزان!......موڈ خراب کر دیا تم نے بہن کا۔ وہ روٹھ گئی تو دوبارہ نہیں آئے گی"۔ دادا ابا نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

انابیہ شاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں دادا ابا!......آپ دیکھئے گا، میں اوزی کی جان کتنی مشکل میں کرتی ہوں۔ ابھی بدلہ لینے کے کئی موقعے میرے ہاتھ بھی آنے والے ہیں۔ بہن ہونے کے ناطے اس کی شادی کی تمام ذمے داریاں مجھ پر ہی ہوں گی نا۔ پھر پوچھوں گی"۔

"یعنی تم لامعہ کے لیے جگہ چھوڑنے والی واقعی نہیں ہو؟" اوزان سید اس کی آنکھوں میں اعتماد سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ چائے کا کپ لے کر اُٹھی تھی مگر پلٹتے ہی عفنان علی خان سامنے کھڑا دکھائی دیا تھا۔

"یہاں کون، کس کے لیے جگہ چھوڑنے والا ہے؟" عفنان علی خان وہاں ہونے والی بات کی وضاحت کے ضمن میں گویا ہوا تھا اور وہاں موجود تمام افراد ماسوائے انابیہ کے چونکتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

"ارے عفنان! تُو؟......میرے یار! کیا لمبی عمر ہے تیری......ادھر نام لیا اور ادھر تُو حاضر۔ جواب نہیں تیرا میرے دوست!" اوزان سید نے اُٹھ کر باقاعدہ اسے گلے لگا کر بھینچ کر پیار کیا تھا۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"گویا مجھ سے بہتر میرا ذکر ہے۔ میں غیر موجود ہوں مگر ذکر موجود ہے"۔ مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کو بغور دیکھا تھا۔ اوزی مسکرایا تھا۔

"ہاں......غائب دماغ لوگوں کی بستی میں اکثر ایسا ہوتا ہے"۔

"میری بیگم کو غائب دماغ کہہ رہے ہو تم؟" عفنان نے اسے گھورا تھا اور آگے بڑھ کر دادا ابا اور ماہ وش سے سر جھکا کر پیار کیا تھا۔

"جیسے رہو بیٹا!" ماہ وش اور دادا نے دعا دی تھی۔ اوزان ہنس دیا تھا۔

"غائب دماغ تو غالباً آپ کہہ رہے ہیں......میری اطلاع میں ایسے لوگوں کو بدھو زیادہ کہا جاتا ہے جو لوگ آنکھیں بند کر کے اندھا دھند کسی پر اعتبار کرتے ہیں، انہیں غالباً بدھو کہنا بھی کچھ کم لگتا ہے تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے عفنان سے رائے چاہی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ عفنان علی خان کوئی جواب دیتا، انابیہ نے اسے ڈپٹ دیا تھا۔

"شٹ اَپ اوزی!"

"آئی تھنک شی اِز رائٹ۔ میں بھی پروٹیسٹ کروں گا اس کے خلاف۔ایک ہزبینڈ کے سامنے تمہیں اس کی وائف کی کمزوریاں گنوانے کا کوئی حق نہیں"۔عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے سر جھکائے کھڑی انابیہ کو دیکھا تھا جو اس کی طرف دانستہ دیکھنے سے گریزاں تھی۔عفنان علی خان بات جاری رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ایک ہزبینڈ کی گنتی بھی خاصی اچھی ہوتی ہے۔ٹھیک ٹھاک گن سکتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ بے چارہ دوسروں کے سامنے اسے گنوا نہیں سکتا"۔مسکراتے ہوئے رائے زنی کی تھی۔اوزان سید کا قہقہہ تادیر فضا میں گونجتا رہا تھا۔

"کیا مردوں والی بات کہی ہے۔ہمت ہے میرے بھائی!......ایک شادی شدہ بندے کو اس ہمت پر داد نہ دینا یقیناً ناانصافی ہوگی۔ہے نا دادا ابا؟"اوزی بولا تھا۔دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"بہن کو تنگ مت کرو اوزان سید!......مردوں کی لاج رکھنے کے کئی موقعے اور بھی آئیں گے۔فی الحال بھائی ہونے کا فرض نبھانا زیادہ ضروری ہے"۔ماہ وش نے بھی تائید کی تھی۔

"میرا خیال ہے ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔تم لوگ بیٹھو، باتیں کرو۔میں عفنان کے لیے چائے لے کر آتی ہوں"۔

"آپ بیٹھیۓ ممی!......میں جاتی ہوں"۔انابیہ نے انہیں منع کرنا چاہا تھا۔درحقیقت وہ منظر سے ہٹنا چاہتی تھی۔

مگر ماہ وش نے اسے روک دیا تھا اور اس کا چہرہ پیار سے تھپتھپاتے ہوئے بولی تھیں۔

"تم عفنان کے پاس بیٹھو۔وہ تمہارے لیے آیا ہے۔یہ زیادہ ضروری ہے"۔انداز کم از کم لفظوں میں زیادہ بات سمجھانے والا تھا۔انابیہ وہاں سے ہٹنے کا ارادہ کر رہی تھی، مجبوراً دوبارہ وہاں بیٹھ گئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی دادا جی؟......آئی ایم سوسوری......میں کل رات آ نہیں سکا۔دراصل دن بھر کی مصروفیات کے بعد اتنا تھک گیا تھا کہ......"

"کوئی بات نہیں بیٹا!......مجھے اندازہ ہے"۔دادا ابا نے کوئی تعرض کیے بغیر کہا تھا۔

"دادا ابا تو اب ٹھیک ہیں......تمہیں کیا ہوا ہے؟ یہ آنکھیں اس درجہ سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟ سو نہیں سکے کیا؟"اوزان سید نے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان، انابیہ کی طرف ایک نگاہِ خاص ڈالتا ہوا بولا تھا۔

"ہاں......کچھ ضروری کام آن پڑے تھے"۔

انابیہ مکمل بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ایسے کون سے ضروری کام تھے کہ نیند تک قربان کر دی؟"اوزان نے وضاحت چاہی تھی۔

"تھے کچھ ایسے ضروری کام بھی۔جو اس سے پہلے صرف التوا میں پڑے ہوئے تھے، رات وقت بھی تھا اور موقع بھی......سو انجام

دینے میں دقت نہیں آئی‘‘۔ عفنان علی خان مخفی اشاروں میں بات کر رہا تھا۔

’’نہیں بیٹا...... یہ ٹھیک نہیں ہے...... سب سے پہلے اپنی صحت ہے۔ اپنا خیال رکھو۔ کام تو ہوتے رہتے ہیں‘‘۔ دادا ابا نے مسکراتے ہوئے تاکید کی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

’’جی دادا جی! ......اب ایسا ہی کروں گا‘‘۔ سعادت مندی کی حد تھی۔ نگاہ پورے استحقاق سے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

’’رات وہ موڑ نہ آنے دیتا تو آج زندگی کے مفہوم کو سمجھ نہ پاتا۔ بہت کچھ راز بن کر ہی رہ جاتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے‘‘۔ وہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کر رہا تھا۔

اوزی مسکرا دیا تھا۔

’’ایسا کیا تیر مار دیا؟...... کہیں ڈی ٹیکٹیو تو نہیں بن گئے تم؟‘‘ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ تبھی دادا ابا بولے تھے۔

’’اوزان! مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دو۔ کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں‘‘۔ پھر عفنان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے تھے۔ ’’معذرت چاہتا ہوں برخوردار! تمہیں کمپنی نہیں دے سکوں گا...... مگر دوبارہ جب آؤ گے تو انشاء اللہ نہ صرف نشست جمے گی بلکہ چیس کا وہ ادھورا کھیل بھی کھیلیں گے جو ادھورا چھوڑ دیا تھا‘‘۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

’’جی دادا جی! ضرور۔ آپ ٹھیک ہو جایئے۔ میں ہارنے کو تیار ہوں۔ اپنوں کے ہاتھوں لی جانے والی ہار میں ایک عجب لطف ہوتا ہے۔ جس کا انداز صرف ہارنے والا ہی کر سکتا ہے‘‘۔ ایک نگاہ انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے، مسکراتے ہوئے ذو معنی انداز میں کہا تھا۔ اوزان سید آگے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر کمرے کی طرف لے گیا تھا۔

اس وقت صرف اور صرف وہ دونوں مقابل تھے۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے گرفت میں لیا تھا۔

’’ماما کہہ رہی تھیں تمہیں لیتا آؤں۔ تیار ہو......‘‘ جملہ قصداً ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ نے پہلی بار ایک دانستہ نگاہ اس شخص پر ڈالی تھی۔ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ عفنان علی خان نے خاموشی سے چند ثانیوں تک اسے دیکھا تھا اور بولا تھا۔

’’رہنا چاہتی ہیں آپ؟‘‘ پھر بنا اس کے جواب کا انتظار کیے بولا تھا۔

’’اگر آپ آج چلیں تو کل صبح میں آپ کو دوبارہ چھوڑ دوں گا اور شام کو پک کر لوں گا۔ اس طرح ماما بھی خوش رہیں گی اور شاید آپ بھی‘‘۔

انابیہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

’’یہاں رہنے میں میری خوشی سے زیادہ میری ضرورت ہے۔ شادی کے بعد ایک لڑکی کی ذمہ داری اپنی فیملی کے لیے ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ میرے اپنے ہیں‘‘۔ جانے اس نے کیا جتانا چاہا تھا۔ عفنان علی خان نے نرمی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور گویا ہوا تھا۔

’’ٹھیک ہے...... اگر آپ کی ذمہ داری یہاں رہنے سے کسی طرح پوری ہوتی ہے تو آپ شوق سے رہ لیجیے۔ میں ماما کو بتا دوں

گا''۔وہ اُٹھا تھا جب وہ فوراً بولی تھی۔

''ٹھہریئے......ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں''۔

عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں۔میرا مطلب ہے میں تیار ہوں''۔انابیہ زور دے کر کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

مہ وش چائے لے کر آئی تھیں تو اسے اپنے کمرے کی طرف حیرت سے بڑھتا دیکھ کر بولی تھیں۔

''اسے کیا ہوا؟''

''انابیہ ساتھ چلنا چاہتی ہے۔حالانکہ میں نے تو منع بھی کیا ہے کہ......'' مہ وش مسکرا دی تھیں۔

''تو اس میں اس قدر پریشان ہونے والی بات کیا ہے؟ اسے اپنے گھر تو واپس جانا ہی ہے۔میکہ تو صرف چند لمحوں کے پڑاؤ کی جگہ بن جاتا ہے شادی کے بعد۔میری بیٹی سمجھدار ہے''۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''تم بیٹھو۔تب تک چائے تو پیو''۔ماہ وش نے لوازمات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''جی......'' وہ سعادت مندی سے کہتا ہوا بیٹھا تھا۔اس کے خیال میں انابیہ فرار چاہتی تھی۔دادا ابا سے وہ مل لیا تھا۔ان کی طبیعت خراب نہ تھی کہ انابیہ ڈیرہ جما کر وہاں بیٹھ جاتی۔مگر وہ اسے مزید فرار کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔اس کے مطابق انابیہ کو وہاں ہونا چاہیے تھا......اُس کے گھر میں......اُس کے آس پاس......اُس کی عقل کے بند دروازے کھولنے کے لیے یہ ضروری تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔شاید اسی لیے ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کر دیا تھا۔

کہو اِک دن......

تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے

وہ ہمارا ہے

اگر یہ سب کچھ ہمارا ہے تو

ہمیں سونپ دو اک دن

تم اپنا ہاتھ......ہاتھ پر رکھ کے

روح کھینچ لو اک دن

کہو اک دن......

مغنی کی آواز میں دبی وہ خواہش انابیہ شاہ کو بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ تبھی تو ہاتھ بڑھایا تھا اور دوسرے ہی پل اس آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ عفنان علی خان نے اس ''اقدام'' پر کوئی ''احتجاج'' نہیں کیا تھا۔ وہ بہت مطمئن اور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ ہاں، اس اقدام پر ایک نگاہ اس چہرے پر ضرور ڈالی تھی مگر فوری طور پر ردِعمل دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

میرب سیال نے وہاں پہنچ کر فوری طور پر مائی اماں سے ملاقات کی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس نے وہاں آ کر ٹھیک ہی کیا تھا کیونکہ اسے دیکھتے ہی اماں کی کیفیت سنبھلنے لگی تھی۔

''کیا ہو گیا؟...... کیا کر لیا مائی؟...... ایک دم اتنا تیز بخار اور اس پر اتنا ہائی بی پی؟ کیا پریشانی لے لی؟'' مائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے اسی لگاوٹ سے دریافت کیا تھا جس کا مظاہرہ ہمیشہ مائی اماں نے اس کے لیے کیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''اپنی بچی کے لیے اُداس ہو گئی تھی۔ بہت دنوں سے تجھے دیکھا نہیں تھا نا''۔ مائی اماں نے اس کا چہرہ محبت سے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے چہرہ دوسری طرف پھیر کر دوائیاں دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''آپ دوائیاں تو وقت پر لے رہی ہیں نا؟''

''ان دوائیوں کو چھوڑو تم اب ان کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ جب میں وہاں نہیں تھی، سبکتگین حیدر نے خیال تو رکھا تھا نا تمہارا؟ تنگ تو نہیں کیا؟'' شاید وہ ماں ہونے کے ناطے واقف تھیں بیٹے کے مزاج سے۔ تبھی تو کہہ رہی تھیں۔

''سبکتگین کے بارے میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مزاج نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ مگر وہ اس کی وجہ نہیں جانتے۔ میں جانتی ہوں۔ وہ اپنے دل کی بات کبھی کہنے کا قائل نہیں ہے۔ چاہتا ہے جو بھی ہے سب آپ سمجھ جائیں۔ اب سب تو ایسا کرنے سے رہے۔ غیب کا علم ہر ایک کے پاس تو نہیں ہوتا نا۔ مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ شروع سے ایسا ہی ہے''۔ مائی نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو ایسے تھام کر اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا جیسے وہ چھوڑیں گی تو وہ فوراً وہاں سے اُٹھ کر بھاگ جائے گی۔ میرب کو کسی قدر شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ کتنے دن سے وہ بلا رہی تھیں اسے۔ پیغامات پر پیغامات بھجوا رہی تھیں مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ شاید خودغرض اور اپنے آپ کو دیکھنے والی بن گئی تھی۔ مائی غالباً واقعی اس سے بہت اٹیچڈ ہو گئی تھیں اور اتنا پیار کرنے لگی تھیں کہ وہ نظر نہیں آئی تو بیمار پڑ گئیں۔ کسی حد تک وہ مائی کی اس کیفیت کی ذمہ دار خود آپ لگی تھی۔

''جانتی ہو، جب وہ چھوٹا تھا تو تب بھی اپنے دل کی بات نہیں بتاتا تھا۔ اپنی پسند، ناپسند...... سب دل میں رکھتا تھا۔ کوئی کھلونا اچھا لگتا یا کچھ چاہیے ہوتا تو چپ چاپ جا کر اپنے کمرے میں بیٹھ جاتا اور تب میں سمجھ جاتی کہ اسے کیا درکار ہے''۔ مائی اماں، سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بچپن کی یادیں تازہ کرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ ''ماں ہوں نا...... ماں کا دل سب سمجھ جاتا ہے۔ وہ بھی جو کوئی اور نہیں سمجھ سکتا''۔

"آپ نے ٹھان لی ہے کہ ساری باتیں آج ہی کر لیں گی؟" میرب نے محبت سے انہیں دیکھا تھا۔ "کچھ تو حالت سنبھلی ہے۔ پھر بگڑ گئی تو؟"

"کہا نا، اب کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ تُو ساتھ ہے نا میرے۔ تیری موجودگی میں بھلا کچھ ہو سکتا ہے مجھے؟" کچھ سوچتے ہوئے وہ مسکرائی تھیں۔ پھر خود ہی بولی تھیں۔

"سبکتگین دیکھ لے تو بہت جیلسی فیل کرے۔ اس سے زیادہ عزیز ہو گئی ہو مجھے۔ بچپن میں جب اس کے اور کزن میری گود میں گھس کر بیٹھ جایا کرتے تھے تو وہ برا مان جایا کرتا تھا"۔ مائی نے ایک یاد اور تازہ کی تھی۔ میرب مسکرا دی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ اس بار انہوں نے خود مجھے آپ کے پاس بھجوایا ہے۔ اصولاً انہیں بالکل بھی برا نہیں ماننا چاہیے کہ اب وہ اکیلے آپ کی محبت کے حق دار نہیں رہے، کوئی اور بھی آ گیا ہے"۔ محبت سے جتایا تھا میرب نے۔ مائی مسکرا دی تھیں۔

"سمجھتا ہے وہ۔ تبھی تو تجھے میرے پاس فوراً بجھوا دیا جب تم نہیں تھیں تو دنیا کے کسی بھی کونے سے بھاگا دوڑا چلا آتا تھا۔ اور اب دیکھو، کتنے اطمینان سے وہاں بیٹھا ہے۔ جانتا ہے نا، کوئی ہے اس کے علاوہ بھی جو اس کی ماں کو اتنا ہی عزیز رکھتا ہے اور حق بھی رکھتا ہے"۔ مائی نے محبت بھرے لہجے میں جتایا تھا۔ میرب نگاہ چرا گئی تھی۔ ایسا یقیناً نہیں تھا۔ مائی کی غلط فہمی تھی یہ فقط۔ مگر وہ انہیں جتانا نہیں چاہتی تھی تبھی خاموشی سے سامنے موجود ونڈو کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ مائی کا دل بہت بولنے کو چاہ رہا تھا۔ سو وہ بول رہی تھیں۔

"کیسا لگا تجھے اپنے گھر جا کر؟...... مظہر میاں آ گئے نا؟ کیسی طبیعت ہے اب ان کی؟"

"سب ٹھیک ہے مائی! پاپا آپ کو پوچھ رہے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل بھی فون آیا تھا مگر تب آپ سو رہی تھیں اور میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں خیال کیا"۔

"چلو پھر بات ہو جائے گی۔ چاہتی تو میں یہی تھی کہ کچھ دن جی بھر کے رہ لے تُو وہاں۔ پھر تو تجھے ہمیشہ کے لیے میرے پاس آ جانا ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں تو وہاں واپس جا کر مظہر میاں سے رخصتی کی بات کروں گی۔ ویسے بات تو ان کے کان میں تب ہی ڈال دی تھی جب وہ امریکہ میں تھے۔ اب تو بس باضابطہ تجھے یہاں لانے کی اجازت مانگنی ہے"۔ مائی اماں آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی بیان کر رہی تھیں اور وہ جوز بردستی مسکرا رہی تھی، یک دم بجھ کر رہ گئی تھی۔ شاید وہ مائی اماں کو انڈر اسٹینڈ کرنا چاہتی تھی یا پھر جان کر نظر انداز کرنا چاہتی تھی۔

غالباً گی کے متعلق سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یا پھر اگر وہ جانتی بھی تھیں تو اس قصے کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟...... کیا سوچ رہی ہے تُو؟" مائی نے اسے گم صم دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ میرب نے چونکتے ہوئے سر آہستگی سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں...... کچھ نہیں"۔

"اب سو جایئے آپ۔ میں یہیں ہوں، آپ کے پاس"۔ یقین دلایا تھا۔

''اس طرح بیٹھی رہے گی تو تھک جائے گی تُو۔ چاولہ سے کہہ کر میں نے تیرے لیے کمرہ ترتیب دے دیا تھا۔ جا، تُو بھی جا کر آرام کر لے۔ تھک گئی ہوگی نا۔ کتنی بری ماں ہوں، مجھے دھیان ہی نہیں رہا کہ اتنی دور سے سفر کر کے آئی ہے تُو''۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سو جایئے۔ میں موجود ہوں''۔ مائی اماں دواؤں کے زیرِ اثر تھیں۔ آنکھیں بند کی تھیں تو نیند میں جانے میں دیر نہیں لگی تھی۔ بہت جدت کا قائل تھا یہ گھرانہ۔ اتنے پسماندہ علاقے میں گھر ہونے کے باوجود جدید آرائش سے مزین تھا۔ گھر اگرچہ کچھ پرانا اور قدیم ضرور تھا مگر بہت مضبوط حالت میں تھا۔ غالباً گین یا پھر مائی اماں یہاں آتے جاتے رہتے تھے، اکثر قیام کرتے تھے، تبھی تو جدید ضروریاتِ زندگی کی ہر شے یہاں موجود تھی۔ آرائش و زیبائش سب کسی ماہر انٹیریئر ڈیزائنر کے ہاتھ کا کمال لگتا تھا۔

مائی کے سونے کے بعد وہ اُٹھی تھی اور یونہی چلتی ہوئی وسیع و عریض گھر کا جائزہ لینے لگی تھی۔ راہداری سے گزر رہی تھی تبھی کسی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ مگر یہ آواز باتوں یا گفتگو کی نہ تھی۔ غالباً کوئی درد سے سسک رہا تھا۔ اسے گمان گزرا تھا، شاید مائی اماں۔ وہ اُلٹے قدموں سرعت سے مڑی تھی اور مائی کے کمرے کی طرف بھاگی تھی مگر دروازے پر رُک کر دیکھنے پر اطمینان ہوا تھا۔ مائی اماں بہت اطمینان سے گہری نیند سو رہی تھیں۔ تو پھر وہ آواز کس کی تھی؟...... وہ یک دم چونکی تھی اور مڑ کر قدم واپس راہداری میں ڈال دیئے تھے۔ کچھ ہی قدم چل کر وہ آواز دوبارہ اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس نے کان لگاتے ہوئے ایک کمرے کے سامنے رکھ کر ہاتھ ہینڈل پر رکھ دیا تھا۔ دروازہ غالباً لاکڈ نہ تھا تبھی کھلتا چلا گیا تھا اور اس کی نگاہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

کوئی خاتون زمین پر اوندھے منہ پڑی شدید ترین درد سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بری طرح کراہ رہی تھی۔ میرب سیال نے ایک لمحے میں آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتے ہوئے اُٹھا کر سیدھا کیا تھا۔ اُس کے منہ سے غالباً بلیڈنگ ہوئی تھی۔ لبوں سے نیچے ٹھوڑی اور نیچے گرنے کے باعث آدھا چہرہ اسی خون سے بھرا ہوا تھا۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟...... یہ خون......؟''

مگر وہ نحیف و لاغر جسم والی خاتون کچھ نہیں بول سکی تھی۔ اک نگاہ سے اسے دیکھا تھا اور شدید ترین کھانسنے لگی تھیں۔ میرب سیال کے لیے انہیں اس طرح سنبھالنا دشوار ہوا تھا۔ بہت مشکل سے اُٹھا کر اس نے انہیں بیڈ پر ڈالا تھا۔ ایسا کرنے میں اس کی سانس بری طرح پھول گئی تھی مگر اس نے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرعت سے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے کھینچ دیئے تھے۔ غالباً کمرے کی گھٹن بھی اس خاتون کی کھانسی کا سبب تھی مگر ان کی کھانسی میں تب بھی کوئی خاطر خواہ فرق نہ پڑا تھا۔

میرب نے ساتھ والے ٹیبل سے ٹشو نکال کر ان کا چہرہ صاف کیا تھا پھر اسی سرعت سے پانی گلاس میں انڈیلا تھا اور گلاس ان کے لبوں سے لگایا تھا۔ پانی سے ان کی کھانسی میں کچھ فرق پڑا تھا مگر اب وہ بہت گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟...... ٹھیک ہیں آپ؟...... کہیں پین ہو رہا ہے آپ کو؟...... ٹھہریئے، میں ڈاکٹر کو فون کر کے بلاتی ہوں''۔

وہ اُٹھی تھی مگر اس کے کانپتے ہاتھ نے ایک لمحے میں اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میرب نے مڑ کر دیکھا تھا۔ نحیف، کمزور جسم والی خاتون سر نفی میں ہلا رہی تھیں۔

"نہیں......اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟ اپنی حالت دیکھ رہی ہیں آپ؟" یہ جانے بغیر کہ وہ کون ہے، کیوں ہے، کس لیے ہے وہ اس کی فکر کرتی ہوئی بولی تھی اور پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ ڈاکٹر ابھی ابھی اپنا نمبر اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔ اس خیال سے اس نے وہ نمبر اپنے سیل میں محفوظ کیا تھا کہ مائی کے سلسلے میں خدانخواستہ ایمرجنسی میں ضرورت پڑے تو وہ فوری طور پر رابطہ کر سکے مگر مائی کے سلسلے میں تو نہیں، البتہ کسی اور کے سلسلے میں اس کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اپنا سیل اُٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر ملایا تھا اور بولی تھی۔

"ہیلو ڈاکٹر!...... یہاں آپ کی فوری ضرورت ہے"۔ کہہ کر وہ چلتی ہوئی دوبارہ اس کمرے میں آئی تھی۔ وہ خاتون اب بھی اسی طرح گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ میرب آگے بڑھی تھی۔

"میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں آ جائیں گے وہ۔ وہ آپ پلیز آرام سے لیٹ جایئے"۔ اپنا سیل فون وہاں اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس نے دوبارہ گلاس اُٹھایا تھا۔

"پانی اور دوں آپ کو؟" وہ جھک کر اتنی اپنائیت سے دریافت کر رہی تھی جیسے وہ اس چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔ اس خاتون نے منہ پر ٹشو پیپر رکھ کر کھانستے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں......اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شکریہ، میں پہلے سے بہتر ہوں"۔ اس خاتون نے ایک نظر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا اور کہتے ہوئے آہستگی سے لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ مگر اس کا چہرہ ایک تکلیف اور کرب کے احساس کو نمایاں کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ٹھیک نہیں تھیں۔

میرب نے جھک کر دوسرا کشن اُٹھا کر گردن کے نیچے رکھ دیا تھا اور سر قدرے اوپر کر دیا تھا۔

"اس طرح آپ کو سانس لینے میں آسانی رہے گی لیکن آپ نے اس طرح دروازے کھڑکیاں بند کیوں کیے تھے؟" میرب نے دریافت کیا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ڈاکٹر آ گیا تھا۔ میرب نے اپنی نگرانی میں ان کا چیک اَپ کروایا تھا اور ضروری ہدایات لی تھیں۔

"انہیں ہاسپٹلائز ہونے کی ضرورت ہے۔ یو نو، شی نیڈ اے سینی ٹوریم۔ ایک دو بار پہلے بھی میں ان کا چیک اَپ کرنے آ چکا ہوں اور میں نے ان کے ورثاء کو تب بھی تلقین کی تھی مگر انہوں نے غالباً یہ ضروری خیال نہیں کیا۔ اینی ہاؤ، میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے۔ اب یہ کچھ دیر آرام سے سو سکیں گی"۔ ڈاکٹر نے اس کے ساتھ چل کر باہر آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ چونکی تھی۔

"سینی ٹوریم مین......؟"

"بالکل ٹھیک سمجھی ہیں آپ۔ ایسی بیماری اور کنڈیشن میں پیشنٹ کو جس طرح کا علاج اور کیئر درکار ہوتی ہے وہ صرف سینی ٹوریم میں ہی پرووائیڈ ہو سکتی ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں کچھ عرصہ وہاں رکھوایا بھی تھا میرے کہنے پر۔ مگر جیسے ہی ان کی حالت سنبھلی یہ دوبارہ یہاں پائی گئیں۔ غالباً انہیں واپس لے آیا گیا۔ دیکھئے، اس بیماری میں بار بار علاج اور ٹریٹ منٹ ادھورا چھوڑ دینے سے مرض اور بھی شدت اختیار کر لیتا ہے اور پھر اس کا علاج اور بھی کمپلی کیٹڈ ہو جاتا ہے اور ان کے معاملے میں ایسا دو چار بار ہو چکا ہے۔ میں کا ئنڈلی

ریکوسٹ کروں گا کہ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں پیشنٹ کا خیال کروں اور اس کے متعلق اس کے ورثاء کو قائل کروں۔ فار گاڈ سیک، آپ انہیں ہاسپٹلائز کروائیں جتنی جلدی ہو سکے۔ ورنہ ان کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ خدانخواستہ وہ جان سے بھی ہاتھ دھو سکتی ہیں"۔ ڈاکٹر نے مکمل صورتِ حال اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا اور اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں چلتا ہوں اب۔ لیکن دوبارہ اگر میری ضرورت پڑے تو بلانے سے مت چوکیے گا"۔ ڈاکٹر خندہ پیشانی سے کہہ رہا تھا۔

میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی ضرور"۔

ڈاکٹر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا مگر وہ فوری طور پر وہاں سے مو نہیں کر سکی تھی۔ قدم انجانی سی قوت نے باندھ لیے تھے۔ اب تک جو نہیں سوچا تھا، ان سوچوں کی یلغار ہو گئی تھی۔

کون تھی وہ؟

کیا مائی کی رشتہ دار؟......کوئی بہن یا پھر......

لیکن ڈاکٹر تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کا حوالہ دے رہا تھا؟

مگر وہ اس کے ورثاء کی بات بھی تو کر رہا تھا۔ کون تھے اس کے ورثاء جنہوں نے اسے اس طرح تکلیف میں یہاں لا ڈالا تھا۔

کون تھی وہ؟

اور کس بات کی سزا دی جا رہی تھی اسے؟

لیکن وہ جو کوئی بھی تھی، اس کا تعلق اس فیملی سے ضرور تھا۔ مائی اور گین سے ضرور تھا۔ کیا وہی اس کے ورثاء تھے؟......اگر تھے تو وہ اس کے دشمن کیوں تھے؟ اس کی اس حالت کے ذمہ دار کیوں تھے؟ وہ آج اس حال میں کیوں تھی؟......آخر کیا لگتی تھی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی؟......وہ اتنا لبرل بندہ جو اپنی سوچ میں آزاد ترین تھا، اس سے وابستہ کون سا رشتہ تھا جو اس طرح بند کمرے میں درد کی شدت سے نڈھال خون تھوک رہا تھا؟......کتنی ساری سوچوں سے اُلجھتی ہوئی چلتی ہوئی اس کمرے میں دوبارہ آئی تھی۔ غالباً ڈاکٹر کی فوری دی جانے والی ٹریٹ منٹ کا اثر تھا جو اب وہ خاتون پُرسکون انداز میں سو رہی تھیں۔ میرب نے آہستگی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل سے اپنا فون اُٹھایا تھا اور دبے پاؤں واپس پلٹ کر دروازہ بند کرتے ہوئے باہر آ گئی تھی۔

رات لمحہ لمحہ بیت رہی تھی مگر اب نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سوچ کے کئی زاویے اسے الجھاوؤں میں ڈال رہے تھے۔ سونے نہیں دے رہے تھے۔

آخر کون تھی وہ؟......اور اس کے متعلق اسے کیوں آگاہ نہیں کیا گیا تھا؟......وہ مسلسل ایک ہی نقطے پر سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مصروفیت کے اہم ترین لمحوں میں سے وقت نکال کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا سیل نمبر ملایا تھا۔

''ہیلو''۔ وہ دوسری طرف جاگ رہی تھی غالباً اس وقت۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سوچ کر حیرت ہوئی تھی۔ وہاں پاکستان میں یقیناً یہ رات کا پہر تھا اور اب تک اس کا جاگنا؟...... کیا وہ اس کے معاملات اور تعلقات کے لیے واقعی اتنی کنسرن تھی؟

''ہیلو!'' میرب سیال نے اس کے نہ بولنے پر دوبارہ کہا تھا۔

''مائی کیسی ہیں اب؟'' اس نے بنا کسی تمہید کے دریافت کیا تھا۔

''ٹھیک ہیں''۔ دوسری طرف میرب سیال کا لہجہ پُرسکوت تھا۔ دوری کے باوجود وہ اس کا چہرہ نہ دیکھتے ہوئے بھی اس کی کیفیت پہچان گیا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟...... ٹھیک تو ہو تم؟'' اس فکر کرنے کا جواز میرب سیال نہیں جانتی تھی مگر اس پر جیسے اس وقت جواب دینا فرض تھا۔

''ٹھیک ہوں میں''۔

''ٹھیک ہو تو جاگ کیوں رہی ہو اس وقت؟'' اس کے لیے یہ کوئی فکر تھی، کوئی کیئر تھی، کوئی کنسرن تھا یا پھر محض ایک ڈانٹ ڈپٹ تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''نیند نہیں آ رہی تو کیا کروں؟'' اس نے شانے اُچکا کر ضدی بچوں کی طرح جواب دیا تھا جیسے وہ اس وقت اس کے مدمقابل بیٹھا ہو۔

''نیند نہیں آ رہی تو سونے کی کوشش کرو''۔ جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب آیا تھا۔ اس شخص کا دماغ تو پہلے بھی کبھی زمین پر نہیں رہا تھا۔ پھر آج وہ اس سے کیا رعایت اخذ کرتی۔

''ٹھیک ہے...... کرتی ہوں کوشش''۔ اس نے بحث میں اُلجھنا ضروری خیال نہ کرتے ہوئے سعادت مندی سے کہا تھا۔ تبھی اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

''مائی سو رہی ہیں کیا؟''

''ہاں''۔ میرب نے بھی مختصر جواب دیا تھا۔

''ڈاکٹر نے کیا کہا؟...... کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟'' دونوں فریقین کے لہجے ایک دوسرے کے لیے سرد تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ دونوں کے دلوں میں کچھ نہیں اور فاصلے بدستور قائم ہیں بلکہ مزید بڑھ رہے ہیں۔

''نہیں...... کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ مائی اب پہلے سے بہتر ہیں''۔ اس نے مطمئن کرنے کی اپنی کوشش کی تھی۔

''ڈاکٹر بتا رہا تھا بخار تیز تھا اور بی پی بھی ہائی تھا۔ اب کیا کنڈیشن ہے؟'' وہ تمام باتوں کی تفصیل اس سے یوں چاہ رہا تھا جیسے وہ اس وقت ڈیوٹی پر مامور کوئی نرس ہو۔

''بخار کم ہو گیا ہے۔ابھی تھوڑی دیر پہلے بی پی لیا تھا میں نے۔130 تھا۔اِٹس کوائٹ نارمل''۔جیسا جواب وہ چاہ رہا تھا اس نے ویسا ہی جواب دیا تھا مگر وہ اب بھی مطمئن نظر نہ آیا تھا۔

''ہاں۔مگر ہائی بی پی ان کی صحت اور جان کے لیے سخت خطرہ ہے۔ایک دو بار پہلے بھی انہیں اسٹرائس ہو چکی ہیں''۔وہ فکرمند دکھائی دیا تھا۔اپنے کسی پرسنل افیئر کو لے کر اس کی پہلی بات چیت تھی جو میرب کے ساتھ انجام پا رہی تھی۔پہلی بار وہ اسے بہت مختلف لگا تھا۔اس کا الجھا ہوا لہجہ وہ صاف محسوس کر سکتی تھی۔شاید اسی لیے اتنی مخالفت ہونے کے باوجود پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''کیسی اسٹرائس؟''

''پیرالائسز اسٹرائس۔ان اسٹرائس کے باعث پیرالائز ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔مائی کو یہ اسٹرائس ہونا تب شروع ہوئے تھے جب پاپا کی ڈیتھ ہوئی تھی۔حالانکہ اس وقت مائی کی عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی مگر وہ سوچتی بہت زیادہ ہیں''۔وہ اسے اس طرح اپنائیت سے بتا رہا تھا جیسے وہ اس کی بہت اپنی ہو۔

پہلی بار......پہلی بار میرب کو سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت مختلف لگا تھا اس خاکے سے،اس ہیولے سے بہت مختلف جو اس نے خود آپ اس کے متعلق اخذ کرتے ہوئے مرتب کیا تھا۔کیا وہ واقعی کچھ مختلف تھا یا صرف اسے اس وقت لگا تھا؟ سوچ رہی تھی۔وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی کہ سوچ یک دم اس کی اُنگلی تھام کر اس نہج پر کیوں لے گئی تھی جہاں اس نے پہلی بار اس کے متعلق کچھ پازیٹو انداز میں سوچا تھا۔

''کین یو ڈو می اے لٹل فیور؟''سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سوچوں سے بیدار کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''وہاٹ؟''اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا تھا۔''وِچ کائنڈ آف فیور؟''دریافت کیا تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری سے۔چند ثانیوں تک جانے کیوں چپ سادھ گیا تھا۔میرب سمجھی تھی کہ رابطہ منقطع ہو گیا تبھی بولی تھی۔

''ہیلو......!''

''یس،آئی ایم دیئر''۔وہ جیسے اپنی موجودگی ظاہر کرنے کو بولا تھا۔

''مائی کا خیال رکھنا میرب!شی اِز ویری امپورٹنٹ فور می۔میری سب سے قیمتی شے ہیں جن کا خیال تمہیں رکھنے کو کہہ رہا ہوں۔میں آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ایکچوئیلی یہاں اتنا کام ہے کہ وقت نکالنا مشکل ہو رہا ہے اور ادھورا کام چھوڑ کر میں آ نہیں سکتا۔مسٹر چاولہ بھی یہاں نہیں ہیں اور اگر میں وہاں جا کر انہیں یہاں بھیجتا ہوں تو بہت نقصان ہوتا ہے''۔کوئی خاص بات کہتے کہتے وہ یقیناً بات بدل گیا تھا مگر یہ بات بھی یقیناً اہم تھی۔وہ اسے ماں کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہا تھا۔وہ ماں جو اس کے لیے بہت زیادہ اہم تھی یعنی وہ اپنی اہم ترین ذمہ داری اسے سونپ رہا تھا۔وہ بھی درخواست کے ساتھ۔کیا اتنا اعتبار کرتا تھا وہ اس پر،اتنی دوری کے باوجود،اتنی مخالفت ہونے کے باوجود،سب سے بڑی اور اہم بات،دل اتنے دور ہونے کے باوجود؟ میرب سیال واقعی اس لمحے حیران تھی۔یہ رات کیسی تھی؟......اسے حیران سے سوا حیران کر رہی تھی۔وہ سوچوں میں اُلجھی تھی اور وہ پوچھ رہا تھا۔

''تم رکھو گی نا مائی اماں کا خیال؟''

''ہاں''۔اس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''تھینکس میرب!'' وہ جیسے مشکور ہوا تھا۔وہ کچھ شرمندہ دکھائی دی تھی۔

''مجھے مائی کی کیفیت کے متعلق اتنا پتہ نہیں تھا۔اگر معلوم ہوتا تو میں پہلے ہی یہاں آ جاتی جب وہ مجھے یہاں چاہ رہی تھیں''۔اس نے برملا اعتراف کیا تھا اور پوچھا تھا۔''آپ نے مائی کے متعلق مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''کیا بتاتا؟......اس سے پہلے یہ ضروری بھی نہیں لگا تھا۔شاید اس سے پہلے اس کی اتنی ضرورت بھی نہیں تھی۔میں جانتا ہوں وہ میرے لیے کتنی اہم ہیں اس لیے کبھی اپنی ذمہ داری کسی اور کو سونپنے کی نوبت ہی نہیں آنے دی''۔

''تو اب مجھے کیوں سونپ رہے ہو؟'' وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر پوچھ نہیں سکی تھی۔

وہ مزید ہدایات جاری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مائی کے لیے میں بہت پوزیسو ہوں میرب!اور اس وقت بہت پریشان بھی ہوں۔تم پلیز وقفے وقفے سے ان کے متعلق مجھے آگاہ کرتی رہنا''۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔میں کر دوں گی''۔وہ ایسا کہنا چاہتی تھی مگر رُک گئی تھی۔بولی تھی تو الفاظ مختلف تھے۔

''ٹھیک ہے......کچھ اور؟''

''نہیں''۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک گہری تھکی ماندی سانس خارج کی تھی اور سلسلہ منقطع کر دیا تھا مگر فون بند کر کے بھی وہ اسی دائرے میں اُلجھا رہا تھا۔اسے خود سمجھ نہیں آیا تھا،اس نے اس وقت فون کر کے میرب کو ہی کیوں یہ ذمہ داری سونپی تھی۔کرنے کو یہ تاکید وہ مسٹر چاولہ کو بھی کر سکتا تھا۔پھر اسے ہی کیوں؟

''اتنا یقین ہے تمہیں اس پر؟'' گی کا کہا گیا ایک جملہ اس کے گرد گونجا تھا لیکن جیسے وہ کان بند کرتے ہوئے ایک اہم ترین فائل نکال کر دیکھنے لگا تھا۔پھر سیل پر ماتحت کا نمبر ملایا تھا۔

''میٹنگ کا وقت کتنے بجے کا تھا ہارون؟''

''سر!شام سات بجے کا''۔

''اور تم نے مجھے ری مائنڈ تک نہیں کروایا۔ایجنڈا ریڈی ہے نا؟''

''جی سر!''

''رائٹ۔کل کی پوسٹ پون ہوئی میٹنگ کا ٹائم بھی ری شیڈول کرواور ایسا آج ہی ہو جانا چاہیے۔میں کام جلد سے جلد ختم کر کے واپس جانا چاہتا ہوں''۔

''ڈونٹ وری سر! آئی وِل مینج ڈیٹ''۔ مطلوبہ جواب ملنے پر اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا۔

''گھر بہت سُونا ہے گین!...... میرب کے یہاں سے چلے جانے سے جو ویرانی یہاں آئی ہے شاید جب تم یہاں آؤ تو تم بھی اسے محسوس کرو''۔ گی ژیانگ کے کہے گئے جملے بازگشت بن رہے تھے۔ وہ بہت اُلجھے ہوئے انداز میں اُٹھا تھا اور دوبارہ نمبر ملا کر فون کان سے لگایا تھا۔

''ظفر! فنانس کی فائل دیکھ لی تم نے؟...... کل میٹنگ ہے اور میں نہیں چاہوں گا کہ فیکٹس اینڈ فیگرز کسی بھی طرح سے رونگ ہوں''۔ سوچوں کو جھٹلانے کا انداز خوب تھا۔ شاید وہ ان لمحوں کو جھٹلانا چاہ رہا تھا اور فرار کے راستے اختیار کر رہا تھا مسلسل۔ مگر آواز تعاقب بن کر اس کے اردگرد تھیں۔

''سارا گھر جیسے اسے تلاش کر رہا ہے گین!...... تم یہاں نہیں ہو لیکن مجھے جانے کیوں یقین ہے کہ تمہارا احساس یہاں وہاں اسے کہیں ڈھونڈ رہا ہے''۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تنگ آ کر باہر کا رُخ کیا تھا اور چلتے ہوئے ہارون سے رابطہ کیا تھا۔

''ہارون! گاڑی تیار ہے؟''

''جی سر!''

''رائٹ...... تم اپنے روم سے نکلو، میں آ رہا ہوں''۔

''کہیں جانا ہے سر؟...... میٹنگ تو سات بجے ہے''۔ ہارون حیران ہوا تھا۔

''جانتا ہوں، میٹنگ کا ٹائم سات بجے ہے۔ مجھے اسٹاک ایکسچینج جانا ہے''۔

ہارون نے فون بند کر دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جب گی ژیانگ کی آواز اس کے تعاقب میں آئی تھی۔

''اسے جانے مت دینا گین!...... جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اسے جانے مت دینا گین!'' وہ صدا پھر بازگشت بن جانے کو تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر تمام آوازوں سے جیسے کان بند کرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

''اسے جانے مت دینا گین!'' گی ژیانگ کی آواز بہت تھکی ماندی صدا میں بدل گئی تھی اور بالآخر وہ بازگشت اُلٹے قدموں واپس مڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

کل شام اس نے کہا تھا کہ وہ اگلی صبح اسے وہاں چھوڑ دے گا۔ انابیہ شاہ اس کے آفس جانے سے قبل ہی تیار ہوئی کھڑی تھی۔

''لامعہ کا فون آیا تھا...... وہ بھی آ رہی ہے وہاں۔ آپ مجھے چھوڑ دیجئے گا۔ ممی کو فون کر دیا ہے میں نے۔ وہ انتظار کرتی ہوں

گی"۔ باقاعدہ آگاہ کیا تھا۔

عفنان علی خان نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"ناشتہ کر سکتا ہوں؟" وہ یوں اجازت چاہ رہا تھا جیسے اب تک سارے کام اسی کی اجازت سے کرتا ہو۔ انابیہ فوری طور پر اس طنز کو سمجھی نہیں تھی۔ اس لیے بنا کوئی جواب دیئے پلٹ کر اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ تلاشنے لگی تھی۔

"تمہارا آج جانا ضروری ہے؟" عفنان علی خان نے کوٹ پہنتے ہوئے آئینے میں اسے بغور دیکھا تھا۔ پورا لائحہ عمل جیسے ترتیب پا چکا تھا۔

"آپ کو بتایا تو تھا اور آپ خود بھی تو مل کر آئے ہیں دادا ابا سے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ میری کچھ ضرورت وہاں بھی ہے؟" انابیہ نے جتاتے ہوئے کہا تھا۔ عفنان علی خان نے کوئی ردِعمل فوری طور پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ بہت اطمینان سے خود پر پرفیوم اسپرے کیا تھا، بال سیٹ کیے تھے اور پلٹ کر پُرسکون انداز سے اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔ غالباً آپ آزاد ہیں یہ فیصلہ کرنے میں کہ آپ کی زیادہ ضرورت کہاں ہے لیکن جینے کی کچھ لبرٹی میں بھی تو چاہتا ہوں"۔ جانے کس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں تھی۔

"کون سی لبرٹی کی بات کر رہے ہیں آپ؟...... اب اس وقت بحث کا کون سا وقت ہے؟ کل شام طے ہو گیا تھا نا کہ آپ مجھے ممی کے ہاں دوبارہ چھوڑ دیں گے"۔ خالصتاً بیویوں والا انداز تھا۔

وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔ انابیہ کو اندازہ تو نہیں ہوا تھا مگر وہ خجل سی ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا قریب آ گیا تھا۔

"دانستہ دانستہ آپ خود کو اس جگہ کا، اس پوزیشن کا، اس اسٹیٹس کا حصہ سمجھنے لگ گئی ہیں۔ بالکل بیویوں جیسا حق جتا رہی ہیں آپ۔ کیا سمجھوں میں اسے؟ کوئی کرم یا ستم؟" بغور اس کی طرف تکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرا تھا۔ انابیہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ اسے اس لمحے شرمندہ ہونا چاہیے تھا اور وہ تھی بھی۔

"میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی تعلق کی کوئی وضاحت نہیں مانگ رہا۔ صرف حیران ہوں میں، آپ نے ایسا کرنا گوارہ کیسے کر لیا؟ انکاری تھیں نا آپ؟ تو اتنی جلدی تسلیم کیسے کر لیا؟" وہ نہ چاہتے ہوئے صرف اپنی حیرت بیان کر رہا تھا۔ انابیہ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کیا کہتی؟ کہنے کو واقعی اس لمحے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ شخص یقیناً عجب بات کر رہا تھا یا پھر اسے شرمندہ کرنا چاہ رہا تھا اور اس معاملے کو وہ طول دینا نہیں چاہتی تھی۔

"عجیب لگ رہی ہے میری بات؟" وہ جیسے اس کے دل کو سطر سطر پڑھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ انابیہ نے چونک کر دیکھا تھا اسے۔ تبھی دروازہ بجا تھا۔ ساتھ ہی انوشے نے با آواز بلند پکارا تھا۔

"بھائی! بھائی!...... بریک فاسٹ ریڈی ہے۔ ماما پ کو بلا رہی ہیں"۔

انابیہ نے فرار کی راہ پا کر پہلی فرصت میں سرعت کے ساتھ قدم دروازے کی طرف بڑھانا چاہے تھے مگر عین اسی لمحے عفنان نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔انابیہ شاہ حیران ہو کر پلٹی تھی۔

''میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی انابیہ!''

''اور مجھے آپ کی بات قطعی ضروری نہیں لگ رہی''۔

''سنے بغیر آپ کو کیسے اندازہ ہو گیا کہ میری بات ضروری تھی بھی کہ نہیں؟''اس کے تعرض کے پرخچے کر دیئے تھے ایک لمحے میں۔انابیہ شاہ نے لاجواب ہو کر اسے دیکھا تھا۔وہ زیرِلب مسکرا رہا تھا۔

''انابیہ!اہم بات کرنا ہے تم سے۔بہت ضروری بات''۔دو قدم آگے بڑھ کر مدعا بیان کیا تھا۔

''تو کہیئے......سن رہی ہوں میں''۔انابیہ کو مزید فرار مناسب نہ لگا تھا۔سو رسانیت سے بولی تھی۔

''ایسے ہی کہہ دوں؟......آئی مین اس طرح کھڑے کھڑے؟بات واقعی معمولی نہیں ہے۔اگر ہم دو گھڑی بیٹھ کر بات کر لیں تو مناسب ہوگا''۔عفنان علی خان کا اطمینان برقرار تھا۔

''کیا وہ بات اتنی اہم اور ضروری ہے کہ ہم شام تک کا انتظار نہیں کر سکتے؟''انابیہ نے زچ سی ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''ہاں،یہی سمجھ لو''۔

''تو پھر آپ بول کیوں نہیں رہے؟......وقت کیوں گنوا رہے ہیں؟......میں سن رہی ہوں نا۔بیٹھ کر سنوں یا کھڑے ہو کر۔آپ کے لیئے''۔وہ دوٹوک انداز میں بولی تھی۔عفنان چند لمحوں تک چپ رہا تھا بلکہ اس کی طرف سے دھیان بھی پھیر گیا تھا۔پھر آہستگی سے بولا تھا۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں انابیہ!''

انابیہ کی حیرت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔اسی حیرت کو توڑنے کی کوشش میں وہ گویا ہوئی تھی یا پھر اس نے یقین کرنا چاہا تھا کہ جو اس نے سنا ہے وہ ٹھیک ہے بھی کہ نہیں۔

''ایکسکیوز می!وہاٹ یو سے؟......کیا کہا آپ نے؟''

عفنان نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھاما تھا اور سنجیدگی سے بولا تھا۔

''وہی جو تم نے سنا۔میں شادی کرنا چاہتا ہوں انابیہ!تمہارے ساتھ شادی کے فیصلے کو میں غلط نہیں سمجھتا مگر میرے بھی کچھ ارمان ہیں۔کچھ خواب ہیں۔ایک اچھی،خوب صورت زندگی گزارنا چاہتا ہوں میں جس میں کم از کم ذہنی سکون ہو۔تھک چکا ہوں میں انابیہ!یہ چوہے بلی کا کھیل کھیلتے کھیلتے۔شادی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ایک رسپانسبل لائف کا نام ہے شادی۔اور ہم دونوں اس ذمہ دار زندگی کو نہ نباہنے کو تیار ہیں نہ اس رشتے کو آگے بڑھانے کو''۔

انابیہ ساکت کھڑی تھی مگر اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔عفنان کے ہاتھ اس کے شانوں پر تھے اور اسے اس کی کیفیت

کا بھرپور اندازہ ہو رہا تھا۔ ان ساکت آنکھوں میں نمی سی تھی۔

"لامعہ بھی تیار ہے اس کے لیے۔ اور ہم دونوں کو تم سے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ لامعہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس گھر میں تم ہی رہو گی۔ اس کمرے پر بھی تمہارا حق ہوگا۔ جو ہم رشتہ جوڑنے جا رہے ہیں، وہ اس رشتے پر یا تم پر براہِ راست کوئی اثر نہیں کرے گا۔ میری جگہ خود کو تم رکھ کر سوچو گی تو تمہیں یہ فیصلہ حق پر ہی لگے گا۔ آئی ہوپ، تم میری بات سمجھ رہی ہو۔ ہے نا؟"

وہ دانستہ اس سے نظریں چرا گئی تھی۔ آنسو بہہ جانے کو تھے مگر وہ اس شخص کے سامنے ایسا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔

عفنان علی خان نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا میرے اس فیصلے سے؟" اس کا چہرہ تھام کر اپنی طرف موڑتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ نے پُر اعتماد انداز میں سرنفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

عفنان نے آگے بڑھ کر اسے روکا نہیں تھا۔ پکارا نہیں تھا۔ وہیں کھڑا دیکھتا رہا تھا۔ انابیہ تیزی سے چلتی ہوئی سیڑھیاں اُتری تھی اور ناشتے کی ٹیبل کے قریب سے گزرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فاطمہ اسے پکارتی ہی رہ گئی تھیں۔

"انابیہ!......انابیہ......!" وہ پیچھے تک آئی تھیں مگر وہ رُکی نہیں تھی۔

وہ پلٹ کر عفنان کے پاس آئی تھیں۔

"اسے کیا ہوا؟......کیا کہا تم نے؟"

"آئی ڈونٹ نو"۔ اس نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور چلتا ہوا آفس کے لیے نکل گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں؟" فاطمہ نے اُلجھ کر کہا تھا۔

☆......☆......☆

ساہیہ آئینے کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھی۔ تیار کیا ہو رہی تھی، زبردستی کی دھونس کے ساتھ اسے سجایا سنوارا جا رہا تھا۔ اس کے اردگرد ماہرین آرائش کا گھیراؤ تھا۔ جیسے ہی اسے موقع ملا تھا اس نے اپنے سیل سے ایک ایمرجنسی ٹیکسٹ گھسیٹ کر سینڈ کر بٹن دبا دیا تھا۔

"نیڈ ٹو ٹاک ٹو یو"۔ ایک لائن کا یہ ٹیکسٹ دوسرے ہی لمحے اذہان حسن بخاری کے سیل فون کی اسکرین پر اُبھرا تھا مگر اس ٹیکسٹ کو خاطر خواہ اہمیت نہ دیتے ہوئے اس نے سیل کو دوبارہ کوٹ کی جیب میں ڈالا تھا اور اس موقع کی مصروفیت کا حصہ بن گیا تھا۔

ساہیہ جانتی تھی کہ وہ اس لمحے فرار چاہ رہا ہوگا۔ تبھی اگلے چند لمحوں میں کوئی جواب نہ پا کر وہ کھول کر رہ گئی تھی۔ ماہا اندر سے آئی تھی جب اس نے دریافت کیا تھا۔

"ماہا، سویٹی! بھائی صاحب کہاں ہیں تمہارے؟" حلق تک کڑواہٹ گھلی تھی مگر یہ شہد آگیں لہجہ اس لمحے ضروری تھا۔ ماہا مسکرا دی تھی۔

"بھائی......وہ تو غالباً گیسٹ کے ساتھ بزی ہیں"۔

’’گیسٹ؟......گیسٹ آنا شروع ہو بھی گئے؟‘‘

’’ہاں......وقت بھی تو ہو چلا ہے۔ممی نے یہی وقت دیا تھا تقریب کے آغاز کا‘‘۔ماہا نے حیرت سے دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔

’’کیوں،کیا ہوا؟ کوئی پرابلم ہے کیا؟‘‘

ساہیہ مسکرادی تھی۔

’’نہیں......کوئی پرابلم نہیں ہے۔میں تو بس یونہی۔تم ایک کام کروگی؟‘‘

’’ہاں کروں گی مگر ایک بات کہنے کے بعد‘‘۔

’’کیا؟‘‘ساہیہ چونکی تھی۔

’’آج آپ بہت بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔بھائی دیکھیں گے نا تو حیران رہ جائیں گے بلکہ پاگل ہو جائیں گے‘‘۔ماہا مسکرائی تھی اور مسکرانا ساہیہ پر بھی جیسے فرض ہو گیا تھا۔

’’کاش میں اس شخص کا کچھ کرسکتی‘‘۔مدھم لہجے میں وہ دانت پیس کر ہولے سے بولی تھی۔’’پاگل تو وہ آل ریڈی ہے۔کاش! میں ان موصوف کا دماغ کچھ ٹھکانے لگا پاتی‘‘۔

’’کچھ کہا آپ نے؟‘‘ماہا کلیئرسن نہیں پائی تھی،سو پوچھا تھا مگر ساہیہ نے مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

’’میرے گھر سے آ گئے سب؟‘‘

’’نہیں......ابھی ممی کی بات ہوئی ہے ان سے۔غالباً نکل رہے ہیں سب‘‘۔

’’اچھا،پھر تم ایک کام کرو۔چھوٹا سا کام۔اپنے بھائی صاحب کو بلا کر لاؤ‘‘۔درخواست کی تھی۔ماہا باقاعدہ کھلے منہ پر ہاتھ رکھ کر حیران ہوئی تھی۔

’’ہا......اس وقت ملیں گے آپ بھائی سے؟‘‘

’’کیوں،اس وقت کیا ہے؟‘‘وہ چونکی تھی۔

’’بھول گئیں آپ؟......آپ کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے‘‘۔ماہا نے یاد دلایا تھا۔

’’تو پھر؟‘‘وہ چڑ جانے کو تھی مگر اپنا غصہ دباتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی۔’’ماہا سویٹی! سمجھنے کی کوشش کرو۔مجھے ایک ضروری بات کرنی ہے ان سے‘‘۔

’’مگر اس طرح......اس وقت کیسے؟ آئی مین یہ کس طرح پاسیبل ہوسکتا ہے؟‘‘

’’کیوں......امپاسبل کس طرح ہے یہ؟‘‘ساہیہ نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔پھر نرمی سے بولی تھی۔’’دیکھو ماہا! ایک پرابلم ہے جو کسی اور سے نہیں کہہ سکتی۔ایکچوئیلی یہ پرابلم صرف تمہارے بھائی صاحب کی سمجھ میں آئے گی۔سو پلیز،میرا میسج انہیں کنوے کردو‘‘۔

''ٹھیک ہے''۔ ماہا فطری نرمی سے مسکراتے ہوئے باہر نکلتی ہوئی اپنے پیچھے دروازہ بند کر گئی تھی۔ ساہیہ نے بے حد اُلجھن محسوس کرتے ہوئے پانی کا گلاس اُٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔

عجب گھبراہٹ سی ہورہی تھی۔ وہ پورا گلاس پانی کا پی گئی تھی مگر حلق پھر بھی سوکھا ہوا لگا تھا۔ جھنجلا کر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔ ماہا کو گئے بھی کافی لمحے گزر چکے تھے مگر ماہا کے بھائی صاحب کا بدستور اب تک کوئی پتہ نہ تھا۔ موصوف بدستور اب تک گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھے۔ ساہیہ کو اُلجھن ہورہی تھی۔ جانے وہ شخص کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔

سیل اُٹھا کر اس نے روانی سے ٹیکسٹ گھسیٹا تھا۔

''کین آئی سی یو؟'' مختصر جملہ لکھ کر روانہ کیا تھا۔ اب پتہ نہیں ماہا کے پیغام دینے کا اثر تھا یا اس کا ٹیکسٹ ہی اتنا موثر تھا کہ اس کے اگلے ہی پل وہ اس کے سامنے تھا۔

''کیا ہوا؟...... ارادہ بدل لیا کیا تم نے؟...... کیا براہِ راست شادی کا پروگرام طے ہے؟ میں رجسٹرار سے بات کرلوں؟'' وہ سنجیدہ نہ تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا اور سرتاپا دوبارہ دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ چونکی تھی۔

''اچھی خاصی لگ رہی ہو...... سچ کہوں، پہچانی نہیں جا رہی ہو۔ میں پہلی نظر میں تو یہی سمجھا کہ شاید غلط جگہ آ گیا ہوں مگر مجھے یقین کرنا پڑا، میری ساہیہ جیسی بے وقوف لڑکی اس دنیا میں یقیناً دوسری کوئی نہیں ہے''۔ وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا تھا۔ ساہیہ نے اُٹھ کر اپنے بھاری لہنگے کو سنبھالتے ہوئے اس تک کا سفر کیا تھا۔

''یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ اپنی اور کسی اور کی زندگی سے مت کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے''۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے؟...... انگیج منٹ تو بہت سے لوگ کرتے ہیں''۔ وہ قطعی سنجیدہ ہونے کو تیار نہ تھا۔ ساہیہ زچ ہوکر رہ گئی تھی۔ برہمی سے اسے دیکھا تھا۔

''کون سی زبان سمجھو گے تم؟...... کس طرح سمجھاؤں تمہیں؟...... ابھی بھی وقت ہے، تم سمجھ کیوں نہیں لیتے؟''

''کیا سمجھوں؟...... مجھے تو اس وقت کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے نہ سنائی۔ سدھ بدھ گنوا رہی ہو میری۔ اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو؟'' اس کے ہاتھوں کو تھام کر اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔

''اوہ گاڈ......!'' وہ بری طرح پریشان تھی۔ اُلجھی دکھائی دے رہی تھی۔

''اذہان! یہ وقت مذاق کا نہیں ہے''۔

''یہی تو میں بتانا چاہتا ہوں۔ ابھی کسی نے اس طرح اس بند کمرے میں دیکھ لیا تو فسانے بنتے دیر نہیں لگے گی لیکن اچھا ہی ہوگا۔ سب جان جائیں گے کہ ہم کتنے پیار کرنے والے ہیں''۔ وہ اب بھی سنجیدگی پر مائل نہ تھا۔

سا ہیہ نے تھک کر اسے دیکھا تھا۔

''دیکھو اذہان! سمجھو میری بات کو۔ میں غلط نہیں کہہ رہی۔ مجھ سے بڑا خیر خواہ تمہارا یقیناً کوئی نہیں ہے اور......'' وہ بات مکمل نہیں کر پائی تھی۔ یک دم چکر سا آیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا اور دوسرے ہی پل وہ چکرا کر اس کے بازوؤں میں تھی۔

''سا ہیہ!......سا ہیہ!'' اذہان نے پریشانی سے پکارا تھا۔

سا ہیہ خان کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی تھی۔

''سا ہیہ......!'' اذہان نے اس کے چہرے کو تھپتھپا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی مگر سا ہیہ اسی طرح بے حس و حرکت اس کے بازوؤں میں پڑی رہی تھی۔ تبھی فارحہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا اور چونک پڑی تھیں۔

''کیا ہوا اسے؟''

''پتہ نہیں۔ شاید وِیکنس ہو جانے کے باعث......'' اذہان کوئی مناسب جواز تلاش نہ کر سکا تھا۔

''تم اسے صوفے پر ڈالو۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں''۔ فارحہ بھی پریشان دکھائی دی تھیں۔ اذہان نے اپنے بازوؤں میں سا ہیہ کے نرم و نازک وجود کو اُٹھا کر صوفے پر ڈالا تھا۔ فارحہ ڈاکٹر کو فون کر کے تیزی سے اس کی طرف آئی تھیں۔

''سا ہیہ!......آنکھیں کھولو''۔ اس کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔ ''کیا ہوا تھا؟ تم نے تو کچھ نہیں کہا؟'' فارحہ نے بیٹے کو الزام دیتی نظروں سے دیکھا تھا۔

اذہان نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے دفاعی انداز میں ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟''

مگر فوری طور پر اس الزام کے ضمن میں کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ فارحہ فکرمندی سے جھکی سا ہیہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات بھر وہ سو نہیں سکی تھی مگر صبح وہ مائی اماں کے خیال سے جلدی اُٹھ گئی تھی۔ کسی ''تلقین'' کا ''اثر'' نہیں تھا۔ نہ وہ کوئی اچھا ''امپکٹ'' بنانا چاہتی تھی کسی کی نظر میں۔ وہ بس اپنا فرض نبھا رہی تھی۔ درمیان میں جو رشتہ تھا، اسے جھٹلا بھی دیتی تو اِک احساس کا رشتہ تو درمیان تھا نا۔

''اتنی صبح کیوں جاگ گئی تُو؟......سوتی رہتی نا۔ یہ کام دیکھنے کو نوکروں کی ایک فوج موجود ہے۔ تجھے کام کرنے کو یہاں نہیں بلوایا تیری مائی اماں نے''۔ وہ ناشتے کی ٹرے کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی جب وہ بولی تھی۔

میرب مسکرادی تھی۔

''نوکروں کے ہاتھ میں وہ ٹیسٹ تو نہیں ہو گا نا، جو آپ کی بیٹی کے ہاتھ میں ہے؟......اب کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' ہاتھ

پیشانی پر رکھ کر چھو کر دیکھا تھا اور تسلی بخش انداز میں مسکرادی تھی۔ ''ارے واہ...... بخار تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ لگتا ہے راتوں رات کایا پلٹ گئی''۔

مائی مسکرادی تھیں۔

''ایک ماں کے لیے سب سے زیادہ قیمتی احساس اس کے بچوں کا ہوتا ہے۔ تُو میرے پاس ہے اور آج صبح سبکتگین سے بھی بات ہوگئی اور کیا چاہیے''۔

وہ چائے میں چینی ملاتی ہوئی چونکی تھی۔

''ان کا فون آیا تھا؟''

''ہاں...... صبح پہلی بات اسی سے ہوئی۔ بتا رہا تھا ساری رات جاگتی رہی ہو تم...... سو نوکروں سے کہہ کر سخت تاکید کروادوں کہ تمہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اگر میرا خیال رکھتی ہوئی کہیں خود بیمار پڑ گئیں تو؟''

میرب زبردستی مسکرائی تھی۔

''رات جب فون آیا تھا تو میں جاگ رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے کہہ دیا ہوگا''۔ اسے کچھ خاص حیرت نہیں ہوئی تھی۔ شاید ماں کو بہلانے کو وہ اسے ایسی توجہ دے رہا تھا۔ یا پھر اس کا ''احسان مند'' ہو رہا تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ اس پر کوئی ''احسان'' نہیں کر رہی تھی۔ نہ ہی کوئی ایسا تاثر وہ اس پر باقی چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنی ہی سوچوں سے اُلجھتے ہوئے اس نے چائے کا کپ مائی اماں کو تھمایا تھا۔ جب انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''بہت کیئرنگ ہو گیا ہے میرا بچہ۔ سچ پوچھو تو مجھے بھی حیرت ہوئی۔ ایسا نہیں ہے کہ اسے اپنے سے وابستہ لوگوں کی فکر نہیں۔ دراصل وہ اس طرح ظاہری طور پر جتانے کا قائل نہیں...... تم نے اسے ذمہ دار بنا دیا ہے میرب! تمہارے اس کی زندگی میں آنے سے اسے ایک احساس نے بیدار کر دیا ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو اور اِردگرد کے حالات کو نئے زاویے اور نئے ڈھنگ سے سوچنے لگا ہے۔ تمہارا خیال رکھنا، ایک نئی ذمہ داری کو نباہنے کی طرف پہلا باضابطہ قدم ہے''۔

مائی اسے جانے کیا جتانا چاہتی تھیں مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر لیے وہ اس لمحے انہیں اس بات کا احساس بالکل بھی کروانا نہیں چاہتی تھی کہ جو آپ سوچ رہی ہیں وہ بالکل غلط قیاس ہے۔ وہ انہیں جھٹلانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اگر وہ یہی سوچ کر خوش تھیں تو وہ انہیں اس ''بہلاوے'' میں رہنے دینا چاہتی تھی۔ بعد کا اسے نہیں پتہ تھا مگر ''فی الحال'' کے لیے یہ ضروری تھا۔

''کتنی سست لگ رہی ہے تُو...... ناشتہ کرنے کے بعد آرام کر لے۔ میری فکر اب مت کر۔ میں ٹھیک ہوں''۔ مائی اس کے لیے فکرمند تھیں۔

''آرام کی ضرورت مجھے نہیں، آپ کو ہے مائی اماں! ذرا طبیعت سنبھل گئی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب آرام نہیں کریں گی۔ ابھی ان کا فون آ گیا تو کان کھینچیں گے میرے۔ آپ کو تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوگی موصوف کی لیکن توپ کا جو رُخ میری طرف ہوگا

اس سے بچنا مشکل ہو جائے گا''۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''اس کی طرف سے تُو فکر مت کر...... میرے ہوتے ہوئے مجال نہیں اس کی جو تجھے کچھ کہے''۔

میرب ان کی تسلی پر مسکرائی تھی۔ تبھی اس کا سیل فون بجا تھا۔ میرب نے سیل اُٹھا کر اسکرین پر آئے نمبر کو دیکھا تھا۔

''کون ہے؟''

''شاہ جنات''۔ وہ مسکرائی تھی اور فون کان سے لگا لیا تھا۔

''ہیلو؟'' یہ سب کرنا دشوار تھا مگر مائی اماں کے لیے اسے یہ کرنا تھا۔

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

''مائی اماں کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

''ٹھیک ہیں۔ اس وقت ناشتہ کر رہی ہیں...... بات کرا دوں؟''

''نہیں، بعد میں کر لوں گا۔ ٹمپریچر تو نہیں ہے اب انہیں؟'' یہ وہ معمولی باتیں تھیں جنہیں وہ خود مائی اماں سے بھی پوچھ سکتا تھا۔ پھر اس سے دریافت کرنے کا کیا مطلب تھا؟...... سوال میرب کے دل میں اُٹھا ضرور تھا مگر کچھ بھی مزید سوچے بغیر وہ بولی تھی۔

''نہیں...... اب ان کی طبیعت پہلے سے بہتر لگ رہی ہے۔ ابھی ڈاکٹر نہیں آیا مگر میں آپ کے فون کے بعد انہیں کال کر کے بلواتی ہوں۔ آپ فکر مت کریں''۔

''نہیں...... اب مجھے اتنی فکر نہیں ہے۔ تم ان کے پاس ہونا۔ مگر تمہیں بھی آرام کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ اگر تم خود ٹھیک ہو گی تو تبھی کسی اور کا خیال بھی رکھو گی نا''۔

''ہوں''۔ میرب کے لیے اس کا انداز چونکا دینے والا قطعاً نہیں تھا۔ اگر ایسا کوئی کیئرنگ انداز اپنا رہا تھا یا ایسا کچھ کہہ رہا تھا تو صرف اپنے مفاد کے ضمن میں۔

ہاں ''کیئرنگ'' وہ ضرور تھا مگر صرف اپنی مائی اماں کے لیے...... وہ اس وقت جو بھی کہہ رہا تھا، جو بھی کر رہا تھا، وہ صرف انہی کے لیے تھا۔ اس سے زیادہ نہ اس کی کوئی حقیقت تھی نہ کوئی وقعت۔ سو وہ ''بہلی'' نہ تھی۔ نہ کوئی ''خوش فہمی'' پالی تھی نہ ''خوش گمانی''...... دل ہمیشہ کی طرح خالی تھا اور اب وہ اسے کسی جھوٹے ''فریب'' سے بھرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی سوچوں کے برعکس وہ کہہ رہا تھا۔

''تھینک یو سو مچ میرب!...... مائی کا اس طرح خیال رکھ کر تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہر بچے کے لیے اس کی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے مگر میں اپنی مائی اماں کے لیے کچھ زیادہ ہی جذباتی اور بچہ ہوں''۔

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا آپ پر۔ مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہی کیا اور اس کے لیے آپ کو تھینکس کہنے کی ضرورت بھی

بالکل نہیں ہے''۔ میرب ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے یکسر اجنبی اور کھردرے انداز پر لحہ بھر کو چپ سادھ گیا تھا۔ پھر جیسے اس تاثر کو زائل کرنے کی کوشش میں فوری طور پر گویا ہوا تھا۔

''اینی ہاؤ، اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو کچھ دن مزید مائی اماں کے پاس گزار لو۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے لیے مشکل ہوگا۔ مگر......''

پہلے سے والی لگاوٹ دم توڑ رہی تھی۔ بجھا بجھا سا لہجہ......اپنائیت کی جگہ اجنبیت کا رنگ اوڑھنے کو تھا۔ یقیناً یہ اختیاری ردعمل تھا جو میرب کے رویے پر اختیار کیا گیا تھا۔

''آپ فکر مت کریں۔ میں یہیں ہوں۔ جب تک مائی کی حالت سنبھل نہیں جاتی، میں نہیں جاؤں گی''۔ میرب سیال کا لہجہ سرد تھا۔ کسی بھی جذبات سے عاری۔ وہ اس کے ساتھ تعاون شاید نہیں کر رہی تھی۔ احسان بھی جتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ غالباً وہ مکمل طور پر ''لاتعلق'' رہنا چاہتی تھی۔

''رائٹ!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ ''کسی طرح کی کوئی مشکل پیش آئے یا دشواری ہو، مجھے کال کرنا۔ آئی ایم دیئر''۔ جملہ بہت ''معمولی'' نہیں تھا۔ غالباً خاصی حد تک ''غیر معمولی'' تھا۔ مگر اس لمحے اس کا رنگ بہت پھیکا تھا۔ نہ میرب اس کی حقیقت سمجھنے کو تیار تھی نہ وہ جتانے پر مائل نظر آ رہا تھا۔

''اوکے''۔ میرب نے بلاتردد کہا تھا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ میرب خاموشی سے ہاتھ میں فون لیے کچھ لمحوں تک اسی طرح اس جگہ پر کھڑی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی دوبارہ مائی اماں کے پاس آ گئی تھی۔ انداز واضح طور پر بجھا بجھا سا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ فوری طور پر اپنے اندر سے اُٹھنے والے اس تاثر پر قابو نہیں پا سکی تھی مگر اس لمحے جو ایک سناٹا سا اس کے اندر پھیل رہا تھا وہ اسے محسوس ضرور کر رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مائی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''نہیں......کچھ نہیں''۔ وہ ان کی طرف دیکھے بغیر سر نفی میں ہلاتی ہوئی ان کی میڈیسن اُٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

''میڈیسن لے لیجیے آپ''۔ پانی کا گلاس اُٹھا کر ان کی طرف بڑھایا تھا۔ مائی نے اسے خاموشی سے صرف دیکھا تھا۔ دریافت کچھ نہیں کیا تھا۔ میرب انہیں میڈیسن دینے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اسے حیرت زدہ ہونا نہیں چاہیے تھا مگر وہ حیران تھی......حیران سے بھی سوا ساکت تھی۔ ہوا وہ تھا جو اس نے سوچا تھا......جو چاہا تھا......وہ ایسا ہی چاہتی تھی۔ مگر اب جب ایسا ہوا تھا تو اتنا عجیب کیوں لگا تھا؟ اتنا برا کیوں لگا تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان نے جو فیصلہ سنایا تھا، وہ ایسا ہی تو چاہتی تھی۔ یہی تو خواہش رکھی تھی اس کے سامنے کہ وہ لامعہ کو قبول کر لے۔

اسے اپنی زندگی سے نکال باہر کرے۔

یہی تو سوچا تھا اول دن سے...... جب سے اس گھر میں......اس شخص کی زندگی میں قدم دھرا تھا، وہ قطعاً اسے اپنا نہیں لگا تھا۔ ہر شے بہت غیر، بہت پرائی لگی تھی۔ تو پھر اب کس شے کے کھو جانے کا ڈر اسے سانس بھی نہیں لینے دے رہا تھا۔

کیا بات ایسی تھی جو اندر ایک شدید تکلیف پہنچا رہی تھی۔

یہ کیسا درد تھا جو اندر پھیل رہا تھا۔

یہ کیسا احساس تھا جو وہ اتنی بے چینی، اتنی اضطرابیت اپنے خون کے اندر دوڑتی بھاگتی محسوس کر رہی تھی۔

ان ”قربتوں“ میں رہ کر بھی کبھی انہیں اپنایا نہیں تھا۔ اپنا جانا نہیں تھا تو پھر اب کس بات کا احساس اس کے اندر بے چینی کو بڑھاوا دے رہا تھا۔

کیا بات تھی کہ کوئی بے خودی سر اُٹھا رہی تھی۔

محبت نہیں تھی اسے......

کرنے کا قصد بھی جب نہیں کیا تھا۔

ارادہ بھی کوئی نہیں تھا۔

تو پھر......اس شخص کو کیوں اتنا سوچ رہی تھی وہ۔

کیوں ایک ہی خیال سے ڈور بندھ گئی تھی اس کی سوچ کی۔

کئی اہم کام کرتے ہوئے، سب کے درمیان، سب کے ساتھ، مگر وہ خود اپنے ساتھ نہیں تھی۔

”انابیہ......!“ اوزان نے اسے گم صم سا کام کرتے دیکھ کر پکارا تھا۔

دادا ابا کے لیے سُوپ نکالتے اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپے تھے اور سُوپ چھلک گیا تھا۔ وہ عجب بے بسی سے بنا اس کی جانب دیکھے چہرہ پھیر گئی تھی۔

”انابیہ!......کیا ہوا؟“ اوزی نے اسے شانوں سے تھام کر فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے نگاہ اس پر سے ہٹاتے ہوئے آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”نہیں......کچھ نہیں“۔

”ٹھیک تو ہو تم؟......یہ کس طرح روبوٹ کی طرح بی ہیو کر رہی ہو؟“ اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا تھا جو ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اوزی اس کا ہاتھ تھام کر اسے کاؤچ کی طرف لے گیا تھا۔ دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا تھا۔

”انابیہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟......چہرہ دیکھ رہی ہو؟ ہوا کیا ہے؟ کیا تم ہمیں کچھ بتاؤ گی؟“

”کچھ نہیں ہوا ہے......تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو اور اب پلیز ایسا ویسا کچھ ممی کو بتا کر انہیں پریشان کرنے کی کوشش مت

کرنا۔ وہاں دادا ابا سُوپ کے لیے انتظار کر رہے ہوں گے اور یہاں تم نے مجھے بٹھا رکھا ہے‘‘۔ انابیہ جانے کو اُٹھی تھی جب وہ بولا تھا۔

’’انابیہ! تمہارا جھگڑا ہو گیا ہے عفنان سے؟‘‘

’’جھگڑا؟‘‘ وہ چونکی تھی۔ پھر غالباً اسے مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔ ’’ہم دونوں میں کوئی جھگڑا کیوں ہو گا اوزی؟...... تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ لیکن تم مجھے بیمار ضرور کر دو گے۔ میں دادا ابا کو سُوپ دے کر آتی ہوں‘‘۔

’’عفنان آئے گا تمہیں لینے؟‘‘ اوزان نے اس کی پشت دیکھ کر کہا تھا۔

’’پتہ نہیں‘‘۔ وہ پلٹی تھی۔ شاید بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی سو قدم آگے بڑھا گئی تھی۔ اوزی اس رویے کو نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ لامعہ حق کی نگاہیں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ غالباً وہ اسے پڑھنا چاہتی تھی مگر ایسا اس کے لیے ناممکن رہا تھا۔ عفنان علی خان اس کے چہرے کے تاثرات کو جیسے پڑھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

’’کیا ہوا؟‘‘

’’تم بہت مضبوط اور مشکل انسان ہو عفنان!‘‘ لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔

’’مجھے پڑھنا چاہتی تھیں؟‘‘ عفنان محظوظ ہوا تھا۔

’’ہاں...... مگر پڑھ نہیں پائی۔ اب بتا دو، تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا؟ کوئی کام تھا؟‘‘

’’کام؟...... ہاں، کام ہی تھا۔ تمہاری ضرورت تھی مجھے۔ آئی مین...... ایک اچھی دوست کی ضرورت تھی اس وقت مجھے سو تمہیں بلا لیا۔ کیا غلط کیا؟‘‘

’’نہیں، غلط تو نہیں کیا لیکن انابیہ سے بڑھ کر تمہیں کون سمجھ سکتا ہے؟‘‘

’’وہی تو نہیں سمجھ رہی‘‘۔ وہ روانی سے بولا تھا۔

’’کیا نہیں سمجھ رہی؟‘‘ وہ چونکی تھی۔

عفنان نے سر افسوس میں ہلایا تھا۔

’’وہی جو اسے سمجھنا چاہیے۔ بہت بے وقوف ہے تمہاری دوست‘‘۔

’’ایکسکیوز می!...... میرے سامنے آپ میری دوست کو برا ہرگز نہیں کہہ سکتے‘‘۔ لامعہ نے مسکراتے ہوئے باور کرایا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔ پھر چند ثانیوں تک چپ سادھنے کے بعد گویا ہوا تھا۔

’’لامعہ! وہ واقعی بہت بے وقوف ہے۔ وہ ایسی غلطی کرنے جا رہی ہے جس کے متعلق تم سوچ بھی نہیں سکتیں‘‘۔

’’کیا کرنے جا رہی ہے وہ؟‘‘ لامعہ حق نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے خود سے جدا کرنے جا رہی ہے وہ۔ بے وقوف ہے۔ مجھ پر اب تک اپنا کوئی حق نہیں سمجھتی۔ مجھے اپنا نہیں سمجھتی...... اسے لگتا ہے لامعہ! میں اس کے پاس کسی اور کی امانت ہوں''۔

''کس کی؟'' لامعہ کی آواز اسے خود اجنبی لگی تھی۔

''تمہاری......'' عفنان علی خان نے پُر افسوس انداز میں خالی کین دور اُچھالتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''لامعہ! یور فرینڈ اِز اے اسٹوپڈ گرل۔ شی گون میڈ۔ کوئی بات اس کی عقل میں نہیں آتی۔ سمجھاؤ اسے تم۔ شادی کے پہلے دن سے باور کرایا ہے اس نے مجھے کہ میں اس کا نہیں ہوں۔ میں اس بات کو اس کا ایک جذباتی فیصلہ سمجھا تھا مگر وہ لڑکی...... جانتی ہو تم لامعہ! وہ اس سب کا ذمہ دار بھی مجھے سمجھتی ہے جو اس کے ساتھ ہوا۔ وہ سمجھتی ہے وہ سب میں نے اس لیے کروایا کہ اسے حاصل کر سکوں۔ پاگل ہے نا...... اور اب وہ مجھے اس لیے چھوڑنا چاہتی ہے تاکہ میں تمہیں اپنی زندگی میں جگہ دے سکوں۔ ایڈیٹ...... نہیں جانتی، زندگی ایسے احمقانہ فیصلوں پر نہیں گزاری جا سکتی'' ۔وہ بول رہا تھا اور لامعہ ساکت اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے رُک کر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور نرم لہجے میں بولا تھا۔

''وہ سمجھتی ہے لامعہ! تم اب تک اپنی زندگی میں مجھے ڈھونڈتی ہو۔ وہ ایسا سمجھتی ہے لامعہ! کہ یو آر دی رائٹ پرسن۔ اس کے لیے نہ اپنی ذات اہم ہے نہ میری...... بے وقوف ایک ہی ڈگر پر سوچ رہی ہے۔ تم سے دوستی میں اتنی اندھی ہو گئی ہے کہ اسے نہ اپنی زندگی دکھائی دے رہی ہے نہ میری۔ وہ خود کو کوئی امپورٹنس دینے کی قائل نہیں۔ مگر وہ یہ بھی بھول گئی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں کیا سوچتا ہوں۔ میرے لیے کیا اہم ہے...... کیا ضروری ہے...... اگر میرے لیے تم ضروری ہوتیں لامعہ! تو میں تب تمہیں اپنی زندگی سے باہر نہیں کرتا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ یہ بات آج تک سمجھ نہیں پائی۔ مجھے یقین ہے اگر میں یہ بات اسے چیخ چیخ کر بھی کہوں گا تو وہ تب بھی نہیں مانے گی کیونکہ وہ اتنی ہٹ دھرم اور ضدی ہے کہ اپنی دوستی سے آگے اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ وہ صرف تمہاری آنکھوں میں سرخرو ہونا چاہتی ہے کیونکہ وہ خود کو تمہارا مجرم سمجھتی ہے۔ اسے لگتا ہے لامعہ! اس نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مگر وہ نہیں جانتی، وہ خود اپنے ساتھ بھی اچھا نہیں کر رہی۔ اپنے ساتھ کیا، وہ میرے ساتھ بھی کچھ اچھا نہیں کر رہی...... وہ مجھے ایک انسان سے زیادہ ایک شے سمجھ رہی ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ کہا لامعہ! وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ مجھے سزا دینا چاہتی تھی۔ تمہیں چھوڑنے کی بھی اور اسے اپنانے کی بھی۔ تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کہ اس معاملے میں تم بھی شریک ہو، مکمل طور پر''۔

''میں...... میں کہاں......؟'' لامعہ نے حیرت سے ساکت چہرے سے اسے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''تم ہو لامعہ!...... تم ہمارے قصے کا حصہ ہو...... ہماری زندگی کا حصہ ہو۔ نہ چاہتے ہوئے بھی تم ہمارے درمیان ہو''۔

''اور کیا چاہتے ہو تم؟'' اس کی طرف دیکھے بغیر، نظریں چرائے وہ اتنے مدھم لہجے میں بولی تھی کہ خود اپنی آواز اسے بہت دور سے آتی ہوئی لگی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''تھینک گاڈ، تمہیں تو یہ یاد رہا کہ میں بھی کچھ چاہ سکتا ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ تم یہ چھوٹی سی بات اپنی اس مہان

دوست کو بھی سمجھانا۔ اسے بتاؤ یہ جو بے چارہ سا بندہ عفنان علی خان ہے نا، یہ تم سے محبت کرنے کی گستاخی کر چکا ہے مگر یہ قصور اتنا بڑا نہیں کہ تم اس سے فیصلہ کرنے کا حق بھی چھین لو۔ سوچنے کا حق تھوڑا سا اسے بھی دے دو۔ آخر اتنی رعایت کا حق دار تو ہوں میں''۔ عفنان علی خان کا لہجہ طنز بھرا تھا۔ وہ اپنا غصہ کسی سمت تو نکالنا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے ضبط لازم سہی مگر لامعہ کے سامنے تو کوئی قدغن نہ تھی۔

لامعہ اس کے جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ نظریں پھیرے لاتعلق سی بیٹھی رہی تھی۔

''تم چاہتے ہو میں اسے سمجھاؤں؟'' عفنان کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔

''تم ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتی ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے بدستور طنز بھرے جلے کٹے انداز میں گویا تھا۔ لامعہ نے خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ عفنان علی خان نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''اگر تم یہ معجزہ کر سکتی ہو تو کر دو لامعہ! کوئی ایسا کرشمہ اس زمین پر دیکھنا چاہتا ہوں میں، جب وقت میرے حق میں ہو جائے اور وہ مجھ پر مہربان ہو جائے۔ کچھ اور نہیں تو اعتبار ہی کر لے۔ اک ذرا سا اعتبار۔ مگر وہ تو وہ بھی کرنے کو تیار نہیں۔ کتنا خالی شخص ہوں میں...... کس قدر ہارا ہوا...... آج تک اسے اس سے بھی نہیں جیت سکا۔ ہونا تو نہیں چاہیے مگر جانے کیوں مجھے تم سے بہت حسد محسوس ہوتا ہے۔ تم پر بہت اعتبار کرتی ہے وہ۔ اس کی عظمت کی حد دیکھ لو، تمہیں اپنا شوہر انعام میں سونپ دینا چاہتی ہے۔ دوستی کی کتنی اعلیٰ مثال قائم کرنا چاہتی ہے نا۔ کیا تم بھی اس کی اتنی ہی اچھی دوست ہو جتنی کہ وہ تمہاری؟'' عفنان علی خان بظاہر مسکراتے ہوئے مذاق سے گویا تھا مگر لامعہ حق کے چہرے کی کیفیت متغیر ہو گئی تھی۔

''ایکسکیوز می!'' غالباً برا مانتے ہوئے وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری!...... غالباً مجھے تم دونوں کی دوستی پر شک کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مگر......''

''اٹس اوکے''۔ لامعہ کہتی ہوئی اُٹھی تھی۔ ''چلتی ہوں اب''۔

''میری مدد نہیں کرو گی؟'' عفنان نے اسے دیکھا تھا۔ نظروں میں جانے کیوں حیرت نہیں تھی۔ لامعہ نے لبوں پر زبان پھیر کر جیسے انہیں تر کیا تھا پھر جیسے بمشکل بولی تھی۔

''تمہیں جس طرح کی بھی مدد درکار ہوگی، مجھے بتا دینا...... میں ہر طرح سے تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ رُک کر تم سے مزید بات کرتی، مگر میری ایک ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔ آئی ایم سوری...... تمہیں زیادہ وقت نہیں دے پائی لیکن میں نے تمہیں بے توجہی سے نہیں سنا...... دوبارہ جب بھی میری ضرورت ہو، بلا لینا''۔

وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عفنان علی خان گاڑی میں آن بیٹھا تھا۔

☆......☆......☆

ساہیہ خان جلد ہوش میں آ گئی تھی اور اس نے تقریب جاری رکھنے کا عندیہ بھی دے دیا تھا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد فارحہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں بیٹا!......اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تو ہم ملتوی کر دیتے ہیں۔ کچھ بھی تم سے زیادہ ضروری نہیں"۔ فارحہ نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تھا۔ ساہیہ نے جواباً اذہان کی طرف دیکھا تھا اور اپنا سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں آنٹی!......آئی ایم او کے ناؤ......کچھ ایسی بھی طبیعت خراب نہیں ہے میری اور آپ پلیز، میری مما کو اس کے بارے میں کچھ مت بتائیے گا۔ وہ خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گے"۔ فارحہ اُٹھی تھی۔

"میں دیکھ کر آتی ہوں، وہ لوگ آئے یا نہیں۔ اذہان! تم یہیں رہو اس کے پاس۔ خیال رکھنا۔ میں آتی ہوں"۔

"ممی! میرا خیال ہے کہ آپ اس منگنی کو ملتوی کر دیجئے"۔ اذہان نے ایک لمحے میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ساہیہ نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

"ڈونٹ بی اسٹوپڈ اذہان!......میں ٹھیک ہوں اب۔ ذرا سی بے ہوش کیا ہو گئی تم نے تو حد کر دی۔ آنٹی! آپ جائیے، آئی ایم فیلنگ گڈ ناؤ"۔

فارحہ کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی تھیں۔ اذہان کچھ کہے بغیر چلتا ہوا فریج کے پاس جا رُکا تھا۔ اس کے لیے جوس گلاس میں نکالا تھا اور پلٹ کر دوبارہ چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔

ساہیہ نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف بنا کچھ کہے، مخاطب کیے گلاس بڑھائے کھڑا تھا۔ ساہیہ نے گلاس اس کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔

"تھینکس"۔

"یو آر ویلکم"۔ اذہان سعادت مندی سے کہہ کر اس کے پاس کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا اور بنا اس کی سمت متوجہ ہوئے جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے کی سعی کرنے لگا تھا۔

"کتنا عجیب ہو رہا ہے نا سب کچھ"۔ بہت آہستگی سے وہ مسکرایا تھا۔ "شاید زبردستی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا تم پر اس طرح دھونس جمانے کا۔ آئی ایم سوری ساہیہ!"

ساہیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"تم مجھے خود سے پرایا کر رہے ہو اذہان!"

"نہیں، تمہیں خود سے الگ رکھ کر سوچ رہا ہوں۔ اب درست زاویے سے دیکھ بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی"۔ اذہان کا انداز بجھا بجھا سا تھا۔

"اوں ہوں......مت کہو ایسے اذہان!" ساہیہ نے اپنا سر دسا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ اذہان نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں اذہان!...... ہر قدم پر...... ہر موڑ پر...... جہاں تمہیں میری ضرورت پڑے...... میں ساتھ ہوں۔ مگر میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی...... تمہیں وہ موقع دینا چاہتی تھی جو زندگی نے تمہیں دیا اور پھر چھین لیا۔ میں وہ ناانصافی تمہارے ساتھ دوبارہ دہرانے دینا نہیں چاہتی تھی اذہان! جو تم نے پہلے ایک بار اپنے ساتھ کی''۔

اذہان اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ ساہیہ! قسمت کیا ہوتی ہے۔ بنی ہوئی ہے، لکھی ہوتی ہے یا ہم خود لکھتے اور بناتے ہیں۔ میں واقعی کچھ نہیں جانتا۔ پتہ نہیں ان لکیروں کی کوئی حقیقت ہے بھی کہ نہیں۔ مگر میں ایک بات جانتا ہوں، زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے یونہی نہیں ہوتا۔ ہر بات کا سبب ہوتا ہے ساہیہ! یہ الگ بات ہے کہ ہم وہ بات سمجھ پائیں یا نہیں۔ بعض اوقات نہیں سمجھ پاتے تو خود کو الزام دیتے ہیں۔ روتے ہیں، پیٹتے ہیں مگر اس سے صورتِ حال بدل نہیں جاتی۔ بعض دفع سمجھ لیتے ہیں تو صبر کر لیتے ہیں مگر ایک بات طے ہے، ہمیں کسی بات پر اختیار نہیں ہے۔ بہت سی چیزوں کو ہم ہونے سے نہیں روک پاتے۔ چاہتے ہوئے بھی نہیں اور بہت سی چیزوں کے ہونے کی خواہشوں میں آسیں باندھتے پھرتے ہیں اور کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے ساہیہ؟'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ بے بسی سے چور تھا۔

''میں جانتی ہوں اذہان! ایسا ہوتا ہے اور ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم تنہا نہیں ہو، نہ میں تنہا ہوں۔ ہم میں سے ہر کوئی خواب دیکھتا ہے، ہر کوئی پانا بھی چاہتا ہے مگر سب کے لیے سب کچھ حاصل کر لینا ممکن نہیں ہوتا۔ تم نے ٹھیک کہا۔ بہت کچھ ایسا زندگی میں ہوتا ہے جو ہم نہیں چاہتے۔ اور بہت کچھ وہ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں۔ جب بہت سی تبدیلیاں ہماری مرضی کے بغیر ہماری زندگی میں آسکتی ہیں تو پھر کچھ تبدیلیاں ہماری اپنی مرضی سے کیوں نہیں، جب قسمت کے اچھے یا برے کو ہم تبدیل کر سکتے ہیں، قبول کرتے ہیں تو پھر اپنے اچھے یا برے فیصلوں کو کیوں نہیں؟'' ساہیہ رُکی تھی مگر اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔

ایک بات کہوں اذہان!...... میں اس لمحے شاید لکی ہوں۔ میرے ساتھ وہ ہونے جا رہا ہے جس کی میں نے خواہش کی تھی''۔ وہ سر جھکائے جوس کی گلاس پر نظریں جمائے، مجرمانہ انداز میں اس گھڑی یوں گویا تھی جیسے اس نے کوئی عظیم گناہ کر دیا ہو۔ اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ چونکا قطعاً نہیں تھا۔ وہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''تم سوچ رہے ہو گے میں یہ سب تمہیں کیسے بتا رہی ہوں؟ اذہان! تم میرے سب سے اچھے دوست ہو اور دوست سے کبھی کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ جیسے تم مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپاتے''۔

''تو تم اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لیے تیار ہو؟'' اذہان نے اس کے موڈ کے خیال سے شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ غالباً وہ اس لمحے کی کثافت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تمہیں آزاد چھوڑ دینا چاہتی تھی مگر اب سوچتی ہوں، یہ مناسب نہیں ہوگا۔ وقت اگر مجھے فائدہ دے رہا ہے تو مجھے فائدہ لینا چاہیے۔ سو وقتی طور پر تمہیں اپنے پلو سے باندھ رہی ہوں مگر تمہیں اجازت ہے، جب دل چاہے خود کو میرے پلو سے کھول کر آزاد کر لینا''۔

وہ مسکرائی تھی۔

اذہان بھی مسکرادیا تھا۔

''یہ بھی صرف اس لیے کررہی ہوں کہ تم کسی اور ہاتھ میں نہ پہنچ جاؤ جو تمہیں بعد میں آزاد بھی نہ کر سکے۔اب ہر کوئی ساہیہ جیسا تو نہیں ہوسکتا نا''۔

''ہاں واقعی''۔وہ مسکرایا تھا۔''ٹھیک کہا تم نے......اب ہر کوئی ساہیہ جیسا تو نہیں ہوسکتا نا۔میری ساہیہ جیسی بے وقوف تو دُنیا میں ایک ہی آئی ہے''۔وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرایا تھا۔ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔وہ بنا نوٹس لیے اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرادیا تھا۔

''تو تم نے طے کرلیا ہے،بعد میں جو بھی ہوگا،تم اسے قبول کروگی یعنی میں زندگی کی کوئی بھی نئی راہ آرام سے اختیار کرسکتا ہوں،ٹھیک؟''

''ٹھیک''۔ساہیہ مسکرائی تھی۔

''اور تم برا نہیں مانو گی؟''سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''بالکل بھی نہیں''۔ساہیہ مسکرائی تھی۔

''کوئی واویلا بھی نہیں کروگی؟''

''اوں وں''۔ساہیہ نے یقین دلانے کو مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

''ہاؤ سویٹ......تم ایک مرد کو اتنی نرمی دینے والی دنیا کی پہلی لڑکی ہوگی ساہیہ!......بائے گاڈ،دنیا میں کوئی اور لڑکی واقعی ایسا نہیں کر سکے گی۔آئی ایم امپریسڈ۔آئی ایم ریئلی ویری امپریسڈ۔اب بتاؤ تمہیں میں کس میوزیم میں اُٹھا کر رکھ آؤں؟''

''میوزیم کیوں؟''ساہیہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ جیسی چیزیں جو بہت نایاب ہوتی ہیں نا،انہیں ہمارے یہاں میوزیم نامی ایک جگہ بنا کر وہاں رکھا جاتا ہے۔اس لیے پوچھنا ضروری خیال کیا،آپ کو کس میوزیم میں رکھواؤں؟''مسکراتے ہوئے طنز ہوا تھا۔

''تم مجھے عجوبہ کہہ رہے ہو؟''ساہیہ مسکرائی تھی۔بِنا برا مانے۔

''کہہ رہا ہوں؟میں واقعی سمجھ رہا ہوں۔ایک ونڈر کو اگر میں ونڈر نہیں کہوں گا تو مجھے خود اپنے آپ پر،اپنی دماغی کیفیت پر حیرت کرنا پڑے گی''۔

''اذہان! اِٹس ٹو مچ ہاں؟'' وہ اپنے دفاع میں مسکراتے ہوئے اسے گھورنے لگی تھی۔''ویسے مادام تساؤ کا میوزیم اچھا ہے......وہاں موم سے بنے مجسمے رکھے جاتے ہیں اور میں آل ریڈی موم سے بنی ہوں''۔شگفتگی سے مسکراتے ہوئے وہ کہیں سے بھی کچھ دیر قبل والی ساہیہ نہیں لگ رہی تھی جو نقاہت اور کمزوری کے باعث بے ہوش ہوگئی تھی۔شاید وہ لڑکی بہت بہادر تھی۔یا پھر اس موم کی لڑکی کا

دل واقعی بہت بڑا تھا۔اذہان اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا اور وہ اپنے ازلی شگفتہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''فارحہ آنٹی بتا رہی تھیں تم نے انگیج منٹ رِنگ بدلوا دی۔ کنجوس، ایک ہی بار تو انگیج منٹ ہونا تھی، روز روز تو نہیں۔ کتنا ننھا سا دل ہے تمہارا۔ تم مردوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا''۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......میں نے رِنگ چینج ضرور کی ہے مگر اس رِنگ سے زیادہ مہنگی منتخب کی ہے۔ وہ رِنگ چھوٹی تھی ساہیہ! تم ویٹ پٹ آن کرنا بند کرو گی تو اور بھی مشکلات ہوں گی''۔ شرارت سے چھیڑا تھا۔

''واہ......کیا جواز تلاشا ہے۔ یعنی آج رِنگ بدلی، کل مجھے ہی بدل دو گے۔ میں نے کہا تھا نا، تم مردوں کا کچھ اعتبار نہیں''۔ اس کے الزام کے باوجود اذہان مسکرا دیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ اس کے ہاتھ کی اُنگلی میں انگیج منٹ رِنگ پہنا رہا تھا تو وہ مسکرا دی تھی۔

''تم نے اچھا کیا......وہ رِنگ میری اُنگلی میں فکس نہیں تھی۔ اِٹس مور کمفرٹیبل اینڈ بیوٹی فل''۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنا مسکرا رہی تھی۔ اتنا بول رہی تھی جیسے وہ کسی سناٹے کا گلا گھونٹنا چاہتی تھی یا پھر وہ خوش تھی۔

اذہان نے سب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''تم میرے لیے دُنیا میں سب سے زیادہ اہم ہو ساہیہ!''

مختصر سا جملہ اس کی سماعتوں کو سونپ کر وہ رسمی طور پر تقریب میں مدعو مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔ ساہیہ کئی لمحوں تک اس جملے کے حصار سے باہر نہیں آ سکی تھی۔

☆......☆......☆

مائی اماں نے اسے سونے کی تاکید کی تھی مگر وہ ان کی ہدایت پر عمل نہ کرتے ہوئے باہر آ گئی تھی۔ کچھ دیر تک سیڑھیوں پر خالی دماغ کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ پھر یک دم رات کا خیال آیا تھا۔ تمام واقعات یاد آئے تھے۔ وہ نحیف تھکا ماندہ چہرہ نظر آیا تھا اور وہ فوراً اُٹھ کر اندر کی طرف چل دی تھی۔ دروازے کے باہر رُک کر اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میرب نے اندر جھانکا تھا۔

وہ خاتون بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ دستک دیئے بغیر اس کمرے میں داخل ہرگز نہیں ہوتی مگر وہ رات جس طرح کی حالت میں انہیں دیکھ چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت بھی یقیناً اچھی حالت میں نہیں ہوں گی۔

اور اب کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے دیکھ بھی لیا تھا۔ وہ بِنا تخاطب کے، بِنا پکارے ان کی طرف بڑھی تھی اور ہاتھ سے ان کے چہرے پر سے بال ہٹاتے ہوئے انہیں سیدھا کیا تھا۔ خاتون غالباً نیند میں تھیں۔ اس کی اس حرکت پر بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہیں آپ؟'' بنا کسی تخاطب کے میرب نے پوچھا تھا۔خاتون نے سر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''رات دوبارہ تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو؟'' میرب مسکراتے ہوئے نرمی سے یوں گویا تھی جیسے اس چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔اس خاتون نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تھی مگر نقاہت اور کمزوری کے باعث ایسا آسان نہیں لگا تھا۔میرب نے بروقت ان کی مدد کی تھی اور انہیں بٹھا کر ان کے پیچھے تکیے لگا دیئے تھے۔پہلے سوال کا جواب نہیں آیا تھا اور وہ دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

''ناشتہ تو یقیناً نہیں کیا ہوگا آپ نے۔میں کسی سے کہتی ہوں''۔وہ پلٹنے کو تھی جب خاتون کی آواز نے اسے روک دیا تھا۔

''نہیں......فی الحال کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں۔جب ضرورت ہوگی میں کہہ دوں گی''۔

میرب نے پلٹ کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اور چلتی ہوئی ان کے قریب آن رُکی تھی۔

''موڈ کبھی بھی بنتا نہیں ہے، بنانا پڑتا ہے اور کھانے کے لیے تو یوں بھی موڈ سے زیادہ بھوک کی ضرورت ہوتی ہے''۔وہ اپنائیت سے مسکرائی تھی۔

وہ خاتون بھی مسکرا دی تھیں۔

''وہی تو کہہ رہی ہوں......مجھے ابھی بھوک نہیں ہے''۔خاتون نے اسے نرمی سے دیکھا تھا۔

''بھوک نہیں بھی ہے تو آپ کو کچھ کھانا ضرور چاہیئے''۔میرب نے پلٹ کر دروازہ کھولا تھا اور نوکر کو آواز دے کر بلا کر ان خاتون کے لیے ناشتے کا کہا تھا اور پلٹ کر دوبارہ ان کی طرف آئی تھی۔

''آپ فریش ہو سکتی ہیں یا میں آپ کی مدد کروں؟''

اس کی پیشکش پر خاتون نے بنا چونکے اس کی طرف دیکھا تھا۔نظر بھرپور جائزہ لیتی تھی۔

''تم گین کی دُلہن ہو؟'' خاتون نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''ہاں''۔میرب نے یوں اقرار کیا تھا جیسے کوئی جرم قبول کیا ہو۔

خاتون نے اس کو بغور دیکھا تھا اور نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''مجھے اندازہ تھا''۔

''کس بات کا؟'' میرب چونکی تھی۔

''گین کی دُلہن اتنی ہی خوب صورت ہو سکتی تھی''۔وہ اپنے قیاس کے سچ ہونے پر جیسے مطمئن تھیں۔میرب فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

''گین کی زندگی کا حصہ بنی ہو۔بہت لکی ہو تم۔بہت نفیس چیزوں کو جگہ دیتا ہے وہ زندگی میں......ناپسندیدہ چیزوں کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کی اس کی عادت نہیں۔بہت شفاف قسم کا بندہ ہے......بہت صاف ستھری نیچر ہے اس کی۔وہ پیدائشی بلند نظر ہے۔وہ دنیا میں

آیا ہی صرف اس لیے ہے کہ نئی نئی سمتوں کو ڈس کور کرے۔ نئے نئے تجربات حاصل کرنا اس کا خاصا ہے۔ اگر کبھی کہیں کسی جدت کا آغاز ہو تو سمجھ لینا، وہ گین کی دماغی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہوگی۔ وہ نئی جہتوں کا بندہ ہے...... نئی نئی ایجادات اس کا خاصا ہیں۔ جیسے اس نے تمہیں ڈس کور کیا ہے۔ تم نے شاید کچھ غور سے اب تک نہیں دیکھا۔ تم اس کا پرفیکٹ میچ ہو۔ لگتا ہے ساری دُنیا ڈھونڈ کر نکالا ہے اس نے تمہیں اپنے لیے"۔ وہ خاتون مسکراتے ہوئے یوں کہہ رہی تھیں جیسے وہ میرب کو بہت اچھی طرح سے اور ایک عرصے سے جانتی ہوں۔ اور جانتی تو وہ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی تھیں۔ کتنی وضاحت سے اس شخص کا ذکر کر رہی تھیں۔

میرب سیال چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"گین کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں آپ؟" اس کا انداز سوال سے زیادہ حیرت لیے ہوئے تھا۔ ان خاتون نے بلاتردد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تم نہیں جانتی اسے؟" ان خاتون نے اُلٹا اس پر سوال داغ دیا تھا جس میں حیرت ہی حیرت تھی۔ میرب کو اس طرح کے سوال کی اُمید نہیں تھی۔ سو جہاں وہ اس سوال پر بھونچکی رہ گئی تھی، وہیں اِک احساس بھی ہوا تھا کہ وہ درحقیقت اس کے (اس شخص) کے کتنے قریب ہے۔ ایک "تیسری سمت" سے آنے والے سوال کی وضاحت وہ برملا نہیں دے پائی تھی۔ سو کیا "حقیقت" تھی اس کے "تعلق" کی اور کوئی "حقیقت" تھی بھی یا کہ نہیں۔

"لگتا ہے تم ابھی گین کو اتنی اچھی طرح سے نہیں سمجھ پائی ہو"۔ خاتون نے اپنی بلوریں آنکھوں سے بغور اسے دیکھتے ہوئے اخذ کیا تھا۔ انداز میں حیرت سے زیادہ غالباً افسوس تھا۔ غالباً میرب کی بے وقوفی کا احساس انہیں ہوا تھا تبھی ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

"گین بہت اچھا ہے۔ بہت ہی نرم اور اچھے دل کا مالک۔ وہ میری دانست میں اس دنیا کا خوب صورت ترین دل رکھنے والا شخص ہے۔ اسے سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بس ایک اچھا دل ہونا شرط ہے۔ لگتا ہے تم نے زیادہ وقت نہیں گزارا اس کے ساتھ۔ پھر تم دونوں کے بیچ محبت کیسے ہوئی؟"

"محبت؟" میرب سیال چونکی تھی۔ حیرت کا مقام تھا اس کے لیے۔ محبت ان دونوں کے بیچ کہاں تھی؟ یقیناً ان خاتون کا قیاس اس معاملے میں غلط تھا۔ یہ کوئی بھی گین کی لگتی تھیں، اسے بہت زیادہ تو جانتی ہی تھیں، اسے حد سے زیادہ رعایت دینے کی بھی قائل نظر آ رہی تھیں مگر شاید گین کو اس طور جان نہیں پائی تھیں جس طور اس نے جانا اور سمجھا تھا۔ غالباً وہ اسے کسی اور رشتے کے رُخ سے دیکھ رہی تھیں۔ تعلق اور اپنے پن کے اس زاویے سے جہاں سردار سبکتگین حیدر لغاری صرف اچھا اور صرف اچھا ہی لگ رہا تھا۔ جس رشتے سے اس نے اسے دیکھا تھا، برتا تھا، اس تعلق کی کسوٹی پر وہ یقیناً اس طور پورا نہیں اُترا تھا مگر وہ ان خاتون کو بروقت جھٹلا نہیں سکتی تھی مگر وہ جس طرح حیرت سے اب تک انہیں دیکھ رہی تھی، اس بات نے اس نحیف چہرے کو ایک بار پھر مسکرانے پر مجبور ضرور کر دیا تھا۔ اپنی بجھی بجھی آنکھوں کو

اس کے روشن چہرے پر ٹکاتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

"کیوں...... محبت نہیں کرتی ہو تم اس سے؟...... اگر تم نہیں کرتی ہو تو وہ تو ضرور کرتا ہوگا تم سے۔ تبھی تو تمہیں اس ساری دُنیا میں سے چن لیا۔ محبت اور نفرت کے معاملے میں بہت کھرا ہے وہ۔ اس کی زندگی میں صرف وہی چیزیں ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے...... جو اسے پسند نہیں اس کے لیے اس کی زندگی میں بھی کوئی جگہ نہیں۔ ایسی فضول چیزوں کو "ٹریش" کرنے میں دیر نہیں کرتا وہ۔ تمہیں دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ تم اس کی زندگی میں اہم نہیں ہو۔ کیا اس نے تمہیں کبھی بتایا نہیں کہ وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے؟" سوال دلچسپ ضرور تھا مگر میرب کا چہرہ اس گھڑی اتنا ہونق تھا کہ اس سوال سے محظوظ بھی نہیں ہو سکی تھی۔

"تم اس قدر حیران کیوں ہو؟...... کیا کبھی پوچھا نہیں تم نے اس سے؟" زیادہ نہیں مگر محبت تو ضرور ہوگی اسے تم سے۔ کیا تم اس بات سے ناواقف ہو؟...... عورت تو محبت کے حوالوں کو بنا بتائے پہچانتی ہے۔ کیا اس کی آنکھوں میں تمہیں کبھی رنگ دکھائی نہیں دیئے؟ مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے۔ گین جیسا فیئر اپروچ والا بندہ دل کی دل میں دبانے کا قائل ہرگز نہیں ہے۔ نفرت ہو یا محبت، وہ برملا اس کا اظہار کر دیتا ہے۔ پھر اس نے تمہیں اب تک کچھ کیوں نہیں بتایا؟ اس کے تو رویے بھی اس کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ کب خوش ہے، کب ناخوش، کون سی بات اچھی لگ رہی ہے، کون سی بری...... بہت چھوٹے چھوٹے زاویوں سے بھی دیکھو تو وہ کھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حیرت ہے، تم نے اب تک اسے غور سے نہیں دیکھا؟"

"ہماری لو میرج نہیں ہے"۔ میرب سیال نے بول کر ان کے سارے تاثر کو اور اب تک کی گفتگو کو زائل کرنا چاہا تھا مگر وہ خاتون اس کا چہرہ ہاتھ میں لیتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

"محبت کیا صرف شادی سے پہلے ہی ہوتی ہے؟" ان خاتون کا سوال اسے چاروں شانے چت کر گیا تھا۔ وہ جو بہت پُر اعتماد انداز میں دور کی کوڑی لائی تھی، اب حیرت سے سوا انداز میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ خاتون جیسے اس کی بے وقوفی کو جانتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"محبت دکھائی دینے والی شے نہیں ہے...... پوشیدہ رازوں میں دبی بہت راز کی بات ہے۔ محبت...... کان، کان سے نہ کہے...... زبان بولے یا نہ بولے، اسے فرق نہیں پڑتا۔ محبت ایسی ہی چپ میں بولتی ہے۔ کبھی سننا ہو تو چاروں طرف سے اپنی آنکھیں بھی بند کر لو اور کان بھی اور صرف دل کی دھڑکنوں کو غور سے سنو۔ یہ تمہیں سنائی بھی دے گی اور دکھائی بھی...... تب تم اسے ہاتھ بڑھا کر چھو بھی سکو گی اور محسوس بھی کر سکو گی۔ محبت ایسی ہی انوکھی، عجیب کتھا ہے...... کبھی سمجھ میں آ جاتی ہے، کبھی بالکل نہیں آتی۔ مگر تم اس معاملے میں پھر بھی لکی ہو۔ تم اس کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ ہے۔ یو مسٹ بی اے لکی گرل"۔ پتہ نہیں وہ اس سے ایسی باتیں کیوں کر رہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی اور میرب سیال جو ساکت سی کھڑی تھی اس کے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا، نوکران خاتون کے لیے ناشتہ لے آیا تھا۔

"آپ کا ناشتہ آ گیا...... آپ اب تک فریش نہیں ہوئیں"۔ کھوئے کھوئے سے لہجے میں وہ بولی تھی اور خاتون مسکرادی تھیں۔

"شاید کچھ غلط کہا میں نے۔ سبکتگین حیدر لغاری مسٹ بی اے لکی پرسن۔ تم اس کے ساتھ ہو...... اس کی زندگی میں ہو۔ یوں تو کوئی خلا اس کی زندگی میں نہیں تھا لیکن اگر ایسا کچھ تھا بھی تو تم اس کمی کو پورا کر چکی ہو"۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ تھپتھپا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

میرب نے اپنے پتھر سے وجود کو بہ مشکل حرکت دے کر ملازم کی طرف دیکھا تھا۔

"تم اس بریک فاسٹ کو وہاں ٹیبل پر لگا دو اور بی بی سے پوچھ لینا، انہیں کسی اور شے کی ضرورت تو نہیں"۔ میرب سیال کے لیے وہاں مزید ٹھہرنا محال ہو رہا تھا۔ وہ کہہ کر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ سینے سے اس رات کا بوجھ ہٹانے گئی تھی۔ اک اسرار، ایک بھید کو جاننے گئی تھی۔ مگر ایک مزید بھید میں اُلجھ کر رہ گئی تھی۔ اُسے یہ تو ہرگز پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ کون تھی مگر اس گفتگو نے اسے پتھر ضرور کر دیا تھا۔ دل پہلے ہی کچھ کم "عذاب" میں مبتلا نہ تھا۔ اب حالت حد سے سوا ہو گئی تھی اور اس تشویش ناک کیفیت میں وہ تنہا اپنے دل کے ساتھ اس کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

کیا تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری؟

در حقیقت کیا تھا وہ؟...... کیوں سب اسے صرف اس زاویے سے دیکھتے تھے جہاں سے وہ صرف اور صرف "مہان" دکھائی دیتا تھا۔ اس زاویے سے سب اسے یوں نہیں دیکھتے تھے جہاں کھڑی وہ اسے دیکھ رہی تھی؟

وہ اس "سمت" میں کھڑی "واحد فرد" کیوں تھی؟

وہ سب رائٹ سمت پر تھے یا وہ ہی غلط سمت پر کھڑی تھی؟ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے مزید اُلجھتی چلی گئی تھی۔

"اپنے دہی کو کھٹا کوئی نہیں کہتا"۔ مثل مشہور تھی تو کچھ سچائی بھی تو ضرور تھی۔ مائی اس کی اپنی تھیں، وہ خاتون بھی کوئی قریبی رشتے دار تھیں، پھر انہیں اس میں کوئی عیب کیسے دکھائی دے سکتا تھا؟

وہ غلط سمت پر نہیں، درست سمت پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور یہاں سے جو اسے دکھائی دے رہا تھا وہ اصل "منظر نامہ" تھا۔ یہی اصل سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

فون خاصی دیر سے بج رہا تھا۔ میرب نے سیل اُٹھا کر اسکرین پر نمبر دیکھا تھا اور پھر سیل سوئچ آف کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

"آٹھ بج گئے...... عفنان تمہیں لینے نہیں آیا؟" ماہ وش نے فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔ مگر انابیہ جواباً کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"کیا ہوا؟...... خیریت؟ کہیں تم دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟" ماہ وش بخاری نے فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ انابیہ نے فوری طور پر صحیح جواب دینا ضروری خیال کیا تھا۔

''تو پھر فون کرواسے، بلاؤ۔ اتنا وقت ہو گیا ہے، آیا کیوں نہیں وہ اب تک؟''

ماہ وش کی تشویش عروج پر تھی۔ انابیہ حالات معمول پر ظاہر کرنے کو بامشکل مسکرائی تھی۔

''ممی! کیا اب میں بوجھ بن گئی ہوں آپ پر؟ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ صبح وہ مجھے خود چھوڑ کر گئے تھے۔ اتنی فکر مندی کی بات کیا ہے؟'' اس نے اپنی دانست میں انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا مگر ماہ وش بخاری پہلے سے زیادہ تشویش سے بیٹی کو دیکھنے لگی تھیں۔

''انابیہ! بیٹا زندگی کے لیے اتنا کیئر لیس رویہ اچھا نہیں ہوتا۔ تمہیں سمجھنا چاہیے۔ رشتوں سے اتنی لاتعلقی اچھی نہیں ہوتی''۔ ممی نے دباؤ ڈالا تھا۔ انابیہ مجبوراً اُٹھ کر فون کی طرف آئی تھی۔ تبھی چونک پڑی تھی۔ سامنے وہ اوزان سید کے ساتھ آتا دکھائی دیا تھا۔ انابیہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اسے خود بھی اُمید نہیں تھی کہ آج وہ آئے گا۔ صبح جو کچھ اس نے کہا تھا، اس کے بعد کیا جواز باقی بچتا تھا اس کی یہاں آمد کا؟ کیا وہ بھی رکھ رکھاؤ کا اتنا قائل تھا کہ ''رسم'' نبھانے آ گیا تھا؟...... انابیہ بدستور ریسیور ہاتھ میں لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ قریب آتا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کیا ہوا؟...... اتنی پریشانی کس لیے؟...... کیا میری فکر ستا رہی تھی؟'' وہ اپنائیت سے اس طرح گویا ہوا تھا جیسے ان کے درمیان کچھ عجب ہوا ہی نہ ہوا۔ انابیہ کی آنکھوں میں واضح حیرت دکھائی دی تھی۔

''تم نے اپنا سیل سوئچ آف کیوں کر رکھا تھا؟...... میں کب سے ٹرائی کر رہا تھا۔ لینڈ لائن ڈیڈ ہے غالباً؟'' اسے کہہ کر وہ ماہ وش کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''السلام علیکم ممی! کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ ابھی میں یہی کہہ رہی تھی انابیہ سے کہ تمہیں فون کرے''۔

''جی بس، وہ ایک میٹنگ میں پھنس گیا تھا۔ انابیہ! آر یو ریڈی، چلیں؟'' عفنان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ اب اتنی بچی بھی نہیں تھی کہ اس کے حفظ ماتقدم کے تحت کیے گئے اقدام کو سمجھ نہ پاتی۔ وہ یقیناً سمجھ چکی تھی۔ اس کی یہ توجہ، یہ لگاوٹ اس کے لیے ضروری تھے۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں''۔ اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ یہ کیسی جگہ لا کھڑا کیا تھا وقت نے اسے؟ ہر شے اختیار سے باہر اور اپنا آپ ایک بے بسی میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ عفنان علی خان کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ تھی تو وہ گویا ہوا تھا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا انابیہ! جب سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے تو پھر تمہیں سب اچھا کیوں نہیں لگ رہا؟ یہی سب تو چاہتی تھیں تم۔ پھر اب کیا ہوا ہے؟''

''کیوں...... کیا ہوا ہے؟'' وہ جواباً سوالیہ انداز میں پوچھتی ہوئی دریافت کرنے لگی تھی۔

''کیا کروں میں ایسا آپ کے لیے کہ آپ کو لگے کہ بہت خوش ہوں۔ آپ کو در حقیقت کیا جاننے کا اشتیاق ہے؟'' انابیہ شاہ نے اپنے اندر کا غبار اپنے اندر دبائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان نے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے ایک نگاہِ خاص سے دیکھا تھا۔

''یعنی تم خوش نہیں ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے گویا اس کے غصے کو ہوا دینا چاہتا تھا۔ غالباً وہ انابیہ شاہ کا شدید ترین ''ری ایکشن'' دیکھنے کا متمنی تھا جو اَب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خود کو بہت سے خول میں چھپا کر رکھنے کی قائل تھی اور اب تک کے ''اقدامات'' سے کوئی ایک خول بھی نہیں چٹخا تھا۔ بدستور وہ اپنے حصار میں قید دکھائی دے رہی تھی۔

''خوش نظر آنے کی تشریح آپ کے یہاں کیا ہے؟ کیا مجھے ڈنٹونک کا اشتہار بن جانا چاہیے؟'' بہت کھردرے انداز میں اس نے وضاحت چاہی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا مگر غالباً اس جواب نے اسے کسی حد تک محظوظ ضرور کیا تھا۔

''خوشی کا بہترین اظہار خوش نظر آنا ہی ہے اور خوش نظر آنے کے لیے مسکرانا ضروری ہے''۔

''میں صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے مسکرا نہیں سکتی کہ میں آپ کو خوش نظر آؤں''۔ انابیہ نے اس کی مخالفت کھلے عام کی تھی۔

''یعنی تم واقعی خوش ہو؟''

''آپ مجھے خوش دیکھنے پر اتنا بضد کیوں ہیں؟...... آپ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کر کیوں نہیں لیتے؟ آپ بدستور اپنی ہر بات کا سرا مجھ سے جوڑے کیوں بیٹھے ہیں؟'' وہ جل کر بولی تھی۔ عفنان علی خان اس کے تلخ ترین لہجے کے باوجود مسکرا دیا تھا۔

''کیا کروں؟...... یو آر مائی وائف۔ تم ایک سرے کی بات کرتی ہو۔ یہاں تو پوری کی پوری زندگی تم سے جڑی ہوئی ہے''۔ اس کی طرف دیکھے بغیر باور کرایا تھا۔ پتہ نہیں وہ افسوس کر رہا تھا یا کوئی طنز اس کے لہجے میں تھا۔ گھر کے پورچ میں گاڑی رُکی تھی اور انابیہ کچھ بھی کہے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فاطمہ اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

''انابیہ بیٹا! آ گئیں تم؟'' اسے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے دیکھا تھا۔

انابیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تبھی عفنان چلتا ہوا پیچھے آن رُکا تھا۔

''بہت بھوک لگی ہے ماما! کھانا لگوا دیجئے''۔

''تم دونوں فریش ہو کر آ جاؤ، میں ٹیبل لگواتی ہوں''۔ فاطمہ نے بیٹے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''نہیں...... مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ صرف ان کے لیے کھانا لگوا دیجئے''۔ انابیہ کا لہجہ بہت سرد تھا۔ فاطمہ صبح کی کیفیت دیکھ چکی تھیں تبھی مصالحت سے مسکرا رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر تم سونے سے پہلے دودھ ضرور لے لینا۔ اب کیسی طبیعت ہے دادا ابا کی؟'' نرم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہیں''۔

''ماہ وش سے فون پر بات ہوئی تھی میری......دادا ابا سے بھی۔ مجھے آج جانا بھی تھا مگر پھر عروشہ کی طرف سے فون آ گیا، اس لیے جا نہیں پائی لیکن کل ضرور جاؤں گی''۔ فاطمہ معذرت دیتے ہوئے بولی تھیں۔ انابیہ کے لیے وہاں ٹھہرنا محال تھا۔ اس لیے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اب اپنے کمرے میں جاؤں میں؟'' انداز بے حد سرد تھا۔ فاطمہ بچی تو نہیں تھی کہ اصل بات نہ سمجھتیں۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان عجب چل رہا ہے۔ کیا؟ یہ یقیناً وہ نہیں جانتی تھیں مگر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو نرمی سے تھپتھپایا تھا۔

''شیور بیٹا!......تم تھک گئی ہو گی۔ آرام کرو''۔

انابیہ بنا کوئی دوسری بات کیے تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فاطمہ نے قدر فاصلے پر رُک کے انابیہ کی پشت کی طرف بغور تکتے عفنان کی طرف دیکھتے ہوئے پیش قدمی کی تھی۔

''کیا چل رہا ہے یہ سب؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں؟ یا تم لوگ بڑوں کو اپنے معاملات میں شامل کرنا ضروری خیال نہیں کرتے؟'' فاطمہ کے دریافت کرنے پر وہ کچھ کھسیا سا گیا تھا۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ماما؟......آپ کو حق ہے، آپ کچھ بھی پوچھ سکتی ہیں''۔

''پوچھ تو رہی ہوں۔ پھر بتا کیوں نہیں رہے، یہ کیا ہو رہا ہے؟ صبح جس طرح وہ گھر سے روتے ہوئے نکلی اور اب......عفنان! میں ماں ہوں، چہرے دیکھ کر اندر کے احوال پڑھ سکتی ہوں۔ تم لوگ اگر اپنے معاملات خود بہتر طور پر نمٹا سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مگر بات کو تماشا تو مت بناؤ۔ اس کا چہرہ دیکھ رہے ہو تم۔ یہ کیسی محبت ہے تمہاری اس سے؟ اسے تکلیف دے کر تم کون سا سکھ ڈھونڈتے ہو؟......کیا اسی لیے لائے تھے تم اسے اپنی زندگی میں؟ اس گھر میں؟'' فاطمہ کا لہجہ سخت تھا۔

''آئی ایم سوری ماما!''

''یہ سوری تمہیں مجھ سے نہیں، انابیہ سے کرنا چاہیے''۔

''اس سے نہیں کر سکتا''۔ وہ چہرہ پھیرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

فاطمہ اس کے جواب پر حیران رہ گئی تھیں۔

''اگر تم نے غلطی کی ہے عفنان! تو تمہیں سوری بھی کرنا ہو گی۔ مجھے شرمندہ مت کرو۔ میں نے تمہیں زندگی کے لیے کبھی غلط سبق نہیں پڑھایا۔ اپنی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کرنا سکھایا ہے میں نے تمہیں۔ اپنی غلطی کو قبول کرنا سکھایا ہے ہمیشہ''۔

''میں قبول کرتا ہوں ماما! تبھی تو اسے سدھار بھی رہا ہوں''۔ عفنان کا جواب نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔ ان کے حیرت سے دیکھنے پر وہ دباؤ دیتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''سدھارنے کی ہی تو کوشش کر رہا ہوں۔ غلطی ہوئی مجھ سے۔ مگر اب کوئی مزید غلطی نہیں کروں گا''۔ دوٹوک لہجے میں کہہ کر وہ زینہ چڑھ گیا تھا۔ فاطمہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

عفنان علی خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ انابیہ چونکی نہیں تھی، جس طرح ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی چوڑیاں اُتاری رہی تھی، اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے دروازہ بند کر کے اسے بغور دیکھا تھا اور پھر اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ اس کے پیچھے رُک کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا رُخ اپنی طرف موڑا تھا۔ انداز کچھ مختلف تھا۔

انابیہ نے اس کی طرف چونکتے ہوئے کچھ حیرت سے دیکھا تھا مگر عفنان نے بنا کچھ کہے کوٹ اُتار کر بیڈ پر اُچھالا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر دھری تھیں اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ کی طرف لے آیا تھا۔

انابیہ شاہ کے لیے اس کی یہ کیفیت، یہ حرکت عجب تھی۔ وہ حیرت میں مبتلا ہوئی تھی۔ دماغ میں خطرے کی کوئی گھنٹی بجی تھی...... اس سے قبل کہ وہ کچھ سوچتی، عفنان نے اسے بیڈ پر گرا کر ہاتھ بڑھا کر بتی بجھا دی تھی۔

☆......☆......☆

ردار سبکتگین حیدر لغاری دن بھر خاصا مصروف رہا تھا مگر جیسے ہی فراغت کے چند لمحے ہاتھ آئے تھے، ہاتھوں نے بے اختیار جانے کیوں اس کا نمبر گھما ڈالا تھا۔

''مائی کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے''۔ اس کی طرف سے کچھ بھی پوچھے جانے سے قبل وہ مستعدی سے بولی تھی۔

''گڈ......ڈاکٹر نے کیا کہا اب؟'' انداز تسلی بخش تھا۔

''شام کو دیکھ کر گئے تھے۔ انہوں نے بھی کچھ ایسی پریشانی والی بات نہیں بتائی''۔ میرب سیال اس کے تمام سوال غالباً پہلے ہی سے جانتی تھی۔ سو بنا اس کے دریافت کیے مزید گویا ہوئی تھی۔

''ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے بی پی چیک کیا تھا۔ نارمل تھا۔ بخار بھی اب نہیں ہے......بس تھوڑی نقاہت باقی ہے۔ اگلے چند دنوں میں وہ بھی نہیں رہے گی''۔

''گڈ......یعنی تم مائی اماں کا بہت اچھا خیال رکھ رہی ہو''۔ وہ متاثر ہوتا ہوا گویا ہوا تھا۔ ''دن بھر بہت مصروف رہا، دھیان تک نہ رہا۔ مائی اماں سے بھی بات نہ ہو سکی۔ مجھے اندازہ تھا وہ اس وقت سو رہی ہوں گی، تبھی انہیں ڈسٹرب کیے بغیر تمہارا نمبر ملا ڈالا۔ تم اب تک سوئی نہیں؟'' جانے کیوں وہ پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کے لہجے اور انداز پر غور کیے سر انکار میں یوں ہلایا تھا جیسے وہ اس کے مقابل بیٹھا ہو۔ پھر خود ہی اپنی حماقت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً بولی تھی۔

''نہیں...... مائی کی ہدایت پر دوپہر میں سو گئی تھی۔ سو اب نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ کب آ رہے ہیں؟'' مائی کے خیال سے اس نے مروتاً دریافت کیا تھا۔ لہجہ اور انداز دونوں سرسری تھے مگر دوسری طرف سے جو جواب آیا تھا وہ سرسری نہیں تھا۔

''کیوں؟......آر یو مِسنگ می؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اس لمحے کوئی لطیف سا مذاق ہی کر رہا تھا۔ انداز سے تو یہی ظاہر تھا۔ میرب سیال نے لمحہ بھر کو غور کرتے ہوئے اخذ کیا تھا مگر حیرت پھر بھی اتنی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ دوسری طرف سبکتگین حیدر لغاری دوبارہ گویا ہوا تھا۔

''سو یو ڈونٹ مس می؟'' شکوہ کرتا لہجہ تھا۔ غالباً وہ مسکرا رہا تھا۔

''نہیں''۔ میرب نے فوراً سے پیشتر اسے رد کیا تھا۔

''بٹ آئی ایم مِسنگ یُو''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب سیال ششدر سی رہ گئی تھی۔ غالباً وہ دوبارہ مذاق کر رہا تھا۔ سنجیدہ نہیں تھا۔

''جسٹ کڈنگ......رادر آئی جسٹ وانٹ ٹو ٹرائی چینج یور موڈ''۔ دوسرے ہی لمحے وضاحت آئی تھی اور وہ سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''تم مائی کا خیال رکھ رہی ہو۔ میں نے شاید تم سے ایسا ایکسپکٹ نہیں کیا تھا''۔ وہ اس کا معترف ہوتا ہوا صاف گوئی سے بولا تھا۔

''اپنے طور پر قیاس کرنے سے یہی ہوتا ہے کیونکہ قیاس ہمیشہ سچ نہیں ہوتے''۔ میرب نے اسے باور کرایا تھا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ میرب سیال کو حیرت ہوئی تھی۔ خلافِ معمول اس کا انداز بھی نرم تھا۔ گویا وہ واقعی اس کا معترف ہو رہا تھا۔ احسان مند تھا۔ یہ رعایت تو اسی بات کو ظاہر کر رہی تھی۔

''کسی کے بارے میں قیاس واقعی نہیں کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے جیسا آپ سوچیں ویسا بالکل بھی نہ ہو اور جیسا آپ نہ سوچیں سب ویسا ویسا ہو''۔

کم لفظوں میں دوسری طرف سے ایک بڑی بات کہی گئی تھی۔ میرب جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔

''اینی ہاؤ، میں پھر فون کروں گا۔ تم مائی کی طرف سے غافل مت ہو جانا۔ ان کا بی پی بدلتے دیر نہیں لگتی۔ سو بی کیئرفل۔ ان کی میڈیسن کا مکمل دھیان رکھنا ہوگا''۔ وہ پھر ہدایت کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے......میں دیکھ لوں گی''۔

''رائٹ۔ بٹ ناؤ یو شُڈ ٹیک ریسٹ......شُڈ سلیپ......سویٹ ڈریمز......'' ایک ''ہدایتِ خاص'' کرتے ہوئے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا اور میرب حیرت سے فون ہاتھ میں پکڑے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تم صرف اپنے کام کو لے کر اتنے کنسرن کیوں ہو سبکتگین حیدر لغاری؟......جب میں نے کہا ہے خیال رکھوں گی تو رکھوں گی نا''۔ اس کے انداز پر اُلجھ کر وہ بولی تھی۔ پھر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر آ گئی تھی اور ایسا کر کے وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کسی ہدایت پر عمل پیرا ہرگز نہیں ہو رہی تھی۔ اسے اب واقعی نیند آ رہی تھی۔

ادھر سبکتگین حیدر لغاری نے فون رکھا تھا تبھی ثریا نگ نے اسے یاد کر لیا تھا۔

''ہیلو گی!......کیسی ہو تم؟''

''میں تو ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟ دن بھر تمہارے سیل پر ٹرائی کرتی رہی۔ کال پِک نہیں کی۔ کیا بہت مصروف رہے؟'' گی نے شکوہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں...... بہت مصروف رہا''۔ گاڑی ہوٹل کے سامنے رُکی تھی اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

''اس وقت یہاں دن کے چار بج رہے ہیں اور میں نے ابھی تک اپنا لنچ نہیں لیا ہے''۔

''اوہ...... اِٹس ناٹ اے گڈ سائن۔ بھوک کا نہ لگنا ایک سنگین بات کی طرف اشارہ کرتا ہے گین!'' گی نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔

''کون سی بات؟'' وہ چونکا تھا۔

''کتنے ڈفر ہو تم گین!...... تمہیں اتنا پتہ نہیں، بھوک کا احساس کب جاتا رہتا ہے۔ ویسے نیند کیسی آتی ہے تمہیں؟...... ڈھنگ سے سو پاتے ہو یا رات بھر جاگتے رہتے ہو؟'' گی ژیانگ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''اوہ شٹ اَپ گی!'' وہ اسے یکسر رد کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

''تمہاری بات ہوئی اس سے؟''

''اس سے کس سے؟...... آئی ایم ٹائرڈ گی!...... تم مجھے اس طرح پہیلیاں بجھواؤ گی تو میں تمہیں کوئی بھی جواب ڈھنگ سے نہیں دے پاؤں گا''۔ لفٹ میں داخل ہو کر مطلوبہ فلور کا نمبر دبایا تھا۔

''وہ تو اب بھی ڈھنگ سے قطعی نہیں دے رہے۔ میں میرب کی بات کر رہی تھی۔ اس سے بات ہوئی تمہاری؟''

''ہاں...... ابھی ابھی کچھ دیر پہلے ہوئی تھی۔ کیوں کیا ہوا؟ کیا تم اس پر بھی کوئی قیاس کرنے جا رہی ہو؟'' لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور وہ چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر کاٹ کھانے والا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''تم لنچ ضرور لو گین! یہ تمہارے لیے اچھا ہوگا''۔ گی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم میری فکر مت کرو گی!...... میں اپنی فکر کرنے کو خود آپ کافی ہوں''۔ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ شوز اُتار کر ایک طرف ڈالے تھے، ساکس ایک طرف۔ اوور کوٹ اُتار کر صوفے پر ڈالتے ہوئے وہ چلتا ہوا فریج کی طرف آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کر جوس کا کین نکالا تھا اور دوسرے ہاتھ سے کھول کر سپ لیتا ہوا کاؤچ کی طرف آ گیا تھا۔

''کاش تم اپنی فکر کچھ آپ کر سکتے۔ مگر ایسا نہیں ہے گین! تم مرد اتنے ایڈیٹ کیوں ہوتے ہو؟'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

''ایکسکیوز می''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھرپور احتجاج سے کہا تھا۔

''کیونکہ ایسا ہے۔ تم مرد بہت حد تک ڈفر ہوتے ہو۔ دوسروں کی فیلنگز سمجھنا تو دور کی بات تم خود اپنی فیلنگز بھی ڈھنگ سے سمجھ نہیں پاتے ہو۔ بات تم لوگوں کی سمجھ میں تب تک نہیں آتی جب تک صاف کھول کر واضح طور پر بتا نہ دی جائے''۔ گی نے بھرپور تجزیہ پیش کیا تھا۔

وہ جانے کیوں برا مانے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں یہ جان کر کتنا عجیب لگے گا گی ژیا نگ! کہ ہم مرد بھی تم خواتین کے بارے میں کچھ ایسا ہی قیاس کرتے ہیں''۔

''ہاں، جانتی ہوں میں۔ مگر تم پھر بھی یہ بات مان لو کہ تم لوگ عجیب پہاڑی بکرے جیسی خصوصیات اپنے اندر رکھتی ہو۔ جدھر سینگ سمائے اس طرف چلنا تو ایک طرف تم لوگ سینگ مارنے میں بھی بالکل اسی پر گئے ہو۔ بنا کسی کی سمجھے، بنا جانے، منواتے اپنی ہی ہو۔ چاہے کوئی کتنا بھی سچ کیوں نہ کہہ رہا ہو''۔ گی کا مشاہدہ کمال کا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

''تم ہنس رہے ہو گین؟...... آئی ایم ناٹ کڈنگ''۔ وہ باور کرا رہی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے ریموٹ اُٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھا تھا۔

''تم ہم مردوں کے بارے میں کیا کیا اول فول سوچتی ہو گی ژیا نگ! مجھے یہ جان کر حیرت ہو رہی ہے''۔

''تمہیں یہ جان کر حیرت ہو رہی ہے اور مجھے تمہیں جان کر کوئی حیرت نہیں ہو رہی۔ تم بہت وقت لے رہے ہو گین!''

''کس بات کے لیے؟'' وہ چونکا تھا۔

''بہت کچھ ماننے کے لیے گین!...... تمہیں یقیناً یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے''۔

''کیا؟'' وہ غالباً اب بھی نہ سمجھا تھا۔

''محبت اتنا دقیق اور پیچیدہ معاملہ تو نہیں گین! بڑی چھوٹی سی، مختصر سی بات ہے...... محبت ہے تو ہے، نہیں ہے تو نہیں ہے''۔ گی ژیا نگ نے بہت بڑی بات بہت چھوٹے سے پیرائے میں سمیٹ کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جوس لبوں تک لے جاتے ہاتھ رُکا تھا۔

''محبت کو تسلیم کرو گین!...... جب تک تم خود تسلیم نہیں کرو گے، تم اور کسی کو بھی باور نہیں کرا سکو گے۔ محبت ایسا ہی دقیق معاملہ ہے''۔ گی ژیا نگ پھر وہی داستاں چھیڑے ہوئے تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے چونک کر دیکھا تھا۔

''یس''۔

ویٹر کھانا لے کر اندر داخل ہوا تھا اور ٹیبل پر کھانا لگانے لگا تھا۔

''میرا لنچ آ گیا ہے گی!...... پھر بات کریں گے''۔ سبکتگین حیدر لغاری نے کہہ کر بنا اس کے جواب کا انتظار کیے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

عفنان علی خان کے انداز سے قطعاً کوئی ملامت یا پچھتاوا ظاہر نہ تھا۔ وہ یکسر مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ گویا جو بھی اقدام اس سے سرزد ہوا تھا اس کا اسے کوئی ملال نہ تھا۔ وہ خود کو حق پر خیال کر رہا تھا۔

جبکہ انابیہ کی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ اس کی آنکھوں کی نمی سوکھنے میں نہ آ رہی تھی۔ جانے کس بات کا احساسِ جرم اسے سانس تک لینے نہ دے رہا تھا۔ وہ متواتر آنسو بہا رہی تھی۔

عفنان علی خان کوئی ردِعمل ظاہر کیے بنا واش روم گیا تھا۔ فریش ہوا تھا۔ نیچے گیا تھا اور خلافِ توقع ناشتے کی ٹرے لے کر واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ گھٹنوں پر سر دھرے آنسو بہاتی رہی تھی۔ احتجاج پُر زور تھا اور اسی قدر عجیب بھی۔ عفنان علی خان نے دروازے کے قریب کھڑے اسے بغور دیکھا تھا مگر اس کیفیت پر کوئی ردِعمل دیئے بغیر وہ پُر سکون انداز میں چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ چند ثانیوں تک کھڑے ہو کر اس کے گٹھڑی سے بنے وجود کو دیکھا تھا۔ پھر ٹرے عین اس کے سامنے رکھتے ہوئے خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

ایسا کوئی گناہ اس سے سرزد نہیں ہوا تھا، مگر اس گھڑی انابیہ شاہ کا احتجاج دیکھ کر اسے لمحہ بھر کو اُلجھن ضرور ہوئی تھی، مگر اس اُلجھن کو اس نے ظاہر کرنا ضروری نہیں خیال کیا تھا۔ بولا تھا تو انداز بہت پُر سکون تھا۔

"ناشتہ کر لو انابیہ!" اس کے خیال میں انابیہ کا احتجاج بہت فضول اور بچگانہ تھا مگر فوری طور پر وہ اس کا احساس اسے نہیں کروانا چاہتا تھا۔

اس کے کہنے کا انابیہ کی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں آیا تھا...... وہ جس طرح بیٹھی تھی، اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

عفنان علی خان کو اس طرح کا اب تک کوئی تجربہ نہیں تھا۔ سو یہ ناز نخرے اُٹھانا کچھ عجیب سا لگا تھا مگر جو ہوا تھا، اس کے ردِعمل کے طور پر اسے یہ سب تو اب فیس کرنا ہی تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہو گیا تھا اس لیے نرمی سے اس کے گھٹنوں کے گرد سے اس کے بازو ہٹاتے ہوئے اس کا چہرہ بھرپور توجہ سے اُٹھا کر دیکھا تھا اور ملائمت سے گویا ہوا تھا۔

"ناشتہ کر لو شاباش!...... تم نے رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا"۔ ازالہ کرنے کو یہ اقدام اگرچہ کافی نہیں تھا مگر اس سے زیادہ رعایت وہ اسے دے نہیں سکتا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایسی ہی رعایت دے کر دیکھ چکا تھا۔

انابیہ بھیگی آنکھوں سے قاتلانہ انداز میں اسے گھور رہی تھی۔ انداز جارحانہ اور غصے سے بھرپور تھا مگر عفنان جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"مجھے نہیں، اس بریک فاسٹ کو کھانا ہے تمہیں۔ سو اس کی طرف توجہ دو انابیہ!" ناشتے کی طرف باقاعدہ اشارہ کیا تھا۔ انابیہ کے انداز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ غالباً وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں بھی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی کرم کرنا تو دور کی بات تھی۔

"جو ہوا، اس کا افسوس بعد میں کریں گے۔ سوگ بھی منالیں گے۔ پہلے یہ بریک فاسٹ کر لیتے ہیں۔ تمہارے چکر میں، میں نے بھی رات کا ڈنر نہیں لیا تھا۔ بہت بھوک لگ رہی ہے اور ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ چلو شاباش"۔ اسے بچوں کی طرح پچکارا تھا۔ انابیہ نے بنا اس کی طرف دیکھے چہرہ پھیر لیا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ناک، چہرہ سرخ ہو رہا تھا مگر وہ اب بھی اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر نوالہ بنانے لگا تھا۔

"ناراض ہو نا مجھ سے؟...... میری طرف دیکھو گی بھی نہیں؟" پتہ نہیں وہ واقعی توجہ پر مائل تھا یا پھر محض اس کی کیفیت سے محظوظ ہو

رہا تھا۔اس کا مسکرانا مقابل کو یقیناً اس لمحے زہر ہی لگا تھا۔عفنان علی خان کو اس بات کا اندازہ تھا غالباً تبھی وہ لب بھینچ کر اسے دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

''سوچنے،غور وخوض کرنے کو عمر پڑی ہے انابیہ!...... بعد میں کریں گے۔پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔یہ زیادہ ضروری ہے''۔نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا تھا مگر انابیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا اور پھٹ پڑی تھی۔

''بات بھی مت کرو تم مجھ سے''۔کہہ کر چہرہ پھیر لیا تھا۔عفنان علی خان نے لحہ بھر کو اسے اطمینان سے دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

''میں قطعاً بھی شرمندہ نہیں ہوں۔میں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا ہے۔ٹیل می، وائے آر یو ہیئر؟ وائے آر یو اِن دس روم؟...... بی کوز یو آر مائے وائف......اپنی بیوی کے ساتھ اپنا رشتہ بنائے رکھنے کو میں کوئی جرم خیال نہیں کرتا۔اگر تم کرتی ہو تو اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔بٹ آئی مسٹ سے......ڈیٹس ناٹ اے نارمل بی ہیویئر۔وہاٹ یو آر ڈوئنگ۔بی آ میچور۔یہی تمہارے لیے بھی بہتر ہوگا اور میرے لیے بھی''۔وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہا تھا اور انابیہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کی توقع کب تھی اسے۔ایک تو چوری،اس پر سینہ زوری۔اس کی ہمت ہی تو تھی۔

''تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟......کیا خیال کرتی ہو؟اس سے مجھے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا۔کوئی وضاحت میں تمہیں دینا بھی نہیں چاہتا۔تم مجھے ایک کمزور مرد خیال کرو، ہوس پرست کہو، آئی ڈونٹ کیئر۔ہوس ایک ہی رات میں اُبھر کر سامنے نہیں آتی، یہ بات تم جانتی ہو۔میں نے تمہیں بہت وقت دیا ہے۔میرا تمہیں پانا دشوار کبھی بھی نہیں تھا۔یہ ہوس پرستی پہلے بھی سامنے آسکتی تھی مگر نہیں آئی۔کیوں؟اس کی وجہ تم خود سوچو تو جان سکتی ہو۔سو مجھ پر کوئی بھی الزام عائد کرنے سے پہلے خود اپنے آپ کو دیکھو انابیہ!وہاٹ یو ڈِڈ؟''

کتنا بے ایمان شخص تھا۔کتنے آرام سے سارا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھ رہا تھا۔سارے پہلو جانتا تھا وہ۔جو الزام اس کے متعلق انابیہ کے دل میں تھے وہ ان سے بھی واقف تھا۔پھر ایسا کیوں کیا تھا اس نے؟......اور ہمت یہ تھی کہ اس کے مقابل بیٹھا ان الزامات کی تردید بھی کر رہا تھا۔انہیں ڈسکس بھی کر رہا تھا۔کیا وہ واقعی حق پر تھا؟......شاید نہیں۔

انابیہ کی ساکت آنکھوں سے بہت خاموشی سے بہہ کر رخساروں پر پھیلتے آنسو اس بات کا واضح جواب تھے۔عفنان علی خان نے ان بھیگتی آنکھوں کو اُلجھن سے دیکھا تھا پھر ردِعمل کے طور پر نوالہ پلیٹ میں دوبارہ رکھ دیا تھا اور بہت ضبط سے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''تمہیں یہاں سے بڑے ہونے کی ضرورت ہے انابیہ شاہ!'' دماغ پر اُنگلی رکھ کر کچھ سخت لہجے میں کہا تھا۔''گرو م اپ فرسٹ۔دین ٹاک ٹو می''۔اسے تلقین کرتے ہوئے وہ اُٹھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ اس کے جانے کے بعد بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی۔چپ چاپ بہتے آنسو اسے کوئی سکون نہیں دے رہے تھے۔مزید بے سکونی دے رہے تھے۔اندر تک سناٹا پھیل رہا تھا کوئی۔

ایک خوب صورت رات نوازی گئی تھی اسے۔

وہ باور کرا رہا تھا کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔

اس پر الزام رکھ رہا تھا کہ قصور کہیں نہ کہیں اس کا رہا ہے۔

وہ شرمندہ نہیں تھا۔

ہمت سے اس کے سامنے بیٹھا بات کر رہا تھا۔

اپنے سر الزام بھی لے رہا تھا۔

مگر ان باتوں میں وہ ایک بات نہیں تھی۔

"رشتے" کی ایک سمت کو واضح کرتی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک بار بھی نہیں کہا تھا اس نے، اس رشتے کی اب سمت کیا ہوگی؟

اس کے خیال میں وہ بہکا نہیں تھا۔ کوئی ہوس پرستی بھی نہیں تھی۔ اگر کوئی لسٹ نہیں تھی تو ایک بے سکونی وہ اپنے اندر کیوں محسوس کر رہی تھی؟...... بہت کچھ نوازے جانے کے بعد بھی ایک خالی پن کا احساس اندر کیوں اُٹھ رہا تھا؟

اس کی مرضی کے خلاف اسے حاصل کر کے اس نے ایسا کیا جرم کیا تھا اس پر؟

کل صبح وہ لامعہ حق سے ایک نئے تعلق کے آغاز ہونے کی خبر اسے سنا رہا تھا تو پھر آج اس سے تعلق کی ڈور باندھنا کیا معنی رکھتا تھا؟

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری کچھ اہم فائل دیکھ رہا تھا جب فارحہ کافی کا کپ ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"یور کافی"۔ کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔

"تھینک یو ممی!" اذہان مسکرایا تھا۔

"یہ آفس کی فائلز گھر کیوں اُٹھا لائے؟...... وہاں ٹائم کم تھا کیا؟" ڈپٹا تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کچھ اہم فائلز تھیں جن کا دیکھنا ضروری تھا۔ آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھیں نا"۔ فائل پر سے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔ فارحہ اسے بغور تکتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

"آپ ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟...... میرے کسی اقدام سے خوش ہیں آپ؟" اذہان نے اندازہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ فارحہ مسکرا دی تھیں۔

"ہاں...... میں تم سے خوش ہوں...... بہت خوش...... ایسے بیٹے سے کون خوش نہیں ہوگا لیکن میں ایک بات جاننا چاہتی ہوں"۔

فارحہ نے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"وہ کیا؟" اذہان نے مسکراتے ہوئے کافی کا ایک سِپ لیا تھا۔

''کیا تم خوش ہو؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟......کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں خوش نہیں ہوں؟......میں خوش ہوں''۔اذہان نے ماں کے ہاتھ تھامے تھے۔

''بہت خوش۔آپ نے اتنی اچھی سی فیانسی دی مجھے۔اتنی اچھی زندگی دی۔اور کیا چاہیے؟'' وہ مسکرایا تھا۔

فارحہ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر محبت سے دیکھنے لگی تھیں۔

''تم خوش ہوتے ہو تو مجھے زندگی خوب صورت لگنے لگتی ہے''۔

''اور آپ خوش ہوتی ہیں تو مجھے سب کچھ بہت اچھا لگنے لگتا ہے۔میرب سے بات ہوئی تھی آپ کی؟''

''نہیں''۔فارحہ اس اچانک ذکر پر کچھ حیران ہوئی تھیں۔''تمہاری بات ہوئی؟''

''نہیں......آپ نے انوائٹ نہیں کیا تھا انہیں؟......ساہیہ بھی پوچھ رہی تھی''۔سرسری انداز میں کہا تھا۔

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''نہیں......فون کیا تھا میں نے۔مظہر بھائی صاحب سے تو بات نہیں ہوئی، ان کی بیگم زوباریہ سے بات ہوئی تھی۔میں نے انہیں اطلاع دے دی تھی......میرب کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ یہاں نہیں ہے''۔

''پھر کہاں ہے؟'' اذہان نے سرعت سے دریافت کیا تھا۔

''غالباً شہر سے باہر کہیں گئی ہوئی ہے''۔

''تو آپ نے اس کے سیل پر ٹرائی نہیں کیا؟......کہیں شادی کر کے رخصت تو نہیں ہو گئی محترمہ؟'' انداز کو معمول پر رکھتے ہوئے بہت سرسری انداز میں وہ مسکراتے ہوئے یوں گویا تھا جیسے کوئی بہت عام ساذکر کر رہا ہو۔فارحہ بیٹے کی کیفیات کو بغور جانچ رہی تھیں۔

''نہیں......وقت نہیں ملا۔یہاں تمہاری انگیج منٹ کی تیاریاں اتنی زیادہ تھیں کہ بالکل بھی دھیان نہیں رہا''۔

''ارے، آپ کو اپنی نیس یاد نہیں رہی؟ اسے خبر ہو گی تو شکوہ کرے گی۔اس نے سختی سے تاکید کی تھی۔انوائیٹ کرنا چاہیے تھا نا۔آپ مجھ سے الگ تو نہیں۔اور یوں بھی یہ ڈیپارٹمنٹ تو آپ کے ہاتھ تھا''۔

''ہاں۔مگر غلطی ہو گئی''۔فارحہ نے پُر افسوس انداز میں کہا تھا۔پھر مسکرا دی تھیں۔''میں بات کروں گی۔اس کا سیل نمبر تھا نا تمہارے پاس؟''

''ہاں، غالباً سیل میں تو تھا''۔وہ یوں سرسری انداز میں ذکر کر رہا تھا جیسے بہت ہی معمولی ساذکر کر رہا ہو۔پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا وہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا، خود کو بھی اور دوسروں کو بھی۔فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔

اذہان نے کافی کا سپ لے کر کپ ایک طرف رکھتے ہوئے سیل اُٹھا کر ڈائریکٹری میں سے اس کا نمبر نکالا تھا اور کالنگ کا بٹن پش کر دیا تھا۔بیل گئی تھی اور کال کنکٹ ہو گئی تھی۔

''ہیلو......!'' ایک جانا پہچانا لہجہ سماعتوں میں گونجا تھا۔

''میرب!......اذہان ہیئر''۔

میرب فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔ پھر جیسے مروتاً گویا ہوئی تھی۔

''اذہان! کیسے ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں......تم کیسی ہو؟''

''پرفیکٹ۔ کیسے فون کیا؟'' اس کا لہجہ بہت تھکا سا تھا۔ نیند پوری نہ ہونے کے باعث وہ اس وقت بالکل بھی فریش نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟......تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آر یو آل رائٹ؟'' اذہان نے اس کی آواز کی تھکن محسوس کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چونکی تھی، پھر معمول کے مطابق جواب دیتی ہوئی بولی تھی۔

''نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔ آئی ایم رائٹ۔ تم سناؤ، انگیج منٹ کرلی، مجھے انوائٹ نہیں کیا نا؟'' اذہان کو معلوم تھا وہ اس بابت بات کرے گی مگر اس طرح چھوٹتے ہی؟ اس کا اندازہ نہیں تھا۔

''گھر فون کیا تھا......مظہر انکل گھر نہیں تھے مگر زوباریہ آنٹی نے بتایا کہ تم گھر نہیں ہو۔ پھر کیسے انوائٹ کرتے؟'' وضاحت دی تھی مگر بہت ہی کمزور وضاحت تھی۔ میرب جانے کیوں مسکرادی تھی۔

''اذہان! جو نمبر تم نے اس وقت ملایا ہے اس روز بھی ملا سکتے تھے۔ ایزی ویز......آنٹی کیسی ہیں؟''

اذہان لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ دونوں سمجھ رہے تھے کہ دونوں ایک دوسرے سے قصداً بھاگ رہے تھے۔ جب دونوں جانتے تھے تو پھر کسی وضاحت کی ضرورت بھی باقی کب بچتی تھی۔

''ممی یہیں ہیں۔ انہی نے تمہارا نمبر بھی ملوایا تھا۔ لو بات کرو''۔

اذہان نے ماں کو فون تھما دیا تھا اور خود سر جھکا کر فائلز دیکھنے کے ساتھ کسیلی کافی کے سپ لینے لگا تھا۔

''ہاں میرب! بیٹا کیسی ہو؟'' فارحہ نے ایک نگاہ بیٹے کو بغور دیکھا تھا پھر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھیں۔ میرب سے بات کرتے ہوئے انہیں جو اندازہ ہوا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ دل بوجھل سا تھا۔ وہ لان میں نکل آئی تھیں۔ یقیناً یہ آسان بھی نہیں تھا۔ وہ اذہان کی کیفیت سمجھ رہی تھیں مگر وہ اس کے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔ وقت گزر چکا تھا اور جو موجودہ دور میں ہو رہا تھا، وہی ٹھیک تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں اور میرب کہہ رہی تھی۔

''آنٹی! آئی ایم سو مچ مِسنگ یو......بہت دل چاہ رہا ہے آپ سے ملنے کو''۔

فارحہ مسکرادی تھیں۔

''میرا دل بھی اپنی بیٹی کو دیکھنے کو بہت چاہ رہا ہے۔ جانتی ہو کتنے وقت سے تم نے صورت نہیں دکھائی''۔

میرب بہت بے بسی سے مسکرادی تھی۔

''ہاں، جانتی ہوں''۔ آنکھیں نمی سے جانے کیوں بھرنے لگی تھیں۔

''آپ نے تو اُنگلیوں پر گن رکھے ہوں گے مگر بھولی تو میں بھی نہیں ہوں۔ جانتی ہوں بہت سے دن گزر چکے ہیں''۔ مسکراتے ہوئے آنکھوں کی نمی اُنگلی کے پوروں پر لی تھی۔

''واپس آجاؤ نا''۔ فارحہ نے محبت سے کہا تھا۔ آخر کو عزیز ترین بھانجی تھی۔

''ہاں...... جلد آجاؤں گی''۔ میرب اپنی کیفیت کو دبانے کے لیے مسکرائی تھی، تبھی مائی اماں نے پکارا تھا۔ میرب پلٹی تھی۔

''میں آپ سے بعد میں بات کروں گی آنٹی!''

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر اپنا خیال رکھنا''۔

''جی، آپ بھی''۔ میرب نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ فارحہ کی نگاہ تبھی اوپر کی سمت اُٹھی تھی۔ کھلی کھڑکی میں اذہان مضطرب سا کھڑا تھا۔ انداز بہت کھویا کھویا سا تھا۔

وہ جیسے اس ماحول کا حصہ نہیں تھا شاید اسی لیے اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ فارحہ اس کی طرف متوجہ ہیں۔ فارحہ کا دِل کٹ کر رہ گیا تھا مگر بیٹے کی کیفیت کا کوئی تدارک ان کے ہاتھ نہ تھا۔ بہت تھکے تھکے انداز میں وہ اندر کی جانب چل پڑی تھیں۔

☆......☆......☆

اب وقت وہ تھا کہ جہاں انابیہ شاہ صورتِ حال سے بھی فرار چاہتی تھی اور ماحول سے بھی مگر ایسا آسان نہیں تھا۔ عفنان علی خان نے ایک ہی پل میں اس کے سارے کے سارے راستے مسدود کر دیئے تھے اور ایسا کر کے اس کی صورتِ حال اتنی مشکل کر دی تھی کہ وہ اپنا دم گھٹتا ہوا سا محسوس کر رہی تھی۔

سارا دن وہ ماما اور انوشے کے ساتھ بزی رہی تھی۔ عریشہ آئی ہوئی تھی۔ بلاوجہ ان کی کمپنی میں بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھی۔ بولنے کی وہ زیادہ عادی تو نہیں تھی مگر عریشے اور انوشے بذاتِ خود اتنا بولتی تھیں کہ اسے زیادہ مشقت کرنا نہیں پڑتی تھی۔ اس وقت بھی وہ عریشے کے گول مٹول سے بیٹے کو گود میں بٹھائے انوشے کی بات سن رہی تھی جب فاطمہ نے اسے احساس دلایا تھا۔

''انابیہ! بیٹا خاصا وقت ہو گیا ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ''۔

''جی''۔ وہ سعادت مندی سے گویا ہوئی تھی۔

''ماما! رہنے دیں نا بھابی کو یہیں، اگر ان کا موڈ نہیں ہو رہا تو''۔ انوشے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ''یوں بھی بھابی اکثر تو اپنے کمرے میں ہی رہتی ہیں۔ کتنا مزہ آرہا ہے نا...... آپ عفنان بھائی سے کہہ دیجئے، اگر وہ بھابی کو زیادہ مس کر رہے ہیں تو خود بھی یہاں آجائیں''۔ انداز میں بھولپن تھا مگر عریشے ہنس دی تھی۔ انابیہ جھینپ گئی تھی۔

"آئیڈیا برا نہیں ہے۔ویسے عفنان بھائی کو بھی ہمیں جوائن کر لینا چاہیے"۔

"کوئی کسی کو جوائن نہیں کر رہا۔رات بہت ہوگئی ہے۔اُٹھو تم دونوں بھی۔انوشے! صبح تمہیں کیمپس بھی جانا ہے۔آنکھ نہیں کھلے گی"۔

"آنکھ نہیں کھلے گی تو چھٹی کر لوں گی۔کتنے دنوں بعد تو عریشے آئی ہیں اور ٹیپو بھی۔میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا جانے کا کیمپس"۔

انوشے منمنائی تھی۔

"کچھ عرصے انتظار کرو۔انشاء اللہ بہت جلد ایسا گپلو سا ٹیپو انابیہ بھابی کی اپنی گود میں ہوگا۔پھر سارے شوق پورے کر لینا"۔

عریشہ مسکرائی ہوئی شرارت سے بولی تھی مگر انابیہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔اچھا ہوا تھا،وہ یہاں نہیں تھا۔سوچتے ہوئے سر اُٹھایا تھا،تبھی دل اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ستون کے ساتھ لگا وہ کھڑا تھا۔جانے کب وہ یہاں آیا تھا۔انابیہ شاہ کو اپنی نظروں کو واپس موڑنا پڑا تھا۔

"لیجیے،عفنان بھائی خود ہی چلے آئے"۔انوشے بولی تھی۔فاطمہ اور عریشہ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔عفنان نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف پیش قدمی کر دی تھی۔

"اکیلے رہا نہیں گیا نا کمرے میں۔ہمیں معلوم تھا،اسی لیے ہم انابیہ بھابی کو اُٹھنے نہیں دے رہے تھے۔کسی بہانے سہی۔آپ باہر تو آئے۔کچھ وقت تو گزاریں گے ہمارے بیچ؟"عریشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔وہ انابیہ کے عین سامنے بیٹھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"خاطر جمع رکھو......ابھی وقت نہیں آیا کہ کسی کے بہانے تم لوگوں کو کوئی مراعات ملے۔مجھے رشتوں کو اپنے مقام پر رکھنا آتا ہے۔اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں۔جانتا ہوں،کس رشتے کو کیسے نبھانا ہے۔اپنی بہنوں کے لیے میرے پاس وقت ہمیشہ ہوتا ہے"۔

ہاتھ بڑھا کر عریشہ کے گپلو سے بیٹے کو انابیہ کی گود سے لیا تھا۔ہاتھ سے ہاتھ ٹکرائے تھے۔انابیہ اس لمس سے جیسے سلگ اُٹھی تھی۔

نظر گریزاں۔

انداز بدحواس!

چہرہ سرخ!

وہ اس لمحے اس جگہ سے اُٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔جس لمحے سے بچنے کو تھی،جس کی قربت سے بھاگتی رہی تھی وہی اس لمحے اس کے سامنے تھا۔وہ بے تاثر نظر آنے کی کوشش کرتی اس وقت بہت مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔

"بھابی! آپ کو کیا ہوا؟......برا مان گئیں کیا؟ ہم تو مذاق کر رہے تھے"۔عریشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

وہ مجبوراً جیسے مسکرائی تھی۔

"نہیں،ایسی کوئی بات نہیں"۔مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تمہارا بیٹا کچھ بڑا نہیں ہو گیا؟" بچے کو پیار کرتے ہوئے عفنان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔عریشہ چونک پڑی تھی۔

"کیا مطلب بڑا ہوگا؟"

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''نہیں...... تم اس کی ڈائٹ پر دھیان دے رہی ہو۔ آئی مین تمہارے ہاں موٹاپا کچھ زیادہ ہے نا۔ تمہارے ہزبینڈ۔ ان کے پیرنٹس...... اور شاید یہ ٹیپو بھی اسی لیے اچھا خاصا صحت مند ہے''۔ عفنان اس طرح بولا تھا کہ انوشے ہنستی چلی گئی تھی۔ فاطمہ بھی مسکرا دی تھیں۔ عریشہ نے بھرپور احتجاج کیا تھا۔

''کیا...... کیا مطلب ہے آپ کا؟...... ماشاءاللہ...... ہاں ہے صحت مند میرا بچہ۔ اب کیا نظر لگائیں گے آپ؟'' اس کے دہائی دینے کا انداز خوب تھا۔ انوشے پیٹ پکڑ کر ہنس رہی تھی۔ انابیہ جیسے اس ماحول کا حصہ ہی نہیں تھی۔

''آپ کے بچے ہوں گے نا...... پھر پوچھوں گی''۔ عریشہ نے بھائی کی گود سے اپنے صحت مند بچے کو لے کر بھرپور پیار کیا تھا۔

عفنان ہنس دیا تھا۔

''کیا پوچھو گی؟...... میرے بچے تمہارے ٹیپو کی طرح ہو سکتا ہے ''بہت زیادہ'' صحت مند نہ ہوں مگر ''صحت مند'' ضرور ہوں گے اور خوب صورت بھی۔ اسپیشلی میرے بچوں کی آنکھیں بہت خوب صورت ہوں گی''۔ انابیہ کی طرف اک نگاہِ خاص ڈالتے ہوئے وہ گویا تھا۔ انابیہ زمین میں گڑھ جانے کو تھی۔ ''بے باکی'' کی حد تھی۔

عریشہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں کیوں نہیں ہوں گی۔ ان بچوں کی ماں کی آنکھیں جھیل سیف الملوک جیسی جو ہیں''۔

''ماں کیوں؟ تمہیں باپ کی آنکھیں کچھ کم خوب صورت لگتی ہیں؟'' اپنی شان میں قصیدہ گوئی فرمائی گئی تھی۔ حد تھی خوش فہمی کی بھی۔

انابیہ متواتر اجنبی ہونے کی کوشش کر رہی تھی مگر ماحول اسے پھر بھی گھیر رہا تھا۔ مقابل نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ وہ مکمل استحقاق سے اسے دیکھ رہا تھا اور اب تو گواہی کے طور پر اس کا ہاتھ بھی تھام لیا تھا اور گواہی طلب کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''انابیہ! بتاؤ انہیں...... کیا میری آنکھیں کم خوب صورت ہیں۔ تم بتاؤ، تم کیا سوچتی ہو؟ ہمارے بچوں کی آنکھیں تم جیسی ہونی چاہئیں، سرمئی، ہری، نیلی شربتی یا پھر مجھ جیسی بھوری؟'' ڈھٹائی کی حد تھی۔ وہ بھرپور انداز میں مسکراتا ہوا اس سے جواب چاہ رہا تھا۔

انوشے، عریشہ مسکرا رہی تھی اور وہ، اس میں اس لمحے اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اُٹھ کر وہاں سے بھاگ ہی سکتی۔ یہ گزرتے لمحے، دن اسے وہ تجربات دے رہے تھے جن کی وہ پہلے عادی نہیں رہی تھی۔ شاید اسی لیے سب کچھ جھیلنا بھی بہت دشوار ہو رہا تھا مگر اس لمحے وہ اس شخص کو جواب دینا تو درکنار، اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرے بھائی کی آئیز زیادہ خوب صورت ہیں۔ شفاف، چمک دار اور سچی''۔ انوشے نے بھائی کی بھرپور طرف داری کی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔ انداز بھرپور فاتحانہ تھا۔

''دیکھا...... آئی نیو اِٹ...... جانتا تھا میں...... دیکھو انابیہ! تم ہار گئیں''۔ ذومعنی انداز میں مسکراتے ہوئے گویا اس نے تیر اُچھالا

تھا۔انابیہ ایک لمحے میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ایکسکیوزمی، مجھے نیند آرہی ہے''۔وہ کہہ کر بنا کسی کا ردِعمل دیکھے وہاں سے نکل گئی تھی۔فاطمہ نے بغور بہو کو دیکھا تھا۔ان دونوں کے بیچ کا تناؤان کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔عریشہ نے بھائی کو خفگی سے دیکھا تھا۔

''ناراض کردیا نا بھابی کو؟''

''نہیں......وہ ناراض نہیں ہوتی۔شی اِز وری انڈراسٹیڈنگ۔وہ غالباً واقعی تھک گئی ہے''۔اس کی غیر موجودگی میں بھرپور حمایت کی تھی اس کی اور خود بھی اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم لوگ سو جاؤاب۔مجھے بھی نیند آرہی ہے۔گڈ نائٹ''۔عفنان چلتا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔اس کا اطمینان اس کی چال تک سے واضح تھا۔

☆......☆......☆

میرب دن بھر مائی کے ساتھ مصروف رہی تھی مگر جیسے ہی اسے وقت ملا تھا وہ مائی کے سونے کے بعد اس طرف آگئی تھی۔فطری طور پر وہ متجسس نہیں تھی مگر پھر بھی جو تھا، وہ اپنے اندر اسرار ضرور لیے ہوئے تھا۔وہ خاتون کچھ خاص تھی۔سب سے بڑی بات، اب تک جو اس نے اس کے بارے میں قیاس کیا تھا وہ سراسر غلط ثابت ہوا تھا۔وہ سمجھی تھی وہ ''وکٹم'' ہے۔جس کو یہاں اس حالت میں رکھ کر ''وکٹمائز'' بنایا جارہا ہے مگر جس طرح وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قصیدہ گوئی کرتے ہوئے تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی، اس سے قطعاً نہیں لگتا تھا کہ اسے یہاں پر کسی سے کوئی شکایت بھی ہے۔

بات تو حیرت کی تھی۔جیسا اس نے سوچا تھا، ویسا نہیں تھا۔دوسرا وہ اب تک نہیں جان پائی تھی کہ وہ کون تھی اور یہاں اس کی حالت میں کیوں تھی؟ دو ملاقاتیں ہوئی تھیں اس کی، اس چہرے سے اور وہ اس کا نام تک نہیں جان پائی تھی۔کچھ تو تھا۔مائی اماں نے کبھی سرسری انداز میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔کئی باتیں ان کے مابین ہوتی تھیں مگر کبھی اس بند کمرے کا ذکر نہیں آیا تھا۔کبھی اس بند کمرے میں چھپے چہرے کا ذکر نہیں آیا تھا۔

کون تھی وہ؟

میرب سیال نے دروازہ کھول کر مسکراتے ہوئے اندر جھانکا تھا۔وہ چہرے اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔میرب بطور خاص ان کے لیے تازہ پھول لائی تھی جو اسے تھمائے تھے۔

''تھینکس''۔وہ ایزی چیئر پر بیٹھی پھول تھامتی ہوئی مسکرادی تھی۔میرب آگے بڑھ کر کھڑکی سے پردے سرکانے لگی تھی۔جب وہ بولی تھی۔

''اس کی کیا ضرورت تھی؟'' پھولوں کو عجیب سے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ بہت پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھی اور پھر ان

پھولوں کو ایک طرف رکھ دیا تھا۔ میرب نے کھڑکیاں کھولتے ہوئے اس کے اس اقدام کو چونکے بغیر دیکھا تھا۔

''آپ کو پھولوں سے لگاؤ نہیں؟'' اس کے لہجے میں حیرت نہیں تھی۔

''نہیں''۔ اس خاتون کا جواب قطعی تھا۔

''حیرت ہے''۔ میرب نے چونکتے ہوئے مسکرا کر انہیں دیکھا تھا۔

''کس بات پر؟'' وہ خاتون اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ غالباً ان دنوں وہ اپنا خیال رکھ رہی تھی۔ اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر لگ رہی تھی۔ بہت فریش تو نہیں مگر وہ کچھ بہتر لگ رہی تھی۔

''محبت کی باتیں کرنے والا لہجہ پھولوں کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟...... محبت کی گفتگو کرتی یہ آنکھیں پھولوں کو دیکھنا کیوں نہیں چاہتیں؟'' وہ لوجیکلی اس نقطے پر پہنچتے ہوئے بولی تھی۔

خاتون مسکرا دی تھی۔ انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔ وہ جیسے اس کے سوال کا مفہوم بہت واضح انداز میں سمجھی تھیں۔

''لفظ بولنا آسان ہے مگر لفظ بھی ایک دن بجھ جاتے ہیں جیسے یہ آنکھیں بجھ جاتی ہیں۔ خوشبو کسی شے میں باقی نہیں رہتی۔ یہ پھول بہت خوب صورت ہیں، جانتی ہوں میں...... مانتی ہوں۔ مگر یہ ہمیشہ تازہ نہیں رہیں گے''۔

''مگر آپ تو کہہ رہی تھیں محبت ہمیشہ آباد رہتی ہے''۔ میرب نے انہیں گھیرا تھا۔

''ہاں...... رہتی ہے۔ مگر ان کھنڈروں میں کوئی صدا سننے نہیں آتا۔ تم نے کسی کو مرجھائے ہوئے پھول اُٹھاتے دیکھا ہے؟'' خاتون نے اپنی دانست میں اسے لاجواب کرنا چاہا تھا۔

میرب مسکرا دی تھی۔

''مگر ایسا نہ ہونے سے پھولوں کی وقعت تو کم نہیں ہوجاتی۔ پھول تو پھر بھی پھول ہی رہتے ہیں۔ پھول ہی کہلاتے ہیں''۔ میرب سیال جیسے اسے قائل کرنے پر مائل تھی۔ وہ خاتون خاموش ہوکر چہرہ پھیر گئی تھی۔ میرب نے اسے مزید نہیں اُکسایا تھا۔ قدرے توقف سے وہ خود ہی بولی تھی۔

''پھولوں کی تازگی اور خوشبو محبت کے اوائل کے موسموں جیسی ہے مگر دونوں قائم رہنے والی چیزیں نہیں ہیں''۔ اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا جیسے بہت سے زمانے بول رہے تھے۔

''یعنی آپ خیال کرتی ہیں، محبت مرجاتی ہے؟'' میرب رسانیت سے مسکرائی تھی۔

''نہیں...... محبت نہیں مرتی، یہ لمحہ لمحہ مارتی ہے۔ مگر اس کے باوجود جینے پر اُکساتی ہے''۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ حتمی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ محبت کے متعلق اتنے وثوق سے کیسے بول سکتی ہیں؟'' میرب کے ہاتھ ایک ایسا پہلو آیا تھا جس سے بہت سے دروازے

کھل سکتے تھے۔سو اس نے موقع جانے نہیں دیا تھا۔

وہ خاتون مسکرادی تھی۔انداز ایسا تھا جیسے بجھی راکھ میں کئی چنگاریاں ہولے ہولے دہک رہی ہوں۔

''میں نے محبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔قدم قدم چلی ہوں میں اس کے ساتھ۔کیسے وثوق سے بات نہ کروں؟'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔میرب نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ایک کرب ان آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔میرب نے اس چہرے کے درد کو جانے کیوں اپنے بہت اندر محسوس کیا تھا۔بہت آہستگی سے چلتی ہوئی وہ آگے بڑھی تھی اور اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔انداز بہت ہمدردانہ تھا۔

''کون ہیں آپ؟......اس طرح یہاں کیوں ہیں؟''

وہ خاتون مسکرادی تھی،جیسے اس کی طرف سے اس سوال کی توقع پہلے سے کر رہی ہو۔

''تم نے یہ ایک سوال بہت دیر میں پوچھا''۔اپنی حیرت واضح کی تھی۔''تمہیں یہ سوال غالباً سب سے پہلے پوچھ لینا چاہیے تھا''۔

''کیا میں نے کچھ غلط پوچھا؟''میرب نے نرمی سے دریافت کرتے ہوئے ان بجھی آنکھوں میں بغور جھانکا تھا۔اس خاتون نے کچھ ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا پھر بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلادیا تھا۔

میرب نے مزید کچھ نہیں پوچھا تھا۔غالباً وہ اسے خود کو کمپوز کرنے کا وقت دے رہی تھی۔

''تم یہاں میرے پاس کیوں آئی ہو؟''خاتون نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''نہیں جانتی مگر میں آپ کو اس کیفیت میں بھی نہیں دیکھ سکتی۔یونیڈ ٹو سی آ ڈاکٹر...... یونیڈ آ ہاسپٹل۔آپ چلیں یہاں سے۔میں آپ کو اس قید سے نکالنا چاہتی ہوں''۔

وہ خاتون مسکرادی تھی۔

''مگر میں قید میں نہیں ہوں''۔

''تو پھر؟''میرب نے استفسار کرتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''اپنی مرضی سے یہاں ہوں''۔خاتون کے لہجے میں اطمینان تھا۔

''کیوں؟''میرب کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

''ہر سوال کا جواب نہیں ہوتا''۔ایزی چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر وہ اطمینان سے گویا تھی۔میرب اس کے بے حسی سے پُر لہجے پر حیران رہ گئی تھی۔

''اس طرح......خود اپنے ساتھ آپ کیسے کرسکتی ہیں؟......کون ہیں آپ؟......گین کی خالہ،بہن یا......''میرب کا سوال ادھورا رہ گیا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بیوی ہوں میں''۔ وہ خاتون اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی تھی۔ میرب اپنی جگہ جیسے پتھر ہوگئی تھی۔

''کیا؟'' اسے لگا تھا جیسے اس نے سننے میں کچھ غلطی کر دی تھی۔

''گین کی بیوی ہوں میں''۔ وہ خاتون باور کراتی ہوئی کہہ رہی تھی اور میرب کو لگا تھا جیسے اس کی سماعتوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو!

میرب کے اندر نہ بولنے کی سکت باقی تھی، نہ ہی اسے جھٹلانے کی یا کوئی سوال کرنے کی۔ وہ صرف بے یقینی سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس چہرے کو دیکھ رہی تھی جو اس لمحے پُر اعتمادی سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں...... گین کی بیوی ہوں میں۔ میں جانتی ہوں تمہارے لیے یہ شاک کا باعث ہوگا لیکن اِٹس ٹرو......شاید گین نے تمہیں اس بارے میں کچھ نہ بتایا ہو۔ یوں بھی جو رشتہ اپنے اصل خواص کے ساتھ قائم نہ ہو، اس کی حیثیت یوں بھی کالعدم ہو جاتی ہے۔ رشتے صرف بنانے کے لیے نہیں ہوتے، نباہنے کے لیے بھی ہوتے ہیں اور یہ سچ ہے کہ ہم نے یہ رشتہ ایک دوسرے سے کبھی نہیں نبھایا۔ ہم میں یہ تعلق صرف نام کا تھا۔ اس کے سوا اس کی کچھ حقیقت باقی نہیں''۔

لفظ انی کی طرح میرب سیال کے سینے میں کھب رہے تھے۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وہ سننا نہیں چاہتی تھی مزید ایک لفظ بھی...... اس میں سکت نہیں تھی۔ حوصلہ بھی باقی نہیں تھا مگر وہ اتنی بے بس تھی کہ وہاں سے ہل بھی نہ سکی تھی۔ سارا وجود جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔ خاتون نے اپنے نحیف چہرے سے اسے کسی قدر پُر افسوس انداز سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ آہستگی سے تھاما تھا جو یخ سرد ہو رہا تھا۔ اسے اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کی اندرونی حالت کا اندازہ بخوبی تھا مگر وہ کوئی چارہ گری کرنے کے لیے جیسے خود کو مکمل طور پر بے بس پا رہی تھی۔

''میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آئی ایم سوری، اگر میری وجہ سے تم دل برداشتہ ہوئی ہو تو''۔ کمزور آواز دب گئی تھی۔ پژمردہ لہجہ کھو گیا تھا۔ میرب کی ساکت آنکھوں سے نمکین پانی کے چند قطرے بڑی خاموشی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ گئے تھے۔ وہ رو رہی تھی، اس شخص کے لیے جس نے سوائے دُکھ کے، تکلیف کے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ وہ اس کے لیے افسوس کر رہی تھی جو اس کا سرے سے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کے لیے سوگ منا رہی تھی جو کبھی باوفا تھا ہی نہیں۔

''میں تمہارے بارے میں جانتی تھی۔ میں خوش تھی، تم گین کی زندگی میں ہو۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں، مجھے گین سے بھی کوئی شکوہ نہیں۔ ہم ایک دوسرے سے کوئی شکوہ کر ہی نہیں سکتے۔ قصور ہمارا نہیں ہے''۔ وہ خاتون اس کی سمت دیکھتی ہوئی مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ کمرے میں اِک ہوکا سناٹا تھا اور صرف وہ کمزور آواز اس ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ صرف اس ماحول میں ہی نہیں، میرب سیال کے اندر بھی۔

''قصور ہم دونوں کا نہیں ہے، ہماری روایتوں کا ہے...... ہم روایتوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔ سنا ہے روایتیں برتنے کے لیے

ہوتی ہیں مگر یہاں ہمیں روایتوں نے برتا ہے''۔ وہ سر جھکائے مجرمانہ انداز میں یوں گویا تھی جیسے میرب کے تمام دُکھ کا بھرپور ازالہ کرنا چاہتی ہو مگر کر نا پا رہی ہو۔

میرب اب بھی اسی طرح پتھر بنی، ساکت و جامد کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

فنان کمرے میں داخل ہوا تھا اور رُخ پھیرے کھڑی انابیہ کی ساری حسیں لمحے کے ہزارویں حصے میں بیدار ہوئی تھیں مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔ دھڑکنوں میں اچانک اُمڈ آنے والا ارتعاش اتنا سنگین تھا کہ وہ قابو پانے کی کوشش میں خود کو بالکل بے بس پا رہی تھی۔

عفنان قدم آگے بڑھاتا ہوا اس کے قریب آن رُکا تھا۔ وہ تب بھی نہیں پلٹی تھی۔ شاید وہ اس وقت اس لمحے میں تھی جہاں وہ ''کبوتر'' بن کر آنکھیں سختی سے میچ لینا چاہتی تھی مگر ایسا ہونے سے یقیناً خطرہ ٹل نہیں سکتا تھا۔ سو اس نے کوئی بے وقوفی بھی تا حال نہیں کی تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے شولڈر پر رکھا تھا اور اس کا رُخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

انابیہ کے اندر جیسے کئی قیامتوں نے ایک ساتھ سر اُٹھایا تھا۔

''کوئی نہیں ہے''۔ بہت خوف زدہ سے لہجے میں اس نے وضاحت دی تھی جیسے عفنان علی خان یکسر نہیں سمجھا تھا۔

''کہاں؟'' استفہامیہ انداز انابیہ کو اور بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔ انابیہ نے پانیوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ عفنان کو اس لمحے اس پر جیسے ترس سا آ گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ انداز بھرپور ہمدردی لیے ہوئے تھا مگر وہ ان نوازشوں کے زیرِ خود کو بہت ناتواں سا محسوس کر رہی تھی، تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں میچی تھیں تو ساری نمی رخساروں پر آ گئی تھی۔

''کہیں کوئی نہیں ہے''۔ مدھم لہجے میں ایک بار پھر وضاحت دی تھی۔ عفنان علی خان کے دل پر کئی قیامتوں نے ایک ساتھ پڑاؤ ڈالا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اس سے بچنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر دوسری طرف صورتِ حال اتنی ہی مشکل ہو رہی تھی کہ کوئی بچنا چاہتا بھی تو نہ بچ سکتا تھا۔ عفنان علی خان نے اسے شانوں سے تھام کر بھرپور استحقاق جتاتے ہوئے اسے خود سے کچھ قریب کیا تھا۔

''میں ضبط باندھنے کے سارے جتن کر کے تھک جاتا ہوں انابیہ!......تم ایک پل میں سب کچھ زیروزبر کیسے کر دیتی ہو؟'' اپنے سامنے موجود چہرے کو دیکھتے ہوئے بھرپور شکوہ کیا تھا۔ انابیہ جیسے اس لمحے سے بھرپور طور بچنا چاہتی تھی۔ وہ واقعی ''کبوتر'' بن گئی تھی اور آنکھیں نہیں کھول رہی تھی۔

''کہیں کوئی نہیں ہے''۔ ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے وہ اس لمحے بہت بے بس لگی تھی۔ وہ اس لمحے واضح انداز میں کانپ رہی تھی۔

''تمہارے قریب آنے کی سعی کرنا نہیں چاہتا مگر تم بے بس کر دیتی ہو۔ یہ تمہارا کمزور کانپتا وجود، مجھے لگتا ہے جیسے یہ کہہ رہا ہو، تھام لو مجھے، پناہ میں لے لو اپنی، میری نظریں دیکھنا بھی نہیں چاہتی تمہیں۔ مگر تم......تم اپنی گرفت سے نکلنے ہی نہیں دیتیں''۔ بے بسی سے چور مدھم لہجے میں وہ اپنی کیفیت بیان کر رہا تھا۔

''کہیں کوئی نہیں ہے...... سچ کہہ رہی ہوں میں''۔ وہ جیسے ان پناہوں سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ سارے حصار توڑ دینا چاہتی تھی۔

''جب کوئی نہیں ہے تو پھر کیوں دور بھاگتی ہو تم مجھ سے؟...... کیوں ان فاصلوں کو ختم نہیں ہونے دیتیں؟...... دن رات کیوں بڑھاتی جا رہی ہو ان دائروں کو اپنے اور میرے بیچ؟'' آنکھیں سختی سے میچے، اس بھیگتے چہرے کو اوپر اُٹھا کر دیکھا تھا مگر وہ سر نفی میں ہلنے لگا تھا۔

''کوئی نہیں ہے...... کوئی نہیں ہے''۔ وہ یک دم چیخی تھی اور اپنے گرد کا وہ حصار توڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

''جب کوئی نہیں ہے تو کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟...... کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟'' وہ بھی چیخا تھا۔ مگر انابیہ بھیگی آنکھوں سے خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ عفنان کو جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ بہت اُلجھے ہوئے انداز میں اس کی طرف پیش قدمی کی تھی اور اسے شانوں سے تھام کر بغور دیکھا تھا۔

''محبت دل، نظر سب کچھ پڑھ سکتی ہے انابیہ!...... مجھے غیب کے ان رازوں کو جاننے سے کچھ شغف نہیں ہے۔ سو کچھ باور کرانے کی کوشش مت کرو تم''۔

انابیہ نے اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے ایک لمحے میں ہٹائے تھے۔

''تم اتنا کمزور کیوں سمجھ رہے ہو مجھے؟''

''میں تمہیں کمزور سمجھ رہا ہوں نہ ہی تمہاری کسی کمزوری سے کوئی فائدہ اُٹھانے کا میرا ارادہ ہے۔ جو بات تم سمجھنا نہیں چاہتی ہو صرف وہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر میں جانتا ہوں، یہ سودمند نہیں ہوگی۔ کوشش رائیگاں جانے کا افسوس مجھے پھر رہے گا''۔ مدھم لہجے میں جتایا تھا۔

''تو کس نے کہا ہے اپنا وقت ضائع کرو مجھ پر...... جب اپنا آپ مجھ سے الگ کرنے کی ٹھان لی ہے تو پھر الگ کر بھی کیوں نہیں لیتے؟...... شادی کرنا چاہتے ہو، یہی کہا تھا نا تم نے...... پھر کیا ہوا تمہارا وہ فیصلہ؟ ہمت نہیں ہے نا تم میں؟'' وہ اس لمحے سخت لہجے میں بولتی ہوئی ہمیشہ سے مختلف انابیہ لگی تھی۔ مگر عفنان علی خان کو اس کے اس انداز پر غصہ نہیں آیا تھا، نہ ہی کسی قسم کا کوئی طیش۔ بہت اطمینان سے وہ اس کی سمت دیکھتا وہا آگے بڑھا تھا اور قریب آن رُکا تھا۔

انابیہ اس کی جانب نہیں تھی۔ چہرہ موڑے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے بنا اس کے غصے کی پرواہ کیے اس کا چہرہ اپنی سمت موڑا تھا اور بغور دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولا تھا۔

''بس یہی...... بس یہی انداز میں تمہارا دیکھنا چاہتا تھا''۔

انابیہ شاہ نے اسے بے طرح چونک کر استعجابیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

مجھے حیرت نہیں ہوئی...... حیرت تب ہوتی جب تم ایسا ری ایکٹ نہیں کرتیں''۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ کہہ رہا تھا اور انابیہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں اس کی کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''تمہارے لیے شاید یہ واقعی بہت بڑا راز ہے جس سے آج پردہ ہٹا تھا مگر میں اسے راز نہیں کہوں گی۔ راز تو یہ تب ہوتا جب تمہیں اس کے بارے میں اس گھر کے باہر کے کسی فرد سے بھنک پڑتی۔ یہ صرف ایک غیر اہم قصہ یا غیر ضروری بات تھی جسے تمہیں بتانا ضروری اس لیے خیال نہیں کیا گیا کہ ایسا ضروری نہیں تھا''۔

میرب سیال سر جھکائے کھڑی تھی۔ جب اس خاتون کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس بت سے وجود میں ایک لمحے کو حرکت ہوئی تھی اور اس نحیف و کمزور نظر آنے والے چہرے کو اس نے کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔

''غیر اہم؟......غیر ضروری؟''

وہ خاتون اس قصے کو غیر ضروری کہہ رہی تھی۔ وہ بات جس نے اس کی ذات میں ایک بھونچال اُٹھا دیا تھا، وہ بات اتنی غیر اہم تھی؟

''میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں''۔ خاتون اس کی حالت کا اندازہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت ہے؟'' وہ اس لمحے چیخنا چاہتی تھی مگر آواز حلق کے اندر ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ خاتون کچھ ثانیوں تک کچھ نہیں بولی تھی۔ میرب سیال نے اس کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔

وہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اس کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا، عمر میں وہ گین سے بڑی ضرور تھی مگر صاف لگ رہا تھا اس کی تربیت میں کہیں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ ایک آزاد سوچ کی جھلک واضح محسوس ہو رہی تھی۔ وہ چہرہ اب بھی روشن تھا۔ اس بیماری کے باوجود آنکھوں میں چمک اب بھی باقی تھی۔ کیسے وقوع پذیر ہوا ہوگا رشتہ؟......گین نے کیا اسے بھی رد کر دیا ہوگا؟

''سچ پوچھو......میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے ہی ماں کو منع کیا تھا کہ وہ تمہیں میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں''۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا؟......آپ تو مجھے جانتی بھی نہیں تھی۔ پھر یہ مہربانی کیسے ہوگی؟'' سرد لحموں میں یہ پہلا سوال تھا جو اس نے دریافت کیا تھا۔ وہ خاتون مسکرا دی تھی۔

''تم مجھے نہیں جانتی تھیں مگر میں جانتی ہوں۔ مجھے تمہارے بارے میں پتہ تھا۔ مجھے اندازہ تھا تم ایسی ہی ہوگی''۔ میرب سیال کے لیے اپنا ذکر اس کے منہ سے سننا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا......سب کچھ بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ کیا کہتی کہ کیا خواب دیکھے تھے اس نے۔ اور یہ کہ وہ کیسے چکنا چور ہو گئے!

کیا کہتی کہ ایک لمحے میں اسے سب بے معنی لگا تھا۔ سب کچھ۔

وہ اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رُکی تھی۔ گھٹن اس کمرے میں ہی نہیں، اس کے اندر بھی تھی۔ اس نے شیشے ہٹا دیئے تھے۔ باہر کا موسم یکسر مختلف تھا۔ یا پھر اس کے اندر جیسا......وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے نے اسے سانس لینے میں مدد دی تھی۔ اس کے سینے کی گھٹن کو کچھ راستہ ملا تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔

کتنی چپ چاپ تھی یہ بارش!

اسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔

"تمہیں بہت دکھ ہو رہا ہے نا؟" میرب سیال چپ چاپ کھڑی باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ جب خاتون اس کی پشت کو دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"پتہ نہیں"۔ میرب سیال کا انداز، لہجہ سرد تھا۔

خاتون کو کچھ افسوس ہوا تھا مگر فوری طور پر وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"بارش اتنی چپ چاپ ہو رہی تھی کہ اندازہ نہیں ہوا......سب کچھ خاموشی میں کتنا چپ چاپ سا بھیگ رہا تھا"۔ میرب سیال باہر کے منظر کو دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ انداز، لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

"مگر مجھے اندازہ ہے"۔ خاتون نے مدھم لہجے میں جیسے قبول کیا تھا اور مجرمانہ انداز میں اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"مجھے افسوس ہے، میرے باعث تمہیں تکلیف پہنچی۔ مگر میں تمہارا دُکھ سمجھ سکتی ہوں"۔

"میرا دُکھ؟" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی تھی۔ "میرا نہیں خیال کہ میرا دکھ اتنا بڑا ہے جتنا کہ آپ کا۔ گلٹی تو مجھے ہونا چاہیے۔ دکھ تو میں نے آپ کو دیا ہے۔ گین کی دوسری بیوی ہوں نا میں۔ آپ کا تو غالباً حق چھینا ہے میں نے"۔ طنز عجیب نہیں تھا مگر وہ خاتون بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔

"میرا نام نہیں پوچھو گی؟"

"کیا کروں گی جان کر؟" بے تاثر انداز میں وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔

"تمہارے لیے اتنی غیر اہم ہوں میں؟" وہ خاتون دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

میرب سیال نے پلٹ کر اسے بغور دیکھا تھا۔

ایزی چیئر پر بیٹھا وہ نحیف وجود......وجود نہ تھا......ایک کہانی تھی۔ یہ بند کمرہ، اس کی گھٹن بے معنی تو نہ تھی۔ اس کا یوں قیدِ تنہائی میں عمر کاٹنا......خون تھوکنا......بے معنی تو نہ تھا۔

تو کیا وہ میرب سیال سے بھی زیادہ بے بس تھی؟

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ چہرہ اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا۔

"کچھ نہیں"۔ میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔ "آپ یہاں کیوں ہیں؟"

"تمہیں عجب تو نہیں لگے گا اگر کہوں کہ سزا کاٹ رہی ہوں؟"

"کیا اس سزا کا تعلق گین سے ہے؟" دل پر پتھر رکھ کر وہ نام لیا تھا۔

''میرا تعلق تو گین سے بھی نہیں ہے''۔ وہ اس کے سوالوں کے جواب جانے کیوں اتنی غیر سنجیدگی سے دے رہی تھی۔

''آپ......'' میرب کچھ بولنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''رومیصا...... رومیصا لغاری کہہ کر پکارنا چاہو تو پکار سکتی ہو''۔ وہ مسکرائی تھی۔ ''کتنی عجیب بات ہے نا...... جو رشتہ ہم دونوں میں ہے اسے لے کر ہمیں ایک دوسرے سے نفرت کرنی چاہیے۔ مگر ہم ایک چھت کے نیچے کتنے ضبط سے پُرسکون کیفیت میں ایک دوسرے کو جھیل رہے ہیں۔ چپ چاپ بارش شاید ایسی ہی ہوتی ہے''۔

میرب سیال نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

وہ خاتون کھانسنے لگی تھی۔ تبھی وہ اس کی سمت پلٹی تھی۔ ٹیبل سے جگ اُٹھایا تھا اور پانی گلاس میں انڈیل کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ رومیصا لغاری نے دو چار سِپ لیے تھے اور گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی اسے دیکھنے لگی تھی۔

''ڈاکٹر کو فون کروں؟'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے سیل پر نمبر ملانا چاہا تھا مگر رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اس رات کی سرگوشیاں کہہ رہی ہیں میرب سیال! اسے یونہی گزر جانے دو۔ کوئی تردد مت کرو''۔

''آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟...... خود اپنے ساتھ؟''

''کہا تو تھا...... سزا کاٹ رہی ہوں''۔

''محبت کرتی تھیں آپ گین سے؟'' ایک اُلجھن کے ساتھ دریافت کیا تھا۔

وہ خاتون مسکرا دی تھی۔ جیسے اس کا سوال بہت ہی غیر اہم اور بچگانہ ہو۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے...... میں یہاں پہیلیاں بوجھنے یوں بھی نہیں آئی تھی۔ گین آپ سے محبت کرے یا آپ گین سے...... کیا فرق پڑتا ہے''۔ اس کا بجھا بجھا سا لاتعلق لہجہ رومیصا لغاری کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''ون تھنگ دی موسٹ ہرٹ...... یو نو وہاٹ؟'' رومیصا نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال نے صرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''اونلی لو......'' رومیصا لغاری کا جواب بہت مختصر مگر بامعنی تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی مگر رومیصا لغاری کہہ رہی تھی۔

''دُنیا میں صرف محبت ہی ایسا کر سکتی ہے۔ یہ سچ ہے، محبت دل جوڑتی ہے مگر یہ اس سے بھی بڑا سچ ہے کہ محبت دل توڑتی بھی ہے۔ نفرت سے لوگ بلاوجہ خائف نظر آتے ہیں۔ نفرت کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کمزور صرف محبت کرتی ہے''۔ اس کے اُلجھے اُلجھے جملے سمجھنے کی سکت میرب سیال کے اندر نہ تھی مگر کہیں کہیں وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ اندر ایک دھواں سا جو پھیلا تھا وہ بے معنی تو نہ تھا۔ یہ گھٹن کس شے کا باعث تھی۔

''تو آپ کو گین سے محبت تھی اور گین نے آپ کو چھوڑ دیا''۔

''گین مجھے چھوڑتا تو تب جب وہ مجھے اپناتا......اس نے مجھے کبھی اپنایا ہی نہیں تو پھر چھوڑنے کی بات درمیان میں کیسے آسکتی ہے؟'' وہ خاتون جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی تھی۔ میرب سیال نے اس بجھے بجھے سے چہرے کو دیکھا تھا۔ اگر آج وہ اس حالت میں نہ ہوتی تو پُرکشش ترین عورت کہی جاسکتی تھی۔ عمر میں وہ گین سے بڑی ضرور تھی مگر......!

''میں گین سے عمر میں بڑی ہوں......قریباً پندرہ برس......ہماری شادی بے جوڑ تھی۔ سرے سے ہمارا کوئی جوڑ تھا ہی نہیں...... میرے بابا گین کے بابا کے بڑے بھائی تھے۔ اصولاً دستار بندی بڑے بھائی کی نسل کو منتقل ہوتی ہے مگر لڑکی ہونے کے باعث ایسا ممکن نہیں تھا۔ گین بہت منتوں مرادوں کے بعد اس گھر میں آیا تھا۔ خاندان بھر میں مہینوں جشن منائے گئے......وہ مجھے بھی بہت عزیز تھا مگر اس کی پیدائش پر میں نے قطعاً نہیں سوچا تھا کہ میرا اس سے کوئی ایسا رشتہ بندھ جائے گا۔ میں نے اسے اپنی ان بازوؤں میں کھلایا تھا۔ چاچی کی گود میں اسے رہنے ہی نہیں دیتی تھی۔ وہ میرے کمرے میں پایا جاتا تھا۔ میرے ساتھ۔ میں اس کا جھولا بھی اپنے کمرے میں اُٹھا لائی تھی۔ میں اس سے بہت محبت کرتی تھی''۔ رومیصا لغاری ان دنوں کو اپنے اندر بھاگتا دوڑتا محسوس کر رہی تھی۔

میرب سیال کی سانسوں کی رفتار بہت مدھم ہو رہی تھی۔ کیسا اسرار تھا اس رات میں......جیسے اس رات کوئی راز، راز نہیں رہنا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا......میں گین سے محبت کرتی ہوں''۔ رومیصا لغاری اس سچائی کو بہت دلیری کے ساتھ قبول کر رہی تھی اور میرب سیال چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا رشتہ تھا یہ؟

کیسا احساس تھا؟

''تیسری سمت'' سے چل کر آنے والی ہوائیں تک اس کج رو کے احساس سے لبریز دکھائی دیتی تھیں۔ ایک استحقاق لہجے میں بولتا دکھائی دیتا تھا۔ پہلے گی اور اب رومیصا لغاری......

کس کس کا تھا وہ؟......کس کس کے ساتھ اسے مزید بانٹنا باقی تھا ابھی؟......اگر وہ اس کا تھا تو اتنا یقین، اتنا اعتماد اس کے لہجے میں کیوں نہ تھا؟......وہ اتنی چپ چاپ کیوں کھڑی تھی؟

''ہاں، گین سے کرتی ہوں میں محبت''۔ رومیصا لغاری کی آواز اس کو جھنجھوڑنے لگی تھی۔

''ہزار حصوں میں بٹا ہوا وہ شخص میرا بھی نہیں ہوسکتا''۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بڑبڑائی تھی۔

رومیصا لغاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ غالباً وہ اسے بغور سن نہیں پائی تھی۔

''کچھ کہا تم نے؟''

میرب سیال نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''لگتا ہے وقت بالکل بھی نہیں ہوتا تمہارے پاس۔کل سارا دن تمہارا سیل بجتا رہا مگر تم نے کال پِک نہیں کی''۔گی نے فون پر شکوہ کیا تھا اور وہ کرٹسی والا بندہ اس لالمحے شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوسوری گی!بِینگ بزی وِدورک......سیل بھی سائلنٹ پر تھا......دھیان نہیں رہا۔تم بتاؤ،کیسی ہو؟......اینی پرابلم؟''

''مجھے جب کوئی پرابلم ہو،کیا تبھی تمہیں فون کر سکتی ہوں؟ایک تو تم مجھے اپنے اتنے بڑے کیسل میں تنہا چھوڑ گئے ہو۔آئی رئیلی ڈونٹ نو کہ تمہاری وائف یہاں اپنا وقت کیسے گزارتی تھی۔مگر مجھے دیواروں سے باتیں کرنا بالکل بھی نہیں آتا''۔گی مسکراتے ہوئے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری گی!......ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں یا مائی اماں میں سے کوئی وہاں ہوتا اور تمہارا بھرپور خیال رکھتا''۔

''میرا ارادہ ایسا نہیں تھا۔تمہارا گھر اب اتنا بھی بُرا نہیں ہے۔ہاں،بہت بڑا ضرور ہے۔بندہ اگر گم ہو جائے تو کوئی دِنوں تک اسے ڈھونڈ نہیں سکے گا''۔

''ایسا ہی کچھ میرب بھی کہتی تھی''۔وہ غیر دانستہ روانی سے بولا تھا۔پھر جیسے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا تو فوراً بات بدلتے ہوئے بولا تھا۔

''تم اپنا ریگولر چیک اَپ لے رہی ہونا گی؟''

''تمہیں مشکل کیا لگتا ہے گین؟''گی نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اندازہ تھا وہ کس ضمن میں کہہ رہی ہے۔شاید اسی لیے وہ مسکرا دیا تھا۔

''نتھنگ......نتھنگ اِز امپاسبل اِن دِس ورلڈ......سب کچھ ممکن ہے یہاں''۔انداز بے فکری والا تھا۔

''ممکن ہے تو پھر خود ہی ناممکن کیوں بنا رہے ہو؟''

''کیا ناممکن بنا رہا ہوں میں؟......اب تک تو سب کچھ میرے اختیار میں ہے۔ہر ایک شے''۔

''میں ہر ایک شے کی بات نہیں کر رہی گین!''تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

''تو پھر؟''گین قصداً چونکا تھا۔

''میں اس قصے کو دہرا رہی ہوں گین!جس سے تم دانستہ بھاگ رہے ہو''۔

وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں بھاگ رہا ہوں؟''

''ہاں......مگر تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ محبت تمہارے پیچھے بھاگ رہی ہے''۔جانے وہ کیوں جتانا چاہتی تھی اسے۔بظاہر اس بات میں کہیں کوئی مزاح کا پہلو نہیں نکلتا تھا۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری دل کھول کر ہنستا تھا۔

''میرا مذاق بنا لو گین!......جتنا تمہارا دل چاہے مگر تم مجھے جھٹلا نہیں پاؤ گے۔تمہیں یہی لگتا ہے نا،میں بہت بے وقوفی کی باتیں

کرتی ہوں؟''

''نہیں......تم اس دنیا میں غالباً محبت کی سب سے بڑی پیروکار ہو۔مگر افسوس ہماری زمین پر اس رسم کے لیے کچھ خاص جگہ نہیں ہے۔تم وینس پر واپس کیوں نہیں چلی جاتیں؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''وینس پر؟'' وہ چونکی تھی۔

''محبت کا پلینیٹ تو وینس ہی ہے''۔محظوظ ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''گین!......تم سامنے ہوتے تو بتاتی''۔وہ جل کر بولی تھی۔

''کیا؟......یہی کہ محبت مجھ سے کتنے فٹ کے فاصلے پر دوڑتی ہوئی پیچھا کر رہی ہے؟'' وہ قطعاً سنجیدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''گین!'' وہ تنبیہہ کرتی ہوئی بولی تھی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم ناٹ کڈنگ......تم نے میرا دن بنا دیا ہے گی!......ساری تھکن اُڑن چھو ہوگئی ہے۔اب خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں میں''۔

''تمہیں میری باتیں فضول لگتی ہیں، ہاں؟'' گی برا مانتی ہوئی افسردہ لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں......تم دنیا میں واحد ایسی دوست ہو جس کی باتوں سے میں سب سے زیادہ محظوظ ہوتا ہوں۔ویسے تمہاری باتیں سن کر مجھے ایک شعر یاد آ گیا ہے۔پتہ نہیں تمہاری سمجھ میں آئے گا یا نہیں''۔

''جب تم جیسے مشکل بندے کو میں سمجھ سکتی ہوں تو تمہاری ہر بات بھی سمجھ سکتی ہوں۔تم بتاؤ، کیا ہے وہ بات؟''

''بات نہیں ہے، چھوٹا سا شعر ہے۔میرے تایا سنایا کرتے تھے۔بات کچھ یوں ہے۔

کوئی تعویذ ہور دِ بلا کا

محبت میرے پیچھے پڑ گئی ہے

اس کا مطلب ہے گی!......کوئی جادو ٹونا ایسا نہیں جو محبت کے پیچھے پڑنے کا علاج کر سکے''۔شستہ انگریزی میں اسے سمجھاتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔وہ مسکرا دی تھی۔

''تو تم نے مان لین گین!......اس بات کا کوئی حل نہیں''۔

''ہاں......مانتا ہوں......مگر میں اب بھی محبت سے کئی فٹ کے فاصلے پر دوڑ رہا ہوں''۔وہ ہنسا تھا۔انداز اب بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''تم مانو گے گین!ایک دن ضرور مانو گے اور میں دعا کرتی ہوں تب تک وقت، حالات سب کچھ تمہاری گرفت میں ہوں''۔گی ژیانگ نے اسے دعا دی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ گیا تھا۔

''تمہارے معاملے کا کیا ہوا گی؟......بات بنی یا نہیں؟'' اس کی بابت دریافت کیا تھا۔

''نہیں......اب تک تو نہیں۔محبت تلاشنا آسان تو نہیں گین!'' وہ عجب یاسیت سے مسکرائی تھی۔''پہلے پیچھے پیچھے سرپٹ دوڑتی

ہے اور پھر جب پکڑ لیتی ہے تو اچانک ہی ہاتھ چھڑا کر آگے آگے بھاگنا شروع کر دیتی ہے مگر اس کا اپنے پیچھے دوڑانے کا عمل بھی کچھ کم دلچسپ نہیں''۔

''اسے ڈھونڈو گی ژیا نگ! اس شخص کا ملنا ضروری ہے''۔ گین سنجیدگی سے بولا تھا۔

''ہاں، جانتی ہوں......تم کب آ رہے ہو؟''

''بہت جلد......کوشش کر رہا ہوں سارا کام جلد نمٹا لوں۔ پتہ نہیں کیوں......مگر اب کے دل نہیں لگ رہا''۔ مدھم لہجے میں برملا کہا تھا۔

''کسی کو مس کر رہے ہو؟'' گی چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔

''پتہ نہیں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے شانے اُچکا دیئے تھے۔ وہ جیسے کسی ان چاہی گرفتگی کے درپے تھا۔

''اینی وے، سی یو......جلد ملتے ہیں''۔ بروقت اس نے خود کو سنبھالا تھا اور سلسلہ منقطع کر دینا چاہا تھا جب وہ فوری طور پر بولی تھی۔

''میرے لیے کیا لاؤ گے گین؟''

''تمہارے لیے؟......کیا لاؤں؟ تم بتا دو''۔ صورتِ حال کو جیسے آسان کرنا چاہا تھا۔

''مجھے چھوڑو......جس کے لیے لانا ہے، لے آؤ۔ شاید اسے بھی کسی ایسی ہی بات کا انتظار ہو''۔ وہ پھر اسی نقطے پر تھی۔ گین مسکرا دیا تھا۔

''بائے گی ژیا نگ!'' ایک غیر اہم قصہ جانتے ہوئے اس نے سننا گوارا نہیں کیا تھا۔ گی ژیا نگ فون ہاتھ میں لیے اس شخص کے متعلق سوچنے لگی تھی۔

''کیوں ایسا کر رہے ہو تم گین؟......کیسے بتاؤں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنی جیسی کسی صورت حال میں دیکھنا نہیں چاہوں گی۔ مگر میں تمہیں سمجھا بھی نہیں پا رہی''۔ ایک تھکن سے وہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''محبت کچھ ایسا دقیق معاملہ بھی نہیں ہے کہ سمجھ نہ آ سکے۔ بہت آسان ہے یہ...... بڑے آرام سے سمجھ میں آ جاتی ہے اس کی زبان۔ مشکل ہے نا اس کے اسرار و بھید......مگر بات صرف ماننے کی ہے''۔ رومیصا لغاری مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ میرب سیال نے کھڑکی سے باہر خاموشی سے دیکھا تھا۔

''بارش رُک گئی ہے۔ شاید وقتی طور پر۔ موسم کی گھٹن بتا رہی ہے، یہ غبار دبا نہیں رہے گا''۔ وہ محض موسم کی بات نہیں کر رہی تھی۔ رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

''بارش برس جائے، یہی اچھا ہوتا ہے۔ ورنہ بادلوں کے وجود بھی سرد پڑ جاتے ہیں۔ اولے جب برستے ہیں تو اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی''۔ وہ غالباً اس کمرے کی کثافت کو کم کرنا چاہتی تھی مگر میرب چہرے کا رُخ پھیرے چپ چاپ کھڑی رہی تھی۔ میرب سیال نے نگاہ اُٹھا کر سیاہ بادلوں کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر آنکھیں یک دم ہی پانیوں سے اٹی تھیں اور رخسار بھیگتے چلے

گئے تھے۔وہ اپنی کیفیت پر خود آپ حیران تھی۔ اتنا بے بس، اتنا کمزور ونا تواں تو اس نے خود کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

''محبت کرنے لگی ہونا مجھ سے؟'' ایک مانوس لہجہ اس کے اِردگرد گونجا تھا۔ اطراف کا شور بڑھ رہا تھا۔

''محبت ہوگئی ہے نا تمہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اس لمحے بھی اتنا ہی تروتازہ تھا، کسی ایک بے خبر پل کی کتھا اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ اسے زچ کررہی تھی۔

''جھوٹا ہے وہ شخص......ایک دم جھوٹا......'' وہ عجب بے بسی سے بڑبڑائی تھی۔

رومیصا لغاری نے اس کی کیفیت کو بغور جانچا تھا۔

''مجھے خاموشی سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ خاموشی ہوتی ہے تو میرے اندر کی یخ بستگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ میں نے گین کو بھی بتایا تھا، وہی یہ میوزک سسٹم میرے کمرے میں چھوڑ گیا۔ کہہ رہا تھا دل بہل جائے گا۔ بے وقوف ہے، نہیں جانتا، دل سنبھلے تو بہلے نا......اتنا نا سمجھ ہے کہ سمجھتا ہی نہیں''۔ رومیصا لغاری کا لہجہ عجب اِک بے خودی کے زیر تھا مگر اس کی آنکھیں ویرانیوں کے باوجود بے رنگ نہ تھیں۔ کیسی تھی یہ محبت؟

کیا محبت ایسی ہی ہوتی ہے؟......اپنے رنگ میں رنگنے والی!

سارے زمانے اپنے کرنے والی؟

میرب سیال بنا اپنی آنکھوں کو پونچھے، بنا بھیگتے رخساروں کو صاف کیے رومیصا لغاری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں تھی، کس لیے تھی......شاید وہ خود نہیں جانتی تھی۔ اتنا کچھ جان لینے کے باوجود اور کیا جاننا باقی تھا۔ سوچا تھا مگر اپنا سارا وجود پتھر کا پایا تھا۔

''سنگ دل ہے وہ......بے رحم......صرف دل توڑ جانتا ہے یا پھر دلوں سے کھیلنا۔ اس نے آپ کا دل بھی توڑ دیا ہوگا''۔ اپنے دُکھ کو بھول کر وہ اس لمحے خیر خواہی پر مائل تھی۔ رومیصا لغاری نے اسے پہلے چونک کر دیکھا تھا پھر بات سمجھتے ہوئے جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''مجھے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے کوئی گلہ نہیں ہے......میں اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچتی''۔ رومیصا لغاری اسے حد درجہ رعایت دینے کی قائل دکھائی دے رہی تھی۔ میرب حیران ہوئی تھی۔

''آپ اسے رعایت دینا چاہتی ہیں؟''

''رعایت نہیں، مراعات''۔ رومیصا لغاری کا جواب اسے پاگل کر دینے والا تھا۔ اس کا اطمینان، اس کی دھیمی مسکراہٹ۔ میرب سیال کا دل چاہا تھا اسے شانوں سے پکڑے اور اس کے کمزور ونحیف جسم کو جھنجھوڑ کر رکھ دے مگر وہ ایسا کچھ نہیں کر سکی تھی۔

''محبت اتنی اندھی نہیں ہوتی''۔ وہیں کھڑے اسے جھٹلایا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری سے میری انسیت تم نہیں سمجھ سکوگی''۔ رومیصا لغاری بہت رسانیت سے مسکرا رہی تھی۔ ''محبت اس سے بھی زیادہ رعایت دے سکتی ہے۔ دینے کے لیے اس سے بھی زیادہ مراعات محبت کے پاس ہیں''۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری جانتا ہے آپ اس سے اس قدر محبت کرتی ہیں؟'' میرب سیال اپنے زخموں کو خود آپ کھرچنے پر مائل

دکھائی دے رہی تھی۔

''ہاں......اپنے ان ہاتھوں سے میں نے اُسے کھلایا ہے۔ جیسے میں اس سے واقف ہوں ویسے ہی وہ بھی مجھے جانتا ہے''۔

''پھر یہ رشتہ آگے کیوں نہیں بڑھ سکا؟......آپ نے نہیں چاہا یا......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ گردن کا رُخ پھیر گئی تھی۔ اپنی ضبط ٹوٹتی آواز کا بھرم قائم رکھنے کو ایسا از حد ضروری لگا تھا۔ ''وہ آوارہ مزاج شخص ایسا ہی کر سکتا ہے۔ اس کے لیے دل اور دل سے وابستہ رشتے کوئی امپورٹنس نہیں رکھتے۔ بیڑیوں میں قید رہنے والا بندہ وہ نہیں ہے۔ اسے صرف آزاد فضاؤں میں رہنا اور سانس لینا اچھا لگتا ہے۔ رشتوں کے بندھن میں بندھ کر اس کا دم یوں ہی گھٹتا ہے''۔ میرب سیال کو کبھی بھی اس سے اچھی اُمید نہیں رہی تھی۔ اس کا کڑوا لہجہ اس کی بھرپور غمازی کر رہا تھا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ رومیصا لغاری واضح طور پر سن نہیں پائی تھی مگر اس کے تاثرات سے وہ جان گئی تھی۔

''تمہیں بھی گین سے محبت ہے نا؟......تم کتنی رعایت دے سکتی ہو اسے؟''

میرب سیال نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''محبت کرنے لگی ہو مجھ سے......؟'' ایک بے خبر لمحے کا پُرفسوں لہجہ اس کے گرد اپنا حصار باندھ گیا تھا۔ جب وہ کج روش، کج ادا اس کے قریب تھا۔

''نہیں......'' میرب سیال نے اپنا سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''مجھے اس شخص سے محبت نہیں ہے۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے محبت کی جا سکے۔ اس سے محبت کرنے کا مطلب ہے خود آپ اپنی شامت کو بلاوا دینا۔ وہ سوائے دُکھ کے کچھ نہیں دے سکتا''۔

میرب سیال کی ساکت آنکھوں سے غبار ایک بار پھر ڈھلنے کو تھا۔ رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔

''صرف محبت دل توڑ سکتی ہے۔ دُنیا میں اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو آپ کا دل توڑ سکے اور آپ کو دُکھ دے سکے۔ صرف محبت ہی دل توڑ سکتی ہے''۔ رومیصا لغاری اسے جیسے جتا رہی تھی۔ میرب سیال چپ چاپ بت بنی کھڑی تھی۔ اندر باہر بہت گھٹن تھی۔ اس نے گردن کا رُخ موڑ کر دیکھا تھا۔ باہر ایک بار پھر بارش ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

''محبت آباد کاری کرتی ہے......خالی جگہوں کو بھرتی ہے مگر کبھی کبھی یہی محبت بہت سی جگہوں کو بنجر بھی کر جاتی ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے اذہان!......کبھی کبھی بہت ڈر لگتا ہے''۔ ساہیہ خان نے اپنے خدشے کو زبان دی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ڈرنے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں محبت ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان کمزور کر دینے والا ایسا کوئی ایلی منٹ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہے اس سے بڑھ کر ہے''۔ وہ غیر سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ غالباً دانستہ ایسا کر رہا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں''۔ وہ کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔

''آئی واز کڈنگ ساہیہ!'' اذہان نے جانے کیا اخذ کرتے ہوئے کہا تھا۔

ساہیہ نے فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

''تم کیا سوچ رہی ہو ساہیہ؟''

''کچھ نہیں۔ حیران ہو رہی ہوں''۔

''کس بات پر؟''

''محبت حیران کن شے ہے''۔ اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

''تمہیں یہ ادراک کیسے ہوا؟'' وہ بغور ساہیہ کو دیکھ رہا تھا۔

''اگینے کو دیکھ کر''۔ ساہیہ کا لہجہ مدھم تھا۔

''اگینے؟...... اگینے کو کیا ہوا؟ ان کی ڈائیورس تو ہو گئی نا۔ کیا انہوں نے اب تک اس بات کو ڈس کور نہیں کیا؟''

''اگینے کو اس بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ بہت محتاط ہیں۔ وہ کسی کو اپنی ذات سے دُکھ نہیں دینا چاہتیں''۔

''بالکل تمہاری طرح''۔ اذہان حیران ہوئے بغیر بولا تھا مگر ساہیہ سوائے اسے خاموشی سے دیکھنے کے کچھ نہیں بولی تھی۔

''تم بھی تو اتنی محتاط ہو کہ اپنی ذات سے کسی کو کوئی دُکھ دینا نہیں چاہتی۔ مگر یہ ٹھیک تو نہیں ساہیہ! اس طرح خود کو تو تکلیف پہنچتی ہے نا۔ اس تکلیف کا کیا؟'' لہجہ ہمدردانہ تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''محبت حیران کن شے ہے اذہان!...... تم تو جانتے ہو گے...... اس میں...... ''میں'' کہیں نہیں رہتا...... سب کچھ ''تُو'' ہی ''تُو'' بن جاتا ہے''۔

اذہان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس لڑکی کا لہجہ اس کے اندر کی بھرپور غمازی کر رہا تھا۔ اذہان کو کسی قدر احساسِ جرم نے گھیرا تھا۔

''ساہیہ......!'' اس کے ہاتھ پر آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھا تھا مگر وہ اس لمحے اتنا خالی تھا کہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

ساہیہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو ساہیہ! میں تمہارا دل کبھی دُکھانا نہیں چاہوں گا''۔

''اور اگر دُکھایا تو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''معاف کر دو گی؟'' اذہان کا لہجہ دھیما تھا۔

''ہاں''۔ قدرے توقف کے بعد وہ سوچ کر بولی تھی اور مسکرا دی تھی۔

''محبت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے نا؟'' اذہان نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

''ہاں''۔ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''آئی نیو ڈیٹ''۔اذہان نے اعتراف کیا تھا۔

ساہیہ چند لمحوں کو چپ رہی تھی۔پھر بولی تھی۔

''اذہان! میں اگینے کو لے کر پریشان ہوں۔ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ہم صرف یہ جانتے ہیں ان کا ڈائیورس ہو گیا مگر کس وجہ سے ہوا، یہ ہم نہیں جانتے۔انہوں نے اپنی میرڈ لائف میں بہت سفر کیا ہے اذہان! اور اس میں کچھ حد تک قصور کسی اور کا بھی ہے''۔

''کس کا؟''

''فیض چاچو کا''۔

''فیض چاچو؟......فیض چاچو کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟''

''تم نے کبھی ان سے پوچھا نہیں اذہان! انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں بھرپور انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔غالباً وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

''اگینے ......تمہارا مطلب ہے؟''

''تم ٹھیک سمجھے ہو......اگینے فیض چاچو سے محبت کرتی تھیں''۔

''اور فیض چاچو؟''

''شاید نہیں......اگر کرتے ہوتے تو شاید صورتِ حال آج کچھ مختلف ہوتی''۔

''لیکن ساہیہ......!'' اذہان نے کچھ بولنا چاہا تھا مگر جیسے سارے لفظ کھو گئے تھے۔

''کیا ہوا؟......یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔مگر مجھے لگتا ہے اگینے کی محبت ون سائیڈڈ رہی ہو گی۔تمہیں کیا لگتا ہے اذہان! فیض چاچو نے اب تک......'' باقی کا جملہ ساہیہ کی زبان پر ہی رہ گیا تھا۔اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔فیض بخاری بہت قریب کھڑے تھے۔ساہیہ فوری طور پر کوئی ری ایکشن نہیں دے سکی تھی۔اذہان مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''چاچو! آپ......؟''

''کیا چل رہا ہے؟'' غالباً انہوں نے کوئی بات نہیں سنی تھی۔ساہیہ تو کچھ نہیں بولی تھی البتہ وہ بات سنبھالتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''وی ور پلاننگ فور لائف''۔

''ناٹ بیڈ''۔فیض چاچو مسکرائے تھے۔''یہی دن پلاننگ کے ہوتے ہیں۔اس کے بعد تو سوچنے کا بھی وقت نہیں ملتا''۔

''چاچو! ایک بات بتائیں گے؟......آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟'' ساہیہ کی سُوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔اذہان کو اندازہ ہو گیا تھا،اس نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ مزید کہنے سے باز رکھا تھا۔فیض چاچو حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''چاچو! آپ مانچسٹر جانے والے تھے نا؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں......مگر سم ہاؤ، وہ ٹرپ پوسٹ پون ہو گیا۔ بھابی دکھائی نہیں دے رہیں''۔ فیض چاچو نے جواب دیا تھا۔

''ممی مارکیٹ گئی ہیں۔کوئی کام تھا؟''

''نہیں......یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ اینی ہاؤ، تم لوگ انجوائے کرو۔ ڈریمنگ فور فیوچر۔ میں کچھ تھک گیا ہوں۔ آرام کروں گا''۔ فیض چاچو کہہ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ساہیہ اب بھی ان کی پشت کو بغور دیکھ رہی تھی۔

''فیض چاچو ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں نا؟......اس کے باوجود یہ کسی کا دل نہیں سمجھ سکے۔ حیرت کی بات ہے نا۔ اور میں حیرت کیوں کر رہی ہوں۔ دل توڑنے کے لیے ہارٹ اسپیشلسٹ ہونا ضروری تو نہیں۔ دل تو کوئی بھی توڑ سکتا ہے''۔ ساہیہ بہت دل گرفتہ لگ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس لمحے کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔ کوئی جملہ ہمدردی نہیں، کوئی دلاسہ بھی نہیں۔

''اذہان! یک طرفہ محبت یوں ہی دُکھ دیتی ہے؟'' وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں دریافت کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اور وہ بول رہی تھی۔

''مجھے ہمیشہ لگتا ہے اذہان! محبت دونوں طرف سے ہونی چاہیے۔ یہ ون سائیڈڈ لو بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔ دکھ کے سوا کچھ نہیں دیتا''۔ شاید پہلے وہ اس نہج پر سوچتی بھی نہیں تھی مگر اب اس پہلو پر تفصیل سے سوچ رہی تھی۔

''اذہان! کیا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے؟'' ساہیہ خان کی آنکھوں میں نمی واضح انداز میں تیر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا''۔ بہت مدھم لہجے میں وہ اسے باور کراتے ہوئے بولا تھا مگر انداز بہت کمزور سا تھا۔

☆......☆......☆

''ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے......میں نے تمہارا، تمہاری ذات کا ہمیشہ احترام کیا ہے مگر تم......'' عفنان علی خان کا انداز دھیما مگر شکوہ برملا تھا۔

انابیہ شاہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ ایک بار بھی اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''مجھے تو کبھی یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ تم چاہتی کیا ہو آخر؟......کیا کچھ کروں میں تمہارے لیے؟'' عفنان علی خان نے جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ آج سارے حساب بے باک کر دے گا۔ اس کا ضبط جیسے جواب دے چکا تھا۔

''کیا کروں؟......تمہارے قریب آنا چھوڑ دوں؟......تمہیں دیکھنا چھوڑ دوں؟......تم سے محبت کرنا چھوڑ دوں؟......کیا چاہتی ہو تم؟......تمہاری خواہشوں کی لسٹ تو بے حساب ہے انابیہ! کیا کچھ کروں میں تمہارے لیے؟ تمہیں خوش کرنے کے لیے اپنا آپ اُٹھا کر تمہاری اس دوست کو دے دوں؟ کتنی بچگانہ باتیں ہیں تمہاری۔ اس پر بھی کہتی ہو کہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے''۔ اتنے سخت لفظ اور اتنا سخت لہجہ عفنان علی خان کی طرف سے کبھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ غالباً وہ ٹھانے بیٹھا تھا کہ آج انابیہ شاہ کے چودہ طبق روشن کر دے گا۔ مگر

انا بیہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ نہ سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا، نہ ہی کوئی جواب دیا تھا۔

بنا کوئی تاثر ظاہر کیے وہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ اس کی اس کیفیت پر عفنان علی خان کو جیسے حد درجہ طیش آ گیا تھا۔ بہت ہی جارحانہ انداز میں وہ آگے بڑھا تھا اور اسے بازو سے کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کر لیا تھا۔

''چاہتی کیا ہو تم؟...... کیا سمجھتی ہو تم ہاں؟...... کیا اہم ہے میرے لیے؟'' یہ گوشت پوست کی پُرکشش تعمیر شدہ عمارت؟ اس سے آگے کچھ نہیں دیکھتی میری نظر؟ مجھے ان حدتوں کو پانے کا شوق ہے بس؟ انہی قربتوں کی جستجو ہے، یہی رفاقت جنون ہے میرا؟ وہاٹ انا بیہ؟...... وہاٹ یو تھنک؟...... کیا سوچتی ہو تم؟ زبردستی کی میں نے تمہارے ساتھ؟...... تمہارا وقار مجروح کر دیا؟...... تمہارا نسوانی تشخص تہس نہس کر دیا؟ تو پوچھو مجھ سے کیوں کیا میں نے ایسا؟...... کس لیے؟ میرے اغراض کو کبھی تو جاننے کی کوشش کیا کرو۔ خواہشوں سے تو تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میرے خوابوں سے تو کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ جو کہتا ہوں، کرتا ہوں، کبھی اس کو سمجھنے کی کوشش کر لیا کرو۔ مجھے سمجھنے کی کوشش تو تم عمر بھر نہیں کرو گی۔ مجھے کبھی کبھی پتہ ہے کیا لگتا ہے انا بیہ؟ شاید ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے ہیں ہم''۔ اس کی سمت دیکھتے ہوئے وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔ انا بیہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اندازہ ہو رہا ہے مجھے اپنی بے وقوفی کا۔ بہت غلط کیا میں نے۔ بہت غلط کیا تم سے محبت کر کے انا بیہ!...... اس سے اچھا تھا میں کسی دیوار سے سر دے مارتا۔ تم نے مجھے سوائے پریشانی کے کچھ نہیں دیا ہے''۔ وہ شانوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا۔ انا بیہ کی ساکت آنکھوں سے نمکین پانی کے قطرے بہت خاموشی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

''جاننا چاہتی ہو میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟...... جاننا چاہتی ہو؟...... پریشان تھا میں تمہارے لیے۔ فکر تھی مجھے اس رشتے کی۔ بچا کے رکھنا چاہتا تھا میں یہ تعلق۔ مجھے لگا پاگل ہوتی جا رہی ہو تم۔ ایک بہت اچھے سائیکاٹرسٹ سے کنسلٹ کیا تھا میں نے۔ ہمارے اس رشتے کو بچائے رکھنے کے لیے، تمہیں یہ تاثر دینا ضروری تھا کہ تم تمام سیاہ سفید کی مالک ہو...... سب کچھ تمہارا ہے...... تمہیں یہ سپردگی کا احساس سونپنا ضروری تھا۔ کوئی لسٹ نہیں تھی وہ۔ جانور نہیں ہوں میں، شکار پھانسنے اور جھپٹ پڑنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے مجھے۔ میں صرف تمہیں راہِ راست پر لانا چاہتا تھا۔ بتانا چاہتا تھا یہ کہ یہاں جو کچھ بھی ہے تمہارا ہے۔ کچھ بھی کسی اور کا نہیں ہے۔ تمہارے اندر اپنی چیز پر حق جتانے کا ایلی منٹ سرے سے موجود نہیں ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے یہ تم مجھے نہیں سکھاؤ گی انڈرسٹینڈ؟ جو ہو چکا ہے میں اس کو واپس نہیں لا سکتا ہوں۔ مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی تھا بھی کہ نہیں۔ تمہیں پاگلوں کی طرح بے بس انداز میں صرف مجھے اپنے پاس آنے سے روکنے کے لیے یہ بودی وضاحتیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ چاہتی ہو نا کہ میں تم پر توجہ نہ دوں؟ تو ٹھیک ہے...... آج کے بعد میں تمہیں دیکھوں گا بھی نہیں''۔ لہجے میں بہت اشتعال تھا۔

''تمہیں لگتا ہے ہمارے اس رشتے کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو میں آج کے بعد تم پر اپنا کبھی کوئی حق نہیں جتاؤں گا۔ تمہیں لگتا ہے اس کمرے میں میرے آنے سے تمہیں ان سیکورٹی فیل ہوتی ہے تو ٹھیک ہے، آج کے بعد ہمارے کمرے الگ ہوں گے...... تمہیں اور جو

جو لگتا ہے، مجھے بتا دو۔ مگر فور گاڈ سیک مجھے یوں فالتو چیز سمجھ کر لوگوں میں بانٹنا ترک کر دو۔ میں تمہارے پاس کوئی بے فائدہ یا فالتو شے نہیں ہوں۔ میں کس سے کیا تعلق بناتا ہوں اور کیا توڑتا ہوں، ڈیٹس ناٹ یور کنسرن، رائٹ۔ مگر اب مجھ سے کسی طرح کی رعایت کی تمنا رکھنا ترک کر دو۔ تھک چکا ہوں میں تم سے......اور اپنے اس بنائے گئے زبردستی کے رشتے سے......سوائے ریگرٹ کے کچھ نہیں ملا ہے مجھے۔ مگر میں اور مزید پچھتانا نہیں چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے ڈرنے کی یا خوف زدہ ہو کر دیواروں میں کونوں کھدروں میں چھپنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں میچنے کی عادت ترک کر دو اب۔ کیونکہ عفنان علی خان نے آج سے اپنے جنوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ آئندہ یہ نہ کوئی مشکل اپنے لیے کری ایٹ کرے گا نہ تمہارے لیے۔ ٹرسٹ می۔ کہو تو یہ بات میں تمہیں لکھ کر بھی دے سکتا ہوں۔ میرا ڈر اپنے اندر سے ختم کر دو۔ میرا ارادہ تمہارے احساس کو جگانے کا تھا۔ تمہیں خوف زدہ کرنا کبھی میرا مشن نہیں رہا۔ اگر میری محبت تمہیں خوف زدہ کرتی ہے تو ٹھیک ہے، آج سے میں اپنی محبت کا ہاتھ کھینچ لیتا ہوں۔ میری طرف سے اب تمہیں مزید کوئی ٹینشن نہیں رہے گی۔ جینا بہت ضروری ہے۔ سو جینے کے قاعدے پڑھنا آج ہی سے شروع کر دو۔ دوسروں کی خیر کی خواہش کا جنوں تمہارے سر پر سوار ہے مگر خود پہلے آپ کو بھی تو دیکھو۔ مگر مجھے تمہاری پرواہ کیوں ہو رہی ہے؟ تمہاری زندگی ہے یہ۔ فیصلے بھی تمہارے ہونے چاہئیں۔ میں احترام کرتا ہوں تمہارے فیصلوں کا۔ مگر جو میں کر رہا ہوں اس سے بہتر تدارک اور سد باب شاید کوئی نہیں ہے"۔

انا بیہ شاہ ساکت بُت سی بنی اب بھی ویسے ہی چپ چاپ کھڑی اسے بھیگتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے شانے پر سے اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے ہٹایا تھا۔ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انا بیہ شاہ کے پتھر وجود میں تب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح چپ چاپ کھڑی وہ کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ آنکھوں کی تمام نمی رخساروں پر آ گئی تھی۔ گرم گرم کھولتے پانی جیسے آنسو رخساروں کو جیسے جلاتے چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

میرب سیال کی ساکت نگاہیں کھڑکی سے باہر کی برستی ہوئی بارش کو متواتر دیکھ رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر رومیصا لغاری ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

دونوں خاموش تھیں......اور کمرے کی فضا بہت بوجھل تھی مگر کوئی بھی اس بوجھل پن کو توڑنے کے ارادے میں دکھائی نہ دے رہا تھا۔ میرب سیال کو اس بوجھل، گھٹے گھٹے ماحول میں مزید رہنا بے حد دشوار لگا تھا۔ وہ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ ارادہ اس کمرے سے نکل جانے کا تھا مگر رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے میرب سیال!...... سننے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے"۔ رومیصا لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

میرب کے انداز میں بہت ٹھہراؤ تھا۔

"کیا فائدہ ہے جان لینے سے؟...... ان سب کے جان لینے سے کیا بدلے گا؟...... میرے لیے اس تعلق میں ہر لمحہ حیرت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپ تو پھر بھی ایک جائز تعلق ہیں اور مجھ سے پہلے اس رشتے سے وابستہ ہیں۔ میں تو ان لمحوں کی حیرتوں سے بھی گزری ہوں جو نا قابلِ قبول تھے اور ماننے لائق بھی نہ تھے"۔ اس کا انداز عجب اِک یاسیت اپنے اندر رکھتا تھا۔

رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔

"اگر تم نہیں چاہتی ہو تو میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ مگر جو بات میں کہنا چاہتی ہوں اس میں اگر تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے تو وہ غلط فہمی ضرور مٹ سکتی ہے جو تمہیں اس رشتے کو لے کر ہوگئی ہے"۔

"کیا وضاحت دیں گی آپ؟ میرے معاملات کو سلجھانے کے لیے ایسی کوئی وضاحتیں کام نہیں آنے والی۔ آپ اگر کوئی ریگرٹ فیل کر رہی ہیں تو پلیز اس سے باہر آ جائیے۔ میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ میرا دل دُکھانے کا سبب خود کو جاننے لگیں یا سارا الزام اپنے سر لینے لگیں۔ میری ناؤ پہلے بھی پار نہیں تھی۔ یہ تغیر نیا نہیں ہے۔ میں ایسے مدو جزر کی عادی ہوں۔ سو آپ خود کو کوئی الزام مت دیجیے"۔ میرب سیال مسکرائی تھی۔ رومیصا لغاری اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"ہمارا نکاح اس وقت ہوا تھا جب گین صرف ایک برس کا تھا۔ اس وقت وہ اس رشتے کی حقیقت کو بالکل بھی نہیں سمجھ سکتا تھا مگر میں اس وقت سولہ برس کی تھی۔ میری سمجھ اتنی چھوٹی نہیں رہی تھی کہ تعلقات کے لیے وضاحتیں دینا پڑتیں۔ میں نے اپنے طور پر اس رشتے کو رد کرنا چاہا تھا مگر ہمارے یہاں اصول مختلف ہیں۔ روایات زیادہ مضبوط ہیں۔ سو میرا کوئی واویلا کام نہیں آیا اور وہ نکاح ہوگا۔ میں نے بہت دن احتجاج کیا، کچھ کھایا پیا نہیں...... مگر اس سے اب اور کچھ ہونے والا نہیں تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ ہمارے ہاں ایسے بے جو رشتے عام روایت رکھتے ہیں۔ یہاں اسی طرح نصیب لکھ دیئے جاتے ہیں۔ میں اب اس تعلق سے رہا نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اس چھوٹے سے گین کی طرف دیکھتی تھی جو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے میرا آنچل پکڑ کر کھینچتا تھا، اپنی طرف بلاتا تھا۔ اس کا بھی کہیں قصور نہیں تھا۔ اسے تو خود پتہ نہیں تھا وہ اس وقت کس رشتے میں بندھ چکا ہے۔ میں ان روایات کے خلاف جانے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی ایسا کچھ نہیں کر پائی تھی۔ اپنے بابا کی اکلوتی بیٹی تھی میں...... انہیں بہت عزیز بھی تھی اور آج تک ہوں۔ مگر وہ میرے حق میں اسی فیصلے کو ٹھیک جانتے تھے۔ سو میں نے رونے دھونے اور احتجاج کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس رشتے کو قبول کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اس رشتے کے پلو سے بندھ چکی تھی اور اب اس کی گرہ کبھی نہیں کھلنی تھی۔ ہمارے ہاں رشتے صرف بنتے ہیں۔ ٹوٹتے نہیں۔ ہمارے یہاں توڑنے کے لیے کوئی اصول نہیں ہے۔ صرف دل ہیں، مگر میں اپنا دُکھ کسی سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس تقدیر کو ماننا شرط تھا میرے لیے۔ مگر میں اس ماحول سے نکلنا چاہتی تھی۔ سو بابا نے میری خواہش پر مجھے ابراڈ بھجوا دیا"۔ وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی جب اچانک ہی کھانسی کا اٹیک ہوا تھا اور وہ کھانستی چلی گئی تھی۔

میرب نے ایک بار پھر گلاس میں پانی انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

رومیصا لغاری نے چند سِپ لیے تھے اور گلاس واپس اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''آپ نے میڈیسن نہیں لی تھی نا؟'' میرب سیال اب بھی خیر خواہی پر مائل دکھائی دے رہی تھی۔ رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

''تم مجھے جینے پر کیوں اُکسا رہی ہو؟''

''اُکسا نہیں رہی۔ میں نہیں چاہتی......'' جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''کیا نہیں چاہتی؟'' رومیصا لغاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔

''تمہیں زندگی خوب صورت لگتی ہے؟'' رومیصا لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''زندگی اچھی ہو یا بری، جینا شرط ہے۔ کوئی ناانصافی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جینا چھوڑ دیا جائے''۔

رومیصا لغاری جیسے محظوظ ہوئی تھی۔

''زندگی سے بھاگنا اور کیا کہلاتا ہے؟'' میرب نے اُلٹا سوال کر دیا تھا مگر رومیصا لغاری جواب دینے کی بجائے کھانسنے لگی تھی اور کھانستی چلی گئی تھی۔ میرب کے لیے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر ملازم کو آواز دی تھی۔

''ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے''۔ کہہ کر وہ دوبارہ اس کی طرف آئی تھی اور اس کی پیٹھ سہلانے لگی تھی۔ ایک ہاتھ سے سیل پر ڈاکٹر کا نمبر ملاتے ہوئے، دوسرے ہاتھ سے پانی کا گلاس آگے بڑھایا تھا مگر وہ کھانستے ہوئے اتنی بے ترتیب ہو رہی تھی کہ پانی کا گلاس فرش پر جا پڑا تھا۔ رومیصا لغاری کی حالت بری طرح بگڑ چکی تھی۔ جانے اس رات میں اور کیا کیا ہونا باقی لکھا تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک اسٹور میں گی ژیانگ کے لیے کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب اس کا خیال آتا تھا۔ اُس نے بہت خوب صورت سا نیکلس اُٹھا کر دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو وہ چہرہ نگاہ کے سامنے جھلملا گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس نیکلس کو پیک کروانے کا آرڈر دیا تھا اور ماتحت کو ہدایت دے کر چلتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ بے اختیاری میں ہی سیل فون پر ایک نمبر ملایا تھا اور سیل فون کان سے لگا لیا تھا مگر دوسری طرف غالباً موبائل سائلنٹ تھا۔ مسلسل بیپ جا جا کر سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کسی قدر تشویش ہوئی تھی۔ بے اختیار ہی نمبر ڈائل کیا تھا۔ بیل پھر گئی تھی مگر اب کے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو!...... گین بات کر رہا ہوں۔ وہاٹ ہیپنڈ؟...... کال کیوں نہیں پک کی؟ وہاں سب ٹھیک تو ہے؟ مائی کیسی ہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال ہاسپٹل کے لاؤنج میں کھڑی تھی، اس وقت اس شخص کی کال ریسیو نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب جب کر ہی لی تھی تو بات کرنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

''مائی بالکل ٹھیک ہیں...... گھر پر سو رہی ہیں۔ آپ کو بات کرنا ہے تو وہاں کا نمبر ملا لیجیے''۔ اس کا لہجہ گرم جوش تو کبھی نہیں رہا تھا

مگر اس لمحے تو سرد مہری کی حد ہو گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی اُمید نہیں تھی۔

''کیوں، کیا ہوا؟ تم کہاں ہو؟ ہیو یو بیک؟''

''نہیں، میں یہیں ہوں مگر اس وقت میں گھر پر نہیں ہوں''۔

''گھر پر نہیں ہو تو پھر کہاں ہو؟'' رات کے اس وقت وہ کہاں ہو سکتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش نہ ہوتی تو حیرت ہوتی۔ اس لمحے اس کا انداز بہت پُر استحقاق تھا۔ حالانکہ فاصلے درمیان صدیاں بن چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت دھڑلے سے اس پر اپنا حق جتا چکا تھا۔

''میں اس وقت بات نہیں کر سکتی۔ کڈیُو کال می لیٹر؟'' میرب سیال کا انداز اور لہجہ بہت مختلف تھا۔ اس لمحے وہ دبی دبی سی میرب کی جگہ بہت مضبوط میرب دکھائی دے رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے چونکنے کا لمحہ تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ فون کا سلسلہ منقطع کر چکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدری لغاری کو اس بات کی اُمید نہیں تھی۔ برہم انداز میں دوبارہ کال کیا تھا۔

''کہاں ہو تم اس وقت؟ کیا چل رہا ہے یہ سب کچھ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز سخت گیر تھا۔ میرب جس معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی وہ اسے اسی پر بولنے پر اُکسا رہا تھا۔

''میں اس وقت ہاسپٹل میں ہوں''۔

''یہی تو پوچھ رہا ہوں، ہاسپٹل میں کیوں ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا لہجہ سخت گیر ہونے سے روکا تھا۔ ''دیکھو...... تم مجھے نہیں بتاؤ گی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ آر یو او کے؟''

اس لہجے کو پڑھا جاتا تو اس میں کچھ آہنگ تھا، کچھ خاص تھا۔

وہ لہجہ وہ انداز اس کے بارے میں کنسرن تھا مگر میرب سیال ایسا کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ نہ تو وہ اس لہجے کو نوٹ کر رہی تھی نہ ہی اس انداز کو۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟...... میں ٹھیک ہوں۔ کوئی اور ٹھیک نہیں ہے''۔ ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا تھا۔ اس انداز، اس دلیری پر مقابل حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''تم مجھے پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟...... بتا کیوں نہیں رہی ہو کون ہے اس وقت ہاسپٹل میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حتیٰ الامکان ضبط کرتے ہوئے اپنے غصے پر اور لہجے کی سختی پر قابو پایا تھا۔

''رومیصا لغاری''۔ میرب سیال نے کہہ کر ایک بار پھر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس طرف ساکت

کھڑا تھا۔اس لہجے کی سرد مہری کی وجہ اب پوشیدہ نہیں رہی تھی۔گاڑی میں بیٹھ کر آنکھیں واضح طور پر کسی گہری سوچ میں اٹی تھیں مگر اس سب میں ایک غصے کا عنصر اور ضبط بہت واضح تھا۔

میرب سیال سے اسے کبھی کوئی سمجھ داری کی اُمید نہیں رہی تھی اور اس لمحے وہ کیا سوچ رہی تھی، کیا سوچنا چاہتی تھی اور کرنا چاہتی تھی وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

دھیان سیٹ پر دھرے اس کے گفٹ پر گیا تھا۔ہاتھ بڑھا کر اُٹھایا تھا، لمحہ بھر کو دیکھا تھا اور پھر بنا مزید کچھ سوچے کھڑکی کھول کر اسے باہر اُچھال دیا تھا۔

''ڈیم اِٹ......'' لہجے میں غصے کا واضح عنصر موجود تھا۔

''نیاز مندی'' کا دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔

''نوازش'' پھر اپنے پَر سمیٹ چکی تھی۔

سرد مہری پہلے سے زیادہ گہری ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

میرب سیال ہاسپٹل کے لاؤنج میں چپ چاپ کھڑی تھی مگر آنکھوں سے سیال مادہ بہت روانی سے بہہ رہا تھا۔وہ جانتی تھی سب کچھ۔

اس شخص کی رگ رگ سے واقف تھی۔

تو پھر ہر بار نئے سرے سے اعتبار کیسے کر لیتی تھی؟

وہ خود سمجھ نہیں پائی تھی۔

ہر بار رعایت کیسے دے دیتی تھی جبکہ وہ جانتی تھی وہ ''وفا'' کے لیے بنا ہی نہیں۔اور وہ رو رہی تھی اس کج ادا کے لیے؟

اپنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی تھی اس ''بے وفا'' کے لیے، جس کی سرشت صرف دھوکا دہی اور فریب تھا۔صرف فریب تھا وہ شخص......صرف یہی سچائی تھی اس کی۔

پہلے کئی چہرے، کئی نام......قطار در قطار......کئی رابطے، کئی واسطے بنا شرمندہ ہوئے، بنا خیال کیے وہ اپنی رواداریاں نبھاتا رہا تھا۔بلا خوف......بلا خطر۔

کتنا نڈر تھا وہ......کس قدر دلیر......

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تو دیدہ دلیری کی حد کر دی تھی۔اپنا کوئی بھی ناجائز رشتہ وہ بہت دلیری سے نبھاتا تھا۔نکاح کے پہلے دنوں سے لے کر اب تک......وہ کبھی بھی اس ایک ''رشتے'' کے لیے ''کمٹ'' نہیں ہوا تھا اور وہ پھر بھی اس سے اُمیدیں لگائے بیٹھی تھی۔

ہر بار نیا سلسلہ......اُمید بنانا......بڑھانا۔

اور پھر ہر بار...... چکنا چور ہوتے دیکھنا۔

وہ خود سوچ رہی تھی تو حیرت ہو رہی تھی اپنی بے وقوفی پر...... اُسے غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا۔ گی کے ساتھ اس کے ''ریلیشن شپ'' کی حد تھی۔ وہ ناجائز طور پر باپ بننے جا رہا تھا اور حد تھی کہ شرمندہ تک نہ تھا۔

وہ حیران تھی، اس سے زیادہ دلیر شخص اس نے زندگی بھر نہیں دیکھا تھا۔

بھیگتی آنکھوں کے ساتھ وہ کھڑی دھندلے منظر دیکھ رہی تھی۔ اندر ڈاکٹر، رومیصا کو طبی امداد دے رہے تھے۔ وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ تبھی فون دوبارہ بجا تھا۔

میرب سیال نے بنا سوچے سمجھے، دیکھے کال ریسیو کی تھی اور زہر خند لہجے میں بولی۔

''اب اور کیا باقی ہے؟...... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ عجب ہذیانی انداز میں تھی۔

''میرب! کیا ہوا؟'' دوسری طرف اذہان حسن بخاری تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی دوسری طرح اس لمحے کوئی دوسرا ہوگا۔

''ہیلو میرب!...... آر یو دیئر؟'' اس کے خاموش ہونے پر اذہان حسن بخاری دوبارہ بولا تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں سے نمکین سمندر نکلنے کا سلسلہ تھما نہیں تھا مگر اب اس کے اس نے بہت سختی سے آنکھوں کو رگڑ دیا تھا۔

''یس...... آئی ہیئر''۔ آنسو کے کئی پھندے حلق میں تھے۔ آواز اپنی صحیح سطح پر نہیں تھی اور بوجھل پن واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی مگر اذہان کا اس لمحے کال کرنے کا مقصد کچھ خاص رہا ہوگا تبھی وہ کرٹسی سے بولی تھی۔

''کہو...... اس وقت کیسے فون کیا؟'' اپنی حالت کو سنبھالنا آسان تھا، نہ اس کیفیت سے باہر آنا مگر وہ اپنے آپ کو ممکنہ حد تک رد کر دینا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟...... وہاٹ ہیپنڈ؟...... ٹھیک تو ہو تم؟'' اذہان حسن بخاری دوسری طرف اس کی کیفیت پر حیران تھا۔

میرب سیال کے لیے بولنا دشوار تھا۔

''اذہان! ہم بعد میں بات کریں گے۔ آئی ایم سوری مگر میں ابھی بات نہیں کر سکتی''۔ وہ سلسلہ منقطع کرنے کے ارادے سے بولی تھی مگر تبھی اذہان روانی سے بولا تھا۔

''یہی تو پوچھ رہا ہوں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟...... تم رو رہی ہو؟'' دوسری طرف وہ اس کے اندر کے تمام موسموں کو پڑھ رہا تھا مگر اس طرف میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ تیزی سے بہتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے ایک بار پھر سختی سے رگڑ دیا تھا۔

''نہیں''۔ کمزور لہجے کو مضبوط بنانے کی حتیٰ المقدور کوشش کی تھی مگر وہ پھر بھی چھپ نہیں سکی تھی۔

''تم رو رہی ہو؟'' اذہان حسن بخاری جتاتے ہوئے بولا تھا۔

''آئی سیڈ...... آئی ایم سوری!...... آئی کانٹ ٹاک ٹو یو رائٹ ناؤ۔ کائنڈلی کال می لیٹر''۔ زمانے، موسم، خیال، احساسات وہ

سب رد کر رہی تھی۔

سب کچھ تیاگ رہی تھی۔صرف اس کج ادا کے لیے۔اس بے وفا کے لیے۔

فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

دوسری طرف اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت پر پریشان سا بیٹھا تھا مگر اس تشویش کا کوئی بروقت حل نہیں تھا۔

میرب چلتی ہوئی رومیصا لغاری کے پاس آئی تھی۔اس کے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا تھا اور اس وقت وہ آنکھیں بند کیے پُرسکون انداز میں غالباً سو رہی تھی۔

تکلیف کا احساس اس کے چہرے سے قدرے کم ہوا تھا مگر اس کے اندر ایک نہ تھمنے والی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا لگتی ہیں یہ آپ کی؟...... بہت کنسرن ہو رہی ہیں آپ ان کے لیے۔اتنی پریشانی خود آپ کے لیے بھی اچھی نہیں۔آپ پلیز، وہاں لاؤنج میں جا کر بیٹھ جایئے۔یا ڈرائیور کے ساتھ واپس گھر چلی جایئے۔انہیں ابھی مزید آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔بائے دی وے، بتایا نہیں آپ نے......کیا رشتہ ہے آپ کا ان سے؟'' ڈاکٹر اس سے دریافت کر رہا تھا مگر وہ کوئی جواب دینے کے قابل خود کو نہیں پا رہی تھی۔کیا کہتی؟......کیا تھی وہ اس کی......؟

کیا رشتہ تھا!

وہ اپنی سوتن کے لیے اتنی پریشان تھی......؟

اس کے لیے اتنا کنسرن دکھا رہی تھی......؟

اتنے آنسو بہا رہی تھی۔

زمانہ کیا کیا دیکھتا ہے اور کیا کیا سمجھتا ہے مگر اصل کیفیت تو وہی جانتا ہے جو ان حالات سے گزر رہا ہوتا ہے۔میرب سیال نے سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ یہ بتایئے، یہ کب ہوش میں آئیں گی؟......بائے دی وے، وی آر ریلیٹو''۔

''کچھ دیر لگے گی......فی الحال تو یہ دواؤں کے زیر اثر ہیں......سوئیں گی اور یہی ان کے لیے بہتر بھی ہے۔آپ شہر سے آئی ہیں۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کچھ لگتی ہیں؟ پہلے آپ کو کبھی یہاں نہیں دیکھا؟'' ڈاکٹر اس کی فیملی کو جانتا تھا شاید تبھی دریافت کر رہا تھا مگر میرب سیال نے اب کے اس کی سوالوں کو مکمل نظر انداز کر دیا تھا اور بولی تھی۔

''میں یہیں لاؤنج میں ہوں۔کسی شے کی ضرورت ہو تو پلیز مجھے بتا دیجئے گا۔اینی میڈیسن......'' مگر ڈاکٹر اس کی بات کاٹتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''نہیں......اس کی فی الحال ضرورت نہیں اور میں تو یہ بھی کہوں گا کہ آپ گھر چلی جائیں......اس وقت آپ کا یہاں ٹھہرنا

مناسب نہیں ہے۔لغاری خاندان کی روایتوں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں میں''۔وہ ڈاکٹر بہت کچھ جانتا تھا جیسے۔مگر شاید وہ سب کچھ پھر بھی نہیں جانتا تھا جو وہ جانتی تھی۔

وہ سر ہلاتی ہوئی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔بارش اب بھی ہو رہی تھی۔

اور ایک بارش تو متواتر اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔

وہ چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آئی تھی۔ڈرائیور نے مؤدب انداز میں دروازہ کھولا تھا۔وہ بیٹھی تھی اور گاڑی اس حویلی کی سمت بڑھنے لگی تھی۔کیا تھیں یہ روایتیں؟......روایتوں کے نام پر استحصال کا سلسلہ کب تک باقی رہنا تھا؟......دُنیا بھر میں ہیومن رائٹس وائلیشن پر کئی سیمینار ہوتے ہیں۔تقریریں ہوتی ہیں مگر ان کا بلا واسطہ کوئی اثر اس سسٹم پر کیوں نہیں پڑتا جس پر پڑنا چاہیے......؟

جلتے ہوئے دماغ کے ساتھ وہ کچھ بھی سوچ رہی تھی جو سوچنا ضروری بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

فاصلے بڑھے تھے۔

کچھ اور پھیلے تھے......اور پھیلتے چلے گئے تھے۔

سرد مہری کی دبیز تہہ موسم پر ہی نہیں آنکھوں اور لہجے پر بھی جمی تھی۔نظر سے نظر کو کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔

ہاتھ کو ہاتھ سے کچھ رابطہ باقی نہیں رہا تھا۔

کمرے کا سکوت بتا رہا تھا کہ تنہائی کتنی بڑھ چکی ہے اس کمرے کی۔

کتنے دنوں کے لیے......مہمان بننے آ گئی ہے۔

انابیہ شاہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔جب دروازہ کھلا تھا اور فاطمہ خان چائے اور دیگر لوازمات لے کر کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

جو چل رہا تھا، پوشیدہ نہیں تھا مگر وہ اس میں غلط کسی ایک کو نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔غلطی شاید فریقین کی تھی مگر یہ لمحہ جتانے کا نہیں تھا۔

فاطمہ خان جانتی تھیں سو نرمی سے مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کے سامنے بیٹھی تھیں اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے محبت سے دیکھا تھا۔

''چائے لے لو......ساتھ میں، میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے چکن کے کباب بنائے ہیں۔تم بیف، مٹن نہیں لیتی ہو نا''۔وہ مسکراتی ہوئی بالکل اسی طرح بات کر رہی تھیں جس طرح اس کی اپنی ممی کیا کرتی تھیں۔وہ بھی ممی کی طرح جانتی تھیں کہ اسے مٹن، بیف پسند نہیں ہے۔اس گھر کے افراد اسے اتنا جانتے تھے؟اس حد تک سمجھتے تھے؟

اسے واضح طور پر حیرت ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟......تم اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟......میری بچی ہو، کیا مجھے تمہاری پسند ناپسند کا پتہ نہیں ہوگا؟......عریشہ، انوشے، عفنان......اس گھر میں میرے بچوں کو کیا پسند ہے، کیا ناپسند میری نظر سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ماں ہوں نا۔جانتی ہوں کس وقت

میرے بچے کیا چاہتے ہیں، کیا سوچتے ہیں۔ تم یہ چائے لے لو۔ صبح کا بریک فاسٹ تم نے منع کر دیا تھا۔ دوپہر کا لنچ بھی گول کر گئیں۔ اب میرا کہا مت ٹالو۔ ورنہ بہت پٹائی لگاؤں گی''۔ فاطمہ شاہ مسکراتی ہوئی بھرپور محبت سے بولی تھیں اور کباب اُٹھا کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔

کیا تھے یہ لوگ......؟

کیسے تھے؟

وہ شخص اسے جانتا تھا......

یہاں تک ٹھیک تھا...... لاجک بنتی تھی...... وہ محبت کا دعوے دار بنتا تھا...... اسے جاننا بھی چاہیے تھا مگر یہاں تو پورے گھر کو اس کے اندر کے موسموں کی خبر تھی۔ کیسے تھے یہ لوگ......؟

اتنی محبت، اتنی کیئر کرنا کیسے جانتے تھے؟

وہ بھی اس کی اتنی سرد مہری کے جواب میں؟

اس کی مسلسل یخ بستگی کے جواب میں؟

انابیہ نے منہ کھول دینے میں کوئی عار نہیں جانی تھی۔

''گڈ...... تم یہ سارے کباب ختم کر لو اور فریش ہو کر نیچے آ جاؤ۔ ہم ماں بیٹی آج باہر گھومنے چلیں گے۔ بہت سی شاپنگ کریں گے۔ آخر اس گھر کے مردوں کو کچھ تو پتہ چلے کہ ہم بھی خاص ہیں۔ گھر میں ہر وقت دبکے رہنا ہماری ڈیوٹی میں نہیں ہے''۔ فاطمہ شاہ مسکراتے ہوئے مسلسل بھرپور اپنائیت کا انداز اختیار کر رہی تھی۔ انابیہ شاہ کی آنکھوں کی اُداسی عود کر آئی تھی۔

''کیا ہوا؟...... تم رو رہی ہو؟...... نہیں جانا، تو ٹھیک ہے ہم نہیں جاتے...... مگر تم یہ کھا کر فریش تو ہو جاؤ۔ کہو تو میں تمہارے سر میں تیل ڈال دوں؟...... ٹھہرو، میں تیل لے کر آتی ہوں''۔ وہ جانے کو اُٹھی تھیں جب انابیہ نے سرعت سے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا اور شرمندہ ہوتی ہوئی بولی تھی۔

''نہیں، آپ رہنے دیں...... مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے''۔

''ضرورت نہیں ہے؟...... اس کا اندازہ تمہیں کیسے ہو گیا؟...... بیٹا! کیا تم ہمیں اپنا کچھ نہیں سمجھتی ہو؟ کیا میں تمہاری ممی جیسی نہیں ہوں؟''

''ایسی بات نہیں ہے''۔

''تو پھر؟'' فاطمہ نے اپنے عزیز ترین بیٹے کی عزیز ترین ہستی کا چہرہ محبت سے تھاما تھا۔

''میں صرف اپنے بیٹے سے محبت نہیں کرتی بیٹا!...... مجھے اس سے وابستہ ہر شے سے محبت ہے۔ مجھے تم بہت عزیز ہو۔ کیونکہ تم اسے عزیز ہو''۔ سارے حوالے کتنے معتبر کر دیئے تھے۔ انابیہ کی آنکھوں میں بہت سی نمی ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔

''آپ کو بھی یہ لگتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟'' ان کی جانب دیکھے بغیر شکوہ کیا تھا۔

فاطمہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... مجھے ایسا نہیں لگتا اور کسی اور کو بھی ایسا نہیں لگتا''۔ محبت سے اس چہرے کو دیکھا تھا۔ لہجہ ممتا سے بھرپور اور نرم تھا۔

انابیہ کی آنکھوں کے سمندر چھلک گئے تھے۔

''اگر ایسا نہیں سمجھا گیا ہوتا تو کسی سائیکاٹرسٹ سے بودر نہیں کیا گیا ہوتا''۔ اس کے مدھم لہجے میں ایک کرب کا احساس تھا۔

فاطمہ نے کچھ دیر خاموشی سے اس چہرے کو دیکھا تھا پھر ملائمت سے بولی تھیں۔

''دیکھو بیٹا!...... یہ شادی کے بعد کی زندگی آسان نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی ایک ہو جس کو شادی کے بعد پرابلمز فیس کرنی نہ پڑتی ہوں۔ ورنہ سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی پرابلم ہوتا ہی ہے۔ بات ساری سمجھ داری کی ہے۔ سمجھ داری سے ہینڈل کرنے کی ہے۔ تم اسے الزام دیتی رہو گی اور وہ تمہیں غلط ٹھہراتا رہے گا تو زندگی اور بھی تلخ ہو جائے گی۔ اس زندگی میں محبت سے زیادہ ایک دوسرے کو انڈراسٹینڈ کرنا ضروری ہوتا ہے...... تم فریش ہو جاؤ۔ پھر کہیں باہر چلتے ہیں۔ میں تمہاری بھی اتنی ہی ماں ہوں جتنی کہ عفنان علی خان کی۔ تم کسی مقام پر مجھے ایک ماں سے کم نہ پاؤ گی۔ ایک بات میں چاہوں گی۔ تم ماہ وش سے یا دادا ابا سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرو تو بہتر ہے۔ ایسا میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اپنے بیٹے کے کیے پر پردہ ڈالنا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری خیر خواہ ہوں بیٹا!...... تمہارے لیے ایک ماں کی طرح سوچ رہی ہوں۔ دادا کی طبیعت ابھی ابھی سنبھلی ہے اور ماہ وش بخاری کے لیے پہلے بھی پیچیدہ صورتِ حال درپیش رہ چکی ہے۔ تم فریش ہو جاؤ، ہم ماں بیٹی کہیں باہر چل کر ڈنر بھی کریں گے اور بہت سی اچھی اچھی باتیں بھی۔ عفنان علی خان کے کان کیسے کھینچنے ہیں یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں''۔ دھیمے سے مسکراتے ہوئے وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر باہر نکل گئی تھیں۔

انابیہ شاہ بھیگتی ہوئی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہی گئی تھی۔

☆......☆......☆

لامعہ حق ایک اُلجھن میں کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹتی رہی تھی، پھر رُکی تھی اور کمرے کی سارے چیزیں اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے لگی تھی۔

''آئی ہیٹ یو انابیہ!...... آئی ہیٹ یو...... نفرت کرتی ہوں میں تم سے''۔ عجب ہذیانی انداز میں وہ چیخی تھی۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں انتہائی شدت کی کیفیت تھی۔

''نفرت ہے مجھے تم سے، نفرت...... نہیں ہو تم میری دوست''۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا مگر وہ جیسے ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ انداز میں ایک پاگل پن صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ایک ایک کر کے اس نے کمرے کی کتنی ہی چیزیں توڑ ڈالی تھیں اور پھر تھک کر زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''کیسے کر سکتی ہو تم میرے ساتھ ایسا؟...... کیسے؟...... نفرت ہے مجھے تم سے...... بالکل بھی اچھی نہیں لگتی ہو تم مجھے...... بہت عظیم بننے کا شوق ہے تمہیں...... ہمیشہ اپنا ہاتھ اوپر ہی کیوں رکھنا چاہتی ہو تم؟...... کیوں؟'' گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی وہ چیختی ہوئی کہہ رہی تھی۔

انداز عجب جنونی تھا۔ جیسے وہ ہمت ہار چکی تھی۔

شام میں عفنان کی آنے والی کال کے الفاظ اب بھی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔

''شادی کروگی تم مجھ سے؟'' جملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ عفنان علی خان بنا کسی تمہید کے یوں دریافت کر رہا تھا جیسے روزمرہ کی کوئی معمول کی بات کر رہا ہو۔ نہ انداز خاص تھا نہ لہجہ۔

''وہاٹ یو مین؟'' وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔

''وِل یو میری می؟'' عفنان علی خان کا لہجہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا مگر وہ لفظ...... کب توقع تھی ایسی کسی بات کی؟...... اس نے تو تب بھی اس لہجے کو سننے کے بارے میں نہیں سوچا تھا جب وہ اس سے وابستہ تھی اور اب تو پھر بھی۔

لفظ کتنے خاص تھے...... مگر وہ لہجہ!

عام سے بھی عام تھا۔

سرسری...... یخ بستہ...... سرد!

''یو گون میڈ عفنان! تم انابیہ کے ساتھ ایک رشتہ آل ریڈی رکھتے ہو۔ پھر اس سوال کی کیا وجہ ہے؟'' اس لمحے یہ لہجہ، یہ انداز ضروری تھا سو وہ بولی تھی۔

دوسری طرف عفنان علی خان نے بری طرح رد کر دیا تھا۔

''کہاں لکھا ہے کہ ایک رشتے کے ساتھ دوسرا رشتہ نہیں بن سکتا؟ وفاداری کو مختلف حصوں میں بانٹا بھی تو جا سکتا ہے''۔ لہجے میں رسانیت تھی۔

''یہ وفاداری کی کون سی قسم ہے عفنان؟...... وہ دوست ہے میری۔ تم نے مجھ سے ہیلپ چاہی تھی۔ میں نے اس لیے ہاں کر دی، بی کوز میں تم دونوں کی خیر خواہی چاہتی تھی مگر یہ سب، وہ محبت کیا ہوئی عفنان علی خان؟...... وہ تمہارے اسے چاہنے کے دعوے کیا ہوئے؟'' لامعہ حق نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا، حالانکہ دل میں یہاں سے وہاں تک ایک اتھل پتھل سی مچی تھی۔

''اس کی خواہشوں کو پورا کرنے جا رہا ہوں''۔ عفنان علی خان کا لہجہ مدھم تھا۔

''کیا مطلب؟'' لامعہ حق حقیقتاً کچھ نہیں سمجھی تھی۔ ''وہ پاگل ہوگئی ہے؟''

''اس کا خیال ہے یہی میرے لیے بہتر ہے''۔

''اور تم اس کی بات مان رہے ہو؟''

''ہاں''۔ عفنان علی خان کا لہجہ عجب پُرسکوت تھا اور اس طرح وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''تم نے اس روز بھی جب ایسا کہا تو تم...... عفنان! مجھے لگا تھا تم دونوں کو میری ضرورت ہے مگر اس طرح؟...... یہ کون سی

صورت ہے مدد مانگنے کی؟'' اسے اپنی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''ہاں...... مجھے تمہاری ضرورت ہے کیونکہ وہ ایسا خیال کرتی ہے۔تم نے جواب نہیں دیا؟'' عجب ٹھہرا ہوا لہجہ تھا عفنان علی خان کا۔

''عفنان! تم پاگل ہو گئے ہو؟...... تم لوگوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟ وہاٹ یو مین، ہو آئی ایم؟ میری کوئی مرضی نہیں؟ آئی ایم لائک اے ڈمی؟...... جو کچھ بھی ہے تم دونوں کا ہے؟ اس نے تمہیں کہا اور تمہارا پورا کرنا شرط ہو گیا۔ دوست ہوں میں اس کی۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟''

''دوست ہو، تبھی تو تم سے رجوع کیا ہے''۔ عفنان کا لہجہ رسانیت بھرا تھا۔

''عفنان! گو ٹو ہیل...... یو اینڈ ہر بوتھ''۔ لامعہ حق غصے سے بولی تھی۔ تبھی وہ مدھم لہجے میں دوسری طرف بولا تھا۔

''میرے لیے کچھ بھی اہم نہیں ہے لامعہ!...... میں کچھ سمجھ نہیں پاتا ہوں، کچھ سوچ نہیں پاتا ہوں۔ میرے لیے زندگی کا مفہوم صرف وہ ہے جو وہ چاہتی ہے۔ میں اسے وہ دینا چاہتا ہوں''۔

''شٹ اَپ عفنان!'' لامعہ حق اسے بولنے سے جیسے روکنا چاہتی تھی۔ ''تم دونوں ایک دوسرے کے لیے کیا کرتے ہو، ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لیے تم جو چاہو کرو مگر مجھے بیچ میں مت لاؤ''۔

''تمہیں بیچ میں، میں نہیں لا رہا''۔

''تو......؟'' لامعہ کا ماتھا کچھ ٹھنکا تھا۔ لہجہ کچھ کمزور پڑا تھا۔ چہرے کی رنگت کچھ پھیکی پڑی تھی۔ حالت متغیر ہوئی تھی۔

''تم بیچ میں موجود ہو لامعہ!......'' عفنان علی خان کا لہجہ مضبوط تھا۔ ''اور تمہیں اب اس معاملے کو نمٹانا ہوگا''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' لامعہ کا لہجہ کمزور ترین تھا۔ دوسری طرف عفنان چند لمحوں کے لیے چپ ہو گیا تھا۔ ''کہنا کیا چاہتے ہو تم؟...... تم لوگوں کی زندگی میں خراب کر رہی ہوں؟''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں کوئی الزام دے بھی نہیں سکتا۔ ساری بات تو یہ ہے لامعہ حق! کہ جسے سمجھنا چاہیے وہی کچھ نہیں سمجھ رہی ہے''۔

''وہ نہیں سمجھ رہی تو تم مجھے سمجھانے آ گئے ہو؟'' لامعہ کا لہجہ سخت تھا۔

''میں سمجھانے نہیں آیا، تمہیں بتانے آیا ہوں کہ اپنی دوست کو اس گلٹ سے آزاد کر دو''۔

''کیسے گلٹ سے؟''

''کیا کیا سمجھتی ہے، تم نہیں جانتیں؟''

''عفنان! وہ تمہاری بیوی ہے۔ اسے سمجھانے کا فرض تمہارا ہے، نہ کہ میرا''۔

''لامعہ حق! میں نے ایک بات کہی۔ وہ اگر عظیم انسان بننے کے جتن کر رہی ہے تو اس کی وجہ تم ہو۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ مگر وہ ایک گلٹ میں ہے کہ اس نے مجھے تم سے چھینا ہے۔ وہ تمہارے لیے اتنا کچھ کر رہی ہے تو کیا تمہارا فرض نہیں بنتا کہ تم اس کے لیے کچھ کرو؟''

عفنان علی خان اس کے لیے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گیا تھا مگر وہ اب تک فائنڈ آؤٹ نہیں کر پائی تھی کہ کیا ہونا تھا اور اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں درج تھیں۔ پیشانی کی رَگیں واضح انداز میں اُبھری دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے فون اُٹھا کر ماتحت کو اطلاع دی تھی۔

''ہیلو، ہارون!......کل کے لیے جتنی بھی میٹنگز شیڈول ہیں انہیں آج میں منتقل کرنے کی کوشش کرو۔ میں ان دو دنوں میں تمام کام نمٹا کر واپس جانا چاہتا ہوں''۔ فون بند کر کے اس نے میرب سیال کا نمبر ملایا تھا۔

ایک......دو......تین......کتنی بیل گئی تھیں......سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کی رگیں واضح انداز میں تنی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ اگر دوسری طرف کال ریسیو کرنے والی میرب اس کے سامنے ہوتی تو یقیناً وہ اسے تہس نہس کر چکا ہوتا مگر اس کی خیریت تھی تو صرف اس لیے کہ درمیان سات سمندروں کے فاصلے حائل تھے۔ یہیں میرب سیال کی بچت ہوگئی تھی۔ پہلی بار پر کال پِک نہیں ہوئی تھی۔ بیلز جا کر کال ختم ہوگئی تھی۔ تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوبارہ وہی نمبر ملایا تھا۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس وقت فون اُٹھا کر میرب کے کان پر لگا دیتا۔

ایک......دو......تین......

''ہیلو!'' میرب کی آواز اچانک دوسری طرف سے اُبھری تھی۔

''کہاں تھیں تم؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تشویشی انداز اختیار کیا تھا مگر دوسری طرف میرب سیال کی ہٹ دھرمی میں کوئی کمی واقعی نہیں ہوئی تھی۔

''ہواؤں میں ہرگز نہیں ہوں......کہیے، آپ کو کیا کہنا ہے؟''

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ضبط کی حد جیسے ختم ہونے پر آن پہنچی تھی۔

''ٹھیک کہا آپ نے......ہواؤں میں نہیں ہیں آپ......آسمانوں میں ہیں......میں نے آپ کو صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں واپس آ رہا ہوں''۔

''تو......؟'' میرب کی طرف سے سرد مہری کی حد تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ضبط کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔

''رائٹ......آپ کو پرواہ ہونی بھی نہیں چاہیے لیکن اگر آپ کے اختیار میں ہو یا آپ کے لیے یہ آسان ہو تو یہ خبر مائی اماں تک پہنچا دیجیے......میں نے ان کا نمبر ٹرائی کیا تھا، مگر غالباً وہ سو رہی ہیں''۔ بتانے کے ساتھ ہی سلگتے ہوئے لہجے میں وضاحت بھی دی تھی۔

''ٹھیک ہے......میں بتا دوں گی''۔

''اس وقت کہاں ہیں آپ؟''

''ہاسپٹل میں''۔

''حویلی کے باقی لوگ کہاں ہیں جو تیمارداری کا کام آپ نے سنبھال لیا ہے؟''

''میں نہیں جانتی''۔

''نہیں جانتیں تو پھر یہاں کیوں ہیں؟''

''ٹھیک ہے، میں واپس گھر چلی جاتی ہوں''۔

''کہیں نہیں جائیں گی آپ...... جب تک میں واپس نہ آجاؤں، وہیں رہیں گی آپ''۔ لہجہ تحکم بھرا تھا۔

''یہ آپ کا حکم ہے''۔

''تم جو بھی سمجھ لو''۔

''میں کسی ایسی حاکمیت کی پابند نہیں ہوں''۔ وہ منمنائی تھی۔

''آپ کس حاکمیت کی پابند ہیں اور کس کی نہیں، یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ فی الحال آپ یہ تیمارداری ترک کیجئے اور حویلی واپس جایئے''۔ رشتے کا استحقاق لہجے میں بول رہا تھا مگر دوسری طرف میرب یہ بات سمجھنے کو قطعاً تیار نہیں تھی۔

''آپ رُعب نہیں جما سکتے مجھ پر''۔

''میں کیا کر سکتا ہوں، یہ آپ بہت جلد جان جائیں گی۔ ڈونٹ چیلنج می......رائٹ۔ جو آپ سے کہا جا رہا ہے آپ وہ کیجئے''۔ وہ حق جتانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھ رہا تھا۔

''کس کے حوالے چھوڑ کر جاؤں رومیصا لغاری کو؟...... یہاں کوئی اور نہیں ہے''۔

''تم کس کے ساتھ یہاں آئی ہو؟''

''ڈرائیور کے سوا کسی اور کو بھی آپ نے ڈیوٹی سونپ رکھی تھی؟'' وہ اسے طیش دلانے میں کسر نہیں چھوڑ رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ضبط سے دوسری طرف لب بھینچے تھے پھر مضبوط لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''لیکن میرب! تم سے جو کہہ رہا ہوں، صرف وہ کرو۔ تم ڈرائیور سے کہو وہ تمہیں گھر چھوڑ دے......اور حویلی سے کسی ملازمہ کو پیشنٹ کے ساتھ چھوڑ دو''۔

''ڈیٹ پیشنٹ اِز ری لیٹڈ ٹو یو سردار سبکتگین حیدر لغاری!...... ہاؤ کڈ یو نگلکٹ ڈیٹ؟'' طنز کا تیر چلا تھا۔

''آئی ڈِڈ ناٹ نگلکٹ اینی تھنگ...... اچھی طرح سمجھتا ہوں، کون سا رشتہ کتنا اہم اور ضروری ہے۔ تم فوری طور پر نکلو یہاں سے اور مزید مجھے تم رومیصا لغاری کے قریب نہیں چاہیے ہو''۔

''کیوں......ڈرتے ہیں آپ، آپ کے دبے راز کھل جائیں گے؟......کوئی بات دبی نہیں رہے گی؟'' طنز کی حد تھی۔ دوسری طرف

لہجہ زہر خند تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ غالباً وہ اس سوال کو ایکسپکٹ کر رہا تھا تبھی بہت ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''مجھے کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔ آئی ڈونٹ کیئر...... اگر تمہیں کچھ جاننے کا شوق ہے تو شوق سے جان لو۔ مگر تم میں یہ صلاحیت نہیں ہے میرب سیال! تم رازوں سے پردہ ہٹانا نہیں جانتی ہو''۔ لہجہ بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔ ''اس وقت کوئی بحث نہیں چاہتا میں۔ گھر واپس جاؤ اور مائی سے میری بات کراؤ''۔

تحکمانہ انداز میں کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ میرب حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی تھی۔ حد تھی۔ ایک تو چوری، اس پر سینہ زوری۔ شرمندہ ہونے کی بجائے وہ مزید اکڑ رہا تھا۔ کیا کہتی وہ اس کیفیت پر۔ آہستگی سے چلتی ہوئی لاؤنج میں نکلی تھی تبھی ڈاکٹر نے بتایا تھا۔

''آپ کے ساتھ جو پیشنٹ ہیں ان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے۔ انہیں آئی سی یو میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ پلیز آپ آیئے''۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا حکم نامہ ایک طرف دھرا رہ گیا تھا اور وہ اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر رد کرتی ہوئی رومیصا لغاری کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

رومیصا لغاری کی حالت واقعی بہت بگڑ چکی تھی۔

اسے سانس لینے میں انتہائی دقت ہو رہی تھی۔

''رومیصا!...... رومیصا! آر یو او کے؟'' اس کے قریب آ کر وہ بہت اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھامتی ہوئی بولی تھی مگر دوسری طرف سے رومیصا لغاری کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''رومیصا!...... رومیصا!'' اس کی بگڑتی سانسوں پر ہراساں سی ہو کر میرب نے اسے پکارا تھا۔

''آپ پلیز باہر جایئے''۔ ڈاکٹر نے اسے باہر کر دیا تھا۔

''میرب......!'' رومیصا لغاری نے اپنی اُلجھی سانسوں کے بیچ اسے پکارا تھا۔ وہ سرعت سے مڑی تھی۔ ایسا کیا خاص بتانے لائق باقی بچا تھا۔ میرب سیال واقعی نہیں سمجھ سکی تھی مگر اس نے اپنا ہاتھ رومیصا کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

میرب سیال کچھ سننے کی منتظر تھی۔ اس کی آنکھیں بغور اس نحیف و کمزور چہرے کو دیکھ رہی تھیں مگر رومیصا لغاری بولنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکی تھی۔ اس کی سانسوں کے اُتار چڑھاؤ نے جیسے اسے بے بس کر دیا تھا۔

ڈاکٹر نے نرس کو اشارہ کیا تھا۔ نرس نے اسے بازو سے پکڑ کر رومیصا لغاری سے دور ہٹا دیا تھا اور وہ کمزور و نحیف ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹتا چلا گیا تھا۔

ڈاکٹر مستعدی سے اسے ٹریٹمنٹ دینے لگے تھے۔

☆......☆......☆

"یہ کیسے ہوا......؟"

سبکتگین حیدر لغاری پہلی فرصت میں پاکستان میں تھا اور گھر پہنچتے ہی بنا ریسٹ کیے میرب کی طرف جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔صورتِ حال گی کو بتائی تھی۔گی کی تشویش بڑھ گئی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً کوئی جملہ نہیں کہا تھا۔شرٹ کے بٹن تیزی سے بند کرتے ہوئے گی کی طرف ایک نگاہ بھی نہیں کی تھی۔گی کا دل اس کی کیفیت کو جیسے گہرائی سے سمجھ رہا تھا۔

"بہت عجیب کیفیت ہے نا یہ......بہت مشکل لگ رہی ہوگی نا محبت؟"

"گی......!" وہ اپنی کیفیت سے نکلتے ہوئے ایک پل میں مسکرایا تھا مگر اس مسکراہٹ میں عجیب پھیکا پن تھا۔

"کچھ غلط کہا میں نے؟" گی نے نرمی سے دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا پھر اس کی طرف دیکھے بغیر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر شوز پہنتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ جو تمہاری محبت ہے نا، بہت بے وقوفی والی چیز ہے۔بہت ہی عجیب شے"۔لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک طنز سا اُتر آیا تھا۔اس کے اندر کی جلن اس کے لہجے کا حصہ بن گئی تھی۔گی کو یقیناً بہت افسوس ہوا تھا۔

"بہت مشکل ضرور ہے گین! مگر اس میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے"۔اس نے باور کرایا تھا۔

"ہاں......احمقوں کی جنت میں کبھی کچھ ناممکن نہیں ہوتا"۔وہ اُٹھ کر بالوں میں برش کرنے لگا تھا۔گی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"گین! ایک بات کہوں؟" اجازت چاہی تھی۔

گین نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم ایک سمجھدار اور مصلحت پسند شخص ہو۔جلد باز ہرگز نہیں ہو مگر پھر بھی اتنا کہنا چاہوں گی کہ کسی بھی مقام پر کوئی فیصلہ بہت جلدی مت کرنا۔محبت وقت چاہتی ہے گین! اور توجہ بھی"۔

"کچھ نہیں چاہتی محبت۔بہت فضول ہے یہ تمہاری منطق گی! بہت اسٹوپڈ ہے یہ تمہاری محبت"۔گین نے اس کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔"اس میں کچھ بھی ویسا نہیں ہے جیسا تم بتاتی ہو۔جیسا تم سوچتی ہو۔اپنے پاگل پن سے باہر آ جاؤ۔یہ محبت انتہائی فضول شے ہے۔بہت ہی فضول"۔

گی اس کے لب ولہجہ پر حیران رہ گئی تھی۔اسے بھی اپنے لہجے کی تیزی پر غالباً افسوس ہوا تھا۔تب ہی اگلے چند لمحوں تک اس نے کچھ بولنا گوارا نہیں کیا تھا۔پھر چلتا ہوا اس کے قریب آن رُکا تھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"محبت ویسی بالکل بھی نہیں ہے گی! جیسا تم بتاتی ہو"۔مدھم لہجہ ایک گہرا ملال اپنے اندر رکھتا تھا۔گی کچھ بھی نہیں بول سکی تھی۔

"مان لو، محبت ویسی بالکل بھی نہیں ہے۔تمہاری نظر کا دھوکا ہے یہ......صرف اور صرف فریب۔ایک خوب صورت فریب۔ایسا کوئی جہاں دُنیا میں نہیں ہے گی! جہاں اپنے سے زیادہ کسی اور کی فکر ہو۔جہاں سب کچھ اچھا ہو۔روح کو تسکین دینے والا ہو۔اپنے آپ کو

دیکھا ہے کبھی گی ژیانگ؟......کیا دیا تمہیں اس تمہاری محبت نے؟ اگر یہ خوب صورت تھی تو تمہیں اتنا بے رنگ کیسے کر گئی؟......اگر یہ نئے جہاں آباد کر سکتی تھی تو اس نے تمہیں اتنا تنہا کیسے کر دیا؟......اگر یہ اتنی نواز نے والی ہے تو پھر تم اتنی خالی ہاتھ کیوں کھڑی ہو؟......ایسا کیوں ہے گی؟......اگر محبت اتنی پُرکشش ہے، اتنی دل فریب ہے تو تمہاری آنکھوں میں یہ ویرانی کیسی ہے؟" اس نرم و مدھم لہجے میں بہت کچھ ٹوٹ رہا تھا۔گی چپ چاپ کھڑی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"مان لو گی! تمہاری محبت کچھ نہیں ہے۔کچھ بھی نہیں۔بہت فضول شے ہے یہ۔ایک دم فضول۔کچھ بھی نہیں دیتی۔سارے رنگ لے کر بھی کچھ نہیں۔مان لو یہ بات......کیونکہ یہ میں کہہ رہا ہوں"۔وہ مسکرایا تھا۔بہت دھیما اور پھیکا سا انداز تھا۔گی تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔وہ پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔گی اسی طرح کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ لاؤنج میں کھڑی تھی جب سامنے ڈرائیور کے ساتھ کوئی بہت بارعب سی پرسنالٹی کے مالک شخص چلتے اور اس کی طرف بڑھتے دکھائی دیئے تھے۔میرب کو کوئی خاص تعجب نہیں ہوا تھا۔بڑے پُرسکون انداز میں وہ ان کی طرف متوجہ رہی تھی۔حتیٰ کہ وہ قریب آئے اور اس کے پاس رُک گئے تھے۔

"یہ جی بڑے آ کا جان ہیں......رومیصا بی بی کے والد صاحب۔اور گین صاحب کے......" ڈرائیور بہت مؤدب انداز میں تعارف کرانے جا رہا تھا جب کہ آ کا جان نے ہاتھ اُٹھا کر اسے وہیں بولنے سے باز کر دیا تھا اور جانے کا اشارہ کرتے ہوئے میرب کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

میرب کی سمجھ میں اس لمحے بالکل نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

"ہم آپ کے مشکور ہیں......آپ نے رومیصا کو بروقت ہاسپٹل پہنچا کر ہم پر احسان کیا"۔

"میں نے آپ پر کوئی احسان......" میرب نے بولنا چاہا تھا تب ہی انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے بولنے سے باز رکھا تھا۔

"ابھی ہماری بات مکمل نہیں ہوئی بچی! ہم یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ......خیر، ہم تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔رومیصا ہمیں کتنی عزیز ہے، یہ شاید تم یا کوئی اور نہ جان سکے"۔

"ایک بات کہوں......اگر آپ کی اجازت ہو تو؟" میرب نے مؤدب انداز میں انہیں پکارا تھا۔

"کہو"۔انہوں نے گویا اجازت دی تھی۔

"رومیصا لغاری جب آپ کو اتنی عزیز ہے تو آپ نے اسے اس قید میں کیوں ڈال رکھا ہے؟......جس طرح کا سلوک اس کے ساتھ یہاں کیا جا رہا ہے ویسا تو کوئی......معاف کیجئے گا، ایسا سلوک تو کوئی اپنے کسی پالتو جانور کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔پھر آپ نے اسے اس طرح کیسے؟"

اس کی بات سن کر آ کا جان اطمینان سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ پھر بولے تھے۔

''ہم جانتے تھے، کوئی ایسا ہی سلگتا ہوا سوال آپ کے ذہن میں ہوگا مگر پھر بھی ہم نے آپ کو روکا نہیں۔ کہنے دیا۔ کیا ہمارا لبرٹی دینے کا انداز یہ بات پروف نہیں کرتا کہ ہم کتنے لبرل ہیں اور رہی بات رومیصا کی تو اسے آپ جانے دیجئے، یہ ہمارا نجی معاملہ ہے۔ آپ کا احسان ہم مانتے ہیں۔ آپ نے رومیصا کے لیے یہ سب کر کے ہم پر واقعی احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے آپ ہم سے جو چاہیں مانگ سکتی ہیں''۔ آ کا جان کا انداز وہی ازلی تمکنت رکھتا تھا۔

میرب نے سرنفی میں ہلا دیا۔

''نہیں، شکریہ۔ مجھے آپ کی کسی قسم کی مراعات کی ضرورت فی الحال نہیں ہے۔ یوں بھی میں نے یہ سب کسی صلے کے لالچ میں نہیں کیا۔ آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں ہم سے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے آ کا جان کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں''۔ آ کا جان نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''معاف کیجئے گا''۔ وہ اسی مؤدب انداز میں بولی اور چلتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئی تھی۔

آ کا جان اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

گاڑی رُکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور چلتا ہوا کیسل کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ مائی سے ملنے کے بعد وہ پہلی فرصت میں اس کے سامنے تھا۔

میرب سیال نے اسے دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ خوشی تو اسے یوں بھی کوئی نہیں تھی۔ انداز کی سرد مہری حد سے سوا تھی۔ کسی ''لچک'' کے نہ نظر آنے کے باوجود اس کی سمت پیش قدمی کی تھی اور اس کے قریب جا رُکا تھا۔

میرب سیال ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ انداز میں واضح طور پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ اسی خاموشی سے دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور اس چہرے کو آہستگی سے اپنی جانب پھیر کر بھرپور توجہ چاہی تھی۔

''تو بہت سے رازوں کے بھید پا گئی ہیں آپ؟'' سوال غیر متوقع تھا نہ غیر واضح۔ اس کے باوجود میرب سیال اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز اس لمحے سپاٹ تھا۔ وہ اس کی سرد مہری سے بے زار قطعاً نہیں ہوا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے آپ کو؟...... ٹھیک ٹھاک ہیں آپ؟'' انداز میں نرمی کے باوجود ایک چبھن سی تھی۔ میرب خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر ایک طنزیہ دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہت اطمینان بخش لگ رہا ہوگا سب آپ کو، ہے نا؟...... کچھ نیا یا انوکھا جان کر جیسے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے۔ حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی؟''

وہ مسلسل طنز فرما رہا تھا۔ میرب کے لیے چپ رہنا دشوار ہو گیا تھا۔

''مجھے ایسا کچھ نہیں لگا''۔ وہ تنک کر بولی۔ ''میں یہاں آپ کی جاسوسی کرنے نہیں آئی تھی۔ آپ نے خود ہی اجازت دی تھی''۔

''آں......ں......اچھا، واقعی......اجازت تو میں نے ہی دی تھی''۔ وہ معمول کے انداز میں بات چیت کر رہا تھا جیسے کوئی اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا ہی نہ ہو۔

''شاید پھر میں نے خود ہی چاہا ہوگا کہ آپ کو یہ سب پتہ چل جائے۔ کیا ایسا بھی نہیں ہے؟'' وہ طنز کے تیر چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جتنا غصہ اس کے اندر تھا وہ اسے بہت اطمینان سے نکال رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ آپ نے کیا چاہا تھا اور کیا نہیں۔ مجھے نہ آپ سے کوئی غرض ہے نہ ہی آپ کی زندگی کی کسی دلی سچائی سے اور نہ ہی کسی انوکھے راز سے''۔ وہ سرعت سے بولی تھی۔ جب کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک لمحے میں اسے جارحانہ انداز میں تھام کر خود سے قریب کیا تھا۔ یہ اقدام اتنا چانک تھا کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ ساکت نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بغور دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک نہ سمجھ میں آنے والا اسرار تھا۔

وہ اسی طرح ساکت کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو ہولے سے چھوا تھا۔

''تمہاری سمجھ بہت چھوٹی ہے اور اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ اگر تم میں سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو تم......'' انداز تلملایا ہوا تھا۔ لہجہ بلند نہیں مگر سخت ضرور تھا۔

''کسی راز کو جاننے کی صلاحیت تم میں نہیں ہے میرب سیال!'' ایک جھٹکے سے اس کے وجود کو اپنے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔ میرب سیال دم بخود تھی اور وہ اسی سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کیا جان لیا ہے اور کیا جاننا باقی ہے۔ میں چھپ چھپ کر نہ وار کرنے کا قائل ہوں، نہ پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا عادی۔ مجھے جو کرنا ہوتا ہے وہ دیدہ دلیری سے کرتا ہوں۔ تمہیں جاننے کا جنون ہو تو کچھ ہمت تم بھی دکھاؤ۔ مگر اس طرح رومیصا لغاری کے آگے پیچھے پھرنا بند کر دو۔ اس کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ جتنی ہے اسے سکون سے جینے دو۔ تمہیں جب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر یہ سب جاننے سے فائدہ؟...... جو ہے، جیسا ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مُڑا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سائے پھیلنے میں اتنی دیر نہیں لیتے جتنی تیزی سے فاصلے بڑھتے ہیں۔ سایوں سے زیادہ تیزی سے فاصلے پھیلتے ہیں۔

فاصلے یہاں بھی بڑھ چکے تھے مگر اس کا اندازہ فی الحال انابیہ کو نہیں تھا یا پھر وہ کرنا نہیں چاہتی تھی یا پھر دونوں اس سے منہ پھیرے کھڑے تھے۔ سچ جیسے ایک سورج تھا، جس کی طرف وہ دونوں ہی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب عفان علی خان کمرے میں داخل ہوا تھا اور بنا اس کی طرف دیکھے الماری کے سامنے جا رُکا تھا اور اپنا ضروری سامان نکالنے لگا تھا۔ انابیہ نے اسے بغور

دیکھا تھا تو پھر آہستگی سے بولی تھی۔

''آپ کو اپنا سامان کہیں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے...... آپ چاہیں تو میں...... میں یہاں سے چلی جاتی ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ الماری کی طرف بڑھ گئی تھی اپنا سامان لینے کے لیے۔ مگر تب ہی وہ پلٹا تھا اور بری طرح سے اس شخص سے ٹکرا گئی۔ ایک پُرتپش لمس نے وجود کو چھوا تھا۔

عفنان علی خان نے غالباً اس کے گرنے کے خیال سے اسے تھام لیا تھا۔ قربت کا یہ لمحہ کہنے کو بہت پُرفسوں تھا مگر جس طرح انابیہ شاہ اپنی آنکھیں شدت کے احساس کے ساتھ بھینچ کر رہی گئی تھی، اس پر عفنان علی خان نے اسے دوسرے ہی پل بہت آہستگی سے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور نگاہ پھیر گیا تھا۔

''سوری''۔ وہ یوں شرمندہ دکھائی دے رہا تھا جیسے کوئی بہت سنگین جرم سرزد ہو گیا ہو۔ انابیہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ نہ اس کی طرف دیکھ سکی تھی، نہ ہی کچھ کہہ سکی تھی۔

عفنان علی خان مڑا اور پھر تیزی سے اپنی چیزیں نکالنے لگا۔

''آپ پلیز......'' انابیہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی، تب ہی آہستگی سے بولی تھی۔

''کیا چاہتی ہو تم؟...... اب اور کیا؟'' عفنان علی خان نے یک دم مُڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے صرف خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

''انابیہ شاہ! تم چیزوں کو صرف اپنے رنگ میں کیوں دیکھنا چاہتی ہو؟...... پرابلم کیا ہے تمہارا؟ تم نے جو چاہا ہے میں نے کیا ہے۔ میری بھی کوئی زندگی ہے۔ میں بھی کچھ چاہ سکتا ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ مگر تم یہ سب کیوں سمجھو گی؟'' سلگتے ہوئے لہجے میں کہتا ہوا وہ پلٹا تھا اور دوبارہ اپنی چیزیں الماری کے اندر سے نکالنے لگا تھا۔

''میں چلی جاتی ہوں یہاں سے''۔ وہ بہت اطمینان سے بولی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا۔ انداز میں کسی قدر برہمی تھی مگر کچھ بھی بولے بغیر ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے بیڈ پر اچھالے اور کچھ بھی کہے بغیر پلٹ کر نکل گیا۔

انابیہ شاہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

میرب سیال نے اپنے ذہن سے اس شخص کے خیال کو جھٹکا تھا اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

وہ ہسپتال جانے کے لیے قدم بڑھا رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

''کہاں جا رہی ہو تم؟''

''کیوں؟...... اب مجھے ہر بات کی اجازت آپ سے لینا ہو گی؟'' اس کا انداز غیر لچک دار تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پیشانی پر سلوٹیں واضح طور پر دکھائی دی تھیں مگر وہ بولا تھا تو انداز بہت مطمئن تھا۔

''ساری دیواریں گرانا چاہتی ہو تم......حدوں سے نفرت ہے تمہیں؟''

''میں کوئی دیوار پھلانگ کر کہیں نہیں جا رہی۔ نہ ہی کہیں بھاگ رہی ہوں۔ میں آپ کی......میں ہسپتال جا رہی ہوں''۔

''رُک کیوں گئیں؟......کہو نا، کس کی تیمارداری کرنے جا رہی ہو؟......زبان روک لینے سے کیا سچائی چھپ جائے گی؟......سچ اگر جان ہی گئی ہو تو اسے قبول کیوں نہیں کر رہیں؟'' لہجے میں عجیب سی چبھن تھی۔

میرب سیال اُلجھنا نہیں چاہتی تھی تبھی نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''مجھے کسی سچائی کو قبول لنے سے کوئی تعرض نہیں ہے کیونکہ سچ کو نہ ماننے والے سچ سے بھاگنے کے عادی ہوتے ہیں اور میں ایسی نہیں ہوں۔ میرے نظریں پھیر لینے سے یا کسی کے کہہ دینے سے سچ چھپ نہیں جائے گا۔ نہ ہی بدل جائے گا۔ میں آپ کی وائف کی خیریت معلوم کرنے ہسپتال جا رہی ہوں''۔ وہ بہت پُر اعتماد انداز میں بولی تھی۔ گمان تھا کہ مقابل چاروں شانے چت ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت پُرسکون انداز سے مسکرا رہا تھا۔ انداز حد درجہ محظوظ ہونے والا تھا۔ یہ بڑی غیر متوقع کیفیت تھی۔ میرب کو واقعی حیرت ہوئی تھی مگر اس نے یہ حیرت اس شخص پر قطعاً ظاہر نہیں ہونے دی۔

''میری وائف؟......آئی سی''۔ وہ جیسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انداز میں ایک پُرسکون کیفیت تھی۔ وہ چلتا ہوا کچھ قریب آ گیا تھا۔

''میری وائف......آپ کی کیا ہوئیں؟'' پُر اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ جو پُر اعتماد انداز سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی، نگاہ پھیر گئی تھی۔ وہ شخص اسے کبھی سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ شاید یہ طے کر لیا تھا اس نے۔ ایک پل میں اس کے اطمینان کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔

''ہوں......کیا ہوئیں وہ آپ کی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمی سی مسکراہٹ لبوں میں دبائے اس کے جواب کا منتظر تھا۔

میرب سیال نے ایک کڑوا گھونٹ لیا تھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی۔

''رومیصا لغاری کا آپ سے کچھ بھی رشتہ سہی۔ مجھے ان سے ہمدردی ہے......''

''کیوں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ ''کیوں؟ یہی تو پوچھ رہا ہوں۔ کیوں ہے تمہیں یہ ہمدردی؟ کس لیے؟......رشتہ میرا ہے اور فکر میں آپ دبلی ہوئی جا رہی ہیں۔ ایک اَن جانے رشتے سے اتنی ہمدردی؟......آپ کو تو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ غرض تو پھر دور کی بات ہے''۔ انداز جتانے والا تھا۔ غالباً وہ اسے طیش دلانے کے چکر میں تھا۔

میرب سیال کے دل پر جیسے ایک بوجھ سا آن گرا تھا۔ ایک لمحے میں خود کو سنبھالنا محال لگا تھا۔

یہ تصور جان لیوا تھا کہ وہ اس کا نہیں۔ یہ خیال تو اور بھی قتل کر دینے والا تھا کہ وہ اس کا نہیں۔

''میں جانتی ہوں، ایک سے زیادہ حصوں میں بٹا ہوا رشتہ میرا ہرگز نہیں۔ آپ مجھے سمجھانے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ جبکہ یہ

بات میں پہلے سے جانتی ہوں''۔ نظریں بوجھل تھیں۔ ڈر تھا بھرم ٹوٹ نہ جائے۔ وہ ساری نمی اپنے اندر کہیں اُتار لینا چاہتی تھی۔ تب ہی اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔

''جانتی ہوں میں یہ بات...... آپ پلیز''۔ باور کرانا چاہتی تھی مگر اتنا حوصلہ کس میں تھا۔ آواز بھاری ہوئی تھی اور حلق میں ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ وہ جو پُر اعتماد انداز میں اس کے سامنے کھڑے رہنا چاہتی تھی، بہت کمزور پڑنے پر نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔ انداز جانچنے والا تھا۔

''جانتی ہو تو مانتی کیوں نہیں؟'' اس بار انداز خلافِ معمول حد درجہ نرم واقع ہوا تھا۔ لہجہ مدھم تھا۔ نظر بغور اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا باور کرانا مقصود تھا اس شخص کو؟...... کیا ثابت کرنا چاہتا تھا وہ؟ اور وہ باور کرا بھی پایا تھا کہ نہیں۔ اس کا اندازہ اگلے ہی پل ہو گیا تھا جب وہ کہہ رہی تھی۔

''مان چکی ہوں...... مان ہی تو چکی ہوں اور آپ کو بھی اس کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا''۔ انداز فیصلہ کن تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اطمینان کم نہیں ہوا تھا۔

''اوہ''۔ وہ جیسے قطعاً متاثر نہ تھا۔ ''جلن ہو رہی ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پُرسکون انداز میں پوچھا تھا۔ میرب سیال نے سلگتے ہوئے انداز میں قاتل نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی۔

''جلن، جیلسی، حسد محسوس کرنا''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت پُرسکون انداز میں معنی یوں واضح کیے تھے جیسے وہ قطعاً نابلد ہو۔ میرب سیال کا سارا ضبط جواب دے گیا تھا۔ آنسو سے بھری آنکھوں پر اب تک جو ایک اختیار تھا ایک لمحے میں وہ بند ٹوٹا تھا اور سارا نمکین پانی رخساروں پر بہہ گیا تھا۔ مگر وہ بنا شرمندہ ہوئے، خجل ہوئے پُراعتماد نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''جلن؟...... مجھے جلن کیوں محسوس ہوگی؟ کس لیے؟'' اگر نگاہوں سے کوئی قتل کر سکتا تو غالباً وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو آج قتل کر چکی ہوتی۔

''کیا رشتہ ہے میرا آپ سے؟...... کیا لگتے ہیں آپ میرے؟'' تنک کر پوچھا تھا۔ انداز میں ایک جلن بہت واضح تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے رخساروں پر سے نمکین پانی کا ایک قطرہ اپنی انگلی کی پور پر لیا تھا۔ اسے بغور دیکھتا ہوا دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''نہیں جانتی ہو......؟'' مدھم لہجے میں جیسے کوئی ایک شکوہ سر پٹخ رہا تھا۔ میرب سیال سلگ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔

''نفرت ہے مجھے آپ سے''۔

''محبت کب ہوئی تھی۔ بتایا نہیں تم نے''۔ شکوہ در شکوہ۔ انداز دلچسپ تھا۔ وہ جیسے اپنے سکون سے اسے زچ کر رہا تھا۔ میرب

سیال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے شخص کو تہس نہس کر کے رکھ دے۔

''محبت......محبت کے معنی جانتے ہیں آپ؟'' وہ پھنکاری تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس چہرے کو بغور دیکھتا رہا تھا۔

''تم سمجھا دو''۔ مدھم لہجے میں کوئی درخواست تھی۔ کوئی دھیما دھیما الاؤ تھا مگر میرب سیال کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''محبت کے ہجے بھی نہیں آتے آپ کو۔ محبت کی ''میم'' کی بھی خبر نہیں ہے۔ اور......'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

''اور؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ لہجہ نرم بھی تھا اور لچک دار بھی۔ نکلنے کو بہت سی گنجائش نکل سکتی تھی مگر یہاں کوئی مائل نہیں تھا۔

میرب چہرے کا رُخ پھیرے کھڑی تھی۔ تب ہی اس ساکت ماحول میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی مدھم آواز دوبارہ اُبھری تھی۔

''اور......؟'' وہ اس ادھوری بات کو مکمل کر دینے کے درپے تھا مگر میرب سیال یک دم ہی مڑی تھی اور وہاں سے نکل جانا چاہا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بھرپور استحقاق سے اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔

''ادھوری باتیں، ادھورا پن دیتی ہیں میرب سیال! ادھورا پن اچھا نہیں ہوتا۔ مکمل کر دو''۔ کسی خاص بات کا حوالہ دیئے بغیر یہ تذکرہ خاص، ایک خاص مفہوم رکھتا تھا۔

''مکمل کرو''۔ درخواست گزار انداز کسی قدر ملتجی بھی تھا اور دھیما بھی۔ مگر میرب سیال نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ جیسے اپنی ذات کی بات کر رہا تھا۔

''بہت جلد ختم ہو جائے گا یہ سب......بہت جلد آپ کو پتہ چل جائے گا''۔ وہ کچھ سمجھے بغیر اس کی سمت دیکھے بنا ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''کیسی ہیں اب آپ؟''

پچھلے روز سے رومیصا لغاری آئی سی یو میں تھی۔ ابھی کچھ حالت سنبھلی تھی تو اسے پرائیویٹ روم میں شفٹ کیا گیا تھا۔ میرب نے جیسے ہی قدم رکھا تھا، رومیصا لغاری اسے اپنائیت سے دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ چہرے پر نقاہت اب بھی تھی۔

''کیسا محسوس کر رہی ہیں اب آپ؟'' تازہ پھولوں کا بکے اس کے قریب رکھتے ہوئے میرب سیال نے اپنائیت سے دریافت کیا تھا۔ رومیصا لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم......تم کہاں چلی گئی تھیں؟'' رومیصا لغاری نے شکوہ کیا تھا۔ میرب سیال جیسے اس لمحے زبردستی مسکرائی تھی۔

''آپ نے مجھے مس کیا؟'' انداز بہت پھیکا سا تھا۔ رومیصا لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بابا سے بھی پوچھا تھا۔ بتا رہے تھے کہ تم گھر پر ہو۔ گین آیا ہوا ہے؟'' نقاہت سے پُر آواز میں پوچھا تھا۔

میرب سیال نظریں چرا گئی تھی۔

''ہاں''۔ مختصر جواب دے کر اس کی دواؤں کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے اب آپ کو؟...... پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہیں نا؟ دوائیں تو وقت پر لے رہی ہیں نا آپ؟'' وہ جیسے اس موضوع پر آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

رومیصا لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

میرب سیال چند ثانیوں تک کھڑی اس خالی ہاتھ کو دیکھتی رہی پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے خالی ہاتھ پر رکھ دیا۔

''میرب! ایک خالی ہاتھ کو جانتی ہو کیا شے بھر سکتی ہے؟'' رومیصا لغاری نے جیسے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ میرب سیال نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا؟'' انداز میں کوئی لگاوٹ نہ تھی۔

''صرف ایک محبت بھرا ہاتھ میرب!'' رومیصا لغاری نے مدھم لہجے میں جیسے کچھ جتایا تھا۔ ''صرف محبت بھرا ہاتھ ایک خالی ہاتھ کو بھر سکتا ہے میرب! اور کچھ نہیں۔ پتہ نہیں مجھے یہ بات تمہیں سمجھانی چاہیے کہ نہیں مگر جب ایسا کوئی لہجہ یا ہاتھ، ہاتھ میں آئے تو اسے جھٹکنا نہیں چاہیے''۔ رومیصا لغاری اسے پتہ نہیں کیا سمجھانا چاہتی تھی مگر وہ اسی طرح خاموش سی کھڑی رہی تھی۔ کچھ نہیں بولی تھی۔ رومیصا لغاری دوبارہ بولی تھی۔

''وہ ہاتھ تمہارا ہے میرب! اُسے اس طرح اگنور مت کرو''۔ رومیصا لغاری اُسے جتا رہی تھی۔ اس شے کے بارے میں جو اس کی تھی ہی نہیں۔ وہ ایک عجیب طنز سے مسکرا دی تھی۔

''رومیصا آپ......'' وہ کچھ بولتے بولتے رہ گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں میرب!...... میں جانتی ہوں۔ بے خبر لمحوں کی خبر تمہیں دینا چاہتی ہوں۔ جن سے تم واقف نہیں ہو''۔ رومیصا لغاری کو اس کی بے وقوفی پر جیسے افسوس ہوا تھا۔

میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''رومیصا! مجھے ایک بات بہت عجیب لگتی ہے''۔

''کیا؟''

''شاید آپ بھی جانتی ہیں، ہم دونوں جس رشتے میں ہیں اس میں ایسی دل جوئی کہیں نہیں ہوتی۔ مگر ہم ایک دوسرے کی دل جوئی بھی کرتے ہیں اور خیر خواہی بھی''۔ میرب سیال نے پھیکے پن سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ رومیصا لغاری بھی مسکرا دی تھی۔

"ایسا کیا ہے میرب؟......کیا ہم میں واقعی کوئی دشمنی ہونی چاہیے؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے آج تک کسی نے نفرت نہیں کی۔ کسی سے عداوت نہیں رکھی۔ مجھے نہیں پتہ کہ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں۔ مگر میں کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی"۔ اس کا انداز بے بس تھا۔

"تمہارا دل بھی کوئی دُکھا دے تب بھی نہیں؟"

"نہیں...... میں خود کو ہرٹ کرنے والے سے بھی نفرت نہیں کر سکتی"۔ وہ بالکل مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بول رہی تھی۔ اسے جیسے اپنی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا۔ رومیصا لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم دنیا کی بہت انوکھی لڑکی ہو میرب! اور تب ہی شاید بہت اچھی بھی لگی ہو۔ تم جیسی لڑکی کو کبھی کوئی ہرٹ کرنا نہیں چاہے گا"۔

"پتہ ہے، آپ کے بابا سے ملاقات ہوئی تھی اس روز"۔ میرب سیال نے بات یک دم ہی پلٹ دی تھی...... رومیصا لغاری کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ اس موقع سے، اس موضوع سے فرار کیوں چاہتی ہے مگر وہ بہت قلیل لمحوں میں اسے قائل کرنا چاہتی تھی جیسے یہ سب اس کے لیے بہت ضروری تھا۔

"میرب!" اسے دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"پلیز رومیصا! مجھے یہ سننا بہت محال لگتا ہے اور اس سے بھی زیادہ یقین کرنا۔ میں کسی کے کہے یا دیکھے پر یقین نہیں رکھتی، جو میری نگاہ دیکھتی ہے میں اس پر اعتماد کرتی ہوں اور میری نگاہ نے اب تک ایسا کچھ نہیں دیکھا رومیصا!"

"اعتبار کرو میرب! تم جس لمحے میں زندہ ہو، وہ لمحہ تمہارا ہے۔ اپنے اس لمحے کو جی لو"۔

"کیسے جی لوں؟......کیا یہ اتنا آسان ہے؟ آپ......آپ کیسے کہہ سکتی ہیں یہ سب؟ جبکہ آپ......"

"میں کیا میرب؟......تم رُک کیوں گئیں؟ بولو نا"۔

"کچھ نہیں"۔ میرب سیال چہرہ پھیر گئی تھی۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں میرب!" رومیصا لغاری نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

"رومیصا! پلیز۔ میں آپ کے پاس کسی راز کی انفارمیشن گیٹ کرنے نہیں آئی۔ مجھے کچھ جاننے سے سروکار نہیں ہے۔ آپ پلیز خود پر بَرڈن مت ڈالئے۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ آپ آرام کیجئے"۔

"تمہیں گین نے کچھ کہا ہے میرب؟"

"نہیں......" وہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی۔ "انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا"۔ وہ اسے جیسے بے فکر کر دینا چاہتی تھی۔ رومیصا لغاری اس کے منع کرنے کے باوجود اس موضوع سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

''گیین اتنا مشکل نہیں کہ سمجھ میں نہ آسکے''۔

میرب سیال اس ذکر سے، اس نام سے جتنا بچنا چاہتی تھی وہ نام، وہ ذکر اسے اتنا ہی زیادہ گھیرتا تھا۔مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔نہ اسے رد کیا تھا، نہ چپ کرایا تھا۔غالباً اس کا احترام کر رہی تھی۔شاید جانتی تھی کہ اس کے پاس جینے کے لیے لمحے تھوڑے ہیں اور وہ اسے اس کی خواہش سے جینے دینا چاہتی تھی۔

''اس کا دل بہت خوب صورت ہے میرب!......اس کے دل میں جھانکو، اُتر کر دیکھو۔وہ جتنا مضبوط، جتنا اسٹرونگ دکھائی دیتا ہے، اندر سے وہ اتنا ہی نرم اور سوفٹ ہے۔وہ اندر سے ادھورا ہے میرب! اُسے مکمل کردو''۔

''مکمل کر دو......''ایک بازگشت جیسے اس کے اندر ہوئی تھی۔ابھی کچھ لمحوں پہلے کہا گیا ایک خاموش، دھیما لہجہ اس کے اندر گونجا تھا۔میرب نے چونک کر رومیصا لغاری کو دیکھا تھا۔

''اس کا دل جو کہتا ہے اسے وہ کہنے کا فن نہیں آتا میرب! وہ جو محسوس کرتا ہے اسے بیان نہیں کرسکتا۔وہ تمہیں کبھی بھی اس طرح نہیں بتا پائے گا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔اسے تمہاری کتنی ضرورت ہے''۔

یہ سب باتیں اس کے لیے جیسے بے معنی تھیں۔وہ رومیصا لغاری کو صرف اس لیے سن رہی تھی کہ وہ اسے بولنے کا موقع دینا چاہتی تھی، ورنہ اسے نہ ان باتوں کی وقعت کا کوئی اعتبار تھا نہ ہی کوئی یقین اس کے اندر سر اُٹھا رہا تھا۔وہ خالی دل، خالی نظروں کے ساتھ اس لمحے چپ چاپ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''اسے مکمل کردو میرب سیال!'' رومیصا لغاری اسے کہہ رہی تھی اور وہ چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......کیا سوچ رہے ہو تم؟'' ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔

اذہان حسن بخاری جو کسی سوچ سے چونکا تھا، سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''تم کچھ ڈسٹرب ہو؟''

''نہیں......وہ، میرب کو فون کیا تھا......کچھ عجیب سا بی ہیو کر رہی تھی''۔

''اس نے تمہیں نہیں بتایا؟'' ساہیہ حیران ہوئے بغیر پوچھنے لگی تھی۔اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے اس کو ساہیہ کے انداز پر حیرانی ہوئی تھی۔وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میرب کے نام پر وہ کچھ الگ سے ری ایکٹ کرے گی، مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟......ایسے کیا دیکھ رہے ہو تم؟''

''کچھ نہیں''۔اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں جانتی ہوں......مگر میں نہیں پوچھوں گی''۔ساہیہ مسکرا دی تھی۔وہ لڑکی اپنی جگہ حیران کن تھی۔اذہان حسن بخاری کو اس

بات کو ماننا پڑا تھا۔اس کا دل واقعی بہت گنجائش رکھتا تھا۔

''تم میرب کے بارے میں بتا رہے تھے؟''اس کے خاموشی سے دیکھنے پر ساہیہ نیا سے یاد دلایا تھا۔اذہان نے سر ہلا دیا تھا۔

''بات نہیں ہوئی اس سے''۔

''تو کیا پرابلم ہے؟......بات کرلو اس سے۔کیا وہ تم سے بات کرنا نہیں چاہتی''۔وہ دوستانہ انداز میں یوں بات کر رہی تھی جیسے وہ میرب سیال کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہو۔اذہان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''تم کیا سوچ رہی ہو ساہیہ؟''

''میں کیا سوچ رہی ہوں؟''وہ پُر خیال انداز میں سوچتے ہوئے مسکرائی تھی۔''میں سوچ رہی ہوں کہ دُنیا آخر گول ہی کیوں ہے''۔یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی تھی۔عجیب غیر سنجیدہ انداز تھا جیسے وہ اس بات کو مذاق میں اُڑانا چاہتی تھی۔

''ساہیہ!''اذہان نے اسے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

''تمہیں ڈر لگتا ہے نا؟''بہت عجیب سوال نہیں تھا مگر وہ چونکی تھی اور مسکرائی تھی۔

''ڈر؟......مجھے ڈر کیوں لگے گا؟ہاں لگتا تھا کبھی......مگر اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔اب نہیں لگتا کیونکہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں''۔وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی جیسے اس راز کو کوئی اور نہ جانتا ہو۔اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ڈر صرف بچوں کو ہی نہیں لگتا ساہیہ!بعض اوقات بڑوں کو بھی لگتا ہے......اور ڈر لگنا کوئی کمزوری والی بات نہیں ہے۔وہ ہٹلر تھا نا،وہ بھی ڈرتا تھا اور وہ جو نپولین تھا نا،وہ بھی ڈرتا تھا۔جب واٹر لو کے مقام پر اسے شکست ہوئی تھی تو وہ رویا بھی تھا کیونکہ وہ اس ہار کو قبول نہیں کر رہا تھا اور وہ بہت بُری ہار تھی۔ہار جانے کا ڈر صرف بچوں کو ہی نہیں ہوتا ساہیہ!یہ ڈر بڑوں کو بھی لگتا ہے''۔وہ نرمی سے بتا رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

ہنسنے سے اس کی آنکھوں میں پانی کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے جو بالآخر آنکھوں سے باہر آ گئے تھے۔ساہیہ نے کناروں پر سے آنکھوں کی اس نمی کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور مسکرا دی تھی۔

''یہ واٹر والی کیا داستان ہے؟اس روز اگینے بھی بتا رہی تھی۔کیا بہت بڑی ہار تھی وہ؟......ویسے کیا ہار چھوٹی بڑی ہوتی ہے؟''وہ مسکراتے ہوئے معمول کی ساہیہ لگی تھی۔اذہان اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے مسکرایا تھا۔

''ہار،ہار ہوتی ہے ساہیہ!چھوٹی یا بڑی نہیں ہوتی۔ہار کو جھیلنا آسان نہیں ہوتا''۔

''اور ہم پھر بھی اس ہار کو جھیلتے اور سہتے ہیں''۔اذہان کی بات کو اس نے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے مکمل کیا تھا۔اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ اس لمحے جیسے کسی فرار کی تلاش میں تھی۔اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔شاید ایسا وہ جان بوجھ کر کر رہی تھی۔مسلسل اپنی پوروں پر اس نمی کو دیکھ رہی تھی۔اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا۔تبھی وہ مسکرا دی تھی۔

''دل کی ہار بہت بڑی ہوتی ہے نا اذہان! اس واٹرلو سے بھی بہت بڑی۔ یا پھر اس واٹرلو کی شکست جیسی ہی''۔

''تمہیں کیا لگتا ہے ساہیہ؟''

''مجھے؟'' وہ مسکرائی تھی۔ انداز بالکل سرسری اور غیر سنجیدہ تھا۔'' مجھے دل کی ہار اس واٹرلو کے مقام سے بھی بڑی ہار لگتی ہے اذہان! نپولین اس کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ نپولین کا دماغ صرف اس جنگ میں لگا تھا۔ صرف دماغ انوالو تھا، دل نہیں۔ وہ اس جنگ کی ہار کو صرف دماغی طور پر جھیل سکا۔ دل سے کبھی وہ اس ہار کو محسوس نہیں کر سکتا۔ اگر وہ دل سے ہارا ہوتا تو شاید اسی لمحے میں مر گیا ہوتا۔ دل کی ہار اندر سے اندر جینے کا حوصلہ ختم کرتی ہے اذہان! ڈائریکٹ دل کو مارتی ہے۔ نپولین کبھی اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکا ہوگا۔ دل کی ہار شاید واٹرلو کی اس ہار سے بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ اسے جھیلنے والے زیادہ انعام کے حق دار ہونے چاہئیں۔ حیرت ہے، انہیں کوئی خراجِ تحسین تک پیش نہیں کرتا''۔ وہ اتنی سنجیدہ بات کہنے کے بعد غیر سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔ اذہان اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

''تم خود کو اتنا بے فکر ظاہر کیوں کرتی ہو ساہیہ؟''

''کیوں، میرا فکر مند ظاہر کرنا میرے لیے کون کون سے فائدے لا سکتا ہے؟'' وہ بدستور اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ اذہان کو وہ لمحہ بہت مشکل لگا تھا۔

''تمہیں ڈر ہے نا؟''

''ڈر کسے نہیں ہوتا اذہان!...... میں بھی انسان ہوں۔ میرے سینے میں بھی ایک دل ہے اور وہ دل کمزور بھی ہے تو ڈر تو مجھے لگے گا نا۔ ویسے ابھی سے بتا دوں، مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے''۔ وہ مسکرائی تھی۔'' یاد ہے تمہیں، اس روز جب اچانک لائٹ چلی گئی تھی تو......اور وہاں کونے میں کتنی موٹی کالی بلی تھی نا''۔

''ہاں، میں جانتا ہوں۔ تم لڑکیوں کو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے''۔

''اور تم مردوں کو یہ بات پتہ ہے، اس کے باوجود میرے آواز دینے کے پانچ منٹ بعد تم وہاں پہنچے تھے۔ کتنے افسوس کی بات ہے نا''۔ اس نے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا اور اذہان مسکرا دیا تھا۔

''وہ تو میں کینڈل ڈھونڈ رہا تھا''۔ وضاحت پیش کی گئی تھی اور ساہیہ ہنس دی تھی۔

''تم مردوں کے پاس ہر بات کا جواز موجود ہوتا ہے''۔

''اور تمہیں ڈر نہیں لگتا''۔ وہ اسی نقطے پر واپس آیا تھا۔

''لگتا ہے...... بہت لگتا ہے''۔ وہ ایک پل میں سنجیدہ ہوئی تھی۔'' مجھے ڈر لگتا ہے اذہان!......کبھی کبھی واقعی بہت لگتا ہے مگر میں خوف زدہ ہونا نہیں چاہتی۔ نہ ہی میں ڈرنا چاہتی ہوں''۔

''تم خیال کرتی ہو کہ ڈرنا منع ہے''۔ وہ مسکرا رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

''نہیں......میں نہیں سمجھتی ہوں کہ ڈرنا ضروری ہے''۔

''ساہیہ!'' اذہان نے اسے سنجیدگی سے پکارتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔''ساہیہ! اذہان پر بھروسہ رکھو۔ وہ کبھی تم سے غافل نہیں ہوگا''۔اس نے نرم، دھیمے لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔صرف خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

میرب سیال چلتی ہوئی مائی کے پاس آئی تھی مگر یہ دیکھ کر قدم دروازے میں ہی رک گئے تھے کہ وہ موصوف بھی وہاں براجمان تھے۔

''کیا ہوا بچے!......اندر آؤ نا......اس طرح رک کیوں گئیں؟'' مائی نے اسے لگاوٹ سے پکارا تھا مگر اس کی نگاہ اس شخص کی جانب گئی تھی جو اس گھڑی خاموشی سے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔میرب سیال نے ایک پل کو دیکھا تھا۔پھر قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور مائی کے سامنے جا رکی تھی۔

''مائی اماں! مجھے واپس جانا ہے''۔اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔جیسے وہ ہر بات کا فیصلہ کر کے آئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے اس اقدام پر چونکا نہیں تھا۔وہ بہت اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا، ٹھیک ہے......واپس تو مجھے بھی جانا تھا اور گین کو بھی۔اگر تم ہمارے ساتھ ہی چلتیں تو ہمیں اطمینان بھی رہتا اور خوشی بھی ہوتی''۔مائی اماں نے مروت سے کہا تھا تبھی وہ جواباً بولی تھی۔

''میں ایسا ضرور کرتی مائی! مگر......بابا کا فون آیا تھا۔وہ بھی مجھے مس کر رہے ہیں، پھر میری اسٹڈی......''

''ہاں، وہ بھی ہے......اور زیادہ ضروری بھی ہے......ٹھیک ہے۔میں کسی سے کہہ کر بندوبست کروا دیتی ہوں۔تم اپنا سامان پیک کر لو۔مگر......'' مائی اماں کسی اُلجھن میں دکھائی دی تھیں۔سردار سبکتگین حیدر لغاری لاتعلق سا بیٹھا تھا۔

''مگر کیا مائی؟......کوئی پرابلم ہے؟......اگر ایسا ہے تو مجھ سے کہیے......ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ کر سکوں''۔میرب کا انداز مائی کے ساتھ بہت الگ تھا۔

''وہ تو ہے بیٹا! لیکن تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ......تمہیں جانا ہے''۔

''تو آپ چاہتی ہیں کہ میں رک جاؤں؟'' سوالیہ نظروں سے مائی اماں کو دیکھتے ہوئے وہ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مکمل طور پر اِگنور کر رہی تھی اور شاید وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھی۔

''میں نہیں بیٹا! رومیصا لغاری۔صبح میں ہسپتال گئی تھی۔اس کے ڈاکٹر سے بھی بات ہوئی تھی۔اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔اگر ممکن ہوتا تو میں اس کے لیے کچھ کرتی''۔مائی کی آنکھیں آب دیدہ ہوگئی تھیں۔میرب خاموشی سے کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔وہ سمجھ رہی تھی کہ مائی کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔وہ یہاں بیماروں کی تیمارداری کرنے نہیں آئی تھی۔نہ ہی وہ کوئی مسیحا تھی۔پھر یہ لوگ کیا چاہ رہے تھے

اس سے؟......اور کیا کیا کچھ۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میرے یہاں رہنے سے رومیصا لغاری کی حالت سنبھل سکتی ہے؟"

"مجھے نہیں، خود رومیصا نے ایسا کہا ہے کہ تم اس کے قریب رہو۔ بیٹا! مرنے والی کی آخری خواہش بڑی معنی رکھتی ہے مگر میں تم پر کوئی قدغن پھر بھی نہیں لگاؤں گی۔ اگر تم جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔ میں نہیں جانتی کیوں اور کیسے مگر رومیصا لغاری کو تم سے کچھ انسیت ہو گئی ہے۔ وہ کیا چاہتی ہے اس سے یقیناً تمہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ میں تمہیں پابند بھی نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو کسی قدر شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہیں اس رشتے سے لاعلم رکھا اور تمہیں اس بارے میں خود سے پتہ چلا"۔ مائی شرمندہ دکھائی دے رہی تھیں۔

میرب میں اب اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ انہیں اس شرمندگی سے کچھ کہہ کر نکال پاتی۔ ہاں اسے دُکھ ہوا تھا...... بہت دُکھ ہوا تھا اور اس کا ازالہ صرف یہ کہہ دینے سے ممکن نہیں تھا۔

"میرب بیٹا! تم تیاری کر لو۔ میں تمہارے جانے کا بندوبست کروا دیتی ہوں"۔ مائی بولی تھیں اور وہ خاموشی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ دیکھے بغیر کہ کوئی اور بھی اُٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

"میرب!" باقاعدہ آواز دے کر پیچھے سے پکارا گیا۔ یہ وہ صدا نہیں تھی کہ اس کے قدموں کو منجمد کر سکتی یا وہ پتھر ہو جاتی۔ مگر اس کے باوجود اس میں اتنی کرٹسی تھی کہ وہ رُک گئی تھی۔ اگرچہ پلٹ کر پھر بھی اس نے نہیں دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے سامنے آن رُکا تھا۔

وہ اس کے بولنے کی منتظر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی مگر وہ فوری طور پر نہیں بول سکا تھا۔ میرب نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

"تو جا رہی ہو تم۔ واپس جانا چاہتی ہو؟"

"ہاں"۔ اس نے بلاتردد جواب دیا تھا۔ انداز سرد تھا۔

"میں نہیں جانتا تھا تم اتنی بے حس ہو۔ اتنی پتھر ہو"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُرافسوس انداز میں کہتے ہوئے ایک الزام اس کے سر کیا تھا۔ اسے اس الزام پر واضح حیرت ہوئی تھی۔

"کیا کہا آپ نے؟...... بے حس ہوں میں؟...... میں بے حس ہوں؟...... اگر میں بے حس ہوتی تو یہاں پر نہ ہوتی۔ مجھ پر الزام لگا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟" وہ پُراعتماد انداز میں دریافت کر رہی تھی۔

"ثابت کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہیں رومیصا کی خواہش کا کچھ تو احترام کرنا چاہیے"۔

"کیوں...... کیوں کروں میں احترام؟...... کیا لگتی ہے وہ میری؟ اور آپ...... کچھ اور الزام لگانا باقی ہو تو وہ بھی لگا دیجئے۔ پہلے راز جاننے کا، کچھ کھوج داری کا الزام لگایا اور اب یہ...... اور کس لیے رُکوں میں تاکہ آپ کو یقین ہو سکے کہ میں واقعی کسی راز کی کھوج میں یہاں آئی ہوں؟ یاد ہے اس روز آپ نے ہی مجھے رومیصا لغاری سے ملنے سے باز رکھنا چاہا تھا نا۔ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا تھا۔ صرف اسی

وجہ سے نا کہ آپ کو لگتا ہے میں ان کے قریب جا کر ان سے راز اُگلوا رہی ہوں۔ تو پھر اب کیوں روک رہے ہیں آپ مجھے؟'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی پُر اعتماد انداز میں دریافت کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین کو اس کی ہمت نے ایک بار پھر دونوں شانے چت کر دیا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی مگر اس لمحے وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی بہت جارحانہ انداز میں اسے شانوں سے تھاما تھا اور بولا تھا۔

''مجھے اس کی پراوہ نہیں کہ تم کیا سوچتی ہو۔ کس لیے سوچتی ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ سمجھو..... تمہاری عقل میں بات کیوں نہیں آتی؟...... اتنی بند عقل کی لڑکی کیوں ہو تم؟...... دماغ سے کام کب لو گی تم؟ عقل کو استعمال بھی کرنا ضروری ہے۔ کس روز پتہ چلے گا تمہیں؟...... وہ عورت تمہاری ذرا سی ہمدردی چاہتی ہے۔ تمہاری ذرا سی توجہ اور تم''۔

''تو کیوں دوں میں اسے توجہ؟...... کیوں دوں ذرا سی ہمدردی؟'' متوازن انداز میں چیختے ہوئے اس نے اپنے شانوں پر سے سردار سبکتگین کے ہاتھ ایک لمحے میں جھٹک دیئے تھے۔

''کوئی نرس نہیں ہوں میں...... نہ ہی کوئی اٹینڈنٹ...... آپ کی سمجھ یہ بات نہیں آتی۔ کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے...... بیوی ہوں آپ کی تو سب کی غلام بھی ہو گئی؟'' اس کا لہجہ معمول سے بلند ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ جانے کیسے اس لمحے میں اُٹھا تھا اور اس کے چہرے پر نشان ثبت کر گیا تھا۔ وہ ساکت سی، بھرپور حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحے میں مڑا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال بت بنی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ کمرے میں چپ چاپ دبکی بیٹھی تھی۔ جب فاطمہ شاہ اندر آئی تھیں۔

''کیا ہوا؟...... تم اس طرح اندھیرا کیے کیوں بیٹھی ہو؟''

انابیہ شاہ سیدھی ہو بیٹھی اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... ایسی بات نہیں ہے''۔

فاطمہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

''میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ کل گھر میں ایک تقریب ہے۔ بہت سے گیسٹ آرہے ہیں۔ سب کو ہماری بہو سے ملنے کا بھی شوق ہے۔ اس لیے تم اُٹھو اور سیلون جا کر کچھ فریش ہو جاؤ''۔

اس کا موڈ بحال کرنے کو وہ مسکرائی تھیں۔ وہ بھی مسکرا دی تھی اب اتنی تو کرٹسی باقی تھی اس میں۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ممی؟...... آپ کا زمانہ اب اتنا پرانا بھی نہیں ہے۔ میں نے شادی کی تصویریں دیکھی ہیں آپ کی۔ اچھی خاصی ماڈرن خاتون تھیں آپ''۔ انابیہ بولی تھی۔

''اچھا...... تو کیا اب نہیں ہوں؟'' وہ اس کا چہرہ ہاتھ میں لے کر ہنس دیں۔ ''چلو اچھا ہوا، تمہیں میری کسی بات نے ہی سہی، خوش تو

کیا۔ ہمارے بچے کے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی“۔ فاطمہ شاہ نے اسے کہا تو وہ جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔ تبھی فاطمہ شاہ محبت سے بولی تھیں۔

”بیٹا! زندگی کے دروازے اس طرح بند نہیں کرتے۔ یہ عمر جینے کی ہے۔ اسے زندہ دلی سے بسر کرو۔ تمہاری عمر کے جب ہم تھے نا، ہم اس طرح کمرہ بند کر کے بیٹھنا تو درکنار، ہم گھر پر بھی مشکل سے دکھائی دیتے تھے۔ ہماری اماں ہماری خبر گیری کو پیچھے پیچھے ہوتی تھیں اور ہم آگے آگے۔ مگر بیٹا! جینا وہی ہے، کھل کر جینا۔ لڑکیاں بڑی نرم دل ہوتی ہیں۔ بہت دل کش۔ انہیں رنگوں سے، موسموں سے دور نہیں رہنا چاہیے۔ تمہیں پتہ ہے اس وقت باہر کتنا خوب صورت موسم ہے۔ انو شے اور عریشہ ٹیرس پر ہیں۔ تم فٹافٹ اُٹھو۔ ٹیرس پر چلو۔ میں گرم گرم چائے کے ساتھ ساتھ گرم گرم پکوڑے بنا کر بھیجتی ہوں اور ہاں، پرسوں صبح عفنان کے ساتھ اٹلی جا رہی ہو“۔ جاتے جاتے انہوں نے دھما کا کیا تھا۔

”کیا؟“ وہ بھرپور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی تھی مگر وہ سرسری انداز میں مڑ کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

”وہ جا رہا تھا۔ میں نے سوچا تم اس طرح کمرے میں بند کیوں رہو۔ اس لیے کہہ دیا کہ ایک کی بجائے دو ٹکٹ لے آئے۔ تم جلدی سے اُٹھو۔ باہر چلو۔ چائے کے بعد عریشہ تمہیں پارلر لے جائے گی۔ کل کی پارٹی میں سب کو نظر آنا چاہیے کہ میری بہو کتنی خوب صورت ہے“۔ وہ مسکراتی ہوئی یہ کہہ کر باہر نکل گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔ پھر اُٹھی اور چلتی ہوئی ٹیرس پر آ گئی تھی۔ موسم خوب صورت تھا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بوندوں نے اس کے تن کو چھوا تھا۔ کچھ تر و تازہ سا احساس ہوا تھا۔

”ارے واہ بھابی!......آ گئیں؟“ انو شے اسے دیکھ کر خوشی سے چلائی تھی۔

”اور بھائی بھی آ گئے“۔ عریشہ اس کے پیچھے آتے عفنان کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ انابیہ کے قدم ایک لمحے کو وہیں رُک گئے تھے۔ عفنان علی خان چلتا ہوا بہنوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے بھئی؟“ آتے ہی ٹیپو کو پیار کیا تھا۔

”بھائی! آپ اس وقت کیسے؟......اتنی جلدی؟“ عریشہ مسکرائی تھی۔ ”کہیں ایسا تو نہیں کہ اس موسم میں بھابی کی یاد اس شدت سے ستائی ہو کہ آپ رہ ہی نہیں سکے“۔ انداز میں ایک خاص شرارت تھی۔

عفنان علی غالباً مروتاً مسکرایا تھا۔ پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑے وجود پر ایک نگاہ غلط انداز تک نہ ڈالی تھی۔

”ارے بھابی! آپ وہاں کیوں رُک گئیں؟......آگے آیئے نا“۔ انو شے خود آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے گھسیٹ لائی تھی۔ وہ اس ماحول میں خود کو بہت اجنبی محسوس کر رہی تھی۔ اگرچہ اس کے اردگرد کے لوگ متواتر لگاوٹ دکھا رہے تھے۔

”کل کی پارٹی کی کچھ خاص تیاریاں باقی تھیں۔ یہ تم لوگوں کو بارش میں بھیگنے کا کیا شوق ہوا؟ بارش بھی کوئی انجوائے کرنے والی شے ہے؟ تم لڑکیاں بھی عجیب بدھو ہوتی ہے“۔

”اچھا......صرف ہم لڑکیاں۔ اور آپ جو اس موسم میں رہ ہی نہیں سکے اور بہانے سے بھاگے دوڑے چلے آئے“۔ عریشہ نے بھائی کی خبر لی تھی۔

''وہ بے ساختہ ہنسا تھا مگر ہنسنے کا یہ انداز بڑا کھوکھلا تھا۔

رسم دنیا نبھانا آسان نہ تھا مگر کرنا پڑ رہا تھا۔

انابیہ شاہ سر جھکائے اس سے کچھ انچ کے فاصلے پر کھڑی بوندا باندی میں متواتر بھیگ رہی تھی۔ عریشہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''یہ آپ کو کیا ہوا بھابی؟...... کہیں آپ دونوں میں کوئی اَن بن تو نہیں ہو گئی؟...... اتنے رومانٹک موسم میں اس طرح خاموشی سے کھڑے رہیں، ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور کچھ گڑ بڑ ہے۔ کیوں بھابی! بتائیے، کیا ہوا بھلا؟''

انابیہ کے لیے یہ لمحہ اتنا مشکل ہوگا، اگر اسے یہ پتہ ہوتا تو وہ باہر اس طرح اُٹھ کر کبھی نہیں آتی۔ تبھی انوشے بولی تھی۔

''کیا ہوا؟...... کیا سوچ رہی ہیں آپ؟ کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہیں کہ ہم دونوں کباب میں اچھی خاصی ہڈیاں ہیں اور ہمیں یہاں سے پہلی فرصت میں آؤٹ ہو جانا چاہیے، تاکہ اس بہت رومانٹک سے موسم کو مل کر انجوائے کر سکیں''۔ اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا مگر انابیہ نے مروت سے مسکرائے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں پکوڑے لے کر آتی ہوں''۔ انوشے نے شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے وہاں سے کھسکنا چاہا تھا مگر عفنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور سرد انداز میں بولا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے''۔

''کس کی ضرورت نہیں؟'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے ہنوز شرارت سے بھائی کو دیکھا تھا۔

''ہمیں کسی پرائیویسی کی ضرورت نہیں''۔

''ہاں...... تو کیا آپ لوگ ہماری موجودگی میں......'' عریشہ نے شرارت سے ہنستے ہوئے دونوں کو چھیڑا تھا۔ عفنان نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگا دی تھی۔

''تمہارا بیٹا پہلے سے بھی کچھ زیادہ صحت مند ہو گیا ہے۔ کچھ خیال کرو۔ یہی حال رہا تو تمہیں اسے سلمنگ سینٹر میں ڈلوانا پڑے گا''۔ ٹیپو کو پیار کرتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ جہاں عریشہ نے اسے گھورا تھا وہیں انوشے کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''ارے واہ...... آپ کو میرا بچہ ہی نظر آتا ہے۔ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں آپ۔ نظر لگا کر ہی چھوڑیں گے''۔ ایک جھٹکے میں ٹیپو کو اس کی گرفت سے کھینچ کر اپنے سینے سے بھینچا تھا۔ ٹیپو معصومیت سے ماما کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔ عفنان ہنس دیا تھا۔

''ماما ہوں...... پیار کرتا ہوں بھئی...... اتنا تو میرا حق ہے''۔ اس نے ٹیپو کے گال کو چھوا تھا۔ انابیہ شاہ لاتعلق سی کھڑی ان بوندوں میں چپ چاپ بھیگ رہی تھی۔

''یہ آپ دونوں کو ہوا کیا ہے؟'' عریشہ نے پھر انہیں بغور دیکھا تھا۔ ''اس طرح دو ڈیفرنٹ پول الگ الگ سمتوں میں انجان بنے کیوں کھڑے ہیں؟''

''ہم غور و خوض کر رہے ہیں''۔عفنان بات سنبھالتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''کس بات کے متعلق؟''

''فیملی پلاننگ کے متعلق''۔

ایک زبردست قہقہہ فضا میں بکھرا تھا اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔انابیہ چہرے کا رُخ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔عفنان نے ایک نگاہ دانستہ اس پر بڑے بے خبر انداز میں ڈالی تھی اور بولا تھا۔

''ہم سوچ رہے ہیں کہ ہمیں اور کتنا کچھ جھیلنا باقی ہے۔کتنا ہم اپنے حوصلوں کو آزما سکتے ہیں''۔

بات اگرچہ سچ تھی اور بہت کڑوی کسیلی اور گہری تھی مگر انداز ایسا تھا کہ مذاق لگے۔مگر عریشہ پھر بھی چونکے بغیر ہنس رہی تھی۔

''خدانخواستہ، کیسی بری باتیں کر رہے ہیں آپ۔ابھی ابھی تو شادی ہوئی ہے آپ لوگوں کی۔ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں اور آپ......ابھی تو ماشاء اللہ آپ کو پوری زندگی ساتھ گزارنی ہے۔دودھوں نہانا ہے، پوتوں کھیلنا ہے۔ایسی بری باتیں تو نہ کریں آپ''۔عریشہ نے تنبیہہ کی تھی۔باقاعدہ ڈانٹا تھا۔وہ مسکرا دیا تھا۔انابیہ کی طرف دیکھنے کی گستاخی اب بھی نہیں کی تھی۔وہ اپنے کہے کو نبھانے کا عادی تھا۔غالباً انابیہ کا دل چاہا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی کہیں نکل جائے۔سانس لینا محال ہو رہا تھا اس ماحول میں۔اس کی ہمت تھی کہ وہ وہاں کھڑی تھی۔عجب مجرمانہ سا انداز تھا۔جیسے اس نے کوئی بہت بڑا جرم کر دیا ہو۔آخر کب تک اسے اس طرح دُنیا دکھاوے کی زندگی جینا تھی۔جب یہ تعلق کوئی نام ہی نہ رکھتا تھا۔کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا تھا۔

وہ سر جھکائے بوندوں میں بھیگتی ہوئی چپ چاپ کھڑی تھی۔اسی وقت انوشے آگے بڑھی تھی اور اس کا ہاتھ تھام کر ایک پل میں بھائی کے قریب لے جا کر اس کا تھاما ہوا ہاتھ عفنان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔پھر عفنان کا دایاں بازو پکڑا اور انابیہ کے گرد شولڈر پر رکھ دیا۔یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ وہ دونوں حیران رہ گئے تھے اور ایک دوسرے کو ساکت نظروں سے دیکھنے لگے۔

انوشے نے دونوں کی حیرتوں پر ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بھرپور انداز میں سراہا تھا۔پھر دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا تھا اور وہاں سے نکلنے کی ٹھانی تھی۔کباب میں مزید ہڈی بنے بغیر۔

''آپی! میں دیکھ کر آتی ہوں، یہ ابھی تک پکوڑے بنے یا نہیں''۔انوشے کہہ کر ایک پل میں سیڑھیاں پھلانگ گئی تھی۔

''میں بھی دیکھتی ہوں کہ چائے بنی کہ نہیں''۔عریشہ بھی دوسرے ہی لمحے وہاں سے غائب تھی اور اب وہاں اس ساکت جامد ماحول میں دو وجود کھڑے رہ گئے تھے۔

بالکل ساکت جامد انداز میں۔برف کی مانند سرد......گلیشیر کی طرح ٹھنڈے، یخ بستہ وجود ایک دوسرے کے ساتھ......ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

قربتیں تھیں مگر حدتوں کی رمق دور دور تک نہ تھی۔

جذبوں میں کمی واقع ہوئی تھی یا دل ہی محسوس کرنے کا ہنر کھو چکا تھا۔ دونوں ایک دوجے سے گریزاں، نگاہ پھیرے کھڑے تھے۔

انابیہ شاہ ایک قدم دور ہٹی تھی۔ عفنان علی خان بھی گریز پائیوں کے زیر تھا۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ہٹا کر وہ کب کا نکال چکا تھا۔ شاید اجنبی بن کر آگے بھی بڑھ جانا چاہا تھا مگر انابیہ نے پکار لیا تھا۔

''وہ......'' بات کرنے کو لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔ نہ حرف باقی رہے تھے اور نہ کوئی رسمی موضوع۔ تعلقات کی نہج پر یہ یخ بستگی نئی تو نہیں تھی مگر پہلے سے کچھ قوی ضرور تھی کہ جان تو جان، روح تک میں ایک قیامت کی سی ہلچل تھی۔

''کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟'' عفنان علی خان نے دوریوں کو کچھ اور سوا کیا تھا۔ بوندوں کا تسلسل بڑھ رہا تھا۔ دونوں تیزی سے بھیگ رہے تھے مگر دل اتنے ہی بنجر تھے دونوں کے۔

''ہاں، وہ......'' انابیہ کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا پھندا آن پڑا تھا۔ دل یک دم ہی بے وجہ بہت رونے کو چاہا تھا۔ عفنان علی خان نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اسے خود کو کمپوز کرنے کا تمام وقت اور موقع فراہم کیا تھا اور اطمینان سے اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔

''ممی بتا رہی تھیں......کل......کل پارٹی ہے گھر میں؟'' انابیہ نے بات بامشکل مکمل کی تھی۔ انداز میں ایک گہرا سکوت تھا۔

''ہاں......آپ چاہیں تو شرکت نہ کریں۔ ایسا ضروری نہیں ہے کچھ''۔ کتنا برف سا لہجہ تھا اس شخص کا۔ جیسے حدتوں سے کبھی کوئی واسطہ رہا ہی نہ ہو۔ انابیہ شاہ کے دل پر ایک برچھی سی چلی تھی۔ کب تھا اندازہ ایسے رویوں کا؟......کب تھا تجربہ جھیلنے کا؟......ایسی یخ بستیوں کو سہنے کا۔

اب تو سارا منظر ہی تبدیل تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' انابیہ نے سر جھکا کر دریافت کیا تھا۔

''کیا؟''

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟'' لہجے کی سردی نے فضاؤں کو بھی منجمد کر دیا تھا۔

''تمہاری مرضی ہے''۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر دوسرے ہی لمحے دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔ انابیہ شاہ نے سر اُٹھا کر اس شخص کو دیکھا تھا۔ آنکھوں کے اندر نمی یک دم ہی بڑھنے لگی تھی۔

یخ بستگیوں کے موسم میں الاؤ دہکا بھی تھا تو اس موسم میں جب برف بہت زیادہ جم چکی تھی۔ بھیگنے کی حد گزر چکی تھی۔ اس ننھے منے الاؤ سے اب کیا ہونا تھا۔

عفنان نے اس کی جانب چونکے بغیر دیکھا تھا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ انابیہ جیسے کسی ایک لمحے کی منتظر تھی۔ جیسے اسی ایک اجازت کی طلب گار تھی۔ بنا کوئی دوجی بات سوچے وہ آگے بڑھی تھی اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

قطرہ......قطرہ......

کتنے آنسو چپ چاپ اس شانے میں جذب ہونے لگے تھے۔

عفنان اس کے سامنے ایک برف کی سِل کی مانند کھڑا تھا۔ نہ ہاتھ پھیلا کر اسے کوئی حصار دیا تھا نہ ہی اس کا حوصلہ بڑھانے کو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سر کو سہلایا تھا۔

کتنے سارے حق محفوظ رکھتا تھا وہ......

لیکن اس نے ایک حق بھی استعمال نہیں کیا تھا......

کوئی ایک حق بھی نہیں جتایا تھا......

انابیہ شاہ کتنی دیر اس کے شانے پر سر رکھے اپنے اندر کا لاوا بہاتی رہی تھی۔

قربتوں کے موسم کیسے تھے۔

حدتوں کے ساتھ......

حدتوں سے پرے......

قربتوں کے ساتھ۔ قربتوں کے موسموں سے بے خبر!!!۔

انابیہ شاہ نے اپنے اندر کا سارا درد اس کے شانے پر بہانے کے بعد اپنا سر اس کے شانے پر سے ہٹایا تھا اور بِنا شرمندہ ہوئے دو قدم دور ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

''تھینک یو''۔ ایک لمحے میں کہا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی اس منظر سے نکلتی چلی گئی تھی۔ عفنان کتنی دیر اس بارش میں تنہا بھیگتا رہا تھا۔

کتنے لمس جل رہے تھے اس وجود پر......

شانے پر وہ سر جیسے اب بھی دھرا تھا......

کتنی قربت تھی وہ۔ سپردگی کے بھرپور احساس کے ساتھ......

لمحہ دو لمحہ...... پل دو پل!

نہ اقرار......نہ اظہار......

نہ وہ لمس۔ نہ وہ شانے پر دھرا اس کا سر......نہ اس کی آستین میں جذب ہوئے اس کے آنسو!

بے معنی تو شاید کچھ بھی نہیں تھا......

وہ بنا کچھ کہے اپنے اندر کا سارا درد اس کے شانے پر بہا گئی تھی۔ دوسرے معنوں میں اپنا سارا درد اسے سونپ گئی تھی۔

کیسی تھی یہ محبت......

کیسا تھا یہ تعلق......

ادھورا ادھورا......آدھا آدھا تھا سب کچھ۔

☆......☆......☆

وہ اپنے کمرے میں تھی جب نوکر نے آکر اطلاع دی تھی۔

"بی بی! مائی فرما رہی ہیں آپ کے جانے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ باہر گاڑی تیار کھڑی ہے۔ آپ تیار ہو کر آ جائیے"۔

"جا کر کہہ دو مائی سے، نہیں جانا مجھے"۔ اس نے سرد لہجے میں جواب دیا تھا۔ نوکر نے مؤدب انداز سے سر ہلایا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

وہ رومیصا کے پاس ہاسپٹل جانے کی غرض سے کپڑے نکالنے کے لیے الماری کی طرف آئی تھی جب آناً فاناً کمرے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری داخل ہوا۔

"جب کہا تھا جانا ہے تو اب کیا ڈرامہ ہے یہ؟" وہ اپنی گزشتہ غلطی پر شرمندہ ہونا تو دور کی بات، رتی بھر پُر ملال تک نہ تھا۔

میرب سیال نے مڑ کر دیکھا تھا تو اسے اس شخص کے ظرف پر حیرت ہوئی تھی۔

"یہ ڈرامہ نہیں ہے۔ ڈرامہ ہے جو آپ کرتے ہیں اور آپ مجھ سے اس لہجے میں بات نہیں کر سکتے۔ آپ کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں ہے"۔ وہ بجائے مصلحت پسندی اختیار کرنے کے اس کے اندر کے الاؤ کو اور دہکا رہی تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حد درجہ اطمینان سے دیکھا تھا۔

"میرا آپ پر کتنا حق باقی ہے، اس کا فیصلہ میں ایک پل میں کر سکتا ہوں۔ چاہوں تو پروف کر کے بھی دکھا سکتا ہوں۔ مگر چھوڑیئے، آپ کی سمجھ میں یہ ساری باتیں نہیں آئیں گی"۔

"کیسے انسان ہیں آپ؟......آپ کو افسوس تک نہیں کہ کس طرح کے جنگلی پن کا مظاہرہ کر چکے ہیں آپ۔ ہاتھ تک اُٹھا لیا تھا آپ نے مجھ پر۔ عورت کو کتنا کمزور جانتے ہیں آپ۔ ایک لمحے میں زیر کرنے کا بس ایک ہی فن از بر ہے آپ کو؟......ایک کو وہاں قید خانے میں ڈال کر تڑپ تڑپ کر مرنے کو باقی چھوڑ دیا اور دوسری کو......" وہ اپنے اندر کا سارا زہر جیسے نکال دینا چاہتی تھی۔

"دوسری کی عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ دماغ ٹھکانے لگانے کی ضرورت اب بھی باقی ہے"۔

"آپ آپ اس طرح دماغ ٹھکانے لگائیں گے میرا؟......اس طرح ٹارچر کر کے؟......مجھے پتہ ہے ایک دن آپ مجھے بھی اُٹھا کر کسی اندھیرے کمرے میں بند کر دیں گے۔ آپ کے یہاں دماغ ٹھکانے لگانے کا یہی ایک بہترین طریقہ ہے۔ محکوم قوم سمجھتے ہیں نا آپ اس عورت کو۔ آواز اُٹھائی نہیں اور آپ کی تضحیک ہوئی نہیں۔ ویسے تو لبرل ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور دوسری طرف"۔ آنسوؤں نے سارا اعتماد پل میں ڈھیر کر دیا تھا۔ وہ تھپڑ اب تک بھولا نہ تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے وجود کو بغور دیکھا تھا۔

''جب اتنی نالاں ہیں تو دور جانکلنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہی ہیں آپ؟...... بھاگنے کا موقع فراہم تو ہو رہا ہے آپ کو۔ اگر آپ کو کسی اندھیری کال کوٹھڑی میں بند نہیں ہونا تو آپ چلی کیوں نہیں جاتیں؟ اتنی انسیت کس خوشی میں ہوگئی ہے آپ کو اس گھر اور اس کے مکینوں سے؟'' وہ سلگتے ہوئے انداز میں گویا تھا۔

''میں یہاں پر آپ کے لیے نہیں ہوں۔ پہلے والی میرب سیال میں اور اس میرب سیال میں بے حد تبدیلی واقع ہو چکی ہے''۔ یہ جو سامنے تھی، کوئی لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں لگ رہی تھی۔ بے حد پُر اعتماد ہو چکی تھی وہ۔ اس کی حقیقت جان لینے سے جیسے اس میں کوئی عجیب سی طاقت آ گئی تھی کہ اب وہ اسے بڑے آرام سے زیر کر سکتی تھی۔

''لگتا ہے کہ میری کمزوری تمہارے ہاتھ آ گئی ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس انداز میں دریافت کیا تھا جیسے وہ اس گھڑی سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ میرب چونکی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں کسی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے والی ہر گز نہیں ہوں۔ بہت بزدل ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہیں''۔

''اور وہ کون ہوتے ہیں جو کسی کو اپنی کمزوری بنا لیتے ہیں؟'' بات کچھ خاص تھی مگر لہجے میں ایک عجیب سی چبھن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اتنا سخت نہیں تھا جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔ غالباً وہ دانستہ میرب سیال کو رعایت دے رہا تھا۔

''میں نہیں جانتی، آپ کیا کہہ رہے ہیں''۔ وہ اس کی آنکھوں کے تاثر کو سمجھے بغیر اسی کڑے تیور سے بولی۔

''تم نہیں جانتی ہو۔ مگر تم کسی کی کمزوری کو اپنی طاقت بنانا ضرور جانتی ہو''۔ لہجہ ہی نہیں انداز بھی نیا تھا مگر وہ قطعاً نہیں سمجھ پائی تھی کہ اس کا مفہوم کیا تھا اور اس شخص کی کمزوری درحقیقت کیا تھی۔ اس نہج پر سوچ ہی نہیں رہی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کی جاسوسی کرنا مقصود ہو تو آئندہ اسٹریٹجی کچھ مختلف پلان کرنا''۔

وہ کسی قدر تسلی بخش لہجے میں بولا تھا۔ میرب سیال نے اسے چونک کر کسی قدر حیرت سے دیکھا مگر مفہوم اب بھی جاننے سے قاصر رہی تھی۔

''بڑے ناقص رہے ہیں آپ کے ہتھیار اور بہت ناقص العمل رہا ہے آپ کا پلان۔ آپ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کمزوری کے متعلق رتی بھر بھی جان نہیں پائیں۔ جان پاتیں تو اس گھڑی اس طرح حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے میرے سامنے نہ کھڑی ہوتیں''۔ وہ محظوظ ہو رہا تھا اور غالباً وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

''مجھے آپ سے یا آپ کی کسی کمزوری کو جاننے سے قطعاً کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ سمجھے؟'' باور کرا دیا تھا۔

''اوہ رئیلی؟'' وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز آگ پر تیل چھڑکنے والا تھا۔ میرب سلگتی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اگر آپ کو نہیں جانا یا جانے کا دل نہیں چاہ رہا تو اتنا واویلا کرنے یا حیلے بہانے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ ''اینی ہاؤ...... اگر آپ واقعی نہیں جا رہیں اور میرے ساتھ یہاں قیام کرنا چاہتی ہیں تو اپنا سامان واپس کھول سکتی ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ وہ بہت پُر سکون کیفیت میں کہہ کر پلٹا تھا جب کہ وہ سلگتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"میں یہاں آپ کے لیے نہیں رہ رہی۔ سنا آپ نے؟" وہ چیخی تھی۔

"سامان کھول کر واپس اس کی جگہ پر لگا دیجئے"۔ وہ پلٹے بغیر ہدایت جاری کرتا ہوا واپس باہر نکل گیا تھا۔ انداز اطمینان بھرا تھا۔ میرب سیال پاؤں پٹخ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

لامعہ حق خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی جب اس کی دوست فضا اس کے پاس آئی تھی۔

"تم کب تک اسی طرح بیٹھی رہو گی؟ کم آن...... چلو باہر چلتے ہیں کہیں"۔

"فضا! پلیز، تم جاؤ یہاں سے"۔

"تم نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ تم چین سے سانس تک نہیں لے پا رہی ہو؟ آنٹی تک کو تم نے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہیں کچھ چاہئے تو اپنی بات منوانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ یہ کمرے کی ساری چیزیں توڑ دینا، بھوک ہڑتال کر دینا......" فضا بول رہی تھی۔ جب اس نے فوری اس کی بات کاٹی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے فضا! پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے"۔

"تم چاہتی کیا ہو آخر؟"

"میں...... میں اس وقت کچھ نہیں چاہتی ہوں۔ میں نے کسی کو ہرٹ کیا ہے، اسے نقصان پہنچا ہے"۔ لامعہ کا انداز پُر افسوس تھا۔ فضا چونکی تھی۔

"کسے؟...... کسے ہرٹ کیا ہے تم نے؟"

لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ہرٹ کرنا یا کسی کو نقصان پہنچانا تو بہت چھوٹی بات ہے فضا! میں نے کسی کے اعتماد کو قتل کیا ہے۔ بہت بری ہوں میں۔ بہت برا کیا ہے میں نے"۔ وہ اپنا سر ہاتھوں پر گرا کر بے آواز رونے لگی تھی۔ فضا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا، تبھی وہ بولی تھی۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو فضا!...... اس وقت میں کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی"۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی۔ فضا چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اندر قدم رکھا تھا اور رومیصا لغاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا اور پھر بہت ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"گین! تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔ رومیصا لغاری اسے چمکتی نظروں

سے دیکھنے لگی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی آنے میں؟"

"میں یہاں کافی دیر سے آچکا تھا"۔ وہ باور کراتا ہوا بولا تھا۔

"پھر اتنی دیر مجھ تک آنے میں کیوں لگا دی؟" رومیصا لغاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ رومیصا لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا مگر کچھ بھی دریافت کیے بغیر مسکرا دی۔ پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور پھیلا کر اس کے سامنے کر دیا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"مجھے پتہ تھا، تم ضرور آؤ گے"۔

"کیسے نہیں آتا؟......آپ نے یاد ہی اتنا کیا تھا"۔

"جھوٹے!" رومیصا لغاری مسکرائی تھی۔ "میں نے تو تمہیں پہلے بھی کئی بار یاد کیا تھا۔ تب تو تم نہیں آئے۔ میں جانتی ہوں تم یہاں کس لیے آئے ہو......اسے بھی بتایا کہ نہیں؟" رومیصا لغاری بہت دوستانہ انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولا۔

"آپ نے اپنا خیال نہیں رکھا نا......ایک نہیں مانی......بہت ضدی ہیں آپ"۔ شکوہ کیا تھا۔ مگر وہ ہنس دی تھی۔

"گین!......اب تم تو ایسے مت کہو......میں نے تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے جو بھی، جب بھی کہا ہے میں نے کیا ہے"۔ ان دونوں کی باتوں میں ایک عجب سی آشنائی جھلک رہی تھی۔

"ہمیشہ نہیں"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

"ہاں......ہمیشہ نہیں......مگر مانا تو ہے نا......تمہارا کہا کبھی ٹالا تو نہیں"۔ رومیصا لغاری نے مانتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں......لیکن اگر ہمیشہ مانی ہوتیں تو آج آپ ٹھیک ہوتیں اس طرح یہاں تو نہ ہوتیں"۔ فکرمند لہجے میں کہا تھا۔

"اب کیا کروں اگر یہاں ہوں تو......چلو کہیں بھاگ چلتے ہیں۔ زمانے سے دور......لوگوں سے پرے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

سردار سبکتگین بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"میں یہی مسکراہٹ تمہارے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی"۔

"اور میں آپ کو کس طرح اور کیا دیکھنا چاہتا تھا، کبھی سوچا آپ نے؟...... ہمیشہ اپنی من مانی کی ہے۔ ہمیشہ اپنی ضد منوائی ہے۔ ہمیشہ، ہر بار صرف اپنی بات پوری کی ہے"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ پُر افسوس تھا۔

"آپ کو بالکل بھی احساس نہیں کہ آپ نے اپنا کتنا بڑا اور کتنا بھاری نقصان کیا ہے۔ میں آپ کو کس طرح دیکھنا چاہتا تھا اور آپ......"

''گین......!'' وہ مسکراتے ہوئے کسی قدر اُکتا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ ''کم آن، کوئی اچھی بات کرو نا...... مجھے چھوڑو، اپنی بات کرو......میری کہانی تو ختم ہو گئی......دی اینڈ......اب سوچنے سمجھنے، کہنے سننے کو باقی کچھ نہیں بچا......نہ افسوس کرنے کو، نہ ہی ہاتھ ملنے کو...... مگر جو میں کرنا چاہتی تھی وہ میں نے کر دیا ہے۔ میں ایک Lesson اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہی ہوں......آئی ہوپ کہ اب ہماری روایتوں کو دہرانے سے پہلے کوئی ایک بار ضرور سوچے گا۔ میں اسی بات کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ جو غلط ہے، سو غلط ہے......اس غلطی کو سدھانے کا اس سے بہتر طریقہ میرے پاس نہیں تھا۔ کسی کو غلط ثابت کرنے کے لیے مجھے یہ طریقہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا پڑا''۔ رومیصا لغاری بہت اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شدید ترین اختلاف ہوا تھا۔

''میں نہیں مانتا......آپ نے دوسروں کو سمجھانے کے لیے خود اپنے آپ کو داؤ پر لگایا ہے......خود اپنی قربانی دی ہے۔ بے قوفی کی ہے سراسر آپ نے۔ دیکھئے گا آپ، کچھ بھی نہیں بدلے گا۔ سب ویسے کا ویسا رہے گا۔ صرف آپ اپنے آپ کو اس طرح برباد کر کے جا چکی ہوں گی''۔

اس کے جارحانہ انداز پر وہ بہت پُرسکون انداز میں مسکرا دی تھی۔

''گین! تم جانتے ہو بحث میں تم مجھ سے جیت نہیں پاؤ گے۔ نہ ہی ضد میں۔ میں نے جو کیا، سو کیا۔ اسے بھول جاؤ......اب نہ پچھتاوے کا کوئی وقت باقی ہے نہ افسوس کا''۔

''آ کا جان ملنا چاہتے ہیں آپ سے......ایک بار تو مل لیجئے''۔

''نہیں......'' اس کا انداز اور لہجہ یک دم ہی قطعی ہو گیا تھا۔ وہ نرمی، وہ شگفتگی اچانک ہی کہیں غائب ہو گئی تھی۔

''کوئی اس طرح بھی کرتا ہے رومیصا؟......اس طرح؟''

''آپ......مجھے آپ سے اس طرح کی اُمید قطعاً نہیں تھی۔ وہ باپ ہیں آپ کے۔ اور کتنی سزا دیں گی آپ انہیں؟''

''گین! پلیز، کوئی اور بات کرو۔ میں یہ سب سننا نہیں چاہتی''۔

''رومیصا......!'' قطعی انداز میں پکارا تھا، مگر وہ چہرے کا رُخ پھیر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آگے بڑھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

''آپ بات نہیں مانتی ہیں نا......سب سے بری بات یہی ہے آپ کی''۔ انداز لچک دار تھا۔ مگر رومیصا نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے سر جھکا کر لب اس کی پیشانی پر رکھ دیئے تھے۔

''میرب سیال جو وہاں آئی تھی وہ کافی حد تک ان کی گفتگو بھی سن چکی تھی۔ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''بی کیئر اباؤٹ یو رومیصا!......آل ویز......آپ جانتی ہیں''۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیے کہہ رہا تھا اور رومیصا

لغاری اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''بس آزما چکے آخری ہتھیار بھی...... بہت کلیور ہو تم''۔ رومیصا لغاری کے انداز میں ایک خاص لگاوٹ تھی۔

گین مسکرا دیا تھا۔

میرب سیال کے لیے وہ منظر مزید دیکھنا محال ہو گیا تھا۔

وہ ایک دم ہی پلٹی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ پلکیں نمی سے یک دم ہی بھاری ہونے لگی تھیں۔

کیسی عجیب تھی یہ کیفیت۔

وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔

مگر اسے یقین تھا، جو دیکھا تھا وہ دھوکا نہ تھا۔ نہ نظر کا فریب۔ سب سچ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس رشتے سے انسیت رکھتا تھا۔ یہ بات جانے کیوں اندر کا سارا سکون ایک پل میں ڈھا رہی تھی۔

اور ادھر سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔

''رومیصا!...... ٹھیک نہیں ہے یہ...... بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کسی چھوٹی سی غلطی کی سزا اتنی بڑی نہیں ہو سکتی''۔

''تم اسے چھوٹی سی غلطی کہتے ہو گین؟...... یہ آغا جان کی چھوٹی سی غلطی تھی؟...... چلو مان لیا یہ ان کی چھوٹی سی غلطی ہی تھی، میں روایتوں یا رسموں، رواجوں کو بھی کوئی الزام نہیں دیتی۔ مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ ایسا کسی اور کے ساتھ بھی ہو۔ کسی اور کی بیٹی کو یہ خمیازہ بھگتنا نہ پڑے، اس لیے میں نے ایسا کیا۔ میری خود کو دی گئی سزا اگر کسی کے کام آ سکتی ہے تو میں سمجھوں گی کہ میں کامیاب رہی۔ کل کو تمہاری بیٹی اگر ان روایات سے کٹ کر ایک اچھی زندگی بسر کرتی ہے تو مجھے خوشی ہو گی گین!'' وہ کوئی بات سننے پر مائل نہ تھی۔ گین چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''مجھے کوئی نئی راہ اختیار کرنی ہوتی تو تب بھی کر سکتی تھی گین! جب میرے سامنے محبت کھڑی تھی اور کئی راستے میرے سامنے تھے۔ مگر میں نے اس وقت میں بھی کوئی دوسری بات نہیں سوچی۔ میں چاہتی تو بغاوت بھی کر سکتی تھی''۔

''میں تو آپ کو کہہ رہا تھا رومیصا! آپ کو میری کسی بھی طرح کی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ مگر آپ نے ہی نے......''

''ہاں، یاد ہے مجھے...... میں نے ہی تمہیں منع کر دیا تھا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے گین!...... تم میرے سب سے بڑے خیر خواہ ہو اور ہم ہی وہ دو ہیں جو ان روایتوں کا گلا گھونٹ سکتے ہیں۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو اور میں بھی''۔

''تو پھر تب آپ نے طلاق کے ان پیپرز پر سائن کرنے سے منع کیوں کر دیا تھا؟...... کیوں اپنی زندگی کا رُخ نہیں موڑ دیا تھا؟ یہ آج کا اتنا بڑا اسبق دینا ضروری تھا کیا؟...... جب کہ آپ جانتی تھیں کہ میں اور آپ وہ ہیں جو تمام روایتوں کا گلا گھونٹ سکتے ہیں...... تو پھر کیوں رومیصا!...... پھر کیوں؟'' وہ اسے حالت میں دیکھ کر جیسے خوش نہیں تھا۔

مگر رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

''تمہارے اور میرے بیچ رشتے کی نوعیت دنیا کے سامنے کچھ اور ہے۔ اسے دُنیا کسی اور زاویے سے دیکھتی ہے گین! مگر تم اور میں جانتے ہیں کہ درحقیقت ہم ایک دوسرے کے کیا ہیں۔ ہم نے جو رشتہ نبھانا تھا اسے ہم ایمان داری سے نبھا چکے ہیں...... اور وہ رشتہ خیر خواہی اور ایک دوسرے کی کیئرنگ اور شیئرنگ کا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی سلامتی کو بِنا نقصان پہنچائے، بہت سچائی کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ اس تعلق کو نبھا چکے ہیں۔ ہمارے درمیان کی فصیلیں کچھ بھی رہی ہوں مگر زمانے نے ہمیں ایک خاص ڈھنگ سے ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے کبھی نہیں روکا۔ تم میرے کیا ہو؟...... اور میرا تم سے کیا رشتہ ہے؟...... یہ ہر کوئی نہیں جان سکتا''۔

اس کے تھکن زدہ لہجے میں جیسے بہت سے زمانے بول رہے تھے۔ گین اس کا ہاتھ گرم جوشی سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سر ہلانے لگا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ''۔

''تم نے میرب کو بتایا؟''

''کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

رومیصا لغاری نے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر مسکرا دی تھی۔

''گین! چپ رہنے سے بھید کبھی نہیں کھلتے۔ اس کے لیے بولنا پڑتا ہے۔ ورنہ غلط فہمیاں بڑھنے لگتی ہیں''۔ رومیصا سمجھداری سے اسے سمجھانا چاہ رہی تھی۔

''اس کی فکر آپ نہ کریں۔ اس لڑکی کے دماغ کی کل یوں بھی ڈھیلی ہے...... بات بہت دیر سے اس کی سمجھ میں آتی ہے''۔

''اور تم اتنی دیر کیوں کر رہے ہو؟''

''میں...... دیر......؟ نہیں، میں دیر نہیں کر رہا۔ میں زندگی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں رومیصا!''

''ساتھ چل رہے ہو تو کچھ بول کر اپنی موجودگی کا احساس بھی دلا دو۔ خاموشی میں کیا پتہ چلے گا کہ تم ساتھ ہو بھی کہ نہیں''۔ وہ بہت کچھ جتا رہی تھی۔ گین یقیناً سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ اس نے سنجیدگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ بِنا کوئی آرگیومنٹ کیے۔ مگر اس کی آنکھوں میں سوچوں کی واضح لہریں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اس لمحے ایک گہری سوچ میں تھا۔

☆......☆......☆

میرب نے واپس آ کر بنا کچھ کہے سنے اپنا سامان پیک کیا تھا اور مائی اماں کو اطلاع دی تھی۔

''مائی اماں! مجھے واپس جانا ہے...... آج ہی''۔

مائی نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر بلا تردد سر ہلاتے ہوئے بولی تھیں۔

''ٹھیک ہے...... تم تیاری کر لو۔ میں ڈرائیور سے کہہ دیتی ہوں''۔

''بہتر، شکریہ''۔ وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

گین کا سامنا وہ دانستہ دوبارہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جب جانے کے لیے باہر نکلی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری سے سامنا ہو گیا تھا۔

پورچ میں کچھ فاصلے پر کھڑا وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے لیے تیار کھڑی گاڑی کی طرف بڑھنے کے لیے اس کے پاس سے گزرنا تھا۔ ایک لمحے وہ اسے دیکھ کر رُکی تھی۔ وہ بھی اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال نے نگاہ اس پر سے ہٹائی تھی اور اس کے قریب سے ہو کر نکلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا اس کی طرف پلٹ کر دیکھے، توجہ دیئے چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر واضح نہ تھا۔ جیسے اسے اپنے مزاج کے موسموں پر مکمل کنٹرول تھا۔

میرب سیال نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس شخص کی پشت کو دیکھا تھا اور پھر چہرہ پھیرتے ہوئے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کا حکم دیا تھا۔

زمانے پیچھے چھوٹنے لگے تھے۔

وقت پیچھے چھوٹنے لگا تھا۔

اور جانے اس کے ساتھ اور کیا کچھ......!

مگر میرب سیال جیسے اس کے متعلق نہ سوچنا چاہتی تھی، نہ کوئی مزید فکر کرنا......سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

آنکھیں......دماغ......سب جل رہا تھا۔

مگر وہ مزید کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا آ کا جان! کہ آپ غلط تھے یا غلط ہیں۔ مگر جو ہوا شاید وہ نہیں ہونا چاہیے تھا''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آ کا جان کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

آ کا جان کو زندگی کے اس موڑ پر اپنی غلطی کا بھرپور احساس تھا۔ تب ہی وہ فوری طور پر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نفی نہیں کر سکے تھے۔ بولے بھی تھے تو ان کا انداز پہلے سے کمزور تھا۔

''ہاں...... مانتے ہیں ہم...... غلطی ہوئی ہم سے۔ مگر اب اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ اس غلطی کی جتنی سزا ہم نے بھگتی ہے شاید کسی نے نہیں بھگتی۔ ہم نے ساری زندگی اپنی بچی کا چہرہ نہیں دیکھا۔ اس نے ہمیں خود سے محروم کر دیا۔ خود اپنے آپ کو وہ سزا دی کہ ہم...... ہمیں افسوس اس بات کا ہے کہ وقت نے ہمیں اتنا پیچھے چھوڑ دیا کہ ہم تدارک تک نہ کر سکے''۔ وہ کہہ کر چپ ہوئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

نہ کوئی وضاحت دی تھی نہ انہیں موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔

"گین! تم کہواُس سے......وہ ایک بار مل لے ہم سے۔ ایک بار ہمیں اپنا چہرہ دیکھ لینے دے۔ ساری عمر اس نے ہمیں سزا دی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم نے لمحہ لمحہ کتنی اذیت میں کاٹا ہے۔ وہ وہاں بند کمرے میں سانسیں لے رہی ہوتی تھی تو ہم سے اس کھلی فضا میں سانس لینا محال ہو جاتا تھا۔ ہم نے اسے جو قفس دیا تھا وہ دکھائی نہ دینے والا تھا مگر اس نے جو اپنے لیے قفس چنا......اسے دیکھ کر ہم لمحہ لمحہ اندر ہی اندر مرتے رہے۔ ہم مانتے ہیں ہم سے غلطی ہوئی مگر......وقت اگر ہماری مٹھی میں دوبارہ آجائے تو ہم کبھی اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہیں گے۔ روایات انسانوں کے لیے بنی ہیں، ہم روایات کے لیے نہیں بنے۔ ہمیں خود کو ان کا پابند نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں اب اس کا اندازہ ہو گیا ہے"۔ آغا جان شرمندہ تھے مگر سبر دار سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

"تم کہو اُس سے گین! وہ تمہاری بات مانتی ہے۔ دوست ہو نا تم اس کے۔ کہو اس سے ایک بار اپنے اس باپ کا چہرہ دیکھ لے۔ معاف نہیں کرنا چاہتی تو مت کرے......لیکن مجھے ایک بار خود کو دیکھ لینے دو۔ میں اپنی بچی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے ہونے کا احساس کرنا چاہتا ہوں۔ وقت ریت کی طرح ہماری مٹھی سے سرکتا جا رہا ہے۔ بہت سا وقت ہم گنوا چکے ہیں۔ مزید گنوانا نہیں چاہتے......جو بچے کھچے لمحے ہاتھ میں ہیں، ان میں ہم کوئی تدارک تو خیر نہیں کر پائیں گے مگر اس دل کو کسی قدر راحت تو نصیب ہو گی نا"۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آغا جان!" اس نے ان سے اختلاف کرنے کی جرأت کبھی نہیں کی تھی۔ آزاد ماحول کا پروردہ سہی مگر اپنے بڑوں کا احترام کرنا اس نے اب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اب بھی انہیں جھٹلا نہیں سکتا تھا، اگرچہ وہ جانتا تھا کہ وہ کتنے غلط ہیں۔

"میں رومیصا سے بات کرتا ہوں"۔ وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ چہرے پر عجب سوچوں کے جال بُنے تھے۔

☆......☆......☆

وہاں سے آنے کے بعد میرب کسی سے کچھ نہیں بولی تھی۔ پاپا نے مائی اماں کا احوال دریافت کیا تھا، اس نے مطلع کر دیا تھا اور وہ مطمئن بھی ہو گئے تھے۔ حالات کے ساتھ چلتے چلتے اب اسے اتنا ہنر تو آ ہی گیا تھا کہ وہ اپنے احساسات پر کچھ قابو پانے کے قابل ہو گئی تھی مگر خاموشی میں اندر ہی اندر جو کچھ جل رہا تھا وہ سہنا بھی کسی قدر دشوار سا تھا۔ اتنا غبار سا بھرا تھا کہ سارے منظر دھواں دھواں سے ہو رہے تھے۔

اسے وہ وقت جیسے کسی خواب کا قصہ لگ رہا تھا......اُس کا اس شخص سے رشتہ، اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ایک خواب سے ہو کر گزری ہو......اور حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا۔

وہ سب حقیقت تھا......اور ایک کڑوی کسیلی حقیقت۔

وہ کسی سے کہہ سن نہیں سکتی تھی مگر اندر ہی اندر بہت کچھ جل رہا تھا۔

اس شام زوباریہ اور پاپا، فانی کے ساتھ باہر جا رہے تھے۔ اسے بھی بہت فورس کیا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھی جب اطلاع ملی کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے۔ اس نے بے تاثر انداز میں ملازم کو اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہا تھا۔ ملازم نیا

تھا۔سو رشتے داروں سے واقف نہیں تھا۔

وہ اُٹھی تھی اور شانوں پر دوپٹہ پھیلا کر باہر نکل آئی تھی۔

مگر جس شخص کو سامنے دیکھا تھا، اسے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو وہیں جم سی گئی تھی۔اذہان حسن بخاری اس کے سامنے موجود تھا۔اسے اس کی موجودگی کا احتمال نہیں تھا مگر فوری طور پر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔راہ و رسم نبھانے کو ایک مجلسی تبسم زبردستی لبوں پر سجایا تھا اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کیسے ہو تم؟''

اذہان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔تم......تم کیسی ہو؟''

میرب سیال نے اس کی طرف خاموشی سے دیکھا تھا۔جانے کیوں ایک لمحے میں آنکھوں میں بہت سی نمی آن ٹھہری تھی۔وہ اندر سے اتنی کمزور پڑ چکی تھی یا اندر کا غبار ہی اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ خود پر ایک لمحے میں قابو نہ رکھ سکی تھی اور دوسرے ہی پل اس شخص کے شانے پر سر رکھتے ہوئے بے آواز رونے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت پر حیران نہیں ہوا تھا۔اسے جیسے اندازہ تھا، ایک لمحے کو دل چاہا کہ اس وجود کے گرد اپنا حصار باندھ دے......مگر دوسرے ہی پل ہاتھ رُک گئے تھے۔وہ جس طرح کھڑا تھا، اسی طرح کھڑا رہا۔میرب سیال نے اپنے اندر کا سارا غبار اس کے شانے پر سر رکھ کر دھو دیا تھا اور اس سے الگ ہو گئی تھی۔کچھ شرمندہ سی......کچھ بے بس سی۔وہ اس سے نگاہ نہیں ملا پائی تھی۔اپنی زندگی کی ملمع کاری ایک لمحے میں اُترتی دکھائی دی تھی۔وہ اپنی زندگی کے اس پہلو کی سچائی کو اس شخص سے چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔اگرچہ وہ کسی پر کبھی کچھ واضح کرنا یا کھولنا نہیں چاہتی تھی۔اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

''مجھے معلوم تھا تم خوش نہیں ہو''۔وہ اس لمحے کچھ جتانا نہیں چاہتا تھا مگر دل ایک لمحے میں اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ان آنسوؤں کی نمی اس کے شانوں پر اب بھی جلتے انگاروں کی مانند تھی۔وہ جیسے اس کے درد سے کٹ کر نہیں جی سکتا تھا۔

''میں خوش ہوں''۔میرب سیال نے ہمت کر کے اسے اس پل میں جھٹلایا تھا مگر آواز رندھ گئی تھی۔نمی آنکھوں میں پھر آن رُکی تھی اور وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔اذہان حسن بخاری خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔میرب سیال نے بنا اس کی طرف دیکھے اپنی آنکھوں کے ان بھید کھولتے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بِنا اس کی طرف دیکھے بولی۔

''بہت خوش ہوں میں......آئی ایم ہیپی''۔اس نے اپنے اِرد گرد ایک حصار کھینچنا چاہا تھا مگر تب ہی اس شخص سے نگاہ ملی تھی اور وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم جانتی ہو میرب!......تم میرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی، کیونکہ مجھے سننے کے لیے لفظ نہیں درکار۔ میں تمہیں تمہارے اندر سے پڑھ سکتا ہوں''۔

''پڑھ سکتے تھے تو پھر پڑھ کیوں نہیں لیا؟...... کیوں چھوڑ دیا مجھے ان حالات کے سر پر؟ کیوں تنہا کر دیا مجھے تم نے؟......جھوٹے ہو......تم بھی اوروں جیسے ہو''۔ میرب سیال آنسوؤں کے ساتھ اسے رد کرتی ہوئی بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کی بے بسی اس کی آنکھوں میں واضح دکھائی دے رہی تھی۔

کتنے لمحے اسی چپ میں گزر گئے تھے۔ بالآخر اذہان ہمت کر کے بولا تھا۔

''میں جانتا ہوں مرد کو کبھی کمزور نہیں پڑنا چاہیے، مگر کبھی کبھی حالات کے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا پھر حالات انسان کے بس میں ہی نہیں ہوتے''۔ مدھم لہجے میں کوئی لمحوں کا سکوت بول رہا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو......ایسا ہوتا ہے۔ اپنی عادت سی ہو چکی ہے وقت کے سر سب کچھ ڈال کر خود بری الذمہ ہو جانے کی۔ مگر میں تمہیں کوئی الزام نہیں دینا چاہ ہوگی۔ نہ تمہیں، نہ خود کو۔ میں بھی اس وقت کے لکھے کو اسی طرح الزام دیتی ہوں جس طرح اور بہت سے لوگ دیتے ہیں''۔

اذہان حسن بخاری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''بہت مشکل ہے یہ میرب!...... بہت اذیت ناک۔ تمہیں اس کیفیت سے گزرتے دیکھنا مشکل ہو رہا ہے میرے لیے۔ سچ کہوں، جھیل نہیں پا رہا ہوں میں۔ کیا تم مجھے بتاؤ گی، اصل واقعہ کیا ہوا؟ جب سے تمہاری روتی آواز فون پر سنی ہے، دل بس میں نہیں ہے۔ یہ کیفیت نہ سمجھ میں آنے والی ہے میرب! میں تمہیں تکلیف میں کبھی نہیں دیکھ سکتا''۔

''کیا ملے گا تمہیں جان کر؟......کیا کر لو گے تم؟...... میرے لیے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں خود بھی اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتی''۔ میرب سیال کے لیے وہ ہمدردانہ لہجہ کمزوری کا باعث بن رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ٹوٹا پھوٹا اور شکستہ محسوس کر رہی تھی۔ اندر ایک انتشار سا تھا اور پھر اس نے اذہان سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ اس عرصے میں جو جھیلا وہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

وہ سن کر خاموشی سے اسے تکتا چلا گیا تھا۔

وقت نے عجب دوراہے پر اسے لا کھڑا کیا تھا۔

☆......☆......☆

رومیصا لغاری کی حالت رات کے پچھلے پہر کچھ بگڑنا شروع ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر نے گین کو فون کر کے مطلع کیا تھا اور وہ پہلی فرصت میں اس کے پاس تھا۔ آکا جان بھی ساتھ گئے تھے مگر باہر ہی رُک گئے تھے۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟......کل شام تک تو ٹھیک تھیں آپ۔ یہ اچانک کیا کر لیا ہے خود کو؟...... بالکل بھی خیال نہیں ہے آپ کو

اپنا‘‘۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر پُرتشویش لہجے میں بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔ اس کیفیت میں اس کے لیے مسکرانا یقیناً دشوار تھا مگر وہ جیسے حالات کو قابو میں ظاہر کرنے کی قائل تھی۔

’’میرب کہاں ہے؟...... اسے نہیں لائے تم؟‘‘ رومیصا لغاری نے دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دانستہ نہیں بتایا تھا کہ وہ واپس جا چکی ہے۔ وہ جانتا تھا اسے دُکھ ہوگا اس لیے اس لمحے بھی کوئی واضح جواب دیئے بغیر بولا تھا۔

’’عجب خاتون ہیں آپ...... میرب کی پڑی ہے آپ کو، اپنی نہیں۔ میں آپ کے سامنے ہوں۔ کوئی اچھی سی بات مجھ سے کیجئے‘‘۔ وہ جیسے اس کا ہر تاثر زائل کر دینا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی اسے اس کی کیفیت کے متعلق بتا دیا تھا۔ رومیصا کے پاس یقیناً زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ رہی تھی۔

’’منع کیا تھا میں نے اسے۔ وہ پھر بھی چلی گئی‘‘۔ رومیصا لغاری کو جیسے اس کے چلے جانے کا افسوس ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس موضوع پر کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا، تب ہی لب خاموشی سے بھینچ گئے تھے۔ رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

’’بہت اچھی لڑکی ہے وہ گین!...... اسے خوش رکھو۔ وہ تمہاری زندگی کے سارے خلاء بھر دینے والی ہے۔ بس ذرا بھولی ہے۔ اسے یقین دلانے کی کوشش درکار ہے۔ سمجھ دار ہے، سمجھ سکتی ہے۔ میں تم دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں ہمیشہ‘‘۔ شاید یہ اس کی آخری خواہشیں تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب سختی سے بھینچے بِنا کوئی تاثر دیئے رومیصا لغاری کے سامنے تھا۔

میرب سیال نے جو کیا تھا اسے وہ یقیناً نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مرنے والے کی آخری خواہشات کا احترام ہر کوئی کرتا ہے اور اس نے میرب سیال کو کئی بار رُکنے کے لیے کہا تھا مگر وہ لڑکی بے حسی میں جیسے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ پہلے کبھی سمجھی تھی جو اَب سمجھتی۔

’’گین!...... بابا کو بلا دو۔ مجھے ان سے ملنا ہے‘‘۔ رومیصا کی آنکھوں میں ویرانی کچھ اور بڑھی تھی۔ سانسوں کی رفتار بتا رہی تھی اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔

’’ڈاکٹر! سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر آواز دینا چاہی تھی مگر رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

’’مجھے...... مجھے بابا سے ملنے دو گین!‘‘ اس کا انداز ملتجی تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر چلتے ہوئے جا کر آ کا جان کو بلایا تھا اور خود دانستہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

آ کا جان نے سرعت سے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

’’میری بچی!‘‘

’’بابا!‘‘ رومیصا لغاری ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ آ کا جان نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ کتنے عرصے بعد بیٹی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اب تک اس نے صرف ضد میں دن کاٹے تھے۔ ایک عمر کاٹ دی تھی۔ ایک غلطی کی سزا دینے

میں حد کردی تھی۔مگر اب......!

''میری بچی!......ہم آپ کی صورت دیکھنے کو ترس گئے۔کوئی یوں بھی کرتا ہے۔کتنی بڑی سزا دی آپ نے اپنے بابا کو۔ہمیں آس رہی کہ ہماری بچی اب ہمیں معاف کرے گی اور ایک لاچار باپ کی سزا کچھ کم ہو گی مگر......''

''بابا!...... مجھے یہاں پیار کرو بابا!...... جیسے آپ ہمیشہ کرتے تھے''۔رومیصا لغاری نے اپنی پیشانی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا تھا۔آ کا جان کتنا کچھ کہنا چاہتے تھے۔ایک عرصے کے ترسے ہوئے باپ کی کیفیت جیسی ہو سکتی تھی،اس لمحے ان کی کیفیت ویسی تھی۔وہ بے بس باپ لگ رہے تھے۔بوڑھی ضعیف آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔انہوں نے چہرہ آگے بڑھا کر لب اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر رکھے تھے۔تب ہی رومیصا لغاری کا وجود اپنی گرفت میں انہیں کچھ ڈھیلا پڑتا محسوس ہوا تھا۔

''رومیصا!میری بچی!''انہوں نے اسے دیکھا تھا مگر وہ ساکت آنکھوں سے انہیں اپنی طرف دیکھتی ملی تھی۔

''گین!......ڈاکٹر......گین!ڈاکٹر کو بلاؤ......رومیصا!میری بچی!......رومیصا!''وہ دیوانہ وار پکار رہے تھے مگر ان کی اس آہ و زاری کو سننے کے لیے رومیصا لغاری اب وہاں نہیں تھی۔

گین تیزی سے چلتا ہوا اندر آیا تھا۔اس کے پیچھے ہی ڈاکٹر بھی تھے۔گین نے ان ساکت آنکھوں کو ہاتھ بڑھا کر بند کیا تھا۔کسی طرح کی تصدیق کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی مگر غالباً آ کا جان کی تسلی کے لیے اس نے ڈاکٹر کو رومیصا کو چیک کرنے کے لیے کہا تھا۔

ڈاکٹر نے چیک کیا اور رومیصا لغاری کی موت کی تصدیق کر دی تھی۔

آ کا جان جیسے شخص دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔اتنے مضبوط شخص کو ٹوٹتے دیکھنے کا عمل یقیناً ناقابلِ برداشت تھا اور کئی الزامات بھی تو باقی تھے۔شاید تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

اذہان حسن بخاری،میرب سے مل کر تو آ گیا تھا مگر اس کے بعد اسے ہر شے اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔اپنے اِرد گرد بہت کچھ بدلا ہوا سا لگا تھا۔اس نے ٹھیک کہا تھا،اس کی اس حالت اور کیفیت کا ذمے دار وہ تھا۔اس نے اس لڑکی سے محبت کی تھی اور اسے تنہا کر دیا تھا۔

بے بس اور ویران کر دیا تھا......

اگر تب اس نے اپنا ہاتھ درمیان میں ہی چھڑا نہ لیا ہوتا تو آج صورتِ حال مختلف ہوتی۔اس صورتِ حال نے اسے نہ صرف پل میں مجرم کر دیا تھا بلکہ وہ کسی قدر شرمندہ بھی تھا۔

''کیا ہوا؟......تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ڈھنگ سے؟''وہ بے دھیانی میں پلیٹ میں چمچ گھمائے جا رہا تھا،جب فارحہ نے اسے ٹوکا تھا۔

"کیا ہوا؟......کیا سوچ رہے ہو تم؟" اذہان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں......کچھ نہیں ہے"۔ اس نے چمچ پلیٹ میں چھوڑ دیا تھا۔

"کھانا اچھا نہیں بنا؟" فارحہ نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔

اذہان نے ایک بار پھر سر انکار میں ہلایا تھا۔

"نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔ دل نہیں چاہ رہا۔ فیض چاچو دکھائی نہیں دے رہے؟"

"یاد نہیں تمہیں؟......وہ تو آج شام ہی شکاگو کے لیے نکل گئے ہیں"۔

"ہاں، یاد آیا......انہیں غالباً سیمینار کے سلسلے میں جانا تھا"۔ وہ بے دھیانی میں بولا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ چاہ رہی تھیں اگر اسے کوئی معاملہ درپیش ہے تو وہ خود اس کا اظہار کر دے۔

"آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟......کیا ہوا؟" اذہان نے دریافت کیا تھا۔

"نہیں، شام میں تمہاری نانو اور ماموں لوگ آئے تھے"۔

"خیریت؟"

"ہاں......وہ ہماری ماہا کے لیے سیفی کا رشتہ لائے ہیں"۔

"ارے، یہ تو اچھی خبر ہے۔ آپ اس طرح برے انداز میں کیوں سنا رہی ہیں؟" وہ مسکرایا تھا۔ "ماہا کہاں ہے؟......ٹھہریئے، میں ابھی اس کی خبر لیتا ہوں"۔

"وہ سو چکی ہے......تمہیں اندازہ نہیں ہے غالباً۔ تم خاصا لیٹ آئے ہو"۔ فارحہ نے اسے کوئی بھی الزام دیئے بغیر جتایا تھا۔ وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری......وہ دراصل......" وضاحت دینے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے چاہے تھے مگر فارحہ نے اسے روک دیا تھا۔

"اذہان!......بیٹا! تمہیں کسی کو وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"جی......میں جانتا ہوں۔ پاپا کو پتہ ہے کہ ماہا کے لیے سیف کا پرپوزل آیا ہے؟"

"ہاں۔ وہ شام میں یہیں تھے"۔

"اچھا......تو پھر انہوں نے کیا کہا؟"

"پرپوزل تو اچھا ہے لیکن تم اپنے پاپا کو جانتے ہو، سوچنے کے لیے ہمیں یوں بھی کچھ وقت تو درکار رہے ہی"۔

"ہاں، یہ تو ہے۔ آپ خوش ہیں؟"

"ہاں......کون ماں خوش نہیں ہوگی۔ میرے بچوں کی خوشی سے زیادہ مجھے اور کیا شے عزیز ہوگی؟"

''ممی! آپ نے کبھی اپنی خوشی کے بارے میں نہیں سوچا؟''

''اپنی خوشی؟'' وہ چونکتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

''اپنی خوشی ہی تو ہے یہ میری۔ تم لوگ کیا مجھ سے الگ ہو؟''

''نہیں، مگر......دوسروں کے لیے خوش ہونے میں کبھی کبھی اپنا نقصان بھی تو ہو جاتا ہے نا''۔ وہ مسکراتے ہوئے سرسری انداز میں گویا ہوا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھیں۔

''ہاں، شاید......تمہارے پاپا اپنی وائف کو چھوڑ رہے ہیں''۔ ایک اور بہت بڑی خبر انہوں نے بہت سرسری انداز میں دی تھی۔

اذہان حسن بخاری حیران رہ گیا تھا۔

''کیا......واقعی؟......مگر یہ تو اچھی خبر ہے''۔

''اچھی خبر ہے کہ نہیں، یہ تو مجھے نہیں پتہ......مگر......''

''مگر کیا ممی؟......کیا آپ خوش نہیں ہیں؟ پاپا کو آخر کار اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے''۔ اسے یہ جان کر واقعی خوشی ہوئی تھی۔

''ہاں......میں خوش ہوں۔ مجھے ہونا بھی چاہیے۔ میری فیملی پھر سے مکمل ہونے جا رہی ہے۔ مگر کبھی کبھی درمیان میں جب کچھ ٹوٹ جاتا ہے تو باقی سب کچھ بہت عجیب لگتا ہے''۔

فارحہ کی بات میں شاید واقعی سچائی تھی۔ اذہان نے سوچتے ہوئے پُر خیال انداز میں اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ممی!......شاید کبھی کبھی بہت کچھ ٹوٹ جانے سے بہت زیادہ فرق پڑتا ہے۔ کچھ بھی ہو، یہ خبر پھر بھی اچھی ہے کہ پاپا آخر کار اپنی غلطی کو مان چکے ہیں۔ اب باقی کے حالات خود بخود معمول پر آ جائیں گے''۔

''شاید''۔ فارحہ کے لبوں کی مسکراہٹ بہت پھیکی سی تھی۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ......میں دودھ بھجواتی ہوں۔ تھک گئے ہو گئے تم۔ آرام کرو......رات بہت ہو گئی ہے''۔ فارحہ کہتے ہوئے اُٹھ کر ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگی تھیں۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

پتہ نہیں......

محبت اب رہی بھی تھی کہیں......یا پھر نہیں......

محبت کے اتنے بھرپور احساس کے بعد اچانک اتنے گریز کی سرد چادر کے تن جانے سے سب باتوں کا مفہوم یک دم ہی بدل گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس ساکت و جامد ماحول میں خود کو بہت تنہا پایا تو اُٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

گھر کے باقی لوگ جانے کہاں تھے۔

اس کے حلق میں جیسے کانٹے سے اُگ گئے تھے اور سارا وجود جلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اوزان کو فون کرنے والی تھی کہ آ کر اسے کچھ دِنوں کے لیے لے جائے، فوری طور پر اس سے کچھ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ جگہ، یہ مقام ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا چاہیے...... یا پھر۔

وہ ابھی نمبر ملا رہی تھی جب لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

''ہیلو لامعہ!...... کیسی ہو تم؟...... کتنے دن سے غائب ہو؟...... عجب دوست ہو میری۔ پلٹ کر خبر تک نہیں لیتی ہو''۔ وہ شکوہ کرتی ہوئی بولی تھی۔ مگر دوسری طرف لامعہ حق خلافِ توقع نہ تو کھلکھلا کر ہنسی تھی نہ ہی مسکرائی تھی۔

''بس وقت ہی نہیں ملا۔ تم کیسی ہو؟'' لامعہ حق کا انداز سرد تھا۔ جسے وہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ تب ہی چونکتے ہوئے بولی تھی۔

''کیا ہوا؟...... تم ٹھیک تو ہو؟'' اگرچہ وہ خود ٹھیک نہیں تھی مگر اس کے باوجود اس نے تشویش سے دریافت کیا تھا مگر دوسری طرف لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''لامعہ......!''

''میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں انابیہ!...... تم برا مت ماننا...... فی الحال میں مصروف ہوں''۔ یہ کہنے کے ساتھ ہی لامعہ نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

لامعہ کا اس طرح خود فون کرنا اور پھر خود ہی بات نہ کر کے سلسلہ منقطع کر دینا...... آخر کیا اسرار رکھتا تھا؟

اوہ...... کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ لامعہ اس وقت کسی اور سے بات کرنا چاہتی تھی۔ غالباً...... عفنان علی خان...... اور اسے نہ پا کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ اسی کشمکش و پیچ میں فون ہاتھ میں لیے کھڑی تھی جب عفنان اندر داخل ہوا تھا۔

وہ لاتعلق انداز میں نگاہ چرا گئی تھی۔ عفنان نے بھی اسے دیکھا تھا مگر انداز سرسری سا تھا۔ وہ چلتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا جب اچانک انابیہ نے اسے پکارا تھا۔

''عفنان!''

وہ رُک گیا تھا، پھر پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' عفنان علی خان نے سرد انداز میں دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے لمحہ بھر کو سوچا تھا، پھر بولی تھی۔

''لامعہ کا فون تھا''۔

''تو......؟'' وہ بلاتردد بولا تھا۔ انداز انتہائی لاتعلق تھا جیسے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

''تو......؟''انابیہ کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔ مگر دوسرے ہی پل اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے بتا دینا چاہیے کہ لامعہ کا فون اس کے لیے تھا تب ہی وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''لامعہ کا فون آپ کے لیے تھا''۔ وہ پُر اعتماد انداز سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ عفنان علی خان اس کے الزام پر کسی قدر حیران ہوا تھا اور اس حیرت کا اس نے بھرپور طور پر اظہار بھی کیا تھا۔

''اوہ، واقعی......؟ میری فون کالز میرے سیل کی جگہ اس لینڈ لائن پر کیسے آنے لگیں؟''اس کے لہجے کا طنز کسی طرح بھی چھپا ہوا نہ تھا۔ انابیہ شاہ کو بہت سبکی محسوس ہوئی تھی۔ خجل سی ہو کر وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔ اندر ایک الاؤ دہکتا ہوا تو پہلے بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اس لمحے تو یوں لگا تھا جیسے سارا شہر کا شہر جل رہا ہو۔ غصے سے فون پٹختے ہوئے وہ مڑی تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ دم گھٹ سا رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی کھلی فضا میں نکل جانا چاہتی تھی مگر عین اسی وقت وہ چکرائی اور وہیں گر گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے بہت اطمینان سے دیکھا تھا۔

گھر میں کوئی اور نہ تھا۔ سومدد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا آگے بڑھا۔ اپنا بیگ صوفے پر ڈالا اور اس کے قریب آن رُکا تھا۔ انداز میں کوئی بے قراری تھی، نہ کوئی فکر مندی۔ جیسے وہ ہر طرح کے جذبے سے عاری ہو چکا تھا۔ بہت اطمینان سے جھک کر اسے سیدھا کیا تھا۔ بظاہر کہیں چوٹ نہیں آئی تھی۔ کوئی اندرونی چوٹ ہوتی بھی تو اس کا اندازہ وہ فی الحال نہیں کر سکا تھا۔ اس کا جسم جل رہا تھا۔ غالباً اسے بخار تھا۔ ہمدردی کے طور پر، یا پھر انسانیت کے طور پر اسے بازوؤں میں اُٹھایا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے کمرے میں آ گیا تھا۔

اسی کمرے میں جو کبھی ان دونوں کا مشترکہ کمرہ تھا۔

اس کے نرم وجود کو اپنے بازوؤں میں بھرے کوئی احساس اسے چھو نہ رہا تھا۔ اتنی قربت اس پر رتی بھر بھی اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ اسے جھک کر بیڈ پر لٹایا تھا......اور پھر جیب سے سیل فون نکال کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگا تھا۔

محبت اب شاید کہیں نہیں تھی۔

کہیں بھی نہیں......

نہ کوئی چاپ باقی تھی، نہ کوئی آہٹ......

اگر عفنان علی خان اسے باہر لاؤنج سے یہاں اُٹھا کر اپنے کمرے تک لایا بھی تھا تو صرف اس لیے کہ اس کے اندر ''ہمدردی'' کا عنصر اب بھی باقی تھا۔

انابیہ ہر بات سے بے خبر بیڈ پر پڑی تھی۔

نہ اسے یہ پتہ تھا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے کتنے قریب رہ چکی تھی......نہ اسے اس قربت کا کوئی اندازہ تھا نہ اس کی حدت کا......آج شام ماما کے مطابق انابیہ شاہ کو اس کے ساتھ اٹلی جانا تھا جو کہ اب ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ غالباً اس حالت پر اسے کوئی خاص

افسوس نہ تھا۔انداز خاصا تسلی بخش دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے تک وہ وہیں کمرے میں موجود رہا۔ڈاکٹر کے آنے پر بھی وہ وہیں رہا۔چیک اَپ کے بعد کچھ خاص نہیں، ڈاکٹر نے فقط معمولی بخار اور نقاہت ہی وجہ بتائی تھی، اس کے اس طرح بے ہوش ہو جانے کی۔کچھ دوائیں اور ٹانک لکھ کر دیئے اور پھر اپنی راہ لی تھی۔جب تک وہ ہوش میں نہ آ جاتی، عفنان کا وہاں رُکنا محال تھا۔سو ماما کا نمبر ڈائل کرتا ہوا وہ باہر نکل آیا تھا۔

''ماما!......آپ واپس آسکتی ہیں؟''

''کیوں بیٹا! کیا ہوا؟''

''مجھے کچھ نہیں ہوا......آپ کی بہو کی طبیعت خراب ہے۔تیز بخار ہے اور غالباً کچھ کمزوری بھی۔گر کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔اُٹھا کر ان کے کمرے تک پہنچایا ہے انہیں......ڈاکٹر کو بلا کر بھی دکھایا ہے۔آپ آ جائیں تو ان کے پاس ٹھہریں......مجھے اٹلی جانے کی تیاری کرنی ہے''۔

''تم تم اس کے بغیر جاؤ گے؟'' ماما کو تشویش ہوئی تھی۔

''ماما!......اس کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام یوں بھی میرا نہیں تھا''۔اس نے بے زاری سے یوں کہا تھا جیسے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

''عفنان!......وہ تمہاری بیوی ہے۔وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔تم اس طرح لاتعلق کیسے ہو سکتے ہو؟ بھول گئے تم کہ اس گھر میں اسے بیاہ کر لانے والے تم ہی ہو''۔ماما نے اس کے فون پر ہی کان کھینچے تھے۔

''سو وہاٹ......آپ بتائیں، میں کیا کروں؟......اپنا یہ وزٹ کیسے ملتوی کر دوں؟'' صورتِ حال کے سامنے وہ ایک لمحے میں بے بس نظر آیا تھا۔

''میں واقعی نہیں جانتی بیٹا!......مجھے اندازہ ہے یہ تمہارا مسئلہ ہے۔یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔تم اسے کس طرح نباہتے ہو اس کا فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔اس وقت میرا آنا تو مشکل ہے۔میں انوشے کو فون کرتی ہوں۔غالباً وہ اپنی کسی دوست کے ہاں ہے''۔

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں ہے۔میں سنبھال لوں گا''۔

فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا تھا۔یہ ماما کو کیا ہو گیا تھا......اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی اس طرح کی لاتعلقی کا اظہار نہیں کیا تھا......پھر اب اچانک......

وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔مگر غالباً ماما ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔وہ اب اس کی ذمہ داری تھی۔خواہ وہ اسے رکھتا یا چھوڑ دیتا......یا پھر......

''اوہ......'' اس کے ذہن میں انا بیہ کی کیفیت آئی تھی تو وہ دوسرے ہی پل خاصے تھکے تھکے سے انداز میں اس کے کمرے کی طرف قدم بڑھانے لگا تھا۔

یہ کیا تھا......؟ تو اب اسے ان محترمہ کی تیمارداری کے لیے اپنے اہم ترین امور بھی چھوڑنا تھے؟ صرف یہ پروف کرنے کے لیے

کہ وہ اس کی ذمے داری تھی اور وہ اس کا خیال رکھ سکتا تھا؟......غیر ذمہ دار تو خیر وہ نہیں تھا مگر ان حالات میں یہ خاصا بڑا ''سانحہ'' لگ رہا تھا اور اسے سرانجام دینا اور بھی زیادہ مشکل۔ مگر جب کوئی راہ نہیں تھی تو اپنی ذمہ داری تو نباہنا ہی تھی۔ فون کر کے اس نے اپنی ٹکٹ کینسل کروائی تھی اور پھر چلتا ہوا اس کے کمرے کی طرف آ گیا تھا۔

وہ اب بھی بدستور اسی طرح لیٹی تھی۔ اس نے چلتے ہوئے پاس آ کر اسے بغور دیکھا تھا۔ غالباً وہ سانس لے بھی رہی ہے یا کہ نہیں......وہ یہی دیکھنے کے لیے اس پر جھکا تھا مگر عین اسی لمحے انابیہ شاہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عفنان علی خان کو اس لمحے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر وہ کچھ ساکت سی رہ گئی تھی۔

عفنان علی خان کچھ خجل سا ہوا تھا اور پھر سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' بے تاثر لہجے میں دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''گڈ......'' وہ اطمینان ظاہر کر کے باہر نکل گیا تھا۔ نوکر کو جا کر اسے کچھ کھلانے کی ہدایت کی تھی۔ ساتھ ہی اس کی میڈیسن کے متعلق بھی کہہ دیا تھا کہ یاد سے لے لے۔ اپنی ''ذمہ داری'' کسی قدر نباہ کر وہ فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

رومیصا لغاری کے آخری امور انجام دے کر وہ واپس آ گیا تھا۔

گی کو معلوم ہوا تو اسے بہت افسوس ہوا تھا۔

''میرب تمہارے ساتھ نہیں آئی؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ نمودار ہوئی تھیں اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر چہرہ پھیر گیا تھا۔ گی کو تشویش ہوئی تھی۔ اپنے سامنے بیٹھے شخص کے چہرے کو بغور پڑھنا چاہا تھا مگر یہ اتنا مہمل تھا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں......تم بتاؤ، تم ٹھیک ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس موضوع پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یکسر بات ہی بدل دی تھی اور اس پر گی کو اندازہ ہوا تھا کہ بات یقیناً معمولی نہیں تھی۔ اس نے بھی تب اس موضوع پر اسے مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور رومیصا لغاری کے بارے میں افسوس کرتی ہوئی بولی تھی۔

''مجھے رومیصا لغاری کے بارے میں سن کر واقعی بہت افسوس ہوا۔ تمہاری انسیت تو پھر اس سے ہم سے کہیں زیادہ تھی''۔

''ہاں......زندگی میں عجب ایک خلا کا سا احساس ہو رہا ہے......جانے یہ خلا کبھی بھر بھی پائے گا کہ نہیں۔ میں نے اپنی ایک بہت

اچھی دوست اور خیر خواہ کو کھو دیا ہے۔ میرا نقصان بہت بڑا ہے'' ۔ وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس لمحے اس کا چہرہ کسی بھی جذبات سے قطعاً عاری تھا، یا تو وہ اپنے محسوسات پر قابو رکھنا اچھی طرح جانتا تھا یا پھر وہ ہر ایک پر انہیں ظاہر ہی نہ کرنا چاہتا تھا۔

''گین!...... میرب، رومیصا کو لے کر ہی تم سے کچھ بدظن ہوئی ہے نا؟'' اس نے بہت آہستگی سے اندازہ کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

وہ چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔ غالباً وہ فی الحال اس موضوع پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''جو شے میری زندگی میں اہم ہے، مجھے اسے امپورٹنس دینا ہوگی اور اس کے لیے مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کوئی کیا سوچتا ہے اور کیا نہیں۔ زمانہ تمہیں لے کر بھی کچھ کم بدظن نہیں ہے۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری زمانے سے زیادہ اپنے دل کی ماننے اور سننے کا قائل ہے'' ۔ وہ بڑے آرام سے اسے عام لوگوں میں شمار کر گیا تھا۔ گی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات کچھ زیادہ ہی سنگین نوعیت کی ہے۔

''تم ٹھیک ہو نا گی؟...... آر یو او کے؟'' وہ اس موضوع سے ایک بار پھر ہٹتا ہوا بولا تھا۔ گی نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم میرب کو وہ سب کیوں نہیں بتاتے گین! جو سچ ہے، جو وہ جاننا چاہتی ہے؟'' گی نے ایک کوشش پھر کی تھی۔ وہ اس کی بے وقوفی پر غالباً مسکرایا تھا۔

''مجھے وضاحتیں دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی ضرورت۔ مجھے وضاحتیں دینا آتا بھی نہیں اور جہاں تک ان محترمہ کی بات ہے، وہ کھوج لگانا اچھی طرح جانتی ہیں۔ تمہیں اس سے کسی طرح کی ہمدردی کرنے کی ضرورت قطعاً نہیں ہے۔ وہ اتنی مظلوم نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہی ہو'' ۔

''تم بتا رہے تھے، رومیصا کسی سے ملنا چاہتی تھی مگر نہیں مل سکی۔ کون ہے وہ؟'' اچانک یاد آنے پر گی نے دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر ہلا دیا تھا۔

''ہاں...... ڈاکٹر بخاری تھے کوئی۔ ان دِنوں آؤٹ آف ٹاؤن تھے۔ مجھے بہت افسوس رہا۔ رومیصا کی آخری خواہش پوری نہیں کر سکا۔ انہوں نے جتنی کٹھن زندگی گزاری اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا'' ۔

''ہاں شاید......'' گی نے پُر خیال انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ''اور رومیصا محبت کرتی تھیں اُن سے؟''

''ہاں......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مختصر جواب دیا تھا۔ ''انہوں نے اپنی زندگی کے سارے دروازے اپنے ہاتھ سے بند کیے تھے۔ ڈاکٹر بخاری شادی کرنا چاہتے تھے رومیصا سے۔ رومیصا بھی ان سے محبت کرتی تھیں'' ۔

''پھر؟...... پھر کیا ہوا تھا؟''

''فی الحال چھوڑو...... میں آرام کرنا چاہتا ہوں'' ۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''تم نے انکل کو بتایا ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ پیش آتا رہا ہے یا آ رہا ہے؟'' اذہان نے کافی کا سِپ لیتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ان کی طبیعت خراب تھی اذہان!......تم تو جانتے ہو، میں نے کبھی ان سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ نکاح بھی صرف ان ہی کی ایماء پر کیا کہ وہ اپنی زندگی میں مجھے پروٹیکٹو دیکھنا چاہتے تھے''۔

''اوہ، آئی سی''۔ وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''کبھی کبھی ہم نے اپنی زندگی کے لیے جو سوچا ہوتا ہے وہ نہیں ہوتا اذہان!......سب ویسا ویسا ہوتا ہے جیسا ہم نے سوچا نہیں ہوتا''۔ میرب ٹیبل کی سطح پر اُنگلی پھیرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے میرب!''

''ہاں، شاید''۔ وہ عجب پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔ ''زندگی دوسرا موقع نہیں دیتی......موسم دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے......ورنہ شاید کوئی شکوہ باقی نہ رہے''۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''ہم میں سے کوئی خوش نصیب نہیں ہے میرب!......میں بھی اکثر یہ سوچتا ہوں اگر زمانے واپس آ جائیں تو میں کیسے جینا چاہوں گا اس زندگی کو۔ اس طرح جس طرح کہ میں چاہتا ہوں؟......یا کہ اس طرح، جس طرح کہ دوسرے چاہتے ہیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ شناسائی کے موسموں کی کہانی بہت مدھم لہجے میں اپنی بولیاں بول رہی تھی۔

دونوں کو کسی قدر افسوس تھا۔ دونوں ہی خود کو معمول پر ظاہر کرنا چاہ رہے تھے اور دونوں ہی خوش نہیں تھے۔ دونوں کے انداز میں ایک خاص گریز تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے مگر بات کرنے کو جیسے لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

کل کے زمانے کے قصے اس لمحے خواب سے لگ رہے تھے۔ کتنی دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی تھی۔ پھر وہ اس کی طرف اور میرب اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''کتنا عجب لگ رہا ہے اتنے عرصے بعد......اس طرح......!''

''ہاں......عجیب ہی لگ رہا ہے۔ ہم نے زمانوں کو صدیوں پر محیط کر دیا......ایک شہر میں رہے مگر......'' اذہان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''اذہان!......وقت مٹھی سے ریت کی طرح پھسل جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے''۔ وہ مسکرائی تھی۔

''ایک بات پوچھوں میرب؟'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''تمہیں افسوس ہوتا ہے؟'' عجب سوال تھا۔

وہ لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھتی ہوئی کچھ بول نہیں سکی، پھر مسکرا دی تھی۔

''تمہیں نہیں ہوتا؟''

اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا۔تب ہی وہ عجب پھیکے انداز سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''شاید نہیں......شاید ہاں...... پتہ نہیں......''

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم......زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب اندازہ نہیں ہو پاتا کہ جو ہوا وہ بہتر تھا......ٹھیک تھا......یا جو ہو رہا ہے، وہ بہتر ہے اور ٹھیک ہے۔ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے''۔اذہان نے اس کی بات کی وضاحت کے طور پر کہا تھا۔وہ سر ہلاتے ہوئے چونکی تھی۔

''تم نے اپنی فیانسی کے متعلق نہیں بتایا......کیسی ہے وہ؟......ٹھیک ہے؟''

''ہاں......شی از وِیری پریٹی گرل''۔وہ ساہیہ کے متعلق بتاتے ہوئے مسکرایا تھا۔''بہت سمجھدار لڑکی ہے''۔

''اور تم اس کے ساتھ خوش ہو''۔وہ مسکرائی تھی۔''تم بہت لکی ہو''۔وہ بظاہر مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔اذہان حسن بخاری فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

''ایک بات کہوں میرب!''اس کا مدھم لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔

''ہاں......''عجب نیم جاں انداز میں وہ بولی تھی۔

''ہم سب جینے کے لیے سمجھوتے کرتے ہیں......ایک سمجھوتہ تم نے کیا۔ایسے ہی ایک سمجھوتہ میں نے بھی کیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت اچھی ہے......مگر......مجھے اس سے محبت نہیں۔شاید کبھی مجھے اس سے محبت ہو جائے۔مگر میں اب نہیں مانتا کہ جینے کے لیے محبت کے ساتھ رہنا ہی ضروری ہے اور محبت ایک بار ہی ہوتی ہے''۔

''کیا محبت دوبارہ بھی ہو سکتی ہے؟''وہ وضاحت چاہتی ہوئی بولی تھی۔

''پتہ نہیں......ابھی تک نہیں ہوئی۔ایک بار کی تھی......وہی عجب جاں گسل واقعہ رہا''۔وہ مسکرایا تھا۔مگر میرب سیال مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ذہن میں ایک لمحے کو سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ آیا تھا۔

''اور تم......؟''اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔''تم کیا سوچتی ہو؟''

''پتہ نہیں۔کسی بات کی کچھ خبر رہی نہ احساس۔عجب خلاؤں میں معلق ہے وجود......اپنے ہونے کا گمان نہیں رہا۔کبھی خود کو دیکھوں بھی تو سب بکھرا بکھرا سا اور اپنی جگہ سے ہٹا ہٹا سا لگتا ہے''۔

''ہم میں سے کوئی بھی اپنے مقام پر نہیں ہے میرب!''اذہان حسن بخاری نے ایک پل میں اس کی نفی کی تھی۔

''ہاں،شاید''۔وہ مسکرائی تھی۔''شاید تم ٹھیک کہتے ہو''۔

''ہاں......مگر شاید تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو''۔

''تم پلٹ کر دیکھتے ہو؟''

''ہاں......بارہا......پھر آگے دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچتا ہوں اور ان لمحوں سے نکل نہیں پاتا۔ کوئی راہ محبت چھوڑتی ہی نہیں''۔ سنجیدہ انداز میں کہتے کہتے یک دم وہ مسکرایا تھا اور میرب نگاہ پھیر گئی۔

''اور تم......؟''

''میں......؟'' میرب چونکی تھی۔ ''میں......میرے پاس پیچھے مڑ کر دیکھنے کا وقت ہی نہیں بچا''۔ عجب طنز خود پر کرتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

''سردار سبکتگین سے محبت ہوگئی ہے تمہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ ہاں، ان لمحوں میں یک دم ہی کوئی بازگشت سی چاروں اطراف ہونے لگی تھی۔

''محبت کرنے لگی ہو مجھ سے؟''

''مکمل کردو......!!''

ادھورے، آدھے جملے اس کی سماعتوں میں گونجے تھے......پتہ نہیں ان لفظوں کا کوئی مفہوم تھا بھی کہ نہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''میرب!'' وہ عجب کھوئے کھوئے سے انداز میں ایک جانب دیکھ رہی تھی جب اذہان نے اسے پکارا تو اس نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے بیگ شولڈر پر ڈالنے لگی تھی۔

''گوناؤ''۔

اذہان حسن بخاری کی جان ایک لمحے میں مٹھی میں آئی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''رائٹ......چلو میں چھوڑ دیتا ہوں تمہیں''۔

''نہیں......میں انتظام کرلوں گی''۔ اس نے تعرض سے کام لیا تھا مگر اذہان مسکرا دیا۔

''اجنبی ہوگیا ہوں تمہارے لیے......مگر اس قدر بھی نہیں۔ چلو......!''

میرب سیال مزید تردد کیے بغیر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ لنچ کی غرض سے آیا تھا۔ گاڑی پارک کر رہا تھا مگر......نگاہوں میں یک دم ہی الاؤ سے دہکنے لگے تھے۔ اذہان حسن بخاری گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

وہ لمحہ سرک گیا تھا۔ آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر آگ لگا گیا تھا۔

کون تھا وہ......؟

کس کے ساتھ تھی وہ......؟

تو کیا اس کے سامنے کوئی نئی راہ تھی......؟

تب ہی وہ اس کے ساتھ کبھی چل ہی نہیں سکی تھی......؟

جلتے جلتے کئی انگاروں پر وہ لوٹنے لگا تھا۔ لنچ کا ارادہ منسوخ ہوا اور وہ گاڑی واپس موڑتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

لامعہ حق عجب صورتِ حال سے گزر رہی تھی۔

اضطرابیت حد سے سوا تھی۔

وجود جیسے قیامتوں کے زیرِ اثر تھا۔

مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

وہ انابیہ سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر ہزار ہا کوشش کے باوجود خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی۔ کل شام بھی فون کیا تھا......خود کو تیار کیا تھا مگر ایک لمحے میں ہمت جواب دے گئی تھی۔ شاید سچ کہنے کے لیے واقعی بہت ہمت درکار ہوتی ہے۔ کچھ دیر وہ مضطرب سی کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی تھی۔ پھر فون اُٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔ بیل خاصی دیر جاتی رہی تھی۔ وہ دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھی اور اس کا سیل فون عفنان نے سائیلنٹ پر کر دیا تھا۔ وہ فون بند کرنے والی تھی جب دوسری طرف عفنان نے فون اُٹھا لیا تھا۔

"ہیلو!" بھاری آواز اُبھری تھی۔

دوسری طرف لامعہ میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

"ہیلو......لامعہ! میں جانتا ہوں دوسری طرف تم ہو......تم بول کیوں نہیں رہی ہو؟......تم ٹھیک تو ہو؟"

"آں......ہاں......ٹھیک ہوں میں"۔ لامعہ نے جس ہمت سے کہا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

"انابیہ کہاں ہے؟"

"انابیہ تو سو رہی ہے......تم نہیں جانتی شاید......اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ماما، پاپا اسلام آباد میں ہیں۔ سو تیمارداری کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہی آن پڑی ہے۔ تم کیسی دوست ہو؟......آ جاؤ نا"۔ وہ دانستہ مدھم آواز میں بول رہا تھا کہ کہیں وہ ڈسٹرب نہ ہو اور بیدار نہ ہو جائے۔

لامعہ دوسری طرف کچھ بول نہیں پائی تھی۔ اسی لیے وہ بولا۔

"لامعہ! انتظار کرو......میں تمہیں کال بیک کرتا ہوں۔ یا تم میرے سیل پر فون کر لو۔ ادھر انابیہ کی کوئی کال ہے"۔

انابیہ نے تب ہی آنکھ کھول کر دیکھا تھا، کچھ اور تو سمجھ میں نہیں آیا تھا، صرف لامعہ کا نام سنائی دیا تھا۔ عفنان علی خان کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اسی طرح چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

"لامعہ......یہ لامعہ کیا بات کرنا چاہتی ہے عفنان سے......؟" اس نے اُلجھ کر سوچا تھا۔

☆......☆......☆

میرب نے بہت سوچا تھا اور اسے لگا تھا کہ اسے کم از کم پاپا سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔ اب یوں بھی صورتِ حال مختلف تھی۔ پاپا اب تندرست تھے۔ بات اتنی اثر پذیر نہیں ہوئی تھی اور اگر ہو بھی جاتی تو کیا...... وہ اپنی زندگی کے اتنے بڑے سچ سے انہیں لاعلم کیسے رکھ سکتی تھی۔

"کیا ہوا؟...... کیا سوچ رہی ہو؟" زوباریہ نے اسے خاموشی دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"پاپا جاگ رہے ہیں؟"

"ہاں...... کیوں، کوئی کام ہے؟"

"ہاں...... مجھے ان سے بات کرنی ہے"۔ وہ چلتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ پاپا لیٹ کر کتاب پڑھ رہے تھے۔

"آؤ...... میرب بچے!" اسے دیکھ کر پاپا نے کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

"مجھے آپ سے بات کرنا ہے پاپا!"

"ہاں، تو کرو بچے! سن رہا ہوں میں"۔ پاپا مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

وہ گومگو کی کیفیت میں کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی۔ پھر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"پاپا!...... میں آپ سے وہ شیئر کرنا چاہتی ہوں جو میں نے اب تک آپ سے پوشیدہ رکھا"۔

"ہاں بچے! کہو...... میں سن رہا ہوں"۔

"پاپا......!" اسے قصہ بیان کرنا دشوار ترین لگ رہا تھا۔ ہمت ناپید تھی مگر بیان تو کرنا ہی تھا۔

"اینی پرابلم؟" پاپا اس نہج پر یقیناً نہیں سوچ رہے تھے جس نہج پر وہ سوچ رہی تھی۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"پاپا!...... سردار سبکتگین حیدر لغاری ویسے قطعاً نہیں ہیں جیسا آپ سوچتے ہیں"۔

"کیا؟...... کیا مطلب؟...... کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

"کچھ لمحے وہ یوں ہی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے بہت خاموشی سے آنسو ٹوٹ کر بہنے لگے اور پھر بالآخر اس نے ہمت کر کے ساری داستان پاپا کے گوش گزار کر دی تھی۔

پاپا نے سنا تو گنگ رہ گئے تھے۔

ان کی اکلوتی بیٹی کا نصیب ایسا ہوگا۔ ایسا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ، جسے انہوں نے پھولوں کی طرح پالا تھا، وہ اس قدر اذیت میں تھی۔ وہ بھی اس شخص کے باعث جس کے ساتھ اسے اپنی ساری عمر بتانی تھی۔

"میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی تھی پاپا!...... مگر......" وہ عجب مجرم سے انداز میں بولی تھی۔ پاپا نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"مجھے لاعلم رکھو گی تو پھر تمہاری خوشیوں کا خیال اور کون رکھے گا میری بچی؟...... مگر تم نے مجھے اتنی دیر میں کیوں بتایا؟"

میرب سیال کچھ نہیں بول سکی تھی۔مظہر سیال بھی اس لمحے کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دیئے تھے۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......ناشتہ نہیں کرو گے تم؟'' مائی اماں نے اسے آفس کے لیے نکلتے ہوئے دیکھ کر دریافت کیا تھا۔گی بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔چہرہ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔رومیصا کی ڈیتھ کے بعد وہ بہت گم صم سا ہو گیا تھا۔

''بیٹا!......تم نے رات کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ملازم بتا رہا تھا مجھے۔آ کر اپنے کمرے میں پڑ کر سو گئے تھے تم......اور اب بھی......''

''مائی! بھوک بالکل نہیں ہے۔رات کو بھی میں باہر سے کھا کر آیا تھا''۔انہیں مطمئن کرنے کو وہ بولا۔مائی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ماں تھیں،اس کے دل کی کیفیت کیسے نہ جان پاتیں۔

''شام میں تم جلدی آ جاؤ تو ہم مظہر میاں کی طرف جائیں گے۔میرب کو دیکھے کئی دن گزر گئے ہیں۔بچی خیریت سے بھی ہے کہ نہیں۔گئی ہے تو پلٹ کر خبر تک نہیں لی''۔

''شام میں میرے پاس وقت نہیں ہو گا مائی! آپ جانا چاہیں تو ڈرائیور کے ساتھ چلی جایئے گا''۔

''کیوں......تم کیوں نہیں جاؤ گے وہاں؟''

وہ صبح صبح کوئی تکرار کرنا نہیں چاہتا تھا۔مگر مائی کی بے ادبی اس نے کبھی نہیں کی تھی۔سو نہ چاہتے ہوئے بھی اس موضوع پر بول رہا تھا۔

''مائی! بتایا ہے نا،مصروف ہوں گا''۔

''گین!......بچے! کسی کو یوں مورد الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں ہوتا۔وہ وہاں رہتی تو تھی۔پھر اس کا رومیصا سے کوئی رشتہ بھی تو نہیں تھا۔تم اسے بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔وہ بچی جس طرح اتنے دن تک وہاں رہی،میری تیمارداری کی،رومیصا کی دیکھ بھال کی،وہ بہت زیادہ ہے۔ہمیں اسے جواب میں اپنی سرد مہری سے نوازنا نہیں چاہیے۔وہ وہاں اگر نہیں رُک سکی تو اس کی کوئی مجبوری......''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا مائی!'' وہ ان کی بات تیزی سے کاٹتا ہوا بولا تھا۔مائی اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔آج سے پہلے نہ وہ اس قدر ڈسٹرب دکھائی دیا تھا نہ اس طرح بات کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ دیر تک خاموش رہا تھا۔پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نرمی سے گویا ہوا۔

''آپ جانا چاہیں تو ہو آئیں''۔انداز میں ایک خاص طرح کی لاتعلقی تھی۔یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔مائی اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

گی بھی کچھ نہیں بولی تھی مگر وہ اتنا جان گئی تھی کہ کوئی بات اسے بہت زیادہ ڈسٹرب کر رہی ہے۔

☆......☆......☆

'' کل شام میں تمہارا سیل ٹرائی کر رہی تھی...... مسلسل اَن سوئچڈ تھا۔ تم بزی تھے کہیں؟'' ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔

اذہان نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... میں اپنا سیل غالباً گھر بھول گیا تھا''۔

''اوہ......'' اس نے ہونٹ سکوڑے تھے اور پھر یک دم شرارت سے مسکرادی تھی۔ ''میں سمجھی تم کسی لڑکی کے ساتھ تھے''۔

اذہان حسن بخاری اس کی شرارت پر اتنا محظوظ نہیں ہوا تھا مگر غالباً مروتاً مسکرا دیا تھا۔

''تم سوچ رہے ہوگے...... شک کرنے لگی ہوں تم پر۔ ہے نا؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''نہیں...... میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا اب تک۔ تم شک کرنا چاہو تو خوشی سے کر سکتی ہو''۔ وہ غیر سنجیدہ لہجے میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اوہ، ریئلی؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''ہاں''۔ وہ نگاہ اس پر سے ایک لمحے میں دانستہ ہٹا کر فائل دیکھنے لگا تھا۔

''اچھا، تو کس پر شک کروں؟...... تمہاری اس موٹی بھدی کالی اسسٹنٹ پر یا تمہاری اس پر کٹی، چپٹی ناک والی سیکرٹری پر؟...... تمہارے آفس میں تو کوئی ایک بھی ڈھنگ کی لڑکی نہیں ہے۔ کتنا خراب ٹیسٹ ہے تمہارا اذہان!'' وہ مسکراتے ہوئے کچھ اس انداز سے افسوس کرتی ہوئی بولی تھی کہ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''آئی ایم ناٹ کڈنگ اذہان!...... تمہارے آفس میں کوئی ایک بھی ڈھنگ کا چہرہ نہیں ہے۔ آئندہ اپائنٹ کرنا ہو تو مجھے بتا کر کرنا''۔

''کیوں...... سلیکشن تم کرو گی؟'' وہ اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

ساہیہ نے بلاتردد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''کیا کروں؟...... جب تمہارا ٹیسٹ اتنا خراب ہے تو......''

''اور تم ایسا اس لیے کرو گی تاکہ تم شک کر سکو؟'' مسکراتے ہوئے وضاحت چاہی گئی تو ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر ہنس دی تھی۔

''تم پر شک کرنے کے لیے تمہارے اِرد گرد مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں ہونی چاہئیں مسٹر اذہان حسن بخاری! اور وہ یہاں نہیں ہیں۔ اس لیے مجھے اس طرف سے فی الحال مکمل اطمینان ہے''۔

''اگر کسی نے مجھے چرانا ہوگا تو وہ اس آفس سے باہر کی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ وہ اس آفس میں ہی ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے فائل سے نگاہ ہٹا کر لمحے بھر کو اسے دیکھتا ہوا بولا تھا۔ ''بائے دی وے، تم لوگی کیا؟...... کافی لوگی؟''

''کافی؟ اس وقت؟...... بالکل نہیں۔ بھوک لگ رہی ہے۔ میں تو تمہارا کام ختم ہونے کی منتظر ہوں کہ اس کے بعد ہم ساتھ لنچ پر چلیں۔ ویسے تم نے ٹھیک کہا...... وہ کوئی آفس سے باہر کی بھی تو ہو سکتی ہے''۔ اس کی بات کے جواب میں سوچتے ہوئے وہ بولی اور اذہان مسکرا دیا۔

''تو تم واقعی عام خواتین کی طرح اب شک کرنے لگی ہو؟''

''نہیں......ابھی تک نہیں......لیکن تمہاری سوچ اگر ایسی ہی رہی تو ایک دن ضرور''۔ وہ ہنس دی تھی۔اس کی آنکھوں میں شفاف پانی کے قطرے چمکنے لگے تھے۔اذہان نے اس شفاف دل کی مالک لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟......ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟......اچھی لگ رہی ہوں؟''اس نے ابرو چڑھاتے ہوئے دریافت کیا۔انداز میں کچھ شرارت تھی۔مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں......بہت اچھی......اِن فیکٹ تم بہت اچھی ہو بھی''۔

''ہاں، وہ تو میں ہوں لیکن اس وقت تمہیں اچانک احساس کیسے ہو گیا؟......کہیں تم مجھے بٹرنگ تو نہیں کر رہے؟''

''ساہیہ!......ایسا کچھ نہیں ہے مگر میں تمہیں کچھ بتانا ضرور چاہتا تھا''۔مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟''وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔''یہ کہ میں اتنی اچھی ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟''

بات خوشگوار تھی......اگر کوئی اور ہوتا تو یقیناً اس بات کے جواب میں کچھ کہتا۔مگر اذہان حسن بخاری جو مسکرا رہا تھا، یک دم ہی اپنے لب بھینچ گیا تھا۔پھر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''میں میرب سے ملا تھا ساہیہ!''

''اچھا، کب؟''وہ حیران جتنی ہوئی تھی اتنا خود کو ظاہر نہیں کیا تھا۔غالباً وہ خود پر، اپنے احساسات پر بروقت قابو پانا جانتی تھی۔وہ درحقیقت جس قدر لاابالی دکھائی دیتی تھی، اتنی تھی نہیں۔یہ بات اذہان بھی جانتا تھا۔

وہ اس گھڑی بھی مسکرائی ضرور تھی مگر وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔گردن گھما کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تمہارے آفس کا یہ فرنیچر بہت پرانا ہو گیا ہے اذہان! اِسے چینج کر دو اب۔اور یہ وال پیپرز بھی بدلوا دو۔اچھے نہیں لگ رہے''۔

''ہاں بدلوا دوں گا۔تم جاننا چاہو گی ہم میں کیا بات ہوئی؟''

''نہیں......اگر تم نہیں بتانا چاہو گے تو کبھی بھی نہیں''۔وہ ملائمت سے مسکرائی تھی پھر نگاہ پھیر گئی تھی۔اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا تب ہی اس کے ہاتھ پر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور بغور دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟''

ساہیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر قدرے توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''آف کورس......مجھے تم پر اعتبار ہے۔مگر تم یہ اس وقت کیوں پوچھ رہے ہو؟ تمہارے آفس میں کوئی ایک بھی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے باعث میں تم پر شک کر سکوں؟''وہ دوسرے ہی پل کھلکھلا کر ہنسی تھی۔وہ مسکرا دیا تھا۔

''یو آر رائٹ''۔

''لنچ کے لیے چلیں اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو؟''ساہیہ نے اس کی ٹیبل پر موجود پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔باقی کی

باتیں ہم وہیں کرلیں گے۔رائٹ؟''

اذہان سرہلاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم ایک ڈیفرنٹ لڑکی ہو سا ہیہ!''اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''لڑکیاں ساری ایک جیسی ہی ہوتی ہیں اذہان! مگر یہ بات تم مردوں کی سمجھ میں بہت دیر سے آتی ہے''۔اس کا انداز بظاہر سرسری تھا مگر درپردہ وہ اسے بہت کچھ جتا رہی تھی۔اذہان حسن بخاری اتنا ناسمجھ نہیں تھا کہ اس کی کہی بات کے مفہوم کو سمجھ نہ پاتا یا جان نہ پاتا۔

☆......☆......☆

''اتنے دن کہاں رہیں تم؟ کیسی دوست ہو، پلٹ کر پوچھا تک نہیں؟''لامعہ کو سامنے دیکھ کر اس نے شکایت کی تھی۔لامعہ مسکرائی مگر انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''عفنان سے بات ہوئی تھی......اس نے بتایا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔

''اگر میں ٹھیک ہوتی تو تم آج بھی نہ آتیں؟''۔انابیہ نے دوبارہ شکایت کی تو لامعہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟......کیسی ہو تم؟''لامعہ قدرے توقف سے بولی تھی۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں اب میں......اس روز بارش میں بھیگ گئی تھی نا۔اور تم جانتی ہو میں کتنی حساس ہوں۔حالانکہ بارش......''

''انابیہ!''وہ روانی سے بول رہی تھی جب لامعہ نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔''میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں انابیہ!''اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

انابیہ نے اسے بغور دیکھا تھا اور اس کی کیفیت سمجھے بغیر ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''ہاں تو کرو نا......میں سن رہی ہوں تمہیں۔رکو، میں تمہارے لیے چائے کا کہہ دوں''۔اس نے اُٹھنا چاہا مگر لامعہ نے اسے روک دیا تھا۔

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں''۔اس کا لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔لامعہ کے تاثرات پہلے سے بہت مختلف تھے۔انابیہ کو اب اس کا نوٹس لینا پڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟......اپنی پرابلم؟''

مگر لامعہ نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''ایسا نہیں ہے''۔

''تو پھر؟''

”انابیہ! تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں میں......کوئی بہت ضروری بات“۔

”تو کرونا......سن رہی ہوں۔لیکن وہ کون سی بات ہے جو تمہیں اتنا پریشان کر رہی ہے؟ میں بھی جاننا چاہتی ہوں۔فرینڈ شپ شیئرنگ اور کیئرنگ کا نام ہے اور......“

”مگر میں اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوں“۔لامعہ نے اس کی بات کو کاٹا تھا۔

”غلطی؟“ انابیہ چونکی تھی۔”کیسی غلطی؟“

لامعہ کے لیے اس لمحے کچھ کہنا دشوار ترین ہوگیا تھا۔وہ اس سے نگاہ پھیر گئی تھی۔انابیہ شاہ اس کے بولنے کی منتظر اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی تب وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

”میں تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہوں“۔

”وہاٹ......؟“ انابیہ شاہ چونکی تھی۔مگر لامعہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”مجھے کہہ لینے دو انابیہ!......نہیں کہوں گی تو شاید میرا دم گھٹ جائے گا۔بہت سا بوجھ میں اپنے دل پر محسوس کر رہی ہوں۔سانس تک لینا محال ہو رہا ہے۔میں اب اس بوجھ کے ساتھ مزید نہیں جی سکتی“۔

”کہنا کیا چاہتی ہو تم؟“ انابیہ شاہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی۔بہت مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔لامعہ حق جیسے خاموش رہ کر خود کو تیار کر رہی تھی۔

”انابیہ! میں تمہاری اچھی دوست نہیں ہوں......نہیں ہوں میں تمہاری بالکل بھی اچھی دوست“۔لامعہ کی آنکھوں سے جھر جھر نمکین پانی بہنے لگا تھا۔

اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے؟“ کچھ دیر کے بعد وہ ہمت کر کے صرف یہی کہہ سکی تھی۔”کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم میری اچھی دوست نہیں ہو؟......اچھی دوست ہو تم میری۔ہم بچپن سے ساتھ ساتھ ہیں۔ہم نے بہت سا اچھا وقت ساتھ گزارا ہے۔ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلے ہیں ہم اور......“

”اور میں وہ سب بھول گئی انابیہ!......سب کچھ بھول گئی“۔وہ آنسوؤں کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔انابیہ کی سمجھ میں اب بھی اس کی کوئی بات نہیں آئی تھی مگر وہ اس کے بتانے کا انتظار کرنا چاہتی تھی،تب ہی اسے کریدے بغیر اس کے سامنے بیٹھی رہی۔

”انابیہ! بچپن میں ہم ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلتے تھے اور اب......اب میں نے کسی کے احساسات و جذبات سے کھیلا ہے۔میں کتنی بری ہوں،تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔بہت ٹرسٹ کرتی تھی نا تم مجھ پر۔مگر میں نے تمہارے اس اندھے اعتماد کے پرخچے اُڑا دیئے۔توڑ دیا میں نے وہ تمہارا یقین۔میں تو دوست کہلانے کے لائق بھی نہیں ہوں“۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟......ایسا کیا کِیا ہے میں نے؟“ دھیان عفنان علی خان کی طرف گیا تھا۔کل شام بھی غالباً اسی سے بات

کرنا چاہتی تھی اور پرسوں جب اس نے خود کال ریسیو کی تھی، یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑی تو نہیں تھے۔ کہیں عفنان واقعی......؟؟

''کہیں تم......'' اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر لامعہ کو دیکھا تھا۔

''کیا؟'' لامعہ چونکی تھی۔ ''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟...... کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیا کِیا ہے؟''

''نہیں...... میں نہیں جانتی۔ تم بتاؤ''۔ انابیہ نے سانس روک کر دریافت کیا تھا۔

''تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی انابیہ! بہت بری لڑکی ہوں میں...... میں نے تمہیں دھوکا دیا انابیہ!''

''کیا دھوکا؟...... پلیز لامعہ! اب یہ پہیلیاں بجھوانا بند کرو۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے''۔ انابیہ بولی تھی۔ جب ہی وہ چیخ پڑی تھی۔

''دم تو میرا گھٹ رہا ہے...... ایک گلٹ کے ساتھ تو میں جی رہی ہوں''۔

''کیسا گلٹ؟...... کیا کِیا ہے تم نے؟''

''تم جانتی ہو انابیہ!...... تم ظاہر کرنا نہیں چاہتی ہو...... بہت بڑے دل کی بننا چاہتی ہو تم۔ بہت بڑے ظرف کی مگر......''

''ایسا کچھ نہیں ہے...... میں ایسا کچھ چاہتی بھی نہیں ہوں۔ اب تم مجھے بتا دو کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ تم میری دوست ہو اور میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بہترین دوست جانا ہے۔ میں نے تمہارے لیے یا کسی اور کے لیے کبھی برا نہیں چاہا''۔

''تمہاری یہی خوبی مجھے لمحہ لمحہ مارتی ہے انابیہ!...... تمہارا یہی بڑا پن مجھے تم سے دور لے گیا''۔

''اب بتا بھی دو لامعہ!'' وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

''سننا چاہتی ہو تو سنو انابیہ!...... تمہارے ساتھ جو بھی ہوا وہ میں نے کِیا...... وہ میں نے کروایا''۔ لامعہ حق نے کہا تھا اور وہ ساکت سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اب بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ غالباً نظروں کی حیرت صاف بتا رہی تھی۔

''تم اب بھی نہیں سمجھی ہو انابیہ! یا جان بوجھ کر عظیم بننے کی کوشش کر رہی ہو؟...... ہمیشہ اپنا ہاتھ اوپر رکھنا کیوں اچھا لگتا ہے تمہیں؟''

''وِل یو شٹ اَپ لامعہ؟...... میں ایسی کچھ بھی نہیں ہوں۔ نہ میں ایسا کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اگر تم نے ایسا کچھ کیا ہے کہ تمہیں اپنا آپ چھوٹا محسوس ہو رہا ہے تو میں تمہارے کچھ نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں اب بھی اپنی دوست سمجھتی ہوں''۔ انابیہ نے جواباً سختی سے کہتے ہوئے اسے جتایا تھا۔ وہ خاموشی سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھی، پھر بولی تھی۔

''انابیہ! تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا...... وہ میں نے کروایا۔ تمہارا کڈنیپ، تمہاری کلائیوں کا کٹنا، سب کچھ''۔ وہ واضح انداز میں بولی تھی اور انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''کیا؟'' اسے اپنی آواز کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''ہاں...... وہ سب میں نے کیا...... بہت بری ہوں میں۔ میں نے کہا تھا نا، تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔ دوست کہلانے کے

لائق نہیں ہوں میں۔ تمہیں اتنا بڑا دھوکا دیا۔ تمہیں اتنا زک پہنچایا۔ صرف اس لیے کہ میں عفنان سے محبت کرتی تھی اور وہ تم سے...... نہیں برداشت کرسکتی تھی میں۔ بہت جلن ہوتی تھی مجھے۔ بہت حسد محسوس ہوتا تھا اور جب تم نے بتایا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس کے لیے اس نے مجھ سے اپنی انگیج منٹ ختم کردی تو میں پاگل ہوگئی۔ نفرت ہونے لگی مجھے تم سے...... تم تب بھی میرے ساتھ مخلص تھیں۔ مجھ سے اتنی ہی محبت رکھتی تھیں، اتنی ہی خیر خواہی سے ملتی تھیں مگر میں...... میں تمہارے حق میں اچھا نہیں سوچ رہی تھی۔ بہت خودغرض ہوگئی تھی میں انابیہ!...... میں نے تمہیں ایک طرح جان سے ہی مار دیا تھا۔ وہ تو عفنان نے تمہیں موقع پر پہنچ کر بچالیا۔ اگر وہ وہاں وقت پر نہیں پہنچتا تو تم آج میری کوئی غلطی سننے کے لیے میرے سامنے نہیں ہوتیں"۔ لامعہ کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

اس کی نظروں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

وہ جس کام کے لیے عفنان علی خان کو الزامات دیتی رہی، اسے برا بھلا کہتی رہی تھی، اس میں قصور سرے سے اس کا کبھی تھا ہی نہیں۔

اس نے ایسا کچھ کبھی کیا ہی نہیں تھا۔

کتنا برا سلوک روا رکھا تھا اس نے اس سے۔

کتنا برا بھلا کہا تھا اسے۔

مگر وہ کبھی اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں بولا تھا اور اس کی یہی خاموشی اسے مجرم ثابت کرتی رہی تھی۔ وہ بدستور اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتی رہی تھی۔ اسے ہی قصوروار مانتی رہی تھی۔

اور حتیٰ کہ خود کو بھی......!

اس نے آج تک اپنا گھر آباد ہونے نہیں دیا تھا۔

اپنا دل آباد ہونے نہیں دیا تھا۔

صرف اپنی دوست کے لیے۔

عفنان علی خان جو اس کا شوہر تھا، جس کے تمام حقوق صرف وہ محفوظ رکھتی تھی، اسے اس نے صرف اس لیے کبھی اپنا نہیں جانا تھا کہ وہ اس پر اپنی دوست کا حق تصور کرتی تھی...... اور وہ دوست......!

"تم مجھے برا بھلا کہنا چاہتی ہو تو کہو انابیہ!...... میں سننا چاہتی ہوں۔ پلیز تم لڑو، جھگڑو مجھ سے۔ مجھے مارو...... میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں دوست کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔ میں کبھی تمہاری ایک اچھی دوست نہیں رہی"۔ لامعہ حق کہہ رہی تھی اور وہ اسے دھندلائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......کچھ پریشان لگ رہے ہیں آپ؟'' زوباریہ نے مظہر سیال سے دریافت کیا تھا۔

''پریشانی کی بات بھی ہے زوباریہ!......میرب کے ساتھ کچھ بھی اچھا نہیں ہوا ہے''۔

''کیا؟......کیا ہوا ہے میرب کے ساتھ؟'' وہ چونکی تھی۔

''وہ خوش نہیں ہے''۔

''یہ کیا بات ہوئی، وہ خوش نہیں ہے......اس سے پہلے تو ایسا اس نے کبھی نہیں کہا اور سبکتگین حیدر لغاری......وہ تو بہت کیئرنگ، لونگ پرسن ہے۔میرا نہیں خیال وہ میرب کو کبھی......''

''ایسا کچھ نہیں ہے زوباریہ! وہ تصویر کا ایک دوسرا رُخ تھا، جو ہم دیکھتے رہے۔سیدھی بات تو یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری ویسا بالکل بھی نہیں ہے۔میں نے یہ رشتہ صرف تمہارے کہنے پر کیا تھا زوباریہ! مجھے تم پر اعتبار تھا''۔

''کیا مطلب اعتبار تھا؟......تو میں نے کیا غلط کیا؟ کیا اب آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں رہا؟......آپ سمجھتے ہیں میں میرب کی خیر خواہ نہیں تھی؟ اگر سبکتگین میں کچھ عیب ہے یا اس نے کچھ برا کیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟ ہم کسی کے باطن کے بارے میں کتنا قیاس کر سکتے ہیں؟'' زوباریہ صاف گوئی سے وضاحت دیتی ہوئی بولی تھی۔تب ہی مظہر سیال کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ معذرت کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''آئی ایم سوری زوباریہ!......مگر میں اپنی بیٹی کے لیے بہت پریشان ہوں''۔

''تو کیا میں اس کے لیے پریشان نہیں ہوں گی اگر مجھے پتہ چلے کہ اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے؟ مگر مجھے پتہ بھی تو چلے''۔

''زوباریہ! سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہماری میرب کو بہت دُکھ دیا ہے لیکن اب مزید میں اپنی بچی کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔میں نے فیصلہ کر لیا ہے''۔وہ فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''کیسا فیصلہ؟'' زوباریہ چونکی تھی۔''دیکھیں مظہر! کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ یہ رشتے بچوں کا کھیل نہیں ہیں۔اتنی جلد بازی کا مظاہرہ ہمیں قطعاً نہیں کرنا چاہیے۔چھوٹی موٹی پرابلم تو بات چیت سے بھی حل ہو سکتی ہے۔آپ جانتے ہیں، نکاح ہوا ہے اس کا......اور اگر خدانخواستہ......آپ جانتے ہیں، ایک نکاح کا ٹوٹ جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ایک شادی کا ٹوٹ جانا......!''

''تو کیا کروں میں؟ جھونک دوں اسے اس جہنم میں جہاں وہ نہ خوش ہے نہ ہی مطمئن؟......جہاں لمحہ لمحہ اسے اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے؟'' مظہر سیال برہمی سے بولے تھے۔

''ایسا میں نے نہیں کہا، لیکن کیا میرب ایسا ہی چاہتی ہے جیسا کہ آپ؟......آپ نے پوچھا ہے اس سے، کیا وہ علیحدگی چاہتی ہے سبکتگین حیدر لغاری سے؟''

''وہ بے چاری کیا کہے گی؟......وہ تو بچی ہے۔ہمارے یہاں کی بچیاں اپنے منہ سے کبھی کچھ کہتی ہیں؟......ہم بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں جس گھونٹے سے چاہیں باندھ دیتے ہیں......جس لاٹھی سے چاہیں ہانک دیتے ہیں بنا ان کی رضا پوچھے، بنا ان کی مرضی

جانے۔ وہ بھی بھلا کبھی کوئی اعتراض کرتی ہیں؟...... اور میرب کے بارے میں کیا میں نہیں جانتا کہ اس نے یہ شادی کس لیے کی؟...... اگر میں اپنی بچی کو فورس نہیں کرتا تو وہ کبھی بھی اس نکاح کے لیے ہاں نہیں کرتی۔ سراسر قصور میرا بھی ہے۔ میں نے ہی کوئی چھان بین نہیں کی...... اس وقت جیسے وہ میرے لیے بھی بوجھ بن گئی تھی۔ میں بھی ایک خودغرض باپ بن گیا تھا مگر اس وقت مجھے خود پتہ نہیں تھا کہ صورتِ حال کیا کروٹ لے گی۔ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ یقین نہ تھا۔ میں اپنی زندگی میں اسے سُکھی اور اپنے گھر کا دیکھنا چاہتا تھا مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ......'' ان کے لہجے میں پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا۔ زوباریہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''ایک بات کہوں...... جتنے خیرخواہ آپ ہیں میرب کے، اگر آپ سمجھیں تو میں بھی اتنی ہی ہوں۔ میں آپ سے اب بھی یہی کہوں گی کہ اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک بار جلدی پہلے میں نے کی تھی اس رشتے کو بنانے میں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری جلدی اب آپ کریں اور پچھتائیں''۔ زوباریہ نے مشورہ دیا تھا مگر مظہر سیال کچھ نہیں بولے تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دیئے تھے۔

☆......☆......☆

''تم...... لیکن تم ایسا کیوں چاہتی تھیں؟...... کیوں چاہا تم نے ایسا لامعہ؟ میرے ساتھ ایسا کر کے تمہیں کیا ملنا تھا؟'' انابیہ شاہ ایک گہرے کرب سے گویا ہوئی تھی۔ اسے اب بھی یقین نہ تھا کہ اس کے ساتھ لامعہ اس قدر برا کر چکی تھی۔

''تم کیا اب بھی نہیں سمجھی انابیہ؟...... کیا تم اتنی ہی بھولی ہو؟'' لامعہ کے لہجے میں ایک عجب طنز سا تھا۔ انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میں تمہیں عفنان علی خان کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی۔ اس دنیا کی نظروں سے چھوٹا ثابت کرنا چاہتی تھی مگر ایسا نہیں ہوا۔ عفنان اس کے باوجود بھی نہ تم سے نفرت کر سکا نہ تمہیں چھوڑ سکا۔ اُلٹا اس نے تم سے شادی کر لی اور میں...... انابیہ! تم مجھ سے نفرت کرو...... میں بہت بری ہوں...... بہت بری ہوں میں...... کبھی تم سے مخلص نہیں رہی۔ کبھی تمہارا بھلا نہیں چاہا...... ایک دوست ہو کر تم سے سب سے بڑا دھوکا کیا''۔ لامعہ حق صاف گوئی سے اسے بتا رہی تھی۔

''اتنا کچھ تھا تو تم نے مجھ سے چھپایا کیوں لامعہ؟...... پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یہ پچھتاوا تمہیں آج کیوں ہوا؟...... یہ گلٹ تمہیں آج ہی کیوں ستانے لگا؟'' انابیہ نے اس سے جواز مانگا تھا۔

''اس لیے کہ تم اپنے بڑے پن کا یہ ہنر چھوڑنے کو قطعاً تیار ہی نہ تھیں۔ تمہیں عادت ہو چکی ہے انابیہ! خوامخواہ اپنی برتری ثابت کرتے رہنے کی۔ اپنا ہاتھ ہمیشہ اوپر رکھنے کی۔ تمہیں ہمیشہ دینے والا ہاتھ بننا پسند ہے اور دُنیا تمہارے لیے بہت چھوٹی اور ادنیٰ ہے۔ تم صرف خود کو نوازنے والا ثابت کر کے عظیم بننا چاہتی ہو اور ایسا ہی تم نے اب بھی کیا۔ تم نے عفنان علی خان کو پا کر مجھے لوٹانا چاہا۔ اسے مجھے دان کرنا چاہا۔ یہ عظمت کا بہت بڑا ثبوت تھا تمہارا۔ مگر میں تم سے نفرت کرتی ہوں انابیہ! نفرت ہے مجھے تم سے۔ نفرت ہے مجھے تمہاری اس نوازنے کی عادت سے اور خوامخواہ بڑا بننے کی عادت سے۔ فار گاڈ سیک انابیہ! انسان بن کر جینا شروع کر دو۔ خدا نہیں ہو تم۔ اتنے بڑے مرتبے پر بیٹھنے کی کوشش کرنا ترک کر دو۔ ورنہ تمہارے پاس کچھ نہیں رہے گا...... خالی ہاتھ رہ جاؤ گی تم''۔ لامعہ حق آنسوؤں کے ساتھ اسے

کہہ رہی تھی اور وہ ساکت، دھندلائی سی آنکھوں کے ساتھ اپنی اس دوست کو دیکھ رہی تھی۔ کیا صلہ دے رہی تھی وہ اسے؟ کیا کرنا چاہتی تھی وہ اس کے لیے اور......

''میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی ہوں، میں نے ایسا کیا کیوں کہ میں خودغرض تھی۔ میری طرح اور بھی سارے لوگ خودغرض ہوتے ہیں۔ تم خودغرض نہیں، یہ غلط ہے۔ آئی ایم سوری انابیہ! اس کے باوجود مجھے پچھتاوا ہے...... تمہارے ساتھ میں نے جو بھی کیا اس نے کبھی مجھے چین سے رہنے نہیں دیا، کیونکہ میں اتنی بری بھی نہیں ہوں۔ مجھے صرف تمہاری اچھائی کے اس ڈھنڈورے نے برائی کرنے پر مجبور کیا لیکن اس کے باوجود مجھے افسوس ہے''۔ لامعہ حق ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کل تم مجھ پر نیکی کرنے چلی تھیں، مجھے اپنا شوہر نواز کر...... آج میں ایک احسان تم پر کرتی ہوں...... تمہارا وہی شوہر تمہیں واپس لوٹا کر...... رشتے کھیل یا کھلونے نہیں ہیں انابیہ! ان سے کھیلنا بند کر دو۔ عظیم بننے کا یہ شوق بہت برا ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید وہ تمہارا دان کیا شوہر واپس نہیں کرتی۔ دوسروں سے شکوے شکایات کرنے سے بہتر یہ ہے انابیہ! کہ تم اپنی غلطیاں تلاش کرو۔ ضروری نہیں کہ ہر بار دوسرے ہی غلط ہوں۔ کبھی کبھی آپ بھی غلط ہو سکتی ہیں''۔ وہ مڑی اور انابیہ شاہ کو اسی طرح ساکت چھوڑ کر باہر نکلتی چلی گئی۔

انابیہ دھندلائی آنکھوں سے اس خالی خالی منظر کو دیکھ رہی تھی۔

کیا ہاتھ آیا تھا اس کے......؟؟

کیا......؟؟؟

☆......☆......☆

میرب کا دل مائی سے بات کرنے کو بہت چاہ رہا تھا۔ اس نے نمبر ملایا تھا، بات کی تھی تب ہی رومیصا کے بارے میں پتہ چلا تھا۔ وہ شرمندہ ہو کر ان کی طرف چلی آئی تھی۔

''مائی! آپ نے مجھے بتایا تک نہیں''۔ اگرچہ شکوہ کرنے کا کوئی حق وہ نہیں رکھتی تھی مگر اتنے تھوڑے سے دِنوں میں جو انسیت اسے رومیصا لغاری سے ہوئی تھی اس پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''بس بچے!...... خدا کو جو منظور...... اور پھر اس کی موت کچھ اتنی غیر متوقع بھی نہیں تھی۔ ہم سب جانتے تھے کہ وہ زیادہ دِنوں کی مہمان نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے تو تمہارے ہوتے ہی جواب دے دیا تھا''۔ مائی اماں نے وضاحت سے بتایا تھا۔ وہ جیسے زمین میں گڑھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری مائی!...... میں وہاں سے اچانک چلی آئی''۔ شرمندگی سے بولتے ہوئے اس نے مائی کو دیکھا تھا تب ہی عین سامنے سے سردار سبکتگین حیدر لغاری آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ دانستہ نگاہ پھیر گئی تھی۔

''خیر ہے بچے!...... جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ کسی کے رُکنے سے یا جانے سے رومیصا کو بچ نہیں جانا تھا۔ وہ بے چاری تو تھی ہی بدنصیب۔ ساری زندگی اس نے ایک عذاب میں مبتلا رہ کر گزار دی۔ نہ کوئی صلہ ملا، نہ سکون...... وہ خالی ہاتھ آئی تھی اور خالی ہاتھ ہی چلی

گئی‘‘۔مائی اماں پھر آبدیدہ ہو رہی تھیں اور آنکھوں سے آنسو تو اس کے بھی رواں تھے۔

’’تم ذرا بیٹھو بچے! میں نماز پڑھ کے آتی ہوں‘‘۔مائی کہتے ہوئے اُٹھ گئی تھیں۔میرب سر جھکائے بیٹھی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے قریب آن رُکا تھا۔

میرب نے سر اُٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ اگر چہ سپاٹ تھا مگر اس کی نظروں میں اسے اپنے لیے آج پہلی بار ناگواری کا تاثر صاف اُبھرا دکھائی دیا تھا جس کی وجہ وہ جانتی تھی۔مائی نے خفگی کا اگر چہ اظہار نہیں کیا تھا مگر گین کی طبیعت سے وہ واقف تھی۔

’’آئی ایم سوری......رومیصا کے بارے میں سن کر‘‘۔

’’وائے؟‘‘اس سے قبل کہ اس کی بات مکمل ہوتی،سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا جملہ کاٹ کر کہتے ہوئے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اتنی خفگی......؟

اتنی بے اعتنائی......؟

اس کا درشت انداز......اگر چہ وہ یہاں جھیلنے نہیں آئی تھی مگر کسی قدر قصور اس کا تھا۔وہ خود کو اس کا قصوروار سمجھتی بھی تھی۔

رومیصا نے اسے رُکنے کے لیے خود کہا تھا۔خود درخواست کی تھی مگر وہ اس کے باوجود وہاں سے چلی آئی تھی۔

’’میں مانتی ہوں غلطی میری تھی......مجھے وہاں سے اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا مگر......‘‘وہ وضاحت دے رہی تھی۔

’’آپ یہ وضاحتیں کس لیے دے رہی ہیں؟......کون تھی وہ آپ کی؟......کچھ نہیں۔کوئی رشتہ نہیں تھا اس کا آپ سے۔اور آپ کو تو اس کی موت کا کوئی افسوس ہونا بھی نہیں چاہیے‘‘۔

انتہائی سفاکی سے کہتا ہوا وہ پہلے سے بہت مختلف سردار سبکتگین حیدر لغاری لگا تھا۔

میرب سیال کے لیے حیرت کا باعث نہیں ہونا چاہیے تھا۔رشتے جس نہج پر چل رہے تھے اس پر سب کچھ ممکن تھا۔کچھ بھی عجب نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ ساکت سی اسے بنا کچھ بولے بھیگی آنکھوں سے تکنے لگی تھی۔اگر یہ لمحہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس لمحے کی تقدیر کچھ مختلف ہوتی۔

شاید یہ ایک لمحہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دل پر کئی بجلیاں لمحے کے ہزارویں حصے میں گرا چکا ہوتا،مگر اس لمحے کی کہانی بہت مختلف تھی۔

نہ تو ان بھیگی پلکوں کا کوئی اثر اس دل پر ہوا تھا نہ اس کی سمت سے کسی ’’عنایت‘‘ کی پیش قدمی ہوئی تھی۔

’’آپ کے یہ آنسو بہت بے کار ہیں میرب سیال!انہیں کسی اور وقت کے لیے سنبھال کر رکھئے۔یہاں ان کی ضرورت نہیں‘‘۔وہ سلگتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اتنی سختی......اتنی بے اعتنائی......اس شخص کے لہجے میں تو کبھی نہیں تھی۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟......کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی پُراعتماد انداز سے اسے تکنے لگی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہیں مس میرب سیال! بچی نہیں ہیں آپ کہ آپ کو ایک ایک شے انگلی پکڑ کر سمجھائی جائے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس تیروں کی جیسے کمی نہیں تھی۔

''کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے؟'' میرب سیال نے پُراعتماد انداز میں کہتے ہوئے سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ ''کھل کر کہیے......کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ وضاحت چاہتی ہوئی بولی تھی، مگر جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں نے اسے جس طرح دیکھا تھا وہ انداز پہلے سے کہیں زیادہ سلگتا ہوا تھا۔

میرب اس شخص کے انداز پر حیران تھی۔ کچھ بھی رہا ہو، اس کا انداز ایسا کبھی نہیں رہا تھا۔

اتنا درشت۔

اتنا سرد۔

آنکھیں آگ برساتی ہوئی تھیں جیسے وہ اسے ایک پل میں جلا کر خاکستر کر دینا چاہتی ہوں۔ میرب اس کی سمت سے کچھ بولے جانے کی منتظر تھی۔ کوئی الزام تھا تو وہ سننا چاہتی تھی۔ کوئی طعنہ بھی تھا تو وہ سہنا چاہتی تھی، مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموش تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا اسے بس دیکھا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

میرب سیال وہاں بیٹھی، ساکت سی اس جانب تکتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

صبح آفس جانے سے پہلے وہ اس کے کمرے میں آیا تھا۔

انابیہ جاگ رہی تھی۔ نگاہ اس پر پڑی تھی، مگر دوسرے ہی لمحے وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ نہ ہمت تھی نہ حوصلہ۔ کیا کیا نہ سوچ لیا تھا اس نے۔ کیا کچھ نہ کہہ دیا تھا۔ اور اب۔

''میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا آپ نے ناشتہ کر لیا ہو تو دوا لے لیجیے''۔ عفنان علی خان نے کہا تھا اور اس کے لیے اس سے نظریں بچائے رکھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

مگر اس بار انداز میں کچھ مختلف نہ سہی، مگر آنکھوں میں موجود تاثر کچھ الگ ضرور تھا جو شاید پہلے کبھی نہیں تھا۔ وہ شرمندہ تھی۔ رنج زدہ تھی۔ رنجور تھی۔ کوئی بھید نہ کھل پایا تھا۔ بس وہ نگاہ اُٹھی تھی اور اس شخص پر ساکت ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا؟......اینی پرابلم؟'' اس کے اس طرح یک ٹک دیکھنے پر عفنان علی خان نے دریافت کیا تھا۔ لہجے میں کوئی ہمدردی تھی نہ انسیت۔

مگر وہ جانے کیوں پھر بھی اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

عفنان اس کی کیفیت سے یقیناً واقف نہیں تھا۔تب ہی اسے کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔

''یواوکے؟''

انابیہ کی آنکھوں میں ایک لمحے میں پانی جمع ہوا تھا اور جانے کیوں فوراً ہی آنکھوں سے باہر بھی چھلک پڑا تھا۔ضبط ہار گیا تھا یا وہ واقعی کمزور لمحہ تھا۔یا پھر وہ اب اپنے آنسو اس سے چھپانا نہیں چاہتی تھی۔رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔

عفنان نے اسے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔کوئی سبب دریافت نہیں کیا تھا۔

''میں رشیدہ کو بھجوا دیتا ہوں......وہ آپ کو ناشتہ بھی کرا دے گی اور دوا بھی یاد سے دے دے گی''۔دوسری طرف اس کے لیے جیسے سب کچھ بہت سرسری تھا۔وہ ڈھنگ سے نوٹس تک نہ لے رہا تھا۔جیسے اس رشتے کی وقعت اس کے لیے واقعی ختم ہوگئی تھی،جیسے وہ تعلق اس کے لیے اب کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔جیسے وہ اب اس کی کچھ نہیں رہی تھی۔

وہ عجلت سے کہہ کر پلٹنے لگا تھا جب وہ بول پڑی تھی۔

''نہیں......'' گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا تھا۔بولنا چاہا تھا مگر وہ بے بسی کے انداز میں چہرہ پھیر گئی تھی۔عفنان نے اس کیفیت کو چپ چاپ دیکھا تھا۔

وہ رنجیدہ تھی۔

مگر اسے پرواہ تک نہ تھی۔انابیہ نے خود اپنا حوصلہ آپ بندھاتے ہوئے ایک لمحے کو خود کو بولنے کے قابل بنایا تھا۔

''اس......اس کی ضرورت نہیں ہے......میں ٹھیک ہوں''۔

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔نہ کوئی تفصیل طلب کی تھی،نہ ہی کوئی وضاحت چاہی تھی،جیسے اسے ان آنسوؤں کے اسباب جاننے کی سرے سے کوئی فکر ہی نہ تھی۔وہ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ چہرہ پھیرے بھیگے چہرے کے ساتھ،خالی خالی آنکھوں سے خالی منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......کیا سوچ رہے ہو تم؟'' اذہان کو کسی قدر خاموش دیکھ کر ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔وہ چونکا تھا،پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......کچھ نہیں''۔

''رئیلی؟'' ساہیہ نے بہت سرسری انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ہوں......'' اذہان نے کافی کا سِپ لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ساہیہ کچھ کہے بغیر اس کی جانب سے نگاہ ہٹا گئی اور

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں کیا لگا، میں کیا سوچ رہا ہوں؟'' انداز میں کسی قدر شگفتگی تھی۔ ساہیہ نے اسے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے......!'' انداز اعتماد سے بھرپور تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ٹھہرو...... میں آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنا ہنی مون پلان کر رہا تھا''۔ غالباً وہ اسے مطمئن کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لانا چاہ رہا تھا۔ مگر جانے کیوں وہ مسکرا نہیں سکی تھی۔

''اچھا......؟'' وہ جیسے یقین کرنا چاہ رہی تھی۔

''بائے دی وے، ہم شادی کب کر رہے ہیں؟'' اس کے خاموش رہنے پر ایک عجیب طنز سے وہ مسکرائی، مگر وہ دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''تم جب کہو...... ابھی......؟'' وہ شرارت کے موڈ میں دکھائی دیا تھا۔

''کم آن اذہان!'' وہ مسکراتے ہوئے کسی قدر اُکتائے ہوئے انداز میں چہرہ پھیر گئی جیسے اس کے کہے پر ایک فی صد بھی اعتبار نہ ہو۔

''کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟'' اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اذہان نے دریافت کیا تھا۔ وہ بہت بجھے ہوئے سے انداز میں جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''ہے......!'' اس نے بلاتامل کہا تھا۔

''پھر......؟'' اذہان نے استفسار کیا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ وہ ٹالتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ ''کچھ نہیں...... تم کچھ بتا رہے تھے''۔ وہ جیسے اس موضوع سے ہٹنا چاہتی تھی۔

اذہان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو تم؟''

''کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ اعتبار کرنا شاید اتنا آسان نہیں''۔

''اعتبار کرنا آسان ہے مگر اس کے بعد کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ آسان نہیں۔ ڈر لگتا ہے۔ لمحہ لمحہ خوف میں بسر ہونے لگتا ہے''۔

''کیوں......؟'' اذہان نے دھیمے لہجے میں دریافت کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ''جب اعتبار ہو تو پھر ڈر کیسا؟''

''پتہ نہیں''۔

''کیا لمحہ لمحہ تجدید وفا کرنا ضروری ہے؟'' اذہان نے مدھم لہجے میں وضاحت چاہی تھی۔

''ہاں''۔ ساہیہ نے بلاتامل کہا تھا۔ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا ضروری نہیں؟''

”نہیں...... میرے خیال میں یہ سب بہت ضروری ہے۔ سو میں بھی یہی چاہوں گا...... بار بار، ہر بار یہی کہنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں......قریب ہوں......سو ٹرسٹ می“۔ اذہان نے مدھم لہجے میں اسے یقین دلایا تو وہ مسکرادی۔

”میں جانتی ہوں“۔ وہ مسکرائی تھی مگرانداز بہت پھیکا تھا۔”تم میرب کی طرف گئے......کیا ہوا؟“ اس نے یک دم موضوع بدل دیا تھا۔

”کیا مطلب، کیا ہوا؟“ وہ چونکا تھا۔

”وہ ٹھیک ہے نا؟“ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔”تم ہی تو بتا رہے تھے وہ کچھ پریشان تھی“۔

”ہاں......نہیں، میں اس کی طرف نہیں گیا۔فون پر بھی بات نہیں ہوئی۔ کچھ مصروفیت زیادہ رہی۔ دھیان ہی نہیں رہا...... چلو میں تمہیں چھوڑ دوں“۔

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں چلی جاؤں گی“۔ وہ مروت سے مسکرائی تھی۔ اُٹھنے کی کوشش کی تھی جب اذہان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

ایک انوکھے سے احساس نے جیسے اسے چھوا تھا۔ نگاہ اُٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے یا آنکھوں میں کوئی خاص آہنگ نہ تھا۔

”میں تمہیں چھوڑ دوں گا......اعتبار کرنا سیکھ لو ساہیہ! میں دل توڑنے کا عادی نہیں“۔ کہتا ہوا وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ساہیہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

گاڑی کے ساکت ماحول میں سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ گی اس کے برابر میں بیٹھی تھی، مگر اس میں اس سے پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اَپ سیٹ تھا۔ یہ وہ جانتی تھی۔ کیوں تھا، یہ نہیں جانتی تھی۔ کس کے باعث تھا، یہ بات بھی اس کے علم میں نہیں تھی۔

”گین......!“ وہ اسے پکارنا نہیں چاہتی تھی لیکن باز نہیں رہ سکی تھی۔

”ہاں......!“ وہ ایک لمحے میں چونکا تھا۔

”مجھے میرب سے ملنا ہے۔ تم اس کی طرف گاڑی لے جا سکتے ہو؟“

”کیا؟“ وہ اس کے سوال پر چونکا تھا۔

”ہاں...... مجھے میرب سے ملنا ہے“۔ وہ اسی قدر اطمینان سے گویا ہوئی تھی۔

”کیوں؟......کس لیے؟“ استفسار کیا تھا۔ لہجہ بے تاثر تھا۔ گی نے اسے تشویش سے دیکھا تھا۔

”کیا مطلب؟ ملنا ہے مجھے اس سے۔ کیا میں اس سے نہیں مل سکتی؟“ اُلٹا سوال کر دیا تھا۔ گین کوئی جواب دیئے بغیر ونڈ اسکرین

سے اس پار دیکھنے لگا تھا۔

"گی!...... مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔ بہت پرواہ کرتا ہوں میں تمہاری۔ پلیز مجھے ایسا کرنے کو مت کہو جو میں تمہارے لیے نہ کرنا چاہوں یا نہ کر سکوں"۔ اس کی طرف دیکھے بغیر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔ لہجہ اتنا قطعی تھا کہ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اتنے قنوطی مت بنو گین! وہ تمہاری اپنی ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے"۔ گی نے اسے اس کی لاپرواہی کا احساس دلانا چاہا تھا۔

"ہاں، جانتا ہوں گی!...... مجھے ری مائنڈ کروانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے میں کن رشتوں میں بندھا ہوں اور کس کس بات کا پابند ہوں"۔

"اگر تم پابند ہو گین! تو پھر اس طرح کیوں کر رہے ہو؟" گی نے بے یقینی سے کہا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں میں؟" ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

گی جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ اس کی کیفیت کو کس قدر سمجھ رہی تھی۔ فوری طور پر وہ کچھ بھی بول کر اسے مزید اَپ سیٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ اس کی دوست تھی۔

خیر خواہ تھی۔

وہ چہرہ کھڑکی کی طرف کیے چپ چاپ بیٹھی تھی جب گین اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"گی! مجھے رشتوں کو بنانا بھی آتا ہے اور انہیں نباہنا بھی۔ میں اپنے رشتوں کے لیے بے خبر رہ سکتا ہوں نہ بے پرواہ"۔

"میں جانتی ہوں گین!...... تم ایسے نہیں ہو، مگر پلیز رشتوں کو سمجھنا بھی سیکھو۔ یہ ایسی ڈور ہے جو کھینچو تو ٹوٹ جاتی ہے۔ خود کو نہیں، اپنے دل کے معاملات کو سنوارنے کا موقع دو۔ تمہارا دل کبھی کچھ غلط نہیں کہے گا۔ دل کے معاملات دل پر چھوڑ دو۔ عقل کو اپنے کام کرنے دو اور دل کو اپنے"۔

"گین! دل کو اپنا پابند بنانا چھوڑ دو"۔

"نہیں چھوڑ سکتا گی!...... بہت من مانی کرتا ہے یہ۔ مانے گا نہیں"۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بہت اُلجھے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

گی اس کے چہرے کو پڑھنے کے جتن میں چہرہ پھیر گئی تھی۔ اس کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں اور آنکھیں بالکل بے تاثر تھیں، مگر وہ جانتی تھی اس وقت اس کا ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا۔

گاڑی ایک نامعلوم جگہ پر رُکی تھی۔ گی نے اسے چونک کر دیکھا تھا، تب ہی وہ اس کی طرف دیکھے بغیر دھیمے لہجے میں بولا۔

"تم میرب سے مل لو...... میں کچھ دیر بعد واپس آ کر تمہیں یہاں سے پک کر لوں گا"۔

تو اس نے گاڑی کو میرب کے گھر کے سامنے روکا تھا؟...... وہ خود اتنا سپاٹ اور بے تاثر دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے کوئی واسطہ ہی

نہ ہو، جیسے اس سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ وہ اتنا بے تاثر کیوں بن رہا تھا؟

جہاں تک وہ جانتی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری محبت میں مبتلا ہو چکا تھا، تو پھر اب یہ اتنی سرد مہری اچانک کہاں سے آ گئی تھی؟......گی بالکل بھی نہیں سمجھ پائی تھی مگر اس نے بِنا کوئی آرگومنٹ اُترنے کے لیے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

''تم اندر نہیں آؤ گے؟''

''نہیں......مگر تمہیں واپس لینے ضرور آؤں گا''۔ بے تاثر لہجہ سرد ترین تھا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی گاڑی سے نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی زن سے آگے بڑھا لے گیا تھا۔

ایسا اچانک کیا ہوا تھا؟

گی بالکل سمجھ نہ پائی تھی۔

☆......☆......☆

''اذہان! ساہیہ بتا رہی تھی تم ہنی مون کے لیے جگہ کا انتخاب کر رہے ہو۔ تو کیا شادی کر رہے ہو؟'' فارحہ کے ساتھ بیٹھی اگینے نے دریافت کیا تو اس نے نیوز پیپر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''آف کورس......شادی تو ہمیں کرنا ہی ہے''۔

''کب؟......تم نے مجھے بھی نہیں بتایا؟'' فارحہ نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ پاس بیٹھی ماہا سے کہنے لگا۔

''ماہا! مجھے چائے مل سکتی ہے؟''

''جی بھائی''۔ وہ فوراً اُٹھی تھی۔

''ذرا جلدی......سر میں تھوڑا درد ہے''۔

''سر میں درد ہے تو ڈاکٹر کو فون کرو۔ یہ تم آج کل کے بچے بھی نا......چھٹی کا ایک دن ہے، اسے بھی آرام کرتے ہوئے نہیں گزار سکتے۔ کیا ضرورت تھی رات گئے تک باہر رہنے کی''۔ فارحہ نے ڈپٹا تھا۔

''بھابی! کرنے دیں انجوائے۔ شادی کے بعد تو ساری کسر نکل جاتی ہے۔ بندہ کسی اور طرف دیکھنے لائق بھی نہیں رہتا۔ کیوں اذہان! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟'' اگینے نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''جی اگینے!......بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ......میں واقعی آنے والے خطرات سے پہلے ہی حفاظتی اقدامات کر رہا ہوں''۔ وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے کچھ بھاری سے تھے۔ وہ اخبار ایک طرف رکھ کر ہاتھ سے کنپٹی کو دبانے لگا تھا۔ ماہا چائے لے کر آ گئی تھی۔

''شاباش گڑیا!......جب تم بیاہ کر اپنی سسرال چلی جاؤ گی تو میں سب سے زیادہ تمہاری اس کوئیک سروس کو مس کروں گا۔ بہنیں

دُنیا کی وہ واحد مخلوق ہوتی ہیں جو بھائی کی آواز پر سب سے پہلے اور بہت جلد لبیک کہتی ہیں''۔وہ مسکرایا تھا۔

ماہا مسکرائی تھی۔چہرے پر کچھ رنگ بکھر گئے تھے۔

''کہیں نہیں چھوڑ کر جا رہی میں آپ کو''۔محبت سے کہتے ہوئے بھائی کے سر کو دبانا شروع کر دیا تھا۔

''ارے نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔تم رہنے دو۔تمہارے ہاتھ کی چائے میں ہی اتنا جادو ہے کہ ایک پل میں سارا درد رفع کر دے گی''۔بہت محبت سے بہن کو منع کیا تھا۔ماہا اس کے کہنے کے باوجود سر دباتی رہی تھی۔

''بہنیں کتنی اچھی ہوتی ہیں،اس کا احساس تمہیں ماہا کے چلے جانے کے بعد ہوگا''۔اگینے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں......مگر یہ جائے گی تو میں اس کی بھابی لے آؤں گا۔بس یہ جلدی سے اپنے گھر کی ہو جائے''۔مسکراتے ہوئے بہن کو چھیڑا تھا۔

''ارے،آپ مجھے نکال کر بھابی کو لائیں گے؟''

''ہاں......ورنہ تم اپنی بھابی سے جھگڑا جو کرو گی''۔

''ارے واہ......ابھی سے اپنی دُلہن کا اتنا خیال ہے اور میری معصوم بچی''۔فارحہ نے محبت سے گھر کا تو وہ مسکرا دیا۔

''بری بات ہے اذہان!......بہن کتنی اچھی ہوتی ہے،اس کا احساس تمہیں اس کی شادی کے بعد ہوگا''۔اگینے نے بھی مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

''ارے واہ۔کوئی ساہیہ کی سائیڈ لینے کو تیار ہی نہیں۔اگر میں اسے ڈی فنڈ نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟''اس کے انداز میں شرارت تھی جسے محسوس کرتے ہوئے سب ہی مسکرا دیئے تھے۔

''یہ تو بتاؤ،شادی کب کر رہے ہو؟......کیا واقعی تم تیار ہو؟''اگینے نے پوچھا تھا۔

''ہاں......تیار ہوں مگر کچھ کام نمٹانے کے بعد''۔

''ارے،میں تو خوش ہو رہی تھی۔ایک اچھی خبر ہاتھ لگی تھی اور تم انکاری بھی ہو گئے''۔فارحہ نے تشویش سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''میں مکر نہیں رہا ممی!......یہیں ہوں۔اگر میں نے منگنی کی ہے تو شادی بھی کروں گا۔اس رشتے کو میں نے خود بنایا ہے۔کیسے توڑ سکتا ہوں؟''

''ہم جانتے ہیں اذہان!تم کبھی کوئی کام غلط کر ہی نہیں سکتے۔ساہیہ خوش قسمت ہے کہ اسے تم جیسا سمجھدار لڑکا ملا ہے''۔اگینے بولی تھی۔اور وہ ایک کرٹسی سے مسکرا دیا تھا۔تب ہی اس کا سیل فون بج اُٹھا۔ایک جانے پہچانے نمبر کو دیکھ کر وہ قصداً وہاں سے اُٹھ گیا تھا۔

''ایکسکیوز می''۔وہ چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

کوئی گناہ نہیں کر رہا تھا وہ۔مگر جانے کیوں اندر ایک عجیب سا احساس اُبھرا تھا۔

''ہیلو میرب!......کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی''۔ میرب نے شکوہ کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ دل عجیب سا کھنچ رہا تھا۔ اضطرابیت کچھ بڑھ رہی تھی۔

آ قریب آ
تجھے دیکھ لوں
تجھے جان لوں...... تجھے باندھ لوں
اِک اَن دیکھی کچی ڈور سے
آ قریب آ
میرے دل کا خالی کمرہ
ہے ایک دیے کا منتظر
تُو قریب آ
تجھے چھو لوں میں
میری تمازتوں کو سکون ملے
آ قریب آ
اِک دیا جلا
میرے ویرانے ہیں منتظر
میرے دل کے کونے یہاں وہاں
ہیں تیرے قدموں کے منتظر
میرے زاویے، میرے حاشیے
ہیں تیری ایک نگاہ کے منتظر
میرے راستوں کو باندھ لے
مجھے اپنے سنگ لے کر چل
میں تیرا ٹھہرا وقت ہوں
آ قریب آ
مجھے اپنی مٹھی میں تھام لے

تُو نظر ملا

میری روح کو تن سے کھینچ لے

میری نگاہ کو خود سے باندھ لے

میری اضطرابیوں کو قرار دے

مجھے اِک نئی بہار دے

میری جلتی بجھتی خواہشوں کو

اپنے لمس سے زندہ کر

آ چھو لے مجھے

پھر اِک بار مجھے زندہ کر

میں تیرا ٹھہرا وقت ہوں

میرے ساتھ رہ

میرے ساتھ چل

آ قریب آ

''اذہان......!'' وہ کھویا کھویا سا کھڑا تھا جب میرب نے اسے پکارا تھا۔ اس کی ساکت نظروں میں حرکت ہوئی تھی۔ جامد لبوں میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ ایک لمحے میں خود سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی دُنیا میں آیا تھا۔

''ہاں......میں یہاں ہوں۔ کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی......تم ہی چپ تھے''۔ وہ دوسری طرف مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''ہاں......شاید ہم دونوں ہی چپ تھے''۔ اذہان کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

''ہاں شاید......!'' میرب نے بھی اسی کا کہا دہرایا تھا۔

''باہر بارش ہو رہی ہے''۔ میرب نے قدرے توقف سے اطلاع دی تھی۔

''ہاں...... یہاں بھی''۔ اذہان نے تائید کی۔

''فارحہ آنٹی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں......سب مس کر رہے ہیں تمہیں۔ ایک عرصے سے چکر نہیں لگایا تم نے''۔ دونوں کے پاس بات کرنے کو جیسے کوئی موضوع نہ تھا۔

''ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو تم''۔ وہ بھی مروت سے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''آج آ جاؤ...... ممی بھی تمہیں پوچھ رہی تھیں''۔

''تم نے بتایا تھا انہیں؟'' وہ چونکی تھی۔

''نہیں، سب کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ تم ملی ہو''۔

''رائٹ...... پلیز، انہیں کچھ مت بتانا اذہان!...... میں جانتی ہوں انہیں دُکھ ہوگا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں''۔

''ایک بات پوچھوں؟'' اذہان نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا؟'' وہ دوسری جانب چونکی تھی۔

''تمہیں لگا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا؟'' ایک مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔

''کیا......؟'' وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

''کچھ نہیں...... تھنگ...... میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم اپنا درد اسی سے بانٹتے ہیں جس سے ہم سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں''۔ اذہان نے بات کو بہت آہستگی سے سنبھالا تھا۔

وہ دوسری جانب کچھ نہیں بولی تھی۔

وقت ان کے درمیان بہت خاموشی سے ایک کہانی لکھ رہا تھا۔

پہر ساکت تھے۔

''اذہان! میں چکر لگاؤں گی وقت نکال کر۔ تم فارحہ آنٹی کو میرا اسلام کہنا۔ اور ساہیہ کیسی ہے؟'' وہ ایک لمحے میں اسے جتاتے ہوئے اس کو موجودہ وقت میں کھینچ لائی تھی۔

''شی اِز آل رائٹ۔ میں تمہیں پھر کال کروں گا''۔

''بائے اذہان!'' دوسری طرف آواز کا سلسلہ منقطع ہوا تھا اور اس طرف اُلجھنیں کچھ اور بڑھ گئیں۔

آ قریب آ

تجھے دیکھ لوں

تجھے اپنے دل میں رکھ لوں

آ قریب آ

کیسی کیسی خواہشیں اندر سر اُبھار رہی تھیں۔

وہ متواتر خود کو جھٹک رہا تھا۔ باور کرا رہا تھا۔

مگر دل جیسے ضدی بچہ بن گیا تھا۔

☆......☆......☆

"کل وہ جو لڑکی آئی تھی، وہ کیا لگتی ہے سبکتگین کی؟" کھانے کی ٹیبل پر مظہر سیال نے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چونک پڑی تھی۔

"وہ...... پاپا!...... وہ گی ژیانگ ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دوست"۔

"یہ وہی دوست ہے جو اس کے ساتھ رہ رہی ہے؟"

"جی پاپا!" وہ سر جھکا کر مجرم انداز میں ایسے کہہ رہی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔

"وہ یہاں کیوں آئی تھی؟"

"ارے آپ بھی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر وہ یہاں آ گئی"۔ زوباریہ مداخلت کرتی ہوئی بولی تھی۔

"زوباریہ ٹھیک کہہ رہی ہیں پاپا! آپ کو خود کو ریلیکس رکھنا ہے۔ یوں بھی وہ یہاں صرف مجھ سے ملنے آئی تھی اور میری خیریت دریافت کرنے"۔ میرب نے مدھم انداز میں کہا تھا اور کھانے کا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

"ایکسکیوز می"۔ وہ بولی تھی اور اُٹھ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

زوباریہ اور مظہر سیال ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

بارش کی بوندوں کو اس نے چپ چاپ ہاتھ پر لیا تھا۔ سارا اندر جیسے جل رہا تھا، مگر ان بوندوں کے لمس نے اس احساس کو کچھ اور بھی سوا کر دیا تھا۔

وہ کھڑکی میں چند منٹوں تک یوں ہی ساکت سی کھڑی رہی تھی۔ پھر زوباریہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"زوباریہ! میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔ پاپا سے کہنا پریشان نہ ہوں"۔

"ہاں، ٹھیک ہے...... مگر ذرا جلدی واپس آ جانا...... موسم اچھا نہیں ہے۔ جانے کب یہ بوندا باندی تیز بارش کی صورت اختیار کر لے"۔ زوباریہ نے نصیحت کی تھی۔ وہ سر ہلاتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

عجب اضطراب اس کے اندر سر اُٹھا رہے تھے مگر وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی ہے۔

سر کو جھٹک کر جیسے تمام سوچوں سے نکلتی ہوئی وہ چل پڑی تھی۔

اس طرح بوندوں میں بھیگتے ہوئے چلنا اچھا لگ رہا تھا۔

"مکمل کر دو......"

ایک مدھم سرگوشی...... اچانک اس کے اندر کے سناٹوں میں اُبھری تھی۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں ایک پل میں انتشار برپا

ہوا تھا۔ اِرد گرد لوگ تھے...... راستہ ویران نہ تھا۔ کئی اور لوگ بھی واک کر رہے تھے...... موسم سے حظ اُٹھا رہے تھے۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ بوندیں تیزی سے برسنے لگی تھیں مگر وہ اپنے آپ میں گم صم سی تیز تیز قدموں سے چلتی چلی گئی تھی۔ جیسے وہ اپنے آپ سے بھاگ رہی ہو۔

''محبت کرنے لگی ہو مجھ سے؟''

اُس کے اندر کے سناٹے میں ایک اور سرگوشی اُبھری تھی۔ اس نے تیزی سے قدم اُٹھائے۔ تب ہی بری طرح کسی سے ٹکرا گئی تھی۔

''مکمل کر دو......'' ایک بازگشت بنی تھی اس کے اندر۔

ایک مانوس جانی پہچانی خوشبو نے اسے چھوا تھا۔

ایک مانوس لمس کی تپش اسے ایک پل میں بیدار کر گئی تھی۔

اس نے معاً سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔

''مکمل کر دو''۔ ایک سرگوشی اندر ہی اندر کہیں من مانی کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا اور اسے اپنی آنکھوں پر حیرت کا گمان گزرا تھا۔

وہ جن آہٹوں کو سننا نہیں چاہتی تھی...... جن آوازوں سے بھاگ رہی تھی...... جن سرگوشیوں سے بچنے کے لیے سرپٹ دوڑ رہی تھی...... اس گھڑی وہی اس کے سامنے تھا۔

برستی تیز بارش میں سر اُٹھا کر اس نے دھندلے منظر میں اس چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے اس کی گرفت میں تھی۔ اس کا حصار اس کے گرد تنا تھا۔ وہ اس لمحے جیسے ایک مضبوط آہنی پناہ میں تھی۔

اس عجیب سے احساس نے اس کے اندر سر اُبھارا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ بہت آہستگی سے اس کے گرد سے اپنا حصار ہٹا کر آزاد کر دیا تھا۔

''صاحب! گاڑی میں کوئی بڑا فالٹ لگتا ہے۔ آپ کہیں تو ورکشاپ پہنچا کر آپ کے لیے کیب کا بندوبست کر دوں؟'' ڈرائیور نے بونٹ پر سے سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ڈرائیور کو ہدایت دے کر ایک لمحے میں اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے لے کر چلتا ہوا املتاس کے گھنے پیڑ تلے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ایک میکانکی انداز میں اس کے ساتھ چلتی ہوئی یہاں تک آئی تھی۔

گھنے پیڑ کی چھتری تلے کھڑی وہ اسے عجب گم صم سی دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چپکے سے اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر کچھ دیکھے بغیر دھیان پھیر گیا تھا۔

کیسی قربت تھی۔

کیسی دوری تھی۔

اُلجھی اُلجھی سی۔
تھوڑی اَن کہی۔

میں محبت ہوں
ایک میٹھی سرگوشی ہوں
سنو مجھے
دل کی لے پر گنگنا دو مجھے
گیت کوئی سمجھ کر گا لو مجھے

میں محبت ہوں

سارا منظر دُھند میں لپٹا ہوا تھا۔ بارش کی بوچھاڑ انہیں بھگو رہی تھی۔ سارا منظر بارش میں لپٹا ہوا تھا۔ تمام منظر بھیگ رہا تھا، مگر وہ ایک دوجے کے قریب کھڑے ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔

درمیان میں کچھ تھا کہ نہیں۔

نظروں میں اتنی دُھند تھی کہ کچھ ڈھنگ سے دکھائی تک نہ دے رہا تھا۔

دل سے دل کچھ کہہ رہا تھا تو سنائی نہیں دے رہا تھا۔

محبت درمیان تو ہے مگر اس کے کچھ بولنے میں، چپ کے بھید کھولنے میں، ابھی کچھ دن لگیں گے۔

''مائی...... مائی کیسی ہیں؟'' میرب سیال نے اس خاموشی کو بالآخر توڑا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس پر نگاہ ڈالے بغیر۔ جیسے وہ خوف زدہ تھا۔ اس پر نگاہ ڈالے گا تو ہار جائے گا۔

''ان کی بہت یاد آ رہی تھی''۔ وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے وہ کسی طرح کی مروت نبھانے پر بھی مائل نہ تھا۔

اس کے سرد رویے پر جانے کیوں میرب سیال کے اندر ایک عجیب سے احساس نے سر اُبھارا تھا۔ آنکھیں نمی سے بھر گئی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے یک دم پلٹی تھی۔ ارادہ وہاں سے نکل جانے کا تھا۔

جب وہ قریب تھا...... اور اس کے باوجود صدیوں کے فاصلے پر رُکا تھا، تو پھر کیا جواز باقی بچتا تھا۔ اس املتاس کی گھنی چھتری تلے، اس کے ساتھ کھڑے رہنے کا؟...... وہ اس سے دور نکل جانے کے خیال سے پلٹی تھی مگر تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ جتنا بے خبر دکھائی دے رہا تھا، غالباً اتنا تھا نہیں۔

اس بے دھیانی میں بھی اس کے سارے دھیان از بر کیوں تھے۔

وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اُلجھن سے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ نظر سے نظر ملی تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اس شخص کی نگاہ میں اس گھڑی کیا تھا؟...... کچھ تھا بھی کہ نہیں۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت بدستور موجود تھی۔

''میں تمہیں چھوڑ دوں گا''۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

میرب سیال نے اس کی گرفت میں موجود اپنی کلائی کو دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کیا تھا اور پھر یک دم ہی اس کی کلائی کو اپنے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔

اس ایک لمحے میں باقی کچھ نہیں رہا تھا۔ صرف ایک جلتا بجھتا احساس باقی رہ گیا تھا۔ صرف ایک جلتا ہوا لمس۔ جسے وہ دیکھ بھی سکتی تھی اور محسوس بھی کر سکتی تھی۔

''ڈرائیور کیب لے کر آ رہا ہے۔ موسم اچھا نہیں۔ آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں''۔ وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا بہت سرسری سے لہجے میں وضاحت دے رہا تھا۔ میرب سیال جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔

''آپ...... آپ زحمت نہ کریں۔ گھر یہاں سے کچھ زیادہ دور......''اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اقدام پر جواباً وضاحت کی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہت سرد نظروں سے دیکھا تھا۔

''مجھے زحمت نہیں ہوگی''۔ انداز اتنا قطعی تھا کہ وہ اس کے بعد مزید کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

دُھند میں لپٹے وہ لمحے دِل کش ترین تھے۔

وہ ان مناظر میں اس کی ذات کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس کی کچھ نہیں تھی۔ ایک احساس اندر ہی اندر کچو کے لگانے لگا تھا۔

''مکمل کر دو......''ایک مدھم سرگوشی اندر کہیں سر پٹخنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جانے کیوں جھر جھر پانی بہنے لگا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیان پھیرے اس سے بالکل بے خبر کھڑا تھا۔ چند ہی لمحوں میں کیب ان کے قریب آن رُکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بارش سے بچنے کے لیے اپنی جیکٹ اُتار کر اگلے ہی پل اس کے شانوں پر ڈال دی تھی۔

کیا تھا یہ؟

کیسا احساس تھا؟

ایسا کرنے کے بعد وہ بِنا اس کی طرف دیکھے، بِنا اس کو پکارے یا بلائے چلتا ہوا کیب کی جانب بڑھ گیا تھا۔ گھنے املتاس کی چھتری تلے اس کی جیکٹ کے حصار میں کھڑی وہ چپ چاپ اونچے لمبے، چوڑے شانوں والے اس بندے کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیب کا دروازہ کھول کر اسے خاموشی سے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کی درخواست ماننا ضروری تھا اور تقلید کرنا بھی۔ فاصلہ زیادہ تو نہیں تھا، مگر قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

بارش نے بھرم رکھ لیا تھا۔ چہرہ آنسوؤں سے کتنا بھیگا ہوا تھا مگر دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ چپ چاپ کیب میں بیٹھ گئی اور رُخ کھڑکی

کی طرف موڑ کر باہر کا منظر دیکھنے لگی تھی۔ آنکھوں کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ بھر بھر آ رہی تھیں اور وہ خود کو روک بھی نہیں پا رہی تھی۔

اچانک سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا تو وہ چونکی۔ وہ بنا اس کی جانب دیکھے اپنا رومال اسے پیش کر رہا تھا۔

کیسا چارہ گر تھا یہ۔

کیسا ہمدرد تھا یہ۔

اس عنایت کا وہ کیا مطلب لیتی؟

ہاتھ جھٹک دیتی یا تھام لیتی؟

وہ اس کے آنسوؤں سے بے خبر نہیں تھا۔ جب ہی تو؟

وہ اس کے آنسو پونچھ لینے کا خواہاں تھا تو؟

جب بے خبر بھی نہیں تھا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک نہیں سکی تھی۔ ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے ہاتھ سے وہ رومال چپ چاپ لے لیا تھا۔

اگر وہ خیر خواہی پر بضد تھا تو وہ کیونکر ہاتھ جھٹکتی؟ اور اس سے فائدہ بھی کیا تھا؟

☆......☆......☆

"کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟" عفنان نے کھانے کی ٹیبل پر اس سے دریافت کیا تھا۔ اس نے چونک کر اس شخص کی جانب دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ماما کا فون آیا تھا پوچھ رہی تھیں"۔ سرسری لہجے میں مطلع کیا تھا۔

"آپ نے کیا کہا؟" انابیہ نے آہستگی سے سر اُٹھایا تھا۔

"بتا دیا، آپ ٹھیک ہیں"۔

"اور......؟"

"اور کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"وہ کیسی ہیں؟...... پاپا کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں"۔ عفنان کا لہجہ بہت سرسری سا تھا۔

"ماما کہہ رہی تھیں اگر تمہیں کہیں باہر جانا ہو تو......"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں"۔

"ایز یو وِش"۔ عفنان نے شانے اُچکا دیئے تھے۔ وہ قدرے توقف سے بولی تھی۔ "لامعہ سے بات ہوئی آپ کی؟"

"نہیں۔ کیوں؟" وہ چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''نہیں......''انابیہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور آہستگی سے بولی تھی۔''کچھ نہیں''۔

''اوکے''۔عفنان نے دوسرے ہی پل لاتعلق دکھائی دیتے ہوئے اسے کریدنا ضروری نہیں سمجھا تھا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

''کسی شے کی ضرورت ہو تو؟''عفنان علی خان نے ایک رسمی پیش کش کی تھی۔اس نے پھر سرنفی میں ہلایا تھا۔وہ اُٹھنے لگا تھا جب اس نے ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔عفنان علی خان چونکا اور اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا مگر وہ سر جھکا ہوا تھا۔وہ اس کی کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔دوسری طرف انابیہ کو بھی اپنی حماقت کا پورا احساس ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری......مگر میں''۔اس کی جانب دیکھے بغیر وہ ایک انجان سی وضاحت دیتی ہوئی اس گھڑی ایک لمحے میں بکھرتی دکھائی دی تھی۔عفنان نے اسے بنا کچھ کہے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔

''میں گھر جانا چاہ رہی تھی۔بہت دِنوں سے اس طرف نہیں گئی''۔وہ سر جھکائے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے۔آپ تیار ہو جائیں''۔وہ سرد سے لہجے میں کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔انابیہ سر جھکائے ٹیبل کی سطح کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

ایک لمحے میں زندگی کی دوڑ اس کے ہاتھ سے باہر تھی۔

ایسا تو نہیں سوچا تھا اس نے......!!

اس کا کوئی رشتہ بھی اپنا نہیں رہا تھا۔

نہ عمر بھر کی رفاقت

نہ دوستی

نہ محبت

پتہ نہیں قصور اس کا تھا یا قسمت ہی اس کے ساتھ ایسی چال چل رہی تھی۔

لامعہ نے کہا تھا، وہ غلط ہے۔ایک طرح سے لامعہ نے تمام کا تمام ذمہ دار اسے ٹھہرایا تھا اور تب سے وہ اپنا محاسبہ کرنے میں لگی ہوئی تھی کہ سارے رشتے اس سے بدظن ہو گئے تھے۔

سارے دل کے تعلق دور ہو گئے تھے۔

وہ محبت کی جنوں خیزی نہ رہی تھی۔

وہ پہلی سی محبت نہ رہی تھی۔

وہ دوستی بھی باقی نہ رہی تھی۔

لامعہ کے الفاظ اب بھی اسے برچھیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔

غلطی اس سے ہوئی تھی۔ وہ فقط اتنا یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا۔

عفنان کے کہنے پر وہ تیار ہو کر باہر آئی تو بارش ہو رہی تھی۔ وہ کسی قدر حیران تھی۔ جانے اِرد گرد سے اتنی بے خبر کیسے ہوئی کہ کچھ خبر ہی نہ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں، وہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ کر بارش کو دیکھنے لگی تھی۔ سارا لان بھیگ رہا تھا۔

عفنان باہر آیا تو اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ سر جھکائے کچھ بکھری بکھری سی دکھائی دے رہی تھی۔

کیا ہوا تھا؟ یہ تو وہ نہیں جانتا تھا مگر اس گھڑی اس کی سرد مہری ایک لمحے میں ٹوٹی اور اس کے قریب وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا......؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا گیا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی طرح خاموشی سے بارش میں بھیگتے منظر کو دیکھتی رہی۔

''آپ پریشان ہیں؟'' عفنان نے دوبارہ دریافت کیا۔

''نہیں''۔

''تو پھر؟'' اس نے استفسار کیا۔

''پتہ نہیں''۔ وہ عجب بکھرے بکھرے سے لہجے میں اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تو عفنان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''کہیں اس پریشانی کا سبب یہ رشتہ یا میں تو نہیں ہوں؟'' سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ اچانک چوک پڑی تھی۔ اس کی اُلجھنوں میں کچھ اور اضافہ تھا اس گھڑی وہ شخص۔ وہ ابھی سنبھلی بھی نہیں تھی جب وہ گویا ہوا تھا۔

''اگر میری طرف سے کوئی پرابلم ہے تو......''

''نہیں''۔ اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی وہ بول پڑی تھی۔ جیسے اسے خدشہ تھا کہ وہ شخص جو بولے گا وہ اسے نہ سن پائے گی، نہ جھیل پائے گی۔ اس کے مضمحل سے انداز پر عفنان نے اسے خاموشی سے دیکھا۔ ایک عرصے بعد وہ دونوں ساتھ بیٹھے تھے۔ بہت دِنوں بعد وہ دانستہ اس کے قریب ہوا تھا۔ اگر ہاتھ بڑھا کر دیکھا جاتا تو یہ فاصلہ ایک لمحے میں سمٹ سکتا تھا، مگر دونوں جانب ایک سرد مہری بدستور قائم تھی۔

''رائٹ''۔ اس کی خاموشی دیکھ کر عفنان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ''میرا مقصد آپ کی پریشانیاں بڑھانا نہیں ہے، کم کرنا ہے۔ آپ جب بھی، جو بھی چاہئیں میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔ جہاں، جس مقام پر آپ کو یہ رشتہ نبھانا یا ساتھ لے کر چلنا بوجھ لگے، بتا دیجئے گا۔ میں آپ کی پریشانی کم کرنے اور اُلجھنیں گھٹانے کی پوری کوشش کروں گا اور ضروری اقدامات بھی''۔ وہ کیا کہہ رہا تھا، وہ بچی نہیں تھی کہ سمجھتی نہ۔ وہ اس رشتے کو کتنی آسانی سے ختم کرنے کی بات کر رہا تھا۔

وہ اس کی طرف بے یقینی سے دیکھ رہی تھی مگر وہ بنا اس کی طرف دیکھے، بنا اس کی پرواہ کیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اُٹھو۔ صبح آفس بھی جانا ہے''۔ یہ اس نے رات کے پہر زیادہ وقت ہونے کے خیال سے کہا تھا۔

''اگر آپ کو صبح جلدی اُٹھنا ہو تو رہنے دیتے ہیں۔ میرا جانا اتنا ضروری بھی نہیں کہ آپ کی نیند خراب کر دی جائے۔ میں صبح ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی''۔ انابیہ نے کہا۔ مگر وہ چلتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

اُلجھنیں صرف انابیہ کے چہرے پر ہی نہ تھیں، عفنان کے چہرے پر بھی ان اُلجھنوں کی لکیریں صاف پڑھی جارہی تھیں۔ انابیہ کے لیے اُٹھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ اُٹھی اور چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آ گئی۔ عفنان نے اس کے لیے فرنٹ ڈور پہلے سے کھول دیا تھا۔ وہ بیٹھی تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

گاڑی کے ماحول میں سکوت سا تھا، مگر دونوں ہی اس سکوت کو توڑنے کو تیار نہ تھے۔

☆......☆......☆

''اتنے دنوں تک تم ہم سے دور رہیں۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟'' فارحہ آنٹی نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ایسا کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نمی سے اٹ گئیں۔ اور بھیگ تو میرب سیال کی آنکھیں بھی گئی تھیں۔ صرف ایک رشتہ اسے کتنے رشتوں سے دور لے گیا تھا۔

''اوہ، کم آن ممی!...... اتنے خوشی کے لمحوں میں بھلا کوئی روتے ہیں؟ میرب آپی اتنے دِنوں بعد آئی ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے''۔ ماہا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے ممی!'' اذہان نے میرب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں ...... یہ تو ہے۔ اتنے عرصے بعد میری بیٹی نے اس گھر میں قدم رکھا ہے۔ میرا تو دل خوشی سے بھر گیا ہے۔ تمہیں دیکھ کر، تمہارا چہرہ دیکھ کر آپا کی یاد آتی ہے''۔ انہوں نے اپنی آنکھوں کو رگڑا اور میرب مسکرا دی۔

''پاپا بھی یہی کہتے ہیں کہ میں اپنی ماما کی مشابہت رکھتی ہوں''۔

''ہاں، مظہر بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ تم واقعی آپا سے ملتی ہو۔ اماں بتا رہی تھیں تم ان کی طرف بھی نہیں گئیں۔ پاپا سے مل کر سب رشتے بھول گئے''۔ فارحہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''آئی ایم سوری۔ مگر مصروفیت ہی اتنی رہی۔ میں نانو کو فون کروں گی لیکن آپ کی بات کب ہوئی ان سے؟ آپ گئی تھیں ان کی طرف؟''

''ہاں، گئی بھی تھی اور وہ سب بھی آئے تھے۔ اپنی ماہا کے رشتے کی بات چل رہی ہے نا''۔ فارحہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونک پڑی۔

''رشتے کی بات؟...... کس کے ساتھ؟''

''سیف کا پروپوزل آیا ہے نا ماہا کے لیے۔ کیا سیف نے تمہیں نہیں بتایا؟''

''نہیں۔ بڑا بدتمیز قسم کا بندہ ہے وہ۔ حالانکہ دوست ہے میرا۔ مگر اپنی زندگی کی اتنی بڑی بات اس نے مجھے نہیں بتائی۔ فون کروں گی تو خوب کان کھینچوں گی''۔ میرب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کتنا کچھ ہو رہا تھا اس کے اِردگرد اور وہ کتنی بے خبر تھی۔ اپنے اندر سے، اپنے آپ سے نکل ہی نہ پا رہی تھی کہ کسی اور طرف بھی دھیان دے پاتی۔ وہ جیسے واقعی کسی خلا میں معلق ہو۔

''ضرور کان کھینچنا۔ مگر ان دنوں وہ غالباً بزنس ٹور پر ہے۔ تمہیں شاید پتہ ہو، اس نے بھائی صاحب کی کمپنی جوائن کر لی ہے''۔

فارحہ آنٹی نے بتایا تھا۔

''ہاں...... یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں، مگر یہ شادی کے پروپوزل والی بات میں نہیں جانتی تھی۔ خبر اچھی ہے اور خوشی کی بھی۔ مبارک ہو ماہا! اب تو آپ ہمیں اور بھی عزیز ہونے جا رہی ہیں، کیونکہ وہ جو آپ کے ہونے والے حضرت ہیں نا، وہ ہمیں بہت عزیز ہیں''۔ میرب بہت دنوں بعد ریلیکس انداز میں بولتی ہوئی دل سے مسکرائی تھی۔ اذہان اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔

''تمہارا کیا ہوا؟...... کب ہو رہی ہے تمہاری رخصتی؟'' فارحہ نے دریافت کیا۔

میرب سیال کے چہرے کی کیفیت ایک پل میں متغیر ہوئی مگر اس سے اگلے ہی لمحے وہ مسکرا دی تھی۔

''جی...... بس......'' اس نے بولنے کے لیے لب کھولے تھے مگر اس سے قبل ہی اذہان بول پڑا تھا۔

''ممی! آپ ساری باتیں آج ہی پوچھ لیں گی؟...... میرب بھی ہماری مہمان ہے۔ کوئی خاطر مدارت نہیں ہو گی؟''

''ارے ہاں، میں تو بھول ہی گئی۔ ایک تو تم آئی بھی اچانک ہو۔ بِنا مطلع کیے۔ ورنہ میں تماری ساری فیورٹ ڈشز بنا کر رکھتی۔ ماہا! چلو، ذرا میری ہیلپ کر دو''۔ فارحہ کہتے ہوئے اُٹھیں۔

''جی ممی!'' ماہا نے بھی ماں کی تقلید کی تھی۔

''سعد انکل کیسے ہیں؟...... دکھائی نہیں دے رہے اور ڈاکٹر انکل، چاچو ٹھیک ہیں؟ شادی وادی ہو گئی ان کی؟'' وہ مسکراتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

اذہان مسکرا دیا۔

''پاپا ٹھیک ہیں اور چاچو بھی آؤٹ آف ٹاؤن ہیں۔ جلد لوٹ آئیں گے۔ شادی انہوں نے نہیں کی۔ غالباً وہ اپنے دل کی اُنگلی اب تک تھام کر چل رہے ہیں۔ کچھ مشکل ہوتا ہے یہ۔ مگر فیض چاچو محبت کی رسم دل جمعی سے نبھا رہے ہیں''۔

''محبت ہوئی تھی انہیں بھی؟'' میرب نے یوں ہی بات کی تھی۔

''انہیں بھی مطلب؟'' اذہان ہنس دیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی، تب ہی وہ خیال کرتے ہوئے بولا۔ ''شاید۔ کبھی بتایا نہیں انہوں نے''۔ اذہان کا لہجہ مدھم تھا۔

''سعد انکل تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے اب؟''

''نہیں، آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کا گھر ہے۔ ممی بتا رہی تھیں، وہ اپنی دوسری وائف کو ڈائیورس دے رہے ہیں۔ اس کے بعد شاید وہ دوبارہ ہم سب کے ساتھ رہنے لگیں''۔

''اوہ...... اِٹس اے گڈ نیوز۔ فارحہ آنٹی کسی قدر مطمئن ہو گئی ہوں گی۔ میں نے سنا تو مجھے اچھا نہیں لگا۔ بہت نائس وومن ہیں آنٹی۔ میں نے آج تک انہیں ماتھے پر تیوری ڈالے نہیں دیکھا۔ سب سے ہنس کر ملنے والی خاتون کی زندگی میں اچانک ہی کوئی موڑ ایسا

آئے گا، کون جانتا تھا۔ جانے کیوں خوب صورت لوگوں کے نصیب اچھے نہیں ہوتے''۔ بہت بجھے سے لہجے میں کہہ کر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادی تو اذہان نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

''اوں، ہوں......ایسے نہیں کہتے''۔ وہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کو بولا تھا۔ پھر ہنس دیا۔ میرب کے لیے مسکرانا جیسے شرط ہو گیا تھا۔

''ایم آئی رائٹ؟''اس کی جانب مکمل توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔''یس، آئی نو......اذہان اِز رائٹ''۔

اس کے انداز پر وہ ہنس دی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''اچھی کوشش ہے......کرتی رہا کرو......ہنستی رہا کرو''۔ مدھم لہجے میں ایک خواہش کا اظہار کیا گیا۔

میرب کچھ بولے بغیر اس کی طرف دیکھنے لگی، پھر مسکرادی۔

''تم نے اپنی منگنی کی تصویریں مجھے نہیں دکھائیں''۔

''اور تم نے بھی تو اپنے نکاح کی اسنیپس مجھے نہیں دکھائیں''۔ اذہان نے جواباً شکوہ کیا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکا گئی تھی۔

''میرے پاس اس موقع کی کوئی یادگار نہیں ہے''۔

''تم بھول رہی ہو''۔ اذہان مسکرادیا۔

''کیا......؟''وہ چونکی۔

''تمہارے پاس اس واقعے کی یادگار ہے''۔

''کیا؟''

''سردار سبکتگین حیدر لغاری''۔ اذہان نے برملا کہا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا مگر وہ سر جھکائے ایک اُلجھن سے ٹیبل کی سطح پر اُلٹی سیدھی لکیریں کھینچتی رہی تھی۔

''اتنی اُلجھن میں کیوں ہو میرب؟......کہیں تمہیں محبت تو نہیں ہو گئی؟''اذہان نے اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے کہا اور وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

''محبت ہو گئی ہے تمہیں مجھ سے؟''ایک سرگوشی کہیں اندر اُبھری اور وجود کے سارے علاقے میں پھیلتی چلی گئی۔

''مکمل کردو......''

ایک درخواست۔ ایک خواہش۔ ایک مدعا۔

کہنے کو دو لفظ تھے مگر اپنے اندر کیا کیا آہنگ نہ رکھتے تھے۔ کیا کیا مفہوم خاص نہ رکھتے تھے۔ وہ اپنے اندر کی آوازوں میں کھونے

لگی تھی۔وہ آوازیں اسے اپنی گرفت میں باندھنے لگی تھیں اور گمان تھا کہ وہ بندھ بھی جاتی اور گم بھی ہو جاتی کہ اذہان نے اسے پکارالیا۔

''میرب!''

اور وہ جیسے ایک لمحے میں اس بازگشت سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی دُنیا میں پلٹی تھی۔

''ہاں''۔سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرادیا۔

''نہیں......کچھ نہیں۔میں نے تو یوں ہی مذاق کیا تھا۔تم تو سیریس ہو گئیں''۔

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں۔میں سوچ رہی تھی، ہر شے کتنی جلد بدل جاتی ہے۔وقت اتنا اچانک کیسے بدل جاتا ہے۔ اچانک لمحوں میں دنیا بدل جاتی ہے''۔

''ہاں، شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر یہ بھی زندگی کا حصہ ہے۔اگر ایک جگہ زندگی تھم جائے تو شاید ہمیں یہ بھی اچھا نہ لگے''۔اذہان نے کہا تھا اور اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''میں تمہارے لیے منگنی کا البم لے کر آرہا ہوں''۔

''شیور''۔میرب مسکرادی۔

اذہان چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

میرب سیال نے تنہائی پاتے ہی صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔

☆......☆......☆

بات دل میں رکھی جائے تو بوجھ بن جاتی ہے۔

اس کے سینے پر بھی بہت بوجھ تھا۔ماما سے وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔دادو سے بھی نہیں مگر اوزی نے جب اس سے اس کی اس اُلجھی ہوئی کیفیت کا سبب پوچھا تو اس کی آنکھیں خود بخود ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''کیا ہوا؟......عفنان نے کچھ کہہ دیا؟''اوزان سید کو تشویش ہوئی تھی۔

''نہیں''۔آنکھوں سے پانی باہر چھلک آیا تھا۔اس نے ایک لمحے میں ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا۔

''تم چھپا رہی ہو کچھ مجھ سے؟......اپنے بھائی سے بھی چھپاؤ گی؟......مجھے بتاؤ، کیا ہوا؟عفنان نے کچھ کہا ہے کیا؟''اوزان نے دریافت کیا تھا۔

''نہیں''۔اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بنا اس کی طرف دیکھے کہا تھا۔آنکھیں پھر بھر گئی تھیں۔

''پھر......؟''

''لامعہ......''انابیہ نے سر جھکا کر مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''لامعہ؟......لامعہ کو کیا ہوا؟''

''نہیں......اُسے کچھ نہیں ہوا''۔اس نے خود کو یکسر بے بس پایا تھا۔

''پھر؟......انابیہ! تم مجھے کچھ بتاؤ گی؟''اوزان نے اُلجھن سے بہن کو دیکھا۔

''لامعہ......لامعہ سمجھتی ہے میں نے اس کے ساتھ ہمیشہ ناانصافی کی ہے۔تم جانتے ہو اوزی! میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کے پیچھے ہاتھ کس کا تھا؟......لامعہ کا''۔

''تمہیں یہ بات کیسے پتہ چلی؟''اوزان نے اسے بغور دیکھا۔

وہ اس گھڑی بہت بکھری بکھری سی دکھائی دے رہی تھی۔اس کے پاس ہمت تک ناپید تھی یہ سب کچھ دہرانے کی اور کسی اور کو بتانے کی۔

''اس نے خود''۔بہت دیر کے بعد وہ ہمت کر کے بولی۔مگر اوزان سید اس کے بتانے پر قطعاً بھی حیران نہیں ہوا۔

''تم یہ بات نہیں جانتی تھیں؟''رسانیت سے پُر لہجے میں وہ قدرے توقف سے بولا۔

''تم جانتے تھے؟''انابیہ نے حیرت سے سر اُٹھا کر اوزی کی طرف دیکھا۔

اوزی نے سر بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں......مجھے معلوم تھا''۔

''کیسے؟......تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟ کیوں نہیں بتایا مجھے سب کچھ؟''

''تمہیں بتانے سے کیا فرق پڑتا؟......اور یوں بھی جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔جب تمہارے کیس کی انویسٹی گیشن ہو رہی تھی،تب ہی یہ بات سامنے آ گئی تھی۔لامعہ نے تمہیں کڈنیپ کے بعد جس گھر میں لے جا کر رکھا تھا،وہ عرصہ دراز سے بند اور کسی کے استعمال میں نہ تھا۔وہ گھر لامعہ کے کزن کا تھا۔لامعہ غالباً یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس سے صاف بچ نکلے گی اور اس کا نام تک نہیں آئے گا مگر سچ سامنے آ جاتا ہے اور انویسٹی گیشن سے یہ بات بھی سامنے آ گئی۔اس کے کزن سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ لامعہ یا اس کی فیملی اس گھر کو استعمال کرنے کا اختیار رکھتے ہیں،کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں اس پراپرٹی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان ہی کے پاس ہے''۔

''مگر تم نے بھی......اوزان! تم نے بھی اتنا کچھ چھپایا مجھ سے؟''انابیہ نے بے یقینی سے بھائی کو دیکھا۔

''کیا کر لیتیں تم انابیہ؟......کیا کر لیتیں تم؟......لامعہ کو سزا دلوا تیں؟ تم ایسا تو اب بھی کر سکتی ہو۔مگر خود سے پوچھو،کیا تم ایسا کر پاؤ گی؟......نہیں انابیہ! تم ایسا کچھ نہیں کر سکتیں۔وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کر لے تم اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتیں انابیہ! یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی''۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''اور کون کون جانتا ہے یہ بات؟''

''کیا فرق پڑتا ہے انابیہ! اس بات سے کہ اسے کتنے لوگ جانتے ہیں۔تم خوش نصیب ہو جب ایک اچھی زندگی گزار رہی ہو، مطمئن ہو تو پھر یہ سب بے معنی ہو جاتا ہے۔لامعہ نے جو بھی کیا وہ اس کا اپنا فعل تھا۔تم کیا کرو گی،تمہارا ظرف ہو گا''۔اوزان اپنی بہن کو اچھی طرح جانتا تھا۔

''ہاں......ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔میں جب خوش بھی ہوں اور مطمئن بھی''۔کیسے درد اندر سر اُٹھا رہے تھے۔کیسی کسک تھی جو سانس تک نہ لینے دے رہی تھی اور لوگ سمجھ رہے تھے وہ خوش تھی۔مطمئن تھی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم...... جب میں خوش ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے''۔اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے جیسے خود کو بہلایا تھا اور دوسری طرف اوزان کو باور کرایا تو اوزان نے اسے خاموشی سے دیکھا، کچھ مزید نہیں کہا۔

''تم نے ٹھیک کہا...... میں لامعہ کو چاہوں بھی تو سزا نہیں دے سکتی مگر میں اسے کوئی سزا دینا چاہتی بھی نہیں۔اس نے جو کیا وہ اس کا ظرف ہے۔اور جو میں نے کیا یا جو میں کروں گی،وہ میرا ظرف ہو گا۔مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے اور میں کبھی کوئی شکایت اس سے کروں گی بھی نہیں۔وہ میری دوست تھی اور ہمیشہ دوست ہی رہے گی۔مجھ سے دوستی نبھائی نہیں گئی، میں دشمنی کیسے نبھاؤں گی؟...... مجھے صرف محبت کرنا آتی ہے اوزان! مجھے نہیں پتہ نفرت کیسے کرتے ہیں، کیونکہ میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا اور جو کام نہ کیا ہو، اسے کرنے کی نہ عادت ہوتی ہے نہ خواہش۔مجھے لامعہ سے کوئی شکایت نہیں ہے''۔وہ بولی تھی اور پھر اُٹھ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اوزان چپ چاپ بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

''مائی اماں! آپ؟''انہیں اپنے مقابل دیکھ کر وہ کچھ حیران رہ گئی تھی۔

مائی نے آگے بڑھ کر اسے اسی لگاوٹ سے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

''کیسی ہے میری بچی؟...... میں نے سوچا اگر تجھے ماں بھول گئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے بھی اپنی بیٹی بھول جائے گی''۔

''آپ تنہا آئی ہیں یا......''میرب نے جانے کیوں پوچھ لیا تھا۔وہ مسکرا دی تھیں۔

''گین چھوڑ کر گیا ہے۔میں نے کہا اندر آ جاؤ مگر وہ مانا نہیں۔کہہ رہا تھا،ضروری کام ہے''۔مائی اماں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر محبت سے دریافت کیا تھا۔

''ان باتوں کو چھوڑ، یہ بتا تُو ٹھیک ہے؟''

''جی مائی اماں!...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ نے کیوں زحمت کی؟ مجھے بلوا بھیجا ہوتا۔ایک فون کال کر دیتیں، میں آن حاضر ہوتی''۔میرب نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

مائی مسکرا دی تھیں۔

''کیا فرق پڑتا ہے، ماں بچے کے پاس جائے یا بچہ ماں کے پاس آئے۔ بہت اُداس تھی۔ رہا نہیں گیا۔ کئی دن سے گین سے کہہ رہی تھی، اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ ایک دم ہی بزی ہو گیا ہے وہ۔ وقت ہی نہیں رہا اس کے پاس۔ کچھ بجھا بجھا سا بھی ہے۔ رومیصا کی موت نے اسے بہت چپ سا کر دیا ہے''۔ مائی کا انداز سرسری تھا مگر وہ سارے مفہوم خاص پا گئی تھی۔

''تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اتنی انسیت تھی اپنی مسز سے کہ وہ......''

''تم ٹھیک تو ہو بیٹا؟......کیسی شکل نکل آئی ہے''۔ محبت سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے کہا۔ وہ جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں مائی!''

''خدا صحت مند رکھے۔ میرے بچوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔ زوباریہ اور مظہر میاں کہاں ہیں؟''

''جی وہ کام سے گئے ہیں''۔

''مجھے تو مظہر میاں سے ضروری بات کرنا تھی''۔

''آپ کہیں تو فون کر دوں، وہ جلد لوٹ آئیں۔ کوئی اہم اور ضروری بات تھی؟''

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''ہاں...... بہت اہم اور ضروری بات۔ تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے جانے کی بات کرنا تھی مظہر میاں سے۔ اپنی بچی کو مانگنے کی بات کرنا تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ رخصتی ہو جائے۔ یہی اس وقت کا بہترین اقدام ہو گا۔ گین کی حالت بھی کچھ سنبھل جائے گی اور گھر میں خوشی آ جائے گی''۔ مائی اس کی اندرونی کیفیت سے بے پرواہ کہہ رہی تھیں اور وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔

''کتنا گہرا رشتہ ہے میرا تم سے......پھر اتنی گہرائی دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ تمہاری آنکھوں میں دیکھتی ہوں تو گہرائی کی جگہ ایک سرد مہری کیوں دکھائی دیتی ہے؟''

''کیا سوچ رہی ہو تم؟'' مائی نے اسے خاموش دیکھ کر پکارا۔

''نہیں......کچھ نہیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے کچھ لاتی ہوں''۔

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔ بس تم میرے پاس بیٹھو۔ میں صرف اپنی بچی سے ملنے آئی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں گین آ جائے گا تو جلدی مچا دے گا''۔

وہ ابھی بولی ہی تھیں کہ نوکر نے آ کر اطلاع دی۔

''وہ جی......باہر کوئی سبکتگین صاحب آپ کو لینے آئے ہیں''۔

''لو، وہ آ گیا''۔ مائی اماں مسکرا دیں۔

میرب کے اندر ایک خاص آہنگ ہوا تھا۔ ایک ایسی کیفیت جسے وہ کوئی نام نہ دے پائی تھی۔

''آپ انہیں اندر بلا لیں مائی!...... آپ کو بنا خاطر جانے نہیں دوں گی''۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا تو مائی مسکرا کر رہ گئیں۔

''جاؤ، صاحب سے کہہ دو اندر آجائیں''۔

''جی بہتر''۔ مائی کے حکم پر ملازم واپس پلٹا۔ میرب سر جھکائے اپنے دل کی منتشر کیفیتوں کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔ جب ملازم نے آکر اطلاع دی۔

''صاحب کہہ رہے ہیں آپ جلد آجائیں۔ وہ اندر نہیں آسکتے۔ انہیں کہیں اور بھی جانا ہے''۔

میرب کی دھڑکنوں میں ایک لمحے میں سکوت آیا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے...... میں چلتی ہوں۔ پھر چکر لگاؤں گی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ مظہر میاں سے میں فون پر بات کروں گی''۔ مائی اماں نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا اور اس نے سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

''میں نے ایک وکیل سے بات کر لی ہے''۔ مظہر سیال نے کہا اور زوباریہ نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔

''کس لیے؟...... آئی مین کس کام کے لیے؟''

''میرب کی ڈائیورس کے لیے''۔

''وہاٹ......؟'' زوباریہ بھونچکی رہ گئی تھی۔ ''آپ نے فیصلہ کر بھی لیا کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟...... میرب سے پوچھے بغیر؟...... اس کی مرضی جانے بغیر؟'' زوباریہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''میرب کی مرضی کیا ہوگی زوباریہ! کیا تم یہ چھوٹی سی بات سمجھ نہیں پا رہی ہو؟...... اگر وہ خوش ہوتی تو کیا مجھے یہ سب بتاتی؟ وہ خوش نہیں ہے زوباریہ! یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ میری بچی اتنی معصوم اور سعادت مند ہے کہ اگر اب بھی میں اسے وہاں جا کر زندگی گزارنے کے لیے کہوں تو وہ چل دے گی، مگر اس میں اس کی خوشی شامل نہیں ہوگی۔ یہ بات میں جانتا ہوں۔ سو میں اسے اس جہنم میں جانے کے لیے نہیں کہوں گا''۔

''مظہر! ہوسکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں، مگر ایک بار میرب سے اس کی مرضی بھی تو جان لیں۔ اتنی جلد بازی کس لیے؟ وہ ہم سے زبردستی میرب کو لے جا تو نہیں رہے۔ پھر آپ انتہائی اقدام اتنی جلد کیوں کر رہے ہیں؟...... زندگی بھر کا معاملہ ہے یہ۔ پلیز کچھ سوچ کر فیصلہ کریں''۔

''زوباریہ! تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں...... میں جانتی ہوں۔ آج اگر میری جگہ میرب کی اپنی ماں بھی ہوتی تو وہ بھی یہی کہتی۔ آپ میرب کو کیوں ضروری نہیں

سمجھ رہے؟......اس نے صرف آپ کو یہ بتایا کہ اس کے ساتھ کیا صورتِ حال پیش آ رہی ہے۔اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اب کیا چاہتی ہے۔ آپ اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں؟ ڈائیورس آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی؟ اس بے چاری لڑکی کی ساری زندگی بدل جائے گی، کیا آپ نہیں جانتے؟ دنیا کو اسے فیس کرنا پڑے گا، نہ کہ آپ کو۔" زوباریہ مسلسل انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ، کیا کروں میں؟......انتظار کروں؟ ادھر سے آ کر کوئی مجھ سے رخصتی کی بات کرے اور میں اپنی بیٹی کو رخصت کر دوں؟" مظہر سیال نے جل کر پوچھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا، مگر کچھ سکون اور تسلی سے بھی تو سوچ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔اتنی جلد بازی کیوں؟"

"میرب بتا رہی تھی، آج سبکتگین کی والدہ آئی تھیں۔" مظہر سیال نے کہا۔زوباریہ نے چہرے کی کلینزنگ کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں، سنا تو میں نے بھی تھا۔غالباً وہ میرب سے ملنے آئی تھیں۔آف کورس، اس رشتے سے ان کی کچھ انسیت میرب سے ہو گئی ہے تو اس میں اتنی تشویش کی بات کیا ہے؟"

"میں اپنی بیٹی کے ساتھ اب کچھ غلط ہونے نہیں دوں گا۔اب میں اس کی خوشی کے لیے وہ سب کروں گا جو مجھے بہتر لگے گا"۔ مظہر سیال حتمی لہجے میں بولے تھے اور زوباریہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

"اذہان! اگینے بتا رہی تھی تم شادی کے لیے فی الحال تیار نہیں ہو؟"

"ہاں، اگینے ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ماما کی شادی سے پہلے نہیں"۔اس نے مسکراتے ہوئے رسانیت سے جواب دیا۔وہ کینڈل لائٹ ڈنر اس لمحے کچھ پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔ساہیہ اس کی خاموشی صاف محسوس کر رہی تھی۔اس نے کچھ نہیں کہا تھا مگر یہ وہ اسٹیج نہیں تھی جہاں کچھ کہنے سننے کی ضرورت رہتی۔وہ اسے آنکھوں سے پڑھ سکتی تھی۔

"یو او کے؟" تشویش سے اذہان کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں......ٹھیک ہوں میں"۔مسکراتے ہوئے سارا الزام اس کے سر تھوپ دیا تھا۔وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"میں......شاید میں ہی چپ تھی۔اذہان! اگر تم بہتر محسوس نہں کر رہے تو آج کا یہ ڈنر کینسل کر دیتے ہیں۔کیا ضروری ہے یہ سب؟ ہم کبھی بھی دوبارہ پروگرام بنا سکتے ہیں"۔اس کے خیال سے وہ مسکراتے ہوئے بولی تو اذہان مسکرا دیا۔

"نہیں......اس کی ضرورت نہیں تھی۔آج میرے پاس وقت بھی تھا اور اچھا موڈ بھی۔تمہیں دینے کے لیے اچھا دن بھی۔غالباً وہ اسے مطمئن کرنے کے خیال سے ایک "خاص" جملہ اُچھال گیا تو وہ ہنس دی۔

"تھینکس"۔

"شکریئے کی ضرورت نہیں"۔اذہان نے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا مگر اسے وہ

تپش وہاں دکھائی نہیں دی جو وہ اپنے چہرے پر محسوس کرنا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا؟......اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟'' اذہان نے اس کے دیکھنے پر دریافت کیا تھا مگر وہ کچھ بھی مزید کہے بغیر اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتی ہوئی بولی۔

''رئیلی؟'' اس کی آنکھیں ایک یقین چاہ رہی تھیں۔ اذہان بچہ نہیں تھا کہ اس کا مطلب نہ جانتا۔ وہ مسکرایا اور سر اثبات میں ہلا دیا مگر اس انداز میں بہت کرٹسی تھی۔ ساہیہ جانتی تھی مگر کچھ بولی نہیں۔ صرف مسکرادی۔

''کیا ضرورت تھی یہ سہانے خواب دکھانے کی؟'' وہ اس کی طرف سے نظر ہٹا کر موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ جب وہ چونک پڑا۔

''کیا مطلب؟''

ساہیہ مسکرادی۔

''مطلب یہ کہ ہنی مون کے پلان بنا کر خواب دکھانے کی کیا ضرورت تھی جب کہیں جانا ہی نہیں تھا تو؟'' وہ ماحول کے پُرسکون تاثر کو بدلنا چاہتی تھی تب ہی اپنی فطری خوش گفتاری سے بول رہی تھی۔

وہ مسکرادیا۔

''وہ خواب بے کار نہیں ہیں ساہیہ! سب سچ ہیں اور سچ ہوں گے۔ ہم ہنی مون کے لیے جائیں گے۔ مگر ماہا کے شادی کے بعد''۔

''آئی نو......یوں ہی مذاق کر رہی تھی۔ ماہا کی منگنی کی بات چلی؟'' اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ہنس دیا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اپنی اور میری بات کرو ساہیہ! یہاں وہاں کے قصے چھوڑو۔ فی الحال میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ان لمحوں کی حقیقت کو سمجھو''۔ وہ جانے اسے کیا جتا گیا تھا۔ وہ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

''کیا بات کروں اذہان؟'' مدھم کھوئے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس کی طرف سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔ اذہان نے ٹیبل پر گلدان میں لگی ایک سرخ گلاب کی ٹہنی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''ساہیہ! اردگرد کے ماحول کو دیکھو۔ اس آرکسٹرا کی دھن کو سنو۔ کیا یہ رومانٹک سا ماحول اب بھی تمہیں کوئی اچھی سی بات کہنے پر نہیں اُکسا رہا؟'' اذہان نے اس کے ہونق چہرے کو دیکھتے ہوئے چھیڑا تو وہ مسکرادی۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے وہ سرخ گلاب لے لیا۔

''تھینکس۔ اذہان! مجھے تمہاری ایک بات بہت اچھی لگتی ہے۔ ہمیشہ۔ تم بہت انڈراسٹینڈنگ ہو''۔ ساہیہ نے مدھم لہجے میں کہا تو وہ مسکرایا۔

''اور تمہاری سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم بہت اچھی ہو ساہیہ!'' اذہان نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''تم واقعی بہت اچھی ہو ساہیہ! تمہیں اپنی زندگی میں پا کر میں خوش ہوں۔ تم وہ لڑکی ہو جو میرے کچن میں ایک بہترین شیف ہو گی۔ میرے بچوں کے

لیے ایک بہترین ماں ہوگی اور میرے لیے ایک بہترین وائف...... اینڈ آئی نیڈ ڈیٹ آل۔ مجھے اپنے کچن کے لیے ایک بہترین قسم کا شیف بھی چاہیے۔ اپنے بچوں کے لیے ایک اچھی لک آفٹر کرنے والی ماں بھی اور ایک اچھی، بہت خیال کرنے والی شریکِ سفر بھی''۔ وہ مسکرایا۔ انداز میں کسی قدر شرارت تھی۔

ساہیہ بھی مسکرادی۔

''اور تم میں یہ ساری خوبیاں ہیں ساہیہ!''

''بہت کنجوس ہو تم۔ اپنا اتنا خرچ بچا رہے ہو''۔ مصنوعی خفگی سے گھورا گیا۔ ''اور یہ شیف والی بات بھی تم یہ سوچ کر تو نہیں کر رہے کہ میں اپنا ریسٹورنٹ ہینڈل کر رہی ہوں؟''

اذہان ہنس دیا تھا، پھر شانے اُچکا دیئے تھے۔

''شاید۔ لیکن میں جانتا ہوں تم مجھے ایک مکمل گھر دو گی''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔ ساہیہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی، مگر اندر کئی سوال مچل رہے تھے۔ کئی تمنائیں سر اُٹھا رہی تھیں۔

''مگر میں تمہیں مکمل کرنا چاہتی ہوں اذہان!'' وہ بولنا چاہتی تھی مگر کچھ نہیں بول سکتی تھی۔ اسے دیکھا اور صرف مسکرادی۔

☆......☆......☆

''کتنے چھپے رستم ہو تم...... چپ چاپ میدان مار لیا اور ہمیں بتایا تک نہیں''۔ میرب نے سیف کا کان کھینچتے ہوئے کہا اور وہ مسکرادیا۔

''کیا برا کیا؟...... سوچا جب سب ٹھکانے لگ گئے ہیں، ہم بھی کوشش کر کے دیکھیں۔ ہاتھ پھیر ہلائے، ہمت کی، کوشش کی۔ جذبوں میں کچھ صداقت تھی۔ خدا نے ہاتھ تھاما اور کامیاب کر دیا۔ اور کیا؟'' سیفی کا اپنا ایک انداز تھا۔ وہ ہنس دی۔

''کتنے بدتمیز قسم کے دوست ہو تم۔ کم از کم بتا تو دیتے''۔

''کیا بتا دیتا؟...... میں سمجھا تھا، تم کچھ کوشش کرو گی۔ مگر تم نے تو بے مروتی کی حد کر دی۔ خود ٹھکانے لگ گئیں تو سب پرانے دوست بھول بھال گئے اور میں ان پتوں پر تکیہ کیا کرتا؟ کرتا تو یقیناً ہارتا۔ سو میں نے خود کوشش کر لی''۔ وہ اس کے ایک مُکا رسید کرنے پر اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا تھا۔ پھر ہنس دیا تھا۔

''خوشی نہیں ہوئی تمہیں؟...... اب ہم دونوں دوست خیر سے اپنے اپنے گھروں کے ہو جائیں گے''۔ اس کی اپنی ایک تک تھی۔

میرب بے اختیار ہنسی، تب ہی وہاں نانو آ گئیں۔

''کیا ہوا؟...... کس بات پر خوش ہیں میرے بچے؟''

''نانو! میں اس نالائق کی خبر لے رہی تھی کہ اس نے مجھے بے خبر رکھا اور یہ اُلٹا مجھے لتاڑ رہا ہے''۔ میرب نے اسے گھورا تو سیف مسکرادیا۔

''لتاڑ کیا رہا ہوں، ٹھیک تو کہہ رہا ہوں۔ خیر سے اب ہم دونوں دوست اپنے اپنے گھروں کے ہو جائیں گے۔ دادی! آپ بتائیں، میں نے کچھ غلط کہا؟'' سیف نے مسکراتے ہوئے نانی کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا۔ میرے سارے بچے آہستہ آہستہ کر کے ماشاءاللہ اپنے اپنے گھروں کے ہو رہے ہیں۔ میرب بیٹا! تمہاری رخصتی کب ہو رہی ہے؟...... مظہر تو نہ ہمیں کچھ بتاتا ہے نہ کسی مشورے کے قابل سمجھتا ہے۔ جانے کب اس کی غلط فہمی دور ہو گی؟...... کب اس کا دل صاف ہو گا اور وہ ہم سے بدظن نہیں رہے گا؟''

میرب چلتی ہوئی نانی کے پاس آ بیٹھی۔ پھر بہت آہستگی سے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

''پتہ نہیں نانو! پاپا آپ سب کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ ماما کی موت کا کسی قدر ذمہ دار بڑے ماموں کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس وقت گاڑی وہ ڈرائیو کر رہے تھے مگر یہ حادثہ تو کسی سے بھی ہو سکتا تھا۔ پاپا یہ بات کیوں نہیں سمجھتے؟ اتنی چھوٹی سی تو بات ہے۔ نانو! مجھے جانے کیوں لگتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہے۔ پاپا کی سرد مہری اس سے قبل بھی رہی ہے۔ کیا میں غلط ہوں؟'' اس نے سر اُٹھا کر نانو کی طرف دیکھا تھا۔ فوری طور پر وہ کچھ نہیں بول پائیں۔ خاموشی سے میرب کو دیکھا تھا پھر اپنے ہاتھوں سے میرب کے بالوں کو سہلانے لگی تھیں۔

''پھر کبھی بتاؤں گی۔ خوشی کے لمحوں میں صرف خوشی کی بات ہونی چاہیے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ تم اپنے دوست کی خوشیاں بانٹنے یہاں آئی ہو''۔ نانو نے اسے بہلا دیا اور وہ مسکرا دی۔

''تم بتاؤ، تمہاری رخصتی کی بات چلی؟'' نانو نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔ تب ہی سیف مسکراتا ہوا آگے آ گیا تھا۔

''اس کی رخصتی کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ موصوف توپ باز ہیں۔ ایف سکسٹین پر سوار ہو کر آئیں گے اور اسے اُڑا کر لے جائیں گے''۔

''چپ رہ۔ میں اپنی بچی سے پوچھ رہی ہوں''۔

''تو غلط پوچھ رہی ہیں نا۔ وہ بے چاری آپ کو کیا جواب دے گی؟ ٹھہری مشرقی لڑکی۔ سیدھی سادھی، بھولی بھالی مشرقی لڑکیاں کبھی اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کرتی ہیں؟'' وہ بدستور شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ میرب نے اسے گھورا مگر وہ بنا پرواہ کیے ہنس دیا۔

''دادی! آپ کو کچھ پوچھنا ہو تو انتظار کریں۔ میرب پہلے مجھے بتائے گی پھر میں وہ جواب آپ تک منتقل کر دوں گا۔ ہوں تو میں بھی مشرقی لڑکا، تب ہی تو میں بھی اپنی شادی کی بات خود نہیں کر رہا''۔ سیف نے ثابت کر دیا تھا اس جیسا کوئی اور نہیں۔ میرب کے لبوں پر مسکراہٹ تو آ گئی تھی۔ نانو بھی مسکرا دیں۔

''تو چپ رہ سیفی!'' دادی نے محبت سے گھر کا۔

''چپ کیا رہوں دادی؟...... مجھے پوچھنے تو دیں۔ ہاں، تو کب ہو رہی ہے تمہاری رخصتی میرو؟ اور وہ تمہارے محترم توپ پر سوار

ہو کر آئیں گے یا بی باون پر؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی۔

''سیفی!'' میرب نے گھورتے ہوئے کہا۔

''گھور کیا رہی ہو؟...... کیا ارادہ بدل لیا ہے؟...... شادی کا ارادہ نہیں ہے کیا؟''

''تم چپ نہیں ہو گے؟''

''اچھا...... شرم آ رہی ہے۔ چلو، بعد میں پوچھ لوں گا۔ دادی! آپ ان سے بات چیت کریں۔ میں ذرا کپڑے چینج کر کے آتا ہوں''۔ وہ مسکراتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ تب ہی نانو نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے؟...... اتنے دنوں میں کیوں چکر لگایا؟ مظہر تجھے آنے سے منع کرتا ہے کیا؟'' نانو کو خدشہ ہوا تھا۔

میرب نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں نانو! پاپا نے مجھے کبھی کچھ کرنے سے منع نہیں کیا۔ ان کی اگر کوئی مخالفت ہے تو صرف آپ لوگوں تک محدود ہے۔ انہوں نے مجھے کسی کام سے کبھی نہیں روکا''۔ میرب نے انہیں مطمئن کرنے کی غرض سے کہا تھا، پھر ان کی گود سے سر اُٹھا کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''سب ٹھیک ہے نانو!...... آپ فکر مت کیا کریں''۔

''سب ٹھیک نہیں لگ رہا مجھے...... یہ جو بوڑھی آنکھیں ہیں نا، یہ دھندلا ضرور گئی ہیں مگر یہ اپنے بچوں کو اب بھی پہلے سے زیادہ بہتر انداز میں دیکھ پاتی ہیں۔ تُو مجھے نہ بتا مگر میری نظریں اس گھڑی تجھے پڑھ رہی ہیں اور جان رہی ہیں۔ میری بچی! تُو پریشان ہے نا؟ کوئی بات ہے جو تجھے ستا رہی ہے۔ کیا اپنی نانو کو بھی نہیں بتائے گی؟'' نانو نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر کچھ اتنے یقین سے کہا کہ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ چند لمحوں تک تو کچھ بول ہی نہ سکی تھی، پھر سنبھلی تھی اور مسکرا دی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں نانو! بس ذرا......'' کوئی بہانہ تلاشنا چاہا تھا، مگر اس سے قبل ہی نانو اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''تجھے اگر نہیں بتانا تو نہ بتا، مگر مزید پریشان مت ہو۔ میرا ارادہ تیری پریشانی بڑھانے کا نہیں، کم کرنے کا ہے۔ میں تو بس یہی دعا کرتی ہوں کہ خدا تجھے خوش رکھے۔ تجھے آباد رکھے''۔ نانو نے اسے دعا دی مگر وہ جواباً کچھ نہیں بول پائی۔

''ایسے موقعوں پر لڑکیاں آمین کہتی ہیں۔ کیا یہ بات بھی مجھے یہ بتانا پڑے گی؟'' نانو کے عقب سے سیف کی آواز اُبھری تھی۔ وہ اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

''میرے حصے کا آمین تم کہہ چکے ہو''۔

''سب ہی بچے باہر لان میں ہیں۔ تم بھی وہیں چلو۔ میں تمہاری بڑی ممانی سے کہہ کر کھانا لگواتی ہوں''۔ نانو بول رہی تھیں۔

''نانو! کھانا پھر کبھی کھاؤں گی میں۔ اس وقت میں چلوں گی۔ اور سیفی! حشر کر دوں گی اب کے کوئی نیوز مجھ سے چھپائی تو''۔ مسکراتے ہوئے شانے پر گھونسا مارتے ہوئے دھمکی دی گئی۔

''میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں''۔ سیفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مگر اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں......میں چلی جاؤں گی۔ تم فی الحال آرام کرو۔ تھکے ہوئے ہو۔ خواب دیکھو، اچھے اچھے مستقبل کے''۔ میرب کہہ کر باہر نکل آئی۔ باہر آ کر کیب گھر جانے کے لیے کروائی تھی۔ گاڑی راستوں پر گامزن تھی جب اچانک ہی اس نے ڈرائیور کو گاڑی مخالف سمت موڑنے کو کہا۔ وہ خود نہیں سمجھ سکی اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔

اپنے ایک پل کے فیصلے پر وہ خود حیران رہ گئی تھی۔

کیب جانے پہچانے راستوں پر چل نکلی تھی۔

وہ ساکت نظروں سے ان منظروں کو، راستوں کو دیکھتی جا رہی تھی۔

گاڑی اس کے اشارے پر رُکی۔ وہ اُتری، گیٹ کھلا تھا مگر اُس کے قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔

کیا کہے گی؟

کیا جواز دے گی؟

وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

ایک لمحے میں دماغ ماؤف لگا۔

کوئی پوچھے گا تو وہ کیا کہے گی؟ وہ سمجھ پائی نہ جان پائی تھی۔ شاید اسی بات نے اس کے قدم باندھ لیے تھے۔ شاید اسے اس طرح یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

اس نے ایک پل میں فیصلہ کیا اور اُلٹے قدموں واپس مڑی جب اچانک پیچھے آنے والی گاڑی کے بونٹ سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے دوسرے ہی پل گاڑی سے نکل کر اسے اُٹھا لیا تھا۔ غالباً اپنے سامنے اس گھڑی اسے دیکھ کر وہ بھی کچھ حیران ضرور ہوا تھا۔

''تم یہاں؟''

نیچے گرنے کے باعث خراشیں اس قدر آ گئی تھیں کہ وہ درد سے کچھ بول ہی نہ سکی۔ ساری کلائیاں چھل گئی تھیں۔ سردار سبکتگین نے اس کے خون رستے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''چوٹ آ گئی تمہیں تو......چلو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں''۔

ایک نوازش ہوئی تھی۔ جانے کیونکر۔ مگر وہ سر نفی میں ہلاتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گھٹنے میں شدید درد محسوس ہوا تھا۔ سبکتگین نے اسے اپنے مضبوط بازو کا سہارا دیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں''۔ اس نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا۔

''لیکن تم یہاں آئی کیوں تھیں؟'' وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ شخص اس سے جواز چاہ رہا تھا۔ لہجہ سرد بھی تھا اور سپاٹ بھی۔ میرب اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے ہار گئی۔

آنکھیں پانیوں سے لبالب پھر بھر گئی تھیں۔ احتمال تھا کہ چھلک جاتیں، وہ نگاہ پھیر گئی۔ چوٹ نے کچھ بھرم رکھ لیا تھا۔ وہ اگر اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ بھی رہا تھا تو یہی سمجھ رہا ہوگا یہ نمی اس اچانک لگنے والی چوٹ کے باعث ہے۔ مگر جواز...... بروقت کوئی جواز دینا تو ضروری تھا۔

''میرا...... میرا کچھ سامان یہاں رہ گیا تھا۔ کچھ...... کچھ بکس اور......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی سردمہری سے چہرہ پھیرتے ہوئے واچ مین کو گیٹ بند کرنے کا اشارہ دیا تھا۔ پھر اسے سہارا دے کر اس کے منع کرنے کے باوجود گاڑی میں بٹھایا اور خود ڈرائیورنگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی راستوں پر ڈال دی تھی۔

میرب سیال بھیگی آنکھوں سے اسے چپ چاپ دیکھتی رہ گئی تھی۔

نہ کوئی جواب دے سکی، نہ کوئی وضاحت۔

کیسی چپ سی لگی تھی لبوں پر۔

اور خاموش تھا وہ شخص بھی۔

☆......☆......☆

وقت کے ہاتھوں میں جیسے اس وقت، اس گھڑی سب کچھ تھا۔ جو چاہتا کہانی لکھ دیتا۔ عجب من موجی سی گھڑیاں تھیں وہ۔ کچھ عجب اسم پھونکنے والی۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ اپنی اپنی جگہ چپ تھے مگر شاید دونوں ہی اس کیفیت کے زیر اثر تھے اور دونوں ہی نگاہ چرا رہے تھے۔ وقت سے آنکھیں پھیر رہے تھے۔

میرب نے دانستہ اس پر نگاہ کی تھی۔ اس شخص کو دیکھا تھا۔ دل چاہا تھا، کوئی بات ہو۔

دل میں کوئی خواہشوں کا پہرہ تھا مگر وہ لمحے چپ چاپ گزر رہے تھے۔

بنا کوئی کہانی لکھے۔

''آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی...... میں ٹھیک تھی''۔ اس نے ٹریٹمنٹ کے بعد ہسپتال سے نکلتے ہوئے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً اسے خاموشی سے ایک نگاہ دیکھا تھا، پھر گردن دوبارہ موڑ لی تھی اور قدرے توقف سے بولا تھا۔

''ڈاکٹر نے دو ہفتے کے بیڈ ریسٹ کے لیے کہا ہے۔ ملنے جلنے سے بالکل منع کیا ہے۔ کسی نئی مہم پر پھر مت نکل جایئے گا''۔ انداز

عجب ڈپٹنے والا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ نیا پن تھا مگر اس وقت اس کا بولنا کچھ غنیمت لگا تھا۔

''ہاں، ماؤنٹ ایورسٹ تو مجھے ہی سر کرنا ہے نا''۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ ''آپ بھی کسی ماؤنٹ ایورسٹ سے کم تو نہیں''۔ آواز بہت کم تھی۔ وہ غصہ نکالنے کو منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں تک کچھ آواز پھر بھی جیسے پہنچ گئی تھی۔

'' کچھ کہا آپ نے؟'' ایک نگاہ سرسری انداز میں اس پر ڈال کر دریافت کیا تھا۔

''نہیں''۔ میرب نے بڑے ہی لاتعلق انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نگاہ بھرپور انداز میں اس پر ڈالی تھی۔

'' کچھ کھانا ہے آپ کو؟''

میرب سیال اس سے قطع نظر ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے میوزک کلیکشن کو چیک کر رہی تھی۔ اس اچانک مہربانی نے کچھ چونکایا ضرور تھا مگر وہ زیادہ حیرت سے ظاہر کیے بغیر صرف ایک نظر اس شخص کو دیکھ کر دوبارہ وہیں متوجہ ہو گئی تھی۔

''میوزک بھی اپنے جیسا رکھا ہوا ہے۔ کوئی ایک ڈھنگ کا نہیں''۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر۔

''میں نے پوچھا، کچھ کھانا ہے آپ کو؟''

کھایا تو اس نے صبح سے کچھ نہیں تھا۔ اس شخص کی مہربانی پر کچھ حیرت بھی تھی۔ درمیانی دیوار اتنی بڑی تھی کہ اس کا جواب یقیناً نہیں ہی ہوتا۔ مگر جانے کیسے اس نے نگاہ اس شخص کی جانب کی تھی اور سر خود بخود اثبات میں ہل گیا تھا۔ پھر نگاہ پھیر کر اس نے ساری توجہ اس میوزک سسٹم پر مرکوز کر دی تھی۔

یوں شام وسحر یہاں وہاں

ہم ڈھونڈا کیے تیرے نشاں

اورے پیا!

تیرے بنا

جیا جائے نہ

یوں شام وسحر یہاں وہاں

ہم ڈھونڈا کیے تیرے نشاں

مغنی کی آواز ماحول کی ترجمانی کرنے لگی تھی۔ میرب نے دوسرے ہی پل ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے اس اقدام کو بہت سرسری انداز میں دیکھا تھا اور بِنا کوئی ردِعمل ظاہر کیے گاڑی ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی اور اس کے اُترنے کا منتظر ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ میرب نے یوں تاثر دیا تھا جیسے وہ قطعاً نابلد ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''اُتریں گی آپ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے یاد دلایا تھا کہ یہاں گاڑی روکنے کا مقصد کیا تھا۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا، ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کے لیے کہا ہے''۔ میرب نے ری مائنڈ کروایا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

کچھ سوچ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اُچکائے تھے۔ میرب سیال نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جواباً وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور گھوم کر اس کی طرف آیا۔ دروازہ کھولا اور میرب کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر جھک کر اسے بازوؤں میں لیا اور اُٹھا کر چلتے ہوئے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کیسا لگا تھا، وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ اتنی سبکی محسوس کر رہی تھی کہ اس کی آنکھیں خود بخود مچ گئی تھی۔

اقدام اتنا اچانک تھا کہ وہ سنبھل تک نہ سکی۔

اتنی دوریوں کے بعد قربتیں اتنی بڑھیں گی وہ سوچ تک نہیں سکتی تھی اور وہ بھی اس پُر ہجوم مقام پر۔

اس کی پناہوں میں خود کو پانا ایک دل فریب احساس تھا۔ دل ساتویں آسمان پر اُڑنے کو تھا۔ کتنا محفوظ محسوس کر رہی تھی وہ خود کو۔ کتنا متغیر۔

اچانک اسے اپنا آپ بہت بلندیوں پر لگا تھا۔

اس کے کان سبکتگین حیدر لغاری کی دھڑکنوں کے کتنے قریب تھے۔ کاش وہ دل اس کے لیے دھڑک سکتا۔ دھک، دھک کی اس آواز میں کوئی صدا اس کے نام کی بھی ہوتی۔

حسرتوں نے اپنے پاؤں ایک دم سمیٹے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نرم و نازک وجود کو چیئر پر بٹھایا۔ اس کی پناہوں میں بدستور موجود میرب نے آنکھیں کھول دیں۔ کتنے لوگ دیکھ رہے تھے۔ اس نے آنکھیں ایک لمحے میں دوبارہ میچ لیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گردن میں اس کی نازک کلائی اب تک موجود تھی جیسے وہ اس کی پناہ سے نکلنا نہیں چاہتی ہو۔ اس خواب کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''مکمل کر دو......''

اس کا جملہ اس کے اندر اُبھرا تھا اور بازگشت دور تک گئی تھی۔

''مکمل کر دو......''

اس کے لب بہت بے خودی میں، بہت آہستگی سے ہلے تھے۔ اسے احساس تک نہ ہوا تھا۔ وہ کسی کرشمے کے ہونے کا اس لمحے یقین نہیں کر رہی تھی۔ اسے گمان بھی نہ تھا۔ نہ کوئی خوش فہمی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس سے یک دم دور ہو جانے پر اس نے آنکھیں کھول کر اُسے ایسے دیکھا جیسے کسی خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز معمول پر تھا، جیسے کوئی واقعہ نہ ہوا ہو، کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی ہو۔

اس ایک بات کی ہلچل سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دُنیا میں کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ تو کیا وہ صدا سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں تک نہ پہنچی تھی؟

اس کی دھڑکنوں کا ارتعاش ایک لمحے کو تھما۔

تو وہ آواز صرف اس کے اندر گھٹ کر رہ گئی تھی۔

وہ فسوں ساز لمحے گزر چکے تھے۔

جان کا افسوں تھم چکا تھا۔

وہ ایک لمحے کا طلسم جامد ہو چکا تھا۔

کیا ہوتا جو وہ آواز لبوں تک آ پاتی۔

اس کی سماعتوں تک جا پاتی۔

تو کیا پھر کوئی کرشمے ہو جاتے۔

وہ فسوں کچھ کام کر جاتا۔

وہ سوچنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی زیادہ سوچ نہیں پائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مینیو کارڈ سامنے پھیلائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ کچھ دریافت بھی کر رہا تھا۔ میرب نے کچھ سوچے سمجھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خاموش ہو کر اس کا جائزہ لیا تھا، پھر ویٹر کو بلا کر آرڈر دے دیا تھا۔ میرب اس کی سمت اپنی پوری جاں سے متوجہ تھی۔ دل جانے کیوں ٹھہر جانے کو تھا۔ عجیب پاگل سا ہو رہا تھا۔ ان لمحوں کو روک لینے کا خواہاں تھا۔

''آئی ایم سوری''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اچانک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چونکی۔ اچانک ایک خوش گمانی کہیں اندر اُبھری تھی۔

''فور وہاٹ؟''

''اس ایکسیڈنٹ کے لیے۔ آپ کو یہ درد میری وجہ سے ملا۔ کوئی پوچھے گا تو آپ کیا کہیں گی؟'' وہ شرمندہ تھا، یا لہجہ کچھ اجنبی لگا تھا۔ میرب کو ایک لمحے میں ساری منظر اُنہی سرد خانوں میں سمٹے لپٹے نظر آئے تھے۔

''غلطی صرف آپ کی ہی نہیں ہے''۔ نگاہ اس پر سے ہٹا کر وہ آہستگی سے تسلیم کرتے ہوئے بولی تھی۔ ''غلطی میری بھی تھی''۔ پتہ نہیں کس ضمن میں وہ بول رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا تھا مگر وہ نگاہ دوسرے ہی لمحے سرسری انداز میں تبدیل ہو چکی تھی۔

کتنے دنوں بعد کچھ لمحے ساتھ گزارنے کو ملے تھے۔

یہ کچھ لمحے بھی بہت غنیمت لگے تھے۔ وہ ان لمحوں کے تاثر کو زائل کرنا چاہتی تھی۔ بھرپور طور پر محسوس کرنا چاہتی تھی، مگر دوسری طرف کی خاموشی کا وہ کیا کرتی۔

''کیا ہوا؟......آپ کچھ کھا نہیں رہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ اس کی بینڈج والی کلائی پر گئی تھی۔

''اوہ''۔ وہ انڈر اسٹینڈ کرتے ہوئے اپنا چمچ اپنی پلیٹ میں رکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس کا چمچ اُٹھا کر اسے کھلانے لگا۔

میرب سیال حیرت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ یہ لمحے کیا کر رہے تھے اس کے ساتھ......کیا اسم پھونک رہے تھے؟

دل کیسی ضد کر رہا تھا

کیسی خواہشوں نے اس کے گرد اپنے پَر پھیلائے تھے۔

وہ ایک حیرت کدے میں کھڑی تھی۔ وہ اس کے روبرو تھا، ساتھ تھا۔

مگر پھر بھی اس قدر دور دکھائی کیوں دے رہا تھا؟

وہ حیرت سے پُر آنکھوں سے چپ چاپ اسے بھرپور توجہ سے کھانا کھلاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مورا تم بن جیا نہیں لاگے

سن رے مورے ساجنا

مورا تم بن جیا نہیں لاگے

سن رے مورے پیارے ساجنا

رات اندھیری

گنوں میں تارے

کیسے آؤں پیا تو رے دوارے

لاگے نہ مورا جیا

میوزک گاڑی میں بج رہا تھا۔ وہ چپ تھا۔ مکمل چُپ سا ہیہ نے اسے صرف خاموشی سے دیکھا تھا، مگر فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔

''کیا ہوا؟......تم اس طرح چپ کیوں ہو؟'' اذہان نے اسے چپ دیکھ کر خود ہی دریافت کیا۔ وہ مسکرا دی۔

''میں چپ نہیں ہوں۔ تمہاری گاڑی میں سی ڈی پلیئر اتنا اچھا بج رہا تھا کہ میں تو کھو ہی گئی''۔ اس کا انداز انتہائی غیر سنجیدہ تھا۔

اذہان ایک ٹرانس میں ہونے کے باوجود مسکرا دیا تھا، جس طرح اس نے کمپنی کا نام تک گنوا دیا تھا، وہ اس لہجے کے طنز کو سمجھ سکتا تھا۔

''نہیں، رئیلی ساؤنڈ اچھا ہے۔ میں بھی اپنی گاڑی میں یہی میوزک سسٹم لگواؤں گی''۔

''ہا......ہا......ہا......اوکے، میں تمہاری مدد کروں گا۔ نو پرابلم، اینی ٹائم۔ مگر اس لمحے تمہارا موڈ زیادہ اہم ہے''۔

''اوہ رئیلی؟......آپ کو اس بات کا اندازہ ہے؟'' وہ اتنے پُرسکون انداز میں بات کرنے کی عادی تھی کہ وہ کسی قدر شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔

''آئی ایم سوری''۔ وہ اسی نرمی سے مسکرائی تھی۔

''تم جانتی ہو، ہم میں بہت سی باتیں ایسی ہیں ساہیہ! جو ہمیں ایک دوسرے سے کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے''۔ وہ بولا تو ساہیہ مسکرادی تھی۔

''ضرورت ہوتی ہے اذہان! اور میں سوچتی ہوں ضرورت باقی رہنی چاہیے۔ اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی ضرورت باقی نہ رہی تو شاید......اینی ہاؤ، تمہیں میں نے اپنے نئے ریسٹورنٹ کے لیے لوکیشن دیکھنے کو کہا تھا''۔

''ہاں۔ تمہیں اگر دیر نہیں ہو رہی تو ہم میرب کی طرف ہو لیں؟ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ بات ہوئی تھی۔ غالباً کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے''۔

''وہاٹ؟......کیسے؟......اب ٹھیک ہے وہ؟'' ساہیہ کو تشویش ہوئی تھی۔

''ویل......آئی ہوپ۔ مگر زیادہ بڑا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔ بتا رہی تھی معمولی چوٹیں آئی ہیں مگر اس لڑکی کی معمولی چوٹوں کو بھی جانتا ہوں میں۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے لیے بالکل بھی کنسرن نہیں ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا پرابلم ہے''۔

وہ یوں بول رہا تھا، بنا اس کے احساسات کی پرواہ کیے۔ ساہیہ اسے سنتے ہوئے بہت ملائمت سے مسکرادی تھی۔

''بہت اچھی طرح سے جانتے ہو اسے؟'' پتہ نہیں سوال تھا یا حیرت کا بھرپور اظہار۔ وہ بنا توجہ دیئے فوری طور پر بولا تھا۔

''جانوں گا کیسے نہیں۔ ہم ایک مدت تک ساتھ رہے ہیں اور......'' ایک دم ہی اسے اپنی بات کا احساس ہوا تو بات وہیں پر ادھوری چھوڑ دی تھی۔

ساہیہ بنا اسے کسی بات کا احساس دلائے یا جتائے چہرہ پھیر گئی تھی۔

وہ بھی کچھ نہیں بولا تھا۔

''یہ کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' ساہیہ کی نگاہ راستوں پر پڑی تو بولی تھی۔ ''تم تو وہی گھر کی طرف آ رہے ہو۔ میرب کی طرف نہیں جانا؟''

''نہیں''۔ انداز پُرسکون تھا۔

''کیوں؟''

''بس نہیں......آج نہیں......میں پھر کسی وقت چلا جاؤں گا۔ تم بتاؤ، کہاں جانا ہے؟'' وہ اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کرتا ہوا بولا تھا۔

''کہاں جانا ہے، کیا مطلب؟......ہم میرب کی طرف جا رہے ہیں۔ پلیز ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔ مجھے بھی اس سے ملنا ہے۔ اتنی ساری اچھی باتیں سنی ہیں میں نے اس اچھی سی لڑکی کی۔ اب میں بھی اس سے ملنا چاہوں گی''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''شیور؟'' وہ جیسے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ جانے کیوں مسکرادی تھی۔

"آف کورس۔ کیوں، تم مجھے اس سے ملوانا نہیں چاہتے؟"

"تم جانتی ہو، ایسی بات نہیں ہے ساہیہ!" وہ اپنے آپ کا مکمل دفاع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا تھا۔

"ہاں...... میں جانتی ہوں"۔

"کیا جانتی ہو تم؟" وہ چونکا تھا۔

"تم مجھ سے محبت کرنے لگے ہو"۔ وہ محظوظ ہو کر مسکرائی تھی۔ اذہان ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ! تم بھی نا"۔

"تم بھی نا وہاٹ؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

"یقیناً کرتا ہوں...... میں ایک مشرقی قسم کا بندہ ہوں ساہیہ! اب تم سے محبت نہیں کروں گا تو اور بھلا کیا کروں گا"۔ وہ جس انداز سے بولا تھا اس پر وہ ہنس دی تھی۔

"یعنی مجھ سے محبت کرنا اب تمہاری مجبوری ہے؟"

"نہیں، خواہش"۔ وہ جواباً پُرسکون انداز میں مسکرایا تھا۔

"یہ خواہش حسرت ہی نہ بن جائے کہیں"۔ وہ بے تاثر لہجے میں کہتی ہوئی راستوں پر نگاہ ڈالتی بولی تھی، پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اور یہ تم پھر میرب کی طرف نہیں چل رہے۔ اگر تم مجھے اس سے ملوانا نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے"۔

"ایسی بات نہیں ہے کہ میں تمہیں اس سے ملوانا نہیں چاہتا"۔

"پھر کیا وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی؟"

"نہیں...... ایسا بھی نہیں ہے"۔

"یوں بھی ہے۔ تم خود ضرور اس سے مل لینا"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا تھا مگر وہ کچھ کہے بغیر چہرہ پھیر گئی تھی۔

"تم مجھ پر شک کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں"۔

"پھر؟"

"محبت کرنا چاہتی ہوں"۔ وہ اس کی تمام تر ٹینشن ایک پل میں رفع کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"ساہیہ! تم......" وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اذہان! تم جتنے سیدھے نظر آتے ہو، ہو نہیں"۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آپ اچھا خاصا بے وقوف بنا سکتے ہیں''۔

''رئیلی؟'' وہ ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''ہاں''۔ ساہیہ مسکراتے ہوئے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اذہان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ ساہیہ نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

ساہیہ اس لمحے اس کی طرف نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی طرف سے رُخ پھیرے پھیرے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اذہان کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسی لیے وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

☆......☆......☆

باہر بارش ہو رہی تھی۔

انا بیہ ویران گھر میں تنہا کھڑی تھی۔ کھڑکی سے باہر کا منظر کچھ خاص اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اچھا تو خیر ان دنوں کچھ بھی نہیں لگ رہا تھا۔

عمر کیسے کٹے گی ساری

جی نہیں لگ رہا محبت میں

اس نے سیل اُٹھا کر یوں ہی اس کا نمبر ڈائریکٹری سے نکالا تھا۔ انگلی پش کے بٹن پر تھی۔ دل چاہا تھا۔ مگر اس نے ہاتھ کو کوئی حرکت دیئے بغیر......صرف اس نمبر کو بغور دیکھا تھا اور پھر اینڈ کا بٹن پش کر کے وہ سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ تنہا گھر میں ڈر نہیں رہی تھی مگر وہ اپنے اردگرد کسی کو چاہ ضرور رہی تھی۔

دل پتہ نہیں کیوں چاہ رہا تھا کہ اسے آس پاس ہونا چاہیے۔

کیسی خواہش تھی یہ؟

کیسی لگن تھی؟

وہ جان نہیں پائی تھی۔

وہ ہمیشہ اس سے دور جانے کے اقدامات کرتی رہی تھی۔ پھر اب یہ خواہش کیوں سر اُبھار رہی تھی۔ اس نے ہر طرف سے دھیان ہٹا کر پھر سیل فون ہاتھ میں لیا اور اس کا نمبر اب کے ملا دیا۔

ایک......دو......تین......

''ہیلو!''

تیسری بیل پر کال ریسیو ہو گئی تھی اور عفنان علی خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں میں تھی۔ انابیہ اس طرف فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''ہیلو!''عفنان اس کے چپ رہنے پر اُلجھن سے دوبارہ بولا تھا۔

''ہیلو......میں بات کر رہی ہوں''۔انابیہ نے ہمت کر کے بمشکل کہا۔وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گیا پھر رسانیت سے بولا تھا۔

''ہاں، بولو''۔

''وہ......میں......''سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، کیا بولے۔

''ڈر لگ رہا ہے؟''عفنان نے دریافت کیا تھا۔

''نہیں......وہ......''انابیہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔''وہ میں چاہ رہی تھی میں لامعہ کی طرف ہو آؤں''۔

''اس موسم میں؟''عفنان کو حیرت ہوئی تھی۔

''ہاں......اکیلی گھر پر اور کیا کروں؟''

''کس کے ساتھ جائیں گی؟''

''پتہ نہیں''۔بے خبری سی بے خبری تھی۔

''اگر جانا اتنا ضروری نہیں اور آپ میرا انتظار کر سکتی ہیں تو کر لیجیے۔ میں تھوڑی دیر میں کام ختم کر کے نکل رہا ہوں''۔کوئی بھی دوسری بات سنے بغیر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔انابیہ ہاتھ میں سیل فون لیے کھڑی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''کیسے چوٹ لگوائی یہ تم نے؟''فارحہ کو پتہ چلا تو رہ نہیں سکیں۔ بہت عرصے بعد وہ اسی بہانے ہی سہی، اس گھر میں آئی تھیں۔ آخری بار وہ تب آئیں تھی جب ماما کی موت کا سانحہ گزرا تھا۔میرب، فارحہ کے آنے پر خوش تھی۔

''بس آنٹی! لگ گئی۔آپ پریشان نہیں ہوں۔زیادہ بڑی چوٹ نہیں ہے۔معمولی سی ہے۔جلدی ہی ٹھیک ہوں جاوں گی۔اذہان نہیں آیا؟''

''ہاں......وہ کہہ رہا تھا آنے کو، مگر پھر شاید کوئی ضروری کام آن پڑا۔آئے گا وہ۔تمہاری سسرال والوں کو پتہ چلا کہ کیا ہوا ہے؟''

''کیا؟''وہ چونکی تھی۔

''اس ایکسیڈنٹ کے متعلق پوچھ رہی ہوں''۔فارحہ آنٹی نے اس کے حیران ہونے پر وضاحت دی تھی۔

''اوہ......اچھا......''میرب کو قدرے اطمینان ہوا تھا۔''شاید کسی نے بتا دیا ہو''۔اس نے سرسری انداز میں بات سمیٹی تھی۔

''کیا مطلب؟......تم نے انہیں نہیں بتایا؟''

''نہیں۔مگر زوباریہ نے شاید بتا دیا ہو''۔اس نے چائے کی ٹرالی لیے اندر آتی زوباریہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''کیا......؟'' زوباریہ نے دریافت کیا۔

''فارحہ آنٹی پوچھ رہی ہیں، آپ نے لغاری کے گھر والوں کو اس ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا کہ نہیں؟''

''ہاں، بات ہوئی تھی میری لغاری کی مائی سے۔ بتا دیا تھا میں نے انہیں۔ آپ کیسی ہیں؟...... میرب کی آنٹی ہیں آپ، پھر بھی اتنا کم آتی ہیں''۔ زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اپنائیت کا بھرپور احساس دیا تھا۔

''بس، وقت ہی نہیں ملتا''۔ فارحہ نرمی سے مسکرا دیں۔

''اپنوں سے ملنے کے لیے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی''۔

''ہاں......ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ''۔ فارحہ نے مکمل اتفاق کیا۔

''اب آتے رہنے کی کوشش کرتی رہوں گی۔ مظہر بھائی کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں''۔ زوباریہ نے جواب دیا اور چائے کا کپ انہیں تھما دیا۔

''کافی عرصہ گزر گیا ان کو دیکھے، ان سے ملے۔ میرب کی رخصتی کب کر رہے ہیں آپ؟'' فارحہ نے دریافت کیا تھا۔

''بس دیکھیں......مظہر کیا کرتے ہیں۔ اس کی سسرال نے تو جلدی مچائی ہوئی ہے''۔

''ہاں، اتنی پیاری بہو کون نہیں چاہے گا''۔ فارحہ نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''آپ نے بھی تو بیٹے کی منگنی کی ہے نا''۔ زوباریہ نے دریافت کیا تھا۔

میرب کو اس وقت وہ ذکر کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ دھیان اس طرف سے زیادہ اس طرف تھا۔ کل کے بعد اس کا کوئی پیام نہیں آیا تھا۔

''کیا ہوا؟......کیسا سوچ رہی ہو تم؟......کوئی پریشانی ہے؟'' زوباریہ کے جانے کے بعد فارحہ نے اس سے دریافت کیا تو میرب نے سر انکار میں ہلا دیا۔

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں''۔

''شیور؟'' فارحہ نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

میرب نے نگاہ پھیرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''تم اس شادی سے خوش ہو نا؟'' فارحہ کو جانے کیوں تشویش ہوئی تھی۔

''جی آنٹی!......سب ٹھیک ہے''۔

''سب ٹھیک ہے تو پھر تم خوش دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟''

''میں خوش ہوں''۔ وہ ایک لمحے میں جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں، یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''

''وہ بس اچانک ......نانو کے گھر سے واپسی پر''۔ وہ کوئی واضح جواب نہیں دے سکی تھی۔ ''ماہا کی شادی کی بات کہاں تک پہنچی؟'' میرب نے بات بدل دی تھی۔

''ہاں، بس چل رہی ہے۔ دعا کرو سب اچھا اچھا ہو جائے۔ بچوں کی خوشیوں کی فکر ان سے زیادہ ہمیں ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہم کچھ سمجھتے نہیں۔ انہیں یہ نہیں خبر ہم ان کے دل کی جان رہے ہوتے ہیں''۔ فارحہ نے پتہ نہیں کیا جتانا چاہا تھا۔ وہ بس پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''آنٹی! مجھے اُمید ہے سب اچھا ہو جائے گا۔ ماہا کی شادی دھوم دھام سے ہوگی''۔

''ہاں......خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ تمہاری بھی اتنی دھوم دھام سے ہو۔ ہم والدین بس اپنے بچوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں''۔

''ہم بھی''۔

''یہ مظہر بھائی کب تک آتے ہیں؟......سوچا آج آئی ہوں تو ان سے بھی ملتی چلوں''۔

''پتہ نہیں......شاید دیر لگے۔ آپ آتی جاتی رہیے گا نا اب۔ آپ کا ناتا مجھ سے جڑا ہوا ہے نا۔ یا وہ بھی ختم ہو گیا؟'' میرب بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھ میں لیا۔ پھر پیشانی پر پیار کرتے ہوئے بولیں۔

''یہ رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو اس رشتے کے اور بھی گہرا ہونے کا خواب دیکھا تھا مگر......مگر میں خوش ہوں اور اپنی پیاری سی بیٹی کے خوش رہنے کی دعا کرتی ہوں۔ خدا تمہارا نصیب اچھا کرے''۔ فارحہ آنٹی کی دعاؤں کو جانے قبول ہونا تھا کہ نہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ بس وہ اتنا جانتی تھی کہ اس وقت جان کے اندر ایک اضطرابیت کے سوا کچھ نہ تھا۔

☆......☆......☆

''آپ تیار نہیں ہوئیں؟'' وہ سیڑھیوں پر بیٹھی تھی جب وہ چلتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا۔ انابیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں نے سوچا آپ آ جائیں تو......''

''آپ کو لگا نہیں آؤں گا میں؟'' عفنان نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا جیسے وہ اس سے ہر طرح کی توقع رکھتا تھا۔

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں تھی''۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مدھم لہجے میں بولی۔

''تو پھر؟'' عفنان علی خان نے استفسار کیا۔

''دل نہیں چاہ رہا''۔ بہت کمزور سی وضاحت آئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' عفنان چونکا۔

''مطلب یہ کہ اب موڈ نہیں''۔ اس نے ایک نگاہ اسے دیکھ کر کہا۔ عفنان علی خان کو کچھ حیرت اب بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بس خاموشی سے اسے دیکھا۔

''پھر......؟'' قدرے توقف سے وضاحت طلب کی گئی۔

''مطلب؟'' انابیہ سمجھی نہیں تھی۔

''پھر کیا کرنا ہے؟''

''پتہ نہیں''۔

''کہیں جانا ہے؟''

''پتہ نہیں''۔

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں''۔

''بات کا پتہ ہے آپ کو؟''

''نہیں''۔

''تو پھر پتہ کیجئے''۔

''رائٹ''۔

''آپ بہت......''

''کیا؟''

''کچھ نہیں''۔ عفنان نے مزید کچھ بولنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا تھا پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے وہ بولی۔

''گاڑی کی چابی مل سکتی ہے مجھے؟''

وہ چونکا تھا۔

''کس لیے؟''

''کیا میں اپنی مرضی سے کہیں جا بھی نہیں سکتی؟''

''موسم دیکھ رہی ہیں آپ؟......اس موسم میں اکیلی کہاں جائیں گی؟''

''کہیں بھی''۔ وہ سر جھکا کر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

''کیا کہا آپ نے؟'' عفنان نے وضاحت چاہی تھی۔

''گھٹن ہوتی ہے مجھے۔ گھٹن ہو رہی ہے۔ دم گھٹ رہا ہے میرا اندر، آپ کے اس قید خانے میں۔ اکیلی دیواروں کو دیکھتے دیکھتے تھک چکی ہوں میں''۔ انابیہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ عفنان نے کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا اور

لے کر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

وہ پُر اطمینان دکھائی دے رہا تھا۔

انابیہ اُس کے اقدام پر حیران تھی لیکن فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''کہاں جانا ہے؟''عفنان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پوچھا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

عفنان علی خان نے ایک لمحے کو انتظار کیا پھر بنا کچھ مزید دریافت کیے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''آپ مجھے نہیں بتائیں گی تو میں بھی یوں ہی چپ چاپ گاڑی چلاتا رہوں گا''۔

''کیوں کریں گے آپ ایسا؟......اتنا فالتو وقت ہے آپ کے پاس؟''انابیہ نے جیسے جل کر دریافت کیا تھا۔

عفنان نے کچھ کہے بغیر صرف ایک نگاہ خاموشی سے اس پر ڈالی۔

''ہمیشہ وہ مت سوچا کریں جو آپ کے دماغ میں آتا ہے۔کبھی وہ بھی سوچ لیا کریں جو آپ سوچنا نہیں چاہتی ہیں''۔اس کی طرف دیکھے بغیر بھرپور انداز میں شکوہ کیا گیا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔کیسا شکوہ تھا؟......کیسا طنز تھا؟

کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا؟

''آپ کو لگتا ہے کہ غلطیاں صرف ایک ہی فرد کر سکتا ہے؟''اس نے کسی قدر جل کر پوچھا۔وہ جانے کیوں اطمینان سے منہ پھیر کر مسکرا دیا۔

''اب آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ پر الزام لگا رہا ہوں''۔اس نے اپنے طور پر نتیجہ اخذ کیا۔

''نہیں......میں نے ایسا کچھ نہیں کہا''۔

''تو پھر آپ نے کیا کہا؟''

''آپ لڑنے کے موڈ میں ہیں؟''وہ اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

''صرف میں؟''اُلٹا وہ پوچھنے لگی تھی۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے،میں بھی؟''

''آپ کا نہیں لانے کا موڈ تھا تو سیدھے سے منع کر دیتے......اس طرح سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟وہ جل کر بولی۔بڑے دنوں بعد درمیان کی خاموشی ٹوٹی تھی۔جھگڑ رہی تھی مگر وہ اس سے بات تو کر رہی تھی۔جھگڑے کا یہ انداز خالصتاً گھریلو تھا۔رشتے کی پہچان لمحے میں ہو رہی تھی۔

''اگر میرا موڈ نہیں ہوتا تو میں آپ کو کبھی نہیں لاتا''۔

''مجھے ساتھ لا کر مجھ پر احسان کیا کیا؟''

''اب آپ بیویوں کی طرح لڑیں گی؟'' وہ بولا تو وہ ایک لمحے میں چپ ہوگئی۔نظریں صرف اس شخص کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ایک لمحے میں پتہ چلا تھا ان کے درمیان رشتہ کیا تھا۔وہ ایک دوسرے کے کیا لگتے تھے۔اس رشتے میں کتنا کچھ سہا جاسکتا ہے۔

وہ جانے کیوں چپ ہوکر چہرہ پھیرگئی تھی۔گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی۔عفنان علی خان نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر معمول کے انداز میں دریافت کیا تھا۔

''آپ نے سوچ لیا ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''نہیں...... مجھے نہیں پتہ''۔وہ چہرہ پھیر کر بارش کو دیکھنے لگی تھی۔

''سی ویو......؟''اس کے چہرے کو تکتے ہوئے دریافت کیا گیا۔

''پتہ نہیں''۔وہ لاتعلق ہوگئی تھی۔

عفنان نے گاڑی سمندر کے کنارے روک دی تھی۔وہ پہلی فرصت میں دروازہ کھول کر باہر نکلی۔عفنان نے چپ چاپ اس اقدام کو دیکھا پھر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔وہ اس سے بے خبر چلتی ہوئی لہروں کے پاس جارُکی تھی۔پھر اچانک سر اُٹھا کر آسمان کی طرف تکتی ہوئی ان بارشوں کی بوندوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی تھی۔وہ دور گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے چپ چاپ کھڑا اسے تکتا رہا۔

ایک عالم اپنی جگہ ٹھہر گیا۔

دونوں بارش میں بھیگ رہے تھے۔وہ سوچ نہیں پایا تھا،اسے کیا سوچنا چاہیے۔وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

جو لمحے اس کی گرفت میں تھے وہ صرف ان کو دیکھ رہا تھا،ان کو سوچ رہا تھا۔

ایک لمحے میں کئی خواہشوں نے اسے تھاما تھا۔

کئی خواب اس کے اندر جاگے تھے۔وہ اس ہاتھ کو تھامے اور چلتا ہوا دور تک نکل جائے یا پھر اس بھیگے آنچل کا ایک کونا چپکے سے چھولے اور اسے خبر تک نہ ہو۔

وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔

مگر اچانک جانے کیا ہوا کہ قدم اُٹھے اور چلتا ہوا اُس کے قریب جارُکا۔وہ چونک کر یک دم مڑی اور اس کے ساتھ آن ٹکرائی۔

فاصلے صدیوں کے تھے اور لمحوں میں سمٹ گئے۔محبت کی گرفت میں جیسے سارا زمانہ آگیا ہو۔

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عفنان نے جانے کیوں بہت آہستگی سے اس کے گرد اپنا مضبوط بازو پھیلا دیا تھا۔نگاہوں میں ایک تپش تھی۔انابیہ اس اتفاق پر کچھ حیران تھی۔یہ بے وقت کا ''کرم'' کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔وہ نوازش کچھ پلے نہیں پڑی تھی مگر ایک پل میں اس کے اندر سب زیروزبر ہوا

تھا۔ایک لمحے میں سارے وجود میں ایک قیامت سی مچی تھی۔ساری جان جیسے مٹھی میں آ گئی تھی۔

پل میں یہ کیا ہوا؟......وہ جان نہیں پائی۔وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔نگاہوں میں کچھ تھا۔

انابیہ کو اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا۔

عفنان نے اسی توجہ سے اسے دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر سے بارش کی ان ٹھہری ہوئی بوندوں کو چنا تھا۔

تب ہی انابیہ نے چہرہ پھیر لیا۔

لمحے ایک پل میں ایک طلسم سے جاگے تھے۔

عفنان علی خان نے ایک لمحے میں اس کے گرد سے اپنا حصار ختم کیا تھا اور اسے جیسے ہر تاثر سے آزاد کر دیا تھا۔

وہ دور ہٹی تھی اور پھر دوسرے ہی پل رُخ پھیر کر سمندر کی وسعتوں کو دیکھنے لگی تھی۔عفنان علی خان خاموشی سے نگاہ اس منظر سے پھیر گیا۔

☆......☆......☆

''اچانک بیٹھے بٹھائے کیا کر لیا؟''فون کے اس طرف اذہان حسن بخاری نے ڈپٹتے ہوئے دریافت کیا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

''قسمت کی چوٹ کو کوئی روک نہیں پاتا مگر پریشانی کی بات نہیں ہے کیونکہ چوٹ کچھ اتنی بڑی نہیں ہے۔معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔تم سب کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہو؟''میرب نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔''جو اہم ہوتے ہیں ان کے لیے پریشان ہونا پڑتا ہے۔جو اہم ہو اس کی فکر بھی رہتی ہے''۔اذہان جتا رہا تھا۔وہ بہت پھیکے سے انداز سے مسکرائی۔

''رئیلی؟''آنکھوں میں ایک چہرہ آ کر ٹھہر گیا۔

''ہاں''۔اذہان نے باور کرایا۔''ایسا ہوتا ہے......اگر محبت درمیان ہو تو''۔

''شاید''۔وہ بے یقین سی دکھائی دی تھی۔اس کا بات کرنے کا اپنا دائرہ تھا اور اذہان کا اپنا زاویہ۔دونوں اپنی اپنی سمتوں میں کھڑے اپنے اپنے دائروں میں قید تھے۔

''شاید نہیں، یقیناً......رشتہ کوئی بھی ہو اگر محبت ہے تو وہ اہم ہے''۔

''ہو سکتا ہے''۔میرب کا لہجہ اب بھی یقین سے کچھ خالی تھا۔

''کیا ہوا؟''اذہان نے اس طرف اس کی آواز کے موسموں کو جانچا تھا۔

''نہیں......کچھ نہیں''۔میرب نے سر انکار میں یوں ہلایا جیسے اس گھڑی وہ اس کے سامنے بیٹھا ہو۔

''میرب!تمہارے لہجے میں ایک تبدیلی آئی ہے۔تم جیسی لڑکی کو اتنا بے یقین دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے''۔

''کس بات کی حیرت؟''وہ بہت کھلے انداز میں مسکرائی تھی۔''وقت کے ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے اذہان!ہمیں اس بات پر تو حیرت نہیں ہوتی......پھر میرے بدلنے پر کیوں؟''وہ بہت پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔

''نہیں......میں حیران نہیں ہو رہا۔صرف یہ چاہتا ہوں تم اپنا خیال کرو''۔

''تم بھی اذہان!......تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں......''

''کیا ہوا؟......کچھ تھکے لگ رہے ہو؟''

''ہاں......کچھ مصروف تھا''۔

''کچھ وقت خود کو بھی دیا کرو اذہان!''

''ہاں''۔وہ مسکرا دیا تھا۔

''ایسے کیوں مسکرا رہے ہو؟......آئی ایم سیریس''۔

''ہاں،جانتا ہوں۔آئی ول ڈو''۔

''ساہیہ ٹھیک ہے؟''۔

''ہاں''۔

''تم آئے نہیں؟''

''ہاں،آؤں گا۔مجھے آنا تھا مگر بزی اتنا تھا کہ......''

''اب تمہارے پاس میری لیے بھی وقت نہیں رہا؟''اس نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔وہ مسکرا دیا۔

''ایسی بات نہیں ہے......میں آؤں گا۔اور......''وہ بول رہا تھا اور ملازمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

''بی بی جی!گین صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں''۔

''اچھا''۔ملازمہ کو جواب دے کر اس نے فوراً اذہان کو دوبارہ مخاطب کیا تھا۔''اذہان!میں کچھ دیر بعد تمہیں کال کروں گی۔ٹیک کیئر۔تھینکس فار کالنگ''۔سلسلہ منقطع کیا تھا۔دل جانے کیوں بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

شاید یہی وہ ایک پیغام تھا جسے سننے کو اس کے کان منتظر تھے۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اندر داخل ہوا۔میرب دیکھنے کی خواہش کے باوجود اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟''

نہ ہاتھ میں کوئی بکے،نہ لبوں پر کوئی دھیمی سی اپنائیت بھری مسکراہٹ۔

میرب نے سر اُٹھا کر دیکھا تو کچھ دل بجھ سا گیا۔

''ٹھیک ہوں''۔مدھم لہجے میں بولی تھی۔''آپ بیٹھئے نا''۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے نہ چاہتے ہوئے مجبوراً بیٹھ گیا۔

''اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' سردار سبکتگین پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں''۔

''زخموں میں کوئی درد وغیرہ تو نہیں؟''

کن زخموں کی بات کر رہا تھا وہ؟...... زخم تو کئی تھے۔ وہ کن زخموں کا مداوا کرنے آیا تھا؟

''ہاں...... ٹھیک ہوں۔ درد ہے، مگر زخموں میں درد تو ہوتا ہی ہے''۔ وہ کہنے سے باز نہیں رہ سکی تھی۔ انداز میں ایک شکوہ سا تھا۔

تو کیا سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پرواہ تھی؟

تو کیا وہ چارہ گر بن کر آیا تھا؟

''اگر زیادہ درد ہے تو آئی کین کال ٹو ڈاکٹر۔ اگر وہ کہیں تو ہاسپٹلائز کروا دیتے ہیں''۔ وہ بنا سمجھے، غور کیے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔

آہ...... کیسا تھا یہ چارہ گر...... کیسا تھا بے خبر؟

اس کی نگاہ صرف بیرونی زخموں پر تھی جو صرف اس نے بیرونی طور پر دیئے تھے۔

''نہیں...... ٹھیک ہوں میں۔ اس کی ضرورت نہیں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سیل فون اُٹھایا تھا، جب اس نے منع کر دیا۔

''رائٹ''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے کہنے پر موبائل دوبارہ رکھ دیا تھا۔ جیسے وہ بہت سعادت مند ہو۔

''سو وازاپ؟''

''ناٹ مچ...... آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں...... کل جرمنی جا رہا ہوں ایک ہفتے کے لیے۔ پھر نیویارک، پھر پیرس، اس سے اگلے آٹھ دنوں کے لیے کینیڈا''۔

وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''مائی پوچھ رہی تھیں...... ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس لیے وہ آ نہیں سکیں''۔

''کیا ہوا انہیں؟''

''کچھ زیادہ نہیں...... کچھ بی پی ہائی تھا''۔

''اوہ...... میری طرف سے انہیں پوچھ لیجئے گا''۔

''رائٹ...... سب ٹھیک ہے نا؟'' وہ غالباً مروتاً پوچھ رہا تھا۔

''ہاں''۔ (سب کچھ ٹھیک نہیں بھی ہو تو کیا؟) میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے...... چلتا ہوں میں۔ کچھ چاہیئے ہو تو......'' وہ کوئی نوازش کرنے کے موڈ میں تھا کیا؟

''نہیں''۔اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اوکے...... چلتا ہوں''۔وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''کیا گڈ بائے بھی نہیں کہیں گے؟'' وہ مڑا تو وہ بولی تھی۔کہنا تو نہیں چاہا تھا مگر زبان سے لفظ پھسل گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مڑا۔اسے دیکھا۔نگاہ بھر پور تھی۔شاید کوئی خاص تاثر بھی رکھتی تھی۔میرب خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ٹیک کیئر......سی آ......'' کہنے کے ساتھ ہی وہ مڑا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا اور ایک خواب جیسے وقت کی مٹھی سے آزاد ہو گیا ہو۔

کیا تھی ملاقات......

لمحوں پر محیط......

دو چار رسمی جملوں سے بھری۔

اندر کی بے چینی کچھ بڑھ گئی تھی۔سکون تو پہلے بھی نہیں تھا۔اب تو اور بھی رخصت ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ کیا بات ہوئی؟......تم نے اس سے کچھ نہیں کہا؟'' گی ژیا نگ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

''کیوں؟......کیا کہنا تھا مجھے اسے؟......گی! تم بہت بے وقوف لڑکی نہیں؟''

''نہیں......میں بے وقوف نہیں ہوں گین! میں زندگی کو سنجیدگی لینے کی عادی ہوں''۔

''زندگی کو سنجیدہ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔زندگی کو بندے کو سنجیدہ لینا ضروری ہے''۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! زندگی کی فلاسفی کو سمجھنے سے کہیں بہتر زندگی کو سمجھنا ہے۔اس زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔جو تمہارے سامنے ہے''۔گی ژیا نگ نے اسے سمجھانا چاہا۔مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم یہ بات مجھے سمجھا رہی ہو؟......میرا تجربہ تم سے بہت زیادہ ہے۔میں نے زندگی کو اس سے بھی قریب سے دیکھا ہے۔سو میری کیلکولیشن کبھی غلط نہیں ہو سکتی''۔

''گین! اتنا قطعی ہونے کی کوشش مت کرو۔ضروری نہیں کہ زندگی تمہارا فرض کیا ہوا مفروضہ ہی ہو۔زندگی کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔وہ جو تم نے نہ فرض کی ہو نہ ہی کیلکولیٹ''۔گی نے اپنی دانست میں بڑی بات کہی تھی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''گی! زندگی کی سمجھ اب تمہیں آنے لگی ہے۔یہ جان کر خوشی ہوئی۔شاباش! اچھی بات ہے۔اسے سمجھنے کی کوشش کرتی رہو۔ایک دن تم بھی میری طرح اچھا کیلکولیٹ کرنے لگی گی''۔گی کو اس سے ایسے جواب کی توقع قطعاً نہیں تھی،اسی لیے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا مگر وہ ہنس دیا۔گی کے لیے یہ نیا تھا۔وہ بہت کم ہنستا تھا۔عموماً اس کا مسکرانا ہی ایک ''گڈ سائن'' ہوتا تھا لیکن اب اگر وہ ہنس رہا تھا تو یقیناً

کوئی بات تھی۔

شاید وہ خود کو دھوکا دے رہا تھا پھر بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔شاید وہ اَپ سیٹ تھا اور اپنے اس تاثر سے باہر آنا چاہتا تھا اور اسی لیے یہ کھو کھلے قہقہے اسے اپنا بہترین سہارا محسوس ہو رہے تھے۔

''گین! محبت ایسے نہیں اچھی''۔گی نے اسے دیکھتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا۔''بالکل بھی نہیں اچھی گین!......ٹرسٹ می۔محبت ایسے نہیں ہوتی۔اسے راہ دو گین! یہ تمہارے اندر اپنی جگہ خود بخود بنا لے گی''۔گی ژیانگ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''محبت کوئی عملی تجربہ یا فرض کی ہوئی بات نہیں ہے۔یہ کوئی کیلکولیشن بھی نہیں ہے گین! محبت یہ سب نہیں ہے جو تم اسے سمجھ نہیں پا رہے ہو۔سود اور خسارے کی بات مت کرو۔مت کیلکو لیٹ کرو۔یہ جمع تفریق کی بات نہیں ہے۔یہ فرض کرنے والی بات بھی نہیں ہے۔اسے دل کے حوالے کرو۔دل کو اپنے فیصلے خود کرنے کی عادت ڈالو گین!''

''گی! میں نے کیا کہا ہے یار؟ یہ اتنا دھواں دھار قسم کا لیکچر کس لیے دیا؟ تمہیں خبر ہے کہ اتنے سارے بزی شیڈول میں تمہارے لیے وقت نکال پاؤں گا۔سو تم ساری باتیں آج ہی کر لینا چاہتی ہو''۔وہ ہر بات ہنسی میں اُڑا دینا چاہ رہا تھا۔گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم سمجھ رہی ہو مجھے کوئی بہت بڑی قسم کا،خطرناک سا کوئی غم لاحق ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔آئی ایم ناٹ اِن لو۔میں اس پیار و محبت میں بالکل بھی نہیں ہوں۔نیور......آئی نیور بین اِن لو۔ان سب چیزوں کے جھنجھٹوں میں وہ پڑتے ہیں جنہیں کوئی اور کام نہیں ہوتا اور میرے لیے دنیا میں اور بھی کئی کام اہم ہیں۔سو میں نہ مجنوں بن سکتا ہوں نہ کچھ اور۔میں جذباتی عمر کے کسی لمحے میں نہیں ہوں۔میں جس عمر میں ہوں اس میں دل سے نہیں صرف عقل سے کام لیا جاتا ہے۔یہاں سب کچھ صرف زندگی کی ضرورت ہے۔سو جہاں جس شے کی ضرورت پڑے وہ لے لینا چاہیے''۔گین نے کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''کبھی کبھی جب مجھے خود کو جھٹلانا ہوتا ہے تو میں بہت زیادہ بول لیتی ہوں گین! مگر اس سے مجھے کچھ زیادہ خوشی نہیں ملتی''۔وہ ایک لمحے میں اسے جھٹلا گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''گین! یہ تمہاری زندگی ہے۔تمہاری اپنی زندگی۔اسے اوروں کی طرح دور سے بے خبری دیکھ کر مت گزارو۔یہ تمہارے معاملات ہیں۔ان میں انٹرسٹ لو''۔وہ ناصحانہ انداز میں بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں۔مجھے اپنی زندگی کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے گی! یہ معاملات مجھ سے چھپے ہوئے قطعاً نہیں ہیں۔تم فکر مت کرو۔سب جلد......بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ٹرسٹ می''۔

''کیا ہو گا۔تم میرب کو بتانے جا رہے ہو کہ تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو؟''وہ اسے طیش دلاتی ہوئی بولی تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔

''گی! تم بالکل پاگل ہو''۔

''کیوں.....محبت کرنے سے کوئی پاگل ہو جاتا ہے؟''

''کس دنیا میں رہتی ہو تم؟......بالکل اپنے جیسی فضول سی دنیا بنا رکھی ہے تم نے یہ۔ جو تم سوچنا چاہتی ہو، تم صرف وہ سوچتی ہو''۔

''مگر یہ بے وقوفی تو نہیں ہے''۔ گی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اسے جھٹلانا چاہا تھا۔ مگر وہ اسے رد کرتا ہوا بولا۔

''محبت بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اپنے دماغ کو اس ٹین ایج سے نکالو۔ تم اب بچی نہیں رہی ہو''۔ وہ بات ختم کرتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

گی کو ایک لمحے میں سب محنت بے کار جاتی نظر آئی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ رہ نہیں سکی تھی۔

لامعہ کو اس سے کتنے بھی گلے سہی۔

وہ اس کے سامنے آئے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔

اس لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جبھی وہ بولی۔

''شاید تم مجھ سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہو......شاید تم میری صورت دیکھنا بھی نہ چاہو مگر میں''۔

انابیہ نے آہستگی سے چلتے ہوئے قدم اس کی طرف بڑھائے تھے اور اس کے مقابل جا کر رُک گئی۔

لامعہ جس خاموشی سے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر کوئی تاثر واضح نہ تھا۔

''لامعہ! میں بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہ رہی تھی مگر اپنے اندر ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اس لیے نہیں کہ میں نے کوئی غلطی ایسی کی ہے جس پر میں شرمندہ ہوں۔ صرف اس لیے کہ...... میں تمہاری نفرت کا سامنا نہیں کر سکتی۔ میرے لیے یہ مشکل تھا۔ شاید میں نے واقعی غلطی کی ہے۔ کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہے''۔ وہ سارا الزام اپنے سر لے رہی تھی۔

مگر لامعہ بنا کچھ بولے چپ چاپ کھڑی تھی۔

انابیہ نے ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آئی ایم سوری لامعہ! اگر تمہارا دل میری وجہ سے دکھا ہو تو......''

''تم پھر......انابیہ! کس قسم کی لڑکی ہو تم؟ تم پھر یہاں آ گئی ہو، مجھے اس بات کا احساس دلانے کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنا غلط کیا ہے''۔ اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

مگر انابیہ کو کچھ حیرت نہیں ہوئی۔

''لامعہ! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔تم مانو یا نہ مانو مگر میں تمہیں کہیں قصوروار نہیں سمجھتی''۔

''اوہ......تو تم پھر یہ بتانے آئی ہو کہ تم مجھے کتنا نواز سکتی ہو''۔لامعہ بدستور زہر اُگل رہی تھی۔لہجے میں ایک طنز تھا مگر انابیہ کا حوصلہ جیسے بہت بڑا تھا۔

''لامعہ! تم کچھ بھی کہو، میں تم سے بات کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔چاہے تم دھکے دے کر اس گھر سے نکال دو مگر پھر بھی......میں تم سے بات ضرور کرنا چاہوں گی''۔

''اوہ......اب تم مجھے اتنا برا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں تمہیں دھکے دے کر اس گھر سے بھی نکال سکتی ہوں۔ہاں، اچھائی کا کام آپ نے جو ذمے لیا ہوا ہے''۔

''لامعہ! تم مجھ سے اس حد تک خائف ہو؟''انابیہ کو حیرت ہوئی تھی۔''میں تو سمجھی تھی وہ تمہارا وقتی غصہ ہو گا اور جب میں دوبارہ تمہارے سامنے آؤں گی تو......''

''انابیہ! کس مٹی سے بنی ہو تم؟......تم کیوں فرشتہ بننے پر تلی ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ اتنا کچھ برا کیا اور تم......''

''لامعہ! اگر میں تمہیں قصوروار سمجھتی تو یہاں نہیں آتی''۔

''تم مجھے کچھ بھی سمجھو، آئی ڈیم کیئر۔مجھے پتہ ہے تم یہاں صرف آئی ہو تو اس لیے کہ تم ایک بار پھر وہ تسکین حاصل کر سکو جو تمہیں کسی کو خود سے نیچے ثابت کر کے ملتی ہے''۔

''لامعہ! شٹ اَپ۔تمہارے اندر میرے لیے اتنا زہر بھرا ہوا ہے۔اتنا، اس قدر برا سوچتی ہو تم۔بچپن سے ہم ساتھ رہے ہیں۔ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلے ہیں۔اور تم......لامعہ! میں نے کبھی آج تک تم سے کوئی برا رویہ رکھا، کبھی تمہیں لٹ ڈاؤن کرنے کی کوشش کی؟''انابیہ نے وضاحت چاہی تھی۔

''نہیں......تم نے ایسا کچھ کبھی کرنے کی کوشش نہیں کی، مگر تم نے ہمیشہ وہ کیا جس نے تمہیں اور تمہارے قد کو ہمیشہ بڑھا دیا۔انابیہ! مجھے نہیں لگتا کہ ہم کبھی اچھے دوست بھی تھے''۔لامعہ زہرخند لہجے میں بولی تھی۔

''یہ تم کہہ رہی ہو لامعہ؟''انابیہ کو سراسر حیرت ہوئی تھی۔

''اوہ، پلیز انابیہ! اب اتنا اچھا بننے کی کوشش مت کرو۔کچھ نہیں......کچھ نہیں کیا تم نے۔مگر میں نے ضرور کچھ کیا ہے اور وہ تمہیں بھی پتہ ہے۔تم ایک بار پھر اپنا ہاتھ اوپر کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔اتنی انجان مت بنو کہ جیسے تمہیں کچھ خبر نہیں اور اتنی فرشتہ بننے کی کوشش بھی مت کرو کہ تم سب آسانی سے بھول سکتی ہو یا معاف کر سکتی ہو''۔

''لامعہ! تم......تم اس طرح کیسے بول رہی ہو؟......اتنا بدل سکتی ہو تم......اندازہ نہیں ہوتا مجھے۔میری لامعہ......میری اپنی لامعہ اتنی بدل سکتی ہے۔چلو ٹھیک ہے، میں فرشتہ بننے کی کوشش نہیں کرتی۔مگر تم......لامعہ! جو تم نے کیا، کیا تم اس پر ایک بار بھی گلٹی نہیں ہو؟''اس

کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو لامعہ مسکرا دی۔

''انابیہ! یہی بات میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی تھی۔تمہیں اس احساس میں ایک بار ضرور مبتلا دیکھنا چاہتی تھی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اس کا کوئی ایک الزام، کوئی ایک ردِعمل میں تمہارے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی۔تمہارے لہجے میں محسوس کرنا چاہتی تھی اور وہ میں نے دیکھ لیا۔تم نے محسوس کیا، تم نے پہلی بار کسی پر کوئی الزام اُچھالا ہے۔ہاں، ٹھیک کہا تم نے۔بالکل ٹھیک پوچھا۔جو کچھ بھی میں نے کیا، میں اس کے لیے گلٹی ہوں۔یس، آئی ایم گلٹی۔دین...... کیا فرق پڑتا ہے اس سے...... تم تو اب بھی نہیں بدلی ہو۔اب بھی ویسی ہی ہو''۔اس کے لہجے پر انابیہ کو حیرت ہی حیرت تھی۔

''لامعہ! مجھے یقین نہیں آتا تم اس حد تک جا سکتی ہو۔مگر میں اب بھی تمہیں اپنا دوست مانتی ہوں''۔

''اب بھی؟''لامعہ مسکرائی۔انداز عجب استہزائیہ تھا۔

''شٹ اَپ لامعہ!...... اگر اب تم نے کچھ بھی مزید کہا تو۔میں تم پر اب بھی اتنا ہی حق سمجھتی ہوں۔مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ہاں، کچھ غلطیاں مجھ سے ہوئی ہیں، مگر میں انہیں بھی سدھار سکتی ہوں، اگر تم سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی کی ہے تو میں اس کے لیے عفنان کو بھی چھوڑ سکتی ہوں۔مگر پلیز، تم مجھ پر یہ طنز کرنا بند کر دو۔غلطیاں تم سے بھی ہوئی ہیں۔اگر میں ان کی طرف نشاندہی نہیں کر رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم بے قصور ہو۔شیم آن یو۔تم نے اپنی دوست کے ساتھ جو کیا وہ کوئی نہیں کر سکتا۔مر جاتی میں، تمہیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔کوئی ملال نہ ہوتا۔کتنی بے حس لڑکی ہو تم، یہ مجھے آج پتہ چلا ہے۔اور اب بھی تم سب کچھ جانتی ہو کہ تم نے کتنا کچھ کہاں کہاں غلط کیا ہے تو تم شرمندہ تک نہیں ہو۔کس قسم کی لڑکی ہو تم؟...... تمہیں میں اپنا دوست کہتی ہوں...... تم جیسی لڑکی کو...... جو اس دوستی کو ڈی زرو بھی نہیں کرتی۔جو دوست یا دوستی کے معنی تک نہیں جانتی۔بات صرف اتنی سی تھی کہ میں اس دوستی کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جانا چاہتی تھی مگر تم...... لامعہ! تم کسی بھی بات کو بھولنا نہیں چاہتی ہو''۔وہ مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

آنکھیں دھواں دھواں سی تھیں۔

لامعہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

کتنا عجیب شخص تھا وہ۔

میرب نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ عجیب شخص نہیں دیکھا تھا۔اتنا وقت اس کے ساتھ گزار کر بھی وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

پتہ نہیں اس شخص کے لیے جذبے، احساسات کوئی معنی رکھتے بھی تھے یا کہ نہیں۔

ہمیشہ کتنے اعتدال میں دکھائی دیتا تھا وہ شخص۔

ایک بیلنس لائف گزارنے کا اتنا عادی تھا کہ......

اور اب کتنے بہت سے دنوں کے لیے اسے چلے جانا تھا۔

یہاں......وہاں......کتنی جگہوں پر جانا تھا اسے۔

کتنا لمبا چوڑا شیڈول بتایا تھا اس نے اسے۔ اسے تو یاد تک نہ رہا تھا۔ یاد رہا تھا تو بس اتنا کہ اسے بس دور جانا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں نیم دراز کیا کچھ سوچ رہی تھی مگر سوچوں کا تسلسل اسی کے نام تھا۔ اسی سے منسوب تھا۔

پتہ نہیں کیوں ان دنوں وہ شخص بھولتا نہیں تھا۔ کچھ بھی ہوتا، نام ذہن سے نکلتا تک نہ تھا۔ کچھ عجب سا ہو رہا تھا ان دنوں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیوں؟

وہ ایسا محسوس کر رہی تھی۔ سب کچھ بہت نیا تھا۔

وہ بالکل سمجھ نہیں پائی تھی یہ کیوں تھا اور کیسے تھا؟

ہاں، مگر اس لمحے بہت اچھا سا لگا تھا جب وہ شخص وہاں آ گیا تھا۔

''آپ......؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔

''ہاں......جا رہا تھا۔ مائی نے کہا تمہارا حال احوال پوچھ لوں''۔

''مائی کیسی ہیں؟'' میرب نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بغور دیکھا۔ اونچا لمبا، سوٹڈ بوٹڈ سامنے کھڑا کتنی تمکنت رکھتا تھا اپنے اندر۔ جیسے وہ سارا جہاں فتح کر سکتا ہو۔

''آپ بیٹھیں نا۔ کھڑے کیوں ہیں؟'' میرب نے اسے جیسے یاد دلایا تھا کہ وہ کتنی عجلت میں ہے۔

وہ جیسے چونکا تھا۔ پھر کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' سبکتگین نے حال احوال پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں''۔ میرب نے آہستگی سے کہا تھا۔ ''آپ کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہوں......مائی کہہ رہی تھیں کسی شے کی ضرورت ہو تو بتا دیں''۔

''ضرورت تو ہے مگر......'' میرب بولتے بولتے رہ گئی تھی۔

''کس شے کی؟'' وہ چونکا تھا۔ میرب نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......کچھ نہیں۔ سب کچھ ہے میرے پاس''۔

''سب کچھ؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کیا جاننا چاہا تھا۔ میرب نے بنا سوچے سمجھے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ غور تک نہ کیا تھا کہ اگلا بندہ کس ضمن میں دریافت کر رہا تھا۔ وہ اگر جاننے کی کوشش کرتی تو شاید جان پاتی۔

''مائی کو میری طرف سے شکریہ کہیے گا اور بتائیے گا کہ میں انہیں بہت مس کر رہی ہوں''۔ میرب نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ان کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے؟'' میرب نے خاموشی اور سکوت کے ڈر سے پہلے سے پوچھی گئی بات کچھ زاویہ بدل کر دوبارہ پوچھی تھی۔

''ہاں، پہلے سے بہتر ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ سنجیدہ تھا۔

''کیا ہوا؟...... آپ اس طرح چپ چاپ سے کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟'' وہ شاید بالکل نہ پوچھتی مگر اس شخص کی صورت سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

''نہیں...... کچھ نہیں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

''آپ بتانا نہیں چاہتے؟'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

''آج آپ کے لائر کی طرف سے ایک نوٹس ملا تھا''۔

''لائر...... میرا کون سا لائر ہے؟ کس قسم کا نوٹس''۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری زیادہ بولنے پر مائل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''آپ بتائیں گے مجھے کچھ؟'' وہ جل کر بولی۔

تبھی وہ بولا تھا۔

''ڈائیورس...... کیا آپ نہیں جانتیں؟''

''وہاٹ...... ڈائیورس؟...... کس کی؟'' وہ قطعاً نہ سمجھ سکی تھی۔

''آپ اتنا انجان بننے کی کوشش کیوں کر رہی ہیں؟...... اگر آپ اپنے سر کوئی الزام لینا نہیں چاہتیں تو کوئی جھوٹ بول دیجئے۔ کیا ضرورت ہے اس طرح دامن بچانے کی...... یا پھر......''

''آپ...... آپ مجھے ہی کیوں الزام دینے پر بضد دکھائی دیتے ہیں؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے خاموشی سے بغور دیکھا۔

''کیا واقعی کچھ نہیں جانتیں آپ؟'' آواز میں یقین بہت کم تھا۔ جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس پر اعتبار نہ ہو۔ میرب سیال نے بہت بے یقین سے لہجے میں سر انکار میں ہلایا تھا جو ہوا ہو اس پر اسے یقین نہ ہو۔

''آپ مجھے کچھ بتائیں گے؟''

''جو مجھے معلوم تھا آپ کو بتا دیا۔ اس سے آگے آپ کو لائر ہی بتائے گا''۔ وہ حتمی انداز میں سنجیدہ سا بولا تھا۔ وہ کچھ اُلجھ کر رہ گئی تھی۔

''کیا مطلب......؟'' بات قطعاً سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”مطلب یہ کہ اب آپ اتنی بھی بچی نہیں ہیں۔اچھی طرح سمجھتی ہیں معاملات کو۔کیا بات ایک بار آپ کی سمجھ میں نہیں آئی؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سخت لہجے میں کہا تھا پھر خود اندازہ ہوا تھا تو دوبارہ بول نہیں سکا تھا۔

میرب سیال کو اپنی سماعتوں پر اب تک یقین نہ ہوا تھا۔ایسا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔یہ اچانک کیا ہو گیا تھا......اور کس نے کیا تھا یہ؟اس کی اجازت کے بغیر ایسا کون کر سکتا تھا؟

صرف پاپا......

تو کیا پاپا اس سے پوچھے بغیر اتنا آگے تک جا سکتے تھے؟

میرب سیال یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے اس کے سر پر آسمان آن پڑا ہو۔

وہ رشتہ جو ہمیشہ اس کے لیے دردِ سر تھا، جو ہمیشہ بوجھ معلوم ہوا تھا، ہمیشہ سے نالاں دکھائی دیتی تھی، ہمیشہ جس رشتے سے بھاگتی تھی، آج وہی رشتہ بہت اہم لگا تھا۔آج اس رشتے کے ٹوٹنے کے خیال سے اس کی جان رُکنے کو تھی۔اس کے وجود میں جیسے کوئی بھونچال آ چکا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی حالت سے بے خبر اسے کہہ رہا تھا۔

”آپ کو یہ سب کرنا تھا تو پہلے بتا دیتیں۔اس طرح عدالتوں میں خواری کی نوبت نہیں آتی۔یہ کورٹس کے سارے بکھیڑوں سے بچ جاتیں۔آپ کو ہر کام کی جلدی ہوتی ہے اور آپ ہر کام کا غلط طریقے سے آغاز کرتی ہیں“۔

کس کام کی بات کر رہا تھا؟

کیا غلط آغاز کیا تھا اُس نے......؟

اس کی زندگی میں ہی تو داخل ہوئی تھی۔

اور وہ بھی اپنی مرضی سے کہاں؟

اپنی رضامندی سے کہاں؟

اس میں تو سراسر مصلحت تھی۔

”کیا میں اس کے دل میں گھر کر چکی ہوں؟......کس بات کا ملال ہے آپ کو؟......“ وہ دریافت کرنا چاہتی تھی مگر شاید لفظ حلق میں اٹک جاتے۔وہ بولتی تو شاید بولا نہ جاتا۔

کیا غلط سوچ رہا تھا وہ شخص؟

کیا غلط سمجھ رہا تھا؟

سارا کا سارا الزام اس کے سر رکھ دیا تھا۔

مگر وہ اس پوزیشن میں قطعاً نہیں تھی کہ اپنے متعلق کوئی وضاحت دے سکتی۔وہ ساکت سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ جو چاہتی ہیں وہ بہت جلد ہو جائے گا۔ کچھ بھی ناممکن نہیں تھا۔ آپ نے خوامخواہ کورٹس کا سہارا لیا۔ لائر کے چکروں میں پڑیں۔ آپ آرام سے بیٹھ کر بات کر لیتیں تو اس سب کی نوبت بھی نہیں آتی"۔ وہ الزامات کی بارش کر رہا تھا۔

اچھا برا سب اس کے سر کر رہا تھا۔ میرب دھندلی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ اس کا چہرہ پڑھنا چاہتی تھی؟ کیا وہ پُر ملال تھا اس رشتے کے ختم ہونے پر؟ کچھ دُکھ اسے بھی تھا؟ کیا وہ بھی اتنی ہی دُکھن محسوس کر رہا تھا؟

وہ اسے پڑھنا چاہتی تھی۔ اسے پڑھنے کی خواہش میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

مگر وہ نہیں پڑھ پائی تھی۔

وہ نظر ہمیشہ کی طرح بے تاثر اور نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔

"مائی کو اس بات کی کچھ خبر نہیں...... اگر خبر ہوئی تو وہ بہت شاکڈ رہ جائیں گی۔ ہماری فیملی وقار کا کچھ خیال کیا ہوتا۔ اتنا نام، مقام اور یوں کورٹس کی خواریاں...... ہم ایسے اسکینڈلز افورڈ نہیں کر سکتے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا۔ آپ نہیں جانتیں شاید، آپ کے لیے یہ معمولی ہو مگر ہمارے لیے یہ بات بہت بڑی ہے۔ اگر ایک بار آپ پہلے سے بات کر لیتیں تو بیٹھ کر کچھ مصالحت ہو سکتی تھی۔ بات کورٹ میں جائے بغیر فیصلہ آپ کے حق میں ہو سکتا تھا۔ بس بات طریقے اور سلیقے سے کرنے کی تھی۔ بات اس طرح نیوز پیپر اور میڈیا میں نہ جاتی۔ آپ نہیں جانتیں لیکن آپ کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے اب ہمیں اور ہماری فیملی پر سٹیج کو کتنا سفر کرنا پڑے گا۔ یہ معاملات جتنے آسان ہو سکتے تھے آپ نے اب اتنے ہی اُلجھا دیئے ہیں"۔ کتنے الزامات تھے۔

وہ اس شخص کے حد درجہ خلاف رہی تھی۔ کبھی بھی اسے دل سے قریب نہیں لگا تھا یہ سب۔

نہ وہ رشتہ، نہ وہ شخص۔ مگر اب جب اسے ختم کرنے کی خبر سنی تھی تو ایک لمحے میں جان وجود سے نکلتی محسوس کیوں ہوئی تھی؟

وہ ہمیشہ دور بھاگی تھی اس شخص سے۔

پھر یہ اچانک کیا ہوا تھا؟

کچھ کچھاؤ سا وہ کیوں محسوس کر رہی تھی؟...... پلٹ کر ایک لمحے کو دیکھا تھا تو سب کچھ بندھا ہوا کیسے دکھائی دیا تھا؟...... دل کا کونہ اس رشتے سے اٹک کر کیوں رہ گیا تھا؟ کیوں ہوا تھا ایسا؟

پھر یہ احساس کیوں ہوا تھا کہ اس سے اس کا سب کچھ چھن رہا ہو۔

"میرب! آپ ہمیشہ جلد بازی کی قائل رہی ہیں۔ بہت بچپنا ہے آپ میں...... آپ ایک جھٹکے میں معاملے کو سلجھانا چاہتی ہیں مگر اس طرح نہیں ہوتا۔ زندگی میں ہر بات کا انسٹنٹ حل کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں فوری طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ آپ اپنا بچوں جیسا مزاج بدل لیں۔ اس طرح گزارا نہیں چلتا۔ ہر دفعہ فائدہ ہو، ایسا ضروری بھی نہیں۔ ذرا سی عقل استعمال کرنے سے بندہ بہت بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ آپ کو تو سوچ ہی لینا چاہیے تھا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ اس کے لیے اتنے بڑے خطرے مول لیے جاتے۔ مجھے اتنا تو جان گئی

ہوں گی آپ اس عرصے میں...... میرے لیے کیا اہم ہے اور کیا کتنا غیر اہم اور غیر ضروری۔ اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو گا آپ کو...... میں آپ جیسی ناسمجھ داری کی عمر میں نہیں ہوں۔ نہ ہی بچگانہ انداز میں فیصلوں کو اُلجھانے کا عادی ہوں۔ جو بات آپ کو تکلیف دے، اسے ختم کر دینا بہتر ہے اور یہ سب اگر سکون سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ پُرسکون حالت کے فیصلے زیادہ پائیدار بھی ہوتے ہیں اور بہتر بھی۔ میں حالت سکون میں رہنے کا قائل ہوں اور اس میں فیصلے کرنے کا بھی۔ میرے لیے خود سے زیادہ اہم فیملی پرسٹیج ہے۔ مجھے میڈیا میں پاپولر ہونے یا نام بنانے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔ آپ نے غلط سمت میں قدم اُٹھایا۔ جو بات دو فریقین کے درمیان میں کمرے میں بیٹھ کر حل ہو سکتی تھی، اسے اس طرح دُنیا کے سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

کتنا سرد، لاتعلق اور بے تاثر انداز تھا اس کا۔ جیسے وہ اپنے تئیں کسی اور کے معاملات کی بات کر رہا ہو۔ کتنا ٹھہراؤ تھا اس کے لہجے میں جیسے اس سب سے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ جیسے یہ سب اس کے لیے معمول ہو۔ کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو۔

تو کیا وہ رشتہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے واقعی کوئی مفہوم نہ رکھتا تھا؟...... کیا وہ واقعی اس قدر لاتعلق تھا؟...... اس رشتے کی اسے کوئی پرواہ نہیں تھی؟

کیا واقعی......؟

وہ اس کا چارہ بن کر آیا تھا۔ اس کا احوال پوچھنے اور کیسے کیسے زخم لگا رہا تھا اسے۔

وہ خار خار ہے شاخ گلاب کی مانند

میں زخم زخم ہوں پھر بھی گلے لگاؤں اسے

میرب کی آنکھوں میں بہت خاموشی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور بڑی ہی بے قدری سے رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

ان الزامات کے جواب میں اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ کسی ایک الزام کی وضاحت بھی نہیں کر سکی تھی۔ کسی ایک بات کے جواب میں بھی نہیں بول سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک پل میں جیسے اس کا سارا وجود پتھر کا کر دیا تھا۔

وہ ساکت، بے یقین آنکھوں سے صرف اس شخص کو دیکھ رہی تھی...... چپ چاپ۔

وہ نگاہ ساکت تھی۔ نگاہ میں حیرت تھی۔

جو سامنے تھا، بے حس تھا، بے مروت تھا، سنگ دل تھا۔

دل نہیں تھا اس کے سینے میں...... تب ہی تو برچھیوں سے وار کر رہا تھا۔

دل زخم زخم تھا۔

اور وہ۔ اب بھی اس سے منہ موڑ نہیں پا رہی تھی۔

اس کے اتنے ٹھوس الزامات کے نتیجے میں وہ کتنی پژمردہ تھی۔

ایک بار بھی اپنا ٹھیک سے دفاع نہیں کر پائی تھی۔

سر نفی میں ہلاتی ہوئی بولی بھی تھی تو انداز بہت کمزور سا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا''۔اس نے اپنے دل میں کہا تھا مگر دوسری طرف وہ قطعاً نہ مانا تھا۔

''میرب! تمہیں اپنی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔تمہارے اقدام ہی تمہاری سب سے بڑی گواہی ہیں''۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ سرد تھا۔

دونوں فریقوں کے لیے رشتوں کی وقعت کتنی مختلف تھی۔

وہ اس کے سامنے تھا۔اتنے الزامات عائد کرنے کے باوجود۔اتنے سرد لہجے کے باوجود اسے اجنبی نہیں لگ رہا تھا۔بس نگاہ میں حیرت لیے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔جو دل سے کچھ خاص قریب تھا، مگر دل کو جان تک نہ رہا تھا اور کسی قدر اجنبی تھا۔جیسے اس سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔اس کے لیے اس تعلق کے معنی کتنے مختلف تھے۔اس تعلق کو توڑ دینا کتنا آسان تھا۔جیسے وہ تعلق اس کے لیے کچھ نہ تھا۔

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتی ہوں؟''میرب نے اپنی صفائی چاہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لحہ بھر کو دیکھا تھا۔

نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا تھا جب وہ ریسٹورنٹ سے اس شخص کے ساتھ نکل رہی تھی۔

''لگنے والی کوئی بات نہیں ہے میرب! جو ہے صاف ظاہر ہے''۔

''آپ یہ بات کیوں نہیں مان لیتے کہ میں......''زچ ہو کر وہ چپ ہو گئی تھی۔وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

میرب کے جسم سے جیسے جان نکلنے کو تھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا''۔وہ چیخی تھی۔''آپ مان کیوں نہیں رہے؟ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔کیوں کروں گی میں ایسا؟...... کیوں؟......میں تو آپ سے......''جملہ زبان پر ہی رہ گیا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

ایک ساکت منظر میں وہ تنہا رہ گئی تھی۔

لحہ بھر کو اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھا تھا پھر بہت زور سے چیخی تھی۔

''محبت تھی مجھے تم سے...... کیوں کرتی میں ایسا؟......محبت کرتی ہوں میں تم سے۔کیوں کروں گی میں ایسا؟...... ہو گئی تو کیا کروں؟......کیا کروں اب جب محبت ہو گئی تو......؟''عجب بے بس سا لہجہ تھا لیکن اس خالی خالی منظر میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

صرف وہ تھی۔

اور اس کی محبت۔کچھ آنسو اور تنہائی۔

☆......☆......☆

''مائی! آپ نے اتنی ڈھیر سی شاپنگ کر لی۔ خیریت؟'' گی نے کسی قدر حیرت سے پوچھا تھا۔ مائی مسکرا دی تھیں۔

''ہاں...... خیریت ہی ہے۔ اپنے بیٹے کی شادی کی تیاریوں میں ہوں۔ اپنی بہو کو لانے کی تیاری کر رہی ہوں''۔

''رئیلی؟'' گی چونکی تھی۔

''کوئی بات ہوئی آپ کی میرب کے والدین سے؟''

''نہیں...... ابھی تو نہیں ہوئی۔ مگر وہ بھی ہو جائے گی۔ صرف رسم ہی تو باقی ہے اور سب تو ہو چکا ہے۔ سب سے بڑا کام ہے بندھن جڑنا۔ وہ تو جڑ چکا''۔ مائی اماں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

''شاید ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ''۔ گی مسکرا دی تھی۔

''یہ دیکھو نا۔ میری میرب پر یہ کلر سوٹ کرے گا نا؟...... پتہ نہیں وہ ایسے بھرے پڑے کپڑے پسند بھی کرتی ہے کہ نہیں۔ آج کل کے بچوں کا کچھ پتہ بھی تو نہیں۔ ہمارے زمانے میں تو......'' مائی تشویش سے بولی تھیں اور وہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں مائی! میرب پر یہ رنگ سوٹ بھی کرے گا اور اسے اچھا بھی لگے گا''۔

''لے بھلا...... اپنے ساتھ لگا کر دیکھا''۔ مائی نے اسے تھما دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''میرا بھلا اس سے کیا مقابلہ؟ مگر میرب پر یہ رنگ بہت سوٹ کرے گا۔ آپ نے گین سے بات کر لی؟'' کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھا۔

''لے بھلا۔ اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ بچہ تو نہیں۔ پتہ ہے اسے، نکاح ہوا ہے۔ اب تو بات صرف میرب کو باضابطہ اس گھر میں لانے کی ہے۔ مجھے پتہ ہے وہ بھی خوش ہوگا۔ آخر ماں ہوں۔ اپنے بچے کے دل کی خوشی جانتی ہوں۔ میرب اس کی زندگی میں وہ، وہ بھی یہ چاہتا ہے۔ اسی لیے تو میں جلد......''

''ہاں، ٹھیک ہے...... ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ''۔

''کل تم میرے ساتھ تو چلنا''۔ ہم کچھ زیورات کی خرید کر لیں گے۔ جتنے کام ہیں، ابھی سے نمٹا لوں۔ بعد میں تو وقت تک نہیں ہوگا اور بہت سے کام ہوں گے کرنے کے لیے''۔ مائی ابھی سے متفکر دکھائی دے رہی تھیں۔ گی نے سر ہلا دیا تھا۔

تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں آیا تھا۔ ماں کی تیاری کو سرسری انداز میں دیکھا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟''

''تمہاری دُلہن کو اس گھر میں لانے کی تیاریاں۔ میں نے سوچا، ڈھیروں کام ہوں گے، پھر وقت نہیں ملے گا، سو تیاری ابھی سے شروع کر دوں''۔ مائی اماں مسرور دکھائی دے رہی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چہرے کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

''تجھے کیا ہوا؟'' مائی نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں، کچھ نہیں۔آپ کو بتایا تھا کہ میں رات کی فلائٹ سے نیو یارک جا رہا ہوں''۔

''ہاں۔لیکن تجھے ہوا کیا ہے؟......ٹھیک تو ہے تُو؟......طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سامنے پھیلائے ہوئے کپڑے ایک طرف رکھ کر مائی اماں تشویش سے اُٹھی تھیں۔باقاعدہ اس کی پیشانی پر ہاتھ لگا کر دیکھا تھا۔گی خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں دھواں دھواں تھیں۔کچھ تو تھا۔گی جانتی نہیں تھی مگر سمجھ ضرور گئی تھی۔کوئی بات تو تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت چپ چاپ کھڑا تھا۔

''کیا ہوا؟'' مائی نے دوبارہ دریافت کیا تھا،مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے تاثر انداز میں سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''کتنی بار کہا ہے اتنا کام مت کیا کر۔اپنی صحت کا بھی کچھ خیال رکھا کر۔اور اب تُو اس طرح بزنس ٹور پر چلا جائے گا۔تجھے اپنی کوئی فکر ہے کہ نہیں؟......کچھ میرا ہی خیال کر''۔

''مائی! آپ کا خیال ہے......بہت خیال ہے۔اپنا خیال رکھیئے گا۔میں فون کرتا رہوں گا''۔وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔چہرہ اور انداز بے تاثر تھا۔

''کوئی نیو یارک نہیں جا رہا۔تُو آرام کر۔میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔صورت دیکھی ہے تُو نے اپنی؟ ایسے پردیس جائے گا؟''
مائی کو بہت فکر ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں ہے مائی! ٹھیک ہوں میں۔آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔میں بالکل ٹھیک ہوں''۔اپنے آپ پر حیرت ہوئی تھی۔وہ اس کیفیت میں تھا کہ اپنے جذبات واحساسات پر کنٹرول نہیں رکھ پایا تھا۔اس کی نگاہ پڑھی جا رہی تھی۔
احساسات اتنے حاوی تھے اس پر۔ایک لمحے میں بہت حیرت ہوئی تھی۔

''میں تجھے جانے سے منع نہیں کر رہی۔تجھے جانا ہے، چلے جانا۔مگر آج نہیں۔فون کر کے ٹکٹ کینسل کرا دے۔تُو اس طرح چلا گیا تو مجھے فکر رہے گی''۔مائی اماں فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا پھر سائیڈ پر بکھرے ہوئے انواع واقسام کے کپڑے دیکھے تھے۔

''یہ کس بات کی تیاری ہے؟'' سپاٹ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''تیری دُلہن کو لانے کی، لیکن تو اسے چھوڑ فی الحال، چل آرام کر۔میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں''۔مائی اماں فکرمندی سے بولی تھیں مگر اس نے منع کر دیا تھا۔

''نہیں مائی! اس کی ضرورت نہیں ہے''۔وہ کہہ کر پلٹا تھا اور چلتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔مائی اماں اور گی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

عجیب لڑکی ہو تم۔ اچھا خاصا شوہر ملا ہے مگر اس کے باوجود جب بھی ملو، منہ پر بارہ ہی بجے ہوتے ہیں''۔ اوزان نے اسے دیکھ کر کہا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

''کیا ہوا ہے؟...... تمہارا چہرہ اُترا ہوا کیوں ہے؟'' ممی نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں...... کچھ کمزور لگ رہی ہے میری بچی''۔ دادا ابا نے بھی کہا تھا لیکن اوزان مسکرا دیا تھا۔

''آپ لوگوں کو محبت نے اندھا کر دیا ہے۔ اچھی خاصی تو ہے بلکہ مجھے تو پہلے سے کچھ موٹی بھی لگ رہی ہے۔ ہے نا۔ انابیہ! تم نے ویٹ پٹ آن کیا ہے نا؟''

وہ اچھے موڈ میں نہیں تھی مگر اس لمحے وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اگر اس کا ارادہ یہی تھا کہ وہ مسکرائے تو وہ مسکرا دی تھی۔

''اوزی! تم بھی نا''۔ انابیہ نے اس کے شانے پر مُکا مارا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم تو اپنے گھر خوش ہو۔ اب اپنے اس بے چارے سے بھائی کی بھی کچھ فکر کر لو''۔

''کیا فکر؟'' وہ چونکی تھی۔

''کیا فکر مطلب؟ میری شادی نہیں کراؤ گی؟''

''شادی......'' اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ دھیان اس طرف بالکل بھی نہ تھا۔ جو کچھ بول رہی تھی، بہت خالی دماغ سے تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہوا تھا، تب ہی چونک کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے سر ہلاتی ہوئی بولی تھی۔

''ہاں، سوری! مجھے یاد نہیں رہا۔ اپنے بھائی کی شادی تو مجھے یہ کروانا ہے''۔ وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ اوزی نے اس کی کیفیت کو پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔ تب ہی اس لمحے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے مسکرا دیا تھا۔

''دادا ابا! آپ ٹھیک ہیں؟...... اپنی دوائیں وقت پر لے رہے ہیں؟'' اس نے دادا ابا کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اپنا دھیان پھیر کر دوسری طرف لگانا چاہتی تھی۔ بالکل بھی اس طرح نہیں سوچنا چاہتی تھی مگر وہ کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ اندر بہت کچھ بکھرا بکھرا سا تھا۔

''ہاں بیٹا! ٹھیک ہوں...... وقت پر دوائیں بھی لے رہا ہوں۔ اوزی بہت خیال رکھتا ہے میرا''۔ دادا ابا مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

''دیکھا...... دیکھا۔ تمہیں یہاں کوئی مس نہیں کرتا۔ تمہاری کمی اس گھر میں کوئی بھی محسوس نہیں کرتا۔ تم اگر یہ سوچ کر دُکھی ہونا چاہتی ہو تو ہو سکتی ہو''۔ وہ مسکرایا تھا۔

''اوزی! بکواس مت کرو''۔ وہ چلتی ہوئی دادا ابا کے قدموں میں گھٹنوں کے بل جا بیٹھی تھی۔

''دادا! اب ٹھیک ہیں؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

دادا نے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''ہاں بیٹا! ٹھیک ہوں۔ یہ اوزان کی مت سن۔ تُو جانتی ہے اس کی عادت ہے۔ تجھے چھیڑتا ہے۔ یہاں تجھے ہم بہت مس کرتے ہیں۔ یہ جو گدھا ہے نا، یہ بھی تجھے بہت مس کرتا ہے''۔ دادا ابا نے مطلع کیا تھا۔ اوزی ہنس دیا تھا۔

''دادا ابا! آپ بھی نا۔ جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟''

''میں جانتی ہوں، میرے دادا ابا کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چپ رہو تم، مجھے پتہ ہے، تم سب مجھے بہت مس کرتے ہو''۔ کہہ کر اس نے دادا ابا کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔

آنسو خود بخود آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

''میں جانتی ہوں، تم سب مجھے بہت مس کرتے ہو''۔ آواز بھرا گئی تھی۔

''یار! اب زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عفنان ساتھ کیوں نہیں آیا؟ تم دونوں میاں بیوی آگے پیچھے کیوں آتے ہو؟ ساتھ ساتھ کیوں نہیں؟'' اوزی نے موضوع یکسر بدل دیا تھا۔

''وہی چھوڑ کر گئے ہیں مجھے''۔ انابیہ نے باقی کے آنسو اندر ہی کہیں مدغم کیے تھے اور اپنی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''دادا ابا! آپ اپنا خیال رکھا کریں اور اگر یہ اوزی آپ کا خیال نہ رکھے تو آپ مجھے فون کر دیا کریں۔ میں اس کے کان بہت زور سے کھینچوں گی''۔

اوزی ہنس دیا تھا۔

'بس کان ہی کھینچنا۔ میرا ہاتھ اور ذمہ داریاں بانٹنے والی کوئی نہ لانا''۔ اوزی نے شکوہ کیا تھا۔ دادا ابا مسکرائے تھے۔ وہ بھی مسکرائے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

''دادا ابا! دیکھ رہے ہیں آپ، کیا زمانہ آ گیا ہے۔ موصوف اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں''۔

''ہاں تو کیا بھلا غلط کہہ رہا ہوں؟ جب بہن کو ہی احساس نہیں تو پھر مجھے ہی احساس دلانا پڑے گا، کیوں دادا جی! میں نے کچھ غلط کہا؟'' اس نے فوراً دادا ابا کو وکیل کیا تھا۔

''کہہ تو اوزی ٹھیک رہا ہے''۔ دادا ابا مسکرائے تھے۔

''دادا! آپ...... آپ اوزی کی سائیڈ لے رہے ہیں؟'' وہ بے یقینی سے بولی تھی۔

دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

''ٹھیک ہے...... دیکھتی ہوں کوئی لڑکی تمہارے لیئے''۔ انابیہ نے ہار مانتے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی لڑکی نہیں......صرف ایک لڑکی''۔اوزان نے باور کرایا تھا۔

''کون؟''انابیہ چونکی تھی۔

دادا ابا اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''بچو!تم لوگ بیٹھو، باتیں کرو۔میں نماز پڑھ لوں''۔

''یہ ممی ابھی تک کچھ کھانے کو نہیں لائیں۔مجھے بھوک لگ رہی ہے''۔انابیہ جیسے دانستہ منہ موڑ کر اس ٹاپک سے بچنا چاہتی تھی۔

''تم لامعہ کی طرف گئی تھیں؟''اوزی نے دریافت کیا تھا۔

اس نے قدرے توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں ملی تھی۔بات بھی کی تھی مگر''۔

''وہ اب تک اسی طرح بی ہیو کر رہی ہے؟''

''پتہ نہیں''۔انابیہ نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''وہ میری دشمن نہیں ہے۔نہ میں اس کی۔مگر ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے فی الحال''۔

اوزی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

''اوزی!وہ اب بھی ویسا ہی سوچتی ہے۔میں سمجھی، اس کا وقتی غبار ہے، دُھل گیا تو اب اس کے بعد وہ مجھ سے اس بات کو لے کر برہم نہیں ہوگی۔مگر وہ''۔انابیہ کی آنکھوں میں بہت سی نمی آن رُکی تھی۔اوزان نے تسلی کے لیے بہن کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔تم سیریس مت لو''۔

''اوزی!یہ سب بہت زیادہ ناقابلِ برداشت ہے''۔

''انابیہ!زندگی میں ہر شے کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔یہ ایسا کچھ نہیں ہے کہ ٹھیک نہ ہو سکے۔یہ رشتے بھی اہم ہیں لیکن تمہاری پہلی ترجیح تمہارا شوہر ہے۔اس وقت تمہارے اس رشتے کو تمہاری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ان سب کو لے کر اپنے اس ایک رشتے کے ساتھ کوئی ناانصافی مت کرو۔کوئی غفلت مت برتو۔یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں بعض اوقات بہت بڑا ایشو بن جاتی ہیں، پھر حل کرتے بھی رہو تو حل نہیں ہوتیں''۔اوزی اسے سمجھا رہا تھا۔

وہ کچھ بولی نہیں تھی۔

''انابیہ!محبت اور دوستی میں فرق ہوتا ہے۔دونوں کو الگ الگ خانوں میں رکھنا سیکھ لو''۔وہ جیسے ایک گُر کی بات بتا رہا تھا مگر وہ اسے کیا بتاتی کہ اب بات اس سے نکل کر بھی کچھ اور تھی۔عفنان علی خان، اس کی محبت اب سر دپڑتا الاؤ تھا۔

اس نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تھا۔سامنے عفنان علی خان کھڑا تھا۔

اندر کوئی جوت نہیں جاگی تھی۔ وہ اسی طرح دیکھتی رہی تھی۔

جانتی تھی وہ اسے لینے آ گیا ہے اور اب وہی معمول کی زندگی ہوگی۔ معمول کے انداز میں۔ کچھ نیا ہوگا نہ ہی انوکھا۔

''ارے عفنان! تم؟'' اوزی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور مسکراتے ہوئے ہوئے بولا تھا۔

''آؤ نا......وہیں کیوں ٹھہر گئے؟'' اوزی بولا تھا۔

انابیہ چپ چاپ سر جھکا گئی تھی۔ عفنان آگے بڑھ آیا تھا۔

''اور سناؤ، کیا ہو رہا ہے؟'' اوزان نے دریافت کیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے۔ کیا راز و نیاز چل رہے ہیں دونوں بہن بھائیوں میں؟'' عفنان نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا تو اوزی مسکرا دیا۔ انابیہ چہرہ پھیر کر بے تاثر بن گئی تھی۔

''راز کیا چلنے ہیں یار!......بس ایک درخواست کر رہا تھا''۔

''کیا؟'' عفنان چونکا تھا۔

اوزان ہنس دیا تھا۔

''ایک عدد گھر والی لانے کے لیے''۔ اوزان نے کہا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اوہ......اچھا''۔

''کیا کروں؟''

''کوئی ڈھنگ کا کام کر لو مگر شادی مت کرو''۔

''رئیلی؟''

''ہاں......شادی کے بڑے عذاب ہیں یار! پتہ جب چلتا ہے جب بھگتنا پڑتا ہے''۔ عفنان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارا تھا اور ہنستے چلے گئے تھے۔

''اچھا......میں تو بھول ہی گیا کہ یہاں ایک تجربہ کار انسان موجود ہے جس کے تجربے سے کم از کم سبق لیا جا سکتا ہے''۔ اوزان ہنسا تھا۔ انابیہ اسے بہت تنقیدی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''ایسا کیا عذاب میں مبتلا کیا میں نے آپ کی زندگی کو؟'' اس نے بھرپور استحقاق سے دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان اس کے اچانک تخاطب پر چونکا تھا مگر وہ بول کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ اوزان مسکرا دیا تھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں۔ تمہارے تجربات سے مجھے ضرور سبق لینا چاہیے''۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اور سناؤ......ٹھیک گزر رہی ہے نا؟'' قدرے توقف سے اوزی نے دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں، بہت اچھی۔ تب ہی تو تمہیں باز رکھ رہا تھا''۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ اوزان بھی مسکرا دیا تھا۔

''وہ تو خیر۔ مذاق کی بھی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ تم خوش تو ہونا؟ وہ سارے وعدے، عہد و پیمان پورے کیے یا نہیں؟......تمہیں یاد ہے جب ہم ہاسپٹل میں انابیہ کو آخری سانسیں لیتے دیکھ رہے تھے تو تم اس وقت کتنے ڈپریس تھے۔ اب بھی اتنی ہی محبت کرتے ہو اس سے؟'' سرسری انداز میں دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔

''بس خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

شاید وہ اس کے سوال کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا۔

''ہاں، مجھے سب یاد ہے''۔ اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ انداز صرف ایک سرگوشی لگا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' اذہان نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا اور وہ خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔

وہ صرف گزشتہ زخموں کی بات کر رہا تھا، جو معمولی تھے۔ اس کے بعد کے زخم کتنے گہرے تھے، وہ ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔

''ہاں، ٹھیک ہوں میں''۔ وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں بولی تھی۔ اس کے لہجے میں اس لمحے بہت کچھ ٹوٹ رہا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ اسے پڑھ لینا چاہتا ہو۔

میرب نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ آنکھیں بھر آئی تھیں۔

آنکھوں کی نمی چھپانے کے لیے وہ سر جھکا گئی تھی۔

''کیا ہوا میرب؟'' اذہان نے ایک بار پھر دریافت کیا تھا مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

اذہان اس کے سامنے بیٹھا اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ جب یک دم میرب نے اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور آنسوؤں پر کچھ اختیار نہ رہا تھا۔ اذہان حسن بخاری کی روح جیسے لمحوں میں قیامتوں کی زد پر تھی۔

تیرے بن میں یوں
کیسے جیا
کیسے جیا تیرے بن

تیرے بن میں یوں کیسے جیا

کیسے جیا تیرے بن

میرب سیال کے گرم گرم آنسو اس کے شانے کو جلانے لگے تھے۔ اذہان حسن بخاری کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت سا اس کے سامنے تھا۔ بہت سی دبی راکھ میں چنگاریاں سی جل اُٹھی تھیں اس لمحے۔

لے کر یادیں تیری

راتیں میری کٹیں

مجھ سے باتیں تری

کرتی ہے چاندنی

تنہا ہیں تجھ بن راتیں میری

دن میرے دن کے جیسے نہیں

تنہا بدن

تنہا ہے روح

نم میری آنکھیں رہیں

آ جا میرے اب روبرو

جینا نہیں بن تیرے

تیرے بن

ایک لمحے میں محبت نے اندر سر اُٹھایا تھا۔ ایک لمحے میں اندر ایک قیامت مچی تھی۔ اذہان خود حیران رہ گیا تھا۔ ایک لمحے میں پتہ چلا تھا، وہ کتنا کمزور تھا اور محبت کتنی مضبوط۔ ایک پل میں سارا سمیٹا ہوا پھر سے ریزہ ریزہ تھا۔ ایک لمحے میں اسے اپنا وجود زیروزبر ہوتا دکھائی دیا تھا۔ ایک لمحے میں اس کا سارا وجود بکھرا تھا۔ بے اختیاری کیا ہوتی ہے، اس لمحے میں پتہ چلا تھا۔ اس کی ساری جان جیسے اس لمحے ایک مٹھی میں تھی۔ میرب سیال کا سر بدستور اس کے شانے پر تھا۔ اس کے آنسو اس کے شانے پر تھے۔ اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے کو دل کی مانی تھی اور اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔

میرب سیال دل گرفتہ سی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے اپنا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔

"کچھ نہیں سمجھتا وہ۔ کچھ نہیں جانتا"۔ بے خودی کے عالم میں وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ "مجھ سے اتنا بدگمان ہے وہ۔ میری کسی بات کا یقین تک نہیں کرتا۔ اسے لگتا ہے میں......" یک دم حسیات بیدار ہوئی تھیں اور وہ چپ ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری چپ چاپ اس کے جھکے سر اور بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال اپنے اس ایک لمحے کے اقدام پر کسی قدر شرمندہ نظر آرہی تھی اور اذہان اسے مزید شرمندگی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اُٹھا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب سیال نے اذہان کے اس طرح اُٹھ کر چلے جانے کا قطعاً کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں کے ساتھ اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ اس کے لیے باہر کے سارے منظر ایک لمحے میں بالکل ثانوی ہو کر رہ گئے تھے۔

''سبکتگین!......کس موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے تم نے مجھے؟''

''آئی لو یو گین!'' ایک مدھم سی سرگوشی کمرے میں اُبھری تھی۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں گین! کبھی سمجھنے کی کوشش کی تم نے؟ کتنا بے بس کر دیا ہے تم نے مجھے۔ خود سے مبتلا کیا ہے اور میرے لیے سارے راستے بند کر دیئے ہیں۔ جس سے آگے نہ مجھے کچھ دکھائی دے رہا ہے نہ سنائی۔ کیوں کیا ہے تم نے ایسا؟''

وہ چیخی تھی مگر وہاں ان تمام سوالوں کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''گین! کیا تمہیں یقین ہے کہ ایسا سب میرب نے خود کیا ہے؟'' گی نے بے یقینی سے کہتے ہوئے گین کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ گی کی نظروں میں ایک بے یقینی تھی۔

''تم واقعی ایسا کرو گے؟'' سوال میں حد درجہ حیرت تھی۔ ''تم واقعی میرب کو اپنی زندگی سے نکال باہر کھڑا کرو گے؟''

اس کے کئی سوالوں کے جواب میں بھی وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ مکمل طور پر خاموش تھا۔

''تمہیں لگتا ہے تم ایسا کچھ کر لو گے؟'' اب کے پہلے سے سوا حیرت لہجے میں تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموش بیٹھا تھا۔

''سبکتگین حیدر لغاری! تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ کیسے کر سکتے ہو ایسا سب؟''

''وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی''۔ اس کی اتنی باتوں کے جواب میں وہ پہلی بار بولا تھا اور گی چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

''اسے مجھ سے محبت نہیں۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے گی! ایک ہاتھ سے بجے تو طمانچہ کہلاتا ہے۔ اس کا کوئی انجام نہیں ہوتا اور مجھے بھی اس سے کوئی محبت وحبت نہیں تھی۔ یہ صرف تمہاری سوچ ہے۔ تمہارے دماغ کی خرافات ہیں۔ میرے پاس فضول کا اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اِدھر اُدھر صرف کرتا پھروں۔ میرے پاس کوئی غیر ضروری بات سوچنے کے لیے وقت نہیں ہے......''

''وہ تمہیں بھولتی نہیں ہے''۔ اس کی بات کاٹ کر وہ بولی تھی۔

وہ حیرت سے اسے تکتا رہ گیا تھا۔

''اور وہ تمہیں بھولتی نہیں ہے۔ رائٹ؟'' گی نے اپنی بات کی وضاحت چاہی تھی۔ گین نے اسے دیکھا تھا اور پھر اس پر سے دھیان ہٹاتے ہوئے آہستگی سے بولا تھا۔

"پاگل ہو تم۔ بالکل پاگل۔ فضول کی باتیں کرتی ہو۔ فضول کی باتیں ہونے پر یقین رکھتی ہو اور......"

"محبت کرتے ہو اس سے تو بتا کیوں نہیں دیتے اسے؟...... تمہارے دل میں جو بھی ہے وہ اس کا ہے۔ سونپ دو اسے۔ آزما کر دیکھ لو، اسے تمہاری تم سے زیادہ ضرورت ہو گی۔ صرف ایک بار...... صرف ایک بار گین! اس کی طرف ایک قدم بڑھا کر تو دیکھو۔ وہ تمہارے قریب ہے۔ اسے کیوں خود سے دور دھکیل رہے ہو؟ کیوں فاصلوں کو صدیاں بنانے پر تلے ہو؟ سمجھنے کی کوشش کرو گین! تم اس کی ضرورت رکھتے ہو۔ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہیں تمہاری زندگی میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اسے خود سے پرے مت دھکیلو۔ تم سے وابستہ ہے وہ۔ وہ تمہارا وقت ہے۔ اسے کیوں گنوار ہے ہو تم؟" گی اس کے لیے جذباتی ہوئی تھی۔

مگر سردار سبکتگین نے بہت رسانیت سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تم جو بھی سوچ رہی ہو، وہ غلط ہے گی! ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔"ان باتوں کو چھوڑو تم۔ یہ بتاؤ تمہارا چیک اَپ کیسا رہا؟"

"مجھ سے اہم یہ ٹاپک ہے گین! اس لڑکی کو کس بات کی سزا دے رہے ہو تم؟ اور خود کو؟ اس کے بغیر کیسے جیو گے؟" گی نے دریافت کیا تھا مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ اُٹھا اور چلتا ہوا چپ چاپ باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

"تم نے میرے ریسٹورنٹ کے لیے جو جگہ دیکھنا تھی، وہ دیکھ لی؟" ساہیہ نے دریافت کیا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کسی قدر اُلجھا اور کھویا کھویا سا دکھائی دیا تھا۔

"اذہان!" ساہیہ نے اسے دوبارہ پکارا تھا۔

"ہاں؟" وہ چونکا تھا۔

"کیا ہوا اذہان؟" ساہیہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ نہیں...... تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" اذہان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں...... میں نے ریسٹورنٹ کے لیے جگہ دیکھنے کے لیے کہا تھا مگر تم......"

"ہاں...... میں نے بات کی تھی۔ جلد ہی"۔ اُلجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ ساہیہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں تمہیں لے جاؤں گا۔ تم دیکھ لینا، جگہ اچھی ہے۔ تمہیں پسند آ جائے گی"۔ وہ اسے جواب تو دے رہا تھا مگر انداز بہت اُلجھا ہوا تھا۔

"مجھے جگہ سے زیادہ تمہاری فکر ہے اذہان!"

وہ مسکرا دیا تھا مگر وہ مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔

''آئی ایم گڈ۔ تھینکس''۔

''آر یو شیور؟'' ساہیہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں''۔

''پھر؟''

''کچھ نہیں''۔

جواب قطعی تھا۔ اس کے بعد ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ کریدنا اسے بھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن اتنا وہ جان گئی تھی کہ کوئی بات ہے جو اسے پریشان کر رہی ہے۔

بہت دیر وہ خاموش رہی تھی۔ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

سرد مہری فضا میں اتنی زیادہ تھی کہ اندر کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

''کیا ہوا؟......تم اس طرح چپ کیوں ہو گئیں؟'' اذہان نے دریافت کیا تھا۔

''کیا بات کروں؟''

''کچھ بھی''۔ اذہان حسن بخاری جیسے اپنے اردگرد کی خاموشی کو فی الفور توڑنا چاہتا تھا۔

ساہیہ سر اُٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ بڑا مجلسی سا تبسم تھا۔

''مسکرانا مجھے بھی اچھا لگتا ہے اور بات کرنا بھی، مگر بولنے کو اور مسکرانے کو کچھ ہو بھی تو''۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے؟'' اذہان حسن بخاری بولا تھا تو اس کا اپنا لہجہ بے یقین تھا۔ ساہیہ نے آہستگی سے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......ایسا میں نے نہیں کہا۔ ہمارے پاس باتیں کرنے کو بہت کچھ ہے ابھی۔ تم میرب کی طرف گئے تھے؟'' ساہیہ نے کہا تھا اور ساتھ ہی ایک نیا موضوع تلاش کیا تھا۔

اذہان کچھ دیر تک بول نہیں سکا تھا۔ پھر بولا تھا۔

''یا......شی اِز اوکے''۔ کہتے ہوئے میرب کی وہ کیفیت نگاہ کے سامنے آ گئی تھی۔

وہ اب تک اس لمحے کے حصار سے نکل نہیں سکا تھا۔

میرب کی اس کیفیت کا سبب کیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔

مگر ایک بات جان گیا تھا کہ وہ خوش نہیں تھی۔

بہت دُکھی تھی۔

اور اس کے کسی دُکھ کا کوئی مداوا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اس کے شانے پر آنسو بہا کر شاید کسی قدر مطمئن ہوگئی ہو مگر اذہان حسن بخاری کی روح میں کئی اضطرابوں کو بھر دیا تھا۔

''ہیے......کہاں ہو تم؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

''ہاں......میں ٹھیک ہوں۔ میرب کی طرف گیا تھا میں۔ وہ بھی ٹھیک ہے''۔

''شام میں اگر تمہارے پاس ٹائم ہو تو پلیز مجھے بھی لے چلنا۔ میں بھی اس کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہوں''۔

اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟''

''کس کی؟''

''میرب کی''۔

''اوہ، ہاں۔ تمہیں بتایا تو ہے۔ شی اِز اوکے ناؤ''۔

اذہان حسن بخاری ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

ساہیہ نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی۔ اذہان اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ کی نظروں میں بنا کچھ کہے کہہ دینے والے احساس تھے۔ اس کے لیے کیئر تھی۔

اذہان حسن بخاری کو لمحہ بھر کسی قدر شرمندگی سی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہوا......؟''

''اوں، ہوں''۔ وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''تمہیں کوئی پرابلم ستا رہی ہے؟'' ساہیہ نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''بس پتہ چل گیا...... بتاؤ، شیئر کرنا نہیں چاہتے ہو تو الگ بات ہے۔ مگر میرا خیال ہے تم پریشان ہو۔ پلیز بی ریلیکس''۔ ساہیہ کے انداز میں اس کے لیے محبت بول رہی تھی۔

اذہان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ پتہ نہیں کیا جتانے کو وہ بولا تھا۔ ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ ہو"۔

اذہان فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا میں تمہارے ساتھ ہوں؟" قدرے توقف سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا وہ بولا تھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا"۔

"اذہان! لڑکی کے لیے یہ اظہار کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نہ یہ درخواست کرنا۔ تمہیں یاد ہے میں نے تم سے کہا تھا تم آزاد ہو۔ چاہو تو کوئی بھی راہ اختیار کر سکتے ہو۔ جب چاہو، جیسے چاہو چل سکتے ہو۔ اب سوچتی ہوں مجھ میں کتنا حوصلہ تھا جو میں نے وہ سب تمہیں کہہ دیا۔ خود کو دیکھتی ہوں تو ایک پل بھی تمہارے بغیر کاٹنا محال لگتا ہے۔ کہاں میں ساری زندگی کے لیے تمہیں خود سے دور بھیج دینا چاہتی تھی"۔ وہ بولی تھی۔ پھر یک دم ہنس دی تھی۔

"یہ مت سوچو، میں بہت ایموشنل ہو رہی ہوں۔ شاید ایسا ہوتا ہے۔ میں نے تب نہیں سمجھا تھا، نہیں جانا تھا مگر اب میں اتنی جنونی نہیں ہوں۔ نہ تمہارے لیے اتنی پاگل ہوں۔ تم جب چاہو، جہاں چاہو، نئے راستے اختیار کر سکتے ہو۔ میں یا میرا تعلق کبھی تمہارے لیے زنجیر نہیں بنے گا"۔

اذہان نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس لڑکی کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی۔ زندگی کو ایک پل میں جی لینے کی ایک رمق تھی۔ ایک اطمینان تھا۔ کیسی تھی یہ محبت۔

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟" اس کو اطمینان دلانے کی کوشش میں وہ اپنے اندر کی بے اطمینانی بھول کر بولا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"میں ایسا سوچتی نہیں ہوں، بولتی ہوں۔ محبت کو باندھ کر رکھنے والے بے وقوف ہوتے ہیں۔ اسے پابند بنا کر رکھنا فضول ہے۔ محبت کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر یہ تمہاری ہے تو واپس پلٹ کر تمہارے پاس آئے گی۔ اگر نہیں تو اسے بھول جاؤ"۔ عجب بے فکری سے اس نے شانے اُچکائے تھے۔ اذہان نظروں میں حیرت لیے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"محبت اتنی آسان ہو سکتی ہے؟"

"پتہ نہیں...... مگر میرے لیے تو ہے"۔ وہ ہنس دی تھی۔ انداز صاف بتا رہا تھا وہ مذاق کر رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں کئی موتی چمک رہے تھے۔ نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے کناروں پر سے پانی کے ننھے قطرے کو لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اذہان کے ہاتھ کی اُنگلی کی پوروں پر وہ اپنی آنکھ کی اس نمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ نظر جھکا گئی تھی۔

"تم بتا رہے تھے وہ ریسٹورنٹ کی جگہ کافی اچھی ہے"۔ ساہیہ نے یک دم فرار کے راستے اختیار کرتے ہوئے موضوع بدل دیا تھا۔

"ساہیہ!" اپنے ہاتھ پر اس نمی کو دیکھتے ہوئے اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساہیہ نے خاموش ہو کر اس کی طرف ایسے

دیکھا تھا جیسے کوئی چور چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے۔

''سب اتنا آسان ہے ساہیہ؟''ایک لمحے میں جتاتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا۔وہ لمحہ بھر کو چپ رہی تھی۔کچھ نہیں بول سکی تھی۔پھر بہت آہستگی سے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں۔مگر محبت میں جبر نہیں ہے۔ایسا سوچنے سے سب کچھ اپنے آپ آسان لگنے لگتا ہے۔اپنے بارے میں سوچو تو بندہ خود غرض ہونے لگتا ہے۔سو جب بھی سوچو،کسی دوسرے زاویے سے سوچو،کسی اور کے زاویے سے دیکھو،جانچو،پھر محبت صاف سمجھ آتی ہے۔محبت صرف اپنی ذات کا مسئلہ نہیں ہے۔اسے صرف اپنی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔اگر میں اپنی نظر سے دیکھتی ہوں تو مجھے صرف اپنا آپ دکھائی دے گا اور یہ ٹھیک نہیں ہوگا''۔ساہیہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

اور اذہان حسن بخاری کو کچھ حیرت نہیں ہوئی تھی۔اگر وہ ایسا کہہ رہی تھی تو وہ ایسا کر بھی سکتی تھی۔اس بارے میں یقین تھا اسے۔ساہیہ سے واقف تھا وہ۔جو اس کے دل میں تھا،وہ چھپا بھید نہ تھا۔وہ شفاف تھی اور وہ خود۔

لمحہ بھر کو اپنے آپ پر نگاہ گئی تھی اور وہ اس کی طرف سے دھیان پھیر گیا تھا۔

''محبت شاید اپنا اپنا زاویہ ہے''۔بہت دھیمے لہجے میں وہ بولا تھا۔تب ہی وہ مسکرا دیا تھا۔

''محبت اپنا اپنا نظریہ ہے''۔

''فرق کیا ہے؟''وہ اپنی خفت مٹانے کو بولا تھا۔

''بہت زیادہ فرق ہے۔زاویہ،نظریہ بدل دیتا ہے''۔وہ مسکرائی تھی۔

''نظریہ زاویہ بھی تو بدل سکتا ہے''۔وہ اپنی اَڑ گیا تھا۔

''آزما لو''۔ساہیہ نے اسے ایک پل میں بہت اطمینان کے ساتھ اپنے سحر سے آزاد کر دیا تھا۔اذہان خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری سیاہ کول تار کی سڑک پر نگاہ جمائے گاڑی دوڑائے چلا جا رہا تھا۔نگاہ راستوں پر تھی۔ذہن اُلجھا ہوا تھا۔پیشانی پر کئی سلوٹیں تھیں۔سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ کتنی راتوں کی بیدار دیکھی تھی۔

جانے کیا سوچ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اس کی طرف جانے والے راستوں پر ڈال دی تھی۔

☆......☆......☆

محبت الجھاوؤں میں اُلجھی ہوئی تھی اور وہ غالباً اُسے سلجھانے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔اس شام وہ دوبارہ اس کے سامنے تھا۔

''اذہان،پلیز،میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے''۔میرب نے تیسری بار انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میرب!تم کیوں اپنے اندر کی گھٹن میں گھٹ کر مر جانا چاہتی ہو؟''اسے تقریباً ڈپٹتے ہوئے اذہان بولا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو اذہان! بالکل ٹھیک ہوں میں''۔ سب سے مشکل سچوایشن وہ ہوتی ہے جب باور کرانا پڑے کہ سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔

''میرب!...... کبھی کبھی ہم ساری دُنیا سے جھوٹ بول کر بھی خود کو مطمئن نہیں کر پاتے۔ یہاں وہاں، سب کی فکر کر لوگی۔ سب کو خوش کر دوگی اور خود آپ؟...... کبھی خود اپنے بارے میں سوچا ہے تم نے؟'' اذہان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لمحہ بھر کو وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔ قدرے توقف سے بہت آہستگی سے سر انکار میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے اذہان! تم غلط سمجھ رہے ہو''۔ میرب نے اسے جھٹلایا تھا۔

اذہان براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ میرب کے لیے جھوٹ بولنا محال ہو گیا تھا اور نظر ملانا بھی۔ وہ نگاہ آہستگی سے جھکا گئی تھی۔

''تم سمجھ نہیں رہے ہو اذہان! یہاں کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟'' وہ زچ ہو گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

''تو کیا ہوا کہ تمہیں کوئی دُکھ لاحق نہیں ہے۔ تم خوش بھی ہو۔ فرض کر لیتے ہیں، ہمیں کسی بات کا کوئی ملال نہیں ہے۔ ہمیں کوئی وہم بھی نہیں ستاتا۔ فرض کر لیتے ہیں، تم اور ہم دونوں خوش ہیں تو بھی۔ جمع اور تفریق کے درمیان کوئی نقطہ ایسا بچتا ہے جہاں پھر بھی خسارہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ کس بات کے لیے؟ آخر کیوں؟ میں نے تم سے کسی بات کی وضاحت چاہی؟ تم نے اپنا سارا دُکھ یہاں میرے شانے پر سر رکھ کر بہا لیا۔ میں نے تم سے کوئی ایک بھی وضاحت چاہی؟ ایک ذرا سی بھی وضاحت؟...... نہیں نا؟ تو پھر تم کس بات پر اتنی خوف زدہ ہو؟ کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ لفظوں کے معنی تمہارے لیے بدلے ہیں میرب! بدلا سب کچھ تمہارے لیے ہے۔ چلو مان بھی لیا، سب کچھ بدل گیا ہے تو بھی کیا سب کچھ ختم ہو جاتا ہے؟ تمہارا میرا احساس ختم ہو جاتا ہے یا پھر وہ ایک رشتہ؟...... چلو ہر شے ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ سب کچھ ہو گیا۔ سب کچھ فنا ہو چکا۔ تو کیا میں تم پر اتنا بھی حق نہیں رکھتا کہ تمہارے چہرے پر اس اُداسی کو چن سکوں؟...... ان آنکھوں میں تیرتی اس نمی کو چرا سکوں؟ اور یہ سب بھی رہنے دو۔ کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ تم سے تمہارا اَن کہا ہر درد بانٹ سکوں؟...... سچ کہو، کیا نہیں ہے مجھے یہ حق؟ کیا ایسا کوئی حق میں محفوظ نہیں رکھتا؟'' عجب جارحانہ انداز میں کھڑا وہ بول رہا تھا۔

میرب سیال کے بہت قریب۔ مدِ مقابل۔ اتنا سچ بولتا ہوا کہ وہ چاہتی بھی تو اس کی کسی بات کو رد نہیں کر سکتی تھی۔ کسی ایک بات کو بھی جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

بھیگی، پانیوں سے تیرتی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا اور پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اس کے شانوں پر رکھی اس کی گرفت ایک لمحے کو کمزور پڑ گئی تھی۔ مگر وہ کہہ رہی تھی۔

''مان لیا، سب کچھ سچ بھی ہے تو؟ کیوں بانٹوں میں تم سے اپنا سب کچھ؟...... اگر میں مان بھی لوں کہ ہم اچھے دوست ہیں تب

بھی۔میرے پاس جو بھی ہے، وہ میں تم سے بانٹ نہیں پاؤں گی۔بالکل بھی نہیں"۔

اذہان حسن بخاری کے ہاتھ بدستور اس کے شانوں پر تھے۔کس قدر قریب کھڑا تھا وہ اس لمحے اس کے اور اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

کھلے دروازے سے یہ منظر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دیکھا تھا اور وہ اُلٹے قدموں واپس لوٹ گیا تھا۔دماغ اور دل دونوں سلگ رہے تھے۔اندر کہیں جیسے الاؤ دہک اُٹھے تھے۔پورا وجود جلنے کو تھا۔وہ تیزی سے باہر نکلا تھا جب زوباریہ نے اسے دیکھ کر پکارا تھا۔

"گین......!"

مگر اُس نے سنا نہیں تھا، نہ ہی دیکھا تھا۔سرعت سے چلتا ہوا وہ گاڑی کی طرف آیا تھا اور اسٹارٹ کر کے فوراً گاڑی باہر نکال لی تھی۔

زوباریہ یہ اس آناً فاناً ہونے والے اقدام پر کچھ حیرت زدہ سی ہو رہی تھی۔پھر پلٹی تھی جب دیکھا تھا۔اذہان حسن بخاری کوریڈور سے نکل رہا تھا۔

"جا رہے ہو تم؟"

"جی"۔اذہان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"بیٹھتے۔کافی پی کر جاتے۔ایک تو یہ میرب بھی عجیب ہے۔آئے گئے کو پوچھتی تک نہیں۔پہلے سبکتگین جس طرح آیا تھا، اسی طرح واپس گیا اور اب تم"۔اذہان چونکا تھا۔

سبکتگین یہاں آیا تھا؟"

"ہاں۔میں نے پکارا بھی مگر اس نے سنا نہیں۔اینی ہاؤ، تم فارحہ آپا کو میری طرف سے سلام دینا"۔

"جی ضرور"۔اذہان متفکر سا آگے بڑھا تھا۔زوباریہ اس اچانک کیفیت پر آپ حیران تھی۔چلتی ہوئی میرب کی طرف آئی تھی۔

"میرب! کیا ہوا؟......گین آیا تھا؟"

"کیا؟......کب؟ وہ تو کل ہی نیویارک جانے والے تھے"۔حیرت کا ایک پہاڑ سر پر ٹوٹا تھا۔وہ بھونچکا سی تکتی رہ گئی تھی۔

"وہ تم سے مل کر نہیں گیا؟" زوباریہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں......مگر......آہ......" کوئی قیامت کا لمحہ باقی بچا تھا کیا؟......میرب کو یقین تھا اس کی قسمت میں کہیں کوئی خوش بختی نہیں ہے۔

"وہ یہاں اندر نہیں آیا؟" زوباریہ دوبارہ دریافت کر رہی تھی اور میرب کے پاس دینے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔

"بہت تیزی سے نکل کر جاتے ہوئے میں نے اسے دیکھا تھا۔پکارا بھی مگر اس نے سنا ہی نہیں۔میں سمجھی تم نے کچھ کہہ دیا ہے۔یہ معاملہ کیا ہے؟ گین بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا"۔

میرب کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی۔

"آپ نہیں جانتیں؟"

"کیا؟"

''شاید پاپا نے طلاق کا کیس فائل کر دیا ہے''۔

''وہاٹ......؟'' زوباریہ اگرچہ جانتی تھی مگر اس کے باوجود حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ غالباً ایسی اُمید نہیں تھی مظہر سیال سے کہ وہ ایسا کچھ اتنی جلدی کر بھی گزریں گے۔ وہ تو سمجھ رہی تھی، وہ صرف لائحہ عمل ہے اور......!

''ایسا کیسے ہو گیا؟ میں خود بھی نہیں جانتی۔ مگر گین سمجھتے ہیں ایسا میں نے کیا ہے۔ وہ میری کسی بات کا کوئی یقین کرنے کو تیار نہیں اور......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ جملہ ادھورا چھوڑا کر بے ہمت سی وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''میرب! تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہوگا''۔

''برا نہ ہونے کو اب بچا کیا ہے؟'' وہ سخت بے یقین دکھائی دے رہی تھی۔ زوباریہ نے لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھا تھا، پھر بولی تھی۔

''تمہارے پاپا ایسا کرنا چاہتے تھے مگر میں ہمیشہ انہی روکتی رہی۔ میں نے ان سے کہا بھی کہ وہ تم سے پہلے پوچھ لیں۔ مگر وہ...... تو کیا انہوں نے تم سے کچھ پوچھا بھی نہیں؟ پتہ نہیں کیوں مظہر سیال کو لگتا ہے کہ تم گین کے ساتھ خوش نہیں ہو۔ کیا ایسا کچھ ہے؟'' زوباریہ نے پوچھا تھا اور وہ بھیگی، ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میرب......!''

''زوباریہ!...... میری زندگی میں اب کوئی اور راہ باقی نہیں ہے جس پر میں چلنا چاہوں گی۔ میری ہر راہ اس شخص تک جاتی ہے۔ مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھا کسی نے؟ میری زندگی کا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کر لینے سے پہلے یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ میں بھی کچھ چاہ سکتی ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ اینڈ آئی...... آئی لو ہم زوباریہ!...... یس آئی ڈو......'' بلا خوف وخطر وہ کہہ کر اُٹھی تھی اور کمرے سے نکل گئی تھی۔

زوباریہ ساکت سی کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کی نگاہ صاف پڑھ رہی تھی۔ لمحوں میں عجیب ''درخواستیں'' سی چھپی تھیں۔ شام سے جب وہ اسی کے گھر میں تھی تب سے یا پھر تب سے جب وہ سمندر کے کنارے پر کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ وہ نظروں کے ان زاویوں کو سمجھ رہی تھی۔ صاف محسوس کر رہی تھی مگر اس کا انداز بہت سرسری تھا۔ وہ کسی بات کو اس طرح خود پر طاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خواہ اندر سے دل کچھ ڈرا ڈرا سا تھا۔

مگر وہ بظاہر ''اگنور'' کر کے کچھ مضبوط ظاہر کرنا چاہتی تھی خود کو۔ گاڑی آکر پورچ میں رُکی تھی۔

وہ اُتری تھی...... چلتی ہوئی کمرے تک آئی تھی۔ معمول کے انداز میں شاور لیا تھا۔ بالوں کو رگڑتی ہوئی باہر نکلی تھی جب عفنان علی خان کو وہاں کمرے میں دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک کر رُک گئی تھی۔

لمحہ بھر کو قدم رُکے تھے، نگاہ اُلجھی تھی، جھجکی تھی مگر پھر وہ چلتی ہوئی قریب سے گزری تھی۔ ارادہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ جانے کا تھا مگر ہاتھ اس ایک مضبوط ہاتھ میں آ گیا تھا۔ انابیہ کی جان ایک لمحے میں قیامتوں کے زیر آئی تھی۔

ایک پل میں سب زیروزبر ہوا تھا۔

دھڑکنوں میں ایک لمحے میں بھونچال سا آ گیا تھا۔

کچھ بھی توقع کے برعکس نہ تھا۔

وہ نگاہ پڑھ رہی تھی۔

جانتی تھی اس نگاہ کے ''تقاضے'' کیا تھے مگر اس کے باوجود اب جب وہ اس لمحے کی ''قید'' میں تھی تو سارا وجود کسی شاخ سے ٹوٹے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ نگاہ تھی کہ اُٹھ نہ رہی تھی اور سانسوں کا زیروبم عجب ایک قیامت اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ سر جھکائے، نظر ملائے بغیر کھڑی تھی مگر ان نگاہوں کی گرمی وہ اپنے چہرے پر اس گھڑی صاف محسوس کر سکتی تھی۔

عفنان نے ہاتھ بڑھا کر بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا۔ اتنی قربتوں پر وہ ایک لمحے میں فنا ہونے کو تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر ان بالوں کی شبنم کو چھوا تھا۔ پھر وہ ہاتھ اس کے چہرے پر آ گیا تھا۔ اس ایک لمس میں کیا کیا کرشمہ سازیاں نہ تھیں۔ اگر وہ بت بھی ہوتی تو اب تک اس میں جان آ چکی ہوتی۔ اس لمس میں کیا کچھ نہ تھا، وہ کوئی مزاحمت کر سکی تھی نہ تعرض۔ وہ لمحے کوئی جادو بکھیر رہے تھے اور وہ مکمل طور پر ان لمحوں کے حصار میں تھی۔ ایک لمحے کو سب کچھ بھول جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ سب کچھ مٹا دینے کو۔ سارے شکوے......سارے گلے......سارے خدشے......سارے وسوسے......اسے کچھ یاد نہیں رکھنا چاہیے تھا۔

وہ ایک لمحے کے حصار میں قید بے بس کھڑی تھی۔ وہ لمحے جیسے طلسم والے تھے۔ بے خودی کے تھے۔ وہ اپنی جگہ پتھر بنی ساکت کھڑی تھی۔ عفنان کا لمس اس کے چہرے پر تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش سے سارا چہرہ سلگتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔ عفنان کا انداز بھرپور استحقاق والا تھا۔ جیسے وہ سارا اختیار رکھتا ہو۔ جیسے سارے حقوق محفوظ رکھتا ہو اور سچ بھی تھا مگر......!

ایک لمحے وہ اس حصار کو توڑتی ہوئی باہر نکلی تھی اور اُلٹے قدموں چلتی ہوئی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ عفنان اسے حیرت سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

انابیہ نہیں جانتی تھی، اس نے کیا کِیا تھا۔

عفنان علی خان کو ایک لمحے میں کتنی تذلیل محسوس ہوئی تھی، وہ قطعاً سمجھ نہیں سکی تھی۔ کسی مرد کی مردانہ انا کو کتنی چوٹ پہنچ سکتی ہے۔ وہ اس لمحے قطعاً اخذ نہیں کر سکی تھی۔ عفنان علی خان سرخ آنکھوں سے جس طرح غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو خوف زدہ ہو گئی تھی۔ عفنان علی خان چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ انابیہ کا دل کسی پتے کی مانند لرز گیا تھا۔ عفنان علی خان آگے بڑھا تھا۔ اس کی طرف۔ وہ اس سے کسی بھی اقدام کی اب توقع رکھتی تھی۔

ایک......دو......تین......

قدم کچھ اور قریب آئے تھے۔ انابیہ کی جان پر بن گئی تھی۔ اسے لگا تھا اب کچھ کام نہیں آ سکے گا۔ نہ اس کا تعرض، نہ کوئی جبری فاصلہ۔ وہ شخص جتنا برہم تھا وہ اس سے کچھ بھی توقع کر رہی تھی مگر......وہ چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ دروازہ کھولا تھا اور باہر نکل گیا

تھا۔ انابیہ کو اس لمحے اگرچہ کچھ مطمئن ہونا چاہیے تھا۔ وہ جتنی "حد بندیاں" لگا کر رکھنا چاہتی تھی، وہ قائم رہی تھیں۔ عفنان علی خان نے زبردستی اس کے بنائے ہوئے حاشیئے کو توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ "محفوظ" رہی تھی۔ دھڑکنوں کو معمول پر آنا چاہیے تھا۔ اب کوئی ڈر باقی نہیں رہا تھا۔ مگر دل کچھ بجھا بجھا سا لگا تھا۔ ایک لمحہ قبل جتنی ہلچل تھی، اب اتنی ہی خاموشی تھی۔ ایک لمحے میں اتنا ہی سکوت دکھائی دیا تھا۔

اپنے دل کے اندر بھی اور باہر کی دنیا میں بھی...... کیا ہوا تھا ایسا؟ وہ جان ہی نہیں پائی تھی۔ اس نے جو چاہا تھا، وہ ہوا تھا۔ اس نے جو کرنا چاہا تھا، وہ کیا تھا۔ تو پھر اب...... ایک بے کلی نے اندر سر کیوں اُبھارا تھا؟ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اپنی خواہشوں پر وہ خود حیران رہ گئی تھی۔ لفظوں کے معنی کیسے بدلے تھے، وہ جان نہیں پائی تھی، زاویئے...... حاشیئے...... کیسے بدلے تھے، وہ جان نہیں پائی تھی۔

خواہشوں نے کب نئے معنی پہنے تھے، وہ جان نہیں پائی تھی۔ اس کا انداز خود اسے حیران کر رہا تھا۔ وہ ساکت سی کھڑی اپنے اندر کی آواز کو سننے کے لیے سماعتیں لگائے کھڑی تھی۔ اتنی خاموشی تھی کہ دھڑکنوں کا شور تک صاف سنائی دے رہا تھا۔ ایک ایک سانس میں کتنی ہزار ہا خواہشیں پنہاں تھیں۔ وہ حیران رہ گئی تھی۔ یہ تبدیلی کیسے آئی تھی۔

انقلاب کیسے برپا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

محبت عجیب سایوں سی ہے۔ جب اس کے پاس سب کچھ تھا، سارے منظر اس کے تھے تو وہ ان مناظر سے بھاگ رہی تھی اور اب جب کہ سارے منظر اس سے دور جا رہے تھے تو وہ ان مناظر کو اپنی مٹھی میں مقید کر لینا چاہتی تھی مگر سائے یک دم لمبے ہو رہے تھے۔ وہ پکڑنا چاہتی تھی مگر پکڑ نہیں پا رہی تھی۔ عجب دھوپ چھاؤں کا سا کھیل تھا۔

کبھی وقت خود اس کے اختیار میں تھا اور کبھی وہ خود اس وقت کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ مائی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا میرو!...... میری بچی؟"

مگر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" اس نے بہتے آنسو دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ وہ کیا کہتی؟...... سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"کچھ بتاؤ تو سہی...... ہوا کیا ہے؟" مائی اصرار کر رہی تھیں۔

مگر میرب نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"مظہر میاں تو خیریت سے ہیں؟" مائی اماں کا دھیان جس طرف گیا تھا اسی طرف کا دریافت کیا تھا۔ مگر ان کی اس تشویش پر بھی اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تو پھر کیا ماجرا ہے؟...... بتائے گی مجھے کچھ؟'' مائی نے کسی قدر ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

اُس کا دل پھٹا جا رہا تھا مگر وہ مائی سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ مائی کی طبیعت کے متعلق وہ جانتی تھی۔ انہیں اس طرح کی کوئی کتھا سنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی جان کے خطرے کو خود مدعو کیا جائے۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو گین اسے ساری زندگی معاف نہ کرتا۔ وہ جانتی تھی، تبھی سر انکار میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''گین کہاں ہیں؟''

''وہ تو گھر پر نہیں ہے، مگر تُو اس طرح رو کیوں رہی ہے میرے بچے! مجھے بتا، خیریت تو ہے نا؟'' مائی کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

''سب خیریت ہے مائی! بس یوں ہی''۔ اس نے بات بنانا چاہی تھی مگر ذہن اس قدر بلینک تھا کہ کچھ سوچ نہیں سکی تھی۔ کوئی ایک معقول جواز بھی۔

اس کا ذہن اس قدر ماؤف تھا کہ فوری طور پر اس میں کچھ نہیں آیا تھا۔

''میرو!...... تُو مجھے کچھ بتائے گی یا کہ نہیں؟'' مائی نے اب کے اسے ڈپٹا تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے سر ان کے شانے پر رکھ دیا تھا اور بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''آپ کی بہت یاد آ رہی تھی''۔

''پاگل!...... تو یہ کون سا سبب ہے رونے کا؟ اور تم گین کے بارے میں کیوں پوچھ رہی تھیں؟'' مائی اماں کو مطمئن کرنا آسان نہیں تھا اور اس کے پاس دینے کو زیادہ وضاحتیں بھی نہیں تھیں۔

''ان کی یاد بھی آ رہی تھی''۔ وہ سر جھکا کر بولی تھی۔ جھوٹ بولنا آسان نہ تھا۔ اسے گمان تھا اب وہ صاف پکڑی جائے گی، مگر تبھی اس نے مائی اماں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرب کچھ حیران رہ گئی تھی۔

''آپ مائی......''

''بے وقوف...... اُس سے جی اُداس تھا تو اس میں اس طرح رونے کی کیا ضرورت تھی؟'' مائی نے اس کے چہرے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

وہ سر جھکا گئی اور ایک جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

''مجھے ان کی یاد واقعی بہت آ رہی تھی مائی اماں!...... مجھے لگا وہ مجھ سے ملے بغیر چلے جائیں گے اور......''

کتنا جھوٹ وہ مزید کہتی۔

سب کچھ اسے بہت مشکل لگا تھا۔

''گین تو اس وقت گھر پر نہیں ہے...... آئے گا تو اس کا دو کانوں کے بیچ میں سر کر دوں گی۔ بھلا تجھ سے ملنے کیوں نہیں گیا۔

جانے سے پہلے اسے تجھ سے ملنا تو چاہیے تھا''۔ مائی اماں تسلی سے کہتی ہوئی مسکرا رہی تھیں۔

میرب کو کچھ اطمینان ہوا تھا۔

''جی مائی اماں!......مگر ایسا نہیں ہوا......وہ مجھ سے ملنے نہیں آئے......اور مجھے لگا وہ کل ہی چلے گئے ہوں گے''۔

''ہاں جانا تو اسے کل ہی تھا مگر اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے ہی منع کر کے ٹکٹ کینسل کروادی تھی۔ اب نئی ٹکٹ کچھ دن بعد کی کنفرم ہوئی ہے۔ تسلی سے مل لینا اُسے......اب یہیں ہے''۔ مائی اماں مسکرائی تھیں۔

اصولاً اسے شرمانا چاہیے تھا مگر وہ ذہنی طور پر اتنی ڈسٹرب تھی کہ شرمانا، گھبرانا کچھ یاد نہیں تھا۔

یاد تھا تو بس اتنا کہ وہ شخص اس سے بہت دور جا رہا ہے......فاصلے بڑھ رہے ہیں اور ایک دن سب کچھ ختم ہو جانا ہے۔ یہ رشتہ، اس کی ساری حقیقت ایک لمحے میں مٹ جانا ہے اور یہ سب کچھ وہ نہیں چاہتی تھی۔ دل کی آواز کو اس نے بہت دیر سے جانا تھا۔

مگر ایک لمحے کی غفلت سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

''آؤ بیٹھو......تمہیں بَری کے کپڑے دکھاؤں۔ آج کل میں مظہر میاں سے بات کرنے آنے والی ہوں۔ اس کے بعد میری بچی میرے اس آنگن میں ہوگی''۔ مائی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا تھا اور وہ بے جان سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر رہ گئی تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہونا تھا۔ پاپا نے جو بھی کیا تھا، غلط کیا تھا۔ ہمیشہ اس کی خواہشوں کا احترام کرنے والے پاپا ایک لمحے میں کیسے سفاک بن گئے تھے......ایک لمحے کی بات تھی......اور اگر بات ختم ہو جاتی تو سارا منظر پل میں راکھ بن جانا تھا۔

پھر کیا ہونا تھا۔

اس سے آگے کی زندگی کے بارے میں اسے سوچ کر بھی ہول آتے تھے۔ اس گھر میں شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں اور......!

''پاپا!......یہ آپ نے کیا کر دیا؟''اُس نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے مائی کی طرف دیکھا تھا۔

''مائی! چلتی ہوں میں......پھر آؤں گی''۔

''لو، ایسے کیسے......اتنے دنوں بعد میری بچی میرے گھر آئی ہے۔ ایسے کیسے جانے دوں گی؟''مائی اماں اس پر اپنی محبت لٹا رہی تھیں مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں مائی! بالکل بھی کسی شے کا موڈ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں کہہ کر مانگتی۔ میرا اپنا گھر ہے۔ میں یہاں مہمان تو نہیں ہوں''۔ اس نے پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دل اندر خون کے آنسو رو رہا تھا اور باہر سے وہ مسکرا رہی تھی۔

کتنا مشکل تھا یہ۔

مگر وہ مائی اماں کو مطمئن کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی، تبھی عین سامنے پورچ میں کھڑی گین کی گاڑی کی طرف نظر گئی تھی۔

دھیان کیا تھا تو اس کو بھی اس گاڑی کے اندر پایا تھا۔ اس کے اندر ایک لمحے میں ایک قوت سی آ گئی تھی۔ سرعت سے چلتی ہوئی

اس کی گاڑی کے قریب جا رکی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک دریا کے بعد ایک اور دریا کا سامنا ہو گا۔ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

سوچ کر نکلی تو تھی۔

مگر اب......!

کیا کہے گی اُس شخص سے؟

کس طرح بیان کرے گی؟

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ ہاتھ سے نکلتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

سارا منظر...... بہت فاصلے پر اور پرایا پرایا سا لگا تھا۔

وہ شخص اسے مکمل سرد مہری سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کیا ہے یہ سب؟" انداز لاتعلق لیے ہوئے تھا اور لہجہ سرد۔ وہ جو اتنا کچھ طے کر کے آئی تھی، ایک لمحے میں مٹی میں ملتا دکھائی دیا تھا۔ سارے ارادے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔

وہ لڑنے نکلی تھی۔ ہمت بھی کر لی تھی مگر یہ اجنبی انداز...... یہ سرد مہر تیور۔

حالات کو بس میں کرنا دیوانے کا کوئی خواب لگا تھا۔

"کیا ہے یہ سب کچھ؟" گین نے کسی قدر برہمی سے دریافت کیا تھا۔ "کیوں آئی ہو تم یہاں؟...... کس لیے؟...... تم نے مائی کو تو نہیں بتا دیا؟...... اگر میری مائی کو کچھ ہو گیا تو...... میں اپنا ہر نقصان برداشت کر سکتا ہوں...... مگر مائی...... بتا دیا تھا میں نے تمہیں مگر تم......"

"میں نے مائی سے کچھ نہیں کہا"۔ میرب نے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"اوہ، رئیلی؟...... تھینکس۔ آپ نے مجھ پر بڑا احسان کر دیا۔ چلو، ڈیل کرتے ہیں۔ لٹس ڈیل"۔ طنزیہ لہجے میں اچانک سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک آفر دی تھی۔ میرب سیال حیران رہ گئی تھی۔

"کیسی ڈیل؟" سوالیہ نظروں سے اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر مکمل سکون دکھائی دے رہا تھا، جیسے وہ بہت مطمئن تھا۔ میرب سیال کی جان جیسے سولی پر اٹکی ہوئی تھی۔

دل ایک لمحے کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

پتہ نہیں وہ شخص کیا سوچے بیٹھا تھا۔ کیا فیصلہ کیا تھا اس نے...... وہ نہیں جانتی تھی۔

کیا تھا اس کے دل میں؟...... میرب کو علم نہیں تھا۔ اس کا دِل رُکنے کو تھا۔

مگر وہ شخص بدستور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ دل نہیں، جیسے پتھر تھا اس کے سینے میں۔

''کیسی ڈیل؟'' میرب نے آہستگی سے دہرایا تھا۔

جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مکمل پُرسکون انداز سے دیکھا تھا پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ چپ کے یہ لمحے کاٹنا بے حد محال تھے۔ اس کی چپ بہت کھل رہی تھی مگر وہ اسے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ سو چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ ایک ایک لمحہ دل پر بھاری تھا۔ اس کی چپ بری طرح کاٹ رہی تھی۔

''آپ مائی کو کچھ نہیں بتائیں گی۔ آپ کو جو چاہیے وہ آپ کو میں دوں گا لیکن اس بات کا فی الحال پتہ مائی کو نہیں لگنا چاہیے۔ رائٹ؟'' کتنے بے حس انداز میں وہ اس کے دل پر برچھیاں چلا رہا تھا۔

میرب چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

کتنا بدظن تھا وہ اُس سے...... اُس پر اعتبار تک نہ تھا۔ کتنا بدگمان تھا وہ۔

''آپ یہ بات پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ باتوں کو دہرانے کی عادت ہو چکی ہے آپ کو''۔ میرب کی آواز بہت ہمت کے باوجود بھرائی ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری عجب پتھر ہو رہا تھا۔ اس کی جانب دیکھ تک نہ رہا تھا۔

''دہرا نہیں رہا۔ دوبارہ کہنا نہیں چاہتا لیکن اپنوں کے معاملے میں کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا''۔ سرد مدھم لہجے میں کہی گئی بات میں ایک بے گانگی تھی۔

'اپنوں کے معاملے میں'۔ یعنی وہ اسے بڑے آرام سے اپنے معاملات سے الگ کر رہا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا پانی ایک لمحے میں چھلکا تھا مگر آنسو بڑی بے قدری سے رخساروں پر بہہ گئے تھے۔ کسی کو ان آنسوؤں کی کوئی خاص پرواہ نہ ہوئی تھی۔

جان تھم جانے کو تھی۔

روح جسم سے نکل جانے کو تھی۔

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے اب بھی بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو لگتا ہے کہ ہمارے درمیان اب ہر رشتہ بے معنی ہے؟'' اس نے صاف دکھائی دینے کے باوجود دل کی تسلی کے لیے پوچھا تھا۔

''رشتوں کی بات مت کیجیے۔ آپ کے منہ سے رشتوں کی باتیں عجیب لگتی ہیں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لاتعلق لہجے میں کہا تھا۔

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' میرب کو یقین اب بھی نہ ہوا تھا کہ وہ شخص اس حد تک جا سکتا ہے۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ، آپ یہاں کیا بات کرنے اور کون سے رشتوں کو ڈی فنڈ کرنے آئی ہیں"۔

"کون سے رشتوں کو ڈی فنڈ کرنا چاہیے مجھے؟......کون سا رشتہ رکھا ہے آپ نے مجھ سے؟"

میرب نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نہ اس کی طرف دیکھا تھا نہ کوئی جواب دیا۔

گاڑی سیاہ تارکول کی سڑک پر بھاگتی جا رہی تھی۔ درمیان میں مکمل خاموشی تھی۔ میرب سیال کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔ چہرہ بھیگ رہا تھا مگر دوسری طرف کسی پر کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کتنا کچھ تھا دل میں......کتنا کچھ کہنے کا ارادہ تھا مگر وہ کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ سننا بھی کہاں چاہتا تھا۔

"گاڑی روکیے"۔ ہر شے بے نتیجہ دیکھ کر وہ بولی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نہیں سنا تھا۔

"آپ گاڑی روکیے"۔ آنسوؤں سے بھری آواز میں ایک بار پھر کسی قدر برہمی سے کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی حکم نہیں مانا تھا۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ اس کی طرف ضرور بڑھا تھا۔ نظریں بدستور سامنے ونڈ اسکرین پر تھیں۔ میرب نے بھیگی آنکھوں سے اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا اور رومال دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تھی۔ پھر ایک دم غصے سے اس ہاتھ کو جھٹک دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے قطعاً برا مانے بغیر ہاتھ دوبارہ آگے کر دیا تھا۔ میرب سیال نے برہمی کے ساتھ دوبارہ جھٹک دیا، ساتھ ہی چیخ پڑی تھی۔

"نہیں چاہیے آپ کی یہ ہمدردی......رکھیے اپنے پاس"۔

"آنسو پونچھیے"۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا تھا۔

"نہیں پونچھوں گی اور آپ کو اس سے کیا؟......فضول کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں مجھے۔ آپ گاڑی روکیے"۔

"پہلے یہ رومال لو اور اپنے آنسو پونچھو"۔

"نہیں پونچھوں گی۔ آپ کو اس سے کیا ہے؟"

"آئی ول ناٹ اسٹاپ دی کار ڈین"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف بن دیکھے اپنا فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

"اتنے اچھے مت بنئے......اگر آپ اتنے اچھے ہوتے تو......" آواز بھرا گئی تھی۔ وہ ڈھنگ سے شکوہ بھی نہیں کر سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ بدستور اس کی طرف تھا۔ وہ اس کی ضد سے واقف تھی۔ ہاتھ کی طرف بھیگی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے رومال پکڑ کر آنکھیں پونچھ لی تھیں۔

مگر آنکھوں میں اسی تیزی سے پھر پانی اُمڈ آیا تھا۔

"بس؟" دھندلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک لمحے کو اس چہرے پر نگاہ کی۔ پھر دوبارہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا مگر گاڑی پھر بھی نہیں روکی تھی۔

میرب سیال بے بسی کے ساتھ چہرہ پھیر گئی تھی۔ پانیوں سے بھری آنکھیں پھر چھلک پڑی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ اس چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ میرب اس نگاہ سے بے خبر تھی۔ دُھندلے پانیوں سے بھری آنکھوں سے راستوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ وہ شخص ثابت کر رہا تھا کہ اسے اس کا کتنا خیال تھا۔

اتنا کہ اُسے آنسو دے رہا تھا۔

اُسے رُلا رہا تھا۔

دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکال رہا تھا۔

خود سے دور کر رہا تھا۔

کیسی تھی یہ محبت......!!!

کیسی تھی یہ انسیت......!!!

کیسا تھا یہ پیار......!!!

پل پل مار بھی رہا تھا جو......اور اُس کا خیال بھی کر رہا تھا۔

"آپ ایک بات بالکل بھی نہیں سمجھتیں۔ جو کام آرام اور سکون سے ہو سکتا ہے، اس میں اتنا واویلا کرنے کی ضرورت نہیں"۔

بہت رسانیت سے سمجھانے والے انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

مگر میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اب باقی کیا بچا تھا سمجھانے کو؟

کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا وہ؟

کیا سمجھانا چاہتا تھا؟

درمیان میں کتنا کچھ انجانا سا تھا۔

ان کہا......ان سنا سا۔

واضح اب بھی کچھ نہیں تھا۔

درمیان میں کیا تھا، اب بھی سمجھنا مشکل تھا......کبھی کچھ واضح ہوا ہی نہیں تھا۔

کبھی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی تھی۔

میرب کا دل چاہا تھا...... وہ چیخ چیخ کر اس شخص کو کہے کہ وہ کتنا بے حس ہے۔

کتنا کج رو ہے۔

مگر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

اندر اتنا غبار تھا کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

راستہ ختم ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی روکی تھی۔

میرب اُس کی طرف دیکھے بغیر چپ چاپ اُتر گئی تھی...... اور اس شخص کی طرف دیکھے بنا آگے بڑھ گئی تھی۔

گین نے چپ چاپ اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟...... کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو؟'' فارحہ نے بیٹے کو کسی قدر کھویا ہوا دیکھ کر دریافت کیا تھا۔

اذہان چونکا، پھر مسکرا دیا۔

''نہیں...... کچھ نہیں ممی!...... آئی ایم گڈ''۔ اذہان نے سب کچھ معمول پر ظاہر کرنا چاہا تھا۔

فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا۔

''میرب کیسی ہے؟'' دانستہ دل والی بات کی تھی۔ وہ چونک پڑا۔ ماں کی طرف دیکھا، پھر سر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا۔

''شاید ٹھیک ہو''۔

''کیا مطلب؟'' فارحہ چونکی۔

''پتہ نہیں۔ میں گیا نہیں اس کی طرف''۔ نگاہ ملائے بغیر جواب دیا گیا۔

''کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے؟'' فارحہ نے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بہت مضمحل سے انداز میں دیکھا، پھر بہت آہستگی سے ماں کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔ انداز میں ایک واضح تھکن تھی۔

فارحہ کچھ کہے سنے بغیر بیٹے کے دل کا حال جان رہی تھیں۔

اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔

بہت آہستگی سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور اذہان حسن بخاری کے گرم گرم آنسوؤں سے ان کی گود بھیگنے لگی تھی۔

بیٹے کے دل کے اندر کیا تھا؟

یہ پوچھنے کی ضرورت انہیں پہلے بھی نہیں تھی اور اب بھی نہیں۔ یہ سارے احوال بنا کہے ظاہر تھے۔

فارحہ نے کچھ بھی بولے بغیر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔

''ممی! دل نہیں مان رہا''۔ بہت مضطرب سے انداز میں ایک جملہ اذہان حسن بخاری کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔'' جان کچھ مشکل میں ہے ممی!...... کیوں؟ یہ میں بھی نہیں بتا سکتا...... پتہ نہیں، بس چین نہیں پڑ رہا۔

وضاحتوں کی ضرورت نہیں تھی۔

مگر اقدامات کا وقت گزر چکا تھا۔

وقت کی ڈور ہاتھ میں نہیں تھی۔

فارحہ بیٹے کو تسلی تک نہیں دے سکی تھیں۔

لگتا تھا کچھ بھی کہیں گی تو وہ فضول ترین ہوگا، مگر دل پر ایک گھونسا سا پڑا تھا۔ وہ خود اپنے دل کو بھی مشکل میں گھرا محسوس کر رہی تھیں۔

ماں کبھی بچے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔

مگر وہ دیکھ رہی تھیں۔

بہت کچھ کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکی تھیں۔

''مجھے پتہ ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وقت ہاتھوں سے نکل چکا ہے مگر یہ چیز دل کو سمجھانے پر بھی سمجھ میں نہیں آتی''۔

''کیا کروں میں؟'' اذہان مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔

مگر فارحہ کے اختیار میں بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ بیٹے کو کمزور پڑتے دیکھ کر خوش نہیں تھیں اور وہ کہہ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے، آپ مجھے کمزور سمجھ رہی ہوں مگر میں کمزور نہیں پڑ رہا۔ ہر شے میرے سامنے ہے اور میں تمام معاملات پر نگاہ رکھ رہا ہوں۔ ہر شے کی خبر ہے مجھے...... جو ضروری ہے وہ بھی پتہ ہے...... اور جو غیر ضروری ہے اس پر بھی میری نگاہ ہے۔ میری نگاہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے مگر...... میرا دل...... میرا دل میرے مقابل ڈٹ گیا ہے۔ کیا کروں؟...... کیا کروں اس کا؟'' اذہان کبھی اتنا کمزور دکھائی نہیں دیا تھا۔

فارحہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے تھے۔

''مگر میں اب بھی ہارنا نہیں چاہتا...... وہی کرنا چاہتا ہوں جو دماغ کہتا ہے۔ مگر دل اس عقل کی بات کو نہیں مان رہا۔ جانتا ہوں، ایک دن مان بھی جائے گا مگر فی الحال یہ بہت مشکل لگ رہا ہے...... بے حد مشکل''۔ اذہان بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا اور فارحہ کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میں کروں گا بھی وہی۔ وہی ٹھیک بھی ہے۔ میں کسی بات سے مکر نہیں رہا۔ پھر نہیں رہا۔ اب بھی میرے قدم اسی مضبوطی سے اپنی اس زمین پر جمے ہوئے ہیں مگر یہ لمحہ کچھ مشکل کا ہے۔ مجھے پتہ ہے میں اس پر جلد قابو پا لوں گا اور ایک بار پھر سب کچھ پہلے جیسا ہوگا۔ ویسا ہی جیسا ہونا چاہیے۔ جیسا عقل چاہتی ہے۔ ہوگا سب ویسا ہی۔ مگر یہ وہ مشکل لمحہ ہے جو دل جھیل رہا

ہے۔ یہ گزر جائے گا تو کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ یہ لمحہ آیا بھی تھا کبھی۔ آپ کا بیٹا کمزور نہیں ہے۔ کمزور پڑے گا بھی نہیں ......آپ پریشان مت ہوئیے۔ میں سب پھر سے ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کو ٹھیک لگتا ہے اور جو ٹھیک ہے بھی۔ یہ بات میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔ کسی کو بھی نہیں کہ میں کن موسموں میں جی رہا ہوں مگر میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ سانس لینا محال ہو گیا تھا۔ میں کوئی فضول کی ضد نہیں رہا۔ نہ کوئی فضول کی ضد سننا چاہتا ہوں۔ دل میرے نزدیک ایک بچہ سا ہے جو جلد ہی بہل جائے گا اور سنبھل کر پھر سے اسی معمول پر آ جائے گا، مگر ایسا ہونے کی یہ کیفیت کچھ تسلی بخش نہیں ہے اور کسی قدر جان لیوا بھی‘‘۔ اذہان اپنا دل کھول کر ماں کے سامنے رکھ رہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ یہ سب سن کر اس کی ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

اپنے بیٹے کے غم میں وہ کتنی دُکھی ہو رہی ہے۔

’’آپ یہ مت سمجھئے گا کہ میں کوئی ضد کرنے والا ہوں۔ مجھے چاند نہیں چاہیے...... مجھے پتہ ہے۔ بس ایک بے بس کر دینے والے لمحے کے حصار میں ہوں اور اس سے باہر نہیں آ پا رہا ہوں مگر دل جلد سنبھل جائے گا‘‘۔

اذہان حسن بخاری نے سر اُٹھایا۔ ہاتھ بڑھا کر ماں کے آنسو پونچھے......اور پھر چپ چاپ اُٹھ کر باہر نکل گیا۔

فارحہ بیٹھی دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

’’یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟‘‘ زوباریہ نے مظہر سیال کے سامنے کھڑے ہو کر دریافت کیا تھا۔

’’کیوں......کیا ہوا؟‘‘

’’میرب کی طلاق کا معاملہ آپ نے اُٹھایا؟‘‘

’’ہاں‘‘۔

’’کیوں؟‘‘

’’کیوں...... مجھے جو بہتر لگا میں نے وہی کیا۔ شی اِز مائی ڈاٹر۔ اس کی زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا‘‘۔ مظہر سیال نے جواب دیا تھا۔

’’آپ کو لگتا ہے کہ ایسا کر کے اس کے ساتھ کچھ بہتر کیا ہے؟‘‘ زوباریہ نے اُلٹا دریافت کیا تھا۔

’’آپ کو نہیں لگتا کیا؟‘‘ مظہر سیال نے پوچھا۔

’’نہیں‘‘۔

’’یہ میری بیٹی کی زندگی کا معاملہ ہے......اس کے لیے جتنا بے چین ہو سکتا ہوں، کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا دُکھ مجھے زیادہ ہے‘‘۔

ایک لمحے میں زوباریہ کو اپنے معاملات سے الگ کر دیا تھا۔

''اور جو آپ کر رہے ہیں وہ کیا ہے؟'' زوباریہ نے دریافت کیا۔

''آپ کو لگتا ہے، یہ غلط ہے؟'' مظہر نے پوچھا۔

''آپ پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں لیکن آپ کو کچھ بھی کرنے سے پہلے میرب سے ایک بار پوچھ لینا چاہیے تھا۔ ایک بار اس کی مرضی بھی معلوم کر لینی چاہیے تھی۔ آپ پھر وہی غلطی کرنے جا رہے ہیں جو آپ پہلے بھی کر چکے ہیں۔ آپ اسے دہرانے کی کوشش مت کیجئے''۔ زوباریہ نے سمجھانا چاہا۔

''میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ ایک غلطی ہوئی تھی، اس کو سدھارنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔

''آپ سمجھتے ہیں اس طرح کچھ کر کے آپ اپنی غلطی سدھار رہے ہیں تو یہ غلط ہے''۔

''غلط نہیں ہے۔ غلط وہ تھا جو پہلے کیا اور یہ اس کی مرضی کے خلاف بھی نہیں ہو رہا۔ پیپرز میرب کے پاس بھجوائے تھے۔ اس کی مرضی سے ہوا ہے یہ''۔

''کیا؟'' زوباریہ حیران رہ گئی تھی۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ایسا ہے......اور اب میں کچھ بھی اپنی بیٹی کے خلاف نہیں ہونے دوں گا''۔ مظہر سیال نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔ زوباریہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

پتہ نہیں اس نے ٹھیک کیا تھا یا نہیں۔

مگر اسے وہ گریز ہی مناسب لگا تھا۔

وہ کچھ برہم تھا۔

مگر صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ برہم تو نہیں لیکن ''لاتعلق'' ضرور تھا۔ کچھ ''انسیت'' تو اس سے قبل بھی زیادہ نہیں لگی تھی مگر اب تو لاتعلقی کچھ بڑھ گئی تھی۔

انابیہ نے چپ چاپ اس کے سامنے چائے رکھی تھی۔

''تھینکس''۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک کنکر پڑا تھا۔ سکوت میں لمحہ بھر میں ہلچل ہوئی تھی اور سارا منظر پھر سے ویسا ہی تھا۔

انابیہ کچھ عجیب سی لگ رہی تھی، حالانکہ اب تو اسے عادی ہو جانا چاہیے تھا۔

''آپ گاڑی بجھوا دیں گے؟......شام میں مجھے کہیں جانا ہے''۔ دانستہ طور پر بات کا آغاز کیا تھا۔

''کہاں جانا ہے تمہیں؟'' اس سوال کی اُمید نہیں تھی۔ اتنی ''سرد مہری'' کے موسم میں ایسا کوئی سوال، وہ توقع نہیں کر رہی تھی، شاید تبھی اس کے پوچھنے پر کچھ حیرت ضرور ہوئی تھی۔

''لامعہ کی طرف''۔ اس نے سر جھکا کر توس پر بٹر لگاتے ہوئے کہا تھا۔ عفنان نے چند لمحوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا پھر اخبار سامنے پھیلا کر چائے کے سپ لینے لگا۔

''وہاں کیا ہے؟'' اتنی وضاحتیں طلب کی جائیں گی، وہ جانتی نہیں تھی۔

''ضروری ہے کچھ ہو تب ہی جاؤں؟'' انابیہ نے اُلٹا دریافت کیا تھا۔

''اوزان کے لیے جا رہی ہو؟'' ایک چھوٹے سے معاملے پر اتنی ''بات چیت'' ہو گی اسے علم نہ تھا۔ تبھی کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

نگاہ اُٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا جو انجان بن کر بھی انجان نہ تھا۔

''نہیں''۔ اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

''پھر......؟''

''آپ چاہتے ہیں میں نہ جاؤں؟'' تنک کر پوچھا گیا۔

''ایسا میں نے نہیں کہا لیکن مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر کوئی میری بیوی کی بے عزتی کرے......تمہاری کوئی عزت ہو نہ ہو، مگر میری ہے۔ اگر تمہیں کوئی کچھ کہتا ہے تو اس سے میری حیثیت پر حرف آتا ہے''۔ کتنے آرام سے وہ بول گیا تھا۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی یعنی اس کی اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔

حیرت سی حیرت تھی۔

مگر عفنان اس کی حیرت کی مطلق پرواہ کیے بغیر چائے کے سپ لینے لگا تھا۔

''کیا کہا آپ نے؟......آپ کو لگتا ہے میری کوئی عزت نہیں؟'' بات جتنی پُرسکون دکھائی دے رہی تھی اب ''فضا'' ویسی نہیں رہی تھی۔

عفنان علی خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے میری خود کی کوئی حیثیت نہیں؟''

''میں نے ایسا نہیں کہا''۔ عفنان نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ لہجہ بے تاثر تھا۔

انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اس ایک جملے میں پنہاں معنی خاص وہ سمجھ ہی نہ سکی تھی۔

''میری اپنی بھی کوئی شناخت ہے۔ کوئی ویلیو ہے''۔ اس نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے باور کرایا تھا۔

''ضرور ہو گی......مگر جو میں کہہ رہا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ عقل استعمال کرنے کے لیے ہوتی ہے، اگر آپ استعمال کریں گی تو آپ کے لیے بھی آسانی ہو گی اور میرے لیے بھی''۔ انداز کسی قدر ڈپٹنے والا تھا۔

انابیہ کچھ بول نہ سکی تھی۔

”جب تک اس گھر میں ہیں، آپ میری ذمہ داری اور عزت ہیں“۔

”تو......؟“

”تو......؟؟“عفنان نے اس کے شانے اُچکانے پر اسے دیکھا تھا۔

”آپ چاہتے ہیں کہ میں لامعہ سے ملنا جلنا بند کردوں؟“

”آپ فضول کی بحث کیوں کررہی ہیں؟“

”فضول کی بحث میں کررہی ہوں؟“

”نہیں......آپ کی نیبر کررہی ہیں“۔عفنان علی خان نے ایک اخبار ایک طرف رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

”اس کا مطلب ہے کہ میرا دنیا میں آنا جانا، ملنا جلنا بند؟“انابیہ کو سوچ کر ہی دھچکا لگا تھا۔”قیدی ہوں میں؟......کیونکہ میں آپ کو......“ایک بات زبان پر آتے آتے رہ گئی۔عفنان علی خان نے اسے مڑ کر دیکھا، پھر پلٹ کر اس کی طرف آ گیا۔کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ آہستگی سے چھوا تھا۔

”میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے انابیہ!......اگر میں کچھ حاصل کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں۔یہ ساری حد بندیاں اگر ہیں تو صرف اس لیے کہ......چھوڑو......تم نہیں سمجھو گی، مگر ایک بات اب بھی وہی ہے کہ آپ ان لوگوں سے نہیں ملیں گی جو آپ پر فضول الزامات لگاتے ہیں“۔بہت مدھم لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔

”تم ایسا اس لیے نہیں چاہتے کہ لامعہ تمہاری ایکس بھی رہ چکی ہے؟“

”ایکس رہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تم جانتی ہو سب......تم سے تو کچھ چھپا نہیں ہے۔اگر میں تم کو اس سے ملنے سے روکنا چاہوں تو اس میں میرا راز نہیں چھپا۔اگر مجھے لامعہ سے کوئی لگاوٹ ہوتی تو آج تم نہیں وہ میری زندگی میں میرے ساتھ ہوتی۔وجہ اب تم خود ڈھونڈو۔الزامات سے زیادہ حقائق نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔آنکھیں کھول کر اپنے اِردگرد کی دُنیا کو دیکھو۔سب سمجھ میں آجائے گا“۔

عفنان علی خان نے اسے چھوڑ دیا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

ساری صورتِ حال اس کے لیے نئی تھی اور تعجب خیز تھی۔

اس شخص کے انداز میں Posessiveness تھی، جو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

☆......☆......☆

محبت ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔

درمیان میں کچھ نہ تھا۔

اگر ہوتا تو شاید لفظوں کے، باتوں کے معنی مختلف ہو بھی سکتے تھے۔

اگر محبت ہوتی۔

اور محبت نہیں تھی۔ تبھی صورتِ حال اتنی پیچیدہ بھی تھی۔

میرب سیال کو لگ رہا تھا، قدموں تلے سے زمین سرک رہی ہو۔

ایک بار پہلے زندگی اس کی اجازت مانگے بغیر اس کی دُنیا میں ایک عجب انقلاب لے آئی تھی۔ وہ انقلاب جسے نہ اس کی عقل نے تسلیم کیا تھا نہ دل نے۔

اور آج پھر اس کی زندگی اسے وہ دکھانے جا رہی تھی جس کے لیے وہ تیار نہیں تھی۔

وہ تبدیلی جسے وہ اپنی زندگی میں نہیں چاہتی تھی۔

وہ بے جان، ساکت سی بیڈ پر لیٹی تھی، جب فون کی بیل اچانک بجی۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔

فون بجتا رہا تھا۔

ایک......

دو......

تین......

کئی بار......

''ہیلو......!''

''تم فون کیوں نہیں اُٹھا رہی تھیں؟'' دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ متفکر دکھائی دے رہا تھا۔

''بس نہیں اُٹھا رہی تھی''۔ اس نے بولنے کی کوشش کی تھی مگر آواز کہیں اندر ہی دب گئی تھی۔

''یو او کے؟'' دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ کچھ مضطرب دکھائی دیا تھا۔ کوئی معجزہ ہونے جا رہا تھا کیا؟

''ہاں......ٹھیک ہوں میں''۔ میرب نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''ٹھیک تھیں تو فون اتنی دیر سے کیوں اُٹھایا؟'' دوبارہ سوال وہی تھا۔

''آپ نے کس لیے فون کیا؟'' وہ تپ گئی تھی۔ ''یہ جاننے کے لیے کہ میں مر گئی یا پھر زندہ ہوں؟''۔ میرب سیال نے درشت لہجے میں کہا تھا۔

''شٹ اَپ!'' جواباً اس کی برہم آواز سنائی دی تھی۔ ''مائی کو تم سے بات کرنا تھی''۔ بروقت ایک جواز آیا تھا۔

''اچھا......تو پھر دیں فون انہیں......آپ کیوں بات کر رہے ہیں؟'' میرب سیال نے لاتعلقی کی حد کر دی تھی۔

"میرب تم ......" وہ جیسے یک دم سلگ اُٹھا تھا۔

"کیا میں؟"

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"آپ کی طرح قتل عام نہیں کرتی...... دوسروں کے احساسات کی بھرپور پرواہ ہے مجھے۔ اگر آپ نے اس لیے فون کیا ہے کہ میں مائی کو کچھ نہ بتادوں تو آپ غلط ہیں۔ میں اس بات پر قائم ہوں۔ آپ رہ پاتے ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں میں نہیں جانتی مگر مجھے پورا احساس ہے اس بات کا"۔

"کس بات کا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

"کہ مائی اماں کو کسی بات کا پتہ نہ چلے۔ نہ ہی انہیں کوئی تکلیف پہنچے"۔

"رائٹ...... گڈ...... تو آپ ڈیل پر قائم ہیں"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

میرب سیال ایک لمحے کو دنگ سی رہ گئی تھی۔

وہ شخص بدلنے والا نہیں تھا۔

ایک لمحے کو سارے قیاس ڈھیر ہوئے تھے۔

ساری خوش فہمیاں بھی ایک طرف دھری رہ گئی تھیں۔

زندگی کی سُوئی پھر اس جگہ پر اَٹک گئی تھی۔

اُسے اپنی عقل پر ایک بار پھر ماتم کرنے کو دل چاہا تھا۔ اس کی عقل ہمیشہ اس شخص کو رعایت دیتی تھی۔ مگر وہ شاید اس قابل تھا ہی نہیں۔

اس کی توقعات ایک بار پھر اوندھے منہ پڑی تھیں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی تمکنت سے سر اُٹھائے کھڑا تھا۔

"آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟" اس نے ساری جان سے سلگ کر دریافت کیا تو وہ چونک پڑا۔

"کیا مطلب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز سوالیہ تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ اس دنیا کے سب سے زیادہ خود غرض اور بے حس شخص ہیں۔ آپ صرف ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کو کسی کی پرواہ ہے...... مگر درحقیقت ایسا کچھ نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ صرف اپنی پرواہ کرتے ہیں۔ آپ کی بلا سے دنیا جائے بھاڑ میں۔ صرف آپ جو چاہتے ہیں وہ ویسا ہونا چاہیے"۔ میرب سیال نے اپنے اندر کا غبار کسی قدر نکال دیا تھا۔ دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"بہت زعم ہے آپ کو خود پر؟...... اپنے پیسے پر؟...... آخر سمجھتے کیا ہیں خود کو؟...... جب چاہیں، جو بھی چاہیں خرید سکتے ہیں؟...... دنیا مٹھی میں ہے آپ کی؟...... آپ چاہیں تو سانس لے گی...... آپ چاہیں تو سانس لینا بند کر دے گی۔ آخر کیا...... کیا چیز ہیں

آپ؟'' میرب سیال روانی سے بولی تھی۔

تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''ایک لبرل شخص ہوں......خود کو بھی آزاد دیکھنا چاہتا ہوں اور دوسروں کو بھی۔ جبر پسند نہیں ہے مجھے۔ ہر مسئلے کو مصلحت سے حل کرنا چاہتا ہوں''۔

''نہیں ہیں آپ ایسے......آپ بالکل بھی ایسے نہیں ہیں''۔ میرب نے اسے ایک لمحے میں رد کر دیا تھا۔

''تو پھر؟......کیسا ہوں میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سوال پوچھ کر اُلٹا کر کی جان مصیبت میں ڈال دی تھی۔

''بہت برے ہیں آپ''۔ میرب سیال نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ میں فون لیے دیکھتا رہ گیا تھا۔

''کیا ہو گیا اس لڑکی کو؟......اتنا ہائپر کیوں ہو رہی تھی وہ؟......وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

سب کچھ تو اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا......جیسا وہ چاہ رہی تھی، ویسا ہی ہو رہا تھا......پھر بھی وہ اتنی ہائپر کیوں ہو رہی تھی؟

☆......☆......☆

''کہاں جا رہی ہو تم؟'' گی کو جاتا دیکھ کر سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

''ایک ضروری کام سے......اور تم......تمہیں کیا ہوا؟......اب تک کوئی حل نہیں نکالا تم نے اس مسئلے کا؟'' اسے بکھرا سا دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ اس شخص کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ صرف اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ گی کو اس کی حالت پر بہت افسوس ہوا تھا۔

''گین! اپنے اوپر فضول جبر کیوں کر رہے ہو؟ جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے لیے بھی یہ آسان نہیں ہے۔ پھر یہ بھرم قائم رکھنا کیوں چاہتے ہو؟......تم شرمندہ کیوں ہو؟......تم دنیا میں پہلے شخص تو نہیں ہو جو اپنے ایموشن کے ہاتھوں ہار رہا ہے، پھر کیوں گین؟ تم نارمل ری ایکٹ کیوں نہیں کرتے سب کچھ نارمل کرنے کے لیے؟ یہ بہت ضروری ہے گین! تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی''۔ گی ژیانگ نے اسے ڈپٹا تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے گین!'' پُر افسوس انداز سے کہا تھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ جیسے اپنے موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''خود سے نظریں ملانا نہیں چاہتے ہو گین! خود اپنے لیے اہم نہیں ہو تم؟......اپنے دل، اپنے ایموشن کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تم؟......کس بات سے ڈرتے ہو تم؟......آخر سمجھ کیوں نہیں لیتے کہ تمہارے لیے کیا اور کتنا ضروری ہے''۔

''مجھے مت سمجھاؤ گی!......میرے معاملات کو مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اپنی بات کرو''۔

''میری بات......مسٹر بخاری نے رات مجھے کہیں سے نمبر ڈھونڈ کر خود کال کی ہے۔ وہیں جا رہی ہوں''۔

''اوہ......ڈیٹس اے گڈ نیوز۔ تم جسے اتنے عرصے سے ڈھونڈ رہی تھیں، بالآخر وہ تمہارے سامنے آ گئے۔ چلو کچھ تو اچھا ہوا''۔ سردار سبکتگین حیدر نے کہا تھا۔

''ہاں......مگر میں اتنی خوش نہیں ہوں۔ مجھے خوشی تب ہو گی جب تم اپنے لیے وہ ایک فیصلہ کر لو گے جو تمہارے دل کی خوشی کے لیے ہو۔ خود کو یوں اس طرح ضائع کرنا بند کر دو گین!......بہت تکلیف دہ ہے یہ۔ تمہارے لیے تو ہے ہی......مگر ہم دوسرے جو تمہارے اِرد گرد ہیں، ان کے لیے بھی یہ جھیلنا آسان نہیں ہے۔ پلیز خود کو یہ فضول کی سزائیں دینا بند کر دو''۔ گی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''ساتھ چلوں تمہارے؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے دانستہ بات بدل دی تھی۔ گی نے کچھ سوچ کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں بھی تم سے یہی کہنے والی تھی کہ تم ساتھ چلو''۔

گین گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گی اس کے پیچھے چلتی ہوئی آئی تھی۔

''مجھے عجیب سا لگ رہا ہے گین!......زندگی اتنی اُلجھ گئی تھی اور اب جب اچانک ہی سلجھنے جا رہی ہے تو......اور پتہ نہیں سلجھنے جا رہی ہے کہ نہیں......مگر سب عجیب سا لگ رہا ہے......یقین بھی نہیں آ رہا۔ کتنا عرصہ لگا دیا میں نے اسے ڈھونڈنے میں......اور آج اچانک وقت نے اسے میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ زندگی یوں بھی ہوتی ہے گین!......ایسی بھی......یقین نہیں آتا''۔ گی نے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

''گین! ایک بات مانو گے؟'' گی نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''

''اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے چلانے کی بجائے اپنے دل پر چھوڑ دو۔ اپنے دل کی مرضی کو ایک بار اہمیت دے کر دیکھو۔ صورتِ حال خود بخود بدل جائے گی''۔ گی نے کہا تھا مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

بہت بجھا بجھا سا انداز تھا۔

انداز میں ایک طنز صاف واضح تھا۔

''گی! تم تھکتی نہیں ہو ایک ہی طرح کی باتیں کر کے؟''

''ایک ہی طرح کی باتیں تمہارے لیے کتنی اہم ہو سکتی ہیں......کبھی سوچا ہے تم نے؟'' گی نے اُلٹا سوال کر دیا تھا۔

''ایسا نہیں ہوتا گی!......تم فضول کی باتیں کرتی ہو......اور فضول کی باتوں پر زندگی نہیں گزرتی۔ آنکھیں کھول کر حقائق کو دیکھنا پڑتا ہے اور حالات میرے حق میں اچھے نہیں ہیں''۔

''تم یہ کیوں سوچتے ہو گین؟......حالات تمہارے ہاتھ میں اور تمہارے حق میں ہو بھی سکتے ہیں''۔

''گی! میں احمقوں کی دُنیا میں نہیں رہتا۔ مجھے معلوم ہے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے اور کیا ہونا چاہیئے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بری طرح رد کر دیا تھا۔

''تم صرف اپنی طرح سوچتے ہو......کبھی دوسروں کی طرح بھی سوچ کر دیکھ لیا کرو''۔ گی کو کچھ غصہ آ گیا تھا۔

''دوسروں کی طرح سوچ کر کیا ہو گا، یہ مجھے معلوم ہے۔ سو میں اپنی طرح سے ہی سوچتے رہنا چاہتا ہوں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے خود کو معمول پر ظاہر کیا تھا۔

''ایک بات بتاؤ......تم جی لو گے میرب کے بغیر؟'' گی نے ایک ٹھوس بات پوچھی تھی۔

سردار فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔

گی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

اس کی خاموشی میں وہ معنی پنہاں تھے۔

گی کو کچھ حیرت نہیں ہوئی تھی، تبھی وہ بھرپور یقین سے بولی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! وہ لڑکی تمہاری زندگی کا اہم اور ضروری ترین حصہ ہے اور اس بات کا بھرپور احساس تمہیں بھی ہے کہ وہ تمہارے لیے کتنی اور کس قدر ضروری ہے۔ تم خود بھی یہ بات جانتے ہو۔ تم بس خود سے نگاہ چرانا چاہتے ہو......اپنے دل کو خود آپ رد کرنا چاہتے ہو۔ اس آواز کو سننے کی کوشش ہی نہیں کر رہے ہو''۔

مطلوبہ ریسٹورنٹ کے سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ بولے بغیر گاڑی روک دی تھی۔ اور گی کے اُترنے کا منتظر ہو کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگا تھا۔

''تم میرے ساتھ اندر نہیں آؤ گے؟''

''نہیں......کچھ مناسب نہیں لگتا۔ تم چلی جاؤ۔ میں تمہارا یہاں باہر انتظار کرتا ہوں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہو رہا......آپ میرے ساتھ اندر چل رہے ہیں۔ سچ میں گین! بہت عجیب لگ رہا ہے......یوں اس طرح مجھے اپنا سارا جسم بے جان سا لگ رہا ہے......پلیز تم میرے ساتھ اندر چلو''۔ گی بولی تھی اور وہ چپ چاپ اس کے ساتھ آ گیا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ گین! کیا ہو گا؟'' ریسٹورنٹ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ داخل ہوتے ہوئے وہ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا حوصلہ بندھانے کو بہت ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ چونکی، پھر مسکرا دی تھی۔

''تھینکس گین!......تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ تم نے واقعی بہت ساتھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ تم نے میرے لیے اپنی زندگی تک کو خطرے میں ڈال لیا، اگر آج تمہاری زندگی اس قدر اُلجھی ہوئی ہے تو اس میں میرا بھی ہاتھ ہے مگر تم نے کبھی مجھے اس بات کی

وضاحت میرب کو دینے نہیں دی۔نہ خود کچھ اسے بتاتے ہو نہ مجھے بتانے دیتے ہو......بہت عجیب ہو تم"۔گی نے شکوہ کیا تھا۔

تبھی وہ آہستگی سے بولا تھا۔

"گی!......زندگی میں ساتھ رہنا، ساتھ جینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا......ایک دوسرے کی خواہش کرنا، ایک دوسرے کے لیے جینا بھی اہم نہیں ہوتا......اہم ہوتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنا۔اگر ایک عمر گزار کر بھی کوئی کسی کو سمجھ نہ سکے تو سب فضول ہے۔اینی ہاؤ، تمہارے مسٹر بخاری دکھائی نہیں دے رہے۔شکل تو یاد ہے نا تمہیں ان کی؟" سردار سبکتگین نے ایک چھوٹا مذاق کیا تھا۔

گی نے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا، پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی اور بالآخر اس کی نگاہ ایک شخص پر رُک گئی تھی۔

"وہ رہے......!" گی نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تھا اور نگاہ لحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

"اِز ہی مسٹر بخاری......؟" کسی قدر حیرت سے وہ بولا تھا۔

گی اتنی مگن تھی کہ کسی قسم کی حیرت کی پرواہ کیے بغیر سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔

"آؤ"۔گی آگے بڑھنے لگی تھی۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ دیر یوں ہی کھڑا رہا تھا پھر قدم آہستگی سے آگے بڑھا دیئے تھے۔

"کیسے ہیں آپ بخاری؟" گی نے مسکراتے ہوئے اس شخص کو دیکھا تھا۔

بخاری صاحب مسکرا دیئے تھے۔گی، گین کے آنے کی منتظر تھی۔وہ آ رہا تھا۔تبھی اس کا تعارف کراتے ہوئے بولی تھی۔

"گین! ہی اِز مسٹر بخاری۔ڈاکٹر فیض بخاری......اور بخاری! ہی اِز سردار سبکتگین حیدر لغاری۔مائی بیسٹ فرینڈ"۔گی نے تعارف کرایا تو گین نے ہاتھ ملایا، تبھی فیض بخاری بولے تھے۔

"گی بتا رہی تھی، آپ نے بہت ہیلپ کی اس کی۔اس کے لیے میں آپ کو تھینکس کہوں گا"۔

"یو ویلکم......میں نے گی کے لیے جو بھی کیا وہ میرا فرض تھا۔اس سے زیادہ کچھ نہیں۔اینی ہاؤ، آپ لوگ باتیں کیجئے، مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے......گی! میں تمہیں پک کر لوں گا۔تم ٹائم بتا دو......ایک گھنٹے بعد لے لوں؟" سوالیہ نظروں سے گی کو دیکھا تھا۔تبھی فیض بخاری بولے تھے۔

"میں واپسی پر چھوڑ دوں گا"۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا پھر پلٹ کر چلتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

دل بہت بوجھل تھا۔

ممی یاد آ رہی تھیں۔

جی میں پتہ نہیں کیا آیا کہ وہ فارحہ آنٹی کی طرف آ گئی تھی۔ گلے ملی تو کتنی دیر تک چپ چاپ بے آواز روتی رہی تھی۔

فارحہ نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔

جیسے وہ بہت سے اسباب پہلے سے جانتی تھیں۔

کتنی دیر تک میرب روتی رہی تھی۔ فارحہ چپ چاپ اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ جی کا غبار ڈھل گیا تھا تو میرب نے سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور خجل سی ہو کر بولی۔

''آپ کی یاد بہت آ رہی تھی...... آپ نے تو بالکل ہی بھلا دیا''۔ شکوہ لبوں پر آ گیا تھا۔

فارحہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''میں آنا چاہتی تھی مگر...... مظہر بھائی...... خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟ اتنی انرجی ویسٹ کر دی رو رو کر...... اتنی یاد آ رہی تھی تو فون کر دیا ہوتا...... میں آ جاتی''۔ اس کے لیے فریج میں سے جوس کا کین نکالتی ہوئی وہ بولی تھیں۔

''آپ واقعی پاپا کی وجہ سے گھر نہیں آتیں؟'' میرب نے کسی قدر حیرت سے سر اُٹھا کر فارحہ کو دیکھا۔ فارحہ کچھ نہیں بولیں اور کین اس کی طرف بڑھاتے ہوئے نرمی سے مسکرا دی تھیں۔

''اپنی نانو کی طرف گئی تھی تُو؟''

''نہیں...... بہت دِنوں سے نہیں گئی۔ کسی کو میری یاد نہیں آتی۔ کسی کے لیے میری کوئی امپورٹنس نہیں...... سوچ لیا ہے...... اب میں بھی کسی سے ملنے نہیں جاؤں گی۔ آپ کی طرف بھی آخری بار آئی ہوں''۔ بچوں کی طرح خفا سی وہ شکوہ کر رہی تھی۔

فارحہ مسکرا دیں۔

''صرف یہی بتانے آئی تھی؟''

''پاپا کو آپ سے کیا اُلجھن ہے آنٹی؟''

فارحہ جو مسکرا رہی تھیں، یک دم ہونٹ بھینچ گئیں۔

''اُلجھن تو انہیں ہم سب سے ہے...... بتایا تو تھا کہ وہ آپا کی موت کے بعد ہم سے ملنا پسند نہیں کرتے، کیونکہ وہ آپا کی موت کا ذمہ دار ہمیں سمجھتے ہیں''۔ فارحہ نے بتایا تھا۔

''بس...... صرف یہی وجہ ہے؟'' میرب نے سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

فارحہ کچھ دیر تک خاموش رہیں، پھر آہستگی سے بولیں۔

''اُلجھنوں کو بڑھانے کے لیے جواز ضروری نہیں...... تم بتاؤ، اتنا رو کیوں رہی تھیں؟'' فارحہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

''بس یوں ہی...... دل چاہ رہا تھا''۔ میرب نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''ایسے ہی کیوں؟'' فارحہ نے جواب چاہا تھا۔

''بس دل عجیب سا ہو رہا تھا'' ۔ درد اتنا بڑھا تھا کہ سنبھالنا مشکل تھا۔ میرب کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔

''آنٹی! پاپا میری شادی ختم کر رہے ہیں'' ۔

''کیا......؟'' فارحہ حیران رہ گئی تھیں۔ ''لیکن وہ ایسا تمہاری مرضی کے بغیر کیسے کر سکتے ہیں؟''

''انہیں لگتا ہے کہ میں خوش نہیں ہوں'' ۔

''اور تم؟'' فارحہ آنٹی نے اس کی طرف دیکھا تو میرب سر جھکا گئی تھی۔

''آنٹی! میرے ساتھ بہت عجیب ہوا...... زندگی نے میرے ساتھ سب کچھ عجیب کیا۔ پہلے میں اس رشتے کے لیے تیار نہیں تھی...... وقت نے مجھے پابند کر دیا...... میں اس رشتے کو بوجھ سمجھتی تھی۔ اُتار کر پھینک دینا چاہتی تھی۔ اور پھر...... مجھے پتہ ہی نہیں چلا کب معنی بدل گئے...... کب اس رشتے سے مجھے اُنسیت ہوئی...... مجھے خبر ہی نہیں ہوئی...... پتہ ہی نہیں چلا...... خبر اب ہوئی جب میں اس رشتے سے علیحدہ ہو رہی ہوں...... اب میں علیحدگی نہیں چاہتی۔ میں آنکھیں بند کر کے جی رہی تھی آنٹی!...... محبت کا کہیں ذکر نہیں تھا...... اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے تو بالکل بھی نہیں۔ مگر حوالے کب چینج ہوئے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ کیسے ہوئی یہ محبت...... آہستہ آہستہ'' ۔ وہ سر جھکائے مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ فارحہ چپ چاپ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ نظروں میں کچھ حیرت تھی۔

اور حیرت تو اذہان حسن بخاری کی آنکھوں میں بھی تھی جو قدرے فاصلے پر کھڑا تھا۔

غالباً وہ اسی ساعت وہاں آیا تھا مگر چہرے کا ری ایکشن بتا رہا تھا، وہ سب کچھ سن چکا تھا۔

فارحہ کی نگاہ بیٹے پر گئی تھی۔

تبھی نظروں کے تعاقب میں میرب نے دیکھا تھا مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

اذہان چپ چاپ آگے بڑھ آیا تھا۔

اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کیسی ہو تم؟'' کچھ دشوار ہو رہا تھا خود کو سنبھالنا، مگر وہ اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا۔

میرب مسکرا نہیں سکی تھی۔

''ٹھیک ہوں'' ۔ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ ''اور تم......؟''

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''میں فٹ فاٹ...... اپنی رخصتی کا دعوت نامہ دینے آئی ہو کیا؟'' وہ ہر شے معمول پر ظاہر کرنا چاہتا تھا اور کسی قدر بے تاثر تھی، تبھی مذاق کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''نہیں......میں فارحہ آنٹی سے ملنے آئی تھی''۔ میرب آہستگی سے بولی تھی۔

''صرف فارحہ آنٹی سے؟......ہم سے نہیں؟''اذہان حسن بخاری نے شکوہ کیا تھا۔

''مجھے کیا پتہ تھا تم اچانک آٹپکو گے''۔ میرب نے دوستانہ انداز میں کہا تو اذہان مسکرا دیا،مگر انداز بہت پھیکا تھا۔

''ہاں......مجھے بھی خبر نہیں ہوئی تھی کہ گھر میں آچکی ہو''۔اذہان نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرادی تھی۔

''تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو۔میں چائے لے کر آتی ہوں اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی''۔فارحہ کے لیے اس منظر کو دیکھتے رہنا مشکل تھا شاید۔تبھی وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔میرب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اذہان اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

''اور کیا چل رہا ہے؟''مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب نے سر اُٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟......اپنے میاں سے جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا؟''وہ مسکرا دیا تھا۔صورتِ حال کو اپنے اختیار میں ظاہر کرنا چاہ رہا تھا اور دوسرے معنوں میں وہ میرب کو بھی اس شرمندگی سے بچانا چاہتا تھا جو اسے فیل ہوتی اس صورتِ حال میں کہ وہ اس کے متعلق سب جان چکا ہے۔

''تم جان چکے ہو نا سب؟''میرب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا،وہ جو مسکرا رہا تھا،چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے تھے۔لب بھینچے ہوئے اسے دیکھا تھا اور نگاہ پھیر گیا تھا۔

''تم اپنے دُکھ بھی اب مجھ سے بانٹنا نہیں چاہتی ہو تو میں کیا کروں؟......تم نے تو ایک دم ہی پرایا کر دیا''۔اذہان نے شکوہ کیا تھا۔

میرب کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''تمہیں لگتا تھا اب میں تمہیں تسلی بھی نہیں دے سکوں گا؟''

''نہیں......مجھے ایسا کچھ نہیں لگا تھا''۔میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تو پھر؟......تمہیں لگا تھا......تمہارا مان ٹوٹ جائے گا......یا پھر تم خود کو کمزور ثابت کرنا نہیں چاہتی تھیں''۔اذہان نے جواز تلاشے تھے مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اذہان!ایسا کچھ نہیں ہے......بس میں بہت پریشان تھی اور تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔مجھے پتہ تھا تم سن کر اَپ سیٹ ہو جاؤ گے''۔

''اور تم جو اتنی پریشان ہو،اس کا کیا؟''

''میری پریشانی تو ختم ہونے جا رہی ہے اور......''

''تم ایسا نہیں چاہتی نا؟''اذہان نے اسے دیکھا تھا۔

میرب جو سر جھکائے بیٹھی تھی،سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا،پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اگر ایسا نہیں چاہتی تو پھر ایسا ہونے کیوں دے رہی ہو؟...... یو گون میڈ؟'' اذہان حسن بخاری نے اسے برہمی سے دیکھا تھا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے اذہان!'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''کیا آسان نہیں ہے، تم میں ہمت نہیں ہے؟...... بچی ہو؟......اوہ، کم آن میرب! یہ بچپنا پیچھے کہیں چھوڑ دو تم......اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا سیکھو۔ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو تم۔ کیا مشکل ہے تمہارے لیے؟'' اذہان نے اسے ڈپٹا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے اذہان!'' وہ بے بس دکھائی دی تھی۔

''کیوں نہیں سمجھوں گا؟......تم سمجھاؤ تو......کیا تم سمجھتی ہو کہ میں کوئی بہترین حل تمہیں نہیں دے سکوں گا؟'' وہ بولا تھا۔

میرب نے اسے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

''تم ہر شے الٹی لے رہے ہو اذہان!......میں نے تمہیں نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہر گز بھی یہ نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ سینسیئر نہیں ہو یا مجھے کوئی اچھا مشورہ نہیں دے سکتے۔ تم صرف یہ سمجھ نہیں پا رہے ہو کہ مشوروں کی ضرورت تو مجھے تب ہو جب میرے ہاتھ میں کچھ ہو......اور میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ میں اس معاملے میں کسی اور طرح کی ہوں......دور سے کھڑی صرف دیکھ رہی ہوں اور بے بس ہوں۔ مجھے نہیں پتہ اس سے آگے کیا ہوگا''۔ میرب نے بے بسی سے کہا تھا۔ آواز بھرا گئی تھی۔

''تمہیں ایسا اس لیے نہیں پتہ کیونکہ تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی رہنا چاہتی ہو......تم یہ سمجھنا بند کر دو کہ یہ معاملہ کسی اور کا ہے۔ یہ سوچو گی تو پھر تم دور بے فکر رہ کر صرف دیکھتی نہیں رہو گی، اس معاملے میں کود و گی اور اپنا معاملہ حل بھی کر دو گی''۔ اذہان نے اسے اُکسایا تھا۔

مگر اس میں کوئی تحریک دکھائی نہیں دی تھی۔

''اذہان! تم ایسا کہہ رہے ہو......کیونکہ تم اب بھی وہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہی ہوں''۔

''معاملہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟......چاہتی کیا ہو تم؟'' اذہان نے تنگ آ کر کہا تھا۔

''اسے چاہتی ہوں......آئی لو ہم......مگر وہ مجھے نہیں چاہتا......وہ شخص میرے لیے ضروری ہے کیونکہ وہ میری زندگی میں ہر طرف ہے......ہر جگہ ہے......مگر میں اس کی زندگی میں کہیں نہیں ہوں۔ میری جگہ کہیں بھی نہیں ہے۔ ایک فضول شے کی طرح ہوں میں اس کی زندگی میں۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا''۔ آنکھوں میں رُکا سارا نمکین پانی بند توڑ کر باہر نکل آیا تھا۔

اذہان حسن بخاری اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے پہلی بار پتہ چلا اذہان! کہ سب کچھ ہونا اور کچھ نہ ہونا کیا ہوتا ہے۔ اور......اور یہ کہ زندگی میں آپ کی مرضی، آپ کا چاہنا امپورٹنٹ نہیں ہوتا......زندگی میں پہلی بار میں خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہی ہوں اور وہ......وہ تو یہ تک نہیں مانتا کہ ایسا میں نے نہیں کیا۔ میں اس سے دوری نہیں چاہتی۔ وہ مجھ سے اس حد تک بدظن ہے کہ اسے لگتا ہے، میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ جو بھی ہوا ہے اس میں میری

مرضی شامل ہے اور یہ سب میں نے ہی کیا ہے۔ تم جانتے ہو اذہان! میں کتنی بے بس ہوں؟...... اتنے دنوں سے سو نہیں پائی میں اور"

"بہت بدتمیز شخص ہے وہ...... اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایک رسید کرتا اس کے۔ انتہائی بے وقوف شخص ہے وہ...... محبت ہے یا نہیں...... اس کے لیے بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں خود بخود سمجھ میں آتی ہیں اور اگر وہ شخص اتنا ہی زیادہ بے وقوف ہے اور سمجھنے کو تیار نہیں تو آپ انہیں بتا دیں۔ بات گھمانے پھرانے کی ضرورت نہیں۔ سیدھا ان کے پاس جائیے اور صاف کہہ دیجئے۔ پھر جو ہو سو ہو...... کم از کم آپ کے دل میں کوئی ملال تو نہیں رہے گا نا...... تم اس سے جا کر کہہ دو"۔ اذہان نے مشورہ دیا تھا۔

اسے جو اتنا آسان اور سیدھا دکھائی دے رہا تھا، درحقیقت تھا نہیں...... میرب بھیگی آنکھوں سمیت سر جھکا گئی تھی۔

"ان آنکھوں سے آنسو بہانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے میرب! اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہوگا"۔ اذہان نے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

میرب سیال کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا تھا جس میں وہ تھی...... اور سردار سبکتگین حیدر لغاری!

"آنسو نہیں دیکھ سکتا وہ میرے...... اور مجھے اتنا درد دے رہا ہے"۔ دل کی بات لبوں سے بے دھیانی میں پھسل پڑی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

میرب کو بھی یک دم احساس ہوا تھا۔

سر اُٹھانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

یک دم ایک شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

وہ خجل سی ہو گئی تھی۔

اس شخص کو ترچھی نظروں سے دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری اس کی طرف سے دانستہ نگاہ پھیر گیا تھا، پھر اُٹھا...... اور چلتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

میرب سیال کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے رومیصا لغاری کی کئی سال پرانی ڈائری الماری سے نکالی تھی۔ اسے یقین تو تھا مگر پھر بھی ایک بار اپنی تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

ڈائری کھولی تھی۔

ڈاکٹر فیض بخاری کی ایک تصویر ڈائری سے پھسل کر نیچے کارپٹ پر جا پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جھک کر تصویر اُٹھائی تھی اور بغور دیکھا تھا۔

فیض بخاری ہی وہ شخص تھا جو رومیصا لغاری کی زندگی میں کبھی موجود رہا تھا، جس کا انتظار رومیصا لغاری نے ساری زندگی کیا تھا۔

رومیصا لغاری کی یہ چندی ہوئی چیزیں اس لیے تھیں کہ وہ ان چیزوں کو آگے پہنچا سکے۔ اس شخص تک۔ لیکن اسے نہیں لگتا تھا کہ اب ان کی ایسی کوئی ضرورت باقی رہتی تھی۔

''کیا ہوا؟...... کیا کر رہے ہو تم؟'' گی اس کے کمرے میں کھٹکا کیے بغیر آ گئی تھی۔ وہ اس تصویر کو چھپا بھی نہیں سکا تھا اور شاید چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

گی قریب آ چکی تھی اور اس کے ہاتھوں میں بدستور وہ تصویر موجود تھی۔

''کیا ہے یہ؟...... دکھاؤ...... میرب کی تصویر ہے؟...... ارے، یہ تو مسٹر بخاری ہیں...... ان کی تصویر تمہارے پاس کیسے آئی؟'' گی کچھ حیران ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''یہ تمہارے مسٹر بخاری ہی ہیں مگر......''

''مگر کیا؟'' گی چونکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند لمحوں کو چپ ہوا تھا پھر قدرے توقف سے بولا۔

''شاید یہ بات تمہیں کچھ دکھ دے...... مگر جو فیض بخاری آج تمہاری زندگی میں اہم ہیں یہ فیض بخاری کل کسی اور کی زندگی میں اہم رہ چکے ہیں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔

''کس کی زندگی میں؟...... کیا کہہ رہے ہو تم؟'' گی قطعاً سمجھ نہیں پائی تھی۔

''آؤ...... میں تمہیں بتاتا ہوں''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر ڈائری میں رکھی تھی اور اسے لے کر چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

''بات زیادہ طویل نہیں ہے''۔ اسے لے کر بیرونی اسٹیئرز پر بیٹھتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ خزاں کے پتے درختوں پر سے ٹوٹ کر گرتے ہوئے بھلے لگ رہے تھے۔

گی اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

''رومیصا کے بارے میں جانتی ہو نا تم...... فیض بخاری واز بی لونگ ٹو ہر...... رومیصا لغاری جس شخص سے محبت کرتی تھی، وہ فیض بخاری تھے...... یہی فیض بخاری...... ساری بات یہ ہے کہ کسی کا بھی کل کیسا ہو سکتا ہے...... آج اہم ہوتا ہے...... کل نہیں رہتا۔ سو کل نہیں رہا۔ رومیصا کل تھی۔ ختم ہو گئی، مگر فیض بخاری تمہارا آج ہیں...... وہ تم سے جو بھی رشتہ یا تعلق بناتے ہیں وہ تمہارا آج ہو گا''۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے یہ سب چیزیں رومیصا نے اس لیے دی تھیں کہ میں انہیں فیض بخاری کو دے دوں مگر شاید اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جب ایک نئی زندگی نئے حوالوں سے شروع ہو رہی ہو تو پھر باقی کسی حوالے کی یاذکر کی ضرورت نہیں رہ جاتی.....ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا مگر اس نے سر اثبات میں ہلانے کی بجائے انکار میں ہلا دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو''۔اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ بڑا رسمی سا انداز تھا۔

''کیا مطلب؟''اس کے سردار سبکتگین حیدر لغاری چونکا تھا۔

وہ دھیمے سے مسکرائی۔ پھر رسانیت سے بولی۔

''ہم میں ایسا کچھ نہیں ہے گین!''

''کیا.....؟''وہ چونکا تھا۔

''ہاں.....میں سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ سب جو ہوا، وہ بس جذباتی لمحوں کی ایک چھوٹی سی کہانی تھی۔ یہ بات میں بھی جانتی تھی اور فیض بخاری بھی''۔

''تو پھر تم فیض بخاری کو اس طرح ڈھونڈ کیوں رہی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری بول رہا تھا جب گی نے بات درمیان میں کاٹی تھی اور بولی۔

''آئی ڈونٹ سے ڈیٹ آئی لو ہم.....آئی ڈوناٹ سے ڈیٹ ایوز''۔ وہ رسانیت سے مسکرا رہی تھی۔

''تو پھر وہ سب؟''

''تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے فیض بخاری سے محبت کبھی نہیں رہی......میں صرف انہیں اس لیے تلاش کر رہی تھی کہ انہیں بچے کے بارے میں بتا سکوں۔ ایسا نہیں تھا کہ میں اس بچے کی اکیلے ذمے داری نہیں اُٹھا سکتی یا اسے پال نہیں سکتی مگر میں صرف اس بچے کو ایک نام دلوانا چاہتی تھی۔ معاشرے میں وہ مقام جو اس کا جائز حق ہے......دوسرے فیض بخاری کو بھی اس بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی کہ ان سے وابستہ کوئی شے اس دنیا میں آ رہی ہے......ان سے مل کر، انہیں بتا کر میں ایک ذمے داری سے آزاد ہونا چاہتی تھی......ایک فرض پورا کرنا چاہتی تھی......اور وہ میں نے آج کر دیا۔ میں اگر انہیں تلاش کر رہی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے ان سے محبت تھی۔ یا مجھے ان سے شادی کرنا تھی۔ ایسا کچھ نہیں تھا''۔ گی اطمینان سے کہتی ہوئی پُر اعتماد انداز میں مسکرا رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور حیرت سے دیکھا تھا۔

کیسی عجیب لڑکی تھی وہ۔

ہمیشہ محبت کی بات کرتی تھی۔

ہمیشہ محبت کا ذکر اس کے لبوں پر رہا تھا۔

ہمیشہ محبت کو ڈی فنڈ کیا تھا اس نے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مقابل تک وہ محبت کے لیے لڑتی رہی تھی۔

اور آج......!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اسے سطر سطر پڑھ رہا ہے اور وہ شرمندہ ہوئے بغیر مسکرا دی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟......کیا اچانک بدل گئی ہوں میں؟'' دریافت کیا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......بدلی نہیں ہو۔ سمجھ میں اب آئی ہو''۔

''تم حیران ہو رہے ہو میں یہاں کیوں تھی؟......کیوں آئی تھی؟......کیوں اتنا عرصہ رہی؟'' وہ بولی تھی۔

''نہیں......مجھے ایسی کوئی حیرت اب نہیں ہو رہی گی!......ایسی کوئی حیرت مجھے نہیں ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

''محبت صرف اپنے بارے میں سوچنا نہیں ہے گین!......محبت دوسروں کے بارے میں بھی اسی طرح سوچنے کا نام ہے۔ اگر میری طلب اہم ہے، میری ضرورت اہم ہے تو کسی دوسرے کی طلب بھی اسی قدر اہم اور خاص ہے۔ اس کی ضرورت بھی اسی قدر شدید ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات سمجھ لینے سے محبت خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور......!''

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھے بغیر اُٹھنے لگا تھا۔ جب گی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے رکھ دیا تو اس نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

مگر وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''تمہیں یاد ہے گین! جب ہم پہلی بار ملے تھے......اس وقت بھی درختوں سے پتے یوں ہی گر رہے تھے......یہی موسم تھا اور......اور میں نے تمہارے قریب رُک کر تم سے یہی کہا تھا کہ مجھے یہ موسم بہت اچھا لگتا ہے......مجھے آج بھی یہ موسم اچھا لگتا ہے گین! میں اس موسم میں جی سکتی ہوں۔ ہنسی خوشی۔ کیونکہ میرے نزدیک محبت صرف بڑھا ہوا ہاتھ نہیں ہے۔ محبت نوازنے والا ہاتھ ہے۔ دینے والا ہاتھ ہے۔ دے کر کبھی کبھی اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اتنی کچھ لے کر بھی نہیں ہوتی......اور میں......میرے پاس تو یوں بھی دینے کو کچھ نہیں''۔

آہستگی سے ہاتھ پھیلا کر بغور ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

''میں کل بھی خالی ہاتھ تھی......وقت نے مجھے کچھ دیا ہی نہیں تھا کہ کسی کو نوازتی۔ ایسا کچھ تھا ہی نہیں جس سے دستبردار ہوتی۔ کسی شے پر میرا حق کبھی تھا ہی نہیں''۔

''اور اس کے باوجود تم یہ سوچتی ہو کہ محبت پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے......محبت صرف دینے کا نام ہے''۔

"ہاں...... میں ایسا سوچ کر خوش ہوتی ہوں...... مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ کسی ایک شے پر میرا حق ہو بھی سکتا تھا کیونکہ میں نے ایسا چاہا نہیں"۔ وہ یک دم ہنس دی تھی۔ صاف ظاہر تھا وہ بات کو مذاق میں اُڑا دینا چاہتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے اب بھی متواتر دیکھ رہا تھا۔

گی اس کے لیے نہ سمجھنے والا معمہ رہی تھی۔

وہ یہاں محبت کے لیے آئی تھی۔

اُسے محبت کی تلاش تھی......اور......!

اگر فیض بخاری کبھی اس کی محبت رہا ہی نہیں تھا تو پھر؟......پھر کون تھا اس کی محبت؟

کس کی خاطر یہ جنوں کا سودا ہوا تھا......؟

کس کی خاطر یہ اضطرابیاں تھیں......؟

یہ نگاہیں کس کی پیاسی تھیں......؟

سردار سبکتگین حیدر جیسے شخص نے سمجھنے میں اتنی دیر کیوں کر دی تھی؟......وہ کیوں سمجھ نہیں سکا تھا۔

"گین! بعض اوقات انسان بالکل بھی سمجھ نہیں پاتا کہ اسے کس شے کی ضرورت ہے......نگاہ کے سامنے کچھ اور ہوتا ہے اور وہ تلاش کچھ اور کر رہا ہوتا ہے......مگر تمہارے معاملے میں میں ایسا نہیں چاہتی"۔ گی نے اپنا خدشہ بیان کیا تھا۔

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھ رہی تھی۔ بھرپور توجہ سے۔ انداز خیر خواہی لیے ہوئے تھا۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی خیر خواہ تھی۔ اس کی بھلائی چاہتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی یہ بات جانتا تھا۔

کئی بار وہ اسے میرب کے لیے قائل کر چکی تھی۔

اس کا دل شفاف تھا۔

شفاف آئینے جیسی تھی وہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ایک لمحے میں اس چہرے پر بہت ترس آیا تھا۔

ایک لمحے میں اس سے گہری ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

محبت کا ایک روپ تھی وہ......اور......!!!

"محبت کرتی ہو مجھ سے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

گی نے اسے بھرپور حیرت سے چونک کر دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی بات دہرائی تھی۔

''محبت کرتی ہو مجھ سے......؟''

فضاؤں میں بازگشت سی تھی اور گی اس شخص کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

کچھ لمحوں تک وہ واقعی ساکت رہ گئی تھی۔

پھر اس تاثر کو زائل کرنے کو دوسرے ہی پل مسکرا دی تھی۔

''پاگل ہو گئے ہو گین؟'' بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

''یہ کیسی فضول کی باتیں کر رہے تم؟......تم میرب کی طرف گئے تھے، کوئی بات ہوئی ہے اُس سے؟''

محبت

ایک اَن کہی سی چپ

اور اس ایک چپ میں

جلتے ہوئے کئی خواب!

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا......اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔

تبھی وہ دوبارہ مسکرا دی تھی۔

''گین!......ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟......تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں میں، سنا نہیں''۔

گین نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......دیکھ رہا ہوں''۔ لہجہ مدھم تھا۔

''کیا؟'' بہت دھیمی آواز میں وہ بولی تھی۔

''محبت''۔ جواب مختصر سا تھا اور مدلل بھی۔

''محبت؟'' وہ چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ انداز ٹالنے والا تھا۔ ''کہاں ہے محبت؟'' جیسے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔

''کچھ خواب بھی ہیں!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کا جواب دیئے بنا آگے کہا تھا۔

''خواب؟'' وہ چونکی تھی۔

''ہوں......کچھ جلتے بجھتے خواب......اتنا کچھ چھپانا کب سے آ گیا گی......؟'' وہ وضاحت طلب کر رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم گین؟......اسٹوپڈ ہو......میں کیوں چھپانے لگی کسی سے کچھ؟......تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟ میرب سے ملے یا نہیں؟......اس سے کچھ کہا یا نہیں؟'' وہ دانستہ نگاہ چرا رہی تھی۔

جیسے اس کا بہت بڑا قصور ہو۔

خود پر قابو پانا جانتی تھی وہ...... بہت بہادر لڑکی تھی یقیناً۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''گی......!'' پھر کچھ مزید بولے بنا اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ''تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے گی!......محبت کوئی گناہ نہیں۔ اِٹس اے ٹرو فیلنگ......اس پر زور نہیں ہوتا''۔

گی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

محبت ان کہے لفظوں میں

چھپا اِک راز ہے گہرا!

جیسے گہرے سمندر میں

چھپا اِک قیمتی موتی

لفظوں سے عیاں نہ ہو......!

لفظوں میں بیاں نہ ہو......!

کہانی مضطرب سی اِک

قصہ لا بیان سا اِک

سمجھنے کو، سمجھانے کو

دل کا ہونا ضروری ہے!!

''گین!......تمہیں زندگی کو سنجیدہ لینے کی عادت اب تک نہیں ہوئی؟''

''نہیں''۔ اس نے سعادت مندی سے اقرار کیا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟......میں نے تم سے پوچھا میرب سے ملے یا نہیں؟......بات ہوئی یا نہیں اور تم......!''

''میں تمہارے بارے میں بات کر رہا تھا گی!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ایک لمحے میں چپ کرا دیا تھا۔

''شٹ اَپ گین!......تمہاری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟ اس کے بارے میں سوچو''۔

''اور تم......تم دوست ہو میری گی!......یو آر آلسو امپورٹنٹ فور می''۔

''ہاں......مگر تمہاری زندگی سے زیادہ نہیں۔ یو ہیو ٹو نیڈ جسٹ کونسنٹریٹ آن یور لائف''۔ گی نے اُسے مشورہ دیا تھا۔

مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

☆......☆......☆

پیاس آنکھوں میں
اِک جلن ہے......!
یا پھر یہ آنسو کہ رُ کے ہیں
نہیں ہو تم جو قریب میرے
مگر ہو پھر بھی یوں آس پاس
میرے پاس پاس
میرے آس پاس
میں دل کے رستوں پر
بنا چہرہ
تیرے پلٹنے کی آس لے کر
میں منتظر ہوں
کہیں تو ہو گا
تیرے آس پاس
میرے پاس پاس!

میرب ٹیرس پر تھی جب اذہان حسن بخاری اس کے قریب بنا چاپ کیے آن رُکا تھا۔ وہ چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔ یونہی اسی طرح کھڑی رہی تھی۔

"میرب......!"

مگر میرب نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"وہاٹ اباؤٹ ڈیٹ اسٹوپی ڈٹی؟"

"وہاٹ اِز اسٹوپی ڈٹی؟" میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ "تمہیں لگتا ہے، میں پاگل ہو گئی ہوں؟"

"نہیں۔ مگر ہو جاؤ گی"۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

"تم سب کو ایسا لگتا ہے تو میں کیا کروں؟...... میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے"۔ وہ برہم نظر آئی تھی اور کسی قدر ہیلپ لیس بھی۔

اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر پڑے ہوئے بالوں کو ہٹایا تھا۔ پھر ملائمت سے بولا تھا۔

"ہم سب تم سے کچھ نہیں چاہتے میرب! جسٹ بیک ٹو لائف۔ آئی نو...... آئی کانٹ اِیون ہیلپ اِٹ آؤٹ...... بٹ جسٹ

یو......اینڈ یور سیلف کین ڈو اِٹ......یس میرب!......جسٹ یو کین ڈو اِٹ بائے یور سیلف۔اپنے آپ کو اس طرح سزا دینا بند کرو......اینڈ جسٹ ریلیکس دی کیئر اباؤٹ یو‘‘۔اذہان حسن بخاری کے مدھم لہجے میں اس کے لیے بہت ساری کیئر تھی۔

اس کو یقیناً وہ اس حال میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی تھی۔

میرب اتنی باتوں کے جواب میں بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

سر اُٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔پھر بہت آہستگی سے سر اُٹھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا اور بے آواز رو پڑی تھی۔اذہان حسن بخاری اس کے لیے تیار نہیں تھا۔

تبھی کچھ حیرت سے اس کے سر کو اپنے شانے پر دھرا دیکھا تھا۔

میرے ہم راہی سنو

آؤ چلیں چاند کے پار

ایسی دنیا میں کہیں دور

جس میں نہ غم ہوں نہ آنسو ہوں

نہ آہیں ہوں کہیں

اور کچھ ہو

میرا پیار ہو......!

تیرے آس پاس

میرے پاس پاس!

اذہان حسن بخاری نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلاتے ہوئے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

’’اذہان!......مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا اذہان! کہ کیا ہوگا؟ مگر......مگر میں جی نہیں پا رہی ہوں۔بہت مشکل لگ رہا ہے اذہان!......اس شخص کو کھو کر کیسے جیوں گی، پتہ نہیں......مگر فی الحال ہر سانس بہت بھاری لگ رہی ہے‘‘۔کتنے اقرار تھے اس لڑکی کے لہجے میں۔مگر اس کے لیے نہیں تھے۔

بہت سے لفظ تھے۔

مگر سب کسی اور کے لیے تھے۔

وہ اس دل کے دھڑکنے کی صدا بھی سن رہا تھا مگر اس دل میں اس کے نام کی ایک صدا نہیں تھی۔

کیا تھی محبت......!

کیا یہی......؟

کسی کی لگن میں جلتے ہوئے!

اس کے آنسو پونچھنا!

اس کے دُکھ کو اپنی پوروں پر لینا!

اذہان حسن بخاری ساکت سا کھڑا تھا اور وہ اس کے شانے پر سر دھرے اپنے آنسو بہا رہی تھی۔

اذہان کی آنکھوں کے موسم پُرسکوت تھے......ٹھہرے ٹھہرے، رُکے رُکے!

محبت کو میں نے دیکھا ہے......!

چپ چاپ چلتے ہوئے

اپنی ہی آگ میں جلتے ہوئے

کچھ کہتے ہوئے

نہ سنتے ہوئے

محبت کو میں نے دیکھا ہے......!

چپ چاپ ہاتھ ملتے ہوئے

خواب سجا کر آنکھوں میں

کسی کی راہ تکتے ہوئے!

بس اپنی لگن میں جلتے ہوئے!

میں نے دیکھا ہے......!

محبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے!

''میرب!......سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ اس بار تم وقت سے نہیں ہارو گی''۔ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

میں نے دیکھا ہے محبت کو

شب بھر جاگتے ہوئے

روتے ہوئے......!

محبت کو میں نے دیکھا ہے!

''اذہان! میں اسے جانتی ہوں......وہ جو سوچتا ہے، وہ کر کے رہتا ہے۔ٹھان لی تو بس ٹھان لی۔ بہت انا پرست ہے وہ۔ بہت زیادہ ایگوئسٹ......دوسری بات، اذہان! ہی ڈونٹ لومی......اُسے محبت نہیں ہے......سو وہ اس رشتے کو لے کر میری طرح نہیں سوچتا...... اس کے لیے میں کچھ نہیں ہوں......کچھ بھی نہیں......یہ رشتہ اس کے لیے توڑنا بہت آسان ہے اذہان!......کیونکہ یہ رشتہ ہمیشہ اس کے لیے ایک بوجھ جیسا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ رہی......اور اسے کھوجتی رہی......بہت پاس رہی......اور کبھی پا ہی نہیں سکی......قریب رہ کر بھی بہت دور رہا وہ مجھ سے۔ وہ کبھی میرا نہیں رہا......جانتی ہوں میں، اس کی توجہ ہزار راستوں میں......ہزار سمتوں میں بٹی ہوئی ہے......اس کی کوئی سمت بھی میری سمت نہیں آتی۔ میں اس کے راستوں میں دل نہیں ہوں اذہان!......نہ میں اس کی منزل ہوں......جانتی ہوں میں......سب جانتی ہوں مگر دل ہے کہ......'' آنکھیں چھلکی تھیں اور اس نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''دل نہیں مانتا......وہ پل پل مارتا ہے......مگر پھر بھی اس کی حمایت کرتا ہے۔ میں کبھی اس کے خلاف نہیں سوچ سکی......سوچ بھی نہیں سکتی اور......جی بھی نہیں سکتی......کانٹ......کانٹ لیو وِد آوٹ ہم......!'' عجب اک بے بسی۔ یک دم سے آنسوؤں کے درمیان وہ بولی تھی اور پھر چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

دلوں کے درمیاں اب
کچھ رہا تو نہیں لیکن
محبت اِک مسئلہ بن گئی ہے
اُلجھتی ہے نہ سلجھتی ہے
اِک کچی ڈور بن گئی ہے
اسے یہ ضد کہ اب میں بلاؤں
مجھے یہ ضد کہ وہ دور کیوں گئی ہے
دل یہ کہتا ہے فون کر لوں
مگر انا درمیان میں کھڑی ہے۔

''سبکتگین!......بچے! کوئی کام نہیں تو گاڑی نکالو''۔ مائی نے سیڑھیاں اُتر کر اس کی طرف آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو چائے کے ساتھ سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے بڑے ریلیکسنگ انداز میں اخبار پڑھ رہا تھا، چونکا تھا پھر سگریٹ فوراً ایش ٹرے میں مسل دی تھی۔ مائی کا اتنا احترام تو تھا۔

مائی نے سگریٹ مسلنے والی حرکت کو نہیں مگر اُسے بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟......آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں مائی؟''

''یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے اپنی؟......ٹھیک تو ہے تُو؟''

''میں ٹھیک ہوں مائی!......آپ کہیں جانے کا کہہ رہی تھیں؟'' گین نے اپنی طرف سے توجہ ہٹاتے ہوئے اصل مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروائی تھی۔

''ہاں......میرب کی طرف جانا تھا۔ رخصتی کی بات کرنے لیکن یہ تم اتنے اُلجھے اُلجھے سے کیوں دکھائی دے رہے ہو؟......کیا مسئلہ ہے؟'' مائی نے اُسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ اتنی صبح سویرے کیوں جا رہی ہیں؟......آئی مین شام میں چلی جایئے گا۔ پھر آج چھٹی ہے''۔ گین نے اپنی دانست میں خاصا معقول جواز دیا تھا۔

''دو بج رہے ہیں گین!......یہ صبح نہیں ہوتی۔ اور پھر کس نے کہا یہ کہ چھٹی والے دن کسی کے گھر جانا منع ہے؟......اور میں کسی غیر سے نہیں، اپنی بہو سے ملنے جا رہی ہوں۔ تم مجھے اس کے ساتھ لیے منع نہیں کر سکتے۔ اُٹھو اور گاڑی نکالو......ورنہ ڈرائیور سے کہہ دو''۔ مائی نے دوٹوک کہا تھا۔

گین کے پاس جیسے کوئی راہ نہیں تھی۔

چپ چاپ اُٹھا تھا......سلیپر پاؤں میں اڑسے تھے اور ان کے ساتھ چل پڑا تھا۔

''چلیں......؟''

مائی نے ایک بار اس کے حلیے کو دیکھا تھا پھر تنقیدی نظروں سے دیکھ کر اس کے ساتھ ہو لی تھیں۔

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ اُلجھا دکھائی دیا تھا۔

''آج تو مظہر میاں سے رخصتی کی بات ضرور کروں گی۔ میرب کو جلد سے جلد اپنے گھر لانا چاہتی ہوں اور اب تیری بھی کوئی من مانی نہیں چلے گی''۔ مائی نے مکمل سنجیدگی سے کہا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا ہوا؟......اس طرح چپ چپ کیوں ہے؟......کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہا؟'' مائی نے پوچھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے بولنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

''کچھ نہیں مائی!......آپ بھی پتہ نہیں کیوں......'' انداز اُلجھا سا تھا۔

''کیا، پتہ نہیں کیوں؟......کیا سوچ رہا ہے تُو؟......چاہتا کیا ہے؟'' مائی نے ڈپٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ وہ ان کی طرف دیکھے بنا بولا تھا۔

''تو یہ رخصتی نہیں چاہتا؟'' مائی نے اسے دیکھا تھا۔

''آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے مائی؟...... آخر کس بات کی جلدی ہے؟''

''یہ جلدی ہے؟...... سال ہونے کو آیا ہے اور کتنا عرصہ؟''

''مجھے نہیں پتہ مائی!...... مگر یہ جلد بازی ہے''۔

''تو نہیں چاہتا کہ میں رخصتی کی بات کرنے مظہر میاں کے پاس جاؤں تو ٹھیک ہے۔ موڑ لے گاڑی۔ نہیں کرتی کوئی بات''۔ مائی غصے سے بولی تھیں۔

سبکتگین حیدر لغاری کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا کہ کیسے سمجھائے۔ گاڑی بھی نہیں روکی تھی۔

''تم گاڑی نہیں موڑ رہے؟''

''نہیں''۔

''مجھے بتاؤ گے پرابلم کیا ہے؟'' مائی نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، جیسے وہ صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''کچھ نہیں ہے...... یوں ہی کہہ رہا ہوں۔ ابھی اس کی کیا ضرورت ہے؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے گہری سانس خارج کی تھی۔ معاملہ کب تک چھپاتا۔

کس طرح چھپاتا......

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

آج یقیناً بات کھل ہی جانا تھی۔

اور وہ ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا، تبھی کچھ اُلجھا اُلجھا دکھائی دیا تھا۔ گاڑی اس کے گھر کے سامنے روک دی تھی۔ مائی اُتری تھیں اور اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اندر نہیں آؤ گے تم؟''

''نہیں...... آپ ہو آئیں۔ میں یہیں ہوں''۔

''باہر ڈرائیوروں کی طرح انتظار کرو گے؟...... گھر واپس چلے جاؤ۔ میں کیب کر کے آ جاؤں گی''۔ مائی نے اپنی دانست میں شرم دلائی تھی اور چلتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی میں بیٹھا دیکھتا رہ گیا تھا۔

محبت اک واقعہ ہے جو

وقت کے ساتھ رونما ہوا

اور وقت کے ساتھ ہی

یہ دھندلا جائے گا

نہ یاد رکھنے کو کوئی

بات ہو گی!

نہ شے

نہ کوئی بات ہوئی

ہاں پھنسی ہے اِک پھانس سی دل میں!

مگر......!

محبت اِک واقعہ ہی تو ہے......!

وقت کے ساتھ یہ گرد ہو جائے گا تو

یاد بھی نہ رہے گا کہ......

محبت خواب موسم میں

دلوں کی سرزمین پر کچھ

خواب لائی تھی......!

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور پھر چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔

عین سامنے ہی وہ اسٹیئرز پر بیٹھی دکھائی دی تھی۔

قدم جانے کیوں من من بھر کے وزنی ہو گئے تھے۔

میرب نے جو اپنے دھیان میں بیٹھی تھی، سر اُٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں لمحوں تک خاموش رہے تھے۔ کوئی بات نہ کی تھی۔

''تمہیں اندازہ ہے اندر کیا چل رہا ہو گا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بالآخر پوچھا تھا۔ میرب نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ آنکھیں یک دم ہی نمی سے اَٹنے لگی تھی۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''یو شُڈ گو اِن سائیڈ گین!'' میرب نے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے پاس وہیں بیٹھ گیا تھا۔

''تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی تھی۔ ''میرا گھر ہے...... کہیں بھی بیٹھ سکتی ہوں''۔

''تو پھر اندر جا کر کیوں نہیں بیٹھتیں؟ جہاں وہ سب چل رہا ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر نے مدعا بیان کیا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''چاہتے کیا ہیں آپ؟...... کیا کروں میں؟...... جیسے میرے ہاتھ میں تو سب کچھ ہے''۔ آنکھوں کی نمی چھلکی تھی مگر اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھے بغیر سختی سے آنکھیں رگڑ دی تھیں۔

''آپ کے ہاتھ میں جو تھا، وہ تو آپ نے کر دیا''۔ عجب اِک طنز ہوا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا...... اس بات کی صفائی مجھے آپ کو کتنی بار دینا پڑے گی؟'' وہ تنک کر بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے منع کیا تھا نا کہ آپ مائی سے کچھ نہیں کہیں گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

''میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا...... آپ کیوں سارا الزام میرے سر رکھ رہے ہیں؟...... کیوں مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟'' میرب نے شکوہ کیا تھا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے...... میں نے آپ سے کہا تھا، مائی مجھے بہت عزیز ہیں''۔

''مائی مجھے بھی عزیز ہیں، تو پھر میں کیا کروں؟ آپ کیوں لائے انہیں؟...... سمجھا دیتے۔ کچھ بھی کہہ دیتے''۔ میرب نے اپنا دفاع کیا تھا۔

''کیا سمجھاتا؟...... وہ اتنی ضد کر رہی تھیں کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں پایا''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی بے بسی بیان کی تھی۔

دونوں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

کسی ایک میں بھی ہمت نہ تھی، اُٹھ کر اندر جاتا اور مسئلے کو نمٹاتا یا کچھ ہونے سے روکتا...... دونوں بس ایک دوسرے کو الزامات دے رہے تھے۔

''مائی کو بہت اعتبار ہے تم پر۔ انہیں کیا پتہ کہ تم......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''میں کیا؟...... آخر کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟''

''آپ یہی چاہتی تھیں''۔ ایک اور الزام۔

''کیا چاہتی تھی میں؟'' میرب نے واضح الزام پر کسی قدر حیران ہو کر اسے دیکھا''۔ آپ مجھ پر الزام لگانے سے بہتر ہے خود اپنے بارے میں غور کریں''۔

''میں اپنے بارے میں کیا غور کروں؟...... کہنا کیا چاہتی ہو تم؟'' گین نے وضاحت چاہی تھی۔

یہ مسئلہ اتنا کھلا، واضح انداز میں ڈسکس ہوگا، وہ نہیں جانتی تھی۔

''آپ کبھی بھی اس رشتے کو بنانا نہیں چاہتے تھے۔کبھی بھی نبھانا نہیں چاہتے تھے''۔میرب نے واضح طور پر کہہ دیا تھا۔

''ہاہ......!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے غصے کو فوری طور پر دبایا تھا۔''تمہیں جو سمجھنا ہے، سمجھ لو، جو فرض کرنا ہے کرلو...... میں اس بارے میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔نہ ہی مجھے کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کوئی وضاحت کروں''۔سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحے میں بری الذمہ دکھائی دیا تھا۔میرب حیران رہ گئی تھی۔وہ شخص اسے کچوکے لگانے سے باز نہیں آتا تھا۔

بے رحمی سے وار کرتا تھا۔

''ٹھیک......آپ کو جیسا لگتا ہے ویسے سمجھئے...... مجھے بھی کوئی صفائی دینے یا وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے''۔میرب نے بھی دوٹوک کہہ دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

اس سے مکمل طور پر دھیان ہٹائے وہ بہت اُلجھی ہوئی سی دکھائی دی تھی۔

''ٹوٹ جائے گا یہ رشتہ بھی......آپ خوش ہو جایئے......یہی چاہتے تھے آپ''۔میرب نے غصے سے کہا تھا۔

''ہاں...... ہو جاؤں گا خوش۔آپ کو میری خوشی کی پرواہ ہی کب رہی ہے''۔دونوں صرف ایک دوسرے پر الزامات دے رہے تھے۔صفائی دینے کی فکر کسی کو نہیں تھی۔

''جتنا میں نے برداشت کیا، کوئی برداشت نہیں کرتا''۔میرب نے بھیگتی آنکھوں کے ساتھ کہا تھا۔

''کیا برداشت کیا آپ نے؟......آپ تو اپنے آپ سے باہر کبھی نکل ہی نہیں سکیں۔اپنی دنیا میں رہنے کی عادت رہی آپ کو۔وہی تنگ نظری، وہی چھوٹا سا آسمان......کبھی کھلے آسمان کو آنکھیں کھول کر دیکھا ہی نہیں آپ نے۔کبھی کوشش ہی نہیں کی۔کرتی تو شاید آج ایسی کنڈیشن ہم فیس نہ کر رہے ہوتے''۔گین اپنی غلطی ماننے کو قطعاً تیار نہ تھا۔

''میں تنگ نظر تھی یا آپ ہی آزادی کے بہت زیادہ قائل تھے؟......آپ نے تو آزاد خیالی کی حد کر دی تھی۔اتنا تو کوئی بھی نہیں کرتا''۔

''ٹھیک...... میں نے جو بھی کیا، مانتا ہوں......آپ کو ابھی مجھ پر انگلی اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ جیسا چاہتی تھیں سب ویسا ویسا ہو رہا ہے۔اب تو کوئی ایشو نہیں رہا......نو ایشو ایٹ دی مومنٹ۔سوائے وی آر فائٹنگ؟......جیسا آپ نے چاہا آپ کو مل رہا ہے۔جیسا میں نے چاہا مجھے مل رہا ہے۔جب دونوں کی مرضی پوری ہو رہی ہے تو جھگڑا نہیں ہونا چاہیے''۔سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مصلحت پسندی سے کہا تھا۔

وہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کتنا کٹھور تھا وہ......

کتنا بے رحم......

کتنا سنگ دل......

''دل نہیں ہے آپ کے سینے میں...... پتھر ہیں آپ''۔ میرب نے واضح طور پر منہ پر کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ جواباً دیکھتا رہ گیا تھا، پھر دوسرے ہی لمحے سر ہلاتا ہوا بولا تھا۔

''فائن...... ہاں، نہیں ہے...... دل نہیں ہے، پتھر ہے میرے سینے میں، پھر؟...... آپ نے اپنے ڈل ہونے کا جتنا ثبوت دیا ہے، صاف دکھائی دے رہا ہے۔ ایک معاملے تک کو تو آپ سے ہاتھ میں رکھا نہیں گیا، دل کی بات کرتی ہیں۔ آپ کو پتہ تھا...... مائی کی کنڈیشن ایسی نہیں کہ وہ یہ سب سہہ سکیں مگر آپ نے پھر بھی صبر نہیں کیا''۔

''میں نے مائی اماں کو کچھ نہیں بتایا...... نہ ہی انہیں یہاں انوائٹ کیا کوئی میٹر ڈسکس کرنے کے لیے۔ آپ اپنی غلطی ماننے کو کیوں تیار نہیں؟...... سارا الزام میرے سر کیوں رکھ رہے ہیں؟'' وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں کچھ کہے بِنا اس چہرے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

میرے ہم راہی سنو

آؤ چلیں چاند کے پار

ایسی دنیا میں کہیں دور

جس میں نہ غم ہو نہ آنسو ہوں

نہ آہیں ہو کہیں

اور کچھ ہو......

میرا پیار ہو......

تیرے آس پاس

میرے آس پاس

وہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیا ہوا تھا...... اس کی طرف دیکھتا چلا گیا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو اوپر اُٹھایا تھا۔

وہ اپنی پوروں سے اس کی آنسوؤں کو پونچھنے لگا تھا۔

میرب سیال ساکت سی رہ گئی تھی مگر اس حیرت سے قطع نظر وہ اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

کبھی تنہا جو ہوئی تم

کسی جیون کے سفر میں

میری آواز سنو گی
کہیں میری دھڑکن میں
زندگی مجھ کو کبھی
تجھ سے جدا بھی کر دے
بند آنکھوں کے دریچوں میں
تجھے دیکھوں گا......!
میرے سائے کی طرح
تم تو رہو گی ہر پل میں
میرے آس پاس......
میرے پاس پاس......

میرب کی نگاہ میں بھرپور حیرت تھی مگر وہ اس حیرت کی کوئی پرواہ کیے بِنا اُٹھا تھا......اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

کیا تھا یہ شخص......؟
کیسا تھا......؟
کیا چاہتا تھا......؟
کیا تھا دل میں اس کے......؟
اتنا نہ سمجھ میں آنے والا کیوں تھا......؟
آخر سمجھ میں کیوں نہیں آتا تھا......؟

وہ بھیگی پلکوں سے اس شخص کی پشت کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

یقین ہے مجھ کو
تم بھی اِک دن
چلے ہی آؤ گے
میں جی اُٹھوں گی
اِک جہاں کی
میرے آس پاس

تیرے پاس پاس

تیرے آس پاس

میرے پاس پاس!

کتنے ارماں تھے...... کتنے خواب!......سب اس شخص سے جڑے تھے......!

اور وہ سمجھنے کی کوشش تک نہیں کرتا تھا۔

☆......☆......☆

''کہاں ہو اِن دنوں؟...... کتنے دنوں سے گھر کا چکر بھی نہیں لگایا۔ میں نے سوچا فون کر کے پوچھ لوں، میری بہن ٹھیک تو ہے''۔اوزان نے اس کے فون اُٹھاتے ہی کہا تھا۔

عفنان علی خان کچھ ہی فاصلے پر بیٹھا ٹی وی پر نیوز دیکھ رہا تھا۔انابیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا اور کیا کہتی، جل کر بس یہی کہہ سکتی تھی۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں......بس یونہی چکر نہیں لگایا۔ وقت نہیں ملا......گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ دادا ابا......ممی......؟''انابیہ اپنے اندر سے اُٹھنے والی غصے کی لہر کو دباتے ہوئے کسی قدر پُرسکون انداز میں بولی تھی۔

عفنان دانستہ بے فکر اور لاتعلق نظر آیا تھا، ورنہ پورا دھیان اسی طرف تھا۔

''کہیں تمہارے میاں نے کرفیو تو نافذ نہیں کر دیا؟''اوزان نے چھیڑا تھا۔

''ہاں......کرفیو ہی لگایا ہوا ہے۔تم لوگ آجاؤ''۔

''سوچ رہا تھا میری بہن، میری شادی میں پیش پیش ہو مگر تمہیں تو کوئی فکر ہی نہیں''۔وہ شکوہ کر رہا تھا۔

''لڑکی دیکھ لی؟''

''لڑکی دیکھنے کی ضرورت نہیں......لڑکی دیکھی ہوئی ہے......بس اسے منانا ہے''۔

''کون؟''وہ چونکی تھی۔

''تم جانتی تو ہو''۔اوزان نے یاد دلایا تھا۔''ایک ہی لڑکی تو تمہارے بھائی کی زندگی میں آئی تھی۔اب بھی وہی ہے۔اس کو منانا ہے۔اب بھول مت جانا''۔

''لامعہ کو؟''وہ عفنان علی خان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔''میں کیسے مل سکتی ہوں اُس سے؟......آئی مین، یہاں فی الحال گھر میں بہت کام ہیں نا۔ پھر ممی پاپا بھی ابھی تک واپس نہیں آئے''۔اس نے دانستہ بہانہ کیا تھا اور اس شخص کا دفاع کر دیا تھا۔

عفنان علی خان سن رہا تھا۔

دل کو کچھ حد تک تو سکون ملا تھا۔

وہ اس کی بات مان رہی تھی۔

کچھ تو سمجھتی تھی۔

رشتے کی ڈور اتنی اُلجھی ہوئی تھی تو کچھ سلجھی ہوئی تھی۔ کسی ایک نقطے پر تو ڈور اتنی کھنچی ہوئی نہیں تھی۔ دل کو یہ اطمینان کچھ اچھا لگا تھا۔

میری آنکھوں میں رات جلتی ہے

رات میں کئی خواب جلتے ہیں

دیئے جلتے نہیں!

اسے یہ کیسے بتاؤں کہ

جان جلتی ہے......!

شب پگھلتی ہے!

لمحہ لمحہ دل سلگتا ہے!

دیے جلتے نہیں!

عفنان علی خان کچھ مسرور تو ہوا تھا۔

''قیدی بنا رکھا ہے...... جیسے میری کوئی اپنی مرضی ہی نہیں...... جو کہیں گے، وہی کروں گی۔ اتنی بے وقوف ہوں نا''۔ وہ فون بند کر کے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

شکر تھا...... بندوق کا رُخ مڑ گیا تھا۔

یعنی اس کا جھگڑا کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

صرف کچھ ''ہوائی فائر'' ہوئے تھے۔

کچھ بھی سہی...... اُس کے کچن میں چلے جانے سے وقتی طور پر کچھ سکون ہو گیا تھا جس پر عفنان نے شکر ہی کیا تھا۔ اس کے مسلسل بولنے سے جو نیوز سننے کا کونسنٹریشن ٹوٹ رہا تھا۔ اب پھر سے بحال ہو چکا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ کچن سے دوبارہ نکلی تھی۔

لیکن اس بار کوئی فائر نہیں تھا۔

مکمل سکون تھا اور چائے کے دمگ اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ مکمل خفگی سے چلتی ہوئی اس کی طرف آئی تھی اور چائے کا مگ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

عفنان علی خان نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ خفا خفا سی بنا اس کی طرف دیکھے چائے کا کپ بڑھائے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے سر اُٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس سے مگ لیتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی کو تھاما تھا۔ وہ اس سامنے

کے لیے قطعاً بھی تیار نہیں تھی۔

تبھی چونکی تھی......دوسرے ہاتھ میں پکڑا کپ یک دم ہی چھلک گیا تھا، گرم چائے عفنان علی خان کی آستین پر گری تھی۔

"کیا ہے؟......دیکھ کر نہیں پکڑ سکتے تھے چائے؟" وہ فوراً مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس پر جھکی تھی۔ فوراً کف کھولا تھا اور آستین اوپر چڑھائی تھی اور اس کی کلائی دیکھی تھی جو گرم گرم چائے گرنے سے سرخ پڑ گئی تھی۔ وہ خالصتاً بیویوں والے کیئرنگ انداز میں بولی تھی۔

وہ بِنا چونکے، بِنا کچھ کہے بدستور اس توجہ سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

اس کا چہرہ اس کے چہرے کے کچھ قریب تھا۔

اس کی خوشبو کئی احساسات جگا رہی تھی۔

"رکیے......میں دوا لاتی ہوں۔ یہاں بیٹھیے گا۔ واپس آتی ہوں"۔ وہ جانے کو پلٹی تھی مگر اپنا ہاتھ وہیں گرفت میں رہ جانے کے باعث دوسرے ہی پل واپس مڑی تھی۔

نگاہ اس شخص کی نگاہ سے ملی تھی۔

ایک لمحے میں اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اور نگاہ جھکتی چلی گئی تھی۔

انابیہ کے لیے اس لمحے کی گرفت سے فرار جیسے ممکن نہیں رہا تھا۔ عفنان اس لمحے بے خودی کے زیرِ اثر تھا۔

کچھ سوچنے، کچھ سمجھنے کو تیار نہ تھا۔

اس کا ہاتھ اس طرح تھامے تھامے وہ کھڑا ہوا تھا۔

اس کے جھکے ہوئے چہرے کو اوپر اُٹھاتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔

انابیہ کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ اس لمحے بُت بنی ساکت سی کھڑی تھی۔

سانس جیسے رُکی رُکی سی تھی مگر چہرہ سرخ پڑا ہوا تھا۔

وہ شخص سارے حق محفوظ رکھتا تھا......وہ چاہتی بھی تو اسے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

مگر دھڑکنوں کے ارتعاش کا کیا کرتی؟......دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر ابھی باہر آ جائے گا۔

عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹایا تھا۔

اس کا لمس انابیہ کے اندر پل میں کئی احساس جگا گیا تھا۔

تبھی فون بجا تھا۔

انابیہ چونکی تھی......ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانا چاہا تھا مگر عفنان علی خان کی گرفت اُس کی کلائی پر کمزور نہیں پڑی تھی۔

فون بجتا چلا گیا تھا۔

عفنان اس لمحے عجب دیوانگی کے حصار میں تھا۔

انابیہ کو ''فون'' ہی فرار کی صحیح راہ دکھائی دیا تھا، تبھی کمزور سے لہجے میں بولی تھی۔

''فو......فون ہے''۔

کلائی ایک بار پھر چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

مگر عفنان علی خان نے کچھ بھی سنے بغیر اسے بازوؤں میں اُٹھالیا تھا اور لے کر بیڈروم کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ کے حواس خطا ہو گئے تھے۔ دھڑکنوں کی آواز اُسے کانوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

عفنان علی خان کی دیوانگی کے سامنے وہ جیسے بے بس تھی۔ اس شخص کے ساتھ قربتوں کا ایسا لمحہ آئے گا......اس کے بارے میں اس نے سوچا تک نہ تھا۔

وہ نوازشوں پر اتنا مائل ہوگا......وہ نہیں جانتی تھی۔

ایسے کسی کرم کے بارے میں اس نے نہیں سوچا تھا۔ فرار کے سارے راستے ایک لمحے میں مسدود دکھائی دیئے تھے۔

اس کی خواہشوں کے سامنے وہ کوئی دیوار نہیں اُٹھا سکی تھی۔

سارے ''دائرے'' ایک ہی لہر سے مٹتے دکھائی دیئے تھے۔ وہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی۔

فون متواتر اب بھی بج رہا تھا......!

☆......☆......☆

''کتنے دنوں بعد ملے نا......لانگ ٹائم! کہاں ہوتے ہو؟'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ قصداً مسکرایا تھا۔

''یار سوری!......کچھ بزی رہا''۔

''اوہ......رائٹ''۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے ہونٹ سکوڑے تھے۔ ''ایک دم سے کچھ زیادہ بزی نہیں ہو گئے آپ؟'' ساہیہ نے کوئی طنز نہیں کیا تھا۔ کوئی جواز نہیں چاہا تھا۔

مگر وہ خود ہی اپنی جگہ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری ساہیہ!''

''اِٹس اوکے......آئی کین انڈراسٹینڈ۔ اتنا تو سمجھ سکتی ہوں۔ شاہ گروپ آف انڈسٹریز کے ایم ڈی ہو......تھوڑے سے بزی ہونے کا حق تو تمہیں ہے''۔ وہ بدستور خوشگوار موڈ میں تھی۔ ''کئی بار کال کی مگر آپ کا سیل بھی میسیج پر لگا ہوا تھا۔ آپ تو واقعی بڑے بزی ہو گئے''۔

''آئی ایم سوری ساہیہ!......تمہیں اتنا وقت نہیں دے سکا مگر پچھلے کچھ دنوں سے میں واقعی بہت بزی تھا۔

''اوکے، اوکے......اب یہ بزی والا گیم کلوز کرتے ہیں۔آپ کے پاس بھی وقت ہے اور میرے پاس بھی۔چلو کہیں باہر چلتے ہیں''۔ساہیہ نے کہا تھا۔

''ساہیہ! میں چلوں گا مگر یو ہیو ٹو ویٹ فور آور......ایک میٹنگ ہے۔اس کے بعد فوراً''۔

''اوہ، رائٹ''۔ساہیہ کا چہرہ ایک لمحے میں بجھ سا گیا تھا۔

اس کا چہرہ ایک کتاب تھا جیسے......سارے تاثرات ایک پل میں واضح تھے۔

اذہان کو ایک لمحے میں گہرے ملال نے گھیرا تھا۔

وہ اپنی سیٹ سے اُٹھا تھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آن رُکا تھا۔ساہیہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھی۔اذہان نے اُسے شانوں سے تھام کر اُس کا رُخ اپنی جانب موڑا تھا اور مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اُٹھایا تھا۔

''کیا ہو گیا؟......ناراض ہو گئیں کیا؟''

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلا دیا تھا مگر عجب ایک پھیکی سی مسکراہٹ تھی اذہان کو اپنی کوتاہی کا مکمل احساس ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری ساہیہ!......میں پچھلے کچھ دنوں میں تمہیں واقعی وقت نہیں دے پایا، مگر......اوکے دین''۔اس نے اسے کہہ کر فون اُٹھایا تھا۔

تبھی اس کی اسسٹنٹ اندر داخل ہوئی تھی''۔

''اذہان! میٹنگ کا وقت ہو گیا ہے۔تم نے وہ فائل دیکھ لی تھی جو میں نے تمہیں بھجوائی تھی؟''

''ہاں......بٹ......آئی ایم ناٹ ایبل ٹو اٹینڈ ڈیٹ میٹنگ۔سو پلیز پوسٹ پون اِٹ اور ہینڈل اِٹ بائے یور سیلف''۔اذہان اتنی روانی سے بولا تھا کہ ساہیہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اوہ، اچھا......''اسسٹنٹ نے اسے مسکراتے ہوئے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا پھر سر ہلا دیا تھا۔''اوکے......نو پرابلم۔آئی وِل ہینڈل اِٹ''۔

''یس، آئی نو ڈیٹ......آپ یہ فائل لے جائیے اور سب دیکھ لیجیے۔کل مجھے رپورٹ کر دیجیے گا۔اوکے''۔

''اوکے......ٹھیک ہے، میں جاتی ہوں پھر بورڈ روم میں......ہیو آ نائس ٹائم''۔اسسٹنٹ کہتی ہوئی پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

اذہان نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ساہیہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟''اذہان مسکرایا تھا۔

''وہاٹ یو ڈِڈ؟......کیا ضرورت تھی میٹنگ چھوڑنے کی؟......تم نے میرے لیے اپنی میٹنگ چھوڑ دی؟''وہ واقعی حیران تھی بلکہ

حیران سے زیادہ وہ اسے ڈپٹ رہی تھی۔
مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر اسے شانوں سے تھام کر اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
''ساہیہ!......تم میرے لیے ان سب چیزوں سے زیادہ اہم ہو۔ یوں بھی یہ میٹنگ اتنی اہم نہیں تھی۔ مسز سارہ احمد ان سب چیزوں کو بہت اچھا دیکھ سکتی ہیں''۔
''اسٹوپڈ ہو تم اذہان!......تمہیں میرے لیے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''
''تمہارے لیے نہیں''۔
''پھر......؟''
''اپنی بیٹر ہاف کے لیے''۔ وہ مسکرا دیا تھا۔
ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔
''چلو......کہاں جانا ہے؟......ویسے تم سامنے ہو تو مجھے یہ آفس کا سڑا ہوا اِن وائرمنٹ بھی رومینٹک ساؤنڈ کرتا ہوا لگتا ہے''۔ وہ شرارت سے بولا تھا۔
وہ مسکرا دی تھی۔
''کیا بات ہے؟......کچھ زیادہ ہی پیار جتا رہے ہو''۔
''ہاں، تو کیا مطلب؟......اب اپنی ہونے والی بیوی سے پیار بھی نہ جتاؤں؟......ٹھہرو، میں فون کر کے مسز سارہ احمد کو بلاتا ہوں اور ساری محبت ان سے جتاتا ہوں۔ پھر تو خوش ہو جائیں گی نا آپ''۔ وہ یک دم ہی بہت موڈ میں دکھائی دیا تھا، مگر ساہیہ مسکرائی نہیں تھی۔
''اے......اب کیا ہوا؟......یوں چپ چاپ کیوں ہو گئیں؟......یار! تم کہو تو تمہارے لیے دُنیا بھی چھوڑ دوں۔ یہ تو صرف میٹنگ تھی''۔
''شٹ اَپ اذہان!'' ساہیہ نے اسے ڈپٹا تھا۔
''خدانخواستہ......'' وہ ایک دم ہی بہت متفکر دکھائی دی تھی۔
''اے، ریلیکس......کڈنگ......اس میں اتنا سیریس ہونے کی کیا بات ہے؟'' اذہان نے اسے خاموش دیکھ کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔
''لیکن تم ایسی بات مذاق میں بھی نہیں کہو گے اذہان!'' ساہیہ نے وارن کیا تھا۔ وہ سر ہلاتا ہوا مسکرا دیا تھا۔
''ٹھیک ہے......نہیں کہوں گا۔ خوش؟'' اسے مطمئن کرنا چاہا تھا۔ ''پاگل ہو تم۔ یہ تم لڑکیاں اتنی اسٹوپڈ کیوں ہوتی ہو یار؟......ذرا ذرا سی بات پر خوش......ذرا ذرا سی بات پر اُداس......ذرا ذرا سی بات پر خفا......تم لوگوں کی سمجھ بالکل نہیں آتی۔ تم لڑکیوں کو سمجھنے کے

لیے آدمی کا آدھا پاگل ہونا ضروری ہے"۔ اسے معمول پر لانے کی کوشش کی تھی مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

"اے ساہیہ! ...... وہاٹ اِز دِس؟ ...... یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟ ...... اب کیا ہے؟" اذہان نے جواز پوچھا تھا۔

"اذہان! ...... آئی ایم ناٹ سلفش ...... تم میرے رہو نہ رہو، مگر تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ رہوں یا نہ رہوں بٹ آئی وانٹ ٹو سی یو آل رائٹ"۔

"اوہ، رائٹ ...... ٹھیک ...... کتنا ڈیپ سوچتی ہو تم ساہیہ! کتنی ڈیپ ہو تم"۔ اذہان بولا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

کتنا چاہتی تھی وہ۔

دل میں کتنی محبت تھی اُس کے۔

اور محبت بھی کتنی بے ریا ......!

اور ساری کی ساری اُس کے لیے تھی۔

اُس کا سارا پیار ......!

اور وہ کیسے بے خبر تھا اُس سے۔

اذہان نے لمحہ بھر کو سوچا تھا تو بہت شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔

"چلو ......" مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ "کہیں دور ...... لمحوں کو اپنا کرنے"۔

"اگر تم اپنے ہو تو لمحے پرائے نہیں"۔

"مگر اور اپنا کرنے ...... جتنے لمحے اچھے ہوں سب ہمارے ہوں۔ یہ چاہتا ہوں میں"۔ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ "تم ایسا نہیں چاہتی؟" اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ چند لمحوں تک اس طرح خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

"چاہتی ہوں ...... بہت چاہتی ہوں"۔ سر ہلایا تھا۔

"تو پھر؟ ...... پرابلم کیا ہے؟" وہ ہنسا تھا۔

"پرابلم؟ ...... اوں، ہوں ...... شاید کچھ نہیں ...... ایک بات بتاؤ گے؟"

"ہاں، پوچھو"۔

"کس بات کا ازالہ کرنے کے لیے یہ سب کر رہے ہو؟ ...... اتنا زیادہ بولنے کے عادی تو تم کبھی بھی نہیں رہے۔ پھر اب؟"

وہ جو سمجھ رہا تھا وہ اپنی جگہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے اور چھپائے ہوئے ہے، ایک لمحے میں حیران ہوا تھا۔

یعنی وہ نگاہ اُسے جان گئی تھی۔

ساہیہ نے اُسے پکڑ لیا تھا۔

دراصل یہ تھا دل کا تعلق!

وہ اُسے دل سے سمجھ رہی تھی......

دل سے جان رہی تھی......

دل سے پڑھ رہی تھی......

سطر سطر......

وہ مسکرا دیا تھا۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا ساہیہ!......کسی ذہین لڑکی سے محبت ضرور کرلو......مگر شادی مت کرو۔ بڑی پرابلم ہو جاتی ہے یار!...... چھوٹی چھوٹی چیزوں پر پکڑ لیتی ہے''۔ وہ ہنس دیا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

''تمہیں جتنے مزے کرنے ہیں کر لینا، میں تمہیں نہیں پکڑوں گی۔ اگر میں تمہاری بیوی ہوئی تو''۔

''تو؟......اب یہ تو بیچ میں کہاں سے آ گیا؟......کم آن یار! انگیج منٹ ہو چکی ہے ہماری۔ آئندہ چند برسوں میں شادی بھی ہو جائے گی''۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''چند برسوں میں؟'' ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''بہت جلد......واز کڈنگ......جسٹ وانٹڈ ٹو میک یو لاف''۔ وہ اتنی معصومیت سے بولا تھا کہ وہ مسکرا دی تھی۔

اذہان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے لبوں سے لگا لیا تھا۔

''ساہیہ!......تم پاس ہوتی ہو تو سب بہت اچھا لگتا ہے۔ پلیز آل ویز بی دیئر فور می۔ آل بی اراؤنڈ'' اذہان نے جیسے ایک درخواست کی تھی۔

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

کانچ کے تھے سارے وعدے

رشتے یا کچے تھے دھاگے

دل کے تاروں کو چھو کر

تم کہاں چل دیئے

سرہانے میرے تو آ کے

بانہوں میں مجھے لٹا کے

خواب سہانے دکھا کے

تم کہاں چل دیئے......!

اب اس پل میں جینا

تم بن مشکل ہے!

موسم یہ پھر اب آئے نہ

جس میں ہم تھے!

جس میں ہم تھے!

''زوباریہ! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے''۔زوباریہ کچن میں کام کر رہی تھی جب وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آن رُکی تھی۔

''ہاں پوچھو''۔زوباریہ بولی تھی۔

''اُس روز مائی آئی تھیں''۔

''ہاں......پھر؟''

آپ مجھے بتا سکتی ہیں، کیا بات ہوئی تھی؟''

''نہیں......!''

''کیوں......؟'' وہ چونکی تھی۔

''کیونکہ مجھے بھی پتہ نہیں کہ کیا بات ہوئی۔مظہر نے مجھے وہاں سے جانے کے لیے کہہ دیا تھا اور میں بالکل نہیں جان پائی تھی کہ ان کے درمیان کیا ڈسکس ہوا۔کیوں، کیا ہوا؟'' زوباریہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔''تم اتنی پریشان کیوں ہو؟''

''آپ کو لگتا ہے کہ بات اتنی آسان ہے اور مجھے اس کے لیے بالکل بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے؟''

''نہیں......ایسا میں نے نہیں کہا''۔

''تو پھر؟......زوباریہ! میری زندگی کی اتنی بڑی بات ہے یہ......اتنا بڑا فیصلہ اور مجھ ہی سے ہر بات چھپی ہوئی ہے''۔اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''ریلیکس......تمہیں اس سب کے بارے میں یا تو اپنے پاپا سے بات کرنی چاہئے یا پھر مائی۔کل ان کے بیچ جو بھی ڈسکس ہوا وہ دونوں ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں۔تم ٹھیک کہتی ہو......تمہاری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے یہ اور تم ہی اس کے بارے میں نہیں جانتی۔ یو ہیو نیڈ ٹو ٹاک ٹو یور فادر......اپنے پاپا سے بات کرو۔انہیں لگتا ہے وہ تمہارے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔انہیں کم از کم یہ تو بتا دو کہ وہ کتنا

غلط سوچ رہے ہیں۔تم جاؤ اور انہیں سب کچھ بتاؤ۔ان سے پوچھو یہ جو درمیان اتنا زیادہ گیپ ہے نا، اِٹس ناٹ گڈ۔تمہیں یہ ڈسٹنس کو ختم کرنا ہوگا۔میں حیران ہوں تم اتنی بزدل کیسے ہو؟......اب تک بات کیوں نہیں کی؟ ہی اِز یور فادر......حق ہے تمہارا ان سے بات کرنا۔اُن سے ڈسکس نہیں کروگی تو اور کس سے کروگی؟"

زوباریہ نے اسے سمجھایا تھا۔زوباریہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔وہ ٹھیک سمجھا رہی تھی۔

اس نے ہی مروت اور لحاظ میں اتنی دیر کردی تھی۔

وہ پلٹی تھی اور باہر نکل گئی تھی۔

پاپا تو گھر پر نہیں تھے۔

اس نے گاڑی کی چابی اُٹھائی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

تنکا تنکا جوڑ کر میں نے
گھر بنایا تھا جو وہ
بکھر گیا تھا لیکن......!
میں نے ہواؤں کو اب
اپنے بس میں کرلیا ہے!
اب اس گھر کو
آندھوں کا کوئی
ڈر نہیں رہا......!

"کتنا بکھر گیا تھا نا سب...... مجھے لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ سب ٹھیک ہوگا......مگر آج ایک بار پھر سب کچھ اپنی جگہ پر ہے۔رشتوں کی ڈور کچھ اُلجھ ضرور گئی تھی مگر وقت نے اسے ٹوٹنے نہیں دیا"۔فارحہ گلدان میں پھول سجاتی ہوئی بولی تھیں۔

اگینے نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

شیفون کی فیروزی ساڑھی میں،اونچی لمبی،دھان پان سی فارحہ بہت خوش اور بہت مطمئن لگ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟......ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"اس کے دیکھنے پر فارحہ چونکی تھیں۔تبھی اگینے مسکرادی تھی۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں بھابی!......ایک بار پھر سے مکمل۔بہت دنوں بعد آپ کو خوش دیکھا ہے اور بہت اچھا لگ رہا ہے......خدا آپ کو خوش ہی رکھے"۔

''تمہیں بھی اگینے!...... یہ زندگی جو ہے نا، بہت عجیب شے ہے۔ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ ایک قدم پیچھے چلو گی تو لمبے سائے بننے لگیں گے۔ دو قدم آگے چلو گی تو وقت تمہیں دبا دے گا۔ سو میانہ روی یہی ہے کہ زندگی کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ ساتھ چلو۔ میں ایک لمحے میں زندگی سے کوئی ایک قدم پیچھے رہ گئی تھی اور وقت نے مجھے چھوڑنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ آج بہت عرصے کی محنت کے بعد میں اس وقت سے دوبارہ مل پائی ہوں۔ قدم سے قدم دوبارہ ملا پائی ہوں اور اب میں نے ٹھان لی ہے، ہمیشہ وقت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر ہی چلوں گی۔ آج بہت دنوں بعد سعد شام میں اس گھر واپس آ رہے ہیں اور گھر کو میں اس طرح سجا سنوار رہی ہوں''۔

فارحہ واقعی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

''بھابی!...... کسی کو معاف کر دینا اتنا آسان ہے کیا؟...... کیا واقعی دل اتنا بڑا ہو سکتا ہے؟'' اگینے کچھ اُلجھی ہوئی سی دکھائی دی تھی۔

فارحہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا، پھر بولی تھیں۔

''اگینے!...... عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک بار نہیں، کئی بار معاف کر سکتی ہے یہ۔ بڑی سے بڑی خطاؤں کو نظر انداز کر سکتی ہے، مگر مرد کے لیے یہ سب کرنا کچھ مشکل ہے''۔

''آپ نے سعد بھائی کو واقعی معاف کر دیا؟''

''ہاں...... کیونکہ میں صرف اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہی اگینے!...... اپنے گھر کو دیکھ رہی ہوں۔ اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میرا وہ بکھرا بکھرا پن میرے گھر کے سکون میں خلل ڈال رہا تھا...... میرے بچے مطمئن نہیں تھے۔ سب سے بڑھ کر میں مطمئن نہیں تھی۔ سب کہتے ہیں ایک مرد ایک عورت کو کمپلیٹ کرتا ہے، غلط کہتے ہیں۔ ایک عورت ایک مرد کو کمپلیٹ کرتی ہے۔ آدھا ادھورا ہوتا ہے وہ ہمیشہ۔ اسے مکمل صرف ایک عورت کرتی ہے۔ ناقدرا ہے کچھ...... قدر نہیں کرتا...... مگر جانتا ہے، میں کس طرح کمپلیٹ ہوں اور کس قدر اِن کمپلیٹ ہوں''۔ فارحہ بہت لائٹ انداز میں گہری باتیں کر رہی تھیں۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

''ہاں...... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ''۔ وہ مکمل ہم خیال ہوئی تھی۔

فارحہ نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا اگینے؟...... اپنی بھابی کو نہیں بتاؤ گی؟''

''کچھ نہیں ہے بھابی!...... بس یونہی''۔

''کیا یونہی؟...... کہیں تُو فیض کو لے کر تو پریشان نہیں ہو رہی؟'' بھابی تہہ تک پہنچی تھیں۔

فیض کے ساتھ میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' اگینے نے جھٹلایا تھا۔

جواباً فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''تم اب بھی یہ بات چھپانا چاہو گی؟'' فارحہ نے جیسے اسے ایک لمحے میں پکڑا تھا۔

اگینے ایک پل میں ساکت تھی۔ اپنے پکڑے جانے پر حیران تھی۔ فارحہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھیں پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے رکھ دیا تھا اور مسکراتے ہوئے ملائمت سے بولی تھیں۔

''اگینے!......ایک عرصے سے تم خود سے بھاگ رہی ہو اور اب بھی......محبت اتنا بڑا گناہ ہے کیا کہ اسے خود سے بھی چھپانا چاہتی ہو اور سب سے بھی؟''

''پتہ نہیں بھابی! مگر محبت کرتے رہنے کا ہی مطلب بھی نہیں کہ دوسروں کو بتاتے بھی رہو کہ آپ اسے کتنا چاہتے ہو''۔

''محبت کی یہ کون سی لاجک ہے اگینے! جسے چاہا جائے، اسے ہی نہ بتایا جائے؟'' فارحہ نے پوچھا تھا۔

''بتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بھابی!''

''ہو بھی سکتا ہے''۔

''میں ایسا نہیں سمجھتی کہ یک طرف محبت کسی کام آتی ہو۔ میں کل بھی اس کے قریب تھی......اور اُس نے زندگی سے مجھے اپنے لیے نہیں چنا تھا......اور آج بھی......وہ مجھے چننا نہیں چاہے گا۔ میں اس کے سامنے کھڑے ہو کر کیوں کہوں کہ پلیز چوزمی یور لائف، جبکہ میں اس کی زندگی میں کہیں ہوں ہی نہیں۔ نہ کل تھی نہ آج ہوں......اگر اسے مجھے چننا ہوگا تو وہ مجھے خود چننے لگا۔ مجھے چل کر اس کی زندگی میں داخل نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر خود مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہے گا۔ محبت بتانے والی شے نہیں ہے......محسوس کی جانے والی بات ہے......اگر کسی کو نہیں ہوتی تو بتائی نہیں جاسکتی''۔ اگینے سر جھکائے بول رہی تھی۔

فارحہ ملائمت سے مسکرا دی تھیں۔

''تم صرف اگوئیسٹ ہو رہی ہو اگینے!......بتاؤ گے نہیں تو کسی کو کیسے پتہ چلے گا؟''

''محبت بڑا ہوا یا پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے بھابی!......آئی کانٹ ڈو ڈیٹ......اور آپ پلیز میری فکر نہ کریں۔ آئی ایم ہیپی۔ مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آئی ایم ہیپی وِد مائے لائف''۔ اگینے مسکرا دی تھی۔ فارحہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''جس کے لیے اتنی محبت ہے جس اسی کو نہ بتایا جائے تو پھر کیا فائدہ؟''

''اور بتانے سے کیا فائدہ ہوگا؟......کوئی فائدہ نہیں ہوگا بھابی!''

''ایسا نہیں ہوتا اگینے!......بتانا پڑتا ہے۔ بتانا بھی چاہیے۔ محبت اتنی ہی اگوئیسٹ ہوتی ہے بھابی! اور......''

سعد بھائی آگئے تھے۔ اگینے بولتے بولتے یک دم چپ ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد سعد بھائی کے ہاتھ میں بکے تھے جو یقیناً وہ فارحہ بھابی کے لیے لائے تھے۔ اگینے جانے کے لیے فوراً اُٹھی تھی تبھی فارحہ نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اُٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''محبت پلٹ آتی ہے اگینے!......ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو''۔

سعد چلتے ہوئے وہیں آ گیا تھا اور مسکراتے ہوئے بکے فارحہ کی طرف بڑھایا تھا۔

''کیسی ہو اگینے؟''

''ٹھیک ہوں بھائی!......آپ آج ہماری بھابی کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہے ہیں؟'' چھیڑا تھا۔ سعد مسکرا دیئے تھے۔

''اپنی بھابی سے پوچھ لو، کہاں جانے کے لیے تیار ہے۔ تم کہاں جا رہی ہو؟ تم بھی چلو نا۔ آج ڈنر ساتھ کرتے ہیں۔ میں نے ٹیبل بک کروادی ہے''۔ سعد بھائی ہمیشہ سے مختلف دکھائی دیئے تھے۔

اگینے مسکرائی تھی۔ پھر فارحہ بھابی کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں بھائی!......آپ بھابی کے ساتھ جایئے۔ ہم پھر کبھی چلے جائیں گے......چلتی ہوں بھابی!''۔ گلے مل کر وہ فوراً ہی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

''محبت پلٹ آتی ہے اگینے!......ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو''۔

فارحہ بھابی کی مدھم سی سرگوشی اس سمے جانے کیوں کان میں گونجی تھی۔

☆......☆......☆

فاصلے دِلوں میں ہوں تو مٹنے میں صدیاں لگتی ہیں۔

انابیہ نے باتھ لے کر باہر نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

اتنی قربتوں کے باوجود......

فاصلے بدستور قائم تھے......

وہی گریز درمیان تھا۔

بیڈ کے دوسرے کنارے پر سوئے ہوئے اس بندے کو اس نے بغور دیکھا تھا۔

مرد کی اور عورت کی ضرورتوں اور خواہشوں میں واضح فرق ہے۔ عورت من کی خواہش کرتی ہے۔ من سے خواہش کرتی ہے......

اور مرد......!

انابیہ نے کلاک دیکھا تھا۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا اور وہ شخص......

شاید یہ نیند سکون کی تھی!......جو ٹوٹنے میں دیر لے رہی تھی۔

کسی ایک کی جیت تھی!

شاید......!

اپنے اندر ایک لمحے میں بہت کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کرتے ہوئے وہ کھڑکی تک آئی تھی۔

اندر یک دم ہی بہت بجھا بجھا سا دکھائی دیا تھا۔اس نے پردے کھینچ دیئے تھے۔بہت سی روشنی اندر آ گئی تھی۔وہ پلٹ کر سائیڈ دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔یہ سائیڈ دراز اس شخص کی طرف کا تھا۔جھکنے کے باعث گیلے بال جھک کر یک دم ہی نیچے آئے تھے۔ بالوں سے ٹپکتی کئی بوندیں اس شخص کے چہرے پر جا پڑی تھیں۔

ایک لمحے میں وہ بیدار ہوا تھا۔

وہ جھجک کر رہ گئی تھی۔نگاہ اس شخص پر پڑی تھی۔

اس کی توجہ کا مرکز بھی وہی تھی!

انابیہ نے نگاہ ہٹاتے ہوئے بہت آہستگی سے دراز بند کی تھی اور واپس مڑنے لگی تھی جب اس شخص کی گرفت میں کلائی آ گئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔

پلٹ کر دیکھا تھا۔

دل کے اندر کوئی احساس بیدار نہیں ہوا تھا۔

عفنان اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

نگاہ میں کچھ خاص تھا۔

مگر انابیہ کا انداز سر برف جیسا تھا۔

عجب برف سی لگی تھی وہ......

جھکی جھکی......پشیمان سی نگاہ......جیسے وہ کوئی بڑی خطا کر چکی ہو۔عفنان نے ایک لمحے میں اس چہرے کو پڑھا تھا۔

پھر بہت آہستگی سے وہ کلائی چھوڑ دی تھی۔انابیہ پلٹی تھی اور چلتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

مرد اور عورت کبھی ایک جیسا نہیں سوچتے......

کبھی ایک جیسا نہیں سوچ سکتے......

مرد کی خواہشات مختلف ہیں اور عورت کی مختلف......!

عورت کی خواہشوں میں ''دل'' بھی شامل ہے اور ''روح'' بھی۔مگر کوئی مرد کبھی یہ چھوٹی سی بات نہیں سمجھتا۔

اپنی خواہشوں کے آگے وہ ایک چھوٹی سی بات کو بھول جاتا ہے!

عورت تن سے نہیں......من سے سیراب ہوتی ہے!

کچن میں وہ چپ چاپ کھڑی اُبلتے ہوئے دودھ کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔دودھ اُبل کر باہر جا رہا تھا اور......!

یک دم ہی احساس ہوا تھا!

اور انابیہ نے چولہا بند کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

محبت......!

اس کے میرے درمیان!

اِک فاصلہ ہے......!

(جو صدیوں تک ہے پھیلا ہوا)

محبت......!

اس کے میرے درمیان!

اِک انا کا مسئلہ ہے!

مسائل دل طے کرنے کو

ایک لمحہ ضروری ہے

اسے یہ کون بتلائے

ملنا کتنا ضروری ہے!

پورچ میں گاڑی روک کر وہ باہر آئی تھی۔ یہاں تک آتے ہوئے سب کچھ جتنا آسان لگ رہا تھا، اب اتنا ہی مشکل تھا۔ مگر وہ رُکی نہیں تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور گلاس ڈور کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ نوکر نے مؤدب انداز میں سلام کیا تھا۔

میرب نے سر ہلایا تھا۔

"مائی کہاں ہیں؟"

"مائی تو کسی کام سے باہر گئی ہیں۔ آپ بیٹھیں۔ تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گی۔ گین صاحب ہیں۔ بتا دوں انہیں؟......گی، بی بی کے ساتھ کہیں باہر جا رہے ہیں۔ میں بتا تا ہوں انہیں"۔ خادم مؤدب تھا۔ پلٹا تھا مگر میرب نے اسے یک دم ہی روک دیا تھا۔

"نہیں، رہنے دو......میں مائی کا انتظار کر لیتی ہوں۔ کتنی دیر پہلے گئی تھیں؟"

"ایک گھنٹہ ہو گیا"۔

"اوہ......پھر تو انہیں شاید ٹائم لگے گا۔ میں چلتی ہوں پھر"۔ وہ یک دم ہی پلٹی تھی۔ تبھی اپنے ساتھ کھڑے شخص کو دیکھ کر نگاہ جم گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اسے بغور دیکھا تھا۔

مگر میرب نے دوسرے ہی پل بے تاثر بن کر قریب سے نکل جانا چاہا تھا۔ انداز میں عجب ایک بیگانگی تھی۔

پتہ نہیں کوئی حق تھا کہ نہیں......

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میرب سیال چونکی تھی۔ نگاہ اُٹھا کر اس شخص کو دیکھا بھی تھا......مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''واپس کیوں جا رہی ہو؟''

''مائی سے ملنے آئی تھی۔ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ سو......!''

''انتظار کر لو......کچھ ہی لمحوں میں واپس آ جائیں گی''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مشورہ دیا تھا۔

اس نے کوئی جواب دیئے بنا خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ، نک سک سے تیار...... تیاری کچھ خاص لگ رہی تھی۔ غالباً وہ گی کے ساتھ ڈنر کے لیے جا رہا تھا۔

میرب کو اندازہ ہوا تھا اور دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''کیا ہوا؟......کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' اسے خیالوں میں کھوئے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''نہیں......کچھ نہیں''۔ میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی ضروری بات تھی......؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کی بابت پوچھا تھا جو وہ کرنے آئی تھی۔

''نہیں......کچھ خاص نہیں۔ آپ کو دیر ہو رہی ہو گی''۔ ایک بے تاثر پن سے کہا تھا مگر اس بے تاثر انداز میں بھی کئی حوالے چھپے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''مجھے اپنے معاملات کو نمٹانا آتا ہے۔ آپ کو کیئر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بیٹھ جائیں، مائی کا انتظار کر لیں، وہ آئیں گی تو انہیں اچھا نہیں لگے گا کہ آپ آئیں اور اس طرح واپس بھی لوٹ گئیں۔ یا پھر مجھ سے ڈسکس کر لیں۔ کیا کہنے آئی تھیں آپ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تفصیل چاہی تھی۔

میرب کو اس بات کا گمان نہیں تھا، تبھی کچھ چونک کر دیکھا تھا۔

''آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ میری فکر نہ کریں......میرے پاس کافی ٹائم ہے انتظار کرنے کے لیئے''۔ وہ کہہ کر خادم کی طرف مڑی تھی۔

''خادم! میں باہر گاڑی میں مائی اماں کا انتظار کر رہی ہوں۔ آئیں تو بتا دینا''۔ وہ کہہ کر جانے کے لیے یک دم ہی مڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی کو پکڑا تھا اور اپنی طرف کھینچا تھا۔ حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ سنبھل نہ پائی تھی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سینے سے جا لگی تھی۔ اُلجھی ہوئی سانسوں کے ساتھ سر اُٹھا کر دیکھا تھا۔

وہ شخص خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا تماشا بنا رہی ہیں آپ اس رشتے کو لے کر؟......آپ باہر کھڑی ہو کر مائی کا انتظار کریں گی؟ اس گھر میں اتنی جگہ بھی نہیں کہ

آپ یہاں بیٹھ کر انتظار کر سکیں؟‘‘

’’مجھے جگہ اس گھر میں نہیں، تمہارے دل میں چاہئے سردار سبکتگین حیدر لغاری!‘‘ میرب جیسا سوچ سکی تھی، کہہ نہیں سکی تھی۔ عجیب ایک بے بس سا انداز تھا۔

عجیب بے بسی نظروں میں تھی۔

گین کو اس چہرے پر بے طرح ترس آیا تھا۔

اُسے اپنے حصار سے آزاد کیا تھا۔

وہ اسی طرح کھڑی رہی تھی......سر جھکائے۔

تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یک دم ہی اس کا ہاتھ تھاما تھا اور لے کر چلتا ہوا صوفے کی طرف آ گیا تھا۔ اسے بٹھایا تھا، پھر خود اس کے عین پاس بیٹھ گیا تھا۔

’’اب بولو......کیا بات ہے؟‘‘ وہ شخص سارے حوالے ختم کر رہا تھا۔ سارے رشتے مٹا رہا تھا تو پھر اسے اس کی، اس کے موڈ کی اتنی فکر کیوں تھی؟

اس کے لیے تو بے تاثر بن جانا بہت آسان ہونا چاہیے تھا۔ اجنبی بن کر......بنا نگاہ ملائے آگے بڑھ جانا بہت معمولی سا واقعہ ہونا چاہیے تھا۔ پھر وہ چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو بھی اتنی اہمیت کیوں دے رہا تھا؟

میرب سیال اسے جانچنا چاہتی تھی۔

پڑھنا چاہتی تھی۔

مگر......وہ اُلجھی اُلجھی نگاہ اُٹھی بھی تھی تو بہت خالی خالی سی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرب کی نگاہ میں جانے کہاں سے اور کیونکر نمی اُتری تھی، جسے چھپانے کو وہ نگاہ پھیر گئی تھی اور چہرہ بھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس نگاہ کی اُلجھنیں کچھ اور بڑھتی دیکھ کر کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی تھی۔

’’اب کیا ہوا؟‘‘ اس نمی کا جواز چاہا تھا۔

میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

’’آپ چاہتی کیا ہیں؟......بتائیں گی آپ؟ خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہونے کی عادت ہے اور دوسرے کو پریشان کرنے کی بھی‘‘۔

’’تو آپ سے کس نے کہا کہ آپ پریشان ہوں۔ میں یہاں آپ کو پریشان کرنے بالکل نہیں آئی تھی۔ آپ جائیے جہاں آپ جا رہے تھے۔ میں نے آپ کو نہیں روکا‘‘۔ جواباً وہ بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

وہ ہمیشہ بولتی تھی جو وہ سننا نہیں چاہتا تھا......

بے معنی......بے تاثر......!

لمحہ بھر کو غصہ آیا بھی تھا مگر دوسرے ہی پل قابو پاتے ہوئے اس نے میرب کی طرف دیکھا تھا اور پوری توجہ سے بولا تھا۔

"آئی ٹولڈ یو......آئی کین ہینڈل مائے پرابلمز ویری ویل۔ مجھے اپنے معاملات کو نمٹانا بہت اچھی طرح سے آتا ہے۔اب آپ بتائیے، آپ یہاں کیا کہنے آئی تھیں؟......پھر کوئی نئی شکایت لے کر، نیا شکوہ لے کر؟......آپ روز روز کے ان جھگڑوں سے تنگ نہیں آ جاتیں؟ ہمیشہ معاملات کو ربڑ کی طرح کیوں کھینچتی ہیں؟ انہیں سمیٹتی کیوں نہیں؟......چھوٹی چھوٹی باتوں کو پھیلانے کا بہت شوق ہے آپ کو"۔ میرب نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی کہ وہ کیا کہنے والا تھا یا کیا کہنا چاہتا تھا۔

"کیا......کیا کہہ رہے ہیں آپ؟......آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" وضاحت نہ چاہنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی وہ بولی تھی۔

"گین! تیار ہو گئے تم؟......چلو......آئی ایم ریڈی"۔ یک دم گی کی آواز آئی تھی۔ میرب نے آواز کی سمت چہرہ موڑا تھا اور گی کو دیکھا تھا۔ وہ نک سک سے تیار کھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی منتظر تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا، پھر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے......آپ کو جتنا انتظار کرنا ہے، یہاں بیٹھ کر کیجئے، جب تک مائی واپس نہیں آ جاتیں۔ چلو گی!" اسے کٹھور انداز سے کہہ کر وہ گی کی طرف بڑھا تھا۔

میرب حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔

وہ نگاہ حیرت لیے ہوئے تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مطلق پرواہ کیے بغیر چلتا ہوا گی کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

ایک لمحے میں محبت اور بھی اُلجھ گئی تھی۔

میرب کا دل چاہا تھا، وہاں سے اُٹھے اور بھاگتی ہوئی نکل جائے اور پھر کبھی پلٹ کر نہ اس طرف دیکھے، نہ اس طرف نگاہ کرے۔

مگر یہ سوچنا آسان تھا، اس پر عمل کرنا مشکل تھا مگر وہ یہ بات اس کٹھور شخص کو بتا نہیں سکتی تھی۔

مائی اماں کے آنے تک وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں میرب......بچے؟" مائی اماں چلتی ہوئی اس کی طرف آئی تھیں مگر میرب نے سر اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ پورا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنی کمزوری کا پتہ کسی کو دینا نہیں چاہتی تھی مگر یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا، اب اس شخص کو اس کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ سچائی کا پتہ پھر بھی لینا چاہتی تھی۔

"ایسے بیٹھی کیوں رو رہی ہے تُو؟......کیا ہوا؟" مائی اماں نے اس کا چہرہ اُٹھایا۔

"اماں! آپ مجھے ایک بات بتائیں گی؟"

"کیا؟"

"وہی جو آپ کے اور پاپا کے بیچ میں ہوئی"۔ میرب نے دوٹوک پوچھا تھا۔

"کیا مطلب، کیا ہوا؟" مائی اماں نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔ "تم اس طرح رونا بند کرو اور آرام سے بات کرو۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ"۔

"آپ یہ سب چھوڑیئے، پہلے مجھے بتایئے، آپ میں اور پاپا میں کیا کیا باتیں ڈسکس ہوئیں؟...... کیا کہا انہوں نے آپ سے؟" میرب نے ضدی بچوں کی طرح کہا تھا۔

"چل ٹھیک...... تُو رونا بند کر، پھر بتاتی ہوں تمہیں"۔ مائی نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

☆......☆......☆

"مجھے آج ممی کی طرف جانا ہے، جاسکتی ہوں"۔ انابیہ نے ناشتے کی ٹیبل پر کہا تھا۔

عفنان علی خان نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

"یہ آپ مجھے اطلاع دے رہی ہیں یا اجازت چاہ رہی ہیں؟"۔

"آپ کو کیا لگا؟" انابیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

عفنان نے شانے اُچکا دیئے تھے۔

"آف کورس...... آپ سے پوچھ رہی تھی، کیا میں جاسکتی ہوں؟ یہ نہیں کہا کہ میں جارہی ہوں"۔ انابیہ نے باور کرایا تھا۔

"سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟......" عفنان علی خان نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"اوہ، رائٹ...... اِٹس مین طنز...... میں نے اُس روز جو منع کیا تھا"۔ لمحہ بھر کو چپ رہ کر کچھ سوچا تھا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہا تھا۔

"جب جانتے ہیں تو پوچھ کیوں رہے ہیں؟" وہ تنک کر بولی تھی۔

عفنان نے اس کے چہرے کو لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ شوہر بن گئے تو ساری دُنیا ہاتھ میں آگئی آپ کے؟" انابیہ سچ مچ لڑائی کے موڈ میں لگ رہی تھی۔

مگر عفنان علی خان بہت مطمئن انداز میں چائے کے سِپ لیتے ہوئے سر جھکا کر نیوز پیپر دیکھنے لگا تھا۔

"ابھی تک بیوی تو مٹھی میں آئی نہیں...... ساری دُنیا کیا خاک ہاتھ میں آئے گی؟" وہی معصوم سا، شوہروں کا انداز تھا اور انابیہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

اس وقت انابیہ کو اپنا آپ انتہائی ظالم بیوی والا لگا تھا۔

''ہاں ......بہت معصوم ہیں آپ تو''۔انابیہ مکمل لڑائی کے موڈ میں تھی۔

''آپ نے طے کرلیا ہے، آپ جھگڑالو وائف کا کیریکٹر بھرپور طریقے سے نبھائیں گی؟''عفنان علی خان نے پوچھا تھا۔انداز نرم تھا۔

''اور آپ نے طے کرلیا ہے کہ آپ ظالم شوہر بن کر رہیں گے''۔انابیہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

عفنان نے نیوز پیپر لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔

''آپ جھگڑے کے فُل موڈ میں ہیں تو جھگڑ لیجئے''۔

''جھگڑے کے موڈ میں میں ہوں اور آپ جو کرتے ہیں؟''

''کیا کرتا ہوں؟......آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھانا چاہتی ہیں۔ممی اور دادا ابا سے ملنے کو میں نے کبھی نہیں روکا آپ کو۔آپ بتایئے، کبھی منع کیا میں نے آپ کو ان سب سے ملنے کو؟......منع میں نے آپ کو کیا تھا مگر صرف......''وہ بولتے بولتے یک دم رُک گیا تھا۔نگاہ اُٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔

وہاں لامعہ حق کھڑی تھی۔عفنان علی خان اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور چلتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تھا۔

انابیہ نے پلٹ کر دیکھا تھا، لامعہ کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے کچھ حیرت ہوئی تھی۔

لامعہ کچھ دیر تک یوں ہی فاصلے پر ساکت کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی تھی، پھر چلتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔

انابیہ مسلسل حیرت میں تھی۔

☆......☆......☆

''محبت پلٹ آتی ہے''۔

فارحہ نے ایک جملہ کہا تھا اور اس کی بازگشت کتنے ہی دِنوں تک اس کے اِردگرد گونجتی رہی تھی۔

''آپ نہیں جانتیں بھابی! کبھی کبھی محبت نہیں بھی پلٹتی۔بہت کچھ لے کر بھی نہیں۔طویل انتظار کے بعد بھی نہیں''۔اپنے ہی دھیان میں چلتی ہوئی وہ پلٹی تھی جب فیض بخاری کو اپنے سامنے دیکھ کر کچھ حیران گئی تھی۔

''آپ کی خود سے اُلجھنے اور باتیں کرنے کی عادت ختم نہیں ہوئی؟''فیض بخاری نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

مگر اگینے مسکرا نہیں سکی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے......آپ یہاں کیسے؟......خیریت؟''

''ہاں......بس یہاں سے گزر رہا تھا۔تمہارا خیال آ گیا۔سوچا ملتا چلوں''۔فیض مسکرا دیئے تھے۔

''اوکے''۔اگینے کچھ زیادہ نہیں بول سکی تھی۔

''اور کیا کررہی ہیں آپ آج کل؟''۔

''کچھ خاص نہیں...... بھابی کیسی ہیں؟......اور بچے؟''

''سب ٹھیک ہیں''۔فیض نے کہا تھا۔''بھابی بتا رہی تھیں تم نے بوتیک کھول لیا ہے''۔

''ٹھیک۔تھینکس''۔اگینے مروتاً مسکرائی تھی۔''آپ کھڑے کیوں ہیں؟...... بیٹھیئے نا''۔

فیض بخاری نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیئے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا ہم پہلی دوسری بار ملے ہیں''۔

''نہیں......کیوں، کیا ہوا؟''اگینے نے نگاہ اُٹھا کر فیض کو دیکھا تھا۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔وقت ہے؟''

''ضروری بات؟''اگینے چونکی تھی۔

''ہوں......وقت ہے؟''فیض بخاری نے دوبارہ پوچھا تھا۔

اگینے کچھ دیر تک یوں ہی اس کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

کمرے میں بہت خاموشی تھی۔لامعہ حق اس سے کچھ فاصلے پر خاموشی سے کھڑی تھی۔

انابیہ شاہ نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''کھڑی کیوں ہو؟......بیٹھ جاؤ''۔

اگرچہ اسے قطعاً پتہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کس لیے آئی ہے مگر اس کے باوجود کرٹسی اس کے انداز میں واضح تھی، جیسے ان کے درمیان کوئی برا موڑ آیا ہی نہ ہو۔

لامعہ اسی خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''چائے پیو گی؟''انابیہ جو کچھ لمحوں پہلے تک بہت ہائپر دکھائی دے رہی تھی، اب بہت پُرسکون تھی۔

لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں''۔لہجہ قطعی تھا۔

انابیہ مزید کچھ نہیں پوچھ سکی تھی۔

''میں کچھ کہنا چاہتی ہوں انابیہ!''لامعہ حق مدھم لہجے میں بولی تھی۔انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری''۔لامعہ حق کی آواز اُبھری تھی اور انابیہ اسے حیرت سے تکتی رہ گئی تھی۔

مجھے اندازہ ہے انابیہ! میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔ پلیز مجھے اس کے لیے معاف کر دو۔ میں جانتی ہوں ان سب کے لیے معافی کا لفظ بہت چھوٹا ہے اور شاید تم مجھے معاف کر بھی نہ سکو، مگر میں اپنے دل سے ایک بوجھ اُتارنے یہاں چلی آئی''۔

لامعہ حق کہہ رہی تھی اور انابیہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

انابیہ کو یقین نہیں تھا۔ لامعہ حق کو واقعی اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا یا پھر وہ کوئی نیا جال بُن رہی تھی۔

انابیہ ساکت سی اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔

لامعہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''انابیہ! آئی ایم سوری......رئیلی ویری سوری''۔ لامعہ کا لہجہ مدھم تھا۔

انابیہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔

سچ پر یقین کیسے نہ کرتی۔ لامعہ حق کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ایسی کیا بات تھی جسے کہنے کے لیے تم مجھے یہاں لے آئے؟'' اگینے نے ریسٹورنٹ کے ماحول کو طائرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تھی ایک بات''۔ فیض بخاری بولے تھے۔ وہ اس وقت گہری سوچ میں دکھائی دیئے تھے۔ اگینے نے ان کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''کوئی پریشانی ہے؟'' اگینے نے دریافت کیا تھا۔

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں''۔

''پھر......؟''

''اگینے......!''

''جی......''

''مجھ سے شادی کرو گی؟''

''کیا......؟'' سوال اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

''ہم اپنی زندگی کا بہت سا وقت گزار چکے ہیں اگینے!......بہت سال......شاید اب اتنے لمحے ہمارے ہاتھوں میں باقی بھی نہیں ہیں کہ گنوا سکیں''۔ فیض بخاری کا لہجہ اُسے حیران کر رہا تھا مگر یہ باتیں جیسے ایک تمہید جیسی تھیں۔ درحقیقت وہ کوئی اور بات کہنا چاہ رہا تھا۔

''اگینے! تمہارے اور میرے بیچ کسی نئے رشتے کے آغاز سے پہلے میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ پھر اس کے بعد کے سارے فیصلے تمہارے اپنے ہوں گے۔ اس کے بعد تم جو بھی کہنا چاہو، کہہ سکتی ہو''۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اگینے نے پوچھا تھا۔

''اگینے! بات بہت مختصر سی ہے مگر اتنی آسان نہیں ہے''۔

''رومیصا کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں آپ؟'' اگینے نے پوچھا۔

فیض نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... رومیصا ایک گزر جانے والا واقعہ ہے، جس پر بہت سے کربوں کی گرد بھی جم چکی ہے۔ اب سوچوں بھی تو وہ لڑکی ایک خواب جیسی لگتی ہے۔ شاید خواب ہی تھی وہ...... مگر...... میں جو بات تم سے کرنا چاہتا ہوں وہ کچھ مختلف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ...... کچھ عرصہ قبل میں ایک لڑکی سے ملا تھا۔ میں بھی فرشتہ نہیں تھا۔ سو ہم نے کچھ اچھا وقت ساتھ گزارا۔ وہ کسی اور کے ساتھ جذباتی وابستگی رکھتی تھی۔ اسی کا انتظار بھی شاید وہ کر رہی تھی۔ سو ہم میں کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوئی۔ بس ہم نے کچھ وقت ساتھ گزارا اور ہم اپنی اپنی راہ پر ہو گئے۔ مگر اب وہ یہاں میری تلاش میں آئی تھی اور مجھے اس کا پتہ بھی چل گیا تھا۔ آئی فاؤنڈ ہر، میٹ ہر، دین شی ٹولڈ می ڈیٹ...... شی اِز پریگنٹ وِد مائے کڈ۔ مگر وہ مجھ پر اس بچے کی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتی۔ نہ ہی مجھ سے کوئی رشتہ چاہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے اس کے لیے اس کی تھوڑی سی محبت پوری زندگی گزارنے کے لیے کافی ہے اور محبت کو شاید کچھ زیادہ کی خواہش ہوتی بھی نہیں۔ میرا تمہاری طرف آنا، اُسے ریجیکٹ کیا جانا نہیں ہے اگینے! میں نے بہت عرصہ پہلے دانتے کی ایک لائن پڑھی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ شادی اور محبت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میں بھی یہی مانتا ہوں۔ محبت سراسر دل کا معاملہ ہے جسے تم کسی قدر جذباتی معاملہ بھی کہہ سکتی ہو، مگر شادی دماغ کا فیصلہ ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں''۔

فیض بخاری کا لہجہ دھیما تھا۔

اور وہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

دونوں کتنے لمحوں تک ایک دوسرے کے کاندھوں پر سر دھرے روتی رہی تھیں۔ لمحے چپ چاپ ان کے درمیان جیسے ٹھہر سے گئے تھے۔

''میں نے کبھی سوچا تھا انابیہ! ہم میں اتنی اور اس قدر دوری آجائے گی''۔ کچھ دیر بعد لامعہ نے اس کے کاندھے پر سے سر اُٹھا کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں...... میں نے بھی یہ کبھی نہیں سوچا تھا مگر......''

''انابیہ! میں مانتی ہوں جو بھی ہوا وہ اتنا معمولی نہیں تھا مگر کیا تم اسے بھلا کر سب پہلے جیسا کر سکتی ہو؟ میں جانتی ہوں میں نے جو بھی کیا وہ بہت غلط تھا، مگر میں اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں شرمندہ بھی ہوں۔ بہت بری ہوں نا میں''۔ لامعہ سر جھکا کر بولی تھی۔

''نہیں......تم بری نہیں ہو لامعہ! شاید ہم سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سب اتنے ہی برے ہوتے ہیں۔ ہماری خواہشیں بری ہیں جو ہمیں برا بناتی ہیں۔ کچھ برا کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ تم نے جو بھی کیا میں تمہیں اس کے لیے قصوروار نہیں مانتی''۔ انابیہ نرمی سے بولی تھی اور بہت آہستگی سے لامعہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''چلو، بھول جاتے ہیں سب کچھ۔ پھر سے دوستی کرتے ہیں......اس بار رشتوں کے نام دیتے ہیں...... میری بھابی بنو گی؟'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

لامعہ نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرادی تھی۔

''تھینکس انابیہ! تم بہت اچھی ہو۔ مجھے تمہارے اتنے اچھے ہونے پر ہمیشہ بہت غصہ آتا تھا مگر اب......اب نہیں آتا۔ سارا خالی پن اندر سے اُٹھتا ہے اور اندر کا خالی پن سکون نہیں لینے دیتا۔ ہر انسان کے ساتھ تو شاید ایسا نہیں ہوتا مگر کسی کسی کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ میرے اندر کا خالی پن تھا کوئی جس نے مجھے ایسا سب کرنے پر اُکسایا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید آج صورتِ حال ایسی نہ ہوتی۔ مجھے اس کونفیشن کی ضرورت پیش نہ آتی اور ہماری دوستی اسی طرح برقرار ہوتی۔ اِک دراڑ بیچ میں نہ ہوتی''۔ لامعہ بولی تھی۔

''کوئی دراڑ بیچ میں نہیں ہے لامعہ! تم ایسا مت سوچو۔ ایسا سب لکھا ہوتا ہے۔ تمہارے میرے بیچ جو ہونا تھا، وہ بھی لکھا ہوا تھا۔ سو ہو گیا۔ غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ سب کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی بھول چوک ضرور کرتے ہیں یہاں اس دنیا میں۔ ہم سب انسان ہیں، فرشتے نہیں۔ سو ہمیں ایک دوسرے سے ایسی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے کہ ہم کوئی فرشتوں جیسے کام کریں گے۔ اگر ہم میں سے ہر کوئی یہ سوچ لے تو آدھے پرابلم یہیں ختم ہو جائیں''۔ انابیہ بولی تھی اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے رکھ دیا تھا۔

''اب سوچنا بند کرو۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے ہم تسلیم نہ کریں۔ تم میں تو پھر بھی حوصلہ ہے کہ مان رہی ہو''۔

''آئی ایم سوری انابیہ! تم اپنی اچھی تھیں اور میں تمہیں......''

''اِٹس اوکے لامعہ! تم بھی بہت اچھی ہو''۔ انابیہ مسکرائی تھی۔ ''میری ہونے والی بھابی بری کیسے ہو سکتی ہے''۔

لامعہ مسکرائی تھی۔

''فضول قسم کا بندہ ہے وہ......تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں اس کے ساتھ زندگی گزار سکوں گی؟'' ذکر بالآخر اوزان کا آ گیا تھا۔

''میرا بھائی؟......'' انابیہ نے وضاحت چاہی تھی۔ ''میرا بھائی اس دُنیا کا سب سے اچھا بندہ ہے اور تمہیں ساری دُنیا گھوم لینے کے بعد بھی کوئی اس جیسا نہیں ملے گا۔ آزمالو''۔ انابیہ مسکرائی تھی۔

''دنیا میں کوئی ایسا دل والا نہیں ہوگا جو ایک دو بار ریجیکٹ ہونے کے بعد بھی دوبارہ اسی ذوق وشوق سے لڑکی کو پروپوز کرے''۔

''بے وقوف! وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تم بہت لکی ہو''۔ انابیہ نے باور کرایا تھا۔

''آئی ڈونٹ نو''۔لامعہ نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔''مجھے نہیں پتہ کہ میں لکی ہوں بھی کہ نہیں''۔

''تم ہو لامعہ!......محبت تمہارے تعاقب میں برسوں سے ہے،تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔تم لکی ہو۔پتہ ہے، محبت کی لاجک کیا ہے؟''

''اوں، ہوں......نہیں پتہ۔تم بتادو''۔لامعہ مسکرائی تھی۔

''محبت کی لاجک یہ ہے کہ مرد عورت کی خوب صورتی سے محبت کرتا ہے اور عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے۔یوں بھی کہتے ہیں، محبت کو اپنے پیچھے آنے دو۔اس کے پیچھے مت بھاگو اور تم نے محبت کو اپنے پیچھے بھی آنے دیا اور اسے اپنے سنگ باندھ بھی لیا۔وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا''۔انابیہ نے مسکراتے ہوئے بھائی کی وکالت کی تھی۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔

''میں جانتی ہوں انابیہ!...... بہت سی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے۔میں نے اوزان سید کو، اس کی محبت کو کبھی سمجھا ہی نہیں۔کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اگر میں پہلے ہی یہ سمجھ جاتی تو آج یہ سب نہ ہوتا۔اوزان، اوزان کی محبت میرے لیے تھی۔میرے ساتھ تھی اور میں بھاگتی جا رہی تھی۔انابیہ! میں ایک بات سمجھ نہیں پائی تھی۔محبت دل میں خود گھر کرتی ہے، اس کے لیے زبردستی کام نہیں آتی۔زبردستی چھین لینے کی خواہش سے خواہشیں مرنے لگتی ہیں۔ایسا مجھے بہت دیر میں پتہ چلا۔میرے اندر کی خواہشیں بھی ایک ایک کر کے مر گئیں۔صرف خود غرضی تھی وہ۔میں غلط تھی، سو اکیلی کھڑی رہ گئی اور سچ کبھی تنہا نہیں ہوتا انابیہ! تم خوش ہونا؟''لامعہ نے پوچھا تھا اور انابیہ جواب تک خود کو یکسر بھولے بیٹھی تھی، چونک پڑی تھی۔

''میں؟......ہاں، میں......میں خوش ہوں۔بہت خوش''۔بہت پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے انابیہ؟......وہ بندہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے، یہ تم بھی جانتی ہو۔دوسروں کو محبت کی حقیقت سمجھانے والی لڑکی محبت سے اتنی خائف رہے، اچھا نہیں لگتا''۔لامعہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

انابیہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔

''عفنان علی خان تمہیں کس قدر اور کتنا چاہتا ہے انابیہ! یہ بات صرف میں ہی نہیں، پورا جہان جانتا ہے۔کس قدر پاگل ہے وہ تمہارے لیے۔پھر یہ بے یقینی کیوں؟''

''نہیں لامعہ!......بعض اوقات جو نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں۔شاید عفنان کو مجھے پانے کی ایک لگن تھی۔اگر یہ لگن پوری نہ ہوتی تو شاید وہ اب تک اسی دیوانگی سے میری تمنا کرتا رہتا۔مگر کسی شے کے حصول کے بعد، اسے پالینے کے بعد اس کی اٹریکشن ختم ہو جاتی ہے سو......''

''شٹ اَپ انابیہ!......تم عفنان کو سمجھنے میں ضرور کوئی غلطی کر رہی ہو۔خواہ مخواہ اپنی دنیا کا سکون برباد مت کرو۔تم جانتی ہو وہ تم سے محبت کرتا ہے اور بے پناہ محبت کرتا ہے۔اب یہ اِدھر اُدھر کی فضول باتیں جانے دو۔تجدیدِ وفا کی طرح تجدیدِ محبت بھی ضروری ہے۔مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اعتبار ہی اُٹھ جائے۔تم تو جان بوجھ کر آنکھیں بند کر رہی ہو۔سب جانتے ہیں اور تم بھی جانتی ہو، وہاٹس رونگ

وِڈیو؟'' لامعہ نے ڈپٹا تھا۔

دونوں دوستوں کے درمیان ویسا ہی دوستی کا ماحول تھا، جیسے کوئی دراڑ درمیان میں آئی ہی نہ ہو۔

''میں بھی ایسا سوچتی تھی لامعہ! مگر ایسا واقعی نہیں ہے...... اگر ایسا ہوتا تو میں محسوس بھی کرتی مگر......''

انابیہ نے سر ہلاتے ہوئے ایک اُلجھن میں بات ادھوری چھوڑ دی اور لامعہ سمجھ گئی، ان دونوں کے درمیان کچھ نہیں ہے اور یہ بھی کہ انابیہ ان فاصلوں کو اور بھی بڑھا رہی ہے۔

☆......☆......☆

''ماہا کی انگیج منٹ ہو جائے تو اذہان کی شادی کی طرف آ جایئے''۔ سعد حسن بخاری ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے بولے تھے۔

فارحہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں...... میں بھی یہی سوچ رہی ہوں مگر آپ کو نہیں لگتا، ماہا کی شادی پہلے ہونی چاہیے؟''

''نہیں...... وہ ابھی ایم بی اے کر رہی ہے۔ اسے کرنے دو۔ میں نے ایک بار پہلے اپنے بچوں کی خواہشوں کو کوئی امپورٹنس نہ دے کر انہیں خود سے پرے دھکیل دیا تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔ میرے بچے جو کرنا چاہیں گے انہیں ویسا کرنے کی اجازت ہوگی''۔ سعد بولے تھے اور فارحہ انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

ایک بار پھر وہی پرانا سعد ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک پل کو تو لگا ہی نہیں تھا کہ کوئی گزرا ہوا برا پل درمیان آیا بھی ہو۔ ایک لمحے نے ایک جادوئی چھڑی گھما کر جیسے سارا منظر بدل دیا تھا۔

''ایسا ہوتا ہے؟'' فارحہ سوچ رہی تھیں جب سعد بولے تھے۔

''کیا ہوا؟...... یہ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟''

''نہیں...... کچھ نہیں''۔ وہ مسکرا دی تھیں۔

''کچھ تو ہے...... بتاؤ؟''

''سوچ رہی تھی......''

''کیا......؟''

''ایک پل میں سب پہلے جیسا کیسے ہو گیا''۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی اور ایک اطمینان بھی۔

سعد چلتے ہوئے ان کے پیچھے آن رُکے تھے۔ جھک کر ان کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار پھیلایا تھا اور آئینے میں ان کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''تم میں ایک جادو ہے فارحہ!...... بس سمجھ لو، اسی جادو سے تم نے یہ سب ٹھیک کر دیا ہے''۔ سعد کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''جادو......؟'' وہ چونکی تھیں۔

''ہاں......خود سے دور نہیں جانے دیتیں۔ گیا تھا کچھ دِنوں کے لیے مگر......جی لگا نہیں''۔

فارحہ ہنس دی تھیں۔

''مذاق مت کیجئے''۔

''مذاق نہیں۔ ٹرسٹ می۔ میں واقعی نہیں رہ سکا۔ بس ایک عادت سی پڑ گئی تھی تمہاری۔ اور کچھ محبت بھی تھی۔ جو کچھ میں نے کیا وہ تو بس ایک ضد سی تھی جو مجھے ہو گئی تھی۔ لیکن میں غلط تھا اور اب اس کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے''۔ سعد نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''غلط آپ نہیں تھے سعد!......غلط شاید وقت تھا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ آپ اس طرح، اتنی دوری پر مجھ سے جا کھڑے ہوں گے اور وہ بھی کسی دوسرے کے ساتھ۔ اینی ہاؤ، اب جب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے تو اس بات کا ذکر بھی کیوں کریں''۔

''ٹھیک......تمہاری ایک بات بہت اچھی ہے فارحہ! بہت جلد معاف کر دیتی ہو تم۔ میں سوچتا ہوں، دو چار گناہ اور کر لوں''۔ سعد شرارت سے کہتے ہوئے ہنس دیئے تھے۔

فارحہ نے پہلے گھورا، پھر مسکرا دی تھیں۔

''ہماری عمر تمام ہوئی سعد!......اب تو وقت ہمارے بچوں کا ہے۔ ہمیں ان کے پرابلمز کو حل کرنا چاہیے، نا کہ اپنے پرابلمز سے انہیں اُلجھانا چاہیے۔ آپ نے نہیں دیکھی، میں نے دیکھی ہے وہ اسٹریس۔ وہ فرسٹریشن۔ بہر حال، وہ سب گزر گیا سو اب ہمیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے''۔ فارحہ نے بات سمیٹ دی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ آئی ایم ریڈی۔ میں باہر دیکھتا ہوں۔ گیسٹ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ آپ بھی تیار ہو کر آ جائیے''۔

''ٹھیک......لیکن اپنی بیٹی سے ملنا مت بھول لئے گا۔ کچھ نروس ہو گی وہ۔ پوچھ لیجئے گا اُسے''۔ فارحہ نے لبوں پر لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہا تھا۔ سعد نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''تمہاری آنٹی فارحہ کا فون آیا تھا۔ ماہا کی انگیج منٹ ہے آج۔ تم نے جانا نہیں کیا؟'' وہ بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی ہوئی تھی جب زوباریہ نے اس کے کمرے کی کھڑکی کے پردے کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں......موڈ نہیں''۔ اس نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا۔

زوباریہ نے چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر چلتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''جیا ایسے نہیں جاتا میرب!......جینا سیکھو۔ میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں''۔ زوباریہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر پلٹی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

''میں نہیں جانتی جیا کیسے جاتا ہے۔نہیں جینا آتا مجھے''۔ میرب نے سر بیڈ پر پٹخا تھا۔مائی نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا، جیسے پاپا کے اوران کے درمیان کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔

مائی جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھیں۔وہ ان پر اعتبار کرتی تھی۔ جب وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں تو یقیناً سچ یہی تھا کہ ان کی اور پاپا کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

اب باقی بچتے تھے پاپا......ان کے آنے تک اسے انتظار تو کرنا ہی تھا۔وہ ایک دن کے لیے جرمنی گئے تھےاور جب تک وہ واپس آجاتے،اسے یوں ہی سوچتے رہنا تھا۔پتہ نہیں کیا کر رہی تھی اس کے ساتھ زندگی۔

وہ اسی طرح اوندھے منہ پڑی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔اُس نے بے دھیانی سے دیکھے بغیر فون کان سے لگالیا۔

''کتنی بے مروت لڑکی ہوتم......اس دُنیا کی سب سے خودغرض لڑکی''۔سیفی نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا۔

''اوہ......سیف الرحمٰن!تم؟''اس کے ہوش ایک منٹ میں ٹھکانے آئے تھے۔

''سیف الرحمٰن کی بچی......کہاں غائب ہوتم؟......اتنی منتوں مرادوں کے بعد خدا خدا کر کے میری انگیج منٹ ہو رہی ہےاور تم غائب ہو''۔سیف نے گلہ کیا تھا۔

اتنے برے موڈ کے باوجود وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''سیفی!تم بھی نا......''

''آج واقعی میری انگیج منٹ ہونے جارہی ہے''۔

''ہاں......جانتی ہوں میں۔پتہ ہے مجھے''۔وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''پتہ ہےاور پھر بھی غائب ہو''۔

''غائب نہیں ہوں سیف!دراصل میری طبیعت خراب ہے۔زوبار یہ بھی یہی کہہ رہی تھی''۔

''تو تم نہیں آرہی ہو؟''سیف الرحمٰن کو حیرت ہوئی تھی۔

''میں آئی تو پھر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا سیفی!......میرا موڈ بہت خراب ہے''۔

''شٹ اَپ میرب!......تمہیں صرف اپنی پرواہ ہے،میری نہیں۔کیسی لڑکی ہوتم؟......ٹھیک ہے،مت آؤ۔آرام کرو۔بائے''۔

سیف الرحمٰن نے فون بند کر دیا تھا۔

میرب سیل فون ہاتھ میں لیے رہ گئی تھی۔

کیوں سمجھ نہیں رہا تھا سیفی......؟

وہ اس موڈ کے ساتھ کیسے شرکت کر سکتی تھی؟......اس موڈ کے ساتھ شرکت کرنے کا مطلب کسی اور کا موڈ بھی خراب کرتا تھا،مگر سیفی

یقیناً سمجھ نہیں رہا تھا۔ ناراض ہو گیا تھا وہ۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے منانے کی، کوشش فوری طور پر کرتی مگر اس وقت تو وہ اپنی جگہ سے نہیں اُٹھی تھی، تب ہی دوبارہ سیل فون بجا تھا۔

''ہیلو سیفی! آئی ایم سوری۔ تم......''

''ہیلو، اِٹس ناٹ سیفی۔ اذہان ہیئر۔ وہاٹ ہیپنڈ؟'' اذہان نے پوچھا تھا۔

اس نے تھکے ہوئے انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر دوبارہ بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

''ہائے اذہان!...... کیسے ہو؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے سیفی کا فون آیا تھا۔ وہ مجھے آنے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن میں نہیں آنا چاہتی''۔

''کیوں...... اب کیا ہوا؟'' اذہان نے اس کی بات سن کر مکمل رسانیت سے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں...... تم کہاں ہو اس وقت؟''

''میں اس انگیج منٹ وینیو میں ہوں۔ تم ریڈی ہو؟''

''نہیں''۔ میرب کو صاف لگا تھا اب اس کا انکار کوئی معنی نہیں رکھے گا۔ تب ہی تھکے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''تو ٹھیک ہے...... تم آدھے گھنٹے میں ریڈی ہو جاؤ۔ میں پک کر لیتا ہوں''۔

''اذہان!...... موڈ نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔ آج نہیں''۔ اس نے کمزور لہجے میں انکار کیا تھا۔

''کوئی بات نہیں...... موڈ بن جائے گا اور جب موڈ خراب ہو تو اسے ٹھیک کرنے کے لیے وہ کرنا چاہیے جس کے لیے دل نہ چاہ رہا ہو۔ ایسا کرنے سے خراب موڈ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ شاباش، تیار ہو جاؤ''۔ اذہان نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور تب میرب کے پاس کوئی اور راہ نہیں بچی تھی، ماسوائے اُٹھنے اور تیار ہونے کے۔

☆......☆......☆

گی چپ چاپ الماری کے اندر سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں ڈال رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اندر داخل ہوا تھا۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم؟''

''کچھ نہیں...... پیکنگ کر رہی ہوں۔ تمہاری ٹکٹ کنفرم ہو گئی جانے کی؟''

''نہیں...... میں نے ٹرائی نہیں کیا۔ یہ پیکنگ کس لیے؟...... خیریت؟''

''ہاں...... سب ٹھیک ہے۔ بہت اچھا لگا۔ بہت مزہ آیا۔ بہت سارا اچھا وقت گزارا میں نے یہاں اور اب واپسی''۔

''واپسی؟...... تم کہاں جا رہی ہو؟''

''واپس...... بھول گئے تھے؟ میں تو یہاں کچھ دِنوں کے لیے ہی آئی تھی''۔ گی بہت اطمینان سے مسکرائی تھی۔

''ہاں، مگر......''

''مگر کیا؟...... جب پتہ ہے تو واپسی شرط ہے۔ آئی ہوپ کہ تم اپنی اس اچھی سی دوست کو مس ضرور کرو گے۔

''شٹ اَپ گی!...... تم یہاں سے صرف اس لیے بھاگ رہی ہو کہ......''

''ہاں...... بھاگ رہی ہوں''۔ گی اپنا کام جاری رکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ''میں یہاں ایک کام سے آئی تھی گین! کام ختم اور میرا واپس جانا ضروری ہو گیا ہے''۔ گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''تم صرف اس لیے واپس جا رہی ہو کہ......''

''نہیں گین!...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے تو واپس جانا ہی تھا اور اب وہ...... وہ مقصد بھی پورا ہو گیا ہے۔ میں چلی بھی جاؤں گی مگر میں چاہتی ہوں گین! تم اپنی زندگی بہت اچھی طرح سے گزارو اور اس کے ساتھ گزارو جس کے ساتھ تم گزارنا چاہتے ہو۔ اختلافات بہت معمولی ہیں گین! بھلا دو سب کچھ۔ یہ یاد رکھو کہ کوئی ضروری ہے اور اس کے ساتھ زندگی کتنی ضروری ہے''۔ گی نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی بات پر زور دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''اچھا بولتی ہو...... تمہاری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں، مگر زندگی تمہاری خوب صورت باتوں کی طرح نہیں ہے۔ زندگی بہت الگ ہے گی!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔

''کچھ بھی الگ نہیں ہے گین! تم ایک بار قدم بڑھاؤ۔ سب ایک جیسا ہو جائے گا۔ یہ منظر بدل جائے گا۔ تم ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو''۔ گی جانے سے پہلے جیسے سب چیزوں کو ان کی جگہ پر دیکھنا چاہتی تھی۔

''یہ سب باتیں تم ہزاروں بار کہہ چکی ہو گی!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے باور کرایا تھا۔ ''میں چاہتا تھا تم یہاں رہو۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو مگر تم......'' کچھ سوچ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

گی مسکرا دی تھی۔

''یہ گھر کسی اور کا ہے گین! اور جس کا ہے اسے اس کے اندر آنے کی اجازت دو۔ میں تو تمہاری اچھی دوست ہوں۔ آتی جاتی رہوں گی، جسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے تو اس سے کیوں نظریں چرا رہے ہو؟'' گی نے بات کا رُخ ایک بار پھر اسی طرف موڑا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا، پھر قدرے توقف سے بولا تھا۔

''تم جانتی ہو گی! میں بہت پریکٹیکل قسم کا بندہ ہوں۔ زندگی کو دیکھنے کی اور برتنے کی لاجک بہت مختلف ہے میری۔ میں زندگی کو تمہاری نظر سے نہیں دیکھتا۔ تم جو باتیں کرتی ہو، دُنیا کے دو پرسنٹ لوگ بھی ان باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ تم ایک جذباتی لڑکی ہو اور میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ آئی ڈوبٹ...... زندگی ان باتوں کے سہارے آباد نہیں ہوئی۔ تم اس طرح تنہا کھڑی ہو تو اس میں قصور تمہاری اپنی سوچوں کا ہے''۔ وہ روانی سے کہہ گیا تھا۔

گی جو تیزی سے سامان رکھ رہی تھی، ایک لمحے میں اس کا ہاتھ رُک گیا تھا۔ وہ پلٹ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو گمان تک نہیں گزرا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ گیا ہے۔

''میں اگر تنہا ہوں تو اس میں قصور میری سوچوں کا نہیں ہے گین!...... ایسا طے شدہ تھا۔ میری قسمت ہے یہ...... اور میں اسے قبول کرتی ہوں''۔ وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ آنکھوں میں نمی تیرتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا اس حالت میں اتنا اسٹریس لینا اور اتنی دیر کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو خیال آیا تھا اور اس نے گی کو شانوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

''ریلیکس گی!...... سوری، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ لکھا یا طے شدہ کچھ نہیں ہے۔ ہم جو سوچ لیتے ہیں، جو کرتے ہیں اسی سے ہمارے آگے والی، آئندہ آنے والی زندگی بنتی ہے۔'' نرمی سے سمجھایا تھا۔

''بات اپنے اپنے سوچنے کی ہے گین!...... جیسا تم سوچتے ہو ویسا میں نہیں سوچتی اور جیسا میں سوچتی ہوں ویسا تم نہیں سوچتے۔ بعض اوقات کسی کو پا ہی لینا کافی ہوتا ہے اور بعض اوقات پا ہی لینا کافی نہیں ہوتا اور تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ میں تنہا ہوں بھی یا کہ نہیں۔ مگر میں تمہاری طرح سوچوں تو شاید مجھے بھی لگے کہ میں خالی ہاتھ ہوں اور تنہا ہوں مگر...... میں ایسا سوچتی ہی نہیں۔ میرے ہاتھ خالی ضرور ہیں گین! مگر میرا دل بھرا ہوا ہے اور جب دل بھرا ہوا ہو تو پھر کسی اور شے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میرے پاس آدھی ادھوری ہی سہی، محبت ضرور ہے اور میں اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوں۔ کچھ یادیں بھی ہیں اور ان کے ہونے پر بھی پُر ملال نہیں ہوں۔ میں جو بھی ہوں، جیسی بھی ہوں اپنے آپ کو قبول کرتی ہوں، اس لیے میں دوسروں کو اتنی آسانی سے قبول کر سکتی ہوں۔ شاید دوسروں کو میں بہت غلطی لگتی ہوں، مگر میں صحیح ہوں۔ یہ بات میں جانتی ہوں''۔ گی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایک پُر اعتماد، دھیمی سی مسکراہٹ۔ جیسے وہ اپنی سوچ سے ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شکست دے رہی ہو۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا، پھر گھٹنوں کے بل اس کے عین سامنے بیٹھا ہوا نرمی سے بولا تھا۔

''گی! تم غلط نہیں ہو۔ میری اتنی اچھی دوست غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا تم مجھے بھی اپنے جیسا سوچنا سکھا سکتی ہو؟'' وہ اس کا موڈ درست کرنے کو مسکرایا تھا۔ گی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''سچ میں گی! تم بہت اچھی ہو۔ اتنی اچھی کہ اگر میری زندگی میں میری اس سو کالڈ وائف کی جگہ نہ بن چکی ہوتی تو شاید میں تم سے شادی بھی کر لیتا''۔ وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔ گی کھل کر مسکرا دی تھی۔

''اس کو مانو گے تب ہی تو اسے زندگی میں جگہ دے پاؤ گے۔ ویسے مان تو تم چکے ہو۔ بس یہ اپنی انا پرستی کی دیواریں بھی گرا دو''۔

''تمہارا خیال ہے، میں اَنا پرست ہوں اور وہ جو فیمی ازم میں قید ہے، اس کو کیا کہو گی تم؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک پل میں سنجیدہ ہوا تھا۔ ''مسئلہ جہاں نہیں بھی ہوتا ان محترمہ کو خود مسئلہ کھڑا کرنا اچھا لگتا ہے، جہاں غلطی نہیں بھی ہوتی، وہاں بھی غلطیاں تلاش کرتی ہیں وہ''۔

''نہ تم یہ مین ایگوازم توڑنے کو تیار ہو نہ وہ اپنے فیمی اِزم سے باہر آنے کو تیار ہے۔ تو پھر بات کیسے بنے گی؟'' گی کو تشویش تھی۔ وہ صحیح معنوں میں ان دونوں کی خیر خواہ تھی۔

''بات اب بنے گی نہیں گی! ختم ہو گی۔ اِٹس آل ریڈی ڈن۔ بات ختم ہی ہونے جا رہی ہے۔ ان محترمہ نے آغاز کر دیا ہے بلکہ بہت دیر پہلے آغاز کر دیا تھا۔ وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہتی ہیں تو یہ رشتہ ختم ہو جائے گا۔ میں تو صرف ان کی خواہشوں کو پورا کر رہا ہوں۔ تم کس بات کی فکر رہی ہو گی؟''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا بھی گین! وہ نا سمجھی میں کر چکی ہے تو کیا تم بھی؟...... تم تو سمجھدار بنو۔ کم از کم کلیئر کرنے کی کوشش کرو''۔

''کیا کلیئر کرنے کی کوشش کروں؟...... وہ مٹا رہی ہے سب کچھ اور تم بات کرتی ہو کلیئر کرنے کی۔ کلیریفیکیشن کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ باقی بچتا ہو اور اس کے اور میرے درمیان سب ختم ہونے کو ہے اور میں اپنی صفائیاں آپ پیش نہیں کر سکتا۔ اس سب کے لیے ''معافی نامہ'' دائر نہیں کر سکتا جو میں نے کبھی کیا ہی نہیں۔ مجھے سمجھوتہ نہیں کرنا ہے اور ایسے حالات میں تو قطعاً ہی نہیں۔ اگر وہ اپنی فضول کی سوچوں میں زندہ رہنا چاہتی ہے تو رہے۔ میں اسے کسی بات کی کوئی وضاحت نہیں دوں گا''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اور انداز دوٹوک تھا۔

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا گین؟'' گی نے نرمی سے پوچھا تھا۔ ''اس کے ایسا کرنے سے...... دور جانے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟...... چلو مان لو، وہ غلط کر بھی رہی ہے، جو بھی کر رہی ہے وہ غلط کر رہی ہے مگر تم نے کیا کیا اس رشتے کو بچانے کو؟...... کوئی ایک بھی اسٹیپ لیا؟...... اگر کبھی لیا ہوتا تو آج تمہارا یہ رشتہ اس طرح ٹوٹ نہیں رہا ہوتا۔ اس بے چاری لڑکی کو سارے الزام مت دو گین! غلطیاں آپ کی بھی ہیں۔ اگر آپ بہت اچھے ہیں تو اسے غلط ثابت کیوں نہیں کر دیتے؟ وہ صرف غلط فہمیوں کا شکار ہے تو اس کی غلط فہمی دور کر دونا۔ سارا اعتبار اسی کی طرف سے کیوں؟

تم بھی تو کچھ اعتبار کر سکے ہو اس پر۔ تھوڑا اعتبار سونپ سکتے ہو اسے۔ تم اتنا کچھ اس کی طرف سے کیوں اُمید کرتے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کچھ اُمیدیں اس کی بھی ہو سکتی ہیں۔ وہ بھی تو ایسا سوچ سکتی ہے کہ پہلے تم ہاتھ بڑھاؤ، اسے تھامو، سہارا دو۔ کیا غلط چاہتی ہے وہ گین؟ لڑکیاں عجیب ہوتی ہیں گین! ان کی خواہشات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ انہیں سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ بس دل چاہیے۔ بے وقوف ہوتی ہیں کچھ۔ دل سے سوچتی ہیں۔ جو بھی کرتی ہیں دل سے کرتی ہیں۔ سو انہیں دماغ والے نہیں سمجھ سکتے''۔ گی نے میرب کا بھرپور دفاع کیا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہو تم۔ لڑکیوں میں عقل تھوڑی ہوتی ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حتمی طور پر کہا تھا۔ گی کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! کبھی سوچیں گے کہ لڑکی بھی کوئی احساس یا جذبات رکھتی ہے''۔

''میں لبرل ہوں گی! میرے لیے لڑکی یا لڑکے سے فرق نہیں پڑتا۔ مرد ہو یا عورت، اپنی غلطیوں کو ماننا چاہیے''۔

''تم مانتے ہو؟'' گی اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا سمجھے کہا تھا۔

''گین! غلطیاں تو تم سے بھی ہوئی ہیں۔ پھر سارا الزام اسی پر کیوں؟ ٹھیک ہے، اگر آپ اسے کچھ نہیں بتا سکتے تو میں بتا دیتی ہوں''۔ بہت اطمینان سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چونک پڑا تھا۔

''کیا بتاؤ گی تم اُسے؟''

''سب''۔ گی کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

''سب کیا؟'' گی کے کہنے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''گی! میں تم سے یہ بچوں جیسی باتوں کی اُمید نہیں کرتا۔ کم از کم تم تو اس طرح کی باتیں نہ کرو''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

''یہ بچوں جیسی باتیں نہیں ہیں گین!''

''پھر بھی تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی''۔ حکم جاری ہوا تھا۔

''تو پھر تم کیا کہو گے؟'' گی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ اُٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

بہت ہی گہما گہمی ہو رہی تھی......لوگ تھے......ہجوم تھا......مگر وہ اس بھیڑ میں بھی تنہا ہی کھڑی تھی۔ اپنے ہی دھیان میں۔ اِدھر اُدھر کی کچھ پرواہ تھی نہ فکر۔

اذہان اُسے یہاں لے ہی آیا تھا مگر یہاں کے ماحول نے موڈ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا تھا۔ اس کا موڈ جوں کا توں تھا۔

''کیا ہوا؟......آپ چپ چاپ کیوں کھڑی ہیں؟'' ایک دوستانہ لہجہ اس کے قریب ہی اُبھرا تھا۔

میرب نے چونک کر سر اُٹھایا تھا۔ سامنے بلیو شیفون کی ایمبرائیڈڈ ساڑھی میں نازک سی لڑکی کھڑی تھی۔ میرب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''ساہیہ؟'' میرب نے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

''اب پوچھیے میں نے آپ کو کیسے پہچانا؟''

میرب اس کی بات پر بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ تب ہی وہ مسکراتی ہوئی اسی شگفتگی سے بولی تھی۔

''دنیا کی سب سے اچھی اور خوب صورت لڑکی کو پہچاننا کچھ اتنا مشکل بھی نہیں''۔ ساہیہ کے لبوں پر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔

میرب کے لیے مسکرانا ضروری ہو گیا تھا۔

''ہاں......میں ہی میرب ہوں۔ میرے لیے بھی تمہیں پہچاننا مشکل نہیں رہا۔ میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی''۔

ساہیہ ہنس دی تھی۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے بارے میں کافی اچھا سوچتے ہیں لیکن آپ اس قدر چپ کیوں کھڑی تھیں؟'' ساہیہ نے پوچھا تھا۔

''نہیں...... میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں تو آنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر سیفی نے بہت ضد کی۔ سو آنا پڑا۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ میں اس کی بات نہیں ٹال سکتی۔ سو چلی آئی''۔ میرب نے ایک مروت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''اینی ہاؤ۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی''۔ ساہیہ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

''تم سے مل کر بھی بہت خوشی ہوئی۔ تمہارے بارے میں اذہان سے بہت سنا تھا۔ دیکھا تو پتہ چلا، اذہان غلط نہیں تھا''۔ میرب مسکرا دی تھی۔

''ارے آپ اس کی باتوں پر یقین کرتی ہیں؟...... اُسے تو عادت ہے بے پر کی اُڑانے کی۔ لیکن اس نے آپ کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا''۔ ساہیہ اپنے شگفتہ سے انداز میں مسکرائی تھی۔ ''ارے، آپ کھڑی کیوں ہیں؟...... آپ کی تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ آپ پلیز، بیٹھ جایئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں منگنی کی پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ آپ سیفی سے ملنا چاہیں گی، اس لیے آپ یہاں قریب ہی بیٹھیئے''۔ ساہیہ نے ایک قریب پڑی چیئر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

میرب کو ہجوم سے یوں بھی اُلجھن سی ہو رہی تھی۔ عجیب مردہ سا دل ہو رہا تھا، تب ہی اس نے فوراً سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... میں یہیں ٹھیک ہوں''۔

''آپ کی سگی خالہ کا گھر ہے اور آپ پھر بھی اتنی فارمل ہو رہی ہیں''۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہے۔ اس گھر میں بھاگتے دوڑتے بڑی ہوئی ہوں میں۔ پھر یہ گھر میرے لیے نیا کیسے ہو سکتا ہے؟'' میرب پُر اعتماد انداز میں گویا ہوئی تھی۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں...... میں تو بھول ہی گئی تھی''۔

''کیا؟'' میرب چونکی تھی۔

''یہی کہ آپ اس گھر کی بہت پیاری سی بیٹی ہے۔ فارحہ آنٹی واقعی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں''۔ ساہیہ کا انداز شفاف تھا۔

''ہاں...... ایسا ہی ہے۔ اذہان بہت لکی ہے اسے تم جیسی لڑکی ملی''۔

ساہیہ ہنس دی تھی۔

''اس سے پوچھ کر دیکھیئے گا۔ اسے لگے گا میں لکی ہوں جسے اس جیسا لڑکا ملا۔ آپ کو پتہ ہے کتنی بار میں نے اس سے آپ سے ملوانے کو کہا مگر وہ ہر بار ٹال گیا۔ مجھے تو لگا وہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ میں آپ سے ملوں''۔ ساہیہ مسکرائی تھی۔ اس کے انداز میں کہیں کوئی طنز نہیں تھا۔ کوئی تجسس بھی نہیں تھا۔

میرب کے دل میں بھی کہیں کوئی چور نہیں تھا۔سو اعتماد سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔

ماضی میں اذہان کے ساتھ اس کا کوئی بھی رشتہ رہا ہو، اب اس کی کوئی حقیقت نہیں رہی تھی اور ایسا میرب کا دل جانتا تھا مگر شاید ساہیہ کہیں اس حقیقت سے بے خبر تھی۔شاید اس کی یادداشت کے کسی کونے میں اب بھی وہ رشتہ زندہ تھا اور میرب اس بات کی حقیقت پا گئی تھی۔تب ہی بہت نرمی سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں......صرف محبت تلاش کر رہی ہوں، جو اذہان تم سے کرتا ہے اور تم اذہان سے کرتی ہو''۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''تو پھر کیا نظر آیا آپ کو؟'' ساہیہ نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''محبت''۔میرب دھیمے سے لہجے میں بولی تھی۔

''محبت؟'' ساہیہ چونکی تھی۔

''ہاں، محبت۔محبت زندگی میں کئی زاویے بدل کر آتی ہے ساہیہ! کئی رنگوں میں نظر آتی ہے اور ہر بار رنگ نیا ہوتا ہے۔اذہان نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو مگر اس کی زندگی میں تم بہت اہم ہو......ہم سب کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ہمارے لیے بہت اہم ہوتا ہے، جیسے میرے لیے کوئی اہم ہے۔اتنا کہ میں اس کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔وہ میرا شوہر ہے۔میری دُنیا اس کے گرد گھوم رہی ہے۔آج وہ یہ بات نہیں سمجھ رہا مگر ایک دن ضرور سمجھ جائے گا۔ایسے ہی اذہان کی دُنیا میں تم ہو''۔میرب نے ایک لمحہ ہاتھ میں آتے ہی ساہیہ کی سوچ کا رُخ بدل دیا تھا۔

ساہیہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔جب اذہان وہاں ان کے درمیان آن رُکا تھا۔

''یہ تم دونوں خواتین کیا سازش کر رہی ہو؟''

''کچھ خاص نہیں۔ہم بس آپ کی برائیاں کر رہے تھے۔'' ساہیہ مسکرائی تھی۔

''اوہ، آئی سی۔میرب! تم بھی اس کے ساتھ مل گئیں۔کم از کم مجھے تم سے ایسی اُمید نہیں تھی''۔اذہان نے شکوہ کیا تھا۔

''نہیں...... میں صرف اپنے شوہر کی برائیاں کر رہی تھی''۔میرب نے مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔لمحہ بھر کو آنکھیں کچھ بجھی تھیں۔

''چلو......منگنی پارٹی شروع ہو رہی ہے۔باقی کی برائیاں آپ دونوں خواتین کسی اور وقت کر سکتی ہیں۔فی الحال یہ کام بھی اہم ہے''۔اذہان بولا تھا اور ساہیہ مسکراتی ہوئی میرب کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''ممی کا فون آیا تھا صبح۔ اوزی کے لیے لامعہ کا ہاتھ مانگنے جانا ہے۔ آج شام آپ جلدی آیئے گا تو ہم چلیں گے''۔ صبح کی معمول کی روٹین کے ساتھ انابیہ نے اطلاع دی تھی۔

عفنان نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اسے ایک نگاہِ غلط انداز سے دیکھا تھا۔ وہ الماری کا پٹ کھولے غالباً اس کے لیے میچنگ کی ٹائی نکال رہی تھی۔ سب کچھ تھا مگر درمیان کی وہ سرد مہری بدستور پھر بھی قائم تھی، وہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ عفنان اس کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ایک اجنبی پن برقرار تھا تو کیوں تھا؟

''اگر آپ کے پاس وقت نہ ہو تو بتا دیجئے...... میں چلی جاؤں گی''۔ خالصتاً بیویوں جیسا انداز تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے خدوخال میں ڈھل رہی تھی۔ اجنبی بننے کے باوجود مکمل طور پر اجنبی ہو نہیں پا رہی تھی۔ ایک ٹائی برآمد کر کے پلٹی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے؟'' ٹائی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

عفنان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''دوستی ہو گئی؟'' ٹائی تھامتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا جیسے وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کس کی بابت دریافت کر رہا تھا۔

وہ قریب تھی۔

ایک خواہش اندر اُبھری تھی۔

اسے تھام کر قریب کر لینے کو دل چاہا تھا۔

مگر وہ ہاتھ صرف ٹائی تھام کر بے خبر ہو گیا تھا۔

''آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' انابیہ نے پلٹ کر الماری بند کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''خوشی کی بات ہے؟'' انداز میں ایک خفیف سا طنز تھا۔

انابیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''خوشی کی بات تو ہے۔ دلوں میں میل رکھنا اچھی بات تو نہیں''۔ اطلاع دی تھی۔

''اچھا...... یہ بات آپ کہہ رہی ہیں؟'' عفنان علی خان نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''ہاں...... میں ہی کہہ رہی ہوں''۔ اس کی کوئی پرواہ کیے بنا وہ بولی تھی۔

''میں نے کبھی کسی کے لیے میل دل میں نہیں رکھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟'' اس کے طنز کو محسوس کرتے ہوئے وضاحت دے کر پوچھا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر شانے اُچکا دیئے تھے۔

"آپ کا اشارہ پھر میری طرف کیوں ہوا؟" انابیہ نے نشاندہی کی تھی۔

"میں نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ آپ تو چور کی داڑھی میں تنکے والی بات کر رہی ہیں"۔ وہ بڑے اطمینان سے پرفیوم اسپرے کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

انابیہ کی حیرت کی حد رہ گئی تھی۔

"کیا؟...... میں سمجھی آپ ڈھکے چھپے انداز میں طنز فرما رہے ہیں۔ آپ تو کھلے عام الزامات لگا رہے ہیں"۔

"لو...... ہوگئی شروع جنگ دوئم"۔ وہ اُکتا کر بولا تھا۔

"آپ منہ ہی منہ میں بڑبڑ کیا کر رہے ہیں؟...... کچھ سنانا ہے تو اونچی آواز میں سنا دیجئے"۔

انابیہ نے کمبل تہہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ نہیں سنانا مجھے آپ کو۔ سنایا وہاں جاتا ہے جہاں کوئی اثر بھی ہو۔ یہاں کچھ کہنا، نہ کہنا بے کار ہے"۔ بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

انابیہ اس قطعی انداز پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سوٹڈ بوٹڈ وہ شخص ایک پل میں بہت پرایا لگا تھا۔ جیسے اس کے اور انابیہ کے بیچ کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ انابیہ کو ایک لمحے میں اپنا آپ بہت خالی لگا تھا۔ ہاتھوں کی گرفت کمبل پر کمزور پڑی تھی۔ اس نے کمبل وہیں چھوڑ دیا تھا اور چلتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر باہر نکل جانا چاہا تھا۔ تب ہی عفنان علی خان نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا تھا مگر عفنان کے لبوں پر چپ تھی۔

"بیویوں والے سارے تیور آتے جا رہے ہیں آپ میں"۔ لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لیے وہ بولا تھا۔

"یہی بتانے کے لیے آپ نے راستہ روکا ہے؟" وہ نظریں پھیرتی ہوئی بولی تھی۔

"راستہ کہاں روکا ہے؟...... میں نے ہاتھ تھاما ہے۔ ہاتھ تھامنے والے ساتھ چلتے ہیں، راہ کی رکاوٹ نہیں بنتے، اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کے راستے کی کوئی رکاوٹ ہوں تو ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ جائیے۔ اَپ ٹو یو"۔ بہت بامعنی بات بہت ہی سرسری انداز میں کہتے ہوئے عفنان علی خان نے دھیان اس کی طرف سے ہٹایا تھا اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ کو بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔

انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

ایک پل میں اس شخص نے ساری بات ختم کر دی تھی۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ جو باتیں اس کے لیے بہت معمولی تھیں وہ انابیہ کے لیے غیر معمولی بھی ہو سکتی تھیں۔ وہ پلٹ کر اس ہاتھ کو تھام نہیں سکتی تھی۔ وہ ہاتھ خود اس نے چھڑا لیا تھا اور وہ...... وہ تو اب تک اس کے ساتھ صرف اپنی مرضی سے تھی۔ اس شخص کی مرضی اس میں کہیں نہ تھی۔

یعنی اس کا یہاں رہنا یا نہ رہنا صرف اس کا فیصلہ تھا۔ اس شخص کو اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ کوئی فرق پڑتا ہی نہ تھا۔ وہ چلتی

ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

عفنان علی خان نے اسے خود سے دور جاتے ہوئے دیکھا تھا۔اس کے اور اپنے درمیان فاصلے بڑھتے دکھائی دیئے تھے۔پہلے سے بھی کہیں زیادہ۔اس تعلق کا انجام کیا ہونا تھا؟ وہ نہیں سمجھ سکا تھا۔

☆......☆......☆

زوباریہ نے بتایا تھا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے۔

وہ سمجھی شاید ساہیہ ہوگی۔وہ نیچے آئی تھی مگر وہاں گی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''آپ؟''

گی بہت اطمینان سے مسکرادی تھی۔

''کیسی ہو تم؟......مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے؟''

''ٹھیک ہوں......مائی سے صبح بات ہوئی تھی۔بتا رہی تھیں آپ واپس جا رہی ہیں''۔میرب نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔گی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں......مائی نے تمہیں ٹھیک بتایا۔میں واقعی واپس جا رہی ہوں''۔

''مگر کیوں؟......گین نے روکا نہیں آپ کو؟''میرب نے پوچھا تھا۔گی اس جملے کا مفہوم اچھی طرح سے سمجھتی تھی،تب ہی بولی تھی۔

''ہاں،گین نے روکا مجھے۔جانے سے منع بھی کیا مگر......میں واپس جانا چاہتی ہوں''۔

''کیوں؟''میرب نے دریافت کیا تھا۔

''کیوں سے کیا مطلب؟......آف کورس،مجھے واپس جانا ہی ہے۔گین نے شاید تمہیں بتایا نہیں،میں یہاں ایک ضروری کام سے آئی تھی۔وہ کام پورا ہو گیا اب واپسی کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں بچا۔یوں بھی کوئی کتنی دیر کہیں رہ سکتا ہے؟......میں یہاں صرف ایک گیسٹ تھی۔گین بہت اچھا ہے۔بہت خیال رکھا اس نے میرا۔بہت ساتھ دیا۔بہت اچھا دوست ہے وہ میرا۔ان فیکٹ اس نے یہ ثابت بھی کر دیا۔میں بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہتی تھی مگر نکلنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔آج ساری پیکنگ مکمل ہوئی تو فوراً تمہاری طرف چلی آئی۔میرب!میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی''۔

''آپ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہیں؟......اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری چاہتے ہیں،آپ رُکیں تو آپ رُک جائیں''۔میرب نے مشورہ دیا تھا۔''آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی تھی؟ کوئی ضروری کام؟''اس کا انداز بہت اُلجھا اُلجھا اور عجیب سا تھا جیسے وہ گی کو فیس نہیں کر پا رہی تھی۔گین کی مکمل توجہ کا مرکز تھی وہ۔پھر وہ کیوں چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے جب کہ اب اس کا اور گین کا رشتہ بھی تقریباً اختتام پر تھا۔

گی اس کے سامنے بہت پُر اعتماد انداز سے بیٹھی تھی۔اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا،مگر میرب کے اندر کہیں بھی سکون نہیں تھا۔

''تم پریشان لگ رہی ہو......کیا ہوا؟'' گی اس کی طرف سے متفکر ہوئی تھی۔

میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں......اگر گین چاہتا ہے آپ رُک جائیں تو آپ کو رُک جانا چاہیے۔یوں بھی آپ کی حالت ایسی نہیں کہ آپ سفر کر سکتیں......بچے کی ڈلیوری تک تو آپ کو رُکنا چاہیے''۔میرب نے مشورہ دیا تھا۔

''نہیں۔میں ٹھیک ہوں اور ابھی تو بہت سا عرصہ پڑا ہے،تم میری فکر نہ کرو۔میں اپنی کیئر خود کر سکتی ہوں''۔گی نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور میرب کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت نرمی سے رکھا تھا۔

''آپ کو مجھ سے کیا بات کرنا تھی؟''میرب نے پوچھا تھا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟'' گی نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں''۔میرب نے کہا تھا پھر اس کی طرف سے اپنا دھیان پھیر گئی تھی۔''میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گی؟......آپ نے میرا کیا بگاڑا ہے؟''لبوں پر ایک طنز بھری مسکراہٹ بھی تھی جیسے وہ کسی اور سے نہیں،اپنی قسمت سے خائف ہو۔

''گی!میں کسی اور سے نہیں،شاید اپنی قسمت سے یا پھر اپنے آپ سے خفا ہوں......مجھے نہ تو گین سے کوئی گلہ ہے نہ کسی اور سے''۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میرب!میں اس تمام بگاڑ کی وجہ ہوں؟'' گی جیسے آج سارے معاملات سلجھا دینے کی غرض سے آئی تھی۔

''نہیں......میں ایسا کچھ نہیں سمجھتی۔میں نے کہا نا،مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں لیکن آپ گین کو تنہا کیوں چھوڑ رہی ہیں؟......گین کو جب آپ کی ضرورت ہے۔بچے کی ضرورت ہے تو''۔میرب بولی تھی اور گی مسکرا دی تھی۔

''میں جانتی ہوں میرب!تم بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مجھ سے یا اس بچے سے کوئی واسطہ نہیں''۔

میرب نے سر اُٹھا کر گی کی طرف دیکھا تھا۔

''اگر آپ گین کو چھوڑ کر جانا چاہتی ہیں تو......لیکن آپ اپنے بچے......آئی مین اس بچے کو اس کے حق سے محروم کیوں کر رہی ہیں؟......گین کی ذمہ داری ہے یہ۔آپ کو اس کی تمام تر ذمہ داری اسی کے حوالے کر دینی چاہیے''۔

''نہیں......تم غلط سمجھ رہی ہو میرب!میں نے جو کہا،وہ تم نے سنا نہیں۔میں نے کہا گین میرے بچے کا باپ نہیں ہے۔گین صرف میرا اچھا دوست ہے۔اس نے میری مدد کی اور یہی اس سے بھی غلط ہوا اور مجھ سے بھی''۔

''کیا......؟''میرب چونکی تھی۔

''ہاں......گین تمہیں کبھی یہ سب نہیں بتا سکا،کیونکہ تم یہ سب جاننا چاہتی ہی نہیں تھیں۔تم نے اپنے طور پر سب کچھ اخذ کر لیا تھا اور اسی کو سچ مانتے رہنا چاہتی تھیں۔سو تمہیں کبھی سچ پتہ بھی نہیں چل سکا''۔

''سچ......سچ کیا تھا؟......آپ یہاں گین کے پاس آئی تھیں۔آپ دونوں اس بچے کو لے کر باتیں کر رہے تھے۔اور......''

''اور ضروری تو نہیں تھا کہ وہ ذمے دار تھا، اس لیے میں اس سے اس بچے کے متعلق باتیں کر رہی تھی''۔ گی نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''گی! تم فضول کی وضاحتیں کیوں دے رہی ہو؟...... اگر کچھ ایسا ہوتا تو گین کچھ خود کہتا مجھ سے''۔ میرب نے ایک لمحے میں سب کچھ جھٹلا دیا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو گی میرب! وہ تمہارا شوہر ہے۔ مگر وہ بہت سی باتوں کی وضاحت نہیں دیتا۔ کچھ میں بھی سمجھتی ہوں اسے۔ وہ چاہتا ہے دوسرے اس پر اپنے طور پر اعتبار کریں۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہتا اور تمہارے معاملے میں تو یوں بھی...... اُس کا دل انوالو تھا''۔

''دل......؟'' میرب چونکی تھی۔ ''لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری سے محبت تو آپ کرتی تھی نا۔ کیا یہ بھی غلط سمجھی میں؟'' میرب بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

گی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم ٹھیک سمجھی۔ میں محبت کرتی تھی گین سے۔ پتہ نہیں کب سے...... کس طرح سے...... مگر وہ میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ میں اس سے تب ملی تھی جب تم اس کی زندگی میں نہیں آئی تھیں۔ ہم بہت کم عرصے کے لیے ملے تھے مگر گین کی محبت کے رنگ بہت گہرے تھے۔ میں اسے کبھی نہیں بتا سکی۔ وہ چلا گیا۔ پھر بات نہیں ہوئی۔ میں نیویارک میں تھی جب وہ تمہارے ساتھ دکھائی دیا مگر تب اس نے نہیں بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ میرب! میں اس سے آج بھی محبت کرتی ہوں مگر میں جانتی ہوں وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ زندگی میں ایسا ہوتا ہے جو آپ کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔ آپ اس کے لیے کچھ نہیں ہوتے۔ گین میرے زاویے سے دیکھنے پر میرا سب کچھ تھا مگر...... جہاں گین کھڑا تھا۔ اس کے زاویے سے اس کے لیے میں بالکل اہم نہیں تھی، اگر میں غیر اہم تھی تو سوچو، کوئی تو اہم ہو گا اس کے لیے''۔ گی نے سمجھایا تھا۔

میرب تب ہی بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''تو کون ہے بھلا؟''

گی مسکرا دی تھی۔

''میرب! تم بہت سوچتی ہو۔ یہی سب مسائل کی وجہ ہے''۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میرب بولی تھی۔

''میں آپ کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں میرب! آپ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس شادی کو توڑنا چاہتی ہیں آپ؟'' گی نے پوچھا تھا۔

''یہ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' میرب بولی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری سمجھتا ہے تم ایسا چاہتی ہو۔ تم دونوں کسی دن بات کر کے آپس کی غلط فہمیاں دور کیوں نہیں کر لیتے؟''

گی کی باتوں سے کسی قدر دل کو اطمینان ہوا تھا مگر اس سے ملنے میں، بات کرنے میں اب بھی انا کتنی حائل تھی۔ یہ وہ گی کو نہیں بتا سکی تھی۔

''میں نے اس رشتے کو توڑنا کبھی نہیں چاہا تھا''۔ وہ بڑبڑائی تھی۔

گی نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر آہستگی سے بولی تھی۔

''میرب! تم جانتی ہو وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے؟''

''کیا؟'' میرب کو شدید ترین حیرت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا، مگر گی اسی قدر اطمینان سے بولتی رہی تھی۔

''تمہیں خبر نہیں میرب! مگر تم اس کی زندگی میں بہت اہم ہو۔ اتنی کہ اس کی ساری سوچیں تم ہی سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے میرب! بے حد...... بے حساب...... مگر وہ تمہیں کبھی کہہ نہیں پائے گا''۔ گی بول رہی تھی اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ایسا آپ کو گین نے بتایا؟''

''یقین نہ ہوا تھا جو سنا تھا۔ گی ضرور صرف ان کے درمیان مفاہمت کرانے کو آئی تھی۔ ان کے درمیان ٹوٹتے رشتے کو بچانے آئی تھی۔

میرب نے سوچ کر اسے دیکھا تھا۔

گی کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ میرب کیا سوچ رہی ہے تب ہی وہ بولی تھی۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟''

''نہیں...... ایسا نہیں ہے''۔ میرب سر جھکا کر اپنے ہاتھ پھیلا کر دیکھنے لگی۔

''میرب! اگر تم بھی ایسا چاہتی ہو جیسا کہ گین چاہتا ہے تو پھر تم دونوں یہ سب کیوں ہونے دے رہے ہو؟...... تم دونوں میں سے کسی ایک کو تو اس سب کو ہونے سے روکنا ہوگا۔ تمہیں سوچنا ہے میرب! تمہیں اس رشتے کو بچانا ہے یا یوں ہی وقت گنوانا ہے۔ تم چاہو تو مجھ پر اعتبار مت کرو، مگر اپنے دل کی تو سن سکتی ہو نا تم۔ میں نے گین سے بھی بات کی تھی۔ اسے بھی بہت سمجھایا مگر انا بہت بری شے ہے میرب! کبھی تم دونوں نے سوچا ہے کہ انا کے اندر قید رہنا تم دونوں کو کیا دے گا؟...... میں تم دونوں کی خیر خواہ ہوں۔ پل دو پل کو سمجھا کر چلی جاؤں گی۔ میں تم دونوں کی زندگی کا حصہ نہیں ہوں لیکن تم دونوں اپنی زندگیوں کے ساتھ مت کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے کسی ایک کو آگے قدم بڑھانا ہوگا۔ کسی ایک کو تو پہل کرنا ہوگی''۔ گی سمجھانے کی حتیٰ الامکان کوشش کر رہی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اگر کچھ کیا ہی نہیں تو پھر وضاحت کیوں نہیں دے سکتا؟...... ایک بار آ کر مجھے بتا تو سکتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں جو سمجھی وہ میری غلط فہمی تھی مگر وہ تو ایک بار بھی یہ کہنے کو تیار نہیں کہ اس کی زندگی میں کہیں میری ضرورت باقی ہے اور

آپ...... آپ بھی تو اب آئی ہیں۔ پہلے تو کبھی آپ نے ایسا کچھ بتانے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ میں اس گھر میں بھی تھی تب بھی آپ نے ایسا کچھ نہیں بتایا۔ پھر اب اچانک ایسا کیا ہو گیا کہ آپ سب باتوں کی وضاحتیں دینے چلی آئیں؟'' میرب نے کہا تھا۔

گی کچھ لمحوں تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی بولی تھی۔

''میرب! محبت اور زندگی کو بہت زیادہ تو نہیں جانتی میں، مگر اتنا جانتی ہوں، کوئی بات اگر کہنے کی ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے۔ یہ بات میں نے گین کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ پتہ نہیں وہ بھی سمجھا کہ نہیں؟ محبت بہت عجیب شے ہے۔ آزما کر دیکھو تم بھی۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ تم دونوں میں سے کبھی کوئی پچھتائے۔ کیونکہ کسی شے کو کھو کر جینا کیا ہوتا ہے۔ یہ بات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں''۔

''آپ کو لگتا ہے پہل مجھے کرنی ہوگی؟ اور اگر گین نے میرے اس اسٹیپ کو رد کر دیا تو...... پھر کون ذمے دار ہوگا؟ ضروری تو نہیں آپ کی سوچ رائٹ ہو۔ آپ نے صرف سوچا کہ گین کو مجھ سے محبت ہے۔ گین نے ایسا کہا تو نہیں۔ اگر میں صرف اس مفروضے پر آگے بڑھتی ہوں تو ایسا نہ ہو میں یا میری انا ہرٹ ہو۔ گین کو جہاں تک میں جانتی ہوں، وہ بندہ بہت اَنا پرست ہے۔ اپنی اَنا کی تسکین کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے''۔

''تم گین سے اتنی خائف ہو؟'' گی کو حیرت ہوئی تھی۔ دھیمی سی مسکان لبوں پر سجائے اس نے دریافت کیا تھا۔

میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''خائف نہیں ہوں...... میں جتنا اسے جانتی ہوں، اس کی بات کر رہی ہوں''۔

''ٹھیک ہے...... تم سوچ لو، تمہیں کیا کرنا ہے۔ ایک رشتہ اپنے اختتام پر تو ہے۔ تم دونوں اگر اپنی اپنی جگہ اسی طرح کھڑے رہے تو اور کیا ہوگا؟ تم دونوں یہ بات سمجھ سکتے ہو۔ میں چلتی ہوں''۔ گی اُٹھی تھی۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔

سوچیں اتنی ہی تھیں کہ وہ اُلجھتی چلی گئی تھی۔

کسی اور طرف نہ دیکھنے کا ٹائم ملا تھا اور نہ کچھ سوچنے کا...... وہ اپنے آپ سے اُلجھتی ہوئی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ نہ گی کا شکریہ ادا کیا تھا، نہ اسے خدا حافظ کہا تھا، نہ اُٹھی تھی، نہ دروازے تک چھوڑنے گئی تھی۔

''تمہیں خبر نہیں میرب! مگر تم اس کی زندگی میں بہت اہم ہو۔ اتنی کہ اس کی ساری سوچیں تم ہی سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے میرب!...... بے حد...... بے حساب...... مگر وہ تمہیں کبھی کہہ نہیں پائے گا''۔

گی کی آواز اس کے اندر باہر گونج رہی تھی۔

صرف قیاس تھا یا یقین......؟

صرف سوچیں تھیں یا سچ میں ایسا تھا؟...... میرب سمجھ نہیں پائی تھی۔

سب بے طرح اُلجھاد کھائی دیا تھا۔

اُس کی زندگی......سردار سبکتگین حیدر لغاری......اور وہ خود......کچھ بھی سلجھا ہوا نہ تھا۔

'کوئی بات اگر کہنے کی ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے'۔

گی کی آواز اُس کے گرد گونج رہی تھی۔

وہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ جب ایک دردناک چیخ سنائی دی تھی۔ میرب چونکی تھی۔

''میرب!......گی کو دیکھو، کیا ہو گیا؟'' زوباریہ کی آواز آئی تھی۔ وہ سرعت سے اُٹھی تھی۔ بھاگتی ہوئی زوباریہ کی آواز کی طرف پہنچی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ!......یہ کیا ہو گیا......؟'' میرب کی جان ایک پل میں فنا ہونے کو تھی۔

''گی!......تمہیں کچھ نہیں ہو گا گی......!''

گی درد سے تڑپ رہی تھی جب اس نے اسے تسلی دی تھی مگر گی دوسرے ہی پل آنکھیں موند گئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔ گی کا پاؤں پتہ نہیں کیسے اسٹیئرز سے پھسلا تھا مگر اس وقت وہ بہت تکلیف میں تھی۔

زوباریہ کے ساتھ مل کر اُس نے اسے ہسپتال پہنچایا تھا۔

پتہ نہیں اب کیا ہونا تھا مگر میرب کا دل بہت ڈر رہا تھا۔

اُس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی فون کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہسپتال میں تھا۔

''کیسے ہوا یہ سب......؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پوچھا تھا۔

میرب کو لگا تھا اس سب کا ذمے دار اب اُسے ہی ٹھہرائے گا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر گی اور اس کے بچے کی تھی۔

''گی مجھ سے ملنے آئی تھی۔ واپسی پر جب وہ جا رہی تھی اس کا پاؤں اسٹینڈ سے جانے کیسے پھسل گیا اور وہ......!''

''یہ گی بھی نا......میں نے اسے منع کیا تھا مگر وہ......'' الزام براہِ راست اس پر تو نہیں لگایا گیا تھا مگر اس کا انداز ایسا ہی تھا کہ قصور کی ساری وجہ وہی دکھائی دی تھی۔

وہ ہسپتال لاؤنج میں جیسے اپنا کوئی نیا جرم سنائے جانے کی منتظر کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......آپ اس طرح گم صم سی کیوں کھڑی ہیں؟'' ساہیہ نے اگینے کو کھڑے دیکھ کر پوچھا تھا۔

اگینے نے کچھ بھی کہے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ پریشان ہیں کچھ؟'' ساہیہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں......ایسی بات نہیں ہے''۔

''تو پھر؟''

''فیض نے مجھے پرو پوز کیا ہے''۔ مدھم لہجے میں بتایا تھا۔

''واؤ...... اِٹس اے گریٹ نیوز۔ وائے آر یو سو سیڈ دین؟''

''نہیں...... میں سیڈ نہیں ہوں''۔

''تو پھر؟'' ساہیہ نے اگینے کی طرف دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ اگینے بے طرح اُلجھی دکھائی دی تھی۔

ساہیہ نے اس کے شولڈر پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

''زندگی سلجھ رہی ہے تو اسے سلجھنے دیں۔ آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟''

اگینے کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''ممی پاپا کو بتایا آپ نے؟'' ساہیہ نے پوچھا تھا۔

''نہیں''۔

''کیوں نہیں بتایا؟...... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آپ کو بتانا چاہیے''۔

''ہاں، مگر......'' اگینے کچھ تذبذب کا شکار نظر آئی تھی۔

''آپ پریشان ہیں نا؟'' ساہیہ کسی نتیجے پر پہنچتی ہوئی بولی تھی۔

''فیض چاچو بہت اچھے ہیں پھپھو! مجھے یقین ہے وہ آپ کو بہت خوش رکھیں گے۔ آپ کو اس پرو پوزل کو قبول کر لینا چاہیے۔ فیض چاچو اِز اے نائس گائے...... اینڈ ہی اِز ہینڈسم ٹو...... آپ کو تو خوش ہونا چاہیے، ایک موسٹ ایلی جبل بیچلر آپ کو پرو پوز کر رہا ہے''۔ مذاق میں چھیڑا تھا۔

اس کی کوشش کامیاب رہی تھی۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

''مذاق ایک طرف پھپھو! لیکن فیض چاچو واقعی بہت اچھے ہیں۔ مجھے لگتا ہے وہ آپ کو بہت خوش رکھیں گے''۔ ساہیہ پُر یقین لہجے میں بولی تھی۔ اگینے بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔

''میری بات چھوڑو۔ اپنی بتاؤ۔ تم دونوں کب شادی کر رہے ہو؟''

''ہماری باری تو بعد میں آئے گی۔ پہلے آپ بڑے تو کر لیں''۔ ساہیہ نے بات مذاق میں ٹال دی تھی۔ دونوں ہنس پڑی تھیں۔

''میں آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں''۔ ساہیہ اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ اگینے دوبارہ اسی نہج پر سوچنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

گی کا بے بی ابارٹ ہو گیا تھا لیکن اس کی جان بچ گئی تھی۔

سردار سبکتگین کا تو پتہ نہیں مگر میرب اس سب کے لیے خود کو ذمہ دار سمجھ رہی تھی۔ اس کے مس کیرج کی وجہ اس کو وہ خود لگی تھی۔ بہت مجرمانہ سے انداز میں وہ سر جھکائے گی کے پاس آئی تھی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''آئی ایم سوری گی!...... یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اگر تم میرے پاس نہیں آتیں تو شاید آج تمہارا مس کیرج نہیں ہوتا''۔

''ایسا مت سوچو میرب! میں ایسا نہیں سوچتی۔ یہ سب بھی طے تھا۔ بہت سی نہ ہونے والی اور ہونے والی باتوں کی طرح یہ بھی طے تھا سو ہو گیا۔ میری قسمت میں یہ خوشی بھی نہیں تھی۔ سو میں ماں بھی نہیں بن سکی لیکن اس سب کی ذمہ دار تم نہیں ہو''۔ گی بہت نرمی سے بولی تھی۔

میرب وضاحت میں مزید کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''تم نے ایسا کیوں سوچا؟...... گین نے تمہیں ایسا کچھ کہا؟''

''نہیں...... مگر میں جانتی ہوں''۔ سر جھکائے وہ مجرمانہ انداز میں بولی تھی۔

''کیا جانتی ہو؟''

''یہی کہ غلطی میری ہے''۔

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ میرب! غلطی تمہاری کہاں ہے؟...... میں اسٹیئرز پر سے پھسل تھی۔ ڈیٹ واز جسٹ این ایکسیڈنٹ۔ یہ کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہر شے کی ذمہ دار خود کو مت سمجھا کرو''۔ گی بول رہی تھی اور میرب کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''گی! تم بہت اچھی ہو۔ آئی ایم سوری، میں نے تمہیں غلط سمجھا''۔ وہ صاف گوئی سے بولی تو گی مسکرا دی تھی۔

''ہماری عادت ہوتی ہے میرب! ہم اپنی مرضی سے کچھ بھی سمجھ لیتے ہیں...... ایک بات میں نے بھی سمجھی تھی تمہارے لیے''۔

''کیا؟'' میرب نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''وہ یہ کہ...... تم بہت اچھی ہو...... اور میں غلط نہیں تھی۔ تم واقعی اچھی ہو میرب!...... بہت اچھی''۔ گی بولی تھی اور میرب مسکرا دی تھی۔

''مجھ سے دوستی کریں گی آپ؟''

''میں تو تمہاری دوست ہوں''۔

''ہاں، وہ تو ہیں، مگر ایک اچھی دوستی کی ابتداء کریں گی آپ؟''

''ہاں''۔ گی نرمی سے مسکرا دی تھی۔ ''ہم اپنی سوچوں میں کہاں کتنے غلط ہوتے ہیں، یہ وقت سمجھا دیتا ہے ہمیں''۔

میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

''ہاں...... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ''۔

''اگر تمہیں مجھ پر اتنا یقین آ گیا ہے تو ایک بات مانو گی تم؟'' گی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

میرب نے خاموشی سے صرف اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اس شخص کو اب مزید سمجھنے کی غلطی بھی مت کرو۔ جیسا بھی ہے جو بھی ہے، یو نو ڈیٹ ہی لوز یو۔ اینڈ لوز آل اِٹس لائف۔ فور آل لائف''۔
گی کی بات میں سچائی تھی یا نہیں مگر اس نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔

☆......☆......☆

وقت اپنی ڈگر پر لوٹ آیا تھا۔
سارا منظر پھر سے پہلے جیسا تھا۔
ممی کچن میں چائے کے ساتھ لوازمات بنا رہی تھیں۔
دادا ابا عفنان کے ساتھ شطرنج کی بازی کھیل رہے تھے۔
انابیہ بہت دِنوں بعد کھلکھلا کر ہنسی تھی۔
اور اس ہنسی میں لامعہ کی ہنسی بھی شامل تھی۔
زندگی اپنی ڈگر پر تھی اور مطمئن تھی۔
مگر اس زندگی میں کچھ کمی اب بھی تھی۔
انابیہ نے قدرے فاصلے پر بیٹھے ہوئے عفنان علی خان کو دیکھا تھا جو دادا ابا کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مصروف تھا۔
نگاہ اس طرف جا کر اُلجھ گئی تھی۔
''یہ تم اس طرح چوری چوری کیوں دیکھ رہی ہو اُن موصوف کو؟...... تمہارے ہز بینڈ ہیں بھئی۔ دل کھول کر دیکھو''۔ لامعہ نے اس کی چوری پکڑے ہوئے کہا تھا۔
وہ خجل ہو کر مسکرا دی تھی۔
''لامعہ! شٹ اَپ۔ تم اپنی شادی کے لیے تیار ہو جاؤ اب''۔
''ہاں...... میں تیار ہوں، مگر کوئی ڈھنگ کا لڑکا بھی تو ملے''۔ لامعہ شرارت سے مسکرائی تھی۔
''کیا مطلب؟...... میرا بھائی تمہارے خیال میں ڈھنگ کا لڑکا نہیں؟...... اوزی! دیکھ رہے ہو تم؟ تمہیں یہ کسی ڈھنگ کے لڑکے میں کاؤنٹ ہی نہیں کرتی اور تم ہو کہ عشق میں دُبلے ہوئے جا رہے ہو''۔ انابیہ نے مسکراتے ہوئے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔
اوزان ہنس دیا تھا۔
''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میری پیاری بہنا! کیونکہ آپ کی ایسی دوست کو کوئی ڈھنگ کا لڑکا ملنے والا نہیں ہے۔ خدا نے ان کے لیے کوئی چوائس نہیں رکھی۔ شادی تو یہ مجھ ہی سے کریں گی''۔ انداز میں شرارت تھی۔
''ایویں...... میں کیوں کرنے لگی تم سے شادی۔ لولی لنگڑی ہوں کیا؟...... یا اندھی کانی ہوں؟ میں تو شادی کروں گی اپنے

خوابوں کے شہزادے سے''۔

''ہاں تو وہ میں ہی تو ہوں''۔اوزان برجستگی سے بولا تھا۔انابیہ ہنس دی تھی۔

لامعہ بھی جھینپ سی گئی تھی۔

تبھی اوزان اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا کچھ اس کی طرف جھکا تھا اور آہستگی سے بولا تھا۔

''شادی تو آپ کی مجھ ہی سے ہوگی۔لکھ کر رکھ لو۔ساری دُنیا گھوم پھر آؤ،کہیں کوئی نہیں ہے جو آپ کو اتنا اور اس قدر پیار دے سکے۔آپ نہیں جانتیں مگر آپ ہمارے نصیب میں لکھ دی گئی ہیں۔مانئے یا نہ مانئے مگر بات سچ تو یہی ہے کہ......

لے جائیں گے،لے جائیں گے

دل والے دُلہنیا لے جائیں گے......!''

انابیہ نے بھی بھائی کا ساتھ دیا تھا اور دونوں باقاعدہ گانے لگے تھے۔لامعہ کے چہرے پر بہت سے رنگ بکھر رہے تھے۔

عفنان نے گردن موڑ کر انابیہ کو خوشی سے گاتے ہوئے دیکھا تھا۔

بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر ایک اطمینان دیکھ کر اسے برا نہیں لگا تھا۔

ہاں مگر وہ اس چہرے سے نگاہ ہٹا بھی نہیں پایا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے؟......کیوں تنگ کر رہے ہو میری بچی کو؟''ممی چائے اور دیگر لوازمات لے کر نوکر کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

''مام!دیکھئے نا،یہ مجھے کتنا تنگ کر رہے ہیں''۔لامعہ نے فوراً شکایت کی تھی۔

''مت تنگ کرو میری بچی کو......انابیہ!اُٹھو بچے!......دادا اور عفنان کو یہ کباب سرو کرو''۔

انابیہ ماں کے کہنے پر سعادت مندی سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

دادا ابا کو کباب سرو کر کے وہ اُس کی طرف مُڑی تھی۔

نگاہ پل بھر کو ملی تھی۔

عفنان علی خان کا انداز خاص تھا۔

نگاہ عام نہیں تھی۔

وہ چونکے بنا پلٹی تھی۔

''انابیہ......!''پیچھے سے آواز آئی تھی۔

انابیہ کو حیرت ہوئی تھی۔وہ شخص اتنا بے صبرا ہو رہا تھا کہ دادا ابا کا بھی کچھ لحاظ نہ تھا۔

بادل ناخواستہ وہ پلٹی تھی۔

"کین آئی ہیو آ کافی پلیز؟" اس کو غالباً چائے درکار نہیں تھی۔ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ دھڑکنوں کا ارتعاش کچھ بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"کیسی ہو اب تم؟" گین چلتے ہوئے اس کے قریب آن رُکا تھا۔ گی تکیے کے سہارے بیٹھی تھی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"یو شُڈ تھنک ......ایوری تھنگ اِز دی پارٹ آف لائف"۔ بہت نرمی سے سمجھانا چاہا تھا۔

مگر اتنی مضبوط لڑکی اس چھوٹے سے ہمدردی کے جملے پر پگھل کر رہ گئی تھی۔

آنسو آنکھ سے چھلک پڑے تھے۔

گین نے آگے بڑھ کر اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھا تھا۔

تبھی اچانک گی اس کے ساتھ لگ کر دھواں دھار رو پڑی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تسلی دینے کی غرض سے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔

کتنی دیر وہ اس طرح روتی رہی تھی۔

اندر کا غبار کچھ دُھلا تھا۔

گی اس سے دور ہٹ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیب سے اپنا رومال نکال کر پیش کر دیا تھا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر سے پانی کا جگ اُٹھا کر اس کے لیے گلاس میں پانی نکالا اور گلاس اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

گی نے خاموشی سے گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

پانی کے چند سِپ لیے تھے اور پھر گلاس اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گلاس لے کر ٹیبل پر رکھا تھا۔

پھر اس کی طرف مڑا تھا۔

"گی! تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دلاسہ دینا چاہا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ بول پڑی تھی۔

"بات یہ نہیں ہے گین! کہ میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ آج میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ دُکھ اس بات کا ہے کہ میں نے...... میں نے اپنا بچہ کھو دیا گین! اس کے چھوٹے سے ننھے منے وجود کو لے کر کتنے ننھے منے، چھوٹے چھوٹے خواب بُن لیے تھے میں نے...... وہ گیا ہے تو...... وہ سارے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں۔ یہ درد میرے اس آدھے ادھورے رہ جانے والے درد سے بہت بڑا ہے گین!" گی کی آواز

اس کے درد کی غمازی کر رہی تھی۔

گین جو اسے دلاسہ دینے کی غرض سے آیا تھا، کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''گی! ایسا سب کے ساتھ زندگی میں ہوتا ہے۔ اِٹس ٹرو۔ دُکھ ہوتا ہے...... بہت زیادہ ہوتا ہے، مگر ہم جینا چھوڑ تو نہیں سکتے۔ تمہیں بھی جینا ہے گی! یو ہیو ٹو بیک ٹو لائف۔ تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ تمہارے لیے یہ مشکل نہیں ہونا چاہیے''۔

''ہاں...... میں ایک بہادر لڑکی ہوں۔ سب کچھ سہہ سکتی ہوں۔ سب کچھ''۔ گی کے لبوں پر ایک شکوہ تھا۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بول سکا تھا۔

☆......☆......☆

''گی کتنی بہادر لڑکی ہے نا''۔ زوباریہ بولی تھی۔

''ہاں''۔ میرب نے بلاتردد سر ہلا دیا تھا۔ ''بہت اچھی لڑکی ہے وہ''۔

''مجھے تو بہت دُکھ ہوا۔ اس کے ساتھ بہت برا ہوا لیکن خدا کا شکر ہے اس کی جان بچ گئی''۔

''ہاں...... خدا کا شکر ہے وہ بچ گئی۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو شاید میں خود کو کبھی معاف نہ کر پاتی۔ ملال تو مجھے اب بھی ہے مگر......'' وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ زوباریہ قدرے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اسے مکمل طور پر سن نہ سکی تھی۔ کچن میں کام کرتے ہوئے پلٹ کر اسے لحہ بھر کو دیکھا تھا۔

''کچھ کہا تم نے؟''

''نہیں''۔ میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''آج شام کی فلائٹ سے تمہارے پاپا واپس آرہے ہیں''۔ زوباریہ نے مطلع کیا تھا۔

''اچھا......!''

''ہاں......'' اب زوباریہ نے ایک بار پھر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''کہیں جا رہی ہو تم؟''

''ہاں...... گی کی طرف۔ آج وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہی ہے نا''۔

''اچھا...... میری طرف سے بھی پوچھ لینا''۔

''جی ضرور''۔ میرب کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

وہ راستے میں تھی جب مائی نے اسے فون کر کے بتایا تھا۔

''ہم گی کو لے کر گھر آ گئے ہیں...... لہٰذا تم ہسپتال مت جاؤ، گھر آ جاؤ''۔

''او کے۔ بہتر''۔ اس نے فون منقطع کر کے گاڑی گھر کی طرف موڑ لی تھی۔ اتنا کچھ ہوا تھا کہ اب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا

سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر وہ جانتی تھی ایسا ناممکن ہی ہو گا۔

وہ گی کو سہارا دے کر تکیے کے سہارے بٹھا رہا تھا جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

ایسا دیکھ کر وہ چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی اُسے کوئی حیرت ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تو پہلے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

گی اُس کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"آؤ میرب!"

میرب بھی ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"کیسی ہو تم؟"

"ٹھیک ہوں...... میرب! تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ یہاں آؤ نا"۔

میرب اس کے کہنے پر آگے بڑھ آئی تھی۔

سردار سبکتگین اس سے اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے گریزاں تھے۔

"گی! ٹیک کیئر۔ آئی ول سی یو لیٹر"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا اور وہ چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

یعنی وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

دل پر ایک گھونسہ سا پڑا تھا، مگر وہ چلتی ہوئی گی کی طرف آ گئی تھی۔

"کیسا فیل کر رہی ہو تم؟" میرب نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں...... تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا۔ کتنا عجیب لگتا ہے۔ گھر تو یہ تمہارا اپنا ہے اور بول تمہیں میں رہی ہوں"۔

"نہیں...... تم غلط سمجھی ہو...... یہ گھر...... میرا کبھی نہیں رہا۔ اینی ہاؤ۔ سب کچھ بھول کر وہ ایک لمحے میں مسکرائی تھی۔ "ڈاکٹر نے کیا کہا؟"

"نتھنگ...... صرف بیڈ ریسٹ، لیکن میں فوراً واپس جانا چاہتی ہوں۔ اب اور اسٹے نہیں کر سکتی"۔

"تمہیں رُکنا چاہیے۔ جب تک کہ تم بہتر محسوس نہ کرو"۔

"نہیں...... میں ایسا نہیں سوچتی"۔

"مائی کہاں ہیں؟" میرب نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شاید نیچے ہیں، تمہاری گین سے ملاقات ہوئی؟" گی نے پوچھا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ پھر بہت ہمت کر کے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"میں مائی سے مل کر آتی ہوں"۔ وہ یک دم اُٹھنے لگی تھی۔

''میرب!'' گی نے اُس ایک لمحے میں پکارا تھا۔

وہ جانتی تھی بات کیا ہو گی۔ شاید اسی لیے وہ ان لمحوں سے دامن چھڑا لینا چاہتی تھی...... نگاہ بچا لینا چاہتی تھی۔

''میرب! تمہیں گین سے بات کرنی چاہیے۔ اگر وہ آگے بڑھنے میں...... بات کرنے میں پہل نہیں کر پا رہا ہو تو...... تم......''

''کیا کروں گی میں گی؟'' وہ یک دم سر اُٹھا کر بے بسی سے بولی تھی۔ ''اور سب کی طرح تمہیں بھی اب یہ مان لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے درمیان اب کچھ نہیں رہا''۔ میرب کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا مگر وہ دانستہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کو مسکرا رہی تھی۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہے۔ میں ایسا نہیں سمجھتی''۔

''تم نہیں سمجھتی گی! لیکن ایسا ہے''۔ میرب مسکرائی تھی جیسے سب ختم ہو چکا ہو۔ ''اینی وے، تم آرام کرو...... میں مائی سے مل کر آتی ہوں''۔ وہ یک دم اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ گی اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

میرب ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی راہداری میں جا رہی تھی۔ سارے منظر جیسے دُھندلا رہے تھے۔

جانے وہ کب، کیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے ٹکرائی تھی۔

توازن بگڑا تھا۔

مگر اس مضبوط سہارے نے اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔

قربتوں نے کوئی جادو نہیں کیا تھا۔

ان لمحوں میں کوئی فسوں نہیں تھا۔

وہ سر اُٹھا کر خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔

وہ لمس خاص کوئی نیا احساس بھی جگا نہیں پایا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سنبھلتی ہوئی اس سے حصار سے باہر تھی۔

''میرب!'' اپنی اپنی راہ پر جانے سے قبل ایک آواز اس کی سمت آئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔

نگاہ اُٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔

''اگر وقت ہے تو مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ آؤ......!''

درخواست نہیں تھی۔ حکم تھا اور وہ جیسے ایک ''معمول'' تھی۔

میرب چپ چاپ اس کے ہمراہ چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ اپنی ممی کے گھر اس رات ٹھہرنا چاہتی تھی مگر عفنان علی خان نے اسے عین موقع پر منع کر دیا تھا۔

اُس نے کوئی آرگیومنٹ نہیں کیا تھا۔

گاڑی گھر کے پورچ میں رُکی تھی اور وہ چپ چاپ چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔

رات اگر چہ بہت ہو گئی تھی مگر عفنان علی خان وہیں نیچے رُک گیا تھا۔

غالباً وہ ٹی وی پر کچھ دیکھ رہا تھا......ٹی وی کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی تھی۔ کانوں کے جھمکے اُتارتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ لائٹ آن کی تھی اور حیران رہ گئی تھی۔

پورا کمرہ پھولوں سے بھرا تھا۔

فرش میں یہاں وہاں......

پھول ہی پھول......!

وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ حیرت زدہ سی یک دم پیچھے پلٹی تھی۔

اور اپنے پیچھے عفنان علی خان سے ٹکرا گئی تھی۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا؟......کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔

سر اُٹھا کر حیرت زدہ سے انداز میں عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔

ان نگاہوں میں تاثر خاص تھا۔

کچھ تپش تھی۔

کچھ اور بھی تھا۔

وہ دیکھ نہیں سکی تھی......نگاہ جانے کیوں جھک گئی تھی۔

''یہ......یہ......سب!'' وہ ابھی پوچھنے ہی والی تھی جب وہ بول پڑا تھا۔

''مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف ڈے''

''مطلب......؟'' وہ چونکی تھی۔

''یور برتھ ڈے''۔ عفنان علی خان نے یاد دلایا تھا۔ وہ حیران سی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اگینے نے فیض چاچو کے پروپوزل کو ایکسپٹ کر لیا تھا۔

گھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

''کتنا مزہ آئے گا نا......فیض چاچو کی شادی ہو گی''۔ ماہا ایکسائٹمنٹ سے بولی تھی۔

''ہاں......خوشی کی بات تو ہے۔ کتنی خواہش تھی فیض ہاں کرے اور میں ایک اچھی سی دیورانی گھر میں بیاہ کر لاؤں، مگر یہ مانتا ہی نہیں تھا۔ خدا کا شکر ہے بالآخر عقل آ گئی۔ فارحہ بولی تھیں اور فیض مسکرا دیئے تھے۔

''ہاں بھئی، اب سب میں ہم جیسی ہمت تو نہیں ہوتی۔ شادی کرنا اور جھیلنا آسان کام تو نہیں''۔ سعد نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ فارحہ ہنس دی تھیں۔

''سنا تم نے فیض! تمہارے بھائی صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں، سنا۔ اور بھائی صاحب کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہے۔ شادی واقعی ایک مشکل معاملہ ہے۔ ایک میرڈ شخص سے زیادہ مظلوم شخص کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا''۔ فیض نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اگینے نے ترچھی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''چاچو!......کم آن۔ آپ احسان مانیئے، ہماری اگینے پھپھو نے ہاں کر دی ورنہ آپ تو یونہی کنوارے رہ جاتے''۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ایکسکیوزمی......میرے چاچو کے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ تو فیض چاچو کا کچھ دل آ گیا تھا اگینے پر ورنہ......'' اذہان نے کہا تھا اور سب ہنس دیئے تھے۔

''فیض چاچو! ٹھیک کہا نا میں نے؟'' اذہان نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں......کہا تو ٹھیک ہے مگر آئی گیس اِٹس اے رائٹ ٹائم فور میری۔ اگر میں اس ٹائم کو بھی ضائع کرتا تو پھر......شاید......کوئی لڑکی بھی نہ ملتی''۔ فیض چاچو آنکھوں میں شرارت لیے بولے تھے۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔ اتنے عرصے بعد میرے گھر کے آنگن میں خوشیاں اُتری ہیں۔ اے خدا! میرے گھر کی خوشیاں یونہی قائم و دائم رکھنا''۔ فارحہ نے دل ہی دل میں دعا مانگی تھی۔

''سعد! کیا خیال ہے؟ چاچو کے ساتھ ساتھ بھتیجے کی شادی بھی نہ کر دیں؟'' مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

اذہان نے ایک لمحے میں ساہیہ کی طرف اور ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ساہیہ کو لگا تھا ابھی وہ کچھ کہے گا۔ کوئی انکاری جملہ۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

کوئی تعرض نہیں ہوا تھا۔

اور ساہیہ کو اس پر حیرت ہوئی تھی۔

''آنٹی! فی الحال اگینے پھپھو اور چاچو کی شادی پر اکتفا کریں۔ ہماری شادی کوئی اتنی ضروری نہیں ہے''۔ وہ مسکراتی ہوئی بالآخر بولی تھی۔

اذہان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ ریلنگ کے پاس اپنا کافی کا مگ لیے کھڑی تھی، وہ چلتا ہوا اس کے پاس آن رُکا تھا۔ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور غالباً مروتاً مسکرادی تھی۔

اذہان بھی مسکرایا تھا۔

''سردی اچانک ہی کتنی بڑھ گئی ہے نا......موسم اچانک ہی کتنا بدل گیا ہے''۔

''ہاں''۔اذہان نے کہا تھا پھر اپنا کوٹ اُتارا تھا اور آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

ساہیہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

چونکی تھی۔

لیکن وہ مسکرادیا تھا۔

''موسموں کا تو کام ہی بدلنا ہے۔ان پر ایسا چونکنا کیسا؟''

''ہاں،مگر......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرادی تھی۔''ہم بھی کیا فضول کی باتیں لے کر بیٹھ گئے''۔

''نہیں......کچھ ایسی فضول باتیں بھی نہیں ہیں یہ۔یوں بھی کبھی کبھی فضول باتیں بھی کر لینی چاہئیں۔اچھا لگتا ہے''۔اذہان مسکراتے ہوئے بولا تھا۔''تم وہاں سے اچانک اُٹھ کر کیوں آگئی تھیں؟''

''نہیں،بس یونہی''۔ساہیہ کوئی وضاحت نہیں دے سکی تھی۔

''شیور؟''اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

''ہاں''۔ساہیہ نے سراثبات میں ہلایا تھا۔

اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

رومیصا لغاری کی تصویر کو وہ چپ چاپ دیکھ رہے تھے، جب اگینے چلتی ہوئی ان کے پیچھے آن رُکی تھی۔

فیض بخاری نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔جیسے وہ جانتے تھے کہ ان کے پیچھے کون ہے۔

اگینے جو وہیں رُک گئی تھی۔چلتی ہوئی آگے بڑھ آئی تھی۔

''اگر تمہیں کسی بات پر کوئی اعتراض ہے تو تم......تم اپنا فیصلہ بدل سکتے ہو''۔اگینے نے ہمت کر کے کہا تھا۔

''انسان اگر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے کسی فیصلے پر پشیمان ہے یا خوش نہیں......کبھی کبھی پیچھے مڑ کر اس لیے بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے کیا پایا اور کیا گنوادیا''۔

اگینے نے انہیں دیکھا تھا پھر ان کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''میں اپنے گزرے کل کو دیکھ رہا ہوں اگینے! کیونکہ یہ میری زندگی کا حصہ ہے اور میں اسے بھی بھول نہیں سکتا۔ یہ ہمیشہ اسی طرح میری زندگی کا حصہ رہے گا......مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنے آج سے خوش نہیں''۔

فیض بخاری نے تصویر ایک طرف رکھتے ہوئے اگینے کا ہاتھ تھاما تھا۔

اگینے خاموشی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''یہ سچ ہے اگینے! میں ایک عرصہ تک ایک حصار میں قید رہا۔ کبھی نکل ہی نہیں پایا اس دائرے سے۔ رومیصا لغاری کی محبت میرے گرد کچھ ایسی ہی تھی کہ اس کے جانے کے بعد بھی میں اس میں قید رہا۔ کبھی دھیان آیا ہی نہیں اس دائرے سے باہر نکل کر جینے کا۔ میں خوش تھا، رومیصا کے ساتھ، اس کی یادوں کے ساتھ......اور شاید ساری زندگی یونہی گزر بھی جاتی۔ میں کبھی اس خواب سے جاگتا بھی نہیں......مگر تم......اگینے! تم وہ لڑکی ہو جس نے مجھے اس دائرے سے باہر نکالا اور زندگی کو نئے سرے سے جینا سکھایا......!

اگینے! میں تو جینا جیسے بھول ہی چکا تھا۔ اپنے آپ کو بھول چکا تھا۔ مگر تم......تم نے مجھے جینا سکھایا۔ ایک نئی راہ دی جینے کی۔ میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا تو اس لیے نہیں کہ مجھے صرف زندگی کو آگے بڑھانا تھا بلکہ اس لیے کہ مجھے واقعی ایک ہم سفر کی ضرورت تھی جس کے ساتھ میں قدم قدم چل پاتا۔ جس سے اپنے سُکھ دُکھ شیئر کر پاتا۔ جس سے پیار کر سکتا۔ دل کی بات کر سکتا۔ سو میں نے تم سے کہہ دیا......کہہ دیا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ اگینے! جو دل میں ہو کہہ دینا چاہیے۔ دل کی دل میں نہیں رکھنی چاہیے۔ میرے دل میں تمہارے لیے جو بھی تھا میں نے کہہ دیا۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟'' فیض بخاری نے پوچھا تھا۔

''مجھے لگا ہے فیض! اگر ہم زندگی کی راہ پر مل کر چلیں تو زندگی کچھ اور بھی خوب صورت ہو سکتی ہے اور......''

''اور......؟'' فیض بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اور میں......آپ کا ہاتھ تھام کر اس زندگی کی راہ پر ضرور چلنا چاہوں گی......میں جانتی ہوں کہ ہر زندگی کے پیچھے ایک بند دروازہ کھلتا ہے اور اس بند دروازے سے پیچھے ایک Past بھی ہوتا ہے، جو بند دروازہ کھلنے پر جھانکتا ہے۔ ایسا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے فیض! میں حقیقت پسند ہوں۔ ہم اب اس عمر میں نہیں ہیں فیض! جہاں ہاتھ بڑھا کر جگنو پکڑے جاتے ہیں اور بچوں کی طرح خوش ہوا جاتا ہے۔ ہم اس وقت سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اب اگر ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھ پاتے تو یہ اچھا نہیں ہوگا''۔ وہ ملائمت سے بولی تھی۔

فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔ پھر آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''آئی نو......ہمارے اس نئے سفر میں کہیں کوئی ملال دُور دُور تک نہیں ہوگا''۔

''ہاں......'' اگینے نے کہا تھا اور مسکرا دی تھی۔

فیض بھی مسکرا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

دونوں خاموشی سے بیٹھے تھے۔

سنگی بینچ کے ایک کونے پر وہ تھی......اور دوسرے کونے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری۔ وہ اس سے کیا کہنا چاہتا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔

اس کے دل میں کیا تھا وہ نہیں جان پائی تھی۔

خاموشیاں کیا کہہ رہی تھیں، اس کے لیے یہ جاننا بھی مشکل تھا۔

مگر وہ اس کے ہمراہ وہاں موجود تھی اور اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

''میرب! جو کچھ بھی ہمارے بیچ ہو رہا ہے، اس کی اب بھی مائی کو کوئی خبر نہیں ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ......اس کی خبر انہیں نہ ہی ہو تو بہتر ہے''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سگریٹ کے گہرے کش کے ساتھ بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ ''جو کچھ ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہے۔ مرضی کے عین مطابق ہے''۔

'کس کی مرضی کے عین مطابق ہے؟' میرب پوچھنا چاہتی تھی مگر باوجود خواہش کے وہ نہیں بول سکی تھی۔

''اِٹس آل رائٹ۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔ اور کچھ ہی دِنوں میں معاملہ سولو بھی ہو جائے گا۔ بٹ آئی وونٹ ڈیٹ......میں اس طرح نہیں چاہتا۔ اِٹس لٹل بٹ امیچور اینڈ کڈی۔ آئی وانٹ اے میچور سولوشن۔ اس کا اس سے بہتر حل بھی ہو سکتا ہے اور ہے بھی۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کورٹ کچہری ہمارے لیے نہیں ہے۔ ہماری فیملی پریسٹیج کے لیے یہ ٹھیک نہیں۔ لغاری خاندان کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔ سو اس کا متبادل حل بھی نکالا جا سکتا ہے......اینڈ آئی فاؤنڈ ڈیٹ۔ وہاٹ اباؤٹ آؤٹ آف کورٹ سیٹل منٹ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مکمل سپاٹ لہجے میں بولا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھی۔

وہ اس قدر سفاک ہو سکتا تھا۔

اتنا سنگ دل ہو سکتا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی۔

اس کا انداز مکمل طور پر کاروباری تھا۔ جیسے وہ کوئی بزنس ڈیل کر رہا ہو۔

''کتنا حق مہر تھا تمہارا؟......ڈِڈیوری ممبر؟'' اس کے احساسات کی پرواہ کیے بغیر وہ اسی سپاٹ لہجے میں گویا تھا۔ ''ایز فار ایز آئی ری ممبر فائیو کروڑ۔ رائٹ؟ سو وہاٹ یو تھنک اگر ہم اس کو دس کروڑ کر لیں اور بات یہیں کی یہیں ختم ہو جائے......ہم مزید کورٹ کچہری میں جائیں ہی نہ......آؤٹ آف کورٹ سیٹل منٹ۔ سیف اینڈ سیکیور میتھڈ۔ نہ آپ کا وقت برباد ہو نہ میرا۔ بات سکون سے طے پا جائے۔ وہاٹ یو تھنک؟......اگر آپ کہیں تو ہم آفر کو بڑھا بھی سکتے ہیں......پانچ کی جگہ جہاں دس ہوا، وہیں پندرہ یا بیس بھی ہو سکتا ہے مگر......''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی جب میرب کا ہاتھ اُٹھا تھا اور تڑاخ سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر تھا۔ جانے کیسے اس میں اتنی ہمت آ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری قطعاً بھی ایسا کچھ ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مگر وہ اس کی بالکل بھی پرواہ کیے بغیر بولی تھی۔

''رشتوں پر سودے بازی پہلی بار کرتے سنا ہے میں نے کسی کو سردار سبکتگین حیدر لغاری!...... آپ تو بہت ہی بڑے بزنس ٹائیکون ہیں۔ اپنے ہی رشتوں پر سودے بازی کر رہے ہیں آپ اور کمال کی سودے بازی کر رہے ہیں''۔ میرب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

سارا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔

''بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے آج...... بہت افسوس۔ بہت غلط سوچتی رہی میں آپ کے لیے۔ بہت شرمندہ ہوں آج...... آپ یہ، آپ وہ...... مگر کیا ہیں آپ؟...... سچ بات تو یہ ہے کہ یو ڈونٹ ڈیزرومی۔ شرمندہ ہوں۔ کتنی فیلنگز ہیں میرے دل میں آپ کے لیے، کیا سوچا آپ کو...... کس قدر چاہا...... پہروں نہیں، لمحوں نہیں، دنوں نہیں، ہر ہر پل...... محبت کرتی تھی آپ سے...... ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ ساری عمر آپ کو چاہتے رہنا چاہتی تھی مگر...... اب اس بات پر بہت شرمندہ ہوں۔ آپ جیسے شخص کو چاہ رہی ہوں میں۔ آپ جیسے شخص کو پل پل سوچتی رہی میں۔ آپ سے محبت کرتی رہی جو محبت کے معنی تک نہیں جانتا تھا۔ جسے فیلنگز کی اے بی سی ڈی بھی معلوم نہیں، اس شخص کے ساتھ میں اپنی پوری عمر گزارنا چاہتی تھی۔ ڈیم......!

سب غلط سوچا میں نے...... سب غلط سمجھا...... سب غلط قیاس کیا...... بے وقوف تھی میں۔ سب فضول سوچتی رہی۔ جس کا کوئی مطلب تھا نہ کوئی مقصد۔ بٹ ناٹ ناؤ۔ آپ کے لیے میری یہ محبت، میری خود کی انا اور وقار سے زیادہ نہیں ہے...... اب آپ کیا مجھے اپنی زندگی سے نکالیں گے، میں خود بھی آپ کو اپنی زندگی میں نہیں چاہتی۔ ہمیشہ اس رشتے کو بچانا چاہتی تھی میں...... جسٹ می وانٹڈ ٹو سیف دِس ریلیشن شپ۔ مگر اب کوئی زبردستی نہیں ہے۔ میں آج سے...... ابھی سے آپ کو اپنی زندگی سے نکالتی ہوں۔ سب ختم...... آل اوور ناؤ......!'' کہہ کر وہ اُٹھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''سب کچھ کیسے معمول پر آ گیا تھا، مجھے تو اب تک یقین نہیں۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے نا''۔ ساہیہ نے کافی کا کپ اسے تھماتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، واقعی...... سچ میں سب ایک دم سے ٹھیک ہو گیا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے جب ہم کسی بات کو بہت سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اور بھی اُلجھتی چلی جاتی ہے۔ مگر کبھی کبھی جب ہم تھک ہار کر چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں تو اچانک ہی جیسے کوئی غیب کا کرشمہ ہو جاتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا''۔

''ہاں، ٹھیک کہتے ہو''۔ساہیہ مسکرا دی تھی۔''مگر کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔سنورنے والے سارے موسم چپکے چپکے گزرتے رہتے ہیں۔کہیں کوئی لمحہ بھی خلاف نہیں ہوتا۔مگر وقت پھر بھی آپ کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں دیتا''۔ساہیہ مسکراتی ہوئی بولی تھی اور اذہان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''میرے ہاتھ میں کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے۔وقت میرے حق میں بھی نہیں ہے۔مگر میں خوش ہوں۔بہت خوش ہوں۔فارحہ آنٹی اور سعد انکل کی زندگی پھر ڈگر پر آگئی۔فیض چاچو اور اگینے پھپھو بھی ایک ویولنتھ پر آگئے۔وقت نے مانو سچ میں جادو کی کوئی چھڑی گھما دی''۔وہ ہنس دی تھی۔اذہان اس کے لہجے میں چھپی حسرتوں کو صاف محسوس کررہا تھا مگر وہ فوری طور پر اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔

اندر جیسے کوئی چور سا بیٹھا تھا۔جو کوئی فیصلہ لینے نہیں دے رہا تھا۔

وہ جیسے خود اپنے بس میں نہیں تھا۔

''میں سوچتی ہوں، واپس چلی جاؤں۔وقت اور زندگی شاید کچھ نئے زاویے پر مڑ جائیں''۔وہ اپنے طور پر فیصلہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ایسا کیوں سوچ رہی ہو تم؟...... یہاں کیا نہیں ہے جو وہاں ہے؟''اذہان بولا تھا مگر وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''دل کی مانوں تو شاید مجھے بھی یہی ماننا پڑے کہ وہاں ایسا کیا ہے جو یہاں نہیں۔دل تو شاید کچھ زیادہ کی ہی گواہی دے کہ یہاں بہت کچھ ہے ٹھہرنے کو۔یہاں تم ہو۔مگر دل کی مان کر کبھی کبھی بندہ کچھ زیادہ فائدے میں نہیں رہتا اور میں کچھ زیادہ نقصان نہیں سہنا چاہتی۔یوں کہو کہ اب زیادہ نقصان سہہ نہیں سکتی۔سو سوچتی ہوں آئی شُڈ بیک''۔ساہیہ نے ایسا کوئی فیصلہ کیوں کیا؟ کب کیا؟ وہ حیران رہ گیا تھا۔

ایسا کچھ اس نے نہیں سوچا تھا۔

اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔

جو بھی ہو رہا تھا، غلط تھا۔اس کا اندازہ بہرحال اُسے تھا۔

''کیسا فضول سوچ رہی ہو تم......؟''وہ بولا تھا۔انداز اُلجھا اُلجھا سا تھا مگر ساہیہ اسی اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''فضول نہیں ہے اذہان!......وقت کی ضرورت ہے اور......''

وہ بول رہی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔اذہان نے اسکرین پر دیکھا تھا۔دوسری طرف میرب تھی۔

''ایکسکیوزمی!''معذرت چاہتے ہوئے اذہان نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو!......کیسی ہو تم......؟''

''ٹھیک ہوں......مگر......''

''مگر کیا؟''

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے اذہان!'' غالباً وہ دوسری طرف رو رہی تھی۔

ساہیہ نے سر اُٹھا کر اذہان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ یک دم اُٹھی تھی اور وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی مگر اذہان نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور دوسری طرف میرب سے پوچھا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟''

''کچھ نہیں''۔ میرب نے فون رکھ دیا تھا۔

وہ سیل بند کرتے ہوئے ساہیہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میرب کو ہماری ضرورت ہے ساہیہ!...... ہمیں ابھی اس کی طرف جانا ہوگا''۔ وہ بولا تھا۔ ساہیہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی۔

☆......☆......☆

یہ سچ تھا...... اُسے یقین نہیں آیا تھا۔

عفنان علی خان کی محبت اس کے لیے اب بھی باقی تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی مگر یہ اقدامات کیا کہہ رہے تھے، وہ نہیں جان پائی تھی۔

اگر وقت کے پاس اس کے کانوں کے لیے کچھ سرگوشیاں تھیں بھی تو فی الحال اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ صرف وقتی کیئر شو کر رہا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

محبت اس سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

اور شاید وہ محبت تھی بھی نہیں۔

وہ زیادہ سوچ کر اُلجھنا نہیں چاہتی تھی۔

شام میں سب گھر آئے تھے۔ ممی، دادا ابا، اوزی، لامعہ...... اس کے برتھ ڈے کو وہ سب کیسے بھول سکتے تھے؟ وہ خوش تھے مگر وہ خود خوش کیسے دکھائی دے؟ یہ بھول بیٹھی تھی شاید۔ یا پھر وہ خود کو دھوکا دے رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ جوس گلاس میں انڈیل رہی تھی جب لامعہ نے اس کے قریب رُکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

''کچھ نہیں...... کیوں، کیا ہوا؟''

''منہ پر بارہ بج رہے ہیں''۔ اطلاع آئی تھی۔

''اچھا......!'' وہ برا مانے بغیر ہنس دی تھی۔

''مذاق نہیں ہے یہ...... تمہیں واقعی کیا ہوتا جا رہا ہے؟...... تمہارا ہزبینڈ تمہارا کوئی خیال نہیں رکھتا؟ ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔ بیوی ہو، کوئی غلام تو نہیں۔ یہ سارے ملازم کیوں نکال باہر کیے؟ فاطمہ آنٹی کے ہوتے ہوئے تو دس ملازم تھے''۔ لامعہ نے خبرگیری کی تھی۔

مگر انابیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا تھا۔

''پاگل ہوگئی ہو؟......کیا فرق پڑتا ہے؟......اور ممی پاپا کے جانے کے بعد یوں بھی زیادہ کام کاج نہیں رہا۔ہم دو تو افراد ہیں۔ تھوڑا سا کام ہے۔میں تو چٹکیوں میں کر لیتی ہوں۔یوں بھی اس اتنے بڑے گھر میں، اتنے لمبے چوڑے دن میں میرے پاس کرنے کے لیے ہوتا بھی کیا ہے''۔وہ بہت پُرسکون انداز میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔

لامعہ اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم تو مکمل 100 فی صد پرمنٹ وائف بن چکی ہو۔کوئی شکایت کرو تو اپنے ہزبینڈ کو ڈی فنڈ کرنا بھی آ گیا ہے''۔

''نہیں......میں انہیں ڈی فنڈ نہیں کر رہی''۔انابیہ مسکرا دی تھی۔''اِن فیکٹ، سچ بتا رہی ہوں تمہیں''۔

''ہاں......اس چار دیواری میں بند کر کے، تم سے یہ گھر کے کام کرا کے کہاں کی محبت ہو رہی ہے۔مجھے تو تم دونوں میں ایسی کوئی افلاطونی محبت دکھائی نہیں دیتی''۔

''افلاطونی محبت کا وقت نکل گیا۔اب تو پریکٹیکل لائف اسٹارٹ ہے اور پریکٹیکل لائف تو ایسی ہی ہوتی ہے۔جب تمہاری شادی اوزان کے ساتھ ہوگی، تب پوچھوں گی''۔

''خدا نہ کرے اوزان تمہارے ان سو کالڈ ہزبینڈ جیسا ہو''۔لامعہ اُس کی کیفیت پر تپ کر بولی تھی۔

''کم آن لامعہ!......ان کا کوئی قصور نہیں۔مگر خود کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا''۔

''اوہ، پلیز!ان حضرت کو ڈی فنڈ کرنا بند کرو۔کیا سمجھتی ہو تم، کسی کو بتاؤ گی نہیں تو کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا؟ آپ کے چہرے پر صاف پڑھا جا رہا ہے کہ آپ خوش نہیں ہیں''۔

''نہیں......ایسا نہیں ہے لامعہ!'' وہ کمزور سے لہجے میں سر نفی میں ہلاتی ہوئی بولی تھی۔

لامعہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم پلیز......ایسا کچھ ممی، دادا یا پھر اوزان سے مت کہنا۔وہ فضول میں پریشان ہوں گے۔اور تمہیں بھی پتہ نہیں کیوں یقین نہیں ہو رہا کہ سب ٹھیک ہے اور کہیں کچھ غلط نہیں ہے''۔وہ متواتر پری ٹینڈ کرتے ہوئے بولی تھی۔جب اچانک دھیان عفنان علی خان کی طرف گیا تھا۔

جانے کب سے تھا وہ وہاں۔

کیا سنا تھا......کیا نہیں۔

انابیہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

تبھی وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

''کیا پروگرام ہے؟'' جوس کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا تھا۔لامعہ قریب ہی کھڑی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔انابیہ

نہیں چاہتی تھی ایسا کچھ بھی لامعہ کے سامنے ہو جس سے پتہ چلے کہ ان کے درمیان کہیں کچھ ٹھیک نہیں ہے، تبھی خوشگواری سے مسکرادی تھی۔

''کیسا پروگرام؟......فی الحال تو ڈرنک سرو کر رہے ہیں۔آپ بتا دیجئے، کیا کرنا ہے؟ ڈنر گھر پر تیار کروں ہاں......!''

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں''۔عفنان اس کے ہاتھ سے جوس کی ٹرے لیتے ہوئے بولا تھا۔''میں نے ٹیبل بک کروادی ہے۔ہم ڈنر باہر کریں گے''۔

وہ حیرت میں تھی۔جب لامعہ بولی تھی۔

''عفنان! یہ کیسی برتھ ڈے ہے جو کیک کے بغیر ہے؟''

وہ مسکرایا تھا۔

''کس نے کہا کہ کیک نہیں؟......اِن فیکٹ تم اپنی دوست کے لیے چھری پر ریڈ رِبن باندھ کرلے آؤ۔کیک کٹنے کے لیے تیار ہے۔انابیہ!......تم چینج کرلو''۔وہ مکمل ذمہ دار شوہر لگ رہا تھا۔

غالباً وہ جو پروف کرنا چاہتا تھا اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

اگر اس کا مقصد صرف لامعہ لوگوں کو اطمینان دلانا تھا تو یہ کوشش کارگر رہی تھی۔

مگر اس کے اندر کتنی خاموشیاں پھیل رہی تھی۔یہ صرف وہ جانتی تھی۔

وہ ٹرے لے کر باہر جا چکا تھا اور وہ خاموشی سے وہاں کھڑی تھی۔

''تم اس طرح کیوں کھڑی ہو؟......کم آن یار! ریڈی ہو جاؤ جا کر۔میں باقی سب کو ریڈی کرتی ہوں''۔لامعہ بولی تھی تبھی وہ مسکراتی ہوئی سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔

مگر اس کے اندر کہیں بھی، کچھ بھی مکمل طور پر اپنی جگہ پر نہ تھا۔

محبت اتنی اُلجھی ہوئی ہو سکتی ہے، وہ نہیں جانتی تھی۔

اُلجھی اُلجھی
بکھری بکھری

تھوڑی حیران
تھوڑی سلجھی

محبت کو میں نے دیکھا ہے
کچھ خوش گمان
کچھ بدگمان

کچھ چارہ گر
کچھ رہنما
محبت کو میں نے دیکھا ہے
چپ چاپ، تنہا چلتے ہوئے
خود اپنی آگ میں جلتے ہوئے
کچھ کہتے ہوئے نہ
سنتے ہوئے
محبت کو میں نے دیکھا ہے

اسے کچھ معلوم نہیں تھا، زندگی اب کس کروٹ بیٹھے گی؟......آخر کیا ہوگا؟

یا پھر کوئی نیا رُخ ہوگا بھی یا کہ نہیں۔

مگر زینہ طے کرتے ہوئے وہ بہت اُلجھی ہوئی سی تھی۔

اوزان کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا تھا؟'' اذہان نے پوچھا تھا۔

ساہیہ بھی میرب کو بغور دیکھ رہی تھی مگر اس نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''بس یونہی، میں کچھ پریشان تھی''۔

''ہاں، وہی تو پوچھ رہے ہیں۔ کیا پریشانی تھی؟ تم اتنی ڈسٹرب لگ رہی ہو تو اس کی کوئی وجہ تو ہوگی''۔ اذہان حسن بخاری نے پوچھا تھا۔

مگر غالباً وہ ساہیہ کے ہونے کے باعث کچھ بھی شیئر نہیں کر رہی تھی۔ ساہیہ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ تبھی شاید وہ اُٹھنے لگی تھی مگر میرب نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور نرمی سے بولی تھی۔

''تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ساہیہ! تم بھی میری اتنی ہی اچھی دوست ہو جتنا اذہان! ایسی کوئی بات نہیں ہے جو میں صرف اذہان سے شیئر کر سکتی ہوں اور تم سے نہیں''۔

ساہیہ مسکرائی تھی۔

''تم دونوں بہت پرانے دوست ہو میرب! میں نئی ہوں۔ اور نئے اور پرانے دوست کا فرق میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یوں بھی مجھے نہیں لگتا میرے ہوتے ہوئے تم کمفرٹیبل فِیل کرو گی''۔ وہ ملائمت سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ساہیہ! میرے لیے نئے یا پرانے دوست ایک جیسے ہیں۔ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف گئی تھی۔ بہت دنوں سے ہمارے درمیان کچھ بھی ٹھیک نہیں۔ بس اُسی کو لے کر کچھ زیادہ ڈسٹرب ہوگئی تھی"۔ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔

"کبھی کبھی زندگی اتنی اُلجھ جاتی ہے کہ اسے سلجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے معاملے میں محبت کچھ اُلجھی ہوئی ہے فی الحال۔ پتہ نہیں کیا ہوگا مگر میں اس تعلق کو توڑنا نہیں چاہتی۔ آئی لو ہم"۔ میرب بولی تھی اور اذہان کے اِرد گرد جیسے یہ جملہ بازگشت ہو گیا تھا۔ چونکی تو ساہیہ بھی تھی اور وہ اذہان کو اس لمحے دیکھے بنا نہیں رہی تھی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ ڈیٹس ٹرو۔ آئی لو ہم۔ میرے لیے اس کے بنا زندگی کا کوئی مطلب ہی نہیں اور وہ ہے کہ یہ بات سمجھتا ہی نہیں۔ میرے ایموشن، میری فیلنگز جیسے اس کے لیے کوئی مینگ ہی نہیں رکھتیں۔ میں جانتی ہوں، آئی نوٹ ڈیٹ۔ ہی لوز می۔ تبھی تو جب چاہتا ہے، اتنے آرام سے ہرٹ کر پاتا ہے۔ دنیا میں صرف ایک شخص ہوتا ہے جو ہمیں درد دے سکتا ہے۔ جو جانتا ہے کہ ہم اس سے اور وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس بات سے انجان نہیں ہے۔ ہی کین ہرٹ می۔ ہی آل ویز ہرٹ می۔ بی کوز آئی لو ہم"۔

میرب بولی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اپنے آپ بہہ رہے تھے۔ اگر وہ کوئی صورتِ حال ان دونوں پر واضح کرنا چاہتی تھی تو وہ کامیاب رہی تھی۔

ساہیہ نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اذہان اس منظر کو صرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

"تم کیا کر رہی ہو......؟" گی کو نئے سرے سے پیکنگ کرتے دیکھ کر گین نے دریافت کیا تھا۔

"دیکھ تو رہے ہو تم...... پیکنگ کر رہی ہوں"۔ وہ لاتعلق لہجے میں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"خفا ہو تم مجھ سے؟" گی نے سب کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کس قسم کے آدمی ہو تم گین!...... تم اتنے کٹھور ہو سکتے ہو، مجھے اندازہ تک نہیں تھا۔ ہمیشہ کتنا سمجھایا بجھایا تمہیں، لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم صرف دل دکھانا جانتے ہو۔ تم اتنے سنگ دل ہو، اس بات کا اندازہ نہیں تھا مجھے۔ تمہارا سب سے بڑا پرابلم یہ ہے کہ تم خود نہیں جانتے، تم زندگی سے کیا چاہتے ہو۔ زندگی تمہارے قریب ہے، پاس ہے اور تم اسے پرے دھکیل رہے ہو۔ کتنا سمجھایا تھا میں نے اُسے۔ کتنا پوزیٹو کرنے کی کوشش کی تھی مگر تم نے ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ عجیب آدمی ہو تم۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تمہاری۔ اتنی اچھی لڑکی کو درد دے رہے ہو تم۔ کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ میں نہیں جانتی گین! بٹ آئی ایم ناٹ ہیپی۔ مجھے دُکھ ہے۔ کیونکہ تم اُسے دُکھ دے رہے ہو"۔ گی بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری!...... یہ کیا کر رہے ہو تم، خود اپنی زندگی کے ساتھ؟...... کیا لگتا ہے، خوش رہ پاؤ گے؟'' گی نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں......قطعاً نہیں خوش رہوں گا اگر تم یہاں سے جاؤ گی تو۔گی! فی الحال میں کسی طرف نہیں دیکھ رہا۔میری نظر کسی معاملے پر نہیں۔تم میری بہت اچھی دوست ہو اور میں تمہیں اس طرح کھونا نہیں چاہتا''۔وہ مطمئن انداز میں بولا تھا۔

''میں...... میری دوستی گین؟...... اینڈ ویئر اِز یور اون لائف؟...... یو گون میڈ؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟...... پاگل ہو گئے ہو تم؟...... کیوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تمہیں؟ کیوں کچھ دکھائی نہیں دیتا؟ تم ہر لمحہ اسے اپنی زندگی سے باہر دھکیل رہے ہو اور تمہیں اس بات کا اندازہ تک نہیں ہے۔میں نے اپنی ساری زندگی میں تم سے زیادہ بے وقوف شخص نہیں دیکھا۔پلیز، فار گاڈ سیک سردار سبکتگین حیدر لغاری! اپنی زندگی کو سمجھو۔کب سمجھ آئے گی تمہیں؟ محبت کرتے ہو اُس سے تو اُسے بتاتے کیوں نہیں؟''

''گی! میں کیا کر رہا ہوں، کیوں کر رہا ہوں؟ میں جانتا ہوں۔آئی ایم ناٹ فول''۔وہ پوزیس (Posses) کرتا ہوا بولا تھا۔

''کچھ نہیں جانتے تم گین!...... سچ میں بہت بے وقوف ہو تم''۔گی نے اس کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔''سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں کھونے کا درد جانتی ہوں۔مجھے احساس ہے، جب کچھ کھویا جاتا ہے تو کتنا درد ہوتا ہے۔تم پلیز، یہ سمجھنے کی کوشش کرو۔خدا نہ کرے تم اس حد سے گزرو۔میں کبھی بھی تمہیں اس درد سے گزرتا نہیں دیکھنا چاہوں گی''۔گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ڈنر سے واپس لوٹنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے والی تھی جب عفنان علی خان نے اُسے پکارا تھا۔

''سنو......!''

وہ زینہ چڑھتے چڑھتے یک دم جیسے بُت بن گئی تھی۔

عفنان چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رُکا تھا۔

''گھر کی باتیں گھر میں رہیں تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔اگر تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہو تو مجھ سے کہو۔میں اس کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کروں گا مگر اس طرح......!''

اُسے اندازہ تھا۔ایسی ہی کوئی بات ہو گی اور وہی ہوا تھا۔

عفنان علی خان اپنے طور پر اخذ کی گئی باتیں کر رہا تھا۔وہ بہت سکون سے پلٹی تھی۔

''میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔گھر کی یا ہماری آپس کی کسی بھی بات کو اس گھر سے باہر نہیں کیا۔اگر آپ لامعہ کی بات کر رہے

ہیں تو میں اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کر رہی تھی۔ میں صرف وضاحت دے رہی تھی کہ میں......''

''کہ آپ کو یہاں نوکر بنا کر رکھا جا رہا ہے اور آپ کا کوئی خیال نہیں رکھا جا رہا''۔ عفنان نے بات مکمل کی تھی۔

''مجھ پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہو رہا اور نہ ہی میں مظلوم بننا چاہوں گی۔ آپ نے جو بھی سنا وہ آدھی ادھوری باتیں تھیں۔ یوں بھی کسی کی باتیں چھپ چھپ کر سننا اچھی بات نہیں''۔ اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

عفنان علی خان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ کہ آپ اتنا کچھ کیوں سہہ رہی ہیں۔ اگر میں آپ کی زندگی میں اَن چاہا حصہ ہوں تو نکال باہر کیجئے۔ پلیز، لیو اینڈ لٹ لیو''۔ وہ بولی تھی۔

عفنان علی خان کا ہاتھ اُٹھا تھا اور تڑاخ سے اس کے چہرے پر تھا۔

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی مگر وہ چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''آج کا دن اچھا رہا نا......'' انابیہ کی برتھ ڈے پر ڈنر کے بعد اوزان لامعہ کو چھوڑنے جا رہا تھا۔

''ہاں......اچھا رہا۔ عرصے بعد ہم اس طرح مل کر کہیں بیٹھے۔ مجھے اچھا لگا''۔ لامعہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''انابیہ خوش ہے نا؟...... مجھے جانے کیوں آج وہ کچھ بجھی بجھی سی لگی''۔ بھائی کی نگاہ اُسے پڑھ گئی تھی۔

لامعہ چونکی تھی، پھر فوراً سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں......وہ خوش ہے۔ خوش کیسے نہیں ہوگی۔ عفنان اُسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔ اُس کی ہر خوشی کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھا نہیں آج تم نے''۔ لامعہ نے اس کا زاویہ نظر موڑنے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں...... یہ تو ہے۔ مگر اس کے باوجود مجھے وہ کچھ اُداس لگی۔ اینی ہاؤ، کوئی آج بہت اچھا بھی لگ رہا تھا''۔ وہ ایک نظر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ بکھرتے دیکھ کر اوزان کو اچھا لگا تھا۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا''۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا......؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ''تم اپنی زندگی میں مجھے ایکسپیکٹ نہیں کرتی تھیں؟''

''نہیں......ایسی بات نہیں، مگر زندگی میں اتنے سارے ٹوئسٹ آئیں گے، اس کے بارے میں مَیں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وقت کب، کہاں، کس طرح بدلا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کتنی خود غرض ہو گئی میں۔ کیسے اتنا سب کر دیا، سمجھ نہیں آ رہا، مگر آج جب سوچتی ہوں تو میرے اپنے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حسد اور جلن میں، میں بہت آگے نکل گئی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا بر وقت میری آنکھیں کھل گئیں۔

ورنہ آج جانے میں کہاں کھڑی ہوتی۔ یہ تم...... یہ ایک اچھا سا احساس...... یہ چھوٹے چھوٹے سے خواب...... شاید یہ سب جو آج میرا ہے، میرا نہ ہوتا''۔

''لامعہ! جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے۔ اور جو ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ بھول جاؤ سب۔ جو وقت زندگی کا حصہ نہ رہے، اسے زندگی کی کتاب میں سے نکال دینا چاہیے اور دوبارہ اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے''۔

''ہاں...... ٹھیک کہہ رہے ہو تم اوزان! مگر کتنے بہت سے لمحے میں نے گنوا دیئے۔ تم میرے ساتھ تھے، قریب تھے، میرا ساتھ چاہتے تھے اور میں تم سے ہی بھاگتی رہی۔ جب ہمیں ملنا ہی تھا تو ہم اتنی دیر میں کیوں ملے۔ میں نے وہ لمحے کیوں گنوائے؟ اس بات کا ملال کبھی کبھی بہت ستاتا ہے''۔ وہ اُداس لہجے میں بولی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ اچانک اتنا کرم کیسے؟...... خیر تو ہے؟'' انداز میں کچھ شرارت تھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''اوزان! تم رئیلی بہت اچھے ہو۔ مجھے اس بات کا احساس بہت دیر سے ہوا''۔

''تم بھی بہت اچھی ہو لامعہ! اینڈ آئی وانٹڈ ٹو سے یو ون تھنگ آل ویز......!''

''کیا......؟'' وہ چونکی تھی۔

''آئی لو یو لامعہ!...... آئی رئیلی لو یو سو مچ۔ میری زندگی میں تمہارے نہ ہونے سے کہیں کچھ کمی تھی۔ ہر طرح بہت زیادہ کمی تھی۔ میں نے تمہاری بہت زیادہ خواہش کی تھی مگر میں نہیں جانتا تھا تم بھی میری زندگی میں آ پاؤ گی۔ مجھے کبھی نہیں لگا تھا میں کبھی تمہیں پا سکوں گا۔ جب تم نے پہلی بار میرے پروپوزل کو ریجیکٹ کیا تھا، مجھے لگا تھا میرے لیے زندگی ختم ہو گئی ہے۔ میں چلا گیا تھا اور سوچا تھا کبھی واپس نہیں آؤں گا، مگر دیکھو زندگی مجھے تم تک کھینچ لائی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے تھے، اس کا اندازہ مجھے آج ہوا ہے۔ تھینکس ٹو بی مائے پارٹ لامعہ! آج تم میری زندگی کا حصہ ہو اور ہم ایک ساتھ عمر گزارنے جا رہے ہیں۔ میں خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں۔ آئی لو یو لامعہ!...... تم اگر میری زندگی میں نہیں آتیں تو میں مرتا نہیں، مگر کبھی اس طرح جی بھی نہیں پاتا''۔ وہ مکمل سچائی سے بولا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔

اندر ایک اطمینان دور تک پھیلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا اور زندگی بہت دلکش لگ رہی تھی۔

لامعہ کی آنکھوں میں جگنو سے چمک رہے تھے۔

وہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''تمہاری زندگی میں آنے سے خود کو بہت Complete فیل کر رہی ہوں، مگر ڈرتی ہوں، یہ سب خواب نہ ہو۔ آنکھ کھلے تو کہیں کچھ بھی نہ ہو''۔ لامعہ کو یک دم ہی اندیشے گھیرنے لگے تھے۔

اوزان مسکرا دیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے محترمہ! یہ جو آپ لمبا چوڑا ایک ہینڈسم سا بندہ دیکھ رہی ہیں نا، یہ بہت جلد آپ کا ہونے جا رہا ہے۔ بالکل قانونی طور پر، 100 فیصد آپ کا۔ اب تو آپ کو کوئی ڈاؤٹ نہیں ہونا چاہیے اور ہمارے مشرقی قسم کے بے چارے شوہروں کو تو جانتی ہیں آپ، کتنے معصوم ہوتے ہیں۔ بے چارے چاہتے ہوئے بھی ایک سے زائد شادی نہیں کر سکتے''۔ وہ بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''تو آپ کا پلان ہے، ایک کے علاوہ بھی شادی کرنا؟'' لامعہ نے مصنوعی خفگی سے گھورا تو وہ مسکرا دیا تھا۔

''ایک بہت مشکل سے ہو رہی ہے۔ دوسری کے لیے کیا سوچوں؟...... ایک لڑکی سے غلطی سے محبت کر لی تھی۔ اس نے اتنا تنگ کیا کہ اب اور کی ہمت ہی نہیں۔ تم ایک مجھے بہت ہو''۔

اوزان اسے محبت سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''ہمیشہ اسی طرح چاہو گے نا؟'' لامعہ نے پوچھا تھا۔

''ہوں...... سوچ تو رہا ہوں''۔ وہ مسکرایا تھا۔

''کیا......؟'' وہ چونکی تھی۔

''کہ آئی شُڈ کیپ لونگ یو......'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ''مگر اس کے ساتھ ہی مجھے بھی کچھ چاہیئے''۔

''کیا؟''

''تمہارا ساتھ...... تمہارا پیار''۔

''آئی وِل ڈُو''۔ وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں اپنی مکمل رضامندی سے بولی تھی۔

''وہاٹ اباؤٹ ناؤ''۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ لامعہ نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر ان نگاہوں میں اتنی تپش تھی کہ وہ زیادہ دیر دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ نظر خود بخود جھکتی چلی گئی تھی اور بالآخر وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ اوزان مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''تو تم نے طے کر لیا ہے؟'' سردار سبکتگین نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

گی بہت اُلجھی اُلجھی دکھائی دی تھی۔ اس کی سمت دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''کیا ہے یہ سب گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُلجھ کر اُسے دیکھا تھا۔

''اوں، ہوں...... کچھ نہیں''۔ گی نے سر انکار میں ہلایا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں یک دم ہی نمی تیرنے لگی تھی۔

''گی......!'' بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

گی کا ضبط ایک لمحے میں ٹوٹا تھا۔ آنکھوں سے پانی باہر چھلک رہا تھا مگر وہ پھر بھی مضبوط نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"گی!......وہاٹ دی ہیل اِٹ اِز؟" گی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لاری نے کہا تھا۔

تبھی وہ محبت سے گُندھی لڑکی اپنا ضبط ہار بیٹھی تھی۔ اس کے شانے پر سر رکھا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"کتنا مشکل ہے یہ سب میرے لیے، کوئی نہیں جانتا......کانٹوں پر لوٹ رہی ہوں میں۔ لحہ لحہ جان قیامت میں ہے میری...... کوئی نہیں جان سکتا کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور کس قدر سہہ رہی ہوں......میرا دل کیا چاہتا ہے اس بات کی خبر صرف مجھے ہے، کسی دوسرے کو نہیں......دل چاہتا ہے کوئی میرا ہاتھ تو تھامے اور ہولے سے کہے۔ "ڈمے......ڈمے......گی!" (مت جاؤ گی)......میں ایک سرگوشی اپنے کانوں میں سننا چاہتی ہوں......مگر وہ سرگوشی کہیں نہیں ہے۔ مگر سننے کے جتن میں کان لگاتی ہوں تو صرف میرے اندر کا سکوت مجھے سنائی دیتا ہے۔ اس سکوت کے ساتھ میں کیسے جیتی ہوں اور کیسے پل پل مرتی ہوں، یہ بات کوئی نہیں جانتا......کوئی بھی نہیں......!"

گی آج وہ کہہ رہی تھی جو اس نے کبھی پہلے نہیں کہا تھا۔ اس کے لبوں پر اس کے اندر کی آواز تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لہجے کا درد اندر تک محسوس کیا تھا مگر وہ ایک چھوٹی سی بات نہیں کہہ سکا تھا۔ جو گی اُس سے سننا چاہتی تھی۔

اُسے پہلی بار اندازہ ہوا تھا، وہ اندر سے کتنا بندھا ہوا تھا۔

اندر کیسے رنگ پھیلے تھے۔

اور ان رنگوں کے اسباب کیا تھے۔

وجود کے پورے علاقے پر کسی کا قبضہ محسوس ہوا تھا۔

پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اپنا آپ اپنا نہیں ہے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

پہلے جہاں وہ پاپا کے واپس آنے کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی، اب ان کے آنے پر جیسے ان سے بات کرنے کا سارا جواز ختم ہو گیا تھا۔

زوباریہ نے شاید انہیں مطلع کر دیا تھا کہ وہ ان سے کوئی بات کرنا چاہ رہی ہے اور ان کا انتظار بھی کر رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے اسے شام میں طلب کر لیا تھا اور میرب خالی ذہن اور خالی نظروں کے ساتھ ان کے سامنے جا بیٹھی تھی۔

اب کہنے کو، پوچھنے کو کچھ نہیں تھا۔

وہ کیا کہتی؟......سر جھکائے بیٹھی تھی جب پاپا بولے تھے۔

"سبکتگین کی والدہ اس روز آئی تھیں اور ہم نے تمام باتیں ڈسکس کی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں بچوں کو ایک موقع دینا چاہیے۔ اتنی آسانی سے گھر نہیں بنتے۔ اور بچے ناسمجھ ہوتے ہیں۔ مجھے ان سے پورا اتفاق ہے۔ اسی لیے میں نے وکیل سے بات کر کے اس کیس کو وہیں کلوز کروا دیا تھا"۔

پاپا کہہ رہے تھے اور وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ حیران ہوتی شاید اگر کوئی اور وقت ہوتا۔ وہ یہی جاننے کے لیے تو بے تاب تھی کہ

ان کے درمیان کیا کیا ڈسکس ہوا ہوگا۔یہی جاننے کی کوشش میں تو تھی اور اب جب جانا تھا تو......!

اندر کہیں کوئی اُمنگ نہ تھی۔

جیسا چاہا تھا، ویسا ہوا تھا۔

سب حسب منشا تھا مگر وہ خوش نہیں تھی اب۔

''زوباریہ نے بات کی تھی مجھ سے بیٹا!...... مجھے اندازہ ہوا میں جلدی میں بہت کچھ بگاڑنے چلا تھا۔بہت غلطی پر تھا میں۔تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟......ایک بار بتایا تو ہوتا۔میں اپنے بچے کے خلاف تو نہیں جا سکتا تھا''۔پاپا اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہے تھے۔

مگر وہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔

''آئی ایم سوری بیٹا!...... میں تمہارے خلاف گیا۔میں نہیں جان سکا کہ میرے بچے کے دل میں کیا ہے۔میں نے کوشش بھی نہیں کی آپ کو جاننے کی۔میری وجہ سے آپ کو جتنی تکلیف سہنا پڑی،اس کے لیے میں شرمندہ ہوں''۔

''نہیں پاپا!......آپ ایسا مت کہیے۔آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔آپ نے وہی کیا جو آپ کو مناسب لگا اور کوئی بھی پیرنٹس اپنی اولاد کے حق میں کچھ غلط نہیں چاہتے۔آپ کو میرے حق میں وہ مناسب لگا سو آپ نے کیا،مگر تقدیر میں کیا لکھا ہوتا ہے یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا۔پلیز،آپ کچھ بھی ایسا ویسا سوچ کر اسٹریس مت لیں۔جو بھی ہونا ہوگا،ہو جائے گا۔مجھے آپ سے یا آپ کے کسی بھی فیصلے سے کوئی اختلاف نہیں ہے''۔

میرب مکمل سعادت مندی سے بولی تھی۔

مظہر سیال نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟......رات سوئے نہیں کیا؟''سبکتگین ناشتے کی ٹیبل پر تھا جب مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔وہ کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''اماں!اب بس آپ اس کے لیے لڑکی لے ہی آیئے۔آج ہی میرب کے گھر جایئے اور شادی ڈیٹ فکس کر دیجیے''۔گی نے مشورہ دیا تھا۔

''مجھے اس کی شادی کا مشورہ دے رہی ہو اور خود جا رہی ہو؟''۔

''مجھے تو جانا ہی تھا مگر آپ وہ کریں جو ضروری ہے''۔گی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔''سو،کیا ڈیسائیڈ کیا آپ نے گین؟''

''مجھے کچھ ڈیسائیڈ کرنا تھا؟''سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُلٹا سوال داغ دیا تھا۔

''گین کی شادی کے بارے میں تو میں بھی سوچ رہی ہوں مگر اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو؟گین کی دوست ہو۔اس کی خوشی میں شامل نہیں ہوگی؟''اماں نے گی سے شکوہ کیا تھا۔

''اماں! میں ضرور شامل ہوتی۔ مگر آل اِز ڈن ناؤ۔ آئی ہوپ سو، اب جب میں واپس آؤں گی تو گین کے دو تین بچے ہو چکے ہوں گے''۔ وہ ماحول کو خوشگوار کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی تھی۔

مگر گین پر اس بات کا قطعاً کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''انشاء اللہ...... میری تو دیرینہ خواہش ہے گین کے بچوں کو گود میں کھلانے کی۔ پتہ نہیں کب وہ دن آئے گا جب میں اپنے پوتوں کو کھلاؤں گی۔ خدا پتہ نہیں یہ موقع دکھائے گا بھی کہ نہیں''۔ اماں کی آواز میں حسرت سی دکھائی دی تھی۔

''ایسا مت کہیں اماں! آپ ضرور دیکھیں گی''۔ گی نے خاموشی سے چائے انڈیلتے گین کی طرف دیکھا تھا۔

''گین!...... مائی کتنی پریشان ہیں، تم دیکھ رہے ہو؟''

''ہاں......!'' بہت مختصر سا جواب آیا تھا۔

ناشتے کی ٹیبل پر صبح ہی صبح بہت ثقیل گفتگو کا آغاز ہو چکا تھا جو کسی بھی طرح ٹھیک نہیں تھا۔ گین یقیناً اس سے بچنا چاہتا تھا۔ سارا اندر اُلجھا ہوا تھا۔

مگر......

''گین!...... کیا سوچا ہے تم نے؟'' مائی اماں کی آواز اُبھری تھی اور گین زیادہ بے تاثر نہیں رہ سکا تھا۔

''کس بارے میں مائی؟''

''تیری شادی کے بارے میں گین!''

''مائی! مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔ کیا ہم یہ بات شام میں کر سکتے ہیں؟''

''شام میں تو گی کو جانا ہے۔ تم بھول رہے ہو یہ بات۔ آج کام سے چھٹی کیوں نہیں لے لیتے؟'' مائی نے کہا تھا۔

''نہیں مائی! کچھ ضروری کام ہے۔ میں جلد واپس لوٹ آؤں گا''۔ وہ چائے کا کپ میز پر رکھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''چلتا ہوں مائی!...... گی! اپنی پیکنگ کمپلیٹ کر لینا۔ میں جلد واپس آ جاؤں گا''۔ وہ بول پڑا تھا۔

''رُکو گین!'' گی اُٹھ کر اس کی طرف آئی تھی۔

گین رُک گیا تھا۔

گی نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا تھا۔

''گین! شاید تم سے شام میں بات کرنے کا موقع نہ مل سکے اور مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ کیا تم مجھے آغا سپر مارکیٹ تک ڈراپ کر سکتے ہو؟...... اسی بہانے میں تم سے کچھ بات بھی کر لوں گی''۔ گی اپنی سی ایک آخری کوشش کرنا چاہتی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''اذہان بیٹا!......کیا سن رہی ہوں میں یہ؟......ساہیہ کینیڈا جا رہی ہے؟''

''ہاں......میں نے بھی یہی سنا ہے ممی! مگر میں نے ساہیہ سے فی الحال کوئی بات نہیں کی''۔اذہان نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے کہا تھا۔

''کیوں نہیں پوچھا؟''ممی نے پوچھا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے یہ سچ ہوگا؟''اذہان مسکرا دیا تھا۔''اُس لڑکی کی عادت ہے ممی!......مذاق کر رہی ہوگی''۔

''تم ایسا سمجھ رہے ہو اذہان؟''ممی نے اُسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔وہ کچھ الرٹ ہو گیا تھا۔

''اذہان! آئی ڈونٹ تھنک سو کہ تمہیں اس معاملے کو اتنا لائٹ لینا چاہیے۔بیٹا! اِٹس ناٹ اے جوک......میں نے خود فون کیا ہے۔ساہیہ واپس جا رہی ہے۔ایسا کیوں ہے، یہ میں نہیں جانتی۔شاید شاہینہ کے گھر والے بھی نہیں جانتے، مگر تم ایک ایسے انسان ہو جو یہ بات جانتے ہو''۔

''میں......؟ مگر ممی! مجھے تو خود کچھ پتہ نہیں۔ساہیہ نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا''۔

''مگر وہ تو کہہ رہی ہے تم جانتے ہو!''

''جانتا ہوں؟......ہاں......ایک بار بتایا تھا اُس نے۔بٹ آئی سپوز ڈشی مسٹ کڈنگ......اور اُسے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے جا رہی ہو کچھ دِنوں کے لیے''۔اذہان نے وضاحت دی تھی۔

''میں نہیں جانتی''۔فارحہ نے شانے اُچکا دیئے تھے۔

''لیکن اذہان بیٹا! اِٹس یور رسپانسبلٹی ناؤ......تمہاری زندگی کا حصہ ہے وہ۔اُس کا خیال رکھو''۔اذہان کئی لمحوں تک اس ٹرانس سے نکل نہیں پایا تھا۔

☆......☆......☆

''گین!......کبھی کبھی بہت سی چیزوں کو سمجھنے میں ہم بہت دیر کر دیتے ہیں۔میں نہیں چاہتی تم ایسا کرو......یا تمہارے معاملے میں ایسا ہو''۔گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ڈرائیو کرتے ہوئے اطمیان سے مسکرا دیا تھا۔

''گی ہنی!......کبھی کبھی معاملات کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔حل زیادہ بہتر انداز میں سامنے آ جاتے ہیں''۔لہجہ کسی قدر پُر اطمینان تھا۔

''زندگی کو اس طرح چھوڑ دینے سے کبھی کبھی کوئی حل نہیں نکلتا۔مسائل اور بھی اُلجھ جاتے ہیں گین!''

''یا......آئی نو......میں جانتا ہوں یہ۔مگر کبھی کبھی حل نکل بھی آتا ہے۔تم اس طرح پریشان مت ہو، گی! مجھے لگتا ہے کوئی بہتر حل ضرور نکل آئے گا''۔یہ گین نے اُسے یقین دلایا تھا۔

"گین! تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ اگر تمہاری زندگی میں کچھ بھی غلط ہوتا ہے تو مجھے اس کا بہت دُکھ ہوگا"۔ گی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یقین رکھو...... میری زندگی میں کہیں کچھ غلط نہیں ہوگا۔ اگر کہیں کچھ غلط ہوا بھی تو میں تم سے رجوع کرلوں گا۔ تم ہونا"۔ بات مذاق میں اُڑائی جارہی تھی۔

گی گہری سانس خارج کر کے رہ گئی تھی۔

"گین! میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی اگر تم میرے پاس کچھ بھی مانگنے آئے"۔

"اِیون چائے کی پتی بھی نہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُر خیال انداز میں سوچتے ہوئے کہا تھا۔

گی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"تم اتنی دور مجھ سے چائے کی پتی مانگنے آؤ گے؟"

"تم نیبر ہوگی نا میری۔ ہمارے گھر میں جب بھی چائے کی پتی ختم ہو جایا کرے گی ہم تم سے مانگنے آجایا کریں گے"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

غالباً اُسے برے موڈ کے ساتھ رخصت کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"تمہیں تو بالکل بھی نہیں دوں گی۔ ہاں، اگر تمہاری وائف آئے گی تو انکار نہیں کروں گی"۔ گی نے مسکراتے ہوئے کسی قدر تسلی بخش انداز میں جواب دیا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے کیوں نہیں؟...... اور میری وائف کو کیوں؟"

کیونکہ میرب تم سے زیادہ اچھی ہے اور مجھے زیادہ پیاری ہے۔ اسے تو میں کبھی بھی انکار نہیں کرسکتی۔ کسی صورت بھی نہیں"۔

"ٹھیک، آپ کی مرضی۔ آپ کچھ بھی کرسکتی ہیں"۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سعادت مندی سے آزاد قرار دے دیا تھا۔ گی مسکرادی تھی۔

"گی! تم بہت اچھی ہو...... میں تم سے یہ بات کہنا چاہتا تھا شاید۔ مگر کبھی کہہ نہیں پایا۔ تم پلیز! اپنی زندگی کو کبھی نئے راستے پر موڑنے کی کوشش کرنا۔ جس طرح تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو، اسی طرح میں بھی تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"میں خوش ہوں گین!...... تمہیں کس نے کہا میں خوش نہیں ہوں؟" وہ مسکرائی تھی۔

"اس طرح نہیں گی! میں تمہیں اندر سے خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ تبھی ہوگا جب تم اپنی زندگی پھر سے اسٹارٹ کروگی۔ پرامس ٹو می یو وِل ڈو ڈیٹ"۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا، مگر وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"گی! تم جیسی سمجھ دار لڑکی سے میں کوئی فضول بات ایکسپیکٹ نہیں کرتا۔ کوئی بے وقوفی نہیں کرو گی تم۔ اپنی زندگی کو بہت اچھی طرح گزارو گی۔ ورنہ......!" سردار سبکتگین نے دھمکی دی تھی۔

"ورنہ کیا؟" گی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ورنہ میں تمہارا انبیر کبھی نہیں بنوں گا"۔

"اچھا......" وہ ہنس دی تھی۔

"اِٹس ناٹ کڈنگ یار......!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے ڈپٹا تھا۔

"ہاں...... جانتی ہوں میں۔ مگر فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میرے پاس فی الحال کوئی خواب نہیں ہے۔ میرے پاس جتنے بھی خواب تھے وہ بکھر چکے ہیں۔ پتہ نہیں میں ان بکھرے ہوئے خوابوں کو سمیٹ پاؤں گی یا نہیں۔ یا پھر نئے خواب دیکھ پاؤں گی یا نہیں۔ میں نہیں جانتی۔ میں تم سے کوئی جھوٹا وعدہ بھی نہیں کر سکتی۔ یہ زندگی اتنی آسان نہیں ہے"۔

"آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا گی! مگر آسان بنایا تو جا سکتا ہے۔ تم اگر کچھ بدلنے کے بارے میں سوچو گی ہی نہیں تو کچھ کیسے بدلے گا؟"

"سبکتگین! مجھے وہ سب مت سمجھاؤ جو میں تمہیں سمجھا چکی ہوں۔ تم جانتے ہو میں ہر بات کو پہلے سے جانتی ہوں"۔

"تو پھر مجھے کیوں اتنا سمجھاتی ہو؟...... کیا میں نا سمجھ ہوں؟"

"نہیں...... تم نا سمجھ نہیں ہو گین! بس میں تمہیں کسی نقصان میں نہیں دیکھ سکتی"۔

"اور کیا میں تمہیں کسی نقصان میں دیکھ پاؤں گا......"

"نہیں دیکھ سکتے تو روک لو مجھے"۔ اس کی بات کاٹتی ہوئی گی اطمینان سے بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھونچکا رہ گیا تھا۔

"روک سکتے ہو مجھے؟" گی پوچھ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

گی بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! جانتے ہو تم مجھے کیوں نہیں روک پائے؟...... کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں نہیں لے پائے، کیونکہ تم اپنی زندگی میں کسی اور کو رکھتے ہو اور اس کے وجود کو مانتے بھی ہو۔ یہ جو تمہاری آنکھوں میں ایک وحشت سی ہے نا، یہ محبت ہے۔ محبت کرتے ہو تم میرب سیال سے۔ ورنہ تمہارے لیے کوئی بھی راہ اختیار کر لینا اتنا مشکل نہیں ہوتا"۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

"کوئی بھی فیصلہ لینا صرف اس وقت مشکل ہوتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! جب آپ اندر سے کہیں بندھے ہوئے ہوں، اگر آج آپ میرب کے ساتھ دل سے بندھے ہوئے نہیں ہوتے تو کوئی بھی نیا قدم آرام سے اُٹھا چکے ہوتے۔ آپ بالکل بھی ایسا نہیں کر

سکے...... یہ محبت ہے!''

گی پُر یقین تھی۔

''محبت ایسی ہی ہوتی ہے...... کچھ پُر یقین، کچھ بدگمان...... بٹ آئی نو، آپ کی یہ بدگمانی بہت جلد دور ہو جائے گی اور پھر آپ کو کوئی شکایت نہیں رہے گی''۔

گی کی منزل شاید آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی روکی تھی اور وہ چپ چاپ اُتر گئی تھی۔

''گی!...... تم بھی اپنے نئے راستوں کو تلاشو گی اور ایک مکمل زندگی بسر کرو گی''۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھے بِنا کہا تھا جیسے مزید دیکھے گا تو رہا سہا مان بھی جاتا رہے گا۔

گی کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

انابیہ نے چائے کا ایک کپ لا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ موصوف جاگ رہے تھے اور نیوز پیپر دیکھ رہے تھے۔ سنڈے کی روٹین اسٹارٹ تھی۔

''ممی کا فون آیا تھا...... اگلے سنڈے واپس آ رہے ہیں وہ لوگ''۔

''ہاں جانتا ہوں میں...... اور ان کے آتے ہی ان کی ضد شروع ہو جائے گی، میں تمہیں کہیں باہر لے جاؤں کچھ عرصے کے لیئے''۔ وہ اخبار سے نظریں اُٹھائے بغیر بولا تھا۔

انابیہ نے کسی قدر ناگواری اور برہمی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ انکار کر دیجیئے گا۔ آپ سے ایک انکار نہیں ہوتا''۔ انداز میں جلن بہت واضح تھی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''انکار ہی تو نہیں ہوتا۔ ممی کو خوش کرنے کے چکر میں ہی تو اتنا کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ......'' اس ادھورے جملے میں ایک الاؤ تھا جو انابیہ کو جلا کر ایک پل میں خاکستر کر گیا تھا۔

''تو یہ...... اتنا کچھ ماں کو خوش کرنے کے لیے تھا''۔

''کیا مطلب آپ کا؟...... وضاحت دیں گے آپ مجھے؟'' انابیہ نے جل کر پوچھا تھا، مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ نگاہیں اس پر نہیں، نیوز پیپر پر تھیں۔

''کس بات کی وضاحت چاہتی ہیں آپ؟...... آف کورس شی اِز مدر۔ ان کی بات نہیں مانوں گا تو پھر کس کی بات مانوں گا؟''

''تمہارا مطلب ہے تم نے اُن کی بات مان کر......'' انابیہ سے آگے کچھ بھی کہا نہیں گیا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ بہت تاریک لگا تھا۔

وہ قربتیں......

وہ احساس......

وہ مروت......

جسے وہ حق سمجھ رہی تھی، درحقیقت وہ ایک احسان تھا۔

اوہ......!

اپنا آپ ایک لمحے میں بہت پست لگا تھا۔

چہرے پر ایک تاریک سایہ تھا۔ جب وہ مڑنے لگی تھی، عفنان علی خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ غالباً موڈ میں تھا مگر وہ مڑی نہیں تھی۔ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

عفنان علی خان نے اسے ایک جھٹکے سے بیڈ پر گرا لیا تھا۔

وہ اسے کچھ لمحے پھر نواز نے کے درپے تھا مگر وہ یک دم ہی جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے ممی کی طرف جانا ہے......اوزان کی شادی کے کئی کام پڑے ہیں۔ آپ ڈرائیور سے کہہ کر چھوڑ وا دیں گے؟'' لاتعلق سے انداز میں بولی تھی۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔

انابیہ نے دروازہ کھولا تھا اور باہر نکل گئی تھی۔

ایک پل میں......

فاصلے صدیوں سے بڑھ گئے تھے۔

خاموشیاں تھیں کہ ٹوٹ نہیں رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''پھپھو! کتنا مزہ آئے گا نا آپ کی شادی پر......ڈھیر سارے چمکیلے کپڑے بنوائیں گے ہم۔ یہ بھڑک دار......!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اگینے مسکرا دی تھی۔

''بھائی......بھائی کو فون کرو۔ پوچھو کب آ رہے ہیں وہ''۔

''ہاں، وہ تو میں کرلوں گی، مگر آپ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مت بیٹھیں اب۔ آپ برائیڈ ہیں۔ سیلون جائیں، کوئی ٹریٹمنٹ لیں۔ رُکیں میں آپ کے لیے فون کر کے اپائنٹ منٹ لیتی ہوں''۔ ساہیہ نے خوشی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے فون اُٹھایا تھا۔

''ڈھیری ساری پکچرز لے کر جاؤں گی آپ کی۔ اپنے کمرے میں یہاں وہاں، ہر جگہ لگا دوں گی۔ مایوں کی، مہندی کی، شادی

کی، ولیمہ کی اور پھپھو......"

"ساہیہ! تم واپس کیوں جا رہی ہو بچے؟" اگینے نے پوچھا تھا اور وہ جو روانی سے بول رہی تھی اگینے کے پوچھنے پر یک دم ہی چپ ہو گئی تھی۔

"ماما پاپا سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے پھپھو! سچ میں بہت دل اُداس ہے۔ آپ کو یاد نہیں آتی کیا ان کی؟" وہ دوسرے ہی پل مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"دو ماہ پہلے تک تو وہ یہیں تھے ساہیہ! اور جہاں تک مجھے لگتا ہے اِٹس ناٹ دی ریزن۔ ہو سکتا ہے تم اُداس ہو۔ مگر ڈیئر پرلاٹس آف دی ری سورسز۔ نیٹ ہے، فون ہے، کیم ہے۔ تم انہیں دیکھ سکتی ہو، بات کر سکتی ہو۔ پھر جانا کیوں ضروری ہے؟"

"تھک گئی ہوں کام سے...... تھک گئی ہوں پھپھو! کچھ دنوں تک ریسٹ لینا چاہتی ہوں ہر شے سے۔ ہر طرح کی ٹینشن سے فری ہونا چاہتی ہوں۔ یہ بھاگ دوڑ، یہ افراتفری، سب باتوں نے بہت تھکا دیا ہے مجھے۔ سچ میں، بہت تھکن فیل ہو رہی ہے۔ اگر آپ کی شادی کی بات بیچ میں نہ آ جاتی تو میں کب کی نکل چکی ہوتی۔ دل تو بہت چاہتا ہے رُکوں، ساری رسموں میں شرکت بھی کروں۔ مگر......" وہ مسکرا دی تھی۔

"تم نہیں جاؤ گی ساہیہ!...... میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ کم از کم میری شادی تک تو رُکو"۔ اگینے بولی تھی۔

وہ کچھ بھی بولے بغیر مسکرا دی تھی۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ دونوں چونکی تھیں۔

"ساہیہ!" اگینے بولی تھی۔

"لگتا ہے پھپھو! آپ کا مایوں کا جوڑا آ گیا ہے"۔ ساہیہ مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور سامنے اذہان حسن بخاری کو دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"حیران ہو......؟"

"نہیں......" وہ پیچھے ہٹی تھی۔

"ہو تو......" وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

اگینے غالباً کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"کون ہے ساہیہ؟" وہیں سے آواز دے کر پوچھا تھا۔

"پھپھو! اذہان ہیں...... میں سمجھی تھی، پھپھو کا مایوں کا جوڑا آیا ہے اُن کی سسرال سے"۔ وہ بے تاثر بنی ہوئی بولی تھی۔

"سسرال سے جوڑا تو نہیں آیا، مگر سسرال خود حاضر ہے۔ جوڑا ابھی بن چکا ہے۔ اب آگے کیا مرضی ہے؟" اذہان حسن بخاری

مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر خوشگوار انداز میں بولا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

''جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ یو نو میڈ اِن ہیون۔ زمین پر تو صرف بات بنتی ہے۔ آپ کچھ کنفیوژ دکھائی دے رہی ہیں۔ خیریت؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟''

''ٹھیک ہوں میں۔ ایک دم پرفیکٹ۔ آپ کی باتوں پر کچھ حیران تھی''۔ وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''کیوں......ایسا کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟'' اسے بازوؤں سے تھام کر اپنے مقابل کیا تھا اور بغور دیکھا تھا۔

''نہیں، کچھ غلط نہیں کہا، مگر آپ کا موڈ...... یو سیمس ویری چیئرفل اینڈ ہیپی ٹوڈے۔ خیریت؟''

''کیوں؟...... پہلے کبھی میں اچھے موڈ میں نظر نہیں آیا کیا؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''بہت کم''۔ وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں...... کچھ ایسا غلط بھی نہیں، مگر یہ تمہارے ساتھ ہونے سے ہے۔ تم ساتھ ہو تو سب اچھا لگتا ہے۔ برے سے برا دن بھی۔ خراب سے خراب موسم بھی......!''

''کیا بات ہے؟...... آج واقعی آپ اچھے موڈ میں ہیں۔ کہیں یہ خوشی میرے یہاں سے جانے کی تو نہیں؟'' وہ مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری کے مسکراتے لب یک دم ہی سکڑ گئے تھے اور اس کے کاندھوں پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

''ساہیہ!'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

ساہیہ کی روم روم حسِ سماعت بن گئی تھی۔

سارا اندر اس کی آواز کے زیرِ بندھ گیا تھا۔

''ساہیہ!...... سب کچھ جانتی ہو تم، مجھے آج تک ایسا لگتا تھا۔ مگر تم...... تم مجھ سے اس حد تک برہم ہو، میں نہیں جانتا تھا۔ تم جانتی ہو، میں نے کبھی تم سے کسی طرح کا کوئی جھوٹ نہیں کہا۔ کہیں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ پھر بھی جانے کیوں''۔ وہ غالباً بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔

ساہیہ کو بری طرح افسوس ہوا تھا مگر وہ فوری طور پر کوئی ازالہ نہیں کر سکی تھی۔

''ارے اذہان! تم آئے ہو۔ بیٹھو نا، کھڑے کیوں ہو؟...... فارحہ بھابی کیسی ہیں؟ اور سعد بھائی؟'' وہ معمول کے انداز میں مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں اگینے!'' اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''ساہیہ!...... اذہان کے لیے چائے بناؤ بیٹا''۔

''نہیں اگینے! اس کی ضرورت نہیں۔ میں بس یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا ملتا چلوں۔ چائے پھر کبھی سہی۔ چلتا ہوں۔ سی یو''۔ وہ

بولا تھا اور مڑ کر فوراً ہی وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ساہیہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

اگینے نے اُسے جاتا ہوا حیرت سے دیکھا تھا۔

''اسے کیا ہوا؟......اتنی جلدی کیوں چلا گیا؟''

''پتہ نہیں پھپھو! شاید کام ہو''۔ساہیہ بولی تھی اور وہاں سے نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

''اتنا کچھ ہوا اور تم نے کسی کو کچھ نہیں بتایا؟''سیفی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔میرب فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔

''میرب! اسے بے وقوفی کہتے ہیں جو تم کر رہی ہو۔مجھے تو حیرت ہے تم ہو کس انتظار میں؟ تمہیں لگتا ہے کوئی کرشمہ کہیں اچانک سے ہوگا اور سب کچھ بدل جائے گا؟''

''نہیں، مجھے ایسا کچھ نہیں لگتا۔اور ایسا کچھ ہوگا بھی نہیں۔مجھے لگتا ہے، پاپا جو بھی کر رہے تھے وہ زیادہ ٹھیک تھا۔اگر اس رشتے کو ختم ہونا ہے تو یوں ہی سہی۔مگر آئی کانٹ بیئر اِٹ اینی مور۔میرے لیے یہ سب سہنا بہت مشکل ہے سیفی! سچ میں دم گھٹنے سا لگا ہے''۔میرب تھکے ہوئے سے لہجے میں بولی تھی۔

''محبت سب سے بڑی بے وقوفی ہے میرب! اور تم یہ بے وقوفی کر چکی ہو۔اب تمہیں کیا لگتا ہے تم ان مسٹر ہٹلر کو بھول پاؤ گی؟ اب کیا ڈیسائیڈ کیا ہے تم نے؟''

''مجھے نہیں پتہ سیفی! میں نے اب سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا ہے، اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یہ رشتہ توڑنا ہے تو یوں ہی سہی، مگر اب میں مزید نہیں چلوں گی''۔

''یہ فیصلہ تم نے بہت دیر میں کیا ہے میرب! تم بھول رہی ہو۔اب یہ تمہارے ہاتھ میں بھی نہیں رہا۔اور تم آسانی سے خود کو وقت کے حوالے کر رہی ہو۔تم نے ان محترم ہٹلر کو خود سے اس طرح کھیلنے کا حق ہی کیوں دیا؟''سیفی ناگواری سے بولا تھا۔وہ سر جھکا گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ سیفی! مگر شاید محبت مجھے بہت سے چانس دے سکتی ہے۔یہ میری اس کے لیے محبت ہی تھی جس نے اسے اتنے مواقع دیئے۔پتہ نہیں کس بات کے انتظار میں تھی میں۔سمجھ ہی نہیں آیا مجھ کو۔آنکھیں، عقل سب بند تھا جیسے۔آج سوچا تو پتہ چلا سب خسارہ تھا۔آج سوچتی ہوں، پلٹ کر پیچھے دیکھتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کیا کیا گنوا دیا میں نے۔کل میں اس رشتے کو بنانے کے حق میں نہیں تھی۔اور آج اس سے دامن نہیں چھڑا پا رہی ہوں''۔

سیفی نے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''آئی نو.....تمہارے لیے یہ سب مشکل ہے میرب! مگر ٹیک اِٹ ایزی''۔سیفی نے اسے حوصلہ دیا تھا مگر یہ بہت بودا تھا۔وہ

چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''پاپا کو لگتا ہے سیفی! وہ اس سب کے ذمہ دار ہیں۔ اگر انہوں نے تب میرا نکاح سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ نہ کیا ہوتا تو صورتِ حال آج کچھ مختلف ہوتی۔ مگر مجھے ایسا نہیں لگتا کہ اس میں ان کا کوئی قصور ہے۔ یہ میرے نصیب میں درج تھا، لکھا تھا ایسا، سو پورا ہوا جیسے اب تک ہوتا آیا ہے۔ میں آگے بھی معاملات کو وقت پر ڈال دینا چاہتی ہوں۔ جن معاملات کا حل ہم نہیں نکال پاتے، ان کا حل خدا بہتر نکالتا ہے''۔ میرب کو جیسے اب کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔ کسی سے نہیں۔ نہ وقت سے، نہ حالات سے، نہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے۔

وہ بہت پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

''مجھے اُمید ہے میرب! سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''مجھے اب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا سیفی!...... کچھ ٹھیک ہو یا نہ ہو، اب میں اپنی زندگی کو اور ضائع نہیں کروں گی۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ شادی زندگی کی منزل نہیں ہے صرف''۔ وہ پُرعزم لہجے میں بولی تھی۔

''تمہیں ضرورت ہے میرب! اپنا دھیان کسی اور طرف لگانے کی اور خود کو پوزیٹو سمت کی طرف لانے کی۔ اِٹس بیٹر فار یو''۔ سیفی نے ایک دوست ہونے کے ناتے سراہا تھا اُسے۔

''میں پاپا کے ساتھ ان کا بزنس دیکھوں گی سیفی!...... آئی رئیل گاٹ فیڈ اپ ناؤ''۔ میرب کا لہجہ پُرتھکن تھا۔

اور سیفی اس کا بھرپور حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''میں میرب سے ملنا چاہتی تھی گین! مگر نہیں مل پائی۔ پلیز تم اس سے ملو تو میری طرف سے سوری کر دینا''۔ گی نے ایئرپورٹ پر کھڑے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا جیسے یہ ذکر ایک فضول ذکر ہو۔

''تم اپنا خیال رکھنا گی! اور جیسا میں نے تمہیں صبح کہا تھا، ویسا کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم میری باتوں پر عمل کرو گی تو مجھے خوشی ہو گی''۔ اُسے تاکید کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''اور مجھے بھی خوشی ہو گی گین! اگر تم اپنے دل کی مانو۔ پلیز، خود سے بھاگنا، بچنا، نگاہ چرانا ترک کر دو۔ محبت اگر زندگی کے لیے ضروری ہے تو اسے ہو جانے دو۔ تمہیں اگر لگتا ہے تم ایسا کوئی اعتراف کر کے ہار جاؤ گے تو مان لو، یہ کوئی ہار نہیں۔ محبت میں ہارنے والا ہارتا نہیں۔ محبت میں جو ہار مانتا ہے اس کی جیت ہوتی ہے''۔ وہ جاتے جاتے بھی اس کے رشتے کو ایک نہج پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پتہ نہیں سنا تھا کہ نہیں۔

''گی! اناؤنس منٹ ہو رہی ہے۔ اپنا خیال رکھنا''۔

''رکھوں گی گین!......تم پرامس کرو، میرب کو لے کر ایک بار مجھ سے ملنے ضرور آؤ گے''۔

''بائے گی!......ٹائم ٹو گو''۔ اُس کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

''میری باتوں کو نظر انداز مت کرو گین! اِٹس امپورٹنٹ''۔ گی نے اسے ہگ کرتے ہوئے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

''پرامس تمہیں پورا کرنا ہے گی!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یاد دلایا تھا۔

''گی کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی جواباً۔ بس آنسو پونچھے تھے اور پلٹ کر چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اُسے دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''تم شام میں ناراض ہو کر گئے تھے؟'' ساہیہ نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔ اذہان جوزینے کی طرف بڑھ رہا تھا، رُک گیا تھا۔

''نہیں''۔ مختصر جواب دیا۔

''پھر مجھے ایسا کیوں لگا کہ تم ناراض ہو کر گئے ہو؟'' وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ غالباً اس کے موڈ کو معمول پر لانا چاہا تھا مگر اذہان مسکرایا نہیں تھا۔

''آثار تو سارے ناراضگی والے ہی تھے۔ اب بھی چہرہ صاف بتا رہا ہے''۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں......ایسا نہیں ہے۔ میں تم سے ناراض کیوں ہوں گا؟'' وہ لاتعلقی سے بولا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

''ہاں، تم بھلا مجھ سے خفا کیوں ہو گے؟'' ایک شکوہ سا تھا لہجے میں۔ اذہان اُسے کسی قدر ناگواری سے دیکھنے لگا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ!......ایک بار پھر غلط۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا''۔ اذہان نے باور کرایا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی، پھر بولی تھی۔

''تم بزی تو نہیں ہو؟''

''اس وقت؟'' چونکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ''نہیں......بالکل بھی نہیں''۔ سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تو چلو پھر آئس کریم کھانے چلتے ہیں''۔ وہ بولی تھی۔

''اس وقت؟'' وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''ہاں۔ اس وقت''۔ وہ منہ بگاڑتے ہوئے بولی تھی۔ ''میرا دل چاہ رہا ہے اذہان! کتنے دن سے تمہارے ساتھ کہیں نہیں گئی اور

یوں بھی آئی وانٹ ٹو کلیکٹ سم گڈ میموریز۔ چلونا''۔ وہ بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مگر اسے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ سو تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کے ساتھ آئس کریم پارلر میں تھا۔

''تمہیں یاد ہے اذہان! جب میں یہاں آئی تھی تو تم کیسے غصیلے بلے جیسے تھے۔ یہ غصہ ہر وقت ناک پر دھرا تھا تمہاری اور مسکرائے تو تم کبھی نہ تھے۔ مگر کتنا ستایا تھا میں نے تمہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی بہانے تمہارے سر پر سوار رہتی تھی تاکہ تمہارے اس موڈ کو چینج کر سکوں۔ کتنا اری ٹیٹ کرتی تھی نا میں تمہیں''۔ وہ یاد کرتے ہوئے ہنسی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''نہیں...... تم مجھے بالکل بھی اری ٹیٹ نہیں کرتی تھیں۔ میں بالکل بھی اری ٹیٹ نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اچھا لگتا تھا جب تم میرے آس پاس ہوتی تھیں اور اب بھی اچھا لگتا ہے۔ تم جب پاس ہوتی ہو مجھے ہر شے بہت کمپلیٹ سی لگتی ہے''۔ وہ کیسے کیسے انکشاف کر رہا تھا مگر ساہیہ پر کسی شے کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اس بات کو، اس موقع کی نہج کو بالکل نہیں سمجھ رہی تھی۔

''کل میں گھر آؤں گی۔ تمہارے کمرے سے تمہاری پکچرز اگر غائب ہو جائیں تو سمجھ لینا میں انہیں چرا کے لے جا چکی ہوں۔ میرے پاس تمہاری کوئی تصویر نہیں ہے، مگر کینیڈا خالی ہاتھ تھوڑی جاؤں گی میں۔ تمہاری بہت سی یادوں کے ساتھ تھوڑی سی پکچرز بھی چرا کر لے جاؤں گی''۔ وہ اسی خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''تم واقعی جا رہی ہو؟'' اس کے لہجے کی مکمل خوشگواری کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

ساہیہ چونکی تھی، پھر ہنس دی تھی۔

''ہاں نا...... مجھے مِس کرو گے؟'' اِک آس سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تم واقعی جا رہی ہو؟'' اس کا سوال بدستور تھا۔

ساہیہ جو مسکرا رہی تھی، چپ ہوئی تھی۔ ہونٹ سکوڑے تھے، پھر مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''کیوں جا رہی ہو؟'' وجہ جاننا چاہی تھی۔

''کیا مطلب کیوں جا رہی ہو''۔ وہ ہنس دی تھی۔ ''دل چاہ رہا ہے''۔ وہ بالکل بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

''مذاق کی بات نہیں ہو رہی ساہیہ! تم مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو ہمیشہ۔ مگر اس وقت میں کچھ سیریس میٹر ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔ کائنڈلی پے یور اٹینشن''۔ وہ بولا تھا۔ لہجے میں سنجیدگی تھی۔

ساہیہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اذان نے بھی اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''اب بتاؤ، کیوں جا رہی ہو؟'' جاننا چاہا تھا مگر ساہیہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی جیسے اس کے پاس فوری طور پر کوئی جواز نہیں تھا یا پھر وہ اسے کہنا نہیں چاہتی تھی۔

''ہر تعلق توڑ کر جا رہی ہو؟''۔ ایک سوال مزید ہوا تھا مگر ساہیہ خاموش تھی۔

☆......☆......☆

اوزان کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔عفنان کو معلوم تھا، اسے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہو گی مگر وہ منہ سے کچھ نہیں کہے گی۔سو اپنے طور پر ہی اس کی بہت سی شاپنگ کر کے آ گیا تھا۔

اندازہ تو نہیں تھا اُسے کیا کیا چاہئے مگر اپنے طور پر اس نے ہر شے کافی کوانٹٹی میں لے لی تھی۔جیولری کے دس بارہ سیٹ، دس بارہ قیمتی ساڑھیاں، میچنگ جوتے۔کوشش کی تھی کوئی کسر باقی نہ رہے۔اب اُسے پسند آنا تھا یا نہیں، وہ نہیں جانتا تھا۔مگر اسے بتائے بغیر اپنے طور پر سب اسے لے کر Present کرنا چاہتا تھا۔

وہ باتھ لے کر نکلی تھی تو ہر شے یہاں سے وہاں بکھری دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔

''کیا ہے یہ؟...... یہ سب کہاں سے آیا؟'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

عفنان نے اسے بغور دیکھا تھا۔بھیگے بھیگے گیسو چہرے کے اِردگرد بکھرے ہوئے تھے۔پانی کی کئی بوندیں چہرے پر تھیں۔وہ نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔

''یہ سب تمہارے لیے ہے''۔

''میرے لیے؟'' وہ مزید حیران ہوئی تھی۔''مگر کس لیے؟''

''تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ایسا مجھے لگا''۔

''آپ کو لگا یا ممی نے فون کر کے کہا؟'' وہ طنز کرتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان کا سارا اشتیاق دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔وہ لب سکوڑ گیا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ انہوں نے مجھے فون کر کے کہا ہو گا تبھی میں نے ایسا کیا؟'' لہجے میں کچھ ناگواری تھی۔اس کے لیے یہ سب کر کے جو خوشی اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا، نہیں دیکھ پایا تھا۔

''آپ سے کچھ بھی ایکسپیکٹ کر سکتی ہوں میں۔کہیں یہ سب ایک ''قیمت'' تو نہیں؟'' وہ طنز میں بجھے تیر چلا رہی تھی۔

''انابیہ......!'' وہ دھاڑے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ہاتھ اُٹھا تھا مگر وہ اسے مار نہیں سکا تھا۔وہ اپنی نادانی میں کیا کہہ گئی تھی، وہ شاید خود بھی نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔انابیہ کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

سردار سبکتگین حیدر لغاری تنہا ہوا تھا تو بہت سی باتوں کو از سرِ نو سوچا تھا۔نگاہ میں ایک چہرہ در آیا تھا۔وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ چپ رہتا۔کچھ نہ کہتا۔کسی کو نہ بتایا۔مگر گی جان گئی تھی اور یہی سچ بھی تھا۔

اس کی زندگی میں بہت عرصے سے کوئی شریک ہو چکا تھا۔اس کا حصہ بن چکا تھا اور اب وہ بھی اس کا عادی ہو چکا تھا۔

کتنا بدل چکا تھا وہ خود کو اس کے لیے پہلے دن سے اب تک۔ کتنا زیادہ......!

پرامس تو اس نے نہیں کیا تھا گی سے مگر وہ خود کو میرب کے بارے میں سوچنے سے نہیں روک پا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا ایسا مگر جیسے سوچیں اس سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

جب سے وہ گئی تھی ہر طرف ایک ویرانی ہی ویرانی بکھر گئی تھی۔ اپنے پیچھے کے سارے منظر وہ فانی اور بے جان کر گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، اس بات سے واقف بھی نہیں تھی، مگر سچ تھا اس کے بغیر اس کی زندگی میں تھوڑی نہیں، بہت زیادہ کمی واقع ہو چکی تھی۔ ایک خلا سا اُبھر آیا تھا۔ وہ سر جھکائے سموکنگ کر رہا تھا جب مائی چلتی ہوئی اس کے قریب آن رُکی تھیں۔

''تم سوئے نہیں اب تک گین؟''

''بس مائی! نیند نہیں آ رہی تھی''۔ اس نے سگریٹ مسلتے ہوئے کہا تھا۔

''گی کے چلے جانے سے اس گھر کا سُونا پن اور بھی بڑھ گیا ہے نا''۔

''ہاں......مگر گی کو تو چلے ہی جانا تھا''۔

''ہاں......سچ کہتے ہو۔ گی کو تو جانا ہی تھا۔ آخر کوئی کتنی دیر کہیں رُکتا ہے۔ مہمان کو تو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے مگر......'' مائی نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

سردار سبکتگین بچہ نہیں تھا جو کچھ نہ سمجھتا۔ ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی، مائی کیا کہنا چاہ رہی تھیں اور کس کے متعلق۔

''مجھے میرب بہت یاد آ رہی ہے گین بیٹا! وہ اس گھر میں تھی تو اس گھر کے ویرانے جیسے ختم ہو گئے تھے، مگر ایک عرصے بعد پھر وہی سکوت ہے اس گھر میں۔ وہ اس گھر میں آئی تھی تو رونق لائی تھی۔ اپنے قدموں کے ساتھ کئی خواب باندھ لائی تھی۔ میری بوڑھی آنکھوں نے کیسے کیسے خواب بُننے شروع کر دیئے تھے مگر......''

مائی کے لہجے میں ایک حسرت بول رہی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس حسرت کو صاف محسوس کر رہا تھا۔

''گین بیٹا! آج شام مظہر میاں کا فون آیا تھا۔ میرب کے سلسلے میں بات کر رہے تھے وہ۔ ہمارے درمیان طے پایا تھا کہ یہ رشتہ ختم نہیں ہوگا۔ سو انہوں نے کیس واپس لے لیا، مگر اب ہماری طرف سے کوئی پیش رفت نہ پا کر وہ کچھ متفکر سے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ بیٹا! تمہارے دل میں کیا ہے۔ اگر میں سمجھتی بھی ہوں تو شاید اس طور پر نہیں سمجھ پاتی۔ کیونکہ میں اس بچی کو لے کر زیادہ پریشان ہوں۔ تم میرے بیٹے ہو۔ شاید کہیں تم اس سے اتنے خوش نہیں ہو جتنا ایک شوہر کو ہونا چاہیے اس رشتے کو لے کر۔ مگر میں اپنے بیٹے کی کوئی کوتاہی نظر انداز نہیں کر سکتی، صرف یہ سوچ کر کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتی ہوں تمہیں اب اس کی ضرورت اپنی زندگی میں محسوس ہونے لگی ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح ہمیں اس گھر میں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہم چاہیں تو اسے اپنے گھر میں بیاہ کر لے بھی آئیں اور تم انکار بھی نہ کر سکو۔ مگر اس سے قبل میں

چاہتی ہوں اس بچی کو جتنا سہنا پڑا ہے تم اس کا ازالہ کر دو۔ دل سے۔ کسی زور زبردستی سے نہیں۔ تم نے اس کے ساتھ کہیں نہ کہیں ناانصافی کی ہے۔ تم سے یہ ناانصافی ہوئی ہے۔ تم اس رشتے کو اتنی ایمان داری سے نبھا نہیں پائے جس طور تمہیں نباہنا چاہئے تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تم بے وفائی کے مرتکب ہوئے۔ مگر تم نے اس کا دل دُکھایا ہے گین! ایک شوہر کو اپنی بیوی کی خوشیوں کا ہر طور خیال رکھنا چاہیے اور تم اس کا خیال نہیں رکھ پائے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں چاہتی ہوں تم میرب سے اپنی خوشی سے ملو۔ اور اس بات کا ازالہ کرو"۔

مائی بہت نرمی کے ساتھ اس کو حکم نامہ جاری کر رہی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

بات کچھ عجیب یا انوکھی نہیں تھی۔

دل بھی تو کچھ ایسا ہی بول رہا تھا۔

اگر مائی کی نہیں بھی سنتا تو دل تو کہہ ہی رہا تھا۔

ہاں وہ اُس کے لیے ضروری تھی۔

تھوڑی نہیں......کسی قدر نہیں۔

بہت زیادہ۔

مگر یہ بات وہ اس سے کیسے کہتا......؟

کس طرح کہتا......؟؟

اس بات کا حل وہ نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔

مگر حل چاہیے تو تھا۔

اگر یہ مسئلہ تھا تو اسے حل تو کرنا ہی تھا۔

مائی اپنی بات کہہ کر کب کی جا چکی تھیں اور وہ اب تک اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔

اب تک سو نہیں پایا تھا۔

دل اس کے ساتھ کس طور، کس قدر بندھ چکا تھا، اس کا پتہ اتنی دیر سے کیوں چلا تھا۔

یا پھر اس نے ہی آج تسلیم کیا تھا۔ اپنی کوتاہی کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

☆......☆......☆

"انابیہ! تمہیں وہ سب چیزیں پسند آئیں بیٹا؟" مائی نے فون کر کے پوچھا تھا۔

انابیہ چونک پڑی تھی۔ ایک تو بہت عرصے بعد مائی اماں سے بات ہو رہی تھی۔ دوسرا وہ ان کا بہت ادب بھی کرتی تھی، جس طرح کہ عفنان کرتا تھا۔

''جی مائی!......آپ کو کیسے پتہ چلا کہ......''

''لو......وہ میرے ہی پاس تو آیا تھا پریشان حال سا۔ بولا تمہارے بھائی کی شادی ہے اور تمہیں وہ بہت سے تحفے تحائف دینا چاہتا ہے۔اس میں اس کی مدد کروں۔ کیونکہ فاطمہ تو وہاں ہے نہیں۔سو میں ساتھ چل دی، مگر ایک ایک شے میں مرضی عفنان کی ہی رہی۔ بہت پیار کرتا ہے وہ تم سے۔ بہت پریشان تھا کہ پتہ نہیں تمہیں یہ سب پسند بھی آتا ہے کہ نہیں۔ میں تو کہتی رہی بھلا پسند کیوں نہیں آئے گا۔ بیوی کے لیے تو شوہر ایک چھوٹی سی شے بھی اپنی مرضی اور شوق سے لے آئے تو وہ لاکھوں روپے سے زیادہ قیمتی لگتی ہے اور تمہارے لیے تو اس نے روپیہ پانی کی طرح بہادیا۔ بیٹا!عفنان کی محبت کی قدر کرنا۔ایک اچھی بیوی کی یہی نشانی ہے۔عموماً مشرقی بیویاں بڑی وفا شعار ہوتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی بڑی آؤ بھگت کرتی ہیں مگر شوہر پلٹ کر پوچھتا تک نہیں۔اگر شوہر اس خدمت اور محبت کا کوئی انعام اپنی مرضی اور خوشی سے دے تو اس سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔ ہمارا زمانہ تو گزر گیا۔ یہ تم لوگوں کا زمانہ ہے مگر کچھ باتیں تو اب بھی پرانی ہی ہیں بیٹا!'' مائی محبت سے کہہ رہی تھیں۔

انابیہ نے سر ہلا دیا تھا۔

''جی مائی!......ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ''۔

''اچھا، یہ بتاؤ ساس کب واپس آرہی ہیں تمہاری؟ کچھ زیادہ لمبا ٹور نہیں ہو گیا ان لوگوں کا؟'' مائی مسکرائی تھیں۔''ہاں بھئی جب گھر سنبھالنے کو ایک اچھی بہو موجود ہو تو پھر ساس کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری بہو میرب بھی میرے گھر میں آجائے تو میں بھی سب ذمہ داریوں اور کاموں سے چھٹی لے کر لمبے عرصے کے لیے نکل جاؤں گی''۔ مائی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔''بیٹا! وقت نکال کر ایک چکر مائی اماں کی طرف بھی لگاؤ''۔

''جی مائی!ضرور۔اوزان کی شادی نمٹ جائے تو پھر بس چکر لگاتے ہیں۔آپ سنایئے، کب رخصتی کروا رہی ہیں سبکتگین بھائی کی دُلہن کی؟''

''بس بیٹا! جلد ہی''۔ مائی نے کہا تھا۔''اچھا بیٹا! میں فون رکھتی ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔اپنا خیال رکھنا''۔

''جی مائی......!'' وہ سعادت مندی سے بولی تھی۔

فون ہاتھ میں لیے وہ کتنی دیر ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔

☆......☆......☆

گاڑی گھر کے پورچ میں رُکی تھی۔ساہیہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔

''ساہیہ!'' وہ چلتی ہوئی آگے بڑھ جانے کو تھی جب اذہان گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور اسے سرعت سے پکارا تھا۔وہ رک گئی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔

''اپنے اور میرے بیچ کے رشتے کو ان خاموشیوں کی نذر مت کرو''۔

''ساہیہ! آئی وونا لسن یور پلائے۔ آئی وونا لسن دی ریزن۔ ٹیل می''۔ اُسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ ساہیہ خاموشی سے سر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہے اذہان!......آئی ایم ٹائرڈ۔ ہم صبح بات کریں گے۔ گڈ نائٹ''۔ وہ کہہ کر سرعت سے پلٹی تھی جب اذہان نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

اذہان نے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''آئی نیڈ یو۔ ڈیم اٹ۔ آئی نیڈ یو۔ فور مائی ہول لائف۔ ایک دن کے لیے، دو چار دن کے لیے بھی نہیں، پوری عمر کے لیے ضرورت ہے مجھے تمہاری۔ آئی مِین اِٹ۔ تمہارے بنا میں بہت ادھورا ہوں۔ پلیز مجھے اس طرح ادھورا مت چھوڑو۔ یو کمپلیٹ می بے بی! سو ڈونٹ گو۔ پلیز اسٹے''۔ مدھم سرگوشیوں میں کیا کیا کچھ نہ تھا۔

وہ سر اٹھائے نگاہ ساکت کیے اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنی قریب تھی وہ۔ اسے کس طرح نگاہ چرانا چاہئے تھی۔ سب بھول گئی تھی وہ۔ اپنے، اس کے تعلقات میں اتنی، اس درجہ قربت پہلی بار محسوس کی تھی۔ اس کی نگاہوں کی وہ تپش پہلی بار محسوس کی تھی۔ وہ سانسوں کی تپش جو اس گھڑی اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھی، وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔

یہ سب بہت نیا تھا اور شاید پہلی بار تھا۔ اس سے پہلے اذہان نہ اس کے اتنا قریب آیا تھا نہ اس طرح اس سے اظہارِ بیاں کیا تھا۔ وہ حیران نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔

اس کی نگاہ اسی طرح ساکت تھی۔ جب اذہان نے سر جھکا کر اس کی پیشانی پر بڑی عقیدت سے اپنے لب رکھ دیئے تھے۔

''آئی نیڈ یو......آئی ریلی نیڈ یو ساہیہ......!'' وہ اسے خود سے بھینچے بہت مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا اور ساہیہ کو وہ پل ساکت لگے تھے۔ کسی خواب جیسے۔

جیسے وہ وقت کوئی خواب تھا۔ حقیت کا جس سے دور تک واسطہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

اپنی غلطی کا کچھ اندازہ تو تھا مگر وہ اس طرح فوری طور پر اسے ایکسپیکٹ نہیں کر سکتی تھی۔ قصور سارا اس کا نہیں تھا۔ کچھ قصور تو عفنان علی خان کا بھی رہا تھا۔ سو پھر وہ کیوں جھکتی اور پھر روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہا دینے سے کہیں سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ کون کتنی محبت اب بھی کرتا ہے اور کرتا بھی ہے کہ نہیں۔ گو تحفے تحائف ہیں تو محبت کی ہی نشانی مگر۔ وہ ماننے کو اب بھی تیار نہیں تھی۔

سو شام میں لامعہ اور اوزان کی مایوں کے لیے وہ اس کی لائی گئی بیش قیمت جدید تراش خراش کی ساڑھی زیب تن کیے اور جیولری پہنے زینہ اُتری تو وہ بالکل بھی نہ چونکا۔ حالانکہ اسے چونکنا تو چاہیے تھا۔ یہی تیاری کچھ دل سے ہوئی تھی۔ فان کلر کی ساڑھی میں بہت جچ رہی تھی مگر عفنان نے ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہ ڈالی تھی۔ انابیہ کو اپنی تیاری ضائع ہو جانے پر ملال تو ہوا تھا مگر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی

تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کی طرف پہنچی تھی۔ وہ متوجہ نہیں ہوا تھا۔

''آپ سامان پیک کر لیتیں''۔ اس کی طرف دیکھے بغیر کہا گیا تھا۔

''کس لیے؟'' وہ چونکی تھی۔

''آپ کے بھائی کی شادی ہے۔ پھر کہیں گی ظلم کر دیا آپ پر۔ آپ کو اس گھر اور چار دیواری میں قید کر دیا گیا۔ مجھے تو ڈر ہے دہائی دے کر کہیں دو چار این جی اوز کو نہ بلا لیا جائے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی یہیں ہو رہی ہے۔ ہیومن وائلیشن والی تنظیمیں تو مفت میں دھر لیں گی مجھے''۔ وہ طنز کے تیر تابڑ توڑ برسا رہا تھا۔ انابیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بولی تھی۔

''بری لگتی ہوں نا آپ کو؟...... ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کھڑا کیوں نہیں کر دیتے پھر آپ؟'' آنکھوں میں بھرپور نمی تھی۔

عفنان علی خان کو اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری...... آئی ڈِڈ ناٹ مین ٹو ہرٹ یو''۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال والا ہاتھ آگے بڑھایا مگر انابیہ نے وہ ہاتھ ایک جھٹکے سے جھٹک دیا تھا۔

''بہت بری لگتی ہوں نا آپ کو...... جینا دوبھر کر دیا ہے ا آپ کا۔ دم گھٹتا ہے نا آپ کا میرے ساتھ ایک چھت تلے رہتے ہوئے۔ تو ختم کر دیجئے سب۔ کیا ضرورت ہے زبردستی کا بوجھ ڈھونے کی؟ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں آپ؟...... اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود چلی جاؤں تو ٹھیک ہے۔ میں ہی چلی جاتی ہوں''۔ ایک پل میں فیصلہ لیتی ہوئی وہ پلٹی تھی جب ہاتھ عفنان کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ عفنان ایک قدم آگے بڑھا کر اس کے مقابل آن رکا تھا۔ اس کے چہرے کو چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور اپنے چہرے کے قریب کر کے ان پلکوں کی ساری نمی چن لی تھی۔

اس کی آنکھیں بتاؤ کیسی ہیں؟

جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

''ان آنکھوں کی نمی کبھی نہیں دیکھ سکتا میں...... ان آنکھوں میں نمی کبھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ کیونکہ یہ آنکھیں آج بھی مجھے اس دنیا میں ہر شے سے زیادہ پیاری ہیں''۔ بہت مدھم لہجے میں سرگوشی ہوئی تھی اور انابیہ بُت سی بن گئی تھی۔ نگاہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی صرف۔ حیرت سے سوا حیرت تھی۔

''آئی لو یو انابیہ!...... یس، آئی اسٹل ڈو...... وہاٹ اباؤٹ یو؟...... میں آج بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔ میری جنوں خیزی اب بھی ویسی ہی ہے۔ تمہارے لیے میری محبت کبھی نہ کم ہوئی تھی، نہ کبھی ہوگی۔ اظہار کو زبان نہ ملے تو محبت مر نہیں جاتی۔ محبت ختم نہیں ہوتی انابیہ! اگر میں تم سے نہیں کہہ سکا، کچھ حالات ایسے رہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اب تم سے محبت نہیں کرتا۔ کرتا ہوں۔ بے حد، بے حساب کرتا ہوں۔ میں تو آج بھی اتنا ہی پاگل ہوں۔ تم جن بدگمانیوں میں سانس لیتی رہیں میں انہیں کبھی اس طور ختم نہیں کر سکا۔

مگر تم نے یہ کیسے جان لیا کہ میں تم سے تنگ آ چکا ہوں۔ یا اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی''۔
اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا وہ کہہ رہا تھا اور انابیہ کی سماعتیں سراب ہوتی جا رہی تھیں۔

محبت کو اظہار کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے
چاہے کتنی بھی پرانی ہو جائے
اس کی جڑیں چاہے دور تک پھیل جائیں
مگر ضرورت رہتی ہے کہنے کی
مجھے تم سے محبت ہے......!

اگر آج عفنان اس طرح نہ کہتا تو وہ اپنے طور پر کیا کیا سمجھی بیٹھی تھی۔ اس کی سانسوں کی تپش اس کے چہرے پر تھی۔ وہ اپنا بھرپور استحقاق استعمال کر رہا تھا۔ اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھے وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ نگاہ اُٹھ نہیں رہی تھی۔ وہ اندر تک سرشار ہو گئی تھی۔ محبت کی بارش پور پور اُسے بھگو گئی تھی۔

''انابیہ!...... میں ہمیشہ سننا چاہتا تھا تم سے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو مگر میں بھی تو بدگمان ہو سکتا ہوں نا۔ میں بھی سننا چاہتا ہوں انابیہ! تم نے کبھی مجھ سے محبت کی یا نہیں؟'' وہ ان لمحوں کو خوشبوؤں میں باندھ رہا تھا۔

انابیہ سر جھکائے مسکرا دی تھی۔

''آپ جانتے ہیں...... پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ نگاہ بارِ حیا سے جھکی جاتی تھی۔

''کیا جانتا ہوں میں؟...... میں تو کچھ نہیں جانتا۔ ہاں جاننا ضرور چاہتا ہوں''۔ اس رنگوں بھرے چہرے کو بھرپور دلچسپی سے تکتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انابیہ سر جھکائے مسکرا دی تھی۔

''آپ جانتے ہیں۔ کوئی خود کو کسی کو یونہی نہیں سونپ دیتا''۔

''اوہ، آئی سی''۔ وہ ہونٹ سکوڑ کر مسکرا دیا تھا۔ ''یہ تو دونوں طرف برابر لگی ہوئی تھی یعنی۔ بڑی گھنی ہیں آپ۔ کبھی خبر ہی نہیں ہونے دی''۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''جھوٹ مت بولیں۔ خبر تو آپ کو تھی''۔ وہ اسے پکڑتے ہوئے بولی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''میں بھی بندہ بشر ہوں۔ سمجھ سکتا ہوں کہ اب آپ کو مجھ سے محبت نہیں رہی''۔ آنکھوں میں شرارت بھرے وہ بولا تھا۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہے عفنان!'' وہ بولی تھی۔

''تو پھر کیسا ہے انابیہ؟'' وہ شرارت پر مائل تھا۔

''مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ اتنی نہ سہی، مگر ہے ضرور۔ تبھی تو میں اس گھر سے کہیں نہ جا سکی۔ ہمیشہ آپ سے شکوے کرتی

رہی۔ اگر محبت نہیں ہوتی تو کوئی کمپلین کیوں کرتی''۔ وہ مسکرائی تھی۔

''اوہ......تو کمپلینز کا مطلب محبت ہوتا ہے۔اوہ، رائٹ۔ یہ بات مجھے نہیں پتہ تھی''۔ وہ مسکرایا تھا۔''تو ٹھیک ہے......اب آپ جتنی زیادہ کمپلینز کریں گی، میں اتنا ہی سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ مجھے یونہی فضول میں اتنے دنوں تک لگتا رہا کہ میں زبردستی کوئی حق وصول کر رہا ہوں۔ اگر وہ خودسپردگی تھی تو اس کے بارے میں مجھے اتنی دیر بعد کیوں بتایا گیا؟'' وہ شرارت پر مائل تھا۔

انابیہ نے مسکراتے ہوئے اس کے حصار سے خود کو نکالا تھا۔

''جلدی چلیں......وہاں مایوں کی رسم شروع نہ ہو چکی ہو۔ممی نے مجھے پہلے آنے کا کہا تھا اور میں لیٹ ہوں''۔

عفنان نے اسے تھام کر ایک بار پھر قریب کر لیا تھا۔

''سچ کہوں......بالکل بھی موڈ نہیں ہے اب کہیں جانے کا۔ایسا کرتے ہیں ہم فون کر کے منع کر دیتے ہیں، ہم نہیں پر ہے۔آج ہمارا موڈ محبت کرنے کا ہے......!'' شرارت سے کہتے ہوئے جیب سے سیل فون نکال تھا۔جب انابیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا سیل والا ہاتھ نیچے کر دیا تھا۔

''اس کام کے لیے بہت سا وقت ہے ہمارے پاس۔مگر فی الحال وہاں اوزان اور لامعہ ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے''۔ وہ خالصتاً بیویوں والے انداز میں ڈپٹتے ہوئے بولی تھی۔ وہ مسکرایا تھا۔

''ٹھیک ہے......لیکن تم وہاں رات نہیں رہو گی۔ میرے ساتھ گھر واپس آؤ گی۔ رائٹ؟'' وہ آگے بڑھی تھی اس کا ہاتھ تھام کر جب وہ رُک کر وہیں پر جم کر شرط رکھتے ہوئے بولا تھا۔

انابیہ بلش ہو کر رہ گئی تھی مگر پھر دیر ہونے کے خیال سے فوراً سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے......چلیئے اب''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ کو پہلی بار سب کچھ بہت دل کش لگا تھا۔ اس اونچے لمبے شخص کا اپنے قدموں سے قدم ملا کر چلنا۔ اسے ایک لمحے میں اپنی دنیا بہت مکمل لگی تھی۔

☆......☆......☆

اُس کی بانہوں کی گرفت میں ہی نہیں وہ اس کی نظروں کی تپش سے بھی پگھل رہی تھی۔

''گومی ڈاریزن ساہیہ!......وائے یو لیو می؟......صرف ایک بار کہو، تم کیوں چھوڑ کر جانا چاہتی ہو مجھے؟''

ساہیہ کو اپنا آپ ایک لمحے میں بہت ہارتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

وہ سمجھی تھی وہ تعلق ''تعلق خاص'' نہیں۔ اس کی کوئی امپورٹنس نہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی اذہان کو اس کے دور جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو وہ غلط تھی۔

"اذہان! بہت کوشش کی تھی میں نے۔ مگر مجھے لگتا تھا میں ہار رہی ہوں۔ کہیں کوئی شے تمہارے میرے درمیان ہے۔ وہ جو ہونا چاہیے تھا، وہ نہیں ہے۔ وہ احساس، وہ فیلنگز میں تنہا نہیں جگا سکتی تھی جو اس رشتے کی ضرورت ہیں۔ سو میں نے ڈیسائیڈ کیا کہ تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں۔ میں نے کبھی چاہے کچھ بھی کہا ہو مگر میں ایک لڑکی ہوں۔ اندر سے میری فیلنگز بھی کچھ مختلف نہیں ہیں۔ میں تمہیں مکمل طور پر اپنا دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر آئی واز فیلنگ مائے سیلف ٹمبل ڈاؤن۔ سیم تھنگ واز ٹمبل اِن سائیڈ۔ اور وہ سہنا میرے لیے آسان نہیں تھا۔ سو میں نے سوچا اگر کوئی رشتہ ورک نہیں کرتا تو اسے چھوڑ دینا بہتر ہے، کیونکہ میں نے اپنا سو فیصد بیسٹ اس رشتے کے لیے دیا تھا اور......!"

اور تم سمجھتی ہو میں نے سو فیصد نہیں دیا؟" اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر نگاہ چرا گئی تھی۔

"ساہیہ!......اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے اوپر اُٹھایا تھا۔

'ہنی! میں نے بھی اپنا بیسٹ دیا ہے۔ سو فیصد۔ آئی ایم یورس۔ میں تمہیں اپنا آپ سونپ رہا ہوں۔ اور اس دن کے لیے میں نے تم سے وقت چاہا تھا جب میں کہہ سکوں کہ میں تمہارا ہوں اور آج کا ایک ایک لمحہ مجھے بتا گیا کہ اگر تم میری زندگی سے جاتی ہو تو میں بالکل خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ کچھ نہیں رہے گا میرے پاس......تم مجھے ادھورا کر جاؤ گی......کیا تم مجھے ادھورا کرنا چاہتی ہو؟" براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔ ساہیہ کچھ دیر تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ پھر یک دم اس نے سر انکار میں ہلا دیا تھا اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

"یو کمپلیٹ می اذہان! اینڈ آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گو اینی ویئر ناؤ"۔ بہت مدھم لہجے میں وہ اپنا اقرار اسے سونپتے ہوئے بولی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

پہلی بار اس نے خود کو بہت پُرسکون پایا تھا۔

اور مکمل بھی......!

☆......☆......☆

وہ بہت فریش سی اُٹھی تھی۔ کسی طرح کی کوئی ٹینشن اب اس کے چہرے پر نہ تھی۔ وہ ریلیکس تھی۔ تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آئی تھی۔ زوباریہ نے ناشتہ لگا دیا تھا۔ فانی بیٹھا تھا اور پاپا بھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"گڈ مارننگ......!"

"گڈ مارننگ بیٹا!......سو یو آر ریڈی ٹو ڈو ورک ایٹ یور آفس"۔ پاپا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"یس پاپا......آئی ایم......!"

"اوہ......تو بیٹی آج آفس سنبھالنے جا رہی ہیں۔ ڈیٹس اے گڈ ڈی سی ژن"۔ زوباریہ اس کے لیے چائے انڈیلتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"تھینکس زوباریہ!......خود کو ناکارہ کرنے سے بہتر ہے میں پاپا کے ساتھ ان کے کام میں کسی قدر ہاتھ بٹاؤں"۔

"ہاں...... بالکل صحیح فیصلہ کیا تم نے۔ تمہیں یہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ بیٹی ہو یا بیٹا، آخر کو والدین کے بازو ہوتے ہیں"۔

زوبار یہ نے مسکراتے ہوئے اسے اپیری شیٹ کیا تھا۔

میرب خوش خوش ناشتہ کرنے لگی تھی جب گھر کے پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز آئی تھی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ملازم اندر داخل ہوا تھا۔

"صاحب! سردار سبکتگین حیدر لغاری آئے ہیں۔ میرب بی بی سے ملنا چاہتے ہیں"۔

مظہر سیال ہی نہیں، وہ بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے......انہیں اندر بلاؤ"۔ مظہر سیال نے کہا تھا۔ میرب کی دھڑکنیں ٹھہرنے کو تھیں۔ تو کیا فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی؟ فیصلہ ہو گیا تھا؟......سردار سبکتگین حیدر لغاری نے طے کر لیا تھا جو آج اس کو مطلع کرنے آن پہنچا تھا؟...... وہ اپنے ایک نئے دن کی شروعات کرنے چلی تھی۔ ایک نئی اُمنگ اور حوصلے کے ساتھ بیدار ہوئی تھی اور وقت اس کے لیے کیا طے کرنے چلا تھا......!!!

"صاحب کہہ رہے ہیں، بی بی صاحبہ باہر آجائیں۔ وہ ان کا انتظار کر رہے ہیں"۔ تھوڑی ہی دیر بعد ملازم دوبارہ سر پر تھا۔

میرب کی دھڑکنیں بند ہونے کو تھیں۔ قسمت اس کے لیے جانے کیا لکھ چکی تھی۔ کیا طے کر چکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔

"جاؤ بیٹا!" پاپا بولے تھے۔

وہ ہمت کر کے اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر آگئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی میں اس کا منتظر تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھی تھی۔

"گڈ ڈے!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا۔

"گڈ ڈے!" وہ مروتاً بولی تھی۔

"ہاؤ آر یو؟" احوال پوچھا گیا تھا۔

میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ جواباً پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ سو نہیں پوچھا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مطمئن انداز اسے بتا رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ کر کے آیا تھا۔

"سو اینی پلان فور ٹوڈے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے سوال پوچھ پوچھ کر کسی حد تک تو حیران کر ہی رہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔ پاپا کے ساتھ آفس جا رہی تھی"۔

"واؤ......ہاؤ ونڈر فل اِز ڈیٹ۔ تو کب سے یہ کام سنبھالا تم نے؟"

"آج ہی سے"۔

"گڈ......لیکن تم اگر آفس سنبھالو گی تو پھر میرا گھر کون سنبھالے گا؟"

''کیا......؟؟؟'' مطمئن لہجے میں کہا گیا ایک جملہ اسے حیرتوں میں ڈال گیا تھا۔ بے حد چونک کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ خلافِ معمول!!!

''سوری......!!!'' وہ جیسے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی تھی۔

''آفس کی ذمہ داریاں سنبھالنا اچھی بات ہے میرب! مگر میں چاہتا ہوں میری وائف میری اور میرے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالے''۔ اتنی بڑی تبدیلی کی اُمید میرب کو نہیں تھی۔ یہ صبح اس کے لیے کیا لے کر آئی تھی۔ اس نے وقت کو خود کے حوالے کیا تھا اور......!

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور بہت آہستگی سے بولا تھا۔

''آئی ایم سوری میرب! اِف آئی ایور ہرٹ یو۔ بٹ آئی ڈِڈ ناٹ مینٹ ٹو اوفینڈ یو''۔ بہت انکساری سے وہ بولا تھا۔

میرب سیال اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

ایسے پتھر صف انسان سے اس بات کی اُمید نہیں تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے زندگی میں کبھی کسی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے لگتا تھا کوئی کہیں بھی ضروری نہیں ہے۔ تم نے دیکھا، مجھے واقعی رفاقتوں پر اعتبار نہیں تھا۔ یہ ٹھہرنا، رُکنا مجھے نہیں آتا تھا مگر...... پھر مجھے رُکنا اچھا لگا۔ میں رُک گیا۔ ٹھہر گیا اور میرا دل ان لمحوں کو روکنے کو چاہنے لگا۔ میں وقت کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ شاید تبدیل ہو رہا تھا۔ اس ساتھ کو ایکسپٹ کر رہا تھا مگر میں مان نہیں رہا تھا...... بٹ آئی کنسیڈر اِٹ ناؤ۔ یو چینجڈ می میرب!...... ڈیٹ واز یو!...... وہ تم تھیں جس نے میری زندگی کو نئے زاویوں پر موڑا۔ مجھے نئے طریقوں سے سوچنا سکھایا۔ مجھے بتایا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ کسی کے لیے سوچنا کیوں اچھا لگتا ہے۔ جاگنا کیوں اچھا لگتا ہے۔ یہ تم نے مجھے سکھایا۔ میں ہار چکا تھا میرب! شاید بہت پہلے۔ مگر میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ہمیشہ تمہارے خلاف رہا میں۔ ہمیشہ تمہارے خلاف بات کی۔ تمہارا دِل دُکھایا۔ بہت برا ہوں نا میں۔ تم چاہو تو مجھے کوئی بھی سزا دے سکتی ہو۔ آئی وِل ایکسپٹ ڈیٹ۔ بٹ بی فور ڈیٹ لٹ می سے۔ آئی ڈو ہیئر اباؤٹ یو۔ پلیز گِو می آ چانس ٹو ٹیک کیئر آف یو۔ فور ہول مائی لائف...... لٹ می پروٹیکٹ یو...... لٹ می لو یو......!

میں اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک سانس تمہارے ساتھ بِتانا چاہتا ہوں میرب! مجھے موقع دو کہ میں تمہیں اپنا آپ پروف کرا سکوں۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔ بہت سی محبت ہے میرب! بہت سی محبت سونپنا چاہتا ہوں میں۔ مجھے چانس دو۔ اِک عمر گزار کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور اس محبت کے رنگ کچے نہیں میرب!''

بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔ اس کے لہجے میں صفائی تھی۔ ایک یقین تھا...... میرب سیال اس کی طرف خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں، یقین تھا کہ وقت اس کے لیے اتنا بدل سکتا ہے۔ یہ شخص اتنا بدل سکتا ہے، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کیا واقعی بدل چکا تھا وہ۔

کل تک جو اُسے کیسی کیسی آفرز دے رہا تھا اور آج......!

''تم مجھ سے بدگمان ہو میرب! ڈیٹ آئی نو۔ تم مجھ سے خوش نہیں ہو، یہ بات جانتا ہوں میں۔ بہت زیادہ آفنڈ کیا ہے میں نے

تمہیں۔آئی ڈونٹ نو، وہاٹ آئی ڈیز رو۔ بٹ اِف یو تھنک آئی ڈونٹ ڈیز رو دین یو کین ٹیک یور سیلف بیک۔ فیصلہ میں تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں میرب! میں نے تم پر ہمیشہ اپنی مرضی تھوپی ہے۔ مگر اب میں ایسا نہیں چاہتا۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہارے لیے بہتر ہوں تو یو کین کم الونگ وِدمی۔ میں فیصلے کا حق تمہیں دے کر تمہیں آزاد چھوڑتا ہوں۔ میں فطری طور پر حکم دینے کا عادی رہا ہوں مگر اپنی زندگی کے اس فیصلے کے لیے میں تم پر کوئی زبردستی نہیں چاہتا۔ مگر یہ بات سچ ہے کہ آئی ایم اِن لو وِدیو۔ بیڈلی اِن لو وِد یو۔ میں نے کبھی کسی کے لیے اپنی نیند برباد نہیں کی مگر تمہارے لیے جانے کتنی راتوں تک جاگا ہوں میں۔ میں نے کبھی کسی کے لیے لمحے نہیں گنے، مگر تمہارا انتظار کرتے ہوئے میں نے لمحوں کو شمار کیا ہے میرب! تم نے مجھے بدل دیا۔ میرے سوچنے کے انداز کو بدل دیا۔ اگر تم میری زندگی میں نہیں آتی تو شاید میں بہت ہی بے معنی سی زندگی گزار رہا ہوتا۔ مائی کو لگتا ہے تم میرے لیے بہترین انتخاب ہو۔ مجھے اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ بسر کرنی چاہیے۔

گی بھی یہی سوچتی ہے کہ تم سے زیادہ بہتر لڑکی میری زندگی میں نہیں آسکتی اور میں...... میرب! میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ تم سے زیادہ بہتر مجھے کوئی نہیں مل سکتی۔ مگر تم کیا سوچتی ہو، یہ بات زیادہ اہم ہے میرے لیے۔ میں سیلفش نہیں ہونا چاہتا۔ اگر میں صرف اپنے بارے میں سوچ کر ہی فیصلہ صادر کر دوں تو یہ ناانصافی ہوگی۔ سو اس بار فیصلے کا حق تمہارے پاس ہے۔ میں نے تم سے تم تک کا سفر طے کیا ہے۔ میں نے ہمت کی ہے۔ میں تم تک آیا ہوں۔ مگر تمہارے راستے کیا راہ اختیار کریں گے یا تمہارے راستوں کی کیا سمت ہونی چاہیے یہ تم طے کرو گی۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟''

اس نے تمام باتیں کر کے فیصلے کا حق اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ میرب کے لیے یہ لمحہ اتنا مشکل نہیں تھا مگر اتنا کچھ سہا تھا اور اب اتنا کچھ سنا تھا کہ آنکھیں بھیگے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

وہ اس کی سمت سے نگاہ ہٹائے ہوئے اپنی آنکھوں کو نمی کی راہ دینے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے چپ چاپ دیکھنے لگا تھا، پھر بہت آہستگی سے ٹشو نکال کر ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

''میرب! تمہاری آنکھوں میں آنسو میں کبھی بھی نہیں دیکھ سکا۔ بہت مشکل لمحہ ہوتا ہے یہ میرے لیے۔ اس کے باوجود کہ میں نے تمہیں بہت بہت رُلا دیا ہے، میں تمہیں کبھی بھی رُلانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر کبھی کبھی، بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کے خلاف ہو جاتا ہے۔ سو میں بھی وقت کو کبھی اپنے حق میں نہیں کر پایا۔ آج جب سب کچھ میرے اختیار میں ہے تو تب بھی میں خود کو بہت زیادہ بے اختیار محسوس کرتا ہوں۔ تم کیا سوچتی ہو میرب! پلیز، اپنے بارے میں بتا کرو۔ میں کیا سوچتا ہوں، کیا چاہتا ہوں یہ اہم نہیں ہے۔ تم کیا سوچتی ہو، کیا چاہتی ہو، یہ اہم ہے''۔

اتنے اہم موڑ پر ایک مشکل ترین فیصلے کا حق اسے سونپ رہا تھا وہ۔ دریا دلی سی دریا دلی تھی۔

بھلا ہو تیرا تُو نے مجھ کو

رہائی تو دی اور پَر کاٹ ڈالے

وہ فیصلہ کرتی بھی تو کیا کرتی......سوچتی بھی تو کیا سوچتی!

اس کی زندگی کی سمت تو بہت عرصے پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔ وہ تو بس راہ پر چل رہی تھی۔ اس کی سمت سفر کر رہی تھی۔ اور وہ......!

''گین! تمہارے لیے زندگی چاہے کچھ بھی رہی ہو، مگر میرے لیے زندگی کا مفہوم ہمیشہ سے تم تھے۔ میرے ہر راستے پر، ہر منزل پر میں نے تمہیں کھڑا پایا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اگر میں ہاتھ بڑھاتی تھی تو تم کہیں نہیں تھے مگر میرے خوابوں میں، میرے خیالوں میں، میری زندگی میں، میری اُنگلی تھامے ہر سمت تم تھے۔

تم سے ہمیشہ دور بھاگنا چاہتی تھی میں۔ مگر جب بھی تم سے دور بھاگنا چاہتی تھی، کھلتا یہی تھا کہ درحقیقت تمہاری ہی سمت بھاگ رہی ہوں۔ میرا سفر تو ہمیشہ سے تمہاری ہی سمت تھا اور یہ بات میں تمہیں بتا بھی چکی ہوں۔ کہہ رہی ہوں کہ تم میرے لیے کیا ہو''۔

وہ مکمل توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔

اور میرب کہہ رہی تھی۔

''تم اور مجھ میں سب سے بڑا فرق ہے گین! تم بہت اگوئیسٹ ہو۔ اپنی غلطی نہیں مانتے۔ مانتے بھی ہو تو بہت دیر سے۔ جبکہ میں...... میں بہت جلد کسی بھی بات کے لیے ایکسکیوز کر سکتی ہوں۔ تم نے اتنی چھوٹی سی بات کو ماننے میں اتنی دیر کر دی۔ اتنے زیادہ دن......گین! تم جیسا شخص جس کے لیے اپنی پوزیشن، اپنے اسٹیٹس کے لیے ایک ایک لمحہ اہم ہے، ایک ایک منٹ حتمی ہے تم نے اتنے دن ایک چھوٹی سی بات کو تسلیم کرنے میں لگا دیئے۔

صرف اتنی چھوٹی سی بات کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

گین! یہ سچ ماننا تمہارے لیے اتنا مشکل تھا کہ لوگوں کو تمہیں فورس کرنا پڑا۔ آج اگر تم میرے سامنے ہو تو اس لیے کہ مائی اماں نے کہا کہ آئی ایم سو گڈ فور یو۔ تم آج مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہو۔ صرف اس لیے کہ گی نے تم سے کہا کہ میں تمہارے لیے بہتر ہوں۔ مگر گین! تم......تم خود......تمہاری مرضی کیا ہے؟ تم جیسا بزنس ٹائیکون، کروڑوں کی بزنس ڈیلز کرنے والا بندہ خود اپنا نفع نقصان نہیں جان پایا۔ اسے خود معلوم نہیں کہ اس کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا......!''

''سنو میرب!......میں......''

''میری بات کمپلیٹ نہیں ہوئی ابھی سردار سبکتگین حیدر لغاری! پلیز لِسن ٹو می۔ تم نے مجھے بولنے کا اختیار دیا ہے تو میری سنو بھی۔ تم خود کیوں جان نہیں پائے کہ میں تمہارے لیے کتنی ضروری ہوں''۔

میرب بولی تھی۔ اُسے لگا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی برداشت جواب دے جائے گی اور وہ غصے میں اسے گاڑی سے باہر نکال دے گا اور خود گاڑی دوڑاتا واپس گھر چلا جائے گا، مگر اس کے اندازوں کے برعکس وہ مسکرا دیا تھا۔

وہ شخص مسکرا رہا تھا اور اس کے لیے یہی باعث حیرت تھا یعنی وہ شخص بہت حد تک واقعی بدل چکا تھا۔

''میرب!......ہنی!...... میں اگر تمہارے سامنے ہوں تو اس کے کئی رِیزنز تمہیں بتا چکا ہوں۔ سب سے بڑا رِیزن محبت ہے میرب! اور محبت کا کوئی رِیزن نہیں ہے۔ کیونکہ محبت کسی رِیزن کے بغیر ہوتی ہے۔ اور آئی لو یو وِدآؤٹ اینی رِیزن......!''

بہت مدلل اور ٹھوس بات کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے لبوں کے قریب لے گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اتنی ہی نرمی سے بولا تھا۔

''آئی لو یو میرب!......آئی رئیلی لو یو۔ میرے پاس اس سے بڑا رِیزن کوئی نہیں ہے اور اس بات کے لیے مجھے کسی نے فورس نہیں کیا۔ میں خود یہ بات کہہ رہا ہوں۔ کیا تم اپنی ساری لائف میرے ساتھ گزارنا چاہو گی؟'' اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ بولا۔

میرب کچھ لمحوں تک اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر بہت آہستگی سے اپنا سر ہلا دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے تھاما تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ بہت عقیدت سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے اور پھر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''میرب! آئی لو یو ہنی!......اینڈ آئی وِل نیور لٹ یو ڈاؤن۔ تمہیں زندگی میں کسی بھی مقام پر میں شکایت کا موقع نہیں دوں گا لیکن کہیں پھر بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو تم کمپلین کر سکتی ہو۔ میں اپنی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے تم سے دور رہ کر زندگی کو جانا ہے۔ اس کے بعد میں تم سے دور کبھی نہیں رہنا چاہوں گا۔ سو میں نے مائی سے کہہ دیا ہے کہ فوراً رُخصتی کی بات کر لیں۔ ناؤ آئی ڈونٹ وانٹ ویسٹ ٹائم اینی مور۔ پہلے ہی بہت سا وقت گنوایا ہے''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور میرب سیال کے چہرے پر کئی رنگ بکھر گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آگے بڑھا دی تھی۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' میرب نے پوچھا تھا۔ اندر ایک اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا بازو اس کے گرد پھیلا تھا اور اس کا سر بدستور اس کے شانے پر تھا۔ مگر گاڑی ریورس گیئر میں باہر نکلتے دیکھ کر اس کی پوزیشن یک دم ہی تبدیل ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے گرد سے اپنے بازو کا حصار نہیں ہٹایا تھا مگر اس نے اپنا سر ہٹا لیا تھا اس کے شانے پر سے۔

''ہم مائی سے ملنے جا رہے ہیں میرب! اپنی بہو سے بہت اداس ہے ان کا جی۔ اور وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ ہم آج ایک اچھی نیوز کے ساتھ ان کی مورننگ بھی اچھی بنا دیں گے۔ ان کے خیال سے میں ان کا ایک نالائق بیٹا ہوں جو اب تک انہیں ایک عدد بہو اور چار پوتے نہیں دے سکا۔ بٹ ناؤ آئی ڈِسائیڈڈ۔ اِٹس ڈن۔ ہم فوراً ہی ہنی مون پر جائیں گے اور اس مشن پر کام شروع کر دیں گے''۔ وہ مسکرا رہا تھا اور میرب سیال کا چہرہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ چکا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟...... بچے کتنے ہونے چاہئیں؟'' وہ معمول سے ہٹ کر بول رہا تھا اور میرب میں قطعاً ہمت نہیں تھی اس کا کوئی جواب دینے کی۔

''مجھے نہیں پتہ''۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی۔

وہ ہنس دیا تھا۔

”پتہ تو مجھے بھی نہیں......لیکن جتنے بھی ہوں اچھے ہونے چاہئیں۔ گرلز لائیک یو اینڈ گائز لائک می......!“

”گیِن......!“ وہ ڈپٹتی ہوئی بولی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔ اس طرح ہنستا ہوا وہ اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی اور اس کے خود کے اندر بھی اطمینان ہی اطمینان تھا۔

گاڑی سیاہ کول تار کی سڑک پر بھاگ رہی تھی اور وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”آئی وِل بی لونگ یو فور ایور“۔

جملے کی صداقت پر اُسے اعتبار تھا، تبھی وہ بھی مسکرا دی تھی۔

(ختم شد)